

جاست جکوزہ جگر

فوزیہ یاسمین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

دستِ گزشتہ



کمرے میں کھل اندھیرا پھیلا ہوا تھا، کھڑکی پر پڑے وچر پڑے اگر کھول بھی دیے جاتے تب بھی کمرے میں پھیلی تاریکی میں کوئی کمی نہ آتی کیونکہ چاند کی آخری تاریکیں تھیں، تو وہی رات گزر جائے کہ باعثِ باہر سڑک بھی سنائے میں ڈوبی تھی اور پھر یہ کوئی شہر کے جس پوش ایریا میں واقع تھی وہاں اس پاس بہتے گھر بڑے بڑے لان کی وجہ سے ایک دوسرے سے بہت دور محسوس ہوتے تھے چنانچہ کسی قسم کی آواز یا آہٹ سنائی دینے یا مہمانوں کی آمدورفت سے واقفیت حاصل کرنے کا نہ کوئی طریقہ تھا نہ امکان اور محض تو پھر محکمہ تھا اکثر گھروں میں کوٹھیوں کے طول و عرض کے باعث گھر کے افراد گھر میں ایک دوسرے کی موجودگی اور غیر موجودگی سے ہی سبے خبر



قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی مصومات میں اضافے اور تلخیص کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے غرضی سے محفوظ رکھیں۔

”کیا ہوا کھڑی کیوں ہوا رے جلدی کرو نہیں ماما پانا نہ آجائیں۔“ زوسہ اس کے چہرے پر شش و پنج کے آثار دیکھ کر رہی تھی۔

”زوسہ کیا تمہیں یقین ہے کہ میرے عمل پڑھنے سے وہ روح یہاں آجائے گی۔“ رخسار نے تامل سے پوچھا۔

”ہاں۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم نے بت بار۔“

”ہاں میں نے کہا تھا، لیکن۔۔۔ چلو چھوڑو زوسہ بتاؤ تم اپنی خالہ کی روح سے مل کر کیا کرو گی۔“ رخسار نے اپنی جھنجھلاہٹ پر بند باندھتے ہوئے اس کے سامنے فرش پر بیٹھ کر رسالت سے پوچھا۔

”مجھے کچھ پوچھنا ہے ان سے۔“ زوسہ بولی۔

”یہی کہ انہیں کس نے مارا تھا۔“ زوسہ آہستہ سے بولی۔

”لیکن تم تو کہہ رہی تھیں انہوں نے خودکشی کی تھی۔“ رخسار الجھ کر بولی۔

”ہاں نہیں خودکشی کی تھی یا ان کا قتل ہوا تھا، لیکن کسی کو خودکشی پر مجبور کر دینا بھی تو قتل ہی ہے۔“ زوسہ کا لہجہ افسردہ ہو گیا۔

”ہاں وہ تو ہے۔ مگر میرے پوچھنے کا مطلب ہے تمہیں ان سے کیا پوچھنا ہے تم تو سب جانتی ہو تمہیں ہی کہا تھا انہیں کچھ لوگوں نے اغوا کر لیا تھا اور ان کی وجہ سے تمہاری خالہ کی ڈیوٹھ ہو گئی۔“ رخسار کے چڑ کر کہنے پر زوسہ خاموشی سے اس کی شکل دیکھتی رہی، کچھ دیر رخسار اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی، پھر اس کی طرف سے مایوس ہو کر کہنے لگی۔

”جب تم سب جانتی ہو تو ان سے پوچھ کر انہیں اذیت میں کیوں ڈالنا چاہتی ہو، تمہیں نہیں معلوم جب ہم اس طرح روحوں کو ملاتے ہیں تو انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔“

”کیا تم روح بلا نا نہیں جانتیں۔ تم نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا وہ سب جھوٹ تھا۔“ زوسہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولی تو ایک لمحے کے لیے رخسار سنبھل گئی، پھر سنبھل کر کہنے لگی۔

”کیسی کوئی بات نہیں۔ میں تو اس روح کے بھلے کے لیے کہہ رہی تھی، خیر چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ کیا نام ہے ان کا اور ان کی ماں کا۔ دنیا میں بھلے ہی کہیں باپ کے نام کی ضرورت پڑتی ہو مگر روحانی کاموں میں ہر جگہ ماں کا نام چاہیے ہوتا ہے۔“ رخسار نے آہستہ پالتی ہاتھ ہوتے ہوئے خالص درویشانہ انداز اپنا لیا، زوسہ نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا کاغذ کا بڑا سا رول کھول کر اپنے اور رخسار کے درمیان بچھالیا، اس پر انگریزی کے کئی حروف لکھے ہوئے کے ساتھ مختلف خانے بنے ہوئے تھے یہ رول رخسار اپنے گھر سے لے کر آئی تھی۔

”مئی کا نام زبیدہ جہانزیب ہے اور میری خالہ کا نام شائستہ ہے۔“ زوسہ جلدی جلدی بولی۔

”ہوں۔ ذرا ایک گلاس دینا کراچی کا۔“ رخسار نے دونوں آئینہ لیلوں کی پشت گھنٹوں پر رکھ لیں اور آنکھیں بند کر کے کہنے لگی۔

”کیوں؟“ زوسہ کے منہ سے بے اختیار نکلا، ”وہ یہاں سے اٹھ کر کچن تک جانے کے خیال سے الجھ گئی تھی“

ہوتے تھے۔ آخر گھڑی نے جب رات دو بجے کا غنیمت دیا، تب رخسار کو اپنے کندھے پر زوسہ کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ گردن گھما کر اندر چہرے میں اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

”رخسار سو گئیں کیلا۔“ تاریکی میں اسے زوسہ کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہ صرف اس کی آواز سن سکتی تھی۔

”نہیں۔“ رخسار بستر اٹھ بیٹھی۔

”کیا اونچ گئے۔“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔ تم اٹھ رہی ہو نا۔“ زوسہ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

”ہوں۔ لیکن زوسہ کہیں تمہارے پیر شمس کو بتا نہ چل جائے۔“ رخسار نے ہمدھم لہجے میں کہا۔

”وہ دونوں تو سو چکے ہوں گے اور پھر ہم تو چھت پر جا رہے ہیں وہاں اگر کوئی آواز ہوئی بھی تو انہیں کیا پتا چلے گا۔“ زوسہ نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

”مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ رخسار کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

”بائل ہو گئی ہو کیا۔ اتنی مشکل سے تمہارے امی ابو نے تمہیں ایک رات میرے گھر رہنے کی اجازت دی ہے مگر آج یہ کام نہیں ہوا تو کبھی نہیں ہو سکے گا چلو اٹھو۔“ زوسہ نے ناراضی سے کہا۔

”مگر زوسہ۔۔۔“

”مگر مگر کیا۔ تم یہ سب پہلی بار تو نہیں کر رہیں تم تو بت ماہر ہو تم نے ہی کہا تھا تمہارے سارے کزنز تمہاری مہارت کے قائل ہیں، اتنا خطرناک عمل وہ سب صرف تمہاری وجہ سے کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔“ زوسہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”وہی تو۔ میں ہمیشہ یہ سب اپنے کزنز کے ساتھ مل کر کیا کرتی تھی، جبکہ اس وقت ہم دونوں اکیلے، ”دوھی رات کو گھر کی چھت پر تمہارے ماں باپ سے چھپ کر۔ میرا مطلب ہے کہیں کوئی گزیر نہ ہو جائے۔“

”کیسی گزشتہ تم تو کہہ رہی تھیں تمہارے ہاتھ میں جاوے، تمہارے کزنز تمہارے آگے پیچھے بھرتے ہیں کہ تمہیں روح بلانا ہی نہیں بلکہ اسے واپس بھیجنا بھی آتا ہے، ورنہ باقی سب تو ڈر جاتے ہیں، روح کو واپس بھیجنے کا کام ہمیشہ تم ہی کرتی ہو، پھر اب کیا ہو گیا، چلو اٹھو فوراً۔“ زوسہ نے حتمی انداز میں کہا تو اسے اٹھتے ہی دیکھی۔

”اچھا کمرے کی لائٹ تو آن کر دو۔“ رخسار نے قدرے منمنہ کر کہا۔

”مما دوس دفعہ سوتے میں سے اٹھ کر مجھے چیک کرتی ہیں کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر وہ اٹھ کر ہمارے پیچھے آسکتی ہیں۔ اب چلو بھی۔ تم نے ہی کہا تھا تو دوھی رات کے بعد کھلے آسمان کے نیچے ہی یہ عمل ہو سکتا ہے۔“ زوسہ کی بات پر رخسار گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں چھت پر کھلے آسمان کے نیچے کھڑی تھیں، چھت پر بھی زوسہ نے رخسار کے بے حد اصرار کے بعد صرف چھت کے دروازے کے اوپر بنی ایک ٹیوب لائٹ آن کی تھی اور خود وہ دونوں وسیع عریض چھت کے عین وسط میں آکھڑی ہو گئیں، گویا روشنی کے حصار سے نکل کر نیم تاریکی میں چلی آئیں۔

سردیوں کی مخصوص سوگوار رات تھی، چھپکے کچھ دنوں سے سردی میں بھی اچانک اضافہ ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے بے در پے جموں کے رخسار کے وجود پر کچھ سی طاری کر دی تھی مگر زوسہ احساس سے بے نیاز ٹھنڈے سے نہ گھستے، فرش پر آہستہ پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

کہیں آہٹ پر ممانہ اٹھ جائیں۔
 "اس مجلس میں ہم روح کو بلائیں گے، بلکہ ہم نہیں، میں بلاؤں گی، پھر وہ میرے سوالوں کا جواب دے گی۔"
 رخسار نے آنکھیں موندے موندے شامانہ انداز میں کہا وہ اب اپنی اسی جون میں آگئی تھی جس میں وہ کالج میں
 نظر آتی تھی اور اس کی ان ہی دویشانہ باتوں کو سن کر زوسہ نے اس سے دوستی برعکس کی، بلکہ دوستی سے زیادہ ان
 کے بیچ ایک خوشامدانہ رشتہ تھا، رخسار اپنے روحانی عملیات کے قصے سناتے جاتی اور زوسہ کلاس کی وہ واحد لڑکی
 تھی جو تا صرف ان قصوں کو بڑی دلچسپی سے سنتی اور کبھی مذاق نہ اڑاتی، بلکہ اس کی حیرت میں چھپی ستائش پر
 رخسار کی گردن اکثر اٹھنے لگتی تھی۔

"لیکن روح بلائے کی ضرورت کیا ہے؟" زوسہ کے سوال پر رخسار آنکھیں کھول کر اسے گھورنے لگی۔

"مگر روح بلائے کی ضرورت نہیں ہے تو ہم یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟"

"اس سے سوال کر کے اسے واپس بھیجنے کے لیے۔" زوسہ کے سادگی سے کہنے پر رخسار زچ ہو گئی۔

"اس سے سوال کر کے ہم انہیں تبتی بھیجیں گے جبکہ یہاں آئیں گی۔"

"مگر وہ تو خود ہی آچکی ہیں۔" زوسہ نے اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ رخسار کو نگاہ اس سے سننے میں غلطی ہو گئی ہے۔

وہ تیوری پر بل ڈالتے ہوئے بولی۔

"کیا کہا تم نے؟"

"ان کی روح ہر وقت اس گھر میں پھرتی رہتی ہے۔ مگر وہ مجھ سے بات نہیں کرتیں۔ صرف تم ہی میری ان سے
 بات کر سکتی ہو۔ یاد ہے ہم نے تم سے دوستی کرتے وقت کہا تھا کہ میری کوئی دوست نہیں ہے اور نہ ہی میں نے
 کبھی کسی سے دوستی کی۔ مگر تمہاری بات الگ ہے، تم انہوں کی طرح مجھ پر ہنسنے کی بجائے میری بات سمجھ سکتی
 ہو، بلکہ میری مدد بھی کر سکتی ہو۔" زوسہ کی باتوں پر رخسار آنکھیں پھاڑے اسے ایسے دیکھنے لگی جیسے اس کی کوئی
 حالت پر شک ہو رہا ہو۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے یہ گھر آسیب زدہ ہے، کیونکہ وہ روح ہر وقت اس گھر میں منڈلاتی رہتی ہے۔"

رخسار کے حیرت سے کہے گئے سوال پر زوسہ نے خاموشی سے سرانبات میں ہلادیا۔

"تو کیا وہ اس وقت بھی ہم دونوں کے بیچ موجود ہیں؟" رخسار نے ٹھہر ٹھہر کر پوچھا، زوسہ نے ایک بار پھر

خاموشی سے سرانبات میں ہلادیا، رخسار کو نگاہ اس کے پورے جسم پر چھوٹی چھوٹی جھونکیاں رہنے لگی ہوں۔

کوئی اور وقت ہو تا تو وہ اتنی آسانی سے خوفزدہ نہ ہوتی، مگر اس وقت آدھی رات کو اس ستارے میں وہ ایک ایسی

لڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی جس کے ساتھ اس کی دوستی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے، وہ اسے زیادہ تو کیا بالکل بھی

نہیں جانتی تھی، کلاس میں زوسہ کا تاثر ایک نارمل لڑکی کا نہیں تھا، حالانکہ زوسہ کا تعلق شہر کے بہت امیر کبیر

خاندان سے تھا، شکل صورت کے لحاظ سے بھی وہ بہت حسین تھی، مگر وہ لوگوں میں تھکتی ملتی نہیں تھی۔ اس کا

کتر پاپا ہوا انداز دیکھ کر لڑکیوں نے بھی اسے لفٹ کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی، خود رخسار کا بھی ایسی کم سم او اس

غریب نظر آنے والی لڑکی سے دوستی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر ایک دن وہ اپنی عادت کے مطابق کلاس میں

بیٹھی اپنے فرضی قصے سن کر اپنی شیخیوں جتا رہی تھی، پہلے تو لڑکیاں ان سنسنی خیز قصوں کو دلچسپی سے سنتی رہیں

جب اس نے مبالغہ آرائی کی حد کو عبور ہو کر اور کچھ اس کا مذاق اڑاتی اٹھ گئیں، مگر زوسہ جو ضرورت

کے تحت بھی کسی سے مخاطب نہیں ہوتی تھی اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

"کیا واقعی تمہارے اندر روحانی صلاحیتیں ہیں؟" اس کے چہرے پر اتنا شوق اور تجسس تھا کہ رخسار کا چہرہ گرم

ہل پورا پھولنے سے پہلے ہی پھٹ کر اس کے منہ پر چپک گیا، جسے جلدی جلدی صاف کر کے وہ دوبارہ اپنے

کارنامے سناتے لگی اور زوسہ اتنی گمن ہوئی کہ زندگی میں پہلی بار وہ کلاس تک کر کے اس کے ساتھ کینٹین میں
 بیٹھنے لگی، اسے اتنا تجسس دیکھ کر رخسار کو برا مزہ آیا وہ اتنی اچھی سامع کو بالکل بھی کھوتا نہیں چاہتی تھی، اس لیے
 جب اس نے کہا کہ اسے ایک روح کو بلا کر اس سے کچھ پوچھنا ہے تو رخسار فوراً "رضامند ہو گئی، بلکہ جوش میں اس
 نے اس کھل کو اتار کر اسرار اور بھانک بنا دیا کہ زوسہ اس کی بہادری اور ہمت کی داد دے، بغیر نہ رو سکی، مگر اسے
 نہیں پتا تھا کہ انگلش فلموں میں دیکھے روح بلائے اور سوال کرنے کے گھسے پٹے طریقے کو آدھی رات کو ایسے
 پر اسرار ماحول میں کرنا اتنا دشوار ہوگا۔

اس کے محاورے "نہیں حقیقتاً" روٹنے لگے ہوئے تھے۔

"کیا تم اسے دیکھ سکتی ہو؟" رخسار نے تھوک لگتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں وہ دیکھو وہ تمہارے پیچھے ہی کھڑی ہیں۔" زوسہ نے رخسار پر سے نظریں ہٹا کر اس کے کندھے کے اوپر دیکھنے
 لگی، رخسار کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا، اسے اپنا دل پیلوں سے باہر آتا محسوس ہوا، اسے اندر
 کی ساری ہمتیں جمع کر کے اس نے بمشکل گردن گھما کر اپنے پیچھے دیکھا، اس کے سامنے در تک تاریکی کا راج
 تھا، کسی کی موجودگی کا کوئی احساس اور دور تک نہیں تھا۔

رخسار گھراسا اس کھینچی زوسہ کی طرف متوجہ ہو گئی، جواب بھی نہیں دیا، اس کے اوپر کسی غیر مرئی نقطہ کو دیکھ رہی تھی۔

رخسار تھوڑی دیر سے جس خوف کے پیش نظر ہراساں ہو گئی تھی وہ جیسے ایک گہرے سانس کو باہر خارج کرتے

ہوئے ہوا میں تحلیل ہو گیا، اپنی حماقت پر ابھری مسکراہٹ کو روکتے ہوئے اس نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

"ٹھیک ہے جب وہ پہلے ہی یہاں موجود ہیں تو انہیں بلائے کی کوئی ضرورت نہیں، تم بتاؤ کیا پوچھنا چاہتی ہو تم

اس سے؟" وہ میرے ہر سوال کا جواب دینے کی شائستگی یہاں میرے پاس پہنچاؤ نہیں، تمہیں زیادہ پریشان نہیں کروں گی،

اس کے سوالوں کا جواب دے دو، تاکہ زوسہ اس افہام سے بے جا شہیڈے جو تمہیں اس گھر میں بے چین بھٹکاؤ کچھ

کراسے ہوئی ہے۔" رخسار آنکھیں بند کیے بانگ لگانے کے سے انداز میں بولی، آنکھیں بند ہونے کے باوجود

اسے احساس ہو گیا تھا کہ زوسہ کی نظریں اس کے چہرے پر ٹپک گئی ہیں، کبھی اپنے چہرے پر کرب کے آثار لاتے

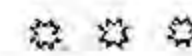
ہوئے اس نے اپنی آنکھوں کو تھوڑا سا کھلیا۔

"ہو لو شائستہ کیا بات ہے؟ کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ کیا بات ہے جو تمہیں پریشان کرتی ہے اور تم مگر بھی زندہ

لوگوں کی طرح دنیا میں رہنے پر مجبور ہو ہوؤ؟" جواب دو۔" رخسار کا ٹھٹھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے پوری طرح احساس

تھا کہ اس کے سامنے بیٹھی زوسہ بے چینی سے پہلو بدل رہی ہے، کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے گویا زوسہ کی

بے چینی کو ہوا دینی چاہی، پھر وہ ایک دم چونک اٹھی۔



"الیان بھائی سو گئے کیا۔" الیان بستر سونے لیٹ ہی رہا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ ہلکے سے ٹاک کر کے

بڑیرہ اندر چلی آئی، الیان نے حیرانی سے پہلے اسے لور پھر گھڑی کی طرف دیکھا، بارہ بجتے میں پانچ منٹ تھے۔

"کیا ہوا اور لگ رہا ہے کیا۔" الیان نے حیرت سے پوچھا، کسی زمانے میں وہ واقعی اتنا ڈرتی تھی کہ مٹی کے پاس

پہنچتی تھی، مگر اب اس بات کو گزرے عرصہ ہو گیا تھا اسی لیے الیان کے پوچھنے پر وہ قدرے خفگی سے اسے دیکھنے

لگی۔

"آپ بھول گئے میں نے کہا تھا آپ سے رات کے بارہ بجے تیار رہنے گا۔" الیان کو جیسے اچانک کچھ یاد آیا

اور اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

”بربرہ اللہ کے لیے اب بڑی ہو جاؤ۔“
 ”کیا الیان بھائی آپ بہت ہی بورنگ انسان ہیں، ساری تیاری میں نے کر لی ہے، آپ کو صرف میرے ساتھ چل کر می ڈیڈی کو دوش کرنا ہے اور آپ اس کے لیے بھی تیار نہیں۔“ بربرہ اپنی عادت کے مطابق باقاعدہ ناراض ہو گئی تھی۔

”چھا۔ میں بورنگ ہوں۔ اگر مجھے بھی تمہاری طرح دن چڑھے تک سونے کا موقع ملے تو میں بھی رات گئے تک سارے کام کر سکتا ہوں، کبھی صبح سات بجے اٹھ کر آٹھ بجے آٹھ کے لیے نکلوتے پتا چلے گا۔“ الیان بستر سے اٹھتے ہوئے بھی اسے چھیڑنے سے باز نہ آیا، جبکہ بربرہ اسے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر انگلیوں سے بال سنوارنا دیکھ کر اپنی ساری ناراضی بھول گئی، ویسے بھی وہ جانتی تھی اس کا کہا کبھی اس گھر میں ٹالا نہیں جاتا تھا، الیان چاہے کتنے بھی غرے دکھالیتا، لیکن اپنی بہن کی خواہش کبھی رو نہیں کرتا تھا، اسی لیے بڑے فخریہ انداز میں بولی۔

”تو میں نے کب کہا ہے کہ صبح صبح آٹھ بجے آٹھ بجے کوئی ملازم نہیں ہیں، بلکہ خود مالک ہیں، اتنے بڑے بزنس کے آپ دوسرے کے ایک بچے بھی چلے جائیں گے تو کون پوچھے گا۔“
 ”ہاں پھر واقعی کوئی بھی نہیں پوچھے گا۔“ الیان نے اس کے الفاظ کو دوسرا مطلب پہناتے ہوئے کہا۔
 ”آٹھ بجے آٹھ بجے میں اگر میں خود دو بجے جاؤں گا تو پھر تو ہو گیا بزنس۔“

”اگر ٹائم کی اتنی شارٹ اتج نہ ہوتی تو میں ایک طویل بحث کرتی، مگر بارہ بجنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا ہے اور ہمیں سب سے پہلے می ڈیڈی کو اپنی دوسری ویش کر لینی ہے، چلیں فوراً۔“ وہ بڑے جوش سے کہتی اس کے کمرے سے باہر نکل گئی، اس کی بے باکی دیکھ کر الیان بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکل آیا، اس کے بیڈ روم کے برابر میں ہی می ڈیڈی کا کمرہ تھا۔ جس کے دروازے پر بڑے سے بڑے کپڑے لگے اور کارڈ کے ساتھ خوبصورت سے ریپر میں پیک ہوا تحفہ بربرہ پہلے سے ہی بڑی خوبصورتی سے سجا کر رکھ چکی تھی۔

”یار اتنی رات گئے می ڈیڈی کی غیند خراب کرنا اچھا نہیں لگتا۔“ الیان نے اسے دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھا تا دیکھ کر وہی جملہ کہا جو وہ تقریباً ہر سال ہی کہتا تھا، کیونکہ چھپلے کئی سالوں سے بربرہ کا یہی معمول تھا۔
 می ڈیڈی کی اپنی دوسری بربرہ الیان سے پیسے لے کر خوبصورت سا تحفہ لے کر کارڈ دروازے پر رکھ کر رات کو بارہ بجتے ہی ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتی اور خود ایک طرف ہو جاتی ہر سال اس طریقے پر بربرہ سے کارند ہونے کے باوجود اس کے والدین دروازہ کھولتے ہی ایک نئی حیرت سے دوچار ہوتے اپنی بے تحاشا سوشل لائف میں وہ دونوں دن یا ور کھتے تھے نہ تاریخیں، اسی لیے اپنی شادی کی سالگرہ اپنے بچوں کے اتنے دھیان سے یاد رکھتے برا نہیں بے پایاں خوش ہوتی، یہی وجہ تھی کہ گہری غیند سے اٹھ کر بھی جب وہ دروازہ کھول کر اس سرراز کو دیکھتے تو ایک بل کے لیے بھی ان کے ماتھے پر شکن نہیں پڑتی تھی، بلکہ وہ بڑی گرم جوشی سے ان کا تحفہ قبول کرتے ہوئے انہیں گلے لگالیتے۔

حالانکہ اس کے والدین ریاض غفار اور شگفتہ غفار جس سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے وہاں بچوں سے ایسی والہانہ محبت کا مظاہرہ بہت کم دیکھنے کو ملتا تھا، مگر ان کے گھر میں روایت اور اقدار کی ان رسموں کی ابھی بھی پاسداری کی جاتی تھی، جن کا تصور تک لوگوں کو محال لگتا تھا، یہی وجہ تھی کہ الیان اور بربرہ کی تربیت ایسے خطوط پر ہوئی تھی کہ ان کے پورے سرکل میں تمام والدین اپنے بچوں کو ان کی مثالیں دیتے نظر آتے تھے، خاص طور پر الیان کو اپنی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے بچپن سے ہی بھرپور ریڈیرائی حاصل رہی تھی۔
 جس ماحول میں لوگوں کے لیے کتابیں کھانا براؤز چھنے کے برابر تھا، اس ماحول میں الیان نے ہمیشہ زمانہ تعلیم

میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں اور اب پڑھائی ختم کرنے کے بعد وہ بزنس میں بھی شہرت اور کامیابی کے افق پر تھیں۔

دشک کے جواب میں ریاض غفار نے مندی مندی آنکھوں سے دروازہ کھولا اور جیسے ان کی غیند ایک بل میں جانب ہو گئی، بڑی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا جہاں حسب معمول دیوار سے ٹیک لگائے، الیان اور بربرہ موجود تھے، بلکہ بربرہ نے باقاعدہ ترنم کے ساتھ بھی اپنی دوسری کا مخصوص گانا بھی گانا شروع کر دیا تھا، جس کی آواز پر شگفتہ غفار بھی بستر سے اٹھ آئیں۔
 ”شادی کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔“ الیان نے زمین پر سے بکے اٹھا کر شگفتہ غفار کی جانب پڑھایا تو انہوں نے بکے لینے کی بجائے بے اختیار اسے گلے لگالیا۔



پتا نہیں رات کا کون سا پہر تھا جب اس کا موبائل بجنا شروع ہو گیا، رو میلہ کا دل چاہا موبائل سائلنٹ پر کر دے، لیکن موبائل بستر کی سائڈ ٹیبل پر رکھا تھا جسے اٹھانے کے لیے رو میلہ کو کمرٹ لے کر باقاعدہ کھسکا پڑا تھا جس کے بعد بیڈ کی طرح اس کی غیند بھاگ گئی تھی۔ اسے پتا تھا اب اگر اس نے موبائل بند بھی کر دیا تو بھی جاگتی رہے گی، کیونکہ غیند کے معاملے میں وہ بہت حساس تھی۔ ایک بار آٹھ کھل جاتی تو گھنٹوں کے لیے غیند غائب ہو جاتی۔ لہذا اب موبائل آف کر دینا سائلنٹ پر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اس سے تو بہتر تھا کال اینڈ کر کے وہ فون کرنے والے کو دو چار باتیں ہی سنا دے، تھوڑی بھڑاس ہی نکل جائے گی۔

مگر اس کے تین پر نکل کا نام دیکھ کر اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے وہ سدا کی ڈھٹ کبھی اپنی غلطی مانتی تھی نہ کبھی غصہ ہوتی، کبھی فون بھی اس نے ”یقیناً“ کبھی لے کر کسی بات کے لیے کیا ہو گا، لیکن رو میلہ کے شکایت کرنے پر اسے کچھ نہ کہنے کی جگہ نہ تھی، اس سے زیادہ اہم بات کوئی نہ ہو۔ چنانچہ صبح تک انتظار کرنا ممکن نہیں تھا، ویسے بھی اس کی صبح بھر میں ہوتی تھی۔ اسے رات کو دیر تک جاگنے کی عادت ہی نہیں، شوق بلکہ جنون تھا وہ اگر صبح جلدی بھی اٹھتی تھی تو بھی رات دیر تک آنکھیں پھاڑے بیٹھی رہتی، بقول اس کے۔

”جی جلدی کون سونے ابھی تو سونے کا دل نہیں چاہ رہا۔“ نمل کی ایسی کئی عادتیں تھیں جو رو میلہ کے بالکل برعکس تھیں۔ پھر بھی وہ دونوں گہری مسکراہٹیں تھیں، گزرتے ہوئے کے ساتھ ساتھ وہ بچپن سے ہی کلاس فیلو رہی تھیں۔ ہم عمر اور ہم جماعت ہونے کا اتنا اثر تھا کہ ہم خیال اور ہم مزاج نہ ہونا کوئی اہمیت حامل نہیں کر سکتا تھا۔
 ”نمل۔“ رو میلہ نے بغیر لگی لپٹی رکھے فون اٹھاتے ہی نہایت بے زاری سے کہا۔

”ہیلو رو میلہ؟ کیا ہوا؟ سو رہی تھیں کیا؟“ نمل کا زندگی سے بھرپور لہجہ اسے اندر تک سلگا گیا تھا، وہ خون کے گھونٹ پیہتے ہوئے دانت پر دانت چماتے ہوئے بولی۔

”نمل، یار پراپے بیاری تھی، موبائل کی بیب سے میرا ہاتھ جل گیا۔“
 ”یار پراپے بیاری تھیں تو مجھے بھی بلا نہیں، چھوٹے دل کے ساتھ بکا رہی تھیں نا، اسی لیے ہاتھ جلا ہے۔“ اسے شرمندہ کرنے والا خود شرمندہ ہو سکتا تھا، مگر اس سے ایسی توقع بے کار تھی۔

”گوہ کئی ایم سو سو رہی۔“ دراصل مجھے امید نہیں تھی کہ ماموں ”نمل“ رات کے ڈیرہ بچے، اتنی دور تمہیں میرے ہاتھ کے پراپے کھانے بھیج دیں گے۔“ رو میلہ کے طنزیہ انداز پر وہ جس طرح کھنکھاتی تھی اس پر رو میلہ کو نمل کے کمرے میں موجود ہونے بغیر یہ یقین تھا کہ اس نے اپنی دیوار پر کئی دس ٹاک کو دیکھا ہو گا اور اس کے غصے کی وجہ سمجھ کر تھوڑی سی کھسیانی ہوئی ہوگی، مگر فوراً ”جی ہاں جی“ جوں جوں واپس آتے ہوئے بے نیازی سے بولے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ تمام پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ام ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی مائٹل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کماتے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

مٹی دیکھا ہوا جورات کو فون کر لیا، تمہیں کون سا صبح اٹھ کر کالج یا آفس جانا ہے۔" رویلہ کے سوچتے ہی ایڑ پڑیں سے اس کی آواز میں لفظ بہ لفظ یہی جملہ ادا ہوا۔
 "تمہاری نظر میں صبح صرف ان ہی لوگوں کو اٹھانا چاہیے جنہیں صبح آفس یا کالج جانا ہو ورنہ دوسری صورت میں انسان کی صبح ہی نہ ہو۔"
 "بھئی صبح تو ہوگی، لیکن وہ تو کبھی بھی ہو سکتی ہے اس کے لیے ضروری تو نہیں کہ گھڑی دیکھ کر اٹھا جائے، بھئی جب جاگو تب سویرا۔" نمل کی باتیں اس کی برداشت سے باہر ہونے لگی تھیں وہ اکتاتے ہوئے بولی۔
 "اچھا اچھا فلا سفر صاحبہ یہ بتائیے فون کیوں کیا ہے؟"
 "موجھو تو جانیں۔" نمل شوشی سے بولی۔

"نہیں نہیں ہماری کیا مجال کہ فلا سفر صاحبہ کی بنا قابل برداشت خوشی کو بوجھ سکیں اس معمولی سے ذہن کی اتنی رسائی کہاں۔" رویلہ جل کر بولی تو نمل کھلکھلا کر ہنس دی۔
 "تمہیں یاد ہے ہم نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کے لیے اپلائی کیا تھا۔"
 "ہاں تو۔" رویلہ جھوٹے ہونے بستر اٹھ بیٹھی۔
 "پہلی تک تمہیں کچھ بتا نہیں چلا ہو گا کہ تمہارا نمبر اور سنبل کالڈمیشن ہوا یا نہیں۔" نمل نے اٹھلا کر کہا۔
 "تم کہیں یہ تو نہیں کنا چاہ رہیں کہ تمہیں آدھی رات کو بلی پتا چل گیا ہے۔" رویلہ اچھے سے بولی تو نمل ایک بار پھر دل کھول کر ہنس دی۔

"آدھی رات تمہارے لیے ہوگی میرے لیے تو دن بھر ہوا ہے۔"
 "تو کیا اخبار بھی آگیا۔" اس کا اتنا تجسس پھیلا کہ رویلہ کھینچا گیا تھا۔
 "خبر کا انتظار تمہارے جیسے محدود وسائل کے لوگ کرتے ہیں، ہم تو وہ ہیں جو خبر کو پاتلی سے نکل کر لاتے ہیں، تمہارے جیسے ہاتھ پر ہاتھ رکھے لوگوں کے لیے۔" نمل شاہانہ انداز میں بولی وہ واقعی غلط نہیں کہہ رہی تھی جو وہ چاہتی تھی عموماً دوسرے لوگوں کے جاننے سے پہلے ہی جان جایا کرتی تھی۔ مگر اس میں کمال اس کا نہیں اس کے والد محترم کا تھا جو ایک ایسی سیٹ پر موجود تھے کہ جس ادارے سے جو خبر چاہتے نکلا دیتے اسی لیے رویلہ کو یہ یقین بھی تھا کہ نمل کو تو ایڈمیشن مل ہی جائے گا۔ البتہ اس کے اور سنبل کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا گوکہ ان دونوں کی معاشی پوزیشن بھی بہت اچھی تھی، عمران کے والدین کے پاس اتنی "پاور" نہیں تھی اور رویلہ کے بابا تو اگر کسی سیاسی عہدے پر ہوتے بھی تب بھی رویلہ کے لیے کسی قسم کی بھاگ دوڑ کرنے کی کوشش نہ کرتے؟ نہیں تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ رویلہ نے ایڈمیشن ملنے کے لیے کتنے توافل کی منت مانگ رکھی ہے انہوں نے تو اسے فارغ دیکھ کر اپلائی کرنے کی اجازت دے دی تھی، آگے داخلہ ملتا ہے یا نہیں اس سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔

"اللہ کے لیے نمل یہ بے سرو پا باتیں بند کرو اور یہ بتاؤ کہ میرا اور سنبل کالڈمیشن ہوا یا نہیں۔" رویلہ فوراً التجائیہ انداز میں بولی۔
 "کیا مطلب؟ میرے بارے میں جاننے کی فکر نہیں ہے تمہیں۔" نمل ایسے آنکھیں نکالنے لگی جیسے اس دیکھ رہی ہو۔

"میرے کس مائی کے لعل میں اتنی ہمت ہے کہ تمہیں داخلہ دینے سے منع کرے اور اس پر تمہارا بکھلکھلا آلودہ صاف ظاہر ہے تم سلیکٹ ہو گئی ہو۔" رویلہ نے بڑی مشکل سے اپنے غصے کو قابو کر رکھا تھا۔

نمل سے مظلومہ خبر حاصل کیے بغیر وہ اسے ناراض نہیں کر سکتی تھی کہ اگر اسے غصہ آجاتا تو پھر وہ کچھ نہ دیکھتی مگر شاید روانی میں وہ کچھ غلط کہہ گئی تھی، کبھی نمل پہلی بار سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔
 ”کیا میں صرف اپنے سلیکٹ ہونے پر اتنا خوش ہو سکتی ہوں؟“ اس کے استفسار پر انداز میں چھپے شکوے پر رو میلہ قہقہہ بولی۔

”نہیں نہیں ہم لوگوں کے بغیر بھلا تمہاری خوشی مکمل ہو سکتی ہے میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔ ویسے اس کا مطلب ہے میں اور سنبل۔“ رو میلہ اسے منانے کے لیے تیز تیز بولتے بولتے ایک دم ٹھک کی، نمل کی بات سے خواہ مخواہ ہوا تھا اس پر خوشی کے سارے اس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔
 ”جی ہاں تمہارا اور سنبل کا کچا بھی لگ گیا ہے۔“ نمل اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولی مگر رو میلہ نے دھیان ہی نہیں دیا وہ تو جی ہمارے ہوئے بستر سے اتر آئی۔

”تی بڑی خوشخبری اور تم ہو کہ بتانے کی بجائے بکواس کیے جا رہی ہو۔“
 ”سب سے پہلے تمہیں بتایا ہے اسی کے بعد۔“ نمل نے احسان جتنا جتنا بھی وضاحت ضروری سمجھی کہ کہیں جھوٹ بولنے کا الزام سر نہ آجائے مگر رو میلہ نے جیسے سنائی نہیں۔
 ”اے تم جھوٹ تو نہیں بول رہی۔“

”سے ڈیر کزن زمین پر آجاؤ میں نے تمہیں ایڈیشن ملنے کی خبر دی ہے کوئی شادی کی خبر نہیں سنا دی۔“
 ”جی تو میں خوش ہوں کہ تمہیں شادی کی نہیں ایڈیشن کی خبر سنائی ہے۔“ رو میلہ غلطی سے بولی۔
 ”میرا دل چاہ رہا ہے ابھی بابا جانی اور بھیا کو دیکھ کر یہ خبر سنا دوں۔“ رو میلہ ہر جوش لہجے میں بولی۔

”یہ غضب مت کرو متا ورنہ وہی حالت ہوگی شرمناک میں اور لیسرے آگے ابھی ہم نے خوشی سلیبویٹ بھی نہیں کی اور وہاں تمہاری اس حرکت پر وہ حکم صادر کر دیں گے۔“ نمل نے بابا جانی کی نقل اتارتے ہوئے کہا، جو ”تی دیوانی ہونے سے بہتر ہے آپ گھر میں بیٹھ جائیں۔“ نمل نے بابا جانی کی نقل اتارتے ہوئے کہا، جو رو میلہ کو آپ ہی کہہ کر مخاطب کرتے تھے رو میلہ بچپن سے ہی ماں جیسی نعمت سے محروم رہی تھی جس کے باعث وہ اپنے بابا جانی سے بھی غیر ارادی طور پر دور ہو گئی تھی اسے یہی لگتا تھا کہ اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو وہ اس کے اور بابا جانی کے بیچ تعلق کی ایک کڑی بن جاتیں مگر ان کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ بابا جانی کو تو کیا اپنے بڑے بھائی ابراہن کو بھی خود سے فاصلے پر محسوس کر لیتی تھی جبکہ نمل اس معاملے میں اس سے قطعی متفق نہیں تھی کیونکہ اس کی ماں کے حیات ہونے کے باوجود نمل کے والد اس سے کوسوں میل کے فاصلے پر تھے۔

رو میلہ اور اس کے بابا جانی کے بیچ تو صرف ایک تکلف کی دیوار تھی جبکہ نمل اور اس کے بابا کے درمیان تو ایک واضح کھنچاؤ تھا جس کا سبب صرف اور صرف اس کے بابا کا مزاج تھا۔ اسی لیے وہ رو میلہ کے مسئلے کو بھی ماں کی محرومی کی بجائے بابا جانی کی لا تعلقی گردانتی تھی جس کا منہ بوتا ثبوت ان کا طرز خطاب تھا جو کہ نمل کی نظر میں صرف ایک لفظ نہیں تھا بلکہ ایک تنبیہ تھی کہ کبھی تکلف کی دیوار کو بائیں کی کوشش مت کرنا اور رو میلہ خود بھی اس ماحول کی عادی ہو گئی تھی گو کہ اس کے اندر نہیں یہ خواہش تھی مگر گھر کا سرد ماحول اسے تکلیف نہیں دیتا تھا، کبھی نمل کی بات کو خاطر میں لائے بغیر چوتھے ہوئے بولی۔

”اے ہاں۔ اس خوشی کو تو واقعی سلیبویٹ کرنا چاہیے۔ ایسا کرو سنبل کو یہ خوشخبری سنانے کے بعد اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا پروگرام بنانا چاہیے۔“
 ”چھوڑو یا۔ وہ سدا کی بھوکی نہیں کھانا کھانے کے لیے ہی کہے گی۔ ایسا کرتے ہیں کل پیلس چلتے ہیں لچ کرنے۔“ نمل نے فوراً ہی پروگرام ترتیب سے دیا۔

”پیلس! رو میلہ نے حیرت سے دہرایا پھر طنز پر انداز میں بولی۔
 ”میں اتنا خرچ کرنے کے بالکل موڈ میں نہیں ہوں۔“

”جو تم سے کون پیسے مانگ رہا ہے سنبل کو بھی کتنی بیوٹ کرنے کی ضرورت نہیں بل میں پے کروں گی۔“
 نمل نے اطمینان سے کہا۔
 ”تم؟“ رو میلہ تنگ رہ گئی۔

”ہاں میں۔ یہ جو تم اور سنبل ہر وقت مجھے کنبوس اور کنبی چوس کہتی رہتی — ہونا تو اپنی دشمنی میں سے یہ لفظ نکال دو، کل تم دونوں کا میری طرف سے پیلس میں لچ ہے۔“ نمل نے شاہی انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا تو رو میلہ کان پر سے موبائل ہٹا کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔
 ”جانے کل سورج کہاں سے نکلے گا۔“ رو میلہ نے نہ جھٹ کو ایسے دکھا جیسے آسمان کو دیکھ رہی ہو۔



”اوجھ رات کا وقت ہونے کے باوجود سڑک اتنی بھی سنسان نہیں تھی جتنی خرم نے سمجھ لی تھی۔ ہائی وے پر ابھی بھی ٹریفک رواں دواں تھا جس میں زیادہ تعداد بڑے بڑے ٹرک اور بسوں کی تھی۔
 کنجائش سے زیادہ سامان لوڈ کیے ان ٹرکوں کے درمیان سے ایک سو اسی کی رفتار سے گاڑی دوڑانا بلاشبہ ایک نہایت مشکل اور خطرناک عمل تھا جبکہ سڑک پر لائٹس کا انتظام بھی بہت عمدہ نہیں تھا۔
 خرم اگر خود ڈرائیونگ سیٹ پر ہوتا تو اسے ہرگز فکر نہ ہوتی مگر مسئلہ یہ تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ اس کے دوست وحید نے سنبھال رکھی تھی جسے اپنے نام کی مشرقت ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اس لیے وہ خود کو کی کھلواتا تھا۔
 ”کی سنبھال کر۔“ اتنی رفتار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ راستے میں آگے ٹرک اور بسوں کی ویل کو کٹ مارتا اور ایک کر رہا تھا ابھی بھی اس نے ایک بہت خطرناک کٹ مارا تھا جس پر ٹرک ڈرائیور نے زوردار بارن بجانے کے ساتھ ساتھ کئی غلیظ گالیوں سے بھی ان دونوں کو نوازا تھا جو انہیں سنائی ہی نہیں دی تھیں کیونکہ ہلک جھپکتے ہیں ہی وہ اس سے میلوں کے فاصلے پر پہنچ گئے تھے اس پر اس شدید سردی میں انہوں نے گاڑی کے شیشے بھی کھول رکھے تھے سرد ہوا کے چھینرے کھا کھا کر ان کے کان اور جڑے سن ہو گئے تھے اور اس پر گاڑی کی اتنی تیز رفتار۔
 خرم کو تو واقعی سردی لگ رہی تھی۔ مگر یہ بات کہہ کر وہ کی کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اس کے مزاج کو اچھی طرح جانتا تھا وہ خرم کو نازک مزاج کہہ کر فوراً اس کی بے عزتی کر دیتا۔
 ”خمر لگ رہا ہے کیا؟“ خرم کے ٹوکے پر وہ خباثت سے ہنسا، خرم کو اس سے یہی توقع تھی بجائے سنبھلنے کے وہ گاڑی کی رفتار بڑھانے لگا تھا۔

”کی! تلو اشاپ ات میری نی گاڑی ہے یا۔“ خرم کو واقعی غصہ آ گیا تھا۔ زندگی اور موت کے ایسے کھیل وہ اکثر کھیلتا رہتا تھا۔ مگر اس نے بھی کسی دوسرے کی گاڑی پر کرتب نہیں دکھائے تھے جبکہ وہ کی نے سوائے ایک اپنی گاڑی کے باقی سارے دوستوں کی گاڑیوں اور ہاتھ کس کو تختہ مشق بنانا آتا تھا یہاں تک کہ خرم کی گاڑی بھی اس نے کئی بار استعمال کی تھی۔ مگر یہ گاڑی تو ایک ہفتے پہلے ہی ڈیڈ سن ہو گئی تھی اپنی اتنی نی گاڑی کو وہ کسی دوسرے کے شوق کی نذر ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ حالانکہ اسے پتا تھا گاڑی اگر کہیں ذرا سی بھی لچ ہوگی تو گاڑی تو کیا وہ دونوں بھی نہیں بچیں گے، لیکن جان کو خطرے میں ڈالنے میں تو خود اسے بھی مزا آتا تھا۔ مگر وہ کی کے جنون کی تسکین کے لیے اسے اتنی نی گاڑی کی مرمت کے خیال سے ہی غصہ آ رہا تھا وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے چابی دکی کے حوالے کی تھی۔

وکی پہلی بار اس کی اس نئی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ اسٹرنگ کو گرفت میں لیتے ہوئے اس نے خوشی و جوش کے ملے جلے تاثر کے ساتھ کہا تھا۔

”تم نے تو خود ہی اپنے آپ کو ہرانے کا سامان تیار کر دیا ہے۔“

”واٹ ڈو یو مین۔“ خرم نے اس کے برابر والی سیٹ سنبھالتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

”اے اتنی اچھی گاڑی ہو تو فوراً منٹس تو کیا میں منٹس میں حیدر آباد پہنچ سکتا ہوں۔“ اس نے بیک ویو مرور میں خود کو تاڑتے ہوئے یقین سے کہا تو خرم واقعی تھک گیا۔ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ تیز رفتار ڈرائیونگ کرنے کے لیے اچھے ڈرائیور کے ساتھ ساتھ اچھی گاڑی کا ہونا بھی اشد ضروری تھا۔ اچھی گاڑی اس کی دوسترس میں آگئی تھی۔ لہذا ملے شدہ وقت پر اپنی منزل پر پہنچ جانا اس کے لیے قطعی مشکل کام نہیں تھا، جہاں اس کے دوستوں کا سارا گروپ موجود تھا۔

ان سب کے بچ کسی نہ کسی بات کو لے کر شرطیں لگتی ہی رہتی تھیں، ہمیشہ ارادے تو کبھی بلا ارادہ وہ ایک دوسرے کو چیلنج کرتے رہتے تھے۔

اس وقت بھی وہ دونوں محض فون ربات کر رہے تھے، جب وکی نے کہا کہ ان کے دوستوں کا سارا گروپ حیدر آباد کی مشہور ریڑی کھانے کے لیے نکل چکا ہے اور ان سے ذکر تک نہیں کیا۔

تب خرم نے مذاق میں کہا تھا۔

”مگر میں اس وقت اتنا تھک نہ رہا ہوتا تو ابھی ان کے پیچھے نکل کھڑا ہوتا اور ان سے پہلے ریڑی کے ہوٹل پر پہنچ کر ان کا انتظار کر رہا ہوتا۔“ خرم کو ریڑی کا ایسا شوق نہیں تھا۔ محض انہیں ستانے کے لیے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا جسے سن کر وکی ایک دم بے قابو ہو گیا۔

”اے ہاں یار واقعی چلتے ہیں اور ان سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں وہ تو راستے میں ٹھہرے پر رکت کر شمیری چائے بھی پیتے گے ہم ان سے پہلے پہنچ جائیں گے۔“

”وہ تو ہے یار۔ لیکن ابھی ڈرائیونگ کا موڈ نہیں ہے۔“ خرم نے ٹی وی کے چینل تبدیل کرتے ہوئے کسلندی سے کہا۔

”اے تو میں ڈرائیو کر لوں گا۔“

”تم۔“ خرم کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔

”ہاں۔ کیوں کیا مجھے ڈرائیونگ نہیں آتی۔“ وکی براہمان گیا مگر خرم نے پروا نہیں کی۔

”ہمیں کم از کم فوراً فائیو منٹس میں حیدر آباد پہنچ جانا چاہیے۔“ خرم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تم فوراً فائیو منٹس کی بات کر رہے ہو میں فوراً منٹس میں پہنچ کر دکھا سکتا ہوں۔“ وکی دو ٹوک لہجے میں بولا تو خرم کی بھی ساری سستی دور ہو گئی۔

”اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو میں پانچ منٹ میں تمہارے گھر پہنچ رہا ہوں ساتھ نکلے ہیں۔“

”میں تو ایسا کر سکتا ہوں، لیکن اگر تمہارے تو تمہیں وہ کرنا ہو گا جو میں کہوں گا۔“

”اوکے ڈن۔“ خرم نے ایک ترنگ کے ساتھ کہا اور فوراً ”کھڑا ہو گیا اور پھر واقعی وہ کچھ ہی دیر میں وکی کے گھر پہنچ گیا۔

وہ پہلے سے ہی اس کے انتظار میں گیٹ پر آکھڑا ہوا تھا، اسے دیکھتے ہی خرم گاڑی سے اتر آیا اور اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، اپنے دوستوں کو اچانک پہنچ کر سربراہ کرنے کے چکر میں وہ اتنا جوشیلا ہو گیا تھا کہ اسے

اپنی نئی گاڑی کا خیال آیا نہ ہی وکی کی شرط یا درمیانی وکی کے کہنے پر اسے خیال آیا کہ خود ہی شرط لگا کر اس نے اپنی اپنی جیتی گاڑی وکی کو تھادی کہ اسے چلاؤ اور مجھے ہراؤ۔

اپنی غلطی کا احساس ہونے پر اسے بچھتاؤ تو بہت ہوا تھا مگر وہ کچھ کہہ کر وکی کو اپنا مذاق بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ گاڑی کو سروس کی ضرورت تو اب یقینی طور پر پڑنے والی تھی، بس اب وہ یہ چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وکی کی شرط نہ جیت پائے ورنہ وہ اور بھی مضبور ہو جائے گا۔ اس کی عادت تھی جب خوش ہو تا تو پچھورا ہو جاتا اور خرم نے انجانے میں شرط بھی ایسی مان لی تھی کہ جو وکی کے گاڑی کے گھر گھرے گا۔ مگر گھڑی کی سوئی گاڑی کی رفتار کے کاٹنے کا مقابلہ نہیں کر پا رہی تھی، انہیں نکلے ہوئے پچیس منٹ ہوئے تھے جبکہ گاڑی کی رفتار کو ظاہر کرتی سوئی ایک سو نوے کے پچھور ہی تھی۔

حیدر آباد میں داخل ہونے کے بعد گوکہ وکی اپنی مطلوبہ خواہش کے مطابق گاڑی نہیں بھگا سکا، مگر اپنے مخصوص ہوٹل کے سامنے اس نے ٹھک چالیس منٹ پر گاڑی روک دی اور فاتحانہ انداز میں خرم کو دکھا جودل ہی دل میں تمللا گیا تھا، مگر اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہذا فوراً اپنی طرف کا دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر گیا اور سرسری انداز میں بولا۔

”یہ ناؤ رو غیرو ابھی رہے ہیں یا تمہیں کوئی غلط اطلاع مل گئی تھی۔“ خرم کو اس کا اترنا ہوا، مگر وہ سا انداز دیکھنا بالکل گوارا نہیں تھا، وہ ایسے ظاہر کرنے لگا جیسے اسے شرط ہارنے یا جیتنے سے مطلب نہیں ہو، اسے تو دوستوں کو اچانک پہنچ کر جو نہانے کا شوق ہو رہا ہو اور واقعی اس سے پہلے کہ وکی کچھ کہتا ایک گاڑی جین ان کی گاڑی کے برابر آکر کی ہارون حمید اور ناؤ دور سے ہی اترتے ہوئے حیرت سے بولے۔

”Hay guys what are you doing here“ (تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟)

”جی جو تم لوگ کر رہے ہو۔“ خرم پر حیرت بولا۔

”ہم تو ریڑی کھانے آئے تھے اور ہوٹل فون بھی کر دیا تھا کہ کہیں وہ بند نہ کر دیں۔“ ہارون اطمینان سے بولا۔

”اور ہم سے ذکر تک نہیں کیا ریڑی کھانے کا۔“ وکی نے شکایت کی۔

”خرم کو شوق جو نہیں ہے ریڑی کھانے کا۔“ حمید نے فوراً کہا۔

”اور پھر یہ شام میں یونیورسٹی میں ہی اتنا تھک گیا تھا مجھے تو لگایا اب تک سو بھی چکا ہو گا۔“ خرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، انہیں وکی کو لے جانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ خرم کو نہ پوچھنے پر صفائیاں دینے کے جو کہ ایسی غلط بھی نہیں تھی وہ کوئی پروگرام بھی خرم کے بغیر نہیں بناتے تھے، ان کے گروپ میں اسے لیڈر کی سی حیثیت حاصل تھی کیونکہ ان کے گروپ میں سب سے زیادہ دولت اور وجاہت بھی اسی کے پاس تھی، جو کہ عموماً ان ہی کے فائدے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ چنانچہ سب سے زیادہ خوشامد بھی اسی کی کرنی پڑتی تھی۔

خرم کو ان سب باتوں کا احساس تھا، مگر اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کون اس سے کس غرض سے مل رہا ہے، ان کی خوشامد سے اس کی انا کو تسکین ملتی رہتی تھی اور اس کے لیے اتنا کافی تھا۔

ابھی بھی ان کی باتوں نے اس کا موڈ ایک دم خوشگوار کر دیا تھا۔ سبھی سفید جھوٹ بھی اپنے مخصوص ٹھوس لہجے میں بولا۔

”ہاں ایسی بے کار چیزیں میں تو کھاتا نہیں اور ڈرائیونگ کا تو بالکل بھی موڈ نہیں تھا۔ لیکن اگر اس وکی کے بچے سے کہنا کہ انہیں اچانک پہنچ کر سربراہ کر دیتے ہیں تو یہ نکلنے میں اتنا نام لگاتا کہ تم لوگ جا چکے ہوتے اور خود ہمیں ہوٹل بند دیکھ کر سربراہ مل جاتا۔ اسی لیے میں نے اسے اپنی گاڑی بھی دے دی اور چیلنج بھی کر دیا کہ یہ شاید جوش میں اگر وقت پر پہنچاؤ۔“ وکی شکل سے بور لگنے لگا تھا۔ ہارون وغیرہ نے اسے نظر انداز کر کے اس کی ویڈیو ایک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹریوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیری کوالٹی، ہارل کوالٹی، کپیریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈ فیری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورمٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک ویکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

دم ہی ڈاؤن کر دی تھی اور واقعی خرم کی منگی سی شاندار گاڑی دیکھ کر اس تیز رفتاری کا سارا کریڈٹ کوئی بھی ڈرائیور کی بجائے گاڑی کو دے دیتا۔

”پھر بھی شرط کے مطابق تمہیں میری بات تو مانی پڑے گی۔“ وہی نے بے نیازی دکھانے کی کوشش کی۔

”ٹھیک ہے بولو کیا کرنا ہو گا مجھے۔“ خرم نے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اعتماد سے پوچھا تو وہ سب وہی کی شکل دیکھنے لگے۔

”تمہیں ہم سب کو شہر کے سب سے مہنگے ہوٹل میں کھانا کھانا ہو گا۔“ وہی نے بہت سوچتے ہوئے کہا تو خرم واقعی حیران رہ گیا، اتنی بے کار شرط اس وقت تو وہ کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔ مگر فوراً ہی اس بورے مطالبے کی وجہ بھی سامنے آئی۔

”لیکن۔۔۔“ اس نے جملہ اوجھڑ کر ان سب کو باری باری دیکھا پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

”لیکن اپنے پیسوں سے نہیں بلکہ ہوٹل میں آئے کسی شخص کے پیسے چاہو۔“ وہی کے جملہ پورا کرتے ہی بارون وغیرہ نے خوشی کے اظہار کے طور پر فوراً تالیاں بجا کر حمایت کر دی۔

اپنے طور پر وہی نے حساب برابر کر لیا تھا۔ ابھی جو اس کی عزت کا فالوہ ہوا تھا تو اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ کل کو خرم کی عزت کا بھی جنازہ نکل جائے مگر وہ واقعی اس شرط پر ذرا بھی پریشان نہ ہوا بلکہ بڑے اطمینان سے کندھے اڑکاتے ہوئے بولا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ as you wish۔۔۔ کل ہی چلتے ہیں۔“ اس کے سامنے ہی بارون اور سب دوستوں نے پہلے سے بھی زیادہ خوشی کا مظاہرہ کیا اور خرم نے ان سب سے پہلے قدم ہوٹل کی طرف بڑھا دیے۔

کسی مہنگے ترین ہوٹل میں آئے شخص کے پیسے چاہتا تھا اس کا کام نہیں تھا۔ لیکن اسے خود بھی زندگی میں قہل اور جینسن پسند تھے اسی لیے ایسے کام کر کے اسے مزاحیہ آتا تھا۔ کیونکہ اسے انجام کے طور پر بھی کچھ سمجھنا بھی نہیں پڑا تھا وہ اپنے والدین کا بہت ملاؤں تھا۔ اگر اس کی کوئی غلطی ہوئی تو بھی کسی کو بھی اسے کبھی غصے سے سزا نہیں کرتے تھے بلکہ بعض اوقات اس کی حرکتوں پر انہیں بھی ہنسی آ جاتی، بچپن سے ان کا یہ رویہ دیکھ کر ظاہر ہے اس کے حوصلے بڑھنے ہی تھے ابھی بھی چوری جیسی معیوب حرکت کرنے پر اسے کوئی شرمندگی یا گھبراہٹ نہیں تھی۔

اس کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ اگر وہ کچھ بھی جاتا تب بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی تھی مگر کوئلہ اسے دوستوں کے سامنے نکار گیا تھا۔ لہذا اس امتحان میں سرخرو ہونا اشد ضروری تھا اور پھر اسے یقین تھا شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں اسے کوئی نہ کوئی بے وقوف ایسا مل ہی جاتا جس کی جیب کاٹنا اس کے لیے کوئی مشکل امر نہ ہوتا۔

اس لیے جب وہ سب گھر کے لیے واپس جانے لگے تو خرم ہادوبائی کر رہے ہوئے بولا۔

”کل یونورسٹی ذرا اچھے طریقے سے تیار ہو کر آنا ہم وہیں سے پیس چلیں گے سچ کرنے۔“

نوسہ کی نظریں ایک نیک رخسار پر پئی ہوئی تھیں۔ جس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کسی کرب سے گزر رہی ہے نوسہ بے مبری سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ مگر رخسار کی خاموشی طویل ہوئی جا رہی تھی کہ اچانک اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔

نوسہ اتنے مہن انداز میں اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ خود بھی اپنی جگہ اچھل پڑی جبکہ رخسار ایک جھٹکے سے

آنکھیں کھول کر ندیہ کو گھورنے لگی پتا نہیں اس کے چہرے پر ایسا کیا تھا کہ ندیہ کچھ سمجھ گئی۔
 ”کیا بات ہے ندیہ؟ کیا پوچھنا چاہتی ہو۔“ رخسار کی آواز تھوڑی موٹی اور بھاری ہو گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا
 رخسار کی بجائے کوئی اور بول رہا ہو۔

”کب کون ہو تم؟“ ندیہ نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔
 ”میں تمہاری خالہ ہوں ندیہ۔“ رخسار کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ جیسے کوئی رو بوٹ بول رہا ہو، ندیہ حیرت سے
 منہ کھولے اسے دیکھے گئی۔
 ”جلدی پوچھو جو پوچھنا ہے مجھے مطمئن ہو رہی ہے۔“ رخسار کے نہایت سخت لہجے پر ندیہ ہونٹوں پر زبان پھیر
 کر جلدی جلدی کہنے لگی۔

”تپ۔۔۔ آپ کیسی ہیں۔۔۔ آپ کے ساتھ۔۔۔ ساتھ کیا۔ کیا ہوا تھا۔“
 ”تم سب کچھ جانتی ہو پھر کیوں پوچھ رہی ہو تم خود تاؤ ایک اغوا شدہ لڑکی کا معاشرے میں کیا مقام ہوتا ہے؟
 میری وجہ سے سارے گھر والے بدنامی کا عذاب جھیلتے رہے اسی لیے میں نے خود کو ختم کر کے سارے مسائل
 حل کر دیے مگر میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ تمہیں چھوڑ کر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی اسی لیے میں ہر
 وقت اس گھر میں تمہارے پاس رہتی ہوں تم سب کے قریب۔
 مگر ندیہ مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ تم میری جیسی مری ہوئی لڑکی کے لیے تو اپنا پریشان رہتی ہو مگر
 تمہارے اس پاس اتنے زخم پریشان حال لوگ موجود ہیں اور تمہیں ان کی کوئی فکر نہیں۔“

”یہ۔۔۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں کون لوگ؟“ ندیہ کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا بننے لگا۔
 ”بہت لوگ ہیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ایک تو تمہاری یہ دوست ہی ہے جو تمہارے سامنے ٹٹھی
 ہے رخسار ایک بہت اچھی لڑکی ہے جو محض تمہارے کہنے پر اپنے پر مس سے جھوٹ بول کر تمہارے گھر پہنچے
 چلی آئی اور آٹھ مہینے رات کو تمہاری خاطر اتنا خطرناک عمل پڑھنے بیٹھ گئی یہ واقعی تمہاری مخلص دوست ہے اس
 دوست کی قدر کرو۔ اسے اکثر پیسوں کی ضرورت رہتی ہے اس کی ظاہری حیثیت پر مت جاؤ وہ خود دار لڑکی ہے
 تمہارے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے گی تم آرام سے اس کی معاشی مدد کر سکتی ہو بلکہ تم کلاس میں ہمیشہ اچھے نمبروں
 سے پاس ہوتی ہو تم اگر اسے نوٹس وغیرہ سے دے دو تو بھی اس کی بہت مدد ہو جائے گی تمہیں نہیں معلوم وہ
 گھر میں چھوٹے مونسے کا مگر کے پیسے کمانے میں لگی رہتی ہے اس کے پاس پڑھنے کا وقت بھی نہیں ہوتا بلکہ تم
 اسے سمجھنے کی کوشش کرو تو تمہیں اندازہ ہو گا اللہ نے اس کے روپ میں تم پر کتنا کرم کیا ہے اس کی مدد کر کے تم
 اس پر احسان کرنے کی بجائے اپنے لیے راحت کا سامان کرو اور جب بھی مجھ سے بات کرنی ہو رخسار کے ذریعے
 کر سکتی ہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت اس بے چاری کو پریشان کرتی رہو مہینے میں ایک ملاقات کافی
 ہے وہ بھی اگر رخسار رضامند ہو تو۔ اب مجھے جانا ہے میں زیادہ دیر غم نہیں سکتی اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔“
 رخسار کہتی چلی گئی اور اپنی بات مکمل کر کے ایک طرف ڈھمکی۔

ندیہ حیران پریشان سی اس کی باتیں سن رہی تھی اس کے کرتے ہی بری طرح گھبراہٹ جلدی سے رخسار کے
 پاس آکر اسے دیکھا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کا گلہ سمجھانے لگی۔
 ”رخسار۔۔۔ رخسار آنکھیں کھولو۔“ رخسار نے مندی مندی آنکھوں سے ندیہ کو دیکھا جیسے اس کی سمجھ میں
 کچھ نہ آ رہا ہو۔

”تم ٹھیک تو ہو نارخسار۔“

”مجھے کیا ہوا؟“ رخسار نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”تمہیں نہیں یاد تم نے ابھی کیا کہا۔“ ندیہ ابھی تک پریشان تھی۔
 ”نہیں تو کیا کہا تھا میں نے۔۔۔“ رخسار نے اپنی مٹی کی کونوٹوں ہاتھوں سے پکڑ کر ایسے دیا جیسے بڑی زور
 کی ٹپک رہی ہو۔

”کچھ بھی نہیں۔ تم اپنے ذہن پر زور مستعد چلو کرے میں چل کر آرام کرو تھک گئی ہوگی میں تمہارے لیے
 دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔“ ندیہ کے لہجے میں اس کے لیے فکری فکر تھی اور اس کے چہرے پر اپنائیت کا ایک
 جہان آباد تھا۔

رخسار نے کمال مہارت سے اپنی مسکراہٹ کو روکتے ہوئے نہایت معصومیت سے کہا۔
 ”میرا سر بھی مل رہا ہے دودھ میں اودھن بھی ڈال دینا۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں چلو کرے میں چلتے ہیں۔“

ندیہ فوراً بولی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگی کہ عین اسی لمحے دروازے کے اوپر نصب ٹیوب لائٹ
 آف ہو گئی اور چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی۔

”وہ گاڈ لائٹ چلی گئی تمہارا تو جڑیڑ بھی آج کل خراب ہے نا۔“ رخسار نے کہا تو ندیہ ایسے بیہوشانے والے
 انداز میں بولی جیسے رخسار کی بات سنی ہی نہ ہو۔

”کہیں ماما اٹھ نہ جائیں اگر انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تو۔۔۔ چلو جلدی سے نیچے چلتے ہیں۔“ ندیہ جلدی میں
 اس کا ہاتھ چھوڑ کر اسے ہی آگے بڑھ گئی ماما کا خیال آتے ہی وہ حواس باختہ سی ہو گئی تھی۔

”اے۔۔۔ اے کو تو سنی مجھے تو اندھیرے میں زندہ نظر بھی نہیں آئے گا۔“ اس کے ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ جانے پر
 رخسار پریشان سے بولی مگر ندیہ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا اور اندھیرا اتنا زیادہ تھا کہ رخسار کو اندازہ بھی نہیں
 ہو رہا تھا کہ کیا ندیہ چھت پر موجود ہے یا اسے چھوڑ کر نیچے اتر گئی۔

”ندیہ کہاں ہو تم ابھی تمہاری خالہ نے تم سے کہا تھا کہ میرا خیال رکھنا اور تم ہو کہ مجھے یہاں اندھیرے میں
 چھوڑ کر بھاگ رہی ہو۔“ رخسار غصے سے چلا کر بولی کہ عین اسی وقت چھت پر موجود دروازہ ایک زوردار آواز کے
 ساتھ بند ہو گیا۔

رخسار سناٹا پھیلی اندھیری بھرت پر اس کے رہ جانے کے خیال سے ہراساں ہو گئی اس نے تیزی سے دروازہ کے
 قریب جا کر ٹٹولتے ہوئے اس کے پینڈل کو کھینچا مگر دروازہ لاک ہو چکا تھا۔ رخسار نے زور زور سے دروازہ پیٹتے
 ہوئے کسی کو دروازہ کھولنے کے لیے پکارا مگر اس سے پہلے کہ باہر سے کوئی جواب آتا دروازہ پیٹتے اس کے ہاتھ غم
 گئے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کے احساس نے اسے رگ کر پلٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”ندیہ اگر تم یہاں ہو تو یہ دروازہ کس نے بند کر دیا۔“ رخسار نے گھپ اندھیرے میں اسے دیکھنے کی کوشش
 کرتے ہوئے پوچھا مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

”کون ہے یہاں بولی کیوں نہیں رہے۔“ رخسار کی آواز میں خوف کی لرزش نمایاں تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

❖ ❖

دستِ گریز

نزدیک کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نزدیک ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نزدیک اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیئلہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لہجہ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شہد کو قبول کر لیتا ہے اور انیس بجے کے لیے کمرہ دیتا ہے۔

نزدیک اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ دونوں واپس جانے کے لیے میزچیلوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ بجلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑیے)



رخسار کچھ پریشان سی ہو کر اندھیرے میں دو چار قدم آگے بڑھی اور ہاتھ بڑھا کر اسے چھونے کی کوشش کرنے لگی مگر کچھ اندھیرے اور کچھ گھبراہٹ کے باعث وہ بہت جلد جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔ خوف غمے کی صورت اختیار کرنے لگا تو وہ ہٹنا کر چلائی۔

”ندیدہ! شاید دس تین مہینے تمہاری خالہ نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ میرے روپ میں اللہ نے تم پر کتنا بڑا کرم کیا ہے مگر تم بجائے میری قدر کرنے کے مجھے ڈرا رہی ہو۔“

”تمہیں کیسے پتا کہ اس روح نے کیا کہا تھا، تمہیں تو کچھ یاد نہیں رہا تھا۔“ سوال سے زیادہ رخسار آواز پر چوکی تھی۔ عجیب بھاری سی آواز تھی جو اس کے عین پیچھے سے ابھری تھی۔ یعنی دروازے کی جانب سے۔

رخسار بے اختیار دو چار قدم آگے بڑھ کر دروازے کی جانب ہٹتی مگر شدید تاریکی میں کچھ بھی نہ دیکھ سکی۔

”کون۔۔۔؟“ رخسار کے لمبے میں واضح لپکی تھی۔

”شائستہ۔“ کوئی عین اس کے کان کے پاس بولا اس کی سانس کے زیر و بم سے رخسار نے اپنے بال تک ہلنے محسوس کیے تھے وہ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر بری طرح چچھتی ہوئی اندھا دھند دوڑ پڑی کہ تب ہی اس کے پاؤں کے نیچے زمین پر بچھاوا کاغذ آگیا جو شائستہ کی روح سے سوال جواب کرنے کی غرض سے گھر سے لائی تھی۔

کاغذ پر پاؤں پڑتے ہی اس کا پاؤں پھسلا اور وہ منہ کے بل کے فرش پر گر پڑی۔ ٹاک اور ٹھوڑی پر اتنی شدید چوٹ لگی تھی کہ اس کے چوہہ طبق روشن ہو گئے۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہیں سکی تھی کہ کوئی اس کے گھر سے ہوئے وجود پر جڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے وزن سے رخسار کی آنکھیں کی تمام کوششیں ناکارہ ہو گئیں اور پھر اس نے رخسار کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی اس کے بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

رخسار خوف اور تکلیف سے بری طرح چلائے لگی مگر اسے ہی بل اس کی چیخ مطلق میں ہی دم توڑ گئی کیونکہ جس نے اس کا سر پکڑ رکھا تھا اس نے ایک جھپٹے سے اس کا ہاتھ زمین پر دے مارا۔ رخسار تکلیف کی شدت سے چیخ بھی نہ سکی۔ اس کا پورا سر جھنجھٹا اٹھا تھا۔ پیشانی کی ہار یک رگیں اس وحشیانہ حملے پر چھٹ گئی تھیں اس کے ہاتھ سے خون کی تیز دھاری بہ کر اس کی ناک تک پہنچنے لگی مگر اس کی پیٹھ پر بیٹھے وجود نے اسی پر بس نہیں لیا بلکہ جس طرح اس نے بالوں کو کھینچ کر بے دردی سے اس کا سر پیچھے کیا اس سے ظاہر تھا وہ اپنا عمل دوبارہ دہرانے والا ہے۔

رخسار میں مزاحمت کی بالکل طاقت نہیں تھی وہ غش گھا کر بے ہوش ہونے کو تھی کہ عین اسی وقت اس کی آنکھوں پر تیز روشنی پڑی۔ شاید کسی نے چھت کے دروازے پر لگی ٹیوب لائٹ تن کر دی تھی۔

رخسار نے روشنی کی تاب نہ لاتے ہوئے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ اس پر سوار وجود ایک سیکنڈ میں اس کے بالوں کو چھوڑتا اس پر سے اٹھ گیا۔

رخسار کا سر کسی گئی شاخ کی طرح زمین پر آگرا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ مند دی ہوئی آنکھوں سے جو آخری منظر اس نے دیکھا اس میں ندیدہ کے والد لیل اختر چھت کا دروازہ کھول کر اندر آتے دکھائی دے ان کے پیچھے ندیدہ کی والدہ تھیں جو رخسار پر نظر پڑتے ہی دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر چیخ پڑیں اور ان کے پیچھے گھر کے دو چار ملازم بھی اندر داخل ہوئے وہ بھی اس کے خون میں بھرے چہرے کو دیکھ کر ہراساں ہو گئے تھے۔

رخسار کا ذہن اس کا ساتھ چھوڑتا جا رہا تھا بالآخر وہ مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب گیا۔

”جب رومیلا نے فون پر مجھے بتایا کہ نمل ہمیں پلس میں لانچ کے لیے لے جا رہی ہے تو میں نے یہی کہا کہ تم

نے کوئی خواب نہ دکھا ہو گا۔“ بڑے سے شاندار ہوٹل کے فل ایئر کنڈیشنڈ ہال میں پچھی نمل کے قریب آتے ہی نمل نے چاروں طرف ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو اب بھی یہی لگ رہا ہے کہ ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں ورنہ نمل سے اتنی دریاہی کی امید کرنا ذرا مشکل ہی ہے۔“ رومیلا نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر نمل کو دیکھا۔

”آج میرا خرچہ کرنے کا دل چاہ رہا ہے ابھی یہاں سے شاپنگ پر بھی جائیں گے۔“ نمل نے بھی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے خوشی خوشی بتایا۔

”اللہ کے لیے یہ غضب مت کرنا، پہلے ہی اتنے بڑے ہوٹل میں لانچ دے کر تم نے حاتم طائی کی قبر پر لالت مار دی ہے۔ اب مزید خرچہ کرنے کی ضرورت نہیں۔“ رومیلا فوراً ہوئی۔

”ضرورت کیوں نہیں بالکل ضرورت ہے۔ یونیورسٹی میں پہلے دن ہم تینوں ایک ساسوٹ پہن کر جائیں گے اور وہ ہم آج ہی خریدیں گے۔ وہ بھی میرے پیسوں سے۔“ نمل فیصلہ کن انداز میں بولی۔

”ہم بچوں کی طرح یونیفارم پہن کر جائیں گے۔“ رومیلا نے اعتراض کرنے والے انداز میں کہا جبکہ نمل درز دیدہ نظروں سے نمل کو دیکھتے ہوئے مشکوک انداز میں بولی۔

”مجھے دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔“

”تمہیں فائو اشار ہوٹل میں بھی کالی دال نظر آ رہی ہے۔“ نمل نے کہا تو نمل ان سنی کرتے ہوئے رومیلا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

”کیس اتنی مہمانی کے پیچھے کوئی چال تو نہیں ہے۔“

”میں خود کل رات سے یہی سوچ رہی ہوں۔“ رومیلا نے بظاہر بڑے پریشان کن لمبے میں کہا تو ان کا مذاق بچتے ہوئے نمل ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی۔

”کیا پتا کوئی چال ہو بھی سکتی ہے۔“ نمل کے غیر سنجیدہ انداز پر بھی دونوں ہلچل پڑیں۔

”کیا۔ کیا مطلب۔ یہ ٹریٹ نہیں بلکہ ہمیں بے وقوف بنانے کا کوئی طریقہ ہے۔ دیکھو نمل! انہی مذاق سروں کے ساتھ تو ٹھیک ہے مگر دوستوں کے ساتھ وہ بھی پبلک پلیس میں بالکل بھی مناسب نہیں۔“ نمل نے گھبرا کر ارد گرد نظر ڈالی ان کے چاروں اطراف میں لگی ٹیبلز بھری ہوئی تھیں۔

”اوہ کم آن یا رام! تو مذاق کر رہی تھی۔ بھلا میں پبلک پلیس میں تم لوگوں کو بے وقوف کیوں بناؤں گی۔ آرام سے آرڈر دو اور ہاں آئندہ کوئی مجھے کتھوس کتھوس نہیں کہے گا۔“ نمل نے ویٹر کا لایا مینو کارڈ ان دونوں کی طرف بڑھاتے ہوئے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

”اتنے بڑے بڑے وعدے نہیں کرتے ہم اور پھر زبان کا کیا بھروسہ، کل کو پھسل گئی تو۔“ نمل نے بڑے اطمینان سے مینو کارڈ دیکھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا تو نمل صرف اسے گھور کر رہ گئی۔

شہر کے اس شاندار ہوٹل میں آنے کے لیے خرم نے اپنی وارڈروپ کے سب سے شاندار کپڑے نکال کر پہنے تھے حالانکہ اسے اپنے کپڑے جانے کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی پروا دوستوں کے سامنے ناکام ہو جانے کی تھی۔

وہ سب تو لبا جوڑا آرڈر دے کر کھانے میں مصروف ہو گئے تھے جبکہ خرم بظاہر بے نیاز اور مطمئن نظر آنے کے باوجود اندر سے کافی پریشان تھا۔

ان کے امد گرد لگی میزوں پر سب خوش باش لوگ براجمان تھے مگر ان میں سے کتنے لوگوں کی عیبوں میں نقد

روئے ہوں گے یہ اندازہ لگانا آسان نہیں تھا۔ آج کل کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگ کریڈٹ کارڈ رولے کر نکلنے کو ترجیح دیتے تھے کسی کی جیب میں سے والٹ نکالنا پہلے ہی مشکل کام تھا اور اسے اتنی مشقت اٹھانے کے بعد اگر والٹ میں سے مطلوبہ رقم نہ نکلی تو وہ کسی کو غیو ایک بل میں اسے ناکام۔ قرار دے دیں گے اور اسے بار کسی طور منظور نہیں تھی اسی لیے وہ کسی ایسی جیب کا مطالعہ بھی تھا جہاں سے ایک بھاری رقم برآمد ہونے کا یقین ہو اور جسے بے کرتے ہی وہ سب فوراً ہوٹل سے باہر نکل جائیں۔ کریڈٹ کارڈ کے ذریعے تفصیل سے بل ادا کرنے اور بعد میں پولیس کیس بننے کے خطرے کو وہ ہرگز مول نہیں لے سکتا تھا۔

”بھئی لٹا ہے خرم کی بھوک اڑی ہوئی ہے۔“ ہارون نے اپنی پلیٹ میں تیسری بار چکن نکالتے ہوئے شوخ نظروں سے خرم کو دیکھا جو صرف کولڈ ڈرنک کے گلاس کو خالی کرنے میں مصروف تھا۔

”ہاں مجھے بھی افسوس ہو رہا ہے کچھ زیادہ ہی کڑی شرط رکھ دی ہے میں نے۔ بے چارہ اتنے اچھے کپڑے پہن کر ہمیں کھانا کھلانے آیا ہے، ہمیں اسی حالت میں اسے کسی کے جوتے کھانے کی نوبت نہ آجائے۔“ وہی نے تاسف بھرے انداز میں کہنے کی کوشش کی۔

”اگر اتنی ہمدردی ہو رہی ہے تو تم اپنی شرط واپس لے لو۔“ ہارون نے جھٹاتے ہوئے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں اگر خرم ریکسوسٹ کرے تو میں ابھی شرط واپس لے لیتا ہوں۔“ وہی نے فوراً راضی ہوتے ہوئے کہا تو خرم اس کی بات کے پس منظر کو نظر انداز کرتے ہوئے بظاہر خوش دلی سے بولا۔

”تم اپنی شرط واپس لیتا چاہتے ہو تو لے لو لیکن میں تو وہ ضرور کروں گا جو میں سوچ چکا ہوں۔“

”کیا؟“ ان سب نے یک زبان ہو کر پوچھا تو فوری طور پر خرم نے کہا کہ نہیں سیک۔ اس نے ابھی تک کچھ سوچا ہی نہیں تھا تو بتایا کیا جبکہ اس کی خاموشی میں انہیں کوئی برا سراوت محسوس ہوئی تھی تب ہی وہ کچھ زیادہ ہی تجسس ہو گئے۔

”بتاؤ نا تمہارا ارادہ کیا ہے کیا تم نے اپنا نام گمنام ڈھونڈ لیا ہے۔“ ہارون نے بے ہنگام سے پوچھا۔

”ظاہری بات ہے۔“ خرم نے بے برکی اڑائی اور جس مقصد کے تحت اڑائی تھی وہ بھی فوراً ہی حاصل ہو گیا۔ یعنی وہی جو تک کر اسے دیکھتے ہوئے کچھ پریشان سا لگنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جو خوشی اور بے نیازی اس کے چہرے پر چمکی تھی وہ مل بھر میں اڑن چھو ہو گئی تھی۔ اس کے رد عمل نے خرم کو سکون تو پہنچایا تھا مگر زیادہ تسکین کا سبب نہیں بن سکا کیونکہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اسے کرنا کیا ہے۔

”کہاں؟ کون؟“ ہارون نے ہونٹوں کی طرح پوچھا۔

”بھئی اگر تمہیں سامنے کی چیز بھی نظر نہ آئے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ دس ازناٹ مائی فالٹ۔“ خرم نے ایک طرح سے محض اسے چپ کرانے کے لیے لاپرواہی سے کہا مگر وہ خاموش ہونے کی بجائے عین اپنے سامنے دیکھتے ہوئے حیرانی سے بولا۔

”تو کیا تم ان لڑکیوں کا پرس چراؤ گے۔“ خرم کا کولڈ ڈرنک کا گلاس لبوں تک جانے سے پہلے ہی راستے میں رک گیا اس نے ہارون کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا چاہا تو اسے گردن گھما کر اپنے کندھے کے پیچھے دیکھا پڑا تھا کیونکہ ہارون عین اس کے سامنے بیٹھا تھا اور اس کے سامنے کی میز پر تین لڑکیاں موجود تھیں اور مینو کارڈ دیکھتے ہوئے ویٹر کو آرڈر دے رہی تھیں۔ سنجیدہ عمر کے سوٹ بوٹ والے مردوں کے مقابلے میں ان لڑکیوں کی طرف سے زیادہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ کریڈٹ کارڈ کی بجائے نقد روپے لے کر آئی ہوں گی۔

خرم کے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک دلفریب مسکراہٹ بھرتی۔ اس نے نہایت اعتماد سے ان چادوں کی طرف پلٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”کتنی مشکل سے کتنی آسان سی بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے۔ حالانکہ میں نے آتے ہی سوچ لیا تھا۔“

”لیکن وہ تو ہمارے بعد آئی ہیں۔“ وہی نے فوراً کہا۔ لڑکیوں کے مقابلے میں اس کی معلومات ہمیشہ بہت بہترین ہوتی تھیں۔ خرم ایک بل کے لیے چونکا پڑا گلی سے لمبے اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”ہاں تو میں نے اپنے آنے کی نہیں ان کے آنے کی بات کی ہے۔“

”لیکن وہ تمہارے پیچھے سے آکر تمہارے پیچھے ہی بیٹھ گئی تھیں۔“ اس کی جرح اس کے چڑ جانے کی عکاسی کر رہی تھی تب ہی خرم ہنس دیا۔

”میں اپنے پیچھے بھی نظر رکھتا ہوں۔“

”قاریگشتاؤ کی اتھیرتاؤ اب کیا کرنے والے ہو۔“ ہارون نے وہی کو جھڑکتے ہوئے خرم سے پوچھا۔

”ویٹ اینڈ سی۔“ خرم نے اطمینان سے کہا اور پلیٹ کو دوبارہ ویٹر کو دیکھنے لگا جو آرڈر لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

خرم بھی کرسی گھسینا فوراً کھڑا ہو گیا اور اس ویٹر کے پیچھے چل پڑا جیسے ہی وہ ٹیبلز کی حدود سے آگے نکلا۔ خرم نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

”ہیس سر۔“ وہ صوب انداز میں خرم کو دیکھنے لگا۔

”کیا تم بتا سکتے ہو جس ٹیبل پر سے تم آرڈر لے کر آ رہے ہو وہاں مل کون سی لڑکی ہے؟“ خرم کے سوال پر اس نے پہلے تو حیرانی سے خرم کو دیکھا پھر یہ سوچ کر فوراً بول پڑا کہ ”وہ دیکھنے میں کوئی ر میں زادہ لگ رہا ہے۔“ اسے بحث کر کے اپنی جاب خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیے۔ ویسے بھی صرف مل کے متعلق پوچھ رہا ہوں کوئی بتا تو نہیں مانگ رہا۔“

”مجھے پتا تو نہیں لیکن ان کی باتوں سے لگ رہا ہے کہ وہ جو ویٹر ہیں میں لڑکی ہے وہ مل دینے والی ہے۔ ہائی کی دو لڑکیاں اسے اتنا لیا آ رہے ہیں۔“ وہی نے روک کر دیکھا۔

”اوکے“ خرم نے سوچ۔ ”خرم نے کہا تو وہ فوراً ہال سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد خرم نے مینو کارڈ سے اسی ہوٹل کے ریسپشن کا نمبر حاصل کر کے ریسپشن پر فون کیا کہ ہال میں فلاں ٹیبل پر جو ویٹر ہیں میں لڑکی ہے۔ اسے بلا لیں۔“

ریسپشن پر موجود شخص اس مطالبہ پر تھوڑا الجھا تو ضرور مگر خرم کے یہ کہنے پر کہ میں ان کا والد ہوں وہ الجھنے کے باوجود اسے بلانے پر مجبور ہو گیا۔

”میرے لیے فون ہے۔“ نمل نے حیرت سے پہلے ویٹر کو اور پھر میز پر رکھے اپنے پرس کو دیکھا جس میں اس کا موبائل پڑا تھا تو ویٹر نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ نمل نے سوالیہ انداز میں ان دونوں کو دیکھا۔

”آئی پریشانی کی کیا بات ہے جا کر سن لو۔“ نمل نے بے دھڑک کہا تو وہ اپنا پرس اٹھاتی ریسپشن کی طرف بڑھ گئی اور ہولڈر پر رکھے ریسپور کو اٹھا کر کلن سے لگا لیا۔ دوسری طرف نہ جانے کون تھا، نمل نے تو اس کی آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ اسے دوسری جانب کی آواز کلٹر سنائی دے رہی تھی مگر اسے نمل کی آواز بالکل نہیں آرہی تھی تب ہی وہ بس بیلو بیلو کیے جا رہا تھا۔ کچھ دیر تو نمل نے اسے اپنی آواز سننے کی کوشش کی مگر تھوڑی دیر بعد اس نے تھملا کر ریسپور کی ٹیبل پر پٹخ دیا اور ریسپشن پر کھڑے شخص کو مایکد کر دی کہ اب اسے بلایا جائے۔

”نملوں نے کہا تھا کہ وہ آپ کے والد ہیں۔“

”کیا۔؟“ نمل انہی سے۔ بول۔ پتا نہیں دوسری طرف موجود شخص نے کسے فون کیا تھا۔ ویٹر نے یقیناً غلطی سے اسے بلایا ہو گا مگر نمل نے مزید کچھ کہا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ ریسپشن پر موجود شخص اپنے رجسٹر میں اتنا غرق تھا کہ نمل کو اسے بار بار مخاطب کرنا اچھا نہیں لگا۔ وہ چپ چاپ واپس لوٹ آئی۔ ان دونوں کے

رو عمل کے خیال سے پریشان ہو گئی تھیں جبکہ وہ نہایت سکون سے نمل کو دیکھتے ہوئے اس کا تبصروں سن رہی تھیں اور اس کی بات پوری ہونے پر گندھے اچکا کر کہنے لگا۔

”ٹھیک ہی اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں بیوی بننے کے لیے عین موقع پر پہنچ گیا ہوں تو میں دلن کا کردار ادا کرتے ہوئے چلا جاتا ہوں۔“ وہ پلٹنے ہی لگا تھا کہ نمل بول پڑی۔

”ارے ارے میرے اٹھارہ ہزار روپے دے بغیر تمہارا سے کیسے جاسکتے ہو۔“ نمل کے کہنے پر وہ ٹھٹھک گیا۔ سنبل اور رو میلہ نے ہر اسال سے انداز میں پہلے ایک دوسرے کو پھر اس لڑکے کو اور آخر میں نمل کو دیکھتے ہوئے ایک زبان ہو کر کہا۔

”نمل بھار گاڑ سیک۔ کیوں سین کری ایٹ کر رہی ہو۔“

”میں سین کری ایٹ کر رہی ہوں؟ سین تو تب بنے گا جب وہ ٹرو بارہ مل لینے آئے گا۔“ نمل کے لہجے سے غصے کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی ظاہر ہو رہی تھی تب ہی وہ سانسیت سے بولا۔

”مل بے کرنے کے لیے میں تیار ہوں لیکن اٹھارہ ہزار کس بات کے دے دوں؟ آپ یہ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہیں کہ پیسے میں نے ہی چرائے ہیں۔“

”کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے پیسے پرس میں رکھے تھے اور اب اگر وہ پرس میں نہیں ہیں تو ظاہری بات ہے وہ چوری ہو گئے ہیں مگر یہ چوری پیسوں کے گئے نہیں کی گئی۔ اگر ایسا ہوتا تو میرا موبائل بھی حائب ہوتا۔“ نمل کبھی چلی گئی اس کے ہر جملے کے ساتھ سنبل اور رو میلہ کی وحشت سوا ہو رہی تھی جبکہ خرم بظاہر سکون سے کھڑے ہونے کے باوجود دل ہی دل میں اسے داد دے بغیر نہ رہ سکا پھر بھی اپنے لہجے میں زبردستی کا کھردراہٹ پیدا کرتے ہوئے بولا۔

”دیکھیں مس میں چاہوں تو اٹھارہ ہزار کیا اٹھاؤں گا کہ میں اسے آرام سے دے سکوں ہوں مگر یہ تو صراحتاً اعتراف جرم کرنے والی بات ہے۔ میں تو اکیلی لڑکیوں کو مشکل میں دیکھ کر ازراہ ہمدردی چلا آیا تھا، مجھے کیا پتا تھا کہ نیکی کا خیال لے کر جاؤں گا اور چوری کا الزام ملے گا۔“ خرم کا انداز صاف صاف جان چھڑانے والا تھا کیونکہ اس بات کی چند ٹیبلز کے لوگ بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

انہیں مل ملے ہوئے بھی بہت ناگوار ہو گیا تھا اگر ہو مل کے عملے کو اس بات کا علم ہو جاتا کہ ان کے پاس پیسے نہیں ہیں تو اچھی خاصی بے عزتی ہو جاتی۔ سنبل اور رو میلہ اس معاملے کو جلد از جلد بٹانا چاہتی تھیں اس سے کوئی مطلب نہیں تھا کہ اس نے پیسے چرائے ہیں یا نہیں البتہ قابل اطمینان بات یہ تھی کہ وہ پیسے دینے کے لیے راضی تھا اور کبھی کبھی موقع پرست بن جانے کو وہ برا نہیں سمجھتی تھیں اسے پلٹنا دیکھ کر سنبل بے ساختہ بولی۔

”دیکھیں آپ پلیز ہمیں غلط مت سمجھیں ہم بہت پریشان ہیں سب مل دیے ہوئے اتنی دیر ہو گئی ہے کہیں کوئی ٹرو وغیرہ آگیا تو۔“ سنبل کو ہچکچاتا دیکھ کر رو میلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہمارے پاس صرف ہندو سو روپے کم بڑے ہیں آپ اپنا انڈریس یا کوئی کانٹیکٹ نمبر دے دیں ہم آج شام ہی آپ کے پیسے آپ کو واپس لوٹا دیں گے۔“ رو میلہ کی بات پر نمل کا خون کھول اٹھا وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ خرم بول پڑا۔

”اپنے سارے پیسے خرچ کر کے گھر روانہ ہونا کچھ مناسب نہیں راستے میں بھی کوئی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ میں پورا مل دے رہا ہوں۔“ اس نے جیب سے والٹ نکالتے ہوئے کہا۔ سنبل اور رو میلہ نے جان بوجھ کر نمل کی طرف دیکھنے سے گریز کیا کیونکہ بغیر دیکھے ہی وہ جانتی تھیں کہ وہ خون آشام نظروں سے انہیں گھور رہی ہے۔

خرم کے پیسے ان کی طرف بڑھانے پر سنسل نے مل کی رقم لیتے ہوئے بقیہ پیسے اسے لوٹا دیے۔ رو میلہ بھی پوری طرح سنسل کی حمایتی نظر آرہی تھی اب کچھ کتنا سنسل کے نزدیک اس لڑکے کے سامنے خود اپنی بے عزتی گرانے کے مترادف تھا۔ خون کے گھونٹ جتنی انہیں قہر رسائی نظروں سے دیکھتی رہی جو نہایت مشکور انداز میں اس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں اور اس کا غصہ مزید بڑھانے کا موجب بن رہی تھیں اور جب رو میلہ نے پیسے لوٹانے کے لیے اس سے ایڈریس مانگا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

”نہیں نہیں اس طرح تو ہم پیسے ہرگز نہیں لیں گے۔“ رو میلہ ایک دم ہدک گئی۔
 ”پلیز ٹرائے نو انڈر اسٹینڈی۔ اتنے سے پیسوں کی وجہ سے آپ کو زحمت بھی ہوگی اور مجھے بھی خطرہ رہے گا کہ کہیں آپ کی دوست میرے گھر پولیس لے کر نہ آجائیں۔“ اپنی بات کے اختتام پر خرم نے مسکراتے ہوئے سنسل کو دکھا تو اس کی بات اور مسکراہٹ سے زیادہ سنسل کو زیادہ سنسل اور رو میلہ کو مسکراہٹ روکنے کی کوشش کرتا دیکھ کر غصہ آیا تھا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی سنسل سے باہر نکل گئی۔
 سنسل اور رو میلہ نے ایک دوسرے کو دکھا۔ دونوں سنسل کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں وہ اگر ایک بار چ جاتی تو بگڑی ہی رہتی۔ لہذا ان دونوں نے چہرے پر زبردستی کی شرمندگی طاری کر کے ہونے خرم سے اس کی طرف سے معذرت کر لی۔

”اُس اوکے کوئی بات نہیں۔“ خرم لا پرواہی سے کہتا پلٹنے لگا تو رو میلہ نے ایک بار پھر اس کا ایڈریس مانگ لیا، اسے کسی کا بھی احسان لینا پسند نہیں تھا۔ لہذا کہ ایک بالکل اجنبی شخص گھر اس کی نظر میں شاید اتنے سے پیسوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی یا واقعی اسے انہیں پریشان کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ بہر حال جو بھی وجہ تھی وہ ایک خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ بڑی آسانی سے انہیں ٹال گیا اُس کے جانے کے بعد رو میلہ اور سنسل ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
 ”بھئی بھئی سنسل حد کر دیتی ہے۔“ رو میلہ بڑبڑاتی۔
 ”بھئی بھئی کی کیا بات ہے وہ تو ہر وقت ہی حد سے باہر رہتی ہے۔“ سنسل پیسے مل کے ساتھ رکھتے ہوئے فوراً بولی۔

”ایسے یقین سے الزام تراشی کرتی ہے جیسے مقابل نے اقبال جرم کر لیا ہو۔ اگر اس نے ہیرو بننے کے لیے یہ سب کیا ہو تا تو کیا اتنی آسانی سے پیسے دے کر چلا جاتا۔ ہمارا نمبر اٹھنا تو دور کی بات ہے اس نے تو اپنا نمبر بھی نہیں دیا۔“ سنسل نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے چبا کر کہا۔
 ”حالانکہ اگر اس وقت وہ نہیں آتا تو ہمیں کتنی مشکل ہوتی میں تو آئندہ کبھی ایسے کسی پروگرام میں شامل ہی نہیں ہوں گی۔“ رو میلہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔
 ”خیر اب اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ سنسل نے ٹوکا۔

”جذباتی تو میں پہلے ہو گئی تھی ایڈیشن ملنے کی خوشی میں میں نے سوچا ابھی تو ہم تینوں ساتھ ہیں اس خوشی کو اچھی طرح سلیپوٹ کر لیتے ہیں۔ کیا پتا قائل کلیر کرنے کے وقت کون کون درمیان سے ساتھ چھوڑ چکا ہو۔“ رو میلہ کی بات پر سنسل بے ساختہ ہنس دی۔
 ”تو دور کی کوڑی۔“

”تو اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے کیا پتا کل کیا ہو گا۔ بابا جانی نے تو اجازت دیتے وقت ہی کہہ دیا تھا۔ ٹھیک ہے جب تک کوئی اور مصروفیت نہیں ہے بڑھ لو۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ جیسے ہی انہیں میرے لیے کوئی ”مصروفیت“ ملے گی وہ میری پڑھائی کا سلسلہ منقطع کر ادیں گے۔“ رو میلہ بے زاری سے کہتی ہوئی مل کے باہر

پارکنگ ایریا میں آگئی جہاں اسے دور سے ہی نمل اپنی گاڑی کی پاس کھڑی دکھائی دے گئی۔
 ”یہ نمل کے اور گردا گرد اتنے لڑکے کیوں کھڑے ہیں۔“ سنسل نے رو میلہ کے منہ کی بات چھین لی جو خود بھی نمل کے پاس چار لڑکوں کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹھکی گئی تھی۔



ریاض غفار نے ڈیرا نئز کو سائنسی نظروں سے دیکھتے ہوئے گلاس فیمیل کے دوسری جانب کھڑے منیجر صاحب سے پوچھا۔

”سپہلار تو واقعی بہت اچھے ہیں میری طرف سے تو آپ اسے approved ہی سمجھیں البتہ ایک بار الیان کو ضرور دکھا دیں۔“

”سر! وہ تو پہلے ہی اوکے کر چکے ہیں۔“ منیجر صاحب بولے۔

”ہیں پھر آپ نیکسٹ ویک سے اس پر کام شروع کر دیں۔“ ریاض غفار بے ہوش ہو کر بولے۔

”لیکن سر! ڈیرا نئز کا کہنا ہے کہ ان پر کام کرنے کے لیے خواجہ فیہو کس سے مشورہ مل منگایا جائے اور جب یہ بات میں نے الیان سے کہی تو۔“ منیجر صاحب کچھ کہتے کہتے جھجک گئے۔

”تو؟“ ریاض - سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگے۔

”تو سر! انہوں نے منع کر دیا۔“ وہ جس طرح بولے تھے اس سے صاف ظاہر تھا وہ ریاض غفار کو پوری بات نہیں بتا رہے۔ یقیناً الیان نے صرف منع نہیں کیا ہو گا بلکہ کچھ اور بھی کہا ہو گا۔

”منع کرنے کی وجہ نہیں بتائی اس نے۔“ ریاض غفار نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں سر! ان کا ایک دم ہی موڑ آ گیا تھا اس لیے میں نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔“ منیجر صاحب کا جواب

ریاض غفار کو حیران کر گیا تھا جو منیجر صاحب نے کہا تھا وہ بھی اور جوان کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا وہ بھی جیسے صرف انکار ہی نہیں بلکہ الیان کی طرف سے اور بھی کچھ جھیلنا پڑا ہو۔

”چھا! آپ الیان کو میرے پاس بھیج دیں۔“

وہ کچھ الجھ گئے تھے اور ان کی اس الجھن کو الیان ہی دور کر سکتا تھا ان کے بلوائے پروہانچ منٹ میں ہی ان کے سامنے حاضر ہو گیا۔

”آپ نے بلایا ڈیڈی!“

”الیان! اتنے اچھے ڈیرا نئز کے لیے تمہارے ڈیرا نئز کو منع کیوں کر دیا۔“

”میں نے کب منع کیا؟“ الیان نے حیرانی سے کہا۔

”تم نے خواجہ فیہو کس کے لیے۔“

”شہر میں صرف ایک خواجہ فیہو کس ہی نہیں ڈیڈی! آخر اتنے سالوں سے ہماری گارمنٹس فیکٹری کپڑے تیار کر رہی ہے، تپتے ریگولر ڈیلر ہیں ہمارے لیے خواجہ فیہو کس سے ڈیل کرنا کوئی ضروری تو نہیں۔“ الیان دو ٹوک

لہجے میں بولا تو وہ بھی اسی کے قہقہے میں بولے۔

”تپتے سالوں سے ہماری فیکٹری کپڑے تیار کر رہی ہے اور ہم نے بیٹھ ڈیرا نئز کو ان کی مرضی کا مشورہ مل

سلائی کیا ہے پھر آج تم نے بغیر کسی وجہ کے ان کی ڈیمانڈ کو ریجکٹ کیوں کر دیا جبکہ خواجہ فیہو کس کا امپریشن بھی مارکیٹ میں اچھا ہے۔“

”صرف مارکیٹ میں میری نظر میں نہیں۔“ الیان نے سر دھری سے کہا۔

”کیوں؟“ ریاض غفار انجیسے سے بولے۔
”آپ کو شاید معلوم نہیں۔ خواجہ فیہو کس کے مالک کا بیٹا ان کے بزنس میں آگیا ہے اور اب ساری ڈیلز وہی سنبھال رہا ہے۔“

”ہاں میں نے بھی سنا تھا مگر تمہیں ان کے بیٹے سے کیا پرالہم ہے۔“ ریاض غفار کی حیرانی ہر لمحے کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔

”ان کے بیٹے سے ہی تو پرالہم ہے مجھے۔ میں ان کے ساتھ کوئی ڈیل نہیں کر سکتا۔“ لیان حتی انداز میں بولا۔
”چاہے ڈیل ہاتھ سے نکل جائے۔“ ریاض غفار دہو بے غصے کے ساتھ بولے۔

”اس میں ڈیل نکلنے والی کون سی بات ہے؟ آخر آج تک ہماری فیکٹری مشینوں پر خرید رہی تھی خواجہ فیہو کس کے بغیر بھی۔“ لیان بے نیازی سے بولا۔

”جس ڈیزائنز کو تم نے ہار کیا ہے وہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ اگر تم نے اس کی مرضی کے مطابق مشینوں پر ڈیزائن نہیں کیا تو وہ کانٹریکٹ چھوڑ دے گی۔“ ریاض غفار ضبط کرتے ہوئے بولے۔

”تو چھوڑ دے؟ اگر وہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے تو ہم بھی کوئی اس کے ساتھ کام کرنے کے لیے مرنے نہیں رہے ہیں، ہم کسی اور سے ڈیزائنز تیار کرالیں گے۔ ہمارے ساتھ کوئی بھی ڈیزائنر کام کرنا اپنے لیے خطر سمجھتا ہے۔“ لیان کے بے لگ لہجے پر ریاض غفار زچ ہو گئے۔

”تو دو اپنا اثبات کرو لیان! تمہیں خواجہ کے بیٹے میں ایسی کیا برائی نظر آئی ہے جو تم اتنی بڑی ڈیل سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں خواجہ کے بیٹے سے ملا ہوں۔ کیا نام ہے اس کا۔“

ریاض غفار ذہن پر زور دیتے ہوئے میز پر رکھے پن کو اٹھا کر انگلیوں میں گھما رہے تھے۔
”جی آپ اس سے مل چکے ہیں ہمارے گھر پر بھی یہی بات آئی ہے۔“ لیان نے اس کا ہاتھ اپنے منہ سے لے کر دیکھا۔

”بتا اچھا دوست تھا۔“ لیان نے انہیں الجھتا دیکھ کر اطمینان سے کہا تو وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔
”تو کیا اس لیے تم اس کے ساتھ ڈیل نہیں کر رہے۔“ ایک پل میں سارا ماجرا ان کی سمجھ میں آگیا۔ لیان نے

خاصوشی سے سر اثبات میں ہلادیا۔ ریاض غفار جی بھر کر رورہے۔
”دیکھو لیان! یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے اور پھر وہ ایک برسل میٹر تھا ہم بزنس کو ذاتی زندگی میں مت الجھاؤ۔“

بھول جاؤ ان سب باتوں کو۔“ ریاض غفار نے رسائی سے کہا۔ لیان چپ چاپ ان کی شکل دیکھتا رہا پھر بہت فکرمگن ہو کر بولا۔

”ڈیڈی! آپ جانتے ہیں میں نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی لیکن آپ یہ بھی جانتے ہیں میں اپنی ضد کا کتنا پکا ہوں۔ کوئی بھی بات چاہے کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہو میں بھی نہیں بھولتا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو خواجہ فیہو کس کو آرڈر بک کرلوں لیکن آپ کے اس اقدام سے میں ساری زندگی بے چین رہوں گا۔“ ریاض غفار کچھ غصے اور

کچھ بے بسی سے اسے دیکھتے رہے۔ وہ واقعی ایک ایسا بیٹا تھا جس پر غر کیا جاسکے مگر اس کی اس عادت سے وہ سخت خائف تھے کہ جب وہ کسی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیتا تو پھر آگے کچھ بھی سننے دیکھنے اور سوچنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

پھر بھی وہ آخری سی کوشش کرتے ہوئے بولے۔
”لیان! اس ڈیل میں وجاہت سے زیادہ تمہیں فائدہ ہو گا۔ غصے میں اپنا نقصان کر لیتا کہاں کی فکرمندی ہے۔“

ان کا لہجہ شکست خوردہ تھا جیسے اپنی بات کے ضائع جانے کا انہیں خود بھی یقین ہو۔
”دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز سکون ہے جس کام کو کرنے سے بینک بیلنس بڑھ جائے بزنس کی دنیا میں ایک

تسلک بچ جائے مگر ذہنی و قلبی سکون غارت ہو جائے تو سراسر گھائے کا سودا ہے۔ خواجہ فیہو کس کے ساتھ ڈیل

کر کے میں زندگی بھر بے اطمینان رہوں گا۔“ لیان کے لہجے میں بے چینی اور تنگی تھی۔ ریاض غفار جانتے تھے وہ اسے سمجھا نہیں سکتے تھے یہی سبکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

”کوئی بات نہیں لیان! اگر تم یہی چاہتے ہو تو یہی سہی۔“ ان کے بے دلی سے رضامندی دیتے پر لیان نے مسکرا دیا۔

”مجھے پتا تھا ڈیڈی! آپ میری بات ضرور مانیں گے۔ تمہیں کس ڈیڈی۔“ وہ مشکور لہجے میں بولا، اس کی آنکھوں میں اتنی چمک دیکھ کر انہیں بھی بھرپور انداز میں مسکرانا پڑا۔

”تمہاری خوشی سے زیادہ اہم کوئی بھی ڈیل نہیں ہے۔“ ان کے پوری سچائی سے کہنے پر لیان سرشار سا آنکس سے باہر نکل گیا۔



خرم نے جیسے ہی ریسپشن پر فون ملا کر لوڈز میں بیٹھی لڑکی کو بلانے کے لیے کہا، وہ کی وغیرہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی مگر خرم نے بالکل دھیان نہیں دیا۔ البتہ فون ہولڈر پر ہوتے ہی اپنا موبائل ہارون کی طرف بڑھا دیا۔

”جب وہ لڑکی فون پر آئے تو تمہیں اس سے کوئی بات نہیں کرنی، بس ایسے بیلو بیلو کرتے رہنا ہے۔ جیسے تمہیں کوئی آواز نہ آ رہی ہو۔“ خرم موبائل اسے دے کر اپنی جگہ سے اٹھتا تیزی سے ریسپشن کی جانب بڑھ گیا۔ خرم

کا ارادہ تھا جب وہ لڑکی فون سن کر واپس جانے لگے گی تب وہ اس سے جان بوجھ کر ٹکرا جائے گا اور اس کا پرس غائب کر دے گا مگر اس وقت خرم کو شدید حیرانی ہوئی جب اس لڑکی نے ریسپشن پر آکر اپنا پرس بڑی ملاپروالی سے

کاؤنٹر پر رکھ دیا اور پرس کی جانب بیٹھ کر کے ایسے کھڑی ہو گئی جیسے کوئی فکر ہی نہ ہو۔
اسے پوری طرح بے خبر دیکھ کر خرم نے اپنے پیچھے لیان پر عمل کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے نہایت چالاکی

سے اس کا پرس اٹھا لیا، سامنے ہی اس کی جھانکی اور وہی تھی جسے خرم نے تیزی سے نکال کر اپنی جیب میں ٹھوس لی اور پرس کو واپس کاؤنٹر پر رکھ کر بڑے اطمینان سے عین اس لڑکی کے سامنے سے گزرنا ان چاروں کے قریب چلا

آگیا جو دور سے بیٹھے یہ سارا منظر بڑی بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔
”کچھ ملا اس کے پرس سے یا خالی اٹھا لائی تھی۔“ ہارون نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”میرے خیال سے تو کچھ زیادہ ہی بھرا لائی تھی جلدی سے ملے کرتے ہیں اور چلتے ہیں پیسے گننے کا ابھی نام نہیں ہے۔“ خرم جلدی جلدی بولا تو ہارون، حمید اور تاور سب کی کودیکھنے لگے جس کے چہرے پر اب ناگواری کے آثار پھیلے تھے۔

”اسی آسانی سے تم نے اس کے پرس سے پیسے نکال لیے اور وہ بے وقوفوں کی طرح فون ہی سنتی رہی۔“

”پیشکش نے بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔“ وہی چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔
”کیا مطلب؟“ خرم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”مطلب صاف ہے یہ لڑکی تمہارے ساتھ ملی ہوئی تھی۔“ وہی برہمی سے بولا تو وہ تینوں بھی ٹھٹھک کر خرم کو دیکھنے لگے جیسے خود انہیں بھی وہی کی بات سے اتفاق ہو۔

”ناگل ہو گئے ہو کیا میں تو اسے جانتا تک نہیں۔“ خرم چڑ گیا، جلد از جلد پیسے دے کر سماں سے جانا چاہتا تھا مگر وہی گردن ہٹکے ہٹکے نفی میں ہلاتے ہوئے بولا۔

”تم اسے جانتے ہو اور بہت اچھی طرح جانتے ہو اور یہ سب کچھ عین بیان کے مطابق ہوا ہے۔“

”یار اگر ہار برواشت نہیں ہوتی تو شرط بھی مت لگایا کرو۔“ خرم نے دانت پیسے

”میرے خیال سے خرم ٹھیک کہہ رہا ہے اتنے عرصے سے ہم خرم کو جانتے ہیں اس کے سرکل میں ایسی کوئی لڑکیاں نہیں ہیں۔“ حمید نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”نہیں اگر اسے یقین نہیں آ رہا تو یہ جا کر پوچھ لے ان لڑکیوں سے۔“ نادر نے اپنی طرف سے بڑا نادر مشورہ دیا جس پر سب ہی مسکرا دیے۔ ایک سوائے کی گے جو تک کر بولا۔

”تمہارا کیا ناغہ خراب سے میں جا کر پوچھوں مگر چوری کا الزام مجھ پر آجائے۔“

”تو مت پوچھو اور یقین بھی مت کرو۔ مجھے تمہیں یقین دلانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں مل پے کر رہا ہوں اور جا رہا ہوں۔“ خرم نے جیب میں سے پیسے نکال کر جیسے ہی نوٹوں کو دیکھا ہنگ رہ گیا۔

”یار ایہ تو اتنا ہزار ہیں۔“ خرم نے نوٹ گننے کے بعد ان سب کو دیکھا۔

”لگتا ہے کئی مہینوں کی پانٹ مٹی چرائی ہے تمہارے۔“ نادر نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

”یا تو پھر ساری لڑکیاں ایک ہی پرس میں پیسے رکھ کر لاتی ہیں اور اب ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہوگی۔“ ہارون نے سنجیدگی سے کہا تو ان سب کی نظر ایک ساتھ ان لڑکیوں کی طرف اٹھ گئی جو بڑے اطمینان سے کھانے میں مصروف تھیں۔

”میرے خیال سے فوراً چلتے ہیں۔“ نادر نے مسکراتے ہوئے آنکھ ماری تو خرم ہارون کی شکل دیکھنے لگا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ جانتا تھا اس کے تمام دوستوں میں صرف ایک ہارون تھا جو اس کے انداز میں سوچ رہا ہو گا مگر ان سب کے بیچ وہ ایسی کوئی بات کہہ کر ان سب کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں دے سکتے تھے۔ دوستوں میں ساکھ خراب ہونے کا ڈر ان سے اکثر وہ سب بھی کرا دیتا تھا جو انہیں مناسب نہیں لگتا تھا۔

”میرے خیال سے تو رک کر تماشا دیکھ کر جانا چاہیے کیونکہ مجھے یقین ہے ان کے پاس پیسے ہوں گے وہ شکل سے اتنی بدوقوف نہیں لگ رہی کہ خرم کی خاطر اپنا اچھا تماشا بنا لیں۔“ وہی نے چبا کر کہا۔

”تمہیں جو سوچتا ہے سوچ لو۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے صفائی دینے کی۔“ خرم نے نیازی سے بولا۔

”اور مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہاری صفائی کی۔ دیکھ لیتا ان کے پاس اور بھی پیسے ہوں گے۔ آخر پوری تیاری کے ساتھ ہی آئی ہوں گی۔“ وہی ابھی بھی جلا بھتا ہوا تھا لیکن کچھ دیر بعد جب ویران لڑکیوں کے پاس مل لے کر گیا تو ان کے رد عمل سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان میں سے کسی کے بھی پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس یلو ڈریس والی لڑکی کی حالت تو سب سے خراب تھی ایسا لگ رہا تھا وہ اب رو دے گی۔

”چچ۔ چچ۔ چچ۔ بے چاری۔“ نادر نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تو ہارون کوفت بھرے انداز میں بولا۔

”تو پریشان ہونے کی بجائے گھر سے پیسے منگوا لیں۔“

”کیا پتا گھر والے اتنے پیسے چوری ہونے پر ہنگامہ کھڑا کریں اس لیے بتانا نہیں چاہ رہی ہوں گی۔“ نادر نے کہنے کے ساتھ ہی وہی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ اور دیکھنا ہے یا گھر چلیں۔“ وہی نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اچھا خاصا بے زار لگ رہا تھا جو کہ اس کے قائل ہو جانے کو ظاہر کر رہا تھا پھر بھی خرم کہنے سے باز نہیں آیا۔

”ایسا کرو وہی! تم یہاں بیٹھ کر انتظار کرو جب ان کے گھر سے کوئی پیسے لے کر آجائے اور تمہارا شک دور ہو جائے تو گھر آ جانا ہم چلتے ہیں۔“ خرم کھڑا ہونے ہی لگا تھا کہ ہارون بھی مشورہ دینے والے انداز میں بولا۔

”بلکہ ایسا کرو ان کی مدد کرنے کے بجائے چلے جاؤ اور ان ہی سے کسٹرم کر لو۔“ خرم چونک کر ہارون کو دیکھنے لگا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ ان لڑکیوں کی مدد کرنا چاہ رہا ہے مگر کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ خود خرم کو

بھی انہیں اس طرح پریشان چھوڑ کر جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر خود پر بے نیازی کا جو خول اس نے چڑھا رکھا تھا وہ اس بات کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ جا کر ان لڑکیوں کو مدد کی آفر کرنا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سب کے مذاق کا نشانہ بن جاتا۔ اسی لیے اس نے بات کو ایسے گھمایا کہ سنا ب بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

”اے کیوں غلط سلط مشورے دے رہے ہو اس وقت اگر یہ ان کی مدد کرنے چلا گیا تو وہ ہوٹل کے عملے کے سامنے اسی کو چور بتا دیں گی یہ کوئی آسان کام تھوڑی سی۔“

خرم نے صاف صاف اسے اکسایا تھا اور وہ واقعی بھڑک اٹھا تھا مگر غصے میں ان کی مدد کرنے پر کمر بستہ ہونے کی بجائے اس نے نیا ہی شوٹا چھوڑ دیا۔

”اے کیسے چور بتا دیں گی تو ان کے نمبر لکھ رکھے ہیں کیا ان لوگوں نے اپنے پاس اور پیسے بھی چوری میں نے نہیں تمہارے کی ہے۔ تمہیں جانا چاہیے ان کی مدد کرنے اگر تم میں ہمت ہے تو۔“ خرم نے بڑی بے یقینی سے اسے دیکھا وہ تو خود بھی چاہ رہا تھا کیا بہترین موقع فراہم کیا تھا وہی نے انجانے میں۔ خرم فوراً ”کری کھیٹ کر کھڑا ہو گیا۔“

”مگر بات ہمت کی بات ہے تو یہ لو۔“ خرم شان بے نیازی سے بولتا ان کی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا وہ سب ایک بار پھر بڑی حیرت اور تجسس سے خرم اور ان لڑکیوں کو دیکھنے لگے جن کے درمیان ہونے والی کچھ گفتگو انہیں سمجھ آ رہی تھی اور کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ پہلے کپڑوں والی لڑکی تو پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی جبکہ باقی کی دو لڑکیاں نہایت ممنون نظر آنے لگیں۔

”خرم تو ہیرو بن گیا خواجوا دی۔“ وہی کے ٹکڑوں میں لگی اور سر پر ہنسی۔

”ہاں تو تمہارے کام ہی ایسا کیا ہے وہ اگر مدد کرنے جائے گا تو وہ لڑکیاں احسان مند ہوں گی ہی۔“ نادر تضحیک بولا۔

”اؤ میرے ساتھ۔“ وہی ایک عرصے کے ساتھ بولا تو فوراً ”کھڑا ہو گیا“ حمید اور ہارون بھی کچھ کہنے لگے اس کے ساتھ چل بڑے جویا پر کل گر چاروں طرف اس لڑکی کو ڈھونڈتا ہوا پارکنگ تک آگیا جہاں وہ ایک گاڑی کا دروازہ کھولتی بالا خر نظر آئی گئی۔

”کچھ بتاؤ تو سہی تمہارا ارادہ کیا ہے۔“ ہارون نے کوئی تیسری بار پوچھا مگر وہی ہر بار کی طرح اس بار بھی ان سنی کر گیا، بلکہ اس لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے بکار کر بولا۔

”اےکس کیوزی مس۔“ نمل چونک کر پٹٹی تو اپنے سامنے چار انجان لڑکیوں کو کھڑا دیکھ کر ٹھنک گئی۔

”آپ اتنی خاموشی سے جا رہی ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کی مدد کرنے کے بجائے آپ سے فری ہونے کی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

نو بہنوں کی
خوبصورت چھاپا
مستحضر
آؤٹ لائن

☆ تئلیاں، پھول اور خوشبو	راحت جبین	قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں	لہنی جدون	قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

کوشش کرنے والے لڑکے نے ہی آپ کے برس سے اٹھارہ ہزار روپے چوری کر لیے ہیں۔ آپ اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیں گی۔" دکی کی بات پر حمل چپ چاپ اٹھیں۔ بھٹی رہی وہ لڑکے عمر اور طے سے اس ہوٹل والے لڑکے سے ہی مل رہے تھے اور ذرا سا غور کرنے پر حمل کو یاد آیا کہ وہ اس لڑکے ساتھ ہی ملن کی نزدیکی والی نیبل بری ہنسنے تھے۔ پھر وہ اسے اس لڑکے خلاف کوئی ایکشن لینے پر کیوں اکسار رہے تھے۔

"آپ انزوپولیس کو فون کرنا چاہیں تو شوق سے کر سکتی ہیں ہم کو ای دینے کے لیے تیار ہیں۔" حمل کو خاموش دیکھ کر دکی نے دوبارہ کہا جبکہ حمید ہارون اور بلور ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" حمل نے بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ گاڑی کی طرف ہنسی دکی اعتراض کرتے ہوئے بولا۔

"ضرورت کیوں نہیں۔ اس نے یہ چوری کسی مجبوری کے تحت نہیں کی۔ وہ ہمارا دوست ہے۔ اس کا نام خرم ہے۔ اس نے میرے ساتھ شرط لگائی تھی کہ وہ ہمیں کسی مٹھے ہوٹل میں کھانا کھلائے گا۔ مگر اپنے پیسوں سے نہیں بلکہ کسی اور کے پیسے چرا کر۔ لہذا اس نے اتنے سارے لوگوں میں آپ کا انتخاب کیا، تم نے منع کیا تو خرم کہنے لگا اسی لیے ان کے پیسے چوری کر رہا ہوں کہ یہ لڑکیاں ہیں اگر پکڑے بھی گئے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔" دکی نے مت مسکرا کر جواب دے لیتے ہوئے کہا۔ تو حمل نے غصے سے منھیاں پھینکیں۔ پس دل تو چاہا اس خرم نامی لڑکے کو ایسا سستی سکھائے کہ پھر کبھی کسی لڑکی کے لیے ایسی بات نہ کہہ سکے۔ مگر وہ کوئی نادان اور نا سمجھ نہیں تھی، خواہ وہ بات کو طویل نہیں دینا چاہتی تھی۔ پھر اس کے پاس خرم کے خلاف کوئی ثبوت بھی نہیں تھا اور یہ لڑکے اسی کے دوست تھے وہ ان پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ یمن وقت پر اگر کوئی بدل دیتے تو۔

مشورے کا بہت شکریہ ہمارے ملک کی پولیس کوئی زبان نیبل نہیں سے اپنا بدلہ میں خود لے لیں گی۔

"You don't need to worry" حمل جس شخص کے کمرے کے کچھ کچھ میں جا رہی تھی وہاں سے کیا بدلہ لیتی۔ مگر محض اپنی پوزیشن مضبوط رکھنے کے لیے اپنی زبان میں یہ جملہ کہہ رہی تھی کہ میں نے جان بوجھ کر ان لڑکوں کی طرف دیکھنے سے گریز کیا کہ اب کسی وہ مزید کچھ نہ کہہ دیں اپنا اس طرح خاموشی سے میدان چھوڑ کر بھاگنا اسے خود بھی زہر لگ رہا تھا۔ وہ نہ کہ اسے خرم کی مسکراہٹ یاد آئے جاری تھی اور پیسے جانے کا دکھ الگ۔ مگر فوراً ہی اسے اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ سنبل اور دو میلہ اس کے گاڑی یا سنارت کرنے سے پہلے ہی دو دانہ کھول کر گاڑی میں آدھیں ان کے چہرے پر پھیلی خجالت صاف ظاہر کر رہی تھی کہ وہ حمل اور ان لڑکوں کے چچ ہوئی تھیں۔

حمل نے ایک جھٹکے سے گاڑی یا سنارت کی اور ان کی شرمندگی محسوس کر لینے کے بعد جب اس کا مولا کچھ ٹھیک ہو گیا تو گھر پر اترتے اترتے دو میلہ کی کسی بات نے پھر اس کا مینر بگھاڑا۔

"بھٹی ہی اس لڑکے نے تمہارے پیسے چرائے تھے مگر اس کی مدد لے کر ہم نے ایسی کوئی حالت بھی نہیں کی۔ ہمارا اہل ادا ہو گیا، جو بہت ضروری تھا، تمہاری رقم بھی تو بڑی بہت وصول ہو گئی، وہ جو کہتے ہیں نا بھلتے چور کی ننگنی ہی سہی۔" دو میلہ تو جلدی جلدی کستی اندر چلی گئی مگر سنبل کی جان مشکل میں آگئی آخر گھر پر اترتے ہوئے وہ عاجز آکر بولی۔

"آپ مجھ کو بھی کیوں بل جلا رہی ہو۔ وہ لڑکا لڑکیوں کے بارے میں کچھ بھی سوچتا رہے کیا فرق پڑتا ہے ہمیں کون سا اسے وہاں نہیں کرنا ہے۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

دستِ بختِ زورگر

نوسیدہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نوسیدہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوسیدہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیئلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لہج کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ٹوکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں لہج کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوسیدہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے میز میوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



ان کے تلخ لہجے پر زوسیدہ کی آنکھیں بھر آئیں۔
بچپن سے آج تک اس کے ماں باپ نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا وہ اچھی طرح جانتی تھی وہ اسے ذہنی طور پر بیمار اور ایب نارمل سمجھتے تھے مگر اس کے سامنے پھر بھی ہمدردی سے بات کر لیا کرتی تھیں جبکہ بپا تو اس کی بات سنتے ہی آپے سے باہر ہونے لگتے۔ اس وقت بھی اس کی آنکھ میں نمی اترتی دیکھ کر ممانے اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

”میری بٹی کو ایسی دوستوں کی ضرورت بھی نہیں ہے جو اس کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اسے اپنے مطلب کے لیے استعمال کر کے بے وقوف بنائیں۔ میں تو کئی کھوں کی رخسار کو اپنے کیے کی سزا ملی ہے۔“

ممانے کے کہنے پر زوسیدہ بے اختیار بولی۔
”نہیں ممانے! ایسا مت کہیں۔ شائستہ خالہ تو رخسار کا سر دوبارہ زمین پر مارنے والی تھیں وہ تو آپ لوگ آگے ورنہ شاید وہ مری جاتی۔“

”رخسار نے اپنے بیان میں کہا تھا وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ وہ خود پر حملہ کرنے والے کو دیکھ نہیں سکی لیکن تمہیں شاید اندھیرے میں بھی بڑا کلیئر نظر آتا ہے۔“ بلال آخر کیا کہنا چاہتے تھے وہ بخوبی سمجھ گئی تھی بلکہ اسے تو یہ بھی معلوم تھا کہ رخسار نے اپنے بیان میں کیا کہا ہوگا۔

اس نے بھی بتایا ہوگا کہ اس پر زوسیدہ نے حملہ کیا تھا اور اسے جان سے مارنے کی کوشش کی تھی جس پر اس کے والدین نے فوراً یقین کر لیا ہوگا۔

اس وقت بھی ان کی آنکھوں میں تیرتے شک و شبہات کو دیکھ کر اس کی آواز بھرا گئی۔
”میں جانتی ہوں آپ سب سمجھتے ہیں کہ رخسار کو مارنے کی کوشش میں نے کی ہے میں مانتی ہوں وہاں بہت

اندھیرا تھا وہاں اندھیرے میں کیا ہوا تھا وہ مجھے بھی کچھ دکھائی اور مجھ کی منہ سے رہا تھا۔
مگر جھٹ پر آنے کے بعد دروازہ کھولنے سے پہلے آپ نے چھت کی لائٹ آن کی تھی اس لائٹ کے آن

ہونے پر شائستہ خالہ کی روح رخسار کو چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی اور فوراً غائب ہو گئی۔
حالانکہ وہ غائب نہ بھی ہو میں تو بھی کون سا آپ کو نظر آتا تھا اسے سالوں سے وہ اس گھر میں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں مگر وہ صرف مجھے دکھائی دیتی ہیں۔“ زوسیدہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

بلال آخر اور عائشہ آخر خاموشی سے اسے سنتے رہے ان کی نظروں میں اب بھی اس کے لیے یقین نہیں تھا۔
البتہ تاسف ضرور ابھرتا تھا۔
”سر! آپ سے ڈی آئی جی صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔“ اسی وقت ملازم کارڈ لیس لیے دروازے میں آن

کھڑا ہوا۔
بلال آخر کچھ دیر زوسیدہ کو دیکھتے رہے پھر ملازم کے ہاتھ سے کارڈ لیس لیتے کمرے سے باہر نکل گئے۔
”کیار رخسار کے پیر میں نے کیس کر دیا ہے۔“ زوسیدہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”مگر انہوں نے پوچھ کر دیا ہو تو تم اس وقت جیل میں ہو تم۔“ عائشہ آخر سپاٹ لہجے میں بولیں۔
زوسیدہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی جو ڈرینگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر ہاتھ میں

لوٹن نکالنے لگیں۔ آج صبح سے وہ جس پریشانی سے گزرتی تھیں اس کی وجہ سے وہ اپنا معمول کا فیشنل مساج دہیو نہیں کر سکیں۔ لیکن اب کسی حد تک مطمئن ہو جانے کے باعث اپنی جلد کو نرم و ملائم اور حواسِ عمر بٹانے کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔
”ممانے! کیا آپ بھی یہی سمجھتی ہیں کہ میں نے رخسار پر حملہ کر دیا تھا۔“ زوسیدہ نے جھجکتے ہوئے

پوچھا۔
گروین بر نہایت مہارت اور نزاکت سے مساج کرتیں ان کی انگلیاں لمحہ بھر کے لیے ساکت ہو گئیں پھر دوبارہ حرکت میں آ گئیں۔

”اگر دوبارہ ایسا ہو تو میں بھی یہی سمجھوں گی۔“ انہوں نے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

کم و بیش انہوں نے وہی کہا تھا جو زوسیدہ سننا چاہتی تھی یعنی ابھی انہیں یقین تھا کہ یہ زوسیدہ کی حرکت نہیں ہے اور اسے آئندہ ایسے کسی اقدام سے باز رکھنے کے لیے انہوں نے تنبیہ بھی کر دی تھی مگر زوسیدہ کی تسلی نہیں ہوئی۔

وہ چہرے بڑھنے میں بہت ماہر نہیں تھی وہ اتنی سمجھ دار بھی نہیں تھی کہ لوگوں کے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور دیکھ باریک کر سکتی مگر اپنی ماں کی کئی اس بات میں اسے صرف اور صرف بناوٹ نظر آرہی تھی۔

اسے بخوبی اندازہ تھا انہوں نے یہ صرف اس کا دل رکھنے کے لیے کہا ہے ورنہ وہ بھی بلال آخر کی طرح اس کی جانب سے پوری طرح بدگمان تھیں۔

زوسیدہ کو بدستور خاموش اور یک یک خود کو دیکھتا پا کر وہ اپنا مساج چھوڑ کر ایک بار پھر اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

”تمہارے بلال نے اس کیس کو دبانے کے لیے کتنی سوریں لگائی ہے تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔ رخسار کے پیر میں اگر پیسے لینے پر رضامند نہ ہو جاتے تو آج ہم شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ تم خود سوچو کیا

ممانے نہیں یہ سب کر کے۔“ زوسیدہ کی نظریں ڈبڈبا گئیں تو عائشہ آخر ایک دم منبھلتے ہوئے بولیں۔
”مطلب ہے کہ سب چلو اس روح نے ہی کیا تھا مگر تمہیں اس روح سے بات کرنے کی ضرورت کیا ہے۔

بلال اس میں لیتے ہیں کہ اس گھر میں ایک سایہ ہے جو صرف تمہیں نظر آتا ہے لیکن کیا آج تک اس سائے نے تمہیں کوئی تکلیف پہنچائی ہے؟
کبھی نہیں کوئی ایذا پہنچائی؟
کبھی تم سے کوئی بات تک نہیں کی۔

پھر آخر کیا وجہ ہے کہ تم ہر وقت اس سائے کے بارے میں سوچتی رہتی ہو۔ تم اسے اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کر نظر انداز کیوں نہیں کر دیتیں۔“ زوسیدہ لب بلبھتی رہی۔ وہ یہ سب آج پہلی بار نہیں کہہ رہی تھیں۔

ایسی تقریر وہ اس کے سامنے کئی بار کر چکی تھیں۔ اسے تو یہ بھی پتا تھا کہ وہ آگے کیا کہنے والی ہیں اور واقعی اس کے احساسات سے بے خبر انہوں نے لفظ وہی لفظ وہی سب کچھ کہا جو زوسیدہ توقع کر رہی تھی۔
”آخر اس گھر میں کتنا سارا سامان رکھا ہے۔ یہ بیڈ نہ ڈرینگ ٹیبل یہ الماری پردے قالین قانونی دنیا جہاں

گاسلمان موجود ہے اس روح کو بھی تم کمرے میں موجود ایک فرنیچر سمجھ کر اکسٹھٹ کیوں نہیں کر لیتیں۔“ وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔
زوسیدہ کے پاس ان کے ہر سوال کا جواب موجود تھا مگر شاید اس میں اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ اپنا نقطہ نظر

انہیں سمجھا سکتی پھر بھی ایک کوشش کے طور پر وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔
”ایک ایسا چہرہ جو بہت بھیا تک ہو اور صرف آپ کو نظر آتا ہو آپ کے علاوہ اسے کوئی نہ دیکھ سکتا ہو تو آپ کو

کیا لگے گا۔
جو چہرہ مجھے نظر آتا ہے وہ واضح تو نہیں ہو مگر اتنا میں نے ضرور دیکھا ہے کہ اس لڑکی کے چہرے پر زخمی زخم

ہیں۔ ”نوبہ بولتے بولتے کسی ٹرائس میں جانے لگی تھی۔ اس کی توازن دیکھی ہوتی جا رہی تھی۔ عائشہ اختر پوری توجہ سے اسے سن رہی تھیں مگر اس کی باتوں میں کوئی بھی نئی بات نہیں تھی وہی سب کچھ تھا جو وہ بچپن سے سن رہی تھیں۔

”اس لڑکی کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں سے اس کا چہرہ لوچ لیا ہو۔ بس خون کے سوا اس کے چہرے پر کچھ نظر نہیں آتا۔

ہاں میں بچپن سے اس چہرے کو دیکھ رہی ہوں مگر پھر بھی میں اسے دیکھنے کی عادی نہیں ہوتی۔ ہر بار اسے دیکھ کر مجھے ایسی وحشت سوار ہوتی ہے جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

آپ خود سوچیں، تو اسی رات کو سوتے میں سے آپ کی آنکھ کھلے اور آپ کے بستر کے سر پر پانی پر لہراتا عکس جیسا کوئی وجود کھڑا ہو تو کیا آپ خوفزدہ نہیں ہوں گی؟

میں نے اپنے ذہن پر قابو پانے کی بہت کوشش کی ہے اور یہ اس کوشش کا ہی نتیجہ ہے کہ اب اس سائے کو دیکھ کر میں چیختی نہیں ہوں لیکن میں اسے کمرے میں پرے کسی فرنیچر کی طرح ٹیٹ نہیں کر سکتی۔

پہلے تو وہ مجھے کبھی کبھی نظر آتی تھیں لیکن اب وہ مجھے اکثر نظر آنے لگی ہیں۔ ”عائشہ اختر بری طرح چونک اٹھیں مگر بولیں کچھ نہیں۔ وہ نوبہ کی پوری بات سننا چاہتی تھیں جو مزید کہہ رہی تھی۔

”مگر کسی وقت نظر نہیں آتیں تو بھی ان کی موجودگی کا احساس ضرور رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھے کچھ سمجھانا چاہ رہی ہیں جیسے کچھ ہونے والا ہے۔“

نوبہ بولتے بولتے ایک دم خاموش ہو گئی کیونکہ جو وہ محسوس کرتی تھی وہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ یہ شاید اس کے لاشعور میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ وہ کچھ بھی کہہ لے سننے والے سمجھ سکتے ہیں نہ یقین کر سکتے ہیں۔ اس وقت بھی ماما کے چہرے پر بے چینی کے آثار دوڑ گئے تھے۔ انہوں نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

”نوبہ! تم۔۔۔ تم اپنی دوائیں تو پابندی سے لے رہی ہو۔“ نوبہ کی کیفیت میں بولتی دوسری ایک دم چونک اٹھی۔ عائشہ اختر کے سوال پر اسے ایک دم غصہ آگیا۔ ”پچھلے سالوں پر جو وہ ان کے ہاتھ اس نے ایک دم جھٹک لیے۔“

”مجھے ان دواؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں کوئی بیمار نہیں ہوں۔ ویسے بھی وہ دوائیں نہیں صرف نیند کی گولیاں ہیں، انہیں کھا کر میرا سر بھاری ہو جاتا ہے اور سونے کے بعد صلاحت مفلوج ہو جاتی ہے۔ آپ اگر میرے مسئلے کو حل نہیں کر سکتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے نشے کا عادی بنادیں۔“

”کیا بکواس کر رہی ہو نوبہ! ہم تمہیں نشے کا عادی بنارہے ہیں، تم ہماری سکی اولاد ہو اور ہم۔۔۔“

”اور نہیں تو کیا وہ دوائیں نہیں ڈرگس ہیں۔ ایک جیتے جاگتے انسان کو ہوش و حواس سے بے گانہ کر دینے والی نشہ آور اشیاء۔“ نوبہ تکی سے بولی۔

اس نے بھی ان سے اس لب و لہجے میں بات نہیں کی تھی اس کی ایسی گفتگو سن کر عائشہ اختر بھی طیش میں آ گئیں۔

”آپ میری سمجھ میں آیا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ شہر کے سب سے بڑے سائیکائرسٹ نے تمہارے لیے وہ میڈیسن سبجیسٹ کی تھیں اور تم نے بغیر کسی مشورے کے انہیں چھوڑ دیا ہے اسی لیے تو تمہارا پاگل پن بڑھ رہا ہے۔ میں اتنی حیران تھی کہ میری بیٹی کسی پر ایسا وحشیانہ حملہ کیسے کر سکتی ہے۔ ناؤ تکی انڈر اسٹینڈ۔“

عائشہ اختر تو روتی میں بول گئیں مگر نوبہ سنانے میں رہ گئی۔

اس قسم کے جملے اس نے پاپا کے منہ سے اپنے لیے بہت بار سنے تھے مگر ماما کو ایسا کہتے ہوئے وہ پہلی بار سن رہی

تھی۔ ”اس لیے تو تمہارا پاگل پن بڑھ رہا ہے۔“ عائشہ اختر کا جملہ پچھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کے کانوں میں اتر اتر اتر رہا ہے اور ایسے اتر اتر اتر رہا کہ اب اسے کچھ سنا کی نہیں دے رہا تھا۔

عائشہ اختر اب بھی کچھ بول رہی تھیں بلکہ کمرے میں بے چینی سے ادھر سے ادھر ٹپکنے بھی لگی تھیں۔ کبھی بولتے بولتے ان کے چہرے پر تناؤ پھیل جاتا تو کبھی وہ رو ہانسی ہونے لگتیں۔

نوبہ کے لیے وہاں کھڑا مشکل ہو گیا تو وہ اپنے کمرے کی جانب پلٹ گئی۔

اسے اپنے آپ پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے کیوں ماما کو بتا دیا کہ اس نے دوائیں لینی چھوڑ دی ہیں۔ اس کی ماما بھی نہیں سمجھ سکتی تھیں کہ ان دواؤں کو کھا کھا کر وہ اتنی ڈھیٹ ہو گئی تھی کہ انہیں کھا کر بھی اسے نیند نہیں آتی تھی بلکہ انہیں اس کا سر بھاری ہو جاتا تھا۔

مگر وہ تو اسے پاگل سمجھتی تھیں وہ اس کی بات کیسے سمجھ سکتی تھیں۔ اس کی ماں کی نظر میں اس کی ساری گفتگو ایک بکواس تھی۔



”آپ کی نظر میں بھلے ہی میری ساری گفتگو ایک بکواس ہو لیکن مجبوری ہے جب تک میں آپ کو ایک ایک بات بتا نہیں دیتی میرے پیٹ میں درد ہوتا رہتا ہے۔“ نوبہ نے ڈھٹائی سے کندھے اچکائے۔

”میں کب کہہ رہی ہوں کہ تم بکواس کر رہی ہو۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں اتنی بکواس وہاں اس لڑکے کے سامنے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تمہیں یہ یقین بھی تھا کہ پیسے اس نے چرا لیے ہیں تب بھی تمہیں خاموش رہنا چاہیے تھا۔ بس ملے کر تم اور باہر آ جاؤ۔“

نوبہ کا سب سے گہرا سحانہ انداز میں کہنے لگی۔ ”میں نے اپنے چہرے کا نوبہ تیزی سے بدل گیا۔“

”میں نے اپنی ٹانگ کے لیے پیسے رکھے تھے امی اور اس خبیث نے۔۔۔“

”اوہو۔۔۔ بری بات۔ یہ تم نے ایسی لینگو تاج میں بات کرنی کب سے شروع کر دی۔“ امی کے ٹوکنے پر نوبہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

”میرا تو دل چاہ رہا تھا اس کے منہ پر اسے ایسی ایسی گالیاں دوں کہ۔۔۔“

”چھاپس انسان کو اتنا انتہا پسند بھی نہیں ہوتا چاہیے۔ کچھ تو موقع محل کا لحاظ کرنا چاہیے۔ آج کل کے لڑکوں سے کچھ بعید نہیں کب کیا کر جائیں۔“ انہوں نے اسے جھک کر خالی پیالی میز پر رکھنی چاہی تو نوبہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے پیالی لے کر میز پر رکھ دی۔

”یہ تو میں بھی جانتی ہوں اسی لیے اس کے دوستوں کے اکسانے کے باوجود میں نے کوئی ایکشن نہیں لیا بلکہ وہاں رکی تک نہیں۔ پھر بھی مجھے ابھی تک غصہ آ رہا ہے۔ کل ہمارا یونیورسٹی میں سلطان سے اور میں نے سوچا تھا ہم تینوں ایک سے کپڑے پہن کر جامیں گے مگر اس لڑکے نے میری ساری پلاننگ چوبیس کر دی، ہونہ۔۔۔ چور کیس کا۔ اگر وہ مجھے نہیں مل جائے تو۔۔۔“

”تو تم کچھ نہیں کر دی بلکہ ایسی بن جانا جیسے اسے پہچان ہی نہیں۔“ امی نے اس کا جملہ اچک لیا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

”گناہ ڈرتی ہیں آپ، حالانکہ ڈرنا اس لڑکے کو چاہیے اگر اسے معلوم ہوتا میرے فادر کون ہیں تو کبھی میرے

پرس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کرتا۔ "نمل کا لہجہ طنزیہ سا ہو گیا۔
 "آپ چھوٹو بھی کتنی دیر تک مل جلاؤ گی۔" انہوں نے اس کا موڈ بدلتا دیکھ کر موضوع بدلتے ہوئے کہا۔
 "کیا رو میلہ اور سنہیل تمہاری طرح ایک سے کپڑے پہننے پر رضامند ہو گئیں۔" ان کا حربہ کامیاب ثابت ہوا۔ نمل دوبارہ اسی سوڈ میں ٹوٹ آئی اور شوخی سے بولی۔

"ان کے رضامند ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہوتا تو وہی جو میں چاہتی لیکن اب تو میرے پاس پیسے ہی نہیں ہیں۔" وہ آخری جملے پر منہ سورا کر رہ گئی۔
 "پیسے تو کوئی مسئلہ نہیں ہیں میں اور دسے دل کی لیکن جب وہ ایک سے کپڑے پہننے کے حق میں نہیں ہیں تو کیا ضرورت ہے انہیں مجبور کرنے کی۔" امی کے کہنے پر نمل ان کی کرسی کے پاس نشین پر بیٹھ گئی اور ان کے گفتگوں پر سر رکتے ہوئے رازداری سے بولی۔

"یہ ٹاپ سیکرٹ ہے۔ یونیورسٹی میں پہلے دن اسٹوڈنٹس کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اور میں نے سنا ہے اسلئے لڑکیوں کو تو ضرور ہی تنگ کیا جاتا ہے۔ اگر ہم تینوں ایک جیسے کپڑوں میں ہوں گی تو لوگ دور سے ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ تینوں ساتھ ہیں پھر کوئی ہمیں "فرسٹ ڈے فوول" بنانے کا سوچے گا بھی نہیں۔

لیکن یہ بات میں نے ان دونوں کو نہیں بتائی۔ نمل صدا کی نروس اگر یہ سن لیتی تو پہلے یوں ہی چھٹی کر لیتی اور رو میلہ صدا کی اصولی۔ میرے ساتھ چلنے پر کبھی بھی راضی نہ ہوتی وہ سنتے ہی کہتی۔
 "تمہیں کوئی بے وقوف بنانے کی کوشش کرے گا تو تم تو فوراً بدلہ لینے پر تیار آؤ گی نہ بھئی۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا رہی۔" نمل نے ان کے گھٹنے پر سے سر اٹھا کر بالکل رو میلہ کے گتے میں دو ٹوک انداز میں کہا اور خود ہی ہنس دی۔

"رو میلہ ٹھیک کہتی ہے نمل اگر کوئی تمہارے ساتھ مذاق کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ تم فوراً انتقام لینے بیٹھ جاؤ اس طرح تو تم اپنے لیے دشمن بنالو گی۔" نمل کی والدہ اپنے مخصوص محبت بھرے انداز میں اسے سمجھانے لگیں۔
 "ہر معاملے میں بولنے کی بجائے کچھ معطلوں میں خاموش رہنے میں ہی بہتری ہے۔" امی بھی ان کی فطرت سے وہ بخوبی واقف تھیں۔ اس کے اندر برداشت کا ماہر بہت کم اور غصے کا عنصر بہت زیادہ تھا جو کہ ان کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی خامیوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کے خیال میں یہ دو خصوصیتیں جس میں ہوں اسے دشمن کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ خود ہی خود کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یہ بات وہ اکثر نمل کو سمجھاتی رہتی تھیں مگر فطرت کو بدلنا اتنا آسان نہیں تھا۔ نمل کو اپنی ماں سے بہت محبت تھی ان کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ محض ان کی خوشی کے لیے وہ کئی ناخوشگوار باتوں اور لوگوں کو برداشت کر لیا کرتی تھی۔

اس وقت بھی ان کی بات سے اختلاف ہونے کے باوجود اس نے بحث سمیٹتے ہوئے کہا۔
 "آج تک آپ کی وجہ سے خاموش رہ کر اس ایک شخص کو دوست تو بنا نہیں سکی کیا ہوا جو کچھ دشمن ہی بنالوں۔ ویسے کہنے کو تو آپ رو میلہ کی ممانی ہیں لیکن آپ دونوں کی گفتگو میں اتنی مماثلت ہے جیسے میری بجائے وہی آپ کی بیٹی ہو۔" نمل نے بات تو کچھ اور کہنی شروع کی تھی مگر امی کے چہرے پر سایہ سالہرا نا دیکھ کر تیزی سے موضوع بدل دیا۔

"تمہارے سمجھ دار لوگ ایک ہی طرح بات کرتے ہیں۔ اب تمہیں اچھا لگے یا برا لگتا ہے کہ رو میلہ عمر میں تمہارے برابر ہے مگر اس میں میچورٹی تم سے زیادہ ہے۔" نمل کی والدہ رشیدہ نے صاف گوئی سے کہا تو نمل مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"آپ کی کوئی بات مجھے بری لگ سکتی ہے بھلا اور جہاں تک سوال میچورٹی کا ہے تو وہ رو میلہ پر ہی سوٹ کرتی

ہے۔ اگر میں بھی اس جتنی سوری ہو گئی تو آپ کی زندگی میں سے شوخی بالکل ختم ہو جائے گی۔"
 "گویا یہ احسان بھی میرے سر ہے۔" رشیدہ نے مصنوعی خشکی سے کہا تو بے اختیار نمل کے منہ سے نکل گیا۔
 "کیا کروں احسان کر کے جتانے کی عادت مجھے ورثہ میں ملی ہے۔"

"نمل۔" رشیدہ نے بڑی سنجیدگی سے اسے ٹوکا تو نمل ایک دم کھڑی ہو گئی۔
 "سوری کبھی کبھی بھی زبان پھسل جاتی ہے۔ آئیں اندر چلتے ہیں۔ چھڑوں کے نکلنے کا ٹائم ہو رہا ہے۔ مانی بابا چاہے کتنا ہی اسپرے کر لیں لان میں بیٹھتے ہی چھڑوں کا روزہ اقطار بن جاتے ہیں اور ایسے بھوکے چھڑے ہوتے ہیں جیسے روزہ بھی سو سال بعد کھولا ہو۔" نمل تیز تیز بولتی ان کی کرسی کی پشت پر آکھڑی ہوئی۔
 "یہ اخبار تو اٹھاؤ تمہارے ابو نے دیکھ لیا تو غصہ ہوں گے کہ ان کی تصویر چھپی ہے اخبار میں اور ہم نے باقاعدہ روں کی طرح لان میں نمل پر چھوڑ دیا۔" رشیدہ کے کہنے پر نمل نے محض ان کی دل آزاری کے خیال سے خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا تھا۔

وہ گھوم کر واپس میز کی طرف آئی اور اخبار اٹھا کر جیسے ہی پلٹی امی کو ناراضی سے دیکھنے لگی۔
 نمل کے بہتے ہی انہوں نے اپنی وہیل چیئر کے پیچھے گھمانے شروع کر دیے تھے مگر لان میں گھاس پر بیٹھے آسمانی سے گھومتے نہیں تھے۔

نمل ہزار بار انہیں ٹوک چکی تھی جب وہ موجود ہے تو کیا ضرورت ہے انہیں اتنی جان لگا کر اپنے بازو شل کرنے کی۔ وہ کبھی تو مان جاتیں اور کبھی سنجیدہ ہو جاتیں جیسے اس وقت بھی اس کے گھورنے پر آستنگی سے بولیں۔
 "۴۲ سال ہو گئے مجھے معذور ہوئے لیکن آج بھی کسی سارے کے انتظار میں رہنے کی عادت نہیں پڑی۔" کتنا عجیب کہا تھا انہوں نے خود نمل کے احساسات بھی ایسے ہی تھے۔

کتنے سال ہو گئے تھے ان کی معذوری کو بلکہ اس نے تو جب سے ہوش سنبھالا تھا انہیں اس وہیل چیئر پر ہی رکھا تھا مگر خود اسے آج تک عادت نہیں پڑی تھی انہیں اس طرح دیکھنے کی۔
 نمل نے نظر اٹھاتے ہوئے اخبار ان کی طرف بڑھا دیا اور ان کی کرسی کی پشت پر آکر اسے دھکلتے ہوئے اسے کچھ نہ کچھ آخر سوچہ ہی کیا اور وہی وی کے ایک پروگرام پر تبصرہ کرتے ہوئے ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔



دیکھائی وی کے ہر پروگرام پر ایک سے ڈیڑھ گھنٹے تبصرہ کرنا صحت کے لیے بہت مفید ہے۔" لیان نے ہاتھ میں پکڑا بریف کیس سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔ دوسرے ہاتھ سے ٹائی کی باٹ ڈھیل کی۔ وہ بریرہ کے برابر ہی صوفے پر بیٹھ گیا جو بیک وقت ری موٹ اور موبائل میں ابھنی ہوئی تھی۔
 موبائل کان سے لگائے وہ کسی کھانے کی ترکیب کو ڈسکس کر رہی تھی جبکہ ری موٹ کا سیل کچھ کمزور ہو گیا تھا۔ آواز بڑھانے کے لیے وہ ری موٹ کو صوفے کے پتے پر مار رہی تھی۔

"آواز بڑھا کر کیا کرنا ہے کان پر سے موبائل ہٹاؤ گی تو کچھ سنائی دے گا نا۔ چھوڑ دیا ضرورت ہے اتنا دماغ کھپانے کی لڑائی مجھے دو ری موٹ۔ ایسا چینل لگانا چاہیے کہ دماغ کی ضرورت ہی نہ رہے۔" لیان نے کہنے کے ساتھ ہی ری موٹ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

دو چار ٹھیکوں کے بعد ری موٹ حرکت میں آ گیا اور اگلے ہی لمبائی وی پر ریڈنگ چلنے لگی۔
 "بھائی خدا کے لیے یہ چینل مت لگائیں۔" بریرہ بات کرتے کرتے پیچ میں سے چلائی۔

”تو پھر کیا لگاؤں کھانے کی رسم بھی؟ کیوں دیکھتی ہو یہ چھینٹا جب کچھ پکاتی نہیں ہو۔“ الیان نے چھینٹل تو کیا پیچ کر بٹھا کر لٹاوا لیم بڑھا دیا۔
 ”آج بنایا ہے نا وہی تو دیکھ رہی ہوں۔“ بریرہ ایک ہاتھ میں موبائل تھا لے ایک ہاتھ سے ریموٹ چھیننے کی کوشش کرتی رہی۔
 ”ترکیب اس وقت آئن ایئر ہے اور تم نے پہلے سے ہی بتا بھی لیا۔“ الیان نے ریموٹ ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کی دسترس سے دور کر دیا۔
 ”بھائی۔ ترکیب ری پیٹ ہو رہی ہے۔ مجھے دیکھنے دیں نا انگریڈینٹس نکل جائیں گے۔“ بریرہ زنج ہو کر بولی مگر الیان پر رتی برابر اثر نہیں ہوا۔ الٹا جرح کرتے ہوئے بولا۔
 ”پکائے کے بعد تم انگریڈینٹس دیکھ رہی ہو۔“
 ”ہاں وہ ایک ساتھ دو کھانے کی ترکیبیں دیکھ رہی تھی تو۔“ کہتے کہتے بریرہ کو کچھ احساس ہوا تو ایک دم چپ ہو گئی جبکہ الیان ٹھنک کر اسے دیکھنے لگا۔
 ”تو یہ کس۔ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ اپنے کمرے میں جا کر بیوی کیوں نہیں دیکھتے۔“ بریرہ جھنجھلا کر بولی۔

اس سے پہلے کہ الیان کوئی جواب دیتا ان کی ممی شگفتہ غفار کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔
 ”الیان! تم یہاں آکر بیٹھ گئے ہاتھ منہ دھو لو کھانا لگ گیا ہے۔“ ممی کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بریرہ ایک چٹخار کر صوفے سے اٹھ گئی۔
 ”کھانا لگ گیا۔ اتنی جلدی۔ کیوں کس لیے۔“
 ”اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے تمہارے ڈیڈی کو ہموک لگ رہی تھی وہ تو کھانے کی میز پر پہنچ بھی گئے ہیں۔“ شگفتہ غفار اس کی بدحواسی پر حیران ہوتے ہوئے بولیں۔
 ”وہ مائی گاڈ۔“ بریرہ ایسے ہی جیسے اسے چکر آگئے ہوں پھر موبائل پر اپنی دوست سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

”ٹائپسٹ میں۔ میں تمہیں بعد میں فون کرتی ہوں۔ نہیں نہیں اب کوئی فائدہ نہیں تیرا کمان سے نکل چکا ہے۔ ہاں بس میرے لیے دعا کرنا۔“ وہ تیز تیز بولتی بچن کی طرف بھاگ گئی۔
 شگفتہ غفار کچھ بھی تو نہیں بس سہرا کر رہ گئیں اور الیان سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں۔
 ”الیان! تمہارے ڈیڈی کھانے کی ٹیبل پر ویٹ کر رہے ہیں۔“
 ”وہ سو رہی مئی! وہی دی آف کرنا فوراً اٹھ گیا اور محض دس منٹ میں فریش ہو کر کھانے کی میز پر پہنچ گیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اسے ماحول میں پھیلی کشیدگی کا اندازہ ہو گیا۔ صرف ڈیڈی اطمینان سے چاول کھا رہے تھے جبکہ ممی کے چہرے پر تناؤ پھیلا تھا اور بریرہ منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کے پلیٹ میں چھوچھو چلائے کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مارے باندھے کھانا حلق سے اتار رہی ہے۔

الیان نے ان سب پر غور کرتے ہوئے جیسے ہی سبزی کے ڈوٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا شگفتہ غفار بولی پڑیں۔
 ”الیان! وہ چھوڑو وہ چاول لے لو۔“ شگفتہ غفار نے چاول کی قاب اس کی طرف بڑھا دی تو الیان رک کر بریرہ کی شکل دیکھنے لگا جو ممی کی بات پر خائف ہو کر انہیں دیکھنے لگی تھی مگر شگفتہ غفار نے دھیان ہی نہیں دیا۔
 ”یہ کیا ہے۔“ الیان نے قاب لے کر ایک طرف رکھ دی اور ہاتھ میں پکڑے سبزی کے ڈوٹے کو دیکھنے لگا تو

شگفتہ غفار بھنا گئیں۔

”میں کہہ رہی ہوں نا اسے چھوڑو اور۔“
 ”لیکن آخر یہ تو مجھے بریرہ نے کیا بتانے کی کوشش کی تھی۔“ الیان ڈوٹے کا چھوچھو کر سبزی کا ماحولہ کرنے لگا۔
 ”کوئی ضرورت نہیں ہے بتا کرنے کی چھوڑو اسے۔“ بریرہ شاید پہلے ہی کافی کچھ سن چکی تھی اب مزید سننے کا بار انہیں تھا تب ہی تنگ کر بولی۔

”تمیز سے بات کرو بریرہ! ایک تو بغیر دھیان دے کر کام کرتی ہو اور دوسرے کام بگڑ جائے تو خود ہی بگڑ بھی جاتی ہو۔“
 ”جائے اس کے کہ انسان شرمندہ ہو کسی کے سمجھانے پر بات سمجھے الٹا خود ہی خفا ہو جاتی ہو۔“ شگفتہ غفار کو اس کا بوجھ ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ البتہ ریاض غفار اس کی حمایت کرتے ہوئے بولے۔
 ”کوئی بات نہیں ایک کوشش تو کی تھی نا۔“

”ہاں بڑی اچھی کوشش کی تھی۔ انسان ایک کام کرے لیکن ڈھنگ سے کرے۔ ایک ساتھ دو دو ترکیبیں کیوں دیکھی اور لکھی جا رہی تھیں۔ وہ تو شکر سے خانہ ماں نے چاول بنائے تھے ورنہ اس وقت کیا کھایا جاتا۔“
 شگفتہ غفار کا غصہ اس درجہ غیر ذمہ داری پر کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

”کون سی دو ڈشز ملا دیں تم نے۔“ الیان نے مسکراتے ہوئے پوچھا مگر وہ بھلا کیا جواب دیتی وہ تو منہ سجا بیٹھی تھی البتہ شگفتہ غفار جل کر بولیں۔
 ”کسٹرو میں کر لیے پڑے ہوئے ہیں۔“

الیان بے ساختہ ہنسا اور ہنستا چلا گیا۔ بریرہ قہر رسانی نظروں سے اسے دیکھتی رہی جبکہ شگفتہ غفار کا بریدنا بدستور جاری تھا۔

”چلو یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ترکیب لکھنے میں غلطی ہو گئی لیکن انسان پکاتے وقت کچھ تو کامن سینس یوز کرے۔“
 ”بھلا اتنے کڑوے کر لیے کی کبھی سوچت ہو؟“
 ”چھوڑو بھی سبے چاروں نے سارا دن محنت کی ہے۔“

ریاض غفار سے بریرہ کی اتری ہوئی شکل دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ حالانکہ پہلا لقمہ حلق سے اتارتے ہی انہوں نے بھی اسے فوراً ”جھڑک دیا تھا مگر شگفتہ غفار تو تب سے بگڑے ہی جا رہی تھیں۔ صرف ایک نوالے میں ہی انہوں نے پوری رسم بھی کا پوسٹ مارم کر لیا تھا۔

تب سے بریرہ ان کا بڑا ناسن گر جل رہی تھی اور اب الیان کو تان اشاپ ہنسا دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئی۔
 ”دور کیا کسی کو احساس ہی نہیں ہے کہ میں نے سارا دن محنت کی ہے۔ یہ تو میری سچائی ہے جو میں نے ایمان داری سے بتا دیا کہ مجھ سے دو رسم بھی مکس ہو گئیں ورنہ اگر میں اسے کوئی اشانگتھ سا نام دے کر نئی ڈش کہہ کر یا اٹالین ڈش کہہ کر آپ کے سامنے پیش کر دیتی تو آپ سب انگلیاں چاٹتے رہ جاتے۔“ غصے سے بولتے بولتے وہ آخر میں رو پائی ہو گئی۔

الیان کی ہنسی تو ختم ہو گئی تھی مگر مسکراہٹ کسی طور نہیں رک رہی تھی۔ وہ جب ہاتھ میں پکڑے ڈوٹے کی طرف دیکھتا اس کا دل قہقہہ لگانے کے لیے بھل اٹھتا۔

کسٹرو پک پک کر خشک ہو چکا تھا جبکہ کر لیے اتنے باریک کانے گئے تھے کہ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ کر لیے ہیں بھنڈی ہے مگر نہیں پتا پھر کوئی اور سبزی۔ مجموعی طور پر کھانا دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کیا ہے۔

الیان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بریرہ پر ایک نظر ڈال کر اس نے ڈوٹے میں سے سبزی پلیٹ میں نکال لی۔ بریرہ انہیں سے اسے دیکھنے لگی اور وہی کیا غفار ریاض اور شگفتہ ریاض بھی ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگے۔

روٹی نکال کر نوالہ بناتے ہوئے اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی مہم پر جا رہا ہو، بسم اللہ پڑھ کر جیسے ہی اس نے پہلا لقمہ لیا سب کی نظریں کچھ اور بھی اس کے چہرے پر گر گئیں۔ سب اس کے تاثرات پر دھنا چاہتے تھے جنہیں چھپاتا اس بل اسے زندگی کا سب سے کٹھن کام لگا تھا۔

بیک وقت کرواہٹ اور تھکاس کا بدترین امتزاج اس کے حلق تک کو بد مزہ کر گیا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے نکل لے یا اگل دے۔ بڑی مشکل سے اس نے لقمہ کو دوبار چبایا اور حلق سے زبردستی اتار لیا مگر وہ بد مزہ لقمہ ایسے اس کے حلق میں گھل گیا تھا جیسے وہ نوالہ اب بھی اس کے منہ میں موجود ہو۔

الیان نے نظر اٹھا کر ان تینوں کی جانب دیکھا جو ہکا بکا رہ گئے تھے۔ وہ تینوں اپنے اپنے نوالے کو باری باری تھوک کر آئے تھے ان کے نزدیک الیان کا اس ”پتیر“ کو شک لینا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔

”تا بد مزہ تو نہیں ہے مگر بات خواتین کا بڑے جاری ہیں۔“ شگفتہ غفار اور ریاض غفار کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ حالت تو برہہ کی بھی کچھ ایسی ہی تھی مگر خود پر جبر کرتے جس دل گردے کے ساتھ الیان نے جس کی خاطر یہ مشکل ترین بات کہی تھی وہ حیرانی کے باوجود مسکراتے لگی تھی۔

”آپ کو اچھا لگا ہے نا۔“ برہہ کی بات چیں کھل گئیں مگر الیان سے اتنا بڑا جھوٹ برداشت نہ ہوا۔

”نہیں۔“ الیان نے ساختہ بولا مگر برہہ کی مسکراہٹ غائب ہوتی دیکھ کر فوراً ”ہولہ۔“

”اچھا نہیں ہے لیکن اتنا برا بھی نہیں ہے۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ایسا کرو تم سارا ختم کر لو، رزق پھینکنا مجھے بالکل گوارا نہیں۔“ شگفتہ غفار نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا جبکہ الیان کا سکون ہوا ہو گیا۔

اس بد مزہ لقمہ کو دوبارہ چکھنے کے خیال سے ہی اسے مٹی ہونے لگی۔ البتہ منہ نکالنے کی ٹٹھی برہہ اب خوشی خوشی چاؤنوں میں راستہ ڈال کر کھانے لگی۔ برائی کی خوشی اس سے پہلے اتنی اشتہا انگیز الیان کو کبھی نہیں لگی۔

پراٹھوں کی اشتہا انگیز خوشبو رو میلہ کو آج سے پہلے اتنی بڑی کبھی نہیں لگی۔

ڈانٹنگ نیبل کے قریب آنے پر اسے لگا جیسے انہی ہو جائے گی وہ اگلے قدموں واپس لوٹنا چاہتی تھی کہ ابرار بھائی کی آواز نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

”تم کہیں جا رہی ہو کیا؟“ ابرار بھائی ناشتے کی میز پر ہی موجود تھے۔ بھابھی نے ان کی فرمائش پر ہی یہ پراٹھے تیار کیے تھے۔ وہ آٹس سے ویر تک آتے تھے اس لیے عموماً ”ناشتا اچھا سا کرتے تھے جبکہ ان کے برعکس رو میلہ کو صبح صبح اتنا بھاری ناشتا کرنا پسند نہیں تھا۔ وہ ایک کپ چائے کے ساتھ ٹوسٹ لے لیا کرتی تھی۔

لیکن آج کیونکہ یونیورسٹی کا پہلا دن تھا تو قدرتی طور پر وہ تھوڑی گھبرائی ہوئی بھی تھی اور جلدی میں بھی تھی۔ نمل اسے لینے آ رہی تھی اسے نمل کے ساتھ ہی جانا تھا۔ اپنی عادت کے مطابق وہ وقت سے پہلے تیار ہو گئی تھی۔ ویسے بھی اسے کوئی خاص تیاری کرنی بھی نہیں ہوتی تھی چہرہ بھی وہ ایسے المٹ تھی جیسے یونیورسٹی نہیں جنگ پر جا رہی ہو۔

اس کے کپڑوں کے علاوہ اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے کو دیکھ کر بھی ابرار بھائی چونک گئے تھے۔

”جی۔ میں یونیورسٹی جا رہی ہوں۔ میں نے بتایا تو تھا میرا آئیڈیشن ہو گیا ہے۔“ رو میلہ ان کے سوال پر خود بھی چونک گئی تھی۔

”اچھا۔ ہاں۔“ ابرار بھائی کو اچانک یاد آیا۔

انہیں دوبارہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر رو میلہ بھی دوبارہ پلٹنے لگی تو اب کی بار بابا جانی اسے پکار بیٹھے۔

”آئیں بیٹھ جائیں بیٹا فوراً ناشتا کر لیں، نمل آپ کو لینے آئی ہی ہوگی۔“

”بابا جانی! مجھے بھوک نہیں ہے۔“ رو میلہ منمنائی۔

”بھوک نہیں ہے یا گھبراہٹ سوار ہے۔“ بھابھی نے اچانک نمودار ہوتے ہوئے اس کا جملہ اچک لیا۔

رو میلہ فوری طور پر کچھ نہیں بولی بس ایک جھپٹی ہوئی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھر کر غائب ہو گئی۔

ان سب کے سمجھنے کے لیے اتنا ہی اشارہ کافی تھا تب ہی ابرار بھائی چائے کا سب لے کر لاہو آئی سے بولے۔

”ناشتا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے اور اگر اتنی ہی گھبراہٹ ہے تو جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جہاں تک میرا خیال ہے تمہیں تو پڑھنے کا ایسا کوئی خاص شوق بھی نہیں۔“

رو میلہ ان کے خیال سے قطعی متفق نہ تھی تب ہی نہ چاہتے ہوئے بھی میز کے قریب چلی آئی اور کرسی گھسیٹتے ہوئے کہنے لگی۔

”پڑھنے کا شوق تو مجھے بہت ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ میری کبھی کوئی نمایاں پوزیشن نہیں آئی لیکن میں پڑھائی میں کبھی بھی بری نہیں رہی۔“

”خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہماری بیٹی بہت ذہین ہے۔“ بابا جانی کے کھلے دل سے کہنے پر رو میلہ کو اپنے اندر ایک نئی قوت سرایت ہوتی محسوس ہوئی۔

اس نے بے اختیار تھراس اٹھا کر کپ میں چائے اٹھیلی شروع کر دی۔

”آج کے دور میں صرف ذہین ہونا کافی نہیں ہوتا، تھوڑی تیزی بھی ہونی چاہیے۔ تم اب یونیورسٹی پڑھنے جا رہی ہو وہاں جا کر تمہیں پتا چلے گا دنیا میں رہنے کے لیے چالاک ہونا کتنا ضروری ہے۔“ ابرار بھائی نے سبھاؤ سے کہا۔

”وہ تو مجھے یونیورسٹی جائے بغیر بھی پتا ہے لیکن پتا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میں خود کو ویسا ہی بنالوں گی۔“ رو میلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں یہ سب کوئی اپنے اختیار کی باتیں تھوڑی ہیں۔“ بھابھی نے فوراً اس کی حمایت کی تو کچھ دیر کے لیے ان سب کے درمیان خاموشی چھا گئی جسے بالا خرہ بابا جانی نے ہی توڑا۔

”میرے نزدیک تو عورت کو زیادہ تیز ہونا ہی نہیں چاہیے کیونکہ جتنا اس کا ذہن چلے گا اتنے وہ مسائل کھڑے کرے گی۔“

چائے کا گھونٹ رو میلہ کے حلق میں اٹک گیا۔ اس نے کن آنکھوں سے بھابھی کی جانب دیکھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھیں ان کے تاثرات سے یہ اخذ کرنا مشکل تھا کہ انہیں بابا جانی کی بات سے اتفاق ہے یا اختلاف۔

خود اس نے تو خاموش رہنے میں ہی بستی سمجھتے ہوئے وہی ان دوبارہ چائے کی جانب مبذول کر لیا مگر بابا جانی انہیں خاموشی بولکھ کر مزید گویا ہوئے۔

”جو عورت کچی مٹی کی طرح ہو اسے کسی بھی سانچے میں ڈھالنا آسان ہوتا ہے۔ وہ شاید یہ سمجھے تھے کہ کسی کی سمجھ میں ان کی بات نہیں آئی جبکہ بابا جانی کی یہ بات سن کر بھابھی بھی بولے بنانہ رہ سکیں۔“

”لیکن اگر۔“ مٹی غلط ہاتھوں میں چلی جائے تو؟ اتنی سمجھ بھر حال عورت میں ہونی چاہیے کہ وہ کسی سانچے میں ڈھلنے سے پہلے اس کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کی پرکھ کر سکے ورنہ دست کوڑھ کر تم پر خود کو چھوڑ دینا تو کوئی عقل مندی نہیں۔“ بھابھی کے دو ٹوک لہجے میں رو میلہ تو خاموش ہی رہی۔ خلاف توقع بابا جانی اور ابرار

بھائی بھی کچھ نہیں بولے۔
ابراہیم بھائی تو غالباً "افس جانے کی جلدی میں کھڑے ہو گئے اس لیے کچھ نہ کہہ سکے۔ انہیں اٹھنا دیکھ کر بھائی بھی ان کا بیگ دینے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

البتہ رومیلا جوں کی توں بیٹھی سب دلی سے ناشتا کرتی رہی۔ بابا جانی بھی اس کے بعد کچھ نہیں بولے۔
وہیں بھی ان کے درمیان بات چیت بہت کم ہی ہوتی تھی۔ بابا جانی فطرتاً "کم گو تھے اور ابراہیم بھائی کا مزاج کسی حد تک حاکمانہ تھا۔ جو انسان فیصلہ کن انداز میں بات کرے، اس کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے بہت سوچ کر موضوع کا انتخاب کرتا رہتا ہے جو کہ کم از کم رومیلا کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس کی تو کوشش ہوتی ابراہیم بھائی کے سامنے زیادہ بولنا نہ پڑے لہذا ان کی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ ان سے متفق ہو یا نہ ہو وہ جرح بہت کم ہی کرتی تھی اور زیادہ تر خاموش ہی رہتی۔

ہاں دو سال سے اس گھر کی خاموشیوں میں قدرے کمی آگئی تھی کیونکہ دو سال پہلے بھائی بھی گھر آگئی تھیں۔
وہ خالصتاً "ابراہیم بھائی کی پسند تھیں اس لیے وہ سب کی موجودگی میں ابراہیم بھائی تو کیا بابا جانی تک سے بحث کر لیا کرتی تھیں۔

گو کہ مزاج کی وہ بہت اچھی تھیں، کم از کم رومیلا کے کسی معاملے میں وہ بالکل دخل نہیں دیتی تھیں، حالانکہ ان کا یہ رویہ ان دونوں کے مابین تکلف اور اجنبیت کا سبب بن گیا تھا مگر ان کی اپنے کام سے کام رکھنے کی عادت رومیلا کو کبھی گراں نہیں گزرتی تھی۔

مگر ابراہیم بھائی کی طرح انہیں بھی اپنی بات میں لگ سہا کرنے کی عادت نہیں تھی ان کا وہ ٹوک فیصلہ کن لہجہ رومیلا کو کبھی کبھی عجیب ضرور لگتا مگر وہ بھی تبصرہ نہیں کرتی جب بھائی اس کے معاملے میں نہیں بولتی تھیں تو بھلا وہ کیوں بلا وجہ کا پیر رکھتی جبکہ اس کا مزاج بھی ایسا نہیں تھا۔

وہ چپ چاپ ناشتے کے ساتھ انصاف کرتی رہتی کہ نمل کے آجلے پر کتابیں اٹھائی بابا جانی کو اللہ حافظ کہتی باہر نکل گئی۔

نمل کے ساتھ گاڑی میں سنبل بھی موجود تھی، رومیلا پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"اندرا کر بابا جانی کو سلام ہی کر لیتیں۔" رومیلا نے بیٹھتے ہی کہا۔

"تمہارے بابا جانی کون سا ایسی فارل باتوں کو خاطر میں لاتے ہیں اور پھر گھڑی دیکھی ہے، ٹائم کہاں ہے۔" نمل نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تم لوگوں کو اتنی دیر کیوں ہو گئی۔ میرا تو ناشتا کرنے کا ارادہ بھی نہیں تھا کہ تم دونوں آنے والی ہو گی۔" رومیلا نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہ ان محترمہ سے پوچھو دیکھ نہیں رہیں ان کی تیاریاں۔" نمل نے طنزیہ انداز میں سنبل کی طرف اشارہ کیا تو رومیلا حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے تو اس کی تیاری میں کوئی خاص بات نظر نہیں آ رہی۔" رومیلا نے سنبل کے میک اپ اور چوڑی سے عاری سادہ سے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ خود سنبل بھی نمل کی بات پر حیران نظر نہ لگی تھی۔ اس نے ایسی کون سی تیاری کی تھی جس میں دیر ہو جاتی بلکہ انہیں زیادہ تاخیر ہوئی ہی نہیں تھی جو معمولی سی دیر ہوئی تھی وہ بھی صرف ٹریفک کی وجہ سے۔

"تم نے اسے کھڑے ہوئے نہیں دیکھا نا اس لیے ایسے کہہ رہی وہ کم از کم پورا ایک گھنٹہ تو ضرور لگا ہو گا اس تھاں کو استری کرنے میں۔" نمل نے بظاہر پوری سنجیدگی سے کہا تو سنبل بے ساختہ مسکرا دی۔

رومیلا اب بھی نہیں سمجھتی تھی تب ہی جھانک کر اس کے کپڑوں کی طرف دیکھنے لگی۔
چوڑی دار کے ساتھ بے تحاشا گھیر والی فراک کو دیکھ کر رومیلا نے پہلے تو ستائشی انداز میں آنکھیں پھیلانیں پھر ایک دم چونکتے ہوئے بولی۔

"یہ کپڑے یونیورسٹی میں پہن کر جانے کے لیے کچھ عجیب نہیں ہیں، وہ بھی پہلے ہی دن۔" "نہیں نہیں، کچھ عجیب نہیں بلکہ یہ مکمل طور پر عجیب و غریب ہیں۔" نمل نے پورے انہماک سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے طنز بھری سنجیدگی سے کہا تو سنبل شاکی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"پورے دار ڈروپ میں سے سب سے بہترین سوٹ نکال کر پہنا ہے۔" "ہاں تو یہی تو ہم کہہ رہے ہیں، کیا ضرورت تھی اتنا بہترین سوٹ نکال کر پہننے کی۔ کوئی عام سا جوڑا پہن لیتیں، پہلے ہی دن سب کی غیر ضروری توجہ کا مرکز بن جاؤ گی۔" رومیلا نے اس کی نا سمجھی پر ماتم کرتے ہوئے کہا تو وہ کچھ پریشان نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگی۔

یہ خیال تو اسے واقعی نہیں آیا تھا، حالانکہ نمل کی گاڑی میں بیٹھتے وقت نمل نے چھوٹے ہی کہا تھا۔
"یار کوئی اور کپڑے نہیں تھے تمہارے پاس۔" مگر سنبل نے پروا نہیں کی جبکہ اب رومیلا کے کہنے پر اسے بھی احساس ہوا تھا اس غیر معمولی لباس میں وہ سب سے نمایاں ہو جائے گی۔

"مگر ایسی بات ہے تو میں کپڑے بیچ کر لیتی ہوں۔" نمل، گاڑی واپس گھملائی۔ "سنبل نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں، اب کوئی ٹائم نہیں ہے واپس جا کر بیچنے کرنے کا اسی لیے میں نے کہا تھا، ہم تینوں ایک سے کپڑے پہن کر جائیں گے۔ اب تمہاری وجہ سے دور سے ہی لوگوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ تین نیو ایڈ میٹن چلی آرہی ہیں۔" نمل نے صاف انکار کر دیا۔

"ہاں اور وہ تین ایک سے کپڑوں میں تو ہم بالکل ماحول کا حصہ بن گئیں نا۔" رومیلا نے طنزیہ انداز میں سراہتے ہوئے کہا۔

"ماحول کا حصہ نہ سہی، لیکن ایک گروپ میں ضرور نظر آئیں لوگ ہمیں بے وقوف بنانے سے پہلے دو تین بار تو سوچتے۔" رومیلا سے کہتے ہوئے نمل کے منہ سے وہ بات نکل ہی گئی جو اس نے کب سے اپنے اندر دبا رکھی تھی۔

"کوئی بھلا ہمیں بے وقوف کیوں بنائے گا۔" سنبل نے چونکتے ہوئے پوچھا تو نمل بغیر جھجکے اپنے اندازے کے متعلق بتانے لگی۔

"کیونکہ آج ہمارا پہلا دن ہے اور پہلے دن نیو ایڈ میٹن کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔" اس کی بات سن کر سنبل تو کافی پریشان لگنے لگی جبکہ رومیلا تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

"ہاں اس رواج کا علم تو مجھے بھی تھا، مگر میں نے تم لوگوں سے اس کی ذکر نہیں کیا کہ کہیں تم لوگ پریشان نہ ہو جاؤ۔ لیکن فکر کی کوئی بات نہیں ہے، میں نے پہلے سے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔"

"وہ کیا؟" نمل نے اچھی سے پوچھا، اسے تو لگ رہا تھا اس کے علاوہ کسی نے اس بارے میں سوچا بھی نہیں ہو گا جبکہ اس کی توقع کے برعکس رومیلا تو باقاعدہ تیاری کے ساتھ آئی تھی۔

"عموماً سینٹر اسٹوڈنٹس سے کلاس کا پتا پوچھو تو وہ غلط مسلط پتہ بتا کر کہیں کا کہیں بھیج دیتے ہیں۔ اس حملے سے بچنے کے لیے میں نے بھائی کے کزنز سے پہلے ہی ہماری کلاس کا پتا کروا لیا۔"

وہ سراگھسا پنا طریقہ یہ ہے کہ کوئی سینٹر اسٹوڈنٹ خود پروپوسن کر ہماری کلاس میں آئے گا اور ہمیں غلط مسلط

پڑھانے کی کوشش کرے گا۔
”اس کے تدارک کے لیے ہم پہلا پیریڈ ہی چھوڑ دیں گے جو کچھ ہونا ہو گا پہلے پیریڈ میں ہو کر ختم ہو جائے گا۔“
”رومیلا کہتی جلی گئی۔“

خمل اور سنبل حیرانی سے اسے دیکھے گئیں، سنبل تو کچھ پریشان بھی لگنے لگی تھی، اس کا ذہن تو ان باتوں کی طرف گیا ہی نہیں تھا، رومیلا نے بھی جان بوجھ کر پہلے سے کوئی ذکر نہیں کیا کہ کہیں وہ دونوں گھبرانے جائیں۔
پھر تھوڑی ہی دیر میں رومیلا کے بتائے ڈیپارٹمنٹ کے نزدیک اپنی گاڑی کھڑی کر کے جیسے ہی وہ گاڑی سے اتریں ایک گاڑی نے ان کے قریب آگزروردار بارن بجایا۔

ان تینوں نے چونک کر پلٹ کر دیکھا، وہ اس گاڑی کے راستے میں تو حائل نہیں تھے، بلکہ ایک طرح سے وہ گاڑی خود ہی ان پر چڑھی آ رہی تھی۔

وہ تینوں سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں کہ کبھی مسلسل بارن بجاتا وہ شخص ایک دم دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر آ گیا۔

”مس اپنی گاڑی یہاں سے ہٹا لیجیے۔ یہ میری پارکنگ ہے۔“ کہنے والے نے بڑے جارحانہ انداز میں کہا تھا، اسے برا لگ رہا تھا کہ اس کی جگہ پر کسی اور نے گاڑی کسے کھڑی کر دی، ابھی وہ اس عجیب و غریب مطالبہ پر حیران بھی نہیں ہوئی تھیں کہ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ لنگ رہ گئیں۔

”دوسری طرف مقابل کے تاثرات بھی کچھ ایسے ہی تھے، اسے اپنی پارکنگ پر کسی اور کی گاڑی اس قدر ناگوار گزری تھی کہ اس نے ان لڑکیوں کے چہروں پر دھیان ہی نہیں دیا، مگر انہیں چونکا دیکھ کر خرم بھی کچھ لمحوں کے لیے اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

خمل کا حسب توقع اسے سامنے دیکھتے ہی خون کھول اٹھا تھا۔ اس کے پرس سے اٹھا رہا روپے چرانے کے باوجود وہ کس قدر دھشانی سے ان کی مدد کرنے کا ذرا امید کرنے لگا تھا۔

ایک بل کے لیے اسے دیکھ کر سنبل اور رومیلا کی بھی یہی حالت ہوئی تھی۔ مگر صرف ایک بل کے لیے وہ دونوں خمل کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا ٹیبلو لوز کرتی، رومیلا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی، مگر وہ دونوں ابھی خمل کو دو قدم بھی نہیں گھسیٹ سکی تھیں کہ خرم بول پڑا۔
”آپ تینوں یقیناً یہاں نئی آئی ہیں؟“ اس لیے غلطی سے آپ نے گاڑی یہاں کھڑی کر دی ہے، ورنہ اس جگہ پر کوئی اپنی گاڑی پارک نہیں کرتا۔“ بڑے آرام سے کہا۔

خمل جو بے دھیانی میں رومیلا کے ساتھ آگے بڑھنے لگی تھی، اپنا ہاتھ چھڑاتی تیزی سے بولی۔

”مگر اتنی ہی چپکی ہوئی چیز ہو تو ریزروڈ پارکنگ کا بورڈ بھی لگا دیا ہوتا۔“ خمل کے چہرے پر برہمی کے تاثرات دیکھ کر خرم کو پرہیز آ گیا تھا۔

بارون نے اسے بتا دیا تھا کہ وہی نے اس یلوڈریس والی لڑکی کے پیچھے جا کر اسے بتا دیا تھا کہ خرم نے اس کے پیچھے چرائے تھے۔ خرم کو یہ سن کر ایسا کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا، خود اسے وہ سروں کے پول کھولنے میں پرہیز آتا تھا، اگر وہی نے بھی ایسا کر دیا تو کیا حرج تھا۔

وہ لڑکی وہی کے بتانے سے پہلے ہی اتنے یقین سے اس پر الزام تراشی کر چکی تھی کہ اگر اس کا یقین تھوڑا سا اور مستحکم بھی ہو گیا تو خرم کو کیا فرق پڑتا تھا۔

اب بھی اس کا تپا ہوا چہرہ دیکھ کر خرم کی حس شرارت مزید پھڑک اٹھی تھی۔

”ریزروڈ پارکنگ کا بورڈ لگا ہوا تھا، مگر یونیورسٹی میں۔ آئے دن جھگڑے ہوتے ہیں، کسی اسٹوڈنٹ نے وہ بورڈ

اکھاڑ کر توڑ دیا، ورنہ تو یہ تمام پروفیسرز کی ریزروڈ پارکنگ ہے۔“ خرم کی بات پر سنبل تو اچھی خاصی چونک گئی تھی، جبکہ رومیلا بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، البتہ خمل بری طرح چڑ گئی تھی۔

”یہ مت کہہ دینا کہ تمہارے جیسا جاہل انسان اس یونیورسٹی میں پروفیسر یا لیکچرار ہے۔“ خمل کے طنزیہ انداز پر سنبل نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

رومیلا کو بھی خمل کے انداز گفتگو سے اختلاف تھا، وہ شکل اور حرکتوں سے کوئی پروفیسر یا لیکچرار تو نہیں لگ رہا تھا، لیکن اگر وہ تدریسی شعبے سے منسلک نہیں بھی تھا تب بھی تھا تو اس یونیورسٹی کا حصہ۔ اگر انہیں یہاں پڑھنا تھا تو یہاں کے کسی بھی شخص سے الجھنا ان کے حق میں نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ مگر ساتھ ہی اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ خمل کو کچھ بھی سمجھانا بھینس کے آگے جین بجانے کے برابر تھا۔

دوسری طرف خرم کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا، بلکہ بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”میں نے آپ کے سامنے کون سی جہالت کا ثبوت دیا ہے جو آپ۔۔۔ اچھا ہاں میرے کچھ اسٹوڈنٹس میرے ساتھ بیٹس ہوٹل میں تھے اور انہوں نے بعد میں جا کر آپ کو میرے خلاف کچھ درغلایا بھی تھا۔ لیکن لڑکوں کی تو عادت ہوتی ہے بے پرکی اڑانے کی، آپ ان کی باتوں میں نہ آئیں اور اپنی گاڑی یہاں سے ہٹالیں، یہ اسٹاف کی ریزروڈ پارکنگ ہے، یہاں گاڑی کھڑی کرنے پر جرمانہ لگ جائے گا۔“

خرم اتنی بردباری سے بول رہا تھا کہ سنبل الجھ گئی تھی۔

رومیلا جو خود راستے میں کہہ رہی تھی کہ پہلے دن اسٹوڈنٹس خود پروفیسرین کر بے وقوف بنانے آ جاتے ہیں۔

اب خود ہی شش و پنج کا شکار ہو گئی تھی۔
ایک جھگڑا خمل بھی جو جوں کی توں کھڑی تھی، اس کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، وہ اس شخص کا تین کسی طور نہیں کر سکتی تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی	قیمت: 400 روپے
☆ درو کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 180 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبین	قیمت: 350 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 200 روپے
☆ امرنیل، عمیرہ احمد	قیمت: 450 روپے

شائع ہو گئے ہیں

خوبصورت بہنوں

خوبصورت بچوں

مضبوط جلد

آن لائن بھی

مکتبہ کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

فہرست کتب کا سہ ماہی

نورسہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی مدد نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نورسہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نورسہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی مدد کو بلائے۔ وہ مدد کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔
رومیہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم کی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس سو کے لیے کہہ دیتا ہے۔
نورسہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بیوقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے میز میوں کی طرف پڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کرتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



دو میلہ کے بتائے راستے پر چلتے ہوئے سنبل، نمل جس کلاس کے دروازے پر پہنچیں وہاں اسٹوڈنٹس کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ کمرہ کافی بڑا تھا مگر اتنے بڑے کمرے کی طوالت کا لحاظ کیے بغیر صرف دو چھکے لگے ہوئے تھے اور ان چھکوں سے کوئی بات نہیں لگ رہی تھی۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دیکھتی چلی گئیں۔ آخر نمل ہی بولی۔

”اب سوچ کیا رہی ہو چلو اندر۔“ اس نے صرف کہا ہی نہیں بلکہ اندر کی جانب قدم بھی بڑھا دیا جبکہ دونوں ایسے ہی دروازے کے پاس کھڑی رہیں جیسے کوئی فیصلہ نہ کیا رہی ہوں۔ نمل نے بیٹھنے کے لیے ڈیس کا جائزہ لیتے ہوئے تین بار مڑ کر انہیں دیکھا۔ آخر دو میلہ نے ہی پہلے صحت کی اور دروازے سے اندر داخل ہو گئی تب چارو تا چار سنبل کو بھی آنا پڑا۔ مگر جس طرح وہ چاروں طرف کسی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے سینت سینت کر آگے بڑھ رہی تھیں اس پر نمل خون کے گھونٹ لی کر رہ گئی۔ لیکن جب وہ نمل کی منتخب کردہ ڈیس پر اس کے برابر میں آکر بیٹھی تب ڈیس کے نیچے حفظ ماتقدم کے طور پر اسے جھانکنا دیکھ کر نمل سے ضبط نہ ہوا۔ وہ دانت میٹے ہوئے بولی۔

”اس نے ڈیس کے نیچے کسی چھپکلی کی موجودگی کی اطلاع نہیں دی ہے۔“

”میں۔ میں تو دیکھ رہی تھی فرش کیسا ہے۔“ سنبل نے منہ نہ کر کہا۔

”صاف بات ہے مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ دو میلہ نے چاروں اور دیکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

وہ تینوں ایک ہی ڈیس پر بیٹھی تھیں، نمل کے ایک جانب سنبل تھی اور دوسری جانب دو میلہ۔ نمل دو میلہ کی بات پر گھبرا کر اسے دیکھنے لگی بلکہ حور کے گل جس کی دو میلہ نے نال لکھ چڑھا وہ بھی اورو بدستور کلاس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

”مجھے تو چاروں طرف چھپکلیاں ہی چھپکلیاں نظر آ رہی ہیں۔“ انہیں گھور گھور کر نمل کی آنکھیں دکھائی تھیں چنانچہ اس نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے اپنی نظریں سامنے دیوار پر مرکوز کر دیں جہاں بلیک بورڈ لگا ہوا تھا۔

کچھ ہی دیر میں کلاس معمول کے مطابق شروع ہو گئی۔ پروفیسر کلاس میں آئے اپنا تعارف کرایا اسٹوڈنٹس کا تعارف حاصل کیا، تھوڑی بہت سبب جھکٹ کے متعلق بات کی اور پیریڈ اور ہو گیا تو چلے گئے۔ ان کی گفتگو کے دوران نمل کا دھیان اچھا خاصا بٹ گیا تھا مگر دو میلہ اور سنبل ایسے ہی الرٹ بیٹھی رہیں۔ ایک لمحہ سنبل کے ہاتھ پر آکر بیٹھی تو سنبل بری طرح اچھل گئی۔ اس کے اچھلنے پر دو میلہ چونک اٹھی۔ نمل کو پہلے تو اس کا چونکنا دیکھ کر غصہ آیا مگر اسے غل ہو تا دیکھ کر وہ مسکراتے پر مجبور ہو گئی خود دو میلہ بھی اپنے ہڑبڑانے پر شرمندہ ہو گئی تھی۔

دوسرے پیریڈ میں جا کر وہ دونوں بھی قدرے پرسکون ہو گئیں بلکہ پیریڈ کے دوران ہی انہوں نے آہستہ آواز میں طے کر لیا کہ اس پیریڈ کے ختم ہونے پر کینٹین میں جا کر کچھ کھائیں گی انہیں امید تھی اگلا پیریڈ ضرور فری ہو گا مگر نمل ہوتے ہی ایک نئے لیکچرار کو کلاس میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ تینوں ہی بد مزہ ہو گئیں۔ بلکہ وہی کیا دوسرے طلبہ و طالبات بھی کلاس ختم ہونے پر ایسے اٹھنے لگے تھے جیسے اب مزید پڑھائی کا کسی کا موڈ نہ ہو۔ نئے لیکچرار کلاس میں داخل ہوتے ہی سب کو کھڑا دیکھ کر اپنی جگہ ٹھنک گئے۔

”لگتا ہے میں غلط وقت پر آ گیا ہوں آپ سب شاید اب مزید کوئی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔“ تو وہ اونے پونے دوستانہ انداز میں سب پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”سراہم سمجھے شاید اب فری پیریڈ ہو گا۔“ ایک لڑکے نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

”اس پیریڈ کے بعد آپ کے دو لگا مار فری پیریڈ ہیں چنانچہ کچھ دیر مجھے برداشت کر لیں۔“ ان کے مسکراتے ہوئے کہنے پر تمام طالب علم اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

”مجھے معلوم ہے اس وقت آپ سب دل ہی دل میں مجھے گالیاں دے رہے ہوں گے کیونکہ ایک بار جب کینٹین جانے کا موڈ بن جائے تو ہر پروفیسر اور ہر لیکچرار برداشت سے باہر ہو جاتا ہے کانوں میں لیکچر کی جگہ آنتوں کے قل پڑھنے کی آوازیں گونج رہی ہوتی ہیں۔“ ان کی بات پر تقریباً سب ہی طالب علموں کے چروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

مارے اسٹوڈنٹس جو اتنی دیر سے فارمل انداز میں لیے بیٹھے تھے قدرے مطمئن ہو کر باقاعدہ ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ ان لیکچرار کے پڑھانے کا انداز گزشتہ دونوں پروفیسرز سے بہت مختلف تھا۔ پڑھا یا ان دونوں نے بھی کچھ خاص نہیں تھا مگر انہوں نے صرف کتاب کا تعارف ہی اتنے دلچسپ انداز میں دیا تھا کہ کچھ موقعوں پر تو کلاس محفل بے غفران بن گئی۔

وہ تینوں بھی سب کچھ بھول بھال کر بڑے اٹھناک سے ان کی مثالیں اور فارمولے سن رہی تھیں جب اچانک انہوں نے ایک بڑا سا ڈبا کلاس میں منکوا لیا۔

ایک لڑکا ان کے فون کرنے پر دروازے سے ہی ایک ڈبا انہیں تھا گیا۔

”سراہم کیا ہے؟“ ایک لڑکے نے بڑے تجسس سے سب کے دلوں میں موجود سوال کو زبان دی تو وہ بڑے پرامن انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

”یہ ایک سربراہ ہے لیکن یہ میں ابھی نہیں کھولوں گا بلکہ پیریڈ اور ہونے پر آپ لوگوں کو دوں گا۔“

”سر! اتنا انتظار؟“ کسی نے تجسس سے بڑے بے تابانہ انداز میں کہا تو دوسرے طالب علم بھی شور مچانے لگے مگر انہوں نے دھیان دیے بغیر اپنا لیکچر جاری رکھا تو اسٹوڈنٹس کو بھی خاموش ہونا پڑا مگر تب ہی سر کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ انہوں نے موبائل کی بج سے نکالا اسکرین پر جانے کس کا نمبر تھا کہ جسے دیکھتے ہی ان کی پیشانی پر ہل پڑ گئی۔

”اٹک کھوڑی۔“ وہ بے زاری سے کہنے لگا سب سے باہر نکل گئے اور کلاس کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

”لگتا ہے سر کی بیوی کی کال ہے۔“ کسی نے ہانک لگائی تو سب ہی ہنس دیے۔

”حالانکہ ڈیورنگ لیکچر موبائل الاؤ نہیں ہوتا۔“ کوئی اور بھی بولا۔

”چلو اچھا ہی ہے کم از کم ان سر کی موجودگی میں ہم بھی اپنے موبائل آن رکھ سکتے ہیں۔“ کسی نے خوشی خوشی کہا۔

ان سر کا لیکچر اور انداز ایسا تھا کہ کلاس میں پہلے ہی دن بڑا بے تکلفانہ ماحول بن گیا تھا۔ سب ایسے دوستانہ انداز میں بات کر رہے تھے جیسے ایک دوسرے کو بہت سے جانتے ہوں۔

تب ہی اس ساری گفتگو کے چمچ میں کوئی جو کھتے ہوئے بولا۔

”ارے کیوں نہ سر کے آنے سے پہلے اس باکس کو کھول کر دیکھیں۔“ اس آواز کے ابھرتے ہی سب ہی اس شخص کی حمایت کرنے لگے۔

وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں، انہیں یہ حرکت کچھ مناسب نہیں لگ رہی تھی مگر انہیں یہ بھی علم تھا کہ ان کے کئے کا ان لڑکوں پر کچھ خاص اثر نہیں ہوگا تب ہی خاموشی ہی جیسی رہیں۔ البتہ ان کی نظریں اس بڑے سے بڑے پر جم گئیں جو اسٹیل کا تھا اور بڑی سختی سے بند کیا گیا تھا۔

تب ہی اسے مھولنے کے لیے دو لڑکوں کو مل کر جان لگانی پڑی تھی تب دھککا کھلا اور کھلتے ہی کوئی چیز اچھل کر باہر آئی تھی کہ دونوں لڑکے بدک کر پیچھے ہٹ گئے تھے دھککا ان کے ہاتھ سے چھٹ کر زمین پر جا کر اٹھا اور کھاس میں بیک وقت تمام لڑکیوں (اور کچھ لڑکوں) کی بھی چیخیں نکل گئیں۔

اس ڈبے سے برآمد ہونے والی چیز کوئی چیز نہیں بلکہ چوہے تھے۔ تین چار چوہے اچھل کر باہر آئے تھے جبکہ پورا ڈبا چوہوں سے اتنی بری طرح بھرا ہوا تھا کہ وہ اندر ہی اندر ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے ڈبا بھی جانے لگتا تھا لہذا جیسے ہی دھککا کھلا ڈبے میں اتنی کھلی گئی کہ ڈبا بچنے ہوئے میز پر لڑھک گیا۔ پھر تو پوری کھاس میں چوہوں کی ایک پوری فوج دوڑنے لگی۔

ایک عجیب سا ساہل پیدا ہو گیا تھا۔ دو چار لوگوں نے کھاس کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کی تو ہاتھ کھاس سے بند کر دی گئی ہے پھر کیا تھا کوئی نیل پر چڑھ گیا تھا تو کوئی ڈیکس پر مگر جس طرح نوگ اتنے چوہوں کو دیکھ کر گھبرا گئے تھے اسی طرح چوہے بھی اتنے لوگوں کو دیکھ کر ادھر سے ادھر بولائے بولائے پھر رہے تھے اور جتنا پھر رہے تھے اتنا ہی لوگ بول رہے تھے۔

منسل، منسل سے لپٹی اتنی بری طرح چیخ رہی تھی کہ منسل کو لگ رہا تھا اس کے کان کے پردے پھٹ جائیں گے اس نے صرف پاؤں ڈیکس کے اوپر کر لیتے تھے پھر بھی اسے لگ رہا تھا سارے چوہے اسی پر چڑھ گئے ہوں۔

دو میلہ تو باقاعدہ ڈیکس کے اوپر چڑھ گئی تھی اور ادھر سے ادھر دوڑتے لوگوں اور چوہوں کو ہر اسل انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر جائے گی مگر ایسی نوبت نہ آئی اسے چلتی ہی کھاس کا دروازہ کھل گیا۔

اتنی چیخوں کی آواز پر سب ہی لوگ دوڑے چلے آئے تھے۔

دروازہ کھلنے پر چیخوں کی آواز میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ چوہوں کو بھی راہ فرار مل گئی تھی۔ باہر کھڑے ہجوم کپاؤں کپاؤں اور پاؤں کے اوپر چڑھتے ہوئے سر ہٹا دے تھے۔

کوئی پندرہ منٹ بعد میدان صاف ہوا تھا اور اس ہنگامے کا اندر ٹوٹا تھا۔

لڑکیاں باقاعدہ ٹیٹھی رو رہی تھیں تو لڑکے اس بے ہوش مذاق پر پروفیسرز کے سامنے بری طرح بگڑ رہے تھے۔ ایسی طوفان بد تمیزی پر پروفیسرز کا اپنا جلال نکتہ عروج پر پہنچا ہوا تھا۔

”سینئرز ہمیشہ نیو ایڈمیشن کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ خود ہمارے زمانے میں بھی یہ ہوا کرتا تھا مگر تب سب کچھ تیز کے دائرے میں رہ کر ہوتا تھا مگر آج کل تیز بنی چیزیاں کو تو کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔“ میڈم زاہدہ کا خون کھول رہا تھا۔

لڑکوں نے تو جوتے پہن رکھے تھے اس لیے ان کے پاؤں بچ گئے تھے جبکہ لڑکیوں کے سینڈلز اور چپل کی وجہ سے چوہوں کے بیچوں کا نشان واضح طور پر دکھایا جاسکتا تھا۔

”میڈم! کوئی سینئر اسٹوڈنٹ لیکچرار بن کر آیا تھا اور وہی یہ ڈبا کھاس میں رکھ کر گیا تھا اور کھاس باہر سے لاک کر دی تھی۔“

”ساری یونیورسٹی کو لائن سے کھڑا کر دیں تاکہ یہ شناخت کر کے بتا سکیں۔“ میڈم زاہدہ واقعی اتنے غصے میں تھیں کہ ان کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔

”خیر۔ تو ممکن نہیں اور اس کا قاعدہ بھی نہیں۔“ ایک دوسرے پر پروفیسر نے رسوائیت سے کہا۔

”جی ہاں! وہ اپنا حلیہ اتنا بدل کر آیا ہوگا کہ یہ اسے پہچان بھی نہیں سکتے بلکہ وہ اس ڈبا ٹمنٹ کا ہوگا ہی نہیں۔ ساری پلاننگ چاہے اس ڈبا ٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس کی ہو لیکن آگے انہوں نے کسی دوسرے ڈبا ٹمنٹ کے ٹوکے کو ہی کھڑا کیا ہوگا۔“

”اس موضوع پر بحث صرف وقت کا زیاں ہے، میرے خیال سے سب اپنی اپنی کلاسز میں واپس جائیں۔ میں نے ماسٹروں سے اچھی طرح صفائی کرا دی ہے۔“ ہیڈ آف ڈبا ٹمنٹ نے بات ختم کرتے ہوئے کھاتو لڑکا بری طرح تھلا گیا۔

”تو سراسر کا مطلب ہے آپ ان کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیں گے۔“

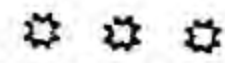
”تو ہاں بھی تو چلے یہ سب کیا کس نے ہے۔ میں کیا ہوا میں ایکشن لوں۔“ ہیڈ آف ڈبا ٹمنٹ بھی اس لڑکے کے انداز پر تپ گئے تھے۔

”لیکن سر! آپ کچھ ہمارے کرنے کی کوشش تو کریں۔“ ایک اور اسٹوڈنٹ نے بھی زبان کھولی۔

”ہم اپنے طور پر ہمارا کریں گے، ہاں اگر آپ کو کوئی ہنٹ ملتا ہے تو آپ جتنا دیجیے گا تمہاری اہل سب اپنی اپنی کلاسز میں جائیں۔“ انہوں نے دو نوک ختمی انداز میں کہا۔

”سر! اس سب کے پیچھے خرم نامی اسٹوڈنٹ کا ہاتھ ہے۔“ منسل نے اچانک بول کر وہاں موجود حاضرین کو کیا؟

”منسل اور دو میلہ تک کو چونکا دیا۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھے گئیں جو اتنی نظریں کی زد میں ہو کر بھی مطمئن کھڑی تھی۔“



”مطمئن تو اب میں بھی نہیں ہو سکتی میرا ذہن تو ابھی من ختم ہو گیا تھا جب پہلی بار ندیہ نے مجھے گھر میں نظر آنے والے کسی سلیہ کا ذکر کیا تھا۔“

تب سے آج تک کتنے علاج کر چکی ہوں مگر میں جن چیزوں اور باتوں پر بھی یقین نہیں کرتی تھی ندیہ کی بہتری کے لیے وہ بھی کر ڈالیں۔

اس کی دادی نے ایسے ایسے پیر فقیر کو گھروٹا کر اس کا علاج کرایا ہے کہ جن کی شکل تک میں دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔

مگر ندیہ کے لیے میں نے چپ چاپ سب کچھ برداشت کر لیا مگر کیا قاعدہ ہوا؟ وہ ٹھیک ہونے کی بجائے دن بے دن اور۔“

”سینئر لال اختر! اگر آپ اس طرح جھٹ ہار جائیں گی تو ندیہ کو کون سنبھالے گا۔ میں آپ سے کہہ رہی ہوں نا آپ ریٹیکس ہو جائیں، بالکل ریٹیکس۔“

ندیہ کو کچھ نہیں ہوا ہے وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اگر اس نے دوائیں بند کر دی ہیں تو اسے فورس فلی دوائیں مت کھلائیں۔“ شہر کی سب سے بڑی سائیکا ٹرسٹ ڈاکٹر شکیلہ نے اپنے مخصوص نرم اور ٹھنڈے کبجے میں کہا۔

عائشہ اختر جب سے ان کے پاس آئی تھیں وہاں سے لے کر اسی طرح ہابوسی بھری باتیں کر رہی تھیں۔

”تو کیا ہاتھ رہا ہاتھ رکھ کر جیسی رہوں اور دیکھوں کہ اس کا بالکل بہن کس اسٹیج پر پہنچ کر رہتا ہے۔“ عائشہ اختر اتنی حساس ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر شکیلہ کے مشورے پر حیرت اور غصے سے گویا ہوئیں تو ڈاکٹر شکیلہ ہلکے سے ہنس دیں۔

ایک طویل عرصے سے ندیہ کا علاج کر رہی تھیں۔ وہ ندیہ کو کیا عائشہ اختر کی نفسیات کو بھی بہت اچھی طرح

بجھتی تھیں تب ہی پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔
 "اللہ نہ کرے جو ندیہ کی حالت ایسی ہو نہ پاگل نہیں ہے۔ پہلے تو آپ اپنے دل سے یہ بات نکالیں جس ذہنی طور پر بنا رہے۔"

"ذہنی طور پر بنا لوگ کیا وہ سولہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔" عائشہ اختر نے گلاس ایک طرف رکھ دیا۔
 ڈاکٹر شکیلہ بھی کچھ خاموش سی ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں۔
 "یہ واقعی تشویش کی بات ہے۔ آج اگر اس نے اپنی دلاست پر حملہ کیا ہے تو کل کو وہ گھر والوں کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے اور ہو سکتا ہے خود کو بھی۔" ڈاکٹر شکیلہ خود کھائی کے انداز میں بولیں تو عائشہ اختر پر شانی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"ڈاکٹر پلیز کچھ کریں میں اسے آپ کے پاس لانا چاہتی تھی مگر میری سستی ہی نہیں۔ آپ۔ آپ میرے ساتھ چلیں اور اسے سمجھائیں وہ اس کے لیے کتنی ضروری ہیں۔"

"دائیں اس کے لیے ضروری ہیں مگر اسے سمجھا کر کھلانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو اس طرح کی دوا دلاؤں گی کہ آپ آرام سے اسے کھاتے لیا جائے میں ملا کر اسے دے سکیں گی۔ اسے بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ ہم اسے دوا دے رہے ہیں۔" ڈاکٹر شکیلہ اب بھی کسی سوچ میں غرق تھیں۔

"میں اس لڑکی سے ملنا چاہوں گی جس پر ندیہ نے حملہ کیا ہے۔" تھوڑی دیر بعد بولیں تو عائشہ اختر چونک اٹھیں۔

"وہ لڑکی تو اتنی خوفزدہ ہو گئی ہے کہ میرے خیال سے اس سے ملنا ٹھیک نہیں۔ پتا نہیں وہ کالج بھی آئے گی یا نہیں۔" عائشہ اختر کے کہنے پر ڈاکٹر شکیلہ صرف انہیں دیکھ کر رہ گئیں خود انہیں بھی اس لڑکی سے ملنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"میں تو دونوں طرف سے پھنسی ہوئی ہوں۔ ندیہ کی حالت دیکھی نہیں جاتی اوپر سے بلاں بھی ندیہ کے سامنے ہی اسے ایسی ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جالے کیا گزرتی ہوگی اس کے دل پر۔"

"اللہ نے ایک سی اولاد دی اور وہ بھی۔" عائشہ اختر نے سر آٹھ مچھتے ہوئے جملہ ادھر اچھوڑ دیا۔

"سسر عائشہ اس طرح کی باتیں کرنے کا بھلا کیا فائدہ ہے اور اپنے ہر زند کو کسی دن میرے پاس لے کر آئیے گا۔" میں انہیں سمجھاؤں گی۔

ندیہ کے سامنے انہیں بہت سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے وہ بچپن سے شعور و لا شعور کے بیچ میں جی رہی ہے۔
 وہ بھی دیکھتی ہے جو وہ دیکھنا چاہتی ہے۔
 ایک عام انسان خواب میں یا فلم میں کوئی منظر دیکھتا ہے تو جاگنے یا فلم ختم ہونے کے بعد اس منظر سے باہر آ جاتا ہے لیکن ندیہ کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔
 وہ خواب میں بھی کوئی منظر دیکھتی ہے تو جاگنے کے بعد بھی وہ منظر وہ سین اس کی آنکھوں کے سامنے ایسے موجود رہتا ہے جیسے وہ اب بھی اس کے سامنے ہو۔

اور جس سایہ کا ذکر کرتی ہے وہ تو اب اس کے اعصاب پر اتنا سوار ہو گیا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسے وہی منظر نظر آتا ہے۔

لیکن اب اس کی بیماری تبدیل ہو کر Disassociative identity disorder کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔

اب وہ صرف اس سائے کو دیکھتی نہیں ہے بلکہ وہ خود اس سائے میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اس کی ذات اس کی

شخصیت کہیں لا شعور میں محبب جاتی ہے اور وہ خود شائستہ بن جاتی ہے۔
 انسان کے دماغ کے تین حصے ہوتے ہیں۔

- Conscious (1)
- Subconscious (2)
- Unconscious (3)

ایک نارمل انسان تصور میں اور حقیقت میں فرق کر سکتا ہے مگر ندیہ کی یہ حس بہت کمزور ہے جس سائے کی بات کرتی ہے جانے وہ سایہ اس نے کہاں دیکھا تھا کہ اس کے ذہن میں وہ تصویر لکھیں ہو گئی۔ اب وہ تصور بھلے ہی اس کے سامنے نہ ہو مگر وہ عکس اس کے Sub Conscious میں موجود ہے۔ اگر وہ سائے کھڑکی کی طرف دیکھے گی تو اس کھڑکی کے ساتھ ساتھ تحت الشعور میں چھپا ہوا عکس بھی اسے اس کھڑکی کے ساتھ کھڑا نظر آئے گا۔

لیکن اب وہ illusion اس کی ذات پر حاوی ہو رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے شائستہ کی روح کو رخسار کی بات اچھی نہیں لگی اس لیے اس روح نے رخسار کو زخمی کر دیا۔

جبکہ سچ یہ ہے کہ ندیہ کو اس کی بات ناگوار گزری اور وہ خود رخسار پر حملہ آور ہو گئی۔ "ڈاکٹر شکیلہ کتنی چلی گئیں۔ عائشہ اختر دم بہ خود انہیں سستی رہیں۔ وہ جب پہلی بار ڈاکٹر شکیلہ سے ملی تھیں انہوں نے ندیہ کو دیکھتے ہی بتا دیا تھا کہ وہ شائستہ نامی ایک illusion کے ساتھ رہتی ہے۔

مگر اب جس طرح وہ ندیہ کی حالت کا ذکر کر رہی تھیں اسے سن کر ان کی تشویش سوا ہو گئی تھی۔ اگر ندیہ رخسار کی بات پر ایمان کر اس پر حملہ آور ہو سکتی ہے تو کل کو ان سے خائف ہو کر انہیں یا بلال اختر کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

"پھر آپ ہی بتائیں میں کیا کروں۔" انہوں نے عاجزی سے پوچھا۔ "آپ اس کا ماحول چنچ کرنے کی کوشش کریں اسے کہیں کھانے پھرانے لے جائیں۔"

"کیسے لے جاؤں اس کے فادر کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا اور وہ اسے میرے ساتھ اکیلے جانے نہیں دیتے اور اب جو اس نے رخسار کے ساتھ کیا ہے اسے دیکھنے کے بعد تو وہ کبھی بھی مجھے اس کے ساتھ اکیلے جانے نہیں دیں گے۔" عائشہ اختر بے چارگی سے بولیں تو ڈاکٹر شکیلہ بھی خاموش ہو گئیں۔

"حالانکہ دیکھنے میں کتنی نارمل لگتی ہے وہ پڑھائی وغیرہ میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر بہت اچھا نہیں پڑھتی تو پڑھائی میں بری بھی نہیں ہے۔ اسکول سے کبھی شکایت نہیں آئی سوائے اس کے کہ بہت شائے (شریک) ہے۔ نیچر کے سوال کا جواب نہیں دیتی لیکن کبھی نیچر نے یہ نہیں کہا کہ اسے جواب نہیں آتا یا یہ کہ کبھی اس نے کوئی مسئلہ ہیو کیا۔

اور خوبصورت اتنی ہے کہ کلاس ٹائن میں آتی تھی تب سے اس کے رشتے آنے شروع ہو گئے تھے۔"

"تو آپ اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں؟" خاموشی سے ان کی بات سن کر ڈاکٹر شکیلہ بے ساختہ بولیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ڈاکٹر! وہ گھر کی ذمہ داریاں کیسے اٹھائے گی اور کون سا مرد ہو گا جو اس کی یہ بے سوزیا باتیں برداشت کرے گا۔ اس کا دل تو اتنا چھوٹا ہے کہ اس کے والد بھی اگر اسے کچھ کہہ دیتے ہیں تو اس کی آنکھیں چمک پڑتی ہیں۔ اس کا شوہر اسے اور وہ شوہر کو کیسے برداشت کرے گی۔" عائشہ اختر کے ہاتھ پاؤں ایسے پھول گئے تھے جیسے بارات ان کے دروازے پر کھڑی ہو۔

"بات تو آپ کی بجائے مگر میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی اگر اب اس کے لیے کوئی مناسب رشتہ آتا ہے تو آپ

انکار مت کیجیے گا۔ اس کا ماحول بدل جائے گا، گھر بدل جائے گا، زندگی بدل جائے گی۔ میرے خیال سے یہ تبدیلی اس کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔

”میں کیا انکار کروں گی بلبل ہی تیار نہیں ہوتے۔ ان کا کتا ہے وہ وہ دن میں واپس گھر آجیٹھے گی۔ شوہر نکال باہر کرے گا اسے اور اب تو اور بھی مشکل ہو تا جا رہا ہے۔ وہ ٹھیک ہونے کی بجائے اور زیادہ پیچیدگیوں کا شکار ہو رہی ہے۔“ عائشہ اختر بے چینی سے انگلیاں موڑتے ہوئے بولیں۔

”آپ پھر بھی ایک بار ان سے بات ضرور کیجیے گا۔“
ڈاکٹر ٹھیکہ نے کہا تو عائشہ اختر خالی الذہنی کے عالم میں سر ہلا کر کہیں۔



ندبیہ خالی الذہنی کے عالم میں چلتی اپنی کلاس میں آجیٹھی۔ اس نے غور ہی نہیں کیا کہ اسے دیکھتے ہی ساری لڑکیاں چونکی ہو گئی تھیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کرنے لگی تھیں۔
لیکن آخر کب تک کچھ دیر گزرنے کے بعد اسے احساس ہو گیا کہ لڑکیاں — — — اسے ہی دیکھ رہی ہیں۔

اسے عجیب تو لگا مگر وہ چپ چاپ کتاب نکال کر اس کے مطالعے میں غرق نظر آنے کا مظاہرہ کرنے لگی لیکن پانچ منٹ بعد کلاس کی سب سے مغرور اور تک چڑھی نسا شا اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
”تمہیں معلوم ہے رخسار نے کانچ چھوڑ دیا ہے۔“
ندبیہ کتاب پر سے سر اٹھا کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا تمہیں نہیں بتا، حالانکہ اس نے تمہاری وجہ سے ہی تو چھوڑ دیا ہے۔“ نسا شا نے اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

ندبیہ کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے گویا انہیں سب ہٹا چل گیا تھا یقیناً وہ سب بھی اس کے ماں باپ کی طرح اسے ہی رخسار کی اس حالت کا ذمہ دار سمجھ رہے ہوں گے۔
”اس کے اتنی چٹخیاں کرنے پر میں نے اسے بہت ساری کالز کی تھیں مگر اس کی والدہ ہر بار اس سے بات کرانے کی بجائے کہہ دیتیں کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“

فائنلی کل اس نے میری کال اپنے موبائل پر اینڈ کر لی اور اس نے جو بتایا مجھے تو سن کر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

تم تو اتنی سیدھی سادی بلکہ اتنی ڈرپوک اور بے وقوف سی ہو تم بھلا کسی کو کیسے مار سکتی ہو۔“ نسا شا کی بات ندبیہ کو کسی تیر کی طرح چبھی تھی۔

وہ لاپٹے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کن آنکھوں سے ارد گرد جمع ہوتی لڑکیوں کو دیکھنے لگی۔ وہ سب ایک دائرے کی صورت میں اس کے پاس گھڑی تھیں اور نسا شا کے ہر جملے کی ادائیگی کے ساتھ یہ دائرہ تنگ ہو رہا تھا۔

”مگر رخسار جھوٹ بول رہی ہے تو اسے اس جھوٹ کی ضرورت کیا ہے کیوں کر رہی ہے وہ ایسا۔ اور اگر وہ سچ کہہ رہی ہے تو اس کا مطلب ہے تمہیں کوئی مدح نظر آتی ہے جو جب چاہتی ہے کسی پر بھی وحشیانہ حملہ بھی کر دیتی ہے۔“ نسا شا جتنے عجیب و غریب انداز میں بول رہی تھی اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ندبیہ کا سر جھٹکتے جھٹکتے ٹھوڑی سینے سے جا ملی تھی۔ رخسار نے سب کچھ نسا شا کو بتا دیا تھا بلکہ اپنی مرضی سے بھی

جانے کیا کچھ کہہ دیا ہوگا۔
وہ ندبیہ کے خلاف پہلے ہی بھری ہوئی تھی۔ نسا شا کے فون نے تو گویا اندر پکیتے لاوے کو باہر آنے کا موقع دے دیا ہوگا۔

ندبیہ کا دل چاہ رہا تھا وہ یہاں سے اتنی دیر بھاگ جائے جہاں یہ تمام لڑکیاں اور جسم کے آ رہا ہو تو یہ نظریں موجود نہ ہوں۔

اس کے کانوں میں عائشہ اختر کی کسی باتیں گونجنے لگیں واقعی انہوں نے ٹھیک کہا تھا کسی کو بھی اگر اس نے اپنے راز میں شامل کیا تو وہ اسے پاگل ہی سمجھے گا۔ اس وقت بھی وہ لڑکیاں اسے خاموش دیکھ کر آپس میں چمکوتیاں کرنے لگی تھیں۔

”ندبیہ کے قادر نے رخسار کے گھر والوں کو بہت بڑی رقم دی ہے ماکہ وہ پولیس میں نہ جائیں۔“

”کیا کہہ رہی ہو نسا شا۔“

”اسے واقعی رخسار نے خود مجھے بتایا ہے کہ ندبیہ کی مدد رانا دہری تھیں۔“
اس کے والد بھی کہہ رہے تھے کہ ندبیہ پیدائشی ایب نارمل ہے اس کا ذہن صحیح کام نہیں کرتا۔ اگر اس کے خلاف کیس بن گیا تو پولیس اسے اگل خانے میں بھرتی کر دے گی۔“

”کیا واقعی۔“ حالانکہ جس طرح وہ ندبیہ کے کلاس میں آنے پر اسے دیکھ رہے تھے اس سے صاف ظاہر تھا نسا شا انہیں پہلے ہی یہ سب کچھ بتا چکی ہے پھر بھی نسا شا ایسے پراسرار انداز میں انہیں سنا رہی تھی اور وہ بھی ایسے تجسس سے سن رہے تھے جیسے یہ انکشاف ابھی ہو رہا ہو۔

ندبیہ کو یقین تھا نسا شا کی بات میں کوئی جھوٹ نہیں ہے اس کے والدین نے رخسار کے گھر پر ہی سب کچھ کیا ہوگا۔
وہ گاؤں رخسار کے پیڑھن گواں پر کیس کر دیتا چاہیے ایسے پاگل بھی بھلا کوئی ہمدردی کے قابل ہوتے ہیں۔“

”اور کیا اس کے ساتھ تو کلاس میں پڑھنے میں بھی خطرہ ہے تو کسی کی بھی جان لے سکتی ہے۔ اسے تو مینٹل ہسپتال میں ہی ہونا چاہیے۔“

ان سب کے جارحانہ بھڑوں پر ندبیہ کا وجود ہولے ہولے کانپنے لگا اس نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں جکڑ لیے ماکہ اس کی انگلیوں کی لرزش کسی پر ظاہر نہ ہو اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ابھی اور اسی وقت یہاں سے اٹھ کر چلی جائے۔

مگر وہ بچپن سے جس اعتماد کی کاشکار تھی اس کے باعث اس کے مزاج میں اتنی بزدلی اور بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی تھی کہ وہ کوشش اور خواہش کے باوجود اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکی۔
”اسے رخسار کے والدین کو پیشے بٹھائے اتنی بڑی رقم مل گئی وہ بھلا کیس کیوں کریں گے۔ رخسار کی جو من تو ٹھیک بھی ہو گئی ہیں اس کا کانچ مجھے انہوں نے چھین کر دیا ہے وہ اس کے خلاف کیس کر کے اتنی بڑی رقم پر لات کیل ماریں گے۔“

ندبیہ کو لگ رہا تھا جیسے کمرے میں آسجین کی سخت کی ہو گئی ہو اس کی آنکھوں کے سامنے عجیب عجیب مے بننے لگے۔
اس نے میز کو مضبوطی سے تھام لیا مگر بہت جلد اس کی گرفت کمزور پڑ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر نیمبل پر جھکتی چلی گئی۔

الیان نے چونک کر ٹھیکر ہٹا کر اپنے سامنے کھڑی عورت کو دیکھا اور پھر میز پر پھینکی گئی اس فائل کو دیکھنے لگا جو اس نے الیان کے آفس میں بغیر اجازت داخل ہوتے ہی الیان کی جانب اچھال دی تھی اور جس سے میز پر سجا سامان بکھر گیا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ الیان کی پیشانی پر تل بڑھ گئے۔
”یہ وہ کانٹریکٹ ہے جو میں نے تمہاری کمپنی کے ساتھ سائن کیا تھا اور جس میں صاف صاف لکھا تھا کہ میرے ڈیزائن کیے کپڑوں کو میرے تجویز کردہ کپڑوں پر اچلائی کیا جائے گا۔“ سارا ماجرا پل بھر میں ہی الیان کی سمجھ میں آ گیا۔

اس نے سنا تو تھا کہ جس عورت کو انہوں نے کپڑوں کی ڈیزائننگ کے لیے ہائر کیا تھا، جتنی مشہور تھی اتنی ہی مغرور اور بد مزاج تھی۔

مگر اسے یہ امید نہیں تھی کہ اسے خواجہ لہجو کس مہمانہ کرنے پر وہ اس کے آفس میں آکر اتنی بد تمیزی کا مظاہرہ کرے گی۔

الیان کا دل چاہا وہ یہ فائل اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے مگر اس کی تربیت ایسے خطوط پر نہیں ہوئی تھی کہ وہ کسی کے ساتھ اس طرح پیش آتا اور سامنے کھڑی یہ عورت تو اس کی ماں کی عمر کی تھی۔

الیان کی عمر سے زیادہ اس کا تجربہ تھا، ان کے رد عمل کو کسی حد تک ان کا مزاج سمجھتے ہوئے الیان نے خون کی گھونٹ پیٹے ہوئے کہا۔

”مجھے آفس ہے کہ ہم دوسرے کے مطابق آپ کی مرضی کا مشورہ نہیں دے سکتے لیکن شہر میں خواجہ لہجو کس کے علاوہ بھی بہت سترن مشہور ہیں۔ آپ کسی بھی لہجو کا نام لے دیں ہم آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔“

”لیکن وہ کیوں نہیں جس کام میں نے انتخاب کیا ہے؟ میں کسی مشہور کا نام ایسے ہی نہیں لے سکتا۔ ایک بار لے لیتی ہوں تو سوائے اس کے اور کسی کپڑے پر کام نہیں کرتی۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولیں۔

الیان نے میز پر سے فائل اٹھاتے ہوئے چین ہولڈر میں سے گریے پنڈو کو ٹھیک کرتے ہوئے ان سے زیادہ بے لگ لہجے میں لاپرواہی سے بولا۔

”مگر ایسی بات ہے تو آپ ڈیل کینسل کر دیں لیکن خواجہ لہجو کس کے ساتھ ہماری فیکٹری ہرگز کام نہیں کرے گی۔“

”میر خوردا ب ڈیل کینسل ہوئی تو میں ایڈوانس واپس میں کر دیں گی۔“ انہوں نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔
”میں ایڈوانس واپس مانگ بھی نہیں رہا، وہ آپ اپنے پاس رکھیں اور جو ڈیزائن تیار کیے ہیں وہ بھی لے جائیں۔“ الیان کے اطمینان میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر ان کا قصہ حیرت میں تبدیل ہو گیا تھا۔
”میں جانتے ہوں اس طرح ہمیں کتنا لاس ہو گا؟“

”آپ میرے لاس کی فکر مت کریں، آپ کا لاس نہیں ہو گا۔ آپ کے لیے اتنا کافی ہے۔“ الیان اپنی میز کو واپس ترتیب دے چکا تھا چنانچہ وہ اس فائل پر جھک گیا جس پر وہ کام کر رہا تھا۔
سر جھکا ہونے کے باوجود اسے احساس تھا، وہ خاتون اسے دیکھ رہی ہیں، ان کی نظروں میں اتنی بے یقینی تھی کہ الیان سر اٹھا کر وضاحت دینے پر مجبور ہو گیا۔

”آپ پلیز یہ مت بوجھیے گا کہ میں خواجہ لہجو کس کے ساتھ کام کرنے سے کیوں انکاری ہوں، یہ میرا پرسنل معاملہ ہے، ان کے میٹرل یا کوالٹی سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔“ الیان کے کہنے پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں

پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولیں۔
”مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تم آج کل کے نوجوانوں کو میں اچھی طرح جانتی ہوں ذرا سی کوئی بات تم لوگوں کے مزاج کے خلاف ہو جائے اور تم اسے اپنا کام مسئلہ بنا لیتے ہو۔“ ان کے طنز کرنے پر الیان بے ساختہ مسکرا دیا۔

”یہ آپ نوجوانوں کی بات کر رہی ہیں یا اپنی میرے خیال سے تو آپ خود بھی کچھ ایسی ہی ہیں۔“ الیان کی صاف گوئی انہیں خاصی گراں گزری مگر ان کی توری پر ان محنت بل بڑھ گئے۔
”انہوں نے میز پر پھیلی فائل اٹھائی اور اپنی سے گنتی کرے سے نکل گئیں۔
”مجھے تمہارے ساتھ کام کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لیے میرا اس ذیل کو چھوڑنا کوئی گھانے کا سودا نہیں لیکن تمہارا خواجہ فیہو کس کو منع کرنا سراسر حماقت پر مبنی فعل ہے جس میں نقصان بھی دونوں طرف سے تمہارا ہی ہے۔“

وہ تو کہہ کر چلی گئیں البتہ الیان کتنی ہی دیر خالی الذہنی کے عالم میں فائل کو دیکھتا رہا۔
اسے ان کی بات سے اختلاف نہیں تھا بلکہ وہ پوری طرح آگاہ تھا کہ ان کی بات سو فیصد درست ہے۔
اس کے باوجود وہ خواجہ فیہو کس کے ساتھ کام نہیں کر سکتا تھا جب وجاہت یہاں موجود نہیں تھا تب بھی اس کی کوشش تھی کہ اس کی فیکٹری ان کے ساتھ کام نہ کرے۔ شاید یہ اتفاق ہی تھا کہ ایسی بھی نوبت ہی نہیں آئی۔

اور اب موقع آیا بھی تھا تو کب جب وجاہت خود بھی بزنس کی دنیا میں قدم رکھ چکا تھا۔
ہو سکتا تھا وجاہت کو اس بات کا خیال بھی آتا کہ الیان کی فیکٹری ان کا پیشہ عمل استعمال کر رہی ہے۔ کیا پتا وہ سب کچھ بھول ہی چکا ہو۔ ویسے بھی ایسی کون سی بڑی بات تھی جو یاد رکھی جاتی۔
مگر الیان کے لیے چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنا بھی آسان نہیں تھا جب کوئی بات اس کی ضد میں جاتی تو پھر وہ کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تھا۔

یہ تو پھر ایک ذیل تھی۔ بزنس کی دنیا کا ایک عام سا سودا۔
”وہ یونورسٹی کا کوئی عام سا بندہ نہیں ہے جس کا نام تم نے اتنی آسانی سے لے لیا۔“ نمل، رو میلہ اور سنیل کے ساتھ جیسے ہی پر سبیل کے آفس سے باہر نکلی ایک لڑکی کے پیچھے سے گئے جیلے نے اس کے قدم جکڑ لیے۔
نمل پلٹ کر اسے دیکھنے لگی جو وہ سرے طلبہ و طالبات کی طرح آفس میں موجود تھی۔
نمل نے جب خرم کا نام لیا تو تمام عملہ چونک اٹھا۔

”کیا تم خرم حسن کی بات کر رہی ہو؟“ میڈم زاہدہ نے تصدیق کرتے ہوئے پوچھا۔
”میڈم پورا نام تو مجھے معلوم نہیں لیکن آج صبح جب میں یونورسٹی آئی تھی تو۔“
یہ کہہ کر نمل نے تمام بات مختصراً ان کے گوش گزار کر دی البتہ اس نے پورا واقعہ ایسے سنایا تھا جس سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ خرم سے پہلے بھی کبھی مل چکی ہیں۔ اس نے بس اتنا کہا تھا کہ ان کے گاڑی ہٹانے پر اس نے انہیں کلاس نہ اینڈ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

”یہ ضرور خرم حسن کی ہی بات کر رہی ہیں۔“ میڈم زاہدہ ہیڈ آف پارٹمنٹ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
”مگر اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ڈبے میں چوبے نکل آئیں گے۔“ انہوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا پھر فوراً ہی کہنے لگے۔

”خیر جو بھی ہو میں خرم حسن سے بات کر لوں گا۔“ سب اب جائیں۔“ ان کے حاکمانہ انداز پر سب ہی سر

جھکا کہا ہر آگے سب ہی کلاس کی طرف جاتی حمل کو وہ لڑکیاں مخاطب کر بیٹھیں۔
”خرم نے یہ سب کیا ہے یا نہیں یونورسٹی والے تو اس کا کچھ خاص نہیں دیکھا۔“ انہوں نے گھبراہٹ سے کہا۔
”مگر کروے گا۔“ اس لڑکی کے کہنے پر سبیل اور رو میلہ ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے لگیں۔
وہ تو پہلے ہی اس طرح نمل کے بول پڑنے پر تپتی ہوئی تھیں ان لڑکیوں کی بات سن کر تو انہیں اچھی خاصی فکر ہو گئی تھی۔

ایک بل کے لیے تو نمل بھی ٹھک مٹی پھرائے انداز میں لاہروائی بھرتے ہوئے ہوئی۔
”میں نے جو صحیح سمجھا وہ کیا ہو گا؟“ نمل کے کہنے پر آگے بڑھنے لگی وہ ان لڑکیوں کی بات زیادہ سننا نہیں چاہ رہی تھی جانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا وہ محض اسے ہراساں کرنے کے لیے یہ سب کہنے آئی ہیں۔

کیا پتا یہ بھی خرم کی دوستیں ہوں اور زبردستی خرم کی دھاگ بٹھانے کے لیے اس طرح بول رہی ہوں پھر بھلا وہ کیوں ان کے سامنے اپنی کوئی کمزوری ظاہر کرے۔ ویسے بھی جو ہو چکا تھا وہ اب اسے بدل تو نہیں سکتی تھی۔
مگر وہ لڑکیاں بھی آسانی سے جان چھوڑنے والی نہیں تھیں تب ہی اس کے ٹپٹنے کے باوجود پھر بول اٹھیں۔
”تم نے جو صحیح سمجھا وہ بالکل غلط تھا۔ یہ خرم اور اس کے دوست یونورسٹی میں کچھ زیادہ اچھی شہرت نہیں رکھتے بڑے خطرناک قسم کے لڑکے ہیں۔ اگر سر خرم کی پہچان کرنے کے لیے ملو انہیں تو دیکھ کر مگر جانا کہ یہ تو وہ لڑکا ہے ہی نہیں۔“ اس کے کہنے پر نمل محض بات ختم کرنے کے لیے سر ہلا گئی۔
مگر رو میلہ اور سبیل کو پتا تھا نمل کو اگر شناخت کے لیے بلایا گیا تو ایسا جھوٹ بولنا اس کے لیے یقیناً ناگوار ہو گا جو صرف اس سے ڈر کر بولا جائے۔

حالانکہ وہ دونوں تو نمل کے پرانی آگ میں کودنے پر ہی معترض تھیں۔ اب خرم اور اس کے دوستوں کی شہرت کا سن کر تو مضطرب بھی ہو گئی تھیں مگر اس لیے رو میلہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
”ہو سکتا ہے واقعی وہ کوئی اور ہی لڑکا ہو۔“ ایک طرح سے اگر اس نے خود کو تسلی دی تھی تو وہ سری طرف نمل کے لیے ایک راستہ بھی کھلا رکھا تھا کہ اگر نمل بعد میں بیان بدلنا چاہے تو اس کی ضدی فطرت اسے ایسا کرنے پر گز نہیں دے گی اسے فوراً اپنی شکست کا احساس ستانے لگے گا۔ تب وہ اسے یہ کہہ کر ٹھنڈا کر دیں گی کہ ”تم خرم پر بھی یہی ظاہر کرو کہ تم نے اسے پہچانی نہیں۔“

رو میلہ کے بڑے سوچ انداز میں وہ لڑکی نمل میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔
”اس نے جس پارکنگ کا ذکر کیا ہے وہ خرم حسن کی ہی پارکنگ ہے اور ایسی حرکتیں وہی کرتا ہے تب ہی تو میڈم زاہدہ سنتے ہی سمجھ گئیں۔ خیر تم نے اس کا نام لے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر تمہیں یقین ہی تھا یہ سب اس نے کیا ہے تب بھی خاموش رہنا چاہیے تھا اور جبکہ تمہیں تو یقین بھی نہیں ہے۔
ہو سکتا ہے اسے اس پورے پلان کا علم ہو یہ بھی پتا ہو کہ یہ سب کون کر رہا ہے ایسے لوگ یونورسٹی کی تمام خبریں رکھتے ہیں۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ان سب کے پیچھے خود اس کا ہاتھ بھی ہو۔“ وہ لڑکی کہتی چلی گئی اس بار ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں بولا۔ ان کے خاموش رہنے پر وہ دونوں بھی آگے بڑھ گئیں۔ البتہ رو میلہ اور سبیل نے فوراً ”لن ترانیاں شروع کر دیں۔“ نمل خود بھی کچھ پریشان ہو گئی تھی اس لیے کچھ نہیں بولی اور چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔ وہاں آفس میں بھی وہ بے ساختہ بول اٹھی تھی پوری کلاس وہاں موجود تھی اور سب ہی غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کا غصہ دیکھ کر اور خود اپنی درگت بننے پر وہ بے اختیار ہی بول پڑی تھی اس لیے خاموشی سے ان دونوں کا بگڑنا سنتی رہی۔

وہ خاموشی سے ان کا ہنسنے لیتا، یہاں تک کہ اس کی گلی تو پھلے تو خرم کو یقین ہی نہیں آیا کہ کسی نے ہیڈ آف
ڈپارٹمنٹ اور پرنسپل کے سامنے اس کا نام لینے کی جسارت پس مناعت کیسے کر لیا۔
وہ صرف شکایت کرنے والے کا نام اٹھوانے کے لیے گولی مہل انداز میں بات کرتا تھا مگر جب اسے اندازہ ہوا
کہ وہ نام ہٹانے کے لیے تو تیار نہیں ہیں مگر ان کی باتوں سے لگ رہا ہے یہ حرکت اس کے حریفوں نے نہیں بلکہ
کسی نئے ایڈیشن نے کی ہے تب فوری طور پر اس کا دھیان عمل کی طرف ہی گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی نئے ایڈیشن
اسے جانتا ہی نہیں تھا تو اتنا بڑا الزام کیا لگا۔

یہ مذاق واقعی اس نے یا اس کے دوستوں نے نہیں کیا تھا مگر اس کے ہاتھوں اسے پتا تھا کہ یونیورسٹی کے
دوسرے اسٹوڈنٹس اس طرح کا مذاق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
یونیورسٹی میں اس کی بہت سی لڑائیاں ہوئی تھیں، زیادہ تر لڑکے اس سے ہارنے کے بعد چپ ہو کر بیٹھ جاتے
تھے، ماسوائے میر اور اس کے دوستوں کے۔

ان کی لڑائیاں بنی معمولی باتوں پر ہوتی تھیں مگر ایک دوسرے سے بدلہ لینے کی خواہش اور عادت نے انہیں
ایک دوسرے کا اچھا خاصا دشمن بنا دیا تھا۔

خرم کو پتا چلا تھا، میر کے دوست آن کل مختلف ہاسٹل سے گندے گندے کپڑے پہنا کر ہاسٹل میں رہنے
والوں کی ڈھیروں دعائیں نکالتے ہیں۔ لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہ ہاسٹل صاف کرنے کی مہم پر لگے ہیں مگر
خرم سخت ہی سمجھ گیا تھا کہ ضرور اس کے پیچھے ان کی کوئی چال ہے۔
تھوڑی سی کوشش سے وہ جلد ہی اس راز کو پا گیا کہ یہ سب گندے گندے لے والے طلبہ و طالبات کے استقبال کے
لیے کر رہے ہیں۔

خرم کو بھلا یہ سب جان کر کیا فرق پڑتا تھا، میر وہ فیو جونیئر تھا کہ میں خرم کی علامت صاف عمل کو دیکھ کر
اس نے بالکل غیر ارادی طور پر اسے ان کے پان کے حلق بتا دیا اور یہ تو اسے اب پتا چلا تھا کہ اسے ملنے والی
معلومات میں تھوڑا بہت تبدیلی ہو گیا ہے کہ چھپکیوں بھری بالٹی کو پیچھے سے لٹکانا ایک مشکل امر تھا۔ ہائی لٹنے
سے پہلے ہی چھپکیوں اس میں سے ٹپ ٹپ گرنی شروع ہو جاتیں۔

اور سب سے بڑھ کر اتنی بڑی بالٹی کو پیچھے سے لٹکانا دیکھ کر تمام اسٹوڈنٹس اور پروفیسرز جھنجھکے ہو جاتے۔
میر واقعی اپنی کارستانی خاموشی سے کر کے نکل گیا اور الزام اس پر آگیا۔ حالانکہ اس نے فوراً میر اور اس
کے دوستوں کا نام لے کر مگر بھلا اس کی بات پر کون یقین کرتا۔

ایک تو اس کا پرانا تاثر کچھ خاص اچھا نہیں تھا۔ دوسرے جس کا نام لے رہا تھا اس شخص اور اس کے
دوستوں سے خرم اور اس کے دوستوں کی دشمنی کے حلق سبھی جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خرم کی ایک نئی
سٹی اور سے بری طرح متاثر کر رکھا تھا۔

ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ اور پرنسپل صاحب نے اس لڑکی کو بلا کر خرم کی شناخت کرانا ضروری نہیں سمجھا، نہیں
خرم کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیتا تھا جس سے ڈانٹ کروان کر دیتا تھا۔ اگر اس نے یہ سب نہیں بھی کیا تھا
تب بھی اس کی گزشتہ حرکتیں کو دیکھتے ہوئے اسے ایک ناقص ڈانٹ ہی جاتی۔ تب بھی کوئی حرج نہیں تھا۔
جبکہ اس لڑکی کو بلا کر پوچھنے میں خرم اس لڑکی کے لیے مسائل ضرور کھڑے کر سکتا تھا۔

اور واقعی خرم آئس سے بڑے فیسے سے نکلا تھا اور بڑے جارحانہ انداز میں عمل کو پورے ڈپارٹمنٹ میں
ڈھونڈنے لگا۔

(باقی شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

❖ ❖



فوزیہ یاسمین

دستِ گزہ گر

نوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی مدد نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روجوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی مدد کو بلائے۔ وہ مدد کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنیل اور نمل کو پونہ رشی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس چھ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے میزبانیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیں)
<http://edigestpk.blogspot.com>

پانچویں قسط



مسز بلال اختر نہایت فکر مندی سے ندیہ کے پر مڑوہ چہرے کو دیکھ رہی تھیں گو کہ وہ اس وقت انجکشن کے زیر اثر کمری خیند میں تھی مگر اس کے چہرے پر کسی کرب یا ذہنی انتشار کے آثار نمایاں تھے۔

جب عائشہ اختر کو ندیہ کے کالج سے فون آیا کہ ندیہ بے ہوش ہو گئی ہے تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے انہوں نے فوراً بلال اختر کو فون کر دیا جو تھوڑی دیر پہلے ہی آفس کے لیے نکلے تھے اور ابھی راستے میں ہی تھے چنانچہ انہوں نے فوراً گاڑی ندیہ کے کالج کی جانب موڑ لی۔

جب وہ ندیہ کے کالج پہنچے تب تک اسے ہوش تو آگیا تھا مگر اس کا دل بالکل مایوس لگ رہا تھا۔

وہ ہسپتال کے آفس میں مٹونے پر بالکل غافل انداز میں بیٹھی تھی۔

پر ہسپتال صاحبہ کا کہنا تھا کہ کلاس میں اچانک بے ہوش ہو گئی تھی پر ہسپتال صاحبہ اور نچرز کے جمع ہونے پر جب انہوں نے پانی کے چھینٹو وغیرہ مارے تو ندیہ کو ہوش تو آگیا مگر اس کی طبیعت نہیں سنبھلی۔

وہ کسی کی بھی بات کا جواب نہیں دے رہی پر ہسپتال صاحبہ کے بے حد اصرار پر بھی اس نے جوس تک نہیں لیا ان کے خیال میں بلال اختر کو اسے اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہیے تھا۔

بلال اختر یہ ساری تفصیل سن کر کسی حد تک ہر سکون ہو گئے عائشہ اختر کا فون آنے سے لے کر یہاں پہنچے تک جتنا بھی وقت لگا تھا اس میں وہ جانے کیا کچھ سوچ چکے تھے۔

وہ تو اس ڈر کے ساتھ آئے تھے کہ ہسپتال صاحبہ ندیہ کی شکایت کریں گی کہ اس نے کسی پر حملہ کر دیا یا کسی کو زخمی کر دیا۔

اس لیے وہ ندیہ کے بے ہوش ہونے کے پیچھے موجود عوامل جاننے کی کوشش کیے بغیر فوراً ہی اسے لے کر کالج سے نکل گئے۔

راستے میں ہی انہوں نے عائشہ اختر کو ندیہ کے خیمت سے ہونے کی اطلاع بھی دے دی۔

”چلیں اللہ کا شکر ہے میں نے ڈاکٹر فکیلہ کو بھی فون کر دیا ہے جب تک آپ سب کو لے کر آئیں گے۔“

تک وہ بھی آجائیں گی۔ عائشہ اختر نے سکون احساس سے بولے۔

اور واقعی ندیہ اور ڈاکٹر فکیلہ دونوں آگے پیچھے گھر پہنچی تھیں ندیہ کی حالت دیکھتے ہوئے ڈاکٹر فکیلہ نے اسے فوراً اس کے کمرے میں پہنچا دینے کی ہدایت جاری کر دی اور اسے ایک انجکشن لگا کر زبردستی سلا دیا کہ اس وقت اس کے اعصاب کو ہر سکون کرنے کے لیے ایک کمری خیند سخت ضروری تھی۔

انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ندیہ بے ہوش کیوں ہوئی نہ ہی وہ یہ سوال اس وقت اٹھا کر ندیہ کو کوئی اسٹریس دینا چاہتی تھیں مگر ڈرائیونگ دوم میں بلال اختر کے پاس سوالات کی ایک فہرست لیے چلی آئیں۔

”مسز بلال آپ ندیہ کے پاس اس کے کمرے میں ہی رہیں۔“ ڈاکٹر فکیلہ کا عائشہ اختر کو منظر سے ہٹانا بلال اختر اور عائشہ اختر دونوں نے ہی محسوس کر لیا تھا پھر عائشہ اختر خاموشی سے اٹھ گئیں۔

”مسز بلال میں ہمیشہ آپ کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آتی ہوں لیکن اب مجھے لگ رہا ہے آپ اتنی نرمی ویزو نہیں کرتے۔“ بلال اختر قدرے ناگواری سے انہیں دیکھنے لگے وہ ڈاکٹر فکیلہ کی بات شروع ہونے سے پہلے ہی ان کی گفتگو کا پس منظر سمجھ گئے تھے جمی رہی تھی۔

”آپ میرے ساتھ چاہے جس رویتے سے بھی پیش آئیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ ندیہ کی باغی حالت صحت بدن بگڑ رہی ہے اور میں اس سے زیادہ ضبط کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔“

”آپ نے پہلے کون سے ضبط کا مظاہرہ کیا ہے مسز بلال کا کہنا ہے آپ ندیہ کے سامنے اسے ڈی گریڈ کرتے ہیں اس کے منہ پر آپ سے پاگل کہتے ہیں۔“

میں بالکل مارا ہوں کہ بالکل ہوں اس کے ساتھ محبت سے پیش آئیں آپ کا یہ رویہ اسے احساس کتری میں ڈال دے گا۔“ ڈاکٹر فکیلہ ہلکی سی بولیں۔

”مجھے لگتا ہے اسے احساس کتری میں جلا کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن وہ اب بچی نہیں ہے بڑی ہو گئی ہے اسے نظر آتا ہے اس میں اور اس کے ارد گرد موجود اس کی ہم عمر لڑکیوں میں کتنا فرق ہے۔“

”اگر آپ اسے احساس کتری میں جلا کر رہا ہے۔“ بلال اختر بری طرح چڑ گئے۔

”وہاں میں اپنے ارد گرد وہ کیا دیکھ رہی ہے اور اس سے کیا نتائج اخذ کر رہی ہے اسے روکنا ہمارے بس میں نہیں آتا۔“

”اگر آپ کو اپنی زبان پر قابو رکھ سکتے ہیں آپ کو اس کی بات پر یقین نہیں ہوتا تب بھی اس کی بات ایسے سنا لیں کہ آپ کو یقین ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔“

اس کے سامنے ایسے ظاہر کیا کریں جسے۔“

”آپ اس کے ساتھ ساتھ میں بھی جاؤں گا۔“ بلال اختر نے بھنا کر ڈاکٹر فکیلہ کا جملہ کٹ دیا۔

”ڈاکٹر فکیلہ کو ان کے انداز پر فخر تو بہت آیا مگر وہ بھی ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھیں۔“

”اگر آپ کو اپنی بیٹی سے محبت ہے اور آپ اسے ٹھیک دیکھنا چاہتے ہیں تو ایسا ظاہر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔“

”اگر مسز بلال ہی اس کا اہل پن جھیل رہی ہیں اس کی بات کو بخیرگی سے سنتی ہیں اسے سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

”اگر آپ اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو اسے سمجھنا چاہیے۔“

بھی بہت کوشش کی۔
لیکن آخر کب تک؟

اس کا اگلے دن کم ہونے کی بجائے بڑھتا جا رہا ہے اب تو باہر کے لوگوں کو بھی پتا چلنے لگا ہے۔
کتنی شرمندگی ہوئی تھی مجھے اپنے ڈی ایس پی اور ڈی آئی جی دوستوں کے سامنے ندیہ کی ذہنی حالت کا ذکر کرتے ہوئے اور یہ بتاتے ہوئے کہ اس نے اپنی ہی دوست کا اپنے ہی گھر بلا کر یہ حشر کیا کہ اس کا سر پھاڑ دیا۔ "بلال اختر کا شکست خورہ لہجہ ڈاکٹر خلیلہ کے لہجے کی تیزی کو قدرے کم کر گیا۔" بھی وہ ساریت سے کہنے لگیں۔
"اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے آخر لوگوں کو جسمانی بیماریاں بھی تو ہوتی ہیں اسی طرح ذہنی بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔"

نفسیاتی بیماریوں اور مافی مریضوں کو ہم معاشرے کے لیے ایک عیب اور اپنے لیے باعث شرمندگی کیوں سمجھتے ہیں؟
میں مانتی ہوں ندیہ کی ایسی غیر حقیقی باتوں کو برداشت کرنا بہت مشکل ہے جن کا کوئی سر ہونہ پیر ہمارا اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ضبط کا دامن بالکل ہی چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ جس طرح بھی پیش آئیں اسے اپنے لیے جائز قرار دے دیں۔
آپ کو اپنے رویے میں تبدیلی بہر حال لانی ہوگی بلکہ یہی نہیں آپ کو ندیہ کا ماحول بھی بدلنا ہے اسے پہنچ کر ضرورت ہے۔

مسز بلال نے کہا تھا آپ بہت بڑی رہتے ہیں لیکن آپ کو اپنے بڑی شیدل میں سے وقت نکال کر کچھ دن کے لیے ندیہ کو کہیں لے جانا چاہیے۔ "ڈاکٹر خلیلہ کی بات پر بلال اختر صرف انہیں دیکھ کر رہ گئے۔
ان کے لیے اپنی الحال ٹائم نکال کر ندیہ کو کہیں لے جانا ممکن نہیں تھا مگر یہ بات ڈاکٹر خلیلہ سے کہہ کر وہ ٹھنڈی پڑتی بحث اور نصیحت کے انبار کو ہوا نہیں دیتا جاتے تھے چنانچہ صرف سر ہلا کر رہ گئے۔
لیکن ڈاکٹر خلیلہ بھی بہت تجربہ کار اور متجربہ تھیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہا وہ سب بے کار گیا ہے مگر اب مزید کچھ سر ہلاتا انہیں یاد رکھا گیا تھا کہ اتنی دیر سے انہوں نے جو کچھ بھی کہا وہ سب بے کار گیا ہے مگر اب مزید کچھ نہیں کہنا چاہتی تھیں۔

ان کے بروڈیشنل کیریئر میں یہ سب کچھ بیا نہیں تھا مریض کا علاج کرتے ہوئے انہیں اکثر مریض کے گھروالوں کو بھی غیر محسوس طور پر سٹنگ دینی پڑتی تھیں مریض کی بیماری سے زیادہ انہیں گھروالوں کی بے بسی اور آکٹاہٹ علاج کے غیر موثر ہونے کی بنیاد نظر آتی تھی بعض اوقات انہیں لگتا کہ اگر مریض کے گھروالے محض اپنا رویہ مریض کے ساتھ بدل لیں تو مریض کی حالت میں خاطر خواہ تبدیلی آسکتی ہے۔ لیکن یہ بات اکثریت کی سمجھ میں نہیں آتی تھی عموماً لوگ بلال اختر کی طرح مریض پر ترس کھانے کی بجائے خود ترسی کا شکار ہونے لگتے اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے اپنے غصے اور بے زاری کو ایک فطری عمل ظاہر کرنے پر تلے رہتے۔
حالانکہ اگر تھوڑی دیر کے لیے وہ خود کو اس مریض کی جگہ رکھ کر صرف اتنا سوچ لیں کہ جو وہ مریض محسوس کر رہا ہے یا دیکھ رہا ہے اگر وہ انہیں نظر آنے لگے تو ان کی کیا حالت ہوگی تو ان کا رویہ اس مریض کے ساتھ بیکسر بدل جائے۔

مگر اس طرح شاندار دیر کی کوئی سوچتا ہو گا ڈاکٹر خلیلہ تاسف بھرے انداز میں سر جھٹک کر کہاں سے اٹھ گئیں۔

"چچی چچی۔" سمیر کے تاسف بھرے لہجے پر خرم کے تیزی سے آگے بڑھتے قدم اپنی جگہ جم گئے۔

انہوں نے کہا تھا کہ اس کا دل بڑا ہی بڑا ہے۔ "سمیر نے بدستور خرم کو دیکھتے ہوئے بظاہر اپنے دوستوں سے پوچھا۔
"اسی طور پر ناگہاناً ان کا کر لگے ہیں وہ بھی کسی اور کے حصے کی۔" سمیر کے برابر میں بیٹھے اس کے خوشامدی دوست لڑتے لڑتے انداز میں کہا کہ خرم کا پہلے سے کھولا خون کچھ اور جوش میں آگیا۔

اس کا بھی طرح طرح کا سامنے آنے والے اسٹوڈنٹس کے ساتھ یہ مذاق سمیر اور اس کے دوستوں نے کیا ہے خرم نے ان کا نام بھی ہیڈ آف پارٹنمنٹ کے سامنے لے لیا تھا مگر آفس میں کسی نے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیا اور شرافت پر ایک پلچر دے کر اسے آفس سے چلے جانے کے لیے کہہ دیا۔
اس وقت گھسے میں اس لڑکی کو مڑا چکھا دینے کے ارادے سے ہی نکلا تھا مگر پتا نہیں یہ ان لڑکیوں کی فطرت تھی اس لڑکی کی خوش قسمتی کہ انہوں نے سامنے سے گزرتے طوفان کو سیدھا نکل جانے کی بجائے اپنی جانب ہٹا لیا۔

ان کا انداز کھنگو صاف ظاہر کر رہا تھا کہ انہیں سب پتا چل گیا ہے اور کیسے شہ چلتا جس بات کا علم ساری کلاس کو تھا۔ ان کے ہاتھ بھلا چند لوگوں سے کیسے ڈھکی چھپی رہتی۔
اس نے اتنے سارے اسٹوڈنٹس کے سامنے خرم کا نام لیا تھا وہ حشر اور توپنا ہی تھا اور سمیر وغیرہ کا تو پینور شی اسٹ کا قصہ ہی ہوتا تھا کہ ہر چیز پر نظر رکھ سکیں اور ہر کام میں ٹانگ اڑا سکیں۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

اس وقت بھی اپنی شرارت پر وہ دل کھول کر مقلوظ ہو رہے تھے فرسٹ ایئر کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ نام صرف اپنی طرح کا مہیا ہوا تھا بلکہ اس کے طفیل میں ان کے سب سے بڑے حریف کو دھریا گیا تھا۔
لاہور کی تعلیمی ہوئی شکلیں اور لڑکیوں کو دوتے بلکتے چہرے دیکھ دیکھ کر ابھی ان کے دانت اندر بھی نہیں گئے تھے کہ اس میں ایک لڑکی کا خرم کا نام لے لیا۔ ان کی ہر حرکت کو سہارا کر گیا تھا۔

کچھ لمحوں کے لیے تو خرم بھی تنگ رہ گیا نمل سے جتنی بار بھی سامنا ہوا تھا اسے ہر بار بہت خندہی اور صاف گوئی تھی۔ مگر یونور شی میں اپنے سینٹر کے سامنے اتنی صاف گوئی کا مظاہرہ کر دے گی یہ امید خرم کو بالکل نہیں مچھی بھی اپنے پہلے دن میں۔

"ریلیکس یا ریم تو آئے سے ہی باہر ہو گئیں۔" خرم نے بلکے پھلکے انداز میں ایسے کہا جیسے برسوں کی شناسائی ہو پھر لٹ کر سب سے نزدیک میز پر موجود ایک لڑکے سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"ذرا اپنی کرسی تو رہا۔" وہ ایسے اچھل کر کھڑا ہوا جیسے حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو سر قلم ہو جائے گا۔ اس کے اٹھتے ہی حمید نے وہ کرسی اٹھا کر نمل و فیو کی میز کے ساتھ رکھ دی جس پر خرم بڑی شان سے براجمان ہونے کے ساتھ پلیٹ میں سے سموسہ اٹھا کر اسے بڑی بے تکلفی سے کھانے لگا۔

"تم میرے سر پر ایک کیا دس الزام لگاؤ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا پر لپل یا ہیڈ آف پارٹمنٹ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اب تو انہوں نے مجھے بلا کروارن کرنا بھی چھوڑ دیا ہے ان سے میری شکایت کر کے تم نے مجھے نہیں انہیں مشکل میں ڈال دیا تھا۔" اس کا ایک دم رویہ بدل لینا نمل سمیت ان دونوں کو بھی حیران کر گیا تھا وہ جتنی شجیدگی اور سرد مہری سے بات کر رہا تھا اب اس کے لہجے میں اتنی ہی ملا پرواہی اور بے تکلفی درنگی تھی۔

نمل حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی دو میلہ کا دل چاہ رہا تھا وہ فوراً "یہاں سے اٹھ کر چلی جائے مگر نمل اور نمل کو اپنی جگہ جمادیکھ کر اس نے ایسی کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ جانتی تھی اس وقت ان دونوں سے کچھ بھی کہنا بے کار ہے خود نمل کا بھی یہی دل چاہ رہا تھا اس کی بجائے سیدھا اپنے گھر چلی جائے مگر جو کچھ بھی اس نے ابھی کہا تھا اس سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اس سارے تماشے کے پیچھے واقعی اس کا ہاتھ ہے۔

وہ جو یہ سوچ کر تھوڑی بہت شرمندہ تھی (پہلے ہی ظاہر نہیں کر رہی تھی) کہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ کسی کی شکایت ہو گئی اب اس شرمندگی کی جگہ غصے نے لے لیا تھی اس لیے وہ اپنی باتیں کر کے اسے آفس میں لے کر گیا تھا نمل نے یہ سوچا ہی نہیں کہ اگر اسے ڈانٹ کی پڑی ہو تو اس کا سرگرمی یہی ہے کہ اسے آفس میں لے کر گیا تھا اصل میں نمل کو خود بھی اندازہ تھا ایسے لوگوں سے کانچ اور یونور شی کا عملہ بھی زیادہ الجھتا نہیں ہے اور پھر ہیڈ آف پارٹمنٹ تو پہلے ہی اس موضوع پر بات کرنے کو وقت کا زیاں قرار دے رہے تھے اسی لیے وہ سرخ چہرے کے ساتھ چپ چاپ اسے سختی رہی جو مزید کہہ رہا تھا۔

"سچ پوچھو تو مجھے تمہارا شکایت کرنا بالکل برا لگتا ہی نہیں بلکہ بڑا مزا آیا ایک عرصے کے بعد کسی نے اتنی ہمت کی ہے کہ میری کھالیں کر سکے۔" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے بول رہا تھا۔

پر نمل کے آفس سے وہ واقعی وہ کسی اور ارادے سے نکلا تھا مگر راستے میں سمیر کی بد اخلاقت نے اس کا غصہ ایک دم ٹھنڈا کر دیا اور اب نمل سے مل کر اس کا تپا ہوا انداز دیکھ کر اسے حقیقتاً مسکون سا مل رہا تھا۔

اس کی دوستوں کی گھبراہٹ ہوئی شکلیں اور تپہ بہ کرتی نظریں کچھ بھی اس لڑکی کو بچنے سے روک نہیں سکی تھیں ایسے خود سر لوگوں کو غصہ دلانے میں اور جلا جلا کر خاک کر دینے میں اسے بڑا لطف آتا۔

بچپن سے ہی وہ سب سے زیادہ ڈانٹنے والی اور غصہ کرنے والی چمپر کو سب سے زیادہ تنگ کرنا اور مارا سارا دن ہنسنے میں کھڑے رہنے کے باوجود تنگ کرنے سے باز نہ آتا۔

اسی لیے اس کے چہرے پر پھیلی برہمی کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے خرم نے بڑے احسان خانا لے انداز میں کہا۔

"میں نے آج تک کبھی کسی کو دوستی کی آفر نہیں کی لیکن صرف تمہاری جرات کو دیکھتے ہوئے تمہیں یہ اعزاز

نمل "اے۔۔۔ سنبل اور رو میہ سب کچھ بھول بھال کر آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں جس نے سموسہ ختم کر کے بعد ہاتھ بھالا اور مصافحہ کے لیے نمل کی جانب پڑھا دیا۔

نمل لب بچنے اور مٹھیاں بچنے تک اسے دیکھے مٹی جس کے صرف لب ہی نہیں آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"اٹا کیا سوچ رہی ہو نمل۔ میں نے صرف ہاتھ ملانے کے لیے کہا ہے کوئی ہاتھ مانگتا تو نہیں لیا۔" نمل کا دل ہلکا سا سو سے کی پلیٹ اٹھا کر اس کے منہ پر مار دے۔

دونیلہ اور نمل ایک ساتھ کرسی ٹھیک کر کھڑی ہو گئیں سنبل نے اپنے ساتھ ساتھ نمل کی بھی کتابیں میز سے اٹھالیں دو میلہ اس کے پہلو میں آکھڑی ہوئی اور اس کا بازو پکڑ کے اسے آگے بڑھنے کے لیے ٹھوکارا مگر وہ اپنا ہنک سے لٹ سے مٹ نہیں ہوئی۔

"ایسا ہوا آپ دونوں ناراض ہو گئیں آپ تو ہمیشہ میری سائیڈ پر ہوتی ہیں۔" خرم نے حیرانی سے باری باری ان دونوں کو دیکھا اس کا ہاتھ ابھی تک ہوا میں اٹھا ہوا تھا۔

"آپ ہمیں کیوں پریشان کر رہے ہیں۔" سنبل عاجزی سے بولی تو حمید ہارون 'نادور اور وہی سب ایک دم خرم کے قریب چلے آئے۔

"اگلی ہم نے آپ کو پریشان کیا ہی کہاں ہے۔" حمید نے بڑی مصعومیت سے کہا۔

"ہاں پریشانی تو تب شروع ہوئی جب آپ ہم سے دوستی نہیں کریں گی۔" وہی کے لہجے کا عامیانہ پن ان تینوں کو حیران کر دیا۔

"اور ایک بار ہم سے دوستی کر لی تو کوئی دوسرا بھی آپ کو پریشان کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا world as in the other بڑے فائدے میں رہیں گی۔" حمید پھر بولا۔ خرم نے ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ کرادیا۔

"میں فضول باتیں نہیں سوچتی۔" نمل دو ٹوک لہجہ میں کہتی جانے کے لیے مڑ گئی۔

خرم کو اس سے اس جواب کی توقع تھی اسے معلوم تھا وہ دوستی کے لیے کبھی تیار نہیں ہوگی خرم کو خود بھی اس سے فریب دلنے کی کوئی آرزو نہیں تھی وہ تو صرف اسے تپانا چاہتا تھا جس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا تھا مگر اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی کبھی وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

"تینوں ہی رکتے ہوئے پیچھے ہو گئی تھیں۔" نمل کی تو ہلکی سی چیخ بھی نمل گئی تھی دو میلہ کے چہرے سے بھی پریشانی صاف جھلک رہی تھی بس ایک وہ بھی جو ابھی تک اعتماد سے کھڑی تھی اور جس کے چہرے پر پھیلے ہی ہی کے تاثرات ایک بار بھی خوف یا گھبراہٹ میں تبدیل نہیں ہوئے تھے اور یہی بات اب خرم کو چہینے لگی تھی کبھی

"اپنے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی اور روف جیسی ٹھنڈک سموتے ہوئے بولا۔

"خرم حسن سے آج تک کسی نے اس لہجے میں بات نہیں کی۔" اس کے لب و لہجہ پر دو میلہ کا رنگ فق ہو گیا تھا نمل کی تو پہلے ہی بہت ہی حالت تھی اب تو وہ باقاعدہ دھماکی ہو گئی تھی لیکن اب بھی نمل کے چہرے کے تاثرات حوں کے توں تھے ایک پل کے لیے وہ بھی ہراساں نہیں ہوئی تھی بلکہ ٹھیک اسی کی طرح وہ بھی اپنے لہجے کو ہوا اور پھر طپاتا ہوتے ہوئے بولی۔

"کیونکہ آج تک خرم حسن کا سامنا نمل خلیل سے نہیں ہوا تھا۔" اپنی بات کہہ کر نمل کی نہیں اور خرم

کے برابر میں سے ترچھی ہو کر آگے نکل گئی۔
آگے بڑھنے سے پہلے اس نے سنبل کی کھائی پکڑ لی تھی کہ اسے باخوبی اندازہ تھا اس وقت سنبل کی کیا حالت ہو
رہی ہوگی۔ وہ سید کی طرف سے اتنا مطمئن نہ ہو سکا تھا کہ وہ سنبل کی طرح ہاتھ پاؤں نہیں چھوڑے گی اور واقعی وہ
ان دونوں کے پیچھے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

کینٹین میں پھیلا جو ایک سو ٹوٹ گیا تھا نہیں لوگوں کو دھڑکے کی باتیں کر رہے تھے خرم کو ایسا لگ رہا تھا
جیسے وہ سب اس پر ہنس رہے ہوں اور اس کے دوست تو واقعی اس کے قریب چلے آئے تھے۔
”آج تو مزہ ہی آگیا ہے لے سو سے کھا۔“ حمید نے ان تینوں کے آڈر کی پلیٹ آگے کر دی جس میں سمو
تھے جو انہوں نے شدید بھوک کے باعث زیادہ منگوا لیے تھے۔

”ایک طرف وہ میرا ہوا ہے تو ایک طرف یہ بے چاریاں جو اس باختہ ہو رہی ہیں۔“ وہی نے ان کی آدمی پی
ہوئی کو لڈو رنگ کا پلاسٹ لیتے ہوئے خرم کے کندھے پر ہاتھ رکھا جسے خرم نے ایک جھٹکے سے ہٹا دیا۔
وہ ان سب کے سامنے کچھ کہتا نہیں چاہتا تھا جب انہوں نے محسوس ہی نہیں کیا تھا تو وہ کیوں انہیں احساس
دلا کہ وہ ایک لڑکی کا نذر انداز ان دونوں لڑکیوں کی بوکھا ہٹ اور میرا اور اس کے دوستوں کے تھلنے پر لٹنے
والی ساری خوشی کو عمارت کر گیا ہے۔

بظاہر وہ ان سب کے ساتھ بیٹھ کر اپنا آڈر ریتانے لگا مگر اس کا ذہن وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی حاضر نہیں تھا
بار بار اس کے کانوں میں نمل کا جملہ گونج رہا تھا۔
”کیونکہ آج تک خرم حسن کا سامنا مکمل غلط سے نہیں ہوا تھا۔“

ہر بار یہ جملہ اس کے اندر ایک آگ بھڑکاؤ اس کا دل چاہ رہا تھا جس طرح وہ اسے سلگانے میں کامیاب ہو گیا
تھا ویسے ہی اسے ہر اس سال کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے۔
آخر کب تک وہ اس کی باتوں کا دودھ جواب دے سکتی تھی کبھی تو کہیں تو جا کر اسے جھٹکنا ہی تھا اور خرم کا بس
نہیں چل رہا تھا کہ وہ دن کل ہی آجائے۔

نذیر کا پورا دن دواؤں کے زیر اثر سوتے ہوئے گزرا تھا اس لیے رات کے دس بجے جب نیند کا زور ٹوٹا تو سر
میں درد شروع ہو گیا اتنی بوجھل طبیعت اور بھاری ہوتے سر کے ساتھ عائشہ اختر بھی اس کے پیچھے لگ گئیں۔
”دوسرے تم نے کچھ نہیں کھایا یہ جتنے چاول میں نے تمہاری پلیٹ میں نکالے ہیں تمہیں سب ختم کرنے
ہیں۔“ عائشہ اختر کے حکم پر اس نے زہر مار کر کے چاول تو قلع سے اتار لیے مگر تب سے اس کی طبیعت
اور عجیب ہو گئی۔

کچھ دیر تو وہ لیوی لاؤنچ میں بیٹھی بے دلی سے لیوی دیکھتی رہی پھر آخر لیوی آف کرتی اپنے کمرے میں جانے
کے لیے اٹھ گئی۔

ماما اپنے کمرے میں سوتے جا چکے تھے اس وقت بڑے سے گھر میں صرف خاموشی کا راج تھا۔
بلال اختر اور عائشہ اختر کا کمرہ بچے تھا جبکہ نذیر کا کمرہ اوپر بنا ہوا تھا جہاں وہ کمرے اور موجود تھے مگر بلال اختر کو ہر
وقت کا بیڑھیاں چڑھنا اترنا پسند نہیں تھا اس لیے وہ نیچے رہنے کو ہی ترجیح دیتے تھے گھر میں کینوں سے زیادہ تعداد
میں کمرے تھے چنانچہ جس طرح چاہتے ہوئے تھے۔

البتہ نذیر کا کمرہ شروع سے اوپر ہی تھا وہ اوپر والے فلور پر بالکل تنہا رہتی تھی اس وقت بھی گھر کی تمام مین
لائٹس آف تھیں صرف ہلکی پادور کے راہداری اور زینہ کے بلب جل رہے تھے۔

انداز کے بنے بنے سے زینہ پرست روی سے چلتی اپنے کمرے کی جانب پیچھ رہی تھی کہ جمی
اس کی نظروں کی آخری میز می پر سب سے اوپر کی جانب اٹھ گئیں اور وہ سم کر رک گئی۔
اس نے اپنی تہہ مدار کی پر ایک سفید رنگ کا سلیہ سالن رہا تھا جیسے پانی میں کوئی عکس پڑ رہا ہو۔
وہی کی ٹانگوں سے جان لٹنے لگی ہزار بار کے دیکھے اس عکس کو ایک بار پھر دیکھ کر وہ آج بھی ایسے ہی خوفزدہ
ہوئی تھی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو اس نے رنگ کو مضبوطی سے تھام لیا اور نیم تاریکی میں لہراتے اس سائے کو
دیکھتے ہوئے وہ ڈاکٹر خلیلہ کے کمرے میں جملے دہرانے لگی جو وقتاً فوقتاً انہوں نے مختلف سٹیشنوں میں کمرے بلکہ اسے
دہرائے تھے۔

”یہ صرف میرا وہم ہے۔“
”سائے کوئی روح کوئی سایہ نہیں ہے۔“
”یہ صرف میری نظر کا دھوکا ہے۔“

”اگر میں خود کو یہ یقین دلاؤں گی کہ یہاں نہیں ہے تو یہ مجھے نظر نہیں آئے گا۔“
”تیرے حیرت تمام جملے دہرا رہی تھی مگر کسی بھی جملے سے سائے لہرا تا سایہ غائب نہیں ہوا بلکہ اسی لہراتے انداز
میں وہ آگے بڑھتا اس کے نزدیک آنے لگا تو نذیر ایک سو پلٹ کر دھڑکی ہوئی عائشہ اختر کے کمرے کے دروازے پر
ہاتھ پٹا۔

اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا مگر اتنی خوفزدہ کیفیت میں بھی دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی اس کا ہاتھ ہوا
میں رک گیا۔

وہ جانتی تھی بلال اختر اس طرح تو وہی رات کو گہری نیند سے جاگنے پر بہت بگڑیں گے ان کے غصے کا سوچ کر وہ
ہست کر کے پلٹ کر زینے کی جانب دیکھنے لگی جہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔

اس نے دو چار گہری گہری سانس لے کر حواس بحال کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ذہن میں خاطر خواہ کمی آگئی
مگر اب بھی اس کے سامنے وہی تصویر تھی کہ اس نے کمرے میں جا سکے کچھ دیر دروازے کے
دوسری طرف رہی پھر آہستہ آہستہ قدم نکالی اس لیوی لاؤنچ میں واپس آگئی جہاں وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بیٹھی ہوئی
تھی یہاں سے بھی بڑا سا زینہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ایک صوفے کے کنارے پر ٹک کر زینے کو ایسے دیکھتی رہی جیسے ابھی کوئی اچانک وہاں سے اترتا ہوا چلا آئے
تھوڑے منٹ گزر گئے اس کی آنکھیں ایک ہی زاویے پر دیکھتے دیکھتے لگیں تو اس نے ایک بار پھر اٹھ کر
اوپر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

در اصل وہ یہاں نہیں سو سکتی تھی بلال اختر اگر اس کے اٹھنے سے پہلے اٹھ جاتے تو اسے یہاں سو تا دیکھ کر بہت
گھبراتے وہ ان معاملوں میں بہت مامول تھے ایسی بد نظمی ان سے بالکل برداشت نہیں ہوتی تھی اور اگر وہ یہ بتاتی کہ
وہ ادھر رہی تھی اس لیے یہاں لیٹ گئی تب تو وہ بالکل ہی آپے سے باہر ہو جاتے۔

نذیر دل کڑا کر کے جیسے ہی جانے کے لیے اٹھی دھک سے وہ گئی شائستہ خالہ کا سایہ جواب تک محض پانی پر
لہراتے عکس کی طرح نظر آ رہا تھا صوفے پر عین اس کے برابر میں آ بیٹھا۔

ان کی جانب پشت ہونے کے باوجود نذیر کو بخوبی اندازہ تھا کہ وہ اس سے ایک قدم سے بھی کم کے فاصلے پر
ہو رہی ہیں اور اس بار ان کا وجود کسی پانی پر لہراتے سائے کی طرح نہیں تھا بلکہ مادی شکل میں تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

دستِ گداز

نومیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نومیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نومیہ اسے رات کے دہانچے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم دکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس لچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نومیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

چھٹی قسط



زود یہ کو اپنا خون خشک ہوتا محسوس ہوا اسے لگ رہا تھا شائستہ خالہ کی روح اس پر بھی ایسے حملہ آور ہو جائے گی جیسے رخسار پر ہو گئی تھیں۔

مگر انہوں نے کبھی اسے ایک انگلی تک نہیں لگائی تھی بلکہ اسے ہی کیا رخسار سے پہلے انہوں نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی تھی پھر بھلا اس کے ساتھ ایسا کیوں کر ہوتا۔

زود یہ میں پلٹ کر انہیں دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس کا تنفس بڑھتا جا رہا تھا اس نے بڑی مشکل سے اپنی ساری ہمتیں جمع کیں اور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بھاگ گئی۔

تیزی سے میز حیاں پھلاٹتے ہوئے اسے لگ رہا تھا وہ ابھی منہ کے بل گر پڑے گی مگر کانپتی ٹانگوں سے دھڑکتے ہوئے جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو کمرے کا دروازہ تیزی سے بند کر گئے اور لائٹ آن کر کے وہ کنگ سائز

بیڈ پر قاعدے سے بیٹھنے خوب صورت پیش قیمت کھفوفٹ میں ایسے دبک گئی جیسے وہ ہی اس کی واحد نہاد گاہ ہو۔

اس کا سانس دھونکی کی طرح چل رہا تھا اس کے ہر سانس سے پسینہ پھوٹ رہا تھا بھیکے وجود پر ایسا رعبہ طاری تھا کہ کھفوفٹ میں گھڑی کی صورت میں چھپے ہوئے کے باوجود ہاتھ پاؤں کی لرزش قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

شائستہ خالہ کی روح اسے ہر وقت نظر نہیں آتی تھی مگر جب آتی تھی تب بھلے ہی وہ ایک جھٹکد کھا کر غائب ہو جاتیں مگر ان کا خوف اس پر گھنٹوں سوار رہتا تھا اب بھی اس کی حالت سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔

اس نے قرانی آیتوں کا ورد شروع کر دیا تھا پھر بھی اسے محسوس ہو رہا تھا کہ شائستہ خالہ کی روح اسی کمرے میں اس کے ارد گرد نہیں موجود ہے۔

اس نے سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں مبادا وہ کمرے میں کھڑی نظر نہ آجائیں حالانکہ آیت الکرسی پڑھتے وقت اسے لگا وہ اس کے پاؤں کے پاس ہی آ بیٹھی ہوں وہ مولانی سے پڑھتی سورۃ بھولنے لگی ساتھ ہی اس کی سختی سے بند کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا زور زور سے چیخ کر می پانکویلا لے مگر بالآخر اور عائنہ اختر اس کی آواز پر اس وقت تو دوڑے چلے آتے مگر کمرے میں آنے کے بعد جب انہیں کچھ نظر نہ آتا تو اس کی حرکتوں کو اس کا خون اور پاگل پن کہنے لگتے۔

بالآخر کا کوئی بھرا انداز اور چڑھتی تیوریاں اگر اسے شرمندہ کر دیتیں تو عائنہ اختر کا فکر مندی سے اسے دیکھنا اور اس کی باتوں پر اس سے خوف کھانا اسے اندر تک چیر دینے کے ساتھ ساتھ ساگا کر رکھ دیتا۔

اسی لیے انہیں پکارنے کی بجائے اس نے اپنی چیخوں کا اندر ہی اندر گھونٹ دیا تھا مگر تنہائی اور خوف سے کانپنا دل اپنی بے بسی پر آنسو کو بہنے سے نہ روک سکا۔

جانے کب تک وہ ایسے ہی بے آواز رہتی رہی کہ آخر نیند کی دیوی اس پر مہمان ہو گئی اور وہ عارضی طور پر اس دنیا سے ناپا توڑ کر کچھ دیر کے لیے اس کے مسائل اور الجھنوں سے دور چلی گئی۔

مگر پر سکون نیند بھی پر سکون زندگی جینے والوں کے حصے میں آتی ہے بھی اکثر وہ نیند میں بھی ہمت بے آرام رہتی تھی۔

جیسے اس وقت بھی اس کے چہرے پر پھیلا کرب اور بند آنکھوں کے ہلٹے پوٹے سوتے میں بھی اس کی بے چینی کو بھر پور طریقے سے ظاہر کر رہے تھے۔

جس شخص کو جاتے میں اتنے منظر نظر نہ آتے ہوں اسے سوتے میں کوئی دکش نظارہ کیسے نصیب ہوتا خواب میں بھی وہ عجیب عجیب جگہیں، عجیب عجیب لوگ اور عجیب عجیب حالات دیکھتی رہتی۔

الیان آفس سے گھر آیا تو اسے گھر میں معمول سے ہٹ کر چھائی خاموشی ایک پل میں محسوس ہو گئی۔

”کوئی گھر پر نہیں ہے کیا؟“ الیان نے پانی کا گلاس لائی ملازمہ سے پوچھا۔

”بریرہ دلی بی گھر پر ہیں صاحب اور صاحبہ کسی شادی میں گئے ہیں۔“ ملازمہ نے گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”بریرہ کیوں نہیں آئی؟“ الیان نے قدرے حیرت سے کہا۔

”معلوم نہیں جی۔“ اس کے لاعلمی سے کندھے اچکانے پر الیان تیزی سے پانی چڑھا کر بریرہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ تیز آواز میں میوزک سن رہی تھی جو اس کے کمرے کے باہر تک سنائی دے رہا تھا اتنے شور میں الیان کے باک کر کے اندر آنے کا اسے علم ہی نہیں ہوا وہ فلور کشن پر میوزک سسٹم کے قریب بیٹھی C.D الٹ پلٹ رہی تھی اس پر نظر پڑتے ہی چونک گئی۔

”ارے بھائی آپ؟ آج آپ کو بہت دیر ہو گئی۔“ اس نے ریموٹ اٹھا کر آواز کم کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا تو الیان اس کے قریب ہی دو سرے فلور کشن پر بیٹھ گیا۔

”ہاں ڈیڈی تو شام میں ہی گھر آ گئے تھے مگر میں نے سوچا آج سارا کام آفس میں بیٹھ کر ہی کروں گا کیونکہ کام گھر لے کر آتا ہوں تو یا تو گھر کوئی دوسری مصروفیت نکل آتی ہے یا کوئی اور ایسی بات ہو جاتی ہے کہ کام ہو ہی نہیں پاتا۔“ الیان نے بڑی تفصیل سے جواب دیا پھر زمین پر پڑی سی ڈیز کا ڈھیر چیک کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم شادی میں نہیں گئیں می ڈیڈی کے ساتھ۔“

”مجھے می نے اتنی دیر سے بلایا۔ شام سے میری دوست آئی ہوئی تھی اس کے جانے کے بعد میں سو گئی می نے تیار ہونے کے بعد مجھے اطلاع دی کہ ہم جا رہے ہیں۔ میں نے کہا اگر مجھے بتا دیا ہوتا تو میں بھی چلتی اب تو تیار ہونے کا ٹائم بھی نہیں۔“

تو می کہنے لگیں ایک دن میں ان کے دو جگہ انویشن ہیں بیٹھنے کا وقت بھی نہیں ملے گا سارا ٹائم آنے جانے میں گزر جائے گا۔ وہ صرف حاضری لگانے جا رہے ہیں۔“ بریرہ نے منہ بسورتے ہوئے ساری تفصیل بتائی تو الیان بھی کچھ یاد آتے ہوئے بولا۔

”اچھا میں سمجھ گیا وہ کن شادیوں میں گئے ہیں۔“

ارے اچھا ہوا تم نہیں گئیں دونوں انویشن ڈیڈی کے کاروباری دوستوں کے ہیں کسی کو بھی نہیں جانتی ہو گی تم وہاں۔ ست بور ہو تیں۔“ الیان نے تسلی دینے والے انداز میں کہا مگر بریرہ بدستور چٹکی سے بولی۔

”نہیں بھی جانتی تو بھی کیا ہوا میرا شمس قیسن کا۔ شاد و دن سے سلا رکھا ہے ابھی تک پہننے کا موقع نہیں ملا کم از کم وہ سوٹ تو پہننے میں آجاتا۔“ الیان کی چیخ مچ ہی نکل گئی بریرہ کے چہرے پر واقعی سوٹ نہ پہننے کا ملال پھیلا تھا۔

”تم کب بڑی ہو گی۔“ الیان نے بظاہر اپنے لیے میں تاسف بھرتے ہوئے کہا جبکہ اس کا انداز سراسر غیر سنجیدہ تھا۔

”بڑی تو ہو چکی ہوں مگر بچویشن کر لیا ہے اور کتابڑا ہوتا ہے۔“ وہ اتر کر بولی تو الیان پل میں تولہ اور پل میں ماشہ ہوئی اپنی، سن کو دیکھ کر وہ گیا۔

اس کی کئی بات سے اچانک ہی الیان کے ذہن میں شگفتہ غفار کی کل رات کی کئی بات تازہ ہو گئی۔
آفس کی بے تحاشا مصروفیت میں بھی دو تین بار اسے ان کی کئی بات کا خیال آیا تھا اور ہر بار دو تین منٹ کے لیے اس کا دھیان کام کی طرف سے ہٹ گیا۔
اس وقت بھی کچھ لمحوں کے لیے وہ غائب و غافل سے بریرہ کو دیکھتا رہا تو بریرہ نے باقاعدہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔
”کیا ہوا بھائی کہاں کھو گئے؟“

الیان نے چونک کر حال میں آتے ہوئے بریرہ کو دیکھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
”اے۔۔۔ بریرہ تم سے ایک بات پوچھوں تم بالکل بے توجہ اس کا جواب دینا۔ یوں سمجھ لو کہ میں تمہارا بھائی نہیں بلکہ تمہارا دوست ہوں۔“

الیان نے اس سے براہ راست بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے تمہید باندھنے والے انداز میں کہا۔
بریرہ کچھ چونک کر الیان کو دیکھنے لگی بلکہ اپنے گزشتہ غیر سنجیدہ انداز میں نظرس ترچھی کر کے ڈرامائی انداز میں بولی۔

”ایسی کیا بات ہے کہ میں یہی بھول جاؤں کہ آپ میرے بھائی نہیں ہیں کیا جائیداد میں میرا حصہ ہو رہا ہے؟“
”اے بھئی بات کہہ کر وہ خود ہی ہنسے لگی۔

جبکہ الیان کا ارادہ ایک بار پھر ڈھونڈل ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے ابھی سے بریرہ سے یہ ذکر کرنا چاہیے یا نہیں۔

حالانکہ اسے یقین تھا کہ کچھ ہی دنوں میں ماموں ممی کی خواہش کے عین مطابق بریرہ کا رشتہ حلالہ کے لیے چلے آئیں گے اور اسے یقین تھا ایک بار اگر انہوں نے رشتہ دے دیا تو ڈیڑی افکار نہیں کر سکیں گے۔

ویسے تو اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ڈیڑی کی کیا رائے ہوگی اس رشتے کے متعلق لیکن جس بات پر ممی دل و جان سے راضی ہوں اس پر ڈیڑی کا انکار زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتا اور یہاں تو ممی کا دھچکا اس درجہ تھا کہ شخص

ثانی کے اندازہ ظاہر کرنے پر ممی کی نیند اڑ گئی۔
وہ تو جیسے رشتہ آنے سے پہلے ہی ہاں کیے بیٹھی تھیں وہ بھی گھر میں کسی سے بھی مشورہ اور رائے لیے بغیر۔

کیونکہ گھر کے ہر معاملے میں ان ہی کا فیصلہ چلتا تھا۔
ریاض غفار مصروف اس قدر رہتے تھے کہ گھر کے تمام چھوٹے بڑے کام شگفتہ غفار کے ذمہ آگئے اور ان

کاموں کو انہوں نے اس قدر خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ ریاض غفار مطمئن ہو کر اور بھی لا تعلق ہو گئے اور شگفتہ غفار بھی خود اعتماد ہوتی چلی گئیں کہ انہیں ہر کام میں اپنا ہی فیصلہ ٹھیک لگنے لگا گھر میں کیا کئے گایا کون سے

ملازم کام کریں گے۔ یہ تو عام بات تھی جبکہ گھر کی سجاوٹ سے لے کر بچوں کی تعلیم ان کے اسکولز کا انتخاب۔
مبعض شخص کا انتخاب ان کے کالج کا انتخاب یہاں تک کہ ریاض غفار کو بچوں کے اسکولز کے کس فنکشن میں

جانا چاہیے اور کس میں نہیں۔ یہ فیصلے پر ممی حتمی رائے بھی شگفتہ غفار کی ہوتی تھی اور کیونکہ ان فیصلوں کے نتائج ہمیشہ بہترین رہے اور ان کا اپنا بھی ذمہ داریوں کا بوجھ کم ہو گیا تو وہ کچھ زیادہ ہی شگفتہ غفار پر انحصار کرنے لگے۔

مگر آج سے پہلے الیان کو کبھی اس بات سے پریشانی نہیں ہوئی تھی کہ شگفتہ غفار اپنی چلانے کی کس قدر عادی ہو گئی ہیں آج پہلی بار اسے لگ رہا تھا اگر ڈیڑی کو بھی یہ رشتہ کچھ زیادہ مناسب نہ لگتا تب بھی وہ ممی کی خواہش کے سامنے اسے منظور کرنے پر مجبور ضرور ہو جائیں گے۔

”کیا ہوا بھائی۔ کیا کوئی عشق وغیرہ ہو گیا ہے جو ہر منٹ پر خیالوں میں کھو جاتے ہیں۔“ بریرہ شرارت سے آنکھیں کھمکاتے ہوئے بولی۔

الیان چونک کر گہرا سانس کھینچتے ہوئے بولا۔
”ایک بہت اہم مسئلہ برتھماری رائے لینی تھی مگر شاید تم ابھی قابل نہیں ہو۔“ الیان اس سے کچھ بھی کہنے کا

ارادہ ملتی کرتا جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔
”وہ تو آپ کو رائے لینے کے بعد بتا چلے گا کہ میں کس قابل ہوں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ

اگر آپ نے میری بھابھی ڈھونڈ لی ہے یا ڈھونڈ لینے کے بعد کشمکش کا شکار ہیں تو پوری دنیا میں آپ کو سب سے بہترین مشورہ میں ہی دے سکتی ہوں۔“ بریرہ فرضی کارہ بھاڑتے ہوئے بولی اس نے بس مان لیا تھا کہ جو اس نے

سمجھا ہے وہی بات ہے۔
الیان اس کے انداز پر بریرہ کے بغیر بولا۔

”اپنے بچکانہ اندازے لگا کر تم نے اپنی محدود ذہنیت پر مہر لگا دی ہے۔“ الیان کہتے ہی اس کے کمرے سے نکل گیا بریرہ نے پیچھے سے آواز بھی دی مگر الیان کے بغیر بولا۔

”میں شاور لگنے جا رہا ہوں آفس سے آکر ابھی تک میں نے چیخ بھی نہیں کیا اور سیدھا تمہارے پاس آ گیا یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ تم شادی میں کیسے نہیں گئیں۔ اب مجھے بھوک لگ رہی ہے بوا سے کہہ کر کھانا گرم کروادو۔“

الیان تیز تیز ہدایت دیتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
بریرہ سے اس رشتے کے بارے میں پوچھنا یا اس کی پسند معلوم کرنا ایک بے معنی سی بات تھی وہ اگر اپنی رائے

دیتی تو صرف ظاہری چیزوں کو دیکھ کر دیتی جو کہ تمام کی تمام حادہ کے حق میں تھیں جبکہ الیان جن باریکیوں پر غور کر رہا تھا بریرہ کے لیے ان کی گہرائی سمجھنا ممکن نہیں تھا پھر بھلا اس مسئلے پر اس سے بات کرنے کا فائدہ ہی کیا تھا پہلے

سے ہی اس کے دل میں ایسا کوئی خیال ڈالنا الیان کو کچھ مناسب نہ لگا۔
فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر پہنچنے تک الیان اس نکتہ پر سوچتا رہا اور بالا خرا ایک فیصلے پر پہنچ ہی گیا جہاں پہلے

سے موجود اپنا انتظار کرتی بریرہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔
”ہم لوگ کتنے عرصے سے نانی کے گھر رہنے نہیں گئے جاتے ہیں بس مہمانوں کی طرح دو گھنٹے بیٹھ کر آ جاتے

ہیں میں سوچ رہا ہوں اس ویک اینڈ پر ان کے گھر رہنے چلا جاؤں۔“ الیان جھوٹ نہیں کہہ رہا تھا وہ واقعی ان کے گھر مہمانوں کی طرح جاتے تھے یا کچھ سالوں سے ان کا یہی معمول رہا تھا جبکہ الیان کو لگ رہا تھا کہ کوئی بھی فیصلہ

کرنے سے پہلے ایک بار ان کے گھر جا کر ان کا ماحول قریب سے دیکھنا چاہیے۔
ابھی ماموں نے رشتے کی بات بھی نہیں چھیڑی تھی ابھی فوراً چلے جانا آسان تھا جبکہ ایک بار ان کے رشتہ

دے دینے کے بعد اچانک الیان کا وہاں جا کر رہنا کچھ ٹھیک نہیں تھا۔
”دیکھ لیں ممی اجازت دیں گی یا نہیں۔ مجھے تو انہوں نے منع کر دیا۔“ بریرہ پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے

سرسری انداز میں بولی تو الیان چونک اٹھا۔
”تم جانا چاہ رہی تھیں ماموں کے گھر۔“

”ہاں اتنی بور ہو رہی تھی میں گھر میں پڑے پڑے سوچا نانی کے گھر چلی جاؤں۔ مگر ممی نے سنتے ہی منع کر دیا۔“
بریرہ کا انداز اب بھی سرسری تھا بلکہ نوالہ دیتے ہوئے وہ ممی کے ہی لہجے میں بولی۔

”انہوں نے کہا کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں جا کر اپنی یہ اوٹ بٹانگ حرکتیں دکھانے کی۔
میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اب حرکتیں تو ٹھیک ہو نہیں سکتیں لہذا جانے کا پروگرام ہی کینسل کر دیا ویسے آپ

کہیں تو میں مٹی سے ایک بار پھر پوچھوں دونوں چلیں گے تو برا مزا آئے گا۔ ”بریرہ کو اچانک نئی سوجھی۔
الیان اسے اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہ رہا تھا مگر اسے انکار کرنے کی ضرورت نہیں تھی مٹی خود ہی منع کر
دیتی اس لیے وہ اس بارے میں بات کرنے کی بجائے اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔
”بہت مزا آتا ہے تمہیں مٹی کے گھر میں؟“

”خامری بات ہے وہاں اتنی ساری کزنز جو ہیں۔“ بریرہ ایسے خوش ہو گئی جیسے الیان نے اسے ساتھ لے
جانے کی رضامندی دے دی ہو۔

”کون سا کزن سب سے زیادہ پسند ہے۔“ الیان کے سوال پر غور کیے بغیر وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے نام گنوانے
لگی تو الیان کو براہ راست پوچھنا پڑا۔

”ان سب کو تو میں اتنا جانتا ہی نہیں مجھے تو وہاں سب سے اچھا حامد لگتا ہے۔“ الیان کی بات پر بریرہ کے چہرے
پر کوئی خاص تاثر نہیں ابھرا بلکہ وہ اپنے سابقہ انداز میں بولی۔

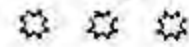
”آپ صرف لڑکوں سے ہی ملے ہیں نا اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں ماہ نور اور گل بانو وغیرہ سے تو بس آپ کی رسی
سی سلام دعا ہے۔“ یہ کہہ کر بریرہ ساری کزنز کے ساتھ کسی شادی میں جانے کا کوئی برا تا ساقصہ سنانے لگی الیان کو
دیکھی تو نہیں مگر بڑے غور سے اس کی بات سننا برا بڑی مشکل سے اس کا قصہ ختم ہوا تو ایسے بولا جیسے مذاق میں
کہہ رہا ہو۔

”گلتا ہے تمہیں وہاں بہت مزا آتا ہے تمہیں مستقل طور پر وہیں بھیج دینا چاہیے۔“
”نہیں! اتنا لمبا رہ کر تو میں بور ہو جاؤں گی مستقل طور پر رہنے کے لیے تو بس اپنا ہی گھر مہیج ہوتا ہے۔“ بریرہ

نور ہوئی۔
”اگر وہی گھر تمہارا مستقل طور پر گھر ہو جائے تو۔“ الیان نے اسے جاچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی
سے پوچھا۔

”وہ گھر ہمارا کیسے ہو سکتا ہے کیا ڈیڈی مانی کا گھر خرید رہے ہیں۔“ بریرہ کے حیرانی سے آنکھیں پٹپٹانے پر الیان
کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

”اس سے رائے لینا تو بالکل بے کار ہے میں خود ہی جا کر فیصلہ کروں گا۔“ الیان نے مستحکم انداز میں سوچا اور
ٹان اسٹاپ بولتی بریرہ کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتا رہا۔



وہ تینوں اسی وقت یونیورسٹی سے نکل گئیں تو رہ کر انہیں خرم اور اس کے دوستوں پر غصہ آ رہا تھا۔
سنبل تو گاڑی میں بیٹھتی ہی باقاعدہ رونے لگی تھی رو میلہ ایک طرف اگر غصہ کر رہی تھی تو دوسری طرف غم
کو بھی ڈانٹے جا رہی تھی۔

نمل خلاف عادت اس کا غصہ چپ چاپ سن رہی تھی اسے خود بھی احساس تھا رو میلہ جو بھی کہہ رہی ہے صحیح
کہہ رہی ہے مگر ساتھ ہی اسے یہ بھی اطمینان تھا کہ جو اس نے کیا تھا وہ بھی غلط نہیں تھا جس کا اعتراف رو میلہ
بھی کر رہی تھی مگر پھر بھی اس پر بگڑے جا رہی تھی۔

”مجھے تو رہ کر اس وقت پر افسوس ہو رہا ہے جب میں تمہارے کہنے پر اس کلاس میں جا کر بیٹھ گئی۔ نہ ہم
کلاس میں جاتے نہ ہمارے ساتھ وہ سب ہوتا اور نہ تم اس کی شکایت کرتیں۔“

یونیورسٹی میں پہلا دن اور وہ بھی اتنا برا نچلو میں مانتی ہوں جو کچھ اس نے کینٹین میں کہا وہ برواشت کرنا ممکن

مظالم کے خلاف تقریریں کرنے میں گزرتا تھا۔
عملی طور پر ان کے ٹرسٹ گو کہ بہت سارے کام کر رہے تھے اخبار کے صفحے ان کی تقریروں سے سیارہ بہتے تھے
مگر جتنے کیسز پر انہوں نے کام کیا تھا اس سے دس گنا زیادہ کیسز صرف فائلوں کی صورت میں ان کے دفتری
الاماریوں میں پڑے تھے۔

وقت کی دھول اور لاپرواہیوں کی دیر میں ان فائلز کو عوام اور اخبار کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا تھا عظمت
خلیل کی داد و آواز کا شور اتنا زیادہ تھا کہ سسکیوں اور آہوں کی آوازیں کہیں دب کر رہ گئی تھیں۔
اگر کبھی کوئی ایسی بات منظر عام پر آ بھی جاتی کہ عظمت خلیل نے محض فلاں سیاسی لیڈر کو خوش کرنے کے لیے
خیراتی اسپتال کی تعمیر کے کام کو غیر ضروری طویل دے کر ہزاروں لوگوں کے علاج کو ان کے لیے ناممکن بنا دیا
کچھ مریض تو اس التوا کا شکار ہو کر اس دار فانی سے ہی کوچ کر گئے۔

مگر ان کے خلاف ایسی شکایتوں کو "دشمنوں کا پروپیگنڈا" کہہ کر دیا جاتا تھا جہاں اتنی شہرت اور نام ہو وہاں
تھوڑی بہت بدنامی۔ کوئی تعجب کی بات نہیں ہوتی اور پھر جس شخص کے کریڈٹ پر بڑے بڑے اسپتالوں
کی تعمیر اسکولز اور یتیم خانوں کا انعقاد اور غریب لڑکیوں کی شادیوں سے لے کر بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے
کے لاتعداد کارنامے ہوں وہاں اگر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے خدمتِ خلق کے ہزاروں کام نہیں کیے تو
یہ شکایت بالکل بے جا ہی تھی۔

ایک انسان اتنا کچھ اکیلے نہیں دیکھ سکتا اسے ادارے کے دوسرے لوگوں پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اور کئی کام
ان کے ذمہ لگانے پڑتے ہیں ایسے میں کسی کام کے نہ ہونے پر وہ آسانی سے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے کہ
دوسرے لوگوں نے ان کے ساتھ تعاون نہیں کیا وہ بھی بہر حال ایک انسان ہیں ان کی محنت اور جدوجہد کی بھی ایک
حد ہے وہ اکیلے پورا ملک نہیں سنوار سکتے۔

ان کی یہ بات بالکل ٹھیک خود عمل اور اس کی مالِ رشیدہ کو بھی اس سچ سے انحراف نہیں تھا مگر کسی شخص کو اس
کے پوئی بچوں سے بہتر اور کون جان سکتا ہے۔

عمل کے سامنے عظمت خلیل کا جو امیج تھا وہ ایک خود غرض اور دو غلے شخص کا تھا جو بہت بڑی بڑی باتیں کر کے
لوگوں کو حیران اور مرعوب کرنا جانتا تھا اپنی بات میں صداقت دکھانے کے لیے انہوں نے کچھ بڑے بڑے کام بھی
کیے بلکہ بہت بڑے بڑے کام کیے۔

مگر وہ صرف اسی کام پر ہاتھ رکھتے تھے۔ جسے کر کے ان کی شہرت میں اضافہ ہو وہ کبھی کسی کی مدد کرنے کے لیے
آگے نہیں بڑھے بلکہ ہر شخص کی مدد کرنے سے پہلے انہوں نے اس کے مسائل کو اور بھی بڑھا دیا اور جب اس
شخص کا نام اخبار اور خبروں کی نہنت اچھی طرح گیا تب اس کے مسئلے کو سلجھا کر انہوں نے پوری دنیا سے داد
تحسین وصول کر لی اور کبھی ایک بل کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ اس شخص کے مسائل کو اجاگر کرنے کی کوشش
میں انہوں نے اس کی عزت نفس کو کس قدر مجروح کیا ہے بلکہ بعض اوقات ان کے درمیان میں آجانے سے اس
مظلوم کو کسی چھوٹے سے ظلم سے تو نجات مل جاتی مگر پھر اسے معاشرہ اور سماج کبھی قبول نہ کرتا۔

اخبار اور پریس اس شخص کے ساتھ ہوئے ظلم کو اس قدر بڑھا چڑھا کرتا تھا کہ اس شخص کا وہ مسئلہ تو حل ہو
جاتا مگر اس کی پوری زندگی اس ساری بدنامی کی صفائی دینے میں گزر جاتی۔

یہی وجہ تھی کہ عمل نے بھی خدمتِ خلق کے نام پر کیے جانے والے کسی کام میں ان کا کوئی ساتھ دینے کی
کوشش نہیں کی تھی۔

کبھی کبھی انجانے میں اگر وہ کسی مسئلے میں الجھ بھی جاتی تب بھی عظمت خلیل خود ہی اسے ان باتوں سے دور

رہنے کی ہدایت دے دیتے۔
اس کی مالِ رشیدہ کبھی ان کے سامنے زبان نہیں کھول سکی تھیں ان کی صرف تنبیہی انداز میں انھی انگلی
نمل کو اپنی جگہ جوں کا توں رک جانے پر مجبور کر دیتی۔ پھر اسے خود بھی کوئی شوق نہیں تھا مناقب لوگوں کے ساتھ
مل کر خدمت کے نام پر تماشے کرنے کا۔ ایک دوبارہ کوشش کرنے پر اس نے ایسے منہ کی کھالی تھی کہ اب وہ
عظمت خلیل کے ایسے اداروں اور ٹرسٹ کے قریب بھی نہیں بھٹکتی تھی۔ وہاں اتنی بے ایمانی اور اتنا دھوکا تھا کہ
اس کی تنذات اور سے لے کر نیچے تک تمام لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

اپنی بے بسی کا اسے احساس تھا اور سب سے بڑھ کر رشیدہ اسے ان سارے معاملوں سے دور رہنے کی تاکید اور
الٹا کرتی رہتی تھیں اور وہ اپنی مال کے خلاف کبھی نہیں جاسکتی تھی۔

رشیدہ کی زندگی میں سوائے اس کے اور کوئی خوشی نہیں تھی پچھلے اٹھارہ انیس سال سے ان کا وجود مکمل چیز
کے سارے چلتے چلتے اتنا کمزور اور ناتواں ہو چکا تھا کہ وہ کسی نئی مصیبت کو برداشت کرنے کے امکان دیکھ کر ہی
دہانے لگتیں جبکہ عمل کی ضدی فطرت کو دیکھتے ہوئے ان کے ہونے میں دن۔ دن اضافہ ہوتا رہتا تھا حالانکہ عمل
بہت فرماں بردار تھی مگر پھر بھی اس کے اندر موجود غصہ دیکھ کر انہیں ڈر لگتا تھا کہ کہیں کسی دن وہ اپنے باپ کے
دورِ مدینہ آکھڑی ہو۔

اگر کبھی ایسا ہو گیا تو وہ دن ان کا اور عمل کا اس گھر میں آخری دن ہو گا۔
عظمت خلیل سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اتنی سالہ ازواجی زندگی کا لحاظ کر لیں گے یا رشیدہ کی خاموشی اور صبر کا پاس
رکھ لیں گے بے کار تھا۔

وہ ان دونوں کو گھر سے نکالنے میں ایک لمحہ نہیں لگائیں گے تب ان کا اور ان کی بیٹی کا اتنی بڑی دنیا میں کہاں

ٹھکانہ ہو گا؟
عظمت خلیل جیسی شخصیت کی نئی زندگی تو فوراً "خبروں کی ضد میں آجائے گی لوگوں کی ہمدردیاں عظمت خلیل
کے ہی حصے میں ہوں گی تب ان کی مالِ بیٹی کا کیا مقام رہ جائے گا۔

عمل کو خود بھی ان باتوں کا احساس تھا ان اپنی مال کو ہر مینشن اور پریشانی سے آزاد رکھنے کے لیے اپنی باغیانہ
سوچوں کو قابو میں رکھتے ہوئے عظمت خلیل کے ہر معاملے سے دور ہی رہتی تھی مگر اس وقت گھر کی جو کھٹ پر کسی
سوالی کو دیکھ کر وہ اس کا مسئلہ پوچھنے بغیر نہ رہ سکی۔

اسے امید تھی وہ دونوں عورتیں غربت کی ماری فڈ میں سے کچھ رقم وغیرہ لینا چاہ رہی ہوں گی اور عظمت خلیل
کے کھولے جا جائیں سٹ آج نہیں کل نہیں پرسوں کا کہہ کر انہیں ادھر ادھر کھارہے ہوں گے۔

اگر ایسی بات تھی تو بہت بڑی رقم نہ سنی تھوڑے بہت میں تو وہ بھی انہیں دے سکتی تھی۔
عظمت خلیل کو بھلے ہی بیوی اور بیٹی سے محبت نہیں تھی مگر انہوں نے دنیا کے سامنے اپنی جو دھاک بٹھا رکھی
تھی اسے برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے بیوی اور بیٹی کو بے تحاشا آسائشات دے رکھی تھیں۔ پیسے کی اتنی
فراوانی تھی کہ رشیدہ اپنی سادہ فطرت کے باعث اس قدر اسراف اور فضول خرچی پر الجھن کا شکار ہونے لگتیں
ان کی اسی عادتِ مزاج کی وجہ سے عظمت خلیل گھر کی طرف سے بالکل ہی لاپرواہ ہو گئے تھے۔

وہ ہر ماہ بہت سارا پیسہ رشیدہ کو دے دیتے اور اس کے بعد ملٹ کر نہیں پوچھتے کہ رشیدہ کو کسی معاملے میں ان
کی ضرورت ہے یا نہیں۔

انہیں اطمینان تھا کہ رشیدہ پیسے کا غلط استعمال نہیں کریں گی اور نہ ہی بیٹی کو بے تحاشا پیسہ دے کر اسے
اڑانے کی عادت ڈالیں گی اور واقعی رشیدہ نے معذور ہونے کے باوجود گھر کی تمام ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی

سے نبھایا گھر میں ملازم وغیرہ انہوں نے ہمیشہ بہت دیکھ بھال کر رکھے نمل کو ہمیشہ بڑے حساب سے جیب خرچ دیا اور اس پر نظر رکھی کہ وہ پیسے کہاں خرچ کر رہی ہے وہ اس پر خواہ مخواہ سختی نہیں کرتی تھیں بلکہ جو بات بھی ہوتی اسے بڑی محبت سے سمجھاتیں وہ اس کی ماں ہی نہیں تھیں اس کی دوست بھی تھیں اسی لیے ان کے لاڈ پارے اسے رگڑا نہیں تھا بلکہ پیسے خرچ کرنے کے معاملے میں تو وہ اتنی محتاط تھی کہ اس کی دوستیں رو میلہ اور فصل تو اسے سنبھالیں اور کبھی چوس تک کہنے لگی تھیں یہ اور بات تھی کہ وہ بھی یہ سب شخص مذاق میں کہتی تھیں ورنہ انہیں بھی باخوبی علم تھا کہ نمل نے جہاں ضرورت ہو وہاں پیسہ خرچ کرنے میں بھی سنجوسی نہیں کی۔

اور یہی وجہ تھی کہ نمل نے اتنے اعتماد سے اس لڑکی کا مسئلہ پوچھ لیا مگر وہ لڑکی جواب دینے کی بجائے ابھرنے لگی۔

بھری نظروں سے انہی ماں کو دیکھنے لگی۔

”میں عظمت خلیل کی بیٹی ہوں مجھے بتا دو شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔“ نمل نے رسائی سے کہا یہ کہتے وقت اس نے عظمت خلیل کی اس نصیحت کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔

”گھر پر آئے کسی شخص کی مدد کرنا تو درکنار مسئلہ سننے کے بھی ضرورت نہیں ہے ورنہ گھر کی چوکھٹ پر خلیل فرسٹ کے دفتر سے بھی زیادہ بھیڑا کٹھن ہو جائے گی۔“

اصل میں وہ دونوں عورتیں شکل سے بہت پریشان لگ رہی تھیں تبھی نمل انہیں نظر انداز کر کے آگے نہ بڑھ سکی بلکہ ان کے چہروں پر پھیلی بے چینی دیکھ کر وہ یہ بھی بھول گئی کہ سبیل بھی ایسی ہی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہوگی (حالانکہ نمل اس نے یونیورسٹی جانے سے ہی انکار کر دیا تھا)

”دراصل میرے بھائی کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔“ اس کی ماں نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے عجیب شرمندہ سے لہجے میں بولی۔ اسے جھجکا دیکھ کر اس کی ماں تیزی سے آگے بڑھ آئی۔

”میرے بچے کا کوئی تصور نہیں ہے اس نے کچھ نہیں کیا وہ تو ابھی فرسٹ ایئر میں پڑھتا ہے مگر پولیس نے اپنے ہی اسے بلا وجہ پکڑ لیا ہے کوئی ہنگامے وغیرہ ہوئے تھے وہ کانٹوں کی توڑ پھوڑ ہوئی تھی تو پولیس خود کو فعال ثابت کرنے کے لیے جگہ جگہ چھائے مارنے لگی۔

ایسے ہی ایک دن ہمارے گھر بھی کھس آئی میرا بیٹا تو نماز پڑھنے جا رہا تھا پولیس اسے زبردستی کھینچ کھانچ کر اپنے ساتھ لے گئی۔“ وہ عورت بولتے بولتے رونے لگی نمل گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

”دیکھیں بہت سے کام لیں اس طرح رونے سے کیا ہو گا آپ کا بیٹا بے گناہ ہے تو پولیس کو اسے چھوڑنا ہی پڑے گا کیا آپ کی اس سے ملاقات ہوئی اس سے پوچھیں اس کا نام سچ میں کیسے آگیا۔“ نمل تسلی دینے والے انداز میں بولتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس لڑکی کو دیکھنے لگی جو ماں کو روتا دیکھ کر خود بھی رونا لگی ہوئی تھی۔

”یہی تو پریشانی کی بات ہے کہ اس سے ملاقات ہی نہیں ہو پارہی پولیس جب اسے لے کر گئی تھی تب میں ٹیوشن پڑھانے گئی ہوئی تھی میرے آنے پر جب ماں نے سب بتایا تو ہم اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن چلے گئے۔

یہاں پولیس والوں نے کہا آپ کا گھر تو ہمارے علاقے میں نہیں آتا آپ دوسرے پولیس اسٹیشن جائیں آپ کا گھر ان کے راج میں ہے وہاں کی پولیس نے ہی آپ کے بیٹے کو گرفتار کیا ہو گا لیکن جب ہم وہاں گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ ہم نے تو ایسا کوئی چھاپہ نہیں مارا آپ واپس وہیں جا کر پوچھیں۔“ وہ لڑکی رندھی ہوئی آواز میں بولی خود نمل یہ سب سن کر سن ہو گئی تھی۔

”کتنے دن ہو گئے ہیں اسے ارسٹ ہوئے۔“ نمل نے پوچھا۔

”آج پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔“ اس لڑکی کے کہنے پر نمل کا منہ کھلتا چلا گیا۔

ایک ہفتے سے پولیس ان دونوں ماں بیٹی کو ایسے ہی دوڑائے جا رہی تھی ان کی حالت کا سوچ کر خود نمل کا دل بیٹھنے لگا۔

”تیس دن کسی ہوکیل سے بات کی۔“

”ہم تو کسی کو نہیں جانتے آج کل تو وہ کیلوں کی لمبی آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں اور ہمارے گھر میں تو کوئی کمانے والا بھی نہیں میں سلائی کرتی ہوں اور دونوں بچے ٹیوشن پڑھاتے ہیں تو گزارا ہوتا ہے ان بچوں کے والد کو مرے ہوئے عرصہ بیت گیا ہے میں نے کن مشکلوں سے ان بچوں کو پروان چڑھایا ہے وہ میں ہی جانتی ہوں۔“ وہ عورت ہلکے ہلکے روئے لگی نمل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا انہیں کن الفاظ میں تسلی دے ان کے بیٹے نے کچھ کیا تھا یا نہیں وہ تو ایک الگ مسئلہ تھا اصل پریشانی تو یہ تھی کہ پولیس ایک ہفتہ پہلے اسے گرفتار کر کے لے گئی تھی اور ابھی تک یہی نہیں بتا چل رہا تھا کہ وہ کون سی جیل میں ہے۔

”ہمیں محلے والوں نے آپ کے والد کے متعلق بتایا وہ ہمارے جیسے دکھی لوگوں کی بہت مدد کرتے ہیں ہم ان کے ٹرسٹ میں گئے وہاں ایک صاحب سے بات ہوئی انہوں نے کہا کہ اہلیکیشن

میں ڈال دیں۔“

اسے لکھے ہوئے بھی چار دن ہو گئے ہیں مگر ابھی تک وہاں سے بھی کوئی جواب نہیں آیا ہے روز جا کر پوچھتے ہیں وہ کہتے ہیں نمبر آنے پر خود بلا لیں گے آخر یہ نمبر کب آئے گا ہماری تو جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔“ وہ لڑکی جلدی جلدی بولی۔

”وہاں تو روز ہزاروں کی تعداد میں اہلیکیشنز آتی ہیں اسے پڑھنے کا نمبر تو جائے کب آئے گا آپ نے وہاں آفس میں کسی سے براہ راست بات کیوں نہیں کی۔“ نمل نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں تو وہ تین لوگوں سے کی تھی مگر انہوں نے کوئی ریسپانس ہی نہیں دیا لوگوں کا کہنا ہے کہ آفس جانے کی بجائے آپ کے والد سے ملیں وہ ضرور فوراً کچھ کریں گے۔“ وہ لڑکی اس ورناس میں گھری کیفیت میں بولی تو نمل

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 400 روپے

☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 180 روپے

☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبین قیمت: 350 روپے

☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 200 روپے

☆ امرتیل، عمیرہ احمد قیمت: 450 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

نے سرہلاتے ہوئے فوراً "تائید کی۔
 "آپ نے ٹھیک سنا ہے" ابو ضرور کچھ کریں گے اور فوراً "کریں گے۔" نمل کو اچھی طرح اندازہ تھا پولیس والوں کے دھائے مظالم اور نوجوانوں کو غیر قانونی طور پر حراست میں لیے جانے اور پھر ان پر تشدد کرنے کے واقعات کو اخبار اور ٹی وی کس زور و شور سے نشر کرتے ہیں چنانچہ ایسے شخص کی مدد کرنے کے لیے عظمت خلیل فوراً "ستار ہو جائیں گے۔"

ان کی نیت چاہے جو بھی ہو کم از کم ان ہاں بیٹی کی تکلیف تو کم ہو جائے گی۔
 اگر ان کا بیٹا گناہ کار تھا۔ تب بھی پولیس کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اسے پکڑ کر جس بے جا میں رکھ لیں۔ مجرم کو بھی اپنا وکیل کر کے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا حق حاصل ہے پولیس عدالت کے فیصلے دیے بغیر ہی محض اپنی مرضی سے اسے اس طرح قید نہیں رکھ سکتی کہ اس کے گھر والوں کو بھی پتہ نہ ہو کہ وہ کس جیل میں ہے وہ اس کی ضمانت کرا سکیں اور نہ ہی اسے پھر آنے کی کوئی کوشش کر سکیں مجرم ثابت ہونے سے پہلے صفائی دینے کا حق ہر شخص کے پاس محفوظ ہے اور ایسی حق تلفی پر آواز اٹھانے کے لیے عظمت خلیل فوراً "کھڑے ہو جائیں گے۔"

"آپ دونوں میری گاڑی میں بیٹھ جائیں میں ابھی آپ کو ابو کے پاس لے چلتی ہوں۔" نمل نے ایک دم فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔
 ان دونوں کے پروردہ چہرے ایک دم کھل اٹھے جو ظاہر کر رہے تھے کہ انہوں نے عظمت خلیل سے کتنی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں کہ صرف ان تک جانے کا سن کر ہی انہیں منزل پر پہنچنے کا یقین ہو گیا تھا۔

خرم کو صبح صبح سیٹی پر اتنی شوخی دھن گنگنا تا دیکھ کر فرقان حسن نے بڑی حیرت سے اخبار سے نظر من ہٹا کر اسے دیکھا تھا اور دیکھتے چلے گئے تھے کہ ٹوسٹ پر بڑے نمل انداز میں مکھن لگا کر خرم رک کر انہیں دیکھنے لگا۔
 "کیا بات ہے ڈیڈ۔" ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟

"بہت خوش لگ رہے ہو تم کوئی خاص بات ہے کیا۔" انہوں نے بدستور اسے اسی انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا۔" خرم حیران ہوتے ہوئے ہنسا۔
 "میں تو ہر وقت ہی خوش رہتا ہوں بات تو کچھ بھی نہیں ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے ایسے کہا جیسے واقعی اسے اپنے خوش ہونے کی وجہ پتہ نہ ہو۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ ہی خوش رکھے۔ کبھی ماشاء اللہ بھی بول لیا کرو۔" مسز فرقان حسن نے ٹوکتے ہوئے کہا۔
 "کیا واقعی ماشاء اللہ نہ کہنے سے نظر لگ جاتی ہے۔" خرم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
 "بالکل لگ جاتی ہے۔" تبھی تو منع کرتی ہوں ایسے منہ بھر کر مت بولا کرو۔" مسز فرقان نے چائے تھراپاس سے نکالتے ہوئے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"یعنی اگر کسی شخص کی کوئی عادت مجھے بری لگ رہی ہے تو میں منہ بھر کر اس کی عادت کے متعلق بولتا رہوں بلا آخر اسے نظر لگ ہی جائے گی اور وہ عادت اس کی ختم ہو جائے گی۔" خرم نے ایک بار پھر مکھن لگاتے ہوئے بڑے گہرے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیا ضرورت ہے کسی کو نظر لگانے کی ایسی کون سی عادت ہے جسے تم نظر لگانا چاہتے ہو کون وہ بے چارہ

ہے۔" مسز فرقان حسن تو باقاعدہ بحث پر اتر آئیں خرم نے بمشکل بروقت خود کو بے چارہ نہیں سبے چاری کہنے سے روکا۔

"ہام، نظر نہیں لگا رہا بس ہے کچھ ایسا جو مجھے کھٹک رہا ہے۔" خرم نے سرسری انداز میں کہنے کی کوشش کی تو فرقان حسن ایک بار پھر اخبار پر سے نظرس ہٹا کر خرم کو دیکھنے لگے۔

ان کی جانچتی نظروں کو خود پر مرکوز دیکھ کر خرم شکایتی انداز میں بولا۔
 "لگتا ہے آج اخبار میں کوئی اچھی خبر نہیں ہے ڈیڈ کا دل نہیں لگ رہا اخبار پڑھنے میں۔"
 "اخبار میں خبریں اچھی نہیں، سنسنی خیز ہوتی ہیں اور میں تو ویسے بھی اس وقت خبریں نہیں اشتہار پڑھ رہا ہوں۔" فرقان حسن نے اخبار کھول کر اس کا صفحہ پلٹا تو مسز فرقان ایک دم چمکتے ہوئے بولیں۔
 "گھر کا اشتہار دیکھ رہے ہیں نا۔"

"جی ہاں your wish is my command فرقان حسن نے شرارتی انداز میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔

"تو ڈیڈ کیا واقعی ہم یہاں سے شفٹ ہو جائیں گے۔" خرم نے انہیں سنجیدگی سے اشتہاروں کا مطالعہ کرتے دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں تم شفٹ نہیں ہونا چاہتے۔" فرقان حسن نے انہیں سے پوچھا۔
 "کوئی حرج تو نہیں ہے گھر تبدیل کرنے میں۔ لیکن گھر اس سے بڑا اور اس سے خوب صورت ہونا چاہیے۔"

خرم نے فوراً "کہا تو مسز فرقان بھی کہنے لگیں۔
 "ظاہری بات ہے یہ گھر ہم جھوڑی اس لیے رہے ہیں کہ اتنا شاندار علاقہ اور اتنا اچھا گھر ہونے کے باوجود پانی کی لائنیں اور گسٹری لائنیں مسئلہ بنی رہتی ہیں اگر یہ دونوں پر اہل غور نہ ہوں تو ہم اتنا اچھا گھر کبھی نہ چھوڑتے آخر اتنے عرصے سے یہاں رہ رہے ہیں۔"

"لیکن ابھی بھی ہم پسند پر کوئی کو مپرا باز نہیں کریں گے جب تک کہ گھر ہر لحاظ سے اچھا نہ ہو ہم یہاں سے موو نہیں کریں گے۔" فرقان حسن نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے چائے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"اور ڈیڈ گھر جب تک میں خود دیکھ کر پاس نہیں کروں گا آپ اسے فائل نہیں کریں گے۔" خرم نے حتی انداز میں کہا۔

"جی ہاں نیا گھر خریدنے سے پہلے ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ جائیں گے تب آپ ڈیل پکی کریں گے۔" مسز فرقان حسن نے تاکید کرنا ضروری سمجھا۔

"بھئی میں آپ دونوں کی مرضی معلوم کیے بغیر فائل نمٹیشن لے سکتا ہوں کیا؟" ان دونوں کے فردا "فردا" کہنے پر فرقان حسن خفگی سے بولے تو وہ تینوں کچھ دیر تو ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر ایک ساتھ مسکرا دیے۔

"لگتا ہے آج تمہارا یونیورسٹی جانے کا موڈ نہیں ہے۔" فرقان حسن نے غیر ارادی طور پر نظر ڈالی تو بے اختیار کہہ گئے۔

خرم نے چونک کر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور کرسی ٹھیکتا فوراً "کھڑا ہو گیا۔
 "اوہ گاڈ! باتوں میں دیر ہو گئی ورنہ میں تو کل سے یونیورسٹی جانے کا انتظار کر رہا ہوں۔" خرم بے ساختہ بولا تو مسز فرقان اچھٹے سے بولیں۔

"خیریت؟" ان کے لہجے سے چمکتی بے تحاشا حیرت نے خرم کو احساس دلایا کہ وہ کچھ غلط کہہ گیا ہے۔

”جی جی خیریت ہی ہے۔“ آگے کوئی برمانہ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ تیزی سے ڈانگھ دوم سے نکل گیا۔
یونیورسٹی پہنچتے ہی جب ہارون نے یاد دلایا کہ آج تو پہلے ہی دو پریڈ بست اہم ہیں تو دل ہی دل میں بست بور ہوا مگر
اپنی بے چینی وہ ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ چپ چاپ اس کے ساتھ کلاس کی طرف بڑھ گیا۔
یہ اور بات تھی کہ لیکچر کے دوران بھی اسے بار بار نمل کی کئی بات سنائی دیتی رہی ایسے جیسے پروفیسر صاحب لیکچر
نہ دے رہے ہوں بلکہ نمل سامنے کھڑی بول رہی ہو۔

بڑی مشکل سے کہیں جا کر دو پریڈ ختم ہوئے تو شکر کا کلمہ پڑھتا کلاس سے باہر آگیا۔

”بڑی جلدی میں ہو کیا بست بھوک لگ رہی ہے۔“

اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کے لیے ہارون کو اس کے پیچھے بھاگ کر اتار دیا۔

”پرویسور! اولوں کا یہ پریڈ ختم ہو گا نا۔“ خرم نے پوچھا۔

”پتا نہیں کیوں؟“ ہارون نے حیرانی سے پوچھا اس سے پہلے کہ خرم کچھ کہتا وہی جو اسی وقت پاس آیا تھا بول
اٹھا۔

”اگر ان کا پریڈ ختم ہوتا تو وہ لڑکی بھی کینٹین میں ہوگی۔ وہ کیا نام تھا اس کا۔“

”کون سی لڑکی؟“ خرم باخوبی سمجھ جانے کے باوجود انجان بننے ہوئے بولا۔

”تم کہیں ان تین لڑکیوں کی بات تو نہیں کر رہے ہو کل اپنے سمو سے اور کولڈ ڈرنکس چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔“
ہارون نے برہمی سے پوچھا۔

”ہاں وہی تو۔“

”بس! اس سے پہلے کہ حمید کچھ کہتا ہارون نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کرادیا۔

”خرم نے کل جو کچھ کہا تھا *It was already too much* اب انہیں مزید پریشان کرنے کی
ضرورت نہیں۔“ ہارون تپے ہوئے انداز میں بولا۔

خرم کو انداز تھا ہارون کو ایسی حرکتیں بالکل پسند نہیں تھیں وہ کل بھی ان سب کے درمیان خاموش ہی رہا تھا
لیکن اس نے اعتراض اس لیے نہیں کیا کہ نمل نے خرم کی شکایت کی تھی وہ بھی ایک جھوٹے الزام کے ساتھ۔
مگر اب جبکہ خرم کل ہی اسے بست کچھ سنا چکا تھا تو اب اسے ڈھونڈنا اور نئے سرے سے پریشان کرنا ہارون کو ہرگز
گوارا نہیں ہوگا۔

خود خرم بھی اس طرح لڑکیوں کو تنگ کرنے کا عادی نہیں تھا مگر نمل کو وہ آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔
جو کچھ نمل نے کہا تھا خرم پورے دن اس کی بازگشت سنتا رہا تھا پھر وہ اتنی آسانی سے اس کی جان کیسے چھوڑتا
اس نے تو سوچ لیا تھا وہ نمل کو اس قدر زچ کر دے گا کہ وہ گھبرا کر یونیورسٹی چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لے۔ مگر اپنے
ارادے وہ اب سب پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا سبھی سرسری انداز میں بولا۔

”ہارون ٹھیک کہہ رہا ہے یا ر۔ کل ہی میں نے اسے اتنا بتا دیا تھا کہ آج اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے کی ضرورت
نہیں اب میں اتنا بھی فالتو نہیں کہ ہر وقت اس کی کھوج میں رہوں اور جہاں نظر آئے وہیں اپنے سارے کام چھوڑ
کر اسے پکڑنے بیٹھ جاؤں۔“ خرم بے نیازی سے کہتا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ کوریڈور میں اسے سامنے سے نمل
کی دونوں دوستیں آئی دکھائی دیں۔

خرم غیر ارادی طور پر اپنی جگہ رک گیا ان دونوں کے ساتھ نمل نہیں تھی خرم کو حیرانی ہی ہوئی حالانکہ یہ کوئی
ضروری نہیں تھا کہ وہ تینوں ہر وقت ہی ساتھ ہوں مگر خرم کو یقین تھا وہ آج آئی ہی نہیں، بھی وہ دونوں اکیلی نظر آ
رہی تھیں۔

خرم کے رکنے پر ہارون اور حمید بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے مگر وہ دونوں تب چونکے جب عین ان کے
سامنے پہنچ گئیں۔

سنبل تو ان تینوں کو اپنی جانب دیکھتا کر پریشان نظروں سے رو میلہ کو دیکھنے لگی جبکہ رو میلہ ان پر ایک نظر ڈال
کر آگے بڑھتا ہی چاہتی تھی کہ خرم بول پڑا۔

”السلام علیکم مس۔ کل آپ کے سمو سے اور کولڈ ڈرنکس میرے دوستوں کو ختم کرنے پڑے رزق کو ضائع
کرنا ہمیں بالکل پسند نہیں۔“

آپ کو اتنا ہی آدرس دینا چاہیے تھا جتنا کھانا ہو۔“ خرم کے کہنے پر ان دونوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا
اور رو میلہ نے آگے بڑھتے ہوئے آہستہ آواز میں ”جی ہاں“ کہہ کر گویا بحث چھڑنے سے پہلے ہی سمیٹ دی مگر

خرم وہ سوال پوچھتے بغیر ان کی جان کیسے چھوڑ دیتا جس کے لیے اس نے ان دونوں کو مخاطب کیا تھا۔
”کیا بات ہے آج آپ دونوں کے ساتھ آپ کی وہ دوست نظر نہیں آ رہی۔“ خرم نے اتنے مہذب انداز میں
پوچھا تھا کہ رو میلہ کو بھی رسائی سے جواب دینا پڑا۔

”جی وہ آج آئی نہیں۔“ رو میلہ کو علم تھا وہ ایک بات کا جواب دے گی تو وہ دس سوال اور پوچھے گا مگر اسے یہ
بھی معلوم تھا کہ اس کے سوال کا جواب دینے بغیر اگر وہ آگے بڑھ گئی تب بھی وہ تب تک پیچھے آ رہے گا جب تک
وہ جواب نہ دے۔

”اوہ۔“ حمید نے بڑی معنی خیز انداز میں لفظ ”اوہ“ کو کھینچا۔
”کیوں کیا بتا رہے ہو گئیں۔ میرا مطلب ہے کہیں بخار و خار تو نہیں چڑھ گیا۔“ حمید نے بظاہر بڑی ہمدردی سے

پوچھا مگر اس کی ہمدردی میں چھپا طنز رو میلہ اور سنبل بخوبی سمجھ گئی تھیں۔
وہ بھی کہتے چاہ رہا تھا کہ کل ان سے بحث کر کے نمل کو بخار چڑھ گیا۔

”جی پتا نہیں۔“ رو میلہ سنجیدگی سے کہتی آگے بڑھنے لگی کہ ایک بار پھر خرم نے اسے روک لیا۔
”وہ کل تو آئیں گی نا۔“ اچانک پوچھنے لگے اس جملے کو کہتے ہوئے خرم کا لہجہ کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ سنبل اور

رو میلہ تو کیا ہارون اور حمید بھی اس کی شکل دیکھنے لگے۔
”جی پتا نہیں۔“ رو میلہ نے کہا اور ایک بار پھر تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش کر ڈالی اور اس بار وہ اس
کوشش میں محض اس لیے کامیاب ہو گئی کہ حمید کا دھیان اب خرم کی طرف منتقل ہو گیا تھا جو ان دونوں کی خود پر

جی نظروں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔
”کیا ہو گیا۔ کیا پہلی بار دیکھ رہے ہو۔“

”شکل تو نہیں لیکن تمہارا یہ انداز واقعی پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔“ ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”کیا مطلب؟“ خرم جو پہلے ہی نمل کے نہ آنے کا سن کر رور ہو چکا تھا ان کی یہ ناقابل فہم گفتگو سن کر سبے زاری

سے بولا۔
”مطلب یہ کہ مجھوں کیا مر گیا ہے جنگل او اس ہے۔“

”کیا؟“ خرم کے سر پر سے گزر گیا تھا۔
”بھئی تمہاری کیفیت بتا رہا ہوں تم ایسے ہی پوچھ رہے تھے جیسے آج وہ نہیں آئی تو پوری یونیورسٹی ویران ہو گئی۔“

ہارون نے شرارت سے کہا تو خرم بے چارے تھلا گیا۔
”کہو اس بند کو لگتا ہے تمہیں کچھ زیادہ ہی بھوک لگ رہی ہے چل کر کچھ کھا لو ورنہ میرا پیچھا کھا جاؤ گے۔“

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم اور عقل عطا کیا ہے تاکہ وہ اپنے لیے نیک و بد کا امتداد کرے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عقل عطا کیا ہے تاکہ وہ اپنے لیے نیک و بد کا امتداد کرے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عقل عطا کیا ہے تاکہ وہ اپنے لیے نیک و بد کا امتداد کرے۔

خود کو مارا، گھڑا، یا بالکل پسند نہیں کیا تھا کیونکہ اس کی بات سے بے قصد و حسی اور سلاخ کا اکرنا ملتا۔
یہ جان کر کہ عمل نہیں آئی تھی اسے جیسے جیسے خود شی دران لگ رہی تھی مگر اس کے پیچھے وہ نہیں تھی
جو اس دن سمجھ رہا تھا۔

”اب یہاں تو اسی لڑکی کا مکمل والا جملہ فٹ ہو رہا ہے۔“ صید نے بھی ہارٹن کے اٹھ پر تالی مارتے ہوئے معلقہ کر دیا۔

[illegible]

دنوں میں خود کی مشغولیت ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے گھر پر اپنا دل دیا اور اس کے گھر پر اپنی زندگی گزاری۔

مہیا بے کار کی ہائیں کر رہے ہیں تینوں میں ایک ہادی تھی، جس کے چہرے پر ہڈی کی ایک پرچھاٹیں تکھ میں تھی کوئی درد نہ ہوئی اس کے پیشانی پر گہری لکیر تھی۔ یہاں تک اس کی بات سے اعتکاف کرتے نہ تھے۔
اس کی بات غور نہ کی کہ یہ کی طرح تھی جس کی حالت اتنی نیکیت کو چھپاتے تھے تو غصے سے کندھا پر کھڑا کر لیا

”ہو سکتا ہے ہمدردی بات سمجھ رہی تھیں مگر کل بھی پونہ روشنی آئی۔“ قوم نے کہہ دیا تھا کہ قوم
 خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کا کامیابی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ اکبر علیہ السلام)

دستِ گداز

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ فوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ فوزیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

دو میلہ، سنبل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نعل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ٹوکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی جیب بے غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس لچک کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آئے ہوئے)

ساتویں قسط



نیند میں بھی ساری رات نذیبہ کو ایسا لگتا رہا جیسے شائستہ کی روح اس کے بستر کے آس پاس ہی منڈلا رہی ہو اسی لیے کچی نیند میں جب اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔
 قریب تھا کہ اس کے منہ سے چیخ بھی نکل جاتی مگر عائشہ اختر کو سامنے دیکھ کر اس کے اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑ گئے۔

”کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو۔“ نذیبہ کے اس طرح اٹھ بیٹھنے پر عائشہ اختر حیرانی سے بولیں۔
 ”ج۔ جی میں ٹھیک ہوں۔“ نذیبہ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ایک گہرا سانس خارج کر کے خود کو اطمینان دلایا کہ وہ ڈراؤنی رات گزر گئی ہے۔

”بہت گہری نیند میں تھیں تم۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تمہیں آوازیں دیں۔ آخر تمہیں آکر بلا نا پڑا تب تم اٹھی ہو۔ رات میں کب سوئی تھیں۔“ ان کے کہنے پر نذیبہ کو بڑی حیرانی ہوئی۔
 اس کا جسم اور ذہن تو ایسے تھک رہے تھے جیسے وہ ساری رات سوئی جاگتی رہی ہو ذہن کی وہ کیفیت ہی نہیں تھی جو گہری اور طویل نیند لے کر ہوتی ہے۔

”پتا نہیں رات کو تو نیند ہی نہیں آ رہی تھی کل کا سارا دن سو کے گزارا تھا رات کو تو بستر پر لیٹنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر اکیلی کب تک جاتی اس لیے سوتا رہا۔“ نذیبہ نے بستر سے اترتے ہوئے کسمندی سے کہا۔
 ”ہاں جب میں کمرے میں آئی ہوں تو تمہارے بید روم کی لائٹ آن تھی۔“ عائشہ اختر نے comforter طے کرتے ہوئے کہا۔

نذیبہ ایک بار پھر کل کی رات یاد کر کے اپنی جگہ ٹھٹھکی مگر پھر سر جھٹکتے ہوئے باتھ روم کی طرف بڑھی ہی تھی کہ عائشہ اختر کی بات نے ایک بار پھر اسے ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیا۔
 ”جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ تمہارے کالج کی دین آتی ہی ہوگی۔“ عائشہ اختر اپنی بات کہہ کر کمرے سے چلی گئیں جبکہ نذیبہ وہیں باتھ روم کے دروازے پر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
 ایک امتحان ختم ہوا تھا تو دوسرا شروع ہو گیا تھا کتنی مشکل سے اس نے رات کاٹ کر صبح کی تھی اور اب صبح ہوئی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ یہ وقت کیسے گزرے گا۔

وہ پھر سے اسی کلاس میں ان ہی لڑکیوں کے بیچ جا کر کیسے بیٹھے گی غلطی کی ذہرا مقلتی زبان اور دوسری لڑکیوں کی حیرت اور استفہام سے بھری نظریں وہ کیسے برداشت کرے گی۔
 اس کے بے ہوش ہو جانے کے بعد جانے ان سب نے اس کے متعلق کیا کیا باتیں کی ہوں گی جو اسے آج دیکھنے کے بعد پھر شروع ہو جائیں گی۔

یہ طنز و اعتراض کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا وہ اس کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑنے والی تھیں بلکہ ہو سکتا ہے کل اس کے بے ہوش ہونے کے بعد انہوں نے کسی ٹیچر کو بھی اس کی ذہنی حالت کے متعلق بتا دیا ہو اگر ایسا ہوا تو وہ ٹیچر بھی اس سے وہی سوال کریں گی جو غلطی وغیرہ نے کیے تھے بے شک ان کا انداز غلط تھا اور دوسری لڑکیوں جیسا نہ ہو مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا ان کی سوچ تو ان لڑکیوں سے مختلف نہیں ہوگی۔

بھلے ہی وہ اپنی سوچ کو زبان نہ دیں مگر وہ بھی اسے دوسری لڑکیوں کی طرح مہنتی سک اور ایب نارمل ہی سمجھیں گی۔
 اگر انہوں نے اس سے کچھ پوچھا تو وہ انہیں کیا جواب دے گی اور اگر انہوں نے بھری کلاس میں سب کے سامنے استفسار کیا تو وہ کیا کہے گی۔

ایک بار پھر اسے اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑتے محسوس ہونے لگے اسے لگا اس میں بالکل سکت نہیں ہے کالج

جانے کی کیا ان سب کا سامنا کرنے کی دہاتھ روم جا کر منہ وغیرہ دھونے کی بجائے وہیں بیڈ پر ٹانگیں بچھا کر بیٹھ گئی۔
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کالج نہ جانے کا کیا سامنا کرے عائشہ اختر کے سامنے اگر وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ بناتی تو وہ فوراً ڈاکٹر کے پاس چلنے پر آمادہ ہو جاتیں کیا عجیب کہ وہ ڈاکٹر شکیلہ کو ہی بلا لیتیں جبکہ وہ ڈاکٹر دواؤں اور علاج وغیرہ سے تنگ آ گئی تھیں۔

وہ انہیں سچ بھی نہیں بتا سکتی تھیں کیونکہ سچ سن کر وہ اس کا مسئلہ حل نہیں کر سکتی تھیں الٹا بے جا نصیحتیں شروع کر دیتیں۔

”ان لڑکیوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔“
 ”تم صرف اپنی پرہیزی پر توجہ دو اور کسی کی باتوں پر دھیان مت دو۔“
 ”کتنے دن بائیں بنا میں گی وہ آخر خود ہی چپ ہو جائیں گی۔“

”بلکہ تم ان کی باتوں کا جواب دو تم ہر ایک کی بگو اس چپ چاپ سن کر کیوں آجاتی ہو۔“
 ”جھٹلاؤ رخصت کی کسی ساری تفصیل کو۔“

”انکار کر دو تم نے رخصت پر کوئی حملہ نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہہ دو کہ وہ تو تمہارے گھر سے رہنے ہی نہیں آئی وغیرہ۔“

عائشہ اختر کا پردھایا پاٹ رٹنا اس کے بس سے باہر تھا کچا کہ اسے ان لڑکیوں کے سامنے دہرائنا جن کی توجہ کا مرکز بننے کے خیال سے ہی اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

”نذیبہ بیٹا جلدی آؤنا شائستہ اہو رہا ہے۔“ عائشہ اختر کی آواز پر وہ اپنا دل کڑا کر کھڑی ہو گئی۔
 چند روزہ منٹ میں وہ تیار ہو کر ایسے ہی لڑکی تھی جیسے روز کالج جانے کے لیے نیچے آئی تھی بلال اختر اور عائشہ اختر کو سلام کر کے وہ پلاہرائن کے ساتھ غلطی میں شامل ہو گئی جبکہ اس کا ذہن مسلسل اپنے اگلے اقدام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اس کی دین بلال اختر کے گھر سے نکلنے سے پہلے آیا کرتی تھی اور اسے گیٹ سے ہی پک کیا کرتی تھی وہ باتھ پر بندھی کھڑی بیٹھنے لگی اس کی دین بس آئے ہی والی تھی۔
 وہ ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ اسے دین کا بارن سالی دیا وہ بلال اختر اور عائشہ اختر کو اللہ حافظ کستی بیک اٹھائے گھر سے نکل گئی۔

بچپن میں عائشہ اختر اسے گیٹ تک چھوڑنے آیا کرتی تھیں مگر پچھلے کئی سالوں سے یہ معمول ختم ہو گیا تھا بلال اختر اس کے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد ہی جایا کرتے تھے چنانچہ اب گیٹ بند کرنے کوئی نہیں آتا تھا پانچ منٹ بعد بلال اختر کو اپنی گاڑی نکالنی ہوتی تھی گیٹ بند کرنے اور کھولنے کی یہ ذمہ داریا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی چنانچہ نذیبہ نے آرام سے گردن اٹھا کر بڑے سے گھر کے بند دروازے پر ایک نظر ڈالی اور گیٹ کھول کر باہر آگئی۔

سامنے ہی سڑک پر اس کی دین کھڑی تھی نذیبہ نے بیک کی زپ کھول کر ایک کانڈ نکالا اور دین کے پچھلے حصے کی طرف بڑھنے کی بجائے ڈرائیور کے قریب چلی آئی اور کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے بولی۔
 ”انکل میں کچھ دن کالج نہیں جاؤں گی۔ میں شہر سے باہر جا رہی ہوں آپ میری یہ اہم کمیشن میڈم کو دے دیجیے گا۔“ اس نے کانڈ ڈرائیور کی طرف بڑھادیا جسے اس نے ”جی اچھا“ کہہ کر تھام لیا۔

”میں جب واپس آؤں گی تو آپ کے موبائل پر فون کروں گی کل سے آپ مت آئے گا۔“ نذیبہ کے کہنے پر اس نے سر ہلا کر دین آگے بڑھائی نذیبہ نے کچھ دیر تو نظروں سے دور ہوئی دین کو رک کر دیکھا پھر تیزی سے پلٹ کر

گیمٹ سے اندر آئی گیمٹ کو لاک کیے بغیر بند کر کے دو بے قدموں سے چلتی لان کے پچھلے حصے کی طرف آئی۔ یہاں ملازموں کے لیے کوارٹر بنے ہوئے تھے وسیع و عریض رقبہ پر بنی ان کی بڑی سی شاندار گیمٹ میں کوارٹر کی تعداد بھی بہت تھی اتنے ملازم بھی نہیں تھے جتنے کوارٹر بنے ہوئے تھے۔

پانچ میں سے تین میں تو ان کے ملازم رہائش پذیر تھے جبکہ باقی کے دو خالی پر تھے البتہ عائشہ اختر نے انہیں لاک کر کے ان کی چابیاں اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں لیکن ہر کمرے کے برابر میں چھوٹا سا گول زینہ بنا ہوا تھا جو اس کمرے کے اوپر کی منزل پر جاتا تھا جمال پالی کی کنگی وغیرہ نصب تھی ہر کوارٹر کی اپنی الگ کنگی تھی۔

نزدیک خاموشی سے زینہ چڑھتی بھت پر آئی وہاں ایک کنگی لگی ہوئی تھی گنگی کے ساتھ ساتھ کچھ کاٹھ کباڑ بھی رہا تھا کسی زمانے میں شاید ان کوارٹرز میں بھی ملازم ہو غیور رہے ہوں گے مگر پھر ضرورت نہ رہنے کے باعث انہیں نکال دیا ہو گا۔

نزدیک نے چھوٹی سی چھت پر ایک طائرانہ نظروں سے دیکھا ایک ایک اونڈھے بڑے موڑھے پر رکھا اور اسے سیدھا کر کے اس موڑھے کو اپنے ڈھونڈ سے جھاڑ کر اس پر ٹنگ گئی وہ کنگی کی اوٹ میں تھی اسے دوسرے کوارٹرز میں رہنے والے ملازم دیکھ سکتے تھے نہ ہی کوئی دوسری منزل پر بنی کھڑکیوں سے وہ نظر آ سکتی تھی۔

بڑے سکون سے اس نے کنگی کی دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اسے بہت سکون محسوس ہو رہا تھا حالانکہ اس کے لا شعور میں کہیں یہ سوال ہلکولے لے رہا تھا کہ آخر یہ سب کب تک چلے گا ایک نہ ایک دن تو اسے کالج جا کر ان سب کا سامنا کرنا ہی ہو گا مگر وہ فی الحال اس ایک دن کے بارے میں سوچتا نہیں چاہتی تھی اسے تو اتنا معلوم تھا کہ آج وہ اس ساری اذیت سے بچ گئی تھی جو ان سب سے مل کر اسے سہی پڑتی۔

اس نے زندگی کا بیشتر وقت پریشانی اور خوف کے زیر سایہ گزارا تھا اس کی زندگی میں سکون کے یہ قیمتی لمحات بہت کم تھے اور وہ اتنے کم لمحات کو بھی آئندہ کے متعلق سوچ کر ضائع نہیں کر سکتی تھی۔

نمل گاڑی کو تیزی سے عظمت خلیل کے آفس کی طرف دوڑا رہی تھی اس نے راستے سے ہی سنبل اور رو میلہ کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ اس کے انتظار میں نہ بیٹھیں وہ آج انہیں پک نہیں کر سکے گی بلکہ ہو سکتا ہے وہ آج جا ہی نہ سکے۔

اپنے نہ جانے کی تفصیل تو اس نے نہیں بتائی بس اتنا کہہ دیا کہ ابو سے کچھ ضروری کام ہے۔ سنبل تو اس کا فون سن کر مطمئن ہو گئی کہ اب جانا نہیں پڑے گا البتہ رو میلہ نے کہہ دیا کہ اسے ابراہمائی چھوڑ دیں گے۔

”چاہو تو تم بھی چھٹی کر لو کیونکہ سنبل بھی نہیں جا رہی۔“ نمل نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ کھاتے ہوئے مختصراً کہا۔

”نہیں بلا وجہ چھٹی کرنے کی کیا ضرورت ہے اور سنبل کو بھی فون کر دوں گی کہ میں اسے لینے آ رہی ہوں تو اسے بھی چلنا ہی پڑے گا۔“ رو میلہ نے اطمینان سے کہا اور الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا۔

”آپ کو ہماری وجہ سے خواہ مخواہ تکلیف ہو رہی ہے۔“ وہ لڑکی نمل کو دیکھتے ہوئے قدرے شرمندگی سے بولی۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔ یونیورسٹی ہی جانا تھا وہاں میں آپ کو ابو سے ملوا کر چلی جاؤں گی۔“ نمل نے مسکراتے ہوئے کہا وہ نمل کی برابر والی سیٹ پر ہی بیٹھی تھی جبکہ اس کی والدہ پچھلی سیٹ پر تھیں۔

”آپ کے بھائی کا نام کیا ہے۔“ نمل نے پوچھا۔

”اس کا نام حشام ہے اور میرا شائلہ۔“ اس نے تعارف کرانے کے انداز میں کہا۔

”آپ مجھے اپنے بھائی کی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیل سے بتائیں اور یہ مت سوچیں کہ یہ سب پوچھنے کے پیچھے میرا مطلب یہ ہے کہ میں اس پر شک کر رہی ہوں۔ میں اسے جانتی ہی نہیں لہذا میں اس کے بارے میں کوئی رائے بھی قائم نہیں کر سکتی۔“

لیکن ایک بات میں ضرور کہوں گی آپ پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔

پولیس نے اگر آپ کے بھائی کو اریسٹ کیا ہے تو ہو سکتا ہے انہیں اس کے خلاف کچھ شواہد وغیرہ ملے ہوں۔ ہم آپ کے بھائی کا پتہ لگانے کی پوری کوشش کریں گے پولیس کو اسے اس طرح محتاب کر دینے کا کوئی حق نہیں ہے مگر میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے آپ کا بھائی اگر مجرم نکلا یا پولیس کے پاس اس کے خلاف ثبوت وغیرہ ہوئے تو ہو سکتا ہے ابو اس کی کوئی مدد نہ کر سکیں کیونکہ ابو جو بھی کرتے ہیں قانون کے دائرے میں رہ کر کرتے ہیں۔ پھر ظاہری بات ہے وہ ایک مجرم کی مدد کیسے کر سکتے ہیں اور نہ ہی کریں گے۔“ نمل نے بہت ہی ٹھنڈے سببے اور دھیمی آواز میں بڑی لمبی تفصیل بتائی۔

در اصل جب اس نے انہیں عظمت خلیل سے ملوانے کی بات کہی تو ان کے چروں پر پھیلتی روشنی اس بات کا جیج کر اعلان کر رہی تھی کہ انہوں نے عظمت خلیل کے نام سے بہت امیدیں باندھ لی ہیں۔

جبکہ خود نمل انسانوں سے امیدیں لگانے کی قائل نہیں تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ پہلے ہی بہت کچھ سوچ لیں اور پھر نتیجہ ان کی توقع کے مطابق نہ نکل سکے تو انہیں صدمہ ہو۔

اس سے بہتر تھا وہ پہلے ہی ذہنی طور پر تھوڑا تیار رہیں کہ حالات کا ان کے موافق ہونا اتنا آسان بھی نہیں ہے۔

”آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں عظمت خلیل صاحب کے بارے میں میں نے جو کچھ سنا ہے اس کی روشنی میں میں اتنا تو ضرور کہہ سکتی ہوں کہ وہ بھی کبھی مجرم کے ساتھ نہیں رہیں گے۔“

آپ اطمینان رکھیں میرا بھائی مجرم نہیں ہے اور یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن ہوں بلکہ یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں اسے بہت قریب سے جانتی ہوں۔

وہ بہت اچھا ہے آج کل کے لڑکوں والی کوئی بھی معیوب عادت نہیں ہے بہت نمازی اور پرہیزگار ہے اسے بچپن سے ہی احساس ہے کہ ہماری اماں نے ہم دونوں کو کتنی مشکلوں اور پریشانیوں سے پالا ہے اس کا زیادہ وقت صرف بڑھنے میں گزرتا ہے بچپن سے فرسٹ آنا ہے۔

پچھلے سال میٹرک میں اس نے پورے بورڈ میں چوتھی پوزیشن لی تھی۔

وہ اس لیے جیل میں نہیں ہے کہ اس نے کچھ کیا ہے بلکہ وہ اس لیے قید میں ہے کہ وہ ایک غریب علاقے کے کچے کچے گھر میں رہتا ہے جس کی بیک پر بہت بڑی پاور ٹوکیا سر پر باپ کا سایہ بھی نہیں ہے۔“ شائلہ کی آواز رندھنے لگی تھی اپنے بھائی کا ذکر کرتے ہوئے۔

نمل کو شرمندگی ہوئی اس نے اس طرح کیوں کہہ دیا۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ جس ذہنی اذیت اور اب کیا ہو گا جیسے خدشات میں گھرے تھے اس کا احساس کرتے ہوئے تو نمل کو انہیں تسلی دینی چاہیے تھی تاکہ انہیں امید باندھنے سے ہی روک دیا۔

”اگر ایسی بات ہے آپ کا بھائی اتنا اچھا ہے تو یقین رکھیں اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا۔“ نمل نے دلاسا دیتے ہوئے کہا اور واقعی وہ بھیجی ہلکوں کے ساتھ مسکرا دی۔

کچھ دیر بعد وہ ان دونوں کے ساتھ عظمت خلیل کے شاندار آفس میں موجود تھی ریسرپشن پر جب اس نے عظمت خلیل کا نام لیا تو وہ کمپیوٹر پر Appointments چیک کرنے لگی۔

”میری Appointment نہیں ہے میں ان کی بیٹی ہوں نمل خلیل آپ انہیں انفارم کر دیں Urgent۔“ It is

نمل کے کہنے پر اس نے پاس رکھا ریپور اٹھا کر اندر اطلاع کی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی۔
”آپ اندر جاسکتی ہیں۔“ نمل نے پلٹ کر ان دونوں کو اشارہ کیا اور انہیں لے کر عظمت خلیل کے کیمین میں داخل ہو گئی۔

ان کا کیمین ان کے سرکاری عہدے کو دھیان میں رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا چنانچہ وہ بھی ان کے آفس کی طرف آنکھوں کو خیرہ کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

وہ تینوں ایئر کنڈیشن کار سے اتر کر یہاں آئی تھیں پھر بھی ان کے کیمین میں اسے سی کی کولنگ میں قدم رکھ کر انہیں ایسا لگا جیسے وہ کسی کمرے کی بجائے کسی فریزر میں چلے آئے ہوں۔

”نمل خیریت تو ہے کیا ہوا۔ تم یہاں اس طرح۔“ عظمت خلیل اسے دیکھتے ہی بولے۔

”ہمارے گھر میں سب خیریت ہے دراصل یہ دونوں آپ سے ملنا چاہ رہی تھیں۔“ نمل نے انہیں دیوار سے لگے ایک بیش قیمت صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ان کی ٹیبل کے نزدیک چلی آئی۔

عظمت خلیل جو بڑے غور سے اسے دیکھ رہے تھے ان دونوں عورتوں پر ایک نظر ڈال کر حیرانی سے بولے۔
”کون ہیں یہ؟“

نمل نے ان کے پوچھنے پر مختصر الفاظ میں انہیں ان دونوں کی پریشانی کے متعلق بتا دیا۔
عظمت خلیل کی حیرانی واضح طور پر ناگواری میں تبدیل ہو گئی ان کی پیشانی پر ان گنت شکنیں پڑ گئی تھیں۔

”یہ وہ بات تھی جس کے لیے تم نے مسیج سسٹم سے کہا کہ بہت ارجنٹ ہے۔“ انہوں نے دانت بردانت جھاتے ہوئے کہا۔

نمل صرف انہیں دیکھ کر رہ گئی وہ کبھی اس طرح ان کے آفس نہیں آئی تھی اس کے اچانک آنے اور ایسا پیغام دینے پر انہوں نے فوراً اسے طلب کر لیا جبکہ اب ان کی شکل سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہ سب یہاں آفس میں ڈسکس کرنا نہیں چاہ رہے آخر انہوں نے اتنا بڑا ٹرسٹ کھول رکھا تھا کہ لوگ اپنی تکفیفیں لے کر وہاں جا میں اپنے آفس میں انہیں رش لگانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

نمل ان کے موڈ کو سمجھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔
”ابو ان کا بھائی ایک ہفتے سے پولیس کی حراست میں ہے۔ ایک ہفتے سے۔ انہوں نے آپ کے ٹرسٹ میں بھی اہلہ کشن دی مگر وہاں سے بھی کوئی رسپانس نہیں ملا۔

آپ پلیز اتنا تو پتا کر دیں کہ وہ کون سے جیل میں سے ان ماں بیٹی کی بے چینی میں کچھ تو کمی آجائے گی۔“ نمل نے التجائیہ انداز میں کہا۔

عظمت خلیل نے جس طرح لب بھینچے تھے اس سے صاف ظاہر تھا انہوں نے بمشکل خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا ہے۔

نمل اچھی طرح جانتی تھی انہوں نے خود پر اتنا ضبط کیوں کیا ہے اگر یہ ان کا گھر ہو تو وہ اب تک نمل کو کتنی ہی صلواتیں سنا چکے ہوتے۔ اس وقت تو انہوں نے آفس میں ہونے کا لحاظ کر لیا تھا جو محض قبر بھری نظروں سے نمل کو دیکھ کر رہ گئے۔

پھر ان خاتون کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے حتی الامکان اپنے لہجے کو قابو میں رکھتے ہوئے بولے۔
”ہسن جی آپ بالکل بے فکر رہیں آپ کے مسئلے کا میں آج ہی نوٹس لوں گا۔ آپ اپنے بیٹے کی تصویر کے

ساتھ اس کے سارے کوائف لکھ کر میرے ٹرسٹ میں جمع کرادیں۔“ عظمت خلیل کے کہنے پر ماں اٹھ کر ان کی بیٹی کے شاندار میز کے قریب چلی آئیں۔

”آپ کے ٹرسٹ کے آفس میں ہم حشام کی تصویر نام عمر سب دے چکے ہیں مگر وہاں پریشان حال لوگوں کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ ہمارا نمبر آنے تک تو میرا حشام بوڑھا ہو جائے گا۔“

”تو اماں ہم بھی کیا کر سکتے ہیں ہم بھی تو انسان ہیں ہمارے وسائل اور اختیار کی ایک حد ہے لامحدود اختیار ات تو صرف اس کے پاس ہیں جو پوری دنیا کے مسائل ایک ساتھ منٹا اور حل کرتا ہے۔“ عظمت خلیل واپس اپنے اس چولے میں چلے گئے جو وہ صرف باہر کی دنیا کے سامنے زیب تن کرتے تھے ان کے لہجے کی انکساری اور تواضع کا درد سن کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنی بیٹی کو خون آشام نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اماں کے اٹھ کر قریب چلے آنے پر ان کی آواز کی تیزی ایسے نرمی میں تبدیل ہو گئی تھی جیسے زندگی میں کبھی انہوں نے کسی سے سختی سے بات نہ کی ہو ان کی بات سن کر اماں ابدیدہ ہو گئیں۔

”ہاں وہ تو ہے آپ لوگ بھی انسان ہیں ہر ایک کی شکایت سن کر اسے فوراً دور کرنا واقعی ناممکن ہے آپ کا ادوارہ تو بہت محنت کر رہا ہے کبھی انسانیت کی جو خدمت آپ کر رہے ہیں وہ واقعی قابل تعریف ہے۔

اسی لیے میں آپ کے پاس آئی ہوں میرے بچے کو پولیس سے چھڑادیں۔ دل میں ایسے ایسے وہم اٹھتے ہیں کہ ساری ساری رات نیند نہیں آتی۔

پولیس کے متعلق جانے کیا کچھ سن رکھا ہے انہیں تو اگر جانور بھی مل جائے تو وہ اس سے بھی اقبال جرم کرانے بغیر نہیں چھوڑتے۔

میرا بچہ تو ابھی بہت کم عمر ہے وہ پولیس کی وحشیانہ مار کیسے برداشت کرے گا پولیس تو ایسا انسانیت سوز تشدد کرتی ہے کہ بعض اوقات بندہ مری جاتا ہے۔“ گلو گھر آوا میں بولیں اماں ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

عظمت خلیل نے اٹھ کر ایک طرف رکھے وارنڈ پینر سے ایک گلاس پانی نکالا اور اماں کی طرف بڑھاتے ہوئے انہیں ڈھیروں تسلیاں دے ڈالیں اماں کے رونے کی شدت میں کچھ کمی آئی تو شام نے جانے کی اجازت مانگی۔

”بالکل آپ گھر جائیں اور بے فکر ہو کر جائیں لیکن حشام کی تصویر کے ساتھ اس کا بائیو ڈیٹا ایک صفحے پر لکھ کر کل ہی میرے ٹرسٹ میں جمع کرادیں۔“ عظمت خلیل کے بیٹے پر سکون لہجے پر اماں انہیں ڈھیروں دعا میں دیتیں آفس سے نکل گئیں۔

راستے بھر اماں اور شام نے عظمت خلیل کے رویے اور جذبہ ہمدردی کو سراہتے رہے۔

”جتنا شام اس سے بڑھ کر پایا۔“ اماں نے کوئی تیسری بار یہ بات کہی تھی نمل خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی یہاں تک کہ جب گاڑی سے اترتے وقت شام نے اس کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ کہا۔

”آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو عظمت خلیل صاحب جیسے والد ملے ہیں۔“ تب بھی نمل چپ چاپ اس کا چہرہ نکلتی رہی اور منہ سے کچھ نہ بولی۔

”تم نے اتنا سارا کام اتنی جلدی کیسے نبھالیا۔“ ریاض غفار نے تعجب سے الیان کو دیکھا تو الیان صرف مسکرا کر رہ گیا البتہ شگفتہ غفار فوراً بولیں۔

”دن رات ایک اسی کام پر توجہ رہتا تھا شکل نہیں دیکھ رہے آپ اس کی کتنا کمزور ہو گیا۔“ شگفتہ غفار خالص

104

بہارنہ کرن

105

بہارنہ کرن

بس دو چار کپڑے پیگ میں رکھنے تھے۔

عموماً اس کا بیگ بھی تیار ہی رہتا تھا اس میں ایک چیزوں کی کمی بیشی ہی کرنی تھی اس لیے اپنے کمرے میں آ کر وہ بیس منٹ میں ہی پیکنگ سے فارغ ہو کر سونے بھی لیٹ گیا۔

کل علی الصبح اس کا گھر سے نکلنے کا ارادہ تھا اس نے اپنی فورویل کا پانی اور پیٹرول سب چیک کر لیا تھا وہ کل ایسی ہی سواری میں وہاں جانے والا تھا۔

گھر آکر نمل نے حسب عادت امی کو تمام بات تفصیل سے بتائی تو وہ حسب توقع پریشانی سے اے دیکھنے لگیں۔
 ”تمہیں اپنے ابو کا مزاج پتا تو ہے پھر کیا ضرورت تھی ان کے آفس پینچنے کی؟“
 ”امی وہ ماں بیٹی اتنی پریشان تھیں کہ مجھ سے رہا نہیں گیا اور اس وجہ سے گھر کا کوئی شخص اس طرح محتاب ہو جائے تو گھر والوں کی کیا کیفیت ہوگی۔“

کیسے کیسے وہ ہم پیدا ہو رہے ہوں گے دل میں اتنے دنوں سے وہ لڑکا غائب ہے۔ اس کی کوئی خبر نہیں یہ سن کر میری اپنی حالت غیر ہونے لگی میں چاہتی تو انہیں گھر ڈراپ کر کے یونیورسٹی جاسکتی تھی مگر میرا ذہن منتشر ہو گیا تھا۔ ”عمل کی آنکھوں کے سامنے ان دنوں ہاں یہی ہے پریشان چہرے گھوم گئے تو وہ کہتی ہی چلی گئی۔

”وہ تو ہے لیکن تمہارے ابو۔۔۔ چلو خیر اللہ بستر کرے گا۔“ رشیدہ نے محض بات ختم کرتے ہوئے کہا ورنہ ان کے چہرے پر تفکرات ابھی بھی نمایاں تھے۔

نمل نے انہیں زیادہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی جانتی تھی اس کی باں عظمت غفل سے کتنا ڈرتی تھیں ان کے غم کا سوچ کر ہی انہیں ہول اٹھنے شروع ہو گئے ہوں گے ایسے میں غفل کی دی کوئی بھی تسلی ان کی فکر مندگی میں کوئی کمی نہیں لا سکتی تھی چنانچہ نمل نے گودھروا سر کی باتیں کر کے ان کا دھیان مٹانا شروع کر دیا اور جس میں کسی حد تک کامیاب ہونے کے بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

صبح ڈرامونگ کے دوران وہ سنبھل اور رویملہ کو کوئی بھی بات تفصیل سے نہ بتا سکی تھی چنانچہ شام ہونے پر رویملہ کا خود ہی فون آگیا۔

نمل اس وقت مغرب کی نماز پڑھ کر اٹھ ہی رہی تھی جب رو میلہ کا ٹیم اپنے موبائل کی اسکرین پر دیکھ کر وہ قریب پڑے فلور کشن پر ٹپک گئی اور موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔

”ماموں کا ایسا کیا کام تھا جو تمہیں چھٹی کرنی پڑی۔“ رو میلہ نے خیر خیریت پوچھنے کے بعد پوچھا۔
رو میلہ کی ماں کے حیات نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں گھرانوں میں روایتی سامانا جلنا نہیں رہا تھا اگر ایک طرف عظمت خلیل بہت مصروف تھے اور مری ہوئی بہن کے شوہر اور بچوں کو فراموش کر چکے تھے تو دوسری طرف رو میلہ کے والد اور ابراہیمائی کو بھی ایسی کوئی دوا لہانہ محبت مری ہوئی ماں کے بھائی کے لیے محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بس خالص تنہا رویوں پر رسمی سی ملاقات ہو جاتی تھی اور ان کے نزدیک اتنا ہی کافی تھا۔

مگر وہ میلہ اور نسل کے بیچ بچپن سے ایک ہی اسکول اور بڑے ہونے پر ایک ہی کالج میں پڑھنے کی وجہ سے اتنی دوستی رہی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے گھر کے حالات سے باخبر ہی واقف تھیں۔

اسی لیے رو میلہ کو نمل کے بطور خاص عظمت خلیل کے کسی گاہ سے چھٹی کرنے پر حیرانی ہو رہی تھی جس کا اس نے فوراً بر ملا اظہار بھی کر دیا تو نمل نے بڑی تفصیل سے اسے ان دونوں ماں بیٹی کے متعلق بتا دیا۔
کچھ دیر تو رو میلہ بھی ان کی حالت زار پر افسوس کا اظہار کرتی رہی پھر کچھ یاد آنے پر چوہے بولنے لگی۔

"By Roadsign"

”ہاں بھئی اب روز تھوڑی چھٹی کروں گی اور تم ہٹاؤ سنبل جانے کے لیے تیار ہوئی یا نہیں۔“ نمل بولی۔
 ”ہاں بڑی مشکل سے مانی تھی بلکہ یوں سمجھ لو میں ابراہمائی کے ساتھ اس کے گھر پہنچ گئی تو اسے مجبوراً چلنا
 دیا اب ابراہمائی کے سامنے بھلا کیا بسانہ بنائی۔“

وہیے اچھا ہی ہوا چلی گئی خواجہ خواجہ ہی ذریعہ تھی آج تو وہ لڑکے بڑی تمیز سے ملے تھے۔ اس خرم نے تو دیکھتے ہی پہلے سلام کیا اور پھر رزق کے احترام پر بھیحت بھی کی۔ ”یہ کہہ کر جب رومیلہ نے خرم کی کہی بات دہرائی تو غمیل صرف گردن ہلا کر رہ گئی۔

”تم نے اسے بتایا کہ میں صرف رزق کو ضائع کرنا ہی گناہ نہیں ہے چوری بھی بہت بڑا گناہ ہے اسلامی سزائیں تو چور کے ہاتھ کاٹ دیے جاتے ہیں۔“ مکمل کے طنزیہ کہنے پر دو میلہ اعتراض کرنے والے انداز میں بولی۔

”ہاں میں یہ کہتی تاکہ اسے آگے سے اور دوس باتیں کہنے کا موقع مل جاتا ویسے بھی اس نے مجھے مخاطب صرف تمہارے متعلق پوچھنے کے لیے کیا تھا۔“

”کہا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اس نے تمہارے بارے میں جس طرح پوچھا تھا اسے دیکھ کر مجھے تو پریشانی ہونے لگی۔“

”کیا تجس پھیلا رہی ہو سیدھی طرح جتاؤ تا کیا کہہ دیا اس نے۔“
 ”ایسا کچھ نہیں کہا ہے۔ جس برقم کل جا کر اس سے لڑ سکو۔“ رومیلہ نے اطمینان بولانے والے انداز میں کہا۔
 ”صرف اتنا بوجھا تھا کہ تم کل شوگی یا نہیں؟“

”جو اس میں ایسی کوئی بات ہے جو تمہیں پریشانی ہونے لگی۔“ نمل نے بے یقینی سے پوچھا۔

”میں تم پر کیوں غصہ کروں گی؟“ نمل کو اس کا اتنا احتیاط برتنا مسکرانے پر مجبور کر گیا۔
 ”کیونکہ اس پر تو ابھی نہیں کرسکتی نا وہ تو جب کل ملے گا اور کچھ کہے گا تب ہی غصہ کرسکو گی۔“

”اچھا اچھا کچھ نہیں کھوں گی سسہنسی پھینا نا بند کر اور جلدی بکھو۔“
 ”جب اس نے یہ پوچھا کہ تم کل تو آؤ گی تب اس کے لہجے میں اتنی بے قراری تھی جیسے اس نے کل کا پورا دن

اور پوری رات صرف تمہارے آنے کا انتظار کیا ہو۔“

”What nonsense“۔ نمل ایک دم جلال میں آتے ہوئے بولی۔

”دیکھو تم نے کہا تھا تم غصہ نہیں کرو گی۔“ روزی ملہ بکڑ کر بولی۔
 ”وہ تو میں نے یہ سوچ کر کہا تھا کہ شاید اس نے ایسا کچھ کہا ہو گا جسے من کر مجھے غصہ آجائے۔“

مگر یہاں تو تم اپنا انداز بتا رہی ہو وہ بھی اتنا واہیات۔ "محل نے دانت پیسے۔
 "میرے اندازے واہیات نہیں، سو فیصد درست ہوتے ہیں۔" رو میلہ نے کہا اور نمل کو بولنے کا موقع دیا۔

”اور یہ تو وہ انداز ہے جس کے درست ہونے پر خود مجھے پریشانی ہو رہی ہے یہ خرم جس ٹاپ کا بندہ ہے اسے

بہنیں اور سہیلیاں سلام کرو، نائی ٹھیک ہے یہ ارزاں بیچے لک لیا تو کیا ہوگا۔ "رومیکہ بہت زیادہ پریشان ہوئی۔
تب سے اس نکتہ پر سوچ ضرور رہی تھی۔

”اول تو ایسا چمچ ہے ہمیں اس لیے اُٹنا سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا چمچ ہو گا تو اس کی

ماہنامہ کرن 109

ایسے لوگوں کا داغ ٹھیک کرنا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔" نمل تپے ہوئے انداز میں بولی رو میلہ ابھی کچھ کئے ہی والی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز سن کر نمل نے اس سے اپنکسکیو ذکر کرتے ہوئے اندر آنے کی اجازت دی تو ملازمہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

"آپ سے کوئی ملنے کیا ہے۔"

"مجھ سے۔" نمل نے حیرت سے کہا پھر رو میلہ کو بتا کر فون بند کرتی اٹھ گئی۔

وہ جب گیٹ پر پہنچی تو شام کو دیکھ کر حیران رہ گئی آج صبح ہی تو وہ ملی تھی پھر اب دوبارہ وہاں کیوں آئی تھی۔ نمل کے قریب جانے پر اس نے سلام کرتے ہوئے ایک لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

"معاف کیجیے گا آپ کو اس وقت پریشان کیا۔ وہ آپ کے والد نے کہا تھا حشام کی تصویر اور تفصیلات لکھ کر دے دوں۔"

نمل نے سوچا آفس میں جمع کرانے کی بجائے آپ کو ہی دے دوں۔" نمل حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

اس کا گھر وہاں سے بہت دور تھا اسے اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا گھر پہنچنے تک تورات اور گہری ہوجانی تھی پھر وہ اکیللی بھی تھی اس کی اماں بھی ساتھ نہیں تھیں۔

"آپ اتنے دور سے یہ لفافہ دینے آئی ہیں وہ بھی اکیلے۔" نمل نے دلی زبان سے کہا۔

"جی اور اصل اماں بہت تھک جاتی ہیں ان کی صحت اس قابل نہیں کہ انہیں سارا دن لیے لیے پھر جائے اور میں نے سوچا آپ کو آج ہی ساری انفارمیشن دے دوں گی تو عظمت صاحب کل ہی پتالگانا شروع کر دیں گے۔"

آپ جب صبح ہمیں گھر چھوڑنے آئی تھیں تبھی میں نے چاہا آپ کو ساری تفصیل لکھ کر دے دوں مگر میرے پاس حشام کی کوئی تصویر نہیں تھی۔

آپ کے والد کے ٹرسٹ میں کئی بار تصویر دی تھی تو گھر میں کوئی بھی نہیں۔ میں نے اسٹوڈیو سے آرجنٹ نیگیٹو سے تصویر بنوائی پھر بھی آتے آتے رات ہو گئی۔" نمل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

نمل نے قدر پریشان تھے وہ لوگ ایک بل ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے اسٹوڈیو میں آرجنٹ تصویر بنوانے کے پیسے بھی زیادہ دینے پڑے ہوں گے اور وہاں تک آنے جانے کے لیے بھی انہیں دو دو تین تین بیس بدلتی پڑتی ہوں گی۔ اور عظمت خلیل کے ٹرسٹ کے بھی جانے کتنے چکر لگے ہوں گے وہاں انہوں نے اتنی تصویریں دیے دیں کہ ان کے پاس عظمت خلیل کو دینے کے لیے کوئی تصویر ہی نہیں بچی ظاہری بات ہے ان کی جوبالی حالت تھی وہ انہیں سینکڑوں تصویریں سمجھوانے کی اجازت تھوڑی دیتی ہوگی۔

یہ چند تصویریں اور نیگیٹو ان کے پاس تھے یہی بہت بڑی بات تھی۔

نمل نے لفافہ میں ہاتھ ڈالا تو ایک کانڈہ میں لپٹی تصویر اس کے ہاتھ میں آگئی۔

"اس کانڈہ میں ساری تفصیل درج ہے ہمارا محلہ، محل اور مکان کا نمبر عظمت صاحب پر دھیں گے تو ان کے خود سمجھ میں آجائے گا انہیں کون سے پولیس اسٹیشن جانا چاہیے۔" شام کو جلدی جلدی بتا رہی تھی شاید اسے واپس گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

نمل کانڈہ ہٹا کر تصویر کو دیکھنے لگی۔

اس کے گھر کے شاندار سے گیٹ پر نصب سو سو پاؤں کے بلب کی روشنی میں تصویر اس کے سامنے بالکل واضح تھی۔

جیسا کہ ان ماں بیٹی نے بتایا تھا کہ وہ فرسٹ ایئر میں پڑھتا ہے تو وہ واقعی میں دیکھنے میں ستراٹھارہ سال سے زیادہ کا نہیں لگ رہا تھا۔

وہاں چلا سا ٹولا سا وہ لڑکا اگر ایک طرف اپنی معاشی حیثیت کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا تو دوسری طرف اس کی آنکھوں کی چمک اور چہرے پر پھیلی سادہ سی مسکراہٹ اسے اس کی عمر کے لڑکوں سے منفرد ظاہر کر رہی تھی۔ کم از کم اس تصویر کو دیکھ کر نمل کو اس کی ماں کی کئی بات سچ لگ رہی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اس کی میٹرک میں پوزیشن آئی تھی وہ نمل سے ذہین لگ رہا تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اس کے مستقبل سے پُر امید ہونے کی نشاندہی کر رہی تھی۔

پتا نہیں اس وقت وہ کہاں اور کس حال میں ہو گا۔ ایک پل کو اس خیال نے نمل کا دل مٹھی میں لے لیا وہ بے اختیار تصویر پر سے نظریں ہٹا کر شام کو دیکھنے لگی۔

"سوری میں آپ کو اندر ملانا تو بھول ہی گئی۔" نمل کو ایک دم خیال آیا تو وہ چونکتے ہوئے بولی۔

"اے نہیں مجھے گھر جانا ہے رات گہری ہو جائے گی اماں بھی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ فوراً سہولی۔

"ہوں رات تو واقعی گہری ہو رہی ہے مگر میں امی سے پوچھ کر آتی ہوں اگر وہ اجازت دیں تو میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔" نمل نے سوچتے ہوئے کہا امی سے اجازت ملنا ذرا مشکل ہی تھا مغرب کے بعد وہ کبھی اس طرح گاڑی لے کر نہیں نکلتی تھی۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ اندر جانے کے لیے پلٹی شام نے منع کر دیا۔

"نہیں رہنے دیں اتنی رات گئے آپ مجھے اتنی دور چھوڑنے جائیں پھر اکیللی واپس آئیں میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" اس نے کہا تو نمل نے زیادہ اصرار نہیں کیا پھر بھی وہ اس کی طرف سے پریشان ضرور تھی۔

نمل کا گھر جس پوش علاقے میں واقع تھا وہاں رات کے وقت اتنا سناٹا ہو جاتا تھا جیسے وہ کوئی انسانوں کی آبادی نہ ہو بلکہ جنگل ہیایان ہوا اسے میں شام کو کا کیے پیدل چلتے ہوئے مین روڈ تک جانا اور پھر وہاں کھڑے ہو کر کسی بس کا انتظار کرنا کسی طور مناسب نہیں تھا مگر وہ کبھی کیا کرتی تھی۔

نمل تب تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ اسٹوڈیو لائیٹ میں اسے نظر آتی رہی مگر کئی ختم ہونے پر اس کا وجود بھی تاریکی کا حصہ بنا گیا۔

نمل اپنے ہی دھیان میں وہیں کھڑی کی کھڑی رہی وہ تو جب عظمت خلیل کی گاڑی اس کے پاس گھر کے گیٹ پر آکر رکی تو اسے ہوش آیا۔ تب تک عظمت خلیل گاڑی سے اتر کر کبھی اسے اور کبھی اس لفافے کو غصے سے دیکھتے رہے۔

ان کا آف موڈ نمل کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھا لہذا وہ انہیں سلام کر کے اندر جانے کے لیے مڑنے لگی کہ انہوں نے اسے آواز دے کر روک دیا۔

"اتنی رات گئے اس لڑکی نے آکر تمہیں یہ لفافہ دیا ہے کیا صبح یہ کام نہیں ہو سکتا تھا اور جب میں نے کہا تھا کہ ساری تفصیل تصویر کے ساتھ میرے ٹرسٹ میں جمع کر دیں تو اسے گھرانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ابو وہ بہت پریشان۔"

"یہ میرا گھر ہے کسی مزار کی جو کھٹ نہیں جہاں صبح شام ہاتھوں والوں کا تانا باندھا رہے۔"

آخر میں نے ٹرسٹ کے آفس کس لیے کھول رکھے ہیں۔" عظمت خلیل نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی اور چوکی دار کو دیکھنے لگے۔

"صاحب میں نے تو صبح ہی انہیں جانے کے لیے کہہ دیا تھا مگر بلا جی۔"

"جی میں نے خود اس لڑکی سے بات کی تھی بابا کا کوئی قصور نہیں ہے۔" نمل نے چوکی دار کا بوکھلایا ہوا انداز دیکھ کر خود اس کی بات مکمل کی۔

”کیوں کی تم نے اس سے بات اور پھر اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر میرے آفس لے آئیں۔ کیا تمہیں پتا نہیں آج کل حالات کتنے خراب ہیں کسی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا نہ جان نہ پہچان بس فوراً“ اپنی گاڑی میں بٹھالیا۔

کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کے لیے اتنی ہمدردی دکھانے کی۔ کیا پتا اس کے بھائی نے کیا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ واقعی بدہشت گردی میں غوث ہو اور اس کی یہ ماں بہن بھی ایسے ہی کام کرتی ہوں۔ اسے اپنی گلی سے نکلا دیکھ کر میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ تمہارے ہی پاس آئی ہوگی اپنے بھائی کی تفصیلات دینے۔ ایک انٹلی لڑکی رات کے وقت اتنے آرام سے پھر رہی ہے اس کی حرکتوں سے ہی ظاہر ہو رہا ہے وہ کس قماش اور کس کردار کی ہے۔ ”عظمت خلیل درشتگی سے کہتے چلے گئے۔

نمل چپ چاپ سر جھکائے ہونٹ کاٹی رہی بھلا بولتی بھی تو کیا۔ ان کی کچھ باتیں واقعی صحیح تھیں۔ ان ماں بیٹی کو وہ جانتی ہی کتنا تھی جو اس طرح اس نے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھالیا۔ مگر اب جو کچھ وہ اس لڑکی کے کردار کے متعلق کہہ رہے تھے اسے واقعی ناگوار گزر رہا تھا۔ عظمت خلیل کو کسی بھی رشتے میں کسی بھی شخص سے محبت نہیں تھی اس لیے وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ جب اپنا کوئی تکلیف میں ہو تو انسان ساری احتیاط اور ساری تدبیریں بھول جاتا ہے۔

جب کسی اپنے کو بچانے کی دھن سوار ہو تو اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی خواہش کہیں دور جا چھتی ہے۔ مگر نمل اس لڑکی کی بوکالت کر کے ان سے الجھنا نہیں چاہتی تھی وہ اس لیے خاموشی سے کھڑی انہیں سن رہی تھی کہ ان کا غصہ کچھ کم ہو تو وہ یہ لفافہ انہیں دے سکے۔

مگر ابھی ان کا بارہ نیچے آیا بھی نہیں تھا کہ گھر کا دروازہ کھول کر رشیدہ اپنی وہیل چیئر چلائی باہر آ گئیں۔ انہیں پتا تھا نمل سے کوئی ملنے آیا ہے وہ اب تک واپس اندر نہیں آئی جبکہ عظمت خلیل بھی آگئے تھے ان کی گاڑی کی آواز انہوں نے خود سنی تھی پھر کیا وجہ تھی کہ کن لڑکوں میں سے کوئی بھی اندر نہیں آیا یہی دیکھتے وہ گودبار آ گئیں۔

ان پر نظر پڑتے ہی عظمت خلیل کی تیوری پر پڑے بلوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا دروازے کے آگے میڑھیاں بنی تھیں اس لیے رشیدہ نے اپنی وہیل چیئر کو وہیں دروازے کے پاس روک لیا تھا اور پورچ میں نہیں آئیں تو عظمت خلیل خود ہی تیز تیز چلتے میڑھیوں کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ ”تم سارا دن گھر میں کرتی کیا ہو کچھ پتا بھی ہے بیٹی کیا کرتی پھر رہی ہے۔ جو شخص بھی آکر دروازے پر نمل بجائے گا یہ اس کی مدد کرنے کے لیے کھڑی ہو جائے گی۔

یہ میرا گھر ہے یہاں مجھے لوگوں کا جھوم نہیں چاہیے اگر یہ اس طرح لوگوں کو ہمیں اغند کرنے لگی تو لوگ آفس جانے کی بجائے ہمیں آنا شروع کر دیں گے اور جو اگر کسی کو یہ بھی پتا چل گیا کہ عظمت خلیل کی بیٹی کا اوپر کا اسکرو بھی لوز ہے تو پھر تو ایسے ایسے لوگ آجائیں گے کہ اللہ کی پناہ۔ ”عظمت خلیل تو ویسے ہی بیوی اور بیٹی پر بگڑنے کے بہانے ڈھونڈتے تھے پھر اب تو انہیں بہت جاندار نکلتے اعتراض مل گیا تھا وہ بھلا اسے کیسے جانے دیتے۔

”آئندہ ایسا نہیں کرے گی وہ۔ پہلے بھی کیا اس نے آپ کے کام میں داخل دیا ہے جو آئندہ کرے گی۔ وہ تو بس اس ماں بیٹی کی بات سن کر اس کا دل پیچ گیا تھا۔ ”رشیدہ نے حتی الامکان ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

”تو ان کی بات سننے کی ضرورت ہی کیا تھی جو دل پیچ گیا اور انہیں گاڑی میں بٹھا کر میرے آفس لے آئی سیدھا سامنے لا کر کھڑا کر دیا کہ بندہ کچھ بول ہی نہ سکے۔

ارے میں کیس بائوٹھ میں لینے سے پہلے دیکھتا ہوں کہ اس میں کامیابی کے کتنے امکان ہیں اور یہاں یہ ان ماں بیٹی کو سیدھا میرے پاس لے آئیں اب اگر میں ان کی مدد نہیں کر سکتا تو میرے نام پر کتنا بڑا اثر پڑے گا کیا پتا اس لڑکے کے پیچھے کوئی سیاسی پارٹی انوالو ہو وہ جج جج کوئی ٹیمر سٹ ہو میں اتنی مشکل سے یہ پتا لگاؤں کہ وہ کون سے جیل میں ہے۔

اے سارے سوسائٹل بروئے کار لا کر اس تک پہنچوں اور پتا چلے کہ وہ تو مجرم ہے تو اخبار میں کیا خبر آئے گی۔ عظمت خلیل نے دھکی ماں کی فریاد پر سرکار سے ٹکڑے کر پوئیس سے الجھ کر کھوج لگائی تو کیا نکلا ایک مجرم اور بدہشت گرد کا سراغ۔ ”عظمت خلیل کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا اور کیوں ہوتا۔

نمل کی وجہ سے وہ اس ماں کے بالکل رو بہ رو ہو گئے اب اگر کل کو پولیس اس کے بیٹے کو کچھ کر دیتی ہے تو وہ تو کسی بھی صحافی کے سامنے یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ عظمت خلیل جیسے عظیم انسان سے وہ باقاعدہ ملیں اور تب بھی ان کے ساتھ کوئی انصاف نہ ہو سکا۔

اس کے برعکس اگر وہ ان کی مدد کرتے ہیں تو پتا نہیں یہ کیس کتنا الجھا ہوا تھا وہ تو آسان سے کہہ سوز میں ہاتھ ڈالتے تھے جو فوراً سلجھ جائے اور وہ خبروں کی ذہانت بن جائیں اور چاروں طرف سے دائیہ تحسین وصول کر سکیں۔ عظمت خلیل وہیں گیٹ کے پاس ہی کھڑے گرج برس رہے تھے انہیں اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ چوکی دار بھی سن رہا ہے۔ اصل موضوع سے ہٹ کر وہ اب عادت کے مطابق رشیدہ کی نااہلی اور غایت نااندرشی کو زیر بحث لے آئے تھے۔

”جیسی تم خود بے وقوف اور جاہل تھیں ویسی ہی تربیت تم نے بیٹی کی کی ہے جب خود میں ہی عقل نہیں تھی تو بھلا بیٹی کو عقل کہاں سے سکھائیں۔ ”نمل اب تک تو بڑے سکون سے کھڑی عظمت خلیل کی ڈانٹ بھنکار سن رہی تھی مگر اب اسے اپنی رگوں میں خون کی گردش تھوہوتی محسوس ہونے لگی بالکل غیر ارادی طور پر اس کی نظر رشیدہ کی طرف اٹھی تو وہ اسے دیکھ رہی تھیں ان کی آنکھوں میں تیرتی پریشانی کا مطلب وہ ابھی طرح سمجھ سکتی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم حرقریشی	قیمت: 400 روپے	شائع ہو گئے ہیں
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 180 روپے	خوبصورت ہو رہی
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبین	قیمت: 350 روپے	خوبصورت ہو چکی
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 200 روپے	مضبوط جلد
☆ امرنیل، عمیرہ احمد	قیمت: 450 روپے	آفٹ ہو چکے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

تھی نمل کے مزاج سے وہ اچھی طرح واقف تھیں انہیں یہ بھی پتا تھا کہ اپنی ماں سے وہ کتنی محبت کرتی تھی غلط بات تو وہ کسی کے بھی خلاف نہیں سن سکتی پھر اپنی ماں کے خلاف وہ اتنے بڑے الزام بھلا کیسے برداشت کر جاتی۔

وہ اس خوف میں گھری اسے دیکھ رہی تھیں کہ کہیں وہ کچھ کہہ نہ دے۔ اتنے سالوں سے عظمت خلیل اکیلے بولتے آ رہے تھے غصہ شکایت اعتراض نکتہ چینی سب کچھ ایک طرف رہا تھا مگر اب کچھ سالوں سے رشیدہ کو نمل کی آنکھوں میں غصے اور نفرت کا ایک بیاہجن نظر آنے لگا تھا۔ جیسے شوریدہ لہرس ساحل سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں ویسے ہی نمل کے اندر عظمت خلیل کو جواب دینے کی شدید خواہش سرخ کر رہی تھی۔

ان کی محبت اور نرمی نے نمل کو ایسے ہر اقدام سے روک رکھا تھا وہ صرف اور صرف اپنی ماں کی وجہ سے کبھی عظمت خلیل کے مقابل نہیں آتی تھی۔

مگر جب کبھی عظمت خلیل کا غصہ آئے سے باہر ہونے لگتا اور ان کی زبان سے اگلا زہر حد سے سوا ہونے لگتا۔ تو رشیدہ کا دل بھی سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگتا انہیں لگتا نمل کا ضبط جواب دینے والا ہے۔

اور وہ اس دن سے بہت خوفزدہ تھیں جب نمل کی برداشت جواب دے جائے گی۔ عظمت خلیل کو تو عادت ہی نہیں تھی اپنے آگے کسی کی سننے کی وہ تو بس ایک ساتھ ان دونوں ماں بیٹی کو در بدری کی سزا سناتے گی۔

نہ رشیدہ کی معذوری ان کے پاؤں کی زنجیر بنے گی نہ ان کے اتنے سالوں کی خاموشی سے کی گئی خدمت ان کے دل کو ایسے کسی فیصلے سے باز رکھ سکے گی۔

نمل خود بھی ان معاملوں میں رشیدہ سے سو فیصد متفق تھی اپنی ماں کے چہرے پر پھیلی بے بسی اور خاموش رہنے کا عندیہ دیتی التجائیہ آنکھیں اس کے غصے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود کو بھی ٹھنڈا کر گئیں وہ سیاہ تاثرات کے ساتھ چہنچہ چلاتے عظمت خلیل کو دیکھتی رہی جو اکیلے بولتے بولتے تھک گئے تھے یا شاید اپنی بھڑاس نکال چکے تھے بھی پاؤں تھکنے گھر کے اندر چلے گئے۔

نمل ست روی سے چلتی رشیدہ کے پاس آگئی اور بغیر کچھ کہے ان کی وہیل چیر کو گھا کر اندر لے آئی۔

”امی یہ اس لڑکی کی تصویر اور تفصیلات ہیں آپ صبح ابو کو دے دیجئے گا۔ میں کچن میں جا رہی ہوں کھانا لگنے میں دیر ہوگئی تو وہ پھر ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔“ نمل لفافہ انہیں دے کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

وہ آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی جب ایک سایہ سر کا ہوا اس کے قریب آنے لگا مگر اسے وہاں اپنے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا اور وہ ایسے ہی آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔

آخر وہ سایہ اس کے بالکل سر پر پہنچ گیا اور اس پر حملہ آور ہونے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی نے اچانک بج کر ناصرف فلم کا سارا تسلسل توڑ دیا بلکہ بڑے انہماک سے فلم دیکھتے خرم کو اچھلنے پر مجبور کر دیا۔

رات کے کھانے سے فاسٹ ہو کر وہ اپنے کمرے میں بیٹھا انگلش ہارر مووی دیکھ رہا تھا ایک سایہ ہر ایک کو قتل کرتا پھر رہا تھا اور اب اس لڑکی کو مارنے آیا تھا تنہائی اور رات کے سنائے میں ایسا دہشت ناک سین دیکھ کر خرم اتنا انوا لو ہو گیا تھا کہ فون کی گھنٹی نے اسے اچھا خاصا چونکا دیا اس کے موبائل کی رنگ ٹون بھی بہت فاسٹ انگلش گانے کی تھی چنانچہ خرم نے فوراً ہی اپنے چہنچہ موبائل کو خاموش کرانے کے لیے اٹھا کر کان سے لگا لیا دوسری طرف سوئی کی آواز سن کر اسے بہت سخت بوریٹ ہوئی۔

”کیا پھر ہاروں وغیرہ تمہیں چھوڑ کر رہی کھانے چلے گئے جو تمہیں آدھی رات کو فون کرنے کی بے چینی ہوگئی۔“ اس سائے نے اب لڑکی کا بڑی بے دردی سے قتل کر دیا تھا اتنا سنسنی خیز سین وی کا فون ریسو کرنے کی نذر ہو گیا تو خرم نے چھوٹے ہی چڑ کر کہا۔

”یار تم نے یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کی کامن فیس بک وزٹ کی ہے۔“ وہی نے بھی اس کی طرح چھوٹے ہی پوچھا۔

”بہت بار کی ہے بکواسی ہوئی جس کا دل چاہتا ہے اپنی بے کار بے کار تصویریں ڈال دیتا ہے خود کو بلا وجہ مشہور کرنے کے لیے حالانکہ پتا نہیں کون کون سی شکلیں ہوتی ہیں کوئی جانتا بھی نہیں ہے کم از کم میں تو نہیں جانتا۔“ خرم نے بے زاری سے کہا۔

اسٹوڈنٹس کی ایک کامن فیس بک تھی جس کی ابتدا تو جانے کن لوگوں نے کی تھی لیکن جس کا پاس در ڈاٹ بے تحاشا اسٹوڈنٹس کے پاس تھا اسی لیے اسے وزٹ کرنے والوں کی تعداد بھی سینکڑوں پر مبنی تھی اکثر یونیورسٹی میں ہونے والے ایونٹس اور یکسی نیشنز کی تفصیلات اور تصاویر فیس بک میں ڈال دی جاتیں تو تمام لوگوں کو جانکاری حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔

خرم کو تو یہ فیس بک بالکل پسند نہیں تھی اپنی ذاتی تصاویر کو عوامی ملکیت بنا دینا کہ ایک بٹن دبا کر جو چاہے انہیں دیکھ لے خرم کو تو کچھ مناسب نہیں لگتا تھا اسی لیے اتنی دلچسپ فلم کے بیچ میں وی کا فون کر کے اس فیس بک کے متعلق پوچھنا اسے سخت زہر لگا تھا۔

”لیکن اس بار جو مووی کسی انجان شخص نے ڈالی ہے اس میں ساری جانی بچپانی شکلیں ہیں کمپیوٹر آن کر کے دیکھ لو۔“ وہی نے تجسّس پھیلاتے ہوئے کہا مگر خرم کو ذرا بھی دلچسپی نہیں ہوئی۔

”ٹھیک ہے بعد میں دیکھ لوں گا ابھی تو نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے ایک ہارر مووی ڈاؤن لوڈ کی ہے ابھی تو وہ دیکھ رہا ہوں۔“

”ایک supernatural Power چھ قتل کر چکی ہے اور اور ابھی ساتواں کرنے والی تھی کہ تمہارا فون آ گیا۔“ خرم نے کہا تو وہی بھی فوراً بول اٹھا۔

”supernatural Power یعنی ایسی قوت جو فطرتی قوتوں سے بالاتر ہو۔“

ارے فیس بک آن کر کے ویڈیو دیکھو اس مووی کے نیچے لکھے کمینٹس میں بھی تمہاری اس ”موسٹ فیورٹ نمل“ کو بھی ایسے ہی القابات دیے گئے ہیں۔“

”کیا مطلب۔“ نمل کا ذکر آنے پر خرم ایک دم ٹھنک گیا۔

”ارے تم فیس بک میں جاؤ تو سنی۔ مطلب خود بہ خود سمجھ میں آجائے گا۔“ وہی تو مسکراتے لہجے میں بولا جبکہ خرم کی آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

فوزیہ یاسمین

دستے کے گھر

نوسیدہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نوسیدہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوسیدہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔
رو میلہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرمہا ہارنے کے بعد اس کی عجیب غریب شرمہ کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس لچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔
نوسیدہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں والہیں جانے کے لیے بیڑیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

www.digestpk.blogspot.com

آنکھوں کی قین



”تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے فیس بک میں نسل کی مودی موجود ہو۔“ خرم کامل مودی سے ایک دم اچانک ہو گیا تھا اسی لیے اسے فوراً بند کرتے ہوئے قدرے چڑھے ہوئے انداز میں بولا۔
اتنے سوال کرنے کی بجائے تم خود چیک کیوں نہیں کر لیتے۔“ وہی حسب عادت تجسس پھیلا کر محفوظ ہو رہا تھا۔

اس کا اس طرح غرور کھانا خرم کو سخت گراں گزرا تھا تبھی اپنے لمبے میں ماروا بی بھرتے ہوئے بولا۔
”ٹھیک ہے دیکھ لوں گا پہلے فلم تو ختم ہو جائے۔“ اس کی انگلیاں یونیورسٹی کی فیس بک کھولنے میں تیزی سے مصروف تھیں مگر اس کا لہجہ اس کے جھوٹ کا پوری طرح ساتھ دے رہا تھا بھی وہ سری طرفہ کی کوٹنگ تک نہیں گزرا کہ خرم اس کے سنسنی پھیلائے پر دل ہی دل میں تھملا جانے کے باوجود مودی بند کر کے اس کی ناقابل فہم بات کو کھوجنا شروع کر دیا تھا۔

”یار تمہیں فلم کی پڑی ہوئی ہے یعنی میری بات پر کوئی بھروسہ ہی نہیں اگر میں نے اتنی رات کو فون کیا ہے تو ضرور کوئی دھانسو خیز خبری ہوگی۔“

وہی اب بھی اپنے لمبے کو برا سرا رہتا ہوا بولتا۔
تو خرم محض خود کو مطمئن ظاہر کرنے کے لیے بالکل اس کی طرح پر اسرار انداز میں اس مودی کی اسٹوری بتانے لگا جیسے اسے وہی کی سنائی اور مودی خبر میں رہتی برابر پوچھی نہ ہو۔
مگر ایسا صرف تب تک تھا جب تک وہ سب سائٹ اوپن نہیں ہوئی تھی جیسے ہی خرم نے سب سے آخر میں ڈالی گئی نئی مودی پلے کی اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

مودی ایسی کوئی چونکا دینے والی نہیں تھی کسی نے موبائل سے بتائی تھی مگر جن لوگوں کی بتائی تھی وہ ان کی بے خبری میں بتائی گئی تھی۔
نسل دھیمو کی کلاس میں پہلے وہ ایک سلسلہ وار سیمینار میں تھا کہ وہاں پہلے ہی مودی بتائی تھی۔

دوڑتے بھاگتے طالب علم کوئی دروازہ پیٹ رہا ہے تو کوئی چیخنے چلانے میں مصروف ہے، روتی ہوئی لڑکیوں کے باقاعدہ گلو زاپ تک لینے کی کوشش کی گئی تھی۔

مجموعی طور پر مودی ایسی تھی کہ دیکھنے والا جس فیس کر لوٹ پوٹ ہو جائے فرسٹ ایئر کو بے وقوف بنا کر تو پیسے ہی پوری یونیورسٹی کو مڑا آتا ہے ایسے میں اس مودی میں چوہوں سے خوفزدہ ہوتی لڑکیوں اور خاص طور پر لڑکوں کو دیکھ کر لوگ جتنا محفوظ ہوئے ہوں گے وہ کم ہے۔

مگر خرم کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں ابھری تھی بلکہ اس کے برعکس اس کے چہرے پر تناؤ پھیل گیا تھا۔
مودی زیادہ لمبی نہیں تھی تین منٹ میں ختم بھی ہو گئی۔ مگر نیچے لوگوں کے لکھے کنٹینر پڑھ کر خرم کے چہرے کا تناؤ بڑھتا چلا گیا۔

مختلف لوگوں نے مختلف لوگوں پر تبصرے کیے تھے زیادہ تر لڑکوں کے حواس باختہ ہونے کو مذاق اور تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

مگر وہ تین لوگوں نے کچھ لوگوں کی تعریف بھی کی تھی جن میں سرفہرست نسل تھی۔
ایسے موقع پر جہاں لڑکے تک خوفزدہ ہو کر اپنی بے ساختہ چیخیں نہیں روک پارہے تھے وہاں ایک لڑکی کا بے اثر چہرہ واقعی قابل ستائش تھا۔

اصل میں نسل کے برابر میں نسل تھی جو اس سے لپٹ کر بری طرح چلا رہی تھی اور مودی میں سب کی توجہ کا

مرکز بن رہی تھی۔
اس کی وجہ سے نسل بھی نمایاں ہو گئی تھی اور پھر اس ہی ریو میلہ بھی نسل پر دونوں پاؤں رکھے مٹی مٹی تھی ایسے میں نسل کی ہمدردی بالکل لائٹ ہونا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

اور پھر جو بھرے لکھے تھے وہ بھی ایسے کوئی بے ہوش نہیں تھے ایک نے لکھا تھا۔
”اس لڑکی کی ہمدردی کو دیکھ کر چیختے ہوئے لڑکوں کو چلو بھرپائی میں ڈوب مرنے چاہیے۔“

ایک اور نے لکھا تھا۔
”چوہے انسانوں سے خوفزدہ تھے اور انسان چوہوں سے خوفزدہ تھے ایسے میں یہ نیلے کپڑوں میں کون سی

supernatural power ہے جس کے چہرے پر ڈر کا شائبہ تک نہیں۔“
پھر ایک آخری تبصرہ جو نسل پر ہوا تھا اس میں جو لکھا تھا اسے پڑھ کر خرم کا خون اٹھنے لگا تھا۔

”اس نیلے کپڑے والی لڑکی کا اطمینان دیکھ کر تو لگتا ہے جیسے اسے پتا تھا کہ ڈبے میں سے کیا نکلنے والا ہے۔ کس پر بھی اس سازش میں شریک تو نہیں خرم کے ساتھ؟“

خرم کا بس نہیں چل رہا تھا یہ بات لکھنے والے کا حشر کا ڈر ہے۔
وہی کا فون تو اس نے کب کا گناہ دیا تھا یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہی اس کے اچانک فون بند کر دینے پر کیا سوچے گا

(حالانکہ اسے اس بات کی بہت فکر رہتی تھی کہ اس کے دوست اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں)
خرم نے تبصرہ لکھنے والے کا نام پڑھا مگر حسب توقع وہاں ایک فرضی نام موجود تھا چنانچہ وہ خون کے گھونٹ پی کر

رہ گیا اور پھر ایک خیال اس کے دل میں یہ بھی آ رہا تھا جو کوئی بھی یہ مودی دیکھے گا وہ کچھ نہ کچھ تو لکھے گا یونیورسٹی میں تو یہی سمجھا جا رہا تھا کہ یہ حرکت خرم نے کی ہے ایسے میں کسی کا یہ انداز لگانا ایسا کچھ غلط بھی نہیں تھا اور پھر

لکھنے والے نے تو اتفاقاً ہی لکھا ہو گا اور پڑھنے والوں نے بھی مذاق بھر رہی پڑھا ہو گا۔
اصل قصہ تو خرم کو اس شخص پر آ رہا تھا جس نے یہ مودی بتائی تھی وہ تو لوگوں کی خودی مودی اور تصویریں

ڈالنے کے خلاف تھا کیا کہ یہ وہ سہل کی چٹکے سے مودی بنا کر ڈال دی جائے۔
جانے کتنوں نے دیکھی ہوگی ہنس مذاق ایک طرف مگر جانے کتنوں نے یہ دیکھنے کے لیے لگائی ہوگی کہ یونیورسٹی

میں کون کون سی نئی لڑکیاں آئی ہیں۔
خرم کا قصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا ایک ہل کے لیے اس کا دھیان سمیر کی طرف ہی گیا تھا۔

مگر اول تو سمیر کلاس میں موجود نہیں تھا وہ تھپے کوئی ایسا سازشی کام نہیں تھا جو سمیر کے علاوہ کوئی کر ہی نہ سکے آج کل ہر موبائل میں کیمرہ ہوتا ہے کوئی نیو ایڈیشن بھی یہ حرکت کر سکتا ہے۔

یونیورسٹی کی یہ ویب سائٹ اتنی مشہور تھی کہ جو لوگ جہاں نہیں بھی پڑھتے تھے وہ بھی اس کے متعلق جانتے تھے اپنے گزراور دوستوں کی وجہ سے۔

چنانچہ یہ پتا لگانا بہت مشکل تھا کہ یہ کس کی کارستانی ہے مگر کیپیوٹر کے ماوس پر سختی سے گرفت کیے خرم نے یہ مشکل کام جلد سے جلد کرنے کی ٹھان لی تھی۔

اب جب تک وہ اس شخص کا پتا نہیں لگا لیتا جس سے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

ایان نے گاڑی حویلی کے گیٹ کے سامنے روکی اور اسٹیرنگ پر سے ہاتھ ہٹا کر انگلیاں چمکاتے ہوئے حویلی کا

جانتے لینے لگا۔

حالانکہ ثانی کی اس حویلی کو وہ بچپن سے دیکھتا آ رہا تھا یہ تب سے لے کر آج تک کسی کی ویسی ہی تھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

لیکن الیان کے دیکھنے کے انداز میں ضرور فرق آگیا تھا جبھی وہ گھر کے طول و عرض کو اپنے کی بجائے حویلی میں پہلے سنانے پر غور کرنے لگا۔

اس کا اپنا گھر شہر کے مٹے ترین علاقے میں واقع تھا گھر سے باہر کھڑے ہونے والے فحش کو اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بڑی سی کو بھی کے اندر موجود بے شمار کمروں میں کتنے کمین موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کے گھر کے اندر پھیلی خاموشی اتنی پر اسرار نہیں ہوتی تھی۔ جتنی تھا اور ویران سی یہ حویلی لگ رہی تھی۔

شاید یہ فرق اس لیے تھا کہ وہ کو بھی اس کی اپنی تھی اور یہ حویلی اس کے لیے ایک دوسری جگہ تھی کوئی بھی جگہ اور مکان کو اگر اپنے گھر کے مقابلے میں گھرا لیا جائے تو اس سے محسوس ہونے والی اجنبیت اور اپنے گھر کے لیے موجود ایک فطری انسیت ایسے موازنے کو کبھی بھی غیر جانبدار نہیں بنا سکتے۔

اسی لیے الیان اپنے دل میں آئی پہلی رائے کو جھٹکنا ورنہ کھول کر فوراً دبل سے اتر آیا اور خود ہی اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے خود کو سمجھانے لگا۔

"اتنی بڑی حویلی میں کوئی وصول بات تو بیچ نہیں رہے ہوں گے جو گیت پر پہنچنے ہی حویلی میں پھیلی رونق کا پتا دے دیں نہ ہی اتنی رونق ہر وقت اپنی لگتی ہے گھر میں تو سکون کا ہی احساس ہونا چاہیے جس وہ سکون ویرانہ پر مشتمل نہ ہو۔"

خود کو مطمئن کر کے الیان گیٹ پر موجود ملازم کے نزدیک چلا آیا۔

وہ کوئی نالا کا تھا الیان اسے جانتا نہیں تھا مگر اتنا یقین ضرور تھا کہ حویلی میں ملازمین جدی پشتی رکھے جاتے ہیں لہذا ان کے کسی پرانے نوکر کا دل بھی وہی ہوگا۔ الیان نے اسے اشارہ کرتے ہوئے کہا "ملازم"۔

ملازم نے پہلے انٹرکام کر کے اندر تصدیق کی پھر اس کے لیے بڑا سا گیند اکر دیا۔

الیان بہت عرصے بعد آیا تھا اس لیے فوراً دبل سے اترتے وقت یہ بھول گیا تھا کہ اندر اگر وہ پیدل چل کر گیا تو ثانی اہل کے ورائڈے یا ماموں جان کے صمان خانے میں پہنچنے میں اسے آدھا گھنٹہ یا بیس منٹ تو لگ ہی جائیں گے۔

الیان گہرا سانس کھینچتا ہوا فوراً دبل کی طرف بڑھ گیا۔

دس منٹ بعد وہ ثانی اہل کے سامنے تھا حویلی کا یہ بڑا سا ہل جس میں ثانی اہل کا شاندار تخت کسی بلا شاہ کے تخت جیسا ہی تھا۔

ثانی اہل کا دل کا بیشتروقت اس تخت پر ہی گزرتا تھا قرآن پاک کی تلاوت سے لے کر سوتے سے چھالیہ کترنے کے تمام کام ثانی اہل اپنے کمرے کی بجائے بیس انجام دیتی تھیں اس وقت بھی وہ کسی ملازمہ سے ہاتھوں میں تل لگوا رہی تھیں جب الیان کے سلام کرنے پر آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

"الیان یہ تم ہی ہو نا۔" ملازمہ کو ہاتھ اٹھا کر دیکھتے ہوئے انہوں نے پاس رکھا چشمہ آنکھوں پر چڑھالیا اور حیرت و خوشی کے طے جلے تاثرات سے اسے دیکھنے لگیں۔

"جی ہاں یہ میں ہی ہوں میرے علاوہ آپ کو ثانی اہل کوئی کہہ سکتا ہے بھلا۔" الیان مسکراتا ہوا ان کے برابر تخت پر بیٹھ گیا تو ثانی اہل بے اختیار اس کا سر سٹلائے لگیں۔

"ہاں ہاں اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ بڑی لمبی عمر دے اور چاند سی دلہن دے۔" ثانی اہل کے محبت بھرے انداز پر الیان کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"یہ کیسی دعا ہے ثانی اہل بزنس میں کامیابی نہ صحت و تندرستی نہ بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ بس لمبی عمر اور چاند سی دلہن جیسے بس دنیا و آخرت میں ہی مدد خیر اہم ہیں۔" الیان واقعی محفوظ ہوا تھا۔

"بھئی وہ سب بھی ملے بلکہ ہر چیز ملے صرف اس دنیا میں ہی نہیں آخرت میں بھی نہیں تو ہر وقت تم سب کے لیے دعا گو رہتی ہوں بس اچانک تمہیں سامنے دیکھ کر ساری دعا میں بھول گئی۔

یہ آج تم کیسے راست بھول گئے اور آہی سے تھے تو پریرہ کو بھی ساتھ لے آتے کتنے دنوں سے مل چاہ رہا تھا اسے دیکھنے کا۔" ثانی اہل واقعی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں بھی جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

"ثانی اہل میں تو بس تھوڑے ہی دن کے لیے آیا ہوں بریرہ کو ساتھ لا تا تو وہ تو جانے کا نام ہی نہیں لیتی۔"

"تو جانے کی ضرورت کیا ہے ہم اسے یہی رکھ لیتے۔" ماموں جان کی تو از پر الیان بے اختیار کھڑا ہو گیا وہ ابھی ابھی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

الیان نے ان کے جھٹے کو دانستہ سرسری انداز میں لیا اور نظر انداز کرنا ان کے قریب چلا آیا کچھ دیر وہ اسے گلے لگائے اس کی تہ پر خوشی کا اظہار کرتے رہے پھر اسے لیے اہل کے تخت کے قریب چلے آئے۔

"تمہیں پتا تھا اس کی آمد کا۔" ثانی اہل نے ماموں جان سے پوچھا۔

"ابھی ابھی چوکی دار نے انٹرکام پر اطلاع دی تھی۔" ماموں جان نے ثانی اہل سے کہا پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"کچھ اندازہ ہے تمہیں کتنے عرصے بعد آئے ہو۔"

الیان نے صاف صاف جواب دیا "ملازم نے بتایا تھا کہ میں آج آ رہا ہوں۔"

"صرف خاص خاص موارد پر ملنے آتے ہو اور اس وقت صرف میں اتنے صمان ہوتے ہیں کہ ٹھیک سے ملاقات ہوتی ہے نہ ڈھنگ سے بات ہوتی ہے۔" ماموں جان شکایت نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے لہجہ میں محبت ہی محبت تھی الیان صرف مسکرا کر رہ گیا۔

پھر الیان تو زیادہ تر خاموش ہی رہا البتہ ماموں جان اور ثانی اہل بولتے رہے۔

خاندان کی باتیں اور تذکرے سننے میں وہ اتنا محو ہو گیا تھا کہ ممالی کے ٹوکنے پر چونک گیا۔

"بجی اتنی دور سے سفر کر کے تھکا ہوا آیا ہے بجائے اسے فریش ہو کر ترو مانہ ہونے کا موقع دینے کے آپ خاندان کی باتیں لے کر اس کا سر کھانے بیٹھ گئے۔"

"ارے ہاں الیان نے تو منہ تک نہیں دھویا اور ہم نے اپنے پاس بٹھالیا۔ چلو تم فوراً تانہ دم ہو کر آجاؤ کھانے کا بھی وقت ہو رہا ہے۔" ثانی اہل نے ایسے اپنے خاتے پر ہاتھ مارا جیسے اپنی نادانی پر سخت تاؤ آ رہا ہو۔

"کھانا تو میں نہیں کھاؤں گاراستے میں کھالیا تھا بالکل بھوک نہیں ہے ویسے باقی سب لوگ کہاں ہیں۔ شاہ جہاں ماموں جھوٹی ممالی حامد غیو کو کوئی نظر نہیں آ رہا۔" الیان نے ممالی جان کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"سب الگ الگ کاموں میں مصروف ہیں تمہارے شاہ جہاں ماموں تو کھیتوں کے دورے پر گئے ہیں جھوٹی ممالی اپنے کمرے میں ہیں۔ نیچے زیادہ تر ابھی اسکول کالج سے واپس نہیں آئے ہیں ہاں البتہ حامد آج کل گھر پر نہیں ہے کسی کام کے سلسلے میں اسلام آباد گیا ہوا ہے۔" الیان کے قدم ایک دم سست پڑ گئے۔

”قبلہ کچھ نہیں۔“ لیان نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور سرسری انداز میں بولا۔

”تو کب تک ایسی ہوگی حامد کی۔“

”جی نہیں ایک ڈیڑھ ہفتہ تو شاید لگ ہی جائے۔“ ممانی جان کے آرام سے کہنے پر لیان جی بھر کر بے مزا ہوا تو وہ مزید گویا ہو گیا۔

”اصل میں سیکینہ کے ایڈیشن کے سلسلے میں کیا تھا تو دو چار کام اور نکل آئے۔“

”سیکینہ کا ایڈیشن۔“ لیان نے الجھتے ہوئے پوچھا سیکینہ حامد کی چھوٹی بہن تھی۔

”ہاں اس کامیڈیکل کالج میں ایڈیشن ہو گیا ہے۔“ لیان حیرانی سے ممانی جان کو دیکھنے لگا۔

وہ دونوں ایک بند دروازے کے سامنے آکر رک گئے تھے ممانی جان ہاتھ میں پکڑے چابیوں کے گچھے میں سے ایک ایک چابی لگا کر دروازے کا قفل کھولنے لگیں تو لیان کو خود ہی کہنا پڑا۔

”سیکینہ ڈاکٹر بن رہی ہے۔“

”ہاں بہت شوق تھا اسے ڈاکٹر بننے کا۔ امتحانوں کے نانے میں بالکل بائیلنڈی پھرتی تھی کہ اگر فبرم آگئے تو کیا ہوگا۔“

اصل میں ہمارے گاؤں میں تو کوئی میڈیکل کالج ہے نہیں۔ اسے کیس دور ہی بھیجنا پڑتا یہ کالج تو پھر بھی ہمارے گاؤں سے قریب تھا وہ گاڑی سے آرام سے آئی اور چلی جاتی تھی۔

مگر میڈیکل کالج میں پڑھنے کے لیے تو اسے شہر میں ہی رہائش اختیار کرنی پڑتی۔

اسلام آباد کے جس کالج میں حامد نے اس کا ایڈیشن کرایا ہے اس کے ہاسٹل کے متعلق سنا ہے بہت اچھا ہے حامد کے دوستوں کی بہنیں بھی وہاں پڑھتی ہیں سیکینہ کی اپنی ایک سہیلی بھی وہاں داخلہ لے رہی ہے ہر طرف سے اطمینان کرنے کے بعد حامد نے اس شرط پر ڈاکٹری پڑھنے کی اجازت دی تھی کہ تمہارے نمبرز اتنے اچھے ہونے چاہئیں کہ تمہارا ایڈیشن صرف پورے شہر میں پڑھنے والوں کے لیے ہی ہو۔

جانتا ہے۔ ممانی جان بغیر کے اپنی ہی دھن میں تفصیل بتاتی گئیں۔

لیان ایک انجان سی خوشی میں گہرا ان کی بات سن رہا تھا بلکہ ان کی بات ختم ہونے پر لیان نے برملا کہہ بھی دیا۔

”یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ محض سیکینہ کے شوق کی خاطر اسے اتنی دور پڑھنے بھیجا جا رہا ہے ورنہ پہلے تو یہاں میٹرک کرتے ہی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی۔“

”ارے وہ تو بہت پہلے کی بات ہے اس نانے میں تو پڑھائی کا زیادہ رواج بھی نہیں تھا۔ لیکن اب تو ایسا نہیں ہے۔“

پھر لڑکیوں کو خود بھی پڑھائی کا بہت شوق ہے تمہارے ماموں جان اگر زیادہ دیر سمجھنے پر کبھی اعتراض کرتے بھی ہیں تو بھی ساری لڑکیوں کو حامد کا سپورٹ بہت حاصل ہے وہ انہیں کسی ناکی طرح قائل کر ہی لیتا ہے۔“

ممانی جان کے لہجے میں بیٹے کے لیے غریبی فخر تھا لیان ان کی بات پر خوشگوار انداز میں مسکرا دیا۔

اسے اپنا آپ قدرے ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہو رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بوجھ اس کے اوپر دھرا ہو جو پوری طرح سرک تو نہیں گیا تھا البتہ قدرے کم ضرور ہو گیا تھا۔

”تم نہادھو کر فاسٹ ہو جاؤ تب تک میں اس کمرے کی تھوڑی صفائی کر ادوں۔“ انہوں نے اچھے خاصے صاف ستھرے کمرے کو طائرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہا ہر نکل گئیں۔

یقیناً وہ کمروں کو کھلو کر صاف کرایا جاتا ہو گا مگر ممانی جان کی فطرت بھی شاید اس کی ہاں حلفتہ غفار جیسی تھی کہ اچھے خاصے صاف کمرے کو بھی وہ ممانی کی آمد پر پھر صاف کرانا چاہ رہی تھیں۔

الیان سب کچھ دیکھ کر مسکرا دیا پھر ممانی جان کمرے سے نکل گئیں جبکہ وہ ملازم کا انتظار کرنے لگا جو اس کی نوکیل سے اس کا سامان نکال کر لارہا تھا۔



عائشہ اختر جیسے ہی گاڑی کا دروازہ کھول کر بلال اختر کے برابر والی سیٹ پر بیٹھیں بلال اختر نے ٹوک دیا۔

”ابھی اور کتنا ٹائم لگے گا ایک تو تم لوگوں کا انتظار کرنا کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔“

”کیا ہو گیا آپ کو۔ میں اتنی ہوں۔“ عائشہ اختر حیرانی سے بولیں۔

”ٹائم دیکھا ہے اب کوئی رات کے دو بجے تک شادیاں نہیں ہوتیں بارہ بجے لائٹس آف ہو جائیں گی۔“

بلال اختر نے گھڑی ایسے ان کے آگے کی جیسے وہ وقت دیکھ کر اچھل پڑیں گی۔

جبکہ عائشہ اختر ان کے انداز پر ہنس دیں۔

”خود دیر کر رہے ہیں اور گھڑی مجھے دکھا رہے ہیں مجھے معلوم ہے اب رات کے دو بجے تک شادیاں نہیں ہوتیں اور میں اس قانون سے بہت خوش ہوں انسان وقت پر گہرا آجائے اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔“

چلیں گاڑی اشارت کریں نا کیوں ٹائم دسٹ کر رہے ہیں۔“ عائشہ اختر نے بیک ویو مرر میں اپنے بچے

سنورے روپ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب ندوہ نہیں آ رہی کیا۔“ بلال اختر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

عائشہ اختر ان کے بگڑنے کی وجہ فوراً سمجھ گئیں وہ یہ سوچ کر دیر ہونے کی شکایت کر رہے تھے کہ ندوہ ابھی

تک تیار ہو کر باہر نہیں نکلی تھی تاہم اس کے انتظار میں اور کتنا وقت ضائع ہوگا۔

”آپ جانتے تو ہیں اسے نوکب جاتی ہے کسی شادی وغیرہ میں۔ میں نے تو اب اس سے پوچھنا بھی چھوڑ دیا

بلال اختر کے چہرے پر بھی کوفت کے آثار تھے۔

عائشہ اختر گہرا سانس کھینچ کر بلاوجہ اپنا پرس کھول کر چیک کرنے لگیں تو بلال اختر نے سر جھٹکتے ہوئے گاڑی

اشارت کر دی اور بڑبڑانے والے انداز میں بولے۔

”تمہیں ایک بار اس سے پوچھ ضرور لیتا جا ہے تھا آج کل اس کی طبیعت کافی بہتر لگ رہی ہے۔“

چہرے پر پھیلے خوف کے سائے کچھ کم لگنے لگے ہیں۔“ بلال اختر کے خود کلامی کے انداز پر عائشہ اختر مسرت

بھرے انداز میں سراٹھا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

”آپ نے بھی نوٹ کی یہ بات میں تو سوچ رہی تھی مجھے وہم ہو رہا ہے مگر واقعی پہلے سے قدرے نارمل لگنے

لگی ہے۔“

یہ ضرور ڈاکٹر شکیلہ کا کمال ہے انہوں نے اس کی دوائیں پہنچنے کی تحسین تب ہی اس کی حالت میں سدھار نظر آ

رہا ہے۔“ عائشہ اختر کو تو جیسے ہفت اقصیم کی دولت مل گئی تھی۔

”اتنا کوئی خاص سدھار تو نہیں آیا ہے ہاں ذرا انہیں بیس کا فرق پڑا ہے۔“ بلال اختر نے ان کی خوش گمانی پر ہند

ہاتھ مٹے ہوئے حقیقت فوراً ہی بے پردہ کر دی۔

مگر عائشہ اختر کے خوش و خوش میں کوئی کی نہیں آئی وہ سابقہ لہجے میں ہی بولیں۔

”پلیز میری خوشی عمارت مت کر س مجھے رہنے دیں اس خوش قسمی میں کہ اس کی حالت میں سدھار آ رہا ہے۔“

میں کل ہی فون کر کے ڈاکٹر شکیلہ کو بتاؤں گی کہ آپ کو بھی اس کی کنڈیشن میں فرق لگا ہے ورنہ آپ تو ہر وقت

اس کی برائی کرتے نظر آتے ہیں۔ "عائشہ اختر خوشی خوشی بولیں۔
بلال اختر ان کے انداز پر ہنسی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔
"تیکم میری بھی مٹی ہے۔ ایک ہی تو اولاد ہے ہماری۔

مجھے کوئی اس سے نفرت تھوڑی ہے ہاں لیکن میں آپ کی طرح خود کو بے وقوف نہیں بنا سکتا۔
ندوہ کی جو بیماری ہے وہ کبھی عمل طور پر ٹھیک نہیں ہو سکتی بہت سے بہت یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے وہم اور
توہمات کا تذکرہ آپ سے اور مجھ سے کرنا چھوڑ دے۔

لیکن یہ سوچنا کہ اس کی ذہنی حالت کبھی سدھ جائے گی یا اسے وہ صحت یا illusion نظر آتا بند ہو جائے گا۔
یہ ایک بے کاری بات ہے۔

"میں نے کما نا ایسی باتیں مت کریں مجھے تھوڑی دیر تو خوش رہنے دیں۔" عائشہ اختر نے انہیں مزید اس
موضوع پر کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

بلال اختر نے بھی خاموش ہو جانے میں ہی بہتری سمجھی۔
کیا حرج تھا اگر عائشہ اختر تھوڑی بہت جھوٹی خوشی متالیں وہ خود بھی یہی چاہتے تھے کہ ان کے چہرے پر پھیلی
سرشاری ایسے ہی قائم رہے۔

گمران کی خوشی کا دورانیہ مختصر ہی ثابت ہوا وہ اپنے ایک دوست کی بیٹی کی شادی میں شرکت کرنے پہنچے تھے
جہاں ندوہ کے کالج کی پرنسپل بھی آئی ہوئی تھیں۔

سامنا ہونے پر وہ دونوں نزدیک چلی آئیں اور ایک دوسرے کی خیر خیریت پوچھنے لگیں۔
"آپ لوگوں کی واپسی کب ہوئی؟" پرنسپل صاحبہ کے پوچھنے پر عائشہ اختر کچھ نا سمجھ میں آئے وہ اپنے انداز میں
انہیں دیکھنے لگیں۔

"آپ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے نا۔" پرنسپل صاحبہ نے ان کے بارے میں کچھ وضاحت کی۔
اس سے پہلے کہ عائشہ اختر کچھ کہیں پرنسپل صاحبہ خود ہی کہنے لگیں۔

"اچھا ہوا جو آپ ندوہ کو شہر سے باہر لے گئیں اس کی طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔
لیکن اب اسے مزید کوئی چھٹی نہیں کرائیے گا شہر کے حالات گواہی بھی کوئی بھروسہ نہیں آئے دن اسکول
اور کالج بند رہتے ہیں ایسے میں ندوہ کا اتنی چھٹیاں کرنا مناسب نہیں۔" پرنسپل صاحبہ اپنے مخصوص بدوچار لہجہ
میں بول رہی تھیں۔

عائشہ اختر کسی سناٹے میں گھری انہیں دیکھ رہی تھیں اسی لیے جب وہ بولیں تو انہیں اپنی آواز کسی کنویں سے
آتی محسوس ہوئی تھی۔

"کتنی چھٹیاں ہو گئی ہیں اب تک ندوہ کی؟"

"جب سے اس نے اہل کمیشن بھجوائی ہے اس میرے خیال سے چار دن تو ہو گئے ہیں۔ اور سینٹر ڈے سنڈے
ملا کر تو پورا ہفتہ ہی شمار کریں۔" پرنسپل صاحبہ سوچتے ہوئے بولیں۔

عائشہ اختر کو اپنی ناگئیس کا پتی محسوس ہو رہی تھیں انہیں لگ رہا تھا وہ کرنے والی ہیں۔
ندوہ تو روز تیار ہو کر اپنے مقررہ وقت پر کالج جاری تھی اور اپنے مخصوص وقت پر ہی کالج سے واپس آ رہی
تھی لیکن اگر وہ پرنسپل صاحبہ کے بیان کے مطابق پچھلے چار پانچ دنوں سے کالج جا ہی نہیں رہی تھی تو وہ روزانہ
آٹھ گھنٹے کہاں گزار کر آ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ عائشہ اختر چکر اکر گرجائیں انہوں نے پاس رکھی کر سی تھام لی۔
"کیا ہوا سن لال؟" "Are you ok?" پرنسپل صاحبہ نے گھبرا کر انہیں تھام لیا۔

"آمین آپ۔ آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ یہ لیس بیانی پیجیجی۔" پرنسپل صاحبہ نے انہیں بٹھانے کے ساتھ ہی
میں رکھ پائی سے بھرا گلاس ان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے عائشہ اختر ایک گھونٹ میں پی گئیں۔

"آپ ذرا بلال کو ملا دیں کی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں گھر جانا چاہ رہی ہوں۔"
"ہاں ضرور آپ کو فوراً" گھر چلے جانا چاہیے۔" پرنسپل صاحبہ نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"میرے موبائل میں بلال کا نمبر موجود ہے۔" عائشہ اختر نے بڑھال سے انداز میں اپنا پاس انہیں پکڑا دیا تو وہ
موبائل نکال کر بلال اختر کا نمبر تلاش کرنے لگیں۔

عائشہ اختر نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بند کر رکھی تھیں اور پیشانی ان مٹھیوں پر نکالی تھی پھر بھی
انہیں لگ رہا تھا ان کا وجود جھٹکے کھا رہا ہے۔

آٹھ گھنٹے بند کر لینے کے باوجود انہیں چاروں طرف سے دنیا گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔
بلال اختر پرنسپل صاحبہ کا فون سنتے ہی چلے آئے اور میزبان سے معذرت کر کے عائشہ اختر کو لے کر فوراً گھر آ
گئے۔

ندوہ اس وقت تک اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور پھر اگر وہ سامنے آ بھی جاتی تب بھی عائشہ اختر بلال اختر
کے ساتھ اس موضوع پر اس سے کوئی بات کرنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

وہ اپنی طبیعت کی خرابی کو بھی محکم کا نتیجہ ظاہر کر رہی تھیں۔
"ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے صبح تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ ان کے بار بار کے اصرار پر چڑ کر
بولیں۔

پرنسپل صاحبہ نے کہا کہ اگر وہ صبح اٹھ کر خود چلے جائیں گے آپ
اپنا الارم بند نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے صبح اٹھ کر بیٹھیں گی۔" بلال اختر نے رسائی سے کہا۔

عائشہ اختر صرف انہیں دیکھ کر کہہ گئیں ان کا اٹھنا تو بہت ضروری تھا انہیں بھی تو ندوہ کے پیچھے جا کر دیکھنا تھا کہ
وہ گھر سے کالج کا کہہ کر آخر جالی کہاں ہے۔



ندوہ معمول کی طرح جو بیٹھارہم بن کر ناشتے کی میز پر آئی اور بلال اختر اور عائشہ اختر کو سلام کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ
گئی۔

بلال اختر اس کے سلام کا جواب دے کر ناشتے میں مصروف ہو گئے جبکہ عائشہ اختر تک خاموشی سے اسے
دیکھنے لگی۔

ندوہ جیم کی شیشی کھولتے ہوئے رک کر انہیں دیکھنے لگی ان کی نظروں میں اس کے لیے بڑا عجیب سا تاثر تھا
جسے کوئی نام نہ دے سکی ان کی آنکھوں میں اپنے لیے ایسا کوئی عکس اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر جیم کی شیشی دوبارہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی مگر اسے گلنے لگا اب اس کی
انکھیں دھکنے کو اپنی گرفت میں نہیں لے پا رہیں۔

وہ اپنی کوشش کو ترک کر کے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی وہ اب بھی اسے دیکھ رہی تھیں۔
ایک عجیب سی بے چینی اس کے وجود میں پھیلنے لگی اس میں اتنی بہت بھی نہیں تھی کہ اپنی ہل سے پلٹ کر یہ

نی پوچھ لے کہ۔

”مما کیا بات ہے آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟“

وہ تو بس اندر ہی اندر الجھنے لگی حالانکہ پچھلے چھ سات دنوں سے وہ خود کو بست پر اٹھو محسوس کر رہی تھی۔
عموماً اس کا اعتماد اس وقت متزلزل ہوتا تھا جب اس کا سامنا باہر کی دنیا سے ہوتا تھا اور پچھلے چھ سات دنوں سے یہ تعلق منقطع تھا۔

اسے باہر کے کسی شخص کے مدبر ہونا پڑا تھا نہ کوئی ان کے گھر آیا تھا۔ ممالیا تو کبھی بھی اس کے شب و روز میں خل نہیں ہوتے تھے چنانچہ اس کی زندگی بڑے سکون سے گزر رہی تھی۔

مگر اب جس طرح عائشہ اختر اس کے چہرے پر کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہی تھیں اسے دیکھ کر ایک نامعلوم سی گھبراہٹ اس کے اندر سرایت کرنے لگی تو اس نے جلدی سے سامنے رکھا جو اس کا گلاس اٹھا کر یوں سے لگا لیا۔
گلاس خالی ہوتے ہی وہ کرسی ٹھیسٹ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا ہوا ناشتا کیوں نہیں کر رہی؟“ بلال اختر نے پوچھا۔

”بس۔۔۔ وہ بھوک نہیں ہے آں میں کچھ کتابیں بیگ میں رکھنا بھول گئی ہوں وہ رکھ لوں کہیں دین نہ آجائے۔“ ندیہ ”عائشہ اختر کی نظروں سے دور ہٹ جانا چاہتی تھی بھی اپنا بیگ اٹھاتی تیزی سے میز میوں کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کی دین اب آنے ہی والی ہوگی تو وہ میز میوں سے نیچے اتر آئی۔
دین تو اس کے منع کر دینے کے بعد سے آئی تھیں تھی مگر وہ ٹھیک اسی ٹائم پر گھر سے نکلتی تھی جو دین کا اس کے دروازے پر پہنچنے کا وقت تھا۔

ندیہ ڈانٹتے بغیر بھلے سے نظر نہ ہٹا کر دیکھنے لگے کہ تو اتنے دنوں میں بلال اختر کیسے نظر آئے۔
لیا جس کے پوچھے جانے کا ندیہ کو روز و رات جو آتا۔
”تم نے کہا تھا تمہاری دین کا ہارن خراب ہو گیا ہے آخر یہ ہارن کب ٹھیک ہوگا۔

ڈرائیور بغیر ہارن کے روز و رات گاڑی کیسے چلاتا ہے۔“ عائشہ اختر کا لہجہ عجیب کھردرا سا تھا۔
ندیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی رکتا رہا۔

”جی ہاں نہیں ماما میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔“ ندیہ بے بسی سے بولی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتی
ندیہ یہ کہتی گھر سے نکل گئی۔

”اچھا میں چلتی ہوں اگر دین آگئی تو ڈرائیور بست غصہ کرے گا وہ کہتا ہے جب معلوم ہے ہارن خراب ہے تو پہلے سے باہر کیوں نہیں آجائیں۔“ ندیہ جیسے ہی یہ کہہ کر باہر نکلی عائشہ اختر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر میز میوں کی طرف بڑھنے لگیں۔

”خیریت آپ کو کیا ہوا؟“ ان کی تیز رفتاری پر بلال اختر نے چونک کر پوچھا۔

”ابھی آئی ہوں۔“ وہ لٹھا مار انداز میں بولیں۔

”لیکن ہاں بھی تو چلے بات کیا ہے میں نے تو آپ کو منع کیا تھا صبح جلدی مت اٹھیے گا اور آپ ہیں کہ۔“ بلال اختر کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ عائشہ اختر سنی ان سنی کرتی میز میاں چڑھ کر اوپر پہنچ گئیں ان کے کمرے کی گیلری سے گیٹ کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا مگر ندیہ وہاں کبھی نہیں گئی۔

وہ برشانی سے چاروں طرف دیکھنے لگیں جتنا ٹائم انہیں اوپر آنے میں لگا تھا کہ پیش اتنا ہی ٹائم ندیہ کو گھر سے نکل کر گیٹ تک پہنچنے میں لگنا چاہیے تھا اگر وہ کسی گاڑی میں بھی بیٹھ کر جا رہی تھی تب بھی وہ اتنی جلدی گیٹ

کھل کر باہر نکل بھی گئی گاڑی میں بیٹھ بھی گئی اور گاڑی اتنی تیز رفتاری میں آگے بھی بڑھ گئی کہ دور تک پھلی
سڑک پر بھی کسی گاڑی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

ان کا دل اتنی زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے پسلیاں توڑ کر ہر آجائے گا وہ ہر اس انداز میں چاروں طرف دیکھتی
رہیں آخر بلال اختر کو گھر سے لٹکا دیکھ کر وہ تیزی سے اتر کر گاڑی کے پورچ میں چلی آئیں۔

بلال اختر گاڑی میں بیٹھنے والے تھے انہیں آنادیکھ کر رک گئے۔
عائشہ اختر کے چہرے پر ہوائیاں از رہی تھیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں بلال اختر کو سب کچھ بتانا
چاہیے یا نہیں وہ شش و پنج میں گھری انہیں دیکھ رہی تھیں کہ بلال اختر کو تو کتنا ڈرا۔

”کیا بات ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ بلال اختر گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رک گئے۔
”ہاں۔۔۔ جی۔۔۔ میں آپ کے ساتھ چلوں۔“ وہ سڑک پر آگے نکل کر کھٹا چاہتی تھیں ندیہ اگر گھر کی گیلری
سے نظر نہیں آ رہی تھی تب بھی آگے کہیں ضرور مل سکتی تھی (ڈوبے کو تھکے کا سارا)

”کہیں؟“ بلال اختر اچنبھے کے ساتھ بولے۔

”وہ مجھے ہیں آگے تک جانا ہے۔“ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہیں۔
”اس چلے میں۔“ عائشہ اختر کہیں بھی جانے کے لیے باقاعدہ تیاری کرتی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ اس وقت
مضبوط چلے میں ہونے کے باوجود بلال اختر کو باہر جانے کے لیے تیار نہیں لگ رہی تھیں۔

”ہاں بس یہیں جانا ہے۔“ عائشہ اختر زچ ہو گئیں تو بلال اختر نے مزید کوئی سوال کیے بغیر انہیں گاڑی میں بٹھا کر
گاڑی اشارت کر دی۔

راستے میں عائشہ اختر کو بے چینی سے ادھر ادھر دیکھتا دیکھ کر بھی بلال اختر نے کچھ بھی پوچھا مناسب نہ سمجھا مگر
بلال اختر سے قتل سے قتل کی گھبراہٹ کے بعد وہ دیکھنے لگے کہ بلال اختر سے ضبط نہ ہوا۔

بلال اختر کو جب اس کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے بلال اختر کے لیے جس میں بے زاری محسوس کر
کر عائشہ اختر کو اس طرح ان کے ساتھ نکل آنا حماقت لگ رہا تھا۔

”وہ۔۔۔ مجھے ندیہ کے کالج جانا ہے۔“ ایک خیال تیزی سے ان کے ذہن میں کوند اتو وہ اسے فوراً ”نہاں پر لے
آئیں۔“

آجائیک انہیں خیال آیا تھا ندیہ کالج کے علاوہ جاتی ہی کہاں سے اگر وہ کہیں اور جا بھی رہی تھی تو بھی اس کا
تعلق کہیں نہ کہیں اس کی کالج کی لڑکیوں سے ہی ہو گا ہر چند کہ اس کی کسی سے دوستی نہیں تھی مگر وہ کالج کی کسی
لڑکی کے ذریعے ہی اتنا برادرم اٹھا سکتی تھی کہ چھٹی کی اہلک کشن دے کر اتنے دنوں سے کالج سے غائب تھی۔
انہیں لگ رہا تھا انہیں کالج جا کر کلاس کی دوسری لڑکیوں سے بات کرنی چاہیے شاید کوئی سراغ نکل آئے۔
جہاں اس خیال سے انہیں تھوڑا دلا سا ملا تھا وہیں بلال اختر ان کی بات سن کر ہلکا گئے تھے۔

”واٹش! آپ ہوش میں تو ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے ندیہ کا کالج بالکل الگ روٹ پر ہے آپ تو کہہ رہی
تھیں مجھے ذرا آگے جانا ہے اب اگر میں آپ کو کالج چھوڑنے جاؤں گا تو کیا مجھے آپس سے دور نہیں ہو جائے گی۔“
”تکی ایم سوری بلال۔ میں بالکل بھول گئی تھی آپ سے ذکر کرنا۔ رات کو ندیہ کی پر ہل ٹی تھیں انہوں نے
آپس بلایا تھا۔“

ابھی اچانک یاد آیا تو۔۔۔

”خیریت تو ہے نہ۔ انہوں نے آپ کو کیوں بلایا ہے۔“ حسب توقع ان کے۔۔۔ بے باک پر بلال اختر کا غصہ تو
لٹھا ہو گیا مگر اب ان کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر وہ ایک بار پھر تذبذب کا شکار ہو گئیں۔

”تو۔۔ خیریت ہی ہے۔ تو۔“

”کیا ندیہ نے پھر کچھ کر دیا۔“ جس طرح لب بھینچ کر بولے تھے اس پر عائشہ اختر فوراً تردید کرتے ہوئے بولیں۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے خیال سے۔ کسی رشتے و فیو کی بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔“ آخر انہیں ایک بہانہ سوجھ ہی گیا۔

”تو اس لیے آپ دوڑی دوڑی جا رہی ہیں۔“ بلال اختر بری طرح چڑ گئے۔

عائشہ اختر نے خاموش رہنے میں ہی بہتری سمجھی خود بلال اختر نے بھی اس کے بعد کوئی سوال نہیں کیا مگر ان کے ہر انداز سے ان کی جھنجھلاہٹ ضرور ظاہر ہو رہی تھی۔

گاڑی کو ندیہ کے کالج کے گیٹ پر روک کر وہ بڑی درشتی سے بولے۔

”آپ کے پاس تو پرس بھی نہیں ہے کہ یہاں سے ٹیکسی میں گھر ہی چلی جائیں۔“ عائشہ اختر کو بھی ہان کے کہنے پر اپنی جلد بازی کا احساس ہوا تبھی بلال اختر نے والٹ سے نکال کر جو پیسے ان کی طرف بڑھائے انہوں نے شرمندگی کے باعث چپ چاپ تمام لیے اور گاڑی سے اتر گئیں۔

بلال اختر تو فوراً ہی گاڑی آگے بڑھانے لگے جبکہ وہ کشمکش کے عالم میں کتنی ہی دروہیں کھڑی رہیں۔ سوچنے میں تو انہیں بہت آسان لگا تھا کہ ندیہ کی کلاس کی لڑکیوں سے بات کریں گی تو انہیں ضرور کچھ ناکچھ اندازہ ہو جائے گا۔

مگر اب یہاں آکر انہیں لگ رہا تھا کہ وہ بات کیا کریں گی جو ندیہ کی جس حرکت کو وہ بلال اختر تک سے پوشیدہ رکھنا چاہتی تھیں اس کا تذکرہ گھر سے باہر اس کی کلاس کی لڑکیوں سے کیسے کریں گی۔

ابھی وہ اسی کشمکش میں وہاں کھڑی تھیں کہ کالج کی دوسری دین ان کے نزدیک ہی آرکی جس میں ندیہ کالج جاتی تھی۔

کالج شروع ہونے ہی والا تھا اسی لیے لڑکیاں تیزی سے دین سے اتر کر گیٹ کی طرف بڑھنے لگیں۔

”السلام علیکم آئی آپ یہاں خیریت تو ہے۔“ ایک لڑکی کے مخاطب کرنے پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ یہ لڑکی ان ہی کے علاقے میں رہتی تھی مگر اگر بہت قریب نہیں تھے تو بہت دور بھی نہیں تھے۔ ہنگامی حالت یا

اسٹرائیک (ہڑتال) کی صورت میں اکثر بلال اختر ندیہ کے ساتھ ساتھ اسے بھی کالج سے پک کر لیا کرتے تھے کبھی کبھی دین د آنے پر اس لڑکی کی والدہ جو خود بھی ڈرائیو کرتی تھیں اپنی بیٹی کے ساتھ ساتھ ندیہ کو بھی ڈراپ کر دیتی تھیں۔ اور بات تھی کہ ایسا شاندار اور ہی ہوتا تھا۔

”و علیکم السلام کیسی ہو تم۔“ وہ اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے بولیں۔

”میں تو ٹھیک ہوں آئی آپ لوگ کب واپس آئے ندیہ کی تو اس بار کافی چھٹیاں ہو گئیں۔“ اس کے خوش اخلاقی سے کہنے پر عائشہ اختر زبردستی مسکرا دیں۔

”ہاں۔ بس کل برسوں سے وہ آنا شروع کر دے گی۔“

”آئی میں نے سنا تھا اس کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی کلاس میں۔“ انکل اسے پک کر کے گھر لے گئے تھے۔ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

عائشہ اختر کو ایسا لگا جیسے وہ بھی پوچھنے کے لیے رکی ہو آخر ان کے گھر کوئی اتنے دور تو نہیں تھے کیا پتا بلال اختر کو آخر آتے جاتے دیکھ لیا ہو اور اب وہی پوچھنا چاہ رہی ہو کہ آپ لوگ تو اسی شرم میں تھے ندیہ تو اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آ رہی۔

بہتر کرنا

عائشہ اختر نے اپنے لہجے میں بے نیازی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں اس وقت اسے کچھ چکر و فیو آگئے تھے اب تو وہ بالکل ٹھیک ہے۔“

”ہی۔۔ آئی اصل میں نطاشہ نے بھی تو حد کر دی تھی۔“ وہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولی تو عائشہ اختر چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

”نطاشہ نے کیا کیا؟“

”آپ کو نہیں پتا ندیہ نے کچھ بتایا نہیں آپ کو؟“ وہ بھی حیرانی سے بولی۔

”نہیں مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔“

”یہاں اس کی کلاس کی لڑکیاں تو یہی کہہ رہی تھیں کہ نطاشہ نے ایسی باتیں کیں کہ اس کی طبیعت بگڑ گئی۔“ اس لڑکی کی بات پر عائشہ اختر بے چینی سے بولیں۔

”کیا کہا تھا اس نے۔“

”وہ آئی جب سے رخسار نے کالج چھوڑا ہے تب سے سب کو حیرانی ہو رہی تھی کہ رخسار نے اچانک کالج کیوں چھوڑ دیا۔“

اس پر ایک دن نطاشہ نے بتایا کہ اس کی رخسار سے بات ہوئی تو۔۔ آئی میں تو کچھ نہیں جانتی میں تو دھتار ہی ہوں جو میں نے سنا ہے۔

نطاشہ کہہ رہی تھی ندیہ نے رخسار کو بہت بری طرح مارا تھا اسی لیے رخسار نے کالج بدل لیا اور جب یہی بات نطاشہ نے ندیہ سے پوچھی تو اس کی طبیعت ایک دم خراب ہو گئی۔ ”عائشہ اختر کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔“

”نطاشہ کو ذرا احساس نہیں ہے کسی کے لہجے کا۔ بڑی ہی بے حس سی لڑکی ہے ندیہ کو اس کے منہ پر ایسا نارمل کہہ رہی تھی۔“

ندیہ بے چاری تو اتنی سیدھی سی ہے وہ بھلا کیسے برداشت کرتی یہ سب۔ وہ تو اسی وقت بے ہوش ہو گئی۔

عائشہ اختر ایک دم ششدر رہ گئی تھیں۔

جس بات کو وہ گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکالنا چاہتی تھیں۔ اس کا ڈھنڈورا ندیہ کے پورے کالج میں پٹ گیا تھا۔

ان کے کتنے سارے جاننے والوں کے بچے یہاں پڑھتے تھے یہ کہانی تو مرج مسالے کے ساتھ ان کے حلقہ احباب میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی۔

”لیکن آئی ندیہ کی پرچھائی کا بہت حرج ہو رہا ہے اسے اب مزید کالج سے غیر حاضر نہیں رہنا چاہیے اور پھر اب تو نطاشہ بھی کالج نہیں آ رہی۔“ اس نے ایسے کہا جیسے وہ جانتی ہو ندیہ نطاشہ کی وجہ سے نہیں آ رہی۔

عائشہ اختر اپنی ہی سوجھوں میں اتنی کم تھیں کہ انہوں نے پوچھنا ہی نہیں کہ وہ کالج کیوں نہیں آ رہی مگر اسے خود ہی اتنی بے چینی تھی کہ ان کے پوچھنے بغیر ہی بتانے لگی۔

”نطاشہ پچھلے دنوں سے گھر سے غائب ہے۔“

عائشہ اختر ایک بار پھر اسے چونک کر دیکھنے لگیں۔

”غائب ہے؟“

بہتر کرنا 45

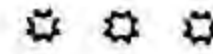
"جی دونوں سے ملا پتہ ہے۔ اس کے گھر والوں نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ بھی درج کرا دی ہے مگر ابھی تک تو کوئی سراغ نہیں ملا۔"

اس کی والدہ تو کالج آئی تھیں۔ اس کی کلاس کی لڑکیوں سے ملنے ٹکر کسی کو کچھ پتا ہوتا تو بتاتا، بہت پریشان ہیں اس کے گھر والے۔ "عائشہ اختر تو اپنی ابھرنے والی ہے، اگر تو اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔"

وہ انگلی سے پیشانی کو مسلتے لگیں۔

"آئی آپ نے بتایا نہیں آپ یہاں کیوں؟ اس کا جملہ ابھی منہ میں ہی تھا کہ کالج کا ایٹ بند ہوتا دیکھ کر اسے یاد آیا کہ اسے تو کالج بھی جانا ہے۔"

وہ کندھے پر لٹکا بیگ ٹھیک کرتی انہیں اللہ حافظ کتنی تیزی سے بھاگ گئی۔



"امی آپ نے حشام کی تصویر ابو کو دے دی۔"

نمل نے صبح ان سے سامنا ہوتے ہی پوچھا تو وہ جس طرح چور نظروں سے اسے دیکھنے لگیں اس سے نمل کو بغیر کسی ان کا جواب مل گیا۔

"لا میں میں خودی دے دوں۔" نمل نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ تو آفس چلے گئے ہیں۔" رشیدہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

انہیں علم تھا یہ جان کر نمل کو ضرور غصہ آئے گا ایک بل کے لیے واقعی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا مگر وہ ان پر بگڑی نہیں تھی اسی لیے وہ فوراً "پتا غصہ ضبط کر گئی یہ اور بات تھی کہ اس کا تاتا چہرہ دیکھ کر رشیدہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آج صبح بہت جلدی ہے۔"

پھر ان کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا میں نے سوچا شام میں جب گھر آئیں گے تب دے دوں گی۔" نمل جانتی تھی اس کی ماں اس کے باپ سے کتنا ڈرتی تھی۔

مگر شام نے جس طرح رات ہو جانے کے باوجود وہ تصویر اور کوائف اسے لا کر دیے تھے اسے دیکھتے ہوئے نمل کو اس معاملے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر شام نے اس کی ماں اور حشام کے ساتھ زیادتی لگ رہی تھی۔

"کہہ تو رہی ہوں آج شام میں دے دوں گی۔" انہوں نے پیار بھری ڈانٹ کے ساتھ کہا تو نمل صرف ان کا دل رکھنے کے لیے مسکرا دی۔

ساتھ ہی یہ سوچ کر خود کو تسلی بھی دے دی کہ اگر شام کو رشیدہ نے لفافہ نہیں دیا تو وہ خود یہ کام کر دے گی۔

"چلو اب جلدی کرو تمہیں دیر ہو گئی تو تمہاری وجہ سے رو میلہ اور سنبل بھی لیٹ ہو جائیں گی۔" رشیدہ نے اس کا دھیان بنانے کے لیے کہا اور واقعی وہ تیزی سے جانے کی تیاریوں میں جت لگئی تبھی محض ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ تینوں کلاس میں تھیں۔

سارے راستے میں تینوں حشام اور اس کے ساتھ ہوئے ظلم پر بات کرتی رہی تھیں کلاس میں لپکھ کے دوران بھی ان کا دھیان وہیں تھا جیسا وقتاً فوقتاً مناسبت دھیمی آواز میں ان کا تبصرو اور مشورہ جاری تھا۔

وہ تینوں ایسے بات کر رہی تھیں جیسے عظمت غلیل اپنا ہر قدم ان سے پوچھ کر ہی اٹھانے والے ہوں۔

اپنی باتوں میں وہ اچھی خاصی مگن ہو گئی تھیں پریڈ اور ہونے پر خرم اپنے چاروں دوستوں ہارون حمید نادر اور وکی کے ساتھ کلاس میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کر سنبل اور رو میلہ جس طرح چونکتے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے

لگیں اس پر نمل کا دل چاہا اپنا سوئیٹ لے لیکن یہ حالت صرف ان دونوں کی نہیں تھی کلاس کے دوسرے اسٹوڈنٹس بھی ان کی اس طرح آمد پر رک کر انہیں دیکھنے لگے تھے۔

نمل کا انہیں دیکھتے ہی دل چاہا اٹھ کر باہر چلی جائے مگر ایک تو ہارون اور نادر دوڑا زبے کے فریم سے لگ کر کھڑے ہو گئے تھے دوسرے جب ساری کلاس خاموش بیٹھی ان کی آمد کی وجہ جانتا چاہ رہی تھی تو پھر وہ ایک سی اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی غیر معمولی رویے کا اظہار کرتے ہوئے سب کی توجہ کامرکز نہیں بننا چاہتی تھی۔

لیکن سنبل اور رو میلہ جس طرح ایک دوسرے کو دیکھ کر "کیا بات ہے؟"

"یہ کیوں ہماری کلاس میں آئے ہیں۔"

جیسے سوال نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں۔

ان کی یہ حیرت اور پریشانی اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھی چنانچہ خود کو ان سے بے نیاز ظاہر کرنے کے لیے اس نے جان بوجھ کر کتاب کھول کر زبردستی اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔

یہ اور بات تھی کہ لاشعوری طور پر وہ بھی یہ سننے کی خاطر تھی کہ وہ کیا کہنے آئے ہیں۔

"کیا بات ہے ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" ان کی کلاس کے ایک لڑکے نے ان کی بدستور خاموشی پر ٹوکتے ہوئے پوچھا کیونکہ ہارون اور نادر تو دروازے میں ہی رک گئے تھے۔

جبکہ خرم پورڈ کے آگے رکھی پروفسر صاحب کی نیمبل پر ٹک گیا تھا اور حمید اور وکی اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے تھے۔

اس لڑکے کے پوچھنے پر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خرم جب میں سے ایک کٹھنڈ نکالتے ہوئے اسے ان سب کا یہ رویہ غیر معمولی ضرور تھا مگر اتنا تجسس بھی نہیں تھا کہ سب اپنی اپنی جگہ جم کر رہ جاتے کلاس میں سے تین لڑکے اٹھ کر باہر جانے لگے ہارون نے ہاتھ آگے کر کے راستہ روک دیا۔

"جب ہم یہاں آئے ہیں تو صاف ظاہر ہے کوئی خاص بات کرنے آئے ہیں اور تم لوگ ہو کہ بغیر اجازت باہر نکلنے کی گستاخی کر رہے ہو۔" ہارون کا اندر خالص دھونس جمانے والا تھا۔

وہ لڑکے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"اگر کوئی خاص بات ہے تو کہیے نا۔" ان میں سے ایک نے لہجے کی ناگواری کو چھپاتے ہوئے رسائییت سے کہا۔

بھلے ہی یہ ان کے کالج کا پستادون نہیں تھا مگر سینئرز کے سامنے وہ پورے سال نیو ایڈیشن رہنے والے تھے۔ انہیں پتا تھا کم از کم اس پورے مہینے انہیں ایسے ہی ٹرٹ کیا جائے گا جیسے کسی نیو ایڈیشن کو پہلے دن کیا جاتا ہے۔

اس پر خرم وغیرہ کا مذاق تو وہ پہلے ہی دیکھ چکے تھے (لوگ سیر کی اس حرکت کو خرم کی ہی کارستانی سمجھتے تھے) جس کے نتیجے میں پریڈ وغیرہ نے خرم اور اس کے دوستوں کے خلاف کوئی خاص ایکشن بھی نہیں لیا تھا۔

گویا ایسے لڑکوں سے نہ الجھنا ہی بہتر تھا یہ اس مزاج کے لوگ تھے جو چاہتے تھے کہ کوئی ان کے تنگ کرنے پر لگ ہو تو وہ اسے اور پریشان کر سکیں جبکہ اگر ان کے مذاق پر خود بھی ہنس کر مل دو تو وہ خود ہی بے مزہ ہو کر اپنا راستہ چل لیں۔

”یعنی اب ہمیں خاص بات کرنے کے لیے تمہاری اجازت کی ضرورت ہے۔“
 کیونکہ تمہیں دیر ہو رہی ہے تو ہم جلدی سے خاص بات کر کے تمہیں فارغ کر دیں یعنی دوسرے لفظوں میں
 تمہاری جان چھوڑ دیں۔“ نادر تو باقاعدہ جرح پر اتر گیا۔
 وہ بات کہنے والا لڑکا بے بسی سے اسے دوسروں کو دیکھنے لگا جیسے پچھتا رہا ہو کہ یہ بات اس نے کی کیوں۔
 نعل کو ان کی یہ دادا گیری سخت ناگوار گزر رہی تھی خواہ مخواہ دوسروں کو پریشان کرنے اور دوسروں پر رعب
 بھاڑنے والوں سے اسے سخت چڑھی۔
 مگر اس نے اپنا چوپوری طرح کتاب پر جھکا رکھا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ خرم ایک بار پھر اتنے لوگوں کے چچ
 میں اس سے مخاطب ہو۔

دو میلہ نے اپنا جواندازہ فون پر ظاہر کیا تھا وہ اس کے لیے قابل قبول تو نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ احتیاطاً ”خرم کے
 معاملے سے الگ رہنا چاہتی تھی تاکہ دو میلہ کی کسی بھی بات کے بچ بونے کا امکان بھی پیدا نہ ہو سکے۔
 ”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اس لڑکے نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے صفائی دینی چاہی خرم نے ہاتھ
 اٹھاتے ہوئے ٹوک دیا۔

”اُس اوکے! جاؤ جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔“ خرم کے کہنے پر وہ لڑکے پہلے تو ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے پھر
 یہ سوچتے ہوئے واپس اپنی سیٹ پر جا بیٹھے کہ سمجھ داری کا تقاضا بھی ہے۔
 ان کے بیٹھتے ہی خرم نے ایسے کتنا شروع کیا جیسے کوئی لیکچرار لیکچرنا شروع کرتا ہے۔
 ”کمال ہے بھئی یہ نئی کلاس تو بڑی اچھی ہے صرف دس تین اسٹوڈنٹس کو چھوڑ کر سب لوگ بڑی باقاعدگی سے
 پریڈ اینڈ کر رہے ہیں۔“ خرم نے کانڈ کو دیکھتے ہوئے جس طرح کہا اس سے بھی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے ہاتھ

میں جو کانڈ ہے اس پر ان کے کلاس کے اساتذہ کی تنقیدات کی جاتی ہیں۔
 اس جانکاری پر ٹھوڑی بہت حیران تو ہوئی کیونکہ اس کی ساری معلومات نکالنا اگر ناممکن نہیں تھا تو بھی مشکل ضرور تھا ایسے میں کبھی کا یہ سوچنا بجا تھا کہ
 حاصل کر کے یہ ساری معلومات نکالنا اگر ناممکن نہیں تھا تو بھی مشکل ضرور تھا ایسے میں کبھی کا یہ سوچنا بجا تھا کہ
 اس مشکل عمل کی آخری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔

مگر دو میلہ اور سنبل ہر بات کو ایک ہی نکتہ پر لے جاتیں اب بھی وہ کبھی ایک دوسرے کو اور کبھی نعل کو دیکھنے
 لگیں جو سر جھکا ہونے کے باوجود ان کی پریشانی کو بہ خوبی محسوس کرتی تھی اور کوفت بھی محسوس کرنے لگی تھی۔
 ضرور وہ دونوں خرم کی بات کا پس منظر اس کے چمٹتی کرنے کو ہی سمجھ رہی تھیں لیکن خرم نے خود ہی ان کی غلط
 فہمی کو دور کر دیا۔

”آج میں بھی آپ لوگوں کی اینڈنٹس لوں گا لیکن صرف لڑکوں کی لڑکیوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“
 خرم کے سکون سے کہنے پر لڑکیوں کو تو ڈھیروں مطمئن ہوا تھا مگر لڑکے حیران پریشان نظر آنے لگے تھے۔
 ”اور کیونکہ میں آپ لوگوں کے نام سے واقف نہیں ہوں چنانچہ نام کال کرنے پر تپ کھڑے ہو کر مجھے اپنی
 شکل بھی دکھائیں گے۔“

”لیکن آخر کیوں؟“ ایک لڑکے کے بے ساختہ پوچھنے پر وہ نے بھی ہنسنے میں حصہ لیتے ہوئے قدرے جارحانہ
 انداز میں کہا۔

”کیوں؟ تمہاری اتنی ہمت کہ ہم سے یہ پوچھو کیوں ہاؤ دیو؟“
 وہی کے انداز پر اس کے دوست بڑے محفوظ ہوئے حمید نے تو باقاعدہ مسکراتے ہوئے وہی کی ہیبت ٹھوکی تھی جیسے
 اس کی بد معاشی پر اسے شاباش دے رہا ہو۔

لاکے کو دیکھنے کے بعد تو خرم کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر کسی نے بھی کچھ کہنے کی جسارت نہیں کی۔
خرم سب کے بیٹھ جانے کے بعد کچھ دیر تو خاموشی سے کھڑا رہا پھر ایک ایک قدم اٹھاتا اس لڑکے کے ڈیکس کے پاس آکھڑا ہوا اور میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے ہی سرد سے لہجے میں بولا۔

”ذرا اپنا موبائل دے نا۔“

”موبائل؟“ اس نے اچنبھے سے پوچھا۔
خرم نے جواب دینے کی بجائے سپاٹ انداز میں اپنا خلل ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا تو وہ ہونٹوں کی طرح کبھی اسے اور کبھی اس کے ہاتھ کو دیکھتا چلا گیا۔

”بے فکر رہو تمہاری گرل فرینڈ کے نمبر نہیں لوں گا۔ صرف تمہارا موبائل چاہیے۔“ خرم کے عجیب و غریب لہجے پر پوری کلاس دم بہ خود اسے دیکھ رہی تھی۔

سینئرز کا رعب اور دبہ اپنی جگہ، لیکن اپنا موبائل نکال کر کسی غیر کو پکڑنا ایک انگبات تھی چنانچہ وہ سارا لحاظ لائے طلاق رکھ کر دو ٹوک لہجے میں بولا۔

”میں اپنا موبائل نہیں دے سکتا۔“ اس نے بات پوری کی ہی تھی کہ خرم کا بھرپور مکا اس کا پورا چہرہ کھما گیا۔

سب لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو سمجھ رہے تھے کوئی مذاق ہو رہا ہے مگر اب تو سب پریشانی کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے سب کے ہوش اڑ گئے تھے اس لڑکے کی ناک سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا وہ ڈیکس پر سیدھا ہوتے ہوئے بڑی عاجزی سے بولا۔

”آخر بات کیا ہے میں نے کیا کیا ہے؟“ ایک ہاتھ میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خرم کا مقابلہ نہیں کر سکتا اپنی پتیلی کی پشت سے خون صاف کرتے ہوئے اس کی آنکھ میں آنسو آگئے تھے۔

”میں نے جو کہا ہے اس کی آنکھ میں آنسو آگئے تھے۔“

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آئینہ، نسیم سحر قریشی	قیمت: 400 روپے	شائع ہو گئے ہیں
☆ درو کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 180 روپے	فوری طور پر
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبین	قیمت: 350 روپے	فوری طور پر
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 200 روپے	مضبوط جلد
☆ امر بیکل، عمیرہ احمد	قیمت: 450 روپے	آؤٹ سٹیک

مکھانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

”بہتر یہی ہے کہ اپنی اوقات میں رہو اور جتنا کما گیا ہے اتنا ہی کرو۔“ وہ لڑکا وہی کی بات پر ناگواری سے اسے دیکھنے لگا تو حید نے بھی اسے دھمکانے میں دیر نہیں کی۔

خرم نے نام پکارنے شروع کیے تو بھی لڑکے بالکل مرے مرے انداز میں مارے بندھے کھڑے ہوتے گئے وہ سمجھ گئے تھے سمندر میں رہ کر کمرچھ سے ہیر نہیں کیا جاسکتا البتہ اس طرح درگت بننے پر بھی کو شرمندگی محسوس ہونے کے ساتھ ساتھ طبیعت میں بدل بھی آ رہا تھا۔

خرم ان کا نام پکار کر ان کی شکل دیکھتا اور انہیں ایک طرف کھڑا کر دیتا کچھ لڑکوں کا اس نے سرے سے نام ہی نہیں پکارا تھا وہ پھر بھی پریشان تھے جانے ان سے کیا خطا ہو گئی جو انہیں کھڑا کر کے ان کی شکل نہیں دیکھیں گئی۔

اصل میں خرم نے یہ سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اس نے کمپیوٹر پر اس مودی کو متحدہ پار چلا کر دکھا اور جس جس لڑکے کی شکل بھی نظر آئی اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا کیونکہ وہ تین باتوں کا اسے یقین تھا کہ یہ کام کسی لڑکی کا نہیں ہے اس لیے ان پر غور کرنے کی اس نے سرے سے ضرورت ہی نہیں سمجھی۔

دوسرے اسے یہ بھی یقین تھا کہ مودی میرے گروپ کے۔ کسی لڑکے نے نہیں بتائی کیونکہ مودی تب شروع ہوئی ہے جب تمام جوہر بے نکل کر کلاس میں بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔

جبکہ اگر میرا اس کے کسی دوست نے یہ کام کیا ہو تا تو پہلے سے تیاری کے ساتھ موجود ہوتا اور اس سین کو ضرور نظر بند کرنا جب یہ ڈبا کلاس میں ملایا گیا تھا اور پھر اسے کھولنے کی کوشش کی گئی تھی۔

مگر جب مودی شروع ہوتی ہے تو یہ دونوں منظر گزر چکے ہوتے ہیں۔

گویا یہ کام کسی ایسے شخص نے کیا ہے جو اس پلان سے واقف نہیں تھا اور جس کے ذہن میں مودی بنانے کا خیال بالکل اچانک آیا تھا۔

اور ایسا شخص اس کلاس کا اس کا نام تھا۔ اس پر یہی کی حاضری نکال کی تھی اس کے بعد ان دونوں کے چنانچہ خرم نے اینڈ نہیں رجسٹر سے اس پر یہی کی حاضری نکال کی تھی اس کے بعد ان دونوں کے ساتھ یہ مذاق کیا گیا تھا۔

اس دن جتنے طالب علموں کی حاضری لگی تھی آج بھی وہ تمام طالب علم موجود تھے اس لیے خرم بڑی آسانی سے سارے لڑکوں کا نام لیتا گیا اور انہیں ایک طرف کھڑا کر لیا جو مودی میں موجود تھے اگر موبائل میں نسب کیسواں کے ہاتھ میں ہوتا تو ان کی مودی آتی ہوتی۔

دوسری طرف خرم نے ان لڑکوں کا نام پکارنا بالکل ضروری نہیں سمجھا جو اس دن آئے ہی نہیں تھے اور یہ سلاواں گزرنے کے بعد یونیورسٹی آنے لگے تھے۔

سارے نام پکارتے پکارتے بلا آخر خرم ایک نام پر جا کر رک گیا اور اس شخص کو فوراً دیکھنے لگا جو اپنا نام پکارے جانے پر بڑی بے زاری سے کھڑا ہوا تھا۔

خرم پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ یہ چو اس مودی میں موجود نہیں تھا پھر بھی اس نے احتیاطاً مپوری لسٹ پکارتی مگر بالی تمام لوگ مودی میں موجود تھے۔

اسے شک کی تصدیق ہونے کے بعد اس نے سب کو واپس اپنی جگہ پر بیٹھ جانے کو کہہ دیا۔

تقریباً ”پوری کلاس خرم کو ابھن بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آخر اس سب کا مقصد کیا ہے۔“

لڑکیاں تو یہ سوچ رہی تھیں کہ وہیں کیوں بیٹھی ہیں فری پریڈ ختم ہو جائے گا انہیں باہر طے جانا چاہیے مگر کسی میں ہمت نہیں تھی اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکلنے کی اس لیے سب خاموشی سے دیکھ بیٹھی تھیں اور پھر اس

"وہ سوئی تم نے ہی کیسے نہیں ڈالی ہے۔" خرم اتنی سرور و صفا تو اس میں بولا تھا کہ اس لڑکے کو بھی بمشکل نکال دے یا تھا ملا کہ وہی اس کے سب سے قریب تھا اپنی سب تو اپنی اپنی سیٹوں سے اٹھ کر دور کھٹک گئے تھے لہذا انہیں خرم کی توازی میں لگی تھی تو سمجھ میں کیا خاک آتا۔
دوسری طرف وہ لڑکا جیسے ایک ہی ہل میں سب کچھ سمجھ گیا تھا جمعی حیرت اور گھبراہٹ ایک ساتھ اس کے چہرے سے ظاہر ہو گئی تھی۔

"نہ نہیں میں نے تو۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ پورا کرنا خرم نے اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اس کا فوری انکار خرم کے ٹک کو مزید تعزیت پہنچا گیا تھا۔

"جب چاہ اپنا موبائل مجھ سے دو دو۔" خرم کو اس سے آگے کچھ کہنا نہیں پڑا اس نے جب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکال لیا تو خرم نے اسے سیٹ پر دھکیلتے ہوئے موبائل تقریباً اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

خرم جانتا تھا وہ سوئی اب اس موبائل میں موجود نہیں ہوگی اس لیے اس نے موبائل کھولنے کی بھی زحمت نہیں کی اور اس کے سامنے ہی دیوار پر لٹکی ہوئے موبائل کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر زمین پر پکھڑ گیا۔

اب کی بار لڑکیوں اپنی چھین روکنے کیس پوری کا اس وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی مگر خرم کو رتی بھر رونا نہیں تھی۔

"اگر وہاں ایسی حرکت کی تو اس موبائل کی جگہ تمہارا سر ہو گا۔" وہ چاہتا تو اس لڑکے کی حرکت کے حلقہ بنا کر اسے سب کی نظروں میں مظلوم سے مجرم بنا سکتا تھا مگر خرم کو علم تھا اگر اس نے یہ تاروا کہ اس لڑکے کی پٹائی

اس سوئی کی وجہ سے ہوئی ہے تو اس سوئی کو خواہ مخواہ بیٹی شہرت مل جائے گی۔ ابھی اگر وہ سوئی پچاس لوگوں نے دیکھی ہوگی تو اس کا ذکر سننے کے بعد ہزار لوگ اس کے بارے میں جاننے لگیں گے جس سے اس سوئی کی مقبولیت میں اضافہ ہو گا اور پھر اس پر تجربے کی گئی ہوگی کہ اس سوئی کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے اس کی اسے کوئی فکر نہیں تھی ایسی فکریں وہ کبھی نہ لگائی تھیں۔

جنگ خرم ایسا ہرگز نہ داشت نہیں کر سکتا تھا اس کا مقصد اس لڑکے کو سنی سکھانا تھا سو وہ پورا ہو چکا تھا اپنی لوگ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے اس کی اسے کوئی فکر نہیں تھی ایسی فکریں وہ کبھی نہ لگائی تھیں۔

وہاں پر آئے ہوں کو ایک جھٹکے سے بھیجے کرنا وہاں ہی کے لیے مڑ گیا۔
کلاس سے نکلتے وقت اس نے پلٹ کر فحش اس لڑکے کو دیکھا تھا اپنا تو غیر ارادی طور پر اس کی نظر ساری کلاس پر پڑ گئی۔

بیک وقت اتنی ساری حیران اور نفرت بھری نظروں کی زندگی ہونے کے باوجود اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں کیا تھا البتہ کمر پر نظر نہ تھی خرم کے قدم اپنی جگہ جم گئے۔

خرم کے ہتھے ہی وہ تجزی سے اس لڑکے کی طرف بڑھی تھی اس کی ٹانگ سے بھل بھل بستا خون دیکھ کر بے اختیار اس نے اپنے پس سے ہاتھ نکال کر اس کی طرف پھسلا دیا تھا۔

خرم کا یہ منظر دیکھتے ہی حال محسوس کیا دل تو چاہا ایک مکالمے کے بھی جڑے شاید اس کی نظروں میں اتنی آگ تھی کہ مکمل چمک کر بے اختیار اس کی طرف دیکھنے لگی۔

میتا فصد خرم کی آنکھوں میں تھا اتنی ہی نفرت مکمل کی نظروں میں تھی۔
کتنی ہی دیر بعد وہ ایک دوسرے کو ایسے دیکھتے رہے آخر خرم ہاتھ دیکھا کلاس سے باہر نکل گیا۔

(باقی ان شاء اللہ آگے ملاحظہ فرمائیں)

دستِ گھڑی

نوسیدہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نوسیدہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوئی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوسیدہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں لچک کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوسیدہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

9
تو بلا قیصر



الیان نہاد جو کمر صرف تھوڑی دیر کمر نکالنے لینا تھا مگر جب اس کی آنکھ کھلی تو شام گہری ہو رہی تھی کمرے کے پردوں کی سلوٹس ٹھیک طرح سے برابر تھیں چنانچہ ہلکی سی جھری میں سے باہر پھیلی تاریکی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

الیان تیزی سے بستر سے اتر گیا دس منٹ بعد جب وہ فریش ہو کر نیچے آیا تو ماموں جان اور شاہ جہاں ماموں نماز پڑھ کر گھر میں داخل ہو رہے تھے۔

الیان ان کے نزدیک چلا آیا شاہ جہاں ماموں سے دوپہر ملاقات نہیں ہو سکی تھی چنانچہ وہ ان سے خیر خیریت دریافت کرنے لگا۔

انہیں بات کرتے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دے دی۔

”کھانا ابھی سے“ الیان نے حیرانی سے ملازم کو دیکھا۔

”ہم تو اسی وقت کھانا کھاتے ہیں تم شاید عشاء کے بعد کھانے کے عادی ہو گے۔“ شاہ جہاں ماموں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”دیے تمہیں بھوک تو لگ رہی ہو گی دوپہر میں بھی کچھ کھائے بغیر سو گئے تھے۔“ ماموں جان نے کھانے کے لیے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں ایسی کوئی خاص بھوک تو نہیں ہے۔“ الیان اخلاقاً ”ان کے ساتھ کھڑا تو ہو گیا لیکن اسے واقعی اس وقت کھانے کی کوئی خواہش نہیں ہو رہی تھی۔“

”اب تم مہمانوں کی طرح تکلف کر رہے ہو جب اتنی دیر ہو گئی کھانا کھائے ہوئے تو بھوک کیوں نہیں ہے۔“ شاہ جہاں ماموں کی بات پر الیان صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اتنی جلدی کھانا کھانے کا وہ عادی تو نہیں تھا مگر اسے کھانا کھائے واقعی بہت دیر ہو گئی تھی چنانچہ کھانے بیٹھا تو ان کا ساتھ دینے میں کچھ تا کچھ کامیاب ہو ہی گیا۔

کھانے کی میز پر اس کی گھر کے دیگر افراد سے بھی ملاقات ہو گئی۔

گھر میں سب سے بڑے ماموں جان اور ممانی جان تھے اس لحاظ سے ان کے بچے بھی سب سے بڑے تھے ایک تو حامد ہی تھا حامد سے چھوٹی ماہ نور تھی اور اس سے چھوٹی سیکندہ تھی جس کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کرانے کے لیے حامد اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

شاہ جہاں ماموں اور چھوٹی ممانی کے چار بچے تھے جن میں گل بانو سب سے بڑی تھی اور تقریباً ”بریرہ کی ہی ہم عمر تھی اس کے بعد ان کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے کھانے سے فارغ ہو کر الیان ان ہی کے ساتھ لان میں نکل آیا وہ دونوں لڑکے آنکھوں اور نوں جماعت میں پڑھتے تھے ان دونوں نے کافی رات تک بیٹھ کر الیان سے باتیں کیں۔

اپنے اسکول کی گاؤں ”مکھ کی مگروس“ بچے وہ دونوں معذرت کرتے ہوئے اٹھ گئے۔

”معاف کیجئے گا الیان بھائی اس سے زیادہ جاننے کی ہمیں اجازت نہیں اگر اماں نے دیکھ لیا تو۔“ ان میں سے ایک نے جس کا نام شاہ تھا گردن پر انگلی پھیرتے ہوئے جملہ ادھور اچھوڑ دیا۔

”اتنی جلدی۔“ الیان نے ایک بار پھر حیرانی سے گھڑی کو دیکھا۔

”جی صبح چار بجے اٹھتے ہیں۔ ہمارا اسکول یہاں سے بہت دور ہے جانے میں ڈھائی گھنٹے لگتے ہیں۔ پونے پانچ بجے نکلتے ہیں تو سوا سات بجے پہنچتے ہیں اور ٹھیک ساڑھے سات بجے ہمارے اسکول کا گیٹ بند ہو جاتا ہے۔“ نوید نے سر کھاتے ہوئے سبے بسی سے کہا۔

الیان کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اس روز روز کی درد ساری پر جی بھی شاید تسلی دیتے ہوئے بولا۔

”ابھی تو آپ چار پانچ دن ہمیں میں تاپس بے فکر رہیں ہم فرائیڈے نائٹ کو ساری رات آپ کو کہنی دیں گے۔“ الیان نے صرف سر ہلا کر اسے ٹال دیا ورنہ دل میں تو وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کل صبح ہی واپس چلا جائے گا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد کچھ دیر تو وہ گھاس پر ٹھٹھار رہا پھر اسے اچانک شدید گرمی کی پوریت ہونے لگی۔

ایک تو وہ اتنی جلدی سونے کا عادی نہیں تھا دوسرے یہ کہ دوپہر میں اتنا سوچا تھا کہ اس وقت اگر وہ چاہتا بھی تو اسے غند نہیں آتی۔

اسے اپنے آپ پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ اگر وہ اپنا لیپ ٹاپ ہی اٹھا لے تا تو وقت آسانی سے گزر جاتا۔

یا پھر کمپیوٹر تو ان کے گھر میں بھی ہو گا شاید اور نوید کے سونے جانے سے پہلے اگر اسے یہ خیال آ گیا ہو تا تو وہ دونوں اسے اس کمرے میں لے جاتے اب تو اتنی بڑی حویلی میں بغیر کسی کی سربراہی کے وہ اپنے کمرے تک بھی نہیں پہنچ سکتا تھا کجا کہ کمپیوٹر یا بیوی والے کمرے میں چلا جاتا۔

”داغ خراب تھا جو میں یہاں آ گیا یا اگر آتا ہی تھا تو کم از کم حامد کے روٹین کے متعلق انفارمیشن لے کر ہی آتا۔“

کل صبح ہوتے ہی میں یہاں سے نکل جاؤں گا اور می سے کہہ دوں گا کوئی ضرورت نہیں بریرہ کی شادی یہاں کرنے کی بالکل ڈل لائف ہے یہاں کی۔ سارے گھر والے ساڑھے نو بجے سو گئے اور یہ لڑکے دس بجے تک بیٹھ کر ساتھ چھوڑ گئے۔

اگر یہ وہاں ہمارے شہر میں ہوتے تو دو بجے تک جاگ کر بھی صبح چار بجے اٹھ کر اسکول چلے جاتے۔“

الیان بے زاری سے کہتے ہوئے سوچتا گیا کہ ”بھی حویلی کے گیٹ پر کسی گاڑی کی لائٹ پڑی تو الیان ٹھنک کر گیٹ کی جانب دیکھنے لگا۔“

جہاں وہ کھڑا تھا وہاں سے گیٹ بہت دور تھا لیکن رات ہونے کے باعث گاڑی کی تیز لائٹ دور تک اندھیرے کو چیر گئی تھی کیونکہ بڑا سا گیٹ روا۔ سی حویلیوں کے صدر دروازے کی طرح بڑی بڑی سلاخوں پر مبنی تھا اور جس سے باہر کا منظر بہت آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا۔

اصل میں ایسے گھروں میں گیٹ اور گھر کے درمیان فاصلہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ گیٹ سلاخوں پر تو کیا محض شیشے پر بھی مبنی ہو تو بھی گھر والوں کو بے پروگی کا مسئلہ نہ ہو اب الیان لان میں کھڑا تھا اس کے باوجود اس صرف اتنا ہی دیکھائی دے رہا تھا کہ چوکی دار کے گیٹ کھولنے پر کوئی جیپ اندر چلی آئی ہے۔

جیپ کون چلا رہا ہے اور اندر کتنے لوگ موجود ہیں الیان یہ سب دیکھنے سے قاصر تھا وہ تو جب جیپ روشنی طے کرتی عین گھر کی دہلیز پر آر کی تب الیان کو علم ہوا کہ ڈرائیونگ سیٹ سے حامد اتر رہا ہے۔

وہ تیزی سے چلتا حامد کے نزدیک آ گیا تب تک جیپ کے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر سیکندہ بھی باہر آ گئی تھی۔

”کیسے ہو حامد۔“ الیان نے قریب جا کر کہا تو وہ دونوں ہی چونک گئے۔

”الیان! تم یہاں اس وقت۔“ حامد کے چہرے پر خوشگوار حیرت نمایاں تھی۔

”میں تو بہت دیر سے آیا ہوا ہوں یہاں آ کر پتا چلا تم اسلام آباد گئے ہوئے ہو۔“ الیان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تو حامد نے بڑی گرم جوشی سے اسے تمام کیا۔

”میں تو سیکندہ کا ایڈمیشن کرائے گیا ہوا تھا۔“

”ہاں بتا دیا تھا ممانی جان نے پھر ہو گیا ایڈمیشن۔“ الیان نے سیکندہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا تو اس نے فوراً ”سلام کرتے ہوئے کہا۔“

”ایڈیشن تو ان شاء اللہ ہو جائے گا اصل مسئلہ تو ہاسٹل کا ہے دیکھیں کمرہ نہیں ملا تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔“ اس کے انداز سے بریشانی صاف ظاہر تھی۔

”ایک بار ایڈیشن ہو گیا تو کمرہ بھی مل ہی جائے گا۔“ الیان نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔
”ہاں دیکھیں کیا ہوتا ہے بریشل نے کہا تھا کل پتا کر بیچے گا میں نے تو بھائی جان سے کہا بھی ایک دن اور رک جاتے ہیں پتا کر کے ہی چلیں گے مگر بھائی جان مانے ہی نہیں۔“ سیکنہ جس طرح بولی تھی الیان کو وہ ایک دم ہالکلا برہہ لگی تھی تبھی مسکراتے ہوئے بولا۔

”اچھا ہوا جو تمہارے بھائی جان آج ہی آگئے۔“ پھر حامد کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔
”میں آیا تو دو تین دن کے ارادے سے تھا مگر اتنی سخت بوریت ہو رہی تھی کہ کل صبح ہی لوٹ جانے کا سوچ رہا تھا۔“ الیان نے بے تکلفی سے کہا تو حامد بھی خوش دلی سے ہنس دیا اور ہمدردی کرنے والے انداز میں بولا۔

”سب تمہیں اکیلا چھوڑ کر سونے چلے گئے ویری سید اچھا ہوا جو میں آج ہی آگیا۔
اب دیکھو نا کمرے کے لیے ہم نے اہل کمیشن دے دی ہے اب جگہ ہوگی تو وہ فون پر انفارم کریں گے اس کے لیے وہاں رک کر انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ حامد کی بات پر سیکنہ فوراً بولی۔
”لیکن اتنی رات کو سفر کر کے آنا کم از کم گاؤں جیسی سنان جگہوں پر تو مناسب نہیں۔“

”مناسب تو شہروں میں بھی نہیں ہے۔“ الیان نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
”اب تو آگئے نا۔“ کچھ ہوا بھی نہیں۔“ حامد نے جیسے بحث سمیٹتے ہوئے کہا۔
سیکنہ نے آداب میزبانی نبھاتے ہوئے ان سے چائے وغیرہ کا پوچھا اور ان کے انکار پر زیادہ اصرار کیے بغیر شب بخیر کہتی اندر چلی گئی۔

حامد بھی الیان کو لے کر اپنے کمرے میں چلا آیا اس کا کمرہ دیکھ کر الیان کو کافی حیرت ہوئی بڑی مفلکت سے سجایا ہوا کمرہ تھا کہیں سے بھی وہ ایک پیچلر کا کمرہ نہیں لگ رہا تھا۔
”یہ ساری ڈیکوریشن ممانی جان نے کی ہوگی۔“ الیان نے کمرے کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو حامد اسے سی آن کرتے ہوئے مسکرا دیا۔

”اس کمرے کی صفائی کا کریڈٹ اماں کو جاتا ہے باقی رہا ڈیکوریشن کا سوال تو اس کمرے کی ہر چیز میری اپنی پسند کی ہے۔“
اپنی چیز میں ہمیشہ اپنی پسند سے لیتا ہوں۔“ حامد کے ٹھوس لہجے پر الیان اسے دیکھتا چلا گیا۔
”کیا ہوا؟“ حامد نے ٹوکتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں“ میری بھی یہی عادت ہے۔“ الیان نے جھوٹ نہیں کہا تھا البتہ اس کی بات کو ٹال ضرور دیا تھا ورنہ وہ سوچ میں ضرور بڑ گیا تھا۔
شگفتہ غفار نے کہا تھا ماموں جان اور نانی جان اس رشتے پر راضی ہیں لیکن ممانی جان ہچکچاہٹ کا شکار ہیں۔

تو پھر حامد کس کی طرف ہے یا وہ سرے سے اس سارے سلسلے سے ہی بے خبر ہے۔
”یہ شطرنج کی بازی چل رہی ہے یا یہ بھی ڈیکوریشن میں ہے۔“ الیان نے دو سنگل صوفوں کے درمیان چھوٹی سی ٹیبل پر پیش قیمت شطرنج اور اس کے سرے لگے دیکھ کر پوچھا کیونکہ سرے اس طرح رکھے تھے جیسے دو افراد نے بیچ میں سے کھیل چھوڑ دیا ہو۔

”یہ ابالو اور شاہ جہاں بچپانے شروع کی ہوگی۔“
ان کی یہی عادت ہے جب کھیل مشکل اسٹیج پر آکر پھنس جاتا ہے تو وہ بازی چھوڑ کر اٹھ جاتے ہیں۔“ حامد نے

الماری کھول کر کپڑے نکالتے ہوئے کہا اور ہاتھ روم میں گھس گیا۔
الیان میز کے قریب آکر مہوں کو بغور دیکھنے لگا بازی واقعی کافی بری طرح پھنس چکی تھی دونوں طرف سے کھلاڑیوں کے کافی مہرے پٹ چکے تھے۔

الیان کو اس کھیل میں کافی دلچسپی تھی وہ غیر ارادی طور پر آگے کی چالیں سوچتا رہا اور نتائج کو دیکھا کہ اس نے غور ہی نہیں کیا حامد فریش ہو کر ہاتھ روم سے نکلا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔
وہ تو تب چونکا جب حامد نے گرم گرم بھاپ اڑا کر کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

”یہ تم نے بتائی ہے۔“ الیان حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔
”مجھے سب اچھی کافی بتائی آتی ہے پی کر دیکھ لو۔“

”لی تو خیر میں ضرور لوں گا ہم اکثر رات کے کھانے کے بعد کافی پیتے ہیں لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ ”جاگیردار“ لوگ بھی کچن میں جا کر عورتوں والے کام کر سکتے ہیں۔“ الیان کے شرارت بھرے انداز پر حامد قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔
”میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اور یقین کرو تو تمہاری کئی بات بالکل سچ ہے یا یوں کہہ لو تمہارا مارا طعن بالکل درست ہے۔“

ہمارے ماحول میں عورتوں والے کام کرنا بہت ہی شرم کی بات سمجھتی جاتی ہے کچھ لوگ تو اسے غیرت کا معاملہ سمجھ لیتے ہیں۔“ حامد اپنا کافی کا کپ لے کر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اور کافی کا سپ لیتے ہوئے بڑی منجیدگی سے بولا۔
”لیکن میں اس جاگیردارانہ سوچ سے بالکل اتفاق نہیں کرتا سیکنہ نے تمہارے سامنے ہی چائے کا پوچھا تھا اگر میں اس سے کہتا تو بیوقوفی دیتی۔“

مگر مجھے معلوم تھا وہ اس وقت بہت تھکی ہوئی ہے میں تو ہوٹل میں بڑا سو رہا تھا جبکہ وہ اپنی دوستوں کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھی اچانک ہی میں نے واپس آنے کا ارادہ کر لیا تو وہ اپنی پیکنگ بھی انفرافری میں کر کے آئی ہے۔
پھر کیا یہ ضروری ہے کہ کچن میں جا کر وہی یہ کرے کس کتاب میں لکھا ہے کہ کچن کا کام صرف عورتیں ہی کرتی ہیں۔

ہمارے پارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہر کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے تاکہ ان کی امت کو بھی کسی کام کو کرنے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہ ہو۔
لیکن ہم نے خود اپنے لیے خود پر پابندیاں عائد کر کے مسائل کھڑے کر لیے ہیں۔ یہ کام ہمیں سوٹ نہیں کرتا۔
وہ کام ہمیں سوٹ نہیں کرتا۔

اس وقت اگر میں اپنے ملازم کو جگا کر کافی بخواتم تو وہ بنا کر پلا تو رتا مگر دل ہی دل میں مجھے کتنا کوستا۔ ملازم کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔
مجھے پتا ہے زیادہ تر ملازم رات کے ساڑھے تین بجے سے اٹھنا شروع کر دیتے ہیں۔
انہیں اسکول جانے والے بچوں کو چار بجے سے جگا کر ان کا ناشتا لیں سب تیار کرنا ہوتا ہے ایسے میں کیا رہے

انہیں جگا کر کافی بخواتم زیادتی ہے یا نہیں۔
لیکن افسوس کی بات ہے کہ جاگیردارانہ ماحول میں پلنے والوں کو یہ تو یاد رہتا ہے کہ اسلام میں مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے لیکن یہ یاد نہیں رہتا کہ اللہ نے جتنے بھی لوگوں کو ان کے ماتحت کیا ہے ان کے ساتھ روادارگے

روئے کا بھی جواب دیتا ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔“ یہ رحم کسی خاص موقعوں کے لیے نہیں بلکہ ہر وقت روز بروز زندگی میں موجود ہونا چاہیے۔ ”الیان چپ چاپ حامد کو دکھاتا رہا اس کے خیالات جان کر اور اس کی باتیں سن کر الیان کو یقین ہو گیا تھا کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔

حامد کی اس صاف ستھری سوچ کے پیچھے وجہ اس کے گھر کا ماحول اور اس کے ارد گرد موجود لوگ تھے اگر اس گھر کے مرد و عورتی سوچ کے مالک ہوتے تو حامد کا نکتہ نظر قطعی مختلف ہوتا۔

”اتنی مشکل بازی تو نہیں ہے جو تم اتنا غور کر رہے ہو۔“ حامد کے ٹوکنے پر الیان پہلے تو سمجھا نہیں پھر سامنے کچھ شطرنج کی بازی کو دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

”چلو ان کا چھوڑا کھیل ہم ختم کرتے ہیں۔“ حامد مک سائیڈ میں رکھتے ہوئے مہلوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اور پھر ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری بازی کھیلنے کھیلنے انہیں صبح ہو گئی۔

ساری رات ان دونوں نے اتنی باتیں کی تھیں کہ ہر موضوع زیر بحث لے گئے تھے۔

اور تقریباً ہر موضوع پر حامد کی معلومات قابل ستائش تھیں شطرنج میں وہ الیان کو ہر اتو نہیں سکا کیونکہ الیان شطرنج میں بہت ماہر تھا البتہ حامد نے مقابلہ بہت اچھا کیا تھا الیان کو واقعی اس کے ساتھ کھیل کر برا مزا آیا تھا۔

بھی صبح ہونے پر جب وہ دونوں سونے کے لیے اٹھنے لگے تو الیان نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”سارک ہو۔ آج تمہاری وجہ سے مجھے پتا چلا ہے کہ باز لوگ ہمارے کبھی جیت جاتے ہیں اتنی بازیاں تم ہمارے

لیکن پھر بھی تمہیں مات نہیں ہوئی۔“

”شاعری تھوڑی بہت مجھے بھی آتی ہے جس شعر کا تم حوالہ دے رہے ہو وہ تو عاشقوں کے لیے ہے۔

جیت گئے تو کیا کہنا

بارے بھی تو بازی مات نہیں

حامد اس کے ظاہری جملے کا مطلب نکالتے ہوئے ہنس دیا تو الیان صرف مسکرا کر رہ گیا اپنے جملے کی وہ ابھی وضاحت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ بریرہ کے لیے اسے پسند کر چکا ہے بلکہ اب تو اسے بریرہ کے لیے حامد سے مناسب کوئی نہیں لگ رہا تھا۔

خرم کے کلاس سے نکلتے ہی کلاس میں ایک کمرام جگ گیا لڑکوں نے آگے بڑھ کر زمین پر بکھرے موبائل اٹھا کر سمیٹنا چاہا تو بتا چلا کہ یہ تو اب ٹھیک ہونے کے قابل نہیں رہا۔

کچھ لوگ اس لڑکے کے ارد گرد جمع ہو گئے تو نمل ایک طرف ہٹ گئی۔

اس لڑکے کا خون بند نہیں ہو رہا تھا سب اپنے اپنے مشورے دینے لگے۔

”رومال کو دبا کر رکھو نا۔“

”باہر فلٹر سے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ڈالو تو خون بند ہو جائے گا۔“

”نہیں پہلے جل کر ایک دفعہ پر ٹیسل کو اپنی شکل دکھا دو۔“

”اور کیا یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی آج اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے کل کو کسی اور پر اٹھا دے گا۔“

”لیکن اس نے ایسا کیا کیوں؟“

”کیوں کیا مطلب؟ او! اگیری ہے بس۔“

”اس نے بھی کچھ تو کیا ہو گا۔“

”مجھے یونیورسٹی آتے دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو میں کچھ کروں گا۔“ وہ لڑکا فوراً منہ پر سے رومال ہٹا کر تنک کر بولا۔

تبھی دیگر لوگوں نے اس کے موبائل کے ٹکڑے اس کے سامنے ڈھیر کر دیے۔

”تمہارا موبائل تو بڑا قیمتی تھا تمہیں شکایت تو کرنی چاہیے۔“

ایک لڑکی کے مشورے پر وہ الجھن میں پڑ گیا خرم کا کہا جملہ اس کی سماعتوں میں گونجنے لگا۔

”اگر دوبارہ ایسی حرکت کی تو اس موبائل کی جگہ تمہارا سر ہو گا۔“ خرم کی کسی بات یاد آتے ہی وہ فوراً ”گھبرا کر بولا۔

”نہ۔۔۔ نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تو غنڈے لوگ ہیں مار پیٹ ان کے لیے عام بات ہے مجھے کسی سے دشمنی نہیں کرنی۔“

”لیکن اس طرح زور کر بیٹھ جانا بھی تو مناسب نہیں۔“ نمل بے اختیار بولی۔

رومیلہ اور سنبل نے ایک ساتھ اسے گھور کر دیکھا اور گھورتی چلی گئیں جبکہ ایک اور لڑکی فوراً ”ہولی۔

”شکایت کرنے سے بھی کیا ہو گا۔ تم نے کی تو تھی پر ہیل صاحب نے آفس میں بلا کر تھوڑا سا ڈانٹ دیا اور بس۔“

”ہاں اور کیا تم تو لڑکی تھیں اس لیے خرم نے چھوڑ بھی دیا یہ شکایت کرے گا تو وہ تو پھر آکر اس کی پٹائی کر دے گا۔“ لوگوں کے ملے جلے تبصرے جاری تھے۔

وہ تینوں کلاس سے باہر نکل آئیں اور نکلتے ہی رومیلہ اور نمل شروع ہو گئیں۔

”کیا ضرورت تھی تمہیں رومال لے کر فوراً اس کے پاس جانے کی؟ کچھ نہیں کتنا برا لگا تھا خرم کو کیوں تم اسے دشمن بنانے پر تلی ہوئی ہو۔“ رومیلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔

”میرا تو اس وقت بولنے کا دل چاہ رہا تھا جب خرم نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا مگر۔“

”کیا؟“ نمل کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ سنبل اور رومیلہ چیخ پڑیں۔

”اور نہیں تو کیا۔ اس وقت اگر ساری کلاس کھڑی ہو جاتی تو خرم اور اس کے چند دوست اتنے سارے لوگوں کا کیا گاڑ لیتے ایک تو اس وقت کوئی نہیں بولا میں بھی نہیں بول سکی۔

میں تو بس شاکرہ گئی تھی اس لڑکے کا خون دیکھ کر۔“

”اچھا ٹھیک ہے پتا ہے تمہارے دل میں ساری دھکی انسانیت کا دکھ موجود ہے اب اس موضوع کو ختم کر دو۔“ رومیلہ نے ڈیٹ کر کہا تو وہ تینوں واقعی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئیں۔

فری پیریڈ تو ان کا تقریباً ختم ہو ہی گیا تھا وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے واپس اپنی کلاس میں آ گئیں۔

یونیورسٹی سے واپسی میں جب نمل نے رومیلہ کو اس کے گھر پر اتار دیا تو وہ گیٹ تک جا کر واپس پلٹ آئی۔

”اگر ماموں سے حشام کے بارے میں کوئی بات ہو تو مجھے انفارم کر دینا۔“ نمل اس کی بات پر زیر لب مسکراتے ہوئے گئی۔

”کیا ہوا؟“ رومیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

”کل سے تم مسلسل حشام کے بارے میں سوچ رہی ہو اور مجھ پر اعتراض ہے کہ ساری انسانیت کا دکھ میرے ہی دل میں موجود ہے۔“ نمل کے شوخی سے کہنے پر رومیلہ فوراً ”ہولی۔

”فرق ہے دونوں صورتوں میں‘ خرم نے اس لڑکے کے ساتھ یہ سلوک کسی وجہ سے ہی کیا ہو گا ضروری نہیں ہے کہ وہ کوئی دودھ کا دھلا ہو۔“

جبکہ یہاں پولیس نے کسی شخص کو جس بے جا میں رکھا ہوا ہے ارے اگر وہ مجرم بھی ہے تو بھی اسے منظرِ لا کر جرم ثابت کریں سب کی نظروں سے پوشیدہ رکھ کر وہ اسے کیوں روپوش کر رہے ہیں؟“ رومیلہ ایک تقریر کرنے کے انداز میں کہہ کر جلدی سے ملٹ گئی تاکہ نمل بحث کے لیے مزید کوئی نکتہ نہ اٹھا سکے۔

نمل نے اس کا بھاگنا سمجھتے ہوئے مسکرا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

رومیلہ گھر کے اندر داخل تو ہو گئی تھی مگر اسے باخوبی علم تھا فون پر جب نمل سے بات ہوگی وہ ضرور یہ ذکر دوبارہ چھیڑ دے گی۔

وہ یہ سوچتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ بھابھی کے پکارنے پر رک گئی۔

”رومیلہ ذرا اوھر آنا۔“ بھابھی لاؤنج میں فون کے پاس بیٹھی تھیں رومیلہ ان کے سامنے والے صوفے پر آ بیٹھی۔

”السلام علیکم بھابھی۔“

”وعلیکم السلام۔“ انہوں نے جیسے کوئی اہم بات کرنے کے لیے جلدی سے جواب دیا اور بڑے انداز سے پوچھنے لگیں۔

”تم ابراہر کے کاروباری دوستوں میں مرزا صاحب کو جانتی ہو۔“

”مرزا صاحب۔“ رومیلہ کچھ نا سمجھنے والے انداز میں بولی تو بھابھی کے چہرے پر نڈھکی مسکراہٹ ابھر آئی۔

”وہ تو تمہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ رومیلہ کو ان کی بات سے زیادہ ان کا انداز عجیب لگا تھا۔

”مجھے ابراہر بھائی کے کاروباری واقف کاروں کے متعلق کچھ نہیں پتا اور یہ مرزا صاحب کا نام تو میں مولیٰ بابر میں رہی ہوں۔“ رومیلہ نے بڑی تفصیل سے جواب دیا تو بھابھی کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

”چلو مرزا صاحب کو تا سہی ان کے بیٹے گلغام کو تو جانتی ہوگی۔“ ایک تو نام اتنا عجیب تھا اس پر بھابھی کا انداز اس سے بھی عجیب تھا۔

رومیلہ سمجھی تو نہیں مگر اس کے اندر خطرے کی گھنٹی ضرور بجنے لگی وہ جان بوجھ کر پوری سنجیدگی سے بولی۔

”نہیں میں کسی گلغام کو بھی نہیں جانتی۔ لیکن لگتا ہے آپ انہیں بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔“ بھابھی اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیں۔

”نہیں بھئی میں بھی تمہاری ہی طرح حلا علم ہوں میں نے تو یہ سوچ کر پوچھا تھا کہ تم سے کچھ جانکاری مل جائے گی۔ خیر اب صبر کرنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔“ بھابھی مصنوعی ٹھنڈی آہ بھر کے دوسری جانب دیکھنے لگیں۔

رومیلہ انہیں دیکھتی رہ گئی وہ ان کی شرارت سمجھ رہی تھی بھابھی چاہتی تھیں وہ ان سے سوال کرنے اور واقعی سوال تو اس کے اندر بے شمار سر اٹھارے تھے مگر ساتھ ہی اسے یہ بھی علم تھا بھابھی کچھ بتائیں گی نہیں یا اگر بتائیں گی بھی تو بہت چھیڑنے کے بعد۔

جب کہ کچھ اندازہ تو اسے ہو گیا تھا وہ کس موضوع پر بات کر رہی ہیں لہذا وہ ان پر اپنا تجسس ظاہر بھی نہیں کرتا چاہتی تھی۔

بھابھی بے نیازی سے بولتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

”آج یونیورسٹی میں کچھ کھانے کا وقت ہی نہیں ملا میں کپڑے چنچ کر کے آتی ہوں فوراً کھانا کھاتے ہیں بڑی بھوک لگ رہی ہے۔“ رومیلہ کی لاپرواہی پر بھابھی حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

ان کے تاثرات دیکھ کر رومیلہ کو برا مزہ آیا وہ اسے تنگ کرنا چاہ رہی تھیں جبکہ رومیلہ نے ان کی بات میں کوئی دلچسپی نہ لے کر ان کا سارا مزہ کرا کر دیا تھا۔

وہ اطمینان سے کتابیں سمیٹ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی کچھ دیر تو بھابھی حیرانی سے اس کی پشت کو دیکھتی رہیں پھر ایک دم غصے سے کھڑی ہو گئیں۔

رومیلہ کپڑے بدل کر کھانا کھانے باہر نکلی تو وہ کہیں نظری نہیں آئیں رومیلہ ان کے کمرے کے پاس پہنچی تو دروازہ بند دیکھ کر کچھ دیر تو کھڑی انتظار کرتی رہی پھر آگے بڑھ کر اس نے دروازہ کھٹکھٹانے کے ساتھ انہیں پکارا تو اندر سے ان کی آواز آئی۔

”میں کھانا کھا چکی ہوں میرے سر میں درد ہے آرام کرنے دو۔“ رومیلہ کو ان کے انداز پر حیرت تو ہوئی تھی مگر وہ کہہ بھی کیا سکتی تھی محض اچھا کہہ کر بچن کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ان سے دوامی وغیرہ لینے پر اصرار نہیں کرتی تھی ایک دوبار اس نے شروع میں کوشش کی تو انہوں نے جھنجھلا کر کہہ دیا تھا۔

”تم پیچھے ہٹ لگتی ہو۔ میں کوئی بچی تھوڑی ہوں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔“

دو تین بار ان کا یہ جواب سننے کے بعد اس نے ان کے معاملے میں بولنا بالکل چھوڑ دیا تھا اسے معلوم تھا انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آ جاتا تھا۔

مگر اس نے پروا بھی نہیں کی کیونکہ وہ فوراً اتر بھی جاتا تھا۔

لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت ان کا موبائل فون اتنی سی بات پر خراب ہو گیا ہے کہ رومیلہ نے ان کی بات میں کوئی دلچسپی نہیں لیا اور انہیں نظر انداز کرتی چلی گئی۔

حالانکہ رومیلہ نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا وہ تو صرف ان کے مذاق کا نشانہ بننے کی بجائے کترا کر نکل گئی تھی اور خنجر بھی تھی کہ وہ بعد میں اپنی بات کی وضاحت دیں گی مگر اب بھابھی نے اسے کچھ بھی بتانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور خود سے اسے پوچھنا ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

”اگر کوئی بات ہوگی تو پتا چل ہی جائے گی۔“ کھانے کی میز پر اکیلے بیٹھے پانی پیتے ہوئے اس نے خود کو تسلی دی۔



شام کو جب عظمت خلیل گھر آئے تو رشیدہ نے ان کا موبائل دیکھ کر حشام کی بہن شائلہ کا دیا لفافہ ان کی طرف بڑھا دیا تو انہوں نے بغیر کوئی سوال کیے اسے لے کر ایک طرف ڈال دیا۔

نمل کے ہاتھ میں وہ یہ لفافہ کل دیکھ ہی چکے تھے لہذا انہیں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

نمل اس معاملے میں جس قدر جلد باز ہو رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے رشیدہ کو عظمت خلیل کا اتنی لاپرواہی برتا محسوس تو ہوا مگر وہ کبھی بھی ان کے آگے نہیں بولی تھیں تو اب بھلا کیا کہیں۔

ویسے بھی ان کے کہنے سے کون سا فرق پڑنے والا تھا عظمت خلیل اس کیس میں تبھی دلچسپی لیتے جب ان کی اپنی مرضی ہوتی رشیدہ کے کہنے پر ان کا متحرک ہونا تو ممکن نہیں تھا البتہ وہ بے زار ضرور ہو سکتے تھے۔

اگلے دن انہوں نے جب اپنے ٹرسٹ کا چکر لگانے گئے تو اپنے منبر کو وہ لفافہ دے کر اس میں بیٹھی کی تفصیل لکھے دن انہوں نے جب اپنے ٹرسٹ کا چکر لگانے گئے تو اپنے منبر کو وہ لفافہ دے کر اس میں بیٹھی کی تفصیل

پوچھنے گئے۔

”سراستے ٹوٹ آتے جاتے ہیں۔ میرے ذہن میں نہیں آ رہا یہ ماں مٹی کون ہیں۔“ لیکن آپ بے فکر رہیں آج شام تک میں سب معلوم کر دوں گا۔“ اس نے صرف انہیں اطمینان نہیں دلایا تھا بلکہ واقعی ایسا کر دکھایا تھا۔

ان کے اوارے کی ہر جگہ اتنی واقفیت اور جان پہچان تھی کہ شام کو نیچر نے عظمت خلیل کو فون کر کے ساری معلومات دے دیں۔

”یہ لڑکا انسپکٹر قادر کی کسٹڈی میں ہے اس کی ماں بہن اس پولیس چوکی میں جا بھی چکی ہیں مگر اس لڑکے نے انسپکٹر قادر کے کسی سوال پر کچھ زیادہ ہی سچائی سے جواب دے دیا تھا اس لیے انسپکٹر قادر اس پر بہت بھڑکا ہوا ہے۔ شام کے ساتھ جن دوسرے لڑکوں کو پولیس نے ادھر ادھر سے پکڑا تھا ان کے بہت زیادہ معافی مانگنے اور گڑگڑانے پر انسپکٹر قادر نے انہیں تو کچھ لے دے کر چھوڑ دیا مگر اس لڑکے کی تو وہ بات بھی سننے کو تیار نہیں۔ تب سے لے جا کر ایسے ہی ڈالا ہوا ہے کوئی کارروائی کر رہا ہے نہ اس کے گھر والوں کو ہی کچھ بتاتا ہے۔ جب بھی اس کی ماں بہن جاتی ہیں کہہ دیتا ہے ہمارے پاس اس نام کا کوئی شخص نہیں ہے دوسرے تھانے سے پتا کرو۔ سر مجھے تو لگتا ہے انسپکٹر قادر کسی بڑی واردات کے ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔“

جیسے ہی وہ واقع ہوگی یہ شام کا نام اس میں ڈال کر اس پر لمبا کیس بنادے گا۔ کیونکہ وہشت گروہ میں وہ شام کو انوالو نہیں کر پا رہا اس کے خلاف کوئی ثبوت اور گواہ نہیں ہیں۔ اس کی رہپوشی بہت اچھی ہے اور پھر دکانوں کی جس توڑ پھوڑ کے الزام میں انسپکٹر قادر نے اسے پکڑا تھا وہ بھی آسانی سے جھوٹا ثابت ہو سکتا ہے۔

کیونکہ جس وقت یہ سانحہ ہوا تھا شام اس وقت کو جنگ میں ہوتا ہے یہ بات اس کے گھر والے آسانی سے ثابت کر سکتے ہیں کہ مواقع واردات کے وقت وہ وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ ”عظمت خلیل خاموشی سے ساری تفصیل سن رہے۔“

ان کے ملازمین ان کے میزاج سے باخوبی واقف تھے انہیں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی ان کا فیجر ان کی مطلوبہ باتیں خود ہی بتا رہا تھا ابھی ساری تفصیل ختم کرنے کے بعد وہ عظمت خلیل کے مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولا۔

”سراسر کیس میں ہاتھ ڈالنے کا کوئی خاص فائدہ تو نہیں ہے کیونکہ ابھی تک اس لڑکے پر اتنا تشدد ہوا نہیں ہے کہ اسے رہائی دلو کر کوئی داد و تحسین وصول کی جاسکے۔“

ہاں بس ایک بات ہے یہ انسپکٹر قادر ہے بڑا بدماغ ایک بار ایک جلوس میں جب ہم ایئر پورٹ جا رہے تھے تو اس نے آپ کی گاڑی کو روک کر بلا وجہ کے سوال جواب کیے تھے اور آپ کا بڑا وقت برباد کیا تھا۔“

عظمت خلیل ایک دم کرسی پر سیدھے ہو بیٹھے۔ یہ بات زیادہ پرانی نہیں تھی انہیں فوراً ہی یاد آ گیا تھا پچھلے سال ایئر پورٹ کے نزدیک ایک انسپکٹر نے ان کی گاڑی روک کر انہیں بہت پریشان کیا تھا۔

وہ تو جب انہوں نے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک بہت بڑے عہدے پر موجود اپنے دوست کو فون کیا تو ان کی جھاڑ پر انسپکٹر قادر نے عظمت خلیل کی جان چھوڑی تھی اور بڑے آرام سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس نے انہیں پہچانا ہی نہیں۔

یا اگر اس وقت نہیں پہچانا تھا تو اب جان جانے کے بعد تو اس کے انداز سے شرمندگی ظاہر ہونی چاہیے تھی مگر

یہاں تو وہ بھی نڈارت بھی بڑے ہی لٹھ مار انداز میں اس نے اپنی صفائی دے کر ان کی گاڑی کو آگے جانے دیا تھا۔
عظمت خلیل خود بھی اس وقت بہت جلدی میں تھے چنانچہ اس دو کوڑی کے انسپکٹر کے رویے پر زیادہ غور نہ کر سکے اور بعد میں اپنی مصروف زندگی میں وہ اس بات کو بھول بھی گئے۔

لیکن اب یاد آگئے پر انہیں اپنی وہ ذلت اتنی ہی شدت سے محسوس ہونے لگی جتنی اس وقت آٹھ ماہ پہلے انہوں نے محسوس کی تھی۔

”سر پھر کیا خیال ہے آگے بات کی جائے اس لڑکے کو چھڑانے کی۔“ منیجر صاحب نے عظمت خلیل کو سوچوں میں غرق کیا کر پوچھا۔

”آں۔ میں اگر اور کسی سے بات کروں گا تو انسپکٹر قادر کو تھوڑی بہت ڈانٹ پڑے گی اور وہ اسے فوراً چھوڑ دے گا۔“ عظمت خلیل کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

”جی بالکل سر آپ کے کہنے پر تو وہ فوراً اسے آزاد کر دیں گے۔“ منیجر صاحب فوراً اسے بھی بستر بولے۔

”تو پھر ایسا کرو۔ اس معاملے میں فی الحال ہاتھ مت ڈالو۔ کچھ دن اس لڑکے کو انسپکٹر قادر کی حراست میں رہنے دو۔ دیکھو وہ اس پر کون سا جرم عائد کرتا ہے۔“ عظمت خلیل کا ذہن بہت دور کہیں سوچ رہا تھا۔

”لیکن سر۔“ منیجر صاحب کچھ ہچکچا گئے۔

”سر اگر اس لڑکے پر کوئی خطرناک عیس بن گیا تو خواہ مخواہ میں اسے بے گناہ ثابت کرنے میں ہمیں زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔“

وہ انسپکٹر قادر تو بالکل جلا دے آج کل وہ سیاسی جلسوں کی نگرانی میں اتنا مصروف ہے کہ اس لڑکے پر زیادہ دھیان نہیں دے سکا ورنہ اپنے سامنے بولنے والے کو وہ اب تک سبق سکھا چکا ہوتا۔

”سبق سکھانا صرف اسے ہی نہیں آتا ہمیں بھی آتا ہے ہمارے سامنے بولنے والے کو بھی ہم آسانی سے معاف نہیں کرتے یہ تو اس انسپکٹر کی قسمت اچھی تھی جو ہم اتنے دنوں سے اس واقعہ کو بھولے ہوئے تھے۔“

لیکن اب یاد آئی گیا ہے تو سود سمیت حساب چکنا کر دیتے ہیں۔ ”عظمت خلیل ایسے بولے جیسے لوہے چبا رہے ہوں۔“

”جی سر۔“ منیجر صاحب فوراً ہی ان کا مدعا سمجھ گئے۔

”وہ لڑکی اور اس کی ماں اگر آئی تو انہیں کہہ دینا عظمت صاحب پر کر رہے ہیں مگر پولیس والوں نے ان کے بھائی کو ایسا روپوش کر دیا ہے کہ کوئی سراغ نہیں مل رہا۔“

دو تین دن اس طرح کہہ کر انہیں ٹال دو۔ ان دو تین دنوں میں انسپکٹر قادر اسے کسی نہ کسی جرم میں ملوث ثابت کر بیٹھے گے۔

جب وہ ایسا کرے گا تب ہم بیچ میں آئیں گے اور یہ ثابت کر دیں گے کہ پولیس کا یہ رکھوالا پولیس کی بددیواری کا کس قدر ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔

اس بیچ اگر انسپکٹر قادر حشام پر تشدد کر کے اسے اقبال جرم کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے تو اور بھی اچھی بات ہے ہم اس تھرڈ گری ٹارچر کو اتنا ہائی لائٹ کر س گے کہ انسپکٹر قادر کی بددیواری ہی اتر جائے۔

لیکن ایک بات کا خیال رہے حشام اور انسپکٹر قادر کے بیچ صلح صفائی نہیں ہونی چاہیے۔ ”عظمت خلیل بات کرتے کرتے ایک دم رک گئے۔“

ان کی نظروں کے سامنے پوری فلم چلنے لگی تھی۔ وہ چاروں طرف سے پولیس کے صحابیوں میں گھرے ہیں نیوز چینل والے مائیک لیے ان کے تاثرات جاننے کو

بے چین ہیں۔ اور وہ بیچ میں کھڑے پولیس کی بے بسی اور عوام کی بے بسی پر ایک درد بھری تقریر کر رہے ہیں۔ لیکن اچانک اس خیال نے ان کے سارے تصویری خاکے کو چٹکی میں اڑا دیا کہ انسپکٹر قادر حشام کو اس کے رونے گڑ گڑانے پر ڈرا دھمکا کر چھوڑ دیں۔

”ارے نہیں سر آپ بے فکر رہیں انسپکٹر قادر وہ شخص ہے ہی نہیں جسے کسی پر ترس آجائے۔“

پھر اس کی پولیس چوکی میں ایک دو حوالدار ایسے ہیں جن کے ذریعے ہم حشام پر حسب خواہش کیس بنوا لیں گے اور ان حوالداروں کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ”منیجر صاحب کی بات پر عظمت خلیل ایک دم ہلکے پھلکے ہو گئے۔“

ان کے چند ملازمین ایسے تھے جن پر کام چھوڑ کر عظمت خلیل بالکل مطمئن ہو جاتے تھے پھر انہیں یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی تھی کہ یہ کام کیسے ہو گا کام ان کے سپرد کر کے وہ صرف نتائج کا انتظار کیا کرتے تھے اور نتائج بھی ایسے جو ان کی توقع سے بڑھ کر ہوتے تھے۔

لہذا انہیں یقین تھا منیجر صاحب حشام کو ایسے کیس میں پھنسا دیں گے کہ انسپکٹر قادر بھی اس کی لپیٹ میں آجائے۔

بعد میں وہ حشام کو بچا ہی لیں گے اور اگر نہیں بھی بچا سکے تو بھی کیس کو اتنا گھما ضرور دیں گے کہ انسپکٹر قادر کسی صورت نہ بچ سکے۔

باقی رہا حشام تو ایسے لڑکے تو ان کی شہرت اور جان کا صدقہ ہوتے ہیں۔



زوبیہ کے کالج سے عیسی کر کے عائشہ اختر گھر تو آگئیں مگر ان پر بدستور ایک سکتہ سا طاری تھا۔ جو کچھ اس لڑکی نے انہیں کالج کے گیٹ پر بتایا تھا اسے من کر عائشہ اختر کا وجود سناٹوں میں چلا گیا تھا۔

ان کی بیٹی کی ذہنی حالت کے متعلق سارا کالج جان گیا تھا اب اس بات کو پھیلنے سے وہ کیسے روکیں گی اب تو یہ چاروں طرف گردش کرتی رہے گی۔

وہ پھرائے ہوئے انداز میں گھر آکر صوفے پر ٹک گئی تھیں۔ تھوڑا وقت گزرنے کے ساتھ جب ان کا شاک کم ہونا شروع ہوا تو انہیں ایک بار پھر یہ فکر ستانے لگی کہ آخر زوبیہ گئی کہاں ہے۔

ایک کے بعد ایک مد سے بدتر خیال ان کے دل میں آ رہا تھا وہ ایک دم بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں اور سیدھا زوبیہ کے کمرے میں آگئیں۔

سب سے پہلے انہوں نے اس کی الماری کھول کر اس کی تلاشی لینی شروع کی۔

اس کے تمام کپڑے بڑے قاعدے سے ہینگ میں لٹکے ہوئے تھے تقریباً اس کے سارے ہی جوڑے عائشہ اختر ہی خرید کر لائی تھیں وہ تو شاپنگ تک اپنی پسند سے نہیں کرتی تھی پھر ایسی کون سی جگہ تھی جہاں وہ اتنی باقاعدگی سے جا رہی تھی۔

الماری کھنگالنے کے بعد انہوں نے سائیڈ ٹیبل کی درازیں کھولنی شروع کر دیں مگر کہیں کوئی ایسی چیز نہیں مل رہی تھی جو اس کے معمولات کا پتہ دے سکتی۔

ان کے نزدیک تو ان کی بیٹی کا کردار شیشے کی طرح شفاف تھا انہیں کبھی اس پر روایتی ماؤں کی طرح نظر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی بلکہ اس کی حد سے زیادہ سادگی انہیں کوفت میں مبتلا کرتی تھی۔

وہ تو چاہتی تھیں وہ اپنے سرکل کی لڑکیوں کی طرح نئے کپڑے بنانے کے لیے ان سے ضد کرے بلال اختر سے پاکٹ منی بڑھوانے پر ان سے سفارش کرائے باہر گھومنے جانے کے پروگرام بنائے اور پورے نہ کرنے پر ناراض ہو جائے۔

مگر زویہ نے تو کبھی کبھی نہیں تھا کبھی کبھی مانگا ہی نہیں تھا ایسے میں اب وہ جو کچھ بھی کر رہی تھی وہ عائشہ اختر کے لیے ناقابل یقین تھا۔

وہ ہمیشہ سختی آئی تھیں کہ گھر سے باہر ماحول بہت خراب ہے مگر زویہ کی طرف سے انہیں کبھی کج کل کی باتوں والی فکریں لاحق نہیں رہیں۔

اسی لیے انہوں نے بھی اس کے کمرے میں گھس کر اس کی چیزوں کو نہیں چھیڑا تھا مگر اس کی الماری اور سائیڈ ٹیبلز کے بعد جب وہ اس کی رائیٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھیں تو ان کے تیزی سے حرکت کرتے ہاتھوں کی جان نکلنے لگی۔

اوپر کے دو درازوں میں تو اس کی کتابیں وغیرہ رکھی تھیں مگر سب سے نیچے والی دراز میں مختلف ڈرائنگ پری تھیں۔

کچھ پنل سے بنائے اسکے چیز تھے۔

کچھ انک بین سے بنے ہوئے تھے۔

جیسے رجسٹر کے پیپر لکھتے لکھتے اچانک انسان کا ذہن کوئی تصویر بنانا شروع کر دے تو کوئی چہرہ کہیں اور کوئی منظر کہیں نقش ہوتا چلا جاتا ہے۔

بالکل ایسے ہی انداز میں لائینوں والے صفحوں پر مصوری کی گئی تھی۔ انہیں یاد تھا بچپن میں زویہ کی ڈرائنگ بہت اچھی ہوا کرتی تھی مگر جو تھی پانچویں جماعت میں کتنے تک اس نے یہ کام چھوڑ دیا تھا پتا نہیں اس کا شوق ختم ہو گیا تھا یا کیوں نہ تھی۔

عائشہ اختر نے کبھی غور ہی نہیں کیا تو جاننے کی کوشش کیا کرتیں۔ لیکن اب زویہ کی ڈرائنگ دیکھ کر انہیں لگ رہا تھا کہ وہ یہ کام اکثر کرتی رہتی ہے بس فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنے یہ ہنر دکھانے چھوڑ دیے تھے۔

کیونکہ وہ دکھانے کے قابل تھے بھی نہیں۔ عائشہ اختر پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان اسکے چیز کو دیکھ رہی تھیں۔

ہر منظر پر تشدد اور ظلم نمایاں تھا۔ ایک لڑکی کے سر سے خون نکل رہا تھا۔ ایک تصویر میں ایک لڑکا خون میں لت پت پڑا تھا۔

ایک بہت ہی بھیاں سا چہرہ تو تقریباً ہر صفحہ پر موجود تھا۔ اس کے علاوہ وحشی انداز میں اپنے بالوں کو نوچتی ہوئی کوئی لڑکی تھی۔

عائشہ اختر کاغذ کے پلندے کو کاٹتے ہاتھوں سے دیکھ رہی تھیں کچھ صفحے پھٹے ہوئے تھے۔ جیسے اپنی کالی میں کچھ لکھتے ہوئے اس نے یہ تصویر بنائی تو اتنا صفحہ پھاڑ کر چھایا یا کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔

عائشہ اختر اس کی مصوری سے اس کی ذہنی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے دل کئی تھیں۔ ایک کاغذ پر کوئی ایک قبر کھود رہا تھا اور قبر کے پاس کوئی لاش پڑی تھی۔

کوئی شخص کسی زخمی کو کندھے پر ڈالے بھاگ رہا تھا سب سے زیادہ بری حالت عائشہ اختر کی تھیں تب ہوئی تھی جب

ایک ساتھ کئی صفحوں پر انہیں ایک ہی منظر دیکھنے کو ملا۔ ان کے محاورے "نہیں حقیقتاً" روٹنے کھڑے ہو گئے تھے۔

ان کی بھولی بھالی نظر آنے والی بیٹی کی سوچ اتنی پر تشدد اور ظلم پر مبنی کیوں ہے آخر اتنی ذہنی پراگندگی کی وجہ کیا تھی۔

کیسے بنائی تھیں اس نے یہ تصویریں عائشہ اختر کو تو یہ تصویریں ڈاکٹر شکیلہ کو دکھانے کے خیال سے ہی پسینہ آ گیا تھا۔

کس قسم کی فلمیں دیکھ رہی تھی وہ۔ کون سے لوگوں کے درمیان اس کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔

عائشہ اختر آخر کی ان تصویروں کو دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گئی تھیں۔ ان کا دل چاہا وہ ابھی لے جا کر سارے کاغذوں کو جو لمبے میں جھونک دیں۔

لیکن وہ اس بارے میں زویہ سے براہ راست بات کرنا چاہتی تھیں انہوں نے ڈاکٹر شکیلہ تک کو یہ ڈرائنگ نہ دکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بھی انہیں نہیں لے جاسکتی تھیں اگر کہیں غلطی سے بھی بلال اختر کی نظر پڑ جاتی تو کیا ہو گا وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

وہ سارے کاغذات واپس اسی دراز میں رکھ کر نیچے آ گئیں۔ زویہ کے گھر آنے کا انہوں نے اتنی شدت سے کبھی انتظار نہیں کیا تھا جتنی بے چینی سے آج کر رہی تھیں۔

صبح سے وہ ہر کرنا ان کے لیے ایک عذاب ہو گیا تھا۔ ملازمہ ان سے کھانے کا پوچھنے آئی تو اسے بھی انہوں "جو چاہے پکا لو" کہہ کر ٹال دیا۔

ان کا کسی سے بات کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا آخر خدا کر کے زویہ کے گھر آنے کا وقت نزدیک آ گیا۔ وہ صبح کی طرح اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھیں وہ گھر کا گیٹ کھول کر باہر آ کھڑی ہوئیں۔

حالانکہ ایک بل کو انہیں یہ خیال بھی آیا تھا کہ اگر زویہ کسی کی گاڑی میں ہوگی تو دور سے انہیں کھڑا دیکھ کر وہ شخص گاڑی واپس بھی موڑ سکتا تھا مگر وہ اتنی پریشان تھیں کہ ان سے گھر میں بیٹھا نہیں جا رہا تھا وہ گیٹ پر ہی ٹھل رہی تھیں۔

زویہ کا معمول کے مطابق گھر آنے کا وقت ہو گیا تھا مگر اس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ عائشہ اختر کی پریشانی دو چند ہو رہی تھی انہیں اپنے ہاتھ پاؤں پھولتے محسوس ہو رہے تھے دل میں ایسے ایسے وہم اٹھ رہے تھے کہ ان سے مزید صبر نہ ہوا اور وہ گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔

اپنے کمرے تک پہنچ کر انہوں نے بلال اختر کو فون کرنے کے لیے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی پر وہ موبائل بستر پر پھینکتی دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

اس سے پہلے کہ وہ گیٹ تک پہنچتیں ملازم نے گیٹ کھول دیا۔ زویہ کالج کا بیگ کندھے پر لٹکائے معمول کے مطابق چلی آ رہی تھی۔

"کہاں سے آ رہی ہو۔" وہ ایک دم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ ان کے لمبے میں اتنی سختی تھی کہ زویہ سہم گئی۔

وہ سروٹ کو اوڑھ کر چھت سے اتر کر جلدی جلدی گیٹ تک دوڑتی ہوئی گئی تھی روز گیٹ تک کا یہ فاصلہ وہ (جو وہ محض دو منٹ میں طے کر لیا کرتی تھی) بڑے خوف کے ساتھ طے کیا کرتی تھی۔

کیس کوئی دیکھ نہ سکے۔ کا خیال اس کے اعصاب پر چمٹا ہوا تھا۔
مگر آج گیت پر پہنچ کر جب اسے گیت کھلا نظر آیا تو وہ چونک اٹھی۔

عائشہ اختر روڈ کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی سے ادھر سے ادھر نکل رہی تھیں۔
آج صبح بھی ان کا رویہ اتنا عجیب تھا کہ اب انہیں اس طرح کسی کا انتظار کرنا دیکھ کر اس کا ہاتھ فوراً ٹھنک گیا تھا۔
وہ اب باہر بھی نہیں نکل سکتی تھی اور اندر بھی نہیں جاسکتی تھی اور سب سے بڑھ کر یہاں کھڑی بھی نہیں رہ سکتی تھی لہذا وہ ہیں پیڑوں کی خوب صورت بازو کے پیچھے چھپ گئی اور عائشہ اختر کے وہاں سے ہٹنے کا انتظار کرنے لگی۔

وہ جیسے ہی اندر گئیں ندیہ دوڑتی ہوئی گیت کھول کر باہر نکلی اور نکل بجادی۔

مگر اب عائشہ اختر کا ہر انداز چیخ و پکار تھا انہیں اس کے ڈرامے کا علم ہو گیا ہے۔

وہ جانتی تھی جب انہیں یہ بات پتا چلے گی تو انہیں بہت غصہ آئے گا لیکن ان کی آنکھوں میں اتنے شک و شبہات نہ تھے جتنے ہوں گے یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

”میں نے کچھ پوچھا ہے۔ جواب دہ انہوں نے سختی سے اس کا بازو دبوچ لیا ”مجھے پتا ہے تم کلج نہیں جا رہی تو پھر کہاں جاتی ہو۔“ ان کی مخروطی انگلیوں کے لیے ناخن اس کے گوشت میں پھنس گئے تھے کرب کا احساس اس کے چہرے سے صاف عیاں تھا مگر عائشہ اختر کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی نہیں پڑی۔ ان کا انداز اسے خوفزدہ کر رہا تھا اور اسی خوف نے اس کی آواز بند کر دی تھی۔

جبکہ اس کی خاموشی ان کے اشتعال کو اور ہوا دے رہی تھی کل رات سے وہ جس ذہنی اذیت سے گزر رہی تھیں وہ ان کی ممتا کو نگل گیا تھا تبھی اس کی آنکھ میں آنسو چمکتے دیکھ کر بھی ان کے لہجے میں ذرا سی بھی نرمی نہیں در آئی بلکہ وہ اس کا بازو کھینچتی ہوئی اسے اس کے کمرے میں لے آئیں اور اسے بیڈ پر دھکیل کر انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اس کی رائیٹنگ میبل کی طرف بڑھ گئیں۔

ندیہ دم بہ خود ان کے چار حانہ انداز کو دیکھ رہی تھی پہلی بار اسے اپنی ماں سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔
انہوں نے سب سے پہلی دروازے کاغذوں کا وہی پلندہ نکلا اور ندیہ کے بستر پر اچھال دیا۔
ندیہ حیرانی سے اپنے ارد گرد بکھرے کاغذوں کو اور کبھی غصے سے بھری اپنی ماں کو دیکھنے لگی جن کی زبان رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”کیا ہے یہ۔ کیا بتایا ہے تم نے۔۔۔ کہاں سے آئی ہے تمہارے ذہن میں اتنی گندگی۔“
آخر کہاں گئی وہ گئی میری تربیت میں۔ کہاں کو تائی ہوئی ہے مجھ سے۔“ عائشہ اختر ایک تصویر اٹھا کر اس کے سامنے کر رہی تھیں۔

ندیہ اپنی جگہ سن ہو گئی تھی جبکہ عائشہ اختر پر اگر ایک طرف جنون سوار تھا تو دوسری طرف ان کی آنکھیں ایک نوا تر سے بہہ رہی تھیں۔

اور آخر سارے کاغذات اس کے سامنے بکھیر کر وہ خود بھی بکھر کر کارپٹ پر بیٹھ گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ندیہ کتنی ہی دیر سکے کے عالم میں بیٹھی رہی آخر اپنی ماں کی آنکھ سے گرتے آنسو نے اسے اتنی ہمت دی کہ وہ کانپتی آواز میں دھیرے دھیرے بولی۔

”یہ۔۔۔ یہ میں نے۔۔۔ نہیں بتائیں۔۔۔ یہ شائستہ خالہ نے بتائی ہیں۔“ عائشہ اختر کے انداز میں کوئی فرق نہ آیا تو ندیہ دل کڑا کر اپنی آہستگی سے بستر سے اتر کر نیچے ان کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

”مما۔۔۔ ماما میرا یقین کریں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ شائستہ خالہ نے بتائی ہیں۔“ عائشہ اختر اس کے سیمے سیمے انداز پر آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں تو وہ پلٹ کر بستر پر سے کاغذات اکٹھے کر کے ان کی طرف پلٹے ہوئے بولی۔

”یہ شائستہ خالہ ہیں۔“ ندیہ نے اسی چہرے کو ان کے آگے کر دیا جو بہت بھیاں تک تھا اور جابجا مختلف کاغذات پر بنا ہوا تھا۔

پھر وہ اس ڈھیر میں سے وہ کاغذات نکالنے لگی جسے دیکھ کر عائشہ اختر کا خون رگوں میں منجمد ہو گیا تھا۔
”اور۔۔۔ اور یہ بھی شائستہ خالہ ہیں اور یہ وہ لڑکے ہیں جن کی وجہ سے شائستہ خالہ کی ذمت ہوئی تھی۔“ عائشہ

اختر روٹا دھونا بھول کر ایک ٹک سے دیکھ رہی تھیں۔
ان تصویروں میں ایک لڑکی کی مظلومیت تو انہیں صاف نظر آرہی تھی اور وہ وحشی سے لڑکے پوری کمائی کا پتا دے رہے تھے۔

عائشہ اختر اس کی پوری بات سننا چاہتی تھیں اس لیے چپ چاپ اسے دیکھتی رہیں اور ندیہ کو لگا وہ اس پر یقین کر رہی ہیں تبھی اس کا اعتماد بحال ہونے لگا اور وہ پہلے سے بستر کے میٹے میں کہنے لگی۔

”آپ کہتی ہیں شائستہ خالہ جب مجھ سے بات نہیں کرتیں تو مجھے کیسے پتا ان کے ساتھ کیا ہوا تھا۔“
وہ بات نہیں کرتیں لیکن کچھ طریقے ایسے ہیں جن سے ان کی بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

ہاں لیکن میں یہ پتا کرنا چاہتی ہوں کہ جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے وہ کتنا صحیح ہے کیسے مجھ سے سمجھنے میں کچھ غلطی تو نہیں ہو رہی۔

اب دیکھیں تائیہ کتنی سارے امکوز ہیں ہر خاکے میں موجود شکل کس قدر غیر واضح ہے ایک خاکے میں موجود شخص کو دوسرے منظر میں پہچاننا ممکن ہے۔

پس میں خود ہی اندازہ لگاتی ہوں کہ یہ ایک ہی شخص کی دو تصویریں ہیں۔

جیسے یہ جو قبر میں لاش دفن ہے ہیں یہ ان ہی لڑکوں نے کھودی ہے جنہوں نے شائستہ خالہ پر ظلم کیا تھا اور یہ جو لاش بڑی ہے یہ بھی شائستہ خالہ کی ہے۔

عائشہ اختر کے آنسو تک خشک ہو گئے تھے وہ — پتھرائی ہوئی نظروں سے ندیہ کو دیکھ رہی تھیں جو ایک تسلسل سے بول رہی تھی۔

”باقی یہ کتنی ساری تصویریں ہیں یہ کون ہیں ان کا آپس میں کیا تعلق ہے مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“
”تم پچھلے چار پانچ دن سے کلج نہیں جا رہی تائ۔“ عائشہ اختر نے اچانک سوال پوچھا تو وہ چونک کر ان کی طرف

دیکھنے لگی اس کے چہرے پر نفرت پھیلتی دیکھ کر عائشہ اختر نے نرمی سے کہنے کی کوشش کی۔
”میں جانتی ہوں غلطاشہ نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے اس لیے تم کلج نہیں جانا چاہتیں۔“

لیکن تم جانتی کہاں ہوا تنے گھٹنے کے لیے۔“ آخری جملہ کہتے وقت عائشہ اختر کی زبان لڑکھڑانے لگی یہی ڈر تو انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا وہ اس خوف کو ختم کرنا چاہتی تھیں۔

”میں پیچھے سروٹ کو اڑھائی چھت پر جا کر بیٹھ جاتی ہوں۔“ ندیہ نے سر جھکاتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔
عائشہ اختر ایک دم ہونق رہ گئیں وہ جانتی تھیں ندیہ بھوٹ نہیں بول رہی تھی جس طرح وہ اچانک غائب ہوئی

وہ روپوشی بھی یہی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ صرف گیت کا لاک کھول کر گھر کے پچھلے حصے کی طرف بڑھ گئی ہوگی تبھی عائشہ اختر کے بالکونی میں جانے تک وہ نظروں سے اوجھل بھی ہو گئی۔

ندیہ کا یہ جواب سن کر جہاں ان کے دل میں ڈھیروں اطمینان اترتا تھا وہیں کچھ یادیں ان کے دل کو کچھو کے

لگانے لگی تھیں۔

مگر انہیں فوراً ہی حال میں واپس آنا پڑا کیونکہ زویہ مزید کہہ رہی تھی۔

”میں نے آپ کو بہت پریشان کیا ہے مگر لیکن میں خود بہت پریشان ہوں۔“

میں اس کلاس میں نہیں جاسکتی وہاں کی لڑکیاں مجھے پاگل سمجھتی ہیں وہاں وہ سب یہی سمجھتی ہیں کہ رخسار کو میں نے زخمی کیا ہے جیسے مجھے دور سے پڑتے ہوں۔ ”عائشہ آخر کار دل پھٹنے لگا تھا زویہ کے وہاں سے کچھ پروہ آبدیدہ ہو کر اسے بے اختیار گھٹے لگانے والی تھیں کہ زویہ کے منہ سے نکلے جملے پروہ اپنی جگہ سنانے میں رہ گئیں۔“

”نقطہ نشہ تو خیر مگر یہ ہے وہ تو اب کبھی کالج نہیں آئے گی مگر باقی سب لڑکیوں کا سامنا تو مجھے کرنا ہی پڑے گا میں ان سے کیسے جان چھڑاؤں۔۔۔“



پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ کسی کو سبق سکھانے کے باوجود خرم کے اندر کی آگ بجھنے کی بجائے مزید بھڑک اٹھی تھی۔

وہ رو کر اسے غصہ آ رہا تھا جو خرم کے ہنسنے ہی اس کے لیے روال لیے پہنچ گئی تھی۔

لیکن پہلی بار وہ اپنا غصہ نکالنے کی بجائے مینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اصل میں جب اس نے نیٹ پروہ مووی دیکھی تھی تو وہ بری طرح طیش میں آ گیا تھا اس شخص کو مڑا چکھانے کے لیے اس نے ساری معلومات تو نکلوا لیں یہ سب کون کر سکتا ہے۔

مگر تب سے اس کے دوست اسے مسلسل حمل کے نام سے چھیڑ رہے تھے۔

”یاد بات کیا ہے۔ اگر کسی نے مووی بنا کر نیٹ پر ڈال بھی دی تو ہمیں کیا پریشانی ہو رہی ہے۔“ ہارون ان سب میں واحد تھا جو صرف اسے چھیڑ نہیں رہا تھا بلکہ جسے واقعی اس کے اور پروہ ایکٹ کرنے پر حیرت ہو رہی تھی جبکہ باقی سب اس کی وجہ نمل کو قرار دے رہے تھے خصوصاً ”وکی“ اس کام میں سب سے آگے آگے تھا۔

”یار سمجھا کرو ہارون۔ جب دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے تو انسان ایسے ہی بلبلاتا اٹھتا ہے۔“ وکی کی بانجھیں کھل کر کانوں تک پہنچ گئی تھیں۔

”دکھتی رگ۔“ حمید جو ہمیشہ سے اس کا چچو تھا سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھنے لگا۔

”ہاں دیکھو نا۔۔۔ خرم کو ہمیشہ فیس بک میں انجان لوگوں کی تصویریں ڈالنا اور دکھنا سخت ناگوار گزرتا تھا اور ایسے میں کسی نے نمل کی مووی اس میں ڈال دی اور پھر اس پر کھٹکس بھی لکھ دیے۔“

اب سمجھا کر نا آخر عقلمند کے سمجھنے کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے اور ہاں تو کئی اشارے ہو گئے ہیں۔ ”خرم رجسٹر سے طالب علموں کی حاضری چھانٹ رہا تھا جب وکی آنکھیں نچا نچا کر بولا۔

مگر خرم بھی ذہین بناسی ان سنی کرتا رہا البتہ اس کے چہرے پر تباہ و محسوس کیا جاسکتا تھا جس کی انہیں قطعی پروا نہیں تھی۔

”عقلمند! ارے یہاں کون عقلمند ہے جو اشارے سمجھ سکے۔ صاف صاف بتاؤ نا۔“ حمید خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

”اب اس سے زیادہ صاف اور کیا بتاؤں۔“ وکی نے خرم کی طرف جھکتے ہوئے اپنے مخصوص چھچھورے انداز میں کہا۔

”ویسے یار سچ تو یہ ہے کہ تجھے اس شخص کا شکر گزار ہونا چاہیے اگر اس نے وہ مووی نہ ڈالی ہوتی تو تمہارا اور

نمل کا نام ساتھ کیسے آتا۔“ خرم ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تو وکی کو فوراً ”بچھے ہٹا پڑا۔“

”نمل اور خرم کا نام کہاں سے ساتھ آگیا۔“ بھولہچند تو حمید پر کج قسم ہو گیا تھا۔

”کیوں تم نے وہ تبصرہ نہیں پڑھا جس میں کسی نے نمل کو بھی اس سازش میں خرم کے ساتھ شریک قرار دیا ہے۔“ وکی کی بات پر ہارون اور ناوہ تک اپنی مسکراہٹ نہ روک سکے۔

”بہت ہو گئی بکو اس۔ اب بس کرو۔“ اتنی دیر میں خرم پہلی بار سنجیدگی سے بولا پھر چبا کر کہنے لگا۔

”یہ سب میں کسی اور کے لیے نہیں اپنے لیے کر رہا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔“ وکی نے اوہ کو حتی الامکان کھینچا۔

”ایک تو پہلے ہی یہ مذاق میرے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے اب کل کو سب سمجھیں گے یہ مووی بھی میں نے بنائی ہے۔“ خرم کے کنبے کی سنجیدگی پر ہارون تو فوراً ”قائل ہو گیا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”ہاں یہ بات تو خرم کی بالکل بجائے۔“

حمید کی کہاں آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا تھا اس نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا۔

”اوہ تو خرم حسن نے بھی لوگوں کے سوچنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ حالانکہ ایسے ہر موقع پر پہلے تو بڑی بے نیازی سے کہا جاتا تھا۔“

”who's cares“ وکی نے بالکل خرم کے ہی انداز میں کہا۔

ایک بل کو تو خرم کا دل چاہا اس کا منہ تو زردے لیکن وہ غصہ کر کے وکی کو مزید خوش ہونے کا موقع نہیں دے سکتا تھا تبھی زبردستی مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں ان میں سے نہیں ہوں جو لوگوں کی بردا کرتے ہیں۔ لیکن یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ جب مجھ پر کسی بات کی بوہن سوار ہو جائے تو میں اسے سرگرد کے ہی پھوڑتا ہوں۔“

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی	قیمت: 400 روپے	شائع ہو گئے ہیں
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 180 روپے	نو بصورت مردان
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبین	قیمت: 350 روپے	نو بصورت مہیاں
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 200 روپے	مضبوط جلد
☆ امر بیل، عمیرہ احمد	قیمت: 450 روپے	آفٹ ہی

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اور ابھی مجھے یہ دیکھنا ہے کہ یہ کام کس نے کیا ہے کیس یہ سب کرنے والا یہ تو نہیں سوچ رہا کہ یہ الزام بھی مجھ پر ہی آئے گا۔

اگر ایسی بات ہے تو اس کا داغ ٹھیک کرنا بہت ضروری ہے۔ ”اپنے طور پر تو خرم نے بات بتادی تھی۔ مگر اسے خود بھی احساس تھا وہ اس معاملے میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے۔ چنانچہ اب اس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ نمل کی حرکت کو آیا گیا کر دے اور ان سب کے سامنے بھی اس بات پر اپنی ناگواری ظاہر نہ کرے۔

ورنہ ایک بار پھر ان سب کو اس کی جان کھانے کا موقع مل جاتا۔

یہاں تک کہ نادر نے بعد میں نمل کی حرکت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا بھی۔

”کلاس میں اتنے اسٹوڈنٹس موجود تھے مگر کسی کو اس لڑکے کے ہتے خون کی پروا نہیں تھی ایک بس وہ نمل کو ہی مدد فرمنا چاہتا تھا۔“ نادر کی بات سن کر ایک بل کے لیے خرم نے بھی لب بھینچ لیے مگر اگلے ہی بل اس نے خود پر قابو پایا اور اگلے ہی بل اپنے انداز میں زبردستی کی شوخی بھرتے ہوئے بولا۔

”اصل میں کسی نے آج تک ایسا ہیچ نہ کھا ہی نہیں تھا جیسا اس لڑکے کو پڑا ہے۔ سب دیکھنے والے اسٹیجیوں گئے تھے۔ سچ پوچھو تو مارنے کے بعد مجھے بھی یہی لگا کہ یہ تو گیا۔

ویسے بھی بالکل انڈیٹ تھا میں نے پوچھا۔

وہ مووی نمٹنے ہی کیسیوٹ میں ڈالی ہے نا۔

اب جس انسان نے مووی نہیں بنائی ہوگی وہ سب سے پہلے یہ پوچھے گا کہ۔

کون سی مووی۔ کیسی مووی۔

لیکن Antique piece فوراً بولا۔ ”نمل نہیں میں نے تو۔“

میں نے تو اسے بولنے ہی نہیں دیا۔ ”خرم ایسے گستاخا گیا جیسے نمل کی حرکت کو اس نے نوٹ ہی نہ کیا ہو۔ اس کے اس طرح بات کرنے پر وہ سبھی بیاں موجود لوگوں کی غیر ہوتی حالت کا دل کھول کر مذاق اڑانے لگے اور یہ بھول ہی گئے کہ نادر نے کیا بات شروع کی تھی۔

مگر خرم کی سمجھ میں آگیا تھا اور اب وہ نہیں بھول سکتا تھا کہ نمل کو اس نے غیر ضروری اہمیت دے کر خواہ مخواہ ہی سب کو اپنی کھینچائی کرنے کا ایک بہترین نکتہ دے دیا تھا۔

جبکہ اسے کسی کے ہاتھوں اپنی درگت بننا بالکل پسند نہیں تھا وہ بھی وہی اور حمید جیسے رائی کا پڑا ہوا اور بال کی کھال اتارنے والوں کے ہاتھوں تو بالکل بھی گوارہ نہیں تھا لہذا اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ نمل کے معاملے میں بالکل خاموش رہے گا اور ایسا کوئی موقع نہیں آنے دے گا جسے جو اڑنا کر دے اور اس کا مذاق اڑا سکیں۔

اصل میں وہ جس طرح خرم کے ساتھ پیش آئی تھی اسے دیکھ کر خرم کی انہی ضدی فطرت کو جوش آگیا تھا اور اس نے ٹھان لیا تھا کہ جب تک اس نمل خلیل کو اپنے کیے پر پچھتاتے پر مجبور نہ کر دے اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

مگر اس کے اپنے ہی دوستوں نے اس کی ضد کو ایک دوسرا رنگ دے دیا تو اس کی انار ایک اور تازیانہ بڑ گیا۔ وہ جو اپنے آگے کسی کو گھاس نہیں ڈالتا تھا بھلا کسی کے عشق میں مبتلا ہو سکتا ہے وہ بھی نمل خلیل جیسی لڑکی کے جوہر نہیں خود کو کیا سمجھتی تھی (یہ خرم کی رائے تھی نمل کے بارے میں)

ایسی بات تو وہ مذاق میں بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا لیکن ایک بات اگر مذاق میں بھی بار بار کی جائے تو وہ مذاق بھی مشہور ہو جاتا ہے۔

اگر دیکھو تو غیر کی پچھڑ چھاڑ کسی اور کے کان تک پہنچ گئی تو خرم حسن کے نام سے وابستہ اسکینڈل تو راتوں رات زبان زد عام ہو جائے گا جو خرم کو کسی طور منظور نہیں تھا۔

لہذا اس نے اپنا غصہ اور ساری کھولیں دیا کر نمل خلیل کی طرف سے بے نیازی اپنالی کہ اس کی خاموشی دیکھ کر اس کے دوست خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔

اسنے اس فیصلے پر وہ بہت اچھی طرح کار بند رہا تھا اس کی کوشش ہوتی تھی کہ نمل سے سامنا ہی نہ ہونے پائے اور اس کوشش کے لیے اسے زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑتی تھی۔

نمل کون سا اس کے ارد گرد چکر لگاتی تھی وہ تو خود بے نیاز تھی۔ چنانچہ بہت جلد اس کے درمیان موجود جنگ (جو کہ باقاعدہ شروع بھی نہیں ہوئی تھی) ختم ہو گئی وہی وہی وغیرہ نے ایک دوبار حیرت کا اظہار بھی کیا۔

”کیا بات ہے یار تم نے نمل کا نمبر وغیرہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ فوراً ”خاموش ہو گئے۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے اس کا نمبر لینے کی اور بالی دے دے میں نے آج تک کتنی لڑکیوں کا نمبر لیا ہے جو اس کا لول گا ایسی کون سی خاص بات ہے اس میں۔“

خرم پر سکون نظر آنے کی کوشش کرنے کے باوجود پ جاتا تو حمید لا پرواہی سے کندھے اچکا رہا۔

”ہمیں تو لگ رہا تھا کوئی کمائی شروع ہونے والی ہے۔“

”لگتا ہے نمل نے ان دونوں کو کوئی پیسے وغیرہ دیے ہیں کوئی کمائی شروع کرانے کے۔“ خرم نے ہارون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو ہارون اور نادر میں دیے جبکہ وہی بھٹا کر بولا۔

”اب ہم اتنے بھی بھوکے تھے کہ پیسے لے کر کسی کی سیٹنگ کرائیں۔“ وہ جس طرح بولا تھا نادر اور ہارون کیا خرم کی بھی ہنسی نکل گئی جو جلتی پر تیل ثابت ہوئی اور وہی کو مزید سلگا گئی۔

”ویسے بھی نمل ایسے کام کے پیسے دے گی بھی نہیں وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو تم سے دوستی کرنے کے لیے مری جاتی ہیں۔“

بلکہ یہ تو وہ چلی لڑکی ہے جس نے تمہاری کھیلین آفس میں کردی تھی اور تم اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکے۔“

وہی کی عادت تھی جب غصے میں ہوتا تو دوستی دوستی سب بھول جاتا۔

خود وہ چاہے جتنے بھی مذاق کر لے مگر خود اس سے مذاق برداشت نہیں ہوتا اسی لیے اس کا لہجہ حد درجہ ہنک آمیز ہو گیا تھا۔

خرم کی ہنسی تو کب کی غائب ہو چکی تھی وہ تو لب بھینچنے کی کو دیکھ رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں ان شاء اللہ)



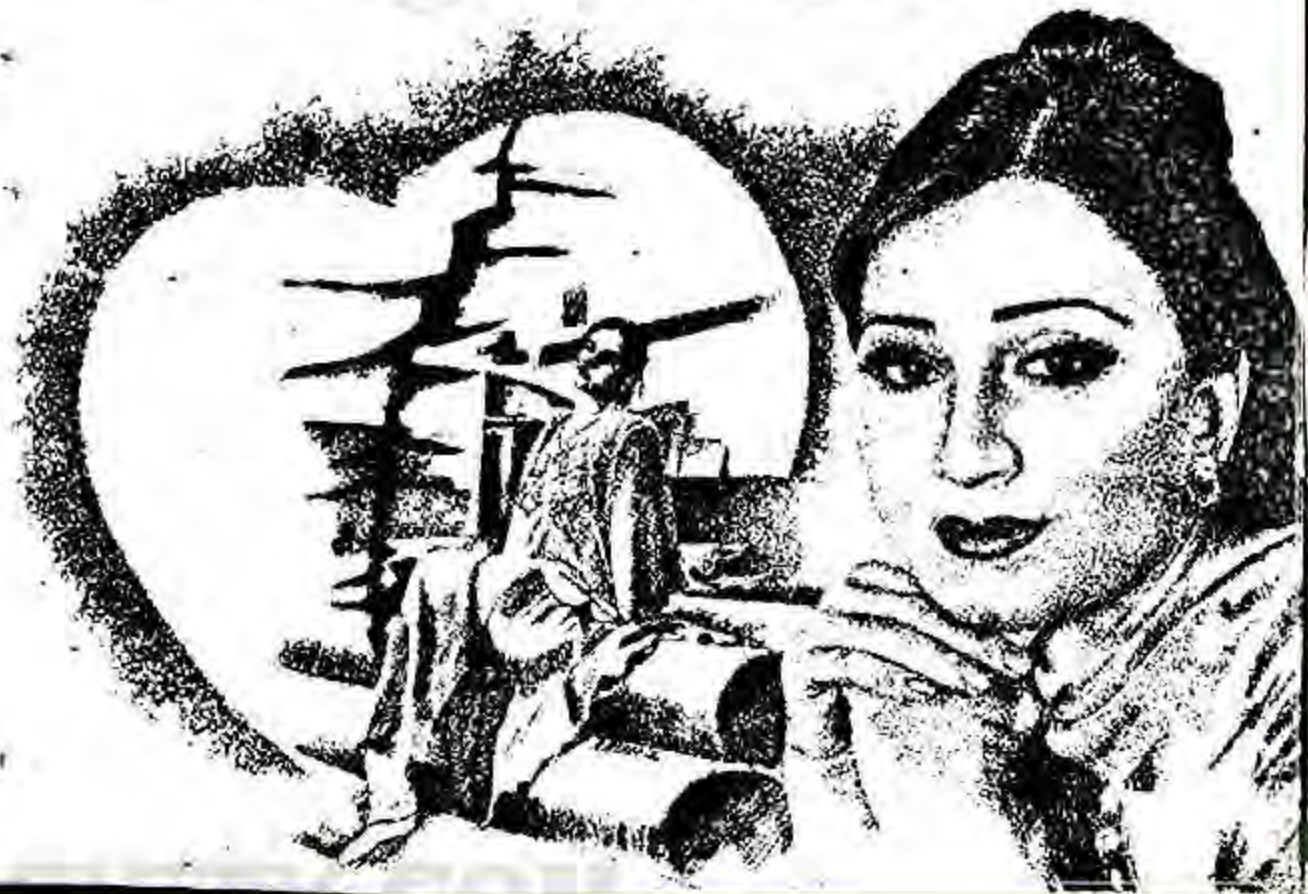
فوزیہ یاسمین

دستِ گریز

نوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی مدد نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور وہ جوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی محبت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی مدد کو بلائے۔ وہ مدد کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔
 وہ میلہ، سنہل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم دُکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی جیسہ وغریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں لچکے کے لیے کہہ دیتا ہے۔
 نوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بعد وقفہ بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے میزبینوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ پٹی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۰
دستِ گریز



۳۳ اس نے میری کہہ لی اس لیے کی تھی کیونکہ مجھے جانتی تھی اور اسی لیے میں نے اسے معاف بھی کر دیا ورنہ اگر میں بدلہ لیتا چاہتا تو وہ منہ میں لے کر یونورشی سے نکلا سکتا تھا۔ "ختم کچھ دیر سپاٹ نظروں سے دکی کو دکھاتا رہا پھر ایک ایک لفظ چا کر بولا۔

اس کے لبوں سے اس کے تپ جانے کا یا خفیہ اندازہ ہو رہا تھا اسی لیے دکی کا غصہ قدرے گھٹا ہو گیا بلکہ وہ خرم کو مزید سلگنے کے لیے اٹھلاتے ہوئے بولا۔

"مب رہنے بھی ہو اسے کہتے ہیں انگور کھٹے ہیں۔" اس سے پہلے کہ خرم کچھ کہتا حیدر بول پڑا۔
"نہیں خیر تو ہم بھی نہیں چاہیں گے کہ تم اسے یونورشی سے نکلاؤ۔ اتنے خوبصورت چہرے تو نظروں کے سامنے ہی رہنے چاہیں۔"

"نہیں سبیل گہات کرو حیدر۔" خرم ایک دم جلال میں آگیا۔
"ہو گیا بات ہے یا ر خون ہڑ جوش مار رہا ہے۔" دکی بھلا کیسے چپ رہ سکتا تھا۔
خرم جانتا تھا دکی کو اسے تپانے میں مڑا آتا ہے جب تک وہ پر سکون ہوتا ہے دکی اسے غصہ دلائے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور جب اسے غصہ آجاتا ہے تب وہ اس کی حالت سے تفریح لیتا ہے۔
مگر اس وقت اسے حقیقتاً غصہ آگیا تھا وہ پر سکون ہونا تو درکنار پر سکون نظر آنے کی ہر کاری بھی نہیں کر سکا۔
"ہاں تو اس نے بات ہی غلط کی ہے۔" خرم جرح کرنے والے انداز میں بولا تو ہارون اور تار جوا ب تک سنجیدگی سے بیٹھے تھے مسکراتے رہے مجبور ہو گئے۔

دکی ہاں دونوں کو اپنا ساتھی دیکھ کر مزید پھلتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔
"حالت دیکھ رہے ہو اس کی پھر جب میں یہ کہتا ہوں کہ دال میں کچھ کلا ہے تو یہ مانتا نہیں ہے۔" دکی کے آنکھیں نیچانے پر خرم کا دل چاہا اٹھ کر چلا جائے مگر اس طرح حیدر ان مجبور کر رہا تھا اس کی فطرت میں نہیں تھا۔
وہ جب سے سبائل نکال کر خراخراہ معصوف نظر آنے کی کوشش کرتے آگیا تو حیدر دکی کی طرف جھٹکتے ہوئے بھلا ہر راز والہ انداز میں بولا جبکہ اس کی کوازا جی اونچی تھی کہ سب سن سکتے تھے۔

۳۴ صمل میں دال میں کلا یہ اس کے قبول نہیں کر رہا کہ یہاں اس کی دال گھسنے والی نہیں ہے وہ جو کہتے ہیں تالیہ منہ اور مسور کی دال۔"

دکی کا ہند ہوئے والا تہہ درود پوار پلا گیا تھا ہارون کی مسکراہٹ بھی کافی مہم کی ہو گئی تھی البتہ تار نے اپنی جسی چھپانے کی کوشش میں کھانسا شروع کر دیا تھا۔
خرم کے لیے معصوف نظر آنے کی اداکاری کرنا مشکل ہو گیا تو وہ زچ ہونے والے انداز میں ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

"تم دونوں کا پر اہم کیا ہے یا ر۔ اگر تمہارے اور کا خانہ خالی ہے تو اس میں دو سروں کی کیا غلطی ہے دو سروں سے اپنی غردی کا انتظام لینا کہاں کا انصاف ہے۔" جملے کے آخر تک خرم نے اپنی جھنجھلاہٹ پر کافی حد تک قابو پالیا تھا ابھی درانیت بھرے طرے بولا۔

۳۵ ارے ہم کہاں انتقام لے رہے ہیں ہم تو چاہتے ہیں تم اپنے خول سے باہر نکلو اور اپنی محبت کا اعتراف کر لو۔"

حیدر نے ہکا دتے ہوئے کہا تو دکی ہمدردانہ انداز میں بولا۔

۳۶ صمل میں اس کی بھی مجبوری ہے نا۔ ہمارے سامنے اعتراف کر بھی لے تو کیا فائدہ؟ عمل اسے گھاس تو دلاتی نہیں۔ اسے تب بھی خوار ہی ہونا ہے۔"

سبائل پر خرم کی گرفت تکلیف دہ حد تک سخت ہو گئی اس کا دل چاہ رہا تھا دکی کا شرشر کر دے لیکن وہ اب

اس کو سیدنا چاہتا تھا ابھی اسے لمبے کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے بولا۔
۳۷ یہ انٹرویو کا پہلا کس (احساس کمتری) میں تم لوگ جھلا ہو گئے اسی لیے تمہد سروں کو بھی اپنے جیسا سمجھتے

۳۸ مجھے اگر عمل میں انٹرسٹ ہو تا تو وہ خود بھی خود کو میری ہونے سے روک نہیں سکتی تھی۔ "حسب توقع حیدر اور دکی کا مشترکہ تہہ ابھرا۔ تار اور ہارون البتہ کچھ بور نظر آنے لگے جسے ان جب طول پکڑنے لگے تو وہ بے زار ہو کر بولے۔

۳۹ لیکن دکی بحث مینے کے لیے تیار ہی نہیں تھا ابھی خرم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے حسرت بھرے انداز میں بولا۔

"خوش فہمی ہے جناب کی بلکہ ہمیں غلط فہمی میں جھکا کرنے کے لیے ایسا کہہ رہے ہو ورنہ یہ تم بھی جانتے ہو اگر تم نے اس کے سامنے کوئی ایسی دھکی حرکت کی تو بھرے مجمع میں ایک کرار اسما پھنڑ تمہارے چہرے کی نہنت بن جاتا۔"

"ہاں سنیں۔" خرم کی برداشت جواب دے گئی تو وہ ایک دم کرسی ٹھیکٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ یہاں سے چلے جانے کے ارادے کو عملی جامہ پہنا تو دکی اپنے مخصوص تپانے والے انداز میں بولا۔
"پلو شرڈ لگاؤ۔ عمل کو پرو پوز کر کے دیکھ لو۔" خرم آگے بڑھنے کا ارادہ ملتوی کر تا اپنی جگہ ٹھک گیا۔

وہ سپاٹ نظروں سے دکی کو دیکھتا چلا گیا جس کی آنکھوں میں ہی نہیں پورے چہرے پر ایسے شرارت مایج رہی تھی جیسے خرم کو تذبذب کا شکار دیکھ کر بہت مزے لے رہا ہو۔

"کیوں منظور ہے۔" دکی نے ہمنویں اچکا میں تار اور ہارون اور حیدر بھی خرم کو دیکھ رہے تھے تو کبھی دکی کو مگر منہ سے کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔

یہاں تک کہ خرم بھی کچھ لحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا پھر اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے سروں سے

۴۰ میں بولا۔
"شرط میں توڑی سی ترمیم کرو میں پرو پوز کر دوں۔ تھپڑ نہ مارے۔ خا خاؤ تمہارے ادا نول پر پانی بھر جائے۔ اس کی بجائے تم صرف مجھے نامہ دو وہ خود آکر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرے گی۔ کیوں منظور ہے۔" خرم نے ٹھیک اسی کے انداز میں کہا۔

دکی کے چہرے پر سو پوار کا لبہ روشن ہو گیا حیدر بھی کافی خوشیلا نظر آنے لگا تھا۔
البتہ ہارون اور تار ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے لگے تھے۔

"مجھے تو منظور ہے مگر ہارون کی صورت میں تمہیں اپنی وہ گاڑی مجھے دینی پڑے گی جس میں ہم حیدر رکھا گئے تھے ریزی کھانے۔" خرم کا خون ملاوے کی طرح گرم ہونے لگا تھا۔

دکی کی کینگی پر اس کا دل چاہا دکی کو قتل کر دے۔
اسے غصہ مینے کی کوشش کرنا دیکھ کر دکی شرارت سے بولا۔

"کیوں ڈر لگ رہا ہے اپنی فورت کا رے ہاتھ دھو ہاڑے گا۔"

"وہ تو تب ہو گا جب میں شرط ہارون کا لیکن شرط لگانے سے پہلے تم سوچ لو اگر یونورشی بھوڑنے کے لیے تیار ہو تو اس چیلنج کو قبول کرنا ورنہ نہیں۔" خرم نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہارون کی صورت میں مجھے یونورشی بھوڑنی ہوگی۔" دکی چونکا۔
"کیوں ڈر لگ رہا ہے ہارون کا یقین ہے کیا۔" خرم ہر دست بولا۔

وکی کچھ دیر اسے بر سرچ نظروں سے دیکھا رہا پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔
 ”چلو اتنی اچھی گاڑی کو لینے کے لیے ایک رسک تو لینا پڑے گاؤں۔“ وکی نے مصافحہ کے لیے اس کی طرف
 ہاتھ بڑھا دیا تو خرم نے ایسے اس کا ہاتھ تھام لیا جیسے سوچنے کے لیے ایک پل بھی ضائع نہ کر سکتا ہو۔
 ”اؤں۔“ خرم مضبوط لہجے میں بولا۔



”یہ میں کیا سن رہا ہوں بھی تم کل صبح ہی صبح واپس جانے والے ہو۔“ ماموں جان نے الیان پر نظر پڑتے ہی
 دور سے پکار کر کہا۔
 الیان خامد کے ساتھ چلا ان ہی کی طرف آ رہا تھا ان کی بات سن کر کچھ اور جیزی سے ان کے نزدیک چلا گیا۔
 ماموں جان اور شاہ جہاں ماموں بھٹک میں بیٹھے موم پھلیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
 ”تم نے تو کہا تھا تین چار دن رہوں گا۔“ شاہ جہاں ماموں نے اس کے بیٹھے ہی گنگو کا سلسلہ واپس ماموں جان
 کی بات سے جوڑنے والے انداز میں کہا۔
 ”جی ارادہ تو یہی تھا مگر ڈی کا فون آیا تھا وہاں کچھ کام آگیا ہے اس لیے جانا ضروری ہے۔“ الیان نے اگرچہ
 نہیں کہا تھا تو جھوٹ بھی نہیں بولا تھا۔
 وہ پہلے ہی اپنا سارا کام کر آیا تھا مگر دوسرے کئی کام جو اس پروجیکٹ سے تعلق رکھتے تھے ابھی باقی تھے جنہیں وہ
 وقتی طور پر نظر انداز کر کے یہاں چلا آیا تھا۔
 مگر حامد سے کل کی ملاقات کے بعد اسے مزید یہاں رکنا ہے کار لگ رہا تھا۔
 وہ فیصلہ تو تقریباً کر چکا تھا اور بہت کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ اس کے فیصلے بدل جائیں تو پھر وہ یہاں رہ کر وقت
 کیوں برباد کرے گا۔
 ”ہاں خیر کام کے آگے تو کوئی بحث نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اچھا ہونا اگر تم کچھ دن اور رکھنا تو دلچسپ ہو تو آئے
 ہو۔“ ماموں جان کی بات پر الیان صرف مسکرا کر رہ گیا اور کچھ دیر کی سی انداز میں بولا۔
 ”اب لوگ آئیے گا آرام سے لیبار بننے کا پروگرام بنا کر۔“ الیان کے کہنے پر حامد جو اس کے عین سامنے بیٹھا
 ہوا تھا ہنس کر بولا۔
 ”ارے یہاں بھی سب بہت مصروف ہیں آرام سے لیبار بننے کے کام میں گے تو زندگی بھر پروگرام ہی
 نہیں بنے گا۔“
 ”تو چلیں مختصر وقت کے لیے ہی آجائیں۔“ الیان نے کہا تو اس سے پہلے کہ ماموں جان کچھ بولنے لگے ان کا
 موبائل بجنا شروع ہو گیا۔
 فون ان کے کونکے کھیل کا تھا جو ان کے کسی کھیت پر عدالت میں چٹا کیس ڈسکس کر رہا تھا۔
 ماموں جان نے شاہ جہاں ماموں کو بھی تازہ ترین سے آگاہ کرنے کے لیے اس کی طرف اشارہ کر دیا تو وہ دونوں ایک ساتھ
 گنگو میں شامل ہو گئے۔
 الیان غیر ارادی طور پر ان کی گنگو سننے لگا اور جو کچھ اس نے سنا اس پر اسے اتنی حیرانی ہوئی کہ وہ سوالیہ انداز
 میں حامد کو دیکھنے لگا۔
 حامد اسے اشارہ کرتا اپنی جگہ سے اٹھا اور بڑی سی ہینٹسک کے دو سرے پر رکھے صوفے پر جا بیٹھا۔
 الیان بھی اس کی پیروی میں فوراً ہی اٹھ گیا اور اس کے نزدیک آکر بولا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ الیان نے حیرانی سے پوچھا۔
 ”ارے کچھ نہیں ہے خواہ امت باجموعہ تو روز کا معمول ہے۔“ حامد نے لاپرواہی سے کہا۔

الیان کچھ دیر تو اسے دیکھا رہا پھر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔
 ”اگر میں ماموں جان کی جگہ ہوتا تو یہ سودا ہرگز قبول نہ کرتا۔“ الیان ماموں جان اور وکی کی گنگو سے خوب
 سمجھ گیا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔
 ان کی زمین کو سیراب کرنے والا پانی ایک دوسرے زمیندار نے محض اپنی دادا گیری کو کھانے کے لیے بند کر دیا
 تھا۔ جس پر شاہ جہاں ماموں کے کہنے پر عدالت میں کیس کر دیا تھا۔
 اب اس شخص کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا یا غالباً کیس میں دم نہیں تھا اس لیے اس نے کیس واپس لینے
 کی گزارش کی تھی۔

اور اسی بات پر شاہ جہاں ماموں اور ماموں جان کے بیچ بحث ہو رہی تھی۔
 وکی صاحب کا مشورہ تھا خواہ تو ان کی دشمنیاں مٹ لینے کی بجائے آپ خوش اسلوبی سے معاملہ رفع دفع
 کر دیں۔ ماموں اس رائے سے متفق تھے۔
 جبکہ شاہ جہاں ماموں کا کہنا تھا اس خود سر اور گھنٹہ ڈی زمینداروں کو سیدھا رکھنے کے لیے کیس کو خوب کھینچا
 جائے اور ہرگز واپس نہ لیا جائے۔
 یہی بحث ان کے بیچ چل رہی تھی جس میں ماموں جان اور وکی صاحب کا پلٹن صاف بھاری نظر آ رہا تھا۔
 اور اسی بات پر حیران ہوتے ہوئے الیان گردن موڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا جس میں ماموں جان کی ویلیوں سے شاہ
 جہاں ماموں کا کل ہنسنا شروع ہو رہا تھا۔

جی الیان جیسے دیکھنے والے انداز میں بولا۔
 ”مجھے تو شاہ جہاں ماموں کا موقف بالکل ٹھیک لگ رہا ہے یا راس میں تو وہ شخص اور شیر ہو جائے گا۔ ایسے
 لوگوں کو تو مزہ ضرور چکھنا چاہیے۔“ الیان کے برہمی سے کہنے پر حامد مسکراتے لگا۔
 اس کی مسکراہٹ دیکھ کر الیان اسی لہجے میں بولا۔
 ”تم لوگ تو اس ایج سے بہت مختلف ہو جو جاگیرداروں کی سیری نظر میں تھی۔“ الیان کی بات پر حامد نے ایک
 زوردار اقتدار اور شوخی سے بولا۔

”ہاں“ صولی طور پر تو ہمیں اتنا کل ماننا پڑا ہے جتنے باپ ہیں۔
 مگر تم جاگیرداروں سے زیادہ ضدی ہو حالانکہ بزنس میں ضد نہیں صرف فائدہ اور نقصان دیکھا جاتا ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“ الیان اس کی بات نہیں سمجھا۔
 ”مطلب یہ کہ سنا ہے تم نے کسی برائی دشمنی کی وجہ سے پچھلے دنوں بزنس میں اپنا بہت بڑا لاسٹ کر لیا۔“ حامد
 کے کہنے پر الیان کچھ حیران سے اسے دیکھنے لگا۔
 ”تم خواجہ طیبو کس کے کاتریکٹ کی بات کر رہے ہو۔“ الیان کے پوچھنے پر حامد نے سر اثبات میں ہلا دیا۔
 ”تم کیسے جانتے ہو؟“ الیان کی حیران مزید بڑھ رہی تھی۔
 ”کم توں یا راس کی دنیا میں تمہاری کپنی کا جو نام اور ایج ہے ایسی خبریں تو فوراً مل جاتی ہیں۔“ حامد نے
 لاپرواہی سے کہا۔

وہاں تک کہ رہا تھا وہ شہر کے جانے مانے بزنس میں گمراہے جاتے تھے ان کے کاتریکٹ جھوڑ دینے کی خبر
 مارکیٹ میں کس جیزی سے گردش کر رہی تھی اس کا علم الیان کو بھی تھا۔

مگر اسے حیرانی اس لیے تھی، حامد کا بزنس سرکل سے کوئی تعلق نہیں تھا اگر اس نے محض کرن ہونے کی وجہ سے اس خبر کو دلچسپی سے سنا بھی تھا تو بھی یہ بات کسی کے بھی علم میں نہیں تھی کہ الیان نے وہ کاتھریٹ کس وجہ سے چھوڑا تھا۔

پھر حامد نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ یہ سب اس نے کسی دشمنی کی وجہ سے کیا ہے چنانچہ الیان نے فوراً ہی اپنے جتنس کو زبانی دے دی۔

”لیکن تم یہ سب کیسے جانتے ہو کہ یہ سب میں نے کسی دشمنی کی وجہ سے کیا ہے۔“

”ویسے تو کامن سہنس کی بات ہے کوئی بات ہوگی جسے تو تم نے اتنی بڑی ذیل کینسل کی۔ لیکن میں نے صرف اپنا کامن سہنس پوز نہیں کیا بلکہ پھر بھی جان سے بات ہوئی تھی کافی دن پہلے۔“

انہوں نے ذکر کیا تھا آج کل تم بہت مصروف ہو اپنی ہی ضد کی وجہ سے۔“ حامد نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو الیان مگر سانس کھینچ کر رہ گیا۔

”میں نے یہ نہیں بتایا کہ تم سے کچھ دشمنی کس وجہ سے ہے۔“

”ہاں بتایا تھا خواجہ لہو کس کے مالک کے بیٹے سے کسی زمانے میں کوئی پرکھا ہو گیا تھا۔ ہاں البتہ یہ نہیں بتایا کہ تمہوں کو کس نے چھوڑا کیا تھا۔“ حامد کی بات پر الیان سر ہلکے ٹکے ٹکی میں ہلاتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے انداز میں بولا۔

”وہ انہوں نے اس لیے نہیں بتایا کہ انہیں خود بھی صحیح طرح سے نہیں بتا دینا وہ یہ بھی بتا چکی ہو تھی۔“ الیان کلفٹہ غفاری فطرت سے بہ خوبی واقف تھا بھی لیکن سے بولا۔

”وجہ چاہے جو بھی ہو اتنا بڑا کاتھریٹ چھوڑنا تو بھی ایک ایسی بات پر جسے عرصہ ہو گیا ہو۔ بے دقتی ہے۔ پھر بھی جان کہ وہی نہیں تم اور وہ لڑکا کالج میں پڑھتے تھے۔“ حامد نے قدرے تعجب سے کہا الیان کچھ دیر تو بطور اسے دیکھا رہا پھر بہت جلد بھڑک کر بولا۔

”چاہے کتنا بھی عرصہ گزر جائے میرے لیے کسی کوئی بات پرانی نہیں ہوتی خاص طور پر ایسی صورت میں جب کوئی شخص یہ سوچ کر میرے ساتھ زیادتی کرے کہ اسے کچھ طنز ناراض رہے گا پھر ٹھیک ہو جائے گا۔“

ایسی مستثنائیں پر تو میں ساری زندگی اپنی ناراضی اور نہیں کر سکتا چاہے اب اسے میری ناراضی سے کوئی فرق پڑتا ہو یا نہیں۔“

”ہو یا کیا تھا؟“ الیان کے منجیدہ لہجے پر حامد نے بھی منجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”میرا کچھ خاص نہیں ہوا تھا۔ وہ لڑکا وجاہت میرا دوست تھا اور جی پوچھو تو ایسا کوئی نقصان بھی نہیں پہنچایا تھا اس نے مجھے۔“

بس میرا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور یہ سوچ کر کہ تھی کہ میں تمہوڑا سا ناراض ہو کر آخر میں ہی جاؤں گا۔

جبکہ میں ایسا نہیں ہوں۔ اول تو میں یہ ہی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میرا فائدہ اٹھائے اور یہ تو بالکل ہی ضد دلانے والی بات ہے کہ میرا فائدہ وہ اس بھروسے پر اٹھائے کہ میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔“ الیان کا لہجہ ایک دم تلخ ہو گیا۔

مگر حامد کو بدستور اپنی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا پرواہی سے کہنے لگا۔

”اے ایسا کچھ خاص نہیں ہوا تھا بلکہ ہو سکتا ہے تمہیں سن کر بھی لگے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مگر وجہات میرے دل کو لگ جائے تو بھی نہیں نکلتی۔“ الیان کہہ کر کچھ دیر کے لیے رک گیا۔

حامد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اسے معلوم تھا اب الیان خود ہی اسے سب بتانے والا ہے اسے کچھ پوچھنے کی

ضرورت نہیں۔ اور واقعی چند لمحوں میں ہی الیان نے اسے تاثر لہجے میں بولنے لگا۔

”وجاہت میرا بہت اچھا دوست تھا اور بے کالج میں ایک طرح سے میرا بس وہی دوست تھا میں سب تک ہماری دوستی بہت اچھی طرح چلتی رہی۔ لیکن آخری سال میں اگر اس نے سب ختم کر دیا۔“

میرے نکاح فیروز کا کہنا تھا کہ دوستی میں نے ختم کی ہے میں اور ری ایکٹ کر رہا ہوں۔ شاید کسی حد تک ان کی بات صحیح بھی تھی اس نے جو کچھ کیا تھا میرے ساتھ نہیں کیا تھا مگر میرے ذریعے ضرور کیا تھا۔

ہمارے کالج میں ایک لڑکی پڑھتی تھی حرا۔ میں جانتا تھا وجاہت اسے پسند کرتا ہے حالانکہ اس نے اس بات کا کبھی اعتراف نہیں کیا تھا میں نے بھی کبھی زیادہ کر دیا نہیں۔ لیکن مجھے پتا تھا وہ اس میں اثر رکھتا ہے۔

حرا ابھی لڑکی تھی میرے ساتھ اس کی کوئی بات جیت نہیں تھی لیکن اچانک اس کا رویہ میرے ساتھ بدل گیا۔

پہری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میری غلط فہمی ہے یا میں واقعی صحیح تجزیہ کر رہا ہوں وہ مجھ میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگی ہے۔

یہ ایسی بات تھی جو میں وجاہت سے نہیں کہہ سکتا تھا خود حرا نے کبھی کھل کر نہیں کہا تھا جو میں اس کی کسی بات کو یاد دہا کر کسی رد عمل کا اظہار کر پاتا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کے ایک سپریشن بدل جاتے تھے۔ اور مجھے اس صورت حال سے شدید کوفت ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی مجھے حیرت بھی تھی کہ وجاہت اس بارے میں کوئی بات کیوں نہیں کر آیا اسے کچھ نظر نہیں آ رہا کیونکہ لوگ ٹوٹ کر لگے تھے۔

اگر وہ وجاہت کی پسند نہ ہوتی تو میں اسے سامنے بٹھا کر بات کر لیتا کہ آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے یہ سلسلہ چار پانچ مہینے تک۔ اور نہ جانے کب تک چلتا رہتا کہ ایک دن کالج کی بجائے پہلی بار ہماری کہیں باہر ملاقات ہوئی۔

میں بازار میں شاپنگ کر رہا تھا کہ خراکی مجھ پر نظر پڑی اور وہ میرے پاس آکر بڑی بے تکلفی سے مجھ سے باتیں کرنے لگی۔

میرا تو پہلے ہی اس کی حرکتوں کی وجہ سے دلچسپ ہوا تھا۔ اس کی اس درجہ بے تکلفی پر دل تو چاہا اسے کھڑی کھڑی سناؤں اور میں ایسا کر بھی دیتا لیکن اس کی گفتگو نے میری زبان بند کر دی۔ وہ جس طرح بات کر رہی تھی اس سے لگا جیسے ہم دونوں کے بیچ بہت گہری دوستی ہو اور بہت سی جلدی مجھ پر یہ انکشاف بھی ہو گیا کہ موبائل اور سنبھل ہماری دوستی ہے۔

وہ کسی ایسی سبیل کا ذکر کر رہی تھی جو میں نے اسے بھیجی تھی اور جس کا وہ جواب نہیں دے سکی تھی۔ پہلے تو مجھے یہی لگا کہ وہ مجھے بے وقوف بنا رہی ہے۔ مگر جتنے اعتماد سے بات کر رہی تھی اس سے مجھے لگا بات کچھ اور ہے وہ مجھے بے وقوف نہیں بناتا بلکہ کسی اور کے ہاتھوں خود بے وقوف بن رہی ہے۔“ الیان کہتے کہتے ایک دم چپ ہو گیا۔

حامد جس طرح منہ کھولے اس کی بات سن رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ آگے کی کہانی وہ بھی سمجھ گیا ہے اسے شاک میں گھرا دیکر کہ الیان خچی سے مسکرا دیا۔

”حالانکہ بات بالکل سامنے کی تھی لیکن پھر بھی میرے ذہن میں وجاہت کا خیال نہیں آیا اگر آتا تو شاید میں حرا پر ایک دم اپنی لامذہبی ظاہر نہ کرتا۔“

میں نے جب اس تعلق سے مکمل انکار کر دیا تو وہ شاکڈ رہ گئی یقیناً میرے رویے میں۔ کوئی چٹک نہیں تھی اور وہ اسے میرا مذاق سمجھ کر خود کو تسلی دے دیتی۔

میں نے اس سے کہا مجھے نمبر دے جس پر وہ مجھ سے بات کرتی تھی نمبر تو جانے کس ٹرانس میں اس نے مجھے دکھا دیا مگر اس کے بعد وہاں رکی نہیں۔ میں اس سے ای میل آئی ڈی پوچھا تو یہ کہہ کر ہنسے کہ یہ تیار ہی نہیں تھی اور اس کا ری ایکشن بالکل صحیح تھا وہ بھلاہ تھا ہیلو مجھے کیسے دکھا سکتی تھی۔

ای میل آئی ڈی بتانے پر میں ساری ہیلو کھول کر ضرور پڑھتا اور پھر وہ جس شاگ سے گزر رہی تھی اس میں بھی وہ کچھ کہنے سننے کی کوشش نہیں کرتی۔

اور شاگ سے تو میں بھی گزر رہا تھا جہاں یہ بات بڑے افسوس کی تھی کہ کوئی میرے نام سے کسی لڑکی کو بے وقوف بنا رہا تھا وہاں یہ بات اس سے بھی زیادہ دکھ کی تھی کہ اس کام کے لیے وہ جو نمبر لوڑ کر رہا تھا وہ بھی میرا ہی تھا۔ وہ سم کوئی چھ ماہ پہلے میرے پاس سے کھو گئی تھی اور کیسے کھوئی تھی یہ مجھے پتا ہی نہیں چل سکا اور نہ ہی وہ کوئی ایسا بڑا ایڈیو تھا جس پر میں تجسس ہونا لگا تھا۔ یہ زیادہ وجہ تھی کہ وہ فوراً ہی اس نے کہا تھا۔

”یار میں تمہاری سم فوراً کینسل کر دیتا ہوں تم پریشان مت ہو بلکہ فون کرنے کی بھی ضرورت نہیں میں ابھی کر دیتا ہوں۔“

میں وہ سم اتنی باقاعدگی سے استعمال کرتا ہی نہیں تھا کہ اس کے کینسل ہونے یا نہ ہونے پر پریشان ہوتا۔ وجہ تھی کہ وہ کام کروے گا اور میں مطمئن ہو گیا۔ اسی لیے اصولی طور پر مجھے سب سے پہلے وجہ تھی پر ہی شک کرنا چاہیے تھا مگر میں نے کمانا بات بالکل سامنے کی تھی پھر بھی میرا دل وہاں غیہ سوچنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

میری سم میرے گھر سے غائب ہوئی تھی کسی کن پرائیوٹ پر نہیں چھٹی تھی۔ یہی وہ کلمہ کسی ایسے شخص کا تھا جس کا میرے گھر آنا جانا تھا اور جو میرے اور حرا کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا کہ باکمالی اس سے الیان بن کر بات کر سکتا تھا۔

میں نے اس نمبر پر کل کی۔ محض عرصہ میرا نمبر کیوں رہیو کرنا بلکہ وہ تو شاید اس سم پر حرا کے علاوہ کوئی کل رہیو ہی نہیں کرتا ہوگا۔

میں نے وجہ تھی کہ وہ سم کبھی ہوئے سب کچھ بتا دیا وہ ششدر رہ گیا میں اس کی حرا کے لیے پسندیدگی سے واقف تھا چنانچہ میں اس کی کیفیت کو کوئی اور ہی نام دیتا رہا۔

حرا نے اس دن کے بعد سے کالج آنا چھوڑ دیا تھا اس نے اس لڑکے سے بھی سارے رابطے منقطع کر دیے ہوں گے۔ لیکن میں اس سے ملنا چاہتا تھا کہ اس شخص کا پانچا سکوں مگر وجہ تھی کہ وہ نہ ملے۔

ہی ڈپریشن سے میں اسے اور ٹھکنے لگا۔

بات اس کی صحیح تھی میں مان گیا مگر میں نے کل سینٹر فون کر کے پتا کیا تو وہ سم ابھی تک میرے نام پر تھی اور تب یہاں آکر مجھے پہلی بار وجہ تھی پر حیرت ہوئی تھی اس مقام پر بھی میں نے اس پر شک نہیں کیا۔ البتہ یہ بات میں نے اس سے ڈسکس نہیں کی۔

میرا ارادہ اس سے چھپانے کا نہیں تھا میں غم ہی نہیں ملا اسے بتانے کا میں نے کل سینٹر میں اس نمبر کو لوکٹ کرنے کی ریکیوٹ کی تھی۔ تب چلا کہ یہ سم وہ شخص ضائع کر چکا ہے اور اب کسی کے استعمال میں نہیں ہے۔ یہ سن کر مجھے لگا اب میں بھی اس شخص کو نہیں جان پاؤں گا اور کی بات کرنے میں وجہ تھی کہ کھر چلا گیا۔

کیونکہ اس کا گھر اس کل سینٹر کے قریب ہی تھا یا شاید اس دن اس کی اصلیت کھلتی تھی جو میں نے اسے فون کرنے کی بجائے اس کے گھر جانے کا ارادہ کر لیا اس کی والدہ مجھے جانتی تھیں انہوں نے کہا کہ اپنے کمرے میں ہے تمہیں پہلے چاہو۔

میں جب اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ واش روم میں تھا اور اس کا کمپیوٹر کن تھا۔

میں اس کے انتظار میں محض وقت گزارنے کے لیے کمپیوٹر اسکرین کے سامنے آکھڑا ہوا۔

میں اس وقت زندگی میں پہلی بار دھوکا کھانے کے تجربے سے گزرا تھا اس پہلے مجھے اور اک ہوا تھا کہ جب مجھ سے ٹوٹا ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

میرے سامنے حرا کی بیٹی ہوئی ہیلو موجود تھیں۔ جس میں اس نے اپنی بے تحاشا محبت کا اقرار کیا تھا۔

پتا نہیں وجہ تھی کہ کتنی بار یہ ہیلو بڑھی ہوں گی لیکن اس وقت ان ہیلو کو پڑھنا اسے بہت مزہ پڑا تھا اگر اسے ذرا بھی پسند ہوتی میرے آنے کی تو وہ کمپیوٹر کن چھوڑ کر بھی بات نہ نہ جاتا۔

اسے بات نہ دوم میں غم بھی کافی لگ گیا تھا تب تک میں حرا کی بیٹی ہیلو چیک کر کے ہیلو دیکھنے لگا تھا جو اس نے میرے نام کی آئی ڈی بنا کر اسے بیٹی تھیں۔

اس نے لہلہ بھاٹی ہی نکھی تھیں کب اس نے حرا کو پہلی بار دیکھا۔

تب حرا نے کون سے کپڑے پہن رکھے تھے۔

کتنی بار اس نے بات کرنے کی کوشش کی مگر ہم نہیں بولی وہ غیہ غیہ۔

ہر میل میں اس نے اس دوستی کو راز رکھنے کی گزارش کی تھی کہ وہ ان ہیلو اور فون کا کڈ کر کسی سے نہ کرے ورنہ خواہ مخواہ ان کی نسل بن جائے گا کہ وہ فون کی بدنامی ہوگی وہ غیہ غیہ۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو میں پڑھ رہا ہوں وہ وجہ تھی کہ اسے لکھا ہے۔

وجہ تھی جب بات نہ دوم سے لگتا تو مجھے دیکھ کر چونک گیا کمپیوٹر کے سامنے میری موجودگی اور میرے چہرے پر پھیلتے تاثرات اسے ایک ہی بل میں سب کچھ سمجھا گئے تھے۔

کچھ میں تو میرے بھی کافی کچھ آگیا تھا اس کی انگلیوں کی طرح جلال ہوتی آ نکھیں دیکھ کر مجھے پتا چل گیا تھا کہ اسے واش روم میں آنا غم کیل لگا تھا۔

لیکن اس بل مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہو رہی تھی مجھے اس پر اتنا شدید غصہ آ رہا تھا کہ مجھے اپنے آپ سے ڈر گئے لگا کہ کہیں میں کچھ کرنا والوں اس لیے میں فوراً ہی اس کے کمرے سے نکل گیا۔

اس نے مجھے بہت تواڑیں دیں بات کرنے کی کوشش کی مگر میں کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوا۔

اس کے پاس کہنے کے لیے تھا ہی کیا جو بھی وہ کہنا چاہتا تھا وہ میں جانتا تھا۔

اس نے یہ سب حرا کی محبت میں کیا تھا۔ جب وہ مجھ سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے حرا کو سب بتا دیا پھر تو مجھ کو پوری کلاس کو ہی سب پتا چل گیا حرا کی دوستوں نے وجہ تھی کہ بہت تلخ طبع ہیں کیں کچھ لڑکیوں نے حرا کو سمجھایا کچھ لڑکے میرے پاس بھی آئے وجہ تھی کہ انہیں لگے کہ مجھے کسی تیسرے شخص کے ذریعے بات کرنا تھا پسند نہیں بات سلجھنے کی بجائے مزید الجھ جاتی ہے مجھے بات سلجھانی تو تھی مگر میں نے ایک بار وجہ تھی کہ وہ روایت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے میری توقع کے مطابق بہت معافیاں مانگیں بہت شرمندگی کا اظہار کیا۔

اس کا کہنا تھا اسے خود بھی حرا کو دھوکا دینا اور میرا نام استعمال کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر اسے لگتا تھا اس کی فعل و صورت کچھ خاص نہیں ہے۔ اور پھر بتا نہیں ساری کلاس کے ذہن میں کیا فتور بھرا ہوا تھا کہ میری موجودگی میں کوئی بھی لڑکی کسی اور کو پسند نہیں کر سکتی۔

بس اسی خطرے کے تحت ”الیان بولتے بولتے تھک گیا تھا ایک مدت بعد اس نے کسی کے سامنے یہ سب کہا تھا اس لیے وہ بغیر رے کے کہتا ہی چلا گیا اور پھر اس کا سامع اتنا تھکا کہ اسے ٹوکے بغیر سنتا چلا گیا یہاں تک کہ

”کیا ہو گیا، جیسی اب اتنی بھی حیران کن کہانی نہیں ہے کہ تم Pause ہو جاؤ۔“ حامد نے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کمری سانس خاص کر کیا۔

”جنت! یہ ہے انکھیں بھار کر اسے دکھا پھر بحث کرنے والے انداز میں بولا۔
”تمہاری نظر میں جو کچھ تمہارے حلاوت نے کیا وہ محبت تھی۔ ارے جس سے تم محبت کرتے ہو اسے تم

اس سے محبت کریں نہیں رہی بلکہ کسی نور کے جوہر کے میں اس سے وہ سب کہہ رہی ہے جو وہ اس کے لیے نقل ہی نہیں کر رہی تو پھر محبت رہی کہاں؟ **آجائید** اچھے خاص جوش کے ساتھ بولا۔

”تو“ ”الپان نے اس کے پوچھنے پر خود بھی ٹھپک اسی طرح ہو چھاتو ملحد اسے ایسے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔“

”مگر کسی نے وجاہت کے ساتھ ایسا کیا ہوتا تو وجاہت اس لڑکی سے شادی کر لیتا۔“
 دیکھا مطلب ”قائد چوٹا۔“

”نور“ شادی نہیں کی تھی کچھ ٹائم لگا تھا اسے ماننے میں، لیکن وہی اور اجود چاہت نے کہا تھا کچھ دن گلیں گے

چلو کوئی بات نہیں۔ اس نے یہ سب محبت میں کیا۔ میرے نزدیک چاہے محبت میں کیا ہو چاہے نفرت میں۔

”میرے خیال سے تم ٹھیک کہہ رہے ہو حالانکہ جب پہلو بھی جاننے لے پڑا تھا تو مجھے تمہارا اہل کینسل کرنا غلط

44

11-10-53

۳۴ دور پھر تمہیں اس دوستی کو بحال کرنا بھی نہیں چاہیے اگر حرا اس کی زندگی سے نکل گئی ہو تو بات الگ تھی مگر اب۔۔۔ حامد کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر عجیب تہذیب کے عالم میں بولا۔

”خوش میں غلطی بھی اسی کی تھی۔“ اُمیہان فوراً جھولا۔
 ”غلطی تو بھی لیکن اب اس کے حل میں یہ خیال نہیں آتا ہو گا کہ۔“

”جائے گوارا نہ سے تمہارا کیا مطلب ہے کیا تم ہر داشت کر سکتے ہو۔“

”ایک ایک منہ کیا کا تم نے“ کیا ان نے روئی سے پوتے طار کو ہاتھ اٹھا کر ٹوکتے ہوئے پوچھا لیکن وہ اتنی

”میں سے پہلے کیا کہا تھا۔“ اہلیان نے پوچھا۔
 ”میں سے پہلے کیا کہا تھا۔“ حامد کو بالکل یاد نہیں تھا جیسی مہموں اچکاتے ہوئے پوچھنے لگا تو اہلیان نے ٹھیک

سہ ماہی

عائشہ انکار کا رواج جو سن ہو کیا تھا۔ بہت مشکل سے انہوں نے اپنے لہجے کو نارمل رکھنے ہوئے ایسے پوچھا تھا جیسے
 "اے عائشہ! تم کے چھٹے دوستوں سے غائب ہونے کے متعلق کچھ نہ جانتی ہوں۔"

جب پولیس اسے دو دن سے ڈھونڈ رہی ہے تب شاکی ماں اس کے گناہ کی لڑکیوں سے اس کے متعلق جانکاری

میں کرنا چاہتی تھیں جبکہ ندیہ کی مٹھنویں ایسے سکرنگی تھیں جیسے دھواں پر نور سے رنگ ہو۔

❖ 45 ❖

۴۵

”میں شاکہ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔“ اس نے جیسے خود سے پوچھا تھا عائنہ اختر کے لیے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا بڑے ضبط سے انہوں نے بہت ٹھہر ٹھہر کر پوچھا۔

”تمہیں کیسے پتا کہ شاکہ مر گئی ہے؟“
ان کے سوال پر ندیہ کا ریت کو دیکھتے ہوئے خود نکالی کے انداز میں بولی۔
”میں نے یہ دیکھا تھا اسے کرتے ہوئے اس کا جب پاؤں مڑا تھا تو وہ سر کے بل پیچے گری تھی اور موقع پر اس کی ٹانگہ ہو گئی تھی اتنا خون نکل رہا تھا اس کے سر سے۔“
عائنہ اختر کے پورے جسم پر جو نیلیں رہ گئیں انہیں لگ رہا تھا کمرے کا درجہ حرارت ایک دم حقیقی میں چلا گیا ہوا اور اسی لیے ان کے پورے وجود پر ایک کچی سی ہڈ ڈلنے لگی ہو۔
”کب۔ کب۔ کب سے گری تھی وہ اور تم نے کیسے دیکھ لیا؟“ ان کے حلق سے گواہ نہیں نکل رہی تھی۔

دوسری طرف ندیہ کے چہرے پر بھی ایسی الجھن موجود تھی جیسے خود اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو ان سوالوں کا کیا جواب دے۔

”وہ۔ شادیوں میں تھی یا تو وہ وہاں مر گئی تھی۔“
”کب لگی تھی؟“ عائنہ اختر نے ذرا تانت پر دانت جھاتے ہوئے پوچھا۔
”وہ۔ پتا نہیں کون سی جگہ تھی۔“ ندیہ کے چہرے سے صاف ظاہر تھا وہ اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کر رہی ہے مگر اسے یاد نہیں آ رہا۔
”کب لگی تھی؟“

”دونوں پہلے۔“ ندیہ فوراً بولی۔
عائنہ اختر کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔
”تم اتنے دنوں سے کالج نہیں جا رہی ہو۔“ عائنہ اختر اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو ندیہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

”کیا تم واقعی پیچھے کو اور نہیں جا کر بیٹھ جاتی تھیں یا۔“ عائنہ اختر نے دانت جھلے اور اچھوڑ دیا یا شاید جملہ پورا کرنے کی ان میں سکت نہیں تھی ورنہ ان کا ذہن سوچ کی پرواز پر سفر کرتے کرتے جانے لگا تھا۔

لیکن ندیہ نہیں سمجھ سکی کہ ان کے احوال کے بدلے کے پیچھے ان کا مطلب کیا ہے۔
”کو اور نہیں تھوڑی گوار کرنے اور اپنی محنت پر جاتی تھی کیونکہ مجھے پتا تھا کہ اگر میں نے آپ کو بتایا کہ میں کالج جانا نہیں چاہتی تب بھی آپ مجھے زبردستی بھیج دیں گی۔“ ندیہ کا لہجہ شکوہ کنال ہو گیا۔
اس کی ماں اتنا کچھ سننے کے باوجود اس پر بڑبڑنے کی بجائے اس کی بات سننے اور سمجھنے کی مشق تھیں یہ دیکھ کر ندیہ کو بڑی تقویت ملی تھی ابھی اس کے انداز میں زوٹھا پین آگیا تھا ورنہ اگر وہ یہ جان جاتی کہ اس کی ماں اس کے متعلق کیا سوچ رہی ہے تو اتنا برا اعتماد ہوتا تو بعد کی بات تھی پہلے تو وہ صدمے سے ہی تنگ رہ جاتی۔
عائنہ اختر بھی دم بہ خود رہی تھیں ایک طرف اگر وہ یہ سب سوچنا نہیں چاہ رہی تھیں تو دوسری طرف رخسار کے ساتھ کیا ندیہ کا وحشیانہ سلوک انہیں یہ سوچتے پر مجبور کر رہا تھا کہ ایسا ممکن ہے۔
”کیسے ندیہ نے یہی تو شاکہ کے ساتھ کچھ ایسا نہیں کر دیا کہ وہ وہاں سے غائب ہے۔“

لیکن کیا ان کی بیٹی کی ذہنی حالت اتنی خراب ہے کہ وہ کسی کا قتل کر دے اور کیا واقعی شاکہ کی موت واقع

ہو گئی ہے؟

اس سوال کے ذہن میں ابھرتی ہی انہیں جھرجھری سی آگئی وہ ندیہ کا کندھا پکڑتے ہوئے بولیں۔
”ندیہ تمہیں کیسے پتا کہ شاکہ مر گئی ہے کیا تمہاری شائستہ خالہ نے اسے مارا ہے؟“ ندیہ ان کے سوال پر

بری طرح چونکا اٹھی پورے بیٹنی سے انہیں دیکھنے لگی۔
عائنہ اختر اس کی نظروں میں چپے اندیشوں کو سمجھ گئی تھیں جیسی رسائی سے بولیں۔

”دیکھو ندیہ میں تمہاری ماں ہوں مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ تم اتنی دنوں سے کالج نہیں جا رہی۔ کسی سے تمہاری بات چیت نہیں ہوئی۔ گھر سے تم نکلتی تک نہیں۔ شاکہ دن سے گھر سے غائب ہے اور لوہر مگر کہہ رہی ہو کہ وہ دن پہلے وہ مر گئی اس کا پاؤں مڑا اور وہ کیسے مر گئی یہ سب تمہیں کیسے پتا کس نے بتایا؟“ عائنہ اختر کا لہجہ اگر نرم نہیں تھا تو تیز بھی نہیں تھا۔

انہوں نے حتی الامکان کوشش کی تھی۔ ندیہ سے محبت سے بات کرنے کی مگر وہ چاہے جتنا بھی دھار بکھا دیتیں اپنے لیے میں تیرے شک۔ کو نہیں چھپا سکتی تھیں۔

اور کی چیز ندیہ کو ٹھکانے پر مجبور کر گئی تھی وہ پریشانی سے انہیں دیکھنے لگی۔ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی تھیں یہ وہ بھی سمجھ گئی تھی۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ ان کے سوالوں کا جواب نہیں دے پارہی تھی۔ اسے جیسے جیسے ”نہیں پتا تھا کہ وہ کیسے جانتی ہے۔“

”شاکہ مر گئی ہے؟“

”وہ کب لگی تھی؟“

”اس کا پاؤں کب مڑا تھا؟“

”وہ کب لگی تھی؟“

”کو اور کب اس کی موت ہو گئی؟“

ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔
جتنی دیر وہ خاموش رہی اتنی دیر عائنہ اختر کی سوالیہ نظریں اس پر رہیں وہ ان کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی تھی مگر اب تو صرف ان کی یہ نظریں خود پر سے ہٹا سکتی تھی اور اس کے لیے اسے جو سمجھ میں آیا اس

لے وہ کہہ دیا۔
”یہ سب شائستہ خالہ نے نہیں بتایا۔ اور نہ ہی انہوں نے کچھ کیا ہے وہ تو میں نے۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا۔“ ندیہ کی بات پر عائنہ اختر جو پورا سے سن رہی تھیں۔ بری طرح چونک گئیں۔

”خواب میں۔“ انہوں نے ابھی سے پوچھا۔
”جیسی۔“ ندیہ نے نظریں جھکا لیں۔

عائنہ اختر کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں آخر گری سانس کھینچتی اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔
ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا انہیں اب کیا کرنا چاہیے ایک طرح سے ندیہ سے کچھ بھی کہنا سننا بے کار تھا

انہیں جو کچھ بھی کہنا تھا اب اس کی ڈاکٹر سے کہنا تھا۔
چنانچہ اپنے کمرے میں آتے ہی انہوں نے ڈاکٹر کھلیکا کا نمبر لایا اور ان سے ملنے کی اپنا نمٹ لے لی ندیہ کے

کمرے سے نکلتے پہلے انہوں نے سارے اسکیچز بھی اٹھا لیے تھے۔
ندیہ انہیں وہ کاغذات لے جا تا دیکھ کر مضطرب تو ہوئی مگر اس خیال سے کچھ نہیں بولی کہ وہ کچھ کہے گی تو

عائشہ اختر بحث کریں گی جبکہ وہ اس وقت ان سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا اس وقت وہ اس کے پاس سے چلی جائیں۔
ان سے بات کر کے کافی الجھ مچی تھی لہذا وہ اس وقت بالکل تھکا رہا تھا جتنی تھی۔
وہ سری طرف عائشہ اختر کا بھی زور دینے کی باتیں سن کر ذہن اس قدر منتشر ہو گیا تھا کہ وہ اس سے مزید اس ٹانگہ پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں ان کا ارادہ تو بالکل اختر کو بھی کچھ جانے کا نہیں تھا۔ انہوں نے اکثر شکلیہ کو بھی منع کر دیا تھا۔
البتہ ڈاکٹر شکلیہ نے وہ ایک سچے دیکھنے پر اصرار کیا تھا اور عائشہ اختر خود بھی وہ پلندہ ڈاکٹر شکلیہ کو دکھانے کے ارادے سے ہی کرے سے لے کر نکلی تھیں۔ مگر ڈاکٹر شکلیہ نے ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ وہ کل زور دینے کے ساتھ کھینک آئیں وہ زور دینے سے مل کر بات کرنا چاہتی ہیں اور انہوں نے فی الحال زور دینے کو کالج بھیجنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

عظمت ظلیل کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر نمل فوراً "نیوئی آف کر کے اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔
"سلام علیکم۔" نمل کے سلام کرنے پر وہ رک کر اسے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں کیا بات ہے۔
انہوں نے اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا ان کے درمیان عموماً "زیادہ بات چیت نہیں ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کو بھی مخاطب کرتے تھے جب کوئی اہم موضوع پر گفتگو کرنی ہو۔
لہذا اس کے سلام کرتے ہی وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"وہ جو حشام نام کے لڑکے۔"
"ہاں میں نے پتا کر لیا ہے۔" نمل کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ عظمت ظلیل کی چوری پر بل پڑ گئے اسی لیے وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

"ہاں کوئی خاص مسئلہ تھا ہی نہیں میرے فون کرنے پر اسے فوراً چھوڑ دیا گیا وہ لڑکا کھرچا گیا ہے بلکہ میں نے ان کے گھر کچھ پیسے بھیجو دیے ہیں تاکہ کچھ عرصے کے لیے وہ لوگ یہاں سے دور چلے جائیں۔
پولیس والوں سے دشمنی مول لینا ٹھیک نہیں ہے وہ اسے کسی اور کہیں میں بھی بھجوا سکتے ہیں۔ وہاں بیٹی حشام کو لے کر آج ہی اس شہر سے دور چلے گئے ہیں جب بات پرانی ہو جائے گی تو وہ لوٹ آئیں گے۔" عظمت ظلیل نے تلے لہجے میں بولے۔

"نمل کے اندر تک سکون اتر گیا ایک بل کے لیے بھی اسے خیال نہیں آیا کہ عظمت ظلیل اس سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس کے والد کی اتنی جان پہچان تھی کہ ان کا ایک ہی دن میں اتنے سارے کام سرانجام دے دینا کوئی مشکل عمل نہیں تھا اس لیے شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی جبکہ وہ سری طرف عظمت ظلیل نمل کو اس سارے معاملے سے بالکل الگ رکھنا چاہتے تھے۔

ان میں بیٹی کے شہر سے چلے جائے گا کہ بھی انہوں نے اسی لیے کیا تھا کہ کہیں نمل ان کے بیٹے کے واپس آجائے پر انہیں مبارکباد دینے ان کے گھر نہ پہنچ جائے۔
انہوں نے چونکہ دار کو بھی سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ کسی کو بھی نمل سے شے ملنے دیا جائے اور خاص طور پر ان میں بیٹی کو تو بالکل نہیں۔
وہ اگر گھر آئیں تو کہہ دیا جائے نمل شہر سے باہر مچی ہوئی ہے وہ کسی قسم کی بد مزگی نہیں چاہتے تھے۔ خواہ مخواہ

نمل ان سے بحث کرے ایسی کسی درد سری میں پڑے گا ان کا بالکل موٹ نہیں تھا۔
سوان کی ٹواہل اور یقین کے مطابق نمل فوراً مطمئن ہو گئی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
وہ جلد از جلد رو میلہ اور سنسٹل کو یہ خبر سناتا چاہتی تھی۔ چنانچہ پہلے اس نے سنسٹل کو فون کر کے حشام کے گھر لوٹ جانے کی اطلاع دی پھر رو میلہ کو فون کر کے بتایا تو وہ سنسٹل جیسی خوشی کا اظہار نہ کر سکی۔
"کیا ہوا رو میلہ تم ٹھیک تو ہو؟" نمل نے فوراً ہی محسوس کر لیا۔
"ہاں ٹھیک تو ہوں جس ایک الجھن سی ہے۔" رو میلہ کا انداز سوچنا ہوا سا تھا۔
"کیسی الجھن؟"

"میں نے جیسے بتایا تھا ابھی میں نے کسی گلفام کا ذکر کیا تھا۔"

"ہاں تو۔" نمل ایک دم چوکی ہو گئی۔

"مجھے لگا ہے ابا اور ابراہیمانی اس رشتے پر سیدھلی سوچ رہے ہیں۔" رو میلہ کے کہنے پر نمل بے اختیار بولی۔

"کیا انہوں نے تم سے کوئی بات کی۔"

"نہیں مجھے تو کوئی کچھ بتایا نہیں رہا۔ بس خود ہی میرے کھن میں ایک دو الفاظ پڑ گئے ہیں ورنہ مجھ سے تو اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کر رہا۔" رو میلہ کے اچھے ہوئے انداز پر نمل بھی الجھتے ہوئے بولی۔
"تو اپنی پریشانی کی کیا بات ہے رشتہ کرنے سے پہلے تم سے پوچھیں گے تو ضرور کوئی بغیر پوچھے تھوڑی کر دیں گے تم تو اس طرح فکر مند ہو رہی ہو جیسے کہیں کھٹ منٹ ہو تمہاری۔"

"نمل میں نے ابا کو ابراہیمانی سے کہتے سنا ہے کہ کینڈا اور بے کس کی پریمانی بھی یاد دہوری رہ جائے گی۔ اب غامری بات ہے یہ سب میرے بارے میں ہی کہا جا رہا ہو گا اور اگر میرا یہ اندازہ صحیح ہے تو میری تعلیم بھی پھوٹے گی اور تم سب بھی پھوٹ جاؤ گے۔ امریکہ اور کینیڈا سے روز تو کوئی آتا نہیں ایک بار چلو تو آگے چار پانچ سال تک کے لیے سب کی شکلوں پر قل بڑھ دو۔" رو میلہ کی بات کو نمل فوری طور پر رد نہ کر سکی۔
وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ لیکن لڑکیاں شادی ہو کر دور دور جگہوں پر جاتی ہی ہیں مگر رو میلہ کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے تو یہ کچھ الگ تھا تو نہیں۔

اسی لیے نمل تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

"تو پریشان مت ہو رو میلہ جو ہو گا اچھا ہی ہو گا پریشانی تمہاں جا کر کر لیا اور رہا سوال ہم سب سے دور جانے کا تو یہ حالات پر ڈھب نہ کرتا ہے اگر شوہر اچھا نہ ہو تو لڑکیاں ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے اپنے گھر والوں کی شکلوں کو ترس جاتی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ لڑکا کیسا ہے کتنا پرمنا لکھا ہے اور کر آیا ہے اگر یہ سب چیزیں ٹھیک ہیں تو بلاوجہ کی سوچوں کو ذہن میں جبکہ نہیں دینی چاہیے۔"

"ہوں بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔" نمل کے اتنے رسائییت سے کہنے پر رو میلہ جیسے زبردستی بولی جس کا اندازہ بھی نمل کو فوراً ہو گیا۔ بھی مزید کہنے لگی۔

"اور پھر کوئی بھی فیصلہ پھر ابراہیمانی تمہاری مرضی کے بغیر تھوڑی کریں گے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" رو میلہ کا ذہن کسی حد تک ہلکا ہو گیا تو ان دنوں نے اوہرا دھر کی چند باتیں کر کے فون بند کر دیا۔

اور پھر کافی دن گزر گئے مگر ابراہیمانی یا بھابی نے کسی قسم کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا خود رو میلہ تک اپنی پریمانی میں سب کچھ بھول بھال گئی مگر کبھی خیال آتا بھی تو بھی یہی لگا کہ شاید ابا غیور کی مرضی نہیں ہوگی جو بات آگے

”جس نے جب سے یہ پیسے چرائے ہیں مجھے ایک پل بھی سکون نہیں ملا ہے میں بہت تھکی فعل کرتا رہا ہوں“ بلکہ اپنے فعل کے غلط ہونے کا احساس تو مجھے وہیں ہو چل میں ہی ہو گیا تھا۔ جیسی تو میں تمہارا پل پہ کمرے کیا تھا اور تم نے میرے بارے میں اتنا صحیح اندازہ لگایا تھا کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ ”خرم جیسی آپ سبکی سے بول رہا تھا

وہ اتنی تمیز سے بات کر رہا تھا بلکہ معذرت کر رہا تھا اور یہ ہے کہ اس کے دل بھی نہیں ملتے، نہٹھلے ہی اس کی

کتابت: مکتبہ عمران و انجست، 37 - اردو بازار، کراچی، نمبر: 32276351

معذرت کے پیچھے شرمندگی کی بجائے اپنا متعدد محرک تھا مگر ظاہر تو وہ پیشین ہی نظر آ رہا تھا اس لیے اب کی بار خرم بھی قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”جب میں کہہ رہا ہوں کہ اس میں اٹھارہ ہزار ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ میرے ہیں۔“
میں اتنا غریب نہیں ہوں کہ اتنی معمولی سی رقم نہ دے سکوں۔ نہیں اگر نہیں چاہیں تو غریبوں میں بانٹ دو۔
کیونکہ میں اگر ایک بار کوئی چیز دے دوں تو میں واپس نہیں لیتا۔“ خرم اپنے اڑی خود سر بچے میں بولا۔ حالانکہ وہ اسی ارادے سے آیا تھا کہ آج نکل سے اتنے مذہب انداز میں بات کرے گا کہ اس کے دل میں موجود ساری کمزوریں دھل جائیں۔

مگر نکل کا روکھا پیر کا انداز دیکھ کر خرم کے لیے اپنے فیصلے پر قائم رہنا مشکل ہو گیا تھا۔
”میں بھلا ان پیسوں کو غریبوں میں کیوں بانٹوں گی میرا حق ہے ان پر۔ لیکن تم ایک بار یہ لفافہ کھول کر دکھاؤ۔“
پھر میں اسے لے لوں گی۔“ نکل بھی اپنے اڑی خود اعتمادی سے بولی تو خرم کے چہرے پر حیرانی پھیل گئی۔
اس نے پہلے سے ہی سوچ رکھا تھا کہ نکل جب یہ لفافہ کھولنے لگے گی تو وہ اسے روک دے گا کہ گھر جا کر کھوٹا“
مگر یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ نکل خود اسی سے کھولانے کی بات کر دے گی۔
”کیا ہوا اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟“ نکل نے زبردست مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اس کی مسکراہٹ پر بلکہ طنز مسکراہٹ پر خرم کا خون کھول اٹھا۔ اسے وہ نہ کر اپنے اوپر غصہ آ رہا تھا کہ کیوں اس نے نکل کے ساتھ ظلم کرنے کی شرط لگائی اس لڑکی سے تو وہ جھوٹ موٹ میں بھی اطمینان محبت نہیں کر سکتا وہ پہلے ہی اپنے آپ کو کوئی توپ چڑ بھتی ہے خرم کی نظر القات پر تو اس کا دماغ ہی گھوم جائے گا۔

بے شک یہ خوش خمی کچھ دنوں میں دور بھی ہو جائے گی مگر تب تک وہ ایسے ہی اترا رہے گی۔
”اس لفافے میں کوئی تم نہیں ہے جو تم اتنی خوف زدہ ہو رہی ہو۔“ خرم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
”مگر کوئی تم نہیں ہے تو پھر کھول کر کیوں نہیں دکھا دیتے۔“ نکل کا لہجہ ہنوز تھا۔ خرم لب بچھے نکل کو دکھاتا رہا جس کا بھرپور اعتماد ایک بل کے لیے بھی خرم کے سامنے ڈنگا نہیں تھا۔

حالانکہ اس کی شخصیت ایسی تھی کہ لڑکیوں کو کیا لڑکے بھی اس کے سامنے کھڑے ہو کر زوریں ہو جاتے تھے اور یہ لڑکی بچے کو بٹانے پر بجائے اس کی اس کی احسان مند ہوتی ایسے دھونس جاری تھی جیسے خرم حسن نہیں کوئی ایکس ڈائی ٹیڈ ہو۔

خرم چپ چاپ اسے دکھاتا رہا جو اسے شکر نظروں سے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے وہ ابھی لفافہ اٹھا کر اسے کھولنا شروع کر دے گا۔

”کیا بات ہے آپ کا دھیان ناشتے میں نہیں ہے۔“ بلال اختر کے ٹوکے پر عائشہ اختر نے کب سے ہاتھ میں پکڑا جائے گا کپ جلدی سے ہونٹوں سے لگا لیا۔

ان کا دھیان واقعی ناشتے میں نہیں تھا۔ مگر یہ بات بلال اختر پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں اسی لیے لٹھڑی ہو جانے والی بد مزاجی بھی انہوں نے ایسے حلق سے اتاری جیسے چائے کے لٹھڑے ہونے کا ہی انتظار کر رہی تھیں۔

”کوئی بات ہے تو بتا دیں۔ اتنی چپ چپ کیوں ہیں۔“ بلال اختر نے پھر پوچھا۔

✽ 52 ✽

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی تلاوت یا بات در احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔
ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن معلومات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے سے مطالعہ کرنے سے محفوظ رکھیں۔

”نہیں تو۔ بات تو کوئی نہیں جس سر میں درد ہے۔“ بلال اختر نے سرسری انداز میں کہا۔
عائشہ اختر اس سوال کے لیے پہلے سے تیار تھیں پھر بھی زور سے کا خیال آتے ہی ایک بل کے لیے ان کی زبان بالواسطہ چمک گئی۔

”اس کے کالج میں آج کوئی کنکشن وغیرہ ہے، زور سے کا پیش کی طرح جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ عائشہ اختر کی بات پر بلال اختر نے کوئی تبصرو نہیں کیا کہ بھی ان کا لازم کارڈ ایس سے چلا لیا۔

”میں تم آپ کا فون ہے۔“
”آج صبح صبح۔“ بلال اختر نے تعجب سے انہیں دیکھا تو انہوں نے بغیر کچھ کہے کارڈ ایس کلن سے لگا لیا۔
دوسری طرف ڈاکٹر شکیلہ موجود تھیں۔ عائشہ اختر کی آج شام کی اپائنٹمنٹ تھی پھر اس وقت لن کا فون آنا عائشہ اختر کے پریشان حال دل کو مزید ہولا گیا تھا۔

”کیا بات ہے نسب خیریت تو ہے۔“ وہ ان کے سلام کا جواب دینے کی بجائے جھوٹے ہی بولیں۔
”خیریت کہاں ہے۔ آپ نے آج کا اخبار دیکھا۔“ دوسری طرف سے ڈاکٹر شکیلہ کا جملہ عائشہ اختر کو اس بارخیز کرنے کے لیے کافی تھا۔

”نہیں۔ کیوں۔“ اتنی گھبراہٹ میں بھی انہیں بلال اختر کی موجودگی کا یا خفیہ احساس تھا۔ چنانچہ وہ اپنی بکھری حالت کو سمیٹنے رہنے پر مجبور تھیں۔

”خبر میں خبر تو ہے ماؤرن کر لڑ کالج میں پڑھنے والی انہیں سالہ دشا کی لاش ایک گیزٹ میں سے برآمد ہوئی ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ لڑکا ڈھکنا کھلا ہونے کے باعث لڑکی غلطی سے اس میں جا کر رہی تھی اور اسی بل سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اس کی لاش علاقے کے لوگوں کی شکایت پر تین دن بعد برآمد ہوئی ہے جس کے باعث چہرے کی شناخت نہ ہو سکی مگر اس کے پاس سے ملنے والا پرس اس کی شناخت کا سبب بنا ہے۔“ ڈاکٹر شکیلہ کھتی چلی گئیں۔

عائشہ اختر نے ان کے ساتھ انہیں سنتی رہیں۔ جب زور سے انہیں دشا کے متعلق بتایا تھا انہیں تو بھی یقین آ گیا تھا کہ یہ سب ج ہے پھر بھی اس خبر سے نئے سرے سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔
”ہیلو سن بلال آپ سن رہی ہیں نا۔“ ڈاکٹر شکیلہ کی گھبراہٹ ہوئی تو زور سے انہیں سے ابھر رہی تھی مگر عائشہ اختر کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔) ✽ ✽

✽ 53 ✽

ہستہ کھڑکی

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ فوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ فوزیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

گیارہویں قسط



عائشہ اختر ہوتے ذہن کے ساتھ کارڈ لیس پکڑے بیٹھی رہیں دوسری طرف ڈاکٹر شکیلہ مسلسل ہیلو ہیلو کی تکرار کر رہی تھیں۔

بلال اختر جو اتنی صبح صبح کال آنے پر ناشتے سے ہاتھ روکے انہیں ہی دیکھ رہے تھے انہیں سکتے میں جانا دیکھ کر ان کا کندھا ہلاتے ہوئے پوچھنے لگے۔

”عائشہ کیا بات ہے آپ ٹھیک تو ہیں؟“ وہ تو پہلے ہی انہیں ٹھیک نہیں لگ رہی تھیں اب فون میں ان کا اس طرح ساکت ہو جانا بلال اختر کو پریشان کر گیا تھا۔

بلال اختر کے پوچھنے پر عائشہ اختر خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

آخر بلال اختر نے برداشت نہ ہو اور انہوں نے کارڈ لیس عائشہ اختر کے ہاتھ سے چھین کر کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف ڈاکٹر شکیلہ کی آواز سن کر جہاں وہ چوکے تھے وہیں ڈاکٹر شکیلہ کو بھی ان کی موجودگی کا علم ہوتا ہی ایک دم بریک لگ گیا تھا۔

”کیا بات ہے ڈاکٹر۔ آپ نے اتنی صبح صبح کیوں فون کیا ہے؟“ بلال اختر بری طرح پریشان ہو گئے۔

ڈاکٹر شکیلہ کی سمجھ میں نہیں آیا فوری طور پر کیا جواب دیں۔

عائشہ اختر نے انہیں جو کچھ بھی بتایا تھا وہ سب بلال اختر کو بتانے سے منع کر دیا تھا خود وہ بھی بلال اختر کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

ان کا بھی یہی خیال تھا بلال اختر کو زہریہ کی حالت کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے کم از کم تب تک جب تک وہ خود ایک بار زہریہ سے مل کر بات نہیں کرتی۔

”آل۔ مسٹر بلال۔ آپ ذرا مسٹر بلال کو فون دیجئے گا۔“ وہ ٹالنے والے انداز میں بولیں۔

”نہیں پہلے آپ مجھے بتائیں آخر ہوا کیا ہے۔“ بلال اختر کو ان کی ٹال مٹول پر غصہ آگیا عائشہ اختر ان کا بگڑا ہوا انداز دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بلال اختر سے کارڈ لیس کیسے لیں۔

”بات کچھ نہیں ہے۔ مجھے آپ۔۔۔ ان سے کچھ پوچھنا تھا وہ شاید اپنا نمٹ لیتا چاہ رہی تھیں اور میں آج شام شہر سے باہر جا رہی ہوں اس لیے میں نے سوچا انہیں بتا دوں وہ ابھی آجائیں تو زیادہ اچھا ہے۔“ ڈاکٹر شکیلہ بہت سوچ سوچ کر بولیں۔

”لیکن وہ آپ کے پاس آنا کیوں چاہتی ہیں؟“ بلال اختر بھلا کہاں مطمئن ہوتے یہ اور بات تھی کہ اس وقت تک عائشہ اختر نے بھی خود کو کمپوز کر لیا تھا فوراً بولیں۔

”وہ۔۔۔ بلال جانا تو ضروری نہیں ہے۔ کچھ بات کرنی تھی اور بس۔۔۔ آپ فون اوہر دیں نا۔“ انہوں نے چھیننے کے انداز میں ان سے فون لے لیا۔

بلال اختر الجھے ہوئے انداز میں ان کا رویہ اور حرکتیں دیکھتے رہے البتہ بولے کچھ نہیں کیونکہ عائشہ اختر تیز تیز کہہ رہی تھیں۔

”ڈاکٹر شکیلہ میں آپ کو بعد میں فون کرتی ہوں۔“

”جی جی میں انتظار کر رہی ہوں۔“ دوسری طرف ڈاکٹر شکیلہ نے بھی فوراً سمجھتے ہوئے لائن کاٹ دی۔

”آخر ہوا کیا ہے کچھ بتائیے تو چلے؟“ عائشہ اختر آف کا بٹن پریس کرتے ہوئے جیسے ہی انہیں بلال اختر جج ہو کر بولے۔

”کچھ نہیں ہوا ہے آپ کچھ زیادہ ہی دخل دینے لگے ہیں ہر بات میں۔ میں بات کر رہی تھی آپ نے کارڈ لیس

چھین لیا۔“ عائشہ اختر سے جب کوئی معقول بہانہ نہیں ملتا تو انہیں غصہ آگیا۔

”آپ بات کہاں کر رہی تھیں آپ کو تو سکتہ ہو گیا تھا۔“ بلال اختر اعتراض کرتے ہوئے بولے تو عائشہ اختر جان بوجھ کر بغیر کچھ کے کمرے سے نکل گئیں۔

وہ زہریہ سے بات کرنا چاہ رہی تھیں مگر بلال اختر کے جانے کے بعد۔ وہ پہلے ہی مشکوک ہو رہے تھے لہذا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بلال اختر کے کان میں ذرا سی بھی بھٹک پڑے ان کے اور زہریہ کے مابین ہوئی گفتگو کی۔

مگر ان کے جانے کے بعد جب عائشہ اختر نے اخبار میں سے وہ خبر نکال کر پڑھی اور زہریہ کے سامنے اخبار لے جا کر رکھا تو حسب سابق زہریہ کے پاس ان کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”میں۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتی ماما۔ مجھے یہ پتا ہے کہ فطاشہ کے مرنے سے اس کے سر میں چوٹ لگی اور اس کی موت واقع ہو گئی باقی مجھے یہ سب کیسے پتا ہے مجھے خود بھی نہیں معلوم پتا۔“ زہریہ رو بہائی آواز کے ساتھ بولی۔

عائشہ اختر کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہیں پھر سیٹ لیجے میں بولیں۔

”جلدی سے تیار ہو جاؤ میں تمہیں ڈاکٹر شکیلہ کے پاس لے جا رہی ہوں۔“ زہریہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی وہ جانتی تھی کچھ بھی کہنا بے کار ہے انہوں نے اگر اسے اپنے ہاتھ لے جانے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ اسے لے کر ضرور جائیں گی وہ مل ہی مل میں ہر اسٹاپ ہونے کے باوجود کپڑے بدلنے اٹھ گئی۔

راستے بھر اس کا دل سوکھنے پتے کی طرح لرزتا رہا کیونکہ راستے بھر عائشہ اختر موبائل پر کسی نا کسی سے محو گفتگو رہیں۔

اتنا اندازہ تو زہریہ کو ہو گیا تھا کہ وہ فطاشہ کی موت کی تفصیلات پتا کر رہی ہیں انہوں نے زہریہ کے کالج کی رنیل اور ایک دو پیرز کو فون کیا تھا لیکن انہیں کیا پتا چلا یہ زہریہ جاننے سے قاصر تھی کیونکہ دوسری طرف کی طرف سے گفتگو سے سنائی نہیں دے رہی تھی اسے تو بس عائشہ اختر کے تاثرات نظر آ رہے تھے جو بہت زیادہ سنجیدہ اور ناقابل شک شک تھے۔

ایک دو بار انہوں نے بات کرتے ہوئے بڑی گہری نظروں سے زہریہ کو دیکھا تھا جس سے زہریہ کے خوف میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اسی لیے ڈاکٹر شکیلہ کے شاندار کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر شکیلہ بھی اسے دیکھ کر معمول کی طرح مسکرائی نہیں تھیں بلکہ انہوں نے صرف مسکرائے کی کوشش کی تھی جس کے جواب میں زہریہ ایسی کوئی کوشش بھی نہ کر سکی اور پیشے کی نیبل کے سامنے رکھی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”مسٹر بلال آپ باہر بیٹھیں میں پہلے زہریہ سے بات کر لوں۔“ ڈاکٹر شکیلہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

”آل۔۔۔ پہلے آپ میری بات سن لیں۔“ عائشہ اختر نے قدرے بے چینی سے کہا تو ڈاکٹر شکیلہ ایک نظر زہریہ کو دیکھتیں اٹھ کر ان کے نزدیک چلی آئیں۔

وہ دونوں زہریہ سے قدرے ہٹ کر دواڑے کے قریب کھڑی ہو کر بات کرنے لگیں عائشہ اختر گھبرائے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

”میری زہریہ کے کالج کی رنیل سے بات ہوئی ہے انہوں نے ذاتی طور پر مجھے اس حادثے کے بارے میں بتایا ہے جو اخبار میں نہیں چھاپا وہ کہہ رہی تھیں۔“ عائشہ اختر کافی دیر سے آواز میں بول رہی تھیں اس کے باوجود زہریہ کو سب سنائی دے رہا تھا اور شاید ڈاکٹر شکیلہ کو بھی یہ اندازہ ہو گیا تھا ابھی وہ انہیں روکتے ہوئے بولیں۔

”مسٹر بلال آئیں ہم دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔“ ڈاکٹر شکیلہ کہنے کے ساتھ ہی دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ زہریہ کی گھبراہٹ سوا ہو گئی۔

37

پتا نہیں عائشہ اختر کو کیا بات پتا چلی تھی۔
اس کا دل چاہا وہ ان کے پیچھے جا کر ان کی بات سنے مگر اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی پاتی لیکن بغیر گئے بھی اسے علم تھا جو بھی بات ہو رہی تھی اس کے حق میں نہیں اس کے خلاف ہو رہی ہوگی۔
اور واقعی عائشہ اختر نے دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مجھے یقین ہے نطاشہ کو زہر دینے ہی مارا ہے۔“ ڈاکٹر شکیلہ ان سے ایسے ہی کسی بیان کی توقع کر رہی تھیں تبھی کچھ بولے بغیر ان کی بات پوری ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔

”نطاشہ کی پرنسپل کلینک ہے۔ نطاشہ اکثر کالج کے بہانے گھر سے کہیں اور چلی جایا کرتی تھی۔ اس دن بھی وہ کالج اور زمین ہی سی دیو چلی گئی تھی شاید اس کے ساتھ کوئی لڑکا بھی تھا۔

جس کے ساتھ دوبارہ بچے تک وہیں تھی پھر اپنی گاڑی میں گھر جانے لگی تو راستے میں ایک شاب پر رکی تھی اور وہیں کسی گڑھے میں وہ پاؤں مڑ جانے کی وجہ سے گر گئی۔“ ڈاکٹر شکیلہ چپ چاپ عائشہ اختر کو سنتی رہیں جو تو اتر سے کہہ رہی تھیں۔

”سناڑھے بارہ پا۔ ایک بچے کے قریب نطاشہ کی موت ہوئی ہے زہر یہ اس ٹائم پر گھر پر نہیں تھی اس کا کہنا ہے وہ کوارٹر میں ہوتی تھی لیکن مجھے پتا ہے وہ نطاشہ کا پیچھا کرتی ہوگی۔

جب نطاشہ اس شاب کے سامنے اتری ہوگی تب زہر دینے ہی اسے گڑھے میں دھکا دیا ہوگا۔“ عائشہ اختر بے چینی سے انگلیاں چٹکانے لگیں تو ڈاکٹر شکیلہ جو خود اسی قسم کی باتیں سوچ رہی تھیں انہیں تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

”دیکھیں یہ سب صرف اندازے ہیں جو پرنسپل نے کہے ہیں ہو سکتا ہے وہ کسی لڑکے سے ملنے جاتی ہو لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ اس دن بھی گئی ہو اور ضروری نہیں کہ اس شاب پر وہ کچھ لینے ہی اتری ہو۔“
”اس شاب کے سامنے نطاشہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس لیے پولیس نے یہ اندازہ لگایا ہے لیکن کالج کی اور نطاشہ کے گھر والوں کی بدنامی نہ ہو اس لیے اخبار والوں کو یہ چھاپنے سے روک دیا گیا کہ یہ حادثہ کس وقت پیش آیا۔

کیا اثر بڑے گا لوگوں پر جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ کالج کے اوقات میں کہیں اور گئی ہوئی تھی۔ اور مجھے اس بات سے کوئی سروکار بھی نہیں ہے کہ وہ کہاں گئی اور کس کے ساتھ گئی۔

میں آپ سے صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ یہ سب اسی بیچ ہوا ہے جس وقت زہر دینے کے عتاب ہوتی تھی اور مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سب زہر دینے ہی کیا ہے۔“ عائشہ اختر زچ ہو کر بولیں تو ڈاکٹر شکیلہ انہیں ٹھنڈا کرنے کے لیے رسائیت سے کہنے لگیں۔

”جی۔۔۔ جی میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔ میں نے تو ایسے ہی ایک بات کہی تھی۔ ہمیں واقعی اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کہاں گئی تھی اور کس کے ساتھ گئی تھی ہمارے پیش نظر صرف ایک بات ہے کہ نطاشہ کی جس وقت موت ہوئی ہے زہر دینے اس وقت خود بھی عتاب تھی۔

بچ بچیں تو خبر پڑھتے ہی میں نے آپ کو اسی لیے فون کیا تھا کہ میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا۔ مجھے لگتا ہے زہر یہ split personality کا شکار ہے۔“ ڈاکٹر شکیلہ پر سوچ انداز میں بولیں۔

عائشہ اختر پچھلی پچھلی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔
”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ وہ آپ سے جھوٹ نہیں بولتی کہ میں کالج جانے کی بجائے سرونٹ کوارٹر میں جا بیٹھی تھی۔

بلکہ اسے خود ج کا پتا نہیں ہوتا جب تک وہ زہر دینے سے تپ تک وہ جو کچھ کرتی ہے اسے یاد رہتا ہے لیکن جب شائستہ کی شخصیت اس پر حاوی ہو جاتی ہے تب وہ جو بھی کرتی ہے اسے یاد ہی نہیں رہتا اس لیے اسے خود نہیں معلوم ہو گا کہ اس نے نطاشہ کو دھکا دیا ہے جبھی وہ آپ کو اس سوال کا جواب نہیں دے پارہی کہ وہ یہ کیسے جانتی ہے کہ نطاشہ کہیں گر گئی ہے اور اس کی موت واقع ہو گئی ہے۔

تھیک یہی حرکت اس نے رخسار کے ساتھ کی تھی تب بھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے شائستہ نے زخمی کیا ہے جبکہ اس کا سر زمین پر زہر دینے خود ہی مارا تھا۔“ ڈاکٹر شکیلہ نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

عائشہ اختر بے چینی سے ان کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔
”تو پھر آخر اس کا حل کیا ہے۔ کیا وہ اسی طرح سب کو مارتی پھرے گی۔“

”یہی تو میں سوچ رہی ہوں اگر کسی حالت رہی تو مجھے اسے سینٹرل ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔“
”جی۔“ عائشہ اختر کی آنکھیں پھیل گئیں تو ڈاکٹر شکیلہ فوراً بولیں۔

”میں خود نہیں چاہتی کہ ایسا ہو اس طرح اس کی حالت منظر عام پر آجائے گی لڑکی ذات ہے وہ ایک بار سینٹرل کیس یا سائیکو کال دھکا لگ گیا تو۔ مگر میری بھی مجبوری ہے میں ایسے کیس میں ہیشنٹ کے ساتھ زیادہ تعاون نہیں کر سکتی جو دوسروں کے لیے خطرہ ہو۔“

”نہیں نہیں ڈاکٹر ایسا مت کہیں۔ میں تو کسی کو منہ نہ کھانے کے قائل نہیں رہوں گی۔ میری بیٹی پاگل خانے میں۔“ عائشہ اختر کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

مگر اس بار ڈاکٹر شکیلہ نے انہیں تسلی نہیں دی بلکہ سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگیں۔
”آپ اور کیا ایکسیپٹ کر رہی ہیں ایک طرف آپ کو خود ہی لگ رہا ہے کہ زہر دینے نطاشہ کو مارا ہے تو ایسی گندہ نشن میں ہم اسے کھلا تو نہیں چھوڑ سکتے۔“

”لیکن ڈاکٹر کوئی اور سلوشن بھی تو ہو سکتا ہے۔“ عائشہ اختر کے پاس جرح کرنے کے لیے کوئی نکتہ نہیں تھا وہ فوراً مفاہمت بھرے انداز میں بولی۔

”ایک سلوشن بتایا تو تھا مگر آپ نے اس پر عمل ہی نہیں کیا اور اب تو مجھے لگ رہا ہے اس پر عمل کرنے کا فائدہ بھی نہیں۔“

زہر یہ split personality (دوہری شخصیت) کا شکار ہے وہ اب اس سے باہر نہیں آسکتی۔“
ڈاکٹر شکیلہ اس بار کچھ زیادہ ہی مایوس لگ رہی تھیں اور ان کا اس طرح دلبراشتہ ہونا عائشہ اختر کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔

”کون سا مشورہ دیا تھا آپ نے جس پر میں نے عمل نہیں کیا۔“ عائشہ اختر کے پوچھنے پر ڈاکٹر شکیلہ نے قدرے تلخ ہوتے ہوئے کہا۔

”میں نے کہا تھا اس کی شادی کرویں یا اسے کہیں گھمانے پھرانے لے جائیں۔“
”ڈاکٹر یہ دونوں کام میرے اختیار سے باہر ہیں یہ سب بلال کی مرضی سے ہی ہو سکتا ہے اور بلال ان دونوں باتوں کے لیے تیار نہیں ہیں۔“ عائشہ اختر بے بسی سے بولیں۔

”جو کچھ نطاشہ کے ساتھ ہوا ہے وہ مسٹر بلال کو بتادیں وہ فوراً سے بہشت تار ہو جائیں گے۔“ ڈاکٹر شکیلہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔

عائشہ اختر کے چہرے پر پھیلے ہراس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

”یہ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ڈاکٹر۔“

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ یہ سب بلال اختر کے علم میں ہونا بہت ضروری ہے۔“

آپ کیوں یہ سب ان سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں زوبیہ جتنی آپ کی بیٹی ہے اتنی ہی بلال اختر کی بھی اولاد ہے۔ اب اگر ایک بیماری آپ دونوں کی اولاد میں موجود ہے تو وہ چھپانے سے ٹھیک تو نہیں ہو جائے گی نا۔ ڈاکٹر شکیلہ کے ناراض لہجے پر عائشہ اختر کچھ بول تو نہ سکیں مگر ان چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا وہ ان سے متفق بھی نہیں ہیں۔

ڈاکٹر شکیلہ کچھ دیر ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہیں پھر کھڑی ہوتے ہوئے بولیں۔

”فی الحال میں زوبیہ سے بات کرنے جا رہی ہوں گھر جاتے ہی آپ مسٹر بلال کو سب کچھ بتا دیجیے گا۔ ورنہ ایک دو دن میں میں خود انہیں فون کر کے ساری صورت حال سے آگاہ کر دوں گی۔“ ڈاکٹر شکیلہ اپنی بات کہہ کر رکی تھیں۔

عائشہ اختر تہذیب کے عالم میں بیٹھی اپنے ہونٹ کاٹی رہیں پھر اٹھ کر وہ بھی اس کمرے میں واپس آگئیں جہاں زوبیہ موجود تھی۔

ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر گھبراہٹ واضح طور پر چھائی ہوئی تھی اور وہ بہت اٹک اٹک کر ڈاکٹر شکیلہ کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی بلکہ اس کی رندھی ہوئی آواز سن کر لگ رہا تھا اس نے اپنے آنسوؤں پر بڑی مشکل سے بند باندھ رکھا ہے۔

”مجھے نہیں پتا کہ میں نطاشہ کی موت کے بارے میں پہلے سے کیسے جانتی ہوں۔ مجھے بس یہ پتا ہے کہ اس کا پاؤں مرنے سے وہ گر گئی اور چوٹ لگنے سے وہ مر گئی۔“

”کیا تم وہاں موجود تھیں جب وہ گری تھی۔“ ڈاکٹر شکیلہ نے حتی الامکان اپنا لہجہ دوستانہ رکھا ہوا تھا۔

”میں وہاں کیسے موجود ہو سکتی ہوں ایک ہی سوال اگر آپ لوگ دس دفعہ پوچھیں گے تو میرا جواب بدل تو نہیں جائے گا۔“ زوبیہ کا لہجہ تپ گیا تھا وہ کبھی عائشہ اختر کو دیکھنے لگتی تو کبھی ڈاکٹر شکیلہ کو۔

”دیکھو بیٹا میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو یہ پوچھ رہی تھی کہ۔“

”کہ کیا میں نے نطاشہ کو قتل کیا ہے؟ یہی پوچھ رہی تھیں نا آپ۔“ زوبیہ نے ان کا جملہ درمیان سے اچک لیا۔

عائشہ اختر نظریں چراغیں جبکہ ڈاکٹر شکیلہ بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتی رہیں جس کے رونا نے ہوتے چہرے پر دبا دبا غصہ اس کی حد درجہ۔ بے زاری اور دوسروں کو اپنی بات نہ سمجھا سکنے کی بے بسی کو ظاہر کر رہی تھی۔

”آپ لوگوں نے پیپر میں نیوز پڑھی ہے نا کیا اس میں لکھا ہے کہ نطاشہ کا قتل ہوا ہے؟ یا ماما نے جن لوگوں سے ابھی ابھی بات کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہ حادثہ ہمیں کوئی سازش ہے؟“

جب ایسی کوئی بات نہیں ہے تو آپ لوگ مجھے اس سب کا ذمہ دار ٹھہرائے پر کیوں بضد ہیں۔“ زوبیہ کی آنکھیں بلا آخر جھٹک پڑیں۔

اس کا ایک ایک آنسو عائشہ اختر کے دل پر گر رہا تھا اور پھر زوبیہ نے جو کچھ کہا تھا اس کی بات کے معقول ہونے سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا تھا وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی کہ جب وہ ایک حادثہ تھا پولیس کا کہنا تھا کہ پاؤں مرنے کی وجہ سے وہ گر گئی ہے تو یقیناً اس کے پاؤں میں کوئی موج وغیرہ ہوگی جس سے یہ اندازہ لگایا گیا پھر وہ کیوں اپنی بیٹی کو مجرم سمجھ رہی ہیں۔

لیکن ڈاکٹر شکیلہ کا دل اسے روٹا دیکھ کر بالکل نہیں بیجا بظاہر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے چپ کرانے لگیں اور یقین دلانے کی کوشش کرنے لگیں کہ ایسی کوئی بات نہیں وہ ایسا کچھ بھی نہیں سوچ رہیں۔ جبکہ وہ ایسا ہی سوچ رہی تھیں انہوں نے کچھ سوال گھما پھرا کر بھی پوچھے تاکہ کوئی سر ہاتھ لگ جائے مگر زوبیہ نے کوئی بھی جواب ایسا نہیں دیا جس سے وہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکتیں۔

اسی لیے جب زوبیہ ان کے کمرے سے باہر نکل گئی اور عائشہ اختر بھی الوداعی کلمات کہہ کر باہر جانے لگیں تو ڈاکٹر شکیلہ اپنے پروفیشنل حتمی انداز میں بولیں۔

”آپ شام تک مسٹر بلال کو سب بتا دیجیے گا کیونکہ کل میں ان سے فون پر بات کروں گی۔“ عائشہ اختر تنکڑے ڈاکٹر شکیلہ کو دیکھنے لگیں جتنا وہ یہ سب بلال اختر سے چھپانا چاہ رہی تھیں وہ اتنا ہی بتانے پر بضد تھیں اور ان کے ضد پر آنے کا مطلب تھا بلال اختر کو آج شام ہی ساری صورت حال سے آگاہ کرنا اشد ضروری تھا۔

مگر اس کے بعد کیا ہونا تھا اگر بلال اختر نے بھی یہی سوچا کہ یہ سب زوبیہ کا کیا دھرا ہے تو ان کی بیٹی کا مستقبل کیا ہو گا کیا وہ کسی یا گل خانے کی مریض بن کر رہے گی۔

عائشہ اختر کے لیے یہ سب سوچنا بھی محال تھا کجا کہ اس پر عمل کرنا۔



نمل کچھ دیر تو انتظار کرتی رہی مگر خرم کو بدستور اپنی جگہ جمادیکھ کر لفافہ اپنی کتاب پر سے اٹھا کر ایک طرف رکھا اور کتاب کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئی۔

ایک بل کو تو خرم کا دل چاہا لفافہ اٹھائے اور واپس لوٹ جائے مگر مجبوری تھی کہ وہی سے شرط لگی تھی۔ جسے اسے ہر حال میں جیتنا تھا اور بھرپور انداز میں کھیلنے کے لیے زیادہ وقت بھی نہیں تھا۔

مجبوراً ”خرم کو لفافہ اٹھا کر کھولنا پڑا اس نے لفافے کے اندر ہاتھ ڈال کر پیسے نکالنے کی بجائے لفافہ میز پر الٹ دیا۔

پانچ ہزار کے تین نوٹ کے ساتھ ہزار کے بھی تین نوٹ میز پر آگرے مگر ان کے ساتھ کالے رنگ کا ایک ڈبا بھی موجود تھا اور یہی لفافے کے پھولنے کا سبب بنا ہوا تھا۔

نمل جو کن انٹیمیڈ سے لفافے کو دیکھ رہی تھی اس کالے رنگ کے خوبصورت سے کور کو دیکھ کر سوالیہ انداز میں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”تمہیں یاد نہیں تمہارے پرس میں گوگلز (دھوپ کا چشمہ) بھی تھے پیسے نکالنے کی جلدی میں وہ وہیں کہیں زمین پر گر گئے تھے۔“

میں کیونکہ بہت جلدی میں تھا اور اس میں مجھے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی تو میں نے اسے اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ لیکن اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم بھی دوبارہ ملو گی اور میں تمہیں پیسے لوٹاؤں گا تو میں اسے بھی اٹھا لیتا۔

”so keep that“ یہ اس کے substitute کے طور پر ہے۔ ”خرم اتنی سنجیدگی سے بول رہا کہ نمل ایک سیکنڈ کے لیے واقعی الجھ گئی۔

آج کل اس کے پرس میں کوئی دھوپ کا چشمہ تھا یا نہیں۔

اس کے پاس ہر وقت اس قسم کی چیزوں کا اچھا خاصا ذخیرہ لگا رہتا تھا مگر وہ میلہ اور سنیل سے مختلف موقعوں پر وصول کیے گئے تحائف اور کچھ اس کی پرانی پرانی چیزوں کو بھی سنبھال سنبھال کر استعمال کرنے کی عادت کے سبب اس کے پاس ہر چیز بڑی بڑی مقدار میں موجود رہتی تھی۔

اس لیے بہت حد تک ممکن تھا کہ اس وقت پرس میں کوئی دھوپ کا چشمہ موجود ہو مگر پیسے چوری ہو جانے کی فکر میں اس نے دھیان نہ دیا ہو اس کے غائب ہونے پر۔
نمل کچھ دیر پر سوچ نظروں سے چشتے کے کور کو دیکھتی رہی پھر خرم کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص پر اعتماد لہجے میں بولی۔

”مجھے یاد نہیں آ رہا کہ میرے پرس میں ایسا کوئی چشمہ تھا یا نہیں۔ اس لیے اسے رہنے دو۔“ نمل نے کہنے کے ساتھ ہی پانچ ہزار کے تینوں نوٹ اٹھا لیے اور ہزار کے تین نوٹ میز پر چھوڑ دیے۔
”اتنے پیسے تو تم نے نمل پے کرتے وقت دے دیے تھے۔ اس لیے ان کی بھی ضرورت نہیں۔“ نمل کی بات پر فوری طور پر خرم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا بولے۔
نمل کا کوئی چشمہ غائب نہیں ہوا تھا نہ ہی خرم نے یہ گوگلز اس خطرے کے پیش نظر دیے تھے کہ اس کا چشمہ شاید اس کے پرس سے گر گیا ہو۔

اس نے تو اتنی جلدی میں پیسے نکالے تھے کہ اسے یاد بھی نہیں تھا کہ پرس میں پیسوں کے علاوہ اور کیا تھا۔ وہ تو بس نمل کو کوئی تحفہ دینا چاہتا تھا، مگر اچانک اتنا بے تکلف ہونا اسے عجیب لگ رہا تھا، پھر نمل سے کوئی بعید بھی نہیں تھا، وہ دو منٹ میں عزت اتار کر رکھ دے، جبکہ وہ اب مزید کوئی بد مزگی نہیں چاہتا تھا، اس لیے اس کے شرافت سے دھوپ کا چشمہ لوٹا دینے پر خرم ر سائیت سے کہنے لگا۔

”اب تو میں خرید چکا ہوں، اب رکھ ہی لو، ورنہ ان لیڈرز کو گلز کا میں کیا کروں گا، میری تو کوئی بہن بھی نہیں جسے دے دوں۔“ خرم جس طرح بولا تھا نمل ناچا جتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر کچھ کھو جئے لگی۔
اگر خرم نے بہن کی جگہ یہ کہہ دیا ہو تاکہ میری تو کوئی گمل فرزند بھی نہیں تو شاید نمل کو اتنی دلچسپی نہ ہوتی۔
مگر اب اس کا اتنی شرافت برتتا جہاں نمل کو حیران کر رہا تھا، وہیں یہ سوچنے پر مجبور بھی کر رہا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ ایک چشمہ لے لینے سے خرم خاموشی سے لوٹ جائے، جبکہ انکار کرنے کی صورت میں اس کی ازلی ضدی فطرت عود کر آئے گی۔

پچھلے کچھ دنوں سے جس طرح خرم نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی جس کے باعث سنبل اور رویلہ نے بھی اپنے وہم اور خدشات پس پشت ڈال دیے تھے، ان کو مد نظر رکھتے ہوئے نمل کو لگا وہ یہ چشمہ رکھ لے گی تو خرم کے پاس بات کو طول دینے کے لیے کوئی بنیاد نہیں بچے گی۔

لیکن اس طرح ایک اجنبی سے کوئی چیز لینا اس کے اصول کے خلاف تھا، خاص طور پر یونیورسٹی کے آزاد ماحول میں جہاں رانی کا ہمارا بننے دیر نہیں لگتی۔
نمل شش و پنج کا شکار ہونے کے باعث گوگلز کا کور اٹھا کر کھول کر دیکھنے لگی۔

کور کے اندر ایک نہایت بیش قیمت اور بہت ہی خوب صورت سادہ دھوپ کا چشمہ موجود تھا، جس کے چوڑے شیشوں پر گلابی رنگ کا فریم تھا۔

وہ فیصلہ جو نمل سے اتنی دیر سے نہیں ہو پا رہا تھا ایک پل میں ہو گیا، وہ چشتے کو واپس کور میں رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔

”میرا کوئی چشمہ اگر پرس میں سے گرا بھی ہو گا تو بھی وہ اتنا مہنگا نہیں ہو گا، اس لیے یہ تم اپنے پاس ہی رکھو۔“ خرم کو اس سے اسی جواب کی توقع تھی، وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ روک نہ سکا۔

”ابھی ابھی میں نے کہا کہ ایک بار اگر میں کوئی چیز دے دوں تو واپس نہیں لیتا۔ اس لیے یہ اپنے پاس ہی رکھو اور اگر نہیں چاہیے تو پھینک دو۔“ خرم کہہ کر رکھائیں اور فوراً ”پلٹ کر بڑے بڑے ڈگ بھر مالا بیری سے نکل

کیا۔ نمل سوچتی ہی رہ گئی اسے کیا کہنا چاہیے پھر ابھن بھری نظروں سے گوگڑ کے کور کو دیکھنے لگی۔ ایک بل کے لیے اس کا دل چاہا ایسے ہی چھوڑ کر کھڑی ہو جائے مگر سہاں چھوڑنے پر تو کوئی نہ کوئی اٹھا ہی لیتا اور خرم کو یہ لگتا کہ اس نے خرم کا دبا تحفہ اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ اسے یہ چشمہ خرم کو واپس کرنا تھا تاکہ اسے پتا چلے کہ وہ کسی انجان سے کوئی چیز نہیں لیتی۔

جس طرح خرم زبردستی اس کی میز پر رکھ گیا تھا ایسے ہی وہ بھی زبردستی میز پر رکھ سکتی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے وہ چشمہ اٹھا کر اپنے پرس میں رکھ لیا۔ مگر اسے کوفت ضرور ہو گئی تھی اسی لیے وہ کتابیں سینٹی کھڑی ہو گئی کہ ابھی اس سے قدرے فاصلے پر کچھ میز پر سے ایک لڑکا اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا۔

”ہکسکیو زی، مس نمل۔“ نمل چونک کر اسے دیکھنے لگی وہ اس شخص کو پہلے بھی کئی بار یونیورسٹی میں ادھر ادھر آتا جاتا دیکھ چکی تھی مگر وہ اس کا نام جانتا ہے، نمل کو اس بات پر حیرت ہوئی تھی۔

”جی فرمائیں۔“ نمل نے حیرانی سے پوچھا۔
”یہ جو خرم حسن نے آپ کو سن گلا سزا ہے ہیں،“ تب اسے لوٹا دیں۔“ نمل کی پیشانی پر ایک دم بل بڑھنے لگا۔
”اب یہ کون تھا جو خرم کو اس کا ہمدرد بنا جا رہا تھا اسے خود بھی نمل کے تاثرات سے اندازہ ہو گیا، تبھی کہنے لگا۔
”آپ کو شاید میرا انٹرفیو کرنا برا لگا ہو مگر میں آپ کے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں، آپ شاید مجھے جانتی نہیں ہیں، میرا نام سمیر ہے یونیورسٹی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہوتا ہے وہ عموماً میرے علم میں رہتا ہے اس لیے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خرم نے آپ کو یہ گفت کیوں دیا ہے۔“ اس نے پتا نہیں تجسس پھیلائے کی کوشش کی تھی یا نہیں۔ البتہ اس کا لب و لہجہ برا نشانہ تھا۔

نمل کو اس کا خواہ مخواہ مخاطب کرنا بالکل بھی مناسب نہیں لگا تھا۔ تبھی وہ یہ کہتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔
”مجھے بھی معلوم ہے انہوں نے گفت کیوں دیا ہے، آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں۔“

”آپ کو نہیں پتا خرم نے اپنے دوست کی سے شرط لگائی ہے، آپ کے ساتھ قلعت کرنے کی مگر وہ ارگیا تو وہ اپنی نیو براؤن گاڑی کی کوڑے دے گا۔“ سمیر اسے متوجہ نہ دیکھ کر جلدی جلدی بولا، مبادا وہ سنے بغیر ہی چل جائے۔

سمیر کی بات سن کر نمل بل بھر کے لیے واقعی ٹھنک گئی، سمیر کو بہت سارے دوستوں میں گھراوا اکثر دیکھتی تھی، اس لیے اتنا اندازہ تو اسے تھا کہ اس کے واقف کار یونیورسٹی میں کافی ہوں گے، ایسے میں ایسی کسی بات کا علم ہونا کوئی اچھٹک بات نہیں تھی۔

اور واقعی سمیر کو اس کے دوست نے بتایا تھا کہ وہ اور حمید کینٹین میں بیٹھے بات کر رہے تھے کہ خرم یہ شرط جیت سکے گا یا نہیں اور یہ کہ انہیں وہ گاڑی ملے گی، تو کب ملے گی، وغیرہ۔ سمیر کا ارادہ ویسے تو اس معاملے میں بڑے کا نہیں تھا۔ مگر جب اس نے لاہوری میں خرم کو نمل کی میز کے پاس آتا دیکھا تو وہ اٹھ کر ان کے قریب والی ٹیبل پر جا بیٹھا، جہاں سے وہ ان دونوں کی گفتگو یا آسانی سن سکے اور ساری گفتگو سننے کے بعد اچانک اس کا دل چاہا جا کر خرم کی ساری محنت پر پانی پھیر دے۔

اسے اس بات کی قطعاً پروا نہیں تھی کہ نمل کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے یا اس سارے کھیل میں اسے تکلیف ہوگی وغیرہ۔

اسے تو بس اس بات سے غرض تھی کہ خرم یہ بازی جیت نہ سکے، جب اس کے دوست نے اس شرط کے

متعلق بتایا تھا تب اسے یہ نہیں پتا تھا کہ یہ نمل بائی لڑکی کون ہے مگر اس وقت لاہوری میں خرم کو اس لڑکی سے مخاطب دیکھ کر سمیر کو یہ خوبی اندازہ ہو گیا کہ یہ ہی نمل ہے اور یہ دیکھ کر کہ لڑکی دیکھنے میں کافی اچھی ہے، سمیر کی کم ظرفی ایک دم پھڑک کر بے وار ہو گئی، اس کی شدید خواہش تھی کہ یہ شعل کا ک خرم کی بجائے اس کے گراؤنڈ میں آئے۔

نمل کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اپنے اسی سپاٹ انداز میں بولی۔
”مطلایا دینے کا شکریہ۔ ویسے آپ کو دو سروں کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ نمل یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

”میں دو سروں کے لیے پریشان ہونے والوں میں سے نہیں ہوں، میں تو صرف اپنے لیے پریشان ہوتا ہوں۔“ سمیر نے مسکراتے ہوئے سوچا اور دور جاتی نمل کو تب تک دکھا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔



”رو میلہ ذرا ادھر آتا۔“ بھابھی کی آواز پر رو میلہ جو اپنا چائے کا کپ کچن میں رکھ کر واپس اپنے کمرے میں جانے کے لیے پلٹ گئی تھی بے دلی سے رک گئی۔

آج اس کے سر میں درد ہو رہا تھا اس نے یونیورسٹی سے بھی چھٹی کر لی تھی، اس نے ناشتا بھی کچھ خاص نہیں کیا تھا، بس چائے پی گئی اور اس کے ساتھ ٹیبلٹ لے لی تھی، اس کا ارادہ فوراً ”بستر لیٹ جانے کا تھا، لیکن اس وقت بھابھی نے روک لیا۔

وہ خود ابھی تک ڈانٹنگ ٹیبل پر موجود تھیں۔ ابراہیم بھائی اور بابا جانی آفس جانے کے لیے نکل چکے تھے۔ اسی لیے بھابھی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ کوئی لمبی گفتگو کرنے والی ہیں۔

”جی بھابھی!“ رو میلہ نے قریب آکر رخصتا ہر رنے مار مل انداز میں کہا تو بھابھی ایک نظر اسے دیکھ کر اپنی چائے کی پیالی پر جھک گئیں اور سرسری انداز میں بولیں۔

”اس سنڈے کو مرزا صاحب بات پکی کرنے آرہے ہیں، تم ذرا ڈھنگ سے تیار ہو جانا اور چاہو تو نمل اور سنبل کو بھی بلا لینا۔“

نمل کے پیر تھس کو تو بابا جانی بھی انوائیٹ کریں گے، پھر بھی تم اپنے طور پر بھی کہہ دینا۔“ بھابھی جلدی جلدی کہہ کر ایک دم خاموش ہو گئیں۔

رو میلہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ اسے اپنی سماعتوں پر شبہ ہو رہا تھا اسے لگ رہا تھا اس سے سننے میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔

بھلا یہ سب کچھ اس طرح کیسے ہو سکتا تھا۔ محض تین دن بعد سنڈے تھا اور اس گھر میں ایسا تو کوئی تھا نہیں جس کی بات پکی کرنے کے لیے مرزا صاحب تشریف لاتے، سوائے اس کے۔ لیکن اسے تو کسی نے کچھ بتانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ تین دن پہلے جس طرح سنبل اور نمل کو مدعو کیا جا رہا تھا ویسے ہی اسے بلا لیا تھا۔

بھابھی خود پر جی اس کی حیران نظروں کو محسوس کر کے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔

”کیا ہوا آجی حیران کیوں ہو رہی ہو، تمہیں بتایا تو تھا۔ مرزا صاحب کے بیٹے کلفام کے بارے میں۔“

”کیا بتایا تھا۔“ رو میلہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا، تو بل بھر کے لیے بھابھی خاموش ہو گئیں، پھر گلا کھنکارتے ہوئے بولیں۔

”دراصل میں خود زیادہ نہیں جانتی تو تمہیں کیا بتاؤں، تمہارے بھائی نے ذکر کیا تھا اپنے ایک کاروباری واقف

مرزا صاحب کا۔ ان کا ایک بیٹا ہے گلفام جو کینڈا میں مقیم ہے اس نے سی اے کیا ہے اور کسی انٹرنیشنل فرم میں ڈائریکٹر ہے۔

بہت اچھی پوزیشن ہے کوئی ذمہ داری وغیرہ بھی نہیں ہے جس باپ اور بیٹا دو ہی لوگ ہیں والد پاکستان میں ہوتے ہیں تم وہاں اکیلی تھو کہیں سے پیش کر دی۔ ”بھابھی نے جب جملہ شروع کیا تھا تو رو میلہ کو لگا تھا وہ بھی اتنی ہی بے خبر ہیں جتنی وہ خود لیکن اتنی تفصیل سننے کے بعد اس کا دل چاہا کہہ دے جو آپ اب بتا رہی ہیں وہ آپ پہلے بھی بتا سکتی تھیں۔

لیکن اس وقت اس شکوے سے زیادہ اہم ایک دوسرا سوال تھا چنانچہ اس نے وہی پوچھا۔

”کیا آپ لوگ اس گلفام نامی شخص سے ملے ہیں یا صرف مرزا صاحب کے کہے پر یقین کر لیا ہے۔“ بھابھی کو اس کا سوال بڑا چھٹا تھا، تبھی ان کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

”تمہارے بابا جانی اور بھائی نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے، ابراہن کے ایک دوست جو کینڈا میں ہی رہائش پذیر ہیں وہ بذات خود جا کر گلفام سے ملے ہیں اس کی جاب اور تعلیم کے علاوہ وہ لڑکے کے رکھ رکھاؤ سے بھی بہت متاثر ہوئے ہیں۔“ بھابھی ایک دم کرسی گھسیٹ کر کھڑی ہو گئیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ ایسے ہی بگڑ جاتی تھیں، تبھی تو اس دن یہ ساری بات بتانے کی بجائے آن ذکر کر رہی تھیں، ورنہ جس وقت انہوں نے گلفام کا تذکرہ چھیڑا تھا تبھی بتانا چاہیے تھا مگر اس وقت بھی وہ موڈ آف کر کے چلی گئی تھیں۔

اور اس سے پہلے کہ اس وقت بھی وہ خفا ہو کر نکل جاتیں، رو میلہ نے جلدی سے پوچھ لیا۔

”وہ صرف بات کی کرنے آرہے ہیں نا، تاریخ وغیرہ تو ابھی ملے نہیں ہوگی ناشادی تو میری پرہیائی ختم ہونے کے بعد ہوگی۔“ بھابھی اس کی بات پر ایسے رکیں جیسے انہیں بڑا جھٹکا لگا ہو۔

”کیسی بچکانہ باتیں کر رہی ہو رو میلہ، اتنا اچھا رشتہ ہم تمہاری فضول سی پرہیائی کے ختم ہونے کے انتظار میں لٹکائے رکھیں گے کیا۔ انہیں تو تمہاری جیسی دس مل جا میں گی لوگ تو ایسے رشتوں کی ناک میں ہوتے ہیں ہم ان سے کہیں گے تمہاری پرہیائی ختم ہونے کے بعد شادی کر س گے تو وہ تو کہیں اور لڑکی دیکھ لیں گے۔

گلفام وہاں اکیلا ہوتا ہے، مرزا صاحب کو اس کی شادی کی بہت جلدی ہے۔“ بھابھی کا تپا ہوا تعجب بھرا لہجہ رو میلہ کو ناگوار تو بہت گزرا، مگر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی، کیونکہ ابھی اسے مزید ایک سوال کا جواب چاہیے تھا۔

”تو آپ کو کیا لگتا ہے بابا جانی شادی کی تاریخ کب تک رکھیں گے۔“ ارادہ تو جلد از جلد کا ہے ابہ جو خدا کو منظور۔“ بھابھی صاف ٹالنے والے انداز میں کہتی آگے بڑھ گئیں۔

رو میلہ اپنی جگہ کھڑی سوچتی رہ گئی وہ بابا جانی سے بات کرنا چاہ رہی تھی، مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ان سے کیسے بات کرے گی، آج اس وقت اسے اپنی ماں کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی، اگر آج وہ زندہ ہوتیں تو اس کے اور بابا جانی کے مابین جو ایک خلا تھا وہ نہ ہوتا۔

رو میلہ سوچ ہی رہی تھی کہ ڈائننگ روم کے دروازے پر رک کر بھابھی نہ جانے اسے تسلی دینے لگیں یا واقعی ان کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا، جو وہ قدرے جوش سے بولیں۔

”وہیے گلفام سے بہت گند لکھتی، تم دیکھو گی تو خود پر رشک آجائے گا۔“ رو میلہ کسی گہری شکل صورت کی مالک نہیں تھیں، اس کا ساتھ بھی کسی دوسرے کے لیے باعث فخر ہو سکتا تھا، مگر بھابھی کا انداز مسلسل ایسا تھا جیسے مرزا صاحب نے اسے ہونٹانے کا فیصلہ کر کے اس پر احسان کیا ہو۔

اب یہ بھابھی کے انداز گفتگو کا اثر تھا یا کوئی اور بات تھی کہ بالکل اچانک رو میلہ کے ذہن میں ایک سوال

اٹھا۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی رشتے میں بس خوبیاں ہی خوبیاں ہوں اور کوئی خامی نہ ہو۔“

شام تک وہ اسی نکتے پر سوچتی رہی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ اب نمل یونیورسٹی سے آکر کھانے وغیرہ سے فاسخ ہو گئی ہوگی تب اس نے نمل کو فون کر ڈالا۔

رو میلہ کی طرح نمل کو بھی سنتے ہی ایسی کوئی خاص خوشی محسوس نہیں ہوئی، بلکہ ایک عجیب سی الجھن ہوئی تھی اسے بھابھی کی گفتگو سن کر۔

وہ لوگ ایسے رو میلہ کی شادی کر رہے تھے جیسے رو میلہ کے لیے اتنا اچھا رشتہ آجانے کی انہیں بالکل امید نہ ہو۔

لیکن نمل یہ سب رو میلہ سے کہہ کر اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لیے اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگی۔

”اکثر لڑکیوں کی شادیاں ایسی ہوتی ہیں بالکل اچانک، کوئی ان کی مرضی بھی نہیں پوچھتا۔ تم خود کو ریلیکس رکھو۔ تعلیم اگر واقعی طور پر چھوٹ بھی جاتی ہے تو بعد میں یہ سلسلہ پورا کر لیتا۔“

یہ سب کہہ کر جب نمل نے صبح یونیورسٹی میں ہوئی خرم سے گفتگو کے متعلق بتایا تو رو میلہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

”تمہیں ضرورت کیا تھی اس سے گفتگو لینے کی۔“

”گفت تھوڑی لیا ہے میں نے، میں تو خود اسے واپس کرنا چاہ رہی تھی، مگر وہ اچانک اتنی تیزی سے نکل گیا کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔“ نمل قدرے شرمندگی سے بولی۔

”خیر اب لے لیا ہے تو اپنے پاس ہی رکھو، خواہ مخواہ اسے واپس کرنے جاؤ گی اور اسے پھر بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔“

”ہاں نہیں تم کس لڑکے کا ذکر کر رہی ہو، لیکن مجھے یقین ہے وہ جس شرط کا بھی ذکر کر رہا تھا وہ سو فیصد درست ہوگی۔“ رو میلہ سوچتے ہوئے بولی۔

”تو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اگر ایسی کوئی شرط خرم نے لگائی بھی ہے تو بھی وہ کبھی ایسی شرط جیت نہیں سکتا۔“ نمل کو فٹ بھرے کچے میں بولی، رو میلہ کی خواہ مخواہ کی گھبراہٹ محسوس کر کے اسے بڑی بورت ہوئی تھی۔

”زبان بڑے بڑے بول بولنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ خرم اچھا خاصا ہیرو ٹائپ لڑکا ہے، چلو اتنا تو میں تمہیں جانتی ہوں کہ تم شکل صورت سے متاثر نہیں ہوتیں، لیکن گند لکھنے ہونے کے علاوہ بھی اس میں کئی خوبیاں ہیں، وہ اگر فلٹ کرنے پر اتر آیا تو کوئی اتنا ناممکن بھی نہیں ہے تمہارا اس کی باتوں میں آجانا، بلکہ مجھے تو وہ شروع سے تم میں انٹرنلڈ لگتا ہے۔“

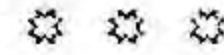
”خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔“ نمل بری طرح چڑھ گئی، رو میلہ کی بات سن کر۔

”بات تو ایسی ہی ہے تم پہلے ہی اس کی توجہ کا مرکز تھیں، اب اس کے دوستوں نے چیلنج کر دیا ہے تو وہ اس گیم میں سردھڑکی بازی لگا دے گا۔“

”تو لگا دے سردھڑکی بازی، مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔“ نمل ہنس دھری سے بولی۔

”تمہیں کیوں فکر ہوگی، فکر کرنے کے لیے میں اور سنبھل جو موجود ہیں۔“ رو میلہ کے ناراض سے لہجے پر خلاف توقع نمل کو ہنسی آگئی۔

”یہ دن تمہارے فکر سہانے کے نہیں خواب دیکھنے کے ہیں۔“
 ”میں دن میں خواب دیکھنے پر یقین نہیں رکھتی اور جو تفصیلات مجھے بھی نے بتائی ہیں اسے سن کر تو وہ کوئی عجیب کا
 شہزادہ گلفام ہی لگ رہا ہے ہر طرح پر فیکٹ جس میں کوئی کمی ہی نہ ہو اور جہاں سب کچھ بہت اچھا ہو وہاں کچھ
 نہ کچھ غلط ضرور ہوتا ہے۔“ وہ میلہ سوچتے ہوئے بولی۔
 ”اللہ نہ کرے اچھا سوچو تاکہ اچھا ہی ہو۔“ نمل نے جھڑکتے ہوئے کہا۔ تو وہ میلہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔



الیان نے حامد کو گھیرنے کی کوشش کی مگر حامد بتانے کی بجائے مزید سنجیدہ ہو گیا تو الیان کو زیادہ کریدنا اچھا نہیں
 لگا مگر رات کو جب سب سونے کے لیے جانے لگے تو الیان نے ماموں جان اور شاہ جہاں ماموں سے رخصتی
 اجازت لے لی صبح واپس جانے کی۔

انہوں نے بھی رخصتی سارے دن کے بعد اس کا اندھا تھکتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔
 ”چلو اگر تمہارا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو ہم اصرار نہیں کریں گے ویسے بھی ہم خود ان شاء اللہ بہت جلد تم
 لوگوں کی طرف آنے والے ہیں بس ذرا یہاں ایک دو کام نبھ جائیں پھر مٹھائی کھانے آئیں گے۔“
 ”مٹھائی! الیان ایک بل کے لیے واقعی نہیں سمجھا جبکہ شاہ جہاں ماموں بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔
 ”ہاں بھی زندگی میں اس قدر بھاگ دوڑی گئی ہے کہ خوشی کے موقع بھی ملتے چلے جا رہے ہیں ورنہ اب تک تو
 ہم منہ میٹھا کر بھی چکے ہوتے۔“ الیان کی نظریں بے اختیار حامد کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ اس کے چہرے سے کچھ
 اخذ کرنا چاہتا تھا۔ مگر اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ حامد بھی اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو کچھ دیر دیکھتے رہے مگر شاید دونوں ہی کے لیے ایک دوسرے کا چہرہ پڑھنا مشکل کام تھا۔
 تبھی کچھ دیر بعد دونوں نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

البتہ اگلے دن علی الصبح جب الیان جانے کے لیے اٹھا تو سید حامد کے کمرے کی طرف چلا گیا۔
 دستک کے جواب پر جب حامد نے دروازہ کھولا تو الیان کو دیکھ کر پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ وہ جانے سے پہلے اس
 سے ملنے آیا ہے مگر الیان نے فوراً ہی اصل موضوع پر آتے ہوئے صاف ظاہر کر دیا کہ وہ جانے سے پہلے اس
 سے کھل کر بات کرنے آیا ہے۔

”میرا یہاں آنے کے پیچھے ایک مقصد تھا جو پہلی ہی رات پورا بھی ہو گیا تھا مگر اب مجھے لگ رہا ہے کہ جانے
 سے پہلے مجھے تم سے ایک بار ڈائریکٹ بات کر لینی چاہیے۔“

اتنا تو ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں کہ اس موضوع پر بات کرنے سے ہم دونوں ایک دوسرے سے
 بدگمان نہیں ہوں گے۔“ حامد نے اس کی بات پر کوئی بھرہ نہیں کیا۔ محض سر اثبات میں ہلادیا۔ اس کے تاثرات
 سے ظاہر تھا کہ وہ جلد از جلد الیان کی بات سننا چاہتا ہے۔

”میں نے مجھ سے کہا تھا کہ ماموں جان بریرہ کا رشتہ لینا چاہتے ہیں تمہارے لیے مگر گھر میں کچھ لوگ اس شادی
 کے لیے تیار نہیں ہیں کبھی شملی ممانی جان۔“

”جی پوچھو تو سنتے ہی مجھے بھی یہ رشتہ کچھ مناسب نہیں لگا ایک تو میں اس بات سے مطمئن نہیں تھا کہ بریرہ
 گاؤں میں ایڈجسٹ ہو سکتی ہے دوسرے یہ کہ میں تمہیں بھی تمہیں جاگیردار ٹائپ سمجھ رہا تھا۔ مگر یہاں اگر
 اور خاص طور پر تم سے مل کر میرے سارے شک و شبہات دور ہو گئے۔“

”بس ایک کنفیوژن ہے جسے تم ہی دور کر سکتے ہو کیا تم اس رشتے پر تیار ہو یا تم بھی ممانی جان کی طرف ہو۔“

الیان سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا جو بالکل جامد نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ الیان کے لبوں پر بے ساختہ
 مسکراہٹ ابھر آئی۔

”میں جانتا ہوں تمہیں یہ سن کر برا لگا ہو گا کہ میں یہاں صرف تمہیں دیکھنے اور پرکھنے آیا تھا۔ لیکن۔۔۔“
 ”نہیں مجھے کیوں برا لگے گا یہ تمہاری بہن کی زندگی کا سوال ہے، تمہیں پورا حق ہے دیکھنے اور پرکھنے کا۔
 مجھے تو تعجب اس بات پر ہے کہ تم نے یہ سب بتا کیوں دیا۔ میں کوئی لڑکی نہیں ہوں جس پر دباؤ ڈال کر اسے
 شادی کے لیے تیار کر لیا جائے۔ حامد الیان کی بات کاٹتے ہوئے فوراً بولا۔

”تمہیں لگتا ہے صرف لڑکیوں پر دباؤ ہوتا ہے اور لڑکوں کی شادی صرف اور صرف ان کی مرضی سے ہوتی
 ہے۔“ الیان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ظاہری بات ہے لڑکوں کو کون مجبور کر سکتا ہے۔“ حامد نے کاندھے اچکائے۔
 ”اس بحث میں اگر پڑیں گے تو نا تم بہت دسٹ ہو گا جو کہ فی الحال میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن تمہارے اس
 سوال کا جواب ضرور دے سکتا ہوں جو تم پوچھ رہے تھے تا میں نے تمہیں بتا کیوں دیا۔“

تو دراصل انجانے میں تم میرے سامنے یہ تو بول گئے کہ تم نے محبت کی ہے یہ اور بات ہے کہ تم نے مکر کے
 بہت کوشش کی، لیکن میرے دل میں تو یقین جڑ پکڑ چکا ہے کہ تم کہیں نہ کہیں انوالو ہو۔

اس لیے میں نے سوچا تم سے براہ راست پوچھ لوں اگر تم انکار نہیں کر سکتے تو یہ کام ہم اپنے طور پر کریں
 گے۔“ الیان کے کہنے پر حامد کچھ جھینپ سا گیا، ”جی الیان ہنستے ہوئے بولا۔

”تمہارا اتنا کڑا تعجب مجھے شک میں مبتلا کر رہا ہے یا تو تم مجھے اس لڑکی کا نام اس لیے نہیں بتا رہے کہ میں اس
 لڑکی کو جانتا ہوں۔“

”یہ تمہیں ڈر ہے کہ کہیں تمہیں بریرہ سے ہی شادی نہ ملے پڑ جائے اور میں خواہ مخواہ ہمیشہ تمہاری طرف سے
 بدگمان رہوں۔“ حامد فوری طور پر کچھ نہیں بولا کچھ دیر بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

”تمہارا پہلا اندازہ ٹھیک ہے تم اس لڑکی کو جانتے ہو اور وہ کوئی اور نہیں بریرہ ہی ہے، لیکن ظاہری بات ہے یہ
 میں تم سے نہیں کہہ سکتا تھا کچھ تو روایتی جاگیردار نہ سوچ کی وجہ سے۔“

”ہن کا نام سن کر کہیں تم اشتعال میں نہ آ جاؤ۔“ اپنی بات پر حامد خود بھی جھینپ کر مسکرایا، لیکن الیان کو
 مسکرا تا دیکھ کر وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

”اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے پتا تھا تم یہاں کس مقصد سے آئے ہو اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اگر تم مجھے
 مسترد کر رہے ہو تو تمہیں میرے دل کا حال پتا چلے۔“ الیان کی مسکراہٹ ایک پل میں غائب ہو گئی وہ بڑی بے
 یقینی سے بولا۔

”تمہیں پتا تھا۔“ حامد نے سر اثبات میں ہلایا پھر تیزی سے بولا۔
 ”لیکن تم یہ بات کسی سے نہیں کہو گے اصولی طور پر تو مجھے تمہیں بتانا نہیں چاہیے تھا خاص طور پر ایسی
 صورت میں جب تم میرے حق میں فیصلہ کر چکے ہو۔“

لیکن میرے ضمیر کو یہ مناسب نہیں لگ رہا حالانکہ میں نے تمہارے سامنے کسی قسم کی کوئی اداکاری نہیں
 کی۔ میں بالکل ویسے ہی رہا جیسا میں ہوں۔

مگر پھر بھی ایک خلش تھی کہ تم مجھے اتنا جان سمجھ رہے ہو جبکہ پھر بھی جان (الیان کی والدہ شلفہ غفار) مجھے
 پہلے ہی فون کر کے تمہارے یہاں آنے کی وجہ بتا چکی ہیں۔“ الیان ششدر سا اسے دیکھ گیا اسے یقین نہیں
 آ رہا تھا میں نے اس کے ارادوں کا پتا پہلے ہی حامد کو دے دیا۔

”اسی لیے تم فوراً اسلام آباد سے واپس آگئے۔ بالکل بے ساختہ الیان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں۔ پھوپھی جان مجھے ہوسل فون کر کے بتایا تھا کہ تم مجھے قریب سے دیکھنا چاہتے ہو جب انہیں پتا چلا کہ میں اسلام آباد آیا ہوا ہوں تو انہوں نے کہا میں فوراً واپس چلا جاؤں ورنہ اگر ایک بار تم بدل ہو کر آگئے تو دوبارہ جانے کا ارادہ نہیں کرو گے۔“ الیان کے چہرے پر تاؤ پھیل گیا وہ کچھ دیر تو لب بپٹے حامد کو دیکھتا رہا پھر ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

”کیا ضرورت تھی مجھے یہ سب بتانے کی۔“

”کیونکہ چھپا کر ایسا لگ رہا تھا جیسے تمہارے ساتھ بے ایمانی کر رہا ہوں۔“ حامد سادگی سے بولا ”الیان کو غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر حامد پر بگڑنے کا فائدہ نہیں تھا جو کچھ کیا تھا اس کی اپنی ماں نے کیا تھا تو اس پر چلانے کا کیا جواز بنتا تھا۔

اسے رہ رو کر شگفتہ غفار کی حرکت پر طیش آ رہا تھا جنہوں نے حامد کو تار کرنا صرف الیان کا اعتماد مجروح کیا تھا بلکہ حامد کی نظروں میں اس کی پوزیشن ہی آگورڈ کر دی تھی کیا سوچ رہا ہو گا حامد وہ رشتے داری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سیدھا اس کے گھر رہنے چلا آیا تاکہ اسے قریب سے دیکھ سکے۔

بے شک حامد زبان سے یہ ہی کہہ رہا تھا کہ اپنی بہن کی زندگی کا فیصلہ کرتے وقت اس کا ہر طرح سے اطمینان کر لینا جائز تھا۔ مگر الیان کے لیے یہ صورت حال برداشت کرنا سخت ناگوار تھا۔

اس کے چہرے پر چھپاؤ دیکھ کر حامد رسائیت سے کہنے لگا۔

”مجھے معلوم ہے تمہیں پھوپھی جان پر بہت غصہ آ رہا ہے لیکن الیان ان کی اتنی غلطی نہیں ہے میں انہیں بہت عزیز ہوں انہیں ڈر تھا کہیں تم مجھے تریجکٹ نہ کر دو اس لیے انہوں نے مجھے پہلے ہی انفارم کر دیا تاکہ میں تمہارے سامنے بہتر طریقے سے آؤں۔

لیکن خدا گواہ ہے میں تمہارے سامنے ہمیشہ ویسے ہی رہا جیسا میں حقیقتاً ہوں میں نے کچھ بھی پرنسڈ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

لیکن جب آج تم نے کہا کہ ہم ایک دوسرے کو اتنا سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے بدگمان نہیں ہو سکتے تو مجھے بھی لگا مجھے یہ سب بتانا چاہیے۔

ہو سکتا ہے یہ سب سننے کے بعد تم میرے ہر اس فعل کو ایک دُرا مہ سمجھ لو جس کے باعث تم نے مجھے بریرہ کے لیے اوکے کر دیا تھا مگر مجھے معلوم ہے میں نے تمہیں امپریس کرنے کے لیے کوئی ہتھکنڈہ استعمال نہیں کیا۔

ایسا تو میں نے کبھی بریرہ کو متاثر کرنے کے لیے نہیں کیا ورنہ وہ تو تمہاری اور پھوپھی صاحب کی اتنی لاڈلی ہے کہ اگر وہ میرا نام لے دیتی تو تم دونوں اس شادی کے لیے راضی نہ ہوتے ہوئے بھی انکار نہ کرتے۔

مگر بریرہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے یا اس سے کچھ کہنے کی کوشش کرنے کے متعلق تک میں نے کبھی نہیں سوچا وہ میری پھوپھی کی بیٹی تھی ہمارے خاندان کی عزت میں نہیں چاہتا تھا میرا کوئی غلط فعل اس کے لیے مسائل کھڑے کر دے۔

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ دو مجھے بچپن سے پسند تھی اور اگر تم موقع دو تو میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ میں اسے ہمیشہ خوش رکھوں گا۔ الیان کے چہرے کا تاؤ کم ہوتا چلا گیا حامد کا ٹھنڈا مگر مستحکم لہجہ الیان کی رگوں میں خون کی گردش کو توازن پر لے آیا تھا۔

شگفتہ غفار کی حرکت سے اسے اب بھی اختلاف تھا مگر حامد کی طرف سے اسے یقین تھا کہ اس نے اپنا اصل ہی الیان کے سامنے پیش کیا تھا اور کوئی بھی دکھاوا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ہاں مگر اس نے خود پر کوئی محنت کی تھی تو یہ بات بھی اس کے حق میں جاتی تھی کہ بریرہ اس کے لیے اتنی اہم تھی کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے ہر کام کرنے کے لیے تیار تھا۔

حامد کچھ دیر مختصر نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر اسے خاموش پا کر جانے کیا سمجھا کہ بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”یاریہ سب پھوپھی نے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا مگر میں نے پلیز تم ان سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا۔ تم سمجھ رہے ہو نا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔“ حامد کچھ جھجکتے ہوئے بولا تو اتنی دیر سے سنجیدگی سے کھڑے الیان کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

اس نے آگے بڑھ کر حامد کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”I know what do you mean“ بے فکر ہو ہوئے والی ساس نے ایک راز رکھنے کو کہا تھا مگر تم نہیں رکھ سکے لیکن میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ فکر نہ کرو۔“ حامد پہلے تو حیرانی سے اسے دیکھتا رہا پھر خوشی کے مارے ایک دم اس کے گلے لگ گیا۔

”جس کچھ دونوں کی بات ہے پھر خرم کی وہ شان دار گاڑی میری دسترس میں ہوگی۔“ دکی نے لپٹائے ہوئے انداز میں کہا تو حمید اسے ترپھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”صرف تمہاری نہیں میری بھی میں تمہارے ساتھ مل کر اتنی محنت محض اس لیے نہیں کر رہا کہ تم ڈرائیو کرتے رہو اور میں سڑک کے کنارے کھڑا تمہیں دیکھتا رہوں۔“

”ہاں ہاں بھی تم بھی چلا لیتا۔“ دکی نے بے زاری سے کہا۔

”صرف چلا لیتا نہیں وہ ہم دونوں کی ہی ہوگی ورنہ میں خرم کو بتا دوں گا کہ تم نے جان بوجھ کر خرم اور اپنے بیچ لگی شرط کا ذکر میرے دوستوں کے سامنے کیا تھا تاکہ وہ لوگ رنگ میں بھنگ ڈالنے آجائیں اور خرم شرط ہار جائے۔“ حمید فوراً بلیک میلنگ پراثر آیا تو دکی عاجز آتے ہوئے بولا۔

”ہاں ہاں پتا ہے تم سارا اچھا انداز پھوڑو گے اور خرم یہ سنتے ہی میرا سر پھوڑ دے گا۔ مگر تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے اس کے بعد تمہاری کھوپڑی بھی سلامت نہیں رہے گی۔

کتنی بار تو کہہ چکا ہوں وہ گاڑی ہم دونوں کی ہوگی کیوں بار بار دھمکائے جاتے ہو۔ یہ وقت لڑنے کا نہیں سوچنے کا ہے۔

خرم تو کچھ بتاتا ہی نہیں اس کے آگے کیا ارادے ہیں ادھر سمیر کے دوستوں کا بھی پتا نہیں انہوں نے ہماری باتیں سن کر اس پر کوئی دھیان دیا ہو گا یا نہیں۔ اگر سمیر بیچ میں نہیں آیا تو بہت ممکن ہے خرم یہ شرط جیت جائے۔“

”اگر وہ شرط جیت بھی جائے تو تم کون سا خودداری دکھاتے ہوئے یونیورسٹی چھوڑ دو گے۔

تم تو اگلے ہی دن شلٹے ہوئے آ جاؤ گے۔“ مجھے کوئی شرط یاد نہیں۔“ حمید نے آخری جملہ نہایت بے سری آواز میں کہہ کر گویا دکی کی نقل اتاری مگر وہ بھی سدا کا ڈھیٹ گردن اگڑاتے ہوئے بولا۔

”وہ تو ہے میں تو ہار تے ہی مگر جاؤں گا مگر خرم اپنی بات کا پکا ہے وہ ضرور اپنی گاڑی کی چابیاں اگلے دن ہی دے دے گا مگر یہ سب تب ہو گا جب ہمیں پتا ہو کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔“ دکی پر سوچ انداز میں بولا۔

”وہ ہمیں کیوں بتائے گا کہ وہ کیا کرنے والا ہے بلکہ نادر اور ہارون بھی زیادہ کچھ نہیں جانتے ورنہ ان دونوں سے ہی انکو آ لیتے۔“ حمید نے بین کی پشت سے کان کا غلط کرتے ہوئے بورت سے کہا۔

”کس سے کیا اگلو انے والے ہو۔“ ہارون کی اچانک آواز سنائی دی تو وہ دونوں بری طرح ہڑباز گئے۔

جو بین حمید نے کان صاف کرنے کے لیے ہیمز رکھا تھا وہ کچھ اور بھی اندر چلا گیا تو حمید تکلیف سے چلا اٹھا۔

”کیا ہوا۔ تم ٹھیک تو ہو۔“ ہارون نے اتنی بھیاں تک چبڑا کر پوچھا۔
 ”ہاں ہاں ٹھیک ہوں، تم کہاں سے بول کے جن کی طرح حاضر ہو گئے۔“ حمید نے کان سہلاتے ہوئے پوچھا۔
 ”ارے فرار ہو کر آیا ہوں یہ خرم کے بچے نے بھی جان غدا ب کر کے رکھی ہوئی ہے تم لوگوں کو ضرورت کیا
 تھی یہ فضول شرط لگانے کی۔“ ہارون سختی سے بولا تو وہ دونوں ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھ کر ہارون کے قریب
 کھسک آئے۔

”کیوں کیا ہوا، خیریت تو ہے نا۔“ یہ اندازہ ہوتے ہی کہ ہارون کو کچھ نا کچھ پتا ہے ان کی دلچسپی عروج کو پہنچ گئی
 تھی۔

”ارے خیریت کہاں ہے خرم، کرائے کے غنڈے اربچ کر رہا ہے، کل صبح جب نمل یونیورسٹی آئے گی تو وہ
 دونوں اسے چھیڑیں گے اور خرم صاحب فلمی ہیرو کی طرح عین موقع پر ایسے بچانے پہنچ جائیں گے۔“ ہارون کے
 چہرے پر بے زادی پھیلی ہوئی تھی، جبکہ وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

”اب تم لوگ خود بتاؤ کیا نمل ایسی لڑکی ہے جو ان حرکتوں سے امپریس ہو جائے۔ خرم کا داغ تو خراب تھا ہی
 نادر کا اس سے زیادہ خراب ہو رہا ہے، وہ کہہ رہا ہے نمل کو جا کر سب بتا دیتے ہیں۔“

ہم نمل کو جا کر بتائیں، تاکہ خرم کے ہاتھوں اگلے ہی دن شہید ہو جائیں۔ یا ر تم دونوں اپنی شرط واپس کیوں
 نہیں لے لیتے۔“ ہارون نے التجائیہ انداز میں کہا۔

”کیا یہ خرم نے کھلوا یا ہے۔“ وہی نے آنکھیں گھماتے ہوئے پوچھا۔

”داغ تو ٹھیک ہے۔“ ہارون نے بکڑ کر کہا۔

”کیا وہ ایسا کچھ کھلوا سکتا ہے تو میں کہہ رہا ہوں، اب کل یہ خواہ مخواہ کی مار پیٹ ہوگی اور نمل پر اثر بھی نہیں
 ہوگا۔“ ہارون نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تو حمید اور وہی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

کیونکہ یہ سارا پلان کل صبح کا تھا، چنانچہ ان دونوں کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ حمید کو فوراً اطلاع دیتی تھی وہ
 ہارون کے پاس سے اٹھ کر سیدھا حمید کے پاس پہنچ گیا، وہ حسب توقع اپنے دوستوں کے ساتھ کینٹین میں موجود تھا،
 ان دونوں نے پچھلی بار کی طرح ان کے قریب کی ٹیبل سنبھال لی اور خرم کا سارا پروگرام زور زور سے ڈسکس
 کرنے لگے۔

پچھلی بار کے مقابلے میں اس بار وہ لوگ زیادہ متجسس لگ رہے تھے، وہی اور حمید ان کی دلچسپی محسوس کرتے
 ہوئے خوشی خوشی وہاں سے اٹھ گئے۔

مگر جیسے ہی وہ کینٹین سے باہر نکلے خرم کو سامنے کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

جس طرح وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سکون سے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا، وہ انہیں چونکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ تبھی
 خرم سے ذرا پیچھے ہارون اور نادر کو کھڑا دیکھ کر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

خرم ایک ایک قدم اٹھاتا ان کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔ حمید کچھ خوف زدہ انداز میں وہی کے پیچھے چھپنے لگا،
 جبکہ وہی اندر سے پریشان ہونے کے باوجود خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

”اس شرط کو جیتنے کے لیے تم نے جو اوجھے ہتھکنڈے آزمائے ہیں اس کے بعد یہ چیلنج ہمارے بیچ سے ختم ہو گیا
 ہے۔ اب مجھے اپنی گاڑی تمہیں دینے کی ضرورت ہے نہ تمہیں یونیورسٹی چھوڑنے کی۔“ خرم کی بات ابھی ختم
 بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہی حیرانی کی اداکاری کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو یا ر، ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔“

”کچھ نہیں کیا۔“ خرم نے سوالیہ انداز میں اسی کا جملہ دہرایا، پھر ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

”تم لوگ اگر خود نمل کو سب بتانے جاتے تو مجھے پتا چل جاتا اور ساتھ ہی تم دونوں کی بدولوں کا چورا بھی نکل
 ”یہ تو میرے نا۔“

جاتا، اس لیے تم نے میرے دوستوں کے سامنے ساری کہانی اگل دی، تاکہ ان کے ذریعے نمل کو سب پتا چل
 جائے اور تم لوگ شرط بھی جیت جاؤ اور تمہارا نام بھی نہ آئے۔“

”ارے نہیں یا ر تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ورنہ۔“ وہی نے کچھ کہنا شروع ہی کیا تھا کہ خرم نے ہاتھ
 اٹھا کر اسے روک دیا۔

”میں کوئی explanation سننے کے موڈ میں نہیں ہوں، میں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ شرط ختم ہو گئی ہے،
 اگر تم دونوں میرے دوست نہ ہوتے تو میں اس حرکت پر تم دونوں کا حشر لگا ڈرتا۔“ خرم نے ان دونوں کو مزید کچھ
 کہنے کا موقع ہی نہ دیا اور دوسری طرف پلٹ گیا، ویسے بھی ان دونوں کے پاس کہنے کے لیے تھا ہی کیا۔

وہ جانتے تھے خرم نے یہ سب اندھیرے میں تیر چلانے والے انداز میں نہیں کہا، اسے پوری طرح پتا تھا، تبھی
 وہ بولا تھا۔

اور واقعی خرم نے اچھی طرح تصدیق کی تھی۔ دراصل نمل کو جب وہ لفافہ دے کر ظاہر لا بیرری سے نکل گیا
 تھا۔ تب وہ وہاں سے گیا نہیں تھا، بلکہ لا بیرری کی کھڑکی میں آکر کھڑا ہو گیا تھا، یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا نمل اس کا دیا
 تحفہ رکھتی ہے یا میرے چھوڑ کر چل پڑتی ہے۔

اسے یہ دیکھ کر تو بڑی خوشی ہوئی کہ نمل نے گو گھڑا اٹھا لے، مگر جب وہ جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو حمید کو اچانک
 اس کے قریب آنا دیکھ کر خرم کے کان کھڑے ہو گئے اور پھر جو کچھ اس نے حمید کو کہتے سنا وہ سن کر اس کا داغ محسوس
 کیا۔

جہاں اسے یہ سوچ کر غصہ آ رہا تھا کہ نمل کو اس شرط کے بارے میں پتا چل گیا، وہیں اسے وہی اور حمید کی
 حماقت پر ناؤ آ رہا تھا جو حمید کے دوستوں کے سامنے یہ سب کہنے بیٹھ گئے۔

مگر تبھی اس کے ذہن میں ایک خیال سا کودا، کہیں وہی اور حمید نے یہ سب جان بوجھ کر تو نہیں کیا، اپنے
 اندازوں کا ذکر اس نے ہارون اور نادر سے کیا اور پھر انہیں آزمائے کے لیے ایک فرضی پلان بنا کر ہارون کو ان
 دونوں کے پاس اس انداز میں بھیجا کہ انہیں یہ نہ لگے کہ وہ اپنے پلان سے انہیں آگاہ کر رہا ہے، بلکہ ایسا محسوس ہو
 جیسے یہ سب خوش اور غصے میں ہارون نے انہیں بتا دیا ہے۔

ہارون کے ذکر کرتے ہی وہ دونوں حسب توقع تیر کی طرح حمید کے گروپ کے پاس پہنچ گئے اور خرم کا شک یقین
 میں بدل گیا۔

خرم نے تو یہ سب جھوٹ کہا تھا، لیکن حمید اور اس کے دوست تو بچ ہی سمجھتے تھے، چنانچہ حمید فوراً ”نمل کی
 تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے کھڑا اسے یہ بتا چکا تھا۔

نمل کو حمید کی یہ خواہ مخواہ کی ہمدردی سخت ناگوار گزر رہی تھی اس لیے روکھے سے انداز میں
 ”بتانے کا شکریہ۔“ کہہ کر آگے بڑھ گئی، اس کا ذہن رو میلہ کی وجہ سے پہلے ہی الجھا ہوا تھا، بلکہ اس وقت بھی
 وہ اور سنبل رو میلہ کو ہی ڈسکس کر رہے تھے، جس کے سر کا درد تو ٹھیک ہو گیا تھا، مگر طبیعت کے بوجھل پن کی
 وجہ سے اس نے آج بھی چھٹی کی تھی۔

”رو میلہ اندر سے ٹپس ہے، تبھی اس کی طبیعت گری گری سی ہے۔“ سنبل اس کے ساتھ کلاس کی طرف
 جاتے ہوئے یہی کہہ رہی تھی، جب حمید پہنچ گیا، البتہ اس کے جاتے ہی جب نمل نے پھر رو میلہ کے بارے میں
 بات کرنی چاہی تو سنبل کا ذہن اس موضوع کی طرف نہ آسکا، بلکہ وہ اسی راستے کو دیکھتے ہوئے بولی، جس پر
 ابھی ابھی حمید گیا تھا۔

”کیا یہ وہی ہے جس نے پہلے بھی تمہیں انکار کیا تھا۔“ نمل نے محض سر ہلا کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔
 ”یہ تو میرے نا۔“

”کون سمیر؟“ نمل نے عام سے انداز میں پوچھا۔
 ”یہ یونیورسٹی میں خرم کا سب سے بڑا کامیاب دوست ہے، دونوں میں ہر وقت مقابلہ چلتا ہے۔“
 ”ہو سکتا ہے یہ خرم کو پھنسانے کے لیے اس قسم کی باتیں کر رہا ہو۔“ نمل اس کی بات پر سر جھٹک کر آگے
 بڑھنے لگی کہ سنبھل قائل کرنے والے انداز میں بولی۔
 ”نہیں میں صحیح کہہ رہی ہوں یہ تو خرم کا حریف ہے، اگر یہ خرم کے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے تو اس کی بات پر
 تو یقین کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ خرم کو پھنسانے کے لیے یہ سب کہہ رہا ہوگا۔ تم خرم سے اس موضوع پر
 کوئی بات نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“ نمل نے ٹھٹھک کر سنبھل کو دیکھا۔
 ”مطلب یہ کہ وہ جو گوگلز تم آج واپس کرنے والی تھیں وہ اپنے پاس ہی رکھ لو، خواہ مخواہ میں بات مت بڑھاؤ۔
 تم ایک بار خرم کی کھلی کر چکی ہو، اس لیے سمیر نے تمہیں ٹارگٹ بنایا ہوگا، خرم کے خلاف کوئی سازش
 کرنے کے لیے۔“

”کیا بکو اس کر رہی ہو میں اس سے کوئی گنڈے کر کیوں رکھ لوں؟“ نمل چڑھ گئی۔
 ”اچھا مت رکھو، کل تک دیکھ لو، بلکہ میرے خیال سے تو کل چھٹی کر لو، تاکہ۔“
 ”تاکہ خرم اسے ارادوں کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ فضول باتیں مت کرو، اسے اگر کچھ کرنا ہوگا تو کل نہیں
 پرسوں کر لے گا۔“ نمل نے جرح کرتے ہوئے اس کی بات کا شادی۔
 ”اچھا چلو چھٹی مت کرو، لیکن ایک دو دن دیکھ لو، اگر وہ ایسی کوئی حرکت کرتا ہے تو پھر اس کا گنڈا واپس کر دینا،
 ورنہ اچھا تو یہ ہی ہے کہ خاموش رہو اور باتیں میں ختم کر دو۔“ سنبھل کے نا اطمینانہ انداز پر نمل فحش ہو کر کہہ گئی۔ مگر
 اسے مزید نصیحت کرنے کے لیے منہ کھول کر دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولی۔
 ”اچھا اچھا ٹھیک ہے، میں ایک دو دن دیکھ لیتی ہوں، یہ خرم کیا کرنے والا ہے، مگر میں چھٹی نہیں کروں گی اب
 کلاس میں چلیں۔“ نمل کے تپے ہوئے لہجے پر سنبھل نے مسکرا کر سر ہلایا۔

ایک دو دن تو کیا پورے چار دن بڑی خاموشی سے گزر گئے، اس بچ مرزا صاحب تین چار لوگوں کے ساتھ
 مٹھائی کے ٹوکے لے آئے اور بات بچی کر کے چلے گئے۔
 رو میلہ کی طرف سے چند قریبی رشتے داروں کے علاوہ کوئی شریک نہ ہوا، کیونکہ کسی کو بد عوی نہیں کیا تھا،
 اصل میں شادی کی تاریخ اپنی نزدیک کی رکھی گئی تھی کہ اس وقت کسی بڑے فنکشن کی ضرورت ہی نہیں تھی،
 محض ایک مہینے بعد شادی ہونا طے پائی تھی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد جب رو میلہ کو بتا چلا تو وہ خود کو روک نہ سکی اور بابا جانی کے پاس چلی آئی۔
 ”میری پرہیالی کا کیا ہوگا بابا جانی۔“ جب انہوں نے خود سے کوئی بات ہی نہیں کی تو آخر اسے ڈھیٹ بن کر
 پوچھنا ہی پڑا۔
 ”تم کینڈا جا کر پرہیالی کر لینا، رشتہ بہت اچھا تھا رو میلہ اور انہیں بہت جلدی ہے، ورنہ میں نے تو تین چار
 مہینے کے بعد کی تاریخ چاہی تھی، آج کل تو بزنس میں بھی اتنی مصروفیت چل رہی ہے کہ شادی کی تیاریوں کے لیے
 وقت نکالنا مشکل ہو جائے گا۔“

مگر وہ لوگ مان ہی نہیں رہے، یہ ایک مہینہ بھی بڑی مشکل سے ملا ہے، ورنہ وہ تو دہشتہ بعد کی بات کر رہے
 تھے۔
 اصل میں گلفام کسی کام سے پاکستان آ رہا ہے اور وہ چاہتے ہیں اسی وقت شادی کریں، مگر بد دن میں تو

ہمارے لیے ممکن ہی نہیں تھا، نمل نے ہنسنے پر اب کچھ دنوں کے لیے شرم سے باہر جا رہا ہے۔
 آخر بڑی مشکلوں سے گلفام نے پندرہ دن سے بڑھا کر اپنا ایک مہینے بعد کا ٹرپ رکھا ہے، اس سے زیادہ
 ڈیلے ہو نہیں سکتا تھا۔ ”بابا جانی اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خوشی خوشی بتاتے گئے تو رو میلہ کے پاس جیسے
 کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں، وہ صرف انہیں دیکھ کر کہہ گئی، ذہن الجھ کر رہ گیا تھا۔
 ”ایک ماہ بعد شادی!“

”لگتا ہے ہم سے سننے میں کوئی غلطی ہو گئی۔“ سمیر کے ایک دوست نے خرم کو کوئی حمید ہارون اور نادر کے
 ساتھ کلاس سے نکلتا دیکھ کر دور سے ہی بڑبڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔
 ”غلطی تو خیر نہیں ہوئی میرے خیال سے تو خرم کا ارادہ ہی بدل گیا، کرائے کے غنڈے نہیں مل سکے ہوں
 گے۔“ ایک اور دوست نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔
 ”یہ ہو سکتا ہے شرط ہار گیا ہو، نمل نے لفٹ ہی نہ کرائی ہو۔“
 ”اگر خرم شرط ہار گیا ہو تو اس کی گاڑی وکی اور حمید کے پاس ہوتی۔“ سمیر نے بدستور دور کھڑے خرم کو دیکھتے
 ہوئے کہا۔

اتنے دن ہو گئے تھے اس کے پلان پر عمل نہیں ہوا تھا۔ جبکہ سمیر فوراً ”نمل کو ہوشیار کر آیا تھا اب نمل اس
 کے بارے میں بھلا کیا سوچ رہی ہوگی کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔
 ”تو پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے اس خاموشی کی۔“ سمیر کے ایک دوست نے بھنویں اچکاتے ہوئے سمیر کو دیکھا تو سمیر
 اسے بغور دیکھتے ہوئے یقین سے بولا۔
 ”خرم کو بتا چل گیا ہے کہ ہمیں سب خبر ہو گئی ہے، بلکہ شاید وہ یہ بھی جان گیا ہے کہ میں نے نمل کو سب بتا دیا
 ہے۔“
 ”تو پھر تو وہ کوئی اور پلان بنا رہا ہو گا یا پھر شاید اسی لیے خاموش ہو کر بیٹھ گیا ہے کہ تھوڑا وقت گزر جائے پھر کوئی
 چال چلے۔“

”اب کچھ بھی ہو، سمیر وغیرہ نمل کی نظر میں جھوٹے بن ہی گئے۔“ اس کے ایک دوست نے مسکراتے ہوئے
 چڑانے والے انداز میں کہا تو سارے ہی دوست مسکرائے گئے۔
 ”اگر یہ جھوٹ بھی تھا تو اسے بچ کیا جاسکتا ہے۔“ سمیر نے باری باری ان سب کو دیکھا۔
 ”کیا مطلب؟“ وہ ایک زبان بولے۔
 ”ان کا ارادہ غنڈے بھیج کر نمل کو تنگ کرنے کا تھا نا۔ تو یہ کام ہم کرویتے ہیں۔“ سمیر نے اطمینان سے کہا۔
 ”تو کیا ہیرو بن کر تم پہنچو گے۔“ اس کے ایک دوست نے تعجب سے پوچھا۔

”ارے نہیں یار۔ اس طرح تو وہ سمجھے گی میں ہی اس پر لائن مار رہا ہوں۔“
 ”بچے گا تو خرم ہی، لیکن نمل کی نظر میں ہیرو نہیں بن سکے گا، کیونکہ اسے یقین ہو جائے گا کہ خرم یہ سب شرط
 جیتنے کے لیے کر رہا ہے۔“ سمیر کے چہرے پر بدعاشی سے بھرپور مسکراہٹ ابھر آئی۔
 وہ تصور کی آنکھ سے وہ منظر دیکھ رہا تھا، نمل، خرم کی توقع کے مطابق مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے
 چلا کر اسے ذلیل کرے گی۔

دستِ کر کے

نوسیدہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ نوسیدہ اس سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوسیدہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی بھرت پر لے جاتی ہے۔ اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

روسیلہ، سنیل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نعل ان دونوں کو لچکی۔ دن دینی ہے۔ اس آفری دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب۔۔۔ فب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس لچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوسیدہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خفا ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیر میوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو آنسو مارے میں زخمی کرتا ہے۔

۱۲

(اب آئیے)

بارہویں قسط



عائشہ اختر جب سے گھر آئی تھیں اسی پریشانی میں مبتلا تھیں کہ بلال اختر کو سب کچھ کیسے بتائیں حالانکہ کئی بار انہیں موقع بھی ملا۔

بلال اختر نے آفس سے گھر آتے ہی عائشہ اختر کی پریشانی کو بھانپ لیا تھا مگر وہ ان کے استفسار پر کچھ نہ کہہ سکیں یہاں تک کہ بلال اختر نے انہیں کرید بھیجی بہت کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آج ڈاکٹر شکیلہ سے ملنے گئی تھیں۔

”کیا کہا ڈاکٹر شکیلہ نے؟“ بلال اختر کے سوال پر عائشہ اختر صرف ان کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

ایک جنگ جھل رہی تھی ان کے اندر اگر انہوں نے خود سے نہیں بتایا تو ڈاکٹر شکیلہ خود فون کر کے بتا دیں گی۔

مگر زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔

”بوسے یا ایسا کیا کہہ دیا ہے ڈاکٹر شکیلہ نے جو چہرے کا رنگ فق ہو گیا ہے۔“ بلال اختر گلے میں پڑی مائی کی بات ڈھیلی کرتے ہوئے طنز پر انداز میں بولے تو عائشہ اختر ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”آپ کیا کر س گے جان کر؟ کون سا آپ کو ان کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔“ عائشہ اختر کے ہنسنے ہوئے انداز پر بلال اختر ٹھنک کر انہیں دیکھنے لگے۔

”اب کیا فرمایا انہوں نے کیا نذریہ کی شادی فوراً کر دینے کا مشورہ دے رہی ہیں۔“ بلال اختر جھٹکنے والے انداز میں بولے کہ ”مجھے بخوبی یاد ہے کہ ڈاکٹر شکیلہ نے اس کی شادی کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔“

عائشہ اختر کھول کر رہ گئیں۔ ایک تو پہلے ہی ان کی بہت نہیں پڑ رہی تھی بلال اختر کو کچھ بتانے کی اب تو ان کا موڈ بھی آف ہو گیا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا بلال اختر ڈاکٹر شکیلہ کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اسے فوراً ”پاگل خانے“ بھیج دیں گے۔

بلال اختر ان کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر ر سائیت سے کہنے لگے۔

”آپ کو کیا لگتا ہے عائشہ نذریہ کی شادی کر دینا اس کی بیماری کا علاج ہے۔“

”تو پھر اس کی بیماری کا علاج کیا ہے کیا ساری زندگی اسے گھر بٹھا کر رکھنا ہے۔“ عائشہ اختر تڑخ کر بولیں۔

”جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوتی اس کی شادی کر دینا اس پر ظلم ہے اور اس سے بھی زیادہ اس کے لیے پر۔“ بلال اختر نے مائی ایک جھٹکے سے گردن سے بچھنی تو عائشہ اختر بھی غصے سے کھڑی ہو گئیں۔

”تو نذریہ کا ماحول بدلنے کے لیے آپ اپنے کام میں سے دو تین دن کا وقت نکال لیں اور اسے یہاں سے کہیں دور لے جائیں۔“

”گلے چھ مہینے تک تو ایسا ممکن نہیں اس کے بعد کوشش کروں گا۔“ بلال اختر نے منہ بند انکار کر دیا۔

”ان چھ مہینوں میں آپ کی اور اگلے چھ مہینوں کی مصروفیت نکل آئے گی کیونکہ آپ اس کے لیے وقت نکالنا چاہتے ہی نہیں ہیں۔“ عائشہ اختر غصے سے کہتی کمرے سے نکل گئیں۔

مگر ان کا کمرے سے نکل جانا بات تو ختم نہیں کرتا۔ اگلے دن عائشہ اختر بلال اختر آفس سے جلدی گھر آ گئے ان کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر عائشہ اختر ٹھنک گئیں۔

”ابن میں فوراً ڈاکٹر شکیلہ کا خیال آیا تھا تبھی ان سے کچھ پوچھنے کی بہت بھی نہیں ہوئی۔“

”نذریہ کہاں ہے؟“ سوال بھی خلاف معمول تھا عائشہ اختر فون کڑا کر کے پوچھنے پر مجبور ہو گئیں۔

”بے کمرے میں ہے کیوں کیا ہوا؟“

”ڈر ایو انا ہے۔“

”شکریات کیا ہے؟“

”کیوں بتاؤں میں آپ کو جب آپ مجھے کچھ نہیں بتاتے۔ ڈاکٹر شکیلہ نے فون کیا تھا مجھے اور انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنے بے خبر ہوں وہ سمجھ رہی تھیں میں انجان نظر آنے کی اداکاری کر رہا ہوں۔“ بلال اختر تھلا کر بولے۔

عائشہ اختر بغلیں جھانکنے لگیں بلال اختر انہیں خاموش دیکھ کر نذریہ کو کواڈرینے لگے کہ عائشہ اختر نے ٹوک دیا۔

”اسے بلا کر کچھ پوچھنے کا فائدہ نہیں وہ خود بہت مشرب ہے۔“

”تو کیا تمہاری طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں اور وہ نوکری کو قتل کرتی پھرتی رہے۔“ بلال اختر نے دانت پیسے۔

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ نذریہ نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ فطاشہ کی موت ایک حادثہ تھی پولیس پریس سب کی کہہ رہے ہیں۔“ عائشہ اختر تڑپ کر بولیں۔

”مگر یہ ایک حادثہ تھا تو نذریہ کو اس حادثے کے متعلق کیسے پتا چلا۔“

”نذریہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے اسے بلا کر پوچھنا بے کار ہے۔“ عائشہ اختر منہ منہ نہیں۔

”جواب تو آپ کے پاس بھی کسی سوال کا نہیں ہے آپ سے بھی بات کرنا بے کار ہے۔“

ورنہ جس عورت کی جوان جہان بنی گھر سے کلج کا کہہ کر سڑکوں پر تو اوارہ گردی کرتی پھر رہی ہو اس عورت کی تو راتوں کی بیانیوں میں۔ بلال اختر کا ہر میں بچھا جملہ عائشہ اختر کو تیر کی طرح لگا تھا وہ بھی لن ہی کے انداز میں بولیں۔

”وہ سڑکوں پر کوئی اوارہ گردی نہیں کر رہی گھر کے پچھلے حصے میں بنے سروٹ کو اس میں جا کر بیٹھ جاتی تھی۔“

ڈاکٹر شکیلہ نے یہ نہیں بتایا آپ کو۔“ بلال اختر ان کے تنگ کر بولنے پر مزید سختی ہو کر بولے۔

”اتنی آسانی سے یقین کر لیا آپ نے اس کے فضول بہانے پر جو بھی آپ خود بتایا کرتی تھیں۔“

ایک زمانے وار تھیں رات تھا عائشہ اختر کے منہ پر اور ان کا سارا غصہ اور کھولن بیٹھتی چلی گئی تھی وہ نذریہ نظروں سے بلال اختر کو دیکھتی چلی گئیں ان کا خاموش ہو جانا بلال اختر بھی محسوس کر گئے تھے۔

خود انہیں بھی کہنے کے بعد احساس ہوا تھا کہ وہ ایک غلط بات کہہ گئے ہیں لیکن اس وقت وہ اتنے غصے میں تھے کہ شرمندہ ہونا انہیں گوارہ نہ ہوا البتہ اپنی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ بیڑا تے ہوئے کہنے لگے۔

”نذریہ کا ناگل بن برہہ رہا ہے پہلے اس نے رخسار پر حملہ کیا تھا اور اب نہا شاپر۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک نذریہ پر کوئی پولیس کیس نہیں ہوا لیکن اگر کسی حالات رہے تو وہ وقت دور نہیں جب وہ جیل میں ہوگی۔“

”تو کیا آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ جیل کی بجائے مینٹل ہسپتال بھیج دیا جائے۔“ عائشہ اختر کتنی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تھیں وہ بھی شخص اس لیے کہ وہ جلد از جلد یہ جان لینا چاہتی تھیں کہ بلال اختر کا آگے کیا ارادہ ہے۔

ان کے سوال پر بلال اختر نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”میں مینٹل ہسپتال بھیج کر مجھے ساری دنیا کو خود پر ہسانا نہیں ہے۔“ بلال اختر ہنسنے کے کنارے پر بیٹھ گئے۔

”تو پھر؟“ عائشہ اختر کو ایک طرف جہاں تھوڑا اطمینان ہوا وہیں ایک نئی فکر نے آن گھیرا کہ آخر پھر بلال اختر نے کیا سوچ رکھا ہے۔

ان کے پوچھنے پر بلال اختر فوری طور پر کچھ نہیں بولے بلکہ ایک گہری سانس کھینچ کر کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

عائشہ اختر دستانور انہیں دیکھتی رہیں تو بلا آخر بلال اختر سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر سے لہجے میں بولے۔

”ڈاکٹر شکیلہ نے کہا ہے تاکہ دوسرے کا ماحول تبدیل کریں۔ اس کے لیے وقتی طور پر کہیں جانے کی بجائے مستقل طور پر چلے جاتے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ عائشہ آخر کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا جو شخص کچھ دنوں کے لیے بزنس نہیں چھوڑ سکتا وہ مستقل طور پر کہیں جانے کے لیے کیسے رضامند ہو سکتا ہے۔

”مطلب یہ کہ ہم گھر تبدیل کر لیتے ہیں۔“ عائشہ آخر کی آنکھیں حیرانی کی شدت سے پھیل گئیں۔

”کتنی ہی دیر وہ دنوں بغیر کچھ بولے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے آخر عائشہ آخر نکلتے ہوئے بولیں۔“

”آپ۔ آپ یہ گھر چھوڑ دیں گے۔“

”صرف چھوڑیں گے نہیں بلکہ ہم اس گھر کو بیچ دیں گے۔“ بلال آخر سابقہ انداز میں بولے۔

عائشہ آخر کی بے یقینی بڑھتی جا رہی تھی کتنی ہی دیر تک وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہ ہوئیں ان کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے بلال آخر خود ہی جرح کرنے والے انداز میں بولے۔

”اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں آپ ہماری جوان بیٹی کو بالکل خانے بیچنے کی نوبت آپکی ہے کیا آپ اب بھی اسی گھر میں رہنا چاہتی ہیں۔“ بلال آخر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے رہے مگر عائشہ آخر کچھ بھی بولنے کی بجائے شدید رسی کھڑی رہیں۔

پتا نہیں وہ دنوں کب تک بولنے کے قابل نہ ہونے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی اس پر نظر پڑتے ہی بلال آخر تو پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے جبکہ عائشہ آخر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

دوسرے ان کی حالت باخوبی سمجھ رہی تھی جب بلال آخر نے اسے پکارا تھا وہ کمرے کے سامنے سے ہی گزر رہی تھی اس لیے جیسے ہی اس نے کمرے میں داخل ہونے کے لیے دروازے کا ہینڈل پکڑا اندر سے آتی تو انہوں نے اس کا پورا وجود سن کر دیا۔

ڈاکٹر شکیلہ اسے بالکل خانے میں بھرتی کرنا چاہتی تھیں کیونکہ اس نے نطاشہ کو قتل کیا تھا۔

ایک عجیب سا خوف اس کے وجود میں سرایت کر گیا اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے جہاں کوئی نہ ہو۔ ڈاکٹر شکیلہ اس کے والدین اس کے کالج کا اسٹاف اور اس میں پڑھنے والی لڑکیاں۔

کتنی دیر وہ کانپتے وجود کے ساتھ کھڑی ان کی گفتگو سنتی رہی آخر جب بلال آخر نے کمرے کا فیصلہ سنایا تب دوسرے سے رہا نہ گیا اور وہ دروازہ کھٹکنا کر اندر آ گئی۔

”بیٹا۔ میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ آپ کو اپنا آبائی گھر بیچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دادا نے کتنے شوق سے یہ گھر بنوایا تھا۔“ دوسرے نے وہ سب دیکھا تو نہیں تھا البتہ شاعرانہ تھا۔

اس گھر کی تعمیر تو بلال آخر کے بھی پیدا ہونے سے پہلے ہوئی تھی لیکن اسے دوسرے نے بلال آخر کی شادی کے بعد تک ہوتی رہی تھی۔

بھی اتنے سال گزر جانے کے باوجود یہ گھر بالکل جدید اور نئی طرز پر بنا نظر آتا تھا اتنا خوب صورت اور شاندار گھر پھر کبھی کوئی عقل مندی نہیں تھی وہ بھی اس صورت میں کہ جس سے ہزاروں یادیں وابستہ ہوں۔

دوسرے کی بات پر بلال آخر تو کچھ نہیں بولے البتہ عائشہ آخر کو اس بحال کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”دوسرے تمہیک کہہ رہی ہے گھر بیچنے کی بجائے ہم کرائے پر دے دیتے ہیں اور کچھ دنوں بعد واپس اس گھر میں۔“

”مجھے اس گھر میں رہنا ہی نہیں ہے اتنا بڑا گھر کرائے پر چھانا آسان نہیں ہے پھر کرائے دار گھر خراب کر کے

اچانک بھڑک دیتے ہیں تو دوبارہ نئے کرائے داروں کو گھر دینے سے پہلے گھر کی از سر نو مرمت کرانی پڑتی ہے۔

اتنی درد سہی سے بستر سے اترے انسان گھر بچھوڑے اور سکون سے رہے۔ ”بلال آخر نے بولے انداز میں بولے۔

”تو عائشہ آخر تو خاموش ہو گئیں لیکن دوسرے کو کتنا پرانا۔“

”بیٹا گھر بیچنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“

”مجھے بھی معلوم ہے۔ تمہاری شائستہ خالہ کا بھوت تمہارے ساتھ ساتھ اس دوسرے گھر میں بھی چلا جائے گا وہاں بھی تمہاری ذہنی حالت یہی رہے گی۔“

لیکن ڈاکٹر شکیلہ کچھ دنوں کے لیے خاموش ضرور ہو جائیں گی ورنہ اگر میں نے یہ قدم نہیں اٹھایا تو تو وہ جہیں بالکل خانے بیچنے پر بعد رہیں گی۔“ بلال آخر کے گونے سے بھی کاری ضرب پر مشتعل الفاظ سن کر دوسرے کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

عائشہ آخر ان کے چار حانہ انداز پر حیران نہیں غصے اور بے بسی سے دیکھ کر رہ گئیں وہ دوسرے کی طرف بڑھنا چاہتی تھیں تاکہ اسے تسلی دے سکیں مگر دوسرے تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

وہ پہلے تو اس کے پیچھے جانے کے لیے آگے بڑھیں پھر ارادہ ترک کر لی بلال آخر کی طرف مڑ گئیں۔

”گھر بیچنے کا فیصلہ آپ نے ڈاکٹر شکیلہ کے ہاتھ میں آکر نہیں کیا ہے بلکہ آپ خود اس گھر سے عاجز آ گئے ہیں۔“

اب صرف باقی لفظی کا تقارہ ادا کر رہے ہیں لیکن میں آپ کو بتا دوں اس گھر کو بیچنے سے ہمارا کفار ادا نہیں ہو گا اس گھر کو اگر آپ مفت میں بھی کسی کو دے دیں گے تب بھی آپ کو سکون نہیں ملے گا۔“ عائشہ آخر ایسے بول رہی تھیں جیسے انکار سے چار رہی ہوں۔

بلال آخر سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے وہ نہیں چاہتے تھے کہ عائشہ آخر اس موضوع پر مزید کچھ نہیں چنانچہ انہیں خاموش رکھنے کے لیے بلال آخر ساتھ میں پکڑی ٹائی بستر پر بیٹھتے ہوئے ہاتھ روم میں گھس گئے۔

اپنے غصے کا اظہار کرنے کے لیے انہوں نے پوری قوت سے ہاتھ روم کا دروازہ بند کیا تھا۔



رومیلہ کی شادی کی تاریخ اتنی نزدیک کی رکھی گئی تھی کہ عمل اور اس کی والدہ بھی حیران رہ گئی تھیں۔

عمل کیونکہ رومیلہ کے احساسات بھی جانتی تھی چنانچہ اسے زیادہ دکھ ہوا تھا مگر وہ اور اس کی والدہ رشیدہ کرمی کیا سکتی تھیں۔ رومیلہ کے والد سے ان کی براہ راست رشتہ داری نہیں تھی رومیلہ کی والدہ مرحومہ عفت خلیل کی بہن تھیں جن کے انتقال کے بعد بس رسی کی بات چیت ہی رہ گئی تھی۔

اور کچھ عرصے تک عفت خلیل کی بے تحاشا مصروفیت کی وجہ سے رسی تعلق بھی کمزور پڑتا جا رہا تھا۔

رومیلہ کی بات طے ہونے پر بھی عفت خلیل نہیں جاسکے تھے صرف رشیدہ عمل کے ساتھ شریک ہو گئی تھیں۔ ان دنوں کی حیثیت بس مہمانوں جیسی تھی وہ ان کے گھر کے معاملے میں بھلا کیا بولتیں اور پھر رشیدہ نے رومیلہ کو الٹا سمجھانے کی ہی کوشش کی تھی کہ لڑکیوں کی ایسے اچانک شادیاں ہوتی ہیں یہ کوئی ایسی ان ہونی بات نہیں ہے۔

اور واقعی ہی تسلی دے کر ان سب نے خود کو مطمئن کر لیا تھا۔

عمل حسب معمول شام کی چائے رشیدہ کے ساتھ لان میں بیٹھی پی رہی تھی جب اس کے موبائل پر منسل کی کال آ گئی۔

”نمل تم نے تو کہا تھا حشام نامی وہ لڑکا اپنے گاؤں چلا گیا ہے جسے پولیس نے کسی ناکہ جرم پر گرفتار کر لیا تھا۔“ سنبل کی حیران پریشان آواز سن کر خود نمل بھی الجھ گئی۔

”ہاں! کیوں گیا ہوا؟“

”مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو سنی دی پر نہیں دیکھ رہیں ایک لڑکا جس کا ہم حشام ہے پولیس انسپکٹر قادر کے انسان سوز تشدد کا شکار ہو کر ہسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے۔“ سنبل کی بات پر نمل اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

”ہمس کی بہن اور وہ وہاں کے بیانات چل رہے ہیں جس میں وہ کہہ رہی ہیں ان کا بیٹا پچھلے ایک ماہ سے پولیس کی حراست میں ہے مگر پولیس ریکارڈ میں اس کا کہیں نام موجود ہی نہیں تھا۔“

وہ دونوں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئی تھیں تب حکمت عملی کے توسط سے پتا چلا کہ وہ لڑکا انسپکٹر قادر جیسے وحشی شخص کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔“ سنبل بغیر سانس لیے بول رہی تھی وہ سری طرف نمل کا اپنا سانس بھی سینے میں ڈبک گیا تھا۔

سنبل کی گفتگو میں پیچھے چلتے نئی دی کا شور بھی وہ واضح طور پر سن سکتی تھی نئی دی پر اس خبر کے نشر ہوتے ہی سنبل نے اسے فون کیا تھا۔

نمل تیزی سے اندر کی طرف دوڑی نئی دی آن کرنے پر اس کے رہے سے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

اسکریں پر بلاشبہ و شبہ و شکاں اور اس کی ماں تھیں۔

نیوز چینل والے انسپکٹر قادر کے وحشی رویے کی کہانی سناتے ہوئے بار بار شکاں اور اس کی والدہ کا آنسوؤں سے ترچہ فوکس کر رہے تھے۔

موبائل ابھی بھی نمل کے کھن سے لگا ہوا تھا وہ تو اتر سے بولتی سنبل کو سن رہی تھی جو ہر تفصیل کے بعد ایک ہی سوال پوچھ رہی تھی۔

”یاد تم نے تو کہا تھا انکل نے اسے چھڑا لیا ہے انکل نے تم سے جھوٹ کیوں بولا؟“

”سنبل میں تمہیں تھوڑی دیر میں فون کرتی ہوں۔“ نمل نے بمشکل اپنے منتشر ہوتے ذہن کو یکجا کرتے ہوئے تیزی سے کہا اور سنبل کو بولنے کا موقع دے بغیر فون کاٹ دیا۔

اس نے نئی دی پر تفصیلات جاننے کی کوشش کرنے کی بجائے اسی وقت ہسپتال جا کر شکاں کے دو نوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ جیسے ہی گاڑی کی چابیاں الے کر گھر سے نکلی رشیدہ کو بمشکل وہیل چیئر چلا کر گھر کی طرف آتا دیکھ کر سری طرح شرمندہ ہو گئی۔

وہ انہیں کچھ بھی بتائے بغیر ایسے اٹھ کر بھاگ آئی تھی کہ وہ بری طرح پریشان ہو گئی تھیں پہلے تو وہ اس کا انتظار کرتی رہیں پھر خود ہی اندر آنے کی کوشش کرنے لگیں۔

دراصل گھاس پروہیل چیئر بڑی مشکل سے آئے ہو جاتی تھی اس لیے نمل کبھی انہیں کچی زمین پر وہیل چیئر چلانے نہیں دیتی تھی بلکہ خود ہی دھکیلتی ہوئی لاتی تھی۔

اس وقت بھی ان پر نظر پڑتے ہی نمل تیزی سے خانگی طرف بڑھی اور قریب پہنچتے ہی ان کے پوچھے بغیر بتائے گئی۔

رشیدہ بھی یہ سب سن کر وہ گھر پر نہیں بھڑکیا تے ہوئے پولیس۔

”اس وقت جاؤ گی۔“ انہوں نے حشام کے سائے گھرے ہوتے دیکھ کر نظر سے کہا تو نمل بھی ایک نظر کھلے

آسمان پر ڈالتے ہوئے قدرے بے بسی سے بولی۔
 ”میرا شامکہ سے ملنا بہت ضروری ہے حشام کی حالت بہت سیریس ہے۔“ رشیدہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئیں
 خود ان کی حالت یہ سب سن کر عجیب سی ہو گئی تھی وہ اسے جانے سے روک نہ سکیں خود نمل کو بھی دیر ہونے کا
 احساس تھا بھی وہ تیزی سے ڈرائیو کرتی تھی آگے گھٹنے میں ہاسٹبل بچھ گئی تھی۔
 مگر وہاں موجود صحافیوں کا رش اسے شامکہ تک پہنچنے نہیں دے رہا تھا خود شامکہ کی سی اس پر نظر پڑی تو وہ اس
 کے نزدیک آگئی۔
 اسے اپنے قریب آنا دیکھ کر نمل نے اچھی طرح چادر سے اپنا چہرہ چھپا لیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ شامکہ کے
 باعث صحافی اس کی طرف بھی متوجہ ہو جائیں۔
 اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اخبار اور ٹی وی کی نہنت بننے میں۔
 ”آپ کب واپس آئیں دیں گی؟“ شامکہ نے قریب آتے ہی بڑی بے چینی سے پوچھا نمل جواب دینے کی
 بجائے سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی جو بے اختیار اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے روٹانے لگی تھی۔
 ”دیکھیں نا آپ کے پیچھے کیا ہو گیا آپ تو ہمیں سیدھا عظمت خلیل کے آفس لے گئی تھیں اور ان سے
 ملاقات کرادی تھی۔“
 آپ کے جانے کے بعد عظمت صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی اتنی مشکلوں سے ان سے بات ہوئی تب
 انہوں نے فوراً ”ہشام کے بارے میں بتا چلائے کی کوشش کی۔ مگر دیکھیں نا اس سچ حشام کی حالت کیا ہے کیا ہو گئی
 اس انسپکٹر قادر نے بالکل تھوڑا ڈگری تارچہ کیا ہے میرے بھائی پر۔“ کانشیل کا کہنا ہے کہ حشام نے تو انسپکٹر کو کچھ کہا
 بھی نہیں تھا پھر بھی بتا نہیں کیونکہ انسپکٹر قادر کو اچانک اتنا غصہ آگیا کہ انہوں نے بالکل درندوں کی طرح حشام کو
 دھوکہ کر رکھا دیا۔“ شامکہ ایک دم رو پڑی۔
 نمل خاموشی سے اسے سننے لگی۔
 اس کے والد نے اگر اسے اس معاملے سے دور رکھنے کے لیے یہ سب کہا تھا تب بھی ان کا شامکہ سے جھوٹ
 بولنا تو بڑا تھا مگر نمل سے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا تاکہ وہ بھی مطمئن ہو کر خاموش ہو جائے لیکن جب انہیں حشام
 کی مدد کرنی پڑی تھی تو اتنا وقت کیوں ضائع کیا انہیں کون سا کہیں لے جانے کی ضرورت تھی ہاں صرف فون
 کھلنے سے پھر کیوں کیا انہوں نے ایسا۔
 نمل کا ذہن مختلف سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا وہ شامکہ کو جھوٹی تسلی بھی نہ دے سکی بلکہ پلس کے لوگ شامکہ
 کو نمل کے قریب دیکھ کر خود بھی اس کے ارد گرد جمع ہونے لگے اور اس کی بات سوال کرنے لگے شامکہ نے اتنا ہی
 کہا تھا کہ۔ ”یہ عظمت۔“ کہ نمل نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش کر دیا۔
 ”میں شامکہ کی دوست ہوں۔“ نمل نے محض اتنا کہا اور شامکہ کو لے کر ایک طرف ہوتے ہوئے بولی۔
 ”شامکہ میں یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتی میں چلتی ہوں حشام کے علاج پر جو بھی خرچ آئے۔“
 ”پیسوں کی تو کوئی پروا نہیں ہے آپ کے والد ہی سارا خرچ کر رہے ہیں بس وہ ٹھیک ہو جائے۔“ شامکہ کے
 لیے میں بے بسی تھی نمل نے کچھ کہا تھا تو ایک لڑکی جو کسی ٹی وی چینل کی رپورٹر تھی ہاتھ میں مائیک لیے
 نمل کے قریب چلی آئی۔
 ”کیا آپ شامکہ کی دوست ہونے کی حیثیت سے حشام کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی وہ کس قسم کا لڑکا تھا اس
 کی کیا مصروفیات تھیں اور جو اس کے ساتھ ہوا ہے اس پر آپ کے کیا تاثرات ہیں۔“
 ”جی نہیں مجھے کچھ نہیں آتا۔“ نمل جان بوجھ کر نہایت گہرے لہجے میں بولی اور شامکہ سے کچھ بھی کہے بغیر

چیزی سے آگے بڑھ گئی تاکہ رپورٹر مزید کوئی بات نہ کر سکے مگر اس کے وہاں سے ہٹ جانے کے بعد وہ رپورٹر شامکہ
 سے نمل کے متعلق بات کرنے لگی۔
 شامکہ کی طرف سے اسے اطمینان تھا وہ اس کا تعارف نہیں کرانے لگی البتہ وہ حشام کے بارے میں جانتا چاہتی
 تھی جوان صحافیوں کی وجہ سے ہو نہیں سکا تھا مگر گاڑی میں بیٹھنے تک اس کے پاس رشیدہ کا فون آگیا۔
 ”امی میں ہسپتال سے نکل رہی ہوں یوں گھٹنے میں گھر آ جاؤں گی ناں شامکہ۔“
 ”ہاں جلدی آ جاؤ۔ تمہارے ابو نے آجائیں وہ یہی تمہاری ملاقات ہوئی حشام سے کیا ہے وہ؟“
 ”امی اس سے کیسے ملاقات ہوئی اتنے صحافی موجود ہیں ناں اور وہ تو شاید آئی سی یو میں ہو گا۔“ نمل نے کار
 اشارت کرتے ہوئے ناسف سے کہا تو رشیدہ بھی کلو گیر کچے میں بولیں۔
 ”ہاں اور وہ بات کرنے کے قابل بھی نہیں ہو گا۔ یہاں ٹی وی پر بتا رہے ہیں اس کی بیک بون پر شدید چوٹیں
 آئی ہیں وہ شاید اب زندگی بھر بستر سے اٹھنے کے قابل نہ ہو سکے۔“ نمل کا پاؤں سبے اختیار بریک پر رکھا تو ابھی
 پارکنگ ایریا سے ٹکی نہیں تھی ناں سبے کوئی نقصان نہیں ہوا ورنہ جس طرح اس نے بریک لگائے تھے اگر سڑک
 پر ہوتی تو اچھا خاصا ایکسپنڈنٹ ہو جاتا۔
 ایک شدید قسم کے کالل نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ بمشکل رشیدہ کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی دوبارہ
 اشارت کرنے کے قابل ہوئی تھی۔
 گھر آ کر جی اس کا ذہن بہت منتشر رہا اس نے رشیدہ کو بھی ٹی وی نہیں دیکھنے دیا جہاں چینل والے ایک سی خبر کو
 بار بار سن رہے تھے البتہ ایک چیز جو وہ اس وقت نہیں دیکھ سکی تھی وہ اس نے اب گھر آ کر دیکھی تھی اور وہ تھی
 عظمت خلیل کی ریس سے تنگلو۔
 جس وقت حشام کو ہسپتال لے جایا گیا تھا اس وقت عظمت خلیل بھی وہاں پہنچ گئے تھے انہوں نے بڑے جذباتی
 اور ڈرامائی انداز میں انسپکٹر قادر اور پورے پولیس ڈیپارٹمنٹ کے خلاف بیان دینے کے ساتھ ساتھ حشام کے
 معذور ہو جانے پر بڑے غم کا اظہار کیا تھا۔
 ان کے یہ کلپس بار بار دکھائے جا رہے تھے جبکہ نمل کو ڈاکٹر کے ڈکلیئر کرنے سے پہلے ہی عظمت خلیل کا
 حشام کو معذور قرار دے دینا ایک عجیب سی اذیت سے دوچار کر رہا تھا اس لیے اس نے رشیدہ کو ٹی وی بند کرنے کے
 لیے کہہ دیا۔
 وہ خود بھی جانے کس ٹرانس میں دیکھے جا رہی تھیں ورنہ دل تو ان کا بھی بہت برا ہو رہا تھا نمل کے کہتے ہی
 انہوں نے ٹی وی آف کر دیا۔
 عظمت خلیل رات کو کافی دیر سے گھر آئے تھے مگر نمل ان کے انتظار میں جاگتی رہی رشیدہ بار بار اسے تاکید
 کرتی رہیں۔
 ”مجھو تمہارے باپ نے ہی اسے نکالا ہے بلا وجہ بدگمان مت ہو۔“
 وہ نہیں چاہتے ہوں گے تمہیں اس معاملے میں انوالو کرنا بھی تم سے جھوٹ بول دیا۔ کوئی بھی باپ نہیں
 چاہے گا کہ بیٹی ایسی کسی کانٹہ دور سی میں پڑے اور تمہاری فطرت کا انہیں پتا ہے سچ بتانے پر تم چپ ہو کر تو نہیں
 بیٹھ جاتیں نا۔“ نمل چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔
 وہ جانتی تھی اس کی ماں عظمت خلیل کی بے جا حمایت کر رہی ہے اور اس بات کا علم اسے خود بھی ہے وہ صرف
 نمل کو لھنڈا رہنے کے لیے یہ سب کہہ رہی ہیں ورنہ وہ حقیقت انہیں بھی اس بات کا علم ہے کہ عظمت خلیل
 نے جان بوجھ کر اس معاملے میں چتر کشی کی ہے ورنہ اسے متحرک ہوتے تو حشام کا پتا چلنے میں اتنی تاخیر ہوتی۔

ابن بھلے ہی اسپیکر قادر کی وردی اتروا رہے تھے مگر حشام اور اس کی ماں بیٹی کی زندگی توجہ ہو گئی تھی۔
آخر رات کے ساڑھے دس بجے عظمت خلیل گھر میں داخل ہوئے تب بھی ان کے کان سے موبائل لگا ہوا

تھا۔
ختم نے اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ کسی سے محو گفتگو ہیں ان کے نزدیک آتے ہی کہا۔
”ابو مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ عظمت خلیل نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔

ختم چاہتی تھی وہ ہیں ان سے بات کر لے اگر ایک بار وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تو پھر رشیدہ اسے ان کے کمرے میں جانے نہیں دیں گی۔
ختم ان کے گھورنے کی پروا کیے بغیر دستور مختصر نظروں سے انہیں دیکھتی رہی تو انہوں نے جیسے زنج ہو کر ختم کو دیکھا اور بات مختصر کر کے کہا جانے والے انداز میں بولے۔

”کیا بات ہے جلدی کرو۔“
”آپ نے تو کہا تھا حشام کو پولیس نے چھوڑ دیا ہے اور آپ نے اس کے گھر والوں کو پیسے دیے ہیں مگر وہ لوگ کچھ دنوں کے۔“

”ہاں کہا تھا۔ میرے ٹرسٹ کے لوگوں نے مجھے یہی بتایا تھا سو وہی میں نے جنہیں بتایا مگر جب پتا چلا کہ وہ جھوٹ تھا تو میں نے حشام کے بارے میں پتا کیا اور بلا آخر اسے جیل سے نکلوا بھی لیا۔“ انہوں نے بغیر شرمندہ ہوئے نہایت دھمائی سے اتنا کمزور سا جھوٹ بولا جس پر ختم کا قائل ہونا ناممکن تھا بھی وہ طنز یہ انداز میں بولی۔
”آپ کے ٹرسٹ کے لوگ آپ سے اتنا بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں کیا؟“

”اس کی انکوائری میں بعد میں کراؤں گا۔“
رشیدہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں شرف سے کو ایک کپ چائے میرے کمرے میں پہنچا دیے۔“ عظمت خلیل نے مختصراً کہہ کر رشیدہ کو آواز لگاتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے تھے کہ ختم ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”ابو آپ اس طرح نہیں جاسکتے۔ آپ نے کیوں جھوٹ بولا مجھ سے۔ آپ کا ٹرسٹ تو لوگوں کی بددعا کرنے کے لیے ہے۔“

”یہ تو آپ کی تعریفوں کے بل باندھے جارہے ہیں کہ کس طرح آپ ایک پولیس وائس کی سفاکی کو منظر پر لائے ہیں یہی سب تو آپ کا مقصد ہوتا ہے پھر کیوں آپ نے حشام کی بددعا اس وقت کی جب وہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو گیا آپ یہ کام پہلے بھی تو کر سکتے تھے۔“

”تمہارے کہنے کا کیا مطلب ہے میں یہ ساری نیکیاں یہ سب خدمت خلق خیروں میں آنے اور تعریفیں پونے کے لیے کرتا ہوں۔“ عظمت خلیل ایک دم جلال میں آئے مگر ختم ان کے غصے سے ذرا مرعوب نہیں ہوئی اس کا اپنا غصہ بڑھتا جا رہا تھا وہ بھی جواب میں ان ہی جیسی جھڑپی سے بولی۔

”اس بحث کو رہنے دیں کہ آپ کا کیا مقصد ہوتا ہے ان نیکیوں اور خدمت خلق کے پیچھے۔ آپ صرف اتنا بتا دیں کہ آپ نے حشام کے معاملے میں لاپرواہی کیوں برتی کیا اس کے پیچھے بھی آپ کا کوئی مقصد تھا۔“ ختم ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی مگر انہوں نے ذرا بھی توجہ دیے بغیر لاپرواہی سے کہا۔

”میں تمہارے سوال کا جواب بنا ضروری نہیں سمجھتا۔“ وہ گترا کر آگے نکل جانا چاہتے تھے کہ ختم ایک بار پھر ان کے سامنے آتے ہوئے بولی۔

”کیا ملا آپ کو حشام کی زندگی برباد کر کے اس کے معذور ہونے کے پیچھے آپ کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے کس سے بدلہ لینے کے لیے آپ نے اسے عمر بھر کے لیے بستر لٹا دیا۔“ ختم کی آنکھیں پلٹنے لگی تھیں۔

عظمت خلیل جو ایک بار پھر اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھتا جا رہا ہے ختم اس کی آخری تین تین لڑکھائیاں انہوں نے ایک حشمتیں نظر اس پر ڈالی اور دوسری سلگتی ہوئی نظر رشیدہ پر ڈالتے ہوئے انکار سے چپا۔ بدلے انداز میں بولے۔

”تو آخر بتا دیا تم نے اسے سب کچھ کوئی بات کیا تم صرف خود تک نہیں رکھ سکتیں۔“ عظمت خلیل کی بات پر غیر ارادی طور پر ختم کی نظریں رشیدہ کی طرف اٹھ گئیں جو عظمت خلیل کی بات سن کر رتی طرح جو کھلا گئی تھیں انہوں نے جس طرح ایک نظر ختم کو دیکھ کر ہٹا دیا وہ بے صفائی دی اس پر ختم شاک میں گھری انہیں دیکھے مگنی۔

”ک۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں میں بھلا کچھ۔ کیوں بتاؤں گی۔ اور اور پھر مجھے خود کچھ نہیں پتا۔“ وہ جو بھر ختم کے سامنے رکھنا چاہ رہی تھیں ان کے چہرے پر اثری ہوا یہاں اس کا پول کھول گیا تھا پھر بھی رہی سہی کسر عظمت خلیل نے خود پوری کر دی۔
اپنے مخصوص مرتبے ہوئے لمبے میں انہوں نے بڑی دھمائی سے کہا۔

”تمہاری ماں نے جب سب بتا دیا ہے تو پھر یہ پوچھنے کا ذرا امہ کیوں؟“

رشیدہ نے مجھے فون پر بات کرتے سن ہی لیا تھا اور مجھے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا اگر وہ یا تم یہ بات جان گئیں کہ کل رات کاشیمل نے میرے ہی کہنے پر اسپیکر قادر کو اتار دیا کہ اسپیکر قادر نے حشام کا کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی دھن کر رکھ دیا اور جب مجھے پتا چل گیا کہ اس کی حالت بہت نازک ہے تب میں نے کشمن صاحب کو فون کر کے تا صرف حشام کو چھڑا لیا بلکہ شہر کے سب سے مشہور اسپتال میں اسے داخل بھی کرا دیا۔“ ختم ششدر سی انہیں سنے لگی اس میں جیسے کچھ کہنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔

اگر عظمت خلیل کو یہ ذرا سا بھی اندازہ ہو مگر رشیدہ نے ختم سے کچھ نہیں کہا اور وہ صرف اپنے اندازے کے مطابق ان سے بات کر رہی ہے تو وہ یہ سب اس کے سامنے بھی قبول نہ کرتے۔

حالانکہ رشیدہ بھی ان کے معاملے میں نہیں بولی تھیں اور تاہی وہ یہ چاہتی تھیں کہ ایسی کوئی بھی بات ختم کے علم میں آئے جو اسے عظمت خلیل سے مزید خائف کر دے مگر عظمت خلیل نے بیوی پر بھی بھروسہ ہی نہیں کیا تھا انہیں تو بس ان سے شکایتیں تھیں۔

کل رات جب انہیں اپنے منبر کے فون کرنے پر پتا چلا کہ اسپیکر قادر حشام پر زیادہ تشدد نہیں کر رہا بلکہ وہ اسے کسی اور ہی کام کے لیے تیار کر رہا ہے اور وہ مجبور حشام صرف اس کی قید سے نکلنے کے لیے تیار بھی ہو گیا ہے۔

تب عظمت خلیل کے اربانوں پر جیسے اپنی پھر گیا انہوں نے مزید انتظار کرنے اور وقت برباد کرنے کی بجائے منبر کو صاف لفظوں میں سمجھایا کہ وہ اس کا شیشیل کے ذریعے اسپیکر قادر کو حشام کے خلاف اتنا بھڑکاویں کہ وہ فوری کوئی قدم اٹھائے اور عظمت خلیل کو اس کی وردی اتروا لے کاموں مل جائے۔

یہ ساری گفتگو کرنے کے بعد جب انہوں نے فون بند کیا تو کمرے کے ایک کونے میں رشیدہ کو نماز پڑھتا دیکھ کر ٹھٹھک گئے مگر فوراً ہی اپنی ازلی خود سری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے نا صرف ان کے سر پر ہر وقت سوار ہونے پر رشیدہ کو لٹا ڈیا بلکہ جو کچھ سنا اسے بھول جانے کا حکم بھی دے دیا۔

جو اگر وہ بھی دیکھتے تب بھی رشیدہ کو یہی کرتا تھا ایک تو وہ فطرتاً بہت سیدھی تھیں۔ دوسرے جو بہت اعتماد اور بھروسہ تھا وہ معذور ہونے کے بعد سے کب کا ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔

اپنی وہیل چیر کر اس محل جیسے گھر میں ادھر سے ادھر گردش کرتے ہوئے انہیں اپنی ذات اس گھر میں رکھے
فریچر سے بھی زیادہ بے مصرف لگتی تھی وہ فریچر تو پھر بھی امپورٹ تھا اور کمرے کی شان و شوکت کو بڑھا رہا تھا جبکہ
ان کا جو اس بیش قیمت سامان کے بیچ میں بالکل بارزاں ہی تھا۔
صرف ایک محل تھی جس کی وجہ سے ان کے اندر سے جینے کی خواہش ختم نہیں ہوئی تھی وہ اسے دنیا کے ہر
سروگرم سے محفوظ رکھنا چاہتی تھیں۔

مگر افسوس کہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اسے سب سے زیادہ نہیں اپنے والد کی طرف سے ہی پوچھی
تھی۔

اسی لیے رشیدہ کی شعوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ ایسی ہر بات عمل سے چھپالیں جو اس کی نظر میں اس کے والد
کے تاثر کو خراب کرے۔ مگر بچپن سے ہی وہ اس کوشش میں ناکام رہی تھیں۔
عظمت خلیل نے گھر سے باہر اپنا امپریشن بنانے کے لیے جتنی محنت کی تھی وہ اس کی اومی سے بھی اومی
محنت گھر میں نہیں کرتے تھے۔

باہر والوں پر اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کے لیے تیار رہتے لیکن گھر میں داخل ہوتے وہ اس
چولے کو اتنی بری طرح توجہ نہ دیتے کہ گھر والوں کے لیے انہیں برواشت کرنا مشکل ہو جاتا۔

انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ پوری دنیا جو ان کے کن گاتی ہے اس تعریف سے ان کی اپنی بیوی
اور بیٹی ذرا بھی متفق نہیں ہیں۔ وہ دونوں ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ کیا سوچتے ہیں۔ کیا محسوس
کرتے ہیں انہیں قطعاً ہر دانتیں تھیں۔

مگر رشیدہ کے لیے یہ مقام ناقابل برواشت تھا۔ محل انہیں بے یقینی سے دیکھ رہی تھی وہ اس وقت کیا سوچ رہی
تھی یہ وہ باخوبی جانتی تھیں اور یہی چیز انہیں اذیت میں مبتلا کر رہی تھی وہ اس سے نظر لانے کے بھی قابل نہیں
تھیں جبکہ عظمت خلیل ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر شہادت کی انگلی اس کی طرف اٹھاتے ہوئے نہایت سختی سے
بولے۔

”تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم میرے معاملوں سے دور رہو وہ لڑکا معذور ہوتا ہے یا مر جاتا ہے تمہاری ہلا
ہے۔“

میں نے آج ہی نیوز میں اعلان کر دیا ہے میں اس کی ماں ہیں کو اتنا پیسہ دینے والا ہوں کہ وہ زندگی بھر گھر بیٹھ کر
کھا سکتے ہیں وہ لڑکا اگر اپنے پیروں پر کھڑا بھی ہو جائے تب بھی اتنا نہیں کما سکتا تھا۔ ”عظمت خلیل“ کہہ کر کچھ اس
کے برابر سے نکل گئے مگر ابھی وہ دو قدم ہی چلے تھے کہ محل بدستور ساکت کھڑے ہوئے۔ کہ باوجود ان ہی کی طرح
ٹھوس لہجے میں بولے۔

”کل جب انہیں پیسے ملیں گے تو وہ ساری رقم وہاں کر دیں گے۔“ عظمت خلیل اس کی بات پر ٹھک کر اسے
دیکھنے لگے تو وہ سابقہ انداز میں ہی بولی۔

”کیونکہ کل تک وہ یہ جان چاہیں گے کہ ان کے بیٹے کی اس حالت کے ذمہ دار آپ بھی اتنے ہی ہیں جتنے کہ
انسپکٹر قادر یا شاید آپ کا جرم انسپکٹر قادر سے بھی بڑا ہے۔“

عظمت خلیل کے چہرے پر ناگواری کے ساتھ ساتھ نظرات بھی پھیل گئے تھے وہ بنور اس کے چہرے کے
تاثرات دیکھنے لگے جو مزید کہہ رہی تھی۔

”مجھے آئی نے کچھ نہیں بتایا مجھے جو بھی بنا چلا ہے یا تو وہ میرے اپنے انداز سے تھے یا اب جو کچھ آپ نے خود کہا
ہے اس کے باعث معلوم ہوا ہے۔“

اب بھی میں یہ تو نہیں جانتی کہ حشام کی زندگی تباہ کر کے آپ کو کیا فائدہ پہنچا ہے اگر اس خبر سے آپ اپنی
شہرت کو بانی لائسٹ کرنا چاہتے تھے تو وہ تو تب بھی ہو جاتا جب حشام محلے چھوٹ جاتا۔
لیکن شاید اتنی ہمدردیاں اس کیس میں انوالونہ ہو تھیں جو اب ہوئی ہیں۔

بہر حال جو بھی ہو اگر اس انسپکٹر قادر کا علم منظر پر آیا ہے تو آپ کا بھی اتنا پیسہ ہے اور آئے گا بھی۔
پریس میں یہ بھی آئے گا کہ یہ آپ کی سازش تھی۔

”تمہارا دل غل تو ٹھیک ہے۔“ عظمت خلیل جتنا کہہ رہے تھے محض اپنے بولی جیسے ان کی بات سنی ہی نہ ہو۔
”ہو سکتا ہے میں کچھ ثابت نہ کر سکوں آپ کے خلاف مگر مجھے یقین ہے آپ کی شہرت کو داغدار کرنے میں تو
کامیاب ضرور ہو جاؤں گی۔“

جب آپ کی اپنی بیٹی حشام کی والدہ اور پریس سے یہ کہہ کر یہ سب آپ نے کرایا ہے تو بیڈلائن تو ضرور بنے
گی چاہے کیس بنے نہ بنے۔

”شٹ اپ۔ ہوش میں ہو۔ تم ایسی کیو اس کر کے تم میرے لیے نہیں اپنے لیے مسائل کھڑے کر دو گی۔“ وہ
دھاڑ کر بولے پھر رشیدہ کی طرف پھرتے ہوئے چلا کر بولے۔

”یہ تربیت دی ہے تم نے اپنی بیٹی کو۔ یہ سکھایا ہے اسے کہ پریس کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے باپ کے خلاف
بولے۔“

تمہاری جیسی اپنا بیوی کو میں نے ساری زندگی برواشت کیا صرف یہ سوچ کر کہ میری بیٹی کہاں کی ضرورت ہے
لیکن تم فرض بھی ڈھنگ سے ادا نہیں کر سکتیں۔

ایسی ذہنیت اور نفسیات کے ساتھ تو وہ بن ماں کے بھی پل جاتی۔ ”عظمت خلیل بری طرح چیخو تب کھا رہے
تھے اسی لیے اب وہ موضوع سے ہٹ کر ذاتیات پر اتر آئے تھے۔“

اصل موضوع پر کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ تھا نہیں حسب سابق وہ رشیدہ پر برسنے لگے تھے جو ان کا غصہ
بڑھتا دیکھتے ہی زور پڑنے لگتی تھیں اور ان کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر محل سب کچھ محسوس کر ان کی آواز بھگت میں لگ
جاتی۔

اس وقت بھی ان کے منہ سے ایسے القابات سن کر رشیدہ ہولے ہولے کانپنے لگی تھیں مگر محل ان کی طرف
بڑھنے کی بجائے بدستور عظمت خلیل کو دیکھتی رہی جو وہی سب دہرا رہے تھے جو وہ اکثر کہتے آئے تھے مگر ہر بار یہ
سب سن کر اسے نئے سرے سے افسوس اور نئے سرے سے ان سے نفرت محسوس ہوتی تھی جیسی وہ اسی نفرت
بھرے لہجے کے ساتھ بولی۔

”آپ نے میری ماں کو برواشت نہیں کیا بلکہ میری ماں نے ساری زندگی آپ کو میری وجہ سے برواشت کیا ہے
تاکہ میری ذات پر کوئی مشکل نہ آئے اس پر وہ خود ساری زندگی یہ مشکلوں سے بھرا سفر طے کرتی رہیں۔“

آپ نے تو ان کے وجود کو بھی اپنی شہرت کا ذریعہ بنا لیا۔ آپ نے ان کی معذوری کو میری وجہ سے نہیں جھپٹا۔
ارے آپ کو میری کون سی فکر تھی۔

آپ نے صرف دنیا کی واہ واہ اور ہمدردیاں بنورنے کے لیے انہیں اپنے ساتھ رکھا آپ اپنی بیوی کی معذوری کا
اشتمار لگاتے رہے تاکہ لوگ آپ پر ترس کھائیں اور آپ کی مثال دیں کہ کتنا عظیم انسان ہے حالانکہ آپ کیا
ہیں یہ لوگ اگر جان لیں تو آپ پر تھوکتا بھی پسند نہ کریں۔

”بد تمیز۔“ عظمت خلیل کا ہاتھ اٹھا کر محل برقی رفتار سے پیچھے ہٹ گئی اور ان کا وار خلیل چلا گیا اسی وقت
رشیدہ اتنی زور سے چیخیں کہ عظمت خلیل کو دوبارہ آگے بڑھ کر اسے مارنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

اسے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولیں۔
 ”تو کیا واقعی کوئی نہیں ہے۔“ ان کے اتنی سنجیدگی سے پوچھنے پر بل بھر کے لیے خرم ٹھنک گیا جیسے اندر کہیں کسی
 کو نے میں واقعی کوئی موجود ہو۔
 ”نہیں کوئی بھی نہیں۔“ خرم ایسے جیڑی سے بولا جیسے چوری پکڑے جانے کے ڈر سے کوئی پہلے ہی صفائی دے

دے۔
 مسز فرقان حسن بھی اس کے اس طرح ہونے پر اندر سے ہنس دیں۔
 ”Come on hurry up! تمہارے ڈیڈنٹ کر رہے ہیں۔“ وہ یہ کہتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔
 خرم کچھ دیر ان کے پیچھے دروازے کو دیکھا رہا پھر آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں مسز
 فرقان کا جملہ گھومنے لگا۔

”تو کیا واقعی کوئی نہیں ہے۔“
 جملے کے ساتھ ہی کوئی ہلکی سی شبیہ اس کے ذہن کے پردے پر لہرائے لگی تھی اس سے پہلے کہ وہ شکل واضح
 ہوتی خرم کا موبائل بج اٹھا اور خرم چونک گیا۔
 دوسری طرف ہارون تھا خرم نے اسے بتا دیا کہ وہ نہیں آ رہا ساتھ ہی ریسٹ وائچ پر ہنسا کمرے سے باہر آ گیا
 جہاں فرقان حسن اور مسز فرقان اس کے منتظر کھڑے تھے۔
 ”تمہارا موبائل دیکھنے کا پروگرام تھا۔“ فرقان حسن نے اس پر نظر پڑتے ہی پوچھا مسز فرقان غالباً ۲۰ نہیں بتا چکی
 تھیں۔

”میرا نہیں ہارون کا تھا میں تو نا تمہیں اس کرنے کے لیے راضی ہو گیا تھا مگر آپ جہاں لے جا رہے ہیں وہ موبائل
 سے زیادہ اثر شنگ جگہ ہے۔“
 کیونکہ آپ کا پسند کیا ہوا گھر دیکھنا دیکھنے سے تعلق رکھتا ہو گا۔“ خرم نے یقین سے کہا۔
 ”باہر سے تو گھر بہت شاندار ہے لیکن اندر سے میں نے نہیں دیکھا ہے کیونکہ جو لوگ مکان بیچ رہے ہیں وہ
 ابھی اسی میں رہ رہے ہیں۔ فیملی کی موجودگی میں باہر گھر دیکھنے جانا اچھا نہیں لگتا میں نے سوچا ایک علی بار چلیں گے
 اور ایک ساتھ دیکھ لیں گے۔“ فرقان حسن نے تفصیل بتائی۔

وہ تینوں ساتھ چلتے ہوئے گھر سے نکل کر پورے چ کی طرف بڑھنے لگے تھے۔
 ”ڈیڈنٹ آپ کسی کا استعمال شدہ گھر خرید رہے ہیں کوئی نئی کو بھی خریدنی چاہیے جسے کسی نے استعمال نہ کیا ہو۔“
 خرم نے حیرت اور بے زاری کی ہلکی جلی کیفیت میں کہا۔
 ”ارے تم ایک بار اس گھر کو دیکھو گے نا تو تمہیں بتا چلے گا کہ گھر نئی اور شاندار کونسیوں کو بھی مات دیتا ہے۔“
 بلال اختر نامی بہت بڑے بڑے کس مین کا گھر ہے۔ وہ سالوں سے وہاں رہ رہے ہیں بلکہ ان کا آبائی گھر ہے مگر بلال
 اختر نے اسے ایسی زبردست کنڈیشن میں رکھا ہوا ہے کہ لگتا ہے جیسے کچھ مہینوں پہلے ہی تیار ہوا ہو پھر بھی اس

ایریا کا بھی بتا ہے۔
 وہاں ہمارے علاقے کی طرح گھرنی لائٹوں کا مسئلہ ہے نہ پانی کا یوں سمجھ لو ایک دم آئینڈ مل گھر ہے۔“ فرقان
 حسن نے جو شیلے انداز میں کہا تو خرم نے نہ کوئی تبصو نہیں کیا ڈیڈنٹ کے اتنے دعوؤں پر اس نے پہلے دیکھ لیا مناسب
 سمجھا۔
 تقریباً چالیس منٹ بعد خرم نے فرقان حسن کے کہنے پر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔
 ”یہ ہے گھر۔“ مسز فرقان نے پورے ذوق سے پوچھا۔

ویسے تو اس علاقے میں تقریباً سارے ہی گھر شاندار تھے لیکن اس کو غمی کا طویل و عرض اور شان و شوکت
 سب میں نمایاں تھی۔
 ”جی ہاں! اب بتائیں یہ گھر کہیں سے پرانا لگتا ہے۔“ فرقان حسن نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اترتے ہوئے
 پوچھا تو وہ دونوں بھی اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر اتر آئے۔
 ”بیوٹی فُل۔“ خرم نے محبت سے اس گھر کو دیکھتے ہوئے غمزہ لپ کما تو فرقان حسن کے لبوں پر بڑی جاندار
 مسکراہٹ ابھرتی۔
 ”اندر سے دیکھنا ہے۔“ انہوں نے دونوں کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔
 ”بالکل کیوں نہیں؟“ خرم فوراً بولا۔

”یہ تو ایسا گھر ہے کہ باہر سے دیکھ کر محض خود اندر سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہو جائے اور ہم تو آئے ہی خریدنے
 کے ارادے سے ہیں تو ہماری یہ خواہش تو بالکل برحق ہے۔“ مسز فرقان کی شکل سے صاف لگ رہا تھا وہ بری طرح
 گھر سے متاثر ہو چکی ہیں۔
 فرقان حسن نے بلال اختر کو پہلے ہی فون پر مطلع کر دیا تھا چنانچہ کچھ ہی دیر میں وہ بلال اختر کی رہنمائی میں پورے
 گھر کا جائزہ لے رہے تھے۔

بلال اختر کو گھر اتنی تفصیل سے دکھانے میں کافی کوفت ہو رہی تھی لیکن جو پارٹی گھر دیکھنے لگی تھی اس کی طرف
 سے انہیں عین حیرت تھا کہ وہ بھی ان کی طرح وقت کو بہت سنبھال کر خرچ کرتے ہیں اس کے باوجود اگر وہ اتنی تفصیل
 سے ایک ایک کونے کا معائنہ کر رہے تھے تو قوی امکان تھا کہ وہ منہ مانی قیمت پر گھر خرید لیں گے اور پھر ابھی بلال
 اختر کے پاس زیادہ گاہک آئے بھی نہیں تھے جو وہ بے زار کر جاتے انہوں نے کل ہی تو اشتہار دیا تھا ابھی تک صرف
 دو چار فون ہی آئے تھے اور وہ بھی۔

”آپ پہلے قیمت بتادیں۔“ کی تکرار کرتے رہے تھے بلال اختر کو پارٹیننگ سے سخت چڑھ چکی تھی وہ چاہتے تھے بغیر درد
 سری کے کوئی سلیجی ہو کر پارٹی ان کا گھر خرید لے اور وہ فوراً سووا پکا کر دیں اور فرقان حسن کی فیملی انہیں ایسی ہی
 پارٹی لگ رہی تھی سارا گھر دیکھتے ہوئے وہ سب اوپری منزل پر آ گئے۔
 ”یہ میرا بیڈ روم ہے میری وائف اس وقت سو رہی ہیں۔“ بلال اختر نے بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے
 ہوئے کہا۔

”کوئی اور بیڈ روم دکھا دیں ذرا کمرے اور باتھ روم کے اسپیس کا اندازہ ہو جائے گا۔“ مسز فرقان نے التجائیہ
 انداز میں کہا تو بلال اختر چاروں ناچار سر ہلاتے ندیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
 ان تینوں کو وہیں روک کر انہوں نے خود پہلے ندیہ کے کمرے کے دروازے پر ٹاک کیا اور دروازہ کھول کر اندر
 داخل ہو گئے۔

ندیہ وسیع و عریض کمرے کے ایک کونے میں رکھے کمپیوٹر کے پیچھے تقریباً ”روپوش“ تھی دھنک کی آواز پر اس
 نے سر اٹھا کر دیکھا بلال اختر کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اسے تھوڑی سی حیرت ہوئی۔
 ”ایک پارٹی گھر دیکھتے آئی ہے وہ کمرہ بھی دیکھنا چاہتی ہے۔“ بلال اختر کے دھیسے لہجے پر ندیہ بے یقینی سے انہیں
 دیکھنے لگی۔
 حالانکہ وہ ایک بار جو فیصلہ کر لیتے اس پر قائم رہتے تھے پھر بھی ندیہ کو امید نہیں تھی کہ وہ یہ گھر واقعی بیچیں
 گے۔
 ”لے آؤں انہیں اندر۔“ بلال اختر نے خود پر جی اس کی حیران نظروں سے خار کھاتے ہوئے سپاٹ لیجے میں

پوچھا تو وہ ایک دم چونک اٹھی اور سانس خارج کرتے ہوئے پہلی بار بڑے سرو لہجے میں بولی۔
 ”اگر میں منع کروں گی تو کیا آپ نہیں لائیں گے؟“ ندیہ نے وہ سیکنڈ کا توقف کیا پھر واپس کمپیوٹر اسکرین پر
 نظر میں گاڑتے ہوئے بولی۔

”جب اپنی ہی مرضی چلائی ہے تو پوچھ کیوں رہے ہیں لے آئیں۔“ وہ پوچھ نہیں رہے تھے صرف بتا رہے تھے
 لیکن ندیہ کی آنکھ میں ہلکی سی کی دیکھتے ہوئے انہوں نے خود کو کچھ بھی کہنے سے روک لیا۔
 وہ اس کے احساسات سمجھتے تھے خود وہ بھی اپنے فیصلے سے خوش نہیں تھے اس گھر سے ان کی ان گنت یادیں
 وابستہ تھیں وہ اس گھر میں پیدا ہوئے تھے مگر وہ فیصلہ کر چکے تھے اور انہیں تو لگ رہا تھا یہ فیصلہ انہیں بہت پہلے کر
 لیتا چاہیے تھا۔

بلال اختر نے باہر جھانکتے ہوئے ان تینوں کو اندر آنے کی اجازت دی جیسے ہی ان لوگوں نے کمرے میں قدم رکھا
 بلال اختر کا موبائل بج اٹھا۔

اسکرین پر ایک اجنبی نمبر دیکھنے کے باوجود انہوں نے کل انٹینڈ کر لی کیونکہ گھر کے اشتہار کے ساتھ انہوں نے
 یہی نمبر دیا تھا مگر دوسری طرف ہیلو کے جواب میں ایک مانوس سی آواز بلال اختر کو چونکا گئی۔
 ”نہیں نہیں آ رہا تم نے گھر پہنچنے کا فیصلہ کیسے کر لیا۔“

”کون؟“ بلال اختر نام ل کا شکار ہو گئے تھے۔
 ”کیا ہوا بلال آواز بھی نہیں پہچانتے۔“ بھاری سنجیدہ سی مروانہ آواز وہ پہچان تو گئے تھے اسی لیے فرقان حسن
 سے ابھک کر ہونٹ کرتے تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

”کیوں فون کیا ہے؟“ انہوں نے باہر آتے ہی بے تامل انداز میں پوچھا۔
 ”اشتہار پر دیکھ کر کیا ہے وہ گھر خریدنا چاہتا ہوں۔“ دوسری طرف کی بات سن کر بلال اختر نے بے اختیار لب بھنج
 لیے۔

”کیا قیمت لگائی ہے۔“ بلال اختر کو خاموش دیکھ کر دوسری طرف سے پوچھا گیا۔
 ”گھر ایک چکا ہے میں ڈیل کر چکا ہوں۔“ بلال اختر کو ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا سوچنے میں۔ وہ اتنے اشتہار سے
 پوچھ لے تھے کہ سننے والا یقین کرنے پر مجبور ہو جائے مگر دوسری طرف موجود شخص بھی بلال اختر کو اچھی طرح جانتا تھا
 سبھی ان سے بھی زیادہ ترقی سے بولا۔

”جھوٹ مت بولو۔ صاف صاف کہو نا مجھے نہیں پہچنا جاتے۔ خیر میں نے کوئی بحث کرنے کے لیے فون نہیں
 کیا۔“

قیمت لگو الود جو بھی پادٹی بے کر رہی ہو میں اس سے دس لاکھ زیادہ دینے کے لیے تیار ہوں آگے تمہاری
 مرضی۔“ دوسری طرف سے دو لوگ لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا گیا مگر بلال اختر خالی الذہن کے عالم میں وہیں
 کھڑے رہ گئے۔



بلال اختر جیسے ہی موبائل پر بات کرنے کے لیے کمرے سے نکلے تینوں ایک دم ریلیکس ہو گئے اتنی دیر سے وہ
 کھل کر اپنی رائے کا اظہار نہیں کر پا رہے تھے ان کے جاتے ہی انہیں جیسے بولنے کی آزادی مل گئی انہیں اس
 بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے کیونکہ ندیہ کمپیوٹر کے پیچھے ایسے بیٹھی تھی کہ اس
 پر فوری طور پر نظر نہیں پڑ سکتی تھی اور نہ ہی بلال اختر کمرے سے چلے گئے تو وہ لوگ موقع

نہایت جان کر کمرے کا جائزہ لینے کی بجائے باتوں میں مشغول ہو گئے۔
 ”مگر تو بہت اچھا ہے میرے خیال سے آپ ابھی ڈیل کر لیں کہیں کوئی اور نہ خرید لے۔“ مسز فرقان نے
 پھونکتے ہی کہا۔

ندیہ غیر ارادی طور پر بڑے غور سے ان کی باتیں سننے لگی۔ ایسے ہی اتنی دیر میں کوئی اور نہیں بول رہے تھے
 کہ اسے مشکل ہوئی۔

”ہاں خیر ہے تو بہت اچھا لیکن لگ رہا ہے برا بھلا کچھ نہیں ہوں گے جبکہ اس سے پہلے جو گھر ہم نے دیکھا تھا وہ
 بہت رین ابل ہے۔“ فرقان حسن بولے۔

”کم کم ڈیڈ گھر تو میں نے اسی وقت دیکھا کہنے کر دیا تھا اور اس گھر کو دیکھنے کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں
 ہوتا۔“ خرم نے حتمی انداز میں کہا۔

”وہ گھر تو واقعی اس گھر کے سامنے کچھ نہیں مگر انہیں پیسوں کی سخت ضرورت ہے وہ بہت کم قیمت میں بیچ رہے
 ہیں۔“ فرقان حسن ڈیل باغیچہ ڈھونڈ رہے تھے۔

”تو کیا ہوا ڈیڈ اسب تو ہم بس گھر خریدیں گے اور یہ میرا کمرہ ہوگا۔“ خرم نے دوسرے دوسرے جوش کے ساتھ کہا۔
 ماؤس پر ندیہ کی گرفت ایک دم ڈھیل پڑ گئی بے اختیار اس کی نظریں خرم کی طرف اٹھ گئیں جو پوری طرح
 سے فرقان حسن کی طرف متوجہ تھا۔

”اس کمرے کے آگے بنے ٹیرس سے آپ باہر لان کا دیو دیکھیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی پیراڈائز میں آگئے
 ہوں۔“

میں اپنا ٹیڈل یہاں رکھوں گا۔ مگر میں گیلری کا یہ کمرہ بیچ کر وہیں گا اس پنک کمرے تو کسی لڑکی کے کمرے کا
 مکان ہو رہا ہے۔“ خرم بڑی سی گلاس وال کے دوسری جانب بنے ٹیرس اور اس سے آگے نظر آتے لان کے
 دلفریب منظر کو دیکھتے ہوئے کہتا چلا گیا۔

ندیہ کو لگ رہا تھا کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔
 جس کمرے کو وہ ہمیشہ سے محض اپنی ملکیت سمجھتی تھی آج اسی کمرے کے متعلق کوئی اتنے اشتیاق سے
 بات کر رہا تھا جیسے ندیہ کا اس کمرے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

وہ غیر ارادی طور پر خرم کو دیکھتی چلی گئی اور اسی لیے خرم کو محسوس ہو گیا کہ وہ کسی کی نظروں کی زد میں ہے۔
 اختیار خرم کی نظر ندیہ کی طرف اٹھ گئی۔

پہلے تو وہ یہ جان کر چونکا تھا کہ کمرے میں ان تین نفوس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے مگر اس بات پر حیران ہونے
 کا زیادہ وقت نہیں ملا کیونکہ فوراً ہی اس کی توجہ ندیہ کی آنکھوں میں ٹھہری نمی نے اپنی جانب کھینچ لی تھی ندیہ
 نے اسے متوجہ دیکھ کر بھی اپنی نظروں کا زیادہ نہیں بدلا اسی لیے خرم کی تیزی سے چلتی زبان کو ایک دم بریک لگ
 گئے حالانکہ ندیہ اس سے بہت فاصلے پر تھی پھر بھی وہ اس کے چہرے کے تاثرات با آسانی پڑھ گیا تھا۔

اس کمرے میں اس کی موجودگی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ یہ اسی کا کمرہ ہے اس لہذا۔ جو کچھ بھی خرم نے کہا تھا
 اسے سن کر اسے کیسا لگا ہو گا یہ خرم بہ خوبی سمجھ گیا تھا بھی ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

اس کا اس طرح جب ہونا فرقان حسن اور مسز فرقان نے محسوس بھی نہیں کیا وہ دونوں اپنی گفتگو میں اتنے
 مصروف تھے کہ بلال اختر کے کمرے میں واپس آجائے پر انہیں لگا تھا کہ جیسے ان کی بات درمیان میں ہی اوجھری
 رہ گئی ہو۔

ندیہ انہیں دیکھ کر واپس کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی یہ اور بات تھی کہ اس کا دھیان اسب بالکل بھی

سامنے لکھی عبارت پر نہیں تھا اس کی صرف نظریں اسکرین پر جمی تھیں۔
اسی لیے اسے خرم کی طرف دیکھے بغیر بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ خرم بھی بھلے ہی اس کے والد کی طرف متوجہ ہو گیا تھا مگر اس کا دھیان ابھی بھی ندیہ کی طرف ہی تھا اسی لیے وہ خاموشی سے فرقان حسن اور بلال اختر کی گفتگو سن رہا تھا۔

”مسٹر بلال مجھے تمہارا کمرہ کرائے کی عادت نہیں مگر ہمیں بہت پسند آگیا ہے اب آپ اس کی قیمت ایسی بتائیں کہ ہم فوراً ڈیل کر سکیں۔“ بلال اختر کے چہرے پر واضح طور پر سکون اترتا محسوس ہوا تھا انہوں نے موبائل جبب میں رکھتے ہوئے انکساری سے کہا۔

”ہمیں نے تو قیمت ایسی ہی بتائی ہے کہ فوراً ڈیل ہو جائے۔“
”چلیں ٹھیک ہے میں آپ سے فون پر بات کر لوں گا کچھ تفصیلات بھی پوچھنی ہیں مجھے پر اپنی ٹیکس وغیرہ کے حوالے سے۔“ فرقان حسن نے بات سمیتے ہوئے جانے کے لیے قدم بڑھائے تو خرم بے ساختہ بول اٹھا۔
”انکل ایک بات پوچھوں۔ آپ اپنا گھر کیوں بیچ رہے ہیں؟“ خرم کے پوچھنے پر ایک بار پھر ندیہ کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں وہ بلال اختر کو غور دیکھ رہا تھا ندیہ بھی انہیں دیکھنے لگی اور تب اسے علم ہوا بلال اختر بھی اسے ہی دیکھ رہے ہیں۔

پہلی بار ان کے چہرے پر ندیہ نے ایک بلال دیکھا تھا وہ انہیں دیکھتی ہی چلی گئی خود اس کا آسف بڑھنے لگا تھا تب بھی وہ اس سے نظریں جراتے ہوئے آئیں بائیں شاہیں کر کے والے انداز میں بولے۔
”بس بیٹے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی اوروں میں اپنا گھر کہاں بیچ رہا ہوں میں تو مکان بیچ رہا ہوں گھر تو گھر والوں سے ہوتا ہے اپنے گھر والوں کے ساتھ اگر انسان جنگل میں بھی ٹینٹ لگا لے تو وہ بھی گھر بن جاتا ہے ورنہ بغیر کمینوں کے عالیشان سے عالیشان گھر بھی محض درودوار ہیں۔“ بلال اختر نے ایک دھماکے کی طرح یہ سنا دیا۔
فرقان حسن کو ان کی بات بہت پسند آئی وہ انہیں سراتے ہوئے ان کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے مگر خرم نے ان کا بات گول کر جانا بڑی شدت سے محسوس کیا تھا کیونکہ ندیہ کی طرف دیکھے بغیر اسے اچھی طرح انداز تھا کہ وہ بھی بلال اختر کو ہی دیکھ رہی تھی یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں فرقان کے سوال کا۔
اور جو جواب بلال اختر نے دیا تھا ندیہ اس پر ہلکے سے سر ہلا کر رہ گئی تھی۔
خرم سب کچھ محسوس کرنے کے باوجود بغیر کچھ کے چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔

رومیہ گھر سے نکلنے لگی تو مہج ہی صبح ابراہمائی نے اسے یاد دلایا۔
”اب تمہاری شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں کیا ضرورت ہے یونیورسٹی جانے کی۔“
رومیہ کو خود بھی احساس تھا کہ اس کا اب یونیورسٹی جانا بے کار ہے اس کی برصغیر کی تو اب چھٹی والی تھی۔
لیکن وہ بڑھنے کے ارادے سے جا بھی نہیں رہی تھی وہ تو بس تھوڑی دیر کے لیے گھر سے نکلنا چاہتی تھی خاص طور پر اسے ختم اور نمل سے ملنا تھا۔

نمل سے اس کی بات نہیں ہوئی تھی سنبل نے ذرا پہلے اسے پتا چلا تھا۔ حشام کے ساتھ ہوئے الیہ کے متعلق اسے یقین تھا نمل نے اس موضوع پر عفت فطرت کی ہوگی عظمت خلیل کے مزاج کو وہ بھی بچپن سے جانتی تھی اسے پتا تھا نمل عفت فطرت خلیل سے بات کر کے اپ سیٹ ہو گئی ہوگی۔ اسی لیے وہ نمل سے رو رو ملنا چاہ رہی تھی۔

مگر ابراہمائی کے ایک جیلے نے جیسے اسے اک کو فٹ میں مبتلا کر دیا تھا جسے گاڑی میں بیٹھتے ہی سنبل نے محسوس کر کے پوچھ بھی لیا۔

”اب تمہارا گھر موڈ خراب ہے۔“ سنبل کے اب پر زور دے کر کہنے پر رومیہ گرون گھا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی نمل کو دیکھنے لگی۔

وہ اس کے انداز سے زیادہ سنجیدہ لگ رہی تھی رومیہ خود کو ”کیا ہوا؟“ کہنے سے بمشکل روک پائی بلکہ گھبرا سانس کھینچتے ہوئے نارمل انداز میں کہنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

”میرا کوئی موڈ خراب نہیں ہے بس گھر سے نکل رہی تھی کہ ابراہمائی نے یاد دلایا اب کیا ضرورت ہے پڑھنے کی۔ تو وہی سوچ رہی تھی کیوں جا رہی ہوں یونیورسٹی۔“

مجھے تو اب شانگل کے لیے جانا چاہیے وہ مسٹر گنگھام کے گھر میں تو کوئی ہے نہیں جو میری کی تیاری کرے۔
میرے گھر میں کوئی ہے جسے جو ان سب باتوں پر غور کرے۔ مجھے خود ہی نکلنا پڑے گا اپنے شادی اور ولہجے کے جوڑے کے لیے۔

اور پھر شادی ہو کر اتنی دور جاؤں گی وہاں کے لحاظ سے بھی کچھ تیاریاں کر لوں وہاں جاتے ہی گرم کپڑوں کی ضرورت پڑے گی۔“ رومیہ کی بات پر سنبل تو اچھی خاصی ایکسائینڈ ہو گئی مگر نمل کی خاموشی نہ ٹوٹی۔

آخر جب گاڑی یونیورسٹی کے پارکنگ ایریا میں رکی تو رومیہ اترنے کی بجائے نمل کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

”آج یونیورسٹی آف ہونے کے بعد ہم تینوں شاملہ سے ملنے چلیں گے اس کے گھر۔“ نمل اس کی بات پر کچھ نہیں بولی اس نے رومیہ کی طرف دیکھا بھی نہیں بلکہ اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے ایسے ہی ساکت بیٹھی رہی۔

سنبل بھی سارے راستے خواستخواہ کی غیر ضروری شوخی دکھائی رہی تھی کہ شاید نمل کا موڈ ٹھیک ہو جائے کچھ نہیں تو کم از کم وہ رومیہ کی شادی کی تیاریوں پر بھروسہ کرے۔ مگر ساری کوشش ناکام دیکھ کر اب وہ بھی چپ چاپ نمل کی شکل دیکھنے لگی۔

”چلو اترو اب گاڑی سے۔“ رومیہ نے اسٹیرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا اور خود اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

سنبل نے بھی اس کی تقلید کی مگر نمل اپنی جگہ ہی جمی رہی۔
وہ گھر پر ٹھہرا نہیں چاہ رہی تھی اس لیے یونیورسٹی آگئی تھی لیکن اس کا دل کوئی بھی پریڈ اینڈ کرنے پر آمادہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

- ☆ تئلیاں، پھول اور خوشبو راحت جنیں قیمت: 225 روپے
- ☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
- ☆ محبت بیاں نہیں لہنی جدون قیمت: 250 روپے

شعبہ ادب، کتب خانہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

فہم تھا۔
اس کاٹل چار ساتھ کسی سے بات کرے نہ کوئی اس سے بات کرے اس وقت مکمل عکاسی ہو رہی تھی اس لیے تو وہ صبر نہیں کر سکتی تھی کہ رشید سے بات کرے جس کا وہ اس کی لڑائی سے کر سکتی ہو پیش کرنے کے لیے اس کاٹل سلاٹ کے لیے وہ لوہا اڑھ کر باتیں کر رہی تھی جبکہ اس وقت اس کا ذہن اپنا جاننا چاہتا تھا کہ اسے اور ساتھ کسی رشید کو کچھ نہ کہوے ایک طرح سے وہ ان سے فرار ہو کر ہی بے غور ہو گئی تھی۔

مگر سب سے بڑے مسئلے اور دو میلہ بھی وہی حرکتیں کرتی رہیں جس کا اسے رشید کی طرف سے خطرہ تھا اسے پتا تھا کہ اگر ان دونوں سے بھی کہنے کی کوشش کی جائے تو وہ بھی کبھی راضی نہیں ہوں گی۔

اس لیے سب سے پہلے وہ ان میں سے کسی ایک سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ چار میلے میں ہلنے کی بجائے تیس اور ہل جائے مگر کچھ میں نہیں آتا تھا کھل جائے۔

اور دو میلہ مکمل بھی جائے گی مسئلے اور دو میلہ اس کا بچھا نہیں ہو رہی تھی۔

"مکمل چلو اندر" دو میلہ نے اس کی طرف کا دھڑکا دیا کہ وہ بے محبت سے کناؤ مکمل خالی خلوں سے اسے کچھ رہنے کے بعد گھر اس میں کچھ نہ ہونے کا ڈر ہے۔

لیبار فٹ سے انہوں نے اپنی گاڑی کاٹل دور کر دی تھی اور مکمل آگے گاڑی میں بیٹھ کر رہی تھی۔ مکمل سرجن میں تم سر جھٹکے ہوئے تھے اس سے مکمل راضی تھی دو میلہ اور مکمل بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے اس کی رہنمائی کرتے ہوئے تھے اور اسے ہلنے پر اکساتے تھے کہ اسے کچھ زیادتی سہل کر دیں گے۔

"یار کیا خیالی ہے ہم دونوں دو میلہ کی شکایتیں پکڑ رہے تیار نہ ہو جائیں ہم کبھی پکڑ رہیں تیار نہیں ہوئے۔" مکمل نے بڑے خوشی انداز میں پوچھا مگر مکمل نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ دو میلہ نے پشیمانانہ انداز میں کہا۔

"معمومی تو کچھ ہے نہیں کہ میں مکمل سے تیار ہوں گی اور اپنی۔" دو میلہ کی بات ابھی پوری ہی نہیں تھی کہ مکمل نے دو میلہ اور مکمل کو بالکل برابر ہر دوسرے مکمل راضی دیکھ کر بڑے پشیمانانہ انداز میں پوچھا کہ اپنا اپنی جگہ سے اڑ کر نہ گھومیں۔

کوئی شخص ان دونوں کے درمیان سے نہیں جھڑکے گا اس لیے چیز سے لکھا تھا کہ اس کے ساتھ بھی محدود پیشی کی مکمل پوری کی پوری مکمل کے اور الٹ گئی تھی۔

"وہ سچی میں نہیں نے دیکھا نہیں تھا۔" وہ تینوں ابھی اس الفاظ سے متنبہ تھی کہ اس نے بڑے کچھ بڑے انداز میں سگڑا دیا ہوئے تا صرف مختصر وقت کی بلکہ سب سے پہلے ان کا مکمل کے کہنے پر گری تھی کہ مکمل کرنے کے لیے بھی وہ مکمل سے آگے بڑھا تھا۔

اس سے پہلے کہ مکمل کو چھوٹا مکمل کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے گھٹنے پر چھوڑ دیا تھا۔ "مکمل نے ہاتھ اٹھایا۔" وہ جانے کون تھا ان میں سے کوئی ایک پہلے بھی نہیں دیکھا تھا مگر مکمل اور مکمل سے مکمل اگلے اور الٹ رہا تھا۔

مکمل کا دھڑکا دیا تھا کہ اس کا چار میلے سے ڈال دیا گیا تھا وہ بڑے جارحانہ انداز میں مکمل کی طرف بڑھا تھا کہ مکمل اور دو میلہ خوف سے فرار ہو گئی تھیں۔

(باقی ان شاء اللہ آنکھ سے دیکھ لیا نہیں)

✽ ✽

(اب آگے پڑیے)

۱۳
تیرہویں قسط



نہی تھی۔
 خرم کا چہرہ بالکل سناٹ تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عزم بلکورتے رہا تھا جسے ان دونوں نے ہی شدت سے محسوس کیا تھا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ کئی گھنٹوں تک جھنجھکیاں کھڑا رہا اور دونوں بھی ایسے ہی تھے جیسے وہیں پنجرہ چاک خرم پلٹا اور ان دونوں پر نظر ڈالے بغیر اپنی کاٹنی کی طرف پلٹ آیا۔
 وہ بھی بالکل سناٹ کے انداز میں آہستہ سی طرفان کی طرح گاڑی نکال لے گیا۔
 سنبل اور رومیل جیسے ایک دوسرے میں ہوش میں آ گئے۔
 "یہ سناٹ سناٹ کیا ہے؟" سنبل نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔
 "اب اب کیا ہو گا؟ خرم اس بھیڑ کا بدلہ تو ضرور لے گا ہے۔" سنبل رومیل کو خاموش دیکھ کر پریشانی سے بولی تو رومیل صرف ایک نظر بھری نظر اس پر ڈال کر رہ گئی جیسے اس کی بات سے سو فیصد متفق ہو گیا مگر سمجھ میں نہ آیا۔
 "چلو۔ ہم بھی گھر چلے ہیں اب میں کوئی کلاس اخینڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" سنبل نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے پیشی کو دبائے ہوئے کماؤ رومیل صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

ایلیان جب واپس اپنے گھر آیا تو اس کا ارادہ نہیں تھا شگفتہ غفار سے اس موضوع پر بات کرنے کا آخر کو وہ حاملہ سے وعدہ کر چکا تھا کہ وہ کبھی پر ظاہر نہیں کرے گا کہ حاملہ نے اسے سب بتا دیا مگر کبھی پر نظر پڑتے ہی اس کا دل چاہا وہ ان سے پوچھتے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔
 اس کی ہاں ہوتے ہوئے انہوں نے اسے ہی حاملہ کے سامنے چھوٹا کر دیا۔
 بے شک انہیں حاملہ کو اپنا دلایا جانے کا ارمان تھا۔ مگر ایلیان بھی کچھ غلط تو نہیں کرنے جا رہا تھا۔ صرف اسے دیکھنا اور پرکھنا ہی تو چاہتا تھا اگر ایلیان کو وہ بریرہ کے لیے مناسب لگتا تو وہ کوئی انکار تھوڑی کرنا اور اگر وہ بریرہ کے لیے مناسب نہیں تھا تو بریرہ کو اسے سوچنا بریرہ کے ساتھ زیادتی تھی وہ بھی محض اس لیے کہ شگفتہ غفار کی یہ دلی خواہش تھی۔
 مگر ان سے سامنا ہونے پر ایلیان نے بمشکل اپنے آپ کو کچھ بھی کہنے سے روک لیا جبکہ وہ اس پر نظر پڑتے ہی خوشی خوشی اس کے قریب آ کر استفسار کرتے ہوئے کہنے لگیں۔
 "اور کیا ہمارا تہمارا آپ حاملہ سے ملاقات ہوئی۔"
 جب یہ معلوم ہو کہ سامنے والا آپ سے جھوٹ بول رہا ہے وہ بھی ایسا شخص جس کا رتبہ اور مرتبہ آپ کے دل میں بہت اونچا ہو تو کسی کو جیسا لگ سکتا ہے ایلیان کو بھی اس نے ویسا ہی محسوس ہوا تھا۔
 وہ صرف شگفتہ غفار کو دیکھ کر رہ گیا ایک بار پھر اس کی زبان تک آتے آتے رہ گیا۔
 "آپ نے ہی تو حاملہ کو فون کر کے فوراً حویلی پہنچنے کا کہا تھا پھر ملاقات کیوں نہ ہوئی۔" غر ب و بولا تو الفاظ خور و خور کچھ سے کچھ ہو گئے۔
 "چار ہاں حاملہ سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔"
 "تو پھر کیا لگا حاملہ۔" اب کی بار ان کے چہرے پر تجسس صاف پہنچا جاسکتا تھا کیونکہ اس سوال کا جواب وہ اتنی نہیں جانتی تھیں۔

"میں کوئی اس سے پہلی بار تھوڑی ملا تھا۔ ہزار بار مل چکا ہوں۔" ایلیان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ اسے بولے بولا انکار تو جیسے ایک ایک منٹ گن کر ایلیان کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ بھلا جواب سے بغیر کیسے گل جاتیں جیسے ہی قدرے چمک کر بولیں۔
 "تو اتنی مصروفیت میں سے نام نکال کر تم خاص اسے دیکھنے تو ایسے ہی گئے تھے جیسے اس کا چہرہ تک بھول گئے ہو اور اب کہہ رہے ہو میں اس سے ہزار بار مل چکا ہوں۔" ایلیان کو اب کوفت ہونے لگی تھی۔
 وہ اس کا مقصد بانتی تھیں پھر بھی انہوں نے حاملہ کو مطلع کر دیا اور اب اس کی رائے ایسے پوچھ رہی تھیں جیسے انکار کر ہی نہیں سکے گا۔
 "وہ ملنا اور ابھی کا ملنا تھوڑا الگ تھا۔" ایلیان نے بے زاری سے کہا۔
 "تو میں بھی تو وہی پوچھ رہی ہوں کیسا پایا تم نے حاملہ کو۔" وہ عجیب آس و زار کی کیفیت میں گھڑی اسے دیکھنے لگیں تو ایلیان انہیں دیکھنا چلا گیا۔
 وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک اس نے ان سے معمولی سی بھی بد تمیزی نہیں کی تھی بلکہ یہ کہتا ہے جانتے ہو گا ان کی بیماری وغیرہ کے موقع پر ایلیان نے لڑکا ہونے کے باوجود ہمیشہ بریرہ سے زیادہ ان کی خدمت کی تھی۔
 بریرہ تو اپنے الہیالی بن کی وجہ سے ان کی تیمارداری بھی توجہ سے نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ ایلیان ہی ان کی دیکھ بھال میں لگ جاتا اور انہیں ایسے ہتھیلی کا چھالنا کرتا جیسے کسی موزی مرض میں مبتلا ہوں۔
 اب اس وقت بھی ان کے رویے سے خائف ہونے کے باوجود وہ ان سے زیادہ پر تھا نہیں وہ سکا اور اپنے لیے کو شائستہ بناتے ہوئے پوری سچائی سے بولا۔
 "بہت اچھا! ہر لحاظ سے بہتر بریرہ کے لیے ایک دوسرے پر لگے۔"
 شگفتہ غفار کا چہرہ ایسے کھل اٹھا جیسے انہیں قاریوں کا خزانہ مل گیا ہو انہوں نے بے اختیار اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تمام کر اس کا چہرہ چوم لیا۔
 ایلیان ان کی وارفتگی پر بے اختیار مسکرا دیا وہ اتنی خوش تھیں کہ ان سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ ایلیان نے انہیں کندھوں سے تمام کر پاس رکھے صوفے پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے فرش پر دو زانو بیٹھتے ہوئے اپنی دونوں گونیاں ان کے کندھوں پر رکھ دیں۔
 "لیکن میرے پسند کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا" آخری فیصلہ سر حال بریرہ کو ہی کرنا ہے اس کی مرضی پوچھنے بغیر ہم۔"
 "اس کی مرضی میں پوچھ چکی ہوں اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شگفتہ غفار چمک کر بولیں۔
 وہ اتنی خوش تھیں کہ ان کی خوشی دیکھ کر ایلیان کا موزا خود بخود خوشگوار ہو گیا تھا۔ تب ہی وہ ان کی ہاتنی جلد بازی پر بے ساختہ ہنس رہا۔
 "کمال ہے رشتہ تیا نہیں اور آپ نے لڑکی کی مرضی سلسلے سے پوچھ لی۔"
 "رشتہ تو اتنا چینی ہے تمہارے ماموں مجھ سے بہت گریپے ہیں میں رستم دینا بھانے کے لیے بات چکی کرنے آئیں گے۔"
 "یعنی ہماری رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ میں ہاں بھرنا یا نہیں آپ ماموں کو ہاں کر چکی تھیں۔" ایلیان نے شگفتہ کنال لہجے میں کہا تو وہ انگلیوں سے اس کے بال سنوارتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولیں۔
 "تمہاری رائے کی اہمیت کیوں نہیں۔ بریرہ تو بھی میں نے تمہارے جانے کے بعد ہی پوچھا ہے اگر وہ انکار

کرتی تو بھلے ہی تمہا پس آکر اس رشتے کے لیے تیار ہو جاتے مگر میں انکار کر دیتی۔ "الیان ان کی بات پر صرف مسکرا کر رہ گیا۔"

وہ جانتا تھا شگفتہ غفارا ایسے ہی کہ وہی ہیں انگریزوں نے انکار کیا تو وہ مستقل اس کا برین واش کر کے اسے راضی ضرور کر دیں اور اگر تب بھی وہ نہ مانتی تو یہ کہہ کر حلالہ کے ساتھ اس کا رشتہ پکا کر دیں گے۔
 ”وہ ابھی بچی ہے اپنے اچھے برے کی اسے نہیں سمجھیں۔“

شکست غفار شروع سے اپنی چلانے کی مادی تحسین کا ماننا تھا جو انہیں ٹھیک لگ رہا ہے۔ بس وہی ٹھیک ہے اور باقی سب غلط۔

اسی لیے اس کا خود ایک بار پر یہ سے دو ٹوک بات کرنے کا ارادہ تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا اس کی ہاں جموٹ نہیں چل رہی، پر یہ کو واقعی کوئی اعتراض نہیں ہو گا، وہ اس معاملے میں پوری طرح غیر جانبدار ہوگی جو سب کو مناسب لگ رہا ہو گا، وہی بات بھی خفک لگے گی۔

نیلن پھر بھی المیائے اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ کیا مہی کو دی اس کی رضا مندی میں مہی کی باپنی چلانے کی سہولت تو بنیاد نہیں بن گئی۔

الیاں کو سوچتے ہیں، وہ باریک کر انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں؟ کیا تمہیں نہیں آ رہا میری بات؟"

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں سوچ رہا تھا ماحول جان حب رشتے لے کر آئیں گے تو فوراً“ تارن بھی ہانک لیں کہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہو گا۔“ لیان نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

ظاہری بات ہے اور جلدی تو مجھے بھی ہے میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ سب کچھ جلد سے جلد ہو جائے۔ وہ سرشار سے انداز میں بولیں مجھے ابھی سے انہوں نے پریرہ کو رخصت کرنے کے بعد کی کیفیت کو محسوس کر لیا ہو۔ البیان ان کے انداز پر ایک بار پھر مسکرا دیا اور اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھنے لگا تو واسے شوخی سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"بڑی دھڑکتے ہوئے آواز سے" "بڑی دھڑکتے ہوئے آواز سے"

”یہ کیا؟“ اکیان نے حیرانی سے پوچھا۔

”چاند سی بہو کی تلاش۔“ انہوں نے چٹنارو لینے والے انداز میں کہنا اے ایمان کی ہنسی نکل گئی اور مجھ پر ہنسناسی پلا۔

”کیوں میرے لیے کوئی لڑکی بچپن سے پسند کر کے نہیں رکھی۔“ الین نے چھڑنے والے انداز میں کہا۔

”ہر بند کوئی کرنے کی چیز نہیں ہے یہ تو خود بخود ہونے والا عمل ہے اور تمہارے لیے ابھی تک ایسی کوئی لڑائی نہیں چل رہی ہے۔“

”نئی میرا لٹے پانچ سال تک شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور یہ بات میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں۔“ لیان نے یاد دل کر اس کے انداز میں کہا تو وہ بھی دست باز نہ ہو سکی۔

”اے بیٹے! کتنی بار بھی بتا دیاؤ ہر الوداع جس وقت نکاح کا وقت لکھا ہوتا ہے اس وقت سب کچھ خود بخود ہوتا
چلا جاتا ہے اور انسان کے سارے اوار اور صحت کے صحت ہو جاتا ہے۔“

چلا جاتا اور انسان کے سارے اور اوسے دھرتے کو دھرتے رہ جاتے ہیں۔
 "تو پھر آپ کیل چاہے ہی ہوں جو نہ چاہتا ہوں جس وقت جس سے نکاح نکھا ہو گا اسی سے ہو گا۔ چاہے وہ چاہے
 یا نہ چاہے۔" (کے جیسے جیسے کہ ان کے کہنے سے وہ غائب ہو جاتا ہے۔)

﴿ 244 ﴾

میراب کی بار بار صرف قلقت غنار بنجید، جو گھس بگاڑا مانتے ہوئے بولیں۔
"اندھ نہ کرے، کیسی بات کر رہی ہو۔"

”اللہ نہ کرے“ ایسی باتیں کرتے ہو۔“

”میں تو مذاق کر رہا تھا۔“ وہ ان کا موزید لگا دیکھ کر سناپیت سے بولا تو وہ بھی مسکرا دیں۔
”میرے ہوتو ایسی آئی کی کہ دنیا دیکھے گی۔“ وہ غریب انداز میں بولیں تو الیان صرف مسکرا کر رہ گیا۔

فریم آئی سی طوفان کی طرح گاڑی چلا رہا تھا۔ ایک آگ تمبھارے کے اندر چلنے لگی۔

• • •

خیرم آمدھی طوفان کی طرح کھاڑی چلا دیا تھا۔ ایک آگ تھی جو اس کے اندر جل رہی تھی اور اس کے پورے وجود کو بجھسم کر رہی تھی۔

بریل ہر لمحہ اس آگ کی تپش میں اضافہ ہو رہا تھا، کیونکہ ہر لمحہ ہر لمحہ منہ اس کی آنکھوں کے سامنے ابھر آتا اور اس کا دل دہلنے مڑنے لگتا۔

نمل کا پتہ

اس کی کوئی بات نہ

اس کی کیا خبر۔
اس کی کیا خبر۔

اس کا نام پر خند ہو۔

اس کی آنکھوں سے بھونکی غارت
اور خود اس کا خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہ جانا اس سے کسی طور بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔

فخر آباد تھا کہ کیونکہ اس نے بھی ایک طرف

”چاپ چاپ بکچہ سن کر کہیں آئیں۔“

وہ اس کے اس قدر شش، روزانہ تھا کہ اس کو کہیں نہ

لوہا سے اس قدر سستہ روہیا تھا کہ پچھلے لڑے نہ

لور اب اس قدر شدید غم آہ تھا کہ اسے لگ

ملا نکلے جو گھر لوگ دیکھنے گئے تھے، فرقان حسن نے اسی وقت فاضل کر دیا تھا اور اس کا سارا قصہ

۱۔ یہی معلوم کر لی تھیں تب ہی مسجد حبشہ گھر سے پونیر کٹا

میں نے اسے روک لیا۔

مسز فرکان اس وقت لاہور میں

ایک مکمل نظر ہے۔

ایک شخص نے اس طرح سوال کر خرم

”زیادہ جلدی میں تو نہیں آتا۔“

What is the matter

دو بارنے کے لیے تیار ہو گئے۔
لیکن اس سے پہلے انہوں نے مجھے ایک بات بتائی: وہ صرف بلال اختر کے دوست ہونے کی وجہ سے جانتے

تھے۔
انہوں نے کہا کہ اس گھر میں کسی عجیب کا سایہ ہے۔ "فرقان حسن اپنی بات کہہ کر روک کر اس کی نظر دیکھنے لگے جو بدستور خاموشی سے انہیں مسکراتے نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے ان کی بات کی وضاحت مانگ رہا ہو تب ہی فرقان حسن دگھڑائی کر دیا۔

"وہ گھر بلال اختر کا آبائی گھر ہے بلال اختر شروع سے اسی گھر میں رہتے آ رہے ہیں مگر اکثر سننے میں آتا ہے کہ اس گھر میں کسی لڑکی کی روح رہتی ہے۔" خرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی شروع ہو گئی "فرقان حسن اس کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔

"اور وہ روح صرف ان کی بیٹی کو نظر آتی ہے یہاں تک کہ ایک بار اس لڑکی نے اپنی ایک دوست پر جانی حمل بھی کر دیا تھا اور بعد میں یہ کہا تھا کہ یہ حمل اس نے نہیں بلکہ اس روح نے کیا ہے جو اس گھر میں رہتی ہے۔ تب بلال اختر نے ڈی ایس پی سے یہ بات کی تھی اور اپنی بیٹی کے خلاف پولیس کیس بننے سے روکا تھا۔

اسی لیے ڈی ایس پی کو یقین ہے کہ بلال اپنا خاندانی گھر اپنی بیٹی کی وجہ سے ہی بیچ رہا ہے کیونکہ بچپن سے ہی اس لڑکی کا نفسیاتی علاج ہو رہا ہے۔ مگر اس کی بیماری ٹھیک نہیں ہو رہی ڈی ایس پی کو لگتا ہے یہ گھر بیچ کر وہاں کی حالت میں سدھار کی ایک کوشش کر رہا ہے۔" فرقان حسن کی طویل بات خرم نے بڑے سکون سے سنی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے خاموش ہوجانے کے بعد بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ البتہ بات کے اختتام تک اس کی مسکراہٹ کالی گہری ہو چکی تھی۔

"بھئی مسکراتا پھوٹا طور یہ بتاؤ کہ کرنا کیا ہے۔" فرقان حسن نے کچھ بور ہو کر کہا تو خرم بے ساختہ جہتے ہوئے بولا۔

"Come on dad تب تو ہمارے میوز بھی نہیں دیکھتے پھر بھی تب اتنے خوف زدہ ہو رہے ہیں حالانکہ ڈر مجھے لگتا ہے جس نے Haunted House پر میں کرتی ہر محوئی دیکھ رکھی ہے۔"

"خرم۔" فرقان حسن تنہا ہی انداز میں بولے۔
"No dad I can do it" ایک طرف تو آپ کہہ رہے ہیں۔

اس لڑکی کے علاوہ کسی اور کو وہ روح نظر نہیں آتی نہ سری طرف آپ کہہ رہے ہیں اس لڑکی کا بچپن سے نفسیاتی علاج ہو رہا ہے۔

"اب آپ خود تائیں یہاں کہنے اور سننے کے لیے بجا ہی کیا ہے۔"

"ہم وہ گھر خریدنے جا رہے ہیں۔" فرقان حسن نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تو خرم ان ہی کے انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اور ہم وہی گھر خریدیں گے۔" فرقان حسن خاموشی سے اسے دیکھنے لگے تو ہلا پرواہی سے کہنے لگا۔
"ڈیڈ یہ روحیں بھوت بریت عجیب سب کچھ اس بات میں ہیں اگر کوئی روح تو یہاں ہے تو صرف اس لڑکی کو کیوں نظر آتی ہے باقی سب کو نظر کیوں نہیں آتی۔

کیونکہ وہ ذہنی طور پر بیمار ہے۔
اس کے والدین ڈوبے کو تنکے کا سارا کے طور پر وہ گھر بیچ رہے ہیں۔ حالانکہ اس کا کوئی قاعدہ نہیں۔ ایسی بیماریاں بھی ٹھیک نہیں ہوتیں اس کا مرض اس لڑکی کے ساتھ ہی ختم ہو گا۔

میں موقع مل رہا ہے اتنا اچھا گھر خریدنے کا ذمہ ان تو ہم پر سنی کے پیچھے اس موقع کو کیوں مس کر دیں یہ میرا سر بندوقی ہے۔" خرم ہاسٹانڈ انداز میں بولا۔

"تمہاری ہمارے لو اس بارے میں میں نے کچھ نہیں بتایا ہے مگر انہیں بتا چلا۔"

"آپ انہیں بتاتا میں نے نہیں تو انہیں کچھ بتا بھی نہیں ملے گا اسی لیے انہیں بتانا بھی نہیں چاہیے۔" بلا وجہ وہ وہم میں مبتلا رہیں کیونکہ ہم سب خود وہ گھر دیکھ کر اُدبے ہیں کیا آپ کو اس گھر میں جا کر لگاؤ وہاں کوئی روح ہے کیا کسی بھی لحاظ سے وہ گھر آپ کو پراسرار لگے۔" خرم کے پوچھنے پر انہوں نے پوری سچائی سے گردن نفی میں ہلا دی اور ساتھ ہی کہنے لگے۔

"میں خود ان باتوں کو نہیں مانتا ہوں۔ لیکن پھر بھی دل میں خیال آ رہا ہے اتنے سارے مکھن موجود ہیں پھر کیا ضرورت ہے اسی کو خریدنے کی جہاں ایک لڑکی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہو۔" ان کی بات پر خرم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"تجھے پتہ ہے بلال اختر کے؟"

"ایک سی جی ہے۔"

"وہ جو اس دن اس گھر میں موجود تھی۔" خرم نے جھوٹے ہی کہا۔
"کنن سے کمرے میں ہمیں نے تو نہیں دیکھا۔" فرقان حسن سوچتے ہوئے بولے۔
"ہاں آپ نے شاید اسے نہیں دیکھا ہو گا۔ وہ بے نفسیاتی کیس۔" خرم کے استغما یہ لہجے میں بلا کی حیرت تھی پھر وہ تدریجاً تجسس سے پوچھنے لگا۔

"کیا کیا تھا اس نے اپنی دوست کے ساتھ۔"

"اس کا سر بھاڑ دیا تھا۔" خرم کا منہ کھلتا چلا گیا وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا تو فرقان حسن مزید تفصیل بتاتے ہوئے بولے۔

"اس کی دوست وہاں اس گھر میں رہنے لگی تھی۔ وہ دنوں بھت پر اس روح کو بلا کر اس سے بات کرنے لگی تھی۔ کوئی رات کو ان دنوں نے یہ خرافات کی تھیں تو بلال اختر کی بیٹی سے وہی ایسی ہی نفسیاتی مریضہ تارے تھے۔ اس نے اپنی دوست پر حملہ کر دیا اس کا سر زمین پر دے مارا وہ بری طرح بچی تو سب لوگ جاگ گئے اور فوراً بھت پر پہنچ گئے۔

ڈی ایس پی کی کہہ رہا تھا اس لڑکی کی زندگی اللہ تعالیٰ نے رکھی تھی جو بلال اختر و فیو اتنی جلدی پہنچ گئے۔ ورنہ اتنے بڑے گھر میں محض آواز سے سمت کا انداز لگا کر فوراً پہنچ جاتا کسی مجروح سے کم نہیں۔" فرقان حسن کہتے چلے گئے۔

"Amazing" خرم نے آنکھیں پھیلا کر گویا اپنی حیرت کا اظہار کیا۔
"دیکھنے میں وہ لڑکی بہت ڈرپوک سی لگ رہی تھی وہ کسی کے ساتھ اتنا وحشیانہ سلوک کر سکتی ہے۔

"it's unbelievable"

"ہاں تو جو لوگ سائیکو ہوتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں دیکھنے میں وہ بہت معصوم اور سادہ ہوتے ہیں جبکہ اندر سے ان کا ذہن پورا شیطانی ہوتا ہے۔"

"جب آپ کو پتا ہے کہ وہ سائیکو ہے تو پھر کیوں اتنا سوچ رہے ہیں آپ سب کچھ فوراً قائل کر دیں تاکہ بلال اختر جلد سے جلد گھر خالی کر دیں اور ہم لوگ وہاں شفٹ ہو سکیں۔" خرم نے ایسے کہا جیسے وہ مسلمان بیگ کے بلال اختر کے گھر کے سامنے کھڑا ہو۔

فرقان حسن اس کے انداز پر مسکرا دے ان کی مسکراہٹ کا مطلب تھا کہ وہ خرم کی بات پر راضی ہو گئے ہیں۔ تب ہی خرم بھی مسکرا کر یونہی بولنے لگے۔ پلٹ گیا۔ مگر ابھی وہ وہ دم بھی نہیں چلا تھا کہ خرم رک کر چلنے بغیر صرف گردن موڑ کر فرقان حسن سے پوچھنے لگا۔

"اس گھر میں کوئی سیاحت یہ بات کتنے لوگ جانتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کیا یہ بات مست مشہور ہے۔"

"میرا نہیں خیال کہ اس بات کی زیادہ شہرت ہوگی لوگ تو شاید یہ بھی نہیں جانتے کہ بلال اختر کی بیٹی کا نفسیاتی علاج چل رہا ہے۔" فرقان پر سوچ انداز میں بولے تو خرم سر ہلا کر رہ گیا۔

"بلال۔۔۔ کبھی کیوں پوچھ رہے ہو۔" فرقان حسن نے پوچھا تو خرم

"کچھ نہیں" کے انداز میں کہہ دیا۔ اچھا اب اس کی طرف ہوجا گیا۔

یہ بات اس کے ذہن میں آئی تھی اس کا اندازہ کر رہا تھا فرقان حسن سے کہنا تو وہ یقیناً "گھر خریدنے کا ارادہ ملتی کر دیتا۔"

اگر اس گھر کے آسیب زدہ ہونے کی کہانی مست لوگ جانتے۔ تو ان لوگوں کے شفٹ ہوتے ہی مسز فرقان کو کسی نہ کسی کے ذریعے یہ بات پتا چل جاتی اور جس چیز میں انسان کو شک ہو جائے پھر اس چیز سے وہ بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ مسز فرقان بھی باور رکھتی ہو اسے خوف کھانے لگتی۔ وہ ویسے بھی خاصی ڈر پوک قسم کی واقع ہوئی تھیں۔ ان کا تو اس گھر میں رہنا وہ بھرا ہو جاتا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اگر اس گھر کے متعلق ایسی منفی باتیں مشہور ہوں تو لوگ بھی اس گھر کی طرف سے بدگمان ہوں گے اور یہی بات وہ فرقان حسن کے سامنے نہیں کہنا چاہتا تھا۔ کوئی ان کے گھر کو کسی بھی لحاظ سے برائیا منہوس سمجھے۔ بات فرقان حسن بھی برداشت نہ کرتے جبکہ خرم کی عادت تھی جو چیز اسے پسند آجاتی وہ اسے ہر حال میں حاصل کرتا تھا۔ وہ گھر اسے بہت اچھا لگا تھا اسے اس قدر فضول اور بے فائدہ بات کے پیچھے تو وہ کبھی بھی نہیں جھوڑ سکتا تھا۔

سارے راستے وہ اسی گھر کے متعلق سوچ رہا تھا مگر یونہی شے کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ جیسے ہی کار سے نکلا اس کی ساری سوچیں ہوا ہو گئیں۔ جو منظر اس کے سامنے تھا وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ عجیب و غریب جلیے کا شخص جان بوجھ کر نمل اور اس کی دوست سے گریا تھا بلکہ نمل پر ہاتھ میں پکڑی ہوئی بھی اندھیل دی تھی۔

خرم اس بل اس کی جانب بڑھا تھا مگر اس کے پیچھے نمل اس لنگے نے نمل کے تھپڑ کے جواب میں اس کے گدی پر بڑے بل بڑی بے باکی سے جکڑ لیے تھے۔

خرم کی آنکھوں میں ٹوکر یا خون اتر آیا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس شخص کی کھل اتار دے مگر وہ اپنا غصہ پوری طرح نکال بھی نہیں سکا تھا کہ نمل نے وہ کر دیا جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اور اب جتنا وہ اس بارے میں سوچ رہا تھا اتنی ذلت کا احساس شدید ہو جاتا تھا۔

بالا تک صورت حال اس کی سمجھ میں نہ رہی تھی۔

نمل نے جو کچھ بھی اسے کہا تھا اس کے پیچھے بدگمانی کی وجہ کہانی تھی جو خرم نے حمید لوروی کو آنے کے لیے گھڑی تھی۔

یقیناً "میرے سب کچھ سن کر نمل کو مطلق کر دیا تھا اور ان کی اس حرکت کو دیکھ کر نمل یہی سمجھی کہ خرم نے اپنے پاؤں پر نمل کر دیا ہے۔"

مگر وہ چاہے کتنا بھی لاجیکل ہو جاتا وہ نمل کے رویے کو چاہے جتنا بھی غیر جانبدار ہو کر دیکھ لیتا وہ اس کے الفاظ انہیں قبول نہ کر پاتا تھا۔

نمل نے جتنی نفرت سے اس کی بے عزتی کی تھی وہ اس کی برداشت سے باہر تھی۔

"تم ایسے کرائے کے غنڈے منگوا کر یا اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کوئی گری ہوئی ناظرہ حرکت تو کر سکتے ہو۔ مگر میری جیسی لڑکی کے وقار تک نہیں پہنچ سکتے۔" کیونکہ مجھ تک پہنچنا تمہارے جیسے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔"

یہ الفاظ نہیں بکھلا ہوا سیسہ تھا جو اس کے کانوں میں اچھل دیا گیا تھا اور جس کے بعد اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا سوائے ان جملوں کی بازگشت کے جو اس کی لذت میں لٹکنے کا سبب بن رہے تھے۔

وہ اس سے انتقام لینا چاہتا تھا دل تو چاہ رہا تھا ابھی اور اسی وقت اسے شوت کدے ٹھونک دیا نمل کے اس نشانے کو مسلسل روکے جا رہا تھا۔

وہ اسے تڑپاتا چاہتا تھا۔

اسے تکلیف میں دیکھنا چاہتا تھا۔

جتنی نفرت سے اس نے پھٹا ہوا تھا۔

اتنی ہی بے بسی سے وہ اسے اپنے آگے گڑ گڑا کر معافی مانگتے ہوئے کھٹا چاہتا تھا۔

اپنی اس خواہش پر وہ بڑی آسانی سے نمل کو سکھاتا تھا اسے انوار کے کسی دیرانے میں وہ اسے اپنے پاؤں پر دے کر آسانی سے مجبور کر سکتا تھا۔

نمل دماغ کے اس منصوبے کو بل مستز کو دیتا کہ یہ نمل ایسا کرنے سے تو نمل کی بات پر ہر گز جائے گی۔

یہی تو کہا تھا اس نے کہ وہ اپنی دولت و امارت سے یا اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کوئی گری ہوئی حرکت کر سکتا ہے مگر اس کے وقار تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس تک پہنچنا خرم کے بس کی بات نہیں تھی۔

دل دماغ کے پیچ چھڑی اس نمل میں اس کے اعصاب بری طرح شل ہو گئے تھے۔

چار گھنٹے تک مسلسل بے متعذر ڈراپو کرتے کرتے وہ بری طرح تھک گیا تھا اور جس بل اسے یقین ہو گیا اب وہ گاڑی کہیں ٹھوک دے گا تب اس نے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ نمل سے بدلے بغیر وہ اس دنیا سے نہیں جانا چاہتا تھا۔ ورنہ بل تو چاہ رہا تھا راستہ میں آگے ہر چیز آزاد ہے۔

گھر آکر بھی وہ بغیر کمرے بند نہ ہونے سمیت مستز آزاد رہا کر گیا۔

اندر کے شور کو دبانے کے لیے اس نے فل والیوم میں ڈیک تھن کر دیا۔

تیز دھڑکا پلاٹا شور و غل پر جی انکس کا گھر کے دروازہ پر لگا تھا مگر نمل کے الفاظ کی گونج کو دبانے میں ناکام رہا تھا۔

تب ہی اچانک کمرے میں ایک م سکوت چھا گیا۔ خرم نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔

ڈیک کے پاس مسز فرقان کو کمرہ آدیکہ کر خرم کچھ دیر قلم کے ٹھونکے کوں کھتا رہا۔ چھوٹے چھوٹے میں بچا لیا۔

"خیریت تو ہے یہ تم آن اتنی جلدی کیسے آگے اور اگر آگے گئے تھے تو پھر سو فیو پیچ کر کے ڈانٹک نمل پر آجاتے یہ جوتے لے کر بند پر کیوں چڑھ گئے ہو۔"

مسز فرقان ڈیک کے پاس پڑی بے ترتیب cds کو اٹھا کر اسٹینڈ میں رکھتے ہوئے کوا تر سے بولتی رہیں مگر خرم بھی ان کی بات کو براہ دورہ اس کے سر پر آکھڑی ہو گئیں۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نمبر پچھڑیک کرنا چاہا تو خرم ایک دم اٹھ بیٹھا۔

"ٹھیک ہوں مام میں تمہارا سر میں وہ ہے ایک کپ چائے بنواؤں میرے لیے۔" وہ انگلیوں سے ہل ٹھیک کرتے ہوئے خود کو ہر ممکن حد تک سمارل ظاہر کرنے کی کوشش کرتے لگا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں ذرا بھی اندازہ اس کی کیفیت کا اگر انہیں ہلک بھی پڑ جاتی تو وہ پوچھ پوچھ کر اسے

ماہز گرد تھیں۔

"یہ کون سا وقت ہے چائے کا؟ جو کہ خراب ہو جائے گی پہلے کھانا کھ لو۔" مسز فرقان کو اپنے کمرے سے بیچے کے لیے اس نے چائے کی فرمائش کی تھی سو رنہ دل تو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"نہیں۔ میں کھا کر آیا ہوں۔ آپ بس جا کر چائے بنا دیں۔" خرم نے صفائی سے جھوٹ بولا تو انہوں نے سر ہلا کر اٹھتے ہوئے کمرے میں اپنا انٹرکام اٹھایا اور بیچے موجود ملازم کو روک کر چائے لانے کا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

خرم بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا جو اس کے بستر پر بڑے بے تحاشا کشمکش کو اٹھا اٹھا کر ترتیب سے رکھنے لگی تھیں۔ گویا ابھی ان کا یہاں سے لٹنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ بالکل فارغ تھیں اور خرم کے اپنا تک آجانے سے جیسے انہیں کوئی بات کرنے والا مل گیا۔ حالانکہ ان کا حلقہ احباب بڑا وسیع تھا۔ اکثر سچ ہونے کے ساتھ ہی ان کی فون کا شروع ہو جاتا تھا۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ انہیں باتیں کرنے کا بھی کچھ زیادہ ہی شوق ہو گیا تھا اس وقت بھی وہ اپنی کسی دوست سے فون پر بات کر کے انہی تھیں اور جو کچھ اس نے بتایا تھا وہ کسی اور کے گوش گزار کرنے کو بے چین تھیں کہ خرم آگیا اگر وہ نہ آتا تو وہ کسی بلور کو فون نمبر کر یہ سب سن رہی ہو تھیں جو خرم کو سناتے وقت ایک بار بھی انہوں نے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔ ورنہ اس کے چہرے پر چھائی بے زاری دیکھ کر ان کی زبان کو خود ہی ہریک لگ جاتے۔

"مسز صادق تو اس قدر رخصت بولتی ہیں کہ ان کی کسی بات کا تعین کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا ابھی بھی وہ تیار ہی تھیں کہ مسز پرویز جو صرف دو تین دن کے لیے لندن گئی تھیں وہاں انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ ان کی بیٹی کی حرکتیں ہی ایسی تھیں کہ انہوں نے سوچا یہاں تو کوئی بے وقوف نہیں بنے گا لندن میں کسی کو پکڑ کر بیٹی کو جوہر رخصت کر دیا۔

لب بھلا بتاؤ اگر یہ بات سچ ہوتی تو مجھے ان کے لندن جانے سے پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔ کسی پرستان لگاتے ہوئے مسز صادق کو ذرا اپنی بیٹیوں کا خیال نہیں آتا حالانکہ ان کی بیٹیوں کی حرکتوں سے بھی میں خوب واقف ہوں۔"

"جھوٹا نام پرستان اور غیبت دونوں ہی بری باتیں ہیں۔" خرم نے آکر کہا مگر وہ بھی ہی نہیں بلکہ تائیدی انداز میں بولیں۔

"ہاں یہ ہی تو میں کہہ رہی ہوں اگر مسز پرویز کی بیٹی ایسی ہے بھی تو اس کی برائیاں میرے سامنے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اصل میں انہیں لگتا ہے کہ میں نے تمہارے لیے مسز پرویز کی بیٹی کو پسند کر لیا ہے میں نے ایک دو دفعہ اس کی تعریف کیا مگر وہی مسز صادق کے سینے پر سانپ لوٹ رہی ہیں وہ چاہتی ہیں میں اپنے اتنے اچھے بچے کے لیے ان کی کسی بیٹی کو پسند کر لوں تو تمہارے قابل نہیں بھلا کہاں تم اور کہاں وہ لڑکیاں۔" خرم چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

ان کے لہجہ میں غور نہیں تھا البتہ مسز صادق کے لیے غصہ ضرور رہا تھا۔

"کیا پتا تم آپ کے بچے کو لوگ کس قابل سمجھتے ہیں۔" خرم کا سپاٹ لہجہ انہوں نے محسوس ہی نہیں کیا اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

"اپنی تعریف سننے کا دل چاہ رہا ہے تو صاف بتا دو تمہارا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ شوخی سے بولیں پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگیں۔

"میرا بیٹا چاہے کسی قابل ہو یا نہ ہو ان لڑکیوں کی حرکتیں میں اچھی طرح جانتی ہوں کسی شریف گھراۓ کی ہو بننے کے قابل نہیں ہیں وہ۔ میں تو ہمیشہ ایک ہی بات کہتی ہوں مڑکی بھلے ہی بہت صورت نہ ہو مگر اچھے خاندان کی ہو جسے گھرا لاکر

خاندان کا وقار بڑھے کہنے نہیں۔" مسز فرقان روٹنی میں بولتی چلی گئیں اور خرم کچھ لمحوں کے لیے من سا ہو گیا، نمل کے وہ الفاظ جو تھوڑی دیر کے لیے اس کی سمجھ میں سے ٹکرا رہے تھے ایک بار پھر سنائی دینے لگے۔

"بھٹہ تک پہنچنا تمہارے جیت کر ہے ہوتے لوگوں کے بس کی بات نہیں۔" مسز فرقان اب بھی کچھ بول رہی تھیں مگر اب خرم کو ان کی آواز نہیں آرہی تھی ذہن میں سب کچھ جیسے ایک دم سا فوٹو بنا رہا تھا۔ دل و دماغ پر چھایا تھا ایک دم پختہ لگا۔

جس عزم کے ساتھ وہ بخیر و برکتی سے نکلا تھا وہ عزم پورا کرنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ نمل کو روکنا سیکھتا تھا پتا تھا اپنے آگے ہار مانتے ہوئے شکست خوردہ دیکھنا چاہتا تھا تو اس کے لیے اوپر سے ہتھکنڈے استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو بہت بلو قار طریقے سے بھی اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔ کیا سمجھتی تھی وہ خود کو کہ خرم حسن اس تک نہیں پہنچ سکتا اس کے معیار تک آنا خرم کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

اگر وہ یہ سمجھتی تھی تو اس نے ایسا سوچ کر مت بڑی غلطی کی تھی اور اس غلطی کا خمیازہ اب شاید اسے عمر بھر بھگتنا پڑے گا۔ کم از کم تب تک جب تک خرم حسن اس سے بدلہ لیتے لیتے پورے ہو جائے۔



عائشہ اختر کو جب سے یہ پتا چلا تھا کہ بلال اختر نے ان کے سونے کے کمرے میں ان کا صرف ایک پارٹی کو پورا کر دیا تھا۔ حالانکہ ان کے ساتھ ذیل بھی قابل کرنا اور اگلے دن سے کلنڈر کی تیاری بھی شروع کر دی ہے۔ تب سے وہ انگاریوں پر لوٹ رہی تھیں۔ انہوں نے ندیہ کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر بلال اختر سے لڑنا شروع کر دیا تھا۔ خود ندیہ کو ان کے اقدام سے تکلیف ہو گئی تھی۔ اول تو وہ یہ چاہتی ہی نہیں تھی کہ یہ گھر بکے اور یہ تو اسے کسی طور منظور نہیں تھا کہ یہ گھر وہ لوگ خرید لیں جو اس کمرے تک آئے تھے اور جن کے بیٹے نے ایک پل میں طے کر لیا تھا کہ ندیہ والا کمرہ اس کا ہو گا۔

جب سے ندیہ نے یہ سنا تھا اس کے وجود پر ایک تحسین سی سوار ہو گئی تھی اور اس پر مہمائی کا زور اندر سے لڑتا تھا۔ جسمانی و ذہنی دونوں طور پر معقول ہو گئی تھی پھر بھی وہیں کھانے کی میز پر بیٹھی ان کی لڑائی مچتی رہی۔

"میں آخری بار کہہ رہی ہوں آپ یہ گھر نہیں پہنچیں گے۔" عائشہ اختر پی پیس تو بلال اختر بھی کرسی گھسیٹ کر کھڑے ہو گئے۔

"گھر میں بھی آخری بار کہہ رہا ہوں تم اس موضوع پر اب کچھ نہیں بولو گی یہ گھر میں بیچ رہا ہوں بہت اچھی قیمت بھی لگ گئی ہے۔"

"اس گھر کی کوئی قیمت ہے ہی نہیں۔ یہ گھر کتنا انمول ہے یہ آپ مجھ سے پوچھیں۔" عائشہ اختر کے عجیب و غریب لہجے پر بلال اختر تو کیا خود ندیہ بھی انہیں جو تک کر دیکھنے لگی۔

"ندیہ بیٹا آپ اپنے کمرے میں جائیں۔" بلال اختر نے صاف سے منظر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیوں؟ ندیہ کے سامنے بات کیجئے نا کیا بہت نہیں ہے ندیہ کے سامنے بات کرنے کی۔" عائشہ اختر تک کر بولیں بلال اختر نے جس طرح لب چسپے تھے اس سے صاف ظاہر تھا انہوں نے خود کو کچھ کہنے سے ہشمل ہو کا ہے۔

ندیہ کو ایسا لگا کہ محض اس کی موجودگی کی وجہ سے خاموش رہ گئے ہوں۔

"نوبہ میں نے آپ سے کہا تھا آپ جائیں۔" بلال اختر ایک ایک لفظ چبا کر بولے تو نوبہ یہ آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھنے لگی تب ہی اس نے مائیکس آن کر دیا ہانے کچے میں کہتے سن۔
 "اس گھر کے لیے میں نے بہت قریبیاں دی ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹی کو بھی کھو دیا ہے اور اب آپا سے ہی بیٹی کی بات کر رہے ہیں۔" نوبہ یہ کہتے ہوئے رک کر کھانسی سے کھل رہی تھی۔

بلال اختر ان کی چلتی زبان سے ٹک کر چلا کر بولے۔
 "اسی بیٹی کے لیے اس گھر کو بیچ رہا ہوں کوئی اپنے لیے نہیں کر رہا یہ سب اس لیے براہ۔ صیانی یہ جذباتی باتیں نہ کرو۔"

"تمہیں کتنی یاد رہاں سے جانے کے لیے کہنا ہے گا نوبہ۔" بلال اختر کی دعا پر نوبہ یہ سم کر تیز تیز چلتی اپنے کمرے میں آئی۔

وہ اتنی تیزی سے بیڑیاں چڑھی تھی کہ اس کا سانس پھولنے لگا تھا اگر وہ بلال اختر سے اتنا دور تھی تو وہاں تک کہ مائیکس آن کر کے کونسل شہر کر گئی۔

بائیں کن قریبوں کا ذکر کر رہی تھیں اور پھر انہوں نے ایسا کیوں کہا۔
 "یہاں تک کہ اپنی بیٹی کو بھی کھو دیا۔"

وہ ہوا سے اتنی مرعوبہ سمجھتے تھے پھر اس کی بیماری کے نتیجے میں اس گھر کو مورد الزام کیوں سمجھا رہی تھیں۔
 وہ تو یہ مانتی ہی نہیں تھیں کہ اسے اس گھر میں کوئی مصلحت نظر آتی ہے پھر بھلا اس گھر سے اس کی بیماری کا کیا تعلق ہے۔

وہ تو شائستہ خاں کے وجود سے ہی افکار کر رہی تھیں۔ بلال ان کی روح کو کیا مانتا تھا وہ تو کئی بار ہی سختی سے کہہ چکی تھیں۔

"کرتی نہیں ہے میرا لاوارث ہوں میں جیسے ختم نہالے میں ہے ہوتے ہیں نا۔ کوئی آگ نہ بیچے میں میں ایسی ہی ہوں۔"

ان کا بیانیہ انداز میں کہنا تھا ہر کرتا تھا جیسو دے کہ والوں سے لڑ جھگڑ کر جیتی ہیں۔
 مگر ان کی ان کی آنکھوں سے نوبہ یہ کچھ اور بھی اُلجھتی تھی۔ ان سے کچھ پوچھنے کی اس میں بہت تھمی نہ کوئی ناخبر۔

وہ کبھی شاد اور غم میں ایسا بول گئی تھیں۔ غصہ اترنے پر ان سے ان کی باتوں کی وضاحت مانگنا فاضل تھا۔ وہ بھی یہی کہتی تھیں کہ میں اور پھر نوبہ میں اتنی بہت ہی نہیں تھی کہ ان سے ان کی کسی بات پر جواب طلب کر لیں۔

مگر اس کے اندر بے شمار سوال سر اٹھاتے تھے آخر شائستہ خاں کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا جو مایا یا تو دور گزار کچھ سنا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں بلکہ یہاں تک کہ وہ تھیں۔

"شائستہ نام کی میری کوئی بہن نہیں ہے یہ صرف تمہارے دماغ کا فتور ہے۔"

نوبہ یہ غامضی سے اپنے بستر پر ناخائیں لگائے بیٹھی رہتی تھی مائیکس آن کر کے بلال اختر کے تھمہاں کی آواز سے اپنے دروازے کے باہر نکلتی رہتی تھی پھر اس نے ان کے کمرے کا دروازہ کھلتے اور بند ہوتے سنا تو اسے یقین ہو گیا ان کی مداخلت بحث ختم ہو چکی ہے مگر کسی نتیجہ پر پہنچنے پر چنانچہ وہ دونوں اپنے کمرے میں پہنچ گئے سونے کے لیے۔

نمل اس قدر غصے میں وہاں سے نکلی تھی کہ اس کا غصہ لہڑا ہوا تھا کہ وہ نہیں آ رہا تھا۔ شام تک نہیں جا کر

جب اس کی کیفیت زرا نارمل ہوئی شروع ہوئی تو رو میل اس کے گھر چلی گئی۔
 وہ منجھ سے اس کا فون اٹھانے نہیں کر رہی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا رو میل فصاحت کا پلندہ کھول دے گی۔
 اور واقعی یہ ہی ہوا اسے دیکھتے ہی رو میل اس پر جڑھ دوڑی۔

"یہ تمہنے کیا کیا نمل۔ کیا ضرورت تھی تمہیں غم پر ہاتھ۔"

"ضرورت! جو کچھ ہوا اس کے بعد بھی تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کیا ضرورت تھی بجائے مجھے سمجھنے کے تم مجھے سمجھا رہی ہو۔" نمل کا منہ کالا دا پھو پھو پھو لگا۔

"میں تمہیں سمجھتی ہوں لیکن تمہارا بہت حالات کو بھی سمجھنا چاہیے جس طرح تمہارا بے جانے کے بعد غم اپنی گاڑی لے کر نکلتا ہے اسے دیکھنے کے بعد سے مجھے بول اٹھ رہے ہیں پتا نہیں کیا کرنا والا ہے۔"

انہ تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں وہ تمہیں اتنی آسانی سے معاف نہیں کرے گا۔" رو میل کے چہرے پر اس کے لیے پریشانی ہی پریشانی تھی۔

نمل اس کی باتوں پر وہ جیسا کہ بے بغیر سر جھٹکتے ہوئے بولی۔
 "جو کرنا ہے کر لے لیکن مجھے اپنے کپے پر کوئی پچھتاوا نہیں۔" نمل کے متنی انداز پر رو میل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو نمل نے ہاتھ اٹھا دیے اسے جب کر لیا۔

"اسی گھر پر ہیں انہوں نے اگر کچھ سن لیا تو خود بخود آپریشن ہو جائیں گی سب ختم کرو اس بات کو۔"

(بالا بن شاد آئندہ ملاحظہ فرمائیں)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی	قیمت: 450 روپے	☆ درو کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبین	قیمت: 400 روپے	☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 250 روپے
☆ امرنیل، عمیرہ احمد	قیمت: 550 روپے		

منکوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

فوزیہ یاسین

ہستہ کی راز

زوبہ! لو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ زوبہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زوبہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم کو کی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس لچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے میز میوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑیے)

چودھویں قسط



رومیئلہ کچھ دیر تو بے بسی سے اسے دیکھتی رہی، پھر گہرا سانس کھینچتے ہوئے بولی۔
 ”تم نے ماموں (عظمت طیل) کا غصہ خرم پر نکالا ہے، ورنہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ سب خرم کا ہی کیا دھرا ہو۔“

”What؟“ نمل حیرت کی زیادتی سے چیخ پڑی تھی۔
 ”یہ تم کہہ رہی ہو رومیئلہ؟ تم جو خرم کے پلان کے متعلق سب کچھ پہلے سے جانتی تھیں، اس سیر نامی شخص نے یہ ہی سب کہا تھا نا مجھے ابو کا غصہ کسی پر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، کاش کہ میں ابو کے خلاف کچھ کر سکتی لیکن اگر میں ان کے اکھنٹ کوئی ایکشن نہیں لے سکتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ادھر ادھر اپنی فرسٹریشن نکالتی پھوں۔“

کم از کم مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم میرے بارے میں ایسا سوچو گی۔“ نمل کا غصہ ایک دم بے بسی میں تبدیل ہو گیا۔

رومیئلہ پر جیسے گھڑوں پانی کر گیا وہ نمل کے پاس آکر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔
 ”میرا۔۔۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا تم پلیز غلط مت سمجھو۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی، اگر کل رات ماموں سے وہ جھگڑا نہ ہوا ہوتا شاید تم اتنی آسانی سے اپنا ٹیبلٹ لوز نہ کرتیں۔“

لیکن جو بھی ہوا بہر حال اچھا نہیں ہوا میرے خیال سے تم ایک ڈولن پونڈور شینہ آؤ تو بہتر ہے۔“
 ”کیوں۔۔۔ میرے نہ آنے سے کیا ہو گا؟“ نمل نے ایک جھٹکے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

”کیا تم میری غیر موجودگی میں خرم سے بات کر کے اسے ٹھنڈا کرنا چاہتی ہو، تاکہ وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔“ رومیئلہ واقعی یہ ہی سوچ رہی تھی، پتا نہیں خرم نے ایسا کوئی پلان بنایا تھا بھی یا نہیں، جس کا اثر کہ سیر نے کیا تھا۔ کیا پتا وہ ان ساری باتوں سے واقف ہی نہ ہو۔
 اگر ایسا تھا تو وہ خرم سے نمل کی غیر موجودگی میں مل کر اسے نمل کی اس غلط فہمی کے بارے میں بتانا چاہتی تھی، تاکہ وہ نمل کے اقدام پر کسی رد عمل کا مظاہرہ کرنے سے پہلے اسے سمجھ سکے۔

مگر اب جبکہ نمل نے یہ اندازہ لگالیا تھا تو رومیئلہ کے پاس اسے جھٹلانے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔
 ”نہیں یا ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ ہو سکتا ہے خرم غصے کی زیادتی کی وجہ سے بھرے مجمع میں کوئی سین کری ایٹ کرنے کی کوشش کرے، جبکہ ہو سکتا ہے ایک ڈولن میں اس کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔“

تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں، کیا فائدہ ہے اسے ایسا موقع دینے کا کہ دوسرے لوگ بھی متوجہ ہو جائیں۔“ رومیئلہ نے ہر ممکن حد تک کوشش کی تھی ایسے الفاظ استعمال کرنے کی جنہیں سن کر نمل کا ٹھنڈا بڑا اشتعال دوبارہ نہ بھڑک اٹھے، بلکہ نمل کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کرانے کے لیے وہ فوراً ہی موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

”میں شام کو اور اس کی ماں سے ملنا چاہ رہی تھی، کیا تم آج جاؤ گی ان کی طرف۔“
 ”نہیں! میں اب کبھی وہاں نہیں جاؤں گی۔“ جواب بالکل توقع کے برعکس تھا، رومیئلہ بے ساختہ اچھٹے کے ساتھ بولی۔

”کیوں؟“
 ”کیوں جاؤں میں وہاں؟ ان کی بے بسی کا تماشا دیکھنے یا یہ دیکھنے کہ اپنے مجرم کے عنایت کیے ٹکڑوں پر وہ اپنا معذور بیٹے کا علاج کیسے کر رہے ہیں۔“ نمل زہر خند لہجے میں بولی۔

”جو ہونا تھا وہ ہو چکا، نمل اب اس پر رونے کی بجائے شام کی مدد کرنے کا سوچو۔ ماموں بھلی سارا خرچ اٹھا رہے ہیں، لیکن ہمارے وہاں جانے سے انہیں جذباتی طور پر بھی تھوڑا سا رات ملے گا۔“

”نمل جانتی ہوں تم یہ سب صرف مجھے بھلانے کے لیے کہہ رہی ہو، ورنہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو جو ہونا تھا وہ ہو چکا، یہ کہہ کر ہم اپنی جان نہیں چھڑا سکتے، کیونکہ جو آج ہوا ہے وہ کل پھر ہو گا۔ آج حشام کے ساتھ ہوا ہے، کل کو کسی اور کے ساتھ ہو گا، میں خاموش رہ کر صرف حشام کے ساتھ نہیں بلکہ سب کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں، ان تمام لوگوں کے ساتھ جو کل کو ابو کی شہرت کی بھینٹ چڑھ سکتے ہیں۔“ نمل تلخی سے بولی۔

رومیئلہ اس سے پوری طرح متفق ہونے کے باوجود محض اس کا دل رکھنے کے لیے تسلی دینے والے انداز میں کہنے لگی۔
 ”ایسا کوئی دوا چار کہیں میں ہوتا ہے کہ ماموں اپنی شہرت اور اپنے نام کے لیے انہیں سولی پر چڑھا دیتے ہیں، ورنہ ان کا ٹرسٹ بہت سارے نیک کام بھی کر رہا ہے۔ بھلی ہی ماموں اپنی خود غرضی سے کچھ لوگوں کو تباہ کر رہے ہیں، لیکن اپنے ٹرسٹ اور اپنی نیک نامی کے پروپیگنڈے کے لیے کچھ لوگوں کو آباد بھی کر رہے ہیں، نیت چاہے ان کی جو بھی ہو کچھ لوگ تو فلاں تیار ہے ہیں نا۔“ رومیئلہ کی بات پر نمل نے کوئی تبصرہ نہیں کیا، بلکہ خاموش ہی رہی تو رومیئلہ مزید کہنے لگی۔

”انسان کے پیش نظر صرف اپنا فائدہ ہوتا ہے، اب ابراہیمائی کو ہی دیکھ لو، بزنس میں اپنے فائدے کے لیے وہ کسی کو بھی خریدنے اور کچھ بھی بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ انہیں اس بات سے غرض ہی نہیں ہے کہ ان کے فیصلے کی زد میں کون کون آرہا ہے۔“

”جیسے یسین ہے میری شادی بھی ایسی ہی کسی بزنس ڈیل کا نتیجہ ہے، مہینا کار بجا چکانے کے لیے ہی ابراہیمائی نے یہ رشتہ منظور کیا ہو گا؟“ انہیں اگر سیدھی انگلی سے مکی ٹھٹھا نظر نہیں آتا تو وہ فوراً ”انگلی ٹیڑھی کر لیتے ہیں۔“

ایسے میں ماموں کا کام تو لاکھ گنا بہتر ہے، وہ اگر دس لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو بیس لوگوں کو کئی نقصان سے محفوظ بھی رکھتے ہیں۔ تم ان کے منفی پہلو پر نظر رکھنے کی بجائے مثبت پہلو پر غور کیا کرو، تمہارے سکون کے لیے یہ طرز فکر بہت ضروری ہے۔“ رومیئلہ رسالت سے کہتی رہی۔ نمل بے دلی سے اسے سنتی رہی۔

وہ کسی چیز کو محض اس لیے قبول نہیں کر سکتی تھی کہ دوسری چیزیں اس سے بھی زیادہ بری تھیں۔
 رومیئلہ کی باتیں اسے محض دل بھلانے کا سامان لگ رہی تھیں جو کہ کم از کم نمل کو بھلانے کے لیے نا کافی تھیں۔

رومیئلہ نے اس موضوع کا آغاز نمل کا دھیان بنانے کے لیے کیا تھا، مگر خود اس کا اپنا دھیان بٹ گیا تھا، وہ خود کلامی کے انداز میں بولنے لگی تو نمل نہ چاہتے ہوئے بھی توجہ دینے پر مجبور ہو گئی۔

”تم اگر ماموں کے رویے کو برداشت کر رہی ہو یا ان کے سامنے خاموش کھڑی ہو تو تمہارے پیش نظر تمہاری ماں کی بھلائی ہے۔ ان کی خاطر تم ہر کڑے سے کڑوا گھونٹ پی جاتی ہو، مگر میرے پاس تو خاموش رہنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔“

جب میں سوچتی ہوں کہ میں یہ سب کیوں برداشت کر رہی ہوں اور ایک ایسی شادی کے لیے کیوں راضی ہو گئی ہوں، جس پر میرا دل راضی نہیں ہے۔ تو میرے پاس اپنے سوال کا کوئی جواب ہی نہیں۔ بس میں یہ سوچ کر خود کو تسلی دے دیتی ہوں کہ ہمارے معاشرے میں بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

میرے ساتھ کچھ انوکھا نہیں ہو رہا اس لیے میں ایک ایسی شادی پر تیار ہوں جس کی طرف سے مجھے اتنے ٹک و شبہات ہیں، پتا نہیں یہ کلفام کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اتنے عرصے سے دیار۔ غیر میں مقیم ہے، اس کی عادت

مزانج کیسے ہیں کیا پتا اس نے وہاں پہلے ہی ایک شادی کر رکھی ہو پتا نہیں وہ وہاں کس طرح رہتا ہو؟
پتا نہیں وہ مجھے وہاں کس طرح رکھنے والا ہے کیا ان سب سوالوں پر ابرار بھائی نے غور کیا ہوگا؟ نہیں۔ مجھے
سو فیصد یقین ہے اگر بابا جانی کو خیال آیا بھی ہوگا تو انہوں نے بھی یہ سوچ کر خود کو تسلی دے دی ہوگی کہ ابرار نے
کچھ سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔

جبکہ مجھے یقین ہے ابرار بھائی نے ایسا کچھ سوچا ہی نہیں ہوگا، انہیں تو یہ سب غیر ضروری باتیں لگ رہی ہوں
گی۔
ان کے ایک کاروباری واقف نے رشتہ دے دیا جس سے یقیناً ابرار بھائی کو مستقبل میں فائدہ پہنچنے کی امید
ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے بغیر چھان بین کیے رشتہ منظور کر لیا اب یہ میری قسمت ہے کہ یہ ہی رشتہ میرے حق میں
اچھا ثابت ہو جائے ورنہ برائے کی صورت میں بھی الزام مجھ پر ہی آتا ہے کہ سربراہان تو تھی نہیں اچھا برا
سکھانے والی لہذا لڑکی کی پرورش صحیح طریقے سے نہیں ہو سکی۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے صاف انکار کروں لیکن
شاید مجھ میں ہمت نہیں ہے بولنے کی۔ ”مکمل سب کچھ بھول بھال کر بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

وہ جانتی تھی رو میلہ انہی شادی کی وجہ سے پریشان ہے مگر وہ اتنی پریشان ہے یہ اندازہ مکمل کو اب جا کر ہوا تھا۔
وہ تو یہ ہی سمجھ رہی تھی کہ اچانک شادی طے ہو جانے پر رو میلہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہو پاری مگر اس کا ذہن
منتشر نہیں تھا بلکہ ایک منفی نکتے پر آکر مرکوز ہو گیا تھا اور افسوس کی بات یہ تھی کہ وہ نکتہ اتنا منفی بھی نہیں تھا۔

ابرار بھائی کو مکمل بھی بچپن سے جانتی تھی وہ خاصے لیے دیے رہنے والے لکڑھٹم کے کوئی تھے وہ کس حد
تک خود غرض تھے یہ تو مکمل نہیں جانتی تھی۔ البتہ اتنا اسے یقین تھا کہ انہیں ایک مخلص شخص نہیں کہا جاسکتا
تھا۔

ایسے میں رو میلہ نے جتنے بھی اندازے لگائے تھے انہیں بے جا سوچ یا منفی خیالات نہیں کہا جاسکتا تھا۔ وہ
واقعی شادی ہو کر بہت دور جانے والی تھی ایک اجنبی ملک کے اجنبی شہر میں ایک بالکل اجنبی کے ساتھ رہنے کا
خیال اگر روح فرسا تھا تو اس خوف کو تقویت دینے والی تحریک یہ حقیقت تھی کہ یہ انتخاب ایک ایسے شخص نے کیا
تھا جس کے فیصلے پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور یہ ہی ایک احساس دوسرے تمام دوسروں کا موجب تھا۔ مکمل
تھوڑی دیر کے لیے اپنی پریشانی بھول کر رو میلہ کو سمجھانے میں لگ گئی۔

”تم اس طرح کیوں سوچ رہی ہو اگر تمہارا دل اس رشتے کے لیے نہیں مان رہا تو میں پھوپھا جان (بابا جانی) سے
بات کرتی ہوں۔ تم اتنی مجبور نہیں ہو کہ چار و ناچار اس رشتے پر راضی ہو جاؤ۔“ مکمل کی بات پر رو میلہ سختی سے
مسکرا دی اور مرے ہوئے لہجہ میں بولی۔

”تم کیا بات کرو گی ان سے یہ کہ میرا دل نہیں مان رہا وہ کہہ دیں گے شادی کے وقت تو سب ہی لڑکیاں پریشان
ہوتی ہیں اور وہ اتنی دور جانے کے خیال سے خوف زدہ ہے اتنی سی بات پر اتنا اچھا رشتہ چھوڑا نہیں جاسکتا۔“
مکمل تل بھر کے لیے چپ ہو گئی رو میلہ غلط نہیں کہہ رہی تھی اس کے بابا جانی مکمل کی بات سن کر کم و بیش کچھ
ایسا ہی کہنے والے تھے مگر وہ جیسے ہار نہ مانتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے گلفام بھائی کے بارے میں تمہارے جو بھی شک و شبہات ہیں انہیں میں خود دور کروں گی تمہیں
ابرار بھائی کے فیصلے پر بھروسہ نہیں ہے لیکن مجھ پر تو یقین ہے نا۔ میں خود کینیڈا جاؤں گی گلفام بھائی سے ملنے
اور یہ دیکھنے کہ وہ وہاں کس طرح رہتے ہیں۔“ مکمل پر عزم لہجے میں بولی تو رو میلہ ایک دم ہنس پڑی عجیب پھکی سی
ہنسی تھی اس کی جیسے اپنا ہی مذاق اڑا رہی ہو مکمل مصنوعی ناراضی دکھاتے ہوئے شکوہ کنال لہجے میں بولی۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا ہے میں بالکل سیریس ہوں۔“
”تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ تم مذاق کر رہی ہو۔“

for your kind information شادی میں بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ تمہارے پاس کینیڈا جا کر
معلومات کرنے کا ٹائم ہی نہیں ہے۔“ رو میلہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گویا اس کی یاد دہانی کرائی تو مکمل
پہلے تو اس کی بات پوری ہونے تک اسے مطمئن نظروں سے دیکھتی رہی پھر ٹھیک اسی کے انداز میں ایک ایک لفظ
پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ”میرے لیے کینیڈا جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے مجھے جس وقت کی سیٹ مل جائے میں
اسی وقت کینیڈا اٹلائی کر سکتی ہوں میرے پاس کینیڈین پاسپورٹ ہے مجھے ویزا لینے کا انتظار بھی نہیں کرنا ہوگا۔“
رو میلہ بری طرح چونک گئی۔

یہ بات تو اسے یاد ہی نہیں رہی تھی کہ عظمت خلیل کے پاس کینیڈین نیشنلٹی تھی مگر وہ ملک و قوم کی
خدمت کے لیے پاکستان میں رہتے تھے۔

”مگر تم وہاں کہاں جاؤ گی کہاں رہو گی ممانی تو تمہارے ساتھ جا نہیں سکتیں ان کی طبیعت۔“
”ان کی طبیعت اگر ٹھیک بھی ہوتی تو بھی میں انہیں لے کر نہ جاتی میں وہاں جا کر ہوٹل میں ٹھہروں گی اور
صرف دو یا تین دن میں آجاؤں گی تاکہ امی کو پریشانی بھی نہ ہو۔“

ویسے بھی مجھے صرف گلفام بھائی سے ہی تو ملتا ہے ان کا نمبر اور ایڈریس میں ابرار بھائی سے لے کر جاؤں گی
اور میں ان سے یہ نہیں کہوں گی کہ میں خاص ان سے ملنے جا رہی ہوں ورنہ تو وہ مجھے ایڈریس کبھی نہیں دیں
گے۔

بلکہ جس طرح کی ضد کی طبیعت کے وہ ہیں اگر انہیں بھنک بھی پڑ گئی کہ میں صرف اس لیے خاص طور سے
اتنی دور جا رہی ہوں کہ یہ دیکھ سکوں کہ جسے انہوں نے چنا ہے وہ رو میلہ کے قابل ہے بھی یا نہیں تو وہ ایک دم
بھڑک اٹھیں گے بلکہ ان سے کوئی بعید نہیں کہ ابو کو فون کر کے وہ انہیں بھی بھڑکادیں کہ ذرا بیوی کو قابو میں
رکھیں۔“ مکمل کافی جوش سے بول رہی تھی۔

رو میلہ اس طرح اس کے اکیلے اتنی دور جا کر ہوٹل میں رہنے کے حق میں تو نہیں تھی مگر جس مقصد سے وہ
یہاں آئی تھی وہ ضرور پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

وہ حشام والے معاملے سے اس کا دھیان ہٹانا چاہتی تھی اور ساتھ ہی اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ مکمل کچھ دن
یونیورسٹی نہ جائے تاکہ وہ اس کے پیچھے خرم سے بات کر سکے اور اس کی طرف سے معافی تلافی کر کے معاملہ رفع
و دفع کر دے۔

چنانچہ رو میلہ متفق نہ ہوتے ہوئے بھی بظاہر خاموش ہو گئی یہ سوچ کر کہ ممانی بھی اسے اکیلے اتنی دور جانے
نہیں دیں گی اور وہ رشیدہ کی بات کبھی نہیں ٹالتی جبکہ مکمل اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھتے ہوئے اسی
وقت موبائل نکال کر ابرار بھائی سے بات کرنے لگی۔

”وہ دراصل میں نے آپ کو اس لیے فون کیا تھا ابرار بھائی کہ ہم سب کینیڈا جا رہے ہیں ابو کو کچھ کام ہے
وہاں۔ ہم جلد ہی وہاں بھی آجائیں گے تو میں سوچ رہی تھی کیوں نا وہاں گلفام بھائی سے بھی مل لوں آخر
رشتے داری ہونے والی ہے۔“

”ارے یہ تو بہت اچھی خبر سنائی تم نے۔ یہ تو بہت اچھا ہے گا اگر ماموں بھی اس سے مل لیں۔“ ابرار بھائی
خوشدلی سے بولے تو مکمل نے بے اختیار مسکراتے ہوئے مٹھی بند کر کے رو میلہ کو دامن میں ہاتھ کاٹکھٹکھایا گویا
مشن کامیاب ہونے کا اشارہ کیا۔ رو میلہ آنکھیں پھیلائے اور منہ کھولے اسے دیکھے گئی جو کہہ رہی تھی۔

”تو آپ ایسا کرس مجھے کلفام بھائی کا ایڈریس وغیرہ دے دیں۔“
 ”ہاں ہاں ابھی لکھ لو، بلکہ میرے اس دوست کا ایڈریس اور فون نمبر بھی لکھ لو جو کلفام سے مل چکا ہے، ان فیکٹ اسی کے اپرو کرنے پر میں نے اس رشتے کے لیے ہائی بھری ہے۔
 وہ وہاں اپنے بیوی بچے کے ساتھ کافی عرصے سے رہ رہا ہے اس سے رابطہ کر کے تمہیں کلفام سے ملنے میں آسانی ہوگی۔“ ابراہان بھائی نے اسی وقت اپنے موبائل میں سے کلفام اور اپنے دوست کا ایڈریس اور نمبر نکال کر لکھوا دیا جسے نمل نے بڑی احتیاط سے نوٹ کر لیا۔
 ”تو پھر کب جا رہے ہو تم لوگ؟“ ابراہان بھائی نے پوچھا۔

”بس ابراہان بھائی سیٹ ملنے پر ڈپنڈ کرتا ہے۔“ نمل نے الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا۔
 ”جب ابراہان بھائی کو پتا چلے گا کہ تم اکیلی گئی ہو تو جانتی ہو کیا ہوگا۔“ رویملہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں جانتی ہوں انہیں کافی برا لگے گا، ہو سکتا ہے وہ فوراً ابو کو فون کر کے ان کی خود سر اور باغی بیٹی کی شکایت بھی کر دیں۔ لیکن یہ سب کچھ میرے کینڈا جانے کے بعد ہوگا وہاں جا کر میں ایک بار کلفام بھائی سے مل لوں گی اور آنے کے بعد ابو اور ابراہان بھائی کی تھوڑی سی ڈانٹ یا جلی کٹی سن لوں گی۔ ابو کے منہ سے میں ایسے القابات سنتی ہی رہتی ہوں، کوئی نئی بات تو ہے نہیں۔“
 ”لیکن ماموں تمہارے پیچھے ممانی پر بگڑیں گے۔“

”اسی لیے میں فوراً جا کر فوراً واپس آؤں گی، بس دھا کرو میرے آنے تک ابراہان بھائی کی ابو سے بات نہ ہو سکے، میرے آنے کے بعد اگر کچھ پتا چلتا بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر میرے پیچھے ابو کو کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کریں، کیونکہ جب انہیں پتا چلے گا تو غصہ تو انہیں یقیناً بہت آئے گا۔“ نمل حالات کا صاف گوئی سے تجزیہ کرتے ہوئے بولی۔

”اور اگر“ رویملہ نے کچھ کہنا شروع ہی کیا تھا نمل نے اس کی بات کاٹ دی۔
 ”تم صرف اتنا بتاؤ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں کلفام بھائی سے ملوں۔“
 ”مجھے تو بہت خوشی ہوگی اگر تم ایک بار ان سے مل لوگی، لیکن۔“

”یہ بات ہے تو بس اس کے آگے سارے اگر مگر، لیکن سب بھول جاؤ اور مجھے کرنے دو جو میں کرنے جا رہی ہوں۔“ نمل کے حتمی انداز پر رویملہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔
 اسے چپ دیکھ کر مکمل سکون سے ٹریول ایجنسی کا نمبر ملانے لگی اسے کون سی بسی چوڑی شاپنگ اور پیکنگ کرنی تھی وہ پہلی فلائٹ سے وہاں جانا چاہتی تھی اور سیٹ بھی اسے ایک ہی چاہیے تھی چنانچہ اس کی خواہش پر عمل ہونا بہت آسان تھا۔

اسی لیے فون رکھنے کے بعد وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ رویملہ کو دیکھنے لگی جو اس کی ایک طرف کی گفتگو سے اتنا جان ہی گئی تھی کہ کل دوپہر کی کوئی فلائٹ اسے مل گئی ہے تب ہی اسے یاد دلاتے ہوئے بولی۔
 ”سیٹ مل جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے بڑی بات تو تب ہے جب تمہیں اجازت مل جائے۔“
 ”اسی کے سامنے میں دو چار جذباتی جملے بولوں گی اور وہ اجازت دے دیں گی اور رہا سوال ابو کا تو انہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں، میں کہہ دوں گی تمہارے گھر رہنے جا رہی ہوں۔“ نمل نے کمال بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

”یہ سب اتنا آسان بھی نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو، ابراہان بھائی کو پتا ہے اور وہ ماموں جان سے پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کو کلفام کیسا لگا؟“ رویملہ قائل نہ ہوتے ہوئے بولی۔

”میں صرف یہ پتا ہے کہ ہم جارہے ہیں یہ نہیں پتا کہ ہم کب جارہے ہیں ایک بار میں ہو کر آجاؤں اس کے بعد ابو کو پتا چلتا بھی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے بس میری غیر موجودگی میں وہ امی کو پریشان نہ کریں“ آنے کے بعد تو میں ان کی لن ترانیاں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دوں گی؟ Who cares - ”رومیلہ جو بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی اس کے لاپرواہی سے آخری جملہ کہنے پر بے اختیار مسکرا دی۔

”تم نے بھی خرم کا انداز اپنا لیا ہے۔“
”کیا مطلب؟“ عمل واقعی نہیں سمجھی۔

”بھئی اتنا ناظم ہو گیا ہے ہمیں یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے یہ تو تم بھی جان گئی ہوگی کہ یہ ڈانٹا لگ اکثر و بیشتر خرم بول رہا ہوتا ہے۔“ رومیلہ نے قدرے شوخی سے کہا۔

”اس نے کہہ دیا تو اس کا یہ مطلب توڑی ہے کہ اس پر جملہ کوئی بول ہی نہیں سکتا۔“ عمل اپنے سابقہ لاپرواہ انداز میں بولی تو رومیلہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگی جس نے اس کی خواہش کے مطابق عمل کا دھیان حشام کی معذوری پر سے ہٹا دیا تھا۔

ایک طرح سے وہ اس کے محض اپنی خاطر اتنی دور جانے پر راضی بھی اسی لیے ہوئی تھی کہ عمل کے مزاج پر چھایا ہو جھل پن گلفام سے ملنے کے خیال سے ایک دم چھٹ گیا تھا۔

اور یہ تو رومیلہ بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ عمل کے لیے اتنا منگا ٹکٹ لینا اور وہاں جا کر ٹھہرنا کوئی مسئلہ نہیں۔ عظمت غلیل نے رشیدہ کے اکاؤنٹ میں اتنا پیسہ جمع کر رکھا تھا کہ وہ ایسے دس ٹرپ بھی آرام سے اُورڈ کر سکتی تھی۔

بلال اختر نے عائشہ اختر کے بگڑے اور ناراض ہونے کی پروا کیے بغیر فوراً ہی دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

گھر بچنے کے لیے جتنی بھی کاغذی کارروائی درکار تھی بلال اختر اس کے پورے ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا خیال تھا ہم یہاں سے شفٹ ہو جاتے ہیں باقی سارے کام بعد میں ہوتے رہیں گے۔

انہوں نے دوسرا گھر دیکھ کر پروفیشنل پیکرز (سامان باندھنے والوں) کو بلا لیا۔ عائشہ اختر مزدوروں کے سامنے بھلا کیا بولتیں وہ صبر کا گھونٹ لی کر رہ گئیں۔

ویسے بھی ان کی ڈاکٹر شکیلہ سے بات ہوئی تھی بات کیا ہوئی تھی ڈاکٹر شکیلہ نے خود ہی انہیں فون کر کے بلال اختر کے فیصلے کی حمایت کی تھی۔

بلال اختر نے عائشہ اختر کو اتنا ناراض دیکھ کر ڈاکٹر شکیلہ سے رجوع کیا تھا اور انہوں نے بلال اختر کے فیصلے کو خوب سراہا تھا اور کہا تھا وہ خود عائشہ اختر سے بات کریں گی۔

عائشہ اختر ڈاکٹر شکیلہ کی مداخلت پر جیسے بالکل بے بس ہو کر خاموش ہو گئی تھیں بلال اختر نے جو گھر جلدی میں لیا تھا وہ ویسے تو ہر لحاظ سے اچھا تھا مگر اس گھر سے موازنہ کرنے پر کچھ بھی نہیں تھا اس لیے عائشہ اختر پر ایک بے زاری چھائی ہوئی تھی۔

سامان ٹرک میں لوڈ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مزدور اتنے سارے تھے کہ اتنے بڑے گھر کے بے تحاشا سامان کو بھی انہوں نے صرف دو دنوں میں پیک کر لیا تھا اور پھر بلال اختر فوری طور پر سارا سامان لے جا بھی نہیں رہے تھے۔ جو گھر انہوں نے لیا تھا وہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ یہاں موجود سارا سامان وہاں کھپایا جاسکتا بہت ساری چیزیں

بلال اختر بچنے والے تھے کچھ سامان وہ یہیں چھوڑ کر جا رہے تھے ان کے گھر میں موجود دو اسٹور زمین سے ایک اسٹور میں تو بالکل ہی پرانا کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔

وہ اسٹور تو بلال اختر کا کھولنے کا ارادہ بھی نہیں تھا کیونکہ اسے کھولنا صرف اور صرف وقت کا ضیاع تھا اور بلال اختر کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔

وہ ضروری سامان اٹھا کر جلد سے جلد یہاں سے چلے جانا چاہتے تھے اور بہت سارا سامان ان کا بعد میں منگوا لینے کا ارادہ تھا جبکہ کچھ چیزیں وہ فرقان حسن کے سر قہو پ رہے تھے کہ آنے سے پہلے وہ خود صفائی کرا کر جو چیز جہاں پھینکنا چاہیں یا جسے دینا چاہیں ان کی مرضی پر منحصر تھا۔

اپنے کپڑے اور ضروری چیزیں عائشہ اختر اور ندیہ نے خود پیک کی تھیں بلال اختر نے بڑے بڑے ڈبے ندیہ کے کمرے میں بھجوا دیے تھے کہ جو سامان چاہو رکھ لو باقی فرنیچر وغیرہ مزدور اٹھالیں گے۔

ندیہ نے اپنے کپڑے اور کتابیں تو ساری رکھ لیں مگر دیگر اشیاء کو وہ جیسے الجھن بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی دراز میں سے شائستہ ظالم کی بنائی ہوئی بہت ساری تصویریں تو عائشہ اختر نے نکال لی تھیں لیکن اس جیسی دوسری کئی تصویریں اور ٹیڑھے میڑھے نقوش بدستور اس کے پاس تھے۔

وہ انہیں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتی تھی لیکن انہیں یہاں چھوڑ کر جانا بھی نہیں چاہتی تھی کہیں کسی اور کی نظر نہ پڑ جائے، پہلے تو اس نے سوچا انہیں پھاڑ کر پھینک دے مگر اتنی ساری ردی کو وہ پھاڑ کر کم از کم عائشہ اختر سے نظر نہ جائے بغیر نہیں پھینک سکتی تھی۔

عائشہ اختر ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتی تھیں کالج جانا بھی اس کا چھوٹ گیا تھا چنانچہ وہ ایک عجیب سی محض کا شکار ہو گئی تھی۔

اس وقت بھی عائشہ اختر اتنی دلبرداشتہ تھیں اور اتنی مصروف بھی اس کے باوجود پچھلے دو گھنٹوں میں وہ تین بار اس کے کمرے میں آکر جھانک چکی تھیں۔

”ندیہ کیا کر رہی ہو؟“
”کپڑے رکھ رہی ہوں۔ معلوم تو ہے آپ کو کیوں پوچھتے جارہی ہیں۔“ ندیہ عاجز آگئی تھی پھر بھی وہ باز نہیں آ رہی تھیں۔

ندیہ اس ہنڈل کو دیکھتے ہوئے سوچ ہی رہی تھی کہ ایک بار پھر عائشہ اختر بغیر دستک دیے اس کے کمرے میں جھانکتے ہوئے بولیں۔

”کتنی پیکنگ باقی ہے؟“
”بس ہو ہی گئی ہے۔“ ندیہ نے ایک دم وہ سارے کاغذات ایک ڈبے میں ڈال دیے۔

”بہت جلدی کر لی تم نے۔ میں نے تو ابھی صرف کپڑے ہی رکھوائے ہیں یہ بشری (ملازمہ) بھی ہر کام سستی سے کرتی ہے تم ذرا میرے کمرے میں آکر فائنٹ میری جیولری — اور جوتے پرس وغیرہ رکھوا دو انہیں تو چیزیں رکھنے کی بھی تمیز نہیں ہے سب خراب کر دیں گی۔“ وہ جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولیں۔ ندیہ نے ایک نظر ہنڈ بیگ کے سائز کے اس ڈبے پر ڈالی اور اسے پاؤں سے سر کا کریڈ کے نیچے کر کے ”چلیں۔“ کہتی ان کے پیچھے چل پڑی۔ ان کا کمرہ واقعی بری طرح پھیلا ہوا تھا ایک تو ان کے پاس ہر چیز کی بھرمار تھی دوسرے بشری تمام چیزیں الماری اور درازوں سے نکال کر زمین پر ڈال چکی تھی اور ڈبوں میں رکھنے میں کالمی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

اس نے عائشہ اختر کے پرس ایسے بھر دیے تھے کہ ان میں جڑے نفیس پرس ایک دوسرے میں الجھ گئے تھے ندیہ گھراسانس کھینچتی سارے پھیلاوے کے بیچ اکھڑی ہوئی اور بشری کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بشری تم چھوڑ دو یہ میں کر لوں گی تم نیچے جا کر لاؤنچ کا جائزہ لو۔“
 ”ہاں، بلکہ ایسا کرو میرے لیے ایک کپ چائے بنا دو، سر مل گیا ہے مزدوروں کی اٹھانٹھو دیکھ دیکھ کر۔“ عائشہ اختر نے بستر لیٹتے ہوئے ندھال سے لہجے میں توندیہ بغور انہیں دیکھنے لگی۔
 اس گھر کو چھوڑنے کا دکھ ان سب کو تھا، مگر عائشہ اختر کی شخصیت میں تو ایک جھکن اور بے زاری اتر آئی تھی، جیسے اس گھر کو بیچ کر انہوں نے اپنا کوئی ہان، کوئی غرور کھو دیا ہو۔
 ”مما۔“ بشری کے کمرے سے نکلنے کے بعد ندیہ نے انہیں پکارا تو وہ جو آنکھوں پر بازو رکھ چکی تھیں بغیر ہلے جلے صرف ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔
 ”مما آپ شادی ہو کر اس گھر میں آئی تھیں، جبکہ پایا تو پیدا ہی اس گھر میں ہوئے تھے، جب وہ اس گھر کو بیچ کر اتنے مطمئن ہیں تو آپ اتنی شکست خورہ کیوں لگ رہی ہیں؟“ عائشہ اختر نے ایک جھٹکے سے بازو اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور دیکھتی چلی گئی تھیں۔

”کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟“ ندیہ نے خود پر جی ان کی نظروں کا مطلب اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔
 ”نہیں۔ سوچ رہی ہوں تمہاری بات کا کیا جواب دوں۔“ عائشہ اختر کے چہرے پر واقعی سوچ کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ اب بھی ندیہ کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں، لیکن ان کے چہرے پر ندیہ کے لیے کوئی سختی یا غصہ نہیں تھا۔ اسی لیے وہ دل میں مچلتے سوالوں کو زبان پر بتی ان کے بیڈ کے کنارے پر آ گئی۔
 ”آپ ایسا سے کون سی قربانیوں کا ذکر کر رہی ہیں جو آپ نے اس گھر کے لیے دیں۔“ ندیہ کو امید تھی وہ اب اسے بری طرح جھڑکنے والی ہیں، لیکن خلاف توقع وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر جھٹ کوکتے ہوئے گہری سانس کھینچ کر بولیں۔
 ”چھوڑو بے کار کی باتیں، جن قربانیوں کی شوہر کو قدر نہ ہو، حالانکہ وہ شوہر کی خاطر ہی دی ہوں، وہ قربانیاں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ لہذا ان پر بات کرنا ہی بے کار ہے۔“ ان کے نرم لہجے پر جیسے ندیہ کی ہمت اور بڑھ گئی۔
 ”لیکن پھر بھی آپ نے کیا کیا تھا۔ کیا اپنا زیور وغیرہ بیچا تھا۔ اس کی زیبائش و آرائش کے لیے۔“ عائشہ اختر کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔
 ”تم بھی اپنے باپ کی طرح یہ ہی سوچتی ہو تاکہ مجھے کپڑوں اور زیور کے علاوہ زندگی سے اور کچھ چاہیے ہی نہیں۔“

”نہیں، نہیں، ممائیں تو۔“
 ”ہاں مجھے واقعی زیور، کپڑا، میک اپ، جوتے، ہر چیز کا بہت شوق ہے، بلکہ کریز ہے اور ہمیشہ رہے گا، لیکن ان سب چیزوں کے علاوہ بھی میری زندگی میں کچھ چیزوں کی اہمیت ہے۔
 جیسے اس گھر کی جیسے تمہاری اور جیسے خیر چھوڑو میں سوچ رہی تھی ایک بار ہم اس نئے گھر میں سیٹ ہو جائیں، پھر میں تمہارا کسی نئے کالج میں ایڈمیشن کرا دوں گی۔
 تم گھر میں بیٹھ کر پرائیویٹ پڑھائی کر سکتی ہو، لیکن اس طرح تم بالکل ڈل ہو جاؤ گی، تمہارے لیے لوگوں سے ملتے جلتے رہنا سخت ضروری ہے، تم میں ویسے بھی کافی فائز نس کی کمی ہے لوگوں سے کٹ کر تم بالکل ہی اپنے خول میں بند ہو جاؤ گی۔“ ندیہ کو ان کا موضوع بدلتا بہت چبھا تھا، پھر جو ذکر انہوں نے چھیڑا تھا وہ بھی اسے کوفت میں جلا کر گیا تھا۔
 اس کا بالکل دل نہیں چاہتا تھا، کسی بھی کالج میں جا کر پڑھائی کرنے کا نہ یہاں نہ کسی اور کالج میں اسی لیے وہ ان

کی کہی بات سے پہلو تھپی کرتے ہوئے اسی موضوع کو چھیڑتے ہوئے بولی۔
 ”میرے کافی فائز نس کو کوئی کالج نہیں، صرف آپ ٹھیک کر سکتی ہیں۔ آپ مجھے شائستہ خالہ کے بارے میں کھل کر کہیں نہیں بتا دیتیں۔“ عائشہ اختر لیٹے سے اٹھ بیٹھیں۔
 ”کتنی بار بتا چکی ہوں میں تمہیں۔ اب اگر تم میرا یقین نہیں کرتیں تو میں کیا کروں۔“ پہلی بار اس موضوع پر بات کرتے ہوئے انہیں غصہ نہیں آیا تھا، بلکہ ایک بے بسی اور احتجاج چھپا تھا ان کے لہجے میں۔
 اور یہ ہی چیز ندیہ کو ان سے اس موضوع پر بات کرنے کی ہمت دے رہی تھی، ورنہ بھنا کر جھڑک دینا ہر بار اسے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔

”آپ تو کہتی ہیں شائستہ نام کی کوئی بہن آپ کی ہے ہی نہیں۔ تو پھر یہ روح کس کی ہے اس گھر میں۔“
 ”اس گھر میں کوئی روح نہیں ہے، یہ صرف تمہارا ذہنی فتور ہے، اسی لیے صرف تمہیں نظر آتی ہے، اگر کوئی روح ہوتی تو مجھے اور تمہارے پایا کو کبھی تو کچھ محسوس ہوتا، کبھی تو کچھ نظر آتا۔
 جب تک تم خود کو یہ یقین نہیں دلاؤ گی کہ یہاں کچھ نہیں ہے تب تک تمہارا وہم ختم نہیں ہو گا۔“ عائشہ اختر کے چہرے پر چھائی مایوسی ان کی آواز اور لہجہ تک میں کھل گئی تھی۔
 ندیہ ایک تنگ سپاٹ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ جب جب شائستہ خالہ کا بھیا تک چہرہ اس کے سامنے آتا تھا اس کی بھوک اور تیند سب اڑ جاتی تھی۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک اس نے اپنی زندگی کسی پل صراط پر گزاری تھی۔
 ہر مل، ہر لمحہ وہ ایک اذیت سے گزرتی تھی اور اس کی اپنی سگی ماں اس کی تکلیف کو سمجھنے کی بجائے اسے اس کا ذہنی فتور کہہ رہی تھی۔
 حالانکہ ندیہ کو لگتا تھا اگر عائشہ اختر شائستہ خالہ کے ساتھ ہوئے، سانحہ پر سے پرہ اٹھا دیں تو اس کی الجھنیں دور ہو سکتی تھیں۔ مگر اس کی ماں جانے بوجھے اسے اس جھٹکوں سے نہیں نکل رہی تھی۔
 وہ اس کے بچپن سے لے کر آج تک اپنے سنگھاس پر بیٹھی ایک ہی راگ الاپ رہی تھی۔
 ”یہ تمہارا وہم ہے، یہ تمہارا وہم ہے، یہ تمہارا وہم ہے،“ اب تو ندیہ تنگ آ گئی تھی اس جملے سے کبھی کبھی تو اسے سخت گھبراہٹ ہوتی تھی، کیا وہ اس الجھن سے کبھی نکل بھی سکے گی، کیا وہ ساری زندگی ایسے ہی رہے گی، ذہنی مریضہ۔

کیا یہ سوال کبھی جواب پاسکیں گے جو اس کی زندگی پر حاوی ہو گئے تھے۔
 اگر ہاں تو آخر ایسا کب ہو گا؟ اور کون ہو گا جو اسے اس اذیت سے چھٹکارا دلانے گا۔
 ”اے کیا دیکھ رہی ہو ندی؟ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، یہ صرف تمہارا وہم ہے۔“ عائشہ اختر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پھر وہی الفاظ دہرا رہی تھیں جو اس کے اعصاب پر ہتھوڑوں کی طرح برستے تھے۔
 اس نے آنکھیں میچ کر جیسے اپنا ضبط برہانے کی کوشش کی تھی، مگر اگلے ہی پل آنکھیں کھولتے ہوئے جو جملہ اس کی زبان سے پھسلا تھا وہ عائشہ اختر کو بھی سمجھا گیا تھا کہ اب اس کا ضبط جواب دے گیا ہے۔
 ”کیا شائستہ خالہ کے ساتھ ہوئے سانحہ میں آپ کا بھی کچھ ہاتھ تھا جو آپ ان کے وجود سے ہی انکاری ہو گئی ہیں۔“
 ”ندیہ۔“ عائشہ اختر کے لہجے میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ ندیہ نے زچ ہو کر کہہ تو دیا تھا لیکن اب ان کا انداز دیکھ کر وہ جیسے شرمندہ ہو کر رہ گئی۔
 ”ممائیں۔“

”میں نے تمہیں یہاں پیکنگ کرنے کے لیے بلایا تھا۔ لیکن شاید تمہارا موڈ نہیں ہے، تم جاؤ اپنے کمرے میں۔“ زویہ نے کچھ کہنا چاہا تھا، مگر عاتقہ اختر نے اس کی بات کاٹ دی، وہ اس طرح ان کے کمرے سے نہیں جانا چاہتی تھی، بلکہ اپنی کئی بات پر شرمندگی کا اظہار کرنا چاہتی تھی، لیکن تب ہی بشری چائے لے کر اندر آئی۔

”تم جاؤ زویہ، بشری پیکنگ کر لے گی۔“ انہوں نے واپس اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ زویہ کچھ دیر کش و پش میں گھری انہیں دیکھتی رہی، پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

کمرے سے نکلنے وقت بھی اس نے پلٹ کر ایک نظر انہیں دیکھا تھا جو ہنوز ویسے ہی لیٹی تھیں، بشری کی لائی چائے سائڈ ٹیبل پر رکھی تھی اور زویہ کو یقین تھا یہ ایسے ہی رکھے رکھے ٹھنڈی ہو جائے گی۔

خرم اگلے دن یونیورسٹی معمول سے کافی لیٹ آیا تھا۔ کیونکہ آج اس کا کوئی کلاس اینڈ کرنے کا ارادہ ہی نہیں تھا، وہ تو صرف عمل جلیل کا بائیو ڈیٹا پتا کرنے آیا تھا۔ اس کے والدین کو لگتا تھا کہ کیا کرتے تھے، کمال رہتے تھے، وغیرہ وغیرہ۔

مگر اپنے ارادے کے متعلق وہ اپنے کسی بھی دوست کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا، وہ سب کل کے حادثے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے، انہیں خواہ مخواہ کی آگاہی بخشنا خرم کو خود اپنی بے عزتی لگ رہی تھی اور پھر جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا اسے عملی جامہ پہنانے سے پہلے وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو بھنگ بھی پڑے اس کے منصوبے کی۔ لیکن ابھی اس نے آفس جا کر نمل کے بارے میں کچھ بتا بھی نہیں کیا تھا کہ اس کی نظر رویلہ پر پڑی جو تیزی سے اس کی طرف ہی آرہی تھی۔ خرم اسے دیکھ کر اپنی جگہ رک گیا تو وہ عین اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

”آج آپ بہت لیٹ آئے ہیں۔“ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ یہ جملہ بے ساختہ اس کے منہ سے پھسلا ہے جو اس کے بہت دیر سے منتظر ہونے کو ظاہر کر رہے تھے۔ خرم جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، اندازاً ایسا تھا جیسے۔

”تم سے مطلب۔“ رویلہ کچھ جھل جھل ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

”دراصل میں آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی اگر آپ برا نہ مانیں تو۔“

”بولیں۔“ خرم بے نیازی سے بولا۔

”کیا ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں۔“ رویلہ کے لہجے میں التجا تھی۔

خرم کا اس وقت اس سے بات کرنے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا، مگر اس کے ذریعہ نمل کے متعلق کافی کچھ جان سکتا تھا، چنانچہ بے دلی سے بولا۔

”آئیں میرے ساتھ۔“ یہ کہہ کر خرم پلٹ گیا تو رویلہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

خود اسے بھی اس طرح خرم سے بات کرنا عجیب لگ رہا تھا، مگر وہ بہت صبر جو قسم کی لڑکی تھی اس کی خواہش ہوتی تھی کہ ہر کام خوش اسلوبی سے بغیر کسی بد مزگی کے ہو جائے۔

نمل اس کی اس عادت کو بڑی کانام دیتی تھی جس کی رویلہ کو قطعاً سروا نہیں تھی، بلاوجہ کی دشمنیاں پالنا اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو طول دے کر اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مسائل گھڑے کرنا اس کی نظر میں کوئی بہادری نہیں تھی۔

ڈیپارٹمنٹ کے احاطے میں ایک چبوترے پر خرم کے سامنے بیٹھتے ہوئے رویلہ کی پوری پوری کوشش تھی کہ وہ فوراً بات کر کے اٹھ جائے۔

”میں کل کے ہوئے حادثے پر بہت شرمندہ ہوں اور نمل کی طرف سے معافی مانگنے آئی ہوں اصل میں۔“

”کیا نمل نے آپ کو بھیجا ہے؟“ خرم نے اس کی بات کاٹ دی۔ رویلہ کو امید تھی وہ یہ ہی سمجھے گا اس لیے وہ اس جواب کے لیے پہلے سے تیار تھی۔

”نہیں۔ لیکن وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہے میں وہ کلیئر کرنے آئی ہوں۔“

”مجھے پتا ہے سیر کی وجہ سے وہ میری طرف سے بدگمان ہوئی ہے۔“ خرم نے ایک بار پھر اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے کہہ دیا۔

رویلہ کو سن کر تھوڑا سا اطمینان ہوا کہ اسے اب غیر ضروری تفصیل میں وقت ضائع نہیں کرنا پڑے گا تب ہی فوراً کہنے لگی۔

”مگر آپ کو پتا ہے تو پھر آپ کو اس بات کا بھی احساس ہو گا کہ اس کا آپ پر ہاتھ اٹھانا غلط ہوتے ہوئے بھی اتنا غلط نہیں ہے۔“

مجھے احساس ہے آپ کو سخت انسلٹ فیل ہوئی ہوگی، اسی لیے میں اس کی طرف سے معافی بھی مانگ رہی ہوں۔ آپ پلیز اس بات کو بھول کر دیں، مجھے یقین ہے نمل کو بھی بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہو گا اور وہ بھی آپ سے معذرت کر لے گی۔“ رویلہ نے آخری جملہ سراسر مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے ادا کیا تھا۔ ورنہ اسے یقین تھا نمل کو کبھی اپنی غلطی کا احساس ہو گا اور نہ وہ کبھی معذرت کرے گی۔

مگر یہ سب کہہ کر وہ فی الحال خرم کے غصے کو دبانا چاہتی تھی، بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ خرم اس کی بات پر کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، پھر بہت بھر پور ہنسنے لگا۔

”تم نمل کی دوست ہو، لیکن تم سے زیادہ نمل کو میں جانتا ہوں۔ وہ کبھی اپنے کیے پر پچھتائے گی اور نہ معذرت کرے گی۔ لیکن تم یہ سب شاید اس ڈر سے کہہ رہی ہو کہ میں اس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کروں، ہے نا۔“ خرم کے دوش سے کہنے پر رویلہ ایک بار پھر شرمندہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی، پھر آخر دل کڑا کرتے ہوئے بولی۔

”کیا آپ کا کوئی انتقامی کارروائی کرنے کا ارادہ ہے۔“ خرم کا جی چاہا تہہ مار کر ہنسنے، کسی فلمی ولن کی طرح اور اس لڑکی کو اتنا ڈرا دے کہ وہ جا کر نمل کو بھی خوف زدہ کر دے۔

لیکن اچانک خرم کو احساس ہوا تھا کہ نمل کے متعلق ساری معلومات آفس سے نکلوانے سے زیادہ آسان تھا رویلہ سے نکلوانا، کیونکہ وہ زیادہ مستند بھی ہوگی۔ تب ہی خرم اپنے لہجے کو سنجیدہ بناتے ہوئے بولا۔

”کاش۔“ میں کوئی انتقامی کارروائی کر پاتا۔ دل تو بہت چاہ رہا ہے اس سے بدلہ لینے کا۔ مجھے اس تھپڑ سے تکلیف نہیں ہوئی، لیکن اس الزام سے بہت اذیت پہنچی ہے جو اس نے مجھ پر لگایا ہے، میں ایسی تھوڑا کلاس حرکتیں نہیں کرتا اور وہ بھی نمل کے ساتھ تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ رویلہ چونک کر خرم کو دیکھنے لگی۔

”کیوں؟“ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

”کیوں کیا تمہیں نہیں معلوم محبت انسان کو کمزور بنا دیتی ہے۔“ خرم پوری سنجیدگی سے گویا ہوا، مگر اگلے ہی پل چہرے پر پھیلائی سنجیدگی کو قائم رکھنا اس کے لیے مشکل ہو گیا۔

رویلہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹ گئی تھیں، وہ پورا کا پورا امنہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ خرم کے لیے پل پڑنے والی ہنسی کو روکنا مشکل ہو گیا۔ پھر بھی وہ کمال مہارت سے اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو کیے بیٹھا رہا اور اپنی آواز میں مظلومیت بھرتے ہوئے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

”یقین نہیں آ رہا نا، جس انکشاف پر میں خود حیران ہوں اس پر تمہیں کیوں یقین آئے گا اور اس نمل کو تو خیر

کبھی بھی نہیں بھروسہ ہوگا۔" رومیلہ اتنے بڑے شاک میں گھری تھی کہ اس کے لیے کچھ بولنا ہی ناممکن ہو گیا تھا جبکہ خرم کو اس سے بہت ساری معلومات حاصل کرنا تھیں۔ تب ہی اسے بولنے پر اکساتے ہوئے بولا۔
 "مجھے خود نہیں بتایا سب کب اور کیسے ہو گیا، بس اتنا معلوم ہے کہ اس پوری کائنات میں میرے لیے نمل سے زیادہ اہم کچھ نہیں۔ وہ اگر مجھ سے میری جان بھی مانگ لے تو میں وہ بھی آرام سے دے سکتا ہوں۔
 لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ مجھے کتنا غلط سمجھتی ہے اگر مجھے ایک موقع ملے تو میں اس کی ساری غلط فہمی دور کر سکتا ہوں۔ لیکن وہ تو مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تو موقع کیا دے گی۔
 کیا تم نمل کو سمجھا سکتی ہو یا کم از کم صرف مجھ سے بات کرنے پر آمادہ کر لو؟ خرم التجا یہ انداز میں بولا۔
 جب اس نے نمل کے ساتھ فلرٹ کرنے کی شرط کی کے ساتھ لگائی تھی تب نمل کے سامنے کھڑے ہو کر ایسے جیسے بولنا بھی اسے اپنی بے عزتی لگ رہی تھی۔
 مگر اب رومیلہ سے یہ سب کہتے ہوئے اسے برا مزہ آ رہا تھا۔ رومیلہ کے تاثرات ہی ایسے تھے وہ ہونق بنی اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کی اتنی حیرانی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ خرم کی بات پر یقین نہیں کرنا چاہ رہی مگر اسے جھٹلا بھی نہیں رہی جبکہ نمل سے ایسے کسی رد عمل کی امید نہیں تھی کسی شش و پنج میں گرفتار ہونا تو درکنار نمل تو اس کی پوری بات سے بغیر ہی چل پڑتی اس کے برعکس رومیلہ میں تو ہنسنے کی بھی سکت نہیں تھی۔
 "میں نمل کو ساری دنیا کے سامنے پورے قاعدے قانون کے ساتھ اپنا ناچا رہا ہوں کیا تم اس کام میں میری مدد کرو گی صرف یہ سوچ کر کہ ایسا کر کے تم اپنی دوست کے لیے ایک شاندار مستقبل اور بہت محبت کرنے والے شریک حیات جن رہی ہو۔" خرم اتنی سچائی سے ایک ایک لفظ بول رہا تھا کہ رومیلہ کی بے یقینی یقین میں بدلنے لگی۔

اصل میں وہ خرم کی طرف سے کیے کسی اظہار کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی ورنہ جہاں تک سوال خرم کی محبت کا تھا تو خرم کی نمل میں غیر معمولی دلچسپی کا اندازہ تو اسے بہت پہلے ہو گیا تھا بلکہ اس نے نمل سے کہا بھی تھا۔

جب یونیورسٹی کے اگلے ہی دن نمل نے چھٹی کر لی تھی تب خرم نے اس کی بابت جس بے چینی سے پوچھا تھا رومیلہ کو تو تب ہی لگنے لگا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے اپنے اس اندازے کا اظہار اس نے نمل کے سامنے بھی کیا تھا جس پر نمل اچھا خاصا بگڑ بھی گئی تھی بلکہ یہاں تک کہنا تھا۔
 "اگر ایسا کچھ ہوتا بھی ہے تو ایسے لوگوں کا دماغ ٹھیک کرنا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔" لیکن اب جواب تو دہ کر رہا تھا وہ تو بہت مناسب تھی۔ وہ کوئی معیوب طریقہ نہیں اپنا رہا تھا اس کا ہاتھ ساری دنیا کے سامنے تھا ماننا چاہ رہا تھا۔
 مگر وہ خرم کی اس معاملے میں مدد کرتی تو نمل کو یقیناً "برا لگتا" نمل کی اجازت کے بغیر وہ مدد کرنا تو درکنار مدد کرنے کی ہامی بھی نہیں بھر سکتی تھی۔ لہذا وہ اس موضوع سے پہلو ہٹ کر رہے ہوئے بولی۔
 "خرم میں بھلا آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں آپ اس معاملے میں نمل سے ہی بات کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"ظاہر ہے نمل سے ہی بات کروں گا، لیکن اس سے پہلے میں چند چیزیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں جیسے وہ کہیں انکمیجڈ تو نہیں اس کی فیملی میں خاندان سے باہر شادی ہو سکتی ہے یا نہیں اس کے فادر کون ہیں اور کیا کرتے ہیں؟" رومیلہ کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بھاگے تو پر تول رہی ہو اسی لیے خرم نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

رومیلہ جیسے مشکل میں پھنس گئی وہ ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب دینا نہیں چاہ رہی تھی مگر سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا اسے کیسے ٹالے۔

"دیکھیں میں کچھ زیادہ جانتی نہیں ہوں مجھے۔"

"۲۲ تا تو بتا ہو گا کہ اس کی کہیں منگنی ہوئی ہے یا نہیں۔" خرم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
 "در اصل اس کے فادر سارے ڈی سیشن خود لیتے ہیں کیا پتا انہوں نے اس کی بات کہیں طے کر رکھی ہو۔"
 رومیلہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو خرم بھی اس کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولا۔
 "۲۳ اگر اس کے فادر نے ایسا کوئی فیصلہ کیا ہو گا تو کم از کم اس کی ماں کو یا کسی بھائی کو تو پتا ہو گا کیا انہوں نے بھی کبھی نمل سے ذکر نہیں کیا۔"

"۲۴ اس کا کوئی بھائی، بہن نہیں ہے اور اس کے فادر اتنے بڑی رہتے ہیں کہ انہیں اس کی ماں کو بھی کچھ بتانے کا تاہم نہیں ملتا اور اس کی ماں ہیں بھی بہت گھریلو قسم کی۔" رومیلہ بس کسی بھی وقت جانے کے لیے پلٹ سکتی تھی۔
 خرم کو بڑی مایوسی ہوئی تھی اس سے بات کر کے وہ سمجھ گیا تھا وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرے گی پھر بھی اس نے جیسے اپنی پوری توجہ دور کرنے کے لیے سوال نہیں کیا بلکہ چڑ کر کہا۔
 "۲۵ تا کتنا بڑی رہتے ہیں آخر ایسا کیا کام کرتے ہیں۔"

"وہ اتنے ہی بڑی رہتے ہیں بہت بڑے عمدے پر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ چیرنی کا کام بھی کرتے ہیں ان کے اپنے کئی ٹرسٹ ہیں۔" جس سوال پر اسے کسی ڈھنگ کے جواب کی توقع نہیں تھی اسی سوال پر رومیلہ نے خاطر خواہ معلومات فراہم کر دی۔

اگر وہ کسی بہت بڑے عمدے پر کام کر رہے تھے اور کئی ٹرسٹ بھی چلا رہے تھے تو ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے رومیلہ کی خوشامد کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی وہ دوسرے ذرائع استعمال کر کے بھی یہ مقصد حاصل کر سکتا تھا۔

"اس کے فادر کا نام کیا ہے؟" خرم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔
 "عظمت خلیل۔" اب کی بار رومیلہ حیرانی سے آگے بڑھ گئی تاکہ خرم کچھ پوچھ نہ سکے جبکہ وہ تو حیران ہی رہ گیا۔

"عظمت خلیل۔" خرم نے زیر لب دہرایا۔

ان کے نام اور شہرت سے بھلا کون واقف نہیں تھا آئے دن تو اخبار میں ان کی تصاویر اور خدمت خلق کی تفصیلات چھپتی رہتی تھیں بلکہ سماجی اور متحرک شخص کو تو اس کے ڈیڈ فرقان حسن یقیناً ذاتی طور پر بھی جانتے ہوں گے۔

فرقان حسن کا حلقہ احباب اتنا وسیع تھا کہ مختلف تقارب میں شرکت کرنے کے باعث ایسے بہت سارے لوگوں سے ان کی سلام دعا تھی جن سے ان کے کوئی بہت گہرے مراسم نہیں تھے۔

وہ تو نمل کا پورا بایو ڈیٹا جاننے آیا تھا لیکن یہاں تو صرف ایک نام بتا چلنے سے ہی اس کا پورا حسب و نسب سامنے آ گیا تھا اب تو ضرورت ہی نہیں تھی یونیورسٹی کے ریکارڈ کو کھنگالنے کی۔ اسے صرف فرقان حسن کو عظمت خلیل کا نام بتانا تھا باقی سب فرقان حسن خود ہی اس سے زیادہ مستند ذرائع سے پتا کر لیتے بلکہ شاید پتا کرنے کی بھی ضرورت نہ ہو وہ پہلے ہی بہت کچھ جانتے ہوں۔

یعنی خرم کو اب صرف گھر جا کر بات کرنے کی ضرورت تھی باقی کا پورا امید ان تو صاف ہو چکا تھا۔
 خرم مطمئن نظروں سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی رومیلہ کی پشت کو دیکھتا رہا جو کچھ نہاتے ہوئے بھی اسے سب بتا گئی تھی۔

تیز تیز چلتی رو میلہ نے اپنے طور پر بڑی احتیاط برتی تھی مگر عظمت خلیل کی شہرت ہی اتنی زیادہ تھی کہ صرف ان کا نام بتا دینا ہی رو میلہ کے خانے میں ایک غلطی کے طور پر شامل ہو گئی تھی حالانکہ اس کے نہ بتانے سے بھی خرم آج نہیں تو کل سب جان ہی جاتا بس اس کی وجہ سے خرم کا کام ذرا جلدی ہو گیا تھا اور پھر رو میلہ کو کون سا اس کے ارادوں کا پتا تھا یہ اتنی پہلو تھی بھی اس نے محض یہ سوچ کر برتی تھی کہ کہیں نمل کو برانہ لگ جائے ورنہ سچ تو یہ تھا کہ خرم سے بات کر کے اسے کافی اطمینان ہو گیا تھا۔
وہ جو اس کی طرف سے کسی انتقامی کارروائی کا ایک ڈر سا تھا وہ خوف اس کی باتیں سن کر پوری طرح مٹ گیا تھا۔

اب اگر اسے کوئی فکر تھی تو وہ بھی یہ کہتا نہیں نمل کا کیا رد عمل ہوگا۔
ابھی کچھ گھنٹوں میں وہ کینڈا کے لیے فلاحی کرنے والی تھی وہاں سے اسے آنے میں تین چار دن تو لگتے تھے اس کے بعد ہی خرم کی اس سے بات ہوگی کم از کم چار دن تو سکون تھا (صرف اس کی نظر میں کیونکہ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ خرم تو آج کے آج ہی سب کچھ کرنے والا ہے۔)
رو میلہ پرس سے موبائل نکال کر سنبل کو فون کرنے لگی جس نے ڈر کے مارے چھٹی کر لی تھی۔
اسے کل رات ہی پتا چل گیا تھا کہ نمل کینڈا جا رہی ہے ایک تو سنبل پہلے ہی خوفزدہ تھی کہ پتا نہیں خرم اب کیا کرے گا اس پر اسے جب یہ پتا چلا کہ نمل ہی نہیں آ رہی تو اس نے فوراً نمل چھٹی کر لینے کا اعلان کر دیا۔
اب جب اسے یہ پتا چلے گا کہ خرم بدلہ لینے کی بجائے نمل کو پروڈ کرنے والا ہے تو حیرت تو اسے ہوگی لیکن شاید اسے خوشی بھی ہو۔

خرم کی ظاہری پرسنالٹی اتنی اچھی تھی اور پھر جب سے اس نے نمل کے پیسے واپس کر دیئے تھے تب سے تو اس کا تاثر سنبل کی نظر میں کافی اچھا ہو گیا تھا۔
ایسے میں یہ خبر اس کے لیے خوشخبری ہی ہوگی۔ البتہ وہ نمل کو فی الحال کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔
نمل اتنے لمبے سفر پر اکیلی جا رہی تھی وہ بھی عظمت خلیل کو بتائے بغیر اور کسی حد تک رشیدہ کی بھی رضامندی کے بغیر ایک مجبوری کی دوی گئی اجازت کے ساتھ لہذا اس کے ذہن پر پہلے ہی کافی بوجھ تھا۔
ایسے میں خرم کے احساسات کے بارے میں سن کر فوری طور پر تو اسے بھڑکنا ہی تھا اچھا ہی تھا جتنے دن وہ سکون سے رہے۔

نمل اتنے سکون سے تو نہیں جا رہی تھی رشیدہ کا حیران پریشان چہرہ اسے شرمندہ کر رہا تھا مگر رو میلہ کے مستقبل کی خاطر یہ قدم اٹھانا ضروری تھا۔
رشیدہ نے بھی محض اسی لیے خاموشی اختیار کر لی تھی ورنہ ان کا دل کسی طور نہیں مان رہا تھا۔
رو میلہ کی جس انداز میں آنا "فانا" شادی طے ہوئی تھی اس سے انہیں بھی اختلاف تھا جس دن بات پکی ہوئی تھی اس دن انہوں نے خود ابراہار سے پوچھا تھا لڑکا کیسا ہے۔
تو ابراہار نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ خود تو کبھی نہیں ملا اس کے دوست نے مل کر بتایا ہے کہ بہت اچھا ہے۔
محض دوست کی رائے پر اتنے بڑے فیصلے کا اظہار انہیں پریشان کر گیا تھا مگر انہوں نے رو میلہ اور نمل کے سامنے اپنی پریشانی چھپائی تھی۔
ایسے میں نمل کا وہاں جا کر اس سے ملنا انہیں غلط تو نہیں لگ رہا تھا مگر اس کے اکیلے اتنی دور جانے پر وہ فکر مند

ضرور تھیں خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ عظمت خلیل کو بھی کچھ نہیں پتا تھا۔
لیکن پہلے ہی نمل دو تین دن سے بہت مضطرب تھی حشام کے ساتھ ہوئے المیہ اور عظمت خلیل کے ساتھ ہوئی اس کی تلخ کلامی نے اسے بہت بڑا صدمہ پہنچایا تھا ایسے میں اسے اس وقت جانے سے روکنا رشیدہ کی ممتا کے لیے ایک کڑا امتحان تھا۔

خود نمل کو ان کے تمام خدشات اور اسے بھیجنے کی وجوہات کا علم تھا اسی لیے اپنے درست ہونے کا یقین ہونے کے باوجود ایک بے چینی نے اس کا احاطہ کر رکھا تھا جو اس وقت سوا ہو گئی جب ایئر پورٹ کی لابی میں سے گزرتے ہوئے اس کے موبائل پر ابراہار بھائی کا فون آگیا۔

"نمل ہاموں اور تم لوگ کون سے ہو نمل میں ٹھہرنے والے ہو۔ میں نے اپنے دوست کو انفارم کر دیا ہے وہ کہہ رہا ہے میرا گھر ہوتے ہوئے تمہارے ماموں اور ان کی فیملی کو کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔"
"آں۔۔۔ ابراہار بھائی ابھی تو ہمارا جانا ہی کنفرم نہیں ہے جب جانے لگیں گے تب بتا دیں گے۔" نمل نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کنفرم نہیں ہے۔" ابراہار بھائی نے حیرت سے دہرایا۔
"مگر صبح تو میری گھمانی سے بات ہوئی تھی وہ تو کہہ رہی تھیں تم لوگ آج جا رہے ہو میں نے تو اپنے دوست کو فون کر کے تمہاری فلائیٹ کا نام بھی بتا دیا ہے۔" نمل کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔
رشیدہ کو اتنا سمجھایا تھا اس نے کہ انہیں یہ کہنا ہے اور یہ نہیں کہنا وغیرہ پھر بھی انہوں نے فلائیٹ کے بارے میں بتا دیا۔

اگر اس وقت ابراہار بھائی نے اس کی جگہ عظمت خلیل کو فون کر لیا ہوتا تو کیا ہوتا۔
ابھی اس نے یہ سوچا ہی تھا کہ دوسری طرف ابراہار بھائی کہنے لگے۔
"میں تو ابھی ماموں کو فون کر رہا تھا مگر ان کا موبائل مستعمل بڑی جا رہا ہے تب میں نے سوچا تمہارے نمبر پر زانی کر لوں۔ میں تو سمجھا تم لوگ آج جا رہے ہو۔" ابراہار بھائی کی بات پر نمل نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے اعصاب یکجا کر کے کہا۔

"۴ صل میں ابراہار بھائی ابو کو کچھ ضروری کام آگیا۔ تو وہ اور امی نہیں جا رہے فی الحال میں اکیلی جا رہی ہوں۔"
"کیا؟" ابراہار بھائی اس کی بات پر حسب توقع اچھل کر رہ گئے۔
"تم اکیلی۔" ان کے لہجہ میں ہلاکی حیرت تھی۔

"جی وہ ابراہار بھائی میں اس وقت ایئر پورٹ پر ہوں میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا بہانہ بنائے۔

اصل میں سچ اس نے اس لیے بھی بتا دیا تھا کہ وہاں جا کر ابراہار بھائی کے دوست کے ذریعہ وہ گلفام سے جلدی اور آسانی سے مل سکتی تھی ورنہ ایک اجنبی ملک میں ایک اجنبی کو تلاش کرنا اس کے لیے ناممکن تھا۔
چنانچہ جب اس نے سنا ابراہار بھائی کے دوست انہیں لینے ایئر پورٹ آ رہے ہیں اور اپنے گھر میں ٹھہرنے کی آفر کر رہے ہیں تو اسے بھی ان کے پاس جا کر رونا زیادہ معقول لگا۔ بہ نسبت ٹیکسی ڈرائیور سے کسی ہوٹل کا پتا پوچھنے کے

حالانکہ رو میلہ کے سامنے اس نے بڑے دعوے کیے تھے کہ ہوٹل میں جا کر ٹھہر جاؤں گی اور دو تین دن میں واپس آ جاؤں گی صرف گلفام سے ملنا ہی تو ہے۔
مگر اب جبکہ وہ حقیقتاً "وہاں جا رہی تھی تو اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ اس طرح انجان جگہ پر کسی ہوٹل میں

ٹھہرنا اور پھر کسی کا ایڈرس ڈھونڈتے ہوئے اس تک پہنچنا کتنا مشکل اور خطرناک تھا۔
عظمت خلیل کو آج نہیں تو کل اس کے اٹھائے قدم کے بارے میں پتا چلنا ہی تھا پھر محض ان سے چھپانے کے لیے وہ اپنی جان اور عزت کو اس طرح خطرے میں کیوں ڈالے پتا چلا دو میلہ کی پریشان دور کرنے کے چکر میں اس نے اپنی ماں کو جیتے جی مار ڈالا۔

اسی لیے اس نے ایک بل میں ابرار بھائی کے دوست کے ساتھ ان کے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا ہاں البتہ اب بھی اس کے دل میں یہ خواہش تھی کہ عظمت خلیل کو کچھ بھی اس کے واپس آنے سے پہلے پتا نہ چلے اسی لیے ایک طرف تو اس نے ابرار بھائی کو فون بند کرنے کا عندیہ دیا تو دوسری طرف یہ بھی پوچھ بیٹھی۔
”ابرار بھائی میں تو صرف دو تین دن کے لیے جا رہی ہوں کیا آپ کے دوست مجھے اپنے گھر ٹھہرا سکتے ہیں۔“
”ٹھہرنے کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ تو تمہیں پک کرنے بھی آ رہا ہے مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تم اکیلی وہاں گئی کیوں ہو وہ بھی صرف دو تین دن کے لیے کیا تمہارا ارادہ بھی ہو کل میں ٹھہرنے کا تھا۔“ ابرار بھائی کے کنبے میں جنجلاہٹ محسوس کی جاسکتی تھی۔

”آپ میں۔ میں کہہ رہی ہوں تا میں آپ سے بعد میں بات کہتی ہوں آپ پریشان مت ہوں ای ابو ایک دن بعد میرے پاس آنے والے ہیں۔ بس میں ایک دن پہلے جا رہی ہوں اور ابو مجھے اپنے کسی دوست کے گھر ہی ٹھہرا رہے تھے مگر میں نے سوچا وہاں میں بعد میں چلی جاؤں گی ای ابو کے آنے کے بعد پہلے آپ کے دوست کے گھر چلی جاتی ہوں وہ ایئر پورٹ پر پک کرنے آئیں گے تو مجھے مشکل نہیں ہوگی۔“
”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میں تمہارا نام وغیرہ سب اسے ابھی بتا دیتا ہوں وہ تمہیں لے لے گا مگر مجھے تمہارا جانا بالکل بھی مناسب نہیں لگا ہے خیر۔ جب ماموں کو یہی اعتراض نہیں۔ اچھا میں بعد میں بات کروں گا اللہ حافظ۔“
ابرار بھائی نے بڑبڑاتے ہوئے انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

شاید وہ خود بھی بہت جلدی میں تھے ابھی نمل کی بات پر زیادہ بحث نہ کر سکے تو بھی تھا اس وقت ان کے فون نے نمل کو کافی فکر مند کر دیا تھا۔
اتنا تو سمجھا بچھا کر آئی تھی وہ ای کو پھر بھی جانے کیسے انہوں نے نمل کی فلائٹ کا ذکر کر دیا نمل نے سوچا ای کو فون کر کے ساری صورت حال بتا دے۔ مگر ابھی اس کی فلائٹ کا اناؤنسمنٹ ہو گیا تو وہ موبائل شو لڈر بیک میں رکھتی تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

شام کی چائے وہ لوگ اکثر یا ہر لان میں بیٹھ کر پیا کرتے تھے اسی لیے جب خرم کی گاڑی پورج میں داخل ہوئی تو فرقان حسن اور مسز فرقان دور سے ہی خوش گہیوں میں مصروف نظر آ گئے۔
خرم گاڑی لاک کر تازہ بن میں جملے ترتیب دیتا ان کے نزدیک چلا آیا اور سلام کر کے وہیں ایک کرسی پر ٹکتے ہوئے بولا۔

”ڈیڈ آپ کیا عظمت خلیل کو جانتے ہیں۔“
”عظمت خلیل۔“ انہوں نے سوالیہ انداز میں خرم کو دیکھا تو مسز فرقان بھی اسے ایسے دیکھنے لگیں جیسے اس کے سوال کا پس منظر سمجھنا چاہ رہی ہوں۔

”بتائیں نا جانتے ہیں یا نہیں۔“
”نہیں تو کافی اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ انہیں تقریباً سارا شہر ہی جانتا ہے آج کل بھی روزنی ٹی وی پر نظر

آ رہے ہیں۔ وہ کسی پولیس انسپکٹر نے ایک لڑکے کو۔“
”بس بس رہنے دیں ایسے وائٹس (برٹشو) قصبے میرے سامنے مت چھیڑا کریں۔“ مسز فرقان نے فرقان حسن کی بات کاٹتے ہوئے جھڑ جھڑی لی تو فرقان حسن مسکراتے ہوئے ایک نظر انہیں دیکھ کر خرم کو دیکھنے لگے۔
”تم کیوں پوچھ رہے ہو ان کے بارے میں۔“

”بس جانا چاہتا تھا آپ انہیں کتنا جانتے ہیں لوگ تو انہیں بہت اچھا انسان سمجھتے ہیں۔“ خرم نے سرسری انداز میں کہا۔

”لوگ سمجھتے نہیں ہیں بلکہ وہ واقعی اچھے ہیں، تمہیں معلوم نہیں ہے ان کا ادارہ کیا کیا کر رہا ہے پاکستان میں اگر تین چار لوگ بھی ایسے اور پیدا ہو جائیں تو سمجھ لو ہمارا ملک چند مہینوں میں ٹھیک ہو جائے۔“ فرقان حسن نے سنجیدگی سے کہا۔

”اور ان کی فیملی وغیرہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔“
”پہلے تم یہ بتاؤ اچانک ان سوالوں کی وجہ کیا ہے۔ سب تم ایسے ہی تو نہیں پوچھ رہے۔“ فرقان حسن نے جاچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہلکے سے مسکرا کر مسز فرقان کو دیکھنے لگا۔

”وجہ یہ ہے کہ ہم کہتی ہیں وہ کسی بھی لڑکی سے میری شادی کر سکتی ہیں بس لڑکی خاندانی ہونی چاہیے تو میں پتا کر رہا ہوں عظمت خلیل کی بیٹی مام کی نظر میں خاندانی ہوگی یا نہیں۔“ خرم کے شوخ سے انداز پر مسز فرقان اور فرقان حسن کچھ بل کے لیے تو مجھے ہی نہیں سمجھی اسے اور بھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

”کیا ہوا مام کیا بہت مشکل بات کہہ دی ہے میں نے یا مجھ سے آپ توقع نہیں کر رہی تھیں ایسی بات کی۔“
”تم کہہ لیا رہے ہو میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ مسز فرقان نے آگے کو جھکتے ہوئے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔
”میں نے آپ کے لیے سو ڈھونڈ لی ہے۔“ خرم کو صاف لفظوں میں کہنا پڑا۔

وہ دونوں واقعی اس کی طرف سے ایسی کسی بات کی توقع نہیں کر رہے تھے ابھی بری طرح چونک اٹھے مسز فرقان نے چونکنے کے ساتھ ہی سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

”کون ہے؟“

”کیسی ہے؟“

”کیا کرتی ہے؟“

”کب سے جانتے ہو؟“

”مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔؟“

”مام سب سے پہلے آپ کو ہی بتایا ہے ابھی تک تو میرے دوستوں کو بھی خبر نہیں ہے اور رہے آپ کے باقی کے سوال تو سنیں۔ نمل نام سے چند ماہ سے جانتا ہوں اسے بہت زیادہ نہیں جانتا لیکن اتنا پتا ہے کہ عظمت خلیل کی بیٹی ہے۔“ خرم نے گن کر ایک ایک انگلی کھڑی کر کے ان کے سوالوں کے جواب دیے۔

”عظمت خلیل کا فیملی بیک گراؤنڈ تو بہت اچھا ہے بہت بار مل چکا ہوں میں خاندانی لوگ ہیں مگر ان کی بیٹی کیسی ہے یہ یاد نہیں آ رہا۔ پتا نہیں اسے کبھی کسی تقریب میں دیکھا بھی ہے یا نہیں۔“ فرقان حسن ذہن پر زور دیتے ہوئے بولے۔

”ہمارے بیٹے نے پسند کیا ہے تو اچھی ہی ہوگی مگر پھر بھی ایک بار تو ضرور دیکھوں گی میں اسے۔ خرم تم مجھے ابھی اور اسی وقت اس کے گھر لے چلو۔“ مسز فرقان نے بے چینی سے کہا تو فرقان حسن ہنس دیے۔

”بیگم ذرا سا صبر کر لیں آپ وہاں لڑکے کدال کی حیثیت سے جائیں گی تو انہیں بھی آپ کا استقبال ذرا اہتمام

اور تیاری کے ساتھ کرنا ہوگا۔
ابھی اور اسی وقت پہنچنے کی تو کوئی تک نہیں ہے کسی دن باقاعدہ فون کر کے جانا ہوگا۔ ”خرم صرف فرقان حسن کو دیکھ کر رہ گیا۔

وہ سمجھ رہے تھے نمل اور وہ باہمی رضامندی اور پسند سے یہ شادی کر رہے تھے چنانچہ نمل کے گھر میں بھی سب کو ان کی آمد کی وجہ معلوم ہوئی۔

خرم نے فی الحال خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا وہ ابھی سے کچھ کہنا نہیں چاہ رہا تھا البتہ اتنا ضرور بولا۔
”لیکن ڈیڈ یہ ممبر آنا نہیں ہونا چاہیے اس کے کافی رشتے آئے ہوئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو۔“
خرم نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو فرقان حسن معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔
”اوہ تو معاملہ اتنا سیریس ہے۔“ خرم نہ چاہتے ہوئے بھی جھینپ گیا۔

”ظاہری بات ہے بھی ہمارا بیٹا کوئی دل پھینک تو ہے نہیں وہ سیریس ہے بھی تو گھر میں بات کر رہا ہے۔“
مسز فرقان نے فوراً اس کی طرف داری کی۔

اسی وقت خرم کا موبائل بجنے لگا تو خرم اپنی جگہ سے اٹھتا موبائل کی بج سے نکال کر انبٹا پرے آکھڑا ہوا۔
”ہاں کیا بات ہو کی؟“ سکرین پر وہی کامبرو دیکھ کر خرم نے کان سے موبائل لگاتے ہوئے پوچھا۔
”خرم تم کل یونیورسٹی آئے تھے کیا؟“ وہی نے جھوٹے ہی پوچھا۔
”نہیں تو کیوں کیا ہوا؟“ خرم اس غیر متوقع سوال پر الجھتے ہوئے بولا۔
”یار جھوٹ مت بول۔ تم کل یونیورسٹی آئے تھے مگر فوراً ہی چلے گئے تھے شاید اور ہم سمجھے کہ تم آئے ہی نہیں۔“ وہی نے صاف رد کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی اور ہائی وائیڈ سے تمہیں ایسا کیا کام آپ رہا ہے جو اس وقت فون کر کے میرے کل آنے یا نہ آنے کی ڈیٹیل پوچھ رہے ہو۔“ خرم جڑ گیا۔
”تم خود سے کچھ نہیں بتاتے تو پوچھنا تو پڑے گا نا۔“
”کیا نہیں بتایا میں نے۔“ خرم زچ ہو گیا۔

”کل کیا ہوا تھا تمہارے اور نمل کے بیچ۔“ وہی کے جرح کرنے والے انداز پر خرم چونک اٹھا۔
ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا کہ اسے کچھ بتا چل گیا ہو وہاں صرف نمل اور اس کی دوست موجود تھیں جو وہی یا کسی بھی دوسرے شخص کو اس واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی تھیں۔
لیکن اگر اسے کچھ بتا نہیں تھا تو اس سوال کا کیا مقصد ہو سکتا تھا یقیناً ”وہ کچھ نہ کچھ تو جان ہی گیا تھا اور یہ انکشاف خرم کے لیے جان لیوا تھا۔

وہ تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کسی کو اس بات کی بھٹک بھی پڑے اور وہی کو تو کسی قسم کا اندازہ بھی ہو جائے یہ بھی اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔
اس نے آنکھیں موندتے ہوئے جیسے خود کو کسی بہت بری خبر کے لیے تیار کرتے ہوئے کہا۔
”کھل کر بات کرو کی تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

ابرار بھائی نمل سے بات کر کے کچھ تپ گئے تھے انہوں نے ایک بار پھر عظمت خلیل کا نمبر ملایا مگر ان کا فون ابھی تک بزی تھا تو انہوں نے کینڈا اپنے دوست کو فون کر کے نمل کی تفصیلات بتادیں اور دوبارہ اپنے کام میں

لگ گئے وہ اس قدر مصروف رہتے تھے کہ تھوڑی دیر بعد ان کے ذہن سے بھی اتر گیا کہ انہیں عظمت خلیل سے بات کرنی تھی مگر شام میں عظمت خلیل کا خود ہی فون آگیا۔
ان کے موبائل پر ابرار کی اتنی کالز آئی تھیں کہ انہوں نے بھی اپنی مصروفیت میں سے بمشکل وقت نکال کر اسے فون کیا تھا۔

ابرار بھائی پر عظمت خلیل کی آواز سننے ہی صبح والی کیفیت پھر عود کر آئی تبھی اپنے مخصوص کھورے انداز میں اپنی ناگواری چھپائے بغیر بولے۔

”آپ نے نمل کو اتنی دیر کینڈا بھیج دیا وہ بھی اکیلے لڑکی ذات کو اتنی آزادی تھوڑی دی جاتی ہے ایسا بھی کیا ضروری کام تھا کہ آپ نے اسے اکیلے بھیج دیا۔“ ابرار بھائی کو یہ فکر نہیں تھی کہ نمل اتنی دیر اکیلے گئی ہے۔
خدا نا خواستہ کوئی بات ہو جائے۔

انہیں فکر تھی تو صرف یہ کہ لڑکی کو اتنا خود اعتماد بنانے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ اتنا طویل سفر بغیر کسی سہارے کے کر لے اس طرح تو وہ بہت خوفناک ہو جائے گی۔

”کینڈا۔“ وہ سری طرف عظمت خلیل کچھ سمجھے ہی نہیں۔
”ہاں میں تو سمجھا تھا آپ سب کی فلائیٹ ساتھ ہے لیکن آج دوسرے نمل سے بات ہوئی تو ہوتا چلا کہ وہ اکیلے جارہی ہے۔ بڑی حیرت ہوئی آپ اسے اتنی دیر بھیج رہے ہیں وہ بھی ایک دوست کے گھر خیرہ دوست تو آپ کے بھروسے کا ہو گا مگر جب آپ جانتے ہی لے جاتے۔

اب آپ کا کب جانے کا ارادہ ہے میں نے نمل کو کلفام کا فون نمبر اور ایڈریس سب دے دیا ہے مگر میں چاہتا ہوں وہ اس سے تب ہی رابطہ کرے جب آپ وہاں جا چکے ہوں۔

کیا بتا اسے برا لگ جائے پہلے وہ لٹنے جارہی ہے۔ پھر آپ جارہے ہیں۔“ ابرار بھائی کی بات سن کر عظمت خلیل دم بخود ہو گئے تھے مگر انہوں نے فوراً ”ہی خود کو سنبھال لیا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی	قیمت: 450 روپے
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبین	قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 250 روپے
☆ امرنیل، عمیرہ احمد	قیمت: 550 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

۳۳ چھاپہ دار میں ذرا جلدی میں ہوں تو تم سے بعد میں رابطہ کریں گے۔ انہوں نے اپنا رابطہ کو کچھ کہنے کا سہارا دیا۔

اپنی عزت اور انا انہیں ہر چیز سے بچہ کر دیتی تھی۔ کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں ذرا سی بات سے بھی بے خبر رکھا جائے اور یہ تو مکمل نے بہت زیادہ مبالغہ کیا تھا۔
عفت ظلیل کو بتانا بھی ضرور آتا تھا لیکن ہوش میں ہوش نہیں کھوتے تھا اب بھی انہوں نے اپنا راز اسی لیے کچھ ظاہر نہیں کیا کہ اس طرح ان کی اپنی عزت، فکس، مجموعہ ہوری، جی لود پھر اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے ان کے پاس ایک ایسی ہستی تھی کہ انہیں کسی لود کے سامنے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔
وہ اسی وقت گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

”رشید“ گھر سے مکمل داخل ہوتے ہی ایک دھاڑ کے ساتھ انہوں نے رشید کو پکارا تھا۔
وہ نماز کے بعد دعا میں پڑھنے میں مشغول تھیں عفت ظلیل کے لہجہ کی گونج پر اندر نکھڑا دی گئیں۔
دعاؤں کی تکب فوراً بند کر کے انہوں نے میز پر رکھ دی اور وہ ٹیل چیئر ان کی جانب موڑتے ہوئے ان کا دل سے کہنے لگیں۔
”نمل کہل ہے؟“ ایک تو وہ پہلی نمل کی طرف سے پریشان تھیں لہذا اب عفت ظلیل کا جھل سے بھرے انداز پر کچھ نہ ہونے والے کانپنے لگی تھیں۔
”میں نے پوچھا ہے نمل کہل ہے؟“ وہ ایک بار پھر چیخ کر کہنے لگی۔

”نمل“ رشید کا دل ٹھوٹنے لگا تھا تو عفت ظلیل سے اتنا کہہ گئیں کہ ان کے سامنے کچھ بولنے وقت ان کی جان جاگتی تھی کبکہ بھوت بولتے تھے بھی اس سماعے میں بھوت حس پر خود ان کا دل مطمئن نہیں تھا۔

ایک جوان لڑکی کو اس طرح میں تھا اتنی حد تک خود کو ان کی اپنی حرکت میں نہیں تھا کچھ میں سے بھلا عفت ظلیل کو اس فیصلے کی حالت میں کیا دیکھ رہی تھی۔
”وہ کینڈا اچل گئی ہے اور تمہیں نہیں کہنا کہ تمہیں کچھ نہیں معلوم آتا ہے اسے تمہیں ہی دوا ہو گا جو داتا لبا سڑ کر گئے۔“ عفت ظلیل انہیں بولنے کے قابل نہ پاتے ہوئے خود ہی کہنے لگی۔
”کیسی میں ہو تمہیں تربیت دی ہے تم نے اپنی اولاد کو کہ اپنے آپ سے پوچھتا تو وہ کہنا اسے مطلع کرنا بھی اس نے ضروری نہیں سمجھا۔“ عفت ظلیل غلا نہیں کہہ رہے تھے مگر ان کی اگلی بات اتنی غلط تھی کہ رشید بھی غصہ پا گئے۔

”تم کی گئی ہے با کسی کے ساتھ نہ کلا کیا ہے۔“
”خدا کے لیے ایمانہ کسی حد تک کلام سے بچنے لگی ہے جس لاکے سے وہ میلہ کی شادی ہوئے دال ہے۔“
ایک بار اس سے ملنا اور اسے دیکھنا چاہتی تھی۔
”کیا؟“ عفت ظلیل کلام محرم کیا تھا یہ سن کر۔

(پلی ان شاء اللہ آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔)

❖ ❖

ہستہ کھڑکی

زویہ! لو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی.... جبکہ زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے.... زویہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے.... وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلمہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچ کی دعوت دیتی ہے.... اس آفریر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب، غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس لچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے....

(اب آگے پڑھیے)

۱۵

پندرہویں قسط



”اے! یہی کیا تڑپ تھی اسے کلفام کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی جو وہ اکیلی تنہا اتنی دور چل پڑی اور تم نے اسے جانے بھی دیا۔“ رشیدہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ عظمت خلیل کو کیا جواب دیں۔
یہ سب ان ہی کا تو کیا دھرا تھا وہ ابرار کے سامنے بے ساختہ یہ کہہ جاتیں نہ عظمت خلیل کو اتنی جلدی پتا چلتا اگر نمل کے واپس آ جانے کے بعد وہ کچھ جان بھی جاتے تو بھی اس کے سامنے موجود ہونے پر شاید ان کا غصہ اتنا شدید نہ ہوتا۔

مگر انہوں نے ہمیشہ بڑی سیدھی سادی زندگی گزاری تھی، جھوٹ، دوغلا پن ان کی فطرت میں تھا ہی نہیں جو بات جیسے تھی ویسے ہی کہہ دی، کسی قسم کی تیزی طراری ان میں تھی ہی نہیں اور جب سے وہ معذور ہوئی ان کی زندگی میں پیدا ہونے والی محرومی کے ساتھ ساتھ عظمت خلیل کے طعنے تشنوں نے ان کا رہا سہا اعتماد بھی ختم کر دیا تھا۔ کسی عام سے معاملے میں چھوٹا سا جھوٹ بولتے وقت وہ پسینہ پسینہ ہو جاتی تھیں تو اس وقت جب ابرار نے ان سے ان کی فلائٹ، وہاں رہائش اور واپسی کے متعلق ایک کے بعد ایک سوال کیے تو وہ اتنا گھبرا گئیں کہ انہیں یاد ہی نہیں رہا نمل نے انہیں منع کیا تھا کہ اس کی آج کی فلائٹ کے متعلق کسی کو نہ بتائیں۔ مگر ابرار کے سوالوں سے بچنے کے لیے انہوں نے خود کو غلت میں ظاہر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ وہ ہی جا رہے ہیں وہ پہری فلائٹ سے۔

جب ابرار نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تو انہیں احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہیں۔
زبان سے نکلی بات اور کمان سے نکلا تیر واپس تو ہو نہیں سکتا۔ رشیدہ سے کوئی بات نہیں بتی تو انہوں نے فون بند کر دیا اور اس کے بعد سے کسی کی کال اینڈ نہیں کی، مگر دنیا سے چھپ جانے سے دنیا آپ سے نہیں چھپ جاتی، انہوں نے سب سے رابطہ منقطع کر دیا تو کیا ہوا ابرار نے نمل کو چھوڑ کر عظمت خلیل کو فون کر لیا۔
یہ اندیشہ تو انہیں تھا کہ اب عظمت خلیل کو سب پتا چل جائے گا۔ اسی لیے نماز سے فارغ ہو کر وہ معمول سے

زیادہ دیر تک عاؤں میں مشغول ہو گئی تھیں۔
تب سے انہیں یقین تھا کہ اب عظمت خلیل کے عتاب کا نشانہ بننے والی ہیں، پھر بھی عظمت خلیل کو رشیدہ طیش میں دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔ ”دن بہ دن اس کی خود سری بڑھتی جا رہی ہے، رویہ کے لیے اس کے باپ اور بھائی نے جو فیصلہ کیا ہو گا بہتر کیا ہو گا۔ وہ اتنی بڑی کس سے ہو گئی کہ شادی کے لیے لڑکا دیکھنے اور پرکھنے جانے لگے۔ تمہاری شہ پر وہ اتنی باغی ہو گئی ہے۔“ عظمت خلیل غصے سے ادھر سے ادھر ٹھٹھکتے گئے۔
رشیدہ نے خاموش رہنے میں ہی بہتری سمجھی ویسے بھی ان میں بولنے کی سکت بھی نہیں تھی۔

عظمت خلیل کو پہلے ہی نمل پر برا غصہ تھا جس طرح حشام کے معاملے میں وہ ان کے رویہ آکھری ہوئی تھی وہ ہی ان کے لیے ناقابل برداشت تھا، ان کا تو ہاتھ تک اٹھ گیا تھا اس کی زبان درازی پر، مگر وہ ان کا دار صفائی سے بچا گئی۔ وہ اسی پر تنگ و تاب کھا کر رہ گئے تھے۔

اب اس کا اتنا برا قدم اٹھا لیتا تو انہیں سراسر اپنی بے عزتی لگ رہی تھی دل چاہ رہا تھا کہ اسے ایسا سبق سکھائیں کہ آئندہ کبھی ان کے مقابل آنے کی جرأت نہ کرے۔

وہ کافی دیر تک رشیدہ پر چلاتے رہے، رشیدہ سر جھکائے خاموشی سے ان کے زہر میں بچے تیر سستی رہیں۔ آخر ایک انسان کب تک اکیلا بول سکتا ہے، وہ بھی جب چیخ چیخ کر تھک گئے تو زوردار آواز میں دروازہ بند کر کے کمرے سے نکل گئے۔

پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ رشیدہ کو کھری کھری سنانے کے باوجود انہیں سکون ملتا تو درکنار غصے میں ذرا سی کمی بھی

نہیں آئی تھی۔
اسی لیے انہوں نے معمم ارادہ کر لیا تھا کہ نمل کے آنے کے بعد اس کا داغ ضرور ٹھیک کریں گے۔



کینیڈا پہنچتے ہی نمل کے ہوش اڑ گئے۔ موبائل کی جو سم وہ پاکستان میں استعمال کرتی تھی اس نے وہاں پہنچتے ہی کام کرنا بند کر دیا۔

نمل ابرار بھائی کے دوست کو فون نہیں کر سکتی تھی اس نے اناؤنسمنٹ کرا دی اور نمل خلیل کو کاؤنٹر نمبر 15 سے لینے کا کہہ کر خود وہیں کھڑی انتظار کرتی رہی۔

اجنبی ملک میں اجنبی لوگوں کے بیچ اس طرح کھڑے ہو کر ہر گزرنے والے کو بغور دیکھنا کہ کہیں یہ تو ابرار بھائی کا دوست نہیں اسے بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔

تقریباً ”بیس منٹ تک اس بے زاری اور کوفت کا سامنا کرنے کے بعد۔ تقریباً“ ابرار بھائی کی ہی عمر کا شخص ہاتھ میں ایک بورڈ پکڑنے کاؤنٹر پر آ گیا۔

بورڈ پر اپنا نام لکھا دیکھ کر نمل تیزی سے اس کی طرف بڑھ گئی۔
”السلام علیکم۔“ آپ ابرار کی کزن ہیں۔ میں اس کا دوست جعفر ہوں، بس اتنا سا سامان ہے آپ کے پاس۔“

”جی زیادہ سامان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“ نمل کو ٹھنڈ تو محسوس ہو رہی تھی، مگر اس نے ظاہر نہیں کیا، حالانکہ پاکستان سے چلتے وقت اس نے احتیاطاً ”مو“ لے کر لیے تھے۔ مگر پھر بھی سردی اس کے اندازے سے زیادہ تھی۔ حالانکہ وہ کوئی پہلی بار کینیڈا نہیں آئی تھی، مگر آخری بار وہ چار سال پہلے آئی تھی، وہ بھی محض کسی ڈائری کارروائی کے لیے۔

عظمت خلیل اور رشیدہ کے ساتھ اس کا قیام برا مختصر سا تھا، اس میں بھی وہ دونوں ماں بیٹی ہوٹل میں ہی رہتے تھے اور عظمت خلیل پاکستان کی طرح اپنے معمول کی طرح صبح کے گئے شام تک ہی آتے تھے۔

”آج میں میرے ساتھ۔“ انہوں نے اس کا واحد شرابی بیگ کھینچتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے، وہ اس قدر تیز چل رہے تھے کہ نمل کو ان کے ساتھ چلنے کے لیے دوڑنا پڑ رہا تھا۔

”آپ کی رائف کہاں ہیں۔“ نمل نے پوچھا۔
”وہ ایک اسپتال میں ڈالٹر ہے، آج اس کی ٹائٹ ڈیوٹی ہے آپ کی اس سے صبح ہی ملاقات ہو سکے گی۔“ نمل نے بے اختیار گھڑی کی طرف دیکھا۔

صبح ہونے میں تو بہت دیر تھی، وہ کیا ان کے ساتھ اکیلی گھر جائے گی، پھر تو گھر پر بھی رات میں کوئی نہیں ہو گا، جانے ان کا بچہ کتنا بڑا تھا۔

نمل کے قدم سست پڑ گئے، مگر اب وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔ چنانچہ منتشر ذہن کے ساتھ چلتی پارکنگ میں آ گئی۔

گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر انہوں نے اس کا بیگ اندر رکھا تو نمل بھی وہی طرف کا پچھلا دروازہ کھولنے لگی۔

”Excuse me! i am not your driver“ انہوں نے بڑی بے باکی سے اسے ٹوک دیا۔

نمل بے بسی سے انہیں دیکھتی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی، اسے خود بھی احساس تھا کہ یہ حرکت اخلاق کے خلاف ہے، مگر اب تو اسے اس طرح ایک غیر ملک میں آجائے اخلاقی طور پر ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

سارے راستے اس شخص نے کوئی خاص بات نہیں کی۔ نمل کو یہ دیکھ کر تھوڑا سکون ملا کہ وہ بلاوجہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کر رہے پھر بھی نمل دانستہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تاکہ وہ کوئی رسمی بات چیت بھی شروع نہ کریں۔

ان کا گھبراہٹ پورٹ سے کافی دور تھا۔ اتنا لمبا سفر کر کے نمل اچھا خاصا تھک گئی تھی دل چاہ رہا تھا سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر سو جائے مگر اس طرح کسی اجنبی کی موجودگی میں بے سہ ہو جانا۔ سراسر بے وقوفی تھی چنانچہ وہ زبردستی آنکھیں کھولے بیٹھی رہی۔

عجیب ویران سی جگہ پر پہنچنے کے بعد کہیں جا کر ان کا گھر آیا تھا۔ انہیں چابی سے لاک کھولنا دیکھ کر اس نے دل ہی دل میں خود کو بہت لعنت ملامت کی تھی۔

”آپ کچھ لیں گی کھانا یا کافی وغیرہ۔“ انہوں نے دروازے کے ایک جانب ہوتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں کچھ نہیں۔“ نمل نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔

”مرے کافی تو پی لیں ٹھنڈ میں اچھی لگے گی۔“

”آپ کا بیٹا کہاں ہے؟“ نمل نے ان کے اصرار کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”وہ تو بورڈنگ میں رہتا ہے یہاں اس علاقے میں کوئی اچھا اسکول نہیں ہے اور روز بروز لانا لے جانا ممکن نہیں ہے۔“ انہوں نے اطمینان سے کہا تو نمل کا راسا اطمینان بھی رخصت ہو گیا۔

”آپ مجھے کوئی کمرہ بتادیں میں بہت تھک گئی ہوں۔“ نمل کا رویہ حد درجہ خشک اور سیاٹ ہو گیا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ وہ اسے اپنی رہنمائی میں ایک کمرے تک لے آئے کمرہ کافی کشادہ اور آرائشی تھا۔ مگر نمل کو تو ٹھن ہو رہی تھی۔ جعفر نے پیچھے ہی اس کا ہیک کمرے میں رکھا نمل نے تیزی سے بولی۔

”اوکے گڈ نائٹ۔“ انہوں نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا اور پھر کچھ لمبی کے بغیر کمرے سے نکل گئے تو نمل نے تیزی سے دروازہ بند کر کے لاک کر لیا۔

بس ایک بل کے لیے اسے سکون کا احساس ہوا مگر اگلے ہی بل وہ دروازے میں مٹی کوئی کنڈی ڈھونڈنے لگی۔

مگر اس ایک بل کے لیے اسے سکون کا احساس ہوا مگر اگلے ہی بل وہ دروازے میں مٹی کوئی کنڈی ڈھونڈنے لگی۔

”اس کی چابی تو ان کے پاس ہی ہوگی۔“ بے اختیار خود کلامی کے انداز میں نمل کے منہ سے نکلا جعفر کی تھکن جیسے ایک دم بہت بڑھ گئی تو وہ نڈھال سے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی۔ ساری رات اس کی سوتے جاگتے میں گزری تھی۔ حالانکہ جس حساب سے وہ تھکی ہوئی تھی اسے تو بستر پر گرتے ہی غائب ہو جانا چاہیے تھا اسی لیے صبح ہی صبح وہ نہاد ہو کر کمرے سے نکل آئی گوکہ جعفر کا سامنا کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ اس خیال سے جلدی ہی باہر آئی کہ عموماً باہر کے ممالک میں آفس صبح جلدی لگ جاتے ہیں اور دور دور جگہیں ہونے کے باعث لوگ منہ اندھیرے ہی گھروں سے نکل جاتے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی چلے جائیں اور نمل، گلفام کے بارے میں ان سے کوئی بات ہی نہ کہے پتا نہیں ان کی بیوی کی واپسی کب ہو اور جانے وہ اس معاملے میں اس کی کتنی رہنمائی کر سکیں جبکہ اسے آج ہی جعفر سے بات کر کے گلفام سے آج ہی ملنا تھا۔

وہ راہ داری سے گزر کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں درمیان میں سلیب لگا کر کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ وہ بیک وقت کچن بھی تھا اور ڈائننگ روم بھی۔

وہ جیسے ہی کچن کے نزدیک پہنچی کسی عورت کے تیز لہجے میں بولتی آواز نے اس کے قدم دروازے پر ہی روک دیے۔

”لیکن تمہارے دوست نے تو کہا تھا پوری فیملی ساتھ آ رہی ہے اس کے ماموں، ممانی اور ان کی بیٹی۔ تو پھر ان کی کزن اکیلی کیوں آگئی۔ پاکستان کوئی اتنا آزاد خیال ملک نہیں ہے۔ ایک ہواں لڑکی کے پیرئس نے اسے اکیلا کیسے بھیج دیا۔“

”سمجھنے کی کوشش کرو جان اس کے ماں باپ ساتھ آ رہے تھے اچانک کوئی ایمر جنسی ہو گئی تو وہ فی الحال اکیلی آگئی ہے۔ ایک دو دن میں وہ لوگ بھی آجائیں گے۔“ جعفر کی رسائیت بھری آواز پر بھی اس عورت کے لہجے کی تلخی میں کمی نہیں آئی وہ اسی زہر خند لہجہ میں بولی۔

”تو جب تمہیں یہ بات پتا چلی تھی تم نے مجھے فون کر کے انفارم کیوں نہیں کیا اکیلے اسے جا کر لے آئے اور رات بھر گھر میں بھی رکھ لیا۔“ نمل اچھی خاصی سردی کے باوجود پسینے سے شرابور ہو گئی اپنے کسی فیصلے پر اتنا پچھتاوا اسے آج تک نہیں ہوا تھا اس کا دل چاہا وہ ابھی اور اسی وقت پاکستان واپس لوٹ جائے۔

”تو اور کیا کرنا اب رات نے فون ہی اتنی دیر میں کیا مجھے جب وہ فلائٹ میں بیٹھ چکی تھی اب اس وقت ایک دم سے میں اسے گھرانے سے کیسے انکار کر دیتا۔“ جعفر کی آواز میں بے بسی اور جھنجھلاہٹ دونوں شامل تھیں۔

”کتنی کون سی ایمر جنسی آگئی تھی کہ یہ محترمہ فلائٹ میں بھی سوار ہو گئیں اور ان کے پیرئس آہی نہیں سکے۔ یہ سب صرف بہانے ہیں میں اس کا بھروسہ نہیں کر سکتی۔“ جعفر کی بیوی حقارت بھرے لہجے میں بولی۔

”صرف کچھ دن کی بات ہے اب رات نے کہا ہے وہ تین چار دن میں چلی جائے گی۔“

”میں صرف ایک بات جانتی ہوں وہ یہاں نہیں رہ سکتی۔“ وہ نخوت سے بولی۔

”اچھا ٹھیک ہے آج بروڈسٹ کر لو میں شام تک اسے کسی ہوٹل میں پھوڑ آؤں گا۔ کیا اب تم خوش ہو؟“

جعفر جڑ کر بولے تو وہ عورت تو کچھ نہیں بولی البتہ برتنوں کو دھو کر زور سے پیچھے کی آوازیں ظاہر کر رہی تھیں کہ ماحول میں رہا جاتا ہو نہ پانی ہے۔

نمل بکھرے ہوئے خود کو دیکھتی خود پر جبر کرتی بنا چاہا کچن میں دخل ہو گئی۔

”السلام علیکم۔“ بڑی مشکل سے وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی تو جعفر سرسری نظر اس پر ڈال کر ایسے بن گئے جیسے بہت دیر سے اخبار پڑھ رہے ہوں کیونکہ اخبار واقعی ان کے ہاتھ میں تھا انہیں صرف اپنی نظریں اس پر مرکوز کرنی تھیں۔

جبکہ جعفر کی بیوی جو سلیب پر ناشتے کے برتن لگا رہی تھی طائرانہ نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ حالانکہ دیکھنے میں جعفر کی بیوی کافی معقول سی تھی مگر اس کے چہرے کا زاویہ بتا رہا تھا کہ نمل کا حسن دیکھ کر وہ اس سے بری طرح خائف ہو گئی ہے۔

ان دونوں میں سے کسی نے بھی سوال کا جواب دیا نہیں تھا جو نمل کو آگے بات کرنے میں آسانی ہوتی البتہ خود پر جی جعفر کی بیوی کی نظروں کی تپش کو کم کرنے کے لیے وہ ہمت کرتے ہوئے بولی۔

”جعفر بھائی! ابراہ بھائی کی بہن کا رشتہ جس لڑکے کے ساتھ ہوا ہے کیا آپ آج ہی میری اس سے ملاقات کر سکتے ہیں۔“

میرے امی ابو کا اتنا کچھ کنفرم نہیں ہو رہا میں کل کی فلائٹ سے واپس چلی جانا چاہتی ہوں۔ اب اتنی دور آئی ہوں تو کم از کم اس شخص سے ہی مل لوں جس سے میری کزن کی شادی ہو رہی ہے۔“ نمل جلدی جلدی بولی مبادا اس کی آدمی بات کا کچھ اور ہی مطلب نکالتے ہوئے جعفر کی بیوی بیچ میں ہی نہ بول پڑے۔

جس قسم کی نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی نمل نہیں چاہتی تھی اسی قسم کی زبان اس سے بھی وہ استعمال کرنا شروع کر دے اور نمل کا ضبط جواب دے جائے۔

”نہیں آپ بے فکر رہیں، میں آج ہی آپ کی گلفام سے ملاقات کرا دوں گا۔“ جعفر نے بیوی پر ایک مایوسی بھری نظر ڈال کر اتنی سنجیدگی سے کہا جیسے اسے یقین نہ دلا رہے ہوں، بلکہ خود آج ہی گلفام سے ملنے کا عزم کر رہے ہوں۔

اس کی بات پر ان دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اسے دیکھنے لگے۔
 ”لیکن کل تو پاکستان جانے والی فلائٹ بھی نہیں ہے۔“ جعفر نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کے والدین کیوں
 نہیں آرہے؟ انہیں تو بس فلائٹ کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

”مگر اس ایئر لائن سے نہیں ملے گی جس سے میں آئی ہوں تو کسی اور ایئر لائن سے چلی جاؤں گی، ایک ریٹرن ٹکٹ ہی تو ضائع ہو گا کیا فرق پڑتا ہے۔“ نمل کچھ تلخ سی ہو گئی تھی اسی لیے رکھائی سے بولی۔

جعفر اس کی بات پر بیوی کو دیکھنے لگا، جبکہ اس کی بیوی بھنوس اوپر کرتے ہوئے کچھ تعجب بھرے انداز میں اسے دیکھنے لگی، مگر کچھ بولی نہیں۔ شاید پیسے کی اتنی فراوانی نے انہیں حیران کیا تھا یا کوئی اور بات تھی، نمل نے غور کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

”گلفام سے آج ہی ملنا تو بڑا مشکل ہے، میں کوشش کرتا ہوں۔“ جعفر نے برسوں انداز میں کہا، وہ بات نمل سے کر رہے تھے مگر ان کی نظرس اپنی بیوی کے تاثرات دیکھنے کے لیے اس پر جمی تھیں۔

”آپ میری ان سے بات گرا دیں، میں انہیں سمجھاؤں گی، میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے، میرے پاس موبائل تو ہے، مگر میری سم نے کام کرنا بند کر دیا ہے، ورنہ میں خود ان سے بات کر لیتی۔“ مکمل نے کہا تو جعفر کچھ تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

”تم نے یہاں اپنے خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع بھی نہیں دی پاکستان میں تمہارے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔“ محل کے دل میں ایک ہوک اٹھی تھی۔

امی سے بات کرنے کا متبادل چاہ رہا تھا، پہلی بار وہ ان سے اتنی دور ہوئی تھی۔
 رشیدہ بھی وہاں اس کی خیریت کی طرف سے پریشان ہوں گی، اس کے فون کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ اگر ابرار
 بھائی نے عظمت خلیل کو کچھ بتا دیا تو رشیدہ کو تو مشکل ہو جائے گی۔ پتا نہیں وہ اس وقت کیا کر رہی ہوں گی۔
 مکمل کا ذہن کہیں سے کہیں نکل گیا۔

کل رات گھر میں داخل ہو کر جب اس نے خود کو یہاں تنہا دیکھا تو فوراً اپنے کمرے میں بند ہو گئی ورنہ جہاز میں بیٹھتے وقت اس نے سوچ لیا تھا وہاں پہنچتے ہی امی کو فون کرے گی، لیکن ایئر پورٹ پر جب اس نے نوکھا کہ اس کا موبائل کام نہیں کر رہا تو اس نے جعفر بھائی کے گھر سے کال کرنے کا ارادہ کر لیا۔ امی تک اپنی خیریت کی اطلاع پہنچانا ضروری تھا۔ جعفر کو وہ پیسے بھی دے سکتی تھی۔

مگر اب صورت حال مختلف تھی، اب جعفر کی بیوی آپکی تھی اسے اتنا محتاط ہونے کی ضرورت نہیں تھی تب ہی کافی اعتماد سے بولی۔

”جی مجھے اپنی امی سے بات تو کرنی ہے، مگر پہلے آپ کلفام بھائی سے میری بات کرا دیں۔ میں آپ کو دونوں کالز کے پیسے دے دوں گی۔“

”ارے نہیں، نہیں پیسوں کی بات نہیں ہے۔“ جعفر نے اپنی بیوی کو تائیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، وہ چاہ رہا تھا کہ وہ بھی کچھ بولے، مگر وہ مکمل کو بغور دیکھنے اور سننے کے باوجود کچھ بھی بولنے سے گریزاں تھی۔

”مجھے معلوم ہے پیسوں کی کوئی بات نہیں، لیکن مجھے خوشی ہوگی اگر آپ پیسے لے لیں گے، بس آپ جلدی سے میری گلفام بھائی کے ساتھ اپائنٹمنٹ فکس کرادیں میں جلد سے جلد یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔“ نمل نے زبردستی اپنے لہجے کو تھوڑا سا نرم بناتے ہوئے کہا۔

وہ ابرار بھائی کے دوست تھے، اسے اپنے گھر لے کر آئے تھے، اب اگر ان کی بیوی کا رویہ اسے اکیلا دیکھ کر ناگوار ہو گیا تب بھی اسے ان پر بگڑنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

”ہلے تم یہ بتاؤ کہ کل تمہارے اور نمل کے بیچ کچھ ہوا تھا یا نہیں۔“ وہ جیسے خرم کی سچائی پر کھ رہا تھا۔ مگر خرم اتنا جذباتی نہیں تھا کہ بغیر یہ جانے کہ وہ کتنا بے خبر ہے اور کتنا ناخبر کچھ بھی اگلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کیا پتا وہی کس بات پوچھ رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ کچھ بتا کر اپنی بے عزتی کیوں کرانا، تب ہی آنکھیں کھولتے ہوئے قدرے سختی سے بولا۔

”جب میں کل یونیورسٹی گیا ہی نہیں تو بھلا میرے اور نمل کے بیچ کچھ کیسے ہو جائے گا۔“

”مگر فیس بک میں جو مودی ہے اس میں تم اور نمل صاف پہچاننے میں آرہے ہو، صرف یہ پتا نہیں چل رہا کہ وہ لڑکا کون ہے، جس نے نمل کو چھیرا تھا۔“ خرم کو زندگی میں پہلی بار اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔

وہ شہر سما ہوا نسل کان سے لگائے کھڑا رہ گیا۔
وہ تولیہ سوچ کر ہی اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ کہیں وہ کو کچھ پتا تو نہیں چل گیا، مگر یہاں تو اس واقعے کی مودوی بنا کر
کے نے جسے ایک نثر بڑا لکھا۔

کسی لڑکے کو پھنچھڑانے کا واقعہ عموماً ”ویسے ہی بہت مشہور ہوتا تھا اور یہاں تو پوری مدوی موجود تھی، وہ بھی خرم جیسے مقبل طالبِ علم برہمنی فلم کو یا یہ حادثہ جتنا بھی زبانِ زد عام ہو کم ہے۔“

خرم حسن کو کسی لڑکی نے پھر بارایہ خبر تو جھل کی آگ کی طرح پوری یونیورسٹی میں پھیل جائے گی۔ خرم اس قدر شاک میں چلا گیا تھا کہ اسے یہ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا کہ دوسری طرف کی کیا بولے جا رہا ہے، بلکہ ہیلو ہیلو کی تکرار کرنے کے بعد فون پر موجود بھی ہے یا بند کر چکا ہے۔

کچھ دیر سکتے کی عالم میں کھڑے رہنے کے بعد جیسے خرم ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آنے لگا۔
اسے اپنے اعصاب چٹختے ہوئے محسوس ہو رہے تھے اس نے موبائل کان سے ہٹاتے ہوئے اسے آف کیا
اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے والدین اس کے منتظر ہیں کہ وہ بات ختم کر کے آئے تو وہ نمل کے متعلق سلسلہ کلام
دوبارہ جوڑیں۔ خرم تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

زندگی میں کبھی کسی چیز کی اس نے اتنی شدید خواہش نہیں کی تھی جتنی اس پل وکی کی کہی بات غلط نکلنے کی خواہش وہ کر رہا تھا۔

مگر محض چند منٹ میں ہی وہ سارے احساسات شدید قسم کی مایوسی میں تبدیل ہو گئے۔
وہ بے بسی سے کل صبح پیش آئے سانحہ کی مکمل ویڈیو دیکھے گیا۔

پچھروہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں وہ لڑکا آکر جان بوجھ کر تمبل سے ٹکراتا ہے۔ پھر نمبل کا اسے تھپڑ مارنا اس کے بعد اس لڑکے کا جارج خانہ انداز یہاں تک کہ خرم کا آنا اس سے دو دو ہاتھ کرنا اور پھر تمبل کا اس پر ہاتھ اٹھانا خرم کو برا بھلا کہہ کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھنا اور خرم کا اپنی جگہ کھڑے رہ جانا۔

پورا کا پورا منظر عکس بند ہو چکا تھا۔ مووی ایسی جگہ سے بنائی گئی تھی کہ ان سب کی شکلیں واضح طور پر نظر

آری تھیں اور پھر اس لڑکے کے نمل سے نکلنے سے پہلے ہی کسی نے کیمو آن کیا تھا، جیسے اسے پتا ہو یہاں ابھی ایسا کچھ ہونے والا ہے۔

مودی چل کر ختم بھی ہو گئی، خرم ساکت نظروں سے اسکرین کو دیکھتا رہ گیا۔

اب اس مودی کو دیکھنے کے بعد یونیورسٹی میں اس کی لوگوں کی نظر میں کیا عزت رہ جائے گی۔ کیا مقام ہوگا اس کا، خرم حسن کو ایک لڑکی نے پھٹا رہا دیا۔ اور خرم حسن کھڑا دیکھتا رہا۔ بے عزتی اور ذلت کے احساس سے خرم کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا، اسے لگ رہا تھا غصے کی شدت سے اس کی دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

اتنے شدید ذہنی تناؤ میں بھی اس کے دماغ نے تیزی سے تانے بانے شروع کر دیے۔

یہ سب کچھ ایسے ہی اچانک اتفاقہ نہیں ہو گیا، بلکہ کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا ہے۔ جس لڑکے نے نمل کو چھیڑا تھا اس کی شکل مودی میں صاف نظر آرہی تھی، پھر بھی وہ شکل ذرا سی بھی جانی پہچانی نہیں لگ رہی تھی۔

ویسے تو یونیورسٹی میں اتنے اسٹوڈنٹس تھے کہ کسی ایک کو نہ جانتا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی مگر خرم کا وجدان کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکا ان کی یونیورسٹی میں پڑھتا ہی نہیں ہے، اسے صرف اس ڈرائے میں ایکٹ کرانے کے لیے لایا گیا تھا۔

یہ سب کچھ ایک طے شدہ سازش تھی۔ جس کے لیے پہلے سے مودی کیمو یا موبائل میں موجود کیمرے کا استعمال کر کے ایسی جگہ کا انتخاب کیا گیا جہاں سے کھڑے ہو کر پورا منظر بح تمام کرداروں کی شکلوں کے ثبوت آسانی اور عمدگی کے ساتھ عکس بند کیا جاسکے۔

اور یہ سب کچھ صرف اور صرف خرم کو ذلیل کرنے کے لیے کیا گیا تھا، کیونکہ اس لڑکے کے کچھ کرہا گئے پر ایک پل کے لیے بھی کیمرے نے اسے کچھ کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کہاں جا رہا ہے، اس کے برعکس خرم کے چہرے کے تاثرات فوکس کیے گئے ہیں کہ جب نمل اس کی شان میں قصیدہ گوئی کر رہی تھی تو خرم کے کیا احساسات تھے۔

خرم نے شٹ ڈاؤن کیے بغیر بے اختیار کمپیوٹر کا تار کھینچ کر نکال پھینکا اور کمپیوٹر چیر بر سے اٹھتے ہوئے غصے سے ادھر سے ادھر ٹپکنے لگا۔

یہ سب یقیناً "سمیر کا کیا دھرا تھا۔ خرم نے وہی اور حمید کو آزمانے کے لیے جو کہانی گھڑی تھی وہ کہانی سمیر نے جاکر نمل کو بھی سنا دی۔ مگر ظاہری بات ہے خرم کا اس طرح غنڈے بھیج کر نمل کو پریشان کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا۔ چنانچہ وہی اور حمید کی اصلیت کھل جانے کے بعد خرم خاموش ہو کر بیٹھ گیا، مگر سمیر کو یہ خاموشی پسند نہ آئی، تب ہی اس نے اسی خرم کے گھرے فرضی پلان پر عمل کرتے ہوئے نمل کو چھیڑنے کے لیے جانے کس کو بھیج دیا اور ایسے وقت پر بھیج دیا کہ خرم بھی اس پاس موجود ہو اور یہ سب ملاحظہ فرماتے ہی عین اسی طرح دخل اندازی کرے۔ جس طرح سمیر نے نمل کو خبردار کرتے وقت بتایا ہوگا۔

اسی لیے مناسب جگہ پر کیمو وغیرہ تیار کر کے انہوں نے پورا سیمین شوٹ کر لیا۔

اگر اس ساری کہانی میں نمل نے خرم پر ہاتھ نہ اٹھایا ہو تا تو سمیر یہ ساری مودی فیس بک میں کبھی نہ ڈالتا، لیکن نمل سے ایسے ہی کسی رد عمل کی توقع کرتے ہوئے تو اس نے یہ ساری سازش رچائی تھی اور نمل نے اس کی توقع پر پورا اترتے ہوئے اتنا جان دار سیمین فلم بند کرایا کہ اگلے ہی دن سمیر نے یہ ویڈیو فیس بک میں ڈال دی۔ یہ ایک ایسی مودی تھی کہ اس کی شہرت بھی تیزی سے ہونی لگی اور ذہن سے محو بھی آسانی سے نہیں ہونی

تھی۔

خرم تو خرم، نمل کا نام بھی جہاں کہیں یونیورسٹی میں آئے گا اس مودی اور اس تھپڑ کا ذکر لازمی طور پر ساتھ ہوگا۔

جتنا خرم سوچ رہا تھا اس کا غصہ اتنا ہی بڑھتا جا رہا تھا، دل چاہ رہا تھا ابھی اور اسی وقت سمیر کے گھر جا کر اسے قتل کر دے۔

مگر دل کی اس خواہش پر دماغ اسے سختی سے جھٹک رہا تھا، بے عزتی کا بدلہ اگر کسی کو قتل کرنے سے پورا ہوا کرتا تو سب سے پہلا نشانہ تو نمل کو بننا چاہیے تھا، لیکن کسی کو جان سے مار دینے سے تو اس کی تکلیف ایک پل میں ختم ہو جائے گی اور کیا پتا اتنی مظلوم موت مرنے پر اس کے چھوٹے موٹے گناہ ہی معاف ہو جائیں اور خواہ مخواہ وہ شہادت کے درجے پر پہنچ کر سیدھا جنت میں ہی چلا جائے۔

انتقام تو تب پورا ہوگا جب وہ زندہ رہے اور ساری زندگی اپنے کیے پر پچھتائے۔

چنانچہ یہ وقت سمیر سے اچھٹے کا نہیں تھا۔ فی الحال اس کی ساری توجہ صرف اور صرف نمل کے معاملے پر ہونی چاہیے تھی۔ دینا نے اگر یہ دیکھا تھا کہ نمل نے اس کے منہ پر پھٹا رہا ہے تو دنیا کو اب یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اسی شخص کا نمل نے زندگی بھر کے لیے ہاتھ بھی تھا ما ہے۔

اور یہ سب اسے جلد از جلد کرنا تھا۔

ایک بار پھر اس کا موبائل بجنا شروع ہو گیا۔ خرم اسکرین پر سرسری نظر ڈالتا موبائل میز پر ہی چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

کیونکہ دوسری طرف اردن موجود تھا، وہ بھی وہی سب کہنے والا تھا جو وہی نے کہا تھا اور خرم میں دوبارہ وہ سب سننے کی تاب نہیں تھی۔ یقیناً وہی نے ان سب کو بھی فون کر دیا ہوگا، اس کے سارے دوست اپنے اپنے گھر میں بیٹھے مودی دیکھ رہے ہوں گے۔

اور ابھی تو گٹاز تھا، ابھی تو یہ نظارہ دیکھنا تھا، خرم لاکھ چاہتے ہوئے بھی "Whos cars" کہہ کر اپنی جان فیس پھر پڑا رہا تھا، تب ہی اگلے ہی پل اپنے ماں باپ کے سامنے کھڑا وہ کہہ رہا تھا۔

"نام آپ آج ہی نمل سے ملنا چاہ رہی تھیں نا۔ آپ کو واقعی آج ہی اس سے مل لینا چاہیے۔"

اس کے والدین اس کا کہیں اور رشتہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ اگر انہوں نے ایک بارہاں کر دی تو وہ کبھی اپنی زبان سے نہیں نہیں گے اور نمل ان کے سامنے زبان کھولے گی نہیں۔ اس لیے جو کچھ بھی کرنا ہے آپ لوگوں کو کرنا ہے۔ اور فوراً کرنا ہے، کیونکہ آپ کا بیٹا اسے ہر حال میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ میں اسے کسی قیمت پر نہیں کھو سکتا۔ "خرم کا انداز اور لہجہ اس قدر حتمی اور بے چلک تھا کہ فرقان حسن اور مسز فرقان حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

اس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی اور اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر فرقان حسن پریشان ہو کر اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے۔

ان کے سامنے ہی تو خرم کا موبائل بجنا تھا، جو وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

فرقان حسن یہ ہی سمجھے کہ وہ فون نمل کا تھا اور اس نے ابھی اپنے کسی رشتے کے متعلق بتایا ہوگا۔ تب ہی خرم اتنا جذباتی اور فکر مند ہو گیا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

✽ ✽

دستِ کمرِ مگر

نوبہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روحِ تعطر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی جبکہ نوبہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوئی ہے۔ جو کچھ اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوبہ اسے بات کرنے کے لیے اپنے گھر کی بہت پرلے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ ان کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رویلہ، سنبل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نعل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف فرسٹ ٹرم کی شرط پار کرنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انہیں لچک کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوبہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ لیکن رخسار اس کے بندہ قوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے بیڑھیوں کی طرف پڑھتی ہیں کہ اچانک لاسٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۶ سولہویں قسط



یہ سہاری مام کو صرف اسے دیکھنے کا شوق ہو رہا تھا انہیں اسے دیکھ کر کوئی فیصلہ توڑی کرنا ہے فیصلہ تو جو تم نے کیا ہے ہمیں دل و جان سے قبول ہے۔
 سب کچھ ہی تمہاری مرضی کے مطابق ہو گا ہم لوگ فوراً غسل کے گھر جانیں گے اور یہاں کروا کر ہی انہیں کے اب بس سہاری نہیں دے دو اور اپنے ہنی محون کے لیے جگہ یک کراؤ۔" فرقان حسن نے جان بوجھ کر لہجے کو شوخ بنایا۔
 اے اتنا مجھ دیکھ کر فرقان حسن کچھ پریشان سے ہو گئے اپنے بیٹے کی مسکراہٹ واپس لوٹانے کے لیے انہوں نے جو کہ نادر ہر حال میں کر کے دکھانا تھا۔

ایمان گا کے آنے کے بعد اچانک کام کالوڑ برہہ جانے کے باعث آفس میں اتنا مصروف ہوا کہ اس کے ایک ہفتے تک اسے روالوں کے ساتھ بیٹھنے تک کا نام نہیں ملا۔
 وہ صبح کا نکلاات کو سارے گیارہ بار بجے گھر میں کھڑے تو ریاض غفار اور بریرہ اپنے کمروں میں سونے جا چکے ہوتے صرف غفار اس کے انتظار میں جاگ رہی ہو تیر جو اسے دیکھتے ہی۔
 "اب فوراً آ جاؤ۔" کہتی اپنے کمرے میں چلی جاتیں لڑا ان سے بھی زیادہ بات نہ ہونے کی آخر ایک ہفتے بعد کہیں جا کر اسے بریرہ سے حامد کے بارے میں بات کرتے کامرغ ملا۔
 اس نے سسرال کمر بریرہ سے حامد کے متعلق پوچھا تھا چنانچہ کچھ لمحوں کے لیے وہ خاموش ہو گئی تب ایمان کو کہنا پڑا۔

"تمہی کہہ رہا ہوں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں اگر تمہارے دل میں ذرا سی بھی خلش ہے تو مجھے صاف بتا دو میں اس معاملے کو اس طرح پیش کروں گا کہ تمہارا نام تک جی میں نہیں آئے گا۔"
 ایمان نے اسے لپٹ لیا۔
 "میں کیا اس میں کدوں جو آپ سب کو مناسب لگے۔" بریرہ ہنسی سے بولی تو ایمان بے اختیار مسکرائے۔
 "مجھے تو حاکم ہمارے لیے بہت مناسب لگا ہے لیکن ان کے گھر کا حوالہ تو ڈراما سا کٹز روڑ ہے کیا تمہیں اس سے کچھ ہو جاؤ گی۔"

"نہیں نہیں مجھ میں نے کچھ سوچا نہیں۔ آپ کو جو مناسب لگے آپ وہی کریں میں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ کچھ ہنسی سے بولی۔
 ہر وقت پست پستی لیتی آوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی اس کی یہ لالٹن بلی بہت اس وقت خاموش خاموش کچھ شرمیلی شرمیلی سی بالکل لڑو اور پامی لگ رہی تھی ایمان بے ساختہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔
 "کچھ یقین نہ حامد تمہیں بہت خوش رکھے گا اور میری دعا ہے کہ تم بھی اسے خوش رکھو۔"
 آج سے پہلے اندازہ نہیں تھا لیکن آج یقین ہو گیا ہے کہ تمہاری سہاری سے اس گھر میں ایڈجسٹ ہو جاؤ گی۔ اس گھر پر بریرہ نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا تو فرقان نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامے ہوئے اس کا ماتھا چوم لیا۔
 "ہیشہ خوش رہا۔"

غسل نے رشیہ قانون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دے دی اور زیادہ بات نہیں کی مبادا وہ کچھ پوچھ نہ لیں یہی وجہ تھا انہیں تھیں نے غفلت غلیل کے رول کے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ وہ پریشان ہو گئی اور اب صبح سے رات ہو گئی تھی ان کو کلفام کا نمبر ملا ہے ہوئے مگر اس سے بات ہی نہیں ہو پارہی تھی کھٹی کھٹی رہتی اور کوئی

کال ریسیو ہی نہیں کرتا۔
 صبح آفس جانے سے پہلے جعفر نے دو تین بار اس کا نمبر دیا مگر جب اس نے ہوسکی تو غسل سے کہنے لگا۔
 "I have to go i am getting late" اسے تم خود ملا کر بات کر لو وہ جس وقت بھی ملنے کا کہے ہائی بھر لیتا نہیں تمہیں لے چلوں گا۔" ان کی اس کھلی پیش کش پر غسل منظور نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔
 ایک طرف اگر وہ جعفر کی بیوی کے روکے ہوئے سے مخالف تھی تو دوسری طرف جعفر کی مہمان نوازی کی منہن تھی۔

لیکن وہ کل ہی یہاں سے چلے جانے کے فیصلے پر ابھی تک قائم تھی مگر وہ جملتان اسے اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر رہا تھا۔
 "اب کل تو تم نہیں جاؤ گی کلفام سے ملاقات جو نہیں ہوئی۔" جعفر کی بیوی جس کا نام ثمرین تھا پہلی بار اس سے براہ راست مخاطب ہوئے ہوئے بولی۔

غسل ریسیو کر لیں پر کچھ کراہیں پٹی ہی تھی جب ثمرین کو یہ کہنا سن کر وہ جھل ہو کر اپنی جگہ ٹھنک گئی۔
 "کیا ہوا؟" اس نے کچھ پوچھا ہے بھی؟" وہ حنائی والے انداز میں بولی۔
 "غسل کا کل چاہا کلفام سے ملے بغیر ہی فوراً" کل واپس چلی جائے مگر رو میلہ کا خیال آتے ہی اسے اپنی دلی خواہش کو پس پشت ڈالتے ہوئے وحیث بن کر کہنا پڑا۔

"ظاہری بات ہے اب کل تو میں نہیں جاؤ گی لیکن اگر آپ کو میرا یہاں رہنا پسند نہیں تو میں کسی ہوٹل میں چلی جاتی ہوں۔" ثمرین کو غالباً "غسل سے اپنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی وہ اس کی بات پر کچھ چونک کر لاجواب کی ہو گئی۔
 پھر تدریج سے بولنے لگی۔
 "نہ نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں مجھے تمہارا پاکستان اکیلے آنا بہت عجیب لگا تھا اگر تمہارے پیر شس ہوتے تو

تم ابراہیمائی کو فون پر بات کیوں نہیں کرتیں کہ کلفام سے کانٹلکٹ نہیں ہو رہا۔" اس نے بات بدل لیتے ہوئے بظاہر اچھا مشورہ دیا تھا۔
 یہ بات واقعی ابراہیمائی کو بتانی جا رہی تھی کہ کلفام کا نمبر نہیں لگ رہا مگر وہ ایسی کوئی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔

ابراہیمائی سے بات کرنے کا مطلب تھا خود کو کئی سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار کرنا جن میں سرفہرست سوال تھا۔
 "تم وہاں گئی کیوں اکیلی۔" سارا زور ان کا "اکیلی" پر ہی ہوتا تھا۔

وہ پاکستان جا کر بھلے ہی ان سے کچھ بھی کہہ دیتی مگر یہاں بیٹھ کر کوئی بسانہ گھڑنا برا مشکل تھا وہاں تو وہ یہ بھی قبول کر سکتی تھی کہ وہ کلفام سے ملنے گئی تھی غفلت غلیل کے سامنے بھی اسے سچی بولنا تھا۔
 لیکن ابھی سے بتانے میں ڈر رہا تھا کہ ابراہیمائی بھی کم و بیش غفلت غلیل کی طرح خود پسند اور خود سرواقت ہونے لگی تھی اگر انہیں یہ علم ہو گیا کہ غسل ان کے فیصلے پر مطمئن نہیں اور خود کلفام کو پرکھنے گئی ہے تو ان کا توڑھے سے برا حال ہو جائے گا وہ پہلے ہی کلفام کو فون کر کے منع کر دیں گے کوئی ضرورت نہیں ہے غسل سے ملنے کی پھر تو مارے رات ہی رہند ہو جائیں گے۔

ایسے ہی وہ سب صرف رو میلہ کے اطمینان کے لیے کر رہی تھی ورنہ اسے لاشعوری طور پر یقین تھا کلفام ہر لحاظ سے رو میلہ کے لیے اچھا ہی ہو گا اور اس کی خواہش بھی یہی تھی کہ کلفام سے مل کر کوئی ایسی انہونی نہ

ہو جائے کہ اسے ایک اور محاذ پر لڑنا پڑ جائے۔

اگر گلفام روئلہ کے لیے مناسب نہیں لگا تو اس کے لیے بہت مشکل تھا ابراہار بھائی کو ان کے فیصلے سے باز رکھنا۔

صرف روئلہ کے والد سے امید تھی کہ وہ اگر تعاون کریں تو ہی کوئی قدم اٹھایا جاسکتا ہے اسی لیے نمل چاہتی ہی نہیں تھی کہ ایسا کوئی ٹکیزا کھڑا ہو۔

”ابراہار بھائی کو بتانے کا کیا فائدہ ہے جو نمبر انہوں نے دیا ہے وہی جعفر بھائی کے پاس ہے جب نمبر صحیح ہے تو ابراہار بھائی کو پریشان کرنا بے کار ہے۔

آپ کا آج آف ہے کل آپ کو بھی چاہیے جانا ہو گا کیا آپ میرے لیے کسی ہوٹل کا بندوبست کر سکتی ہیں جو رٹلا ہو۔“ نمل غلط نہیں سمجھ رہی تھی جعفر بھائی کے پاس بھی وہی نمبر تھا جو نمل کے پاس تھا ابراہار بھائی کو مطلع کرنا ایک طرح سے بے کار ہی تھا۔

اس کی بات پر نمرین کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی پھر کندھے اچکاتے ہوئے کوفت بھرے لہجے میں بولی۔
”جانتی ہوں کسی ہوٹل کا۔ کل تو ہمیں رہنا پڑے گا رہا سہا سولہ ویسے بھی میری ٹاسٹ ڈیوٹی ہے۔“ اس نے اسے روکنے کی رکھی سی بھی کو شش نہیں کی تھی۔ جتنا دیکھا کہ اپنی ٹاسٹ ڈیوٹی میں وہ اسے اپنے گھر میں ہرگز برداشت نہیں کرے گی۔

نمل نے اس کے سامنے تو بڑے اطمینان سے کہہ دیا مگر ہوٹل میں شفٹ ہونے کے خیال سے وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی چنانچہ وہ ایک بار پھر فون کی طرف بڑھ گئی۔

اگر کل کسی طرح گلفام سے ملاقات ہو جاتی تو پھر سولہ ویسے پاکستان جاسکتی تھی۔
لیکن نہ جانے قسمت کو کیا منظور تھا کہ گلفام کا فون ہی نہ ملا انٹارنگلے دن جعفر نے ناشتے کی میز پر جو کہا اسے سن کر نمل نے ناشتا شروع کرنے سے پہلے ہی ناشتے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

”میں نے آج صبح ابراہار کو فون کیا تھا اور اسے بتایا کہ تم فوراً پاکستان واپس آنا چاہ رہی ہو صرف اس لیے رکھی ہوئی ہو کہ گلفام سے بات نہیں ہو پارہی۔

وہ کافی حیران لگ رہا تھا بلکہ قصے میں نگ رہا تھا میں نے اسے سمجھایا وہ اتنی دور آئی ہے ایک سال گلفام سے مل لینے دو تو وہ مان تو گیا ہے۔

وہ کہہ رہا تھا اب خود گلفام سے بات کرے گا تو گلفام نہیں خود ہی فون کرے گی۔ نمل نے اس کی آخری جملہ ایسے مسکراتے ہوئے کہا جیسے بہت بڑا کارنامہ انجام دے دیا ہے۔

نمل بھلا انہیں کیا سزا تھی وہ تو بے بسی سے انہیں دیکھ کر گئی جو غالباً ”لاجی“ بھائی کی کی کوئی بات یاد آنے پر جس کا گلاس ہونٹوں پر سے ہٹاتے ہوئے پر سوچ انداز میں بولے۔

”تم یہیں آئی کس کام سے ہو۔“ ان کے سوال پر نمرین نے غصے سے غصے غور سے اسے دیکھنے بلکہ ٹھونکنے لگی۔

نمل سیٹ شکل بناتے بیٹھی رہی اس کا دل نہیں چاہتا تھا جواب دینے کا مگر اس کے تاثرات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جعفر نے مزید کہا۔

”ابراہار بھی اس بات پر حیران تھا کہ آخر ایسا کیا کام ہے کہ وہ رہا تھا تمہارے قادر کو پھر فون کر دیا کہ آخر یہ سب کیا ہے۔“ نمل نے بخاور کیا نہیں جانتا اپنا سر دوڑا تو دل میں تمام لیا۔

وہ دونوں میاں بیوی کبھی اس کے کوئی بھی ایک دو سرے کو دیکھنے لگے نمل انہیں حشر دیکھ کر سر اٹھاتے ہوئے

اسد اللہ ابراہار لہجے میں کہنے لگی۔

”میں یہاں صرف گلفام بھائی سے ملنے آئی ہوں لیکن یہ بات میں نے ابراہار بھائی کو نہیں بتائی تھی کہیں انہیں نہ ملے کہ میں ان کے فیصلے پر شک کر رہی ہوں۔ حالانکہ میں صرف اپنے اطمینان کے لیے آئی ہوں یہ میری کرن روئلہ کی زندگی کا سوال ہے۔

ابراہار بھائی نے لڑکے سے ملے بغیر اسے جانے بڑا بی بی میں ملے جھٹک کر لیا حالانکہ ایسے معاملوں میں لڑکے سے کی بار علی گراس کی شخصیت اور عادت مزاج کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔“ نمل کی بات پر وہ دونوں حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

”کیا تمہارے والدین کو بتا ہے کہ تم یہاں صرف اس لڑکے سے ملنے آئی ہو۔“ جعفر نے تعجب سے پوچھا۔
جس طرح وہ دونوں اسے دیکھ رہے تھے نمل کا دل چاہا کہ دے ”ہاں جتنا ہے“ لیکن اب وہ مزید کوئی جھوٹ نہیں بولنا چاہتی تھی اس لیے پوری پوری سچائی سے بولی۔

”میری امی کو بتا ہے۔“
”اور تمہارے والد؟“ جعفر کو بھی تک حیران تھا نمل نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”I can't believe it“ جعفر خود کلامی کے انداز میں بولے تو نمرین طنزیہ انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔
”آپ کے والدین کو بڑا اعتراض تھا ہمارے یہاں آکر رہنے پر کہ باہر کا ماحول آزاد ہے بچے بگڑ جاتے ہیں خود کو اور آؤں جو جاتے ہیں۔

اب یہ آپ کے دوست کی کرن تو پاکستان میں ہی پڑھی ہوئی ہے ٹاپ کی لاطینی میں اتنی دور چلی آئی ہے ہذا شرم لیا تو انہیں کہہ۔“

”Excuse me“ نمل نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔
”میں نے کسی بے شری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس پر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔

جو قدم میں نے اٹھایا ہے وہ ابراہار بھائی کو اٹھانا چاہیے تھا ہاں لیکن میں آپ کی اس بات سے اتفاق ضرور کروں گی کہ انسان باہر کے آزاد ماحول میں رہے یا پاکستان کے مشرقی روایت کے پاسداروں کے بیچ میں زیادہ خاص فرق نہیں ہے۔

جنہیں آزاد اور خود سر ہونا ہوتا ہے وہ پاکستان میں رہ کر بھی ہو جاتے ہیں جیسے کہ آپ جو بوڑھے ساس مسر کے منع کرنے کے باوجود شوہر کو لے کر یہاں آئیں۔“ نمل نے قدرے نفی سے کہا نمرین کا چہرہ آگ بگولہ ہو گیا۔

”Mind your language“ تمہاری بہت کیسے ہوئی میرے ہی گھر میں بیٹھ کر مجھ سے ایسی بات کرو۔“
نمرین تھملا کر بولی۔

”مجھے خود بھی آپ کے گھر میں رہنے کا کوئی شوق نہیں میں ابھی اور اسی وقت ہوٹل میں رہنے جا رہی ہوں۔“
نمل کرسی ٹھیسٹ کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔

جعفر اس صورت حال پر اچھا خاصا بوکھلایا ہوا تھا نمل کو کھڑا ہوتا دیکھ کر وہ خود بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔
”کیسی باتیں کر رہی ہو نمل۔ ابراہار کو بتا چلے گا تو کتنا برا لگے گا تمہیں۔“

”کیا؟ نہیں یہ فکر ہے کہ ابراہار بھائی کو کیسا لگے گا اسے میری غیر موجودگی میں اکیلے گھبراتے ہوئے تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ مجھے کیسا لگے گا۔“ نمرین چلا کر بولی۔

”نمرین تم اس وقت اپنے کمرے میں جاؤ میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔“ نمل تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔“ نمرین کی بات پر تم وہیں سے برا حال ہو گیا تھا تو ویسے بھی اپنے کمرے میں ہی جا رہی تھی سامان

چلیں گے۔" کئی دیر کی اعصابی کشش کے بعد نمل نے کوئی تصدیق بھری بات سنی تھی، ایک گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔



رشیدہ نے جب نمل سے فن پر بات کی تو ایک طرف اگر انہیں اس کے خیریت سے پہنچ جانے پر اور وہ بھی ایرار کے دست کے گھر چکا جانے پر اطمینان ہوا تو دوسری طرف ان کی بے چینی سواہد گئی۔
وہ نہ کرنا نہیں یہ احساس سنا رہا تھا کہ انہیں نمل کو اتنا چاہیے تھا۔ عظمت خلیل کے شدید رد عمل کے متعلق انہوں نے وہی زبان سے اسے بلدی آجانے کے لیے کہا تو تھا کھسکا کھل کر نہ کہہ سکیں کہ میرا ایک ایک پل کانٹوں پر گزر رہا ہے۔

عظمت خلیل اتنے زیادہ غصے میں تھے کہ ان کی موجودگی میں رشیدہ پر لرزہ طاری رہتا تھا نمل کے کواپس آجانے سے ان کے غصے میں کوئی کمی تو نہیں آتی مگر رشیدہ کو سہارا ضرور ہونا تھا۔
حالانکہ وہ اس وقت سے بگڑ رہی تھیں جب نمل کے لپٹ کر گرنے پر عظمت خلیل اس کی نگاہیں لیں گے پتا نہیں۔ اپنے غصے، بلکہ نفرت کا اظہار وہ کس طرح کرنے والے تھے یہ سوچ کر ہی رشیدہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

سارا وقت ان کا دھاؤں اور ریلوئوں میں گزرتا تو میلہ نے انہیں فون کر کے ان کی اور نمل کی خیریت پوچھی تو انہوں نے اسے بھی کچھ عین سہانہ کہہ کر عظمت خلیل کو تاحل چکا ہے اور وہ کس قدر غصے میں ہیں۔
کیا فائدہ تھا اس پریشان اور شرمندہ کرنے کا۔ گھر کی بات باہر بتانے سے اپنا ہی تماشہ بنتا ہے اور پھر وہ یہ سوچ کر تادم ہوتی رہتی کہ یہ سب انہیں کد جہت ہوا۔

لیکن کسی کو کچھ نہ بتانے کے باعث اندر ہی اندر ان کی تھنیں بڑتی جارہی تھیں۔
شام ہونے پر خلاف معمول عظمت خلیل جلدی گھر آگئے تو رشیدہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ جس نے اسے فرائض میں روکی کو تباہی نہیں رہتی تھیں لہذا امت نہ ہونے کے باوجود وہیں چیر تھیں ان کے غصے کی گھنٹی۔
”آپ۔ آپ کے لیے۔ جانے لائیں۔“ انہوں نے تھوک نپٹے ہوئے عظمت خلیل کی پشت کو گھاتوں پلٹ کر شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھنے لگے رشیدہ سہم کر رہ گئیں۔

”جب جتنی ہوگی بتا دوں گھاؤں یہ تم ہر وقت ماسیوں جیسے حلیے میں کیوں دھنسی ہو مگر انہوں نے ایک نفرت بھری نظر رشیدہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔ کیا کیا ہوا؟“ رشیدہ اپنے صاف تھرے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔
”یہ لکڑی ہے جیسے میں۔ تمہیں کھانے اور پینے کے لیے کچھ نہیں دیا؟ خود کو دنیا کے سامنے ایک مظلوم اور مسکین عورت ظاہر کر کے مسکین مڑا آتا ہے۔“ ان کے زہر خیز لہجے پر رشیدہ پریشانی سے انہیں دیکھنے لگیں۔
یہ تو انہیں پتا تھا کہ وہ بہت لمبے میں ہیں اور غصے میں وہ اپنی بات بھی کرتے تھے لیکن اس طرح ان کی ذات اور حلیہ انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

”اے اے آؤں بھاڑ کر کیا بوجھ رہی ہو؟“ عورت ذرا اپنا ہلکے کچھ ممان آ رہے ہیں ان کے سامنے نہیں سہی بولی شکل نے انہیں حال کیے اور کچھ بولنے کی ممانت مت کرنا صرف میں بات کروں گا اور جو مناسب لگے گا وہی کروں گا۔“ انہوں نے کوئی گھڑا گانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اب تو رشیدہ کی الجھن اور بھی بڑھ گئی۔

ایسے کون سے مہمان رہے تھے جن کے لیے عظمت غلیل اتنی براعتیں دے رہے تھے کہ کسی کے سامنے کسب بولتی تھیں اور اپنی جگہ دینے کی کوشش تو انہوں نے کبھی کی ہی نہیں تھی۔
انہیں خود برا لگتا تھا شہر کی برائی باہر کے لوگوں کے سامنے کرنا اور لوگوں کی بلاوجہ کی ہمدردیاں انہیں سخت ناپسند تھیں انہیں بالکل شرم نہیں تھا کہ ان پر ترسہ کھائے اپنی معذوری کی وجہ سے وہ پہلے ہی لوگوں کی ترحم بھر کی نظر میں بدداشت کرنا چاہتے تھے کہ اس پر شوہر ہنر دکاشی کے قصے بیان کر کے اپنی عزت نفس کو بچھڑا کر گئے۔

”کون کہا ہے؟“ انہوں نے بڑی مشکل سے دھڑکڑا کر کہا۔
”آئیں گے تو دیکھ لیتا۔“ چھ تو ایسے رہے جو جیسے سامنے شہر کو جانتی ہو۔ ”عظمت غلیل چڑھ گئے۔“
”نہیں۔“ میرا مطلب تھا کوئی خاص مہمان ہیں۔“ رشید نے گہرا کر جلدی سے صفائی دی تو عظمت غلیل کچھ سوچتے ہوئے ایسے بولے جیسے اپنے قہر سے کہہ رہے ہوں۔

”لگتا تو یہی ہے کسی خال مقدس سے رہے ہیں وہ نہ صرف یہی بات چیت سے کوئی دوستی یا جان پہچان تو ہمارے ہی نہیں ہے۔“ عظمت غلیل کی بات ان کی سمجھ سے کہ نہ آئی ایسے بھلا کون لوگ تھے جن سے صرف یہی سی علیک ملے گی پھر بھی وہ گرا رہے تھے اور عظمت غلیل خاص طور پر انہیں جلدی درست رکھنے اور زبان بند رکھنے کی تاکید کر رہے تھے کہ کوئی کامدار یا سماجی ہیرو سے تعلق رکھنے والے لوگ آ رہے تھے تو ایسے افراد کے سامنے رشید جاتی ہی نہیں تھیں۔

ان میں مزید کوئی سوال نہ کی بہت میں تھی چلتے ہوئے مناسب سے جلدی کے باوجود جلدی درست کرتے چلی گئیں دس منٹ بعد جڑوہ ان کو پہنچا کر ملا۔ وہ وہاں آتے دینے کے متعلق سوچ ہی رہی تھیں مہمان تشریف لے آئے اور عظمت غلیل نے فوراً ہی انہیں سے ہم کھانا لیا۔

وہ ہر انگ روم میں ایک بہت ہی یادگار سے ان کے عمر کے جوڑے کو تشریف فرما دیکھ کر ساری سوجھ بوجھ پرست ڈال کر چہرے پر گرا ہٹ سہایلی کوشش کرتے گئیں۔

”رشید! یہ مسٹر ایڈمز فریقان حسن ہیں اور یہ رشید بن میری بیوی۔“ عظمت غلیل تھوڑی دیر پہلے سے فکر متکبہ بنے ہوئے تھے اب کچھ میں بولے۔

رشید کو ان کے اس انداز سے کوئی حیرت نہیں ہوئی وہ اس انداز کی عادی تھیں باہر کی دنیا کے سامنے ان کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا جیسے وہ کسی سے نہیں سلام کرتے۔

ان دونوں کو بھی رشید دیکھ کر کوئی خال حیرت نہیں ہوئی تھی فریقان حسن جانتے تھے عظمت غلیل کی بیوی جسمانی طور پر معذور ہیں لہذا یہ بات مسز فریقان کو بتا کر آئے تھے تاکہ وہ جو تکندہ جائیں۔

مسز فریقان کو سن کر انہیں ہوا تھا اور یہ تھی عظمت غلیل کے سامنے کھڑی ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آئی تھی۔

جس کی اپنی شریک حیات کی اقدار کا اظہار ہوا تھا اس لیے اس کی دیکھی انسانیت کے درد کو سمجھنا اور اسے دور کرنے کی کوشش کرنا محکم تھا۔

وہ اپنی بیوی کی تکلیف دہ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ وہ عزت و محنت سے وابستہ ہو کر اپنی بیوی اور اپنی زندگی میں موجود محرومی کا ازالہ کرتے رہے۔

مسز فریقان کے دل میں قسمت غلیل کی عزت و احترام کے متعلق فی وی میں دیکھ کر اشیاء میں پڑھ کر پیدا ہوئی۔

وہ رشید سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ مگر رشید ان کی ہر بات پر مسکرا دیتے یا جس بات کا جواب دینا ضروری ہوتا اس کا مختصر ترین جواب دے کر خاموش ہو جاتے۔

مسز فریقان کو ان کا یہ رویہ کافی عجیب اور روکھا سوکھا سا لگا وہ فریقان حسن اور عظمت غلیل کی طرف متوجہ ہو گئیں جو خاصے جاندار تھے اور شاندار نکتہ چینی میں مشغول تھے مسز فریقان خود بات چیت کی شیدائی تھیں بہت جلد وہ تینوں رشید کی ذات کو فراموش کیے خوش گاہوں میں مصروف ہو گئے۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد مسز فریقان موضوع کی طرف لوٹ آئیں۔

”عظمت بھائی آپ کی ایک بیٹی ہے یا نہیں؟“ کہاں ہے وہ؟ اسے بلائیں۔“ رشید جو خاموش کرنا شایانی بنی ہوئی تھیں کچھ جھجکی سی ہو گئیں۔

اتنے عرصے کی رفاقت میں وہ عظمت غلیل کے چہرے سے نہ بھی اخذ کر سکتی تھیں جو کوئی دوسرا محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا۔

نمل کے ذکر پر فریقان کی آنکھیں محسوس ہوئی تھی اس کا وہ دونوں سماں بیوی اندازہ بھی نہیں لگا سکے ہوں گے مگر رشید غلیل کی گھجکی تھیں۔

”نمل؟“ وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے مگر آپ اسے کہے جانتی ہیں میرے خیال سے تو فریقان صاحب آپ بھی اس سے کچھ جانتی ہوں گے تو میرے ساتھ کسی جلسے یا پارٹی میں نہیں جاتی۔“ اتنی خوش اسلوبی سے انہوں نے بات کی تھی کہ مسز فریقان کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ وہ ”نمل“ کہاں ہے۔ ”کہ سوال کو گول کر گئے ہیں۔“

ہاں دیکھا نہیں ہے لیکن جانتے ضرور ہیں کیونکہ ہم آئے ہی خاص اس سے ملے ہیں۔“ فریقان حسن نے مسکراتے ہوئے کہا اب کی بار عظمت غلیل کے ساتھ ساتھ رشید بھی چونک گئیں وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

”میں سمجھا نہیں۔“ عظمت غلیل نے رشید پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے فریقان حسن کو دیکھا۔

”آپ میرے بیٹے خرم کو شاید نہ جانتے ہوں ہم اس کے لیے نمل کا رشتہ مانگتے آئے ہیں۔“ فریقان حسن نے ہنسی افساری سے کہا۔

عظمت غلیل اچانک کچھ سنجیدہ سے نظر آئے گے رشید کا اپنا کوئی رد عمل نہیں تھا تو عظمت غلیل کو جا چلتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں کہ آیا عظمت غلیل کو ان کی بات اچھی لگی ہے یا بری۔

مگر عظمت غلیل کے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا البتہ جو سوال انہوں نے جواب دیا ”پوچھا وہ رشید کے دل میں بھی آیا تھا۔“

”ہم بھی تو آپ کہہ رہے تھے آپ نمل کو دیکھنے آئے ہیں اور اب آپ کہہ رہے ہیں آپ رشتہ دے رہے ہیں۔“ ان کی بات پر مسز فریقان مسکراتے ہوئے بولیں۔

”دیکھنے کا تو ہمیں صرف شوق ہو رہا ہے ذرا نہ فیصلہ تو ہم اس کے حق میں پہلے ہی کر چکے ہیں وہ میرے بیٹے کو پسند ہے اور ہم اس کی خواہش پر ہی یہاں آئے ہیں اور بھائی صاحب آپ کو جواب صرف ہاں میں دینا ہے وہ بھی جلد سے جلد۔“ میرے بیٹے سے آپ کو جب جہاں جس وقت بھی ملتا ہے آپ جادیں۔“ مسز فریقان اتنا ہیہ انداز میں بولیں۔

لفظ ”بیٹے کی پسند“ پر رشید نے واضح طور پر عظمت غلیل کے چہرے پر ناگواری پھیلاتی دیکھی تھی اور یہ بات مسز فریقان نے تو محسوس نہیں کی البتہ فریقان حسن کی نظروں سے رشید نہ رہ سکی انہوں نے فوراً ”معاذے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس طرح صفائی دی کہ کسی کو محسوس نہ ہو سکے۔“

”ہمارا اس طرح اچانک آکر رشتہ مانگنا یقیناً“ آپ کو عجیب لگ رہا ہو گا اصل میں نمل میرے بیٹے کے ساتھ

ہی بڑھتی ہے خرم نے وہیں اسے پسند کیا اور اگر ہمارے سامنے اسے اپنی ذرا ہش کا اظہار کر دیا۔
 کھل اس موٹے میں بالکل انجان ہے اس لیے وہ۔ آپ لوگوں کو پہلے سے مطلع نہیں کر سکی۔ اگر اسے چاہتا تو
 وہ اس وقت یہاں نہ رہتا اور موجود ہوتی ہم دونوں کو ہی اس سے ملنے کا بہت شوق ہو رہا تھا۔ فرقان حسن کی بات پر مسر
 فرقان بھی انہیں غور دیکھتی رہیں۔

وہ دونوں تو کچھ سوچ رہے تھے کہ یہ سب خرم اور شمل کے یا کسی رضا مندی سے ہو رہا ہے پھر یہ اس وقت فرقان
 حسن نے کون سا ہوا جا کر کیا تھا۔
 مسر فرقان مزے سوچ کر رہ گئیں بولا کچھ نہیں۔

جبکہ جس قدر کے تحت فرقان حسن نے یہ سب کہا تھا وہ فوراً ہی پورا ہو گیا تھا عظمت خلیل کے چہرے پر
 پھیلی ناگواری کی لہر لکیر بالکل مٹ گئی تھی۔
 ”آپ تو بالکل خلیل پر سروسوں جمانے کی کوشش کر رہے ہیں اتنے اہم مقصد سے آئے ہیں اور اطلاع بھی
 نہیں کی ورنہ تم کو ہم اس وقت اپنی کن کے گھر نہ جاتے۔ صل میں میری دھانسی کی شادی ہونے والی ہے
 وہ وہیں بڑی ہے رشیدہ چپ چاپ عظمت خلیل کے اعتماد کو دیکھتی رہیں جہاں جھوٹ کی ہلکی سی رمت تک ان
 کے چہرے پر نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ وہ زبرد کہہ رہے تھے۔

”اے فیصلے تو نہیں ہوتے میں تو خرم سے ہی نہیں ملتا ہوں یہ بھی نہیں ملیں ہم دونوں اسے دیکھیں گے
 ملیں گے پھر آپ اس صل مشورہ کریں گے اگر کچھ مناسب لگے تو پھر ملنے سے بات کر کے اس کی رائے لیں گے۔“
 عظمت خلیل اتنی ہی داری کے ساتھ بات کر رہے تھے جیسے گھر کے تمام اہم فیصلے سب کی پسند اور رضا مندی سے
 ہوتے ہوں۔

اے موقعوں رشیدہ صرف انہیں دیکھا کرتی تھیں پہلے بھی ان کی ایسی جھنگوں کروہ طرز پر تھیں جس سے
 دیکھیں لیکن اب ذرا ہوتی ہوئی تھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ بھی نہیں ابھرتی تھی۔
 وہ دونوں غفلت خلیل کے جواب سے زیادہ مایوس نہیں ہوئے تھے ورنہ انہیں خطرہ لگا کہ ان کے گھر سے آئے
 ہوئے رشتہوں کا کرتے ہوئے یہ نہ کہہ دیں۔

”میں یہاں بالکل پکا ہوں۔
 یا میرا وہاں الجھتا ہوں۔
 اگر شمل کیل تک مجھ سے نہیں تھی تو انہیں یقین تھا فیصلہ اتنے کے لیے میں ہی ہونا تھا آخر کس چیز کی کمی
 تھی ان کے بیٹے جو انکار کرتے۔

پھر وہ لوگ زیادہ نہیں بیٹھے جلتے جلتے مسر فرقان نے ایک بار پھر اس کرتے ہوئے کہا۔
 ”جلدی جواب دیجیے گا ورنہ بھی مثبت میں۔“ انہوں نے اسے دیکھ کر مخاطب کرنا ضروری نہیں سمجھا خود رشیدہ تو
 کچھ بول نہیں رہی تھیں۔ مسر فرقان یا باران سے یا ستارے سے بات کر رہے تھے۔

عجیب سی فطرت تھی ندیہ کی اول تو عاتشہ انہیں بلال اختر سے کچھ بولتی نہیں تھی اور جب بول دیتی تو کئی کئی
 دن تک اپنے گھر کے بچھتا رہتی۔
 اس دن عاتشہ اختر سے اس نے جو بات کہنے کے بعد سے عاتشہ اختر کا رویہ اس کے ساتھ بڑا اکھڑا اکھڑا
 تھا۔

ندیہ پہلے ہی اپنے گھر پر شرمندہ تھی ان کا اس طرح کتڑا ہوا سا انداز اسے بالکل ہی پانی پانی کر دیتا۔
 دل چاہتا ان سے معذرت کر لے مگر سلی ماں سے بھی اتنی بے تکلف نہیں تھی کہ کل کر کچھ کہہ پانی پانی
 میں احساس کتری اتنا زیادہ تھا کہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔
 لہذا وہ صرف وقت گزرنے کا انتظار کر رہی تھی کہ کبھی شمل چاروں میں ان کا موڑ خود بخود ٹھیک ہو جاتا تھا
 ابھی صرف دو سارا دن ہی تھا۔

ندیہ کی ساری پینلنگ بٹ بٹ چکی تھی فرنیچر جا رہا تھا گھر کا آدھے سے زیادہ فرنیچر جا چکا تھا جب
 ساری الماریاں وغیرہ لگ جانی تھیں سب کچھ مٹ گئیں اور ڈولوں میں رکھا چھوٹا موٹا سامان وہاں نکل کر آتا تھا ہاں
 سب سیدھا الماریوں میں رکھا جاتا تھا۔
 ندیہ پر ایک گھبراہٹ سی سو گواہی چھانی تھی وہ اپنے کمرے کے ایک کونے میں رکھی کپیوٹر پر بیٹھی کر رہی
 خالی خالی نظروں سے گزرتی رہی تھی۔

عاتشہ اختر کے کمرے کا سامان اٹھانے کے بعد مزدور اس کے کمرے میں آئے والے تھے زیادہ سے زیادہ
 گھنٹہ کی بات تھی تین گھنٹے بعد اس کا یہ کمرہ خالی ہو جائے والا تھا اور اس کے کچھ دنوں بعد یہ کسی اور کی ملکیت
 بن جائے گا۔

عاتشہ اختر کے رویے کے ساتھ ساتھ گھر چھوڑنے کے احساس نے اسے کچھ تشویش سا۔ کر دیا تھا وہ تو
 اس کی ساری پینلنگ اسی دن ہو گئی تھی ورنہ عاتشہ اختر سے ہوئی گفتگو کے بعد سے اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہ
 لگایا تھا چار بڑی بڑی چوچیں وہ گئی تھیں وہ بھی ملازمہ نے پیک کی تھیں۔

اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے دیکھتے اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اس کی آنکھیں بھگ گئیں۔
 کچھ دیر تو اس نے اپنے انہوں کو بے دیا مگر کسی کے آجانے کا خیال آتے ہی وہ اٹھ کر دوش روم کی طرف
 مئی۔

ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کی چھٹنیں آنکھوں پر مار کر وہ کافی بہتر محسوس کر رہی تھی تو ایسے سے چہرہ صاف کر
 جب دوش روم سے باہر نکلی تو اپنے کمرے میں کسی کو موجود نہ کر سکی۔

کوئی لڑکی اس کے بیڈ پر اس کی جانب پشت کیے بیٹھی تھی ندیہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔
 ”کون؟“ ندیہ نے اپنی جگہ بدستور کھڑے کھڑے پوچھا مگر وہاں سے جواب آتا تو درکنار اس لڑکی کے وجود
 جنش تک نہیں ہوئی بالکل ایسے جیسے اس نے ندیہ کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

اچانک ندیہ کو نگاہ کوئی لڑکی نہیں بلکہ شائستہ خالہ کا سایہ ہی ہے وہ ہی سایہ جو اسے اکثر بڑبڑاتا ہے۔
 مگر آج اس کے حلیے میں فرق ہے شائستہ خالہ کے بال ہمیشہ کھلے ہوتے تھے اور ان کے شانوں اور چہرے
 ایسے بکھرے ہوتے تھے کہ بعض اوقات ان کا چہرہ نظری نہیں آتا تھا۔

وہی بھی ندیہ کو کون سا ان کا چہرہ دیکھنے کی تمنا تھی اس نے جتنی بار بھی انہیں دیکھا تھا ان کے عین نقش پر
 ہی نہیں کر سکی تھی کیونکہ ان کے چہرے پر خون سی خون لگا ہوتا تھا جیسے کسی نے تو کئی چیزوں سے انہیں نوجاوا
 مگر آج چھٹی کی صورت میں بال باندھے وہ کوئی بد روح کی بجائے ایک نارمل لڑکی لگ رہی تھیں۔

سفید رنگ کے ڈھیلے ڈھالے سے لباس میں ملبوس وہ سر جھکائے بیٹھی تھیں۔
 ندیہ ایک ایک قدم برعالتی ان کی جانب بڑھنے لگی ساتھ ہی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوال بھی
 رپ۔

”کون ہیں آپ؟ آپ۔۔۔ آپ کچھ بول کیوں نہیں رہیں۔“ ندیہ ان سے چار پارچہ قدم کے فاصلے

جا کھڑی ہوئی خوف اسے مزید آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔
حالانکہ ندیہ کا دل چاہ رہا تھا وہ گھوم کر ان کے سامنے جا کھڑی ہو تاکہ ان کا چہرہ دیکھ سکے۔
مگر ان کے دوا میں جانب ہونے کے باعث اور ان کا سر جھکا ہونے کی وجہ سے وہ انہیں دیکھنے سے قاصر تھی۔
”آپ شائستہ خالہ ہیں نا۔“ ندیہ نے تھوڑا جھک کر ان کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ان کا چہرہ اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ندیہ کو جبکہ کو دیکھنے کے باوجود ان کی شکل نظر نہیں آرہی تھی۔
اس کا دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا، دل تو چاہا جیج کر سارے
مازموں کو جمع کر لے، مگر اسے یہ یقین تھا سب کے جمع ہونے تک سامنے بیٹھنا یہ خود غائب ہو جائے گا اور اگر
نہیں بھی ہوا تو بھی کوئی اسے دیکھ نہیں سکے گا سب یہی کہیں گے کمرے میں آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔
لہذا ندیہ دل ہی دل میں خوف زدہ ہونے کے باوجود ایک اور قدم آگے بڑھا کر اس کے قدم سے سامنے آگئی۔
”کیسے کون ہو تم۔ بولتی کیوں نہیں۔“ ندیہ کی آواز میں خوف کی لرزش کے ساتھ ساتھ ایک جھنجیلاہٹ
بھی در آتی تھی۔

تب ہی اس نے جوئے آہستہ آہستہ اپنا چہرہ اوپر اٹھانا شروع کیا۔ ندیہ کو اپنی جان بدن سے نکلتی محسوس ہو رہی
تھی، پھر بھی وہ دل کڑا کیے وہیں کھڑی رہی اور اسی پر نظریں جمائے رکھیں یہاں تک کہ وہ پورا چہرہ اٹھا کر ندیہ کی
آنکھوں میں دیکھنے لگی۔
ندیہ گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی، اگر خوف کے مارے اس کی گھٹکی نہ بن گئی ہوتی تو عین ممکن تھا وہ جیج
پڑتی۔

کیونکہ اس کے سامنے بستر پر کوئی اور نہیں خود ہی موجود تھی۔
اپنے آپ کو اس طرح آنے کے بغیر عین اپنے سامنے دیکھا ندیہ کو سر سے پاؤں تک لرزایا گیا تھا وہ پیچھے ہٹنے
بٹہ دیوار سے جا لگی تھی۔

اس کا پورا وجود ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔ اس کے سامنے خود ہی کی ہم شکل اسے گھورے جا رہی تھی۔
ندیہ سے اب برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے جیج کر کسی کو بلانا چاہا، مگر حلق سے آواز ہی نہیں نکلی تھی۔
لے وہاں سے بھاگنا چاہا تو پاؤں گول میں پھنسے ہوئے انکار کر دیا، تب ہی اس کے سامنے پیشہ خود میں بھی سی گھس ہوئی،
وہ لڑکی جو اس کی ہم شکل تھی بہت دیر دیر سے اپنی جگہ سے اٹھنے لگی۔

ندیہ کی آنکھیں غلغلہ ہر اس سے پھیل گئی تھیں وہ لڑکی اس کی طرف بڑھ رہی تھی ایک ایک قدم اٹھاتی۔
چہرے پر جامہ خاموشی کی مہر لگائے۔

پلک تک نہ جھپکے بغیر
سانس تک گیسے بغیر

وہ بہت آہستگی سے اس کی طرف برہتی رہی ایک قدم کے فاصلے پر اکھڑی ہوئی۔
اور بس اس سے لگے ندیہ کچھ دیکھ نہ سکی، خوف کی شدت نے اس کا دماغ ماؤف ہو کر تاریکی میں ڈالتا چلا
گیا۔

اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور ایک پل میں وہ گھر کے دروازے پر آگئی۔

آدھے گھنٹے بعد ایک ملازمہ اس کے کمرے میں کسی کام سے آئی تو اسے اس طرح دیوار کے پاس زمین پر

پلے ہوش بڑا دیکھ کر شور مچانے لگی۔
پھر تو پورا گھر ہی دو منٹ میں اس کے کمرے میں جمع ہو گیا، اسے اٹھا کر اس کے کمرے کے بستر پر لٹا دیا گیا اور
فورا پورا کٹر خلیلہ کو فون کر دیا گیا۔

”تم تو کمرہ رہی تھیں، تم ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہو۔“ بلال اختر نے طنز سے انداز میں عائشہ
اختر کو دکھاتے ہوئے نظریں چرا کر رہ گئیں۔

جب سے ندیہ نے وہ سب کچھ اٹھا انہوں نے اس سے ہاتھ تک نہیں کی تھی ورنہ پہلے ہر تھوڑی تھوڑی دیر
میں اسے چیک کرتے آتی تھیں۔

ڈاکٹر خلیلہ کے آنے سے پہلے ہی اسے ہوش آگیا، اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر عائشہ اختر تیزی سے اس کی
طرف بڑھیں۔

”کیا ہوا ندیہ؟ کیسی طبیعت ہے بیٹا تمہاری کیا ہوا تھا تمہیں۔“ عائشہ اختر اس کے اوپر جھک گئیں۔
ندیہ خالی خالی نظریں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ ان کا مہواں لہجہ سن کر اس کا دل بھر گیا تھا، گھر وہ رونا نہیں
چاہتی تھی۔

جانتی تھی کہ میں کچھ تانا بے کار ہے، وہ کون سا یقین کریں گی، خود اسے یقین نہیں آ رہا تھا جو اس نے دیکھا تھا وہ
کیسے ہو سکتا تھا۔

اس کے گردن کھما کر بڑے کے کنارے کی طرف دیکھا، مگر اس کی توقع کے عین مطابق وہاں اب کوئی نہیں تھا۔
دیکھا ہوا ندیہ؟ کیا چکر آگیا تھا تمہیں؟“ انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔

”جی چکر آگیا تھا۔“ اس نے آنکھوں میں لگی نمی کو پٹکیں جھپکتے ہوئے بننے کی کوشش کی۔
”میں ڈاکٹر خلیلہ کو فون کر دیتا ہوں“ آنے کی ضرورت نہیں۔“ بلال اختر موبائل جیب سے نکالتے باہر نکل
گئے۔

”کچھ کھاتی جیتی نہیں ہونا“ اس لیے کمزوری سے چکر آگئے ہوں گے تم آرام کرو میں تمہارے لیے گلو کوڑ
بجواتی ہوں۔“

”مہم۔“ محاش آپ کے کمرے میں لیٹ جاؤں۔“ ندیہ نے انہیں اٹھا دیکھ کر ایک دم ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
انہوں نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا، اس نے کبھی ایسی فرمائش نہیں کی تھی، لیکن اگلے ہی پل انہیں احساس
ہوا، انہوں نے خود بھی اس سے اس لمبے میں شائد نادری بات کی تھی اور واقعی وہ ان کا متا بھرا انداز دیکھ کر ایسے
مان سے کہہ گئی تھی۔

”تمہارے پیپا کمرے میں ہیں ندیہ تم وہاں کہاں لیٹو گی۔ میں یہیں تمہارے پاس بیٹھی ہوں ابھی کچھ دیر میں
ویسے بھی ہم لوگ یہاں سے نکلنے والے ہیں۔“

مزدور سارا سلمان لے بھی گئے ہیں، صرف تمہارے کمرے کا رہ گیا ہے۔“ عائشہ اختر نے اس کے چہرے پر
ملاو سی پھیلتی دیکھ کر فوراً اسے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

”ہاں جلدی سے یہاں سے چلتے ہیں۔“ ندیہ نے ان کا ہاتھ پکڑے پکڑے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔
عائشہ اختر نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

اب تک اس کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ اس گھر کو چھوڑنا چاہتی ہے، بلکہ سلمان پیک کرتے
ہوئے انہوں نے واضح طور پر اس کی افسردگی کو محسوس کیا تھا۔

وہ اس کی بند پٹکوں کو بھونکنے لگیں جیسے اس کے چہرے سے اس کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔
وہ اس کے چہرے سے کچھ خاص اخذ تو نہیں کر سکیں مابستہ اتنا ضرور تھا چل گیا تھا کہ وہ کوئی آیت یا دعا پڑھنے میں مشغول ہے۔
اس کے بست آہستگی سے ہٹتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ ان کے ہاتھ پر اس کی غیر معمولی سخت گرفت اس کے لاشعور میں بچے کسی ڈر کو ظاہر کر رہی تھی۔

جعفر بھائی کا فون اس کے کمرے کے انٹرکام پر آیا تھا، بلکہ فون کیا آیا تھا ایک ہیج چھوڑا تھا کہ وہ اسے ایک گھنٹے بعد پکڑیں گے تیار رہے۔
اور وہ شخص دس منٹ میں تیار ہو کر بیٹھ گئی تھی جبکہ جعفر بھائی کو آنے میں دو گھنٹے لگے تھے وہ باہر آکر ان کی گاڑی میں بیٹھی تو انہوں نے کسی قسم کی کوئی معذرت نہیں کی جس اتنا کہا۔
”کام آتا تھا کہ آفس سے نقل ہی نہیں سکا۔“ نمل صرف سر ہلا کر رہ گئی وہ ان پر کسی قسم کی دھونس بھانے کا حق نہیں رکھتی تھی اور پھر اس وقت اس کے ذہن میں کلفلام سے ملنے کے خیال سے اتنی گہرا ہٹ اور اشتیاق سوار تھا کہ وہ کی اور چیز کے بارے میں سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔
پتا نہیں کیا ہو گا۔

پتا نہیں ملے گا اس سے مل کر خوشی ہوگی یا مایوسی پتا نہیں وہ ایک ملاقات میں اس کا صحیح تجزیہ کر بھی سکے گی یا نہیں۔
اور اگر وہ اسے رو میلہ کے لیے مناسب نہیں لگا تو کیا وہ ایرار بھائی کو قائل کر سکے گی اس رشتے کی مخالفت میں؟
اور اگر نہیں کر سکی تو کیا اس طرح وہ رو میلہ کو مزید پریشان نہیں کرے گی کہ وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ آگئی دور جا کر اپنی زندگی شروع کر سناوالی ہے جو نمل کو اس کے لیے پسند ہی نہیں آیا۔
اس کا ذہن ان ہی سوالوں کی آماجگاہ بنا رہا اور وہ ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ایک شاندار سے کسی کی دکان تک میں آکھڑے ہوئے۔

نمل ستانی انداز میں جدید طرز کی نئی عمارت کو دیکھتی، جعفر بھائی کے ساتھ لفٹ میں داخل ہو گئی۔ ”ڈائریکٹر کلفلام پچھلے ہار سال سے یہاں ہے۔“ اس کی نظروں میں پسندیدگی دیکھ کر جعفر بھائی نے بتایا تو نمل صرف سر ہلا کر رہ گئی۔
ایک فلور پہنچ کر مصیبت پر جعفر بھائی نے ”مسٹر فیم“ کا نام لیا تو وہ لڑکی ان کا نام پوچھ کر انٹرکام پر اندر اطلاع دینے لگی۔
”مسٹر فیم“ نمل نے حجب سے دہرایا۔

”ہاں تو کیو ہوا؟“ جیسے بھی آفس میں جلیبی کبابا جاتا ہے۔ جعفر بھائی نے اطمینان سے کہا ”پھر وضاحت کرتے ہوئے بولے۔“
”یہ اسلامی نام ان لوگوں کے منہ سے نکلنے لگے اس لیے بجائے اس کے کہ وہ لوگ ہمارا نام پگائیں، ہم خود ہی اپنے نام میں ترکیب کر لیتے ہیں۔“
”اور کلفلام تو یہاں بہت عرصے سے رہا ہے اس کا اصلی نام تو صرف اس کے ڈاکو منٹس پر رہ گیا ہو گا۔ ورنہ

اسے خود بھی یاد نہیں ہو گا۔“ نمل ایک بار پھر صرف سر ہلا کر رہ گئی۔
اس لڑکی کے اجازت دینے پر وہ دو لوں دروازہ کھول کر ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔
عمارت کی طرح آفس بھی اندر سے شاندار تھا۔ ایک بڑی سی گلاس ٹیبل کے پیچھے ڈارک کمرے سوٹ میں ایک نہایت جاذب نظر اور باوقار سا شخص تشریف لے رہا تھا اور میز کے ایک جانب رکھے لیپ ٹاپ میں مصروف تھا۔

”ان کے کمرے میں داخل ہونے پر وہ ریو الوو کے چیرمین کی جانب گھما نا ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔
”السلام علیکم۔“ اس نے سلام کرنے میں پہل کی تو جعفر بھائی اور نمل نے ایک ساتھ اسے جواب دیا اور اس کے اشارہ کرنے پر سامنے رکھی آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔
”یہ ہے رو میلہ کی وہ کزن جس کے بارے میں میں نے جیس فون پر بتایا تھا کہ کسی کام سے پاکستان سے آئی تھی تو اس نے سوچا تم سے مل کر مل لے۔“ جعفر بھائی کیونکہ پہلے ہی اس سے مل چکے تھے اس لیے انہوں نے صرف اس کا تعارف کرنا ہی نہیں کیا۔

”جھا بھائی! انہوں نے ایسا سوچا رو میلہ سے نا سہی اس کی کزن سے ہی ملاقات ہو گئی۔“ اس نے خوش دلی سے نمل کو دیکھ کر کہا۔ ”معاوضہ دراز سے یہاں مقیم ہونے کے باعث اس کا لچرہ تھوڑا انگریزی انداز لپے ہوئے تھا۔
”جھا بھائی! اسے اردو میں بات کرنا دیکھ کر نمل پر ایک خوش گوار تاثر ہوا تھا۔
وہ بہت جلد بغیر کسی جھجک کے اس کے ساتھ جلیبی کھانے کی گفتگو کرنے لگی، خود اس کا انداز اتنا شائستہ تھا کہ نمل بڑی جگہ تکلفی سے کچھ ذاتی قسم کے سوال بھی پوچھ بیٹھی۔

”آپ نے تو رو میلہ کو یہ کھا نہیں پھر اس سے شادی کے لیے کیسے تیار ہو گئے۔“ اس کی بات پر کلفلام بھرپور انداز میں مسکرایا۔

”آپ سوچ رہی ہوں گی اتنے سالوں سے میں ایک ایسے ملک میں رہ رہا ہوں جس کا ماحول بے ہاکی کی حد تک آزاد ہے یہاں وہ کر میری سوچ اتنی مشرقی کیسے رہ سکتی ہے کہ والدین کی پسند پر مر جھکا دوں۔“
”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا آج کل تو پاکستان میں بھی ایسے شادیاں نہیں ہوتیں ہیں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی کبھی آپ کو اسے دیکھنے کی خواہش نہیں ہوئی۔“ نمل نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔
”میرے بابا نے اسے دیکھا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ بہت اچھی ہے تو بس پھر دیکھنے کی کیا ضرورت رہ گئی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے سادگی سے کہا۔

نمل کو اس کا جواب کافی پسند آیا، بلکہ مجموعی طور پر وہ شخص ہی نمل کو بہت اچھا لگا تھا، یہاں آنے سے پہلے جو شک و شبہات اس کے دل میں تھے وہ بہت حد تک کم ہو گئے تھے، ختم اس لیے نہیں ہوئے کہ جب تک لڑکی بیاہ کر اپنے گھر میں نہ ہی خوشی رہنے نہ لگے، گھر والوں کے اہتمام ختم نہیں ہوتے۔
”لیکن رو میلہ کے پاس تو ایسا کوئی دلاسا نہیں ہے اس کے گھر والوں نے بھی آپ کو نہیں دیکھا ہے۔“
آپ کے پاس آپ کی کوئی تصویر نہیں ہے کیا؟ آخر اتنا تو اس بے چاری کا حق بنتا ہے نا۔

”یہ سوال مجھ سے جعفر بھائی نے بھی پوچھا تھا“ آپ یقین نہیں کریں گی، میرے پاس واقعی اپنی کوئی تصویر نہیں ہے، تصویر کھینچوانے کا شوق ہی نہیں ہے، نہ ہی ضرورت پڑی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے پہلے جعفر بھائی کو دیکھا، پھر نمل کو دیکھتے ہوئے تفصیل سے بولا۔

نمل صرف دل مسوس کر رہ گئی اسے افسوس ہو رہا تھا، یہ خیال اسے پہلے کیوں نہیں آیا، اس کے پاس کمرے والا موبائل تھا، لیکن یہاں اس کی سمی نہیں چل رہی تھی اس لیے اس نے موبائل ساتھ بھی نہیں رکھا۔

پھر بھی اس سرسبز ہار نہیں مانی اور یہی آس ہے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
 "تصور ہے کہ ہونا ایسا کون سا مشکل ہے آپ میرا ای میل ایڈریس لے لیں، آپ صرف کوئی ایک تصویر مجھے
 میل کر دیجیے گا، میں وہ میلہ کو دکھا دوں گی۔"

"میرے پاس تصویر کتنی اونٹنی بہت مشکل ہے میں وعدہ نہیں کر رہا البتہ کوشش کر لوں گا۔"
 ویسے بھی اب شادی میں دن ہی دن گزرتے ہیں ایک مہینے سے بھی کم وقت رہ گیا اب اگر وہ مجھ کو بھی لے گی تو کیا
 فیصلہ کر پائے گی؟ وہ ایسا کچھ غلط نہیں کہ رہا اسی لیے آخری جملہ قدرے شوخی سے بولا۔
 "کیا پتا ہے کہ کراسے ماوی ہو اب جتنے بچے ہیں اسے خوش نہیں میں جتنا اور خوش رہنے دیں۔ اس کی
 بات پر عمل نہ کرنا تھا ساتھ جعفر بھائی بھی مگر اس کے اتنا ٹالنے کے باوجود عمل ٹی نہیں اور ایک بار
 پھر اسی کی طسرتی کی آڑ میں بولی۔

"کیا پتا ہے کہ کراسے عجلت میں جتنا ہو جو آپ کی تصویر دیکھ کر دور ہو جائے میں اپنا ای میل
 ایڈریس لکھ رہا ہوں آپ پلیز اپنی طرف ایک تصویر بھیج دیں، مجھے یہ پاسپورٹ سائز بھیج دیں۔
 میرے پاس اس کا نام ہوتا تو میں اسے ساتھ ہی لے جاتی مگر میرا دوبارہ اتنا بہت ہی مشکل ہے اور شاید آپ بھی نہ
 آسکیں اس لیے پلیز پلیز آپ مجھے حیل کر دیجیے گا۔
 عمل نے اچھے انداز میں کہتے ہوئے نکل پر رکھے چین ہولڈر میں سے ایک چین نکالا اور چھوٹے چھوٹے
 پتھر پر مشتمل ایک اسٹینڈ میں سے ایک پتھر کی چٹ نکالی اور اپنا ای میل ایڈریس لکھنے لگی۔
 جعفر بھائی اس کا کلام اس دوران عمل طور پر خاموش رہے، عمل نے لکھنے کے بعد کاغذ اس کی طرف بڑھاتے
 ہوئے کہا۔

"یہ آپ کا کوئی سال کی بلی خواہش ہے پلیز اسے رد مت کیجیے گا۔" وہ کچھ دیر تو عمل کو دکھاتا رہا پھر کاغذ لے
 کر سکرانے لگے اس نے اس کے کمرہ دیا۔

اس کے غریب ویر بعد ہی عمل اور جعفر بھائی جانے کے لیے اٹھ گئے۔
 وہ پہلے ہی اس کاٹی اور اس نے کسی پیش کر دیا تھا اس لیے اس نے بھی مزید بیٹھنے کو نہیں کہا۔
 البتہ گاڑی کی بیٹھنے ہی جعفر بھائی نے جس طرح مسکرا کر خوش دلی سے پوچھا۔
 "اور پھر کب کا کلام؟" اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی طرف سے کسی مشورے کا جواب کے یقین میں

نہیں کہ وہ عمل کا کافی پسند آیا تھا، لیکن فوری طور پر اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے سوال کے
 جواب میں اس کا ایک سوال پوچھ بیٹھی۔

"جعفر بھائی یا کسی طرح یہ پتا کیا جاسکتا ہے کہ کلام بھائی کے عمل میں کون کون ہے میرا مطلب ہے یہ
 جانتا بھی تو یہ سب سے پوری ہے کہ ان کی سوشل لائف کیسی ہے؟" جعفر بھائی ایک دم خاموش ہو گئے۔
 وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ عمل اپنے ہاں آنے پر چچا کو لے گا اظہار کرے گی اور کہے گی آپ نے ابراہم بھائی کو
 بالکل صحیح مشورہ دیا تھا میں نے بلا وجہ آپ کو اپنی بیوی کو پریشان کیا وغیرہ مگر ہاں تو اس کے سوال سے
 ظاہر ہو رہا تھا کہ اسی تک اس کے ذہن میں عمل کی رائی ہے۔

اسی لیے وہ سب سے بڑھ کر بولے۔
 "آپ سب کو سب کیسے پتا چل سکتا ہے عمل اور پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کی سوشل لائف کیسی ہے؟
 یہاں اس آواز کی فضاؤں میں ایسی بہت ساری باتوں کو اپنا پڑتا ہے جنہیں پاکستان میں بہت محبوب سمجھا

جاتا ہے۔

لیکن یہ باتیں پاکستان سے چند دلوں کے لیے کتے والے نہیں سمجھتے یہ صرف یہاں رہ کر سمجھ میں آتی ہیں
 عمل کو ان کی منطق بڑی ناگوار گزری تھی مگر وہ اس کا اتنا خیال نہ رکھ رہے تھے کہ وہ انہیں کوئی سخت بات نہیں کہنا
 چاہتی تھی تب ہی رسائی سے بولی۔

"کون یہاں کیسے رہتا ہے اور یہاں کیا کیا کرنا پڑتا ہے؟" یہ سب سب سے پہلے ہی نہیں۔
 مجھے صرف اپنی کزن کی فکر ہے یہ اس کی زندگی کا سوال ہے اگر خدا ناخواستہ کلام یہاں شادی شدہ نکلا یا بغیر
 شادی کے ہی اس کی کوئی کرل فریڈ ہوگی اور اگر وہ عمل کے کچل کے مطابق اس کے ساتھ رہتا ہو تو؟
 عمل کا لہجہ آخری جملے تک مگر وہ ابھی تو جعفر بھائی بھی ٹھنڈے زبانتے ہوئے کہنے لگے۔
 "وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ سب کیسے پتا کیا جاسکتا ہے اس کے آگے میں میرا کوئی جاننے والا نہیں جس کے
 ذریعے میں یہ ساری افکار روشن ہو سکیں۔"

ایسی ہی کسی سے پوچھنے کے لئے ہواؤں کا تودہ کچھ بتائے گا نہیں بلکہ کسی کو کچھ پتا بھی نہیں ہو گا جوتا سکے۔
 دیکھنے اور بات کرنے میں وہ ایک سلکھا ہوا پر مٹا کھانا انسان لگ رہا ہے، آگے لڑکی کا اپنا تعیب بھی ہوتا ہے۔
 پاکستان میں اس طرح کیسے بلکہ لومینج میں بھی دھوکے ہو جاتے ہیں۔

یہاں تو سب کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اتنی بڑی فرم میں اتنی بڑی پوسٹ پر ہے یقیناً "ذہن اور
 حسیں بھی ہو گا۔"

یہ کوئی پاکستان نہیں ہے جہاں سفارش سے سب کچھ مل جائے یہاں جان مارنی پڑتی ہے اتنا کچھ اچھو کرنے
 میں؟ عمل کو ان کا ہر بات میں پاکستان سے موازنہ کرنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مگر صبر کے گھونٹ پی کر وہ

لیکن اسے خاموش دیکھ کر وہ خود ہی تھوڑی دیر بعد قدرے ستر لہجے میں پوچھنے لگے۔
 "کیا تم اب بھی مطمئن نہیں ہوئی ہو اس رشتے سے؟" ان کے سوال پر وہ خود سوچ میں پڑ گئی۔
 کلام بلا شک و شبہ اسے پسند آیا تھا، لیکن کہیں کوئی چیز بھی جو اسے ٹھنک رہی تھی لیکن وہ کیا چیز تھی یہ اس
 کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"گویا تم ابراہم سے یہ کہنے والی ہو کہ یہ شادی روک دی جائے۔" جعفر بھائی نے اس کی خاموشی کا مطلب اخذ
 کرتے ہوئے کہا تو عمل چونک گئی۔
 "یہ میں نے کب کہا؟"

"I am not stupid i can understand it۔" جعفر بھائی اسٹیرنگ سھلاتے ہوئے
 موڑ کاٹا اب ایک بار پھر عمل کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا بولے تو وہ خود ہی کہنے لگے۔

"یہ شادی بہت جلدی میں طے پائی گئی ہے۔ فوراً ہی رشتہ طے کر کے فوراً ہی تاریخ رکھ دی وہ بھی ایک مہینے
 بعد کی۔ ورنہ میں نے تو ابراہم سے کہا تھا کہ تم ایک دفعہ خود آکر مل لو، اگر کل کلاں کچھ ہو گیا تو میں مشکل میں
 آجاؤں گا۔" Everyone will blame me لیکن ابراہم کے پاس ٹائم ہی نہیں ہے تو کہہ رہا تھا وہ مرزا
 صاحب (کلام کے والد) کو بھی زیادہ نہیں جانتا صرف کا دوباری واقفیت ہے۔

اس نے ان کے منہ سے ان کے بیٹے کی بہت تعریفیں سنی تھیں تو جب انہوں نے رشتے کی بات کی ابراہم اسی
 وقت نمر رضامند ہو گیا تھا۔

مجھے بھی اس نے بس رسمی سا فون کیا تھا بس ایک بار جا کر کلام کو دیکھ لینے کے لیے۔

میں گیا، مجھے وہ کافی چھانکا نہیں نے ابرار کو فون کر کے بتادیا اور اس نے فوراً ہی ہاں کر دی۔ اسی لیے مجھے نہیں لگا کہ اگر بشر کسی شخص کو وجہ کے تم ابرار سے انکار کرنے کو کہو گی تو وہ منع کر دے گا۔

ہاں اگر کوئی خامی تم نے ایسی دیکھی ہو تو ضرور ابرار غور کرنا۔ مگر۔
I hope you understand what i mean جعفر بھائی کہتے چلے گئے۔

نمل بڑے دھیان سے انہیں سنتی رہی، پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولی۔
”گلفام بھائی! واٹا اچھے ہیں میرا ہاں جا کر انکار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ نمل نے واضح طور پر جعفر بھائی کے چہرے پر اطمینان اترتے دیکھا تھا۔

واقعی ابرار بھائی۔ ان پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی تھی اب اگر نمل واپس جا کر گلفام کے بارے میں کوئی منفی بات کہتی تو ازام تو سارا جعفر بھائی پر ہی آتا تھا کہ شادی میں اتنا کم وقت رہ گیا اور ابرار بھائی کو انکار کرنا پڑا۔

اور پھر واقعی اس کیس کوئی ٹھوس وجہ تو نہیں تھی وہ بھی رو میلہ کی طرح بس دل میں مان رہا۔ تو نہیں کہہ سکتی تھی خاص طور پر رو میلہ کے سامنے جو صرف اس کی رائے کی منتظر تھی۔

چنانچہ اس نے ابھی سے اپنا ذہن تیار کرنا شروع کر دیا کہ جو بھی ہو رہا ہے صحیح ہو رہا ہے، تاکہ رو میلہ کے سامنے وہ بالکل مطمئن چہرے کے ساتھ جاسکے۔

اور یہ سب کرنے میں اسے زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑی، ہو نل واپس آکر شام تک ہی وہ کافی پرسکون ہو گئی تھی، ہنگ رو میلہ کو چھیننے کے طریقے بھی سوچ لیے تھے۔

جعفر بھائی کہہ گئے تھے کہ وہی ایسے ایئر پورٹ چھوڑ دیں گے۔ لہذا وہ اس طرف سے بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ جعفر بھائی نے واقعی اس کی بہت مدد کی تھی، ورنہ یہاں آتے ہی فوری طور پر تو وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔

راست میں ایئر پورٹ پر ان سے انوار بولے ہوئے اس نے بڑے دل سے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔
”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کن الفاظ میں آپ کو بتاؤں میں یہاں اگر کتنی پریشان ہو گئی تھی۔“

بھابھی سے بھی میں نے ابھی کچھ کہا شاید وہ سب اسی پریشانی میں کہہ دیا تھا۔
میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ جو انہوں نے کہا تھا وہ ٹھیک تھا، مگر مجھے ایسے ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے تھا، اب میری طرف سے ان سے شرمندگی کا اظہار کر دیجیے گا میں انہیں فون کر کے پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ نمل نے

مشکور لہجے پر وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتے رہے، پھر بڑے عجیب سے انداز میں بولے۔
”پاکستان ذرا آؤ، ہنسی طر پر تیار ہو کر جانا ہو سکتا ہے۔ تمہیں وہاں لوگوں کا شہرہ چلنے کو ملے۔“

”کیا مطلب؟“ نمل نے بھی نہیں تو وہ گھبرا کر ہلاکے ہوئے ایسے ادھر ادھر دیکھنے لگے جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو جو کتنا ہے وہ کن الفاظ میں کہیں۔

”آپ۔ ابرار کا فون آیا تھا۔ وہ بہت زیادہ غصے میں تھا۔“ وہ کچھ جھجکتے کتے رک گئے، نمل یک ٹک سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

”شرین نے ابرار کو فون کیا تھا اور تمہارے لیے بہت سخت الفاظ استعمال کیے تھے۔ تو obviously ابرار بہت زیادہ بھڑک اٹھا۔“

مجھے بھی اس نے فخر کا کافی کچھ سنا دیا۔
”کیا کہا آپ کو؟“ نمل کو ایک ٹک سنا دیا۔ شرین کی زبان کتنی خراب تھی وہ دیکھ ہی چکی تھی، پتا نہیں اس نے ابرار بھائی سے کیا بات کہہ دیا ہو گا۔

نمل نے ابرار بھائی سے کیا بات کہہ دیا ہو گا۔

”وہ چھوڑ دو، لیکن اسے تمہارے یہاں محض گلفام سے ملنے کے لیے برخت غصہ ہے۔“ وہ ہلوتنی کرتے ہوئے بولے تو نمل اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہنے لگی۔

”کیا کہا انہوں نے آپ کو۔“
”اتنا کچھ غلط نہیں کہا، اس نے غلطی تو میری ہی کی ہے کہ میں نے سوچا جیسے میری سوچ صاف ہے ایسے دوسروں کی بھی ہوگی۔“

اس نے وہی پوچھا تھا کہ میں تمہیں اپنے کمرے میں لے کر گیا، جب میں گھر پر آ گیا تھا۔“ نمل ششدر سی انہیں دیکھنے لگی۔

کیسی ٹکٹ تھی اس ایک سوال میں۔ جب یہ سوال اس کے سامنے دہرایا جائے گا تو وہ کیسے بڑا مت کرے گی۔
”ہم فلائٹ میں بیٹھ چکی تھیں اب میں ابرار کو کیا بتاؤں کہ میری بیوی کی ٹائٹ ویل ہے اور اتنی رات گئے نہیں

ایئر پورٹ سے پک کر کہیں گے، نمل نے جھوڑ آنا۔
اگر شرین نے یہ سب نہ کہا ہوتا اور تم خود جانے کی خواہش ظاہر نہ کرتیں تو میں اب بھی تمہیں ہوٹل نہ بھیجتا۔“

جعفر بھائی وضاحت دینے والے انداز میں بولے وہ تو جیسے سکتے کے عالم میں کھڑی تھی کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں تھی۔

”تمہاری فلائٹ کا انوائس منٹ ہونے والا ہے، تمہیں اب جانا چاہیے۔“ جعفر بھائی نے اسے چونکاتے ہوئے کہا تو وہ انہیں اللہ حافظ کے بغیر مشینی انداز میں جانے کے لیے مڑ گئی۔

اسے لگ رہا تھا اس کے قدم اس کا ساتھ نہیں دے رہے، کتنا بڑا الزام تھا جو اس پر لگ گیا تھا۔
ابرار بھائی کس قدر غصے میں ہوں گے اس کا اسے بخوبی اندازہ تھا، مگر اس کا فون کام کر رہا ہوتا تو وہ اسے لتاؤ کر رکھ دیتے۔

اسی لیے انہوں نے اپنی بھڑاس جعفر بھائی پر نکالی تھی، لیکن اسے یقین تھا انہوں نے صرف اتنے پر ہی بس نہیں کیا ہو گا، بلکہ عظمت، قلیل کو بھی فون کر کا دیا ہو گا۔ جس کے بعد عظمت خلیل نے ہمیشہ کی طرح اپنے اندر کی ساری کھولن رشیدہ پرالشیہی ہو گئی۔

رشیدہ کا خیال آتے ہی وہ ایسے چیز قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگی جیسے اس کے تیز چلنے سے جواز بھی اسے چیز سے اس کی ہاں کے پاس پہنچا دے گا۔

اور پھر سارے راستے اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے رہے وہ اچھی خاصی تنگی ہوئی تھی، پھر بھی اتنے لیے سفر میں دھڑا سی دیر کے لیے بھی نہیں سو سکی اس کی زبان پر بس ایک ہی دعا تھی۔

”اللہ تعالیٰ اے میرا ابو امی کو کچھ نہ کہیں اے میرے پروردگار! میری ہاں کو میری وجہ سے کچھ سہانہ پڑے۔“
بس کچھ ایسا کر دے کہ وہ کسی اور طرف متوجہ ہو جائیں اور میری ہاں ان کے غیاب کا نشانہ بننے سے بچ جائے۔

یہ دعا مانگتے مانگتے اس کی پلکیں تنک بھیک گئی تھیں۔ مگر زبان خشک نہیں ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

دستِ کونکر

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوئی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زویہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

روسیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے، اور انہیں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے میڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

۱۲

ستہوین قنبر



خرم بڑی شدت سے اپنے والدین کے واپس آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ مسز فرقان کو نمل ضرور پسند آجائے گی ایک تو اس لیے کہ اس نے ان کے سامنے اپنی بے تحاشا پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا اور وہ بیٹے کی کسی خواہش کو رد نہیں کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ نمل واقعی ایسی ہی تھی کہ اسے دیکھتے ہی پسند کر لیا جائے اس کے صرف نین نقش خوب صورت نہیں تھے بلکہ اس کے چہرے میں بلا کی کشش تھی کہ دیکھنے والا خود کو اس کی جانب کھینچا ہوا محسوس کرے۔

اس لیے اپنے والدین کی طرف سے تو وہ کافی حد تک بے فکر تھا۔ البتہ اسے نمل کے گھر والوں کا جواب جاننے کی جلدی تھی اور اس سے بھی زیادہ خود نمل کا رد عمل کے متعلق سوچ سوچ کر وہ تجسس ہو رہا تھا۔ پتا نہیں رو میلہ نے کن الفاظ میں خرم کی بات اس تک پہنچائی ہوگی وہ سب سن کر اگر نمل نے یقین نہیں بھی کیا ہو گا تو بھی اب اس کے والدین کو اپنے گھر پر دیکھ کر وہ اس کی باتوں پر ایمان ضرور لے آئی ہوگی۔

اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ خود بھی ساتھ چلا جائے اور نمل کے تاثرات خود اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مگر ایک تو فرقان حسن اور مسز فرقان نے اسے چلنے کے لیے کہا ہی نہیں اور اس سے پہلے کہ وہ خود ہی ڈھیٹ بن کر کتا مسز فرقان نے اپنے بولنے کی عادت کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے خود ہی اس پر باور کرا دیا کہ اس کا کافی الحال جانا مناسب نہیں انہوں نے کہا تھا کہ۔

”میں تو اتنی بے چین ہو رہی ہوں کہ دل چاہ رہا ہے انگوٹھی بھی ساتھ ہی لے جاؤں اور نووی پستانا بھی دوں کیونکہ خرم کا تو اس وقت جانا کسی بھی طرح سے ٹھیک نہیں ٹھیک تو ہم ابھی لڑکی دیکھنے جا رہے ہیں اور تمہارے ڈیڑھے نے انہیں کھل کر بتایا بھی نہیں کہ ہم کس مقصد سے آرہے ہیں۔“

نمل کو تو بے شک تمہارے گھر سے کتنا بھی گھر میں ذکر نہ کرے ہو سکتا ہے ہمارے ارادے کا چچ چلنے پر وہ غیر ضروری تواضع اور تکلفات میں پڑ جائے۔ بلکہ عین ممکن ہے وہ ہمیں پھر کسی دن کے لیے ٹال دیں جبکہ مجھے تو آج اور ابھی جانا ہے ان کے جوش و خروش کو ظاہر کرتی ایسی تقریر سن کر خرم نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

لیکن جیسے ہی وہ لوگ گھر میں داخل ہوئے خرم صبر نہ کر سکا اور عین ان کے سر پر پہنچ گیا۔ ”پھر کچھ بات بنی ڈیڈ۔“ خرم کی اتنی بے قراری پر وہ دونوں ہی معنی خیز انداز میں مسکراتے لگے۔ ”بتائیں نا۔“ خرم جڑ گیا تھا ان کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھتے ہوئے۔

”بھئی کیا بتائیں اپنی بات ان کے آگے رکھ کر آگے ہیں اب کچھ دن تو لگیں گے نا انہیں سوچنے میں۔“ بیٹی اتنی بھاری تو کسی پر بھی نہیں ہوتی کہ سنتے ہی ہاں کر دیں اور اگر زیادہ غور و فکر کرنے والے لوگ ہوئے تو مہینہ بھی لگ سکتا ہے فرقان حسن نے ایک جان دار قہقہہ لگانے کے بعد کہا تو خرم صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

وہ دونوں جس قدر خوش نظر آ رہے تھے اس سے اتنا تو ظاہر تھا کہ وہاں جا کر انہیں مایوسی نہیں ہوئی پھر بھی خرم نے ان کے چھٹرنے کی پروا کیے بغیر دو ٹوک پوچھ لیا۔ ”اور نمل کیسی لگی آپ دونوں کو۔“ اب کی بار وہ دونوں جواب دینے کی بجائے اسے گھورنے کے انداز میں دیکھنے لگے۔

”کیا ہوا؟“ خرم کچھ ٹھنک سا گیا۔ ”فرض کرو اگر ہم کہہ دیں کہ بالکل اچھی نہیں لگی تو کیا تم اسے چھوڑ دو گے۔“ مسز فرقان نے تھوڑا ڈپٹنے والے انداز میں کہا۔

”جی۔“ خرم کی سمجھ میں نہ آیا کیا جواب دے اسے پریشان دیکھ کر مسز فرقان کھکھلا کر ہنس دیں اور کہنے لگیں۔

”اتنا ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں تمہاری پسند یقیناً اچھی ہی ہوگی لیکن افسوس کی بات ہے کہ نمل سے ملاقات نہیں ہو سکی وہ گھر پر ہی نہیں تھی۔“

”آں۔ وہ۔“ بھی خرم سوچ ہی رہا تھا کیا جواب دے کہ فرقان حسن بول پڑے۔ ”بتایا بھی ہوتا تو بھی نمل شاید نہ رکتی اس کے گھر کا ماحول کافی پوزیٹو ہے۔“

مجھے تو جیسے ہی عظمت خلیل کی ذہنیت کا اندازہ ہوا میں نے فوراً اس رشتے کو تمہاری ایک طرف پسند ظاہر کر دیا۔ یہ کہہ کر فرقان حسن نے نمل کے گھر پر ہوئی تمام گفتگو کا احوال خرم کو سنایا اور آخر میں کہنے لگے۔ ”نمل نے تمہارا کوئی ذکر نہیں کیا ہے گھر میں اور مجھے لگتا ہے عظمت خلیل اس معاملے میں اس کی رائے کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دیں گے حالانکہ انہوں نے کہا تو ہے کہ سب سے مشورہ کروں گا۔“

مگر جو تاثرات میں نے ان کے چہرے پر دیکھے ہیں اس سے لگتا نہیں کہ ایسا ہو گا۔ فرقان حسن کا مشاہدہ کافی اچھا تھا اور کیوں نہ ہو اتنا بڑا بڑا پس چلا رہے تھے طرح طرح کے لوگوں سے ملتے تھے۔ خرم ان کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا تو وہ اسے سنجیدہ دیکھ کر ماحول خوش گوار بناتے ہوئے کہنے لگے۔

”نمل کو متاثر کر دینا کافی نہیں ہے۔“ عظمت خلیل کا دل تمہیں الگ جیتنا ہو گا گھر میں اپنا جلیبہ ہر وقت اچھا رکھا رکھو ہو سکتا ہے وہ بھی ہماری طرح بغیر بتائے چھاپہ مار دیں۔“ ان کے شوخ انداز پر خرم خود کو مطمئن ظاہر کرنے کے لیے زبردستی مسکرا دیا۔

اصل میں وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ عظمت خلیل کا نمل کی رائے لینا اس کے حق میں بہتر ہے یا نہ لینا۔ عظمت خلیل کا فوری گھر پر اس رشتے کے بارے میں کچھ بھی سوچنے کا ارادہ نہیں تھا۔ ایک طرح سے ان کے پاس اتنا فال تو وقت نہیں تھا کہ نمل کے لیے آئے رشتوں پر غور و غوص کرتے اور پھر ان کے پیچھے معلومات کراتے پھرتے۔

انہیں ہزار کام تھے جو ان کی نظر میں نمل کی شادی سے زیادہ اہم تھے۔ نمل کی شادی کا کیا تھا تو کبھی بھی ہو سکتی تھی۔ البتہ رشیدہ کو کافی تجسس تھا کہ عظمت خلیل نے اس رشتے کے متعلق کیا سوچا ہے۔ حالانکہ انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ عظمت خلیل نے فی الحال اس پروپوزل پر غور بھی نہیں کیا ہو گا۔ مگر پھر بھی انہیں بے چینی سی ہو رہی تھی۔

ایک تو ماں ہونے کی حیثیت سے بیٹی کے لیے پھیلایا گیا ہر دست سوال ان کے لیے اہم تھا دوسرے یہ کہ انہوں نے نمل کے منہ سے خرم کا ذکر سنا تھا۔

حالانکہ نمل نے ہمیشہ اس کی برائی میں بات کی تھی۔ مگر رشیدہ کے دل میں خرم کے لیے کوئی میل نہیں تھا۔ وہ تو نمل کے غصے کو بھی اس کا جذباتی پن کہتی تھیں۔ (وہ خرم کی بہت ساری باتوں سے واقف نہیں تھیں جیسے کہ دوستوں کے ساتھ نمل سے فلرٹ کرنے کی شرط لگانا یا نمل کو چھٹرنے کے لیے غنڈے وغیرہ بھیجنا کم از کم نمل تو یہ ہی سمجھتی تھی کہ سب خرم نے کیا ہے مگر اس نے رشیدہ کے پریشان ہونے کے خیال سے انہیں ان باتوں کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ ورنہ ان سے ہر بات ڈسکس کرنا اس کی عادت تھی)۔

مگر ہزار بے چینی کے باوجود وہ عظمت خلیل سے کچھ پوچھ نہ سکیں۔ ایک تو ویسے ہی ان سے بات کرنا رشیدہ

کے لیے سواں روح تھا اور اب تو جب سے نمل کینڈا گئی تھی وہ ہر وقت ہری مرجلیں چارے ہوتے تھے یہ تو شکر تھا کہ وہ اتنے مصروف رہتے تھے کہ انہیں کھل کر غصہ کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا تھا۔ مگر وہ جتنی دیر بھی گھر میں رہتے رشیدہ کی جان عذاب کیے رہتے ان کی کوشش ہوتی وہ ان کے سامنے کم سے کم جائیں مگر وہ ان کی ذات سے لاپرواہ بھی نہیں ہو سکتی تھیں اپنی خدمت گزار فطرت کے باعث ملازموں کی موجودگی میں بھی ان کی کوشش ہوتی کہ ان کا کام خود کریں۔

نمل ان کی اس عادت پر چڑتی بھی تھی مگر ان میں فرق نہیں آتا تھا اس وقت بھی وہ عظمت خلیل کی چائے ان کے سامنے رکھ رہی تھیں جب ان کا موبائل بج اٹھا۔
 ”اتنی صبح صبح ابرار کا فون۔“ عظمت خلیل نے بریدانے والے انداز میں کہا تو رشیدہ بھی چونکی ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

ان کا دل تو ویسے ہی ہر وقت خوف زدہ رہتا تھا اب بھی کسی انہونی کا سوچ کر وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئیں جو فون ریسو کر کے کہہ رہے تھے۔

”ہیلو۔ ہاں۔۔۔ وعلیکم السلام۔ ہاں گھر پر ہوں ابھی آپس کے لیے نکل رہا تھا آخر کیا بات ہے۔“ وہ ایسے لطف مار انداز میں جواب دے رہے تھے جیسے دوسری طرف ابرار بڑی تیزی سے ان سے ایک کے بعد ایک سوال کر رہا ہو۔

”ماموں بات جو ہے وہ اتنی شرمناک ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے بتاؤں۔“ ابرار نے سلام بھی اتنے غصے بھرے انداز میں کیا تھا کہ عظمت خلیل ٹھک گئے تھے اب اس کے منہ سے ایسی بات سن کر تو وہ فوراً از حد گھبر لے جے میں پوچھنے لگے۔

”کیا بات ہے ابرار اب کیا کر رہا ہے نمل نے۔“ رشیدہ کی سانس رک گئی تھی ان کے جملے اور جملے کی طرز ادائیگی پر۔

”ماموں نمل وہاں صرف اور صرف کلفام سے ملنے اور اسے دیکھنے گئی ہے۔“ ابرار نے ایسے بتایا جیسے یہ سن کر عظمت خلیل چونک اٹھیں گے۔

مگر عظمت خلیل نے کسی قسم کے رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا وہ تو ابرار کا تنفس دیکھتے ہوئے اس کی پوری بات سننے کے منتظر تھے جو اصل بات سے ہٹ کر نمل کی تعریف میں رطب اللسان ہو گیا تھا۔

”آخر وہ اتنی بڑی کب سے ہو گئی کہ بڑوں کے فیصلوں کو دیکھنے اور پرکھنے نکل پڑی کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہے نمل یہ سب کر کے آخر میں نے یہ فیصلہ کچھ سوچ کر ہی کیا ہو گا ورنہ میری بہن ہے کوئی سڑک سے اٹھائی ہوئی لہلاک نہیں۔“

لیکن نمل نے آپ سے ذکر تک کیے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھالیا کیا سمجھتی ہے وہ خود کو۔“
 ”مجھے تو بتا ہے۔“ عظمت خلیل کو اس کی بات کاٹ کر بولنا پڑا۔

وہ بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ کوئی انہیں نیچا دکھائے، بھلے ہی نمل کے جانے کی وجہ انہیں بھی اس کے جانے کے بعد پتا چلی تھی اور انہیں بھی سخت بے عزتی کا احساس ہوا تھا مگر یہ بات دوسروں کو کیوں پتا چلے کہ ان کی اولاد ان کی اجازت کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے اس طرح تو ان کی اور سبکی ہو جائے گی۔

اب یہ کہہ کر انہوں نے اپنا بھرم تو رکھ لیا تھا۔ مگر ابرار کا دماغ بالکل ہی گھوم گیا وہ تو چلا پڑا۔
 ”کیا؟ آپ کو پتا تھا؟“

تو یعنی وہ آپ کی اجازت سے وہاں گئی ہے، مجھے یقین نہیں آ رہا ماموں، آپ اتنے بے غیرت کیسے ہو گئے۔“
 ”زبان سنبھال کر بات کرو ابرار۔“ عظمت خلیل جلال میں آتے ہوئے بولے، مگر ابرار پر اثر نہ ہوا وہ ان سے

بھی زیادہ طیش میں آتے ہوئے بولا۔

”میں زبان سنبھال کر بات کرتا ہوں؟ میں۔۔۔ ارے ماموں آپ کو نمل کو سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہے میرے دوست کی بیوی نے فون کر کے نمل کے بارے میں جو بتایا ہے نا اسے سن کر تو دل چاہ رہا ہے اسے گولی مار دوں۔“

”آخر ایسا کیا ہو گیا؟“ عظمت خلیل کا سرخ ہوتا چہرہ رشیدہ کے ہاتھ پاؤں پھولا رہا تھا۔
 ”ارے رہنے دیں ماموں آپ تو اتنے آزاد خیال ہو گئے ہیں کہ شاید نمل کی اس حرکت کا سن کر بھی آپ کہہ دیں گے مجھے پتا ہے۔“

”ابراہیم نے بات کرو اور صاف صاف کہہ کیا کیا ہے نمل نے۔“ عظمت خلیل جج کر بولے۔
 ”نمل وہاں جا کر میرے دوست کے ساتھ انی بے تکلف ہو گئی ہے کہ اس کی بیوی گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔“

وہ فون پر اتنا دور ہی تھی کہ میں تو آپ لوگوں کو خاندانی سمجھتی تھی عزت دار اور شریف گھرانوں کا سمجھتی تھی اور آپ کی لڑن نے آتے ہی میرے شوہر کو اپنی اداؤں کے جال میں پھنسا لیا ہے کہ وہ اس کے پیچھے بھی اس کی حمایت میں بول رہے ہوتے ہیں۔

جعفر کو تو میں نے فون کر کے خبر ہی سنائی ہے، میں اسے کیا سمجھتا تھا اور وہ کیا نکلا۔ لیکن۔ لیکن نمل کو قابو میں رکھنے کی سخت ضرورت ہے، عظمت خلیل بے یقینی سے ابرار کی بات سن گئے۔

یہ بات سنیں تھی کہ انہیں اپنی بیوی پر برطان تھا یا بھروسہ تھا، لیکن انہیں لوگوں کی پہچان کافی تھی اسی لیے نمل سے کئی نظریاتی اختلاف ہونے کے باوجود انہیں اتنا ضرور یقین تھا کہ وہ کافی اصولی قسم کی لڑکی ہے اور اس قسم کے خرافات میں نہیں پڑتی۔

خرم اس کے ساتھ پڑھتا تھا، ہر بھی انہوں نے فوراً یقین کر لیا تھا کہ یہ خرم کا ایک طرفہ فیصلہ ہے کیونکہ اپنی تربیت پر بھروسہ نہ سہی (جو کام کہیں نہیں اس پر بھروسہ کیا کرے) اپنے لیے پر انہیں برادمان تھا اور نمل اور اس کی ماں کے لیے لن کی جتنی رائے یہ تھی کہ چاہے انہیں مادہ پھنکا دیا ہو یا گھر کو یہ خاندانی اقدار کی پاس دار ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتیں جو انہیں ان کی نظروں میں گرا دے۔

ایسے میں نمل کے لیے یہ کہنا کہ اس نے ایک شادی شدہ مرد اور ایک بچے کے باپ کو اداؤں کے جال میں پھانس لیا ناقابل یقین تھا۔

”تمہارے دوست کی بیوی کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہوگی۔“
 ”ماموں بس کرس جو میں نے سنا ہے نا اسے سننے کے لیے پھر جیسا کالج چاہیے۔“

میرے دوست کی بیوی ڈاکٹر ہے اس کا دماغ خراب نہیں ہے جو بلا وجہ ایسی باتیں کہے کچھ نہ کھا ہے۔ اس نے تب ہی ایسا کہہ رہی ہے۔“

”ابراہیم میرے ضبط کو مت آزما، اتنی بکواس کرنے کی بجائے صاف صاف بتاؤ ہوا کیا ہے۔“ عظمت خلیل بری طرح تپ کر بولے تو دوسری طرف ابرار بھی بھٹائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”نمل جب جعفر کے ساتھ ایئر پورٹ سے گھر گئی ہے تو اس کی فیملی گھر پر موجود نہیں تھی پوری رات دونوں گھر میں اکیلے رہے ہیں۔“

عظمت خلیل کو لگا کوئی ہم ان کے سر پر پھنسا ہوا اتنا زوردار دھماکا تھا کہ وہ سر سے پیر تک مل گئے تھے۔
 ”اب آپ خود بتائیں یہ سب بھلا کون سی عورت برداشت کرے گی۔ اگلے دن جب وہ اپنی ڈیوٹی سے واپس آئی تو اس نے جعفر اور نمل کی اتنی بے تکلفی اور دوستانہ انداز نہ کھا کہ وہ بھڑک اٹھی۔“

ایسے میں بجائے اس کے کہ نمل کچھ شرمندہ ہوتی اس سے معافی مانگتی وہ اسے ہی باتیں سناتے لگی۔

وہ بے چاری روتی ہوئی گھر چھوڑ کر چلی گئی، مگر جعفر کے سر پر نمل کا جاو اٹا چڑھا ہوا تھا کہ اس نے بیوی کو روکا تک نہیں، عظمت خلیل کے کان ایسے جھنجھارے تھے کہ کان پر ہی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

مگر ابرار ان کی حالت کا اندازہ لگائے بغیر نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا۔

رشیدہ تو دم بخود کھڑی عظمت خلیل کو دیکھ رہی تھیں جن کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ وہ یہ تو سمجھ گئی تھیں کہ ابرار نمل کے متعلق کچھ کہہ رہا ہے، کچھ ایسا جو بہت برا اور غلط ہے، لیکن جو ابرار کہہ رہا تھا وہ رشیدہ کے گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی۔

”جب سے میں نے یہ سب سنا ہے میرا دل چاہ رہا ہے خود کشی کر لوں، آخر نمل ہم سب کی عزت ہے۔“

ماموں آپ نے ایک جوان بیٹی کو اتنی بدترن تنہا کیا سوچ کر بھیجا تھا۔ یہ دیکھنے کہ گلفام رومیلا کے قابل ہے یا نہیں۔

اب آپ خود سوچیں کیا نمل کسی کے قابل رہی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ ان دونوں کے بیچ کچھ نہیں ہوا تو نمل کا رویہ اس سوچ میں حائل ہو رہا ہے۔

جعفر کی بیوی نے جب اتنا برا التزام اس پر لگایا تو اس میں سچائی تھی یا نہیں نمل کو خود داری کا تقاضا پورا کرتے ہوئے فوراً واپس آ جانا چاہیے تھا۔

مگر وہ بے شرم اور بے حیا تو ابھی تک وہیں رہ رہی ہے، جعفر کی بیوی گھر چھوڑ کر چلی گئی، مگر وہ جعفر کو چھوڑ کر نہیں آ رہی۔ ابرار ایک سا چہرے جا رہا تھا۔

وہ تو نمل کا فون نہیں ملا تھا ورنہ اس سے بھی زیادہ گھرے ہوئے الفاظ میں وہ نمل پر اپنی بھڑاس نکالتا۔

اس نے جعفر سے بھی ایسے ہی بات کی تھی اور اسے کچھ بولنے نہیں دیا تھا اور ویسے بھی جو کچھ جعفر نے کہا تھا ابرار نے اس پر کون سا یقین کیا تھا۔

جعفر نے اسے بتایا تھا اس کی بیوی کی عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ کر گھر چھوڑ دینے کی۔ اس کی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے اس نے اپنے بچے کو بوڑنگ بھیج دیا تھا۔ مگر ٹرین میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

ابھی بھی موڈ ٹھیک ہونے پر وہ خود ہی لوٹ آئے کی اسے سہمان داری وغیرہ سے سخت چڑ ہے۔ اس نے یہ سارا ڈرامہ اس لیے کیا ہے تاکہ میں آئندہ کسی کو گھر نہ بلاؤں۔ ورنہ وہ خود بھی جانتی ہے کہ میں اس قسم کا نہیں ہوں کہ مجھ پر شک کیا جائے۔

اور نمل تو تب سے ہوٹل میں رہ رہی ہے۔ وہ بھی اس لیے کہ اسے سیٹ نہیں ملی۔ ورنہ وہ فوراً واپس آ جاتی، اب جو فلائٹ اسے ملی ہے اس میں دون لگ جائیں گے پاکستان پہنچنے میں۔

مگر ابرار نے اس کی ساری باتیں ان سنی کر دی تھیں وہ تو بس روایتی غیرت مند بھائی کی طرح بس نمل کو قتل کروانا چاہتا تھا۔

جبکہ عظمت خلیل کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چاہ رہے ہیں، اتنی بڑی بات اپنی بیٹی کے متعلق سن کر بھی انہیں بیٹی کی فکر نہیں ہوئی تھی۔

کہ جانے ابرار کا وہ دوست کیسا آدمی تھا جو ان کی بیٹی کو اپنے خالی گھر میں لے گیا اور اتنا کچھ ہونے کے باوجود اب بھی اسے واپس نہیں آئے دے رہا۔

انہیں بس یہ تشویش تھی کہ اب ابرار سے ایسا کیا کہیں کہ ان کا دامن صاف ہو جائے۔

یہ تو وہ کہہ چکے تھے کہ نمل ان کی اجازت سے گئی ہے اب اس بات سے تو مکر نہیں سکتے تھے، پھر کیا صفائی دیں کہ ان کا نمل کو بھیجنا کوئی غلط فیصلہ نہیں تھا۔

بہت سوچنے پر بھی جب ذہن کوئی اچھا بہانہ بنانے کے قابل نہیں ہوا تو انہوں نے جھنجھلا کر — کچھ کے بغیر فون بند کر دیا اور اپنی بے بسی کو شدت سے محسوس کرتے تھملا کر کھڑے ہو گئے۔

رشیدہ جو فکر مندی سے انہیں ہی دیکھ رہی تھیں ان کے انداز دیکھ کر ڈر کے مارے کچھ پوچھ ہی نہ سکیں۔ مگر وہ سامنے ہی تو موجود تھیں عظمت خلیل کی جیسے ہی ان پر نظر پڑی ان کا چڑھا ہوا بارہ ہر حد پھلا نکلا بالکل ہی ٹوٹ گیا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ رشیدہ کے منہ پر مارا تھا کہ رشیدہ وہیل چیئر پر ایک طرف کو لڑھ گئیں، اتنا زوردار ہاتھ تھا اور اتنے غصے میں اٹھا تھا کہ رشیدہ کا پورا اجڑا ہل گیا تھا۔

ایک تھپڑ مار کر عظمت خلیل کے احساس بے بسی میں ذرا سی کمی آئی تھی تو وہ خود کو تھوڑا بہتر محسوس کرنے لگے۔ ابرار کے سامنے بولنے کی جو صلاحیت سلب ہو گئی تھی۔ وہ دوبارہ بحال ہو گئی اور وہ رشیدہ پر برس پڑے اور ابرار کی کسی ایک ایک بات دہرانے لگے۔

رشیدہ ان کی بات سن کر سفید پڑ گئی تھیں وہ زوردار تھپڑ اور عظمت خلیل کا شدید ترین غصہ کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا جو کچھ انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے سنا تھا اسے سننے کے بعد ہر چیز ثانوی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

آج سے کئی سال پہلے جب وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس وہیل چیئر کی محتاج ہو گئی تھیں۔

تب انہیں لگا تھا کہ زندگی میں اس سے بڑا نقصان اور کوئی نہیں ہو سکتا اب آئندہ زندگی میں جتنے مسائل آئیں وہ سب اس ایک سانحہ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں گے۔

مگر آج اتنے سال بعد ان کی سوچ نے کوٹ لی تھی، آج جو صدمہ انہیں پہنچا تھا اس کے سامنے انہیں اپنی طویل عرصے کی ابانج کی زندگی بھی کچھ نہیں لگ رہی تھی۔

پہلی بار عظمت خلیل کے چہرے اور بگڑنے والے کان پر اثر نہیں ہو رہا تھا، بلکہ وہ سن ہی نہیں رہی تھیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی بیٹی جو ان کی کل کائنات تھی اس کا چھوٹا گھوم رہا تھا اور وہ بتائی اسے دیکھ رہی تھیں۔



وہ بتائی اسے دیکھ رہی تھی اور رومیلا اس کی کیفیت کو محسوس کر کے مسکرائے جا رہی تھی۔ آخر جب سنبل کچھ بولنے کی بجائے اسے دیکھے ہی گئی تب رومیلا کو ٹوکنا پڑا۔

”اب واپس بھی آ جاؤ، کب تک مراقبے میں رہو گی۔“

”کیا خرم نے خود تم سے یہ سب کہا تھا۔“ وہ بے یقینی سے بولی۔

”لو پوری کہانی سننے کے بعد تم پوچھ رہی ہو کہ زلیخا مرد تھی یا عورت۔“ رومیلا نے سر ہینے والے انداز میں کہا، پھر قدرے شوخ ہوتے ہوئے بولی۔

”میں تو اسی وقت تمہیں فون کیا تھا۔ مگر موصوفہ اپنا موبائل چارج کے بغیر کہیں رکھ کر بھول گئیں، تب مجھے آنٹی (سنبل کی والدہ) کو فون کرنا پڑا۔“

اب ان سے یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ جس کے ڈر سے سنبل یونیورسٹی سے چھٹی کیے بیٹھی ہے اس لڑکے نے نمل سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔ چنانچہ بس اتنا کہا کہ اس سے کہیں ضروری اسائنمنٹ ہے، کل چھٹی نہ کرے، بلکہ ہو سکے تو مجھے فون کر لے۔

لیکن تم تو بازار کے لیے نکلتی ہو تو گھر آنا ہی بھول جاتی ہو میں سمجھ ہی گئی تھی تم اپنی کزنز کے ساتھ گئی ہو گی اور

وہاں سے اتنی دیر میں واپسی ہوئی ہوگی کہ مجھے فون نہیں کر سکیں اسی لیے جب صبح تمہارا فون آیا تو میں نے سوچا اب سب کچھ تمہیں رو برو ہی بتاؤں گی۔

اللہ کا شکر ہے کہ تم اپنے خوف پر قابو پا کر آگئیں، رو میلہ کتنی چلی گئی۔
”میں نے کوئی قابو و ابو نہیں پایا ہے، امی نے زبردستی بھیج دیا کہ بہت چھٹیاں کرنے لگی ہو رو میلہ نے کسی ضروری اسائنمنٹ کا ذکر کیا ہے، تمہیں جانا پڑے گا۔“

اور تب مجھے پتا چلا کہ تم کتنی بہادر ہو، تم نے کہا تھا کہ میں جا رہی ہوں اور تم واقعی چلی بھی گئیں۔
مجھے تو لگ رہا تھا تم اپنا ارادہ بدل لوگی، خیر وہ سب چھوڑو۔

یہ بتاؤ کیا خرم نے واقعی یہی الفاظ کہے تھے جو تم نے بتائے ہیں۔“ سنبل ابھی تک بے یقین تھی۔
”کیا ہو گیا ابھی سب کچھ لفظ بہ لفظ بتا دیا ہے۔ حیرت تو مجھے بھی ہوئی تھی، لیکن پھر لگا کہ یہ بات تو میں نے بہت پہلے ہی نوٹ کر لی تھی۔“ رو میلہ مسکرائی، اسے مطمئن دیکھ کر سنبل بھی شاک سے باہر آنے لگی۔ اچانک ہی چہم سے خرم اور نمل ایک ساتھ کھڑے اس کے ذہن میں آگئے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

”ہوں کپل تو واقعی اچھا ہے، کافی سوٹ کر رہے ہیں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ۔“
”دھیرج میری بہن دھیرج۔ اتنا تیز دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کیا پتا نمل مانتی بھی ہے یا نہیں۔“ رو میلہ نے تسلی دینے والے انداز میں سر ہلایا۔

”کیوں اسے کیا اعتراض ہوگا، اتنا تو چار منگ ہے خرم۔ بس ایک بات پر غصہ تھا کہ اس نے نمل کے پیچھے چرائے تھے تو وہ بھی اس نے کب کے واپس کر دیے۔“

”اب بغیر کسی تصدیق کے یہ یقین کر لینا کہ خرم نے ہی اس غنڈے کو بھجوا تھا۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے نا۔ ایسی بد تمیزی تو کوئی بھی کر سکتا ہے نا۔“ سنبل جھجھکتے ہوئے بولی۔
”ہاں وہ تو ہے، چلو کہیں اور چل کر بیٹھتے ہیں۔“ رو میلہ کے اچانک کہنے پر سنبل چونک گئی وہ دونوں اس وقت ڈیپارٹمنٹ کے باہر ایک چوڑے پر بیٹھی تھیں۔

”کیا ہوا، خیریت۔“ سنبل نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
”وہاں جو لڑکے کھڑے ہیں، وہ ہمیں دیکھ کر باتیں کر رہے ہیں۔“ رو میلہ نے سنبل کی پشت کی طرف اشارہ کیا تو سنبل نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا۔

وہ کسی دوسرے ڈیپارٹمنٹ کے لڑکے تھے۔ مگر ان کی نظریں یہیں مرکوز تھیں اور انداز ایسے تھے جیسے ان دونوں کے متعلق ہی بات کر رہے ہوں۔

سنبل اور رو میلہ دونوں ایک ساتھ کھڑی ہو گئیں اور اپنے ڈیپارٹمنٹ میں چلی گئیں، لیکن بہت جلد انہیں احساس ہوا کہ وہ جہاں سے بھی گزر رہی ہیں لوگ انہیں بغور دیکھنے لگتے ہیں اور کچھ لوگ تو فوراً ”کھسر پھسر بھی شروع کر دیتے ہیں۔“

”یہ کیا ماجرا ہے۔“ سنبل نے پیشانی پر ہل ڈالتے ہوئے کہا تو رو میلہ لاعلمی کے اظہار کے طور پر محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔

مگر کچھ ہی دیر میں ان پر سارا ماجرا کھل گیا، جب وہ پیریڈ انٹینڈ کرنے اپنی کلاس میں داخل ہوئیں تو کلاس کی لڑکیاں انہیں دیکھتے ہی ان کے ارد گرد جمع ہو گئیں۔

”تم لوگوں کے ساتھ آج نمل نظر نہیں آ رہی۔“ ان کے انداز میں اتنا تجسس اور اشتیاق دیکھ کر وہ دونوں

ٹھٹک گئیں۔
 ”کیا اس نے بھی خرم کی طرح چھٹی کر لی۔“ ایک لڑکی نے کہا تو سب ہنس پڑیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتیں ایک لڑکی بڑی سنجیدگی سے کہنے لگی۔
 ”تم سب کا چہرہ تو کلیئر پہنانے میں آ رہا ہے، مگر وہ لڑکا کون ہے جس نے نمل کو چھیڑا تھا جس سے بھی بات کرو کوئی بھی اسے نہیں جانتا وہ اس یونیورسٹی کا ہے بھی یا نہیں۔“
 ”پتا نہیں یا میں نے تو آج ہی اس ویڈیو کے بارے میں سنا ہے دیکھی تو ہے نہیں جو کچھ بتا سکوں۔“ ایک لڑکی بولی۔

”اور میں تو پتا نہیں کب دیکھ سکوں میرے گھر میں تو کمپیوٹر ہے ہی نہیں۔“ ایک اور نے یاسیت سے کہا۔
 سنبل اور رو میلہ ہونق بنی ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ وہ سب ایک سا بولے جا رہی تھیں۔
 ”ویسے نمل نے خرم کو پھڑپھڑا کر اچھا نہیں کیا۔“
 ”ہاں وہ تو ہے۔“

”ارے اس نے مارا سو مارا، لیکن یہ مودی کس نے بنائی اور قیس ایک میں بھی ڈال دی۔“ اب تو رو میلہ اور سنبل کی حالت بری ہو گئی تھی ”آخر رو میلہ نے ہی خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔
 ”تم لوگ کیا باتیں کر رہی ہو ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کون سی مودی، کیسی مودی۔“
 ”کمال ہے تم لوگوں کو کچھ پتا ہی نہیں یہاں تو کل شام سے تمام اسٹوڈنٹس کے آپس میں سیسز گھوم رہے ہیں تو یوں سمجھ لو ہمارے علاوہ دوسرے ڈیپارٹمنٹ تک یہ بات پہنچ چکی ہے۔“ ایک حیرانی سے بولی۔
 ”جی ہاں رات کے ایک بجے جب میں نے کمپیوٹر لگایا ہے تب تک پچاس سے زیادہ اسٹوڈنٹس اس پر کمینٹس دے چکے ہیں۔“ دوسری نے مطلع کرنا ضروری سمجھا۔
 مگر رو میلہ اور سنبل کو بدستور ہونق نہ دیکھ کر آخر انہوں نے پوری بات شروع سے انہیں سمجھائی۔
 جسے سننے کے بعد ان دونوں کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

خرم پر شدید قسم کی بوریٹ سوار تھی وہ زندگی میں کبھی اس طرح منہ چھپا کر نہیں بیٹھا تھا۔
 مگر اب جو صورت حال تھی اس میں وہ کسی کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔
 اس نے اپنا موبائل مستقل آف کر رکھا تھا تو نادر اور ہارون اس کے گھر آگئے اس سے ملنے کے لیے۔
 انہوں نے اسے بتایا اس واقعے کے بارے میں پوری یونیورسٹی کو پتا چل چکا ہے پہلے دن تو سب بیٹھے اسی موضوع پر بات کرتے رہے ہیں۔
 لیکن خرم کی طرح نمل بھی تب سے نہیں آ رہی اس کی دوستوں کا کہنا ہے کہ وہ ملک سے باہر گئی ہوئی ہے۔ مگر یونیورسٹی میں اس بات پر کسی نے بھی یقین نہیں کیا ہے سب کا خیال ہے کہ وہ گھر میں منہ چھپائے بیٹھی ہے خرم کی طرح۔
 یہ بات خرم کو کسی کاری ضرب کی طرح لگی تھی مگر وہ کبھی کیا سکتا تھا اپنے ارادوں کے بارے میں اس نے تب بھی انہیں کچھ نہیں بتایا۔
 وہی اور حمید بھی تیسرے دن اس سے ملنے آئے اور آکر خوب سنائی بقول ان کے وہ اس کی سوئی ہوئی غیرت کو جگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ان کے خیال میں خرم کو نمل سے بڑا سنگین قسم کا بدلہ لینا چاہیے تھا۔
 ایک لمحے کو تو واقعی خرم کا بھی دل چاہا کہ ایسا ہی کوئی قدم اٹھالے کیا وہ شرافت سے بیٹھا اس کے ماں باپ کے جواب کا انتظار کر رہا ہے کہیں ڈیڈ کے کہنے کی طرح ان لوگوں نے جواب دینے میں مہینوں لگا دیئے تو یونیورسٹی میں تو سب کو ایسا ہی لگے گا کہ اس نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں اور کیا پتا اتنے انتظار کے بعد اس کے گھر والے انکار ہی کر دیں اور وہ اپنی ہی نظر میں بالکل احمق بن کر رہ جائے۔
 لیکن پہلے حمید اور وہی وغیرہ کے اکسانے پر وہ ایسا کر بھی گزرتا مگر اب جبکہ سب ہی اس تھپڑ کے بارے میں جان گئے تھے بلکہ live telecast دیکھ چکے تھے تو اب کوئی انتہائی قدم اٹھا کر بھی اس کا کھویا ہوا مقام نہیں مل سکتا تھا۔

نمل کی زندگی تباہ کر دینے کے باوجود وہ اس داغ کو نہیں دھو سکتا تھا کہ ایک لڑکی نے اسے اس بری طرح دھتکار دیا۔

اب تو اسے ان سارے لوگوں کے سامنے کچھ ایسا کرنا تھا کہ اس کا وقار بحال ہو جائے۔
 اور اس کی واحد صورت اس کے نزدیک یہی تھی کہ نمل کے ساتھ اس کی شادی ہو جائے مگر یہ سب اس کی خواہش کے مطابق ایک دن میں نہیں ہو سکتا تھا بلکہ قاعدے قانون کے مطابق کئی ہفتوں یا مہینوں میں ہونا تھا اور یہی چیز خرم کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

وہی اور حمید نے گھر آکر اس کا موڈ اور بھی خراب کر دیا تھا لہذا اسے ڈانٹ کر انہیں گھر سے نکالنا پڑا تھا وہ دونوں تو شے ہی پیدا انہی ذہیت وہ بھی یہ کہتے اٹھ گئے۔

”نمل نے پھینکا دیا ہے تو ہم پر کیوں غصہ نکال رہے ہو چلو حمید چلتے ہیں۔“
 جارہے ہیں ہم مگر زیادہ خوش قسمت ہونا کل پھر آئیں گے تمہاری جان میں چھوڑیں گے۔ وہی پتائے والے انداز میں کھتا حمید کے ساتھ چلا گیا۔
 خرم بھنایا ہوا سا فرقان حسن کے سامنے پہنچ گیا جو اسی وقت آفس سے آئے تھے اور خاصے تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

”ڈیڈ عظمت خلیل نے کیا جواب دیا؟“
 ”کیا ہو گیا ہے خرم؟“ بھی دو دن پہلے ہی تو ہم ان کے گھر گئے ہیں تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ ایسے معاملوں۔“
 ”مجھے نہیں سننا ایسے معاملوں میں کیا ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے۔“
 مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ انہیں روز فون کر کے جواب مانگیں گے تو وہ اس رشتے پر غور کریں گے۔“
 خرم نے ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی درمیان میں کاٹ دی۔
 ”تم اتنے گھرے پڑے نہیں ہو کہ ہمیں روز فون کر کے انہیں یاد دلانا پڑے۔“
 عظمت خلیل کو جب مناسب لگے گا وہ فون کر کے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کریں گے جو بھی فیصلہ ہو گا تم سے ملنے کے بعد ہی ہو گا۔“ فرقان حسن دانت پیس کر بولے۔
 پہلے ہی وہ ان کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا مگر اس معاملے میں اس کی اتنی بے قراری انہیں جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی انہیں خرم سے اتنی جذباتیت اور ہچکانہ رویے کی توقع نہیں تھی۔
 ”تو چلیں میں ابھی چل کر ان سے مل لیتا ہوں۔“ خرم کا جواب انہیں سرتاپا سگایا تھا اور یہ بات ان کے چہرے سے صاف ظاہر بھی ہو گئی تھی اسی لیے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے مسز فرقان بیچ میں آ گئیں۔
 ”آپ بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہیں بیٹھ جائیں۔ میں خرم سے بات کرتی ہوں۔“

دیکھو بیٹے تمہارا اس طرح پہنچ جانا تو کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ ہاں اگر تمہیں اتنی ہی جلدی ہے تو عظمت خلیل سے فون پر بات کی جاسکتی ہے ہمارے اصرار پر تو انہیں خوشی ہوگی کہ ہم ان کی بیٹی کو اتنے شوق اور مان سے مانگ رہے ہیں۔ انہوں نے خرم سے نہیں بلکہ فرقان حسن سے کہا تھا مگر فرقان حسن کا موڈ دیکھتے ہوئے انہوں نے نظریں خرم کے چہرے پر رکھی ہوئی تھیں۔

مگر فرقان حسن بھی کوئی بے وقوف نہیں تھے۔ انہوں نے بیوی کو خرم کا حمایتی دیکھ کر قدرے مناسب لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”ایسی باتیں عورتیں کرتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی ہیں تم نمل کی مدد کو فون کرلو۔“

”نہیں۔“ مسز فرقان فوراً بولیں۔

”وہ تو مجھے بہت ہی مشغور لگی ہیں بھی ہم پہلی دفعہ ان گھر گئے تھے اور ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگ رہے تھے انہیں کچھ میزبانی کے تقاضے پورے کرنے چاہیے تھے مگر وہ تو بات تک کرنے کی روادار نہیں تھیں۔“ ان کے صاف انکار پر خرم فرقان حسن کی شکل دیکھنے لگا جو کچھ بے بس سے نظر آ رہے تھے مگر خرم نے ذرا محنت نہیں برتی بلکہ ہنوز انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا تو وہ انکار کر سکے نہ (قرار بلکہ بیچ کی راہ ہموار کرتے ہوئے بولے۔

”چھا اچھا کرلوں گا کم از کم ایک دو دن تو گزرنے دو پھر میں فون کر لوں گا بلکہ دوبارہ ان کے گھر چلے چلیں گے نمل سے بھی تو نہیں ملے ہیں۔“ وہ خرم کی بے چینی کو صرف اس کے دل کا معاملہ سمجھ رہے تھے جبکہ یہ اس کے لیے اپنا کام تھا۔

”بھی وہ ان کے منہ سے ایک دو دن والی بات سن کر اپنی ناراضی ظاہر کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑ گیا۔“

فرقان حسن اس کی ضدی فطرت سے واقف تھے اسے جب کسی چیز کی جلدی ہوتی تو وہ کچھ نہیں سنتا تھا مگر یہ کوئی بازار میں رکھا اس کی پسند کا کھلوتا نہیں تھا جو وہ ضروری مشنگز کینسل کر کے اصرار لانے لے جاتے تھے۔

یہاں معاملہ اس کی شادی کا تھا کسی کی بیٹی کی زندگی کا تھا۔ وہ سوچنے اور فیصلہ کرنے میں جتنا تاثر لیتا جاتا ہے انہیں دینا چاہیے تھا اور ابھی وقت ہی کتنا گزرا تھا محض دو دن۔

اسی لیے خرم کے خفا ہونے کے باوجود وہ اپنی بات پر قائم رہے بلکہ اسے پلٹا دیکھ کر اسے قائل کرنے کے لیے بولے۔

”میں چاہ رہا ہوں ہم لوگ شفٹنگ جلدی کر لیں بلال اختر نے تو گھر خالی بھی کر دیا ہے۔“

وہاں جا کر دیکھنا ہے کہاں مینٹنس (مرمت) ہے کون کون سی نئی چیزیں خریدنی ہیں پرانے سامان میں کیا کیا لے کر جانا ہے۔

ابھی اتنا کام پڑا ہے پہلے ان سب چیزوں سے فارغ ہو جانا چاہیے شادی بیاہ کے معاملات تو سکون سے بیٹھ کر طے کیے جاتے ہیں۔“ فرقان حسن کہتے چلے گئے مگر خرم رکے بغیر آگے بڑھتا رہا اور لاؤنچ سے نکل کر کوریڈور میں مڑ گیا۔

فرقان حسن ایک نظر اپنی بیوی کو دیکھ کر رہ گئے جن کے چہرے پر متا بھری مسکراہٹ ابھری ہوئی تھی اپنے جوان جہان بیٹے کو چھوٹے سے بچے کی طرح منہ پھلائے دیکھ کر وہ صرف پیار بھرے انداز میں سر ہلا کر رہ گئی تھیں

مگر کھانے کی میز پر وہ متا بھر انداز فکر میں بدل گیا جب ملازم نے آکر کہا۔

”خرم صاحب نے کھانے سے انکار کر دیا اور بڑی سختی سے کہا ہے کوئی انہیں تنگ نہ کرے۔“ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھنے لگیں تو فرقان حسن نے روک دیا۔

”بھی اس کے پاس مت جائیں اسے اور غصہ آجائے گا کل مصیبت کر لیجیے گا ابھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔“ مسز فرقان زہرا کرکھانا کھانے لگیں خود فرقان حسن کو خرم سے اتنی محبت تھی کہ اس کی ناراضی کا سوچ کر ان کے حلق سے بھی نوالہ نہیں اتر رہا تھا اس لیے جب صبح بھی اس نے ناشتے کی میز پر ملازم کے ہاتھ ہی جواب بھجوا دیا تو فرقان حسن اٹھ کر اس کے کمرے میں آگئے۔ مسز فرقان بھی ان کے پیچھے پیچھے تھیں۔

خرم بستر پر آڑا تر چھا رہا تھا انہیں دیکھ کر بھی اس کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا فرقان حسن نے بھی کوئی بات کرنے کی بجائے موبائل نکالا اور کال ملا کر بات کرنے لگے۔

”سلام علیکم عظمت صاحب۔“ خرم ایک دم بستر پر اٹھ بیٹھا اور بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا جو بڑی شرمندگی سے کہہ رہے تھے۔

”میں معذرت چاہتا ہوں اتنی صبح صبح آپ کو پریشان کیا۔ لیکن کیا کریں صبر ہی نہیں ہو رہا تھا آپ نے تو ہماری جان سولی پر انکار کر رکھی ہے۔“ وہ کہہ کر دوسری طرف کی بات سننے لگے۔

خرم اور مسز فرقان بغور ان کے چہرے کو دیکھ رہے تھے جہاں ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

”کیا؟“ وہ تقریباً ”چیننے والے“ انداز میں بولے تو خرم بستر سے اتر کر ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔

فرقان حسن کے چہرے پر شدید حیرت کے تاثرات تھے جیسے دوسری طرف سے وہ جو کچھ سن رہے ہوں انہیں اس پر یقین نہ آ رہا ہو۔

مسز فرقان پریشان ہو کر ان کا بازو ہلانے لگیں تو وہ انہیں ہاتھ سے ”صبر کرو“ کا اشارہ کر کے دوسری طرف کی بات سننے لگے رہے پھر حیرت سے بولے اٹک اٹک کر بولے۔

”آل۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں آپ کو کیا جواب دے۔ اصل میں۔۔۔ آل۔۔۔ اچھا میں آپ سے تھوڑی دیر بعد بات کرتا ہوں۔“

اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے آپ لوگ خود اپنی خوشی سے رشتے لے کر آئے تھے پھر اب اگر میں فوراً ”شادی کی بات کر رہا ہوں تو اس میں پریشانی کیا ہے۔“ عظمت خلیل کا لہجہ بڑا سنجیدہ سا تھا اور کیوں نہ ہوتا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو انہوں نے ابرار سے بات کی تھی۔

جو کچھ ابرار نے کہا تھا وہ کسی بھی غیرت مند باپ کے لیے ناقابل پروا تھا۔

عظمت خلیل بیوی اور بیٹی کے معاملے میں تو انتہائی درجے کے غیرت مند تھے اور پھر اس پر ان کی خود سر اور اتنا پرست ضدی فطرت!

بھلا ایک پھیر رشیدہ کو مارنے سے ان کی ان تمام عادتوں کا دوا ہو سکتا تھا۔

بلکہ انہیں تو لگ رہا تھا وہ رشیدہ برا بھی ٹھیک طرح سے برے بھی نہیں۔ ابھی تو ان کی بھڑاس بھی نہیں نکلی تھی کہ فرقان حسن نے صبح ہی صبح انہیں فون کر لیا۔

ان کی آواز سننے ہی جیسے عظمت خلیل کے بچان کو ایک سرخ مل گیا انہوں نے بغیر خرم سے ملے بغیر اسے جانے اور اس کے بارے میں کوئی معلومات کرائے بغیر ہی ایک بل میں فیصلہ کر لیا۔

نمل کی شادی کر کے اس کے فرض سے سبکدوش ہونے کا نہیں! بلکہ اسے فوراً ”گھر سے چٹا کر کے اس کے بوجھ سے چھٹکارا پانے کا۔“

وہ اگر دو میلہ کے لیے اتنی دور جا کر لڑکا دیکھ سکتی ہے تو اپنے لیے اس طرح اچانک کی شادی کے لیے کبھی تیار نہیں ہوگی مگر اس کی کمزوری ان کے ہاتھ میں تھی۔

رشیدہ کو اذیت دے کر وہ نمل کو کسی کام کے لیے بھی مجبور کر سکتے تھے اور اس طرح اسے مجبور کر کے اس کی شادی کر کے تو انہیں بے پناہ سکون ملنے والا تھا ایک طرح سے حشام والے معاملے کا بدلہ بھی۔ پورا ہو جانا تھا گویا ایک نہ شد و شد۔

وہ یہ سب سوچ کر ہی اتنے پر سکون ہوئے تھے کہ انہوں نے تمام قائدے قانون ایک طرف رکھ کر فرقان حسن کی بات چھیڑنے پر بڑی بے مائی سے کہا۔
”آپ کو اتنی صبح فون کرنے پر کسی شرمندگی کا اظہار کرنے کی ضرورت نہیں ایسی گفتگو تو غیروں میں ہوتی ہے اور ہم تو سہمہ حیا نے ہیں۔“

ہمیں یہ رشتہ منظور ہے آپ ایسا کریں اگلے ہفتے بارات لے آئیں۔“ عظمت خلیل کی بات پر دوسری طرف فرقان حسن حیرت کی زیادتی سے چیخ پڑے تھے۔
ان کی چیخ نے عظمت خلیل کو احساس دلایا تھا کہ انہوں نے کچھ زیادہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کر دیا کہیں فرقان حسن کے گھروالے مشکوک ہو کر رشتہ کرنے سے انکار ہی نہ کر دیں۔

اسی لیے انہوں نے اپنے لمبے کو شگفتہ بناتے ہوئے زبردستی ہنس کر کہا۔
”بھئی میں مذاق کر رہا ہوں اگلے ہفتے نہ سہی جب آپ مناسب سمجھیں تب کی بات کر سکتے ہیں میرے گھر کے کامطلب تو یہ ہے کہ ہمیں رشتہ منظور ہے اور ہم لوگ چاہتے ہیں کہ یہ شادی فوراً ہو۔“ عظمت خلیل آخری جملے تک پہنچتے پہنچتے دوبارہ سنجیدہ ہو گئے تھے۔

کیونکہ رشیدہ جواب تک کسی شاک میں گھری وغیرہ مافیہا سے بے خبر تھیں عظمت خلیل کے اچانک ہونے پر چونکہ انہیں دیکھنے لگیں اور جب انہوں نے ان کی باتوں پر غور کرنا شروع کیا تو ان کی آنکھیں پھیلی چلی گئیں۔
وہ یہ تو نہیں سمجھتی تھیں کہ عظمت خلیل کس سے باتیں کر رہے ہیں مگر رشتے سے متعلق بات سوائے نمل کے اور کس کی ہو سکتی تھی پوری طور پر ان کا ذہن فرقان حسن کی فیملی کی طرف تھیں گیا تھا انہیں تو بس یہ لگتا تھا کہ عظمت خلیل ان کی بیٹی سے انتقام لینے کے لیے کوئی فیصلہ کر رہے ہیں۔

وہ جس طرح پریشان ہو کر انہیں دیکھنے لگی تھیں وہ عظمت خلیل کو لگا گیا تھا تبھی دوسری طرف سے فرقان حسن کا اچھلکا تالچہ انہیں سپاٹ انداز میں یہ بولنے پر مجبور کر گیا تھا کہ۔

”اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے؟“ ان کی بات سن کر فرقان حسن کو کہنا پڑا۔
”نہیں پریشان تو نہیں ہوں بھلا پریشانی کیسی! یہ تو خوشی کی بات ہے مگر اس طرح اچانک۔ آپ تو ابھی خرم سے ملے بھی نہیں ہیں اسے دیکھیں بغیر آپ کا اتنی جلدی ہائی بھر لیتا بلکہ جلد شادی پر اصرار کرتا مجھے حیران کر گیا ہے۔“ خرم اور مسز فرقان جو پوری طرح سے فرقان حسن کی طرف متوجہ تھے ان کی بات سن کر حیران رہ گئے۔
مسز فرقان کی حیرت میں ایک تجسس تھا کہ دوسری طرف عظمت خلیل کیا کہہ رہے ہیں جبکہ خرم کی حیرت میں بے پناہ خوشی نمایاں تھی۔

اسے لیکن نہیں آ رہا تھا جو اس نے چاہا تھا وہ اتنی آسانی سے ہو گیا وہ بولنا چاہ رہا تھا کہ اگر وہ شادی کے لیے تیار ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے آپ فوراً ہاں کر دیں۔

مگر فرقان حسن پوری طرح سے عظمت خلیل کی طرف متوجہ تھے اس وقت اگر خرم انہیں ٹوکتا تو وہ چڑ جاتے لہذا خرم نے بمشکل اپنے اوپر ضبط کرتے ہوئے خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا اور دیکھنے لگا کہ وہ خود کیا کہتے ہیں مگر دوسری طرف کی بات سننے میں مصروف تھے جہاں عظمت خلیل کہہ رہے تھے۔

”خرم سے خاص طور پر مجھے ملنے کی ضرورت نہیں ہے جو باتیں مجھے اس کے بارے میں معلوم کرنی تھیں وہ

معلومات میں کرا چکا ہوں۔

بھئی قدرتی سی بات ہے اپنی بیٹی اپنے تخت جگر کو کسی کو سوچنے سے پہلے انسان سو طرح سے پرکھتا ہے پھر فیصلہ کرتا ہے اور میری تو ایک ہی اولاد ہے۔

لیکن میں ایک اولاد کو اپنے لیے ہوا نہیں بناؤں گا اگر صحیح وقت پر اس کا مناسب رشتہ آ رہا ہے تو میری کوشش ہوگی فوراً! اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں ورنہ دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ اسے خود سے کبھی جدا نہ کروں۔“ باتیں بنانے میں تو عظمت خلیل کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

فرقان حسن جو تھوڑی دیر پہلے ان کی بات سن کر الجھ گئے تھے اب ان کی ”اعلا سوچ“ کے متعلق جان کر قدرے مطمئن ہوتے ہوئے بولے۔

”بات تو آپ کی بالکل برحق ہے مگر آپ نے فوراً شادی کے لیے اس طرح کہا کہ میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔ اصل میں خرم بھی تو ہماری ایک ہی اولاد ہے ہمارے تو بہت ارمان ہیں اور پھر اگلے کچھ دنوں میں ہم اپنے نئے گھر میں شفٹ ہونے والے ہیں اس میں اتنی مصروفیت ہوگی کہ۔“

”مگر یہ نہیں سمجھتی تھیں کہ یہ مطلب تھوڑی تھا کہ آپ واقعی اگلے ہفتے بارات لے آئیں یہ تو میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا لیکن یہ میں ضرور چاہوں گا کہ شادی جلد سے جلد ہو۔“ عظمت خلیل نے بات سنبھالتے ہوئے ضرورت سے زیادہ خوشگوار کلمے میں کہا۔

رشیدہ اب بھی تنگ ہر اس سال انداز میں انہیں دیکھ رہی تھیں یہاں تک کہ انہوں نے مبارک باد کے بھرپور تبادلوں کے بعد فون منقطع کر کے ان کی طرف دیکھ کر بغیر کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے اور وہ اپنی جگہ ششدر سی جمی رہیں۔
دوسری طرف جب فرقان حسن نے ایک خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ فون بند کیا تو ان پر سوالوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔

”کیا ہوا؟“
”عظمت خلیل نے رشتہ قبول کر لیا۔“
”مگر وہ تو خرم سے ملے بھی نہیں۔“

”کیا کہہ رہے تھے وہ کب شادی کرنا چاہتے ہیں؟“
مسز فرقان اپنی عادت کے مطابق شروع ہو چکی تھیں اور فرقان حسن کو بولنے کا موقع دیے بغیر پوچھ جاری تھیں کہ خرم کے ایک سوال نے ان کی زبان کو بریک لگا دیے۔

”اگر وہ فوراً شادی کے لیے کہہ رہے تھے تو آپ نے انکار کیوں کیا؟ آپ کو ہائی بھر لینی چاہیے تھی۔“ فرقان حسن اور مسز فرقان ایسے اسے دیکھنے لگے جیسے اس کی داغی حالت پر شک ہو رہا ہو۔

”What Happened Dad“ میں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں آپ شادی کے لیے ہاں کر دیں اور کوئی بھی نزدیک کی بات نہ رکھ لیں اگر اسی مہینے شادی ہو جاتی ہے تو Thats Great شفشنگ کا کیا ہے ہم بعد میں کر لیں گے۔“ خرم نے لا روایتی سے کندھے اچکائے تو فرقان حسن نہایت سپاٹ لمبے میں چبا چبا کر بولے۔

”برخوردار پہلے کچھ بن تو جاؤ اس قابل تو ہو جاؤ کہ اپنی کمائی سے اپنی بیوی کو دو وقت کی روٹی کھلا سکو۔ پھر شادی کی بات کرنا۔“

رشتہ تم کر رہے ہو ایک اتنے امیر گھرانے کی لڑکی سے اور خود کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔
اس کے تو شوق ہی بہت منگے ہوں گے اور چلو شوق کو چھوڑ بھی دیں تو تم ابھی اس کی ضرورتیں بھی پوری نہیں کر سکتے سچ پوچھو تو دوران تعلیم میں منشی کے بھی خلاف ہوں کیونکہ اس طرح انسان کی توجہ اور یکسوئی متاثر ہوتی

ہے مگر تمہیں پریشان دیکھ کر میں نے اس کے والدین سے ملنے کا فیصلہ کیا تاکہ تم اس طرف سے مطمئن ہو گے تو اپنے کیرئیر پر دھیان دو گے۔

لیکن ایک بار تمہاری شادی اس لڑکی کے ساتھ ہو گئی تو پھر تو تمہارا کیریئر ہمیں ختم ہو جائے گا کم از کم کچھ سادوں کے لیے تو تم پر دھائی وغیرہ سب بھول ہی جاؤ گے اور کچھ سالوں بعد جب تمہیں عقل آئے گی تب تک تم اس لڑکی کے دل میں اپنے لیے عزت و احترام سب کچھ چھو چکے ہو گے۔

کیونکہ باپ کے پیسے پر عیش کرنے والے شوہر کی بیوی کے دل میں کوئی قدر نہیں ہوتی۔ "فرقان حسن اتنی سنجیدگی اور گنبدہر تاسے بول رہے تھے کہ خرم کچھ کہہ ہی نہ سکا حالانکہ وہ ایک زوردار بحث کے موڈ میں تھا مگر ایک تو مسز فرقان اس کا ارادہ سمجھتے ہوئے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

دوسرے اسے لگ رہا تھا اس وقت فرقان حسن کو ناراض کرنا کسی بھی طرح اس کے حق میں بہتر نہیں۔ وہ ابھی ممکن کے لیے تیار تھے فی الحال یہی بہت تھا زیادہ کے لالچ میں کہیں جو ہے اس سے بھی ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔

گھر میں داخل ہوتے ہی نمل کی نظریں بے چینی سے رشیدہ کو دھونڈنے لگیں حالانکہ اسے معلوم تھا اس وقت وہ عموماً اپنے کمرے میں ہوتی ہیں پھر بھی نمل ان کے کمرے کے دروازے تک پہنچنے تک ایسی طرح چاروں طرف دیکھ رہی تھی جیسے وہ یہیں نہیں موجود ہوں لیکن ان کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی جیسے ہی وہ اپنی دھکیل خیر بر کمرے کے وسط میں موجود نظر آئیں نمل دوڑ کر ان کے پاس پہنچ گئی اور ان کے پاس زمین پر گرے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے بے اختیار ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

کچھ بل کے لیے اس کا دل ہر فکر پر پریشانی سے آزاد ہو گیا بلکہ وہ یہ بھول ہی گئی کہ سارے راستے وہ کس قدر ذہنی اذیت سے گزر کر آرہی ہے پچھلے دنوں کی تمام ذہنی و جسمانی تھکن جیسے لمحہ بھر میں ایک ساتھ دور ہو گئی۔ وہ جانے کب تک بغیر کچھ بولنے یا کبھی صبر سے ان کی گود میں سر رکھے لیٹی رہتی اور ان پر کیف لمحوں سے لطف اندوز ہوتی رہتی کہ اپنے چہرے پر گرنے والے پانی کے قطرے نے اسے فوراً "سراٹھا کر ان کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بے آواز رو رہی تھیں نمل کو متوجہ دیکھ کر بھی ان کے زار و قطار بہتے آنسوؤں میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اور شدت آگئی کہ ان کی ہچکی سی بندھ گئی۔

نمل نے کچھ دیر تو انہیں رونے دیا مگر ان کے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے لہذا جب اس سے برداشت نہیں ہو تو وہ ان کا چہرہ اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے زبردستی کے شوخ لہجے میں کہنے لگی۔

"امی ہم بلا وجہ اتنے پریشان تھے گلغام بھائی تو اتنے اچھے ہیں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نازاں رہے گی۔

میں ان کے آفس میں ان سے ملنے گئی تھی بہت اچھی جا ب پر ہیں وہ اور اس کے علاوہ شکل و صورت اور بات چیت میں بھی بہت گریس فل ہیں میں ابھی رو میلہ کے گھر جا کر اسے ہمارے بیچ ہوئی پوری گفتگو الف سے بے تک سناؤں گی۔ مگر اس سے پہلے مجھے کچھ کھانے کو دے دیں بہت سخت بھوک لگ رہی ہے پلین میں تو مجھ سے کچھ کھایا ہی نہیں گیا۔

ویسے تو مجھے نیند بھی بہت آرہی ہے مگر رو میلہ سے ملے بغیر تو بالکل نہیں سو سکتی۔ "نمل نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی اس کے لہجے کی تازگی اور چہرے پر کھلی شگفتگی دیکھ کر رشیدہ کے سینے آنسو ٹھم گئے۔ وہ کھوجتی نظروں سے یک نکل اسے دیکھ لیں اور یہی تو نمل چاہتی تھی۔

اسے اپنی زبان سے صفائی میں کچھ کہنا ہی نہ پڑے اس کی ماں تو اس کا چہرہ پڑھ سکتی تھی وہ تو اس کی شکل دیکھتے ہی سارے وہم اور تفکرات جھٹک دے گی۔

مگر یہ بات اتنی معمولی نہیں تھی کہ رشیدہ اتنی آسانی سے جھٹک دیتیں دل کو بھٹکے ہی تھوڑا آرام آگیا تھا مگر جو سکون غارت ہو چکا تھا وہ شاید اب کبھی میسر نہیں آنے والا تھا۔

"تم۔ تم ٹھیک ہونا۔" اس ایک جملے میں کتنے خدشات تیر رہے تھے یہ ان کے کانپتے لہجے سے از خود واضح ہو گیا تھا۔

"بالکل الحمد للہ! کیا میں آپ کو ٹھیک نہیں لگ رہی۔" نمل نے براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے پوچھا تو کچھ دیر تو وہ اس کی شکل دیکھتی رہیں پھر بے اختیار اسے سمجھتے ہوئے وہ بری طرح رو دیں۔

"میں جانتی ہوں ابراہیم بھائی نے آپ لوگوں سے کیا کہا ہے مگر وہ سب صرف اور صرف جعفر بھائی کی بیوی کا ذہنی فتور تھا۔

میں نے اگر اپنے طور پر چند محافیتیں کی بھی تھیں تب بھی میرے اللہ نے مجھے بچا لیا اور میرا واسطہ ایسے شریف اور نیک انسان سے پڑا کہ میری حماقت پر پروہ بڑ گیا لیکن اس سب کے دوران آپ کو جو تکلیف اٹھانی پڑی ہے اس کے لیے میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" نمل کی آواز ہلکی سی رندھ گئی تو رشیدہ ایک بار پھر بری طرح رو دیں۔

"ابو آپ کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آئے ہوں گے نا۔" نمل ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے انہیں تاسف بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اس کی مجھے کوئی پروا نہیں تم ٹھیک ہو میرے لیے کبھی یہی کافی ہے۔" رشیدہ ہچکیوں کے درمیان بولیں۔ نمل کے اپنے گلے میں آنسوؤں کا گولہ بننے لگا تھا مگر وہ ان کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اسی لیے اس نے انہیں چپ کرانے کی کوشش کر کے بچائے کینڈا میں اپنی اور گلغام کی ملاقات کا احوال پوری جزئیات کے ساتھ سنانا شروع کر دیا۔

رشیدہ اس کا جوش و خروش دیکھ کر بظاہر اس کی بات بڑی توجہ سے سننے لگیں لیکن ان کا ذہن اب بھی کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

بار بار ان کی زبان تک ایک ہی جملہ آرہا تھا مگر وہ اسے ادا نہیں کر پا رہی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے بتائیں کہ عظمت خلیل نے ناصرف اس کا رشتہ طے کر دیا ہے بلکہ کچھ ہی دنوں میں بڑی دھوم دھام سے اس کی ممکن کر دے والے ہیں۔

نمل پوری کتھنا کر ان کے کمرے سے چلی بھی گئی اور وہ کچھ کہہ ہی نہ سکیں۔

نمل نے کمرے میں جاتے ہی رو میلہ کا نمبر ملایا اور اس کے فون اٹھانے کا انتظار کرنے لگی گزشتہ چار راتیں دو دنوں سے وہ جس ذہنی کوفت سے گزر رہی تھی اپنے گھر واپس آتے ہی اور رشیدہ سے ملنے ہی وہ ایسے عائب ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو چنانچہ اب وہ گلغام سے کی گئی ملاقات کو بڑے خوشگوار انداز میں محسوس کر رہی تھی۔

وہ خوشی جو وہ اس وقت اپنی پریشانیوں کے باعث حاصل نہیں ہو سکی تھی وہ اسے اب مکمل طور پر آسودہ کر گئی تھی بلکہ وہاں سے نکلے وقت جو خدشات گلغام کے لیے اس کے دل میں تھے وہ بھی پاکستان آکر ختم ہو گئے تھے۔

جیسے یہ کہ اگر وہ پہلے سے شادی شدہ ہو یا وہاں کے ماحول کے مطابق اگر اس کی ایک دو۔ گرل فرینڈز ہوئیں تو۔

اب تو یہاں کا ماحول بھی ایسا کچھ صاف ستھرا نہیں رہا تھا جو انٹ فیملیز میں رہنے کے باوجود یہاں کے لوگوں

کی بھی ایسی سرگرمیاں تھیں تو گلفام کے بارے میں یہ سوچنا کیونکہ وہ ایک آزاد ماحول میں تیار رہتا ہے تو اس کا کردار ایسا ہی ہو گا خواہ مخواہ کی بدگمانی تھی جو اگر اس کے لاشعور کے کسی کونے میں موجود بھی تھی تب بھی ان کا تذکرہ رو میلہ سے کرنا رو میلہ کے ساتھ سخت زیادتی تھی۔

اسی لیے جب دوسری طرف رو میلہ نے فون ریسیو کیا تو نمل بڑی چمکتی آواز میں بولی۔

”السلام علیکم کیا حال چال ہیں؟“ دوسری طرف رو میلہ اس کے لہجے کی کھنک سن کر کچھ مسواری ہو گئی۔

وہ یقیناً ”اسے پاکستان واپس آنے کے بعد فون کر رہی تھی اس کا ساتھ خیریت کے واپس آ جانا ہی اپنے آپ میں ڈھیروں اطمینان کا حامل تھا اس پر نمل کا شوخ لہجہ بغیر بتائے ہی اس کے کامیاب ٹرپ کی نشاندہی کر رہا تھا پھر بھی رو میلہ نے اس کا سلام تک نظر انداز کر دیا اور بے چینی سے بولی۔

”پہلے تم سناؤ۔ کب لوٹیں؟ کیا سارا ہمارا جانا؟“

”اوہ بڑی جلدی ہے سب جاننے کی۔“ نمل معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے بے ساختہ ہنس دی تو رو میلہ جو اس کی خیریت وغیرہ جاننے کے لیے یہ سب پوچھ رہی تھی اپنی بات کا کچھ اور مطلب نکھتا دیکھ کر ڈھٹ کر بولی۔

”جی نہیں مجھے کچھ جاننے کی جلدی نہیں ہے۔ میں تو تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی کہ تمہارے پیچھے گھر کے کیا حالات رہے ماموں کا رویہ۔“

”ابو سب جان چکے ہیں اور یہ تو مجھے جاننے سے پہلے ہی پتا تھا کہ انہیں پتا چل ہی جائے گا مگر کیونکہ وہ ابھی گھر پر نہیں ہیں اس لیے میرا موڈ بہت اچھا ہے۔“

وہ جب آئیں گے تھوڑا سا جینس کے وقتی طور پر مجھے بھی برا لگے گا پھر میں ٹائڈل ہو جاؤں گی۔“ نمل نے عام سے انداز میں کہا پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے اس نے اپنے پلین میں چڑھنے سے لے کر پلین سے اترنے تک کی پوری روداد اسے سنا ڈالی۔

رو میلہ منہ کھولے سکتے کے عالم میں اسے سن رہی تھی۔

ابراہیم نے گھر میں ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی ویسے یہ کوئی اچھے کی بات نہیں تھی وہ گھر والوں سے وابستہ کسی بات کا ذکر گھر والوں سے کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے تو یہ تو پھر بھی ان کے ماموں کے گھر کی بات تھی اور بات بھی ایسی تھی کہ اچھا ہی ہوا جو انہوں نے بھابھی یا بابا جانی کے سامنے نہیں دہرائی۔

”یہ تو بہت برا ہوا نمل۔ تمہارے بارے میں اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں اور تم اتنی مطمئن ہو۔“ رو میلہ افسوس کرتے ہوئے بولی تو نمل چونک اٹھی۔

”کمال کرتی ہو تم بھی عیس نہیں گلفام بھائی کے بارے میں بتا رہی ہوں اور تم ہو کہ یہ فضول باتیں سوچ رہی ہو۔“

یہ سب تو میں نے تمہیں اس لیے بتا دیا کہ ایک تو تم سے کوئی بات کہے بغیر میں رہ نہیں سکتی دوسرے یہ کہ اگر کل کو ابراہیم میرے جیسی گرے ہوئے کردار کی لڑکی سے ہر تعلق قطع کرنے کو کہیں تو تم شک میں نہ آ جاؤ بلکہ ذہنی طور پر تیار رہو۔“

”اللہ نہ کرے نمل کیسی باتیں کر رہی ہو۔“ رو میلہ دہل کر بولی تو نمل تلخ سے انداز میں ہنس دی۔

”خالی خولی باتیں نہیں کر رہی سچائی بتا رہی ہوں۔ ایک داغ تو لگ ہی گیا ہے نامیرے ساتھ اور داغ کبھی مٹنے تھوڑی ہیں۔“

”یہ۔۔۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے کاش میں تمہیں جاننے سے روک لیتی۔“ رو میلہ بری طرح پچھتا رہی تھی۔

”یہ۔۔۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے کاش میں تمہیں جاننے سے روک لیتی۔“ رو میلہ بری طرح پچھتا رہی تھی۔

”چھوڑنا کیا فضول باتیں سوچ رہی ہو جو کچھ ہوا ہے اس کا ذکر ابراہیم بھائی اور ابو کسی اور سے تو کریں گے نہیں اور اگر یہ دو لوگ میرے بارے میں کچھ غلط سمجھ بھی رہے ہیں تو ان دونوں کے سوچنے سمجھنے کی مجھے پروا ہی نہیں باقی بچیں امی یا تم تو تم دونوں تو مجھے جانتی ہو۔“

تم یہ بتاؤ گلفام بھائی کا جو نقشہ میں نے کھینچا ہے اسے سننے کے بعد ذہن میں کوئی تصویر بنی یا نہیں۔ ویسے تو میں نے ان سے بہت کہا ہے اپنی ایک تصویر دے دیں میں اپنا امی میل ایڈریس بھی دے آئی ہوں مگر مجھے ان کی طرف سے زیادہ امید نہیں ہے کسی اچھے رسپانس کی۔

خیر کوئی بات نہیں اب شادی میں دن ہی کہتے ہیں بہت جلد تم انہیں رو رو دیکھ لو گی۔“ نمل شوخی سے کہتی چلی گئی۔

اس کے انداز پر رو میلہ کے چہرے پر ایک جھہنپی ہوئی مسکراہٹ ابھر کر غائب ہو گئی سارے احساسات اپنی جگہ مگر جو کچھ نمل نے اپنے بارے میں بتایا تھا وہ اتنا معمولی بھی نہیں تھا کہ رو میلہ اتنی آسانی سے اس دھچکے سے نکل سکتی۔

اس نے تو آج یونیورسٹی میں جو کچھ سنا تھا اسے سننے کے بعد سے اس کا ذہن منتشر ہو رہا تھا وہ تو سوچ رہی تھی نمل کو اس معمولی کے بارے میں کبے بتائے جسے تمام طالب علموں نے دیکھ لیا ہے اور جس کا چرچا ہر عام و خاص کی زبان پر ہے۔

جب نمل اس کے بارے میں سے کی اور جب اسے فیس بک پر دیکھے گی تب اس کا کیا رد عمل ہو گا۔ رو میلہ کے لیے یہ اندازان لگانا بھی مشکل تھا۔

الیان نے جب ریاض غفار سے برہ اور حلد کے رشتے کی بات کی تو وہ ذرا بھی نہیں چونکے۔ گویا شگفتہ غفار نے پہلے ہی ان سے ماموں کے ارادے کا ذکر کر دیا تھا لیکن ان کے لہجے میں کوئی خاص جوش و خروش بھی نہیں تھا چنانچہ الیان کو ان سے کھل کر پوچھنا پڑا تھا۔

”کیا بات ہے ڈیڈی آپ چپ کیوں ہو گئے کیا آپ کو یہ رشتہ منظور نہیں۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں برہ اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو سکے گی یا نہیں۔“ ریاض غفار کا انداز واقعی سہجنا ہوا اس کا رویہ بھی پچھلے کچھ دنوں سے وہ کافی چپ تھے۔

حالانکہ الیان کو ان کے ساتھ بیٹھنے اور بات چیت کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا۔ جب سے وہ گاؤں سے واپس آیا تھا اتنا مصروف تھا کہ دو چار رسمی جملوں کے علاوہ اور کوئی بات کرنے کا وقت نہیں نکال سکا تھا۔

مگر ان کے چہرے پر سوچوں کا جال وہ دس منٹ میں ناشتا ختم کرنے کے دوران بھی بخوبی دیکھ لیا کرتا تھا اور اس کے پیچھے کیا وجہ تھی اس کا بھی اسے کچھ کچھ اندازہ تھا اس لیے وہ لاشعوری طور پر اس موضوع سے پہلو ہٹ کر تے ہوئے ان کے خاموش خاموش سے انداز کو نظر انداز کر دیتا۔

تبھی انہیں سوچ میں گم دیکھ کر بھی الیان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”میرے خیال سے برہ ایڈجسٹ ہو جائے گی حاملہ بھی ہر لحاظ سے بہت اچھا ہے مجھے نہیں لگتا کہ ہمیں انکار کرنا چاہیے۔“ الیان کے صاف لفظوں میں امی بھرنے پر ریاض غفار غور سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

”ہوں بظاہر تو انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن پتا نہیں کیوں دل نہیں مان رہا شگفتہ نے بھی ذکر کیا تھا وہ تو کافی

خوش بھی لگ رہی ہے بلکہ ایسا لگ رہا ہے تو پہلے ہی تمہارے ماموں سے ہاں کیے بیٹھی ہے۔
اس کی اتنی خوشی دیکھ کر میں نے بھی سوچا کیا حرج ہے ہاں کرنے میں۔ لیکن جانے کیوں فیصلہ ہو نہیں پا رہا۔
”کیوں؟“ لیان انہیں الجھن میں دیکھ کر بولا۔
”پتا نہیں۔ شاید اس لیے بھی کہ وہ لوگ رشتہ کرتے ہی شادی کی تارت ناگئیں گے اور بریرہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔“ ان کے کہنے پر لیان بے ساختہ مسکرا دیا۔

بریرہ ان کی ایک ہی بیٹی تھی وہ بھی بہت زیادہ لاڈلی۔ اسے خود سے اتنا دور بھیجنے کے خیال سے ہی وہ اس رشتے کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہو رہے تھے۔ تبھی شادی کی عمر کو پہنچتی اپنی بیٹی بھی انہیں اتنی چھوٹی لگ رہی تھی اور وہ اس بوجھ سے بہانے کا سہارا لے کر اسے کچھ دن اور اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔
”یہ یقین تو مجھے بھی ہے کہ وہ فوراً شادی کا مطالبہ کریں گے لیکن جو کام کل کرنا ہے اسے آج کر لینے میں کیا حرج ہے خواہ مخواہ کی ٹال مٹول کا کیا فائدہ۔“ لیان نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

”تمہاری بات بھی صحیح ہے لیکن اس رشتے میں اتنی بھی خوبیاں نہیں ہیں کہ ہم اتنی جلد باری کا مظاہرہ کریں۔
ایک تو ان کی رہائش گاہوں میں ہے بریرہ شہر میں رہنے کی عادی ہے پھر وہ جوائنٹ فملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں بریرہ کو اکیلے رہنے کی عادت ہے۔“

اور سب سے بڑھ کر بریرہ کو حامد سے اچھا لڑکا بھی مل سکتا ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔
”لیکن حامد میں کیا برائی ہے۔“ لیان کو ان کے آخری والے اعتراض پر قدرے حیرت ہوئی تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولے۔

”برائی نہیں ہے لیکن اب جیسے خود کو دیکھ لو تم صرف ریاض غفار کے بیٹے نہیں ہو بلکہ اپنے نام سے جانے جاتے ہو۔ بے شک تمہیں باپ دادا کی طرف سے بہت کچھ ملے گا مگر تمہارے اپنی محنت سے اسے جیت آگے بڑھایا ہے یہ کہنا بالکل بے جا نہیں ہو گا کہ آج لوگ مجھے تمہارے نام سے جانتے ہیں اور یہ سب صرف ہمارے بزنس کے سرکل میں نہیں ہے جو لوگ ہماری فیلڈ میں ہیں بھی نہیں وہ بھی تمہارے نام سے واقف ہیں۔“

جبکہ حامد کی ایسی کوئی پہچان نہیں وہ بہت ذہین لڑکا ہے آئندہ زندگی میں بہت ترقی کرے گا مگر فی الحال وہ ایسی کسی غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کر رہا ہے کہ ہم فوراً اپنی بیٹی کا ہاتھ اسے دے دیں۔“ ریاض غفار کی باتیں گو کہ غلط نہیں تھیں مگر لیان کو ان کا حامد کا اس سے موازنہ کرنا بڑا عجیب لگا تھا۔

”ڈیڈی میرا نہیں خیال کہ ہمیں میری شہرت اور نام کی وجہ سے بریرہ کے لیے اتنے اچھے رشتے کو رنجھٹ کرنا چاہیے۔“

حامد ہر لحاظ سے بہت اچھا لڑکا ہے آپ اسے میرے ساتھ کیوں کمپیر کر رہے ہیں۔“ لیان قائل نہ ہوتے ہوئے بولا۔

”کمپیر نہیں کر رہا۔ بس ایسے ہی دل میں خیال آیا تھا لیکن میرے خیال سے تم اس رشتے پر بہت خوش ہو۔“ وہ جیسے کوئی معقول دلیل نہ دے سکے تو الٹا اسی سے پوچھنے لگے۔

”ہاں۔ وہ لوگ تھوڑے پرانے خیالات اور رہن سہن کے حامل ضرور ہیں۔ لیکن لوگ اچھے ہیں اور حامد بریرہ کے لیے ہر لحاظ سے بہت مناسب ہے۔“ لیان نے بلا جھجک کہا تو ریاض غفار کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد مسکرا دیے۔

”تمہارا ووٹ بھی اگر تمہاری ماں کی طرح اس کے حق میں ہے تو پھر تو واقعی اس میں کوئی نہ کوئی خاص بات تو ضرور ہوگی اور پھر جس میں سب کی خوشی اسی میں میری خوشی۔“ ریاض غفار نے رضامندانہ انداز میں کندھے

اچکائے تو لیان بھی انہیں دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔



نمل نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا اور شام سے ہی بستر پر بڑ کر سو گئی رشیدہ نے اسے جگانے کی کوشش بھی نہیں کی ایک تو وہ جانتی تھیں کہ وہ بہت تھکی ہوئی ہے دوسرے وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ عظمت خلیل سے اس کا سامنا ہو۔

حالانکہ عظمت خلیل کے انداز سے ظاہر تھا وہ اسے زیادہ کچھ سنانے کے موڈ میں نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے اس کی بابت پوچھا تک نہیں تھا وہ خود ہی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر رات کو کھانے کی میز پر اس کے لوٹ آنے کی اطلاع دینے لگیں۔

نوالہ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے لمحہ بھر کو ان کا ہاتھ رکا اور وہ پھر ایسے بن گئے جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہ ہو پھر بھی رشیدہ جو ہر وقت ان کے غصے سے خوفزدہ رہتی تھیں دل کڑا کر کے بولیں۔

”ابراہیم کے دوست کی بیوی نے خواہ مخواہ ہی بات کا جتنکل بنا دیا نمل مجھے بتا رہی تھی ابراہیم کا دوست بہت شریف آدمی تھا وہ اسے فوری طور پر اپنے گھر ضرور لے گیا تھا مگر بعد میں نمل ہوٹل میں ہی ٹھہری تھی اور۔“

”مجھے اس ٹاپک میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ عظمت خلیل نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے سر سے لمبے میں کہا۔
رشیدہ کے لیے ویسے ہی بولنا مشکل تھا وہ تو صرف بیٹی کی صفائی دینے کے لیے اتنا کچھ کہہ بھی گئی تھیں مگر

عظمت خلیل کو لا تعلقی نہاد دیکھ کر جہاں ان کے دل میں ایک ہوک اٹھی تھی وہیں تھوڑا اطمینان بھی ہوا تھا کہ کم از کم وہ نمل کے منہ پر کھڑے ہو کر اسے ذلیل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔

وہ نہ تو انہیں یقین تھا کہ جب نمل واپس آئے گی عظمت خلیل اس کے ساتھ بہت بری طرح پیش آئیں گے۔

مگر وہ تو اس کا رشتہ طے کر کے اتنے مطمئن ہو گئے تھے جیسے ان کی زندگی کا مقصد ہی اس کا بوجھ اتار کر پھیٹک دینا ہو یا وہ یہ جتنا چاہتے تھے کہ نمل چاہے جتنی بھی من مانی کر لے اس کی زندگی کی باگ ڈور ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔
تب ہی اس کی زندگی کا فیصلہ کر کے ان کی انا کو تسکین مل گئی تھی اور اب وہ اس موضوع پر کچھ کہنے سننے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔

رشیدہ انہیں اچھی طرح جانتی تھیں اس لیے خاموش ہو کر رہ گئیں۔
جانتی تو نمل بھی انہیں بہت اچھی طرح تھی لیکن وہ کیونکہ پورے حالات سے واقف نہیں تھی اس لیے ان کے رویے پر حیران تھی۔

صبح اس کی آنکھ معمول سے ذرا دیر سے کھلی تھی اور اسے یہ جان کر شدید حیرت ہوئی تھی عظمت خلیل اس کے جاگنے سے پہلے ہی گھر سے نکل گئے۔

اس کا تو خیال تھا گھر آتے ہی اس کی عظمت خلیل کے سامنے بیٹھی ہوگی وہ رشیدہ کو بھیج کر اسے سوتے میں سے جاگرا لیں گے مگر انہوں نے اس کی شکل تک دیکھنا پسند نہیں کیا۔

لیکن بھلا نمل کو اس بات سے کیا فرق پڑتا تھا وہ تو یہ سوچ کر پر سکون ہو گئی تھی کہ عظمت خلیل کے ساتھ کوئی تلخ کلامی ہونے سے وہ گئی رشیدہ کی بھی کچھ بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔

البتہ اسے یونیورسٹی کے لیے تیار دیکھ کر انہوں نے اسے ایک دن آرام کرنے کا مشورہ ضرور دیا تھا وہ نہیں چاہتی

تھیں کہ اپنی زندگی سے متعلق اتنا اہم فیصلہ اسے مردوں کے منہ سے سننا پڑے۔
کیونکہ خرم اس کی یونورشی میں تھا اور اتنے دنوں کے بعد نمل کے جانے پر اس کے پاس آکر اسے اپنے اور
اس کے رشتے کے طے ہونے اور کچھ دنوں بعد ہونے والی مقفی کی مبارکباد ضرور دیتا۔

پتا نہیں نمل کو یہ سب سن کر کیا لگنے والا تھا۔ ان میں خود سے بتانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اگر انہیں کل
اندازہ ہوتا۔ کہ وہ سچ اچھے ہی یونورشی کے لیے تیار ہو جائے گی تو شاید وہ اسے کچھ اشاری دے دیتیں اب
اسے گھر سے نکلا دیکھ کر ان سے کوئی بات ہی نہیں سن رہی تھی چنانچہ وہ اسے "ایک دن چھٹی کر لیتیں" ہی کہہ
سکیں جس پر نمل اطمینان سے کہتی باہر نکل گئی۔

"چھٹیاں تو پہلے ہی بہت ہو گئی ہیں اور اب تو گھر آئی ہوں آرام بھی ہوتا رہے گا فی الحال تو میرا جانا ضروری

ہے۔
پڑھائی کا بھی حرج ہو رہا ہے اور دو میلہ اور سنبل سے ملنے کا بل بھی بہت چارہ مال ہے لوگ لکھ جانے والے ہیں۔"

رشیدہ محض اس کی پشت پر لہرائی چٹا کود کچھ کر رہ گئیں۔
جانے کیوں انہیں یقین تھا کہ نمل کو اس رشتے کے متعلق سن کر کوئی غلام خوشی نہیں ہوگی۔
ایک تو یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ نمل کسی لڑکے سے ملے گی تو انہیں نہیں ہے۔ چھٹی کی وہ لڑکا اس کی یونورشی کا
ہے مگر نمل کی اس کے ساتھ کوئی کمٹ منٹ نہیں ہوگی اگر ایسی کوئی بات ہوگی تو وہ انہیں ہانپ لیتی ہوگی۔

دوسرے یہ کہ انہیں یہ بھی پتا تھا کہ نمل کو حکمت ظلیل کا حکمہ انداز قلعی پسند نہیں۔ جب دو میلہ سے
اس کی رائے پوچھے گی طے کی جائے گی کہ وہ اس کے ساتھ نمل کی نمل کو کبھی نہ دے دیتی
جنگ اپنے معاملے میں تو اسے یہ بھی یقین تھا کہ حکمت ظلیل نے جلد بازی میں اس کا رشتہ طے کر کے مر لے لیا
ختم لگا لیا ہے۔

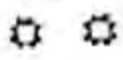
اسی لیے انہیں یقین تھا کہ اپنی شادی کا پتا چلتے ہی نمل کا رد عمل بڑا شدید ہو گا مالا نکلے دل سے وہ یہ ہی چاہ رہی
تھیں کہ نمل شادی کے لیے خوشی خوشی مان جائے۔

کیونکہ خرم کو انہیں نے بھلے ہی نہیں دیکھا تھا مگر اس کے والدین انہیں بہت سلجھے ہوئے اچھے خاندانی لوگ
لگتے تھے۔

اور پھر جو برتان نمل پر لگا تھا بھلے ہی نمل کے منہ سے سچ سننے کے بعد ان کا دل صاف ہو گیا تھا مگر ایرار اور اس
کے گھر میں تاثر تو اب بھی یہی تھا کہ نمل کوئی گل کھلا کر آئی ہے۔

ایرار اگر باہر کہیں ذکر نہیں بھی کرتا ہے تب بھی اس کی بیوی سے انہیں کوئی زیادہ اچھی امید نہیں تھی ایسے
ملاقات میں وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ نمل جلد سے جلد اپنے گھر کی ہو جائے کیونکہ شریف لوگوں کے لیے تو الزام
لگ جانا ذوب مرنے کے لیے کافی ہوتا ہے بھلے ہی اس الزام میں کوئی سچائی ہو یا نہ ہو۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)



دستِ کونکر

نوبہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی مدد نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ نوبہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوئی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور وہ نوبہ سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوبہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی پھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی مدد کو بلائے۔ وہ مدد کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

دو میلہ، سکیل اور نمل کو پونہور شی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم لڑکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرم کو قبول کر لیتا ہے اور انیسویں بجے کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوبہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے بیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کر دیتا ہے۔

۱۸

(اٹھارویں قسط)



"مجھے امید نہیں تھی کہ تم اگلے دن یونورشی جانے لگو گی۔" رو میلہ نے نمل کے برابر میں گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا۔
 "ہاں صبح نمل کا فون آیا ہے کہ میں تمہیں پک کرنے آرہی ہوں تو میں بھی حیران رہ گئی۔" نمل نے بھی سنجیدگی سے کہا۔
 "حالانکہ میں نے شام کو فون پر ذکر کیا تھا کہ میرا نمل آنے کا ارادہ ہے۔" نمل نے موڑ کاٹنے کے لیے اسٹیرنگ سمھاتے ہوئے کہا۔
 "ہاں لیکن میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں ممکن تھی ہو گی کہ تمہارا ارادہ ڈگکا جائے گا۔" رو میلہ پُرسوج انداز میں بولی تو نمل روڈ پر سے نظر ہٹا کر اس پر اپنی سی نظر ڈال کر کہنے لگی۔
 "کیا بات ہے؟ کیا تم لوگ چاہ نہیں رہے تھے کہ میں ابھی آؤں۔" اس کی بات پر رو میلہ نے پلٹ کر ایک نظر نمل کو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو "اب کیا کریں۔"
 "اب تو بتانا ہی پڑے گا وہاں جا کر بھی پتا چلتا ہی ہے۔" نمل نے مجبور سی شکل بنائی۔
 "خیریت تو ہے۔" نمل ٹھنک گئی۔

"وہ جو تم نے خرم کو پھنسا رکھا تھا وہ بات پوری یونورشی کو پتا چل چکی ہے کسی نے اس منظر کی مودی بنا کر فیس بک میں ڈال دی ہے۔" رو میلہ نے بہت مختصر سے انداز میں بڑی سنجیدگی سے بات اس کے گوش گزار کی تاکہ نمل اس بات کو اس شدت سے محسوس نہ کر سکے جس شدت سے وہ یونورشی میں گروش کر رہی تھی پھر بھی بات اتنی معمولی نہیں تھی کہ نمل کو کچھ احساس ہی نہ ہو تاہم یہ سن کر حقیقتاً بالکل کئی فوری طور پر وہ کچھ بولی بھی نہیں مگر اس کی پیشانی پر پڑے بل اس کی ناگواری کو ظاہر کر رہے تھے کچھ دیر نمل اور رو میلہ اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہیں پھر آخر رو میلہ بولی۔

"خرم تو تب سے یونورشی ہی نہیں کیا ہے اور اتفاق سے تم بھی نہیں آسکیں تو۔۔۔ سب سمجھ رہے ہیں۔" رو میلہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی کہ کن الفاظ میں اسے یونورشی میں مقبول تبصروں سے آگاہ کرے۔
 نمل نے اس کی ادھوری بات سے پورا مطلب افادہ کرتے ہوئے اس کا جملہ خود ہی مکمل کر دیا۔
 "کہ ہم دونوں منہ چھپائے بیٹھے ہیں۔" نمل اور رو میلہ کی خاموشی نے اس کے انداز سے اس کی فہم فہمی کو نمل کو شدید قسم کی کوفت کا احساس ہوا پھر بھی وہ ان دونوں کو جیل دیکھ کر خود کو نارل ظاہر کرتے ہوئے بے زاری سے بولی۔

"سوچئے دو جو بھی سوچتے ہیں کچھ دن بات کر کے بھول جائیں گے۔" نمل کو ظاہر انداز میں ری ایکٹ کرتا دیکھ کر نمل کی تھوڑی سی بہت بڑھ گئی وہ اسے مزید حقیقتوں سے آگاہی نہ چاہتے ہوئے بولی۔

"لیکن وہ مودی جس کسی نے بھی ڈالی ہے اس نے وہ اچانک قسم پڑے جس کی بلکہ ایسا لگ رہا ہے جیسے پوری تیاری کے ساتھ کوئی پہلے سے وہاں موجود تھا تاکہ یہ سب فوسس کر سکے۔"

"کیا بات کر رہی ہو؟" نمل حیرانی سے بولی تو نمل اور رو میلہ خود بخود اسے ہماری تفصیل بتاتی چلی گئیں حالانکہ ان دونوں نے طے کیا تھا کہ نمل کو سرسری سے انداز میں بتائیں مگر وہ نہ عادت کے مطابق بھڑک اٹھے گی مگر ایک تو اس سارے معاملے کے پیچھے جس کا بھی پتا تھا اسے نمل جانتی نہیں تھی اور خرم کی طرف سے ایسی کسی حماقت کی امید نہیں کی جاسکتی تھی اسے کیا ضرورت تھی ایسی کوئی حرکت کر کے اپنا تماشیا بنانے کی۔

چنانچہ نمل کو اس حساب سے غصہ نہیں آیا تھا جتنا خرم کی کسی حرکت پر آسکتا تھا مگر ایک جھنجھلاہٹ اس پر سوار ہو گئی تھی جو کہ بالکل فطری تھی۔

بھلی رو میلہ اور نمل نے اسٹوڈنٹس کا رو عمل بہت ڈھکے چھپے الفاظ میں بتایا تھا مگر نمل کو آج اندازہ تو تھا کہ ایسے قہرے ایسی جگہوں پر کس طرح تک مریج لگا کر چکا ریل کے ساتھ اچھا لے جاتے ہیں اس پر سونے پر سما کا نمل کا بار بار ایک ہی جملہ دہراتا۔

"مجھے تو خرم کی خاموشی سے ڈر لگ رہا ہے پتا نہیں وہ کیا کر رہے ہوں گا۔" نمل نے اپنی خاموشی سے تھنیز کھا کر کیسے بڑھ سکتا ہے وہ کوئی نہ کوئی قدم تو ضرور اٹھائے گا۔" نمل آنکھ سے رو میلہ کو اشارہ کر رہی تھی کہ وہ نمل کو خرم کے اظہار عبت کے متعلق بتادے مگر رو میلہ نظر انداز کیے جا رہی تھی۔

اس کے خیال میں ایک دن میں اتنی ہماری حیران کن باتیں ایک ساتھ بتا دینا ٹھیک نہیں اگر فیس بک میں یہ مودی نہ ہوتی تو بات اور بھی مگر اب نمل کی حالت اس کے علاوہ یہ ذکر تھنیز نامناسب نہیں تھا۔

اور پھر خرم کے بار بار ذکر کر رہے تھے کئی کئی بھی بچہ ہو کر بولی۔
 "وہ جس کچھ کرے گا تب کرے گا تم تو اس کے کچھ کرنے سے پہلے ہی اس فکر میں تو محو رہ جاؤ گی۔"

"لیکن نمل۔" نمل نے کچھ کہنا چاہا لیکن نمل نے ٹوک دیا۔
 "یہ بتاؤ تم لوگوں نے مودی دیکھی ہے کیا اس میں اس لڑکے کے ٹکرائے اور میرے اوپر پتیلی گرنے کا سین

بھی کلیئر نظر آیا ہے۔" اس سوال پر وہ دونوں ہی کچھ ہچکچا گئیں۔
 "ہاں۔۔۔ تو کیا ہے۔" مگر نمل اٹکتے ہوئے بولی تو نمل نے فوراً غلبہ بھینچ لیے جبکہ رو میلہ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے غلطی سے بولی۔

"لیکن ان سب چیزوں پر کوئی دھیان نہیں دے رہا سب کی توجہ کامرکز تو وہ زوردار تھنیز ہے جو تم نے خرم کو مارا ہے۔" یہ تو وہ مودی جب سے فیس بک میں ڈالی ہے خرم یونورشی نہیں آ رہا اس لیے جو کچھ بھی اس میں نظر آ رہا ہے وہ اس کے لیے باعث شرم ہے تمہارے لیے نہیں۔"

"لیکن خرم آج تو یونورشی کیا ہے۔" پارکنگ میں اپنی گاڑی کھڑی کرتے ہوئے نمل نے سنجیدگی سے کہا تو رو میلہ اور نمل دونوں اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگیں۔

خرم کی گاڑی اپنی مخصوص پارکنگ میں موجود تھی ان دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔
 نمل نے آنکھ سے اشارہ بھی کیا کہ اب نمل کو اس کے اظہار کے متعلق سب بتا دو مگر رو میلہ ہلکے سے سر ہلکی میں ہلا کر رہ گئی۔

نمل کا موڈ کافی خراب لگ رہا تھا خرم کی گاڑی دیکھ کر وہ جس طرح اسے دیکھتی رہ گئی تھی وہ اس کے متذبذب میں ہونے کو بخوبی ظاہر کر رہا تھا۔

آخر خرم اٹتے دن بعد آیا تھا ابھی تو ویسے ہی یہ یونورشی کا ہاٹ ٹاپک تھا خرم کے آنے پر تو اس ذکر کو کچھ اور زور شور سے ابھرنا تھا یہ سوچ کر ہی نمل کی کوفت میں اضافہ ہوئے جا رہا تھا مگر اب یہاں تک آجانے کے بعد وہ واپس نہیں جانا چاہتی تھی اور پھر وہ جب بھی آتی اس صورت حال کا سامنا تو کرنا ہی تھا پھر آج کیوں نہیں۔

نمل گہرا سانس کھینچتی اپنی جگہ کا دوا نہ کھول کر اتر گئی تو نمل اور رو میلہ نے بھی جیڑی سے اس کی تقلید کی۔
 "اگر تمہارا موڈ نہیں ہے تو کل آجانا۔" رو میلہ بولی نمل صرف نفی میں سر ہلا کر رہ گئی تو وہ تینوں خاموشی سے آگے بڑھنے لگیں۔

نمل نے خود پر اٹھنے والی ہر نظر کو ٹھنکا دیکھ کر اپنے قدموں کی رفتار معمول سے بڑھادی مگر جیسے ہی وہ اپنے ڈیوارمنٹ میں داخل ہوئی اور گرو گزر رہے تھے بھی لوگ تھے رک کر چہرہ مگوئیاں کرنے لگے۔

"نمل کی رفتار اتنی تیز ہو گئی تھی کہ دو میلہ اور نمل کو اس کا ساتھ دینے کے لیے دوڑنا پڑا تھا لیکن جیسے ہی نمل کلاس میں داخل ہوئی اس کے قدموں کو بریک لگ گئے۔
کلاس کی کچھ لڑکیاں جن سے اس کی اچھی خاصی بات چیت بھی تھی اسے دیکھتے ہی نمودار گئے والے انداز میں بڑے جوش سے ہم آواز ہو کر بولیں۔

"تھا جس کا انتظار وہ شاہکار بھی آگیا۔"
نمل کو شش کرنے لگی کہ اس کے چہرے کے تاثرات بالکل نارمل رہیں وہ خواہ مخواہ کاغذ دیکھا کر ناگواری ظاہر کر کے انہیں باتیں بنانے کا مزید موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

وہ سب تو اس صورت حال سے حظ اٹھا رہے تھے وہ جتنا چڑی انہیں اتنا ہی مڑا آتا جبکہ جتنا وہ سنجیدہ رہ کر بے نیاز نظر آتی اتنا ہی وہ اس واقعے کو جلد بھول بھال جاتے حالانکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسے مکمل طور پر لوگوں کے ذہنوں سے محو کرنا تو ناممکن تھا مگر اتنا ہی بہت تھا کہ لوگ اس بارے میں باتیں کرنا ہی چھوڑ دیں مگر اس مقام تک پہنچنے کے لیے اسے کئی مراحل سے گزرنا تھا جن میں سرفہرست ان لڑکیوں کے سوالوں کا جواب تھا جو اس کے گرد جمع ہونے لگیں۔

"کہاں تائب تھیں اتنے دنوں سے۔"
"ہم سب کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"
"پہلے تو اس مودی کو دیکھنے کے بعد تمہیں سراسر اپنے کو مل چاہ رہا تھا۔"
"ہاں بھئی! کیا زور دار پھپھوڑا ہے تم نے۔"
"وہ بھی خرم حسن کو۔"

"جس سے یونیورسٹی کے لڑکے تو کیا پروفیسرز تک ڈرتے ہیں۔"
"مگر میری سمجھ میں تو یہ نہیں آیا تم نے اسے مارا کیوں وہ تو ہمیں بچانے آیا تھا۔"

"اورے وہ سب چھوڑو یار۔" ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر ان سب لڑکیوں کی بھات بھات کی بول بول گئی کہ کیا اور عین نمل کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا جیسے وہ کوئی بہت سی خاص بات پوچھنے جا رہی ہو کہ وہ ساری ہی لڑکیاں بڑے جھنجھٹ اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"یہ سب ریکل میں ہوا ہے یا تم دنوں نے یونیورسٹی میں مقبل ہونے کے لیے سارا زور لگا دیا ہے۔" وہ بڑے سنسنی خیز لہجے میں پوچھ رہی تھی نمل سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی کہ نمل اس کی بات نہیں سمجھی اس لیے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"وہ کھوٹا کلاس کے پہلے ہی دن تم نے اس کی کمپین کی تھی اور اب تمہیں پتہ چل گیا۔"
بظاہر تو تم دنوں ندی کے دو کنارے گتے ہو پھر اچانک سے کنارے مل لیے گئے۔ "اس کے جملے کا ہلکا پن اور معنی خیز لہجہ نمل کی تیوری پر بل ڈال گئے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"
"بھئی میں کہاں بکواس کر رہی ہوں خود ہی تو نہیں دیکھ کر اپنی منگنی میں پوری کلاس کو انوائیٹ کیا ہے وہ بھی محض دو دن بعد۔" نمل کی ناگواری ابھی نہیں مٹ سکی تھی۔

وہ لڑکی بڑے احمق سے بول رہی تھی محوٹ بولنے یا سن گھڑت سنانے والی کوئی گھبراہٹ اس کے چہرے پر نہیں تھی۔

نمل اور دو میلہ جو نمل سے نمودار ہی پیچھے کھڑی تھیں سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
"میں سمجھی نہیں۔" نمل نے صاف پوچھ لیا ہی مناسب سمجھا۔

"سمجھ میں تو ہمارے بھی نہیں آ رہا۔ ایک طرف تو اتنا زور دیا تو پھر دوسری طرف اگلے ہی پہنچے اس کے ساتھ منگنی کر رہی ہو۔ وہ بھی اتنے اہتمام سے کہ پوری کلاس کو انوائیٹ کر لیا حالانکہ کلاس کے لڑکوں سے تو تمہاری بات چیت تک نہیں ہے۔" نمل کے اب بھی کچھ نہیں سمجھ میں آیا تھا البتہ دو میلہ اور نمل دھجک سے وہ منگنی نمل کو تو لگ رہا تھا اتنی بڑی بات وہ مذاق میں نہیں کہہ سکتی تھی ساری لڑکیوں کی برشوق نظروں نمل پر جمی تھیں یہ ضرور ایک اور بے ہودہ حرکت تھی جو کسی کی جانب سے کی گئی تھی مگر اس بار نام نمل کا استعمال کیا گیا تھا۔

جبکہ دو میلہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔
خرم نے اس سے نمل کے گھر کا ایڈریس دے دیا تو پتا چلا تھا کہ اسے والدین کو رشتے کے لیے بھیج سکے اسے یہ یقین تو نہیں آ رہا تھا کہ اتنی بڑی منگنی بھی ملے ہو گئی اور اس کی ماں تک نے نمل سے ذکر نہیں کیا مگر اسے یہ ضرور لگ رہا تھا کہ یہ آواز نہیں ہے۔

"وہ دن بعد منگنی ہو رہی تھی یا نہیں اس بارے میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی لیکن اسے یہ ضرور یقین تھا کہ خرم اگر کسی سے یونیورسٹی نہیں آیا ہے تو بھی گھر میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے تو نہیں بیٹھا رہا ہو گا۔
ضرور اس کے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے اور اسی کے نتیجے میں یہ اس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔
ان تینوں کو ہی اپنی اپنی جگہ ساکت دیکھ کر ان لڑکیوں نے پھر بات شروع کی۔
"پہلے تو میں نے جب انوائٹیشن کے بارے میں پڑھا تو مجھے یقین ہی نہیں آیا۔"

"ہاں میں بھی یہی سمجھی کہ کسی نے مذاق کیا ہے مگر خرم نے اگر جس طرح اپنی کلاس میں مٹھائی بٹوائی ہے اس کے بعد تو یقین نہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔" نمل ایک دم چوہکا گئی۔
"تو یہ شوشا چھوڑا ہے خرم نے اپنا انتقام لینے کے لیے۔"

نمل کا خون رگوں میں ابلنے لگا۔
اس کی بہت سیسے ہوئی اتنی بڑی بات کہنے کی۔

اس طرح کسی کے ساتھ اس کے نام کو منسوب کیے جانا ویسے ہی نمل کے لیے ناقابل برداشت تھا اس پر خرم کی طرف سے ایسے اقدام پر تو اس کاغذ بکتہ عروج پر پہنچ گیا۔

وہ لڑکیاں ابھی بھی بول رہی تھیں مگر نمل کو سوائے سائیں سائیں کے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا البتہ دو میلہ اور نمل یہ سننے کے بعد کہ خرم نے مٹھائی تقسیم کرائی ہے وہ خود کھڑی ان کے مذاق اور طنز سن رہی تھی۔

"اب ہمارے سامنے حیران ہونے کی ایک ٹنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے ایک ساتھ تم دنوں نے اتنے دن تھنیاں کیں اور ایک ساتھ ہی آج یونیورسٹی آئے ہو اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے تو اتنا ڈرامہ کیوں ہو بھئی۔"
"بلکہ تمہیں بھی خرم کی طرح مٹھائی لے کر آنا چاہیے تھا۔"

"ویسے کچھ بتاؤ یہ سب ہے کیا؟" ابھی تو پھپھوڑا تھا اور اب اسی سے منگنی کر رہی ہو۔"
"کیا مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی اور وہ کیسے ہوئی؟"

"یا میرا انداز ہی ٹھیک ہے مہلوں کا خاموش انفرمل رہا تھا لیکن یونیورسٹی میں مشہور ہونے کے لیے خود ہی مودی بنا کر۔" بہت ہی معنی خیز انداز میں آنکھیں نیچاتے ہوئے جملے کو دانستہ اور حورا چھوڑ دیا گیا نمل کو تو پہلے ہی

شدید غصہ آ رہا تھا "فیر" جیسا کہ ابوالفضل سن کر اسے اپنی شرانیں بچتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔
 "شٹ اپ! زبان سنبھال کر بات کرو عقلی نہ میری کوئی عقلی ہو رہی ہے اور نہ ہی میں نے کسی کو انوائسٹ کیا ہے سب کسی کا تھوڑا کلاس مذاق ہے۔
 بلکہ کسی کا نہیں یہ سب بیہوش خرم کا کیا دھرا ہے ایسی گری ہوئی حرکت اس کے سوا اور کوئی کری نہیں سکتا۔" نمل غصے کی شدت سے آگے بھی کچھ گستاخاوتی تھی کہ رو میلہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کلاس سے باہر کھینچا شروع کر دیا۔

"چھوڑو مجھے رو میلہ کیا ہو گیا ہے جس میں۔" نمل اس کے ساتھ کھینچتے ہوئے بری طرح تھلا گئی مگر رو میلہ کی نہیں بلکہ نمل کی باتیں سن کر لڑکیاں جو عجیب عجیب رو نمل کا مظاہرہ کرنے لگی تھیں ان کے تبصرے سننے سے پہلے ہی نمل بھی ان دونوں کے پیچھے باہر آئی اور نمل کو روکنے کے لیے زور لگا تا دیکھ کر اس نے بھی ایک جانب سے نمل کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچنے لگی۔

"نمل جب رہو اور چلو ہمارے ساتھ۔" نمل نے وائٹ پیٹے ہوئے کلاس کے باہر ادھر سے ادھر گزرتے اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر ان تینوں نے ہی اپنی اپنی زور آنائی کو قابو میں کر لیا تھا مگر نمل کے دونوں ہانڈا ابھی تک ان دونوں کے ہاتھوں میں تھے جیسے انہیں زور ہو نمل ابھی بھی ہاتھ چھڑا کر کلاس کی لڑکیوں کے پاس پہنچ جائے گی۔
 ڈیبا رنٹ سے باہر نمل کر آخر نسبتاً ایک تھاکوٹے پر پہنچ کر نمل نے ایک جھٹکے سے اپنے دونوں ہاتھ چھڑوا لیے کیونکہ ان دونوں کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی تھی اگر نمل اپنے ہانڈا نہ بھی چھڑوا دیتی تو بھی وہ چھوڑنے ہی والی تھیں۔

"تم دونوں نے مجھے ان سے بات کرنے کیوں نہیں دی میرے اس طرح بھاگ آنے پر تو وہ سب سمجھ رہی ہوں گی کہ میری عقلی واقعی خرم کے ساتھ ہو رہی ہے۔" نمل پھر کرولی تو رو میلہ سنجیدگی سے اس کی شکل دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"صرف وہ ہی یہ نہیں سمجھ رہیں بلکہ میں بھی یہی سمجھ رہی ہوں۔"
 "کیا مطلب؟" نمل چڑ گئی۔

"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے کہ تمہاری عقلی واقعی خرم کے ساتھ ہو رہی ہے وہ بھی وہی بات ہے۔
 جسمی خرم نے مٹھائی بٹولی ہے ورنہ اس کا دلغ اتنا خراب نہیں کہ اتنی بڑی بات مذاق میں کہہ دے تاکہ کل کو خود اسی کا مذاق بن جائے۔"

"تمہارا مطلب ہے برسوں میری عقلی ہے اور مجھے پتا ہی نہیں ہے۔" نمل کھنٹی سے کہی۔
 "ایسا کوئی ناممکن تو نہیں ہے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ ماموں (عقلیت عقل) میں بتا کر ہی تمہارا رشتہ کریں مجھے کون سا مشا کر میری رائے لی گئی تھی مجھ سے پوچھنا ضروری نہیں سمجھا گیا تھا جس میں بتانا تک ضروری نہیں سمجھا۔" رو میلہ کی بات ایسی تھی کہ نمل کا غصہ قدرے کم ہو گیا مگر وہ میلہ سے حلق تب بھی نہیں تھی جبھی سرنگی میں ہلاتے ہوئے رسائیت سے کہنے کی کوشش کرنے لگی۔
 "یہ جو کچھ بھی ہے مجھے پریشان کرنے کے لیے خرم کی ہاتھ لائی ہوئی انوائسٹ میں اس بات کی کھپھن کہوں گی تاکہ۔"

"کھپھن کرنے سے پہلے کفرم تو کر لو۔ اصل میں میں نے جس بتایا نہیں تھا خرم اپنے سر شمس کو تمہارے مگر بھیجنا چاہ رہا تھا اس نے تمہارا ایڈریس دیکھ کر پتا لگا لیا تھا اور۔"

"کیا؟" نمل چیخ پڑی تو رو میلہ تیزی سے بولی۔

"میں نے اسے تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور مجھے تو یہی لگا کہ تمہارے کینڈا سے آنے کا انتظار کر رہا ہے۔
 لیکن اب مجھے لگ رہا ہے اس نے اپنے کپ سب کچھ بتا کر اپنے والدین کو تمہارے گھر بھیج دیا ہو گا۔"
 رو میلہ کے تیز تیز کہنے پر نمل بے یقینی سے اسے دیکھے مگر کئی کلن دیر سے خاموش کھڑی نمل نے لب کشائی کی۔

"اس نے رو میلہ کے سامنے اپنی محبت کا اقرار کیا ہے۔"
 He loves you نمل بڑی سنجیدگی سے گواہی تھی مگر نمل کو اس کا انداز سراسر چھیڑتا ہوا لگا تھا جس سے اپنے غصے پر ضبط کرتے ہوئے چبا کر کہتی۔
 "اس نے کہا اور تم دونوں نے یقین لیا۔"

"مجھے نہیں پتا کہ مجھے اس کی بات پر یقین کرنا چاہیے یا نہیں۔ لیکن میں نے یونہی رشتی کے بالکل شروع کے دنوں میں ہی کہہ دیا تھا کہ وہ تمہاری ذات میں غیر معمولی دلچسپی لیتا ہے۔" رو میلہ نے بے تاثر لہجے میں کہا تو نمل نے ایسے آنکھیں میچ لیں جیسے خود کو کوئی بہت سخت بات کہنے سے روک رہی ہو۔
 اسے اپنے زائد دیکھ کر نمل کچھ ناراض ہوتے ہوئے بولی۔

"اس میں اتنا بگڑنے کی کیا بات ہے اگر وہ تم سے محبت کرتا ہے تو یہ تو تمہارے لیے خوشی کی بات ہے۔" نمل نے ایک دم آنکھیں کھول کر ایسے اسے دیکھا جیسے اس کی معافی حالت پر شک ہو رہا ہو اور یہ بات نمل کو بھی سٹکا کر رہی تھی۔
 "خرم کوئی ایسا گرا پڑا نہیں ہے جو تم ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو اول تو کسی لڑکی کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہوتی ہے کہ کوئی اسے چاہتا ہے۔"

خاص طور پر تب جب کوئی چھوہرین دکھانے کی بجائے برابر طریقے سے رشتہ لے کر آ رہا ہو۔"
 "اور جو کچھ وہ اب تک کر رہا ہے کیا وہ چھوہرین نہیں ہے۔" نمل بڑ کر بولی۔

"نمل تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے جس کی بنیاد پر تم اتنے یقین سے کہہ سکو کہ اس لڑکے کو جس میں چھیڑنے کے لیے خرم نے ہی بھیجا تھا۔
 اور اس ایک بات کے علاوہ اب تک خرم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اتنا قلیل گرفت بھی نہیں کہ تم اس کے لیے دل میں اتنی نفرت رکھو۔"

"میرے خیال سے ہم بے کاری بحث کر رہے ہیں۔ نمل تم ممالی (رشیدہ) کو فون کرو تاکہ پتا چلے کہ اصل صورت حال کیا ہے۔" رو میلہ نے ایک دم سچ میں بول کر ان دونوں کی ہی توجہ دوسری جانب مبذول کرانی چاہی۔
 مگر نمل اپنے سابقہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ایسا کچھ اگر ہو تا تو اب تک مجھے بتا چکی ہوتیں۔
 اگر کسی سے بات کرنے کی ضرورت ہے تو صرف خرم سے گیا سوچ کر اس نے یہ خرافات کی ہیں۔" نمل کہہ کر دی نہیں بلکہ ڈیبا رنٹ کی طرف ایسے لپٹی تھی جیسے خرم کو تلاش کرنے جا رہی ہو۔
 "نمل کیوں اپنا تماشنا بنا چاہتی ہو۔ لوگوں کے سچ میں تم اس سے کیا بات کرو گی۔ میری مانو پہلے ممالی کو فون۔"
 "نمل رو میلہ کی بات کو سنی ان سنی کرتی جا رہا تھا انداز میں آگے بڑھتی رہی۔

منہل اور دو میلہ پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں جیسے ایک دوسرے سے کہہ رہی ہوں اس کے پیچھے جاؤ اور اسے روکو۔

گھر والوں میں ہی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں تھی خرم دوسری ہی ہر وقت دوستوں کے چمکنے میں گمراہ ہوتا تھا۔ تو آج تو صورت حال بھی مختلف تھی یہاں اس کی آمد کو انتشار ہو گا اور عمل کو اس کے بعد دیکھ کر جو لوگ متوجہ نہیں بھی ہوں گے وہ بھی کچھ چلے آئیں گے۔

یہ سب سوچتے ہوئے وہ دونوں اپنی جگہ گھڑی کی گھڑی رہ گئیں۔ جبکہ عمل سمت کا تعین کیے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتی ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی اسے یہ نہیں بتا تھا کہ خرم اس وقت اسے کہاں ملے گا نہ ہی یہ ہوش تھا کہ اس کے ساتھ اس وقت کون کون ہو گا اس کا ذہن تو بس بے تحاشہ سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ اسے تلاش کرنے کے لیے ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوتی اسے ڈیپارٹمنٹ کے باہر ہی خرم نظر آ گیا۔

وہ بھی حلاشی نظروں سے ایسے ادھر ادھر دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو عمل والہیں پلٹ کر تیز چیز چلتی اس کے پاس پہنچی اور بڑے جارحانہ انداز میں بولی۔

”یہ سب کیا ہے خرم؟ اس کی آواز پر خرم چونک کر پلٹا تھا۔

وہ اسے ہی ڈھونڈتا ہوا آیا تھا۔ عمل جس طرح ان لڑکیوں کے سامنے شادی سے انکار کر کے کھاس سے باہر نکلی تھی وہ انداز دیکھ کر لڑکیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی ان میں سے دو تین لڑکیاں جو خرم کی ظاہری پرمٹھیلی کی وجہ سے اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی تھیں اور اس وقت اس کی منگنی کا سن کر بہت بے چین ہو گئی تھیں فوراً ”خرم کے پاس جا پہنچیں اور عمل کے رد عمل کے متعلق بتا کر استفسار کرنے لگیں۔

خرم کو بھلا انہیں صفائی دینے کی کیا ضرورت تھی وہ محض ہنس کر ٹال گیا مگر ان کے کہنے کے مطابق عمل کو ڈیپارٹمنٹ کے باہر جانا نہ کھا ہے اس سے بات کرنے کے لیے اسے وہیں ڈھونڈنے پر مجبور کیا گیا مگر وہ تو غلط جگہ پر مڑ گیا تھا یہ تو اچھا ہوا عمل نے خود ہی آکر اسے پکار لیا۔

خرم اس وقت اتنا سرشار تھا کہ عمل کے کہنے اور تاثرات پر غور ہی نہ کر سکا۔

اس نے جو چاہا تھا سب کچھ عین اس کی خواہش کے مطابق ہو گیا تھا اتنی جلدی عمل کے والدین نے رکھ رکھاؤ کے منگنی کی تاریخ بھی دے دی تھی اور وہ اتنے دنوں کی غیر حاضری کے بعد آیا تو اپنے اسی طور پر انداز کے ساتھ ہی آیا۔

اس کی ملاکی دھیموں مٹھائی نے واقعی تسکین پیدا کی تھی سب ہی اس کے پاس حیران ہو کے چلے آ رہے تھے اور یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ یہ سب کسے ہوا۔

اگر یہ سچ تھا تو اس مودی میں کیا تھا اور اگر وہ سچ تھا تو یہ کیا ہے؟ خرم کسی کو بھی جواب دیے بغیر ان کی حیرانی سے لطف اندوز ہو کر ہنس کر انہیں ٹال دیتا۔

سب سے زیادہ سکون تو اسے سیر کے گروپ کو مٹھائی پیش کرنے کے حاصل ہوا تھا۔

سیر کے پاس جا کر اس نے خود سے ڈیپارٹمنٹ میں سیر کو مبارکباد تو خیر کیا دینی تھی البتہ اس کی خاموشی اس کے جواب ہونے کو ظاہر کر رہی تھی۔

وہ تو انتظار میں تھا خرم آئے تو اس کی وہ غصہ اٹھائی کریں کہ وہاں آنے کا ارادہ نہ کرے مگر عمل کے ساتھ

منگنی کا اعلان کر کے اس نے تو پانسہ ہی پلٹ دیا تھا۔

اس کے چہرے کے انارچہ جھانک دیکھ کر خرم کی روح تک شامت ہو گئی تھی اسے اپنے اسی بریکٹ لمحوں کو محسوس کرنا تسکین بھرے انداز میں عمل کی طرف پلٹا تو اسے دیکھ کر کچھ لمحوں کے لیے عمل ہی گیا کہ کچھ دن پہلے اسی لڑکی نے اس کے منہ پر طمانچہ اڑا دیا تھا اور اسے جی بھر کر ذلیل کیا تھا۔

کہتے ہیں اندر کا موسم خوب صورت ہو تو باہر کی ہر چیز خوب صورت لگتی ہے شاید یہی وجہ تھی کہ اس بل عمل پر نظر پڑتے ہی وہ کہیں کھوسا گیا تھا۔

لائٹ گرین کمر کے ساتھ سے سوٹ میں بالوں کی سیدھی سی چوٹی بنائے وہ بالکل ویسی ہی لگ رہی تھی جیسی بیٹہ لگتی تھی اس نے آج کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا مگر وہ ہی نیا پن تھا پھر بھی اس بل وہ خرم کو بہت منفرد لگی تھی۔

شاید غصے کی وجہ سے اس کے چہرے پر پھلکی سرخی نے اسے ایک عجیب سی شادابی بخش دی تھی یا موسم اتنا خوشگوار ہو رہا تھا کہ اس کا کمر انورڈ ہو گیا اس بل کی ہلکی ہوا اور نرم گرم دھوپ کا حصہ لگ رہا تھا۔

وہ دن بعد اس لڑکی کے ساتھ اپنے گھر میں اس کی منگنی ہونے والی تھی اس خیال نے کچھ لمحوں کے لیے اس کی دھڑکنوں کو تیز کر دیا تھا محض کچھ لمحوں کے لیے کیونکہ عمل کے تیز لہجے نے اس پر چھاتے غماز کو ایسے اتارا تھا جیسے کسی کو اچھے خبر سے میں سوئی چھو کر بھس۔ کر دیا جائے۔

”یہ کیا ہو اس کی ہے تم نے یونیورسٹی میں۔“ عمل نے پرتا ہوا ہاتھ ہٹے ہوئے نہایت سختی سے بولی تو خرم ہلکی سی جھٹک سے ہونے آدھرا دھڑکنے لگا تاکہ تھوڑی دیر پہلے وہ جس کیفیت سے گزرا تھا اس کا شاہد تک اس کی آنکھوں اور لہجے میں نہ ہو۔

”میں نے تو کوئی بکواس نہیں کی۔“ اس نے محض خود پر چھائے جمود کو توڑنے کے لیے زبان کھولی ورنہ وہ حقیقتاً ”سبھا ہی نہیں تھا کہ عمل کیا کھانا چاہ رہی ہے۔“ عمل چیخ کر بولی۔

”یہ بکواس نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ دن بعد ہماری منگنی ہو رہی ہے۔“ عمل چیخ کر بولی۔

اب کی بار خرم نے چونک کر بغور اسے دیکھا تھا جب ان لڑکیوں نے آکر کہا تھا کہ عمل تو مان ہی نہیں رہی کہ اس کے ساتھ تمہاری منگنی ہو رہی ہے تب اس نے زیادہ یقین نہیں کیا تھا۔

صنف مخالف کی اپنے اندر دلچسپی کو وہ خود بھی بہت اچھی طرح سمجھتا تھا وہ ان لڑکیوں کی باتوں کو مبالغہ آرائی کے خلاف میں لپٹی جلن ہی سمجھتا تھا۔

البتہ یہ جان کر کہ عمل بھی یونیورسٹی آگئی ہے اس سے ملنے چلا آیا تھا مگر اس کی طرف سے اس قسم کے رد عمل کی تو اسے توقع ہی نہیں تھی۔

اس کے چہرے پر مذاق یا خواہ مخواہ انجان پن کی کوشش کرنے والی اداکاری کی رمتی تک نہیں تھی اس کے برعکس وہ بڑے سے ہوئے تھے میں سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

”وہ دن بعد واقعی ہماری منگنی ہو رہی ہے اس لیے میں نے ایسا کہا ہے مجھے بھلا جھوٹی افواہ اڑانے اور فضول ہانکنے کی کیا ضرورت ہے۔“ خرم نے قدرے سنجیدگی سے کہا تو فوراً کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر جانے کس چیز نے اسے ایک دم بولنے سے روک دیا۔

یا تو دو میلہ کی تھوڑی دیر پہلے کی کسی بات نے اسے ٹھنکنے پر مجبور کیا تھا یا خرم کے چہرے پر پھیلا سکون اس کی صداقت کو ظاہر کر رہا تھا۔

بہر حال کچھ بھی تھا وہ جتنی خود اعتمادی سے اس سے جرح کرنے آئی تھی اس میں دراڑیں پڑ گئی تھیں جیسی جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں اتنا دم نہیں تھا۔

”تمہے تم جھوٹ بول رہے ہو۔“
 ”میں جھوٹ نہیں بول رہا بلکہ تم انجیل بننے کا ڈرامہ کر رہی ہو۔ میرے والدین تو باقاعدہ تمہارے گھر آئے تھے رشتہ تھے۔“

اور تمہارے قادرِ عسکت غلیل نے خود اس رشتے کی منکوری ہی ہے وہ تو فوری شادی کی خواہش کر رہے تھے مگر میرے بچے جس فی الحال صرف منگنی پر تیار ہوئے ہیں وہ بھی بڑی مشکل سے کیونکہ ہمارے بچے گھر میں منگنی کرنا چاہ رہے تھے۔ منگنی تو وہ خیر ہے مگر میں ہی کر رہے ہیں مگر اب شفقت کا کام بڑی افزائش میں ہو رہا ہے جو کہ ڈیڈ کے مزاج کے بالکل برعکس ہے مگر اتنی جلد بازی صرف تمہارے قادر کے پروردگار پر ہو رہی ہے۔ ”خرم بڑی تفصیل سے بولا مگر یہ بات میں بتائی اس کے والد سے زیادہ فرقان حسن خرم کے پروردگار پر اس افزائش کی منگنی کے لیے تیار ہوئے ہیں۔“

کل کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ خرم کی کبھی ساری باتیں جھوٹ ہوں گے مگر اسے سمجھوڑ رہا تھا کہ کل سے اب تک عسکت غلیل نے اسے بلا کر اس کی کلاس میں لی تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اتنے مصروف ہیں کہ انہیں اپنا قصہ نکالنے کا وقت نہیں مل رہا۔ بلکہ وہ اپنی بھڑاس اس کی زندگی کا فیصلہ کر کے اس کے پیچھے ہی نکال چکے ہیں لب انہیں اس سے کچھ کہہ کر اس کی سن کر اپنا وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ بے یقینی سے خرم کو دیکھتے تھے تو خرم نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ پلاتے ہوئے قدرے شوخی سے کہا۔
 ”یقین نہیں آ رہا نا خواب ایسے بھی پورے ہوتے ہیں۔“ خرم نے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تو محل چوتھے ہوئے تھلا گئی۔

”تم نے مجھ سے پوچھے بغیر اپنے بچے کو میرے گھر کیسے بھیجا۔“
 ”کیونکہ مجھے لگا تم انکار کر رہی تھیں سکتیں تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔“ خرم نے مسکراتے ہوئے محض اسے جلاسنے کے لیے کہا تو وہ واقعی بڑی طرح مسک گئی۔

”میں تب تو کیا اب بھی انکار کر سکتی ہوں اور کر رہی ہوں۔“
 ”ہماری کوئی دلدل بعد منگنی ہو گئی نہیں ہو رہی اپنے گھر میں بھی بٹاؤ اور پورے شہر میں بھی۔“ کل کے صاف انکار پر خرم چاہتے ہوئے بھی اپنی مسکراہٹ کو دم پر نہ لے سکا۔

”انکار کرنا تھا تو اپنے والدین کے سامنے کر تیں میرے سامنے اتنا بھلاؤ کھائے گی کیا ضرورت ہے۔“ خرم نے طنز آمیز انداز میں کہا تو کل کے چہرے پر ایک سایہ سالہا گیا اس کے والدین نے اسے ملتا جلتا ہی کب تھا جو وہ اپنی رائے کا اظہار کرتی۔ گو کہ یہ بات خرم کے سامنے کہنا اسے اپنی بے عزتی لگی تھی مگر یہ اسے سوچنے کا موقع دے کر مزید خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ یہ فیصلہ کل کی رضامندی سے ہوا ہے اور وہ محض اس کے سامنے بھرم دکھا رہی ہے۔

”میرے والدین نے یہ فیصلہ میرے پیچھے کیا ہے۔ میں کینڈا گئی ہوئی تھی اگر وہ مجھ سے پوچھتے تو میں اسی وقت انکار کر دیتی۔“ کل کے دو ٹوک لہجے پر ایک بل کے لیے خرم کے اندر ساٹا چھا گیا۔

یہ لڑکی کتنی بار اسے ذلیل کر چکی تھی ہر بار اسے ملنے سے زیادہ بے عزتی کا احساس ہوا تھا اس وقت بھی اس نے یہ سوچ کر خود کو بھڑکنے سے روک رکھا کہ اس سے محبت میں شادی کر رہا ہے تو محض لوگوں کو دکھانے کے لیے اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اچھا ہی ہے اگر وہ اس رشتے پر راضی نہیں ہے اس طرح تو اس کے جذبہ انتقام کو اور تسکین ملتی چاہیے۔
 خرم نے خود کو سمجھاتے ہوئے فوراً ہی اپنا لہجہ شوخ بنالیا۔

”یار کیوں ڈرامہ کر رہی ہو مان لو تم نے اپنی خوشی سے اس رشتے کو قبول کیا ہے مجھے تو پتا ہی ہے کہ ساری لڑکیاں بچہ پر مڑتی ہیں ایک اگر تمہارا حال بدل بھی رہا چل جائے گا تو کیا فرق رہ جائے گا۔“
 ”شٹ اپ۔“

”مجھ پر چلانے سے کیا ہو گا بھی تم خود تو کیا یہ ماننے والی بات ہے کہ تمہارے ماں باپ نے تم سے پوچھے بغیر تمہاری شادی طے کر دی اور تو اور منگنی کی بات بھی نہیں ہو گئی اور تمہیں خبر تک نہیں۔“
 اول تو مجھے یہ ہی یقین نہیں ہے کہ تم کینڈا گئی ہوئی تھیں جب میرے بچے شہر تمہارے گھر آئے تھے تب تمہارے والدین نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی کہ تم ملک سے باہر گئی ہوئی ہو۔

چلو خیر میں مان لیتا ہوں کہ تم یہاں نہیں تھیں مگر آج کے دور میں تو قاصد بالکل سٹ گئے ہیں وہاں پاکستان میں بیٹھ کر بھی تمہاری رائے سن سکتے تھے یا تمہارا انتظار ہی کر لیتے مگر وہ تو اتنی جلد بازی دکھا رہے تھے جیسے تم کسی کے ساتھ بھاگنے کا ارادہ رکھتی ہو۔“ خرم کا استرخانہ انداز کسی زنانہ ڈار بھڑکی طرح اسے لگا تھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی مگر وہ خرم کے سامنے کنور نہیں پڑنا چاہتی تھی اس لیے اپنی روٹا ہٹی ہوئی آنکھوں کو ہٹا رہی تھیں۔

”اچھا اس بحث کو رہنے دو کہ اس شادی میں میری مرضی شامل ہے یا نہیں یہ بتاؤ کہ تمہی شادی کیوں کر رہے ہو؟“

اس سمجھنے کا بدلہ لینے کے لیے ”کل نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اتنے اعتماد سے کہا جیسے اس سے پوچھ نہ رہی ہو بلکہ وہ خود ہی اس حقیقت کو جانتی ہو بس اس کے منہ سے سنا چلا آتی ہو۔“
 خرم غیر ارادی طور پر اس کی آنکھوں میں دیکھا چلا گیا بہت خوب صورت تھیں اس کی آنکھیں۔ بہت بڑی اور بہت گہری۔ اتنی گہری کہ ان میں دیکھنے والا خود کو ان میں ڈوبتا محسوس کرنے لگے۔

اور ان پر اتنی سیاہ کنی پلکوں کی جھلکیاں ایسے ان آنکھوں پر سایہ فگن تھی جیسے کسی گہری جھیل کے ارد گرد کھنے درختوں کی قطاریں ہو جو اس جھیل کو ہر جہتی ہوئی روشنی سے بچا کر اسے ایک عجیب طرح کی ٹھنڈک بخش رہی ہو اور اس کی گہرائی میں اضافہ کرتے ہوئے اسے مزید پراسرار بنا رہی ہو۔

جسے دیکھنے والا در سے ہی اس میں اتر کر اس کے اسرار و رموز کو جاننے کے لیے بے چین ہو جائے۔
 ”نہیں بلکہ اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

ادارہ خواتین و انجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوب صورت ناول



- ☆ تھلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبین قیمت: 225 روپے
- ☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
- ☆ محبت میاں نہیں لہنی جدون قیمت: 250 روپے

مشتات: پتہ: مکتبہ عمران و انجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

خرم کے گیسر بچے پر حمل ہو گئی۔ اس جواب کی اسے قطعاً توقع نہیں تھی ایسا نہیں تھا کہ وہ خرم کے منہ سے یہ سب سن کر بہت خوش ہو گئی تھی یہاں پر اسے خرم کے ساتھ اپنی شادی طے پائے جانے پر اطمینان ہو گیا تھا۔ خرم کے دونوں سے اختلاف بند ستور اپنی جگہ قائم تھا اسے صرف شدید قسم کی چرائی ہوئی تھی۔ اور یہ بھی ایک حقیقت تھی اس سے اس قسم کی بات کبھی کسی نے نہیں کہی تھی کسی کے منہ سے اپنے لیے اعتبار محبت مناس کے لیے ایک بالکل الوکھا اور عجیب نیا سا تجربہ تھا۔ اس کے خوشگوار اور ناخوشگوار ہونے پر غور کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا ابھی تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر شرم و حیا کا کوئی رنگ نہیں ابھرا تھا اور یہ بات خرم نے ایک بل میں لوٹ کر کہی تھی۔ اس کا ارادہ عمل سے کوئی اعتبار محبت کرنے کا نہیں تھا نہ ہی وہ یہ شادی اس کی محبت میں گرفتار ہو کر کر رہا تھا۔ جملہ جوابات اس کے منہ سے نکل گیا تھا شاید واقعی طور پر اس کے حسن کا زیر بار ہو گیا تھا۔ یا شاید وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس پر اتنا بڑے اور غصہ کرنے والی لڑکی اگر اس کے منہ سے ایسی کوئی بات سنے تو اس کا رد عمل کیا ہو گا۔

لا شعور طور پر وہ اس کو شرماتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا گویا اسے اپنے سامنے سرگرم کر کے اپنی انا کو تسکین پہنچانا چاہتا تھا مگر جب اس کے چہرے پر خرم کے حسب خواہش کوئی رنگ نہیں اترتا تو خرم کا دماغ اس بھانسنے کا سارا افسانہ اتر گیا۔

ایک طرح سے جب وہ خرم کو اسے تسخیر کرنے کی خوشی میں دے رہی تھی تو خرم کیل اس کے سامنے ہارنے کا غور اسے بخشا۔

جبھی خرم نے ایک بل میں اپنے چہرے کے تاثرات تبدیل کرتے ہوئے تسخیر اڑانے والے انداز میں کہا۔ "کیا تم یہ سنا چاہتی تھیں کہ خرم حسن تمہارے سامنے اپنی شکست کا اعتراف کرے۔" جس پر یہ تو ہاتھ چل ہی گیا ہو گا کہ کسی نے ہماری مودی فیس بک میں ڈال دی ہے جس اسی کا حلیہ برآمد کر کے اسے لے کر تمہارے گھر اپنے پیرتس کو بھیج دیا تھا تاکہ لوگوں کی لبا میں نہ ہو جائیں۔

ورنہ تمہارے چہرے کا بدلہ لینے کے لیے تو میں اور بھی کئی طریقے اپنا سکتا تھا اس کے لیے تمہارے جیسی معمولی سی لڑکی سے شادی کر کے اسے اتنا خاص بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔ "حمل جو ایک شاک میں گھری اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے پیتر اید لئے پر اس کی انگی سانس بحال ہو گئی۔

حالانکہ خرم کا انداز اسے سراسر ہنک آمیز لگتا تھا مگر اس قسم کے جملے اس کے منہ سے عجیب نہیں لگتے تھے جبکہ جو بات تو بڑی دیر پہلے اس نے کہی تھی اسے برداشت کرنا تو اسے مشکل تھا جبکہ خرم مزید وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب اس ایک تھپڑ کی قیمت جس میں ساری زندگی بکائی ہو گئی۔" حمل جو تو بڑی دیر پہلے عجیب و غریب قسم کے احساسات کا شکار ہو گئی تھی طیش میں آتے ہوئے اس کی بھڑکائی ایک دم کھل گئی۔

"اس غلطی میں کبھی مت مدد نہ کر میں زندگی بھر میں بدداشت کروں گی۔ یونیورسٹی میں مصالحتی ہانڈ دینے سے ہماری شادی نہیں ہو گی۔

دونوں بعد جس ممکنہ کام خواہش ہو رہی تھی محض خواب ہی رہے گا۔" حمل نے بظاہر بڑے مضبوط لہجے میں کہا مگر خرم کے ہونٹوں پر طغیانی مسکراہٹ ابھرنی لگی۔

"اگر تمہارا انکار اتنا اہم ہو تاکہ دولت بچہ ہونے والی متوقع ممکنہ کو روک سکا تو تمہارے والد تمہارے علم میں لائے بغیر اقرار ہی نہیں کرتے۔" یہاں کشوا ہوتا ہے اور اگر اسے کھل کر بیان کر دیا جائے تو مقابلہ بلبلا اٹھتا ہے۔ جسے اس وقت حمل اس کی بات سن کر ترپ اٹھی تھی اس نے اپنے سوچے کھدوائی اس شادی سے انکار کر بھی سکے گی یا نہیں پوچھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابو نے حقائق جانے بغیر اس رشتے کی ہائی بھری ہے جس میں ان کے سامنے انکار کر دینا کی توہ ایک بل میں اس رشتے کو ختم کر دیں گے۔

کیونکہ تم سے شادی کرنے سے تو بہتر ہے کہ انسان زہری لے۔" حمل نے زہر خند لہجے میں کہا کہ کر جانے کے لیے پٹنے لگی تو خرم نے سختی سے اس کا ہانڈ اپنی آگلی حرکت میں جکڑ لیا۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو آگے میں کہ جس سے اس نے ایک ایک لفظ کا حساب دینا ہو گا۔" اس کی انگلیاں حمل کی ہڈیوں میں گڑ گئی تھیں تنکلیں کے باعث اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی مگر اس کا غصہ ہر احساس پر حاوی ہونے لگا۔

خرم کی اس بے باکی پر دل تو جا رہا تھا ایک اور شخص اس کے منہ پر رسید کر دے مگر حمل کی کئی بات سن کر خرم کافی طیش میں آ گیا تھا حمل نے چپکے جواب میں وہ بھی کوئی نازیبا حرکت کر گزرتا۔

لہذا حمل کو جو پر ضبط کرتے ہوئے محض اپنا پانچ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی جس میں اسے عمل طور پر ناکام دیکھ کر خرم کے چہرے کا تاؤ ایک دم غائب ہو گیا وہ اپنی اسی سابقہ طغیانی مسکراہٹ کے ساتھ پائے والے انداز میں بولا۔

"اتنی نازک سی تو ہو کہیں میرے جیسے فولاو سے ٹکر لے رہی ہو ایسا کہ پوری یونیورسٹی کے سامنے میرے پاؤں پکڑ کر اپنے چھڑکی معافی مانگ لو میں یہ رشتہ ختم کر دوں گا کیونکہ تمہاری جیسی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے میں مجھے خود بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ اس کی طرف جھٹکتے ہوئے صرف اور صرف اسے جلانے کے لیے بولا تھا۔

ورنہ تو اسے خود بھی معلوم تھا حمل جیسی خود دل اور ضدی لڑکی پاؤں پکڑ کر معافی مانگنے کے لیے کبھی بھی تیار نہیں ہو گی وہ بھی سب کے سامنے۔

"میں تمہارے پاؤں پکڑوں گی اور نہ ہی تمہارے ساتھ شادی کروں گی تم یہ حسرت لے مرناؤ گے۔" حمل کا چہرہ غصے اور تکلیف سے بالکل لال ہو گیا تھا مگر بل پر اس کے لہجے کی سختی سے خرم خائف نہیں ہوا۔

وہ ایک ہاتھ سے مسلسل اپنا پانچ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر خرم کا ہاتھ تو کیا ایک انگلی تک اپنی جگہ سے ہلانے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی اس کے چہرے پر بھی مرنی اس کی بے بسی کی مکمل عکاسی کر رہی تھی۔

ایسے میں۔۔۔ خالی خالی جملے بھلا خرم کو کیا تکلیف دیتے بلکہ اس کا دھمکی آمیز لہجہ خرم کو جسنے پر مجبور کر گیا تھا۔

اس کی ہنسی حمل کو جلا کر خاک کر گئی تھی بل تو جا رہا تھا کہ اس کے منہ پر تھوکر دے مگر حمل کا دماغ ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ اس کی پرفیوم کی چیز خوشبو سے حمل کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی ایسے میں حمل کی ایک غلط حرکت اسے کسی بھی حد تک جانے پر اکسا سکتی تھی۔

البتہ اپنی بے بسی کا احساس اسے وہاں سا ضرور کر گیا تھا مگر اس نے کمال مہارت سے اپنے تاثرات چھپا رکھے تھے اس کے سامنے آنسو مارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

آخر خرم نے خود ہی اس کا بالو چھوڑتے ہوئے شاہانہ انداز میں کہا۔
 ”چلو دیکھتے ہیں کون کس کی حسرت لے کر رہتا ہے مستقبل کی سسر خرم حسن۔ اس کے بالو چھوڑتے ہی نمل فوراً پانچ قدم پیچھے ہٹ گئی جیسے وہ جانے کوں سے موذی مرض میں مبتلا ہو۔
 اس کا طرز خطاب نمل کو سرتاپا سگایا تھا مگر مزید اس کے پاس کھڑے ہو کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے محض جان چھڑانے والے انداز میں کہتی پلٹ گئی۔
 ”تم دیکھو میں تو مانتی ہی ہوں۔“ نمل یونہی رشتی میں مزید نہ رکنے کا فیصلہ کرتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی جہاں سسکل اور دو میلہ کو پہلے سے موجود پارک کر رکھا تھا۔ نمل کو حیران ہوئی مگر فوراً یہی اس کی حیرت ختم بھی ہو گئی۔
 وہ دونوں اس کے مزاج سے اتنی اچھی طرح واقف تھیں کہ انہیں بغیر کہے ہی پتا چل گیا تھا کہ نمل باب فوراً گھر جانے کا ارادہ کرے گی۔

وہ دونوں بغیر کچھ کہے اس کے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھنے لگیں تو نمل بے ساختہ بول اٹھی۔
 ”تم دونوں کیوں میری وجہ سے اپنی پرہیزی برباد کر رہی ہو۔“
 ”ہم تو پھر بھی بڑھ رہے ہیں تمہاری تو سرے سے کوئی پرہیزی ہی نہیں ہو رہی۔“ سسکل نے موضوع سے پہلو
 مٹا کر تے ہوئے غامض سے لہجے میں کہا۔
 ”اور میری پرہیزی آٹھ دس دن بعد چھٹنے ہی والی ہے۔“ دو میلہ کے لہجے میں پہلی بار یہ بات کہتے ہوئے کوئی
 حسرت نہیں تھی۔

نمل اتنے ذہنی انتشار کے باوجود اسے ٹھنک کر دیکھنے لگی بہت ہی مدہم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹ کے
 کنارے پر ابھر کر اتنی تیزی سے غائب ہو گئی کہ دو میلہ اور سسکل تو کیا خود اس کے ہونٹوں کو بھی پتا نہیں چلا کہ وہ
 مسکرائی ہے۔
 سسکل کو گھر پر ڈراپ کرنے کے بعد جب اس نے گاڑی دو میلہ کے گھر کی طرف موڑنی چاہی تو دو میلہ نے صبح
 کر دیا۔

”میں تمہارے ساتھ ہی تمہارے گھر چلوں گی۔“ نمل صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔
 راستے میں اس نے خرم کے ساتھ ہوئی گفتگو کا مختصر احوال سنایا جسے سننے کے بعد سسکل طور دو میلہ دونوں
 ہی نہایت سنجیدہ ہو گئی تھیں اس لیے نمل کو یہ بھی پتا تھا کہ دو میلہ اس کے ساتھ کیوں جانا چاہ رہی ہے۔
 وہ خود عظمت ظلیل سے بات کرنا چاہ رہی تھی لیکن اسے یہ بھی پتا تھا کہ دو میلہ کے پاس کہنے کا کوئی فائدہ
 نہیں ہونے والا تھا لہذا اسے شدید منہ کی کھائی تھی۔

نمل تو ان کے ساتھ غمگامی کرنے اور سننے کی عادی ہو چکی تھی جبکہ دو میلہ کے لیے وہ لب و لہجہ یقیناً ناقابل
 برداشت ہو گا پھر بھی نمل نے اسے منع نہیں کیا اس سے کچھ ڈھکا چھپا تھا ہی نہیں جس کی پرہیزی کی جاتی۔
 گھر پہنچنے پر نمل نہ چاہتے ہوئے بھی رشیدہ کے سامنے اپنی ہارامی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی مگر رشیدہ کے
 چہرے پر پہلی بے بسی دیکھ کر اس نے موضوع کو طول دینے سے خود کو ضرور روک لیا۔

دو میلہ کے مہزون منت تھوڑی دیر تو ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں۔ مگر پھر گفتگو محوم پھر کر نمل کی شادی پر آ
 رکی۔

رشیدہ نے اسے خرم کے والدین کے کہنے سے طے کر عظمت ظلیل کے بغیر خرم کو دیکھے اور طے رشتے کی ہای
 بھر لینے والی تمام باتیں تفصیل سے بتا دیں۔
 مگر حیرت انگیز طور پر نمل کو من کرنا ابھی قصہ نہیں آیا۔ عجیب سیاحت بھری نظروں سے رشیدہ کو دیکھتی رہی۔

اسی لیے تو خرم پر اس کا انکار کرنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا اس کے والد نے اس کی شخصیت کو خود ہی مدد کوڑی کا کر کے خرم کے سامنے اس کے ہر لفظ کا مطلب بے سختی کر دیا تھا۔ جس لڑکی کا والد رشتہ قبول کرے تو قوت اگلے ہفتے ہارات لانے کی بات کر رہا ہو اس لڑکی کی اور اس کے انکار کی بجائے والد کی نظر میں کیا وقعت رہ جائے گی۔

خرم کا مفہور سا انداز اسی لیے تو ہر خوف و خطر سے آزاد تھا کہ اگر اس کے انکار یا اقرار کی اتنی حیثیت ہوتی تو یہ فیصلہ اس کی بے خبری میں ہرگز نہ ہوتا اور نہ ہی اس کے والد اس کی شادی کے لیے اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کرتے۔

نمل غیر حاضر دماغ کے ساتھ بیٹھی رشیدہ اور دو میلہ کی تنگ و سختی رہی مکررات کے کھانے کے وقت جب عظمت طیل گھر آئے تو نمل ایک دم اس خود ترسی سے باہر نکل آئی اور جا کر ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔ عظمت طیل فیصلہ کر کے اس قدر مطمئن ہو گئے تھے کہ انہیں اب نمل پر کسی قسم کا قصہ بھی نہیں آ رہا تھا اور اسی لیے وہ اس کے ساتھ بحث کر کے اپنا وقت بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

نمل نے بات شروع ہی کی تھی کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر ایک جملے میں اسے خاموش کر دیا۔
"اگر تم نے اس شادی سے انکار کیا تو میں تمہاری ماں کو طلاق دے کر گھر سے نکال دوں گا۔" اتنا بڑا لفظ استعمال کرتے ہوئے ایک بل کے لیے بھی ان کا چہرہ خفیہ ہوا تھا نہ ان کا لہجہ کانپا تھا۔
وہ صرف کہہ نہیں رہے تھے وہ واقعی ایسا کر بھی سکتے تھے نمل سکتے کے عالم میں انہیں دیکھے مٹی کی آنکھیں پتھر اگنی تھیں ان کی بے بسی کو دیکھ کر۔

ایک عورت جس نے ان جملہ کھیل اور بے نیازی کے باوجود اتنے سال ان کی خدمت کرتے ہوئے خاموشی سے گزار دیے اس عورت کو وہ محض اپنی اولاد کو نجات دھاندلے کے لیے اس عمر میں زندہ درگور کر سکتے تھے۔
عمر کے اس حصے میں ان کے سر میں خاک ڈالنے پر تھے ہوئے تھے اس کی معذوری دے بی بی کا احساس ہوئے کے باوجود اسے رونا کرنے پر کمر بستہ تھے۔

نمل شاک میں گھری تھی اور وہ اپنا حریہ کامیاب ہونا دیکھ کر سکون سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے ان کی غور سے تنی گروں کی چیخ کر اعلان کر دی تھی کہ انہوں نے بغیر لڑے ایک دست بڑا معرکہ سر کر لیا تھا۔
نمل ان کے جانے کے بعد بھی جانے کتنی دیر ایسے ہی کھڑی رہتی کہ رشیدہ کی سسکولہ کی آواز اسے دوبارہ ہوش میں لے آئی وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی۔ مگر اسیں چپ نہ کرا سکی سمجھتی تھیں کہ انہوں نے کیا کیا زبان گنگ ہو گئی تھی جبکہ وہ دوتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو بی بی۔ میری وجہ سے۔ میری وجہ سے ہمیں ہمیشہ کئی بار کواٹھیں ہذاشت کرنی پڑتی ہیں اور آج۔ آج۔" آنسو میں شدت آئے پر ان سے جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا۔

نمل چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی تو دو میلہ ان کا ہاتھ سلائے ہوئے ہڈی ہونے لگی تو اس میں ہل۔
"نہیں ممانی آپ کی وجہ سے نہیں بلکہ میری وجہ سے آج نمل کے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے نہ وہ میری خاطر کینیڈا جاتی اور نہ اسے خرم سے شادی کرنی پڑتی۔" نمل چونک کر دو میلہ کو دیکھنے لگی اس کا کمال لفظ "خرم سے شادی" کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے اعصاب پر جا کر لگا تھا بے اختیار اسے صبح خرم کا گملا یاد آ گیا۔
"مستقبل کی سب سے خرم حسن۔"

اس کا وہ باندہ بی طرح جتنے لگا جسے صبح خرم نے اپنی آہنی گرفت میں لیا ہوا تھا رشیدہ اور دو میلہ، نمل کو فراموش کیے ایک دوسرے کو بے قصور اور خود کو نمل کا قصور وار قرار دے رہے تھے۔

جبکہ نمل آستین ہٹا کر اپنے ہاند کو دیکھنے لگی جہاں ابھی تک خرم کی سخت گرفت کی وجہ سے سرخی مائل نشان بنا ہوا تھا۔
"تم سے تو میں کبھی شادی نہیں کر سکی گی خرم بلکہ تمہارا بیٹا کبھی نہ کر سکی گی۔" نمل اس کی انگلیوں کے نشان کو دیکھتے ہوئے زبردستی بولے ہوئے جیسے اپنے ہاند پر بنے نشانوں سے نہیں لگے خرم سے مخاطب ہو۔

نمل گھر میں شفٹ ہونے کے بعد فوری طور پر نمل کو سارا ماحول بڑا عجیب لگا تھا سارا دن عجیب بھاگ دوڑ میں گزارا اور رات کو نمل کے باوجود گہری نیند نہ سو سکی۔
عجیب سی بوسہ کا احساس ہوا تھا تو صرف اسے ہی نہیں بلال اختر اور عائشہ اختر کو بھی اپنے پلیٹ میں لے ہوئے تھے۔
عائشہ اختر تو بلا لائی سے لڑکی کا اظہار کر رہی تھیں جبکہ بلال اختر بظاہر تو خاموش تھے مگر ان کے چہرے پر ایک کوفت نمایاں تھی۔
تقریباً تین چار دن بعد کہیں جا کر ساری چیزیں ترتیب سے لگیں تو مکان کچھ کچھ گھر لگنے لگا۔

بہت جلد عائشہ اختر نے ملازمہ کو بنا کر خود کھانا پکایا تو کھانے کی میز پر ان تینوں کو بی ایک خوشنوار سا احساس ہوا۔

"اب نمل اب کل سے تم ہی کھانا پکاؤ گی۔" بلال اختر نے نمل سے ہاتھ پوچھتے ہوئے کہا تو عائشہ اختر انہیں معذرتی خلقی سے دیکھنے لگیں۔

"میری سارا دن کی محنت کا آپ مجھے یہ صلہ دے رہے ہیں کہ انعام کی بجائے مجھے سزا مل رہی ہے۔" ان کے انداز پر رشیدہ تک کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"لیکن ممانی! صبح کدہ رہے ہیں کو کنگ آپ کو ہی کرنی چاہیے کہ جو واقعی کھانا کھا کر مرنا آیا ہے۔" رشیدہ کی بات پر وہ تناظر بھرے انداز میں مسکراتے لگیں۔

"ایسا کہ رشیدہ کو کھانا پکانا سکھا دو بی بی بھی اس کے پاس سارا دن کرنے کے لیے کچھ ہوتا بھی نہیں۔" بلال اختر نے پلیٹ ذرا سی آگے کرتے ہوئے دواں کنڈیاں میز پر نکا دیں۔

"جی نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے میری اتنی محنتیں کچھ کچھ میں جا کر اپنا رنگ کالا کرنے کی۔ ویسے بھی یہ دوبارہ معمول ہونے والی ہے میں کسی نئے کالج میں اس کا ایڈمیشن کر رہی ہوں یہ گھر میں بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتی۔" عائشہ اختر نے کہا تو رشیدہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

بلال اختر نے ان کی بات پر کوئی تبصرو نہیں کیا بلکہ صرف انہیں دیکھ کر رہ گئے تو عائشہ اختر بھی واپس موضوع کی طرف آتے ہوئے بولیں۔

"مگر یہ بات تو ہے اتنے ساروں بعد کھانا پکانا مجھے بھی سزا آیا ہے میں سوچ رہی ہوں کبھی کبھی بچن پر نظر کرم کر ہی لیا کروں۔"

"بہت خوب پھر ایسا کریں کل پر شین رائس بنالیں۔" بلال اختر خوش دلی سے بولے تو عائشہ اختر کل کے لیے مزید مینو ترتیب دینے لگیں جبکہ رشیدہ خاموشی سے کرسی کھسکا کر کھڑی ہو گئی مگر ابھی وہ ڈائننگ روم کے دروازے سے نکل ہی تھی کہ بلال اختر کے سر کو شیادہ انداز میں اس کا نام لینے پر آگے بڑھنے کی بجائے وہیں دیوار کے پاس رک گئی۔

"نذیبہ کی حالت کافی بہتر لگ رہی ہے۔" بلال اختر رک کر عائشہ اختر کے جواب کا انتظار کرنے لگے مگر خاموش رہیں تو خود ہی کہنے لگے۔
 "میرا کمرہ لے کا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ نذیبہ کے روتے میں فرق نظر آ رہا ہے۔ کافی پرسکون لگ رہی ہے اور پھر جو کمرہ ہم نے لیا ہے۔ یہ بھی اتنا برا تو نہیں۔ ہاں اگر تھوڑا دھوڑ کر لیتے تو اس سے اچھا مل جاتا لیکن ٹائم نہیں تھا میں فوراً سے بیشتر اس کمرہ کو چھوڑنا چاہتا تھا۔
 تمہیں ابھی میرے فیصلے سے اختلاف ہے۔ لیکن آگے چل کر تم خود مانو گی کہ میں نے صحیح قدم اٹھایا تھا۔"
 عائشہ اختر منور بلال اختر کو دیکھتی رہیں پھر بہت گھر گھر کر دیں۔
 "اگر نذیبہ کی بیماری کی وجہ آپ اس کمرہ کو سمجھتے ہیں تو پھر تو آپ مجھے بھی اس کی بیماری کا زہد دار سمجھتے ہوں گے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟" بلال اختر کچھ چڑ گئے۔
 "ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں آپ بھی سوچتے ہیں تاکہ اس کمرہ کی وجہ سے ہماری بیٹی کو بدگیا لگی ہے تو اس کا زہد دار آپ مجھے ہی سمجھتے ہوں گے نا۔" عائشہ اختر کا کجہ عجیب سا تھا جیسے خود اپنے آپ پر ہنس رہی ہوں مگر ہنسی میں رونے کا عنصر بھی شامل ہو۔
 "میں نذیبہ کا ماحول بدلنا چاہتا تھا اس کا تعلق کمرے سے نہیں ہے۔" بلال اختر نے کمرے ہوتے ہوئے حتیٰ الجے میں قدرے غصے سے کہا اور قدم آگے بڑھادیے تو نذیبہ بھی تیزی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی مبادا وہ اسے کھڑا ہوا نہ دیکھ لیں۔

لے کرے میں آکر وہ کافی دیر تک ان کی گفتگو پر غور کرتی رہی پتا نہیں کیا مطلب تھا ان کی باتوں کا اس میں پوچھنے کی بہت نہیں تھی اور نہ ہی اس کے پوچھنے پر وہ بتا دیتے۔
 البتہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ بلال اختر کی اس غلط فہمی کو ضرور ختم کر دے کہ اس کمرے میں اگر نذیبہ کی حالت میں کوئی سدھار آ گیا ہے۔

پہلے دن تو اسے بھی لگا تھا کہ یہاں مادہ گرد کیس شائستہ خالہ کا سایہ نہیں ہے مگر اگلی ہی رات اس خوش فہمی نے بڑی آسانی سے دم توڑ دیا۔

وہ اپنے ہاتھ روم میں بیٹھ کر سامنے کھڑی منہ دھو رہی تھی جب باہی کا چہرہ سامنے پڑا اس کے بعد اس نے سیدھے ہوتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکلی۔

کینے میں شائستہ خالہ کا وہی عجیب سا چہرہ نمودار ہوا تھا اور بل بھر میں ہی غائب ہو گیا تھا۔
 نذیبہ نے فوراً پلیٹ کر دیکھا مگر کچھ بھی نہیں تھا اس نے ایک بار پھر کینے کی جانب دیکھا مگر وہاں بھی اب سوائے اس کے اپنے عکس کے کچھ نہیں تھا۔

نذیبہ اپنا چہرہ تو گیسے پوچھے بغیر تیزی سے ہاتھ روم سے نکل آئی اور کھیل میں دوپک کر بیٹھ گئی۔
 کچھ دیر بعد جب اس کی پھولی ہوئی سائیں بحال ہوئیں تب اس نے اس عکس پر غور کرنا شروع کیا تو ایک بڑی عجیب سی بات اس کے سامنے آئی۔

وہ بیٹھ کر منہ دھو رہی تھی جب وہی سیدھی باہی تو کینے میں اسے اپنی جگہ شائستہ خالہ نظر آئی تھیں اس کا اپنا چہرہ تو کینے میں تھا ہی نہیں۔ بلکہ شائستہ خالہ اس کی بجائے کینے میں موجود تھیں۔

کچھ دیر تو وہ اس عجیب و غریب منظر پر غور کرتی رہی مگر کوئی سراپا تھا آتا تو کچھ سمجھ میں بھی آتا چنانچہ تھک کر پاس رکھے ٹیوا کس سے نشوونگ ل کر پوچھتے ہوئے سوئے لیٹ گئی۔

یہ اور بات تھی کہ سوتے میں بھی اسے خواب میں بھی وہی عجیب سا چہرہ دکھائی دیتا رہا۔
 کبھی وہ کسی سنسنی آمیز سری سڑک پر دوڑ رہی ہوتی تو کبھی پانچلوں کی طرح اور نور سے جی رہی ہوتی۔
 خواب میں وہ موبھی تھے بری طرح خستے ہوئے بالکل بد حالی میں آتے۔
 نذیبہ کی بار بار آنکھ کھلتی رہی یہی مشکل سے آخر میں کوئی تھوڑا سا ہاتھ دھوئے محض کپڑے بدل کر کمرے سے باہر آ گئی۔

عائشہ اختر نے اس کے ست چہرے کو دیکھ کر یہ سوچا کہ ان کی طرح اسے بھی نئی جگہ پر نیند نہیں آتی اس لیے انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا اور اگر کہیں بھی کون سا نذیبہ کو انہیں دکھاتا تھا اس نے جواب یہی باتیں کہنی ہی چھوڑ دی تھیں جو سامنے والے کی سمجھ میں نہ آئیں اور جنہیں سامنے والا سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرے۔



حمل کا پتا ہوا تو خرم خاں نے شانت کر لیا تھا جب سے اس نے خرم رہا تھا اٹھایا تھا تب سے اس کے سینے میں ایک آگ سی چل رہی تھی جو آج حمل کے چہرے پر چھلی ہے۔ کسی دیکھ کر ایک دم ٹھنڈی پڑ جاتی تھی۔
 پونہ دو مہینے تو گزر گئے تھے اب بھرا دھل اور اب حمل کا غصے بھرا انکار سب کچھ عین اس کی خواہش کے مطابق تھا کہ عکس سے عین قائل کے انکار سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وہ غفلت غلیل سے ملا تھیں تھا مگر انہوں نے اس سے ملے بغیر جس طرح اتنی آسانی سے اٹا پڑا اور اہم فیصلہ کیا تھا اسے غور کر کے ہوتے خرم ان کی حاکمانہ فطرت کو بہت اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور ایسے لوگ ایک بار جو فیصلہ کر لیتے عموماً اس سے بدلے نہیں تھے۔

اسی لیے اسے یقین تھا حمل چاہے گھر جا کر کتنا ہی دیر سے شادی سے حال نہیں رکھ سکتی تھی۔

خرم سرشار سے انداز میں اپنے دوستوں میں آکر بیٹھ گیا گو کہ وہ کئی دن کی غیر حاضری کے بعد آیا تھا مگر آج اس کا کوئی کلاس لینے کا دل نہیں چاہ رہا تھا اسے تو بس سب کے سب میں بیٹھ کر اپنی سچ کا جشن منانے میں دلچسپی تھی۔
 ہاؤس اور نادر تھوڑی دیر اس کا ساتھ دے کر پیکر اٹھنے کرنے چلے گئے تھے جبکہ حمید اور وہی بدستور اس کے ساتھ براجمان تھے انہیں بھی پڑا مڑا آ رہا تھا لوگوں کی مبارک باد اور خیرائیاں وصول کرنے میں وہ دونوں ایسے اترا رہے تھے جیسے ان دونوں نے ہی تو یہ معرکہ سر کیا ہو۔

لیکن رنگ میں ہنگامہ ان مسز فرکان کا غصے بھرا فٹن آیا تو اسے چاہے ہوئے بھی وہاں سے اٹھ کر گھر آنا پڑا۔
 مسز فرکان گھر پر بری طرح جھنجھلائی ہوئی تمام ملازمین اور مزدوروں پر چلائے جارہی تھیں اسے دیکھتے ہی اس پر بھی اسی لہجہ میں برس پڑیں۔

"خرم میں نے تمہیں کل رات ہی منع کر دیا تھا کہ تم صبح کو نورو ش میں جاؤ گے مگر میری تو اس گھر میں کوئی سنتا ہی نہیں ہے۔"

تمہارے ڈیڈ کو منع کرتی رہی کہ معنی کی تاب نہ لاتی قریب کی سڑک پر بھی گھبراہٹ کے کان پر جوں نہیں دیتا تھی۔
 پھر انہیں سمجھاتی رہی کہ اگر معنی رکھتی ہے تو کم از کم نے گھر میں نہ رکھیں گھر کی شفٹنگ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے مگر انہوں نے یہاں بھی میری نہیں سنی۔

کم از کم میری بات تو مانتی تھی کہ اتنی مصروفیت کے ٹائم پر تم اور تمہارے ڈیڈ اپنے روٹین کے کام چھوڑ کر میرے ساتھ شفٹنگ میں میری مدد کرادیں آخر میں اکیلا کیا دیکھوں۔ مسز فرکان حسب عادت بغیر رکے

اگر اکلوتا اور لالہ ہونے کی وجہ سے کچھ قصی اور مشہور ہو بھی گیا ہے تو بھی وقت کے ساتھ ساتھ اس میں فرق آجائے گا۔

”ہاں جیسے اب میں آگیا ہے نا۔“ کن کی فصاحت نکل رہی تھی بے زاری سے سن رہی تھی آخر جب اس سے بدواشت نہیں ہو تو وہ ہل پڑی۔

مگر شیدہ برائے بغیر اس کے سر پر جبت سے ساتھ بچھرتے ہوئے کئے گئیں۔
”لہنے باب کی وجہ سے سارے موبل سے بد لگن ہونے کی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے تم خرم کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔“

”میں اس کے ساتھ رہوں گی ہی نہیں تو خوش اور ناخوش رہنے کی بات ہی نہیں کہے گی۔“ نل نے زہر خور انداز میں کہا تو شیدہ نے خاموش ہو جاتی بہتر سمجھا۔
خرم کے حلق کوئی بھی جبت اور غیر جبت بات اس کے غلے کو بھائی رہی تھی اور گھر میں مہمانوں کی آمد شہر ہو گئی تھی۔
نہ نہیں چاہتی تھیں کہ نل کے چہرے پر پھیلائے گا کوئی عسوس کرے اور لوگوں کو باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔

تمام مہمانوں کا اٹھا ہونے پر وہ سب خرم کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔
”یہ کیا اتنا طریت ہے بجائے اس کے کہ لڑکے والے آئیں ہم ان ان کے گھر جا رہے ہیں۔“ دیو میلہ کو خود کو فٹ ہو رہی تھی ایک تو نل سے مزید بہت تھی لہذا اس کے احساسات کو اچھی طرح سمجھ سکتی تھی وہ سرے یہ کہہ خود اس صورت حال سے گزر چکی تھی۔
اندوختی کی منگنی اور شادی کسی اڑھائی کی طرح طے و طالع کو جکر کر مطلق کر دیتی ہے بیات دیو میلہ سے ستر اور کون جان سکتا تھا۔

”جب صبح خرم کی مدد تمہارے گھر تلی تھیں جنہیں انہیں صاف انکار کر دیا چاہیے تھا۔“ گاڑی میں نل کے برابر میں بیٹھے ہوئے نسل نے تلخی سے کہا۔
”ہاں گویا جیسی باتیں مت کرو اگر یہ بات سناؤں تک پہنچ گئی تو لوگوں کی موجودگی کا بھی لحاظ نہیں کریں گے۔“ دیو میلہ نے ناخوشانہ انداز میں مگر جیسی کو اندیشہ کیا تو نسل سر جھٹک کر رہ گئی۔
ابھی تک آنے والے سارے مہمان صرف نل کی خوب صورتی کی تعریفیں کر رہے تھے مگر خرم کے گھر جیسے ہی تمام گاڑیاں رکیں سب لوگوں کی تمام کی تمام توجہ اس شاندار نل غامکہ کی طرف مبذول ہو گئی۔
نل بھر کے لیے تو دیو میلہ اور نسل بھی سب کچھ بھلا کر گھر کی شاندار عمارت اور فانیوں کے ذریعے کی گئی اس کی شاندار سجاوٹ کو دیکھ کر ایک تک چھپکا ہوا ہوا نہیں۔
”کیا بات ہے نل کیا اور بھی جگہ ہاتھ مارا ہے تم نے۔“ دیو میلہ کی جھکی نے اپنی گاڑی سے اتر کر نل کے قریب آتے ہی بڑے بھونڈے سے انداز میں کہا۔

نل کی تھی ہوئی بھونڈی بالکل ہی سکر گئیں تو دیو میلہ اس کا ہاتھ پکڑ کر جیڑی سے اسے آگے دھکیلی۔
مگر گٹ تک پہنچے تک سارے ہی رشتہ دار صاف کی زبان سے ستر انداز میں اس کے گوش گزار کرتے رہے مگر نل نے سرائی کر ایک بار بھی کوئی کی طرف نہیں دیکھا۔

❖ ❖

(بلی ان شامانہ آئینہ ملاحظہ فرمائیں)

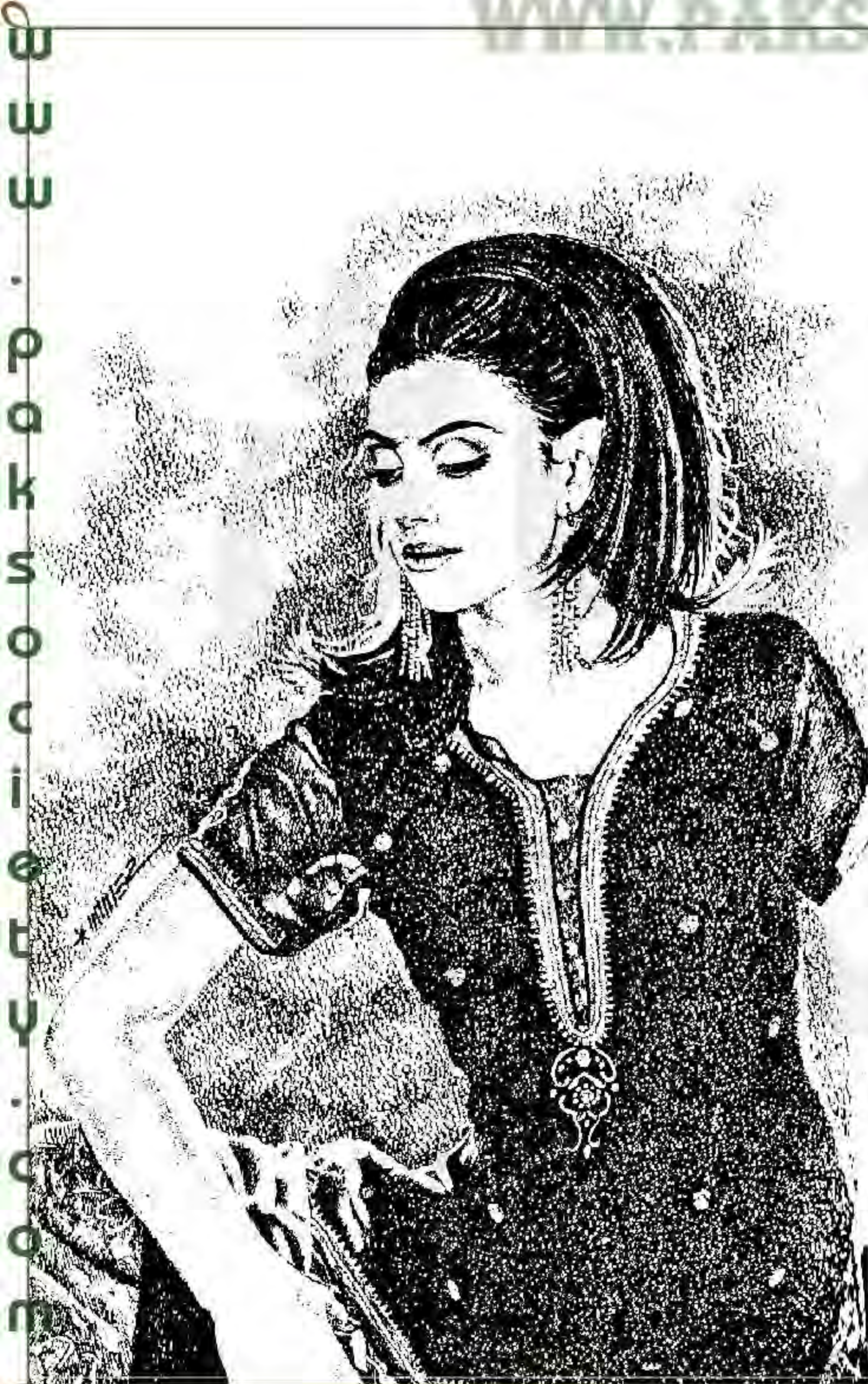
دستِ کڑک

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ فوزیہ ان سے کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ فوزیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیہ، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لٹچ کی دعوت ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ڈکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب کو قبول کر لیتا ہے اور انہیں سچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چل جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے زخمی کر رہا ہے۔

19
انیسویں قسط



اچھے اس بات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی کہ گھر کتنا شاندار ہے یا وہ کتنی حسین لگ رہی ہے خود اپنا آپاں
نے آئینے میں بغور نہیں دیکھا تھا بار بار سے ایک یوٹیشن نے آکر اسے تیار کر دیا تھا تو محض اس کی ہدایت پر بیٹے
کسی تاثر کے آنکھیں کھول بند کرتی رہی تھی۔

اب بھی سب کے تہرے اور خود پر رشک، بھرے جیلے اس کی ساعتوں تک پہنچ ضرور رہے تھے مگر اس کے
ذہن تک رسائی حاصل نہیں کیا رہے تھے ذہن میں تو اس کے اپنے ہی کے جیلے کی بازگشت ہو رہی تھی۔
”دو دن بعد جس منگنی کا تم خواب دیکھ رہے ہو وہ بھی محض خواب ہی رہے گا۔“
اپنی ہی کئی بات اسے کسی تیز دھاری تلواری کی طرح لگ رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا اگلے قدموں لوٹ جائے
لیکن اپنے گھر نہیں کسی ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو نہ خرم نہ عظمت علیل اور نہ ہی کوئی اور۔
مگر وہ دل میں اسٹی خواہش کو دل میں دبائے رویلہ اور سنبل کے سنگ چلتی ایک اسٹیج پر رکھے صوفے پر
بیٹھی۔

اسے پتا ہی نہیں تھا اس کے گرد کتنے لوگ جمع تھے کون اسے سراہ رہا تھا کون اسے مبارکباد دے رہا تھا البتہ
ایک تو اس کے کالوں میں اس طرح اتری تھی کہ اس کا منتشر ذہن ایک دم کجا ہو کر توازی کی سمت دیکھنے لگا۔
بلیک تھری پیس میں چہرے پر بھرپور مسکراہٹ لیے اس کے عین سامنے کھڑا تھا انداز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے
اس نے نمل کو سلام کیا تھا مگر نمل کا جواب دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
وہ عجیب سی نظروں سے اس کے پر سکون چہرے کو دیکھنے لگی جو گھر کی سجاوٹ کے لیے لگائی گئی بے تحاشہ
لائینوں سے بھی زیادہ روشن تھا۔

آنکھوں میں فتح کا نشہ لیے عین اس کے برابر میں بیٹھ گیا تو نمل فوراً ”تھوڑا سا کنارے سرک گئی۔
اس کی اس حرکت پر خرم نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا تو نمل سر تباہ لگ گئی۔
”تم تو کہہ رہی تھیں منگنی کا یہ خواب محض خواب ہی رہے گا پھر یہ حقیقت کیسے بن گیا۔“ خرم نے اس کی
طرف دیکھتے ہوئے ایسے کہا کہ ارد گرد کھڑے لوگوں کو لگے جیسے اس کی تعریف کر رہا ہو۔
نمل اس کے دیے طعنے پر دل ہی دل میں ہلچلا اٹھی تھی کتنے احمق سے اس نے یہ بات کہی تھی مگر قسمت انسان
وعدوں سے نہیں چلتی۔

اس کا کہا ہر لفظ بے معنی ہو گیا تھا سر جھکائے گود میں رکھے اپنے پرس کو دیکھنے لگی۔
”خرم ایسی بھی کیا تعریف کر رہے ہو کہ بھابھی کا سراپا جھک گیا ہے ذرا اندر سے کروہم بھی سن لیں۔“ ہارون
کے منہ سے اپنے لیے بھابھی کا لفظ اسے تڑپا گیا تھا مگر ضبط کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا بلکہ ہارون کے بعد وہی کی
توازی اسے احساس ہوا کہ خرم کے صرف دوست ہی نہیں یونیورسٹی کے بہت سارے اسٹوڈنٹس نا صرف آئے
ہیں بلکہ اسٹیج کے قریب ہی موجود ہیں۔

”ہاں خرم یہ بات تو ہے تھوڑا نہیں بھی سکھاؤ کل کو ہمارا بھی ٹائم آئے گا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ تھپڑ سے
انگوٹھی تک کا سفر کیسے طے ہوتا ہے۔“ وہی کی بات پر زوردار قہقہہ پڑا تھا جس میں خرم بھی شامل تھا۔

بعد ابھی شرمندہ نہیں ہوا تھا بھرے مجمع میں وہی کے ارے طعنے پر جبکہ نمل جزیر ہو کر رہ گئی تھی۔
سنبل اور رویلہ بھی اسے ہٹھا کر جلنے کہاں غائب ہو گئی تھیں اسے ان دونوں پر غصہ آنے لگا اصل میں اس
نے وہ بیان ہی نہیں دیا تھا کہ خرم کے کلاس فیلو اسٹیج پر ایسی بد تمیزی سے چڑھے تھے کہ رویلہ اور سنبل ان سے
لگرائے سے بچنے کے چکر میں میڈیا پر اتاری چلی گئیں۔
جس طرح سیاست میں کرسی کوئی نہیں چھوڑتا اسی طرح وہاں لوگوں کے اسٹیج پر چڑھنے کے بعد وہ جگہ بھی کوئی

نہیں چھوڑتا لہذا وہ سب پورے اسٹیج پر قابض ہو گئے تھے اور رویلہ اور سنبل نیچے کھڑی بے بسی سے اس رش کو
دیکھ رہی تھیں جس میں گھنٹا ”انٹیل بھیمار“ کے مترادف تھا۔
”کیوں کیا تمہارا بھی کسی سے پھینک کھانے کا ارادہ ہے جو پہلے سے طریقے پوچھ رہے ہو۔“ ان کی کلاس کی ایک
لڑکی نے بڑے شہنشاہی انداز میں کہا تو ایک بار پھر سب ہنس پڑے۔

”ارے تم بھی کسی کی باتوں میں آرہی ہو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ چار دن پہلے تھپڑ پڑا اور چار دن بعد منگنی ہوئے
گئے۔“ ایک لڑکے نے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے کان صاف کرتے ہوئے ایسے کہا جیسے ان لوگوں کی سوچ پر ماتم کر رہا
ہو۔

”کیا مطلب؟“ کئی لوگ ایک زبان ہو کر بولے۔
”مطلب یہ کہ یہ سارا ڈرامہ تھا یونیورسٹی میں مشہور ہونے کے لیے۔“ نمل کا دم گھٹنے لگا تھا ان سب کی گفتگو
سے۔

آخر اس کے خاندان والے بھی آئے ہوئے تھے کسی کے بھی کان میں کوئی بات پڑ سکتی تھی ایسے میں بھلا اس
کی کیا عزت رہ جاتی تھی۔
اس کا دل چاہ رہا تھا یا تو ان لوگوں کو خاموش کرادے یا یہاں سے اٹھ کر چلی جائے مگر فی الحال دونوں ہی باتیں
ناممکن تھیں۔

”اتنا غصہ مت کرو جو بالکل لال ہو گیا ہے کل کو جو بھی ہماری منگنی کی تصویریں دیکھے گا اسے لگے گا آگ کا
گولا بیٹھا ہے لڑکی کے بجائے۔“ خرم نے سرگوشیاں لیجے میں شرارت سے کہا۔

اس کی یہ فقرے بھاری نمل کی برداشت سے باہر تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا خرم کا منہ لوچ لے جو سب کو
گفتگو میں مصروف دیکھ کر چپکے چپکے اس پر طنز کے تیر بر سائے جا رہا تھا۔
”کبھی کبھی انسان خود کو کتنا بے بس محسوس کرتا ہے۔“ نمل چاہ رہا ہوتا ہے سامنے بیٹھے شخص کا خون کرو مگر
رسم و رواج اور قاعدے قانون ہمارے پاؤں کی زنجیروں جاتے ہیں۔

”پتا ہے بعض لوگ جب یہ زنجیر نہیں توڑ پاتے تو اپنا پاؤں ہی کٹ لیتے ہیں۔“ خرم کا شہنشاہی لہجہ ایک دم سنجیدہ
ہو گیا۔

نمل بے اختیار پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی جو بالکل سپاٹ لیجے میں کہہ رہا تھا۔
”ایسا صرف بے بسی کے انتہائی مقام پر پہنچنے کے بعد ہوتا ہے جب کوئی ایسا رشتہ جسے برداشت کرنے کی سکت
نہ ہو اور توڑنے کی اوقات نہ ہو استوار ہو جائے تو انسان اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھنے کی بجائے خود کو ختم کرنے کے
طریقے سوچنے لگتا ہے۔“ جتنا خرم کا لہجہ سخت تھا اس سے بھی کئی زیادہ نمل کی اپنے پرس پر گرفت ہو گئی
تھی۔

وہ تو خدا کا شکر تھا کہ اسی وقت خرم کی والدہ مسز فرنگن کے اسٹیج پر آجانے سے نا صرف خرم کے دوستوں اور
کا اس فیلو کا جھگڑنا نیچے اتر گیا بلکہ خرم کے طنز و طعنہ کو بھی بریک لگ گئے۔



رویملہ کی شادی کے ہنگامے شروع ہوئے تو نمل نے ہر احساس کو پس پشت ڈال دیا ویسے بھی خرم سے منگنی
ہو جانے کے بعد اب یونیورسٹی میں لوگوں کے لیے کرنے کو زیادہ باتیں نہیں بچی تھیں۔

جب تک آگ نظر نہیں آتی لوگ دھوئیں کو دیکھ کر تجسس ہوتے ہیں ایک بار چنگاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ

لو اس کے بعد بھی راکھ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔
سب کے خاموش ہو جانے کی وجہ سے نمل بھی کسی حد تک اعتدال پر آگئی تھی البتہ خرم سے سامنا ہونے پر اس کا دماغ ابھرنے لگتا کیونکہ خرم اسے دیکھتے ہی دل جلانے والی مسکراہٹ لیوں پر سجالیتا۔
اس کے پاس سے گزرتے وقت کوئی نہ کوئی فقرو اس کی طرف اچھال دیتا خاص طور پر اسے نمل کی بجائے مسز خرم کہہ کر پتھر کر دیتا۔

مگر ان مواقع پر نمل ہمیشہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتی وہ یوں روٹی میں مزید کوئی تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔
لوگوں نے ان دونوں کے بارے میں بات کرتی کم کر دی تھی ایسے میں وہ کوئی حرکت کر کے سر پڑتی آگ کو ہوا نہیں دیتا چاہتی تھی۔

پھر دو میلہ کی شادی نے بھی اس کی ذہنی توجہ وقتی طور پر ان باتوں سے ہٹا دی وہ اور سنبل ہر فنکشن کے لیے بڑے اہتمام سے کپڑے بنا رہی تھیں بلکہ زیادہ تر تو انہوں نے ریڈی میڈ کپڑے ہی لیے تھے کہ کپڑے سلوانے کا وقت نہیں تھا۔

وہ دونوں بازار جاتیں تو دو میلہ کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیتیں وہ بیڑیا تیار رہ جاتی۔
”اتنا خوار کرتے ہو تم دونوں بازار میں۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری دوکان کھنگالتے ہوئے تم دونوں کو تو فرق نہیں پڑتا مگر میری تو اسکن اور صحت دونوں خراب ہو رہی ہیں۔“

”اوہو۔“ نمل اور سنبل بڑے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھتیں۔
”ولہن صاحبہ کو اپنی اسکن کی فکر ستا رہی ہے۔“ سنبل دو میلہ کو کندھا مارتے ہوئے چھیڑتی مگر دو میلہ شرمائے بغیر ڈھٹائی سے کہتی۔

”ظاہری بات ہے مجھے فکر نہیں ستائے گی تو اور کسے ستائے گی دلہن بن کر چہرہ مر چھایا ہوا ہو تو کیا فائدہ اتنے مہنگے کپڑوں اور زیور کا۔“

”تمہارا دوا لہا اتنا گڈ لکنگ ہے کہ اسے دیکھتے ہی تمہارا مر چھایا ہوا چہرہ کھل اٹھے گا۔“ نمل شرارت سے گویا ہوتی۔

”پائے کاش میں نے بھی گلفام بھائی کو یہ کھا ہوتا۔“ سنبل حسرت سے کہتی پھر نمل پر ہنسنے لگتی۔
”تم ان کی ایک تصویر تک نہیں لاسکتی تھیں۔“

”ہاں یار یہ بچھتا تو مجھے بھی ہے۔“ نمل دل مسوس کر رہ جاتی ایسے میں دو میلہ کو ہی تسلی دینی پڑتی۔
”چلو کوئی بات نہیں اب مندی میں دن ہی کتنے ہیں انہیں رو رو ہی دیکھ لیتا۔“

اور پھر واقعی وہ دن آئی گیا جب گلفام پوری آن بان کے ساتھ دو میلہ کے گھر کے دروازے پر آئے۔
وہ اپنے زیادہ رشتے دار نہیں لائے تھے مشکل سے چچائیں تیں لوگ ہوں گے مگر چچائیں تیں لوگ بھی بڑی دھوم سے آئے تھے۔

نمل اور سنبل دو میلہ کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر گلفام اور لڑکے والوں کو ریسو کرنے گیٹ پر پہنچ گئی تھیں۔

”ان میں گلفام بھائی کون سے ہیں؟“ سنبل نے چارپانچ لڑکوں کو ایک ساتھ گیٹ سے داخل ہوتا دیکھ کر نمل کے کان میں پوچھا۔

ابراہیم بھائی ان سب سے ہی باری باری گلے مل رہے تھے سب کو پیش ایک سے ہی شلوار قمیص پہنے تھے دور

سب ایک سے ہی لگ رہے تھے۔
”ان میں سے تو کوئی بھی نہیں لگ رہا۔“ نمل انہیں بغور دیکھتے ہوئے الجھن کا شکار ہونے لگی۔
”وہ شاید پیچھے ہوں گے۔“ سنبل نے رائے دینے والے انداز میں کہا۔

مگر پیچھے تو کوئی تھا ہی نہیں دو چار خوابین اندر داخل ہوئیں جو اپنے بچوں کو سنبھالنے میں لگی تھیں اسی لیے ست روئی سے چل رہی تھیں۔

”کیا گلفام بھائی نہیں آئے۔“ سنبل نے ہاتھ میں پکڑی تھالی کی آخری پتیاں بچھاور کرنے کے بعد حیرانی سے پوچھا۔

”آئے تو ضرور ہوں گے شاید میں دیکھ نہیں سکی۔“ نمل نے مہمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ہی تھا کہ لان کے وسط میں رکھی کرسی پر ان ہی چارپانچ لڑکوں میں سے ایک آکر بیٹھ گیا۔

”یہ کرسی خاص دو لہا کے لیے رکھی گئی تھی اور ابراہیم بھائی نے اسے خاص طور پر وہاں بلا کر بٹھایا تھا۔“
”یہ ہوں گے نا گلفام بھائی۔ تم نے انہیں پینٹ شرٹ میں دیکھا تھا نا اس لیے شلوار قمیص میں پہچان نہیں سکی ہوگی۔“ سنبل نے کہنے کے ساتھ ہی دو لہا کی طرف قدم بڑھا دیے۔

وہ قریب جا کر اس کا بغور جائزہ لیتا چاہتی تھی۔ چاہتی تو نمل بھی یہی تھی مگر اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔

وہ اتنی دور نہیں تھا کہ اس کا چہرہ واضح طور پر نظر نہ آتا اور نہ ہی نمل کی نظرات اتنی کمزور تھیں کہ وہ خود سے تقریباً بند رہنٹ کے فاصلے پر بیٹھے شخص کا چہرہ نہ پہچان سکے۔

پھر بھی نمل خود کو یہی تسلی دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگی کہ اس نے شلوار قمیص پہن رکھا ہے اور بال کچھ لمبے کر لیے ہیں اس لیے اس دن سے ذرا مختلف لگ رہا ہے۔

مگر آخر کب تک اس سے پانچ فٹ کی دوری پر پہنچ کر نمل کے پاس خود کو بھلانے کے لیے کوئی بہانہ نہیں بچا تھا۔

اس کے صرف بال اور کپڑے اس کی نیند ادا لے گلفام سے مختلف نہیں تھے بلکہ اس کی شکل ہی یکسر مختلف تھی۔

نہ وہ قد کاٹھ تھا نہ وہ رنگ اور آنکھیں تھیں نہ وہ لہجہ اور انداز تھا

اور نہ ہی یہ وہ بندہ تھا نمل بالکل سن ہو گئی تھی وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اگر یہ گلفام تھا تو وہ کون تھا جس سے وہ مل کر آئی تھی اور اگر وہ گلفام تھا تو یہ کون ہے جس سے دو میلہ کی تین دن بعد شادی ہونے والی تھی اور جس کے ساتھ آج دو میلہ کی مشترکہ مندی تھی۔

نمل بالکل متبہ بنی کھڑی تھی سنبل بھی قریب سے اس کا جائزہ لینے کے بعد نمل کے پاس ہی آکھڑی ہوئی۔
”میرے ذہن میں گلفام بھائی کا نقشہ بالکل مختلف تھا میں نے کچھ اور ہی خاکہ بنا لیا تھا۔“ سنبل کا انداز تھوڑا بجا ہوا سا تھا۔

وہ اپنی دوست کے ہونے والے شوہر کے لیے کھل کر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ گلفام سے مل کر یوں ہوئی تھی جو اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

”تم نے بتانے میں ذرا مبالغہ آرائی سے کام لیا تھا۔“ سنبل نے اپنے انداز میں تھوڑی شوخی بھرنے کی کوشش

کی۔ یہ وہ گلفام نہیں ہے جس سے میں ملی تھی۔" نمل خود کلائی کے انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" سنیل چونکی پھر ایک نظر گلفام کو بے یقینی سے دیکھتی نمل کو دیکھ کر وہ لہا کی جگہ پر گلفام کو دیکھنے لگی۔

"میں جس گلفام سے کینڈا میں ملی تھی وہ یہ نہیں تھا۔" نمل اب بھی بڑبڑاتے والے انداز میں بولی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو نمل ہوش میں تو ہو۔" سنیل جھنجھلائی تو نمل ایسے چونکی جیسے واقعی بے ہوشی ہوش میں آئی ہو۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں یہ کوئی اور ہے یہ وہ نہیں ہے اور اگر یہ گلفام ہے تو وہ کوئی اور تھا جو مجھے کینڈا تھا۔

اب ان دونوں میں سے اصلی گلفام کون ہے یہ بحث یہاں بالکل بے کار ہے سوال یہ ہے کہ مجھ سے یہ جھ کیوں بولا گیا۔

ضرور کہیں کوئی گڑبڑ ہے جس لڑکے سے وہ رو میلہ کی شادی کرنے جا رہے ہیں وہ جعفر بھائی کے سامنے لڑکے کو لائے ہی نہیں۔

جبکہ جس لڑکے کو وہ سامنے لائے تھے اس سے رو میلہ کی شادی ہو ہی نہیں رہی۔

یہ دھوکا انہوں نے صرف لڑکے کی شکل چھپانے کے لیے تو نہیں کیا ہو گا ضرور اس کے پیچھے اور بھی اسباب ہوں گے جو شخص یہاں وہ لہا کی جگہ بیٹھا ہے اگر جعفر بھائی اس سے کینڈا میں ملے تو ممکن تھا وہ اس رشتے کا کار کردہ ہے۔

اسی لیے ان لوگوں نے ایک ایسے شخص کو سامنے کر دیا جس کے لیے جعفر بھائی منع کر رہی نہ سکیں۔

پتا نہیں رو میلہ کن فراڈ لوگوں میں پھنسے جا رہی ہے مجھے ابھی اور اسی وقت پھوپھا (رو میلہ کے والد) سے با کرنی چاہیے۔" نمل حیرت و فکر کے ملے جلے انداز میں کہتی چلی گئی۔

سنیل پریشان نظروں سے کبھی اسے اور کبھی وہ لہا کی جگہ پر اجماع شخص کو دیکھ رہی تھی نمل کو مردود طرف جانا دیکھ کر سنیل نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایک۔ ایک منٹ نمل۔ اتنی جلد بازی صحیح نہیں۔ تمہارے ای ابو ابھی آنے والے ہوں گے ایک آنی سے مشورہ کر لیتے ہیں۔"

"ای کیا مشورہ دیں گی سنیل۔ جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہمیں جلد از جلد رو میلہ کے گھر والوں کو بتانا ہے ورنہ! شادی ہے ہمارے پاس وقت کہاں ہے؟" نمل سنیل کی بات پر شدید حیرت کے ساتھ بولی۔

"مکی تو میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ ورنہ بعد شادی ہے پرسوں یا رات آنے والی ہے ہمارے پاس وقت نہا ہے۔ اس وقت رو میلہ کے گھر والوں کو کچھ بھی بتانا صرف اور صرف انہیں پریشان کرنا ہے۔" سنیل ایک آیا لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی تو نمل نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"تمہارا دل غم تو ٹھیک ہے انہیں پریشان نہ ہونا پڑے اس ڈر سے کیا ہم رو میلہ کو ایک ایسے شخص کے ہاتھ دے دوں جو زندگی کی ابتدا ہی جھوٹ اور دھوکے سے کر رہا ہو۔

پتا نہیں ان لوگوں نے کیا کچھ چھپایا ہو گا جب وہ اتنی بڑی چال چل سکتے ہیں تو کیا بھروسہ کہ وہ کتنے خطرناک فریبی لوگ ہوں آگے جا کر نہ جانے ان کے کروارو غیو کے بارے میں اور کیا کیا باتیں سامنے آئیں۔

ہم جانے بوجھے رو میلہ کی شادی ایسی جگہ پر کیسے ہونے دیں سکتے ہیں۔ نمل تپے ہوئے انداز میں کہتی تیزی سے پلٹ گئی۔

نمل بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی اسے نمل کی باتوں سے اختلاف نہیں تھا مگر اب جبکہ سب کو رو میلہ کی متوقع شادی کا علم تھا ہندی کا فنکشن شروع ہو رہا تھا سارے مہمان اکٹھا ہو چکے تھے ایسے میں نمل کے منہ سے نکلا ایک جملہ اس پورے ماحول کی رعنائیوں کو سو گوار ی میں بدل دے گا۔

اور پھر اس کے بعد کیا ہو گا کہ رو میلہ کے بابا اور ابراہیم بھائی اس جھوٹ کے کھلنے پر اس رشتے کو ختم کر دیں گے یا سب کچھ جانے بوجھے رو میلہ کا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیں گے جسے وہ جانتے تک نہیں۔

سنیل کچھ دیر وہیں کھڑی ہو لیتی رہی پھر بے اختیار اس کے قدم بھی نمل کے پیچھے اٹھنے لگی۔

نمل اس قدر آندھی طوفان کی طرح رو میلہ کے بابا جانی کے پاس پہنچی تھی کہ سنیل کے پیچھے تک وہ انہیں لان میں مرزا صاحب کے پاس سے ہٹا کر گھر کے اندر ایک کمرے میں لے کر بیٹھ رہی تھی۔

سنیل بھی بان کے ساتھ ہی اس کمرے میں داخل ہو گئی جسے اس نے نمل کے اشارے کرنے پر فوراً ہی دروازہ بند کر کے لاک کر لیا۔

"کیا بات ہے نمل سب خیریت تو ہے نا۔" بابا جانی کے چہرے سے پریشانی صاف چھلک رہی تھی نمل کا انداز انہیں ہولا گیا تھا۔

نمل نے ایک گہرا سانس کھینچ کر اپنی ہمتیں مجتمع کیں اور پوری بات ان کے گوش گزار کر دی۔

وہ فح ہوئے چہرے کے ساتھ نمل کو سنتے رہے اور پھر بالکل کرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئے سنیل بھاگ کر ان کے لیے پانی لے آئی اس کے اصرار پر وہ صرف ایک گھونٹ پی کر رہ گئے۔

"پھوپھا میں جانتی ہوں یہ بہت کنٹین وقت ہے لیکن ہم رو میلہ کو ایسے آنکھیں بند کر کے تو کسی کو نہیں سوئپ سکتے نا۔" نمل کالجہ ہی نہیں آواز تک فکر پریشانی سے بوجھل ہو گئی تھی۔

"ہماری آنکھیں کھلی کب نہیں ہم تو کب سے آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں ابراہیم نے جو فیصلہ کر لیا اس کی گہرائی میں جانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔" بابا جانی کالجہ بالکل رو دینے والا تھا نمل اور سنیل ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

کچھ دیر تک بابا جانی ایسے ہی بے عمل سے بیٹھے رہے آخر نمل کے ہی ہمت دلانے پر انہوں نے ابراہیم بھائی کو بلا کر ان سے بات کی۔

پہلے تو وہ بھی شاکد رہ گئے مگر جب اس صدمے سے باہر آنا شروع ہوئے تو وہ بابا جانی کی طرح حکمت خورہ انداز میں بیٹھ جانے کی بجائے غصے سے اوھر سے اوھر ٹھٹھکتے لگے۔

"مرزا صاحب نے کیا سمجھ رکھا ہے ہمیں؟ ہمیں اتنی آسانی سے چھٹ کر جائیں گے اور ہمیں بتای نہیں چلے گا۔"

"تو کہاں بتا چلا تھا تمہیں؟ وہ تو نمل نے اتنی دور جا کر اسے دیکھنے اور ملنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو تمہیں کیا پتا چلا کہ جعفر جس شخص سے کینڈا میں ملا تھا وہ یہ نہیں کوئی اور تھا بلکہ وہ شادی کر کے رو میلہ کو اپنے ساتھ نہیں بھی لے جاتا اور روپوش ہو جاتا تو بھی تم نہ جان پاتے کہ یہ گلفام وہ گلفام نہیں ہے جو جعفر سے ملا تھا یا جسے جعفر نے پاس کیا تھا۔" بابا جانی ابراہیم بھائی کو بے تحاشا غصے میں دیکھ کر رخ ہو گئے تھے۔

جبکہ ابراہیم بھائی صرف بابا جانی کو دیکھ کر رہ گئے انہیں بابا جانی کا نمل کے سامنے اس طرح کتنا سخت ناگوار گزارنا۔

آخر نمل کے اس طرح کینڈا چلے جانے پر سب سے زیادہ زہر انہوں نے ہی اگلا تھا پھر بھلا اس وقت وہ کے سامنے یہ کیسے قبول کر لیتے کہ اس کا گلفام سے جا کر ملنا بے سود نہیں تھا بلکہ اتنا اہم فیصلہ کرتے وقت یہ نمل کی بجائے انہیں اٹھانا چاہیے تھا۔

انہیں نمل کے سامنے سخت تنگی محسوس ہوئی تھی وہ تھلا کر رہ گئے تھے اسی لیے جھنجھلا کر بولے۔
”ایسا کیسے روپوش ہو جاتا وہ رو میلہ کو لے کر میری بہن کوئی اتنی خالتو نہیں ہے کہ وہ کچھ بھی کر لے اور دیکھتے رہیں انہیں ملا کر بات کرتا ہوں میں مرزا صاحب اور ان کے صاحبزادے کو۔“ ابراہان بھائی بھنائے ہو کرے میں نمل گئے۔

کچھ دیر بعد جب وہ انہیں لیے کرے میں داخل ہوئے اور ان سے باز پرس شروع کی تو پہلے تو وہ دونوں ہی طرح گھبرا گئے اور کسی نہ کسی طرح بات بنانے کی کوشش کرنے لگے لیکن جب ابراہان بھائی تیز لالائے طاق رکا گئی کلون چراتر آئے تو گلفام نے بھی شرافت کا چولہا اتارنے میں دیر نہیں کی۔
”ہاں میں وہ گلفام نہیں ہوں جس سے آپ کا دوست کینڈا میں ملا تھا وہ میرا دوست ہے نہیں۔

وہ وہاں فیم کے نام سے جانا جاتا ہے میں بھی کینڈا میں رہتا ہوں میرا وہاں اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس جس میں کبھی فائدہ ہوتا ہے تو کبھی نقصان بھی ہو جاتا ہے۔

آپ اتنے پیسے والے لوگ ہیں میں نے سوچا میرا بزنس آپ لوگوں کو متاثر نہیں کر سکے گا اس لیے میں نے بجائے فیم کو آپ کے دوست سے ملنے کے لیے کہہ دیا۔ وہ بھی فوراً تیار ہو گیا۔ اس نے میرے لیے اپنی میں اٹھائی کر رکھا ہے اگر میری جاب وہاں ہو گئی تو میرا بھی وہی اسٹینڈرڈ ہو گا جو فیم کا ہے۔

میں نے سوچا جس چیز کی وجہ سے آپ مجھے رنج و کد کرنے والے ہیں وہ پوائنٹ کچھ مبینوں میں ختم ہو ہی والا ہے پھر بھلا۔“ ابراہان بھائی نے اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی اسے گالیوں سے نوازنا شروع کر دیا۔
اس کا انداز تھا ہی طیش دلانے والا۔

لا پرواہی پر مشتمل بے نیاز سالجہ۔
جیسے جو کچھ بھی اس نے کیا بالکل جائز اور مناسب ہو۔

کوئی شرمندگی کوئی پشیمانی اس کے روئے سے ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔
جس طرح وہ اپنے بزنس کا ذکر کر رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی قابل ذکر کام تھا ہی نہیں بلکہ ہوسا وہ کسی مشکوک سرگرمی میں ملوث ہو بھی وہ اسے بیان نہیں کر رہا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا اپنا بھانڈا پھوٹ جانے پر وہ وقتی طور پر ہراساں ہو کر واپس اپنے اڑی ڈھشائی پر مبنی اعتماد میں تھا۔

یعنی اسے یقین تھا ایک نہ ایک دن یہ سب ہوتا ہی تھا لہذا اگر ابھی ہو گیا تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔
فیم کے آفس میں اپنی جس متوقع جاب کا وہ ذکر کر رہا تھا اس کے ملنے کا خود اسے بھی یقین نہیں تھا اور نہ اس کا بزنس کوئی خاص نہیں تھا تو اس جاب کے مل جانے کے بعد مرزا صاحب کو رو میلہ کے لیے رشتہ دینا چاہا۔

لیکن ان کی یہ دھوکے بازی ان کے گھٹیا کردار کو اچھی طرح آشکار کرنے کے ساتھ مستقبل کے ان کے ارا کی بھی بخوبی نشاندہی کر رہی تھی۔

ابراہان بھائی کے بزنس اور حیثیت سے مرزا صاحب اچھی طرح واقف تھے رو میلہ سے اپنے بیٹے کی ش کرنے کی صورت میں انہیں ایک اچھے خاندان کی خوب صورت پڑھی لکھی لڑکی ملنے کے ساتھ ساتھ ا

معاشی طور پر مستحکم سہارا بھی مل جاتا۔

ایک بار شادی ہو جانے کے بعد گلفام کے بارے میں کچھ بھی پتا چلتا وہ کون سا ان کا کچھ بگاڑ سکتے تھے بلکہ بہن کا کمرہ بسائے رکھنے کے لیے وہ چار و ناچار معالی طور پر اس کی بند کرنے پر بھی مجبور رہتے۔

لیکن ابراہان بھائی کی فطرت سے واقف نہیں تھے ان کے لیے بہن کی زندگی اور بہن کا گھر ثانوی چیز تھی اور اپنی حیثیت اور اپنا غرور اولین ترجیح تھی۔

شادی ہو جانے کے باوجود بھی وہ گلفام کی دھوکا بازی اور منصوبہ بندی کو کامیاب نہ ہونے دیتے۔
وہ اس کی معاشی طور پر مدد کرنا تو درکنار رو میلہ کو بھی اپنے گھر لا کر بٹھالیتے اور اگر رو میلہ اس کے لیے تیار نہ ہوتی تو اس سے بھی قطع تعلق کر لیتے۔

پھر ابھی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا ابھی تو شادی سے پہلے ہی اس کی اصلیت سامنے آگئی تھی چنانچہ انہوں نے بدنامی اور مہمانوں سے بھرے گھر کی فکر و لحاظ کے بغیر انہیں اسی وقت چپ چاپ واپس جانے کا حکم صادر کر دیا۔

”دل تو چاہ رہا ہے میں تمہارے خلاف قانونی کارروائی کروں مگر تم میری رشتے داری ٹوٹ گیا میری دشمنی کے بھی قابل نہیں ہو۔“ ابراہان بھائی نے زہر خند لیے میں کہا۔

کمل اور سنیل اس صورت حال پر پریشان تو تھے مگر بابا جانی کی تو حالت غیر ہو رہی تھی شادی سے دو دن پہلے اس طرح رشتہ ٹوٹنے پر ان کی بیٹی کی کیا عزت رہ جائے گی سماج میں۔ وہ صدمے کے مارے کچھ کہنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

جبکہ ان کے خدشات کو گلفام نے بڑی تضحی سے زبان دیتے ہوئے کہا۔
”بیکانہ باتیں مت کریں ابراہان بھائی۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ آپ میرے خلاف اگر کوئی قانونی کارروائی کر بھی لیں تو عدالت میں کچھ ثابت نہیں کر سکیں گے الٹا آپ کی بہن کی ہی بدنامی ہوگی۔

میری مائیں تو غصہ تھوک دیں اور رو میلہ کو چپ چاپ میرے ساتھ رخصت کر دیں اس طرح شادی سے دو دن پہلے اگر بارات لوٹ گئی تو وہ ساری زندگی آپ کی دہلیز پر بیٹھی رہے گی۔“

”زبان سنجال کر بات کرو۔“ ابراہان بھائی نے بری طرح طیش میں آتے ہوئے اسے دو چار گالیاں دیتے ہوئے کہا یہی نہیں انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

مرزا صاحب کے علاوہ کمرے میں موجود باقی تینوں نفوس ایک متوقع ہاتھ پائی پر دل تھا منے پر مجبور ہو گئے۔
”ہوش سے کام لیں ابراہان بھائی۔“ گلفام نے ان کے غصے سے متاثر ہوئے بغیر بڑے سکون سے اپنا کاران کی گرفت سے چھڑا لیا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں اگر میں بارات لے کر پرسوں نہیں آیا تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن رو میلہ کی زندگی برباد ہو جائے گی۔“

کیا سوچیں گے لوگ اس کے بارے میں جانے کیسا کردار تھا اس کا جو شادی سے دو دن پہلے اس کا رشتہ ختم ہو گیا ایسا معاملوں میں ملے صرف عورت پر گرتا ہے مرد پر تو حرف بھی نہیں آتا۔“

”بند کرو اپنی بکواس میں لوگوں کی باتیں بنانے کے ذرے تمہارے جیسے گرے ہوئے شخص کے ہاتھ میں اپنی بہن کا ہاتھ کبھی نہیں دوں گا۔“

مجھے معاشرے اور سماج کی اونچ نیچ کے دائروں میں گھما کر تم اپنا مطلب نہیں نکال سکتے۔
میں اچھی طرح جانتا ہوں تم یہ سب رو میلہ کی فکر میں نہیں کہہ رہے بلکہ مجھے اندر پریشاننا چاہتے ہو مگر

تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے میں اس کے لیے تمہارے جیسے دس گلفام خرید سکتا ہوں۔" ابرار بھائی
طور ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

وہ اپنے سارے حربے بے کار جاتے دیکھ کر کچھ بے زار سا ہو گیا تھا مگر بولا۔

"میرے جیسے ہی خریدنے میں تو مجھ سے ہی بیاہیں کیا ضرورت ہے اپنی عزت اور بہن کا تماشا بنانے کی۔
یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ جس لڑکی کی بارات دونوں پہلو واپس پلٹ جائے اس کے لیے کسی اچھے خاندان
اچھے لڑکے کے والدین دست طلب نہیں پھیلاتے۔

اب آپ کو آپ کی حیثیت اور شان و شوکت کے مطابق کوئی رشتہ تو ملے گا ہی نہیں کسی فٹ پاتھ پر بیٹھے
روزگار نو جوان کو جینز کا لالچ دے کر رو میلہ سے شادی پر رضامند کرنے سے تو بہتر ہے کہ آپ اسے اسی تار
میرے ساتھ رخصت کر دیں جس تاریخ کے کارڈ آپ پورے شہر میں بانٹ چکے ہیں۔" ابرار بھائی کی بڑا
جواب دے گئی اور انہوں نے گلفام کے منہ پر مکوں کی بارش کر دی۔

گلفام نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کی مگر جب کامیاب نہیں ہو سکا تو مرزا صاحب اس کی بڑھال بن گئے۔
"چھوڑو اسے ابرار۔ ہم ہم جارہے ہیں ابھی اور اسی وقت جارہے ہیں۔" مرزا صاحب لجاجت سے بولے۔
ابرار بھائی بھی رک گئے ویسے بھی وہ بری طرح ہانپنے لگے تھے اس پر ہاتھ اٹھا کر۔

"اگر اپنے بیٹے کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اسے فوراً یہاں سے لے جائیں۔ ابھی اور اسی وقت۔" ابرار
نے غرا کر کہا۔

مرزا صاحب اس کی مدد کو آگے بڑھے تو گلفام نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا اور خود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا
لگا ابھی اس نے دروازے کے ہنڈل کو اپنی گرفت میں لیا ہی تھا کہ ابرار بھائی ایک ایک لفظ چپا کر کہنے لگے۔
"اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تمہارے بارات نہ لانے سے میری بہن اسی جو کھٹ پر بیٹھی رہ جائے گی۔
تم دیکھ لینا دونوں بعد اسی تاریخ کو رو میلہ کی شادی ہوگی جس تاریخ کے کارڈ میں پورے شہر میں بانٹ چکا
اور وہ بھی کسی فٹ پاتھ پر بیٹھے بے روزگار جینز کے لالچی سے نہیں بلکہ بہت اچھے خاندان کے بہت بڑے
کامیاب لڑکے سے جس کے ساتھ شادی کسی بھی لڑکی کے لیے باعث فخر ہو۔" ابرار بھائی کے لہجے میں چٹانوں
کی سختی تھی۔

گلفام اور مرزا صاحب تو کیا بابا جانی، نعل اور سنبل بھی حیران پریشان نظروں سے ابرار بھائی کو دیکھتے رہ گئے
باقی سب لوگ تو اپنی جگہ جوں کے توں ساکت کھڑے رہے البتہ گلفام سر جھٹکتا کمرے سے باہر نکل گیا
صاحب ایسے کھڑے رہے جیسے کچھ کہنا چاہ رہے ہوں مگر بہت نہ بڑھ رہی ہو۔

"آپ کو جوتے پڑیں گے کیا تب ہی تسلی ہوگی ورنہ اسی آس میں کھڑے رہیں گے کہ ہم شاید اب بھی
رشتہ داری بخش دیں۔" ابرار بھائی نے ہنک آمیز لہجے میں کہا تو وہ بغلیں جھانکتے کمرے سے نکل گئے۔
ان کے کمرے سے نکلتے ہی سب ہوش و خرد کی دنیا میں واپس آ گئے۔

سب سے پہلے بابا جان نے کراہنے والے انداز میں ابرار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"یہ تم نے کیا کر دیا ابرار۔ ہم تو برباد ہو گئے۔"

"ہم برباد ہوئے نہیں برباد ہونے سے بچ گئے۔" ابرار بھائی اسی سابقہ لہجے میں بولے جس میں وہ گلفام
مرزا صاحب سے مخاطب تھے۔

بابا جانی کچھ دیر تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھتے رہے پھر آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے گلو کہ
میں بولے۔

"اتنا بڑا اور اہم فیصلہ اس قدر آنکھیں بند کر کے کیا تھا تم نے اور تمہارے ساتھ ساتھ میں نے بھی میں سب
بدمعاشی سے بچ کر جانے کیوں اتنا مطمئن ہو گیا اگر پہلے ہی۔"

"اگر مگر کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہوا تھا سو ہو گیا رو میلہ کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔"
ابرار بھائی کسی طور اپنی غلطی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

سنبل اور نعل ان کی اس درجہ ڈھٹائی پر صرف ہونٹ چبا کر رہ گئیں نعل نے تو صرف بابا جانی کی حالت کے
پیش نظر خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا انہیں گھری گھری سنا دے۔

"قسمت کو دہائی مت دو تم نے اس کی زندگی خراب کی ہے گلفام کے سامنے بڑے بڑے ڈانٹا لگ بول
دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

سچ وہی ہے جو گلفام کہہ کر گیا ہے۔
کسی اچھے خاندان کا اچھا چشم و چراغ اس کا ہاتھ ہرگز نہیں تھامے گا کسی دولت کے لالچی۔"

"یہ وقت یہاں بیٹھ کر بن کرنے کا نہیں ہے۔" ابرار بھائی بری طرح چڑ کر بولے۔
اپنے باپ کی حالت کو سمجھتا اور انہیں تسلی دینا تو دور کی بات تھی انہیں تو بابا جانی کا افسوس کرنا بھی زہر لگ رہا
تھا اور کیوں نہ لگتا۔

اس سب کے ذمہ دار ابرار بھائی ہی تو تھے وہ بھلے ہی دوسروں کو چیخ کر چپ کر سکتے تھے مگر ضمیر کو کیسے خاموش
کراتے۔

ان کا جھٹلایا ہوا غصہ بھر الجھ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ
سب ان ہی کا کیا دھرا ہے اسی لیے وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت اور بڑے ہوئے لہجے میں بولے۔

"رو میلہ کی شادی کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ بہت اچھی جگہ ہو جائے گی۔
اصل مسئلہ اس وقت باہر موجود مہمانوں کا ہے اگر اس وقت گھر لوگوں سے بھرا ہوا نہ ہو تا تو میں اس گلفام
کے بچے کو اتنی آسانی سے تھوڑی جانے دیتا۔

یہ لوگ مجھے جانتے نہیں ہیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں اتنی آسانی سے تو میں انہیں معاف نہیں کروں گا۔
لیکن یہ سب باتیں بعد کی ہیں ابھی فوری طور پر جو مسئلہ درپیش ہے وہ باہر موجود مہمانوں کا ہے۔

باہر نکل کر دیکھیں مرزا صاحب نے ان کے سامنے کیا کہا ہے اگر مرزا صاحب اور گلفام کچھ کے بغیر چلے گئے
ہیں تو ہمیں بھی کسی پر کچھ ظاہر نہیں کرنا ہے۔

رو میلہ کی شادی دونوں بعد ایسے ہی ہوگی جیسے گلفام کے ساتھ ہونی تھی۔" نعل اور سنبل ابرار بھائی پر سے
نظریں ہٹا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

جبکہ بابا جانی بیچو تاب کھاتے اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔
"تمہارا دل غ تو خراب نہیں ہو گیا ہے تم نے شادی بیاہ کو مذاق سمجھ رکھا ہے گڑیا گڈے کا کھیل ہے کیا۔" وہ

اور بھی کچھ کہنا چاہتے تھے کہ اس بار ابرار بھائی کی بجائے دروازے پر ہونے والی دستک نے انہیں خاموش ہونے
پر مجبور کر دیا وہ نظریں بھری نظروں سے ابرار کو دیکھنے لگے جو اگر پریشان تھے بھی تو انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا اور
آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

سامنے ان کے تایا زاد بھائی کھڑے تھے وہ حیران پریشان لہجے میں بولے۔
"تم سب کمرے میں کیوں بند ہو گئے ہو باہر لڑکے والے جارہے ہیں بلکہ اب تک تو گاڑی میں بھی بیٹھ چکے

تھے۔"

ہوں گے میں ہر کمرے میں تم لوگوں کو ڈھونڈتا ہوا آ رہا ہوں سب خیریت تو ہے ہاں ابرار۔“
 ”آں۔۔۔ ہاں ہاں خیریت ہے آپ نے وہ لہا یا اس کے والد سے پوچھا نہیں کہ وہ اس طرح اچانک کیوں
 رہے ہیں؟ ابرار بھائی نے کھوجتی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”پوچھا تھا وہ کہہ رہے ہیں کسی کا انتقال ہو گیا ہے اس لیے فوراً“ جارہے ہیں مگر مجھے تو کچھ اور بات لگ

ہے۔
 وہ لہا کے ساتھ آئے مہمان بھی حیران لگ رہے تھے اور پوچھے جارہے تھے کہ کس کا انتقال ہو گیا ہے مگر وہ
 کے والد صاحب کسی کو بھی جواب دیے بغیر ہر نکل گئے تو سب کو ان کے پیچھے جانا پڑا۔ ”ان کے تایا زاد جو عم
 ان سے کافی بڑے تھے معاملے کی نزاکت کو بخوبی سمجھ گئے تھے۔
 بابا جانی پشیمانی کے عالم میں کچھ بھی کہنے سے قاصر تھے جبکہ ابرار بھائی کے چہرے پر واضح طور پر سکون ا
 محسوس ہوا تھا۔

انہیں مرزا صاحب سے یہی امید تھی مہمانوں سے بھرے گھر میں جہاں وہ خود بھی اپنے چند ایک ہی سہی ر
 داروں کے ساتھ ہی آئے تھے ان کے لیے بھی واپس لوٹنا ایک مشکل مرحلہ تھا۔
 فی الحال وہ صرف یہاں سے بھاگنے کا سوچیں گے بھلے ہی گھر پہنچ کر اپنے خاندان میں وہ رو میلہ کے کروا
 ہدف بنا کر شادی توڑ دینے کی کہانی سنا دیں لیکن یہاں کھڑے ہو کر وہ ایسا کوئی شو شائیں چھیڑیں گے۔
 اور ابرار بھائی کے لیے اتنا ہی کافی تھا انہوں نے بڑے بھرپور اعتماد کے ساتھ کہا۔
 ”ارے بھائی صاحب آپ اتنے پریشان کیوں ہو گئے وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں ان کے خاندان میں کسی بزرگ
 انتقال ہو گیا ہے اس لیے وہ سب لوگ فوراً“ چلے گئے۔

مرزا صاحب ہمارے پاس کمرے میں یہی بات کرنے آئے تھے ہم نے بھی فوراً ”اجازت دے دی کون“
 لوگ بارات لے کر آئے تھے مندی کا ہی توفن کشن تھا۔
 ہمارے گھر کی لڑکیاں اب بھی انجوائے کر لیں گی لیکن میرا اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔
 مجھے بھی ان کی طرف جانا چاہیے آپ پیچھے سب سنبھال لیجئے گا کوئی بھی مہمان کھانا کھائے بغیر نہ جائے
 بھی لوگ لڑکے والوں کو جانا دیکھ کر جائے کیا کیا سوچنے لگے ہوں گے۔
 اس صورت حال کو آپ ہی اچھی طرح ہینڈل کر سکتے ہیں۔“ ابرار بھائی نے کمال خوب صورتی سے نام
 اپنی جان چھڑالی بلکہ اپنے تایا زاد کی طرف سے۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“
 جیسی کسی بھی مشکوکش کے آنے سے پہلے ہی ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔
 ”ہاں ہاں ابرار تمہیں فوراً“ جانا چاہیے بلکہ چاہو تو اپنے ساتھ خاندان کے کسی اور فرد کو بھی لے جاؤ۔“
 فوراً ”منفق“ ہوتے ہوئے بولے۔
 ”نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسا ہی ہے تو میں راستے سے اپنے کسی دوست کو لے لوں گا۔“ ابرار
 نے کہا اور پھر فوراً ”ہی کمرے سے نکل گئے۔

ان کے تایا زاد بھی بابا جانی کی حالت پر دھیان دیے بغیر واپس پلٹ گئے تو کمرے میں صرف وہ تینوں موجود
 تھے۔
 ابھی نمل اور سنبل نے یہ بھی سوچنا شروع نہیں کیا تھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے کہ بابا جانی نے انہیں حکمو

والے انداز میں کہا۔

”تم دونوں جاؤ یہاں سے اور جاتے وقت کمرے کا دروازہ بند کر دینا۔“ بابا جانی دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ
 کے نمل نے ان کی طرف چند قدم بڑھائے تو وہ بغیر اس کی طرف دیکھے تختی سے گویا ہوئے۔
 ”مجھے اکیلا چھوڑ دو جاؤ یہاں سے۔“ نمل کے قدم اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔

اس نے پلٹ کر ایک نظر سنبل کو دیکھا وہ بھی آنکھوں سے اسے چلنے کا اشارہ کر رہی تھی تب نمل ایک نظر بابا
 جانی کو دیکھ کر کمرے سے نکل گئی۔

وہ دونوں سیدھی رو میلہ کے کمرے میں پہنچ گئیں جہاں وہ بالکل روایتی انداز میں پیلے کپڑوں میں ملبوس میک
 اپ کے بغیر بالکل سادے سے حلیمے میں لڑکیوں میں گھری بیٹھی تھی ان پر نظر پڑتے ہی وہ بڑی بے چینی سے بولی۔
 ”نمل، نمل تم دونوں کو کچھ پتا ہے باہر کیا ہو رہا ہے یہ سب کہہ رہی ہیں وہ لوگ واپس چلے گئے ہیں۔“ اس
 کے چہرے سے پریشانی ہو رہی تھی نمل اور سنبل ٹھنک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

وہ دونوں تو یہی سوچ کر یہاں آئی تھیں کہ رو میلہ کے پاس جاتے ہی اسے سب بتا دیں گی مگر اس کے پاس اتنے
 تو ان کی موجودگی نے جہاں انہیں تھوڑا مضطرب کیا تھا وہیں اس کے احساسات کو محسوس کرتے ہوئے وہ دونوں
 بالکل ہی کم سم ہو گئی تھیں۔

”کیا بات ہے تم دونوں کچھ بول کیوں نہیں رہیں۔“
 ان کی خاموشی نے ذرا سی ہی دیر رو میلہ کے چہرے کو اس کے کپڑوں کا ہم رنگ کر دیا تھا۔

”آں۔۔۔ وہ۔۔۔ ان لوگوں نے یہ نہیں بتایا کہ مرزا صاحب کی فیملی میں کسی کا انتقال ہو گیا ہے اس لیے انہیں
 اچانک جانا پڑا۔“ نمل نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے ان لڑکیوں پر نظر ڈالی۔
 ”نہیں یہ تو ان لوگوں نے نہیں بتایا۔“ رو میلہ کو بھی عجیب سا لگا جو اس کے چہرے اور لہجے سے بھی ظاہر ہو گیا
 تبھی ایک کزن صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

”یہ بات مجھے خود نہیں پتا تھی ابھی آپ کے منہ سے سن رہی ہوں۔“ پھر آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے معصومیت
 سے پوچھنے لگی۔

”کس کا انتقال ہو گیا ہے ان کی فیملی میں اور انتقال کی خبر سننے ہی اپنے گھر کا فنکشن اس طرح چھوڑ کر چلے
 جانے کی کیا ضرورت تھی۔“

یا اگر اتنا ہی ضروری تھا تو خود چلے جاتے کم از کم وہ لہا کو تو چھوڑ جاتے۔“ رو میلہ کے چہرے پر انتقال کی خبر سن
 ر جو تھوڑا سا اطمینان پھیلنا تھا اس کزن کے نابڑ توڑ سوالوں نے اس اطمینان کو ایک بار پھر سوچ و فکر کے جال میں
 تبدیل کر دیا تھا۔

”کوئی قریبی عزیز ہی ہو گا تبھی سب ایک ساتھ چلے گئے لیکن تم سب یہاں کیوں جمع ہو گئے ہو۔“
 نیچے جا کر بیٹھو اور رو میلہ کو آرام کرنے دو۔“ نمل نے قدرے روکھائی سے کہا تو اس کی ایک کزن بدک کر
 بولی۔

”لو بھلا اب ہم نیچے جا کر کیا کریں سارے فنکشن کا تو بیزاغراق ہو گیا ہے۔“
 ”ہاں“ ایک تو لڑکے والوں کی فیملی میں سے گنتی کے چار لوگ آئے تھے وہ بھی محفل جتنے سے پہلے لوٹ گئے
 اب ہم نیچے جا کر کیا اچار ڈالیں۔“ دوسری کزن کو بھی نمل کا اس طرح صاف کمرے سے نکال دینا سخت ناگوار گزرا
 تھا۔

وہ سب رو میلہ کی دوھیالی رشتے دار تھیں جبکہ نمل نھیال کی تھی پھر بھلا وہ نمل کی خود پر تری کیسے بڑا کر لیتیں۔
 سنبل نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا تو نمل بھی مزید کچھ نہ بولی۔
 ان لوگوں کو یہاں سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے کار تھا وہ اس صورت حال سے لطف لے رہی تھیں رونا کے چہرے پر پھیلی الجھن انہیں مزادے رہی تھی۔
 لڑکے والوں کے چلے جانے کے باعث امید بھی کھانا جلدی کھل جائے گا ایک بار کھانا کھا لینے کے بعد مہما کو فوراً گھر بھاگنے کی جلدی ہوتی ہے تب وہ آرام سے بیٹھ کر رو میلہ سے بات کر سکتی تھیں۔
 یہ اور بات تھی کہ رو میلہ کو سب بتانا بھی انہیں ایک مشکل مرحلہ لگتا تھا۔



جو مرحلہ اتنا مشکل لگ رہا تھا وہ اتنی خوش اسلوبی سے انجام پاتا تھا کہ لیان سمیت ریاض غفار کی بھی سا فکریں دور ہو گئی تھیں۔
 ماموں جان حامد کا رشتہ لے کر نہیں آئے تھے بلکہ — مطابق لے کر بات کی کرنے آئے تھے اور رشتوں میں اتنی دنیا داری دکھانے کی ضرورت نہیں تھی چنانچہ ریاض غفار نے بھی اسی وقت سب کام نہ بیٹھ دیا۔
 توقع کے عین مطابق ماموں جان نے فوراً ہی شادی کی تاریخ مانگی اس پر ریاض غفار تھوڑا سا ہچکچا گئے ان لوگوں کے برزراصرار پر انہوں نے ایک ماہ بعد کی تاریخ خود دی جس پر شگفتہ غفار بھی گھبرا گئیں۔
 مگر میسے کی فراوانی ہو تو شادی کی تیاری میں کون سا وقت لگتا ہے ایک ماہ کے اندر اندر انہوں نے تمام انتظام بڑے بہترین انداز میں کر لیے۔
 لیان کے پاس بزنس کو دیکھنے کے بعد بہت کم وقت بچتا تھا کسی اور چیز پر دھیان دینے کا مگر بریرہ کے کھلتے چم نے جیسے لیان کی اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی۔
 وہ سارا دن آٹس میں سر کھپانے کے بعد بھی شام میں اتنا جاق و چوبند ہوتا تھا کہ کارڈز کے انتخاب سے اہل کی ہنگ تک سارے کام بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دے گیا تھا۔
 اپنے فیصلے پر اب وہ سو فیصد مطمئن تھا کیونکہ بریرہ کی کھنکھی ہنسی اسے یقین دلاتی تھی کہ وہ بہت خوش ہے اسے خوش دیکھ کر لیان کی روح تک سرشار ہو گئی تھی۔
 اس نے تمام انتظامات میں بہتر سے بہتر چیز کا انتخاب کیا تھا یہاں تک کہ جس پارلر میں بریرہ کو تیار ہونا شہر کا سب سے بڑا پارلر تھا اور وہاں کی ہوٹیشن منگے ترین ریش بردلین تیار کرتی تھی۔
 اسے اتنا شانہ خرچ کرنا دیکھ کر شگفتہ غفار تک اسے ٹوک بیٹھی تھیں۔
 ”لیان کیا ہو گیا ہے تمہیں ساری دلنیں ایک سی تو لگتی ہیں پھر اتنا منگاپارلر کیوں کر لیا ہے ان کے رونا تو آسمان سے باتیں کر رہے ہیں آخر اتنا منگامیک اپ کرانے کی کیا ضرورت ہے چند گھنٹوں کی ہی تو بات ہے۔“
 ”تجربہ ہے می یہ بات آپ کہہ رہی ہیں جو ہمیشہ اعلا سے اعلا چیز کی قائل رہی ہیں۔“ ایسے جملے وہ ریاض کے منہ سے کئی دفعہ سن چکا تھا لہذا اس وقت شگفتہ غفار کو ٹوکنا اسے مسکراتے پر مجبور کر گیا تھا۔
 ”میں اب بھی یہ نہیں کہہ رہی کہ کسی معمولی پارلر میں بریرہ کو تیار کر لیا جائے مگر اتنا اہمکنہ



(expensive) پارلر ہی کیوں؟

وہاں دوسرے پارلرز کے مقابلے میں چار چیزیں جتنا فرق ہے کام میں ایسا کوئی ڈفرنس نہیں ہے اور چلو میک اپ تو ٹھیک ہے مگر بریرہ تو سوس بھی وہیں کی میک کرا آئی ہے۔
 جو بل انہوں نے بریرہ کو پکڑا لیا ہے اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے جب میں نے بریرہ کو ڈانٹا تو وہ کہنے لگی کہ مجھے تو بھائی ہی وہاں لے کر گئے تھے۔
 تم تو گاڑی میں بیٹھے رہے اور وہ ایڈوانس بھی دے آئی۔“ وہ کچھ بگڑے ہوئے انداز میں بولیں تو لیان بے ساختہ ہنس دیا۔

پھر انہیں کندھوں سے تھامتے ہوئے رسائیت سے کہنے لگا۔
 ”مجھے پتا ہے وہاں کتنا ایڈوانس لیا جاتا ہے میں نے خود ہی اسے پیسے دے کر اندر بھیجا تھا۔
 می مجھے خود بھی احساس ہے یہ سب پیسے کا ضیاع ہے یہ کام اس سے کم ریش میں بھی ہو سکتے تھے۔
 لیکن ہم کون سا ہر روز ایسی عیاشیاں کرتے ہیں کسی خاص موقع پر تھوڑی سی فضول خرچی تو کی جاسکتی ہے نا۔
 وہ بھلے ہی چند گھنٹوں کی بات ہوتی ہے مگر وہ چند گھنٹے ہی اتنے اہم ہوتے ہیں کہ پوری زندگی پر محیط ہوتے ہیں اور پھر میری کون سی دوس بہنیں ہیں سارے ارمان اسی شادی میں تو نکالنے ہیں۔“
 لیان کی باتیں سن کر ان کی معمولی سی خفگی فوراً ہی دور ہو گئی وہ بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔
 ”ہاں بہن تو واقعی ایک ہی ہے لیکن اللہ نہ کرے جو سارے ارمان تمہیں ایک ہی شادی میں نکالنے پڑیں خیر سے تمہاری بھی تو شادی ہوگی کچھ ارمان اس کے لیے بھی چھوڑ دو۔“
 ”میرانی الحال شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے کم از کم اگلے پانچ سال تک۔“
 میں ایک بہت بڑا پروجیکٹ شروع کر رہا ہوں میرے پاس ابھی کسی اور چیز پر دھیان دینے کا بالکل ٹائم نہیں ہے۔

لہذا جتنے بھی شوق اور ارمان دل میں موجود ہیں اسی شادی میں دل کھول کر نکال دیں میری طرف سے ابھی آپ صرف صبر کریں۔“ لیان نے بڑی تفصیل سے جواب دیا تو وہ صرف مسکرا کر رہ گئیں۔
 شادی سے چار دن پہلے گاؤں سے تالی اماں ماموں جان شاہ جہان ماموں ممانی جان اور چھوٹی ممانی اپنے اپنے بچوں کے ساتھ شہر کے ایک ہوٹل میں آکر ٹھہر گئے تھے۔
 اسی ہوٹل سے وہ لوگ بار بار آتے دے تھے رخصتی کے بعد بریرہ ان کے ساتھ ایک دن اس ہوٹل میں قیام کر کے اگلے دن گاؤں واپس جانے والی تھی جہاں ان کا لیسمہ ہونا قرار پایا تھا۔
 ریاض غفار کے رشتے دار اور شگفتہ غفار کے رشتے دار بھی ولیمہ اینڈ کرنے ان کے ساتھ ہی گاؤں جانے والے تھے شگفتہ غفار کے رشتے دار تو اپنی دوہری رشتے داری کی وجہ سے بھی آ رہے تھے جبکہ ریاض غفار کے خاندان والے ریاض غفار کی خوش اخلاقی اور ہر موقع پر دوسروں کا خیال رکھنے کی عادت کی وجہ سے شرکت کرنے کے لیے تیار ہوا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ پورے خاندان میں بریرہ کی شادی کو لے کر کافی جوش و خروش پھیلا ہوا تھا۔

تالی اماں کی فیملی کا قیام بھلے ہی ہوٹل میں تھا مگر کوئٹہ دونوں خاندان ایک ہی تھے اس لیے شادی سے پہلے کی رخصتیں تمام کزنز نے بریرہ کے گھر میں ہی لگا رکھی تھیں۔
 اکثر تو وہ لوگ صرف رات کو سونے کے لیے ہوٹل واپس جاتے درنہ سارا دن اور رات دیر گئے تک تمام

محفل میں جمائے رکھتے۔
لیکن ان محفلوں میں صرف لڑکیاں شامل ہوتی تھیں شادی چاہے جتنی بھی قریبی کیوں نہ ہو لڑکے کو کوا
تخلو محفل کا ان کے گھرانے میں کوئی تصور نہیں تھا۔

یہی وجہ تھی کہ حامد ایک بار بھی ان کے گھر نہیں آیا تھا ریاض غفار نے تو کہہ بھی دیا تھا کہ۔
”یہ صرف تمہاری سسرال نہیں ہے بلکہ تمہاری سگی چھو پھی کا گھر ہے اس رشتے کے توسط سے تم بھی
سب کے ساتھ تشریف لاسکتے ہو۔“ ان کی بات پر حامد صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

وہ اسے مذاق سمجھا تھا اور ریاض غفار نے کہا بھی مذاق کے ہی انداز میں تھا مگر الیان کو احساس تھا کہ وہ
نہیں کر رہے بلکہ از حد سنجیدہ ہیں۔

وہ جس ماحول سے تعلق رکھتے تھے وہاں شادی سے پہلے لڑکا لڑکی کا ساتھ گھومنا پھرنا اور شاپنگ کرنا بھی ایک
بات تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ ریاض غفار یا شگفتہ غفار بھی ان حرکتوں کو پسند کرتے تھے البتہ وہ ان طور طریقوں کے
ضرور تھے۔

لہذا اب اس رواج سے ہٹ کر یکسر ایک مختلف انداز کی شادی جسے ان کی زبان میں پیور اریجن میریج کہا جا
ان کے لیے ہضم کرنا تھوڑا مشکل تھا۔

الیان ان کے احساسات سمجھ سکتا تھا مگر اس کے نزدیک یہ باتیں اتنی معمولی تھیں کہ ان کو لے کر پرہ
ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی جیسا کہ ریاض غفار کی بات پر حامد کی طرح صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

جیسے جیسے شادی کا وقت نزدیک آ رہا تھا شگفتہ غفار کی گھبراہٹ بھی سوا ہوتی جا رہی تھی حالانکہ اتنے کم و
میں بھی ان لوگوں نے بڑی بہترین تیاری کر لی تھی جس کا نوے فیصد سہرا الیان کو ہی جاتا تھا پھر بھی شگفتہ

روایتی یاؤں کی طرح جو ہو گیا تھا اس پر خوش ہونے کی بجائے جو ہونا چاہیے تھا اس کے متعلق سوچ سوچ کر ہا
ہو رہی تھیں۔

شروع میں تو الیان نے انہیں سمجھانے اور تسلی دینے کی کوشش کی پھر تھک کر انہیں ان کے حال پر چھو
کیونکہ شادی میں چار دن رہ گئے تھے اور اب اس کے پاس بھی اتنا وقت نہیں تھا کہ شگفتہ غفار کے پاس بیٹھ

انہیں لمبے لمبے لیکچر دے پاتا البتہ ان کی بوکھلاہٹ دیکھ کر وہ آتے جاتے ایک جملہ ان کی طرف ضرور اچھا لیتا
”فار گاڈ سیک می اپنا بی بی ہائی مت کریں بریرہ کوئی غیروں میں نہیں جا رہی آپ کے سگے بھائی کے گھر جا
ہے۔“

”مجھے پتا ہے لیکن بیٹا سسرال سسرال ہی ہوتی ہے۔“ شگفتہ غفار گردن ہلاتے ہوئے ایسے کہتیں
بڑے پتے کی بات بتا رہی ہوں تب الیان ان سے بحث کیے بغیر ہی آگے بڑھ جاتا وہ ان کے جملے سے قائل تو نہ

البتہ ان ہی کی طرح اتنا ضرور سوچتا۔
”ماں ماں ہی ہوتی ہے۔“

اس وقت بھی وہ آفس میں ایک پروجیکٹ کا سیمپل بنانے میں مصروف تھا جب اس کے موبائل پر شگفتہ
کی کال آئی۔

”مُمی میں اس وقت بہت بڑی ہوں آپ کو ایک گھنٹے بعد کال کرتا ہوں۔“ الیان نے سلام کرتے ہی دوسرے
طرف کی بات سننے بغیر کہا۔

شگفتہ غفار پہلے ہی گھبرائی اور جھنجھلائی ہوئی تھیں الیان کے چھوٹے ہی کہنے پر بری طرح تپ کر بولیں۔
”الیان گھر میں بہن کی شادی ہے اور تم ہو کہ تمہارے پاس بات تک کرنے کی فرصت نہیں۔“

”مُمی اصل میں میں۔“ اچھا کہیں کیا بات ہے۔“ ان کے لمبے کوہ نظر رکھتے ہوئے الیان نے ان کی بات سن
لینے کو ترجیح دی کیونکہ وہ چاہے جتنی بھی اپنی مصروفیت انہیں سمجھا تا وہ سمجھ نہیں سکتی تھیں البتہ انہیں سمجھانے

میں اتنا ہی وقت لگتا تھا جتنا ان کی بات سننے میں لگتا تو عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ انہیں بولنے دیا جائے۔
دوسری طرف وہ اس کا اشارہ جاتے ہی شکایتی انداز میں بولیں۔

”پتا نہیں کون سے پارلر میں تم نے بریرہ کی سروس کی اپنا انٹرنیشنل فکس کرادی پچھلے چار گھنٹے سے وہ وہاں گئی
ہوئی ہے اور ابھی بھی وہاں پیسے کے کوئی امکان نہیں۔“ الیان ان کی بات سن کر جی بھر کر بول رہا تھا۔

بھلا اس صورت حال میں وہ کیا کر سکتا تھا اسے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ پارلر میں چار گھنٹے لگنا ایک عام بات تھی
یا کہ کوئی غیر معمولی تاخیر۔

وہ زچ ہونے کے باوجود رسانیت سے بولا۔
”مُمی آجائے گی بریرہ آپ کیوں ٹینشن لے رہی ہیں۔“

”تمہاری ممانی اسے اپنے ساتھ بازار لے کر جانا چاہتی ہیں انہیں اس کی سینڈل خریدنی ہے شادی کے جوڑے
کے ساتھ پہننے کے لیے۔“

دو گھنٹے پہلے میں نے ان سے کہا تھا کہ بریرہ آئے گی تو میں آپ کو فون کروں گی آپ اسے پک کر لیجیے گا اب بھلا
بتاؤ وہ کیا سوچ رہی ہوں گی۔“

”وہ کچھ نہیں سوچ رہی ہوں گی آپ انہیں بتا دیں کہ بریرہ پارلر گئی ہے وہ کل اسے بازار لے جائیں۔
بلکہ بریرہ کو فون کر کے پوچھیں کہ اسے مزید کتنا تاخیر لگے گا الیان نے اس بار اپنی جھنجھلاہٹ کو چھپائے بغیر بے

زاری سے کہا۔
”بریرہ کا تو فون ہی نہیں مل رہا ایک ہی شپ بکے جا رہا ہے۔“

آپ کے مطلوبہ نمبر پر فی الوقت رابطہ ممکن نہیں۔“ شگفتہ غفار نے شک کر اس لب و لہجے میں کہا جس میں
اپنی بیرونی رہی ہوتی ہے۔

الیان کی ہنسی نکل گئی ان کی نقل اتارنے پر پھر مسکراتے ہوئے بولا۔
”اچھا آپ فکر نہ کریں میں بُرائی کرتا ہوں اگر بریرہ کا نمبر نہیں ملا تو میں پارلر کا نمبر پتا کر کے وہاں فون کر لوں

گا۔“
”ہاں ٹھیک ہے بس پانچ منٹ کے اندر اندر مجھے پتا کر کے بتاؤ۔“ انہوں نے نروٹھے انداز میں کہہ کر فون بند کر

الیان نے پہلے تو بریرہ کے سیل پر ہی فون کیا مگر شگفتہ غفار کے سنائے شپ کو دو دفعہ سننے کے بعد اس نے پارلر کا
نمبر مارڈز کے ذریعے حاصل کیا اور فون ملنے کے بعد بریرہ کی تفصیل بتا کر اس سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو

”سری طرف موجود لڑکی کہنے لگی۔
”سر مس بریرہ تو ایک گھنٹہ پہلے ہی جا چکی ہیں۔“

”اب ایک بار پتا کر لیں ہو سکتا ہے وہ دیننگ روم میں بیٹھی گاڑی آنے کا ویٹ کر رہی ہوں۔“ الیان کو پتا تھا
کہ ان کے لیے بریرہ کو مُمی کو فون کر کے ڈرائیور کو بلا پڑتا تھا۔

مُمی نے اس وقت بہت بڑی ہوں آپ کو ایک گھنٹے بعد کال کرتا ہوں۔“ الیان نے سلام کرتے ہی دوسرے
طرف کی بات سننے بغیر کہا۔

الیان کی گزارش پر اس لڑکی نے ایک بار تصدیق کر کے وہ ہی جواب دہرا دیا تو الیان نے کچھ الجھ کر لا ٹن دی اور ایک بار پھر بریرہ کے موبائل پر رابطہ کرنے لگا۔

مگر اس بار بھی اسے کامیابی نہ ہوئی تو اس نے احتیاطاً "ریاض غفار کو فون کر لیا۔
"نہیں میرے پاس گویا بریرہ کا کوئی فون نہیں آیا بلکہ میں تو خود اس وقت گھر سے باہر ہوں مگر وہ مجھے پک کر کہتی تو میرے پاس تو ابھی ٹائم نہیں میں اسے ڈرائیور کو بلائے کو ہی کہتا۔" ریاض غفار کی بات پر الیان وہ پریشان ہو گیا، "بھی فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکا۔
"الیان کیا بات ہے بریرہ کہاں گئی ہے؟" ریاض غفار کے لہجے سے بھی پریشانی عیاں تھی جمعی الیان سنبھلنے لگا۔

"بات کچھ بھی نہیں ہے وہ دراصل پارک لگ گئی ہے تو میں اسے پک کرنے جا رہا تھا تو میں نے سوچا نکلنے پہلے آپ سے کنفرم کر لوں۔
اگر آپ نے اسے پک کر لیا ہے تو مجھے اپنا ٹائم ویسٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" الیان نے بات بنا ہوئے کہا۔

"بھی جب اس نے تمہیں پک کرنے کو کہا ہے تو وہ مجھے فون کر کے کیوں بلائے گی تمہیں مجھ سے بات کر کی بجائے اسے ہی فون کرنا چاہیے تھا۔" ریاض غفار پور ہو کر بولے۔
"جی جی۔ میں اسے ہی فون کر رہا ہوں اللہ حافظ۔" الیان نے فوراً ہی لا ٹن منقطع کر دی اور پارک جانے لے کھڑا ہو گیا ویسے بھی اب اس کا ذہن کوئی نمونہ تیار کرنے کے قابل نہیں رہا تھا ایک عجیب سے گھبراہٹ ہو گئی تھی اس پر۔
سارے راستے وہ مسلسل بریرہ کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوششیں کرتا رہا مگر اس کے فون کو نہیں ملتا تھا۔

پارک پہنچ کر جب اس نے رہسپشن پر پوچھا تو وہاں موجود لڑکی نے بڑی کھا جانے والی نظروں سے الیان کو دیکھ کر بڑی بے زاری سے بولی۔
"میں نے آپ کو فون پر ہی بتا دیا تھا کہ مس بریرہ جا چکی ہیں اس وقت بھی انہیں گئے ہوئے ایک گھنٹہ ہو گا اب تو ڈیڑھ گھنٹہ ہونے والا ہے۔"
"جی بتایا تو تھا لیکن وہ گھر نہیں پہنچی ہے میں ایک بار ویننگ روم میں چیک کر لوں۔" الیان کے لہجے میں انکساری تھی کہ وہ صرف اسے دیکھ کر وہ گئی پھر گھر اسانس پہنچتے ہوئے اس کے سامنے بنے کمرے کی طرف ادا کر دیا۔

الیان تیزی سے مڑا اور کمرے میں داخل ہو گیا وہاں تین عورتیں اور دو لڑکیاں موجود تھیں باقی پورا کمرہ خانا مختلف رسائل کی ورق گردانی کرتی ان عورتوں نے بھی سراٹھا کر اسے دیکھا ایک ہی نظر میں الیان کو مانا پڑا کہ یہاں نہیں ہے پھر بھی وہ کچھ لمحے وہیں کھڑا رہا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ آگے کیا کرنا چاہیے۔
اور ابھی اس نے طے تو نہیں کیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے مگر ان پانچوں خواتین کی سوالیہ نظریں خود پر جمی دیکھ کر وہ اندہ بند کرتا رہسپشن پر واپس پلٹ گیا۔

"آپ اندر جاتا کریں ہو سکتا ہے وہ ابھی فارغ نہ ہوئی ہو۔" رہسپشنسٹ فون پر کسی سے خوش گہوٹوں مصروف تھی الیان کی بات سن کر وہ رک کر اسے دیکھنے لگی اور جب بولی تو اس بار اس کی نظریں ہی نہیں لہجہ بھی

کنا دار تھا۔

"آپ کون سی زبان سمجھتے ہیں میں کہہ رہی ہوں نا وہ جا چکی ہیں۔"
"ہو سکتا ہے آپ کسی اور کی بات کر رہی ہوں بریرہ نام کی کوئی اور کلائنٹ بھی آئی ہو اور آپ سمجھ رہی ہوں کہ وہ چلی گئی جبکہ میری بہن۔"

"آپ کی بہن اپنی فل سروس کرائے آئی تھیں چار دن کے بعد ہمارے ہی پاس ان کی چار بجے کی برائڈل اپائنٹمنٹ بھی ہے۔" اس نے بڑے یقین سے تصدیق کرنے والے انداز میں کہا تو فوری طور پر الیان کچھ کہہ ہی نہیں سکا تبھی وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

"مجھے اچھی طرح پتا ہے آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں وہ صرف آئی بروز نہ آنے والی ہوئی تو مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی تھی مگر جو لڑکی اتنا کچھ کرا رہی ہو اسے پہچاننے میں کیسے غلطی ہو سکتی ہے۔" اس لڑکی کی بات میں وزن تھا۔

الیان بے چینی سے رہسپشن کاؤنٹر پر انگلیاں بجانے لگا جیسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کرے۔
اس کا دل چاہ رہا تھا اندر جا کر خود بریرہ کو ڈھونڈے پتا نہیں اخبار میں پڑھی کب کب کی کون کون سی سرخیاں اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی تھیں۔

"پارک کے اسٹاف نے بال ٹوائے آنے والی لڑکی کو غائب کر دیا۔"
"ماں پارک میں اپنا فیشنل کرا رہی تھی کہ ساتھ آیا بچہ اغوا ہو گیا پارک کی مالکن فرار۔"
ایسی ایسی خبریں اس کی نظروں سے گزر رہی تھیں کہ کوئی اچھا خیال اس کے ذہن میں آ ہی نہیں رہا تھا۔
حالانکہ شگفتہ غفار کو فون کر کے بریرہ کی دوستوں کو فون کر کے چیک کرنے کا خیال اسے کئی بار آیا تھا مگر اس کی چھٹی حس اسے ایک فضول کوشش کہہ رہی تھی جس سے سوائے شگفتہ غفار کے پریشان ہونے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

مگر شاید اب انہیں پریشان کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا اسے شگفتہ غفار کو فون کر کے یہاں بلانا تھا تاکہ وہ اندر جا کر دیکھ سکیں۔
اتنی پریشانی میں بھی اس کا اخلاق اتنا نہیں گر سکتا تھا کہ وہ ایسی جگہ پر دندناتا اندر گھس جاتا جہاں عورتیں اپنے ذاتی کام کرانے آئی ہوں۔

اس نے پارک سے باہر نکل کر پہلے تو ریاض غفار کو فون کیا اور ساری صورت حال ان کے سامنے رکھتے ہوئے شگفتہ غفار کو یہاں بلانے کے ارادے کو ظاہر کیا۔
وہ الیان کی توقع سے زیادہ پریشان ہو گئے تھے تبھی بغیر سوچے سمجھے بولے۔

"شگفتہ کو بلانے سے کیا ہو گا پولیس کو فون کرو وہ ریٹ کرے گی پارک میں تو پتا چلے گا ہماری بیٹی اتنی غیر ذمہ دار نہیں کہ بغیر فون کے بغیر اطلاع دیے کسی دوست کی طرف نکل جائے وہ یقیناً پارک میں ہے وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"ڈیڈی کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ پولیس کو بلانے کا مطلب جانتے ہیں آپ۔" الیان کو ان سے اس قدر جذباتیت کی امید نہیں تھی وہ تو حیران ہی رہ گیا۔

"ہاں جانتا ہوں لیکن تم نہیں جانتے تمہیں اندازہ نہیں ہے معاملے کی سنگینی کا وہ گھنٹوں سے اس کا کوئی پتا نہیں ہے یہ موبائل پر اس کی دوستوں کو فون کرنے کا ٹائم نہیں ہے فوراً ایکشن میں آنے کا وقت ہے۔"

”ایکشن میں آنے کا مطلب ہے ہم اس کے غائب ہونے کا ڈھنڈورا پورے شہر میں بیٹھ دیں۔ ہرگز نہیں ڈیڈی پوبلت حلد کی ٹیلی کوٹ کیا کسی کو بھی بتا نہیں چلی چاہیے۔ میں اس بار لڑکے کیٹ سے ہٹا نہیں چاہتا آپ می کو لے کر فوراً یہاں پہنچیں۔ وہ اندر جا کر ایک ایک کمرہ دیکھ کر آئیں اور اندر اسٹاف سے صاف کہہ دیں کہ اگر انہیں ایسا کرنے سے تو پھر وہ پولیس کو لے کر آئیں گی۔ مجھے یقین ہے اپنی بدنامی کے ڈر سے وہ پولیس کو کبھی بلانا نہیں چاہیں گے اور می کو اندر تمام کمرے دیکھ گئے۔“

”مگر اس سے کیا ہو گا لیان۔ دو گھنٹے ہونے والے ہیں دو گھنٹوں میں تو بندے کو کہیں سے کہیں پہنچایا ہے۔“ ریاض غفار چیخ کر بولے تو کچھ لمحوں کے لیے لیان نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا پھر اپنی آواز گور سے روکتے ہوئے بولا۔

”ڈیڈی اگر اس طرح بریرہ نہیں ملی تو پھر ہم پولیس کو انفارم کریں گے مگر پہلے می کو ایک بار چیک کرنے دیر اور ان سے کہیں بریرہ کی جتنی دوستوں کو وہ جانتی ہیں راستے میں ان سب کو بھی فون کر لیں مگر اپنی کسی سے یہ ظاہر مت ہونے دیں کہ ہم بہت پریشان ہیں ایسے پریشانہ کریں جیسے اس نے کسی دوست کے گھر جا اجازت مانگی تھی مگر اس کا نام ذہن سے نکل گیا ہے۔

ہم اس معاملے کو جتنا سنجیدہ بنا کر پیش کریں گے بریرہ کے لیے آئندہ اتنی ہی مشکلات پیش آئیں گی ہمیں کچھ بالکل نارمل ظاہر کرنا ہے ان شاء اللہ بریرہ صبح سلامت ہوگی اور مل بھی جائے گی پھر ہم کیوں خواہ بدنامی مول لیں۔“ ریاض غفار نے اس کی طویل بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا اور ایسے فون بند کر دیا انہوں نے دعائیں پڑھنی شروع کر دی ہوں۔

پتا نہیں ریاض غفار اس وقت کہاں تھے پتا نہیں انہیں گھر پہنچ کر شگفتہ غفار کو یہ سب بتانے میں کتنی ہوتی لیان کو اگر کچھ پتا تھا تو محض اتنا کہ وہ آدھے گھنٹے میں اس کے روبرو تھے۔ شگفتہ غفار کا سفید چہرہ اور لال آنکھیں بغیر پوچھے ہی بتا گئے تھے کہ بریرہ کی کسی بھی دوست نے انہیں تسلی جواب نہیں دیا۔

لیان کو اپنی بے چینی دس گنا بڑھتی محسوس ہوئی تھی مگر ریاض غفار اور شگفتہ غفار کی حالت کے پیش نظر خود کو زیادہ سے زیادہ نارمل ظاہر کرنا تھا وہ شگفتہ غفار کو لے کر فوراً ”اندر داخل ہو گیا۔

شگفتہ غفار تو رہسپیشن پر بیٹھتی ہی رو پڑیں تو وہ لڑکی بری طرح گھبرا گئی اس نے تو سیدھا اپنی اونز کو بلایا۔ وہ ایک بہت ہی سلجھی ہوئی باوقار سی خاتون تھیں شگفتہ غفار کے ساتھ وہ بہت محبت سے پیش آئیں اور ایک ایک کمرہ چیک کرانے آئے ساتھ لے گئیں۔

لیان کو تو ان کی ساری حرکتیں مکاری لگ رہی تھیں مگر شگفتہ غفار سارے کمرے دیکھنے کے بعد بڑے سے کہہ رہی تھیں کہ بریرہ کے غائب ہونے میں ان لوگوں کا کوئی ہاتھ نہیں۔

لیان اور ریاض غفار جیسے الجھ کر رہ گئے تھے کہ اب ان کا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے پارلر کی مالکن نے ان کو بھی اپنے آفس میں بٹھا کر بات کی بلکہ باہر گیٹ پر کھڑے اپنے گارڈ کو بھی بلایا۔

بریرہ کا حلیہ بتا کر جب انہوں نے اس کی بابت پوچھا تو اس نے یہی کہا کہ ڈھائی گھنٹے پہلے ایسی ایک لڑکا

وین میں بیٹھ کر گئی ہے۔

سفید رنگ کی وین جس کے شیشے کالے رنگ کے تھے۔

لیان کو تو یہ سب صاف ایک اغوا کی کہانی لگ رہی تھی اگر پارلر والوں نے یہ سب نہیں کیا تھا تو بہر حال اس نے بھی کیا تھا تو بھی اس کی بہن کہیں غائب ہوئی نہیں تھی بلکہ اسے غائب کیا گیا تھا۔

اور یہ سب کچھ اس قدر ہوش رہا تھا کہ لیان کو دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ وہ تو مروت تھا جب اس کی یہ حالت تھی تو شگفتہ غفار کو تو جونہ ہو وہ کم تھا۔

گارڈ کے منہ سے بریرہ کا کسی گاڑی میں بیٹھ کر جانے کا ذکر سن کر شگفتہ غفار کا فاقہ چہرہ خطرناک حد تک زرد ہو گیا وہ ایسے ساکت ہو گئی تھیں جیسے بالکل بے جان ہو گئی ہوں۔

لیان کی جیسے ہی ان پر نظر پڑی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے ان کی کرسی پر آیا اور انہیں کندھے سے پکڑ کر ہلانے لگا۔

”ممی، ممی آپ ٹھیک تو ہیں نا۔“ لیان کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ کرسی پر ایک طرف کو لڑھک گئیں۔

لیان کے ساتھ ساتھ ریاض غفار کے بھی اوسان خطا ہو گئے لیان نے فوراً ”انہیں اپنے بازوؤں پر اٹھالیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

ریاض غفار کی مدد سے انہیں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر لیان نے فل اسپید میں گاڑی دوڑا دی۔ چند لمحوں کے لیے بریرہ اس کے ذہن سے بالکل تھو ہو گئی اس کی گاڑی تیزی سے ہسپتال کی طرف بڑھ رہی تھی فی الحال اس کا ذہن کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں تھا اور بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

(باقی آئندہ)

☆ ☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی	قیمت: 450 روپے	☆ درو کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جمیل	قیمت: 400 روپے	☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 250 روپے
☆ امرنیل، عمیرہ احمد	قیمت: 550 روپے		

مکتبہ کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

فوزیہ یاسمین

دستِ کونکر

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خال خال شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ فوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور وہ ان سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ فوزیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی بھرت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خال کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔
رومیہ سنسٹل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نعل ان دنوں کوچنگ کی دعوت دیتی ہے۔ اسے اس آفر پر دنوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم کی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انیسویں کے لیے کمر دیتا ہے۔
فوزیہ اپنی خال سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دنوں واپس جانے کے لیے بیڑیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کرتا ہے۔

بیسویں قسط



دستک کی آواز پر ندیہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی وہ اپنے بستر پر لیٹی کتاب پڑھ رہی تھی کہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اب آنکھ کھلی تو کمرے میں پھیلا ہوا سا اندھیرا دیکھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیپ آن کیا اور جیسے ہی سیدھی ہو کر بستر سے اترنے لگی اپنی جگہ ٹھک گئی۔

اس کے بستر پر مختلف اوراق بکھرے ہوئے تھے جب وہ کتاب پڑھنے بیٹھی تھی تب یہاں بستر پر ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔

یہ سمجھنے اس کے رجسٹر میں ہی سے پھاڑے گئے تھے اور ان صفحوں کے پاس جو پنل پڑی تھی وہ بھی اسی کے پڑھنے والے ٹیبل پر رکھے ہیں ہولڈر میں سے نکالی گئی تھی۔

یہ سب پہلی بار نہیں ہوا تھا ایسا اکثر ہوتا تھا نیند سے جاگنے پر اس نے اکثر اپنے سر ہانپنے یا اپنے آنسو پاس ایسے کاغذات کا ڈھیر پایا تھا۔

لیکن اس گھر میں آنے کے بعد ایسا پہلی بار ہوا تھا گویا اس کی بے خبری میں شائستہ خالہ نے ایک بار پھر اس کے قریب بیٹھ کر مختلف کاغذوں پر نقش و نگاری کی تھی۔

اس کے نزدیک تو یہ سب نقش ہی تھے جن تصویروں کا مطلب سمجھ میں نہ آئے صرف لکیریں ہوتی ہیں۔

ندیہ کے یہ سوچ کر ہی احساسات عجیب سے ہو گئے کہ پتا نہیں شائستہ خالہ کتنی دیر اس کے سر ہانپنے بیٹھی رہی ہوں گی۔

ندیہ بے بسی سے کاغذوں کو دیکھ رہی تھی کہ دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی ندیہ نے عجیب سے خوف کے ساتھ وہ کاغذات اٹھائے اور انہیں بغیر دیکھے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ٹھونس دیا۔

اس پر بنے خوفناک چہرے دیکھنے کا اس میں یارا نہیں تھا حالانکہ ایسے تمام اسکے چہرے پر آنے لگے تھے اور خاصی مطمئن بھی تھی کہ وہاں آنے والے لوگوں نے انہیں روٹی میں ڈلوایا ہو گا۔

مگر جب شائستہ خالہ کا عکس اس کے ساتھ ہی یہاں آگیا تھا تو ان کے بنائے اسکے چہرے وہاں نہ بھی گئے تھے تو کیا فرق پڑے نہ والا تھا ایسا ڈھیر تو وہ بارہ جمع ہو جاتا تھا۔

ندیہ انہیں فی الحال دراز میں چھپا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی مبالغہ اگر دروازے پر عائشہ اختر موجود ہو تو وہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بستر پر بکھرے ان کاغذوں کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔

جبکہ ندیہ بالکل نہیں چاہتی تھی کہ انہیں اس بارے میں کچھ بھی پتا چلے وہ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ اس گھر میں شفٹ ہونے کے بعد اس کی حالت سدھرنی ہے اور ندیہ چاہتی تھی کہ وہ سب اسی خوش فہمی میں جکڑا رہیں

لیکن دروازہ کھولنے پر اس نے سامنے عائشہ اختر کی بجائے ملازمہ کو کھڑا پایا جو اس پر نظر پڑتے ہی بولی۔

"آپ کو صاحب بلارہے ہیں۔"

ندیہ ایک لمبے لمبے سوچ میں پڑ گئی بلال اختر نے اگر اسے خاص طور پر بلایا تھا تو کسی خاص کام سے ہی بلایا ہو گا جانے اب وہ کیا کہنے والے تھے۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" ملازمہ تو اس کا جواب سن کر پلٹ گئی مگر دروازے میں ہی کھڑی رہی ایسے موقعوں پر بیٹھ اسے یہی لگتا تھا جیسے کسی مظلوم رعایا کی ظالم بادشاہ کے سامنے پیشی ہو رہی ہو کہ جانے اب بادشاہ سلامت کون سا فرمان جاری کر دیں۔

ٹھیک اسی خوف کے ساتھ ندیہ ان کے بلانے پر حاضر ہوتے ہوئے سوچ رہی ہوئی کہ جانے اب وہ کون سا حکم صادر کرنے والے ہیں۔

ندیہ دروازے سے پلٹ کر آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی بالوں کو بلاوجہ اس نے دیر تک ٹھیک کیا پھر منہ دھوئے ہاتھ دھو کر چلی گئی منہ دھونے کے بعد ایک بار پھر اس نے بالوں کو ٹھیک کیا اور جب وقت ضائع کرنے کا اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا تو بلال اختر کے سامنے جانے کے لیے دل کڑا کرتی کمرے سے نکل گئی۔

وہ ان کے بلانے پر بیٹھ اتنی ہی تاخیر سے آیا کرتی تھی لہذا اسے دیکھ کر بلال اختر نے کسی قسم کا سوال نہیں کیا بلکہ اس کے سلام کا جواب دے کر فوراً ہی وہ موضوع چھیڑ دیا جس کے لیے اسے بلایا تھا۔

"تم نے اپنے آئینہ کے بارے میں کیا سوچا ہے ندیہ۔"

"جی۔" ندیہ کی سمجھ میں نہ آیا۔

"جینے آگے کیا کرنا ہے تمہیں پڑھائی دڑھائی چھوڑ کر آخر کب تک بیٹھی رہو گی۔" ان کے لہجے میں ہلکی سی ہنسپلاہٹ کی آمیزش تھی۔

"آں جی ڈو۔" ندیہ نے اس بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں تھا اس سے کوئی جواب ہی نہیں سکا۔

"اس کالج میں نہیں جانا تو کسی اور کالج میں ایڈمیشن لے لو۔ اب بیچ سال میں تو تمہیں داخلہ بھی مشکل سے ہی ملے گا۔"

خیر وہ سب تو میں منہج کر لوں گا تم یہ بتاؤ تم نے کسی کالج یا یونیورسٹی وغیرہ کا سروے کیا ہے کچھ سوچا ہے کہاں پڑھنا ہے کہاں ایڈمیشن لینا ہے۔" وہ ایسے بات کر رہے تھے جیسے اس کی فیروزہ داری کا یقین ہوتے ہوئے انہیں پہلے ہی پتا ہو کہ ان تمام سوالوں کے جواب نفی میں آنے والے ہیں۔

ندیہ نے کچھ شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا وہ بھلا کیا پتا کرتی وہ تو کہیں پڑھنا ہی نہیں چاہتی تھی اس کی تو بس ایک سی خواہش تھی کہ اسے دنیا سے الگ تھلک اپنے کمرے میں پڑا رہنے دیا جائے۔

کچھ دیر وہ کوفت اور تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتے رہے پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ یہ سب بھی میں خود ہی کر لوں گی۔"

"آں۔" پاپا میں۔ میں اگر پرائیویٹ پڑھائی کر لوں۔" ندیہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بڑی وقت سے کہا۔

"کیوں؟" وہ ابو چھا کر اسے دیکھنے لگے۔

"آں۔ کیونکہ۔۔۔ وہ دراصل۔۔۔ میں سوچ رہی تھی کہ پڑھائی ہی تو کرنی ہے۔ کالج وغیرہ کا ماحول ایسا نہیں ہو تاکہ میں اس میں ایڈجسٹ ہو سکوں تو۔ کیوں نہ گھر پر ہی وہ کر۔" بڑی مشکل سے اس نے انک انک کر اپنی بات پوری کی تھی۔

بلال اختر بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھتے رہے پھر پر سوچ انداز میں ہنکار بھرتے ہوئے بولے۔

"ہوں بات تمہاری صحیح ہے تم نارمل لڑکیوں سے بہت الگ ہو اس لیے تمہیں نارمل لڑکیوں کے بیچ بیٹھ کر پڑھنا بہت مشکل لگتا ہے۔"

لیکن تمہارے لیے سارے جہاں سے کٹ کر کھل طور پر گھر میں بیٹھ جانا قطعاً مناسب نہیں۔

بلکہ سمجھو تو لگتا ہے کہ کالج میں پڑھنے کی بجائے تمہیں گوانجوشن میں پڑھنا چاہیے شاید اس طرح تمہارے مزاج میں کچھ تبدیلی آجائے۔" بلال اختر کی بات سن کر ندیہ کی تو حالت غیر ہو گئی اس کا حلق ایسے سوکھ کر کاٹا ہو

کیا جیسے سالوں کی پیماسی ہو۔
 "پہلیا۔ میں میں گھر میں ہی پڑھنا چاہتی ہوں اور۔"

"میں نے ڈاکٹر ٹھیکہ سے بھی یہ سب ڈسکس کیا تھا ان کا کہنا بھی یہی ہے کہ ہمیں بالکل گھر میں بٹھالیں
 ٹھیک نہیں دے کو ایجوکیشن کی بات میں نے ان سے نہیں کی مگر خیر ان سے بھی ایک بار ڈسکس کر لوں گا۔
 تم اپنے ڈاکٹر کو منس و فیو فال کر کے دے دینا میں دیکھتا ہوں سال کے چچ میں تمہیں کہاں داخلہ ملتا ہے۔"

انہوں نے قلمی لہجے میں کہہ کر جیسے بات ہی ختم کر دی۔
 ندیہ صرف انہیں بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی کچھ کہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی اور قائد بھی نہیں تھا بلال
 اختر کو اس کی بات کون سامانی تھی وہ انہیں۔

"جی اچھا۔"
 کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی اور ڈاکٹر ٹھیکہ کا نمبر ملانے لگی ملاؤں ملنے پر اس کی کوازن سن کر ڈاکٹر ٹھیکہ نے خاصی
 خوشی کا اظہار کیا تھا اور کہیں نہ کہیں پہلی بار تو ندیہ نے خود سے ان سے رابطہ کیا تھا ورنہ ہمیشہ تو وہ عائشہ اختر کے
 مجبور کرنے پر ہی ان سے ملنے یا اپنی سہنگ کرانے آتی تھی۔

"کیسی ہو ندیہ؟" نے گھر میں آکر کیا لگ رہا ہے۔ "انہوں نے بڑی خوش حالی سے پوچھا۔
 "جی۔ جی بہت اچھا لگ رہا ہے کافی ریٹیکس مل کر رہی ہوں میں۔" ندیہ نے جان بوجھ کر اپنا لہجہ تھوڑا
 کھٹکتا ہوا بنانے کی کوشش کی۔

"گندویری گڈ۔" ان کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ندیہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہو گئی ہے۔
 "مطلب گھر کی یہ تبدیلی تمہارے لیے خوشگوار ثابت ہوئی ہے۔" ڈاکٹر ٹھیکہ وہ ستانہ انداز میں بولیں حسب
 معمول۔

"جی جی بالکل۔" ندیہ نے فوراً تائید کی۔
 "اس کا مطلب ہے تمہیں اب کسی قسم کے ڈراؤنے خواب بھی نظر نہیں آ رہے۔" خواب سے زیادہ ڈراؤنی
 تو حقیقت تھی مگر ندیہ نے اس بات پر بحث کرنے کی بجائے اپنا مخصوص "جی جی" کہہ دیا۔
 مگر دوسری طرف بھی ایک بجزہ کارڈ ڈاکٹر موجود تھیں جو کافی عرصے سے اس کا علاج بھی کر رہی تھیں جسے مزید
 پوچھنے لگیں۔

"اور خواب کے علاوہ جاتے میں کوئی ناخوشگوار منظر تو نہیں دیکھنا آئی من تمہاری شہادتہ خالدہ کا عکس بہ سال تو
 ہمیں نظر نہیں آیا۔" ان کے لہجے سے ظاہر تھا جیسے وہ بڑی بے چینی سے اس سوال کا جواب جانتا چاہ رہی ہوں۔
 ندیہ نے ایک گہرا سانس کھینچا اور بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔
 "نہیں ابھی تک تو نہیں۔"

"That's great!" ندیہ یہ تو تم نے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے حالانکہ عائشہ نے مجھے بتایا تھا مگر
 تمہارے من سے سن کر واقعی یقین آ گیا ہے۔

بس اب پچھلی ساری باتوں کو ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھول جاؤ اور کوشش کرو کہ زیادہ سے زیادہ بڑی رہو بالکل
 بھی فالٹو مت بنو تاکہ فالٹو سوچنے کا بھی تاثر نہ ملے۔ "ان کی کوازن میں ایک جوش تھا آخر ندیہ ان کی اتنی پرانی
 مریضہ تھی اس میں تبدیلی بلکہ تبدیلی کی اس قدر مکمل سدھار انہیں سر تپا سرشار کر گیا تھا۔
 "جی جی میرا بالکل ارادہ نہیں ہے قاسم بیٹے کام میں نے سوچا ہے۔ کہ ذرا الماریاں و فیو ٹھیک طرح سے

بیٹ ہو جائیں پھر میں کمپیوٹر کی اور کوئنگ کی کلاسز لوں گی۔" ندیہ نے سفید جھوٹ بولا۔
 اس کی الماریاں و فیو مکمل طور پر بیٹ ہو چکی تھیں مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ کلاسز لینے کی بات تو
 ابھی اس کے ذہن میں آئی تھی جسے سن کر ڈاکٹر ٹھیکہ پھول نہ سائیں۔

"ہاں بالکل ندیہ۔ پہلے کمپیوٹر و فیو سیٹ کر لو شہنگ کوئی آسان کام توڑی ہے۔ بھی اور وہ بھی اتنے سالوں
 کا بتایا گھر۔ کتنی تو ایسی چیزیں نکلی ہوں گی جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہوں گی کہ رکھوں کہاں۔"
 "جی جی اصل میں ڈاکٹر میں نے آپ کو اس لیے فون کیا تھا کہ پاپا چاہتے ہیں میں اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر
 دوں۔"

میں میں خود بھی پڑھائی شروع کرنا چاہتی ہوں ایسا نہیں ہے کہ میں پڑھائی پھوڑ رہی ہوں۔
 لیکن پاپا میرا کالج میں ایڈمیشن کرانا چاہ رہے ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ مجھے کو ایجوکیشن میں پڑھنا چاہیے۔
 میں کو ایجوکیشن میں پڑھنا نہیں چاہتی بلکہ مجھے لگتا ہے میں گھر میں زیادہ اچھی پڑھائی کر سکتی ہوں میں پرائیوٹ
 ایگزام کی تیاری کر لوں گی۔" ندیہ کی بات پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں پھر سوچ انداز میں بولیں۔

"ہاں ٹھیک ہے اگر تم گھر میں پڑھائی کر سکتی ہو اور بقول تمہارے زیادہ اچھی کر سکتی ہو تو یہ تو بہت اچھی بات
 ہے میں مسئلہ مل سے بات کر لوں گی تمہیں گھر میں پڑھنے دیا جائے۔" ندیہ ان کی بات سن کر ایک دم ہمت خوش
 ہو گئی۔

"ٹھیک یو ڈاکٹر ٹھیک یو سوچ کر آپ پاپا سے بات مت کیجیے گا وہ خود آپ کو فون کریں گے مشورہ کرنے کے
 لیے۔ تب آپ ان پر ایسے ہی ظاہر کیجیے گا جیسے یہ سب آپ اپنی طرف سے کہہ رہی ہیں اور میں نے آپ سے اس
 بارے میں کوئی بات نہیں کی۔"

"اے شیور مینا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے لیکن تمہیں بھی مجھ سے ایک پراس کرنا ہو گا۔"
 "جی جی کہیں۔"

"تم خوب دل لگا کر گھر میں پڑھائی کرو گی اور اپنی دو انہیں و فیو بالکل میں چھوڑ دو گی اور اگر تمہیں پہلے کی
 طرح کوئی بھی چیز یا عکس نظر آتا ہے تم بلا جھجک مجھے بتاؤ گی۔" ندیہ کو اندازہ بھی نہیں ہوا کہ ڈاکٹر ٹھیکہ اس کا
 مجھ سے بولنا بھانپ گئی ہیں۔

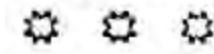
وہ ایک منجھی ہوئی ماہر نفسیات تھیں انہیں اچھی طرح پتا تھا کہ محض ایک گھریل پسے سے ایک مریض میں
 اتنی جلدی اتنا فرق نہیں آ سکتا۔
 اسی لیے انہیں ندیہ کی باتیں سن کر بڑی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

مگر جب ندیہ نے بلال اختر کے ارادوں کے بارے میں بتایا تو جیسے وہ کادوہ اور پانی کا پانی ہو گیا۔
 وہ بخوبی سمجھ گئیں کہ ندیہ اپنی منوانے کے لیے انہیں خوش کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے اسی لیے
 انہوں نے دو انہیں نہ چھوڑنے کی خاص طور پر تاکید کی تھی۔

انہوں نے اس پر ظاہر اس لیے نہیں کیا کہ وہی الحال اس کا بھروسہ جیتنا چاہتی تھیں جس طرح آج اس نے
 اپنی بالجم مل کرنے کے لیے انہیں فون کیا تھا وہ چاہتی تھیں کہ وہ ایسے ہی اپنی ہر بات ان سے ڈسکس کرے اور
 انہیں حل کرنے کا موقع دے۔

مریض کے گھر والوں کے بتانے میں اور خود مریض کے بتانے میں بڑا فرق ہوتا ہے اس لیے اگر اس ایک موقع
 سے اس کا اھم حاصل کر سکتی تھیں تو یہ ان کے پیشے کے اعتبار سے بہت بڑی کامیابی تھی۔

دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک بھی نوبہ کا کالج میں پڑھنا اتنا ضروری نہیں تھا یا اگر تھا بھی تو فوری طور پر نہیں تھا کہ جب وہ اپنی طور پر راضی نہیں ہے لوگوں کے بیچ جانے اور تھلنے لٹنے کے لیے تو پھر زبردستی اسے بھیجنا ٹھیک نہیں۔ اس طرح اس کے ذہن پر اور برا اثر پڑے گا۔
نوبہ نے ان کی تمام شرائط فوراً مان لیں اور ان کے یقین دہانی کرانے پر پرسکون ہو کر فون بند کر دیا۔



جب ڈاکٹر نے گفتہ غفار کو چیک کر کے بتایا کہ بی بی بہت زیادہ لوہے کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی تھی تب کہیں جا کر الیان اور ریاض غفار کی جان میں جان آئی۔
اب وہ بھلے ہی خطرے سے باہر تھے لیکن بی بی کا اتنا لوہا جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ اس میں دل کی دھڑکن بند ہو سکتی ہے۔ مگر وہ خطرہ ٹل گیا تھا ڈاکٹر نے احتیاطاً انہیں ڈرپ لگا دی تھی اس ایک پریشانی کے کم ہونے پر دوسری پریشانی دوبارہ حاوی ہو گئی۔

ہسپتال کے کارڈیور میں ریاض غفار کے پاس آتے ہوئے الیان بولا۔
”ڈیڈی میں عادل کو فون کر رہا ہوں اس کا پورا خاندان آری میں ہے وہ لوگ اس طرح بریرہ کو تلاش کریں گے کہ کوئی انسانہ بھی نہیں بنے گا۔“
”ہاں اس سے کون جتنی رازداری سے یہ سب ہو سکتا ہے اچھا ہے۔“
ابھی تمہارے ماموں کا فون آیا ایسے ہی خیر خیر پت پوچھنے کا۔ میں نے ذکر ہی نہیں کیا کہ تمہاری ماں ہسپتال میں ہیں۔

وہ تو یہ سنتے ہی آجاتے پھر بریرہ کو یہاں نہ پا کر انہیں تعجب ہوتا۔ ”ریاض غفار کے چہرے پر شکنتوں کا ایک جال بچھا تھا۔“

”وہ تو خیر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بریرہ گھر پر ہے مگر یہ سن کر ممانی جان یا کوئی اور بریرہ کے پاس گھر بھی پہنچ سکتے ہیں کہ وہ وہاں اکیلی ہے۔“ الیان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا تو ریاض غفار نے کوئی تبصو نہیں کیا۔
”اچھا پھر میں چلتا ہوں آپ ممی کو لے کر گھر چلے جائیے گا اور ان سے کہہ دیجئے گا بریرہ آج ہی مل جائے گی وہ آرام سے کھانا وغیرہ کھالیں۔“ الیان نے بڑے مزے ہوئے لہجے میں کہا تو ریاض غفار بھی نظریں چرا گئے۔
اور اس سے پہلے کہ الیان آگے بڑھنے کے لیے قدم اٹھاتا اس کا موبائل بج اٹھا۔

فطری طور پر اسے سب سے پہلے بریرہ کا ہی خیال آیا تھا اس لیے اس نے فوراً جب سے موبائل نکال لیا ریاض غفار بھی تجسس ہو کر بے چینی سے اسے دیکھنے لگے جو اسکرین پر ایک انجان نمبر دیکھنے کے باوجود کال ریسیو کر کے کان سے لگا چکا تھا۔

”ہیلو کیا میں الیان غفار سے بات کر سکتا ہوں۔“ دوسری طرف سے ابھرے والی موادہ تواز بھی بالکل اجنبی تھی۔

”جی بول رہا ہوں۔ تب کون؟“ الیان نے کہا مگر دوسری طرف سے جواب آنے کی بجائے ایک ایسا سوال کیا گیا کہ الیان چوکتا ہو کر اس کی بات سننے لگا۔

”اچی، بسن کے عائب ہونے پر بہت پریشان ہونا۔ بات تو واقعی پریشانی کی ہے چار دن بعد اس کی شادی ہے بلکہ چار دن بھی کہاں رات تو ہو رہی ہے سمجھ لو تین ہی دن رہ گئے ہیں آج کا دن تو گزر ہی گیا ہے۔“
”کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو تمہیں جو بھی چاہیے مل جائے گا مگر بریرہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔“ الیان کے

بتے ہی ریاض غفار بھی ہراساں ہو کر بغور الیان کے تاثرات دیکھنے لگے جو دوسری طرف کی بات سن کر بالکل حیران رہ گیا تھا۔

”مجھے کوئی پیسہ وغیرہ نہیں چاہیے مجھے صرف ایک فیور چاہیے اگر تم کرتے ہو تو میرا وعدہ ہے کہ تمہاری بہن صحیح سلامت گھر آجائے گی اور اگر نہیں کرتے تو گھر تو میں اسے تب بھی بھیج دوں گا مگر اس کی بربادی کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔“

”کیسا فیور چاہیے جلدی بتاؤ؟“ الیان اس کے لہجے میں چھپی دھمکی پر بلبلاتا ایک طرف اس کا دل چاہتا تھا وہ فون پر ہی اس کا کھلا دباؤ دے تو دوسری طرف اس کے ہر مسام سے ہی نہ بھوٹ نکلتا تھا۔

”چار دن بعد بالکل نارمل طریقے سے اگر تم اپنی بسن کی شادی کرنا چاہتے ہو تو کل تمہیں خود شادی کرنی ہوگی ایک دو میلہ نام کی لڑکی سے۔“ ابرار نے بڑے نپے تھے انداز میں کہا مگر الیان کے تو سر پر سے گزر گئی اس کی بات۔
”کیا؟“

”تم کیا کہہ رہے ہو میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔“ الیان نے بے چینی سے موبائل ایک کان سے ہٹاتے ہوئے دوسرے کان پر لگایا۔

”تمہیں کل ایک لڑکی سے شادی کرنی ہے جس کا نام دو میلہ ہے اگر تم تیار ہو تو میں بتا دیتا ہوں کہ تمہیں بارات لے کر کہاں جانا ہے؟“ دوسری طرف سے ابرار نے اتنے نارمل انداز میں کہا جیسے کسی بزنس ڈیل کے لیے میننگ پوائنٹ اور ٹائم ملے کر رہا ہو۔

الیان اب بھی ہونٹ بنا اس کے الفاظ پر غور کر رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے سننے میں غلطی ہو رہی ہے یا اس شخص سے بولنے میں۔

حالانکہ اس کا فون سننے ہی الیان کی سمجھ میں پوری کہانی آگئی تھی جو کہ ایسی کوئی پیچیدہ تھی بھی نہیں۔ کسی نے اس کی بسن کو اغوا کیا تھا اور بدلے میں تاوان مانگنے کے لیے فون کر رہا تھا۔

مگر سنا تاوان کے طور پر رقم کی بجائے ایک عجیب و غریب مطالبہ کیا جا رہا تھا جس پر عمل کرنا تو درکنار تعین کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔

”تم کون بول رہے ہو؟“ بہت سوچ کر الیان کو ایک یہی جملہ بولنا آسان لگا۔
”اتقانہ سوال مت پوچھو مگر سنسن کی بات ہے جس نے تمہاری بسن کو اغوا کیا ہے وہ اپنا تعارف تو ہرگز نہیں دے گا۔“

”مجھ سے سوال کرنے کی بجائے تم صرف میرے سوال کا جواب دو۔ اپنی بسن کی خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ میرے کہے پر عمل کرو تمہاری بسن باحفاظت تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔“ دوسری طرف سے آنے والا جواب کوئی خاص حیران کن نہیں تھا۔

الیان کو خود بھی امید تھی وہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ لیکن اس کے بارے میں جانتا اتنا مشکل نہیں تھا اس کا نمبر تو موبائل پر آبی چکا تھا پھر جو شرط وہ اس کے سامنے رکھ رہا تھا وہ بھی ایسی تھی کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں الیان اس شخص تک نہ سہی ان لوگوں تک ضرور پہنچ سکتا تھا جو ان سب حالات کے

دار تھے۔ یہ ہی سوچتے ہوئے الیان نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے پوچھا۔
”کون ہے یہ دو میلہ اور مجھے اس سے شادی کب اور کہاں کرنی ہے؟“ ریاض غفار جو بغور الیان کو دیکھ رہے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں ٹیڑی :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریویو ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ سریم کوالٹی ہمارے کوالٹی، کمپیوٹر کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فوراً سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

☆ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

☆ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک ویکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

تھے اس کی بات براہم سے ساتھ ہوئے۔
ایمان نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا، کیونکہ وہ سری طرف سے وہ شخص کچھ کہہ رہا تھا جو ایمان پوری توجہ سے سنتا جا رہا تھا۔
”رومیلا ایک لڑکی ہے اور کوئی ایسی لڑکی نہیں ہے، بہت اچھے خاندان کی خوب کھاتے پیتے گھرانے کی ہے، تمہیں کل اس سے شادی کر لی ہے باقاعدہ بارات لے کر تمہیں ایک ہوٹل کے ہل روم میں دو لمبا بن کر آنا ہو گا، وہاں اس لڑکی کا پورا خاندان موجود ہو گا، وہ لڑکی بھی دلہن بن کر پورے قاعدے قانون کے مطابق باوقار طریقے سے تمہارے ساتھ رخصت ہوگی۔
اور بغیر کسی چالاکی کہ جب تم یہ سب بالکل ہدایت کے مطابق کر لو گے تو دوسرے دن تمہاری بہن تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔
تم ملے شدہ وقت پر اس کی شادی کر دینا اور ساتھ ہی اپنے خاندان میں اعلان کر دینا اپنی شادی کا، تاکہ تمہاری بہن کی شادی میں تمہارا دلہہ بھی ہو جائے اور سب کو تمہاری شادی کی خبر بھی ہو جائے۔“ ابراہیم ایسے اطمینان سے بول رہا تھا جیسے وہ انسانوں کی بجائے گڈے گڑیا کی شادی کی بات کر رہا ہو۔
”اور پھر؟“ ایمان نے اس کے آگے کے ارادے جاننے کے لیے سنجیدگی سے پوچھا۔
”پھر کیا؟ پھر آگے تم خود سمجھ دار ہو۔ رومیلا کو تمہیں بیوی کے طور پر اپنے گھر میں رکھنا ہو گا اور اس کو اس کے سارے حقوق دینے ہوں گے۔“
اسے اگر ذرا بھی تکلیف پہنچانے کی کوشش کی تو تمہاری بہن کی سرال میں اس کے اغوا کی خیرات غلط انداز میں پہنچے گی کہ اس کا گھر اجاڑ دے گی۔
یوں سمجھ لو کہ بہن کا گھر سانا چاہتے ہو تو اپنا گھر بھی بسائے رکھنا، ورنہ تمہارا ایک غلط قدم یا ذرا سا بھی نامناسب رویہ تمہاری بہن کی زندگی برباد کر دے گا، وہ سری طرف سے بڑی سفاکی کے ساتھ کہا گیا۔
ایمان اس کی ایک بات کو پورے دھیان سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہو گیا تو ایمان پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی کے ساتھ سپاٹ لہجہ میں بولا۔
”کیا تمہیں نہیں لگتا کہ میں تمہیں بہت آسانی سے ٹریس کر سکتا ہوں۔“ اس کی بات پر کچھ دیر کے لیے وہ سری طرف خاموشی چھائی، پھر تھوڑے وقفے کے بعد وہی آواز اسی نفوس لہجے کے ساتھ ابھری۔
”ہاں اگر تم کو شش کرو تو مجھ تک تو پہنچ سکتے ہو، لیکن اس کے بعد تم اپنی بہن کی شادی کو نوٹنے سے نہیں بچا سکتے، وہ تو یہ راز کھانے پر عمر بھر کے لیے بدنام ہو جائے گی، چاہے مجھے عمر قید ہی کیوں نہ ہو جائے۔“ اب کی بار خاموش ہونے کی باری ایمان کی تھی اس نے بے اختیار لب بچھ لیے۔
وہ شخص غلط نہیں کہہ رہا تھا اس وقت ایمان کے پیش نظر اولین ترجیح اس کی بہن کی عزت اور زندگی تھی جس پر اگر بال برابر بھی آج آجاتی تو اس کا ازالہ اس شخص کو پھانسی پر چڑھانے سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔
اسی لیے جب ایمان بولا تو اس کے لہجے میں ایک محسوس کی جانے والی بے بسی رہی تھی۔
”نہیں میری بہن کو کچھ نہیں ہونا چاہیے، تم جو کوہ کے میں کرنے کے لیے تیار ہوں، ہتاؤ کون سے ہوٹل میں بارات لے کر آتی ہے۔“ ریاض غفار نے ایک بار پھر بے چین ہو کر کچھ کہنا چاہا، مگر اب کی بار وہ خود ہی ہونٹ چبا کر رو گئے۔

جبکہ دوسری طرف ابرار نے اسے ہونٹ کا نام بتانے کے بعد تنہی انداز میں کہا۔
 ”خمس۔ ٹھیک آٹھ بجے بارات لے کر پہنچ جاتا ہے اور کسی قسم کی کوئی ہوساری کرنے کی کوشش مت کرنا
 تمہارے ساتھ صرف تمہارے والدین ہونے چاہئیں۔“ الیان کو محسوس ہو گیا تھا کہ وہ فون بند کرنے والا ہے تب
 ہی وہ جلدی سے بولا۔

”کیا میں بریرہ سے بات کر سکتا ہوں؟“ دوسری طرف ابرار تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گیا، پھر اپنے لہجے کو کسی
 اشتہاری مجرموں جیسا بناتے ہوئے بولا۔

”اوتے وہ بھی کراؤں گا، لیکن ابھی نہیں۔“ ابرار یہ ساری گفتگو بریرہ کے سامنے بیٹھ کر تھوڑی کر رہا تھا جو ابھی
 بات کر رہا تھا اس نے الیان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فون بند کر دیا۔

الیان کچھ کہنے کے لیے محض منہ کھول کر رہ گیا اس نے موبائل پر آئے نمبر پر کال بیک کرنے کی بھی ضرورت
 نہیں سمجھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ شخص کسی نئی سم پر اس سے بات کر رہا ہو گا جو اس کے نام پر بھی نہیں ہوگی
 اور جسے وہ روز موز زندگی میں استعمال بھی نہیں کرتا ہو گا اس لیے بغیر نمبر ملانے اسے یقین تھا کہ اس کا فون سوچ
 آف ہو چکا ہو گا۔ البتہ الیان نے اس نمبر کو سیف ضرور کر لیا تھا اور یہ سب کرنے کے بعد اس نے ریاض غفار کی
 طرف نگہ کیا جو اس کے فون بند کرتے ہی بے قراری سے پتہ درپے سوال کرنے لگے تھے۔

”کیا ہوا؟ کون تھا؟ شخص؟ کیا کہہ رہا تھا؟ بریرہ کیسی ہے؟“

اس سے کچھ متاثر ہوا اسے چاہیے مل جائے گا۔ مگر بریرہ پر آج بھی نہیں تکی چاہیے۔

اور یہ شادی کی کیا شرط تھی۔ کون شادی کر رہا ہے؟

تم؟ مگر کس سے؟

آخر تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔“ آخری جملہ انہوں نے بری طرح جھنجھلا کر کہا تو الیان نے موبائل جیب میں
 رکھتے ہوئے مختصر الفاظ میں انہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

”یہ کیا عجیب و غریب مطالبہ ہے بھلا تمہارے شادی کرنے سے انہیں کیا فائدہ ہو گا اور گھر بھلا ایسے بستے ہیں
 کیا۔“ ریاض غفار بری طرح تپ کر بولے۔

”میرا نہیں خیال کہ یہ شادی گھر سامنے کے لیے کی جارہی ہے۔“ الیان پر سوچ انداز میں بولا۔

”کیا مطلب۔“ ریاض غفار چونکے۔

”اب بھلا اس سیدھی سی بات کا کیا مطلب ہو سکتا ہے، یہ شادی صرف ہمارے اونچے گھرانے میں آنے اور
 ہمارے پیسے بچانے کے لیے کی جارہی ہے۔“

جس رو میلہ ٹائی لڑکی کا یہ ذکر کر رہے ہیں وہ ان کے گینگ کی بیٹی ہوگی اس کے ذریعے وہ زندگی بھر ہمیں لوٹے
 رہیں گے۔“ الیان کے کہنے پر ریاض غفار کے چہرے پر پھیلے فکرات میں مزید اضافہ ہو گیا تو الیان گہرا سانس
 کھینچتے ہوئے بریرہ کے والے انداز میں بولا۔

”کہہ تو دے یہ بی رہے ہیں کہ وہ لڑکی اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی خاندانی لڑکی ہے، مگر مجھے پتا ہے کہ یہ سب ملے
 ہوتے ہیں سب ایک سے گھٹیا اور گرے ہوئے ہوں گے۔ بس اللہ تعالیٰ بریرہ کو اپنی حفاظت میں رکھے، وہ ان کے
 چنگل سے نکل آئے، ان لوگوں سے تو بعد میں بھی نبٹا جاسکتا ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تم اس سے شادی کے لیے تیار ہو؟“ ریاض غفار انہیں سے ساتھ بولے تو ان کی
 حیرت کو دیکھتے ہوئے الیان حیران ہو کر بولا۔

”تیار نہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بریرہ ان کے قبضے میں ہے، ہمارا ایک مللا قدم بریرہ کو۔“ آگے
 الیان سے بات بھی پوری نہیں کی تھی۔

ریاض غفار کے چہرے پر بھی سایہ سالہا کیا، مگر پھر بھی وہ تذبذب کے عالم میں بولے۔
 ”لیکن الیان۔ وہ لوگ پتا نہیں کون لوگ ہیں، کس قسم کے ہیں۔ وہ لڑکی جانے کس قماش کی ہو، ہم ایسے
 کیسے۔“ ریاض غفار کا دل کسی طور نہیں مان رہا تھا۔

”آپ بے فکر رہیں، میں۔ زندگی بھر کے لیے اس رشتے کو گلے کا طوق نہیں بنائیں گا، ایک بار بریرہ واپس
 آجائے، پھر ان سب کا وہ حشر کروں گا کہ۔“ الیان دانت پیس کر رہ گیا تو ریاض غفار بھی صرف اسے دیکھ کر رہ
 گئے۔

اپنے بیٹے کی ضدی فطرت سے وہ بخوبی واقف تھے۔ جو ایک بار ٹھان لیتا اسے پھر اس فعل سے کوئی ایک انچ
 نہیں ہلا سکتا تھا، لیکن اس وقت انہیں صرف بریرہ کی فکر تھی، آگے کیا ہو گا یا الیان کیا قدم اٹھائے گا۔ اس
 تفصیل میں جانے کا طبعی دقت نہیں تھا۔



بریرہ کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک اچھے صاف ستھرے کشادہ سے کمرے کے بستر پر دراز پایا۔
 کچھ گھنٹوں کے لیے تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے، پھر جیسے اچانک اسے سب کچھ یاد آ گیا۔

دو بار لر میں اپنی سروس کرائے گئی تھی اور جیسے ہی فائدہ ہوئی اس کے موبائل پر کسی آدمی کا فون آیا تھا جس
 نے خود کو الیان کا دوست بتا کر اسے اطلاع دی تھی کہ ریاض غفار کا ایک سیلنٹ ہو گیا ہے، وہ اسپتال میں ہیں اور
 ان کی حالت بہت سیریس ہے۔

بریرہ تو یہ سنتے ہی حواس باختہ ہو گئی تھی اس کا دل ویسے بھی کمزور تھا اور شادی قریب ہو تو لڑکی قدرتی طور پر
 اپنے گھروالوں کے لیے زیادہ حساس ہو جاتی ہے۔

بریرہ جو پہلے ہی ان سے دور ہونے کے خیال سے ان کے زیادہ قریب ہو گئی تھی ان کے ایک سیلنٹ کا سن کر تو
 اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

وہ صرف یہ سن کر کہ فون کرنے والا خود کو الیان کا دوست بتا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ وہ اسے لینے آیا ہے اور باہر
 سفید رنگ کی وین میں اس کا ویٹ کر رہا ہے فوراً اٹھ کر باہر آگئی اور باہر کھڑی وین میں جا کر بیٹھ گئی۔

جس میں ایک ڈرائیور کے علاوہ ایک شخص اور اس کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ بریرہ نے بیٹھنے کے بعد اسے
 دیکھا تھا، بلکہ دیکھا کیا تھا جب اس نے ریاض غفار کی بابت پوچھا تھا کہ وہ کون سے اسپتال میں ہیں اور ان کی
 طبیعت کیسی ہے تب پیچھے سے وہ آدمی گویا ہوا تھا اور اسے سن کر بریرہ کو پتا چلا تھا کہ وہ فون پر بھی اسی سے مخاطب
 تھی۔

تب ہی پہلی بار اسے خیال آیا تھا کہ اسے دین میں بیٹھنے سے پہلے الیان یا کلفت غفار کو فون کر کے بات کرنی
 چاہیے تھی۔ فائدہ اس نے اسی وقت اپنا پرس کھول کر اپنا موبائل نکالا اور ابھی اس نے کال ملائی بھی نہیں تھی کہ
 پیچھے سے ایک ہاتھ جس میں ایک عدد روپاں موجود تھا اس کے چہرے کے سامنے آ گیا۔

بریرہ کے منہ سے کھنی کھنی چیخ نکل گئی۔ وہ اس ہاتھ کو پکڑ کر اسے روکنا چاہتی تھی مگر تب تک پیچھے بیٹھا شخص
 اس کی ٹانگ پر سختی سے دھبیل رکھ چکا تھا۔

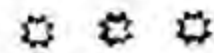
اس کے بعد کیا ہوا بریرہ کو کچھ پتا نہیں تھا اس کی آنکھ اب کھلی تھی اور وہ بستر پر تھما پڑی تھی۔

اس کے پاس اس کا پر س تھا نہ موبائل اور نہ ہی ہاتھ پر بندھی گھڑی۔
پتا نہیں کیا نام ہو رہا تھا کمرہ کو کہ کافی اچھا سیٹ تھا مگر اس میں کوئی گھڑی یا روشن دان نہیں تھا جو باہر کا منظر دیکھ کر وقت یا جگہ کا اندازہ کرائے۔

بریرہ تیزی سے بے چینی کے عالم میں اٹھی اور کمرے میں موجود دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
حیرت انگیز طور پر پنڈل کھاتے ہی دروازہ کھل گیا۔ بریرہ ایک ترنگ کے ساتھ باہر نکلی۔
مگر یہ کیا؟

وہ کمرے سے باہر جانے کا راستہ نہیں تھا بلکہ ہاتھ دھام تھا۔ بریرہ کچھ دیر تو یاسیت سے سامنے لگے بیسن کے اوپر نصب آئینے میں خود کو دیکھتی رہی پھر دوبارہ کمرے کی طرف پلٹ گئی۔
اب اس کی نظر کمرے میں موجود دوسرے دروازے پر پڑی تھی اور یہی کمرے سے باہر جانے کا دروازہ تھا۔
کیونکہ یہ باہر سے لاک کیا ہوا تھا۔

اس کے باوجود بریرہ جانے کس امید پر پنڈل کھاتا تھا مگر اسے کھولنے کی کوشش کرتی رہی ساتھ میں دروازہ پٹختے ہوئے مسلسل قریاد بھی کرتی رہی کہ اسے یہاں سے نکال لو اسے کیوں بند کیا گیا ہے وغیرہ۔
مگر اسے خود بھی پتا تھا کہ اس کے آنسو اور آہیں اس دروازے کو نہیں کھلوا سکتے۔
جانے اسے کھلوانے کی کیا شرائط ہوں گی وہ یہ سوچنے سے بھی قاصر تھی جانتا تو بہت دور کی بات تھی۔



نمل اور سنبل نے سوچا تو یہی تھا کہ رو میلہ کو ساری سچائی فوراً بتادیں گی اور انہیں بہت اچھا موقع بھی ملا جب رو میلہ کی ساری کزنز کھانا کھانے کمرے سے چلی گئیں تب وہ رو میلہ سے آرام سے بات کر سکتی تھیں مگر ان دونوں کی ہی بہت سیس بڑی تھی۔

ایک وقت تھا جب رو میلہ اس شادی کو لے کر بہت پریشان تھی کسی قسم کی خوشی اور شہزادہ اس کے چہرے کا حصہ نہیں بنی تھی آخر نمل کے کینیڈا جا کر کلفام سے ملنے پر اس کے اوبرہاں وغیرہ سب ختم ہو گئے تھے اور اس کے چہرے پر ایک سکون نظر آنے لگا تھا۔

مگر اطمینان کا یہ دورانیہ اتنا مختصر ہو گا اس بات کا اندازہ ان میں سے کسی کو نہیں تھا۔
ابھی بھی اپنی کزنز کے منہ سے یہ سن کر کہ لڑکے والے فنکشن شروع ہونے سے پہلے ہی لوٹ گئے ہیں وہ اچھی خاصی فکر مند ہو گئی تھی۔

مگر نمل کے جواب نے اس کی فکروں کو ایک دم دور کر دیا تھا "اسی لیے کزنز کے جانے کے بعد وہ پرسکون ہو کر انہیں اس لڑکی کے متعلق بتانے لگی جو کل صبح اس کے مندی دگانے آئے والی تھی۔
"تم دونوں بھی بیس آجانا اور میرے ساتھ ہی مندی لگو لیتا۔" وہ بڑے مگن انداز میں بول رہی تھی نمل اور سنبل بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

وہ دونوں اپنی ہتھیں اکٹھا کرتی رہیں اور اس کی کزنز کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر واپس بھی آگئیں تب سنبل نے سرگوشیاں انداز میں نمل سے کہا۔
"ان سب کے جانے کے بعد آرام سے رو میلہ کو بتائیں گے، تاکہ وہ کم از کم کھل کر رو تو سکے۔" نمل اس کی

بات پر صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

مگر ان کے جانے سے پہلے ہی عجیب بات ہوئی، رو میلہ کی بھابھی اگر ان سب پر مگن لگیں کہ بجائے رو میلہ کو نیچے لے جا کر دسم وغیرہ کرنے کے سبب کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی ہیں۔

ان کی جھاڑ پر وہ ساری کزنز حرکت میں آگئیں اور رو میلہ کو ڈپٹہ اوڑھا کر رواجی انداز میں باہر لان میں لے گئیں۔

نمل اور نمل نا تو اب کسی بھی کام میں مل نہیں لگ رہا تھا، دونوں کچنی کچنی سی سب کچھ دیکھتی رہیں تب ہی بھابھی ان کے قریب آکر آہستگی سے کہنے لگیں۔

"مگر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری مایوسی شکست دیکھ کر رو میلہ بھی مشکوک ہو جائے گی۔
جو کچھ بھی ہوا ہے صرف تم دونوں تک رہنا چاہیے۔" ان کے تنہا ہی انداز پر نمل دلی دلی توازمیں بولی۔
"لیکن دونوں بعد کیا ہو گا؟ یہ رو میلہ کو دلہن کی طرح نیچے لاکر فٹنوں کی دیکھیں کیوں کی جارہی ہیں۔"
"یہ فٹنوں کی دیکھیں نہیں ہیں، دونوں بعد رو میلہ کی شادی ہو رہی ہے۔" بھابھی نے دور نیچے رو میلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟ ابراہیم کی اب بھی رو میلہ کی شادی کلفام سے کرنے کے لیے تیار ہیں۔" نمل شدید حیرت کے ساتھ بولی تو بھابھی اسے بے زامی سے دیکھنے لگیں۔

"تم بھی حد کرتی ہو میں تو اس کمرے میں موجود نہیں تھی جہاں یہ ساری گنگو ہوئی تھی مجھے تو ابراہیم نے ابھی بتایا ہے تو مجھے پتا چلا ہے لیکن تم نے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے پھر بھی ایسی بات پوچھ رہی ہو۔
کیا ابراہیم کے مزاج سے تم واقف نہیں۔ ابراہیم اتنے ضدی ہیں اب تو چاہے زندگی کے لالے پڑ جائیں مگر وہ کلفام سے تو رو میلہ کی شادی ہرگز نہیں کریں گے۔

وہ اسی وقت کہیں چلے گئے تھے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئے ہیں تو مجھے بتایا ہے کہ رو میلہ کی شادی پرسوں اسی ہوئی تھی جو ہم نے یک کرایا ہے تب ہی تو میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ ایسے منہ بسور کرمت گھڑی ہو۔" وہ کتنی چلی گئیں۔

"لیکن وہ دن کے اندر کون۔ شادی کے لیے تیار ہو گیا۔" نمل کو ابراہیم کی بھابھی سے کسی اچھے اقدام کی امید نہیں تھی تب ہی حیران لہجے میں بولی۔

"یہ تو انہوں نے کہیں بتایا شاید ان کا کوئی دوست وغیرہ ہو گا۔" بھابھی ایسے لاپرواہی سے بولیں جیسے وہ دن بعد رو میلہ کی شادی ہو جائے گی اس اہم ہوائی وہ کون ہے اور کس سے ہو رہی ہے ان سوالوں کی کوئی وقعت نہ ہو۔
نمل اور نمل تو ابھی ٹھیک طرح سے حیران بھی نہیں ہوئی تھیں کہ بھابھی اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔

"مجھے تو بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے ابراہیم کی بھابھی نے مقررہ وقت پر شادی انجام دینے کے لیے جانے کے پکڑ لیا ہو گا۔" سنبل بے چینی سے بولی۔

"ہاں! وہ کتنے پہلے ہی تو وہ یہاں سے گئے تھے وہ کتنے میں بھلا کون شادی کے لیے تیار ہو گیا اور اگر ہو گیا ہے تو انہوں نے بھابھی کو کیوں نہیں بتایا۔"

"یا شاید بھابھی ہمیں بتانا نہیں چاہ رہیں،" نمل نے بدستور ہنسی کھکھلاتی بھابھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جو کسی کے ساتھ خوش گھوڑوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔
نمل بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں بھابھی کو دیکھنے لگی اور ان کے چہرے کو کھوجتے ہوئے پھیرنے والے

انداز میں بولی۔
”مجھے تو لگتا ہے بھابھی کو کچھ پتا ہی نہیں ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ابراہیمائی نے ابھی کوئی انتظام کیا ہی نہ ہو۔“ سنبل اور نمل بھابھی پر سے نظریں ہٹا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

”میرے خیال سے رو میلہ کو ابھی کچھ نہ بتایا جائے۔ پرسوں تک دیکھ لیتے ہیں۔“ سنبل نے پرسوج انداز میں کہا۔
نمل کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ اس سے متفق نہیں ہے، مگر وہ اس سے اختلاف کرنے کے بھی حق میں نہیں تھی۔

جس پریشانی سے وہ دونوں گزر رہی تھیں رو میلہ کو اس سے آگاہ کر کے وہ صرف اس کا سکون ختم کر سکتی تھیں۔ کیونکہ رو میلہ بھی ابراہیمائی کے سامنے اتنی ہی بے بس تھی جتنی کہ وہ دونوں۔ پھر ایسے میں اس کا بے خبر رہنا ہی اس کے لیے زیادہ بہتر تھا، وہ اس کی یہ نعمت اس سے کیسے چھین سکتی تھیں۔

مگر وہ دونوں بھابھی کی طرح اتنے پرسکون انداز میں اس ڈرائے کا حصہ نہیں بن سکتی تھیں، تب ہی نمل رو میلہ سے رشیدہ کی طبیعت کی خرابی کا بیان کر کے گھر جانے کی اجازت لینے چلی گئی اور کیونکہ سنبل کو بھی اسے ہی ڈراپ کرنا تھا چنانچہ سنبل کے لیے کوئی بہانہ گھڑنے کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔

رو میلہ نے سن کر تھوڑا سا پسینہ پیش کا مظاہرہ کیا، مگر رشیدہ کی طبیعت کے آگے زیادہ کچھ بول نہیں سکتی تھی، پھر وہ زندگی کے ایسے موڑ پر کھڑی تھی جہاں پر بہت ساری چیزیں ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ وہ اس لمحے اتنی مگن تھی کہ ان دونوں کا جانا خود پر حاوی نہیں ہو سکا۔

دوسری طرف انہوں نے رشیدہ کو بھی فی الحال کچھ نہ بتانا ہی مناسب سمجھا۔ خواہ وہ ابھی سے ہولنا شروع ہو جائیں، اس لیے ان کے سامنے سنبل کی طبیعت کی خرابی کا بیان نہ بنا دیا، جس پر انہوں نے فوراً یقین کر کے جانے کی اجازت مانگ لی۔

صبح وہ دونوں محض رو میلہ کے گھر جانے سے بچنے کے لیے یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ نمل تو اس سے بات کرنے سے اتنا گھبرائی تھی کہ اس نے رو میلہ کو فون تک نہیں کیا اور محض سیج پر بتا دیا کہ وہ مندی لگوانے اس کے گھر نہیں آسکیں گی یونیورسٹی جانا سخت ضروری ہے۔

وہ تو شکر تھا کہ رو میلہ نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور نہ ہی یہ جاننے کی کوشش کی کہ یونیورسٹی جانا اتنا ضروری کیوں ہے، آخر ابھی تک وہ جاری تھی، اس کے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کے پیش نظر جانا اتنا ضروری ہو۔

اصل میں اس نے یہ ہی سوچا تھا کہ نمل کی پہلے ہی بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں اور اب وہ مزید کوئی چھٹی نہیں کرنا چاہتی، اسی لیے اس نے بحث نہیں کی، مگر گاڑی میں وہ دونوں بحث پر ضرور اتر آئیں۔
”ہم رو میلہ کے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہے، بجائے اسے صاف صاف بتا دینے کے ہم اسے اندھیرے رکھ رہے ہیں۔“ سنبل بے چینی سے ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔

”بتانے سے بھی کیا ہوگا، میں تو یہ سوچ رہی ہوں ابراہیمائی نے کوئی لڑکا دکھا بھی ہے یا صرف ہم سب کو واقعی طور پر خاموش کرائے کے لیے یہ شوشا چھیڑ رہا ہے کہ کل رو میلہ کی مقررہ وقت پر شادی انجام پائے گی۔“ نمل نے اضطرابی انداز میں ہونٹ چبائے۔

”شو شائی ہو تو زیادہ اچھا ہے ورنہ پتا نہیں جلدی میں انہوں نے کسے پکڑ لیا ہوگا، میرا تو دل چاہ رہا ہے کسی قلمی

بیویوں کی طرح رو میلہ کو کہیں مٹکا دوں۔“ سنبل نے قدرے غصے سے کہا۔
”بے وقوفوں والی باتیں مت کرو، میرے خیال سے ہمیں پھوپھا (رو میلہ کے بابا جانی) سے بات کرنی چاہیے۔“ نمل نے گاڑی پارکنگ میں روکتے ہوئے کہا۔

”ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ بیٹے کے سامنے بالکل بے بس ہیں اور پھر جس طرح انہوں نے ہمیں کمرے سے بھیجا تھا مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہماری بات دلچسپی سے سنیں گے۔“ سنبل ان کی طرف سے سخت مایوس تھی۔ تب ہی بڑے بورے انداز میں گاڑی سے اترتے ہوئے بولی تو نمل بھی اپنی طرف کا روانہ کھول کر اتر آئی۔

”کیوں بنا ابراہیمائی سے ہی براہ راست پوچھ لیں۔“
”ہاں تو ان کی طرف سے کون سا سیدھا جواب آئے گا، تو ویسے ہی تم سے جملے بنے ہیں کہ اگر تم کینڈا نہ مانی ہو تو آج خاموشی سے کلفلام کے ساتھ رو میلہ کی شادی ہو جاتی اور کسی کو پتا نہ چلتا کہ ان کا فیصلہ کس قدر غلط تھا یا اگر پتا بھی چلتا تو تب جب رو میلہ کینڈا پہنچ چکی ہوتی، دوسرے لفظوں میں ابراہیمائی کی جان چھوٹ چکی ہوتی۔“ ڈیوار ٹنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ تھے ہوئے لہجے میں بولتی رہی۔

”ہوں کہ تو تم ٹھیک رہی ہو، جانے ہم دونوں کے گھروں میں ایک سا ماحول کیوں ہے کہ بیٹیوں کو رخصت کرنے کے بجائے اتار کر پھینکنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔“ نمل کا لہجہ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ اس کے قدم بھی ست پڑ گئے تھے، جسے محسوس کرتے ہوئے سنبل نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو سامنے سے خرم کو آتا دیکھ کر وہ اس کے جملے کا پس منظر بدل بھر میں سمجھ گئی۔

خرم ان ہی کی طرف متوجہ تھا، بلکہ چہرے پر دل جلانے والی مسکراہٹ سجائے ان ہی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ نمل اپنی جگہ رک کر ایک طرح سے انتظار کرنے لگی کہ وہ طنز کے نشتر چلا لے تو پھر وہ اندر داخل ہو، ورنہ وہ پیچھے پیچھے اس کی کلاس تک چلا آئے گا۔

رو میلہ کی وجہ سے وہ جس ذہنی اذیت اور کوفت سے گزر رہی تھی خرم کو دیکھ کر اس میں دس گنا اضافہ ہو گیا تھا، اس پر سونے پر سما کہ والے انداز میں خرم نے آتے ہی اسے جس طرز خطاب سے مخاطب کیا وہ نمل کو کھولا کر رکھ گیا۔

”ارے او مستقبل کی سسر خرم ہونے والے شوہر کی یہ عزت ہے تمہارے دل میں۔“ وہ رک کر ایسے اسے دیکھنے لگا جیسے وہ ابھی حیران ہو کر اس کی بات کا مطلب پوچھنے کھڑی ہو جائے گی۔
جبکہ وہ سپاٹ چو لے ایسے کھڑی رہی جیسے اس کی اگلی بات سننے میں کوئی دلچسپی نہ ہو تو وہ خود ہی کہنے لگا۔

”دیکھو نا اتنی قریبی رشتہ داری اور کسی نے مجھے رو میلہ کی شادی میں انوائیٹ تک نہیں کیا۔“
کم از کم تمہیں تو اس زیادتی پر احتجاج کرنا چاہیے تھا بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی، نمل بدستور پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

آخر وہ اکیلا کب تک بول سکتا تھا، کیونکہ وہ تو اس وقت اس قدر ذہنی انتشار کا شکار تھی کہ خرم سے کسی لاماصل بحث میں بالکل نہیں بڑنا چاہتی تھی۔ سنبل تک اس وقت اس کی مداخلت پر بے زاری محسوس کر رہی تھی، رو میلہ کو لے کر وہ دونوں اتنی فکر مند تھیں کہ خرم کی خواہ خواہ کی تکرار اسے بھی جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر گئی تھی، پھر بھی وہ مصلحتاً خاموش کھڑی رہی۔

خرم کو ان کی خاموشی سے کوئی غرض نہیں تھی، وہ اکیلا ہی بولنے کے لیے کافی تھا۔

کچھ دیر کے توقف کے بعد جب اس نے دیکھ لیا کہ محل اب بھی کچھ نہیں کہہ رہی تو وہ خود ہی کہنے لگا۔
 "ایک تو ہم یونورٹی میں اتنے اچھے دوست ہیں پھر مستقبل کے ہزینڈ اینڈوائف بھی ہیں۔
 رو میلہ کو مجھے بلانا چاہیے تھا۔" محل کو اپنے سر میں درد شروع ہوتا محسوس ہو رہا تھا جبکہ وہ مزید پتاتے ہوئے
 بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے مجھے اندازہ ہے اس کا ہونے والا شوہر اتنا گڈ لکنگ نہیں ہوگا جتنا کہ تمہارا ہے مگر اس کا یہ
 مطلب بھی نہیں کہ وہ کامیاب کس کا شکار ہو کر مجھے انوائسڈ نہ کرے۔
 اسے اب اس حقیقت کو قبول کرنا ہی چاہیے۔ اب اگر اس کے خاندان میں اتنا ہینڈ سم لڑکا آئی رہا ہے تو اسے
 کھل دل سے ویلکم کرے۔

مجھے او اینڈ کرنے یا مجھ سے کترانے سے تو بات نہیں بنے گی۔
 رشتہ داری میں ایسا تھوڑی ہوتا ہے" محل کی برداشت جواب دینے لگی۔
 اسے تو کوئی کام تھا نہیں وہ تو دیکھنے بھی بغیر محل کے جواب کا انتظار کیے اکیلے ہی بول سکتا تھا۔ مگر محل کے پاس
 اتنا فالو ٹائم نہیں تھا نہ ہی اس میں اتنی سکت تھی کہ ان حالات میں رو میلہ کے لیے کڑھنے کے ساتھ ساتھ خرم
 کو بھی جھپٹتی۔

وہ ایک طرف سے کترانے لگنے لگی تو خرم نے ہاتھ آگے کر کے اس کا راستہ روک لیا۔
 "کیا بات ہے فوج کی سز خرم؟ تمہاری زبان شادی سے پہلے ہی بند ہو گئی۔ اتنی جلدی تھک گئیں۔" خرم
 نے مسکراتے ہوئے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا "جیسے وہ کسی آسانسنٹ کی تیاری میں ہلکان ہو رہی ہو اور وہ کسی
 گہرے دوست کی طرح جاتی کام کرنے کے لیے اپنی خدمت پیش کرتے ہوئے اس کا احوال پوچھ رہا ہو۔
 "خرم مجھے دوبارہ ہاتھ اٹھانے پر مجبور مت کرو۔" محل کو ایک دم غصہ آگیا۔
 خرم کی کسی بات میں اسے کہیں نا کہیں ہلکی سی چٹائی محسوس ہوئی تھی اسے واقعی ایسی ہی تھکن محسوس
 ہو رہی تھی جیسے طویل مسافت طے کی ہو اور اس خیال نے اسے فطرت کا احساس دلایا تھا کہ وہ خرم کے سامنے
 اتنی جلدی ہار ماننے لگی ہے۔

"اوہ ریکل۔" اسے بولنے پر تادم کر کے خرم کو گونا گوں سکون ملا تھا تب ہی اس کا لہجہ اور شوخ ہو گیا۔
 "ایک بار ہاتھ اٹھا کر بچھتاؤ انہیں ہو رہا جو وہ سری بار بھی وہی لفظی دہرانے کا سوچ رہی ہو۔"
 "میں نے کوئی لفظی نہیں کی تھی اور بچھتاؤ مجھے نہیں کہیں ہو گا۔" محل دانت پیستے ہوئے بولی۔
 "اچھا وہ کب ہو گا۔" خرم نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا تو محل لب بھینچ کر وہ
 مٹی۔

اتنے دن تو ہو گئے تھے ان کی منگنی کو اس نے اب تک کیا ہی کیا تھا جو اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی تھی ۴ لٹا خرم
 ہی ہر بار سامنا ہونے پر اسے جلا جلا کر خاک کر دیتا تھا۔

"چلو محل ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" محل ابھی سوچ رہی تھی کہ اسے کیا جواب دے۔ سنبل نے اس کا بازو پکڑ
 کر جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا بات ہے سالی صاحبہ آج تو آپ کے مزاج بھی برہم لگ رہے ہیں۔" خرم نے بڑے مہذب انداز میں کہا
 تو سنبل نچ ہو گئی۔

"آپ کیوں ہمیں پریشان کر رہے ہیں پلیز لیو اس آلون۔" اس کے چڑے ہوئے لہجے میں محسوس کی جانے

والی بے بسی تھی۔

محل کو اس کا لہجہ سخت ناگوار گزرا تھا خاص طور پر اس کا پلیز نہ کہنا تو ایسا لگا تھا جیسے وہ اس سے التجا کر رہی ہو۔
 خرم نے اس کی بات کو لیا بھی ایسے ہی تھا جیسے اس کا لب و لہجہ اسے فکر مند کر گیا ہو۔

"ارے ارے ریلیکس سالی صاحبہ خیریت تو ہے یہ آپ کے چڑے سے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ ابھی رو
 بڑیں گی۔" سنبل اس کی بات پر سچ سچ رو ہانسی ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کنزور پڑتی محل نے خرم کو بری
 طرح جھڑکتے ہوئے سنبل کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"خرم اپنے کام سے کام رکھو زیادہ رسل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تو شکر تھا اسی وقت خرم کا موبائل
 بج اٹھا اور وہ چند لمحوں کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور یہ ہی چند لمحے محل کے لیے قیمت ثابت ہوئے اور وہ
 سنبل کے ساتھ چلتی بہت آگے تک نکل گئی۔ سنبل کی حالت کے پیش نظر وہ کلاس میں جانے کی بجائے اسے
 لے کر نسبتاً ایک سنسان جگہ پر آگئی تھی اور واقعی تنہائی میسر آتی تھی سنبل نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع
 کر دیا۔

محل جب چاہا اسے رونا دیکھتی رہی خرم کے سامنے سنبل کا اتنا کنزور پڑ جانا اسے برا ضرور لگا تھا مگر اسے
 سنبل پر غصہ نہیں کیا تھا۔

خود اس کی اپنی حالت سنبل سے مختلف نہیں تھی۔ رو میلہ کے ساتھ جو ہو رہا تھا اسے دیکھ کر محل کا دل خون
 کے آنسو رو رہا تھا بھلے ہی اس کی آنکھیں یا نکل خشک تھیں مگر وہ خود سنبل جیسے احساسات سے دوچار تھی۔

"۴ لٹا کھکھوڑی سے آئی ایلپ یو (صاف بچھے گا کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں) ایک مولدہ تو از پر وہ دونوں
 ہی چونکا نہیں۔

بے اختیار انہوں نے تواز کی سمت دیکھا تو اسے چند قدم کے فاصلے پر سمیر کو کھڑا دیکھ کر سنبل تو جلدی
 جلدی اپنا چہرہ صاف کرنے لگی جبکہ محل سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"تو تھنکس۔" اسے امید تھی اس جھلے پر موصوف کوئی رسمی سا جملہ کہہ کر اپنا راستہ نہیں کے ہمو محل کو
 دیکھتے ہوئے اسی کی طرح سنجیدگی سے بولا۔

"میں آپ سے نہیں سنبل سے پوچھ رہا ہوں۔" اس کے منہ سے سنبل کا نام سن کر ان دونوں کو ہی بڑا عجیب
 سا لگا تھا۔

حالانکہ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی آپس میں ایک دوسرے کے نام سے واقفیت
 کوئی تعجب کی بات نہیں تھی پھر بھی انہیں حیرانی ہوئی تھی۔

مگر اپنی حیرت کو ظاہر نہ کرتے ہوئے سنبل نے جلدی سے کہا "ناکہ وہ مزید کوئی سوال کرنے کی بجائے چلتا پھرتا
 نظر آئے۔

"جی نہیں آپ کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں شکریہ۔" سنبل کا انداز صاف جان چھڑانے والا تھا۔ مگر وہ اتنا
 صاف انداز دیکھ کر بھی اپنی جگہ ڈنڈا اور الٹا ایک قدم ان کے نزدیک آتے ہوئے بولا۔

"آپ لوگ خرم کی اپنی بد تمیزیوں کو برداشت کیوں کرتے ہیں۔" محل اور سنبل اس کی بات پر چونکا نہیں۔
 خرم اور محل کی منگنی کے متعلق تو سب ہی جانتے تھے پھر اس کا اس طرح پوچھنا صاف ظاہر کر رہا تھا کہ بہت
 ساری حقیقتوں سے دوسرے لوگ بھی واقف ہیں خاص طور پر سمیر جیسے لوگ جو خرم کی ہر حرکت پر نظر رکھتے

سنبل سمیر پر سے نظریں ہٹا کر نمل کو دیکھنے لگی اسے معلوم تھا ایسے لوگوں کو چلا کر نمل کو بخوبی آتا ہے۔
 لہذا اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

مگر نمل اس کی سوجوں کے برعکس پر سوچ انداز میں سمیر کو دیکھ رہی تھی۔
 ایک بار پہلے بھی سمیر نے اسے خرم کی شرط و فیو کے متعلق بتا کر اسے خبردار کیا تھا اور آج پھر ایک غیر
 ضروری ذکر کو چھیڑ کر اس نے محض انیس مخاطب کرنے کی کوشش کی تھی۔
 اندازہ ہونے پر نمل عام حالات میں تو مقابل کو ایسا نکالنا جواب دیتی کہ وہ وہاں ان کی راہ سے گزرنے کی
 کوشش نہ کرے۔

مگر اس وقت نمل اپنی فطرت سے ہٹ کر ایک ایسے نقطے پر سوچ رہی تھی جس پر اس نے پہلے کبھی غور نہیں
 کیا تھا اور شاید آج بھی نہ کرتی مگر خرم نے اتنے چیلنجنگ انداز میں اسے احساس نہ دلا تا کہ اس نے ابھی
 تک خامی خلی جملہ بازی کیے ہوئی عملی قدم نہیں اٹھایا، خرم کو نچا دکھانے کے لیے۔
 اصل میں ابھی تک اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ مگر آج سمیر کو سامنے دیکھ کر
 اچانک اس کے راستے کا یقین ہو گیا تھا۔ اسی لیے جب وہ وہی تو اس کا لہجہ سنبل کی توقع کے برعکس بہت نرم اور
 دستانہ تھا۔

”خرم جیسے تیز انسان سے الجھ کر ہم خواہ مخواہ کا منشا نہیں مٹانا چاہتے اس لیے اس کی باتیں سنی ان سنی
 کر دیتے ہیں۔“ سنبل نے یہی طرزِ جو تک کر نمل کو دیکھا۔

اسے ہرگز امید نہیں تھی کہ نمل سمیر کو چلا کرنے کی کوشش کرنے کی بجائے اتنے سلیجے ہوئے انداز میں
 اپنے مسئلے سے مطلع کرے گی۔

”دسری طرف سمیر کو بھی یہی سی حیرانی ہوئی تھی۔ نمل کا یہ لب و لہجہ اور منھکوں کر ٹھکے فوراً ہی خود کو سنبھالتے
 ہوئے جلدی سے بولا۔“

”لیکن اب کی یہ خاموشی تو اسے اور شیر کر دے گی۔“

”تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ نمل نے پوری طرح ہمد تن گوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

سمیر فوری طور پر کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ کبھی اسے اور کبھی سنبل کو دیکھنے لگا جو اس کی طرف بالکل بھی حوجہ نہیں
 تھی اور پھنی پھنی آنکھوں سے نمل کو دیکھ رہی تھی۔ مگر نمل اس کی طرف سے انجان بنی گھڑی رہی۔ حالانکہ

اسے سنبل کی کیفیت کا بخوبی اندازہ تھا۔

”بتائیں نا میں کیا کروں؟“ نمل کے دواہ پوچھنے پر سمیر جو بکتے ہوئے بولا۔

”تھ۔ اگر یہ اندامیں تو ایک ذاتی مسائل پر چھوڑیں۔“ نمل اس کا سوال جانتی تھی اور اس نے واقعی نمل کی

توقع کے عین مطابق وہی پوچھا جو نمل سوچ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ملاحظہ فرمائیں)

❖ ❖

دستِ گداز

نوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ نوبیہ ان سے بات کر کے لے لے چمکتی ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوئی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی بھرت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔
رومیٹہ، سنیل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نعل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفری دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ڈکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انیس سو کے لیے کہہ دیتا ہے۔
نوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیر میوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کر دیتا ہے۔

۲۱ ایکویلا قیظ



مئل نے سہلا کر جیسے ہی اسے پوچھے لی اجازت دی وہ بڑے ہندو روئے انداز میں بولا۔
 ”آپ نے خرم جیسے تھوڑا کلاس آسان سے منگنی کر کے لی اور اگر کسی وجہ سے کرنی ہی پڑی تھی تو اب آپ اسے توڑ کیوں نہیں دیتیں؟“ سنبل جو بڑی بے یقینی سے حمل کو دیکھ رہی تھی میرا سوال سن کر اس کے انداز میں غفلت چھٹکنے لگی۔
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیوں ایک انجان شخص کو اتنا بے حلوادے رہی تھی کہ وہ اتنے ذاتی سوال پر اتر آیا۔

”سری طرف حمل سنبل کے احساسات کی پروا کیے بغیر لمبڈی سانس کھینچتے ہوئے بولی۔
 ”یہ سوال آپ کو مجھ سے نہیں ہمارے معاشرے سے پوچھنا چاہیے جس نے شریعت میں دی گئی آزادی کو سلب کرتے ہوئے لڑکی کو اپنی شادی کے فیصلے میں رائے دینے کے حق سے محروم کر دیا ہے۔
 میرا گھر بھی ان اسی فیصلہ گھرانوں کی طرح ہے جہاں لڑکی سے پوچھ کر اس کا رشتہ طے کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔“ حمل کے افسردہ سے لہجے پر میری نظروں میں اس کے لیے ہمدردی کے تاثرات ابھرتے جیسے حمل کی بات سن کر اسے حمل پر ترس آنے لگا ہو۔

اس کی یہ ترجم بھری نظر سنبل کو ساگمائی تھی اس پر اس کا اگلا جملہ تو جلتی برتیل کا کام کر گیا۔
 ”مگر تم جیسی حسین و جمیل لڑکی کا خرم کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے اور پھر تم اتنی خود اعتماد اور بولندہ ہو کہ ایک زبردستی کے فیصلے پر تمہارا سر جھکا دینا ہمارے جیسے لوگوں کے لیے بہت بڑا دھچکا ہے جو نہاوی بولندہ خیم کے شیدا کی ہیں۔“ اس کا اس قدر خوشامدی انداز بھل بھر کے لیے حمل کو بھی کوفت میں مبتلا کر گیا مگر وہ اس وقت سب کچھ نظر انداز کرنے کے لیے تیار تھی۔

کیونکہ اس وقت اس کی نظر میں صرف ایک چیز سائی تھی اور وہ تھی خرم کو کسی بھی طرح ازیت پہنچانا اور اس کے لیے میرے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا۔

میر جو کہ خرم کا سب سے بڑا حریف تھا جب حمل اس کی مگیتر ہوتے ہوئے میر کے ساتھ یونیورسٹی میں نظر آئے گی تو خرم کے سینے پر تو سانپ لو میں گے ہی ساتھ ہی ساتھ اسٹوڈنٹس کی چہ گویاں خرم کے زہم پر نمک پاشی میں بڑی ہمدرد گار ثابت ہوں گی۔

یہ سب کچھ سوچتے سے حمل نے اپنے لیے اور اپنے کردار کے لیے اٹھنے والے ہر سوال کو نظر انداز کر دیا تھا۔
 اسے صرف خرم کو تکلیف پہنچانی تھی اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کے لیے تیار تھی خود کو اس کیخندلا تر کرنے کے لیے بھی۔

”بس کرو میرا! میری تعریف کر کے تم مجھے اور ڈی گریڈ کر رہے ہو تمہارے الفاظ مجھے نارچ کر رہے ہیں۔“ جس طرح میرا یکدم آپ سے تمہارا تر کیا تھا اسی طرح تمہا طبع بدل چکا تھا۔

اس کا بدلا ہوا ہر انداز سنبل کو سیکے سے زیادہ زہر لگ رہا تھا مگر وہ میر کے سامنے کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔
 خود حمل کو بھی یقین تھا ابھی سنبل کچھ نہیں کہے گی اور بعد میں وہ سنبل کو سمجھائے گی سنبل کو قائل کرنا کوئی خاص ضروری نہیں تھا وہ صرف زبان سے غصہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھی اس کے ناراض ہو جانے کا کوئی خطہ نہیں تھا وہ اس سے خفا نہیں ہو سکتی تھی اسی لیے حمل اس کے گھورنے یا موٹا آف کرنے کی پروا کیے بغیر میر سے مخاطب رہی یہاں تک کہ میر نے اسے ساتھ بکشین چل کر کوئلڈر تک پینے کی آفر کر دی۔

مگر اب کی بار سنبل چہنہ نہ سکی اور ترخ کر دی۔
 ”جی بہت بہت شکریہ! ہماری کا اس مس ہو جائے گی ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں۔“ میر نے ایک بے زاری

سر پر ڈال دیا اسے اس کی پٹھ سے ہی والا تھا کہ حمل بول پڑی وہ نہیں چاہتی تھی کہ میرا سنبل کو کوئی سخت بات کہے اور حمل جواب میں اسے کچھ نہ کہہ سکے تو خواہ مخواہ سنبل کو ہنگ کا احساس ہو۔
 ویسے بھی حمل اس کے ساتھ بکشین جا کر بیٹھنا چاہتی تھی مگر خرم سمیت پوری یونیورسٹی کو علم ہو جائے کہ وہ خرم کی مگیتر ہونے کے باوجود اس کے دشمن کے ساتھ بیٹھ کر کوئلڈر تک لی رہی ہے۔
 ”نہیں سنبل آج کی کلاس لینے کا بالکل موڈ نہیں ہے چلو چل کر پہلے کچھ کھائی لیں تو ڈراما سنڈ فریش ہو جائے گا۔“ حمل کے فوری طور پر بول دینے کے باوجود سنبل کو نا صرف بے عزتی کا احساس ہوا تھا بلکہ اس کی ہمداشت بھی جواب دے گئی تھی۔

”حمل تم اپنے حواسوں میں تو ہوتا۔“ سنبل کا بدلا ہوا انداز دیکھ کر حمل نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔
 ”میں جانتی ہوں وہ پریڈ تمہارے لیے بہت اہم ہے لیکن پلیز میری خاطر آج اسے چھوڑ دو۔“ حمل کے التجائیہ انداز میں ایک محسوس کی جانے والی یقین چھپی تھی۔

مگر سنبل نے بھی حمل کے لہجے اور نظروں کو ویسے ہی نظر انداز کر دیا جیسے اب تک حمل سنبل کو کر رہی تھی وہ اپنا ہاتھ چھڑوا کر تنگ کر دی۔
 ”ہرگز نہیں! تم اگر میری خاطر کوئلڈر تک کا ارادہ ملتوی کر سکتی ہو تو چلو دور نہ میں تو جا رہی ہوں۔“ سنبل رکھائی سے کھتی واقعی آگے بڑھنے لگی حمل نے اسے روکنا چاہا مگر اسے پتا تھا سنبل سخت ناراض ہو چکی ہے اس وقت وہ اس کی کسی بات پر بھی نہیں رکے گی جبکہ حمل اس کے بغیر یوں تن خیا جانا نہیں چاہتی تھی۔

خرم کو جلانے کی خواہش اپنی جگہ ٹھہرنا اس قسم کی نہیں تھی ایسے میں اچانک اپنے مزاج کے برخلاف یوں کوئی قدم اٹھانا اتنا آسان نہیں ہوتا اسے سنبل کی موجودگی کی سخت ضرورت تھی۔
 اور بھی قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ میر جو سنبل کو جاتا دیکھ کر خوش ہو گیا تھا بے ساختہ بولا۔

”جائے دو اسے! اچھا ہی ہے۔ ہم دونوں چلتے ہیں۔“ سنبل کے آگے بڑھتے قدم ایک دم رک گئے اس نے پلٹ کر ایک سکتی نظر میر پر اور وہ سری غلکی بھری حمل پر ڈالتے ہوئے نیوٹھے انداز میں کہا۔
 ”چلو میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔“ وہ اس کی بات پر میر کا واضح طور پر منہ بن گیا البتہ حمل نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو بمشکل چھپایا کیونکہ اگر سنبل اسے دیکھ لیتی تو خواہ مخواہ ہی چڑ جاتی۔

یہ اور بات تھی کہ سنبل اس کے باوجود چڑی ہی رہی۔
 وہ تینوں ہندو منٹ ہی بکشین میں بیٹھے تھے مگر ان ہندو منٹ میں جس جس کی نظر ان پر پڑی اس کی نظر کچھ لمحوں کے لیے پھٹتا بھول گئی۔

میر اور خرم کی دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی اور نہ ہی حمل اور خرم کی منگنی کوئی خفیہ انداز میں ہوئی تھی ایسے میں لوگوں کی حیرت ہرگز بھی حیران کن نہیں تھی۔
 سب کی یہ حیرانی میر کو خواہ مخواہ ہی مغرور بنا رہی تھی ایسا لگ رہا تھا اس کی تنی ہوئی گردن کو دیکھ کر جیسے وہ کوئی قلعہ رخ کیے بیٹھا ہو اور کیوں نہ ہوتا دشمن کی مگیتر کے ساتھ ایسی جگہ پر بیٹھ کر کوک چنا جہاں سب ہی اس لڑکی کی حیثیت و مقام سے بخوبی واقف ہوں کہ وہ کسی کی ہونے والی شریک حیات ہے اور اسی کے حریف کے ساتھ بیٹھی ہے یہ احساس کسی تمدن اختیار سے کم تو نہیں تھا۔ (کم از کم میر جیسے لوگوں کے لیے)

سنبل کچھ بے زاری اور کچھ اس خوف کے ساتھ بیٹھی رہی کہ کہیں کوئی خرم کو اطلاع نہ دے دے اور وہ یہاں وارد ہو جائے۔

وہ اس وقت کا سوچ کر ہی پریشان ہو رہی تھی جب خرم حمل کو اپنے دشمن کے ساتھ بیٹھا دیکھے گا۔

وہ اس وقت کا سوچ کر ہی پریشان ہو رہی تھی جب خرم حمل کو اپنے دشمن کے ساتھ بیٹھا دیکھے گا۔

جائے اس وقت اس کا بار عمل ہو گا یہ بات نہیں تھی کہ وہ خرم کو نکل کا شیعہ ہونے کی وجہ سے کوئی عزت دے رہی تھی یا اس کے مرتبے کو دھیان میں رکھتے ہوئے اس کے ناراض ہونے کی فکر کر رہی تھی بلکہ وہ تو ایک دنیا بھر کا خرم ہونے کے خیال سے پریشان تھی۔

چنانچہ وہ جلد از جلد یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی اور نمل بھی محض چند منٹ میں میر کو اللہ حافظ کہنے پر سنبل کی وجہ سے ہی مجبور ہوئی تھی جو اسے بار بار گھورے جاری تھی بلکہ آخر میں تنگ آکر وہ خود کھڑی ہونے لگی تھی تو نمل کو اٹھانے لگا۔

وہاں سے نکلنے ہی سنبل اس پر برس پڑی نمل ان تمام سوالوں کے لیے پہلے سے تیار تھی اس نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

”خرم جیسے گھٹیا انسان سے بننے کے لیے کوئی گھٹیا طریقہ ہی اپنایا جاسکتا ہے جو میں نے اپنا لیا۔“

”تمہارا نمل تو نہیں ہو گئی جو تم کرنے کا سوچ رہی ہو اس میں دونوں طرف سے نقصان تمہارا ہے خرم اشتعال میں آکر کچھ بھی کر سکتا ہے میر کے ساتھ مفت کی بدنامی کے بعد میر تو پیچھے ہٹ جائے گا اور تم خرم کی نفرت سستی رہو گی۔“ سنبل غصے سے ٹھٹھا اٹھی۔

”میں کیا اس کی نفرت سوں گی۔ نفرت تو وہ میری دیکھے گا اور رہا سوال بدنامی کا تو اس کی مجھے پروا نہیں۔ خرم کو سستی سکھانے کے لیے اتنی بدنامی تو میں برداشت کر سکتی ہوں۔“ نمل کے لہجے میں خود سری تھی سنبل غصے کے مارے کچھ بول ہی نہ سکی۔

بلکہ ایک طرح سے اسے سمجھانا بے کار سمجھتے ہوئے سنبل نے ناراضی کے طور پر بات چیت بند کر دی نمل نے بھی اسے مٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ اسے معلوم تھا جب تک نمل اس کی بات نہیں مانے کی وہ ناراض ہی رہے گی اور نمل اس کی بات مانے کو کسی طور تیار نہیں تھی۔

پھر اسے یہ بھی پتا تھا کہ سنبل چاہے جتنا بھی ناراض ہو جائے وہ اس سے دوستی ختم نہیں کرے گی نمل سے قطع تعلق کرنا تو بہت دور کی بات تھی وہ تو زیادہ دیر اپنا موڈ بھی خراب نہیں رکھ سکتی تھی ایک یا دو دن کی ناراضی کے بعد اسے نارمل ہو ہی جاتا تھا اس لیے نمل نے اس کے بگڑے ہوئے موڈ کی چنداں پروا نہ کی اور اپنے لٹیلے پر ٹلی رہی اسے کسی بھی طرح خرم کو تکلیف پہنچانی تھی اور اسے یقین تھا کہ میر کے ساتھ چند منٹ کی یہ کشست خوب مزہ سالے کے ساتھ خرم تک پہنچے گی البتہ اس کا رد عمل کیا ہو گا اس کے متعلق نمل فی الحال کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی۔

اور اس کے یقین کے عین مطابق ایک گھنٹے بعد ہی حید اسے تازہ ترجن سے مطلع کر رہا تھا۔

خرم اسی وقت نکلا اس اٹنڈ کر کے باہر نکلا تھا جب حید نے تیزی سے پیچھے سے آکر اسے جالیا۔

”یار میں نے ابھی ابھی کچھ سنا ہے اور اتنے کے ذرائع سے سنا ہے کہ خبر کے جھوٹے ہونے کے امکان ہی نہیں ہیں۔“ حید نے حسب عادت اپنے لہجے میں تجسس پیدا کرتے ہوئے کہا تو حسب سابق اور حسب معمول خرم پور ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

”فار گاڈ سیک حید! سر مجاہد کا اس قدر بورنگ لیچرمن کر نکل رہا ہوں کہ اب مزید کسی قسم کی بکو اس سننے کی گنجائش نہیں ہے۔“

”ارے بکو اس نہیں کر رہا لیچر تیار ہوں گیس کرو کیا بات ہو سکتی ہے چلو تھوڑا سا گائیڈ کر دیتا ہوں تمہارے لیے ایک ہنٹ ہے کہ بات نمل سے متعلق ہے۔“ خرم جو اسے نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگا تھا بغیر رکے قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

”جیسے کسی سے بھی تعلق رکھتی ہے میں ایک کو لڈو رکھنے بغیر کسی ہنٹ سے کوئی گیس نہیں کرنا چاہتا۔“

”چلو ایک کلو اور دوے دتا ہوں میر بھی اس خبر میں انوالو ہے۔“ حید نے اپنے لہجے کو مزید سنسنی خیز بناتے ہوئے کہا مگر خرم نے سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنا جاری رکھا۔

اسے بیٹھ سے حید کا سنسنس پھیلا نا زہر لگتا تھا اور اس وقت نمل اور میر کے متعلق کوئی بات کرنے کے لیے اتنا وقت لینا تو اور بھی گراں گزر رہا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ وہ اسے یا اس کی بات کو اہمیت دینے کی بجائے اپنے چہرے سے عمل بے زاری ظاہر کرنا آگے بڑھتا رہا مگر حید کے کھن پر جوں تک نہ رہنے لگا وہ خوش ہو کر کہنے لگا۔

”دیکھا اے اتنے اہم کو لڈو ملنے کے باوجود تم کچھ گیس نہیں کر سکتے اور بھلا کرتے بھی کیسے۔ ارے جو میں من کر رہا ہوں وہاں تک تمہارا ذہن سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”تو جب سوچ ہی نہیں سکتا تو کیا ضرورت ہے میرے ذہن کو پریشان کرنے کی خود ہی سیدھے طریقے سے بتا دو کہ کیا ہوا ہے جو تمہارے ہیٹ میں اتنا درد ہے کہ مٹچے جا رہے ہو۔“ خرم بری طرح چڑ گیا۔

یہی حید چاہتا تھا کہ خرم کو تھوڑا تنگ کر لے پھر سب بتا دے گا اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لینے کے بعد حید نے بتانے میں ذرا دیر نہیں کی آخر اتنی دیر سے ہیٹ میں موڑا ٹھہر رہے تھے اس سے بھی تو نجات حاصل کرنی تھی۔

”آج نمل میر کے ساتھ کیشین میں دیکھی گئی ہے دونوں ایک ہی ٹیبل پر بیٹھ کر خوش گہریوں کے دوران کو لڈو گیس اڑا رہے تھے۔“ خرم کے بڑے قدم ایک سخت ٹھم گئے وہ گہری نظروں سے حید کو دیکھنے لگا جیسے اس کے چہرے سے اس کی بات کی سچائی کو پرکھ رہا ہو۔

حید کا چہرہ ایک دم مطمئن تھا جھوٹ بولنے والی کوئی گھبراہٹ اس کے چہرے پر نہیں تھی بلکہ خرم کو اپنی طرف اتنے غور سے دیکھتا کہ وہ ایک دم کھل اٹھا تھا۔

گویا وہ خرم کو حسب خواہش چوٹ لگانے اور الجھنے پر مجبور کر گیا ہے یہ احساس بڑا طمانیت خیز تھا وہ کوئی بچے اور قلعہ دوست نہیں تھے جو ایک دوسری کی تکلیف پر زہن ہاتھ دے کر کوئی چیز کر اور تنگ کر کے مڑا لیتے تھے۔

اس حقیقت سے وہ سب بھی واقف تھے چنانچہ کوئی کسی کو کتنا بھی تنگ کرنا وہ سراسر اپنے احساسات سامنے والے پر ظاہر نہیں ہونے لگا تھا سارا دوسرے کو ذرا سی دیر کے لیے بھی کوئی ذہنی وجہ باقی نہیں نہ مل جائے۔

مگر اس وقت کی بات الگ تھی خرم نے جو سنا تھا وہ اسے ٹھنکنے پر مجبور کر گیا تھا پھر بھی اس نے اگلے ہی پل اپنے احساسات پر قابو پا لیا تھے ہوئے ایک بار پھر اپنے انداز میں لاپرواہی بھر لیا۔

”بکو اس کو نمل بکو اس ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔“

”ارے ایسا ہی ہوا ہے بالکل ایسا ہی۔ تم چاہو تو کیشین والوں سے پوچھ لو ان دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کو لڈو گیس لی ہیں اور کافی دیر باتیں بھی کی ہیں۔“ حید بڑے خوش و خوش کے ساتھ بولا۔

”مجھے کیا ضرورت ہے کسی سے پوچھنے کی جبکہ مجھے پتا ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میر تو کیا اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ نمل اس قسم کی لڑکی نہیں ہے۔“ خرم بے زاری سے بولا تو حید آنکھیں پچھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”کیا بات ہے؟ بڑا یقین ہے اپنی معیتر۔“

”اس میں یقین کی کیا بات ہے؟“ خرم کی کوفت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔

"یقین نہیں تو اور کیا۔ تم تو ایسے بات کر رہے ہو جیسے تمہاروں کی منگنی باہمی رضامندی سے ہوئی ہو اور نسل
تمہارے ساتھ بے وفائی کرنے کا سوچ بھی نہ سکتی ہو یا راول تو تمہارے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی وہ تمہیں
اتنا کوئی برا بھی نہیں ہے اچھا خاصا ہے سو تم لو چاہے جتنا بھی برا ہو تا نسل کا اس کی جانب راغب ہونا کوئی انوکھی
بات نہیں ہے۔"

وہ تمہارا دشمن ہے وہ تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے ہر وقت بے چین رہتا ہے وہ تو تمہاری منگیت پر لائن
مارنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ مگر انہوں کی بات تو یہ ہے کہ تمہاری اپنی منگیت اس کا اس گھٹیا کھیل میں ساتھ
دے رہی ہے۔

میر کی تو نسل دیکھنے سے تعلق رکھتی ہوگی کس قدر پراڈ لیل کر رہا ہو گا وہ سب کے سب تمہاری منگیت کو اپنی
طرف کھینچ کر۔ "بے اختیار خرم نے اپنی منگیاں بھیج لیں۔
دل تو چاہ رہا تھا حمید کا نہ تو دوسرے مگر اس کے منہ لگتا ہے کہ قتل۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا اگر وہ سچ تھا تو یہ تمام گفتگو
کل کو دوسرے لوگ بھی کر رہے ہوں گے۔

وہ کہاں تک سب کا منہ توڑ کر ان کی زبانیں بند کرے گا۔
حالانکہ اسے بالکل یقین نہیں آ رہا تھا۔ جو بھی حمید نے نسل کے متعلق بتایا تھا وہ سب اسے جھوٹ لگ رہا
تھا۔

نسل اور اس قسم کی حرکتیں دو بالکل متضاد باتیں تھیں۔ مگر حمید کا اعتماد سے بھرپور لہجہ اسے الجھا رہا تھا وہ اس
کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر حقیقت کیا تھی یہ جاننے کے لیے مجس ضرور ہو گیا تھا اس نے یصلہ کر لیا
تھا وہ اپنے طور پر سب کچھ پتا ضرور کرے گا مگر حسب عادت اپنی سوچ اور خواہش کو بڑی کامیابی سے چھپاتے
ہوئے اس نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

"میں نے کون سا نسل کی محبت میں گرفتار ہو کر اس سے منگنی کی ہے وہ کسی کے بھی ساتھ بیٹھ کر باتیں کرے
مجھے کیا؟ who cares۔" خرم حمید کو پتانے کے انداز میں کہتا آگے بڑھ گیا تو وہ واقعی پور ہو کر رہ گیا۔

یہ اور بات تھی کہ چنے کے بعد اس کا سر دوسرے دوستوں کی جانب تھا آخر بیٹ میں اٹھتے موڑ بھی تو ٹھیک
کرتے تھے۔

خرم کو خود بھی اندازہ تھا حمید نے اگر اس کی جان چھوڑ دی تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس
موضوع پر مزید بات نہیں کرنے والا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب اس کا حضور اپنے دوسرے لوگوں کے پاس
جانے لگا تھا۔

خرم کو اس کی اس عادت سے سخت چڑھ تھی بل تو چاہ رہا تھا کہ اسے روک کر ٹوک دے کہ خبردار جو کسی کو کچھ بھی
بتایا۔

مگر خرم اس کی رگ رگ سے واقف تھا وہ اگر اسے منع کرے گا تب بھی حمید کو کسے بغیر چین نہیں آئے گا لہذا
وہ جسے بھی بتائے گا ساتھ میں یہ بھی کہے گا کہ خرم اس قدر شرمندہ ہے نسل کی اس حرکت کی وجہ سے کہ وہ سب کو
منع کر رہا تھا کہ اس بارے میں کوئی بات نہ کرے۔

حالانکہ مثل مشورہ ہے چاند چڑھے گا تو بھی دیکھیں گے ایسی باتیں بھی بھلا کبھی جھپتی ہیں۔

الیان نے صرف ایک فون گھمایا تھا اور ایک گھنٹے بعد اسے اپنی تمام مطلوبہ معلومات مل گئی تھیں۔

"سر آپ نے پیس ہوٹل کے بال روم میں منعقدہ فنکشن کی تفصیل معلوم کرنے کو کہا تھا۔ وہ سب میں نے
پتا کر لیا ہے۔" الیان کے ذرا رخ سے بغیر کوئی سوال کیے تمام جوابات موصول ہو گئے تھے۔
"ہاں بولو۔" الیان ہنسنے لگا۔

"کل وہاں دو میلہ ٹائی ایک لڑکی کی شادی ہونی ہے کسی گلفام نام کے لڑکے سے۔ یہ ہوٹل لڑکی کے بھائی نے
بک کرایا ہے جس کا نام ایرار ہے ہوٹل کے میجر کے پاس اس نے جو گھر کا پتا اور فون نمبر لکھوایا ہے وہ میں آپ کو
نیچے کر دیتا ہوں اس سے پہلے میں یہ بتانا چلوں کہ یہ شخص امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس سے منسلک ہے پہلے
یہ کاہن بار اس کے والد فیاض کرتے تھے مگر اب سب کچھ ہی سنبھال رہا ہے۔

ان کا بزنس کافی اچھا چل رہا ہے مجموعی طور پر مالی حالات کافی اچھے ہیں سی ایل ٹیڈنگ کا نام آپ نے بھی سنا ہو
گا وہ انہی کی ہے۔" الیان حیرت زدہ ساداری تفصیل سن رہا تھا ان کی کہنی کا نام سننے ہی الیان تعجب سے بولا۔
"سی ایل ٹیڈنگ یعنی کہ یہ لوگ تو بہت سالوں سے مارکیٹ میں بیٹھے ہیں ان کی ایکٹ ایرار نام کے اس شخص
سے تو میں ملا ہوا ہوں جس میں تک مجھے یاد رہتا ہے وہ تو زحاکھا بندہ ہے۔" الیان اتنا حیران تھا کہ وہ سب ایک ایسے
شخص سے ڈسکس کر بیٹھا تھا جسے کچھ بھی بتایا ہوا نہیں تھا کہ وہ کس کے بارے میں پتا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا
ہے۔

"جی سر یہ تو زحاکھا شخص مگر مارکیٹ میں اس کے بارے میں کسی مشورہ ہے کہ بہت سی خراب دماغ کا توئی
ہے اپنے مطلب کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔" الیان نے اس کی اس بات پر زیادہ غور نہیں کیا۔

وہ خود بزنس میں ماہر تھا بزنس کی یہ تمام باتیں وہ اچھی طرح جانتا تھا مارکیٹ میں استحکام کے ساتھ کھڑے
رہنے کے لیے بہت سوں کے ساتھ سختی کرنی پڑتی ہے کچھ کام نرمی سے نکل ہی نہیں سکتے۔
اسی لیے اکثر ایسی سختی دکھاتے دکھاتے انسان کا تاثر لوگوں کی نظر میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

الیان اچھی طرح جانتا تھا کہ آفس میں تیوریاں چڑھائے بیٹھے ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کا کام روزمرہ
زندگی میں بھی یہی مزاج ہو گا۔

وہ سری جو چیز الیان کو حیران کر رہی تھی وہ تھی دو میلہ ٹائی لڑکی کی شادی کسی گلفام نامی لڑکے کے ساتھ طے
تھی۔

یہ آخر کیا ماجرو تھا کون تھا یہ شخص جو یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان دونوں کی شادی ہو اور ان کی شادی توڑنے کے لیے
اس نے یہ سارا کھیرا پھیلایا تھا۔

"کیا گلفام کے بارے میں بھی کچھ پتا کیا ہے؟" الیان نے ایسی کوئی بدایت جاری نہیں کی تھی صرف اتنا کہا تھا
کہ اس ہوٹل میں ہونے والی شادی سے متعلق جتنی بھی چیزیں ہیں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی سب پتا کر
کے بتاؤ۔

اسی لیے اسے امید تھی کہ اس نے لڑکے کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ معلوم ضرور کیا ہو گا اور واقعی وہ الیان کی
امیدوں پر پورا اترتا تھا۔

"جی سر ہوٹل کی انتظامیہ تو لڑکے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی البتہ جن لوگوں نے ایرار کے متعلق بتایا ہے
وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایرار کی سمن کی شادی کسی مرزا نامی شخص کے بیٹے سے ہو رہی ہے۔

لوگ زیادہ جانتے نہیں ہیں اس مرزا کو بڑا ہی ان نون سا بندہ ہے ایرار نے ہی ایک دو بار اس کے ساتھ بزنس
ڈیل کی ہیں۔

دراصل یہ کچھ عرصہ پہلے ہی کراچی آیا ہے پہلے یہ حیدر آباد میں ہوتا تھا اور اس کا بیٹا تو عرصہ دراز سے کینیڈا

میں مقیم ہے شادی سے بھی دو تین دن پہلے ہی آیا ہے ورنہ عام حالات میں تو وہ پاکستان آتا ہی نہیں اسی لیے کسی نے اسے نہ لکھا ہوا بھی نہیں ہے۔ "الیان مجیب انجمن کے عالم میں اس کی بات سنتا رہا۔

اسے لگ رہا تھا اس کی بہن کے اغوا کے پیچھے یہ مرزا صاحب کا ہی ہاتھ ہے حالانکہ خود اپنے بیٹے کی شادی وہ بھلا کیوں توڑنا چاہیں گے یہ سوچتے ہوئے الیان اپنے اندازے کو یقین کی سند میں دے پا رہا تھا مگر اسے یہ یقین ضرور تھا کہ مرزا صاحب کا کہیں نہ کہیں کوئی دخل ضرور ہے بریرہ کے اغوا کے پیچھے۔

"مجھے ابرار کا نمبر دو۔" الیان نے وقتی طور پر سارے اندازوں کو جھٹکتے ہوئے فی الحال صرف حالات پر نظر جماتے ہوئے کہا تو وہ سری طرف موجود شخص نے ابرار کا نمبر نوٹ کر دیا۔

الیان کچھ دیر تو موبائل میں فیڈ کیے نمبر کو دیکھتا رہا ایسے جیسے اپنے ذہن میں الفاظ ترتیب دے رہا ہو کہ اس شخص سے جوابات کرنی ہے وہ اسے مناسب طریقے سے سمجھائے۔

پتا نہیں اس کا کیا دھڑل ہوئے والا تھا پہلے تو الیان نو میلہ اور اس کے گھر والوں کو اس بلان کا حصہ سمجھ رہا تھا لیکن اب اسے یہ سب کوئی اور ہی سازش لگ رہی تھی۔

ابرار کو جب وہ کہے گا کہ وہ اس کی بہن کے لیے بارات لے کر آ رہا ہے تو نہ جانے وہ اس کے ساتھ کیسے پیش آئے گا تو الیان کو کیا کرنا ہو گا وہ اسے کیسے قائل کرے گا۔

کسی بھی شریف گھرانے میں ایسی شادی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی جو کاروباری انداز میں طے کی گئی ہو اور وہ بھی ان حالات میں جبکہ وہ اپنی بہن کی شادی کہیں اونٹے کر چکا ہو اور شادی میں محض ایک دن باقی ہو۔

آخر دس منٹ بعد الیان نے ابرار کا نمبر ملایا مگر شاید حالات بھی اس کی طرح بات کرنے کے لیے رضامند نہیں تھے جیسی محض بل بجتی رہی اور فون ویسو نہیں کیا گیا۔

الیان نے تین بار کوشش کر کے موبائل جیب میں رکھ لیا اس نے کچھ دیر بعد ٹرائی کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جیسے اپنے تئیں ہوئے اعصاب کو تھوڑا ڈھیلا کیا تھا۔

مگر اسے یہ نہیں پتا تھا کہ اپنے موبائل پر تین بار اس کی کال دیکھ کر ابرار کی کیا حالت ہو گئی تھی۔

اسے یہ تو یقین تھا کہ جوہ کر رہا ہے اسے راز رکھنا آسان نہیں ہے سب ایک دن اکٹھا کھل جائے گا۔

لیکن الیان اتنی جلدی اس تک پہنچ جائے گا یہ امید اسے ہرگز نہیں تھی اپنے چمڑے جانے کے علاوہ اپنے بار جانے کا احساس اسے ہر اسل کیے جا رہا تھا۔

اسے کسی بھی طرح کلفام اور مرزا صاحب کو نچا دکھانا تھا ان کے سامنے اپنے الفاظ کا بھرم رکھنا تھا اپنے دعوے کو سچ کر دکھانا تھا یہ دھن اس پر اتنی سوار تھی کہ وہ یہ سوچنے سے بھی قاصر تھا کہ ایک لڑکی کو اغوا کرنے کے الزام میں اگر وہ پکڑا گیا تو کتنی بدنامی ہوگی۔ کیا عزت رہ جائے گی اس کی سلاج میں اور پولیس کیس بننے کی صورت میں جانے کتنے عرصے کی سزا ہو جائے۔

ابرار نے اس کی کال تو ریسیو نہیں کی لیکن وہ یہ ضرور جانتا چاہتا تھا کہ وہ کیا بات کرنا چاہتا ہے جیسی اس نے وہی سمجھا کر ایک بار پھر الیان کو فون کیا جو کہ الیان نے فوراً ہی ویسو کر لیا۔

ابرار ساری باتیں تو اس سے کر رہی چکا تھا اس وقت تو وہ یہ دیکھتا چاہتا تھا کہ الیان کیا کہنے والا ہے جیسی فون ملا کر محض ڈانڈ لگ بازی کرتے لگا۔

"کسی قسم کی ہوشیاری کرنے کی کوشش مت کرنا الیان ورنہ ساری زندگی بچھتاؤ گے۔" وہ سری طرف الیان سہجہ انداز میں یقین دہانی کراتے لگا کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ بس اس کی بہن کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے اور ایک بار اس کی بریرہ سے بات کرا دی جائے۔

ابرار کو اس کے لب و لہجے سے یقین ہو گیا کہ وہ اسے مجرم کو پہچانا نہیں ہے۔ یہ اندازہ لگا کر اسے ڈھیروں اطمینان ہوا تھا اس نے مزید دو چار دھمکیاں دے کر فون بند کر دیا۔

ایک طرف اگر اسے تھوڑا سکون ہوا تھا تو وہ سری طرف اس کی انجمن بھی بیٹھ گئی تھی۔ مگر الیان نے اس کا ہاتھ نہیں لگایا ہے تو اسے فون کیوں کر رہا ہے آخر وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔

ایک بے چینی نے ابرار کے وجود کا احاطہ کر لیا اس لیے اگلی بار جب الیان کے موبائل سے اس کے نمبر پر فون آیا تو اس نے فون لے جا کر بابا جانی کو تھمارا۔

"بابا جانی کوئی انجان آدمی ہے آپ ذرا بات کریں۔"

ابرار نے کہتے کہ ساتھ ہی موبائل ان کے کان سے لگا دیا تاکہ وہ کوئی سوال نہ کر سکیں البتہ ان کے چہرے پر حیرانی اور سوال پوچھنے کی بے چینی پھیل گئی تھی جو جلد ہی دور بھی ہو گئی کیونکہ وہ الیان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جو کہہ رہا تھا۔

"کیا میں ابرار سے بات کر سکتا ہوں۔"

"میں ابرار کا والد ہوں رہا ہوں آپ کون؟"

"السلام علیکم! میں الیان بات کر رہا ہوں آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ سے ایک اہم مسئلے کی وجہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" الیان کہہ کر خاموش ہو گیا تو بابا جانی نے حسب توقع پوچھا۔

"کیسا مسئلہ؟" فوری طور پر الیان کچھ کہہ نہ سکا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے کہے کہ کسی نے اس کی بہن کو اغوا کر لیا ہے۔

یا اگر یہ بتا بھی دے تو یہ کیسے کہے کہ آپ اپنی جس بیٹی کی شادی کل کلفام ٹای شخص سے کر رہے ہیں اس کی بجائے مجھ سے کر دیں۔

اگر اس کی بہن اغوا ہوئی ہے تو ان کی بلا سے وہ بھلا اپنی بیٹی کی شادی کیوں توڑ دیں وہ بھی شادی سے ایک دن پہلے۔

"سیلو؟ کیا ہوا بھی تم کسی اہم مسئلے کی بات کر رہے ہو؟" بابا جانی اسے ابرار کا کوئی دوست سمجھ رہے تھے جس سے ابرار کسی وجہ سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

"میرے دراصل میری بیٹی ایک ست بڑی پر اہم سہلو ہو سکتی ہے اگر آپ کو پریٹ کریں کیا میں آپ کے گھر آ کر آپ سے مل سکتا ہوں فون پر اپنا مسئلہ سمجھانا ذرا مشکل ہے۔" الیان بہت چاہتے ہوئے بھی وہ سب نہ کہہ سکا جو اس نے سوچ رکھا تھا۔

اسے لگا ان سے دو بد بات کرنا زیادہ مناسب رہے گا وہ اسی لیے ابرار کی بجائے ان سے بات کرنے پر زیاں خوش ہو گیا تھا کہ کسی جوان خون کو لہذا رکھ کر اپنا مدعا سمجھانا زیادہ مشکل تھا یا نسبت ایک جہاں دیدہ نظر رکھنے والے تجربہ کار بزرگ کے۔

"تم ہو کون اور بات کیا ہے؟" بابا جانی اس کے گھر آنے کی اجازت مانگتے رہ جیانی سے بولے تو ابرار نے موبائل ان کے کان سے ہٹاتے ہوئے ایک منہ دیا جس سے موبائل کا اسپیکر سن ہو گیا۔

اب وہ بھی الیان کی توازن سن سکتا تھا اور اب بابا جانی کو اس سے بات کرنے کے لیے موبائل کان سے لگا کر رکھنے کی ضرورت نہیں تھی وہ موبائل سامنے کی بات کر سکتے تھے۔

"سر وہ میں آپ کو آپ کے گھر آ کر ہی بتا سکتا ہوں۔" الیان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ انہیں کیسے بتائے کہ اس کے گھر کی عزت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔

”مگر تم ہو کون اور کس بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟“ بابا جانی قدرے زنج ہو گئے تھے۔
ابراہیم بڑے غور سے اس کے لب و لہجے کو نوٹ کر رہا تھا الیان کے انداز میں جواب دہن تھی اسے محسوس کر کے
کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا اس کا وجدان کہ رہا تھا الیان نے اسے اس مقصد سے فون نہیں کیا وہ جو سمجھ رہا تھا
بلکہ ایک خوشی سی ابرار کے وجود میں کسی بقی رو کی طرح گردش کرنے لگی تھی کیونکہ اسے یقین ہونے لگا تھا کہ
اس کی ساری منصوبہ بندی کامیاب ہونے والی ہے۔

الیان اس شادی کے لیے تیار ہو گیا ہے اور اس وقت وہ ان سے یہی سب بات کرنے والا ہے۔
البتہ ایک ہل کے لیے اسے یہ حیرانی ضرور ہوئی تھی کہ الیان نے اس کا نمبر کہاں سے حاصل کر لیا۔ بھی اتنے
کم وقت میں۔

لیکن ابھی اس کے پاس ان فضولیات پر غور کرنے کی فرصت نہیں تھی وہ پوری طرح سے الیان کی طرف
متوجہ تھا جو کہ رہا تھا۔

”سر میں الیان غفار ہوں میرے قادر کا نام ریاض غفار ہے۔“ یہ کہہ کر الیان اپنے بزنس اور خاندان کی
تفصیل بتانے لگا۔

بابا جانی اسے سن تو رہے تھے مگر ان کے چہرے پر ایک سوالیہ نشان مستقل محسوس رہا تھا اگر ابراہیم اس شخص کی
گفتگو میں اتنی دلچسپی نہ لے رہا ہو تا تو شاید وہ لائن ہی کٹ دیتے وہ پہلے ہی اتنے پریشان تھے کہ یہ غیر ضروری کال
اور ایک انجان شخص کا ہائیڈوٹا سننے کے بالکل موڈ میں نہیں تھے۔

”سر آج شام میں میری بہن کو۔۔۔ کسی نے اغوا کر لیا ہے۔“ الیان کی آواز اتنی دھیمی ہو گئی تھی کہ بابا جانی
موبائل کی جانب جھک گئے تھے اس کی بات سننے کے لیے۔

”اور۔۔۔ جس شخص نے اسے اغوا کیا ہے۔ اس نے میری بہن کو چھوڑنے پر توفان میں۔ سر آپ مجھے
غلامت سمجھے گا۔ میں بہت شریف۔ فیملی سے بلونگ کرتا ہوں۔

اگر اس شخص نے میری بہن کے بدلے پیسے مانگ لیے ہوتے تو میں آرام سے بے کردیتا۔ مگر۔۔۔ چاہتا
ہے کہ کل جب آپ کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے تو میں وہاں۔“ الیان جو کہ پہلے ہی بہت دک دک کر بول رہا
تھا ایک دم خاموش ہو گیا۔

”ہیلو۔ تم چپ کیوں ہو گئے بولو نا کیا بات ہے؟“ بابا جانی قدرے بے چینی سے بولے ایک توجہ بات وہ کہہ رہا
تھا کہ کوئی ایسی خوش کن نہیں تھی بابا جانی پہلے ہی پریشان ہو گئے تھے اس پر ان کی پریشانی میں اضافہ ابراہیم کے
چہرے پر پہلے خوشی کے تاثرات کر رہے تھے۔

وہ اتنا پر جوش ہو رہا تھا جیسے الیان کی اگلی بات سننے کے لیے بہت بے چین ہو۔

”سر وہ شخص چاہتا ہے کہ۔۔۔ میں کل آپ کی بیٹی سے شادی کر لوں۔“

”کیا؟“ بابا جانی جو پوری طرح اس کی طرف ہمہ تن گوش تھے تقریباً ”جی پڑے۔“

”سر میری بات کو مذاق مت سمجھیے گا سر۔ میں بہت سیریس ہوں۔

مجھے معلوم ہے آپ کی بیٹی کی شادی کسی گلفام نامی شخص سے ہو رہی ہے مگر۔۔۔ سر کچھ دن بعد میری اپنی بہن
کی شادی ہے میں اس وقت کسی قسم کی کوئی بدنامی مول نہیں لے سکتا مجھے اس اغوا کرنے والے کی بات ہر حال
میں ماننی ہے۔

میں جانتا ہوں یہ فیصلہ آپ کے لیے آسان نہیں ہے آپ اپنی بیٹی کا رشتہ کیسی اور طے کر چکے ہیں شادی سے
ایک دن پہلے میرے کہنے پر اس رشتے کو ختم کرنا آپ کے لیے بہت مشکل ہے مگر میں خود بہت مجبور ہوں۔

آپ پلیز میری مجبوری کو سمجھیں آپ جو کہیں گے میں وہ کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن پلیز آپ اس شادی
کے لیے مان جائیں۔“ الیان کا لہجہ اتنا التجائیہ تھا کہ ابراہیم کو اپنی ساتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
اسے یہ تو معلوم تھا کہ بہن کی شادی سے چند دن پہلے اس کے اغوا ہو جانے پر کسی بھی گھر میں کھرام مچ جائے گا
مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ بریرہ اپنے گھر میں اتنی لائٹل ہے کہ اس پر آج آنے کے خیال سے ہی اس گھر کے
کیمین کانپ اٹھیں گے۔

الیان نے بغیر چوڑا کیے اتنی آسانی سے شادی کی ہابی بھولی تھی کہ ابراہیم کا خوشی کے مارے ٹاپنے کا دل چاہ رہا
تھا۔

کہاں تو گلفام نے اتنے غور سے اس کی بہن کے گھر بیٹھے رہ جانے کا طعنہ دیا تھا۔
اور کہاں اس کی بہن کی شادی اسی دن اسی جگہ شہر کے سب سے بہترین گھرانے کے ہیرو جیسے لڑکے سے ہو
رہی تھی جس کے لیے واقعی یہ کہا جاسکتا تھا کہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے لگو گے تو بھی ایسا لڑکا نہیں ملے گا اور
یہاں تو وہ لڑکا خود دست سوال پھیلا رہا تھا۔

ابراہیم کو اپنی ہوشیاری اور چالاکي پر فخر ہو رہا تھا کتنی مہارت سے اس نے بازی پلٹی تھی مرزا صاحب اور گلفام
کو جب دو میلہ کی شادی الیان کے ساتھ ہونے کا پتا چلے گا تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے تصور میں
ان کے جلے بھنے چروں کو دیکھ کر ابراہیم کو اتنا سکون مل رہا تھا کہ وہ اپنے چہرے کے تاثرات بھول ہی گیا جہاں سے
خوشی سوہن کی تیز چمکتی کرنوں کی طرح پھوٹ رہی تھی نہ ہی اسے اس بات کا احساس تھا کہ بابا جانی اس کا یہ
بے قابو انداز دیکھ کر کیا کچھ اخذ کر چکے ہیں۔

وہ تو جب الیان دوسری طرف سے بولا تب ابراہیم چونکا۔

”سر آپ۔۔۔ آپ خاموش کیوں ہیں میں آپ کی بیٹی کو پوری عزت کے ساتھ بیاہ کر لے جاؤں گا اس کا
مستقبل ہر طرح سے محفوظ ہو گا پھر بھی آپ اپنے اطمینان کے لیے جو کہیں وہ میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔

جانے اس شخص نے ایسی شرط کیوں رکھی ہے پتا نہیں وہ آپ کا دشمن ہے یا میرا۔ ہر حال جو بھی ہو میرے
پاس اس کے مطالبے پر سر جھکانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے سر آپ میری بات سن رہے ہیں نا۔“ ابراہیم
نے چونک کر بابا جانی کی طرف دیکھا وہ واقعی الیان کی بات نہیں سن رہے تھے ان کی نظریں تو ابراہیم پر جمی تھیں اور
جس طرح وہ اسے دیکھ رہے تھے وہ ابراہیم کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے اور الیان سن لیتا ابراہیم نے موبائل ان کے ہاتھ سے لے کر نا صرف لائن کٹ دی
بلکہ موبائل بھی تھک کر دیا۔

”آپ کچھ بولے کیوں نہیں بابا جانی۔“ وہ ملنے کے لیے گھبراتا چاہتا ہے اسے ابھی بتالیں۔ بلکہ اس سے کہیں
اپنے والدین کو لے کر آئے اس کی بہن کی زندگی کا سوال ہے ہم اس کی شادی دو میلہ سے کرنے کے لیے تیار
ہیں۔ آپ اس لڑکے کو جانتے نہیں ہیں یہ۔“

”اس کی بہن کو تم نے اغوا کیا ہے نا۔“ بابا جانی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے وضاحتے ہوئے لہجے میں کہا تو ابراہیم
بھائی کچھ چونک سے گئے۔

”یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں بھلا ایسا کیوں کروں گا؟“

”جھوٹ مت بولو ابراہیم مجھے معلوم ہے یہ سب تمہاری ہی کارستانی ہے کتنا گر گئے ہو تم کسی کی بیٹی انھوالی تم
نے اور اب اس کے گھر والوں کو دھمکا رہے ہو لڑکا اس طرح بات کر رہا ہے جیسے اس کی وجہ سے ہمیں اپنی بیٹی کا
رشتہ توڑنا پڑ رہا ہو حالانکہ یہ شادی تو لٹ ہی چکی ہے۔“

میری سمجھ میں تو یہ نہیں آ رہا کہ ہم نے اس طرح خاموشی اختیار کر کے ٹھیک کیا ہے یا غلط۔
کل جب تمام مہمان ہو چکے تھے تو ہمیں اور لڑکے والوں کو وہاں نہ موجود دیکھ کر کیسا تماشہ بنے گا۔ بابا جانی فکر مند ہی سے بولے تو ابراہیم جانی ایک دم جھٹکے ہوئے کھڑے ہوئے۔

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ کل رو میلہ کی شادی ہے تو پھر ہمارے سنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
ہاں البتہ لوگ کلفام کی جگہ الیان کو دیکھ کر باتیں ضرور بنائیں گے مگر اعتراض کا کوئی نکتہ نہیں نکال سکیں گے۔“

الیان ”کلفام سے لاکھ گنا بہتر ہے بلکہ بزنس کی دنیا میں جو شہرت اور نام اس کے پاس ہے اسے دیکھتے ہوئے ہمارے خاندان کے جو لوگ اس سے واقف ہیں وہ تو رو میلہ کی قسمت پر رشک کریں گے یا حسد میں مبتلا ہو جائیں گے۔“ ابراہیم جانی کے بھنائے ہوئے لہجے میں بابا جانی بھی تپ گئے۔

”تمہیں صرف دنیا پر امپریشن جمانا ہے۔ بن کی زندگی کی فکر ہے نہ اپنی آخرت کی۔ کسی کی بیٹی کو اغوا کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ جاؤ ابھی اور اسی وقت اسے آزاد کرو۔“ بابا جانی حتیٰ انداز میں بولے۔

”اب جبکہ آپ سب سمجھ ہی گئے ہیں تو میں بھی بلاوجہ کا ڈرامہ نہیں کھوں گا ہاں میں نے ہی اس کی بن کو اغوا کیا ہے اور مجھے اپنے لیے پر کوئی شرمندگی نہیں۔ اس کی بن کو میں صحیح سلامت اسے واپس کر دوں گا۔
اور رہا سوال زبردستی کی شادی کا تو یہ الیان کے لیے ایک فنی صدمہ ضرور ہو گا مگر اس کی آئندہ زندگی کے لیے یہ فیصلہ بہت اچھا ہے گا۔“

رو میلہ میں بھلا کس چیز کی کمی ہے؟ اس کا ساتھ کسی بھی لڑکے کے لیے خوش قسمتی کا باعث ہو گا۔
چند دن وہ اس رشتے پر اوٹلا مچائے گا اور پھر آخر ایڈ جسٹ ہو جائے گا۔“ ابراہیم جانی ہنسنے لگا اور سکون سے بول رہا تھا کہ بابا جانی زنج ہو گئے۔

”تمہارا تو دل غم خراب ہو گیا ہے مگر اس طرح نہیں بہتے ہیں اگر۔“
”کسی بھی اگر مگر کو منہ سے نکالنے سے پہلے وہ بھی سوچ لیں کہ رو میلہ کا آپ نارمل طریقے سے گھر سنا اب ویسے بھی ممکن نہیں رہا ہے کل جب مقررہ وقت پر بارات نہیں آئے گی تب ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے ہم لاکھ اپنے منہ سے کلفام کے فراڈ کے متعلق بتاتے رہیں لوگ رو میلہ کے کیریئر میں ہی خامیاں نکالیں گے کلفام نے غلط نہیں کیا تھا۔“

رو میلہ کے لیے کسی اچھے گھرانے کے پڑھے لکھے لڑکے کا رشتہ نہیں آئے گا بلکہ جینز کے لالچی کسی بے روزگار نوجوان کو ہی رو میلہ کو بیاہتا پڑے گا۔
رو میلہ وہاں کچھ دوا تیز کرے یا یہاں سمجھوتہ کر لے ایک سی بات ہے اور میرے خیال سے یہ رشتہ زیادہ بہتر ہے۔“ ابراہیم جانی سے کہتا چلا گیا۔

”بس کرو ابراہیم! اپنی غلطی کو چھپانے کے لیے تم ان تمام غلط چیزوں کو صحیح کہہ رہے ہو جن کے صحیح نہ ہونے کا احساس خود تمہیں بھی ہے۔
تم نہیں چاہتے کہ کلفام کی اصلیت سب کے سامنے آئے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ تمہارے رو میلہ کی زندگی کا فیصلہ بڑی جلد بازی میں بالکل آنکھیں بند کر کے کیا ہے۔“

اسی لیے تمہارے زبردستی کا ایک ایسا گھرانہ تلاش کر لیا جس میں کوئی خامی نکال ہی نہ جاسکے نہ ہی سینے کی لوث آئے کہ بے چاری رو میلہ کی زندگی تمہاری وجہ سے خراب ہو گئی۔
ورنہ تو یہ ہے کہ جو تمہارے اب کیا ہے وہ رو میلہ کے ساتھ لاشٹائی درجے کی تھوڑی سی ہے جس میں تو کہتا ہوں ابھی اور

اسی وقت اس کی بن کو چھوڑ دو اور۔“
”وہ بات مت کہیں جو ممکن نہ ہو بلکہ تب کچھ بھی نہ کہیں تو زیادہ بہتر ہے۔“ بابا جانی نے کچھ کہنا چاہا تو ابراہیم نے نا صرف ان کی بات کا ٹھکڑا بلکہ اپنا سوا پائل لے کر فوراً وہی وہاں سے نکل گیا۔
ان کی طرف سے اسے کوئی فکر نہیں تھی وہ چاہے جتنا بھی بڑے لیتے ابراہیم کو اس کے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

اسی لیے اپنے کمرے میں آکر ابراہیم نے اسی سم سے الیان کا نمبر پایا جس سے اب تک مل رہا تھا۔
دوسری طرف الیان نے پہلی ہی ٹھنٹی پر فون دیکھ کر لیا کیونکہ وہ بابا جانی سے بات کرنے کے بعد ابھی تک موبائل پر کھٹکھٹ کے عالم میں کھڑا تھا کہ انہیں کس طرح قائل کرے۔ اسی لیے ابراہیم نے فون کر کے اس کی ساری باتیں سمجھادی کیونکہ الیان نے اس کا نمبر دیکھ کر چھوٹے ہی کہا تھا۔
”وہ کھوٹ شادی کی شرط کے بجائے جو چاہے مانگ لو میں دے دوں گا لیکن میں یہ شادی نہیں کر سکتا وہ رو میلہ کے گھروالے میرے کہنے سے بھلا کیوں شادی کے لیے راضی ہو جائیں گے اس کی شادی تو کسی کلفام نامی لڑکی سے ہو رہی ہے۔“

”ہوں بڑی معلومات اکٹھی کر رہی ہے“ لگتا ہے سب کچھ بتا کر لیا ہے خیر مجھے تم سے سوائے اس شادی کے اور کچھ نہیں چاہیے اور رہا سوال اس لڑکی کے گھروالوں کا تو اس کی طرف سے تم بے فکر ہو دو وہاں جائیں گے تم انہیں منانے کی کوشش کرنے کی بجائے ٹھیک نام پر بارات لے کر آ جاؤ بس۔“ ابراہیم نے دو ٹوک انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

الیان اپنی جگہ ٹھنک کر رہ گیا ویسے تو ایسے بھوانہ ذہنیت کے مالک لوگوں کے لیے کسی کو کسی بھی فعل کے لیے راضی کرنا کوئی مشکل امر نہیں تھا اس لیے اس شخص کا یہ کہنا کہ رو میلہ کے گھروالوں کو تیار کر لے گا۔ کوئی اچھے کی بات نہیں تھی۔

بندوق کی نوک پر تو کچھ بھی منوایا جاسکتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کچھ ایسا تھا جو اسے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

ایک بار اپنی شرط بتانے کے بعد اس شخص کا بار بار فون کرنا ایک عجیب سی بات تھی خاص طور پر ایسی صورت میں کہ اس کا فون دو دنوں بار اس وقت آیا تھا جب اس نے رو میلہ کے بھائی کے نمبر پر بات کرنے کی کوشش کی یا بات کی تھی یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا تھا مگر الیان تو پہلے ہی رو میلہ کی فیملی کی طرف سے مشکوک تھا۔

جب پہلی بار اسے اغوا کرنے والے نے فون کیا تھا تو الیان کو ایسا ہی لگا تھا کہ وہ رو میلہ کے گینگ کا کوئی شخص ہے خواہ شادی پر مجبور کر رہا ہے۔

مگر ہوٹل کا نام جاننے کے بعد جب اس نے ساری تفصیلات حاصل کیں تو ایسے لگا کہ یہ تو کوئی شریف لوگ ہیں اور ان کی بیٹی کی شادی تو ہو ہی رہی ہے انہیں ایسی کوئی چال مٹنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔

لیکن اب ایک بار پھر اسے ان سب کے پیچھے رو میلہ اور اس کے گھروالوں کی سازش لگ رہی تھی۔

یہ سب جس کسی کی بھی کارستانی تھی اس کے پیش نظر تو فی الحال برابر اہم تھی اسی لیے کلفتہ غفار کو جب ہاسٹل سے گھر لے کر گئے اور اس کے اغوا کے متعلق بتایا تو پہلے تو ان لوگوں کے لیے کوسنوں اور بددعاؤں میں لگ گئیں مگر جلد ہی انہیں بھی احساس ہو گیا کہ یہ وقت ان حرکتوں کا نہیں ہے تب وہ بھی سنجیدگی سے ریاض غفار کی بات سننے لگیں جو بہت سی مناسب الفاظ میں انہیں الیان کی شادی کے متعلق بتا رہے تھے۔

پہلے تو وہ شادی کا لفظ سنتے ہی ہنسنے سے اکھڑ گئیں لیکن اس بار ریاض غفار نے ان کی حالت اور حالات کی پروا

اسی وقت اس کی بن کو چھوڑ دو اور۔“
”وہ بات مت کہیں جو ممکن نہ ہو بلکہ تب کچھ بھی نہ کہیں تو زیادہ بہتر ہے۔“ بابا جانی نے کچھ کہنا چاہا تو ابراہیم نے نا صرف ان کی بات کا ٹھکڑا بلکہ اپنا سوا پائل لے کر فوراً وہی وہاں سے نکل گیا۔
ان کی طرف سے اسے کوئی فکر نہیں تھی وہ چاہے جتنا بھی بڑے لیتے ابراہیم کو اس کے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

اسی لیے اپنے کمرے میں آکر ابراہیم نے اسی سم سے الیان کا نمبر پایا جس سے اب تک مل رہا تھا۔
دوسری طرف الیان نے پہلی ہی ٹھنٹی پر فون دیکھ کر لیا کیونکہ وہ بابا جانی سے بات کرنے کے بعد ابھی تک موبائل پر کھٹکھٹ کے عالم میں کھڑا تھا کہ انہیں کس طرح قائل کرے۔ اسی لیے ابراہیم نے فون کر کے اس کی ساری باتیں سمجھادی کیونکہ الیان نے اس کا نمبر دیکھ کر چھوٹے ہی کہا تھا۔

”وہ کھوٹ شادی کی شرط کے بجائے جو چاہے مانگ لو میں دے دوں گا لیکن میں یہ شادی نہیں کر سکتا وہ رو میلہ کے گھروالے میرے کہنے سے بھلا کیوں شادی کے لیے راضی ہو جائیں گے اس کی شادی تو کسی کلفام نامی لڑکی سے ہو رہی ہے۔“

”ہوں بڑی معلومات اکٹھی کر رہی ہے“ لگتا ہے سب کچھ بتا کر لیا ہے خیر مجھے تم سے سوائے اس شادی کے اور کچھ نہیں چاہیے اور رہا سوال اس لڑکی کے گھروالوں کا تو اس کی طرف سے تم بے فکر ہو دو وہاں جائیں گے تم انہیں منانے کی کوشش کرنے کی بجائے ٹھیک نام پر بارات لے کر آ جاؤ بس۔“ ابراہیم نے دو ٹوک انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

الیان اپنی جگہ ٹھنک کر رہ گیا ویسے تو ایسے بھوانہ ذہنیت کے مالک لوگوں کے لیے کسی کو کسی بھی فعل کے لیے راضی کرنا کوئی مشکل امر نہیں تھا اس لیے اس شخص کا یہ کہنا کہ رو میلہ کے گھروالوں کو تیار کر لے گا۔ کوئی اچھے کی بات نہیں تھی۔

بندوق کی نوک پر تو کچھ بھی منوایا جاسکتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کچھ ایسا تھا جو اسے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

ایک بار اپنی شرط بتانے کے بعد اس شخص کا بار بار فون کرنا ایک عجیب سی بات تھی خاص طور پر ایسی صورت میں کہ اس کا فون دو دنوں بار اس وقت آیا تھا جب اس نے رو میلہ کے بھائی کے نمبر پر بات کرنے کی کوشش کی یا بات کی تھی یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا تھا مگر الیان تو پہلے ہی رو میلہ کی فیملی کی طرف سے مشکوک تھا۔

جب پہلی بار اسے اغوا کرنے والے نے فون کیا تھا تو الیان کو ایسا ہی لگا تھا کہ وہ رو میلہ کے گینگ کا کوئی شخص ہے خواہ شادی پر مجبور کر رہا ہے۔

مگر ہوٹل کا نام جاننے کے بعد جب اس نے ساری تفصیلات حاصل کیں تو ایسے لگا کہ یہ تو کوئی شریف لوگ ہیں اور ان کی بیٹی کی شادی تو ہو ہی رہی ہے انہیں ایسی کوئی چال مٹنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔

لیکن اب ایک بار پھر اسے ان سب کے پیچھے رو میلہ اور اس کے گھروالوں کی سازش لگ رہی تھی۔

یہ سب جس کسی کی بھی کارستانی تھی اس کے پیش نظر تو فی الحال برابر اہم تھی اسی لیے کلفتہ غفار کو جب ہاسٹل سے گھر لے کر گئے اور اس کے اغوا کے متعلق بتایا تو پہلے تو ان لوگوں کے لیے کوسنوں اور بددعاؤں میں لگ گئیں مگر جلد ہی انہیں بھی احساس ہو گیا کہ یہ وقت ان حرکتوں کا نہیں ہے تب وہ بھی سنجیدگی سے ریاض غفار کی بات سننے لگیں جو بہت سی مناسب الفاظ میں انہیں الیان کی شادی کے متعلق بتا رہے تھے۔

پہلے تو وہ شادی کا لفظ سنتے ہی ہنسنے سے اکھڑ گئیں لیکن اس بار ریاض غفار نے ان کی حالت اور حالات کی پروا

اسی وقت اس کی بن کو چھوڑ دو اور۔“

کیے بغیر انہیں اچھا خاصا ڈانٹ دیا تو انہیں مجبوراً چپ ہونا پڑا پھر بھی وہ علی علی زبان سے کہتی رہیں۔
 ”میرے لیے تو وہ تو لوں اولادیں برابر ہیں میں ایک کی خاطر دوسرے کو کیسے بدوا کر دوں؟“ تب آخر الیان کو بھی بولنا پڑا۔

ورنہ تو اب تک وہ ان کے ہر رد عمل کو بالکل فطری اور جائز سمجھتے ہوئے بڑے صبر سے برداشت کر رہا تھا۔
 ”میں کوئی بڑا اور بڑا نہیں ہو رہا ایک بار بریرہ اس کے چنگل سے نکل آئے میں فوراً اس لڑکی سے ہٹکارا حاصل کر لوں گا۔“ الیان نے جو بھی تفصیلات معلوم کی تھیں وہ سب ریاض غفار کے گوش گزار کر دی تھیں وہ بھی اس کے ہم خیال تھے کہ یہ سب رو میلہ کے گھروالوں کا ہی کیا دھرا ہے۔
 ”یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔“ کھلفۃ غفار کھنی سے بولیں۔

”جب وہ ہمیں اس شادی پر مجبور کر سکتے ہیں تو پھر اسے نہ اپنے پر بھی مجبور کر سکتے ہیں تم اسے کبھی نہیں چھوڑ سکو گے۔“ کھلفۃ غفار شکست خوردہ لہجے میں بولیں تو اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے الیان کا خون کھول اٹھا۔
 ”ایسے کیسے مجبور کر سکتے ہیں آپ جانتی ہیں میں کتنا شادی ہوں میں صرف بریرہ کو واپس لانے کے لیے یہ شادی کر رہا ہوں ایک بار وہ آجائے پھر میں اس نام نہاد رشتے کو ایک بل میں ختم کر دوں گا۔“ الیان چبا کر بولا۔

”مت کرو اتنی بڑی بڑی باتیں۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا وہ لڑکی ساری زندگی اس گھر کی بہو کی حیثیت سے عیش کرے گی اور ہم سب تماشا دیکھیں گے۔“ کھلفۃ غفار کا غم کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

بریرہ کی طرف سے جو فکر تھی سو تھی اس پر یہ عجیب و غریب مطالبہ انہیں سر پٹا سا لگا گیا تھا اور ان کا یہ انداز الیان کی غیرت و خودداری پر تازیانے کی طرح لگ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بریرہ کے دشمنوں کا ابھی اور اسی وقت گلا گھونٹ دے۔

”یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے اس لڑکی کے گھروالوں سے بعد میں بھی نہنا جا سکتا ہے بس دعا کرو کہ بریرہ خیریت کے ساتھ واپس آجائے۔“

اگر یہ اغوا ان ہی لوگوں نے کیا ہے تب بھی ہمیں بہت سوچ سمجھ کر ان سے ملنا ہے ہمارے رویے کی ذرا سی بد صورتی بریرہ سمیت ہم سب کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔“ ریاض غفار بیچیدگی سے بولے۔

کھلفۃ غفار ان کی بات سن کر ایک بار پھر آنسو بہانے لگیں جبکہ الیان صرف ہونٹ چبا کر رہ گیا۔



آج شام رو میلہ کی شادی تھی اور سنبل اور نمل ابھی تک یہ نہیں جان پائی تھیں کہ رو میلہ کی شادی ہو بھی رہی ہے یا نہیں۔

اور اگر ہو رہی ہے تو کس کے ساتھ ہو رہی ہے انہوں نے اب تک رو میلہ کو کچھ نہیں بتایا تھا حالانکہ انہیں موقع ملا تھا اس سے خباہی میں بات کرنے کا وہ کوئی ہر وقت لوگوں کے چمکٹے میں گھری نہیں ہوتی تھی مگر ایک دو بار جب بھی انہیں موقع ملا وہ ان دونوں کو بہت خوش اور کھلکھلاتی ہوئی لگی۔

اتنے دنوں سے وہ اپنی شادی کو لے کر فکر مند تھی اور وہ اسے کوئی تسلی نہیں دے پا رہی تھیں اب جبکہ وہ اس رشتے پر مطمئن ہو گئی تھی تو ان لوگوں کی بہت نہیں بڑ رہی تھی اس کے امانوں پر پانی پھیرنے کی۔

لیکن آخر کب تک رات کو اسے رخصت ہونا تھا وہ دونوں صبح کیا ہی بجے اس کے گھر پہنچیں تو رو میلہ انہیں دیکھ کر بکڑ گئی۔

”یہ کوئی وقت ہے تم دونوں کے آنے کا۔ بالکل مہمانوں کی طرح شریک ہو رہی ہو تم دونوں میری شادی میں دیکھ لیتا اب میں بھی تم لوگوں کی شادی میں نہیں آؤں گی۔ بے بسی کینڈا سے آنا کون سا آسان ہو گا اب جاؤں گی تو جانے کب آسکوں گی جانے کب ملاقات ہوگی۔“ رو میلہ گلو گیم بچے میں بولی۔

”تم کینڈا نہیں جا رہیں اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ نسل نے بے ساختہ کہا تو نسل جو تک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیا مطلب؟“ رو میلہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا تو ہل بھر کے لیے نسل خاموش سی ہو گئی جیسے اپنی ساری ہمتیں جمع کر رہی ہو۔

”تمہاری شادی گلفام سے نہیں ہو رہی۔“ اس ایک جملے کو کہنے میں نسل کو اتنی دقت ہوئی تھی کہ اس میں رو میلہ کا چہرہ دیکھنے کی سکت ہی نہ رہی لیکن بغیر اس کی جانب دیکھے بھی وہ اس کے احساسات کو اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔

رو میلہ ٹھنک کر کبھی اسے اور کبھی نسل کو دیکھ رہی تھی نسل بھی اس سے نظریں چار رہی تھی اسے تو یہ شرمندگی بھی ہو رہی تھی کہ وہ دن سے وہ سب کچھ جانتی تھیں پھر بھی انہوں نے اسے مطلع نہیں کیا۔

”کیا بات ہے آخر مجھے تم دونوں بہت پریشان لگ رہی ہو کچھ ہوا ہے کیا۔“ رو میلہ کے اذہد فکر مند لہجے پر نسل نے ایک کمراسانس کھینچ کر اسے سہتا دیا۔

رو میلہ فق چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہو کہ وہ کیا کرے اس نے ان سے یہ تک نہیں کہا کہ تم نے مجھے فوراً کیوں نہیں بتا دیا وہ تو بالکل ششدر رہ گئی تھی آخر نسل خود ہی اسے کندھوں سے تھاتے ہوئے بولی۔

”مجھے یہ سب پہلے ہی تمہیں بتانا چاہیے تھا مگر۔“

”کیوں تم کیوں بتاتیں؟ آخر تم کیا کیا کرو گی نسل؟ کیا سب کچھ کرنا تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔“

”اگر تم کینڈا نہ گئی ہو تیں تو میں آج اس دھوکے باز خزانے کے ساتھ رخصت ہو کر چلی جاتی نہ جانے وہ مجھے وہاں لے جا کر میرے ساتھ کیا سلوک کرتا مجھ سے کون سے کام کراتا نسل اگر تم اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتیں تو۔“

رو میلہ لڑکھرائی تو از میں اپنے کندھوں پر رکھے اس کے ہاتھ تھاتے ہوئے بولی اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

انہیں تو ڈر تھا اسے اس شادی کے ٹوٹنے پر افسوس ہو گا مگر تک آتی بارات کے لوٹ جانے کا ملال ہو گا مگر اسے تو سکون کا احساس ہوا تھا۔

وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی گلہ شکوہ کرنے کی بجائے اس کا شکر ادا کر رہی تھی کچھ دیر تو ان تینوں کے بیچ ہی گفتگو ہوتی رہی آخر نسل نے کہا۔

”اب بھی بتائیں ابراہیمائی نے کسے تلاش کر لیا ہے جانے وہ کیا کرنے والے ہیں مجھے تو ان سے کسی اچھے اقدام کی امید نہیں۔“ نسل کی بات پر رو میلہ کچھ دیر نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے اسے دیکھتی رہی پھر ایک دم فیصلہ کن انداز میں بولی۔

”میں ابھی ابراہیمائی سے جا کر پوچھتی ہوں کہ وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے اگر وہ مجھے تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو میں شادی سے صاف انکار کر دوں گی۔“ نسل کو اس کے جواب سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔

”ہاں چلو ابھی چلتے ہیں۔“ نسل فوراً بولی تو تینوں ابراہیمائی کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اتفاق سے وہ صرف کمرے میں پہنچے تھے بلکہ اکیلے ہی تھے بھابھی کو کمرے میں نہ پا کر رو میلہ نے فوراً

کمرے میں داخل ہو کر دو اذہد کر لیا۔

نسل میں اس کے ساتھ اندر آنے کی ہمت نہیں تھی مگر نسل کو ہاتھ میلہ کہیں بھی کمزور پڑ سکتی ہے چنانچہ وہ اس کے ساتھ ہی کھڑی رہی۔

ابراہیمائی ان دونوں کو اس طرح اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر چونک گئے وہ ایک نظر رو میلہ کو دیکھ کر پھر نسل کو دیکھنے لگے جیسے وہ بغیر پوچھے ہی سب سمجھ گئے ہوں۔

”مجھے معاف کرو میری بہن! میں دھوکا کھا گیا بہت غلط فیصلہ کر لیا میں نے میں بہت سخت شرمندہ ہوں۔“ ان کے لہجے میں دکھ ہی دکھ اور پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا۔

”جب گلفام سے میری شادی نہیں ہو رہی تو کس سے ہو رہی ہے؟“ رو میلہ نے ان کے طویل مکالموں کے بعد ساٹھ لہجے میں پوچھا۔

”میرے ایک دوست سے ہو رہی ہے۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔ الیان غفار نام ہے اس کا۔ اگر تمہیں میری بات پر یقین نہ ہو تو نسل اپنے والد سے پوچھ لے وہ انہیں ضرور جانتے ہوں گے ریاض غفار کا بیٹا ہے وہ شہر کی جانی مانی ہستی ہے۔“ ابراہیمائی اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

❖ ❖

فونیسیا سیمین



فونیسیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی مدد نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ فونیسیہ ان سے بات کہنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات دشوار سے ہوئی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ فونیسیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی پھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی مدد کو بلائے۔ وہ مدد کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رویلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ جب اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ڈکی سے شرمہا پارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انیسویں کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فونیسیہ اپنی خالہ سے بات کہنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ دشوار اس کے بعد وقفہ میں جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے بیڑھیوں کی طرف پڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی دشوار کو اندھیرے میں زخمی کرتا ہے۔

۲۲
بایئیسویں قسط

”اگر اس شخص میں اتنی خوبیاں ہیں تو وہ اچانک مجھ سے ساتھ شادی کرنے کے لیے کیوں تیار ہو گیا۔“
 دو میلہ کو ان کے جواب سے کوئی خاص تقویت نہیں ہوئی تھی۔

”کیونکہ وہ میرا دوست ہے۔ میں نے بتایا تو ہے کہ میں نے جب اسے یہ بتا چلا کہ میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا ہو گیا تو اس نے فوراً تمہارے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔“

گلفام کی موجودگی میں بھی اگر اس کا رشتہ آتا تو میں گلفام پر اسے ہی ترجیح دیتا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ الیان سے بہتر لڑکا ملنا ناممکن ہے، عام حالات میں بھی اس کا پو پو نزل ہر حال میں قبول کیا جاتا اور اس وقت گویا اس کا شادی کے لیے خود کو پیش کرنا ہماری کسی نیکی کا ہی اجر ہے۔“ ابراہیم ہالکی خوشی خوشی بتاتے رہے۔

اتنی پریشانی کے عالم میں بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے یا اس رشتے کو اپنی خوش نصیبی گرداننے کی بجائے اسے اپنی کسی نیکی کا بدلہ سمجھ لیا تھا۔

دو میلہ ان کی بات سن کر نمل کی طرف دیکھنے لگی جو چپ چاپ کسی سوچ میں ڈوبی لگ رہی تھی۔ اصل میں ابراہیم ہالکی نے اپنی بات کے آغاز میں یہ کہہ کر۔

”نمل اپنے والد سے پوچھ لے۔“ اپنی بات میں وزن پیدا کر لیا تھا۔

عفت غلیل ایسے شخص تھے جو واقعی شرکی جانی مالی ہستیوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ جیسے کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھنے والا ہو گا۔ ورنہ عفت غلیل کا حوالہ دے کر انہیں کسی ایسے معاملے میں کھینٹا کوئی مذاق نہیں تھا، کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر الیان غفار کے بارے میں اپنی لامعلیٰ کامیابی اظہار کر سکتے تھے۔

جبکہ ابراہیم ہالکی کا خود اعتماد و لوجہ چمانتہ دے رہا تھا کہ اگر عفت غلیل سے تصدیق کی گئی تو ان کی بات سچ ثابت ہوگی جھوٹ نہیں۔

پھر نمل کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس طرح بارات کا لوٹ جانا دو میلہ کے لیے آئندہ زندگی میں کئی مسائل کھڑے کر دے گا ایسے میں اگر اسے کوئی اچھا رشتہ مل رہا تھا تو سمجھ داری کا تقاضا یہ ہی تھا کہ اس پر فوراً ہاں کر دی جائے۔

آخر دو میلہ کو کسی نہ کسی سے تو شادی کرنی تھی اس کی کون سی گلفام کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی تھی جو اس کے لیے فوری طور پر اس کی جگہ کسی اور کو بنام مشکل لگتا اس لیے وہ خاموش سی ہو گئی۔

پھر بھی اپنے اطمینان کے لیے انہوں نے عفت غلیل سے بھی ایک دفعہ بات کر لینے کا فیصلہ کر لیا جس کے لیے نمل تو راضی نہیں ہوئی البتہ سنبل نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

اس نے اسی وقت عفت غلیل کو فون ملایا اور دو میلہ کی شادی ٹوٹ جانے کی اطلاع دے دی جسے سن کر کچھ لمحوں کے لیے عفت غلیل کچھ کہنے سننے کے قابل نہ رہے۔

ایک طرح سے وہ دل ہی دل میں تپتو تاب کھا کر رہ گئے تھے انہیں ابراہیم پر اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ جس کی کوئی حد نہیں تھی۔

اس کی غیر ذمہ داری سے کیے گئے فیصلے کی وجہ سے آج نمل ان کے سامنے سرخرو ہو گئی تھی وہ نمل کو اس کے منہ پر تو کیا دل میں بھی سرائے کو تیار نہیں تھے کہ محض اس کے کینیڈا جانے کی وجہ سے آج دو میلہ ایک ست غلط آدمی کے ہتھے چڑھنے سے بچ گئی۔

ان کی انارکاری ضرب بڑی تھی، گلفام کی اصلیت جاننے سے۔

انہوں نے شکر ادا کیا تھا کہ نمل نے انہیں فون نہیں کیا، بلکہ سنبل نے اس کی جگہ بات کر لی۔ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ نمل اگر بات کرتی بھی تو محض اپنے سوالوں کا جواب حاصل کر کے فون بند کر دیتی اور کسی قسم کا خطرہ

طعنہ انہیں ہرگز نہ دیتی۔

گھر پر بھی ان کے دل کا چور نمل کا سامنا کرنے یا اس سے بات کرنے سے گھبرا رہا تھا۔

ایک طرح سے انہوں نے سنبل سے بھی زیادہ تفصیلی بات نہیں کی اور جلدی سے فون بند کر دیا۔ البتہ الیان غفار کے متعلق اس کے سارے سوالوں کا جواب مختصر مگر جامع دے دیا۔

ریاض غفار اپنے وسیع و عریض بزنس کی وجہ سے اونچے طبقے میں خاصے مقبول تھے انہیں شہر کے تمام بڑے گھرانے اور اچھی حیثیت کے لوگ بخوبی جانتے تھے۔

چنانچہ عفت غلیل نے الیان کے فیملی بیک گراؤنڈ اور حیثیت کے متعلق تسلی بخش جواب دے دیا اور ساتھ ہی سنبل کو تذبذب میں مبتلا بھی کر دیا یہ کہہ کر کہ۔

”اتنے اچھے لڑکے کا اس طرح اچانک شادی کے لیے محض دوستی کی وجہ سے تیار ہو جانا بڑے تعجب کی بات ہے، مگر جو بھی ہو دو میلہ کے لیے وہ ہر طرح سے مناسب رہے گا، بلکہ یہ یقیناً کسی نیکی کا نتیجہ ہے۔“ عفت غلیل نے مزید دو چار اسی قسم کے جملے بول کر فون بند کر دیا۔

ان کا بھی یہی خیال تھا کہ پریشانیوں کا ٹٹنا انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے اور دنیا بھر کے نالوے لوگوں کی طرح پریشانیوں کا آٹا کسی گناہ کی سزا نہیں، بلکہ اس وقت لوگوں کے سامنے ضبط و صبر کا ڈرامہ کرتے رہنے کے بعد دل ہی دل میں وہ بھی جانے کون سا گناہ سرزد ہو گیا کہ ٹھکرار کرتے رہتے تھے اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ جانے کون کون سے گناہ سرزد ہو گئے۔ جن کی سزا مل رہی ہے۔

عفت غلیل سے بات کر کے وہ تینوں مطمئن تو نہیں ہوئی تھیں البتہ خاموش ہو گئی تھیں۔ اگر اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی دو میلہ کو ایک اچھا رشتہ مل رہا تھا تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔

دو میلہ بھی خود کو بس یہی تسلی دیتے جارہی تھی ورنہ اس طرح اچانک کسی شخص کا محض اس کے بھائی کے دوست ہونے کی وجہ سے شادی پر رضامند ہو جانا دو میلہ کی عزت نفس کے لیے ایک بہت بڑا دھوکا تھا۔ گویا کہ

اب وہ اتنی ارزاں ہو گئی ہے کہ لوگ اسے احسان کے طور پر اپنا رہے ہیں تاکہ اپنی خوشی سے بچا نہیں اس کے گھر والوں کا کیا رد عمل ہو گا۔ وہ شخص تو چلو دوستی کا پاس رکھ رہا تھا۔ حالانکہ ابراہیم ہالکی کی کسی شخص سے اتنی گہری دوستی بھی ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ اس حد تک کام آسکتا ہے اس کا اندازہ اسے ہرگز نہیں تھا اس نے تو الیان نام کے کسی دوست کا ذکر تک کبھی نہیں سنا تھا۔

لیکن یہ ایسی بات نہیں تھی جس پر غور کیا جاتا، ابراہیم ہالکی گھر میں اس قدر لمبے دیرے رہتے تھے کہ ان کے دوستوں سے واقفیت نہ ہونا کوئی اجنبی بات نہیں تھی۔

اس لیے وہ اگر اتنی مشکل گھڑی میں کام آ رہا تھا تو ضرور وہ اتنی ہی پر خلوص دوست ہو گا۔

مگر اس کے گھروالے اس ایمر جنسی کی شادی پر کیسا محسوس کر رہے ہوں گے۔ آج کل تو کم حیثیت کے لوگ بھی اتنے دھوم دھڑکے سے شادیاں کرتے ہیں کہ ساری زندگی ان شادیوں پر لیے قرض ہی اتارتے رہتے ہیں تو پھر وہ لوگ جو ایسی دس شادیاں یا آسانی منعقد کر سکتے ہیں جن لوگوں کے کیا کیا ارمان نہ ہوں گے اور ساری خواہشوں کے جنازے کے ساتھ لائی گئی بارات آئندہ اس کی زندگی میں کتنی آسودگی لائے گی اس کا اندازہ ان لوگوں سے ملے بغیر نہیں ہو سکتا تھا، کیا پتا وہ لوگ ان ساری چیزوں اور خواہشوں سے ماورا محض انسانیت اور خلوص پر یقین رکھنے والوں میں سے ہوں۔

دو میلہ صرف سوچ سکتی تھی کوئی حتمی رائے وہ ان سے ملے بغیر نہیں دے سکتی تھی اور ملنے میں بھی کون سا نام ہائی تھا، ہر تو وہی گئی تھی آج رات تک وہ تمام افراد اس کے دہو ہوں گے اور وہ اتنی چہرہ شناس تو ضرور

تھی کہ ان کے تاثرات دیکھتے ہی جان جاتی کہ یہ سب اپنی خوشی سے آئے ہیں یا سارے بندے زبردستی کلائے گئے ہیں۔

الیان کی طرف سے تو اسے امید تھی کہ وہ اپنے فیصلے میں خود مختار ہے تو اس پر کوئی دباؤ نہیں ہو گا مگر زندگی صرف ایک شخص کے ساتھ نہیں گزارنی ہوتی پتا نہیں اس کے گھر والوں کا رویہ کیسا ہو گا۔

دو میلہ جیسی خود ار لڑکی کے لیے تو شخص پیشانی پر پڑا ایک نسل ہی برداشت کرنا بہت مشکل تھا اسی لیے بظاہر سب کچھ معمول کے مطابق کرتے ہوئے بھی ایک عجیب سی بے چینی نے اس کا احاطہ کر رکھا تھا۔



بظاہر تو اس نے خود کو معمول کے مطابق ہی رکھا ہوا تھا۔ مگر ایک عجیب سی بے چینی کے ساتھ ساتھ انتہا کو پہنچی جھنجھلاہٹ نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جس کی ذمہ دار صرف اور صرف گفتہ غفار تھیں۔

اتنی پریشانیوں اور الجھنوں میں بھی جانے انہیں کون کون سے ارمان یاد آ رہے تھے جو انہوں نے الیان کی شادی میں پورے کرتے تھے۔

ایک طرف وہ اگر بریرہ کے لیے بری طرح فکر مند تھیں تو دوسری طرف الیان کے ساتھ ہوئی نا انصافی پر تالاں بھی تھیں کتنی بار تو وہ ان لوگوں کی موجودگی میں ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان لوگوں کو لائن سے کھڑا کر کے کوئی سے اڑا دیں جنہوں نے بیک وقت ان کی دونوں اولادوں کی زندگی اجیہ کر دی تھی۔

الیان اور ریاض غفار بڑے محل سے ان کے محل میں تو کہ اور محل میں ماشہ ہوتے رویے کو برداشت کر رہے تھے جو بے تحاشا رونے کے دوران ان لوگوں کو مسلسل گوسے جا رہی تھیں۔

بچپن میں انہیں دنیا داری کا خیال آ جاتا تو الگ ہول اٹھنے لگتے۔

”تمہارے ساموں کو میں کیا کہوں گی میں نے اس طرح اچانک الیان کی شادی کیوں کر دی اور کئی ہی بڑی تھی تو کسی کو بلایا کیوں نہیں۔ وہ سب گاؤں میں نہیں۔ شہر میں موجود ہیں پھر آخر ایسا کیا ہو گیا۔“ ان کے کوئی دوسرے بار پوچھنے پر بھی الیان نے بڑے محل سے کہا۔

”آپ سارا الزام مجھ پر رکھ دیجیے گا اور کہہ دیجیے گا کہ مجھے خود کچھ پتا نہیں تھا۔“ الیان کی بات پر وہ خشک کر بولیں۔

”وہ بھی میری ہی برائی ہے کہ اولاد کی تربیت میں نے ایسے کی ہے کہ وہ آج اپنی زندگی کے اہم فیصلوں میں بھی مجھے کوئی اہمیت نہیں دے رہی۔“

اس کنڈھیر نے بھی تو بریرہ کی شادی میں تمہارے ولیمہ کے اعلان کی شرط رکھ دی ورنہ تو ہم ابھی کسی سے ذکر ہی نہ کرتے۔“ ان کی پریشانی میں ہر نئی سوچ کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا پر نیا خیال ان کے ذہن میں دس نئے سوال پیدا کرتا جو لوگ ان سے پوچھنے والے تھے اور جن میں سے ایک کا بھی نسلی بخش جواب گفتہ غفار کے پاس نہیں تھا۔

اسی لیے وہ ان سوالوں کو الیان کے سامنے دہرائے جا رہی تھیں کہ جیسے وہ ان کے مسئلے کو چکی بجاتے ہی حل کر دے گا۔

وہ یہ نہیں سوچ رہی تھیں کہ وہ خود ضبط کی کن منزلوں سے گزر رہا ہے ایک طرف بہن کی زندگی اور عزت

المحرمے میں تھی تو دوسری طرف اپنا آپا سے گروی رکھنا پڑ رہا تھا۔

پھر بھی وہ اپنی مضبوط قوت برداشت کے باعث اس شخص مرحلے میں بھی گفتہ غفار کے احساسات کو سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آ رہا تھا بلکہ صرف وہی نہیں ریاض غفار بھی ایک دم چپ سا رہے گفتہ غفار کی دلچسپی کو برداشت کر رہے تھے۔ ان کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی اور آنکھوں میں اٹھتے طوفان ان کی اندرونی کیفیت کو بخوبی ظاہر کر رہے تھے۔

ایسی ہی پریشانی اور تفکرات میں گھر سے وہ تینوں بھیس ہو نل پہنچ گئے۔

کنڈھیر نے انہیں تاکید کی تھی کہ انہیں اچھے محلے میں ایسے ہی پونچنا ہے جیسے بارات لے کر آ رہے ہوں اور لڑکی کے گھر میں اس کے والد اور بھائی کے علاوہ سب پر بھی ظاہر کرنا ہے کہ اس دو میلہ بانی لڑکی کے بھائی ابراہار کا ”ست ہے۔“

اس نے انہیں حتی الامکان کم سے کم بولنے کی ہدایت دی تھی۔ کسی سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور بے لطف ہونے کی تو بالکل کوئی کوشش ہی نہ کی جائے خاص طور پر گفتہ غفار اپنی زبان پر قابو رکھیں ورنہ نتائج کا نام دار لوگ خود ہوں گے۔

اس لیے گاڑی سے اترتے ہی ریاض غفار نے گفتہ غفار کو بڑی سختی سے یاد دہانی کرادی تھی کہ انہیں بالکل خاموش رہنا ہے گھر کی بائیک غلطی بریرہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔

گفتہ غفار لاکھ جذباتی سسی ٹھکریہ لکھ ایسا تھا کہ ان کی زبان خود بہ خود تانوسے چپک گئی۔

ہو نل کے شاندار Entrance پر وہ تینوں کچھ دیر ساکت کھڑے رہے جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو اندر جا کر ایسا کرنا ہے پتا نہیں کون اور کیسے لوگوں سے ان کا سامنا ہونے والا تھا۔

آخر سب سے پہلے الیان نے ہی گھر کا سانس کھینچتے ہوئے قدم اندر کی طرف بڑھائے تو ریاض غفار اور گفتہ غفار کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

ہو نل میں داخل ہوتے ہی الیان کی نظر سائے اسٹینڈ پر رکھے بورڈر بڑی اور اس کے قدموں میں جم گئے حالانکہ بورڈر بالکل عام سا تھا ہو نل میں اگر کوئی شادی منعقد ہوتی ہے تو اس کی تفصیل Entrance پر ہی لکھ کر لگادی جاتی ہے کہ فلاں کی شادی یا ولیمہ ہو نل کی فلاں جگہ پر ہو رہی ہے تاکہ آنے والے مسلمانوں کو وقت نہ ہو۔

مگر الیان کے مقلد کی وجہ بورڈر پر لکھا اس کا نام تھا جو کہ بڑی تفصیل سے ریاض غفار کے بیٹے الیان غفار کے طور پر لکھا ہوا تھا۔

الیان کچھ دیر تو اپنے نام کے ساتھ لکھے دو میلہ کے نام کو دیکھتا رہا پھر سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

ہال روم کے دروازے پر پہنچتے ہی ایک شخص جو لوگوں کے استقبال کے لیے ہی کھڑا تھا اسے دیکھ کر جو کنا ہو گیا۔

اس نے اپنے پاس کھڑے ایک بوڑھے آدمی کے کان میں کچھ کہا تو وہ بھی چونک کر الیان کو دیکھنے لگا۔

بابا جانی کچھ لمحے تو ساکت کھڑے اپنی ہمت اکٹھا کرتے رہے الیان اور اس کے والدین کے قریب جا کر ان سے بات کرنے کی پھر آخر ابراہار بھائی نے ہی انہیں شو کا دیے ہوئے کہا۔

”جائیں جا کر اسے اندر لے کر آئیں اسے تھوڑی پتا ہے کہ یہ سب کون کر رہا ہے؟“ ابراہار بھائی بالکل اسی طرح الیابان سے بولے جس طرح تھوڑی دیر پہلے انہوں نے الیان کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس کے متعلق دیا تھا۔

الیابانی نے ایک نظر ابراہار بھائی کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اگر اسے نہیں پتا کہ یہ سب کون کر رہا ہے تو تم لو اس کے استقبال کے لیے آگے کیوں نہیں بڑھ جاتے۔

مگر یہ بات کہہ نہیں سکے، انہیں علم تھا ابراہیمائی دل میں چھپے چور کے سبب خود ہرگز منظر پر آنا نہیں چاہیں گے بابا جانی جگے جگے قدموں سے آگے بڑھتے ہیں ان تینوں کے مقابل آکھڑے ہوئے۔

”تم الیان ہو نا؟“ الیان نے سر اثبات میں ہلادیا۔

”میں دو میلہ کا والد ہوں۔“ بابا جانی نے عجیب شرمندہ سے انداز میں کہا۔

”آپ؟“ گفتہ غفار بے ساختہ حیرت سے گویا ہوئے، الیان تو پھر بھی ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم کر چکا تھا اور وہ سب ریاض غفار اور گفتہ غفار کے گوش گزار بھی کر چکا تھا۔ مگر گفتہ غفار کو اپنے سامنے ایک سچے ہوئے سادہ سے بزرگ کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

وہ تو اپنے ذہن میں دو میلہ اور اس کے گھروالوں کا نہ جانے کیسا عجیب و غریب حلیہ بنا کر آئی تھیں، جبکہ یہ تو ایک بڑھی گئی بلو قارہ فیلی لگ رہی تھی۔

”جی میں۔ آپ۔ آپ کھڑے کیوں ہیں۔ آئیں اندر آئیں نا۔“ بابا جانی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ان کے کہنے پر الیان اور ریاض غفار نے تو فوراً قدم آگے بڑھا دیے جبکہ گفتہ غفار شش و پنج کے عالم میں انہیں دیکھنے لگیں۔

بے اختیار ان کا شدت سے دل چاہا تھا ان سے پوچھیں کہ اس کنڈھو نے آپ کو اس شادی کے لیے کیسے مجبور کیا۔ مگر وہ صرف حل سوس کر رہ گئیں۔

اندر داخل ہونے پر انہیں احساس ہوا کہ یہاں تو واقعی شادی کا سماں بندھا ہوا ہے، دو میلہ کا پورا خاندان نا صرف موجود تھا بلکہ ان کا حلیہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ سب بھی کسی گری پڑی فیلی سے تعلق نہیں رکھتے، سب ست اچھے طریقے سے تیار ہو کر آئے تھے۔

ان کے مقابلہ میں گفتہ غفار کافی سادہ لگ رہی تھیں، انہوں نے آج جو کچھ بھی پہنا تھا بڑے بچے دل کے ساتھ محض اس کنڈھو کی دھمکی کی وجہ سے پہنا تھا، حالانکہ الیان نے خاص طور پر ماکید کی تھی اسے ڈر تھا کہ اس کی تیاری کو نا پسند کرتے ہوئے بریرہ کو اغوا کرنے والا کوئی اعتراض نہ کرے۔

خود الیان نے بلیک تھری پیس سوٹ میں اپنی شان دار پر سنالشی کے ساتھ بیچ کا دو لہا لگ رہا تھا۔ اس پر اٹھنے والی ہر نظر مل بھر کے لیے اسی پر ٹھہر گئی تھی، یہاں تک کہ دو میلہ کی بھابی کو ٹنگ سی رہ گئی تھیں۔

دو میلہ کی شادی اتنے ہینڈ سم لڑکے سے ہوتی دیکھ کر انہیں تو بڑی بوس ت ہوئی تھی وہ بے اختیار ابراہیمائی کے نزدیک جا کر رہی سے بولیں۔

”ابراہیم آپ کا کون سا دوست ہے اس سے پہلے تو کبھی ان موصوف سے ملاقات نہیں ہوئی۔“ وہ اتنی زور سے بولی تھیں کہ الیان بھی رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

ابراہیمائی کو بھی ان کا اس طرح آکر بولنا سخت ناگوار گزرا تھا۔ وہ چاہ رہے تھے الیان پہلے اسٹیج پر جا کر بیٹھ جائے پھر وہ بھی کوزرا سجاوے سے اپنی پرانی دوستی کی کمائی سنا دیں گے۔

مگر الیان تو ابھی اسٹیج کی پہلی سیڑھی ہی چڑھا تھا کہ بھابی نے ابراہیمائی کو جالیا۔

ابراہیمائی بے اختیار الیان کو دیکھنے لگے جو انہیں ایسے دیکھ رہا تھا جیسے جانتا چاہتا ہو کہ اب وہ کیا کمائی سناتے ہیں۔

”کیا ہوا؟“ یہی ہے نا وہ لہا جسے آپ اور بابا جانی دو دوازے سے لیتے ہوئے آرہے ہیں۔ میں نے غلط اندازہ تو نہیں لگایا نا۔“ بھابی باری باری ان دونوں کو دیکھ کر بولیں جو ایک دوسرے کو ہی دیکھ رہے تھے۔

”ہاں۔ ہاں۔ ہاں تمہارا اندازہ صحیح ہے، یہی ہے الیان۔“ ابراہیمائی خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے بولے تو

المان ہری طرح جھومکا اٹھا۔ اس کو از کو پہچاننے میں وہ ہرگز غلطی نہیں کر سکتا تھا جس کو از نے دونوں میں اس کی زندگی کا سکون و چین اور ہم پر ہم کر دیا تھا اس کو از کو دیکھ کر بھول سکتا تھا۔

لیکن میں تو آپ کے سارے دوستوں کو جانتی ہوں اسے تو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ بھابی اب بھی حیران تھیں۔

”ارے بھئی تم میرے سارے دوستوں کو کہاں جانتی ہو میرے تو ہزاروں دوست ہیں تم تو بس دو چار سے ہی ملی ہو۔“ ابراہیمائی خود برجی الیان کی نظروں سے گھبرا کر ہری طرح چڑھ کر بولے تو اتنے لوگوں کی موجودگی میں بھابی کو ان کا یہ لہجہ اپنی سبکی محسوس ہوا، ابراہیمائی پر ایک کھولتی ہوئی نظر ڈال کر ناراضی کے طور پر پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئیں جبکہ ابراہیمائی کے تاپا زاد بھائی ان کے قریب آکر پوچھنے لگے۔

”ابراہیم سب کیا ہے تو کلفام نہیں ہے باہر بورڈر کلفام کی بجائے الیان کا نام بڑھ کر میں سمجھا تھا شاید لکٹ میں کوئی غلطی ہو گئی ہے مگر اب تو لگتا ہے جیسے معاملہ ہی کچھ اور ہے اس دن واقعی کلفام کے خاندان میں کسی بزرگ کا انتقال ہوا تھا یا کوئی اور ہی بات تھی۔“ ان کا لہجہ نظر اور تجسس سے پر تھا۔

الیان بڑے غور سے ان کی بات سن رہا تھا، ریاض غفار اور گفتہ غفار اسٹیج کے نزدیک اتنے لوگوں کو کھڑا دیکھ کر دوری رک گئے تھے، چاروں طرف سے لوگوں کی نظریں ان تینوں پر جمی تھیں، وہ اس عجیب و غریب انداز سے کی کئی شادی پر پہلے ہی شرمندہ تھے اب لوگوں کی ایسے لیتی نظریں انہیں اپنے آپ میں سینٹے پر مجبور کر رہی تھیں۔

اصل میں ابراہیمائی نے تو کسی کو کچھ بتایا نہیں تھا کہ شادی کلفام سے نہیں بلکہ کسی اور سے ہو رہی ہے، لوگ تو اتنے کے ساتھ ہی بورڈر لکھے نام کو دیکھ کر جو کچھ اٹھتے تھے، کچھ لوگ تو ایسے تھے جو ریاض غفار اور گفتہ غفار کو بھی جانتے تھے ان کے تو گویا پیٹ میں موڑا ٹھننے لگے تھے کہ آخر یہ کیا جرم ہے۔

دونوں پہلے جس طرح ہندی کالٹکشن انجام پایا تھا وہ پہلے ہی سب کو متھلوک کر گیا تھا اب تو بورڈر بڑھ کر جو بھی اندر داخل ہو رہا تھا چھ ٹوئیاں کرتی محفل کا حصہ بن رہا تھا اور اب الیان کو دیکھ کر گویا سب ہی اپنے اپنے فطری و شوق کے مطابق کمائی تراشنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

”آں میں۔ آپ کو بعد میں سب سمجھا دیتا ہوں۔“ ابراہیمائی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس صورت حال کو کیسے سنبھالیں۔

کلفام کو سبق سکھانے کے لیے انہوں نے جو قدم اٹھالیا تھا اس پر ثابت قدم تو انہیں رہنا ہی تھا۔ اخلاقی اور قانونی طور پر وہ ایک جرم کر چکے تھے۔ مگر ہر مجرم کی طرح وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ ان کا جرم دنیا کی نظر سے چھپا رہے، ساتھ ہی ساتھ ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ اس قدر غیر فطری اور دواقی شادی بغیر کسی جگہ ہنسائی کے خوش الحالی سے طے پا جائے اس لیے وہ فوری طور پر انہیں کوئی جواب نہ دے سکے، بلکہ انہیں نظر انداز کرتے الیان کے نزدیک چلے آئے۔

”ارے تم کھڑے کیوں ہو بیٹھو نا۔“ ابراہیمائی نے بظاہر خود کو نارمل رکھتے ہوئے ایسے کہا جیسے وہ واقعی اسے ہاتھ سے جانتے ہوں اور اب ان کے بیچ سالے اور سنوئی والی بے تکلفی بھی موجود ہو۔

المان انہیں جواب دینے کی بجائے یک ٹک بٹھکا رہا، وہ اپنی جگہ سے بھی نہیں ہلا، ابراہیمائی اس کا انداز دیکھ کر لہجہ کے دل میں چور جو موجود تھا وہ کچھ پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

”بیٹھو نا الیان۔ تم تو اکیلے ہو، تمہارے خاندان والے یہاں موجود نہیں۔ لیکن ہمارے تو سارے رشتے دار

تمہاری بائیک ایک حرکت کو نوٹ کر رہے ہیں ان کے شک و شبہات کو اور بڑھاؤ نہیں۔

”کیا یہ بھی دھمکی ہے۔“ لیان نے ساٹ لہجے میں پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ ابراہان بھائی حقیقتاً سمجھ نہیں سکے۔

”بریرہ تمہارے پاس ہے۔“ لیان نے سوال نہیں کیا تھا۔ اس کے لب و لہجہ میں سو فیصد یقین موجود تھا۔

اعتماد کو ابراہان بھائی بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگے۔

”آہ۔۔۔ تھیں۔۔۔ میں سمجھا نہیں۔ تم کہہ رہے ہو۔“ وہ کوئی پیشہ ور مجرم نہیں تھے۔ پولیس کی دنیا میں بیرو پھیر کرنا اور بات ہے اور کسی کی ہمن کو اٹھالیا اور کہانی ہے۔ ان سے تو گویا اپنی گھبراہٹ چھپانا مشکل ہو گیا تھا اور پھر ان کے سامنے لیان کھڑا تھا جو ان کے تاثرات دیکھ کر ایک سی ہل میں شک سے یقین کی منزل تک پہنچ گیا۔

”میں نے کہا تھا میں تمہیں بہت آسانی سے ٹریس کر سکتا ہوں۔“ ابراہان بھائی کو یہ اندازہ ضرور تھا کہ ہو سکتا ہے ایک نہ ایک دن لیان یا اس کے گھر والے یہ جان جائیں کہ بریرہ کے اغوا کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے مگر لیان اتنی جلدی اس راز کو بالے گا۔ اسید انہیں بالکل نہیں تھی ورنہ وہ اس طرح منظر عام پر آتے ہی نہیں اور لیان سے ملے بغیر ہی وہ میلہ کو اس کے ساتھ رخصت کر دیتے۔

انہیں تو اب خیال آیا تھا کہ انہیں فوراً لیان کے سامنے آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ یہ فٹکشن ان کے بغیر بھی انجام پاسکتا تھا۔ بلکہ زیادہ اچھا ہی تھا جو وہ یہاں نہ آتے۔ انہیں خاندان والوں کا سامنا بھی نہ کرنا پڑتا۔ لیان سے وہ بعد میں کبھی تنہائی میں مل لیتے۔ سب وہ اسے کسی بھی طرح ٹال سکتے تھے اور اگر نہ بھی ٹال پاتے تو کم از کم بھرے مجمع میں تماشا تو نہ بنتا۔

ابراہان بھائی بالکل من کھڑے تھے وہ تو سوچ رہے تھے یہاں ان کی موجودگی زیادہ ضروری ہے کیونکہ اگر یہاں کوئی گزریز ہوئی یا لیان اور اس کے والدین نے اس کے خاندان والوں کے سامنے کسی قسم کی مجبوری یا اپنی بیٹی کے اغوا کا روٹا دیا تو وہ صورت حال کو سنبھال لیں گے ورنہ بابا جانی سے ایسی توقع رکھنا بے کار تھا۔ ان سے تو کوئی بعد نہیں تھی کہ وہ گھبرا کر کچھ اٹھائیں یا بول دیں۔ وہ خود یہاں موجود رہیں گے تو لیان کے گھر والوں کو صحیح طریقے سے قابو رکھ سکیں گے۔

مگر اب لیان کے اچانک پوچھنے پر ان کے تو حواس گم ہو گئے۔ لیان بغور ان کی ہل ہل بدلتی شکل کو دیکھ رہا۔ لیان کی خاموشی نے جیسے انہیں سنبھلنے اور سوچنے کا موقع دے دیا۔ بالکل اچانک انہیں خیال آیا کہ بریرہ تو ابھی بھی ان کے قبضے میں ہے مگر لیان یہ جان بھی گیا کہ یہ سب انہوں نے کیا ہے تب بھی ان کا بازو ڈیڑھی کیا سکتا ہے۔ اسے اس کی ہمن کی عزت کی خاطر زبان بند رکھنے اور ان کی ہمن کو اپنانے پر با آسانی مجبور کر سکتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی ان کا بھروسہ ہوتا تھا پھر بحال ہو گیا اور وہ خود کو تار مل ملاہر کرتے ہوئے انجان بن کر کہنے لگے۔

”گلتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے لیان۔ تم کسی اور کے دھوکے میں مجھ سے بات کر رہے ہو ورنہ ہم دونوں کے بیچ تو سرے سے کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔“ لیان نے ہمن کی دھمکیاں نہ دیا۔ ”انہوں نے لفظ دھمکیاں کو سمجھ کر ادا کیا تاکہ لیان جو اچانک اپنے مجرم کو سامنے دیکھ کے یہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ اس کا بیل تکس بیکا نہیں کر سکتا۔ دوبارہ اس حقیقت کو تسلیم کر لے۔

اور واقعی لیان کچھ ٹھنک سا گیا۔ ابراہان کا لب و لہجہ سن کر وہ کوئی بے وقوف نہیں تھا جو اس کی تینہبہ کرتی آنکھوں کا مطلب نہ سمجھ پاتا۔

مضمون کا گلا دبا دے مگر ریرہ کا معصوم چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھونٹے لگا تو الیان صرف خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ دوسری طرف الیان کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید ترین نفرت المٹی دیکھ کر پل بھر کے لیے ہی سہی ابرار کی آنکھوں کے سامنے بھی دو میلہ کا چہرہ ابھر آیا۔

صرف ایک پل کے لیے اس کے ضمیر نے پوچھا تھا۔
"کل کو الیان کا وہ یہ دو میلہ کے ساتھ کیا ہو گا؟" مگر اگلے ہی پل ابرار نے یہ سوچتے ہوئے ضمیر کو خاموش کرا دیا۔

"دو میلہ بہت اچھی لڑکی ہے الیان کچھ ناراض رہنے کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔" اس سوچ نے ابرار کو ایک عجیب سا سکون عطا کیا تھا جس کے بعد اس کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہ گیا کہ یہ سب جان کر بھلا گلفام کے کیا تاثرات ہوں گے۔

انہوں نے اتنی مغز ماری گلفام کو نچا دکھانے کے لیے کی تھی۔ چنانچہ وہ شکست کے بعد کے اس کے جھنجھائے ہوئے تاثرات اور رویہ دیکھنے کے لیے بری طرح بے چین تھے جو کہ فی الوقت ممکن نہیں تھا تو بھی تصور کی آنکھ سے انہوں نے اس کی فرضی شکل دیکھتے ہوئے خود کو اتنا مسرور کر لیا کہ دو میلہ کی فکر کہیں کسی پس منظر میں چلی گئی جس کے بعد انہوں نے رخصتی تک پورا انکسش بڑے اعتماد کے ساتھ نہایت بے فکری سے اٹینڈ کیا۔ البتہ اس بات کا دھیان ضرور رکھا کہ الیان اور اس کے والدین کے پاس ان کے خاندان والے زیادہ نہ بٹھیں، مبادلہ انہیں گلفام کے متعلق کچھ پتا چل جائے یا ان کے خاندان والوں کو الیان کے رویتے سے کسی گڑبڑ کا احساس ہو جائے اور یہ اندازہ ہو جائے کہ انہیں زبردستی اس شادی کے لیے راضی کیا گیا ہے۔

یہ تو انہیں یقین تھا کہ الیان اور اس کے والدین اپنی بیٹی کو بدنامی سے بچانے کے لیے اس کے انخواہ جانے کے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے، مگر ان کی بے زاری بھی ظاہر نہیں ہوئی چاہے اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے بابا جالی کو الیان کے ساتھ لگا دیا تھا یہ اور بات تھی کہ بابا جالی الیان کے ساتھ آکر لگے بندھے بیٹھ گئے تھے مگر مارے شرمندگی کے انہوں نے ایک بار بھی سر اٹھا کر — اس کی جانب دیکھنے یا اسے مخاطب کرنے کی جسارت نہیں کی تھی۔

حالانکہ انہیں یہ پتا بھی نہیں تھا کہ الیان ان کے بیٹے کی کروت کے بارے میں سب جان گیا ہے۔ ان کی شرمندہ ہونے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ خود تو سب جانتے ہیں۔

الیان کی والدہ کو خاندان والوں اور مہمانوں سے زیادہ بات چیت کرنے سے روکنے کے لیے ابرار بھائی نے بھابھی کو ان پر نظر رکھنے کے لیے کہہ دیا تھا۔

انہوں نے بھابھی سے کہا تھا کہ الیان تو ان کی دوستی میں یہ قدم اٹھا رہا ہے، مگر اس کی والدہ اس افراتفری کی شادی پر زیادہ خوش نہیں ہیں اس لیے کوشش کرنا کہ مہمان خواتین قلفٹہ غفار سے زیادہ بے تکلف نہ ہو سکیں ورنہ خواہ مخواہ اپنے دل کا غبار مہمانوں کے سامنے نکال دیں گی۔

بھابھی کے لیے کسی پر نظر رکھنا یا کسی کو زبردستی ایک ہی جگہ پر بیٹھا رہنے پر مجبور کرتے ہوئے دوسرے سے کلام کرنے کا موقع نہ دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا بلکہ یہ سب ان کے پسندیدہ فعل تھے چنانچہ یہ ذمہ داری انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی سے نبھادی۔

جبکہ وہ خود ریاض غفار کے ارد گرد منڈلاتے رہے، تاکہ کوئی ان سے کسی قسم کے سوال جواب نہ کر سکے۔ یہ اور بات تھی کہ اس کام میں انہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی، ریاض غفار اتنے افسردہ تھے کہ اگر کسی نے

انہیں مخاطب بھی کیا تو انہوں نے یا تو جواب نہیں دیا یا چند الفاظ ادا کر کے مختصر ترین جواب پر مقابل کو لا جواب کر کے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔



نمل اور سنبل بھی دیگر رشتے داروں کی طرح وقت مقرر پر شادی میں شرکت کرنے ہوئے پہنچ گئیں، مہلت خلیل بیشہ کی طرح معصوف تھے۔ لہذا وہ دونوں رشتہ کے ساتھ ان کا انتظار کیے بغیر ہی نکل گئی تھیں۔

دو میلہ نے نمل کے والدین کو بھی مدعو کیا تھا اور وہ اپنی بیٹی کی بہترین دوست کی شادی میں شرکت کرنے آئے تھے، لیکن کیونکہ وہ تمام صورت حال سے واقف نہیں تھے اس لیے ایک میز پر چند اپنے ہی جیسے کھلو کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جو دو میلہ کے دور کے رشتے دار تھے اور جو ان ہی کی طرح ہر بات سے انجان تھے۔

رشتہ بھی ان ہی کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں وہ دو میلہ کے مستقبل کی طرف سے فکر مند ضرور تھیں، مگر انہیں خواہ مخواہ کی کرید کی عادت نہیں تھی جب سے نمل نے انہیں بتایا تھا کہ دو میلہ کی شادی اب ابرار کے ایک دوست کے ساتھ ہو رہی ہے وہ اسے دو میلہ کا نصیب گردانتے ہوئے اس کی خوش حال زندگی کے لیے دعا گو ہو گئی تھیں۔

البتہ نمل اور سنبل اس طرح ایک کوٹا سنبل کر نہیں بیٹھ سکتی تھیں، انہوں نے جب الیان کو آواز کھا تو وہ تیزی سے اس کارپٹ کے کنارے پر اکھڑی ہوئیں جو شاندار دروازے سے شروع ہو کر اسٹیج کی میز میوں تک بچھا ہوا تھا۔

وہ دونوں چپ چاپ کھڑی الیان اور اس کے والدین کو آواز دیکھتی رہیں۔
الیان پر نظر پڑتے ہی ان کی پریشانی میں خاطر خواہ کمی ہوئی تھی، البتہ اس کے ساتھ صرف وہ افراد کو دیکھ کر وہ دونوں کچھ چپ سی ہو گئی تھیں۔

لیکن جب الیان ان کے پاس سے گزرتا اسٹیج پر چلا گیا تب نمل نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔
"تو اس گلفام سے بھی زیادہ گڈ لکنگ ہے جس سے میں کینیڈا میں ملی تھی۔" نمل بے ساختہ نمل کو دیکھنے لگی۔

اس نے صاف محسوس کر لیا تھا کہ نمل اپنی اور اس کی طبیعت پر چھاپا ہو، نمل بن کم کرنے کے لیے ایسا کہہ رہی ہے ورنہ اس طرح بات کے نام پر تین لوگوں کو دیکھ کر ان دونوں کو ہی فکر ہو گئی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" نمل خود برا نہیں سنبل کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔
"بالکل! تم سچ کہہ رہی ہو گی، مجھے تمہاری بات پر بغیر دیکھے یقین ہوتا ہے اور یہاں تو اتنا ڈنڈنگ بندہ آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی۔ میں تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ یہ تینوں کس قدر سنجیدہ لگ رہے ہیں۔"

ٹھیک ہے یہ سب ایمر جنسی میں ہو رہا ہے، مگر ان کے چہروں سے تو ایسے لگ رہا ہے جیسے یہ یہاں زبردستی ملائے گئے ہوں۔" نمل نے الیان کی والدہ کو بغور دیکھتے ہوئے دلی زبان سے کہا تو فوری طور پر نمل کچھ بول نہ سکی۔
کہا کہ وہ خود بھی یہی سوچ رہی تھی، لیکن نمل کے سامنے اس نے اپنے اندازے ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا کہ نمل جو پہلے ہی اتنی فکر مند ہے نمل کو بھی شک و شبہات میں مبتلا کر دیکھ کر مزید پریشان ہو جائے گی۔

"ہو سکتا ہے وہ اس طرح جلد بازی میں کی گئی شادی کے خلاف ہوں، آج کل تو اوسط درجے کے لوگ بھی شادیوں میں لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں یہ تو پھر اتنے امیر کبیر ہیں، یہ چارہ ہے ہوں گے کہ شادی آج ہی کرنے

کی بجائے خوبصورت مہم کام سے کی جائے مگر ابرار بھائی بغیر ہوں کہ اسی دن بار بار تلانی ہے سب سے اپنے رشتے داروں کے بغیر اکیلے ہی آگئے۔ "نمل کی بات غلط نہیں تھی یہ اور بات تھی کہ جو نقطہ اس نے اٹھایا تھا اس کے ٹھیک ہونے پر وہ خود بھی مست زیادہ پر امید نہیں تھی۔"

"مذہ کرے ایسا ہی ہو۔" نمل نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے گویا بحث کو سمیٹا اور اس سے پہلے کہ نمل کچھ کہتی دروازے سے داخل ہونے والے شخص پر نظر پڑنے ہی نمل چونک اٹھی۔

خرم اپنے تمام دوستوں کے ساتھ شاندار انٹرنس سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ ان کی کلاس کی چند لڑکیاں جنہیں رو میلہ نے خود بخود عمو کیا تھا، خرم اور اس کے دوستوں کے ساتھ ایسے خوش خوشی آ رہی تھیں جیسے خرم کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کرنا بڑے اعزاز کی بات ہو۔

نمل کی طرح خرم کی بھی سب سے پہلے نمل پر ہی نظر پڑی اسے اس طرح استقبال کے لیے کھڑا دیکھ کر خرم کے چہرے پر بڑی دلکش مسکراہٹ نمودار ہو گئی وہ شاندار چال چلتا اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور بڑے ہی جاندار انداز میں اسے سلام کیا، جیسے اسے دیکھ کر جھک اٹھے گی۔ نمل تو پہلے ہی اسے دیکھ رہی تھی البتہ نمل واقعی اچھل پڑی۔

"آپ؟ آپ؟ آپ کو کس نے بلایا۔" نمل نے تماشا حیرانی کے عالم میں بے ساختہ بولی تو خرم نے اس سے بھی زیادہ حیران ہونے کی ایک ٹنگ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نمل کرتی ہیں سلی صاحب آپ بھی۔ اول تو مجھے بلاوے کی ضرورت نہیں۔ اتنی قریبی رشتہ داری میں یہ کارڈ وغیرہ دینے کی قاعدہ ملٹی بالکل غیر ضروری ہوتی ہے، پھر بھی جہاں تک سوال مجھے بلانے کا ہے تو آف کورس مجھے رو میلہ کے علاوہ اور کون انوائٹ کر سکتا ہے۔" خرم نے اپنے مخصوص تپانے والے انداز میں کہا، نمل تو سر سے جھٹک کر خاک ہو گئی اس کے قریبی رشتہ داری کہنے پر گھبراہٹ سے سارے لوگوں کے ساتھ تباہا کہ نمل کوئی جرح کر کے اسے اپنے پیچھے نہیں لگانا چاہتی تھی سب سے اسے نظر انداز کر کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

جہاں سے تا صرف یونیورسٹی کے تمام لوگ اندر داخل ہو رہے تھے بلکہ ہوٹل میں آنے والے لوگ بھی گزرتے ہوئے نظر آ رہے تھے کیونکہ سامنے ایک بڑا سا ڈانٹنگ ہال تھا جس کے ارد گرد بڑی سی گلاس والی بنی ہوئی تھی شیشے کی اس دیوار کے پار اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا مختلف ٹیبلز پر بیٹھے مختلف افراد انواع و اقسام کے کھانوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

نمل ایسے انہیں دیکھنے لگی جیسے اس سے زیادہ اسے اور کسی چیز میں دلچسپی نہ ہو تب تک ان کی کلاس کی لڑکیاں بھی۔ نمل اور نمل کے نزدیک چلی آئیں اور انہیں مبارکباد دینے لگیں۔

"مجھے تو اپنا آنا ممکن ہی نہیں لگ رہا تھا، میرا بھائی اس وقت گھر پر نہیں تھا، میں نے تو سوچ لیا تھا اب تو میں نہیں جاسکتی بھلا مجھے کون ڈرا ب کرے گا۔"

مگر خرم کے فون نے پورا پروگرام سیٹ کر دیا جب اس نے کہا میں تمہیں اور تمہاری تمام دوستوں کو یک کر لیتا ہوں تب میں نے جلدی جلدی سے سوٹ نکال کر استری کیا۔ "ان کی کلاس کی ایک لڑکی جس کا نام آسیہ تھا خرم کو تشکر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہتی رہی۔

نمل کا تو دل چاہا تیرا کر کہہ دے کہ "اگر اتنے مسئلے تھے تو مت آئیں بھلا میں کون تمہارے انتظار میں سوکھ رہا تھا۔"

گھبراہٹ سے لوگوں کا لحاظ کرتے ہوئے ضبط کر گئی، نمل تو حیران پریشان کھڑی انہیں سن رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا خرم اس طرح منہ اٹھا کر ان کے ٹنکس میں کیوں آگیا وہ بھی اپنے فضول دوستوں کو لے کر۔

مالا نکہ وہ سب بڑے اہتمام سے تیار ہو کر آئے تھے۔ ان کی کلاس کی لڑکیاں تو چلو و اچھل مہم تھیں اس لیے ہاتھ میں گنٹ کا ڈیا بھی پکڑے ہوئے تھیں مگر خرم اور اس کے دوست بھی ایسے آئے تھے جیسے کسی عزیز کی شادی میں شرکت کرنے آئے ہوں۔

خرم تو بلیک بنٹ شرٹ پر بلیک ہی کوٹ پہنے صرف کرم کلر کی ٹائی کے ساتھ وہ لمبا دامن میں سے کسی کا بھائی ہی لگ رہا تھا اس پر اس کا شوخ اور خود اعتمادی سے بھرپور انداز جیسے سب سے زیادہ اسی کو اس شادی کی خوشی ہو۔ اس کے دوست ہارون اور نادر بھی بڑے ٹکسٹک سے تیار ہو کر آئے تھے مگر خاموشی سے ان سب سے کچھ کہنے تھے البتہ حمید اور ویکی پوری طرح سے ان دونوں کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر پر جوش اور بے تحاشے تھے جیسے اچانک پہنچ کر انہوں نے کوئی بہت بڑا تیار دیا ہو۔

نمل اور نمل دونوں ہی اس پریشان صورت حال میں مزید کسی معلقہ پر لڑنے کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھیں بلکہ وہ تو اپنی کلاس کی لڑکیوں کے سوالوں کا بھی صحیح طرح سے جواب نہیں دے پاری تھیں جو اسٹیج پر بیٹھے اہیان کو دیکھ کر خاصی متاثر ہو گئی تھیں۔

"واؤ یا رو میلہ کا وہ لمبا تو بہت ہنڈ سم ہے۔"

"ہاں رو میلہ کو لا کر بٹھائیں گے تو ہوتا چلے گا۔ جوڑی کیسی لگ رہی ہے۔"

"نمل کیا ان دونوں کی لومینج ہے؟" اگر یہ شادی عام طریقے سے ہو رہی ہوتی تو شاید نمل ان سوالوں اور تبصروں کا حصہ بن بھی جاتی، خرم کی موجودگی کو نظر انداز کر کے مگر اس وقت تو اس کا ذہن ہلکا ہوا تھا۔

خرم کو اس کی اس خاموشی میں مڑا نہیں آ رہا تھا۔ تب ہی اس نے ایک ایسا حیرت انگیز جواب کہ نمل بولنے پر مجبور ہو جائے۔

"میرا نہیں خیال کہ رو میلہ لومینج کر سکتی ہے یہ کام تو میرے اور نمل کے ہی بس کا تھا۔ اس کا دار خالی نہیں کیا تھا، نمل تیرا گروولی۔"

"ہماری ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی ہم کوئی لومینج کر رہے ہیں اور تمہیں اور تمہارے دوستوں کو شرم آنی چاہیے رو میلہ کے انوائٹ کیے بغیر بھوکے ننگے لوگوں کی طرح مٹانے کے پڑے ہیں کر شادی کا کھانا کھانے آئے ہو۔" نمل کے اسے اس طرح تحلیل کرنے پر نمل نے ہر اس میں ہو کر نمل کو اور پھر خرم کو دیکھا تھا۔

پہلے ہی یہ شادی نازک حالات میں ہو رہی تھی۔ اس میں اگر ان دونوں نے بھی کوئی تماشا کھڑا کر دیا تو کیا ہو گا مگر اس وقت صرف نمل کو ہی نہیں نمل سمیت تمام لوگوں کو شدید حیرت ہوئی جب خرم اس کی بات پر چیخ پڑنے کی بجائے تعجب سے کمر فٹس پڑا اور دل کھول کر ہنسنے کے بعد ان لڑکیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"یار یہ بہت اہم پرست ہے۔ سب کے سامنے میری محبت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی انگو ہرٹ ہوتی ہے، درنہ تم لوگوں کو نہیں معلوم ہم دونوں کی پہلی ملاقات کسی قدر ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی بلکہ اسی ہوئی میں ہی تو "لی گئی۔" خرم کے اچانک کہنے پر وہ سب چونک کر ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔

"ایسا مطلب؟ کیا تم دونوں یونیورسٹی میں آنے سے پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہو۔" آسیہ کی حیرت دیدنی تھی۔

"نمل کورس۔ یقین نہیں آتا تو نمل اور رو میلہ سے بھی پوچھ سکتی ہو یہ دونوں اور میرے سارے دوست ہیں اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں یہ جو سامنے ڈانٹنگ ہال نظر آ رہا ہے، یہیں تو ہم سب پہنچ کر آئے تھے۔

ان دونوں کا پہلی بار ٹکراؤ ہوا تھا۔" خرم کے کہنے کی دیر تھی کہ حمید نے وہ قصہ دس اضافی جھوٹ کے ساتھ ناکارے لے لے کر سنا شروع کر دیا۔

ان تمام لڑکیوں کو تو بہت ہی مزا آرہا تھا یہ بھول ہی گئی تھیں کہ وہ ابھی تک داخلہ دواڑے کے پاس ہی کھڑی ہیں اصل میں انہیں اندر آکر کرنا بھی کیا تھا وہاں صرف دو میلہ کو جانتی تھیں جو ابھی تک اسٹیج پر تکی نہیں تھی۔

اس کے برعکس یہاں وہ خرم کے ساتھ کھڑی تھیں جس کے ساتھ بات کرنا ہی ان جیسی لڑکیوں کے لیے کسی قانون کا خزانہ ہاتھ لگ جانے کے مترادف تھا اس پر ایسی دلچسپ کہانی سننا جس میں سامعین کے لیے اتنا مزہ سالہا ڈال دیا تھا کہ منہ جلنے کی بجائے ہنسی کے فوارے پھوٹنے لگے تھے۔

البتہ محل کا غصہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا اس کا پس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حید کو تھپڑ مار کر چپ کرادے یا خود ہی یہاں سے چلی جائے مگر وہ خود پر جبر کے محض اس لیے کھڑی رہی کہ اس کے سج اور جموٹ کی بول کھول سکے مگر اس نے جتنی بار بھی زبان کھولنے کی کوشش کی حید اور وہی تو کیا ان لڑکیوں نے بھی اسے خاموش کرادیا ان کے تو ہنس ہنس کر آنسو نکلنے شروع ہو گئے تھے۔

”خرم کیا واقعی ایسا ہوا تھا؟ تم نے تو کبھی بتایا ہی نہیں۔“ آسیہ ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے ایسے بے تکلفی سے بولی جیسے اس سے برسوں کی دوستی ہو حالانکہ خرم نے ان سب کو کبھی گھاس نہیں ڈالی تھی تنہا بھی وہ انہیں محض اپنے مطلب سے یہاں لے کر آیا تھا۔

وہ کوئی شادی میں کھانا کھانے نہیں آیا تھا جو چپکے سے کھس آتا اسے تو محل کے دیوہ اگر کم از کم ایک محنت تو اسے پکانا تھا جو اسی وقت ممکن تھا جب اس کے ساتھ یونیورسٹی کے دوسرے اسٹوڈنٹس بھی موجود ہوں یعنی کہ محل کی اپنی کلاس فیلوز ورنہ تو محل اس کی بات سننے بغیر ہی اسٹیج پر دو میلہ کے پاس یا کسی بزرگ خواتین کے جمع گھٹنے میں جا کر بیٹھ جاتی اور خرم کا یہاں تک اتار اڑا گئے جلا جاتا۔

جب سے اس نے سنا تھا کہ وہ سمیر کے ساتھ کینٹین میں بیٹھی تھی تب سے خرم پر اس کی اس حرکت کا جواب دینے کی دھن سوار تھی وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا جو محل کے اس اقدام کے پیچھے پوشیدہ سبب کو نہ سمجھتا۔

محل اس قسم کی لڑکی نہیں تھی جو یونیورسٹی جا کر بلاوجہ لڑکوں سے بے تکلف ہو جاتی اس نے اگر پہلی بار اس طرح کی کوئی حرکت کی تھی تو ضرور اس کے پیچھے صرف اور صرف خرم کو جلانا مقصود ہو گا۔

پہلے تو خرم نے حید کی بات پر یقین ہی نہیں کیا مگر جب انداز نے بھی آخر کی بات کہی بلکہ یہاں تک کہا کہ اس نے خود انہیں کینٹین کی طرف ساتھ جاتے دیکھا ہے تب خرم اسے جھٹلانہ سکا۔ محل کے بارے میں ایسی بات سن کر فوری طور پر اسے اچھا خاصا شاک لگا تھا مگر جیسے جیسے وہ اس شاک سے باہر آیا اس کا خون ابلنے لگا۔

گویا محل اب اس سے بدلہ لینے کے لیے اس کے دشمن سے دوستی کرے گی وہ بھی سمیر جیسے گھٹیا شخص سے۔

خرم کا دل جاپا پلے تو جا کر سمیر کا ہی حال لھکانے لگا دے مگر وہ سمیر سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جب اپنا ہی سکھوٹا ہوتا دوسرے کو کیا مورد الزام ٹھہرانا اس وقت سمیر کے منہ لگانا اپنی ہی بے عزتی کرنا تھا بلکہ خرم تو چاہ رہا تھا جب تک وہ محل کی اس انتہائی کارروائی کا سدباب نہیں کر لیتا اس کا اور سمیر کا سامنا ہی نہ ہو۔

ورنہ خواہو وہی سمیر کو اسے طعنہ مارنے کا موقع مل جائے گا۔ دوسری طرف اس کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ ابھی اور اسی وقت محل سے اپنی مگنی توڑ ڈالے تاکہ اس کے کسی بھی فعل سے خرم کی عزت نفس کو کوئی دھچکانہ لگے مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

یہی تو محل چاہتی تھی ایسا کر کے تو وہ محل کو خوش کر دے گا اسے تو محل کو اور جلانا اور تڑپانا چاہیے نہ کہ اسے اس کے مقصد میں کامیاب کر دے۔

بس یہی سب سوچتے ہوئے اس نے بالکل اچانک دو میلہ کی شادی میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کوئی بھی ایسا

واقعہ کو اتنا نہیں چاہتا تھا جس میں وہ محل کو بیچ کر سکے چنانچہ اس وقت محل کے چہرے پر پھیلی کوفت اور ہزاروں کچھ کر اس کی ہستی کا غور بحال ہونے لگا تھا۔ اور اس میں بہت ہاتھ اس کے ساتھ تکی لڑکیوں کا تھا۔ اگر وہ حید کے سنائے ان کی پہلی ملاقات کے قہے پر حیرت و خوشی کا اظہار نہ کر رہی ہوتی تو محل کے چہرے کے یہ تاثرات دیکھنے کو بھی نہ ملتے۔

آف داسٹ کھر کی خوب گھیر وار فراک اور چوڑی دار میں اس کی گلابی رنگت بالکل سرخ ہو چکی تھی کیونکہ وہ لڑکیاں باتیں ہی ایسی کر رہی تھیں۔

”کمال سے خرم کس قدر مہارت سے تم نے میسے نکالے کہ محل کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔“

”لیکن محل تم خرم کے ساتھ شادی کے لیے کیسے تیار ہو گئیں۔“ ایک لڑکی نے حیرانی سے پوچھا تو آسیہ فوراً

ٹھک کر بولی۔

”محل کو تو تیار ہونا ہی تھا یہ اکثر نا اور خرم کو کھانا اپنی ویلیو پیمانے کی حد تک تو ٹھیک ہے ورنہ خرم کو بھلا کوئی لڑکی کیسے انکار کر سکتی ہے۔“ آسیہ کا لہجہ اور اس کی بات محل کو سخت ناگوار گزری تھی وہ سارا لحاظ پھلانے طاق دھکتے ہوئے سختی سے بولی۔

”ایک سیکوڑی۔ میں ان میں سے نہیں ہوں جو بلاوجہ کی اکڑ اور خرم دھکتا ہی ہیں ہاں البتہ کسی کی شکل پر

فدا ہو کر یا اس کی دولت سے متاثر ہو کر ایک انجان نا محرم کے آگے پیچھے پھرنے کو اگر تم ساہنہ لوجی کہتی ہو تو میں

لعنت بھیجتی ہوں ایسی سادگی اور ایسی لڑکیوں پر جو اپنی اتار و عزت نفس کی ہوجھیاں اڑا کر لڑکوں کے قدموں میں بکھر جاتی ہیں۔“ محل انکار سے چبا رہی تھی اس کی زبان سے نکلے شعلوں نے محفل کو چھوڑ کر وہاں کھڑی ساری

لڑکیوں کو جسم کر دیا تھا البتہ خرم اور اس کے دوست اس صورت حال سے اچھی طرح لطف اندوز ہو رہے تھے

خرم کو تو دلی مسرت حاصل ہو رہی تھی انہیں اپنی ذات کی وجہ سے تکرار کرنا دیکھ کر تب ہی خرم نے آسیہ کو

پا پارتے ہوئے کہا جو محل کو کوئی بہت سی سخت بات کہنے والی تھی۔

”کم آن آسیہ! تم بھی ناہد کرتی ہو۔ ایک لڑکی کے سامنے تم اس کے معیشت کی تعریف کر رہی ہو جبکہ اسی کے

ساتھ اس قدر تیار ہو کر شادی اخیذ کرنے آئی ہو پھر اس کی جلی کٹی سننے کے لیے تو تمہیں تیار رہنا چاہیے نا اب

اتنا تو حق بنتا ہے نا محل کا کہ وہ خود کو ان سیکوڑ (خیر محفوظ) بل کرے۔

دیکھو نا جس کے معیشت پر ہر لڑکی فدا ہو اور جو کسی بھی لڑکی کے ساتھ آسانی سے فطرت کر سکتا ہو اس لڑکی کے

لے اپنے معیشت کو اتنی ساری لڑکیوں کے ساتھ آتا دیکھ کر انہیں ہواشت کرنا ہے تو مشکل کام۔

یہ جو محل کہہ رہی ہے ہم بغیر انوٹیشن کے آگئے یہ سب اسی کا توری ایکشن ہے۔“ خرم اپنی مخصوص دل

ہانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے تاک تاک کر نشانے لگا رہا تھا کہ محل بلبلانے اور واقعی محل نے خود پر

اپنی مشکل سے ضبط کر رکھا تھا۔ پھر بھی جب وہ بولی تو اتنی ہواشت کے باوجود اس کے لہجہ میں تھوڑی دھار سے

کسی زیادہ کٹ تھی۔

”تم اپنے آپ کو بہت بڑا ہیرو سمجھتے ہو نا تمہارے خیال سے تم کسی بھی لڑکی کو بڑی آسانی سے امپریس کر سکتے

”میں سمجھتا نہیں ہوں میں جانتا ہوں۔“ خرم نے بھرپور اعتماد کے ساتھ کہا تو محل براہ راست اس کی آنکھوں

میں دھکتے ہوئے بڑے جیلنگ انداز میں پوچھنے لگی۔

”ایا میں آنا کر دیکھ سکتی ہوں۔“ خرم اس کی بات کا پس منظر تو نہیں سمجھا لیکن اگر وہ کسی کام کے لیے جیلنگ

کر رہی تھی تو بھلا خرم حسن کیسے پیچھے ہٹ سکتا تھا وہ ہنوز اپنے سابقہ خود اعتمادی لہجے میں بولا۔

"بالکل ایسے چاہو آنالو۔" سب لوگوں کو سنا کر سو گئے کیا سنیل سمیت سب ان دونوں کو بے یقینی سے دیکھ رہے تھے جب نمل نے انگلی اٹھا کر بل روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں جو پنگ کمر کے کپڑوں میں لڑکی بیٹھی ہے کیا اس کا موبائل نمبر لا کر دے سکتے ہو۔" سنیل کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں نمل کے اس قدر غیر مناسب مطالبے پر۔

ان سب نے ایک ساتھ کمرن تھا کر نمل کی انگلی کے تعاقب میں دیکھا تو وہاں واقعی گلابی کپڑوں میں بلوس ایک ہلاکی خنجر لڑکی تن تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔

خرم کی سمجھ میں نہ آیا وہ اسے کیا جواب دے تب ہی نمل دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے ایسے بولی جسے دریا دلی کی حد کر دی ہو۔

"یہاں مشکل کام ہے نا اتنے کم وقت کے اندر کسی لڑکی کا یوں کسی کو اپنا موبائل نمبر اٹھا کر دے نا بالکل ناممکن کی بات ہے۔"

مگر جس شخص کو لڑکی کمر لگا جاتا ہو اس کے لیے تو اتنا مشکل نہیں مگر وہ تو مجھے گھنٹے میں ایک لڑکی کا نمبر نہیں لا سکتا تو اس میں اور عام لڑکوں میں فرق ہی کیا رہ گیا۔" نمل کا لہجہ طعنے بھر پور تھا۔

وہ سب اس بل روم کی ڈائمنڈ ٹیبل پر بیٹھی لڑکی کی بجائے جس بھری نظروں سے خرم کو دیکھ رہے تھے جبکہ خرم بڑی سنجیدگی سے نمل کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ جو خرم کو اتنے سارے لوگوں کے سچ کھٹکھٹ میں ڈال کر خوشی سے پھٹکنے کے ساتھ ساتھ بے پناہ سکون محسوس کرتے ہوئے خاموش آلود ہو گئی تھیں۔

"نمل یہ ٹھیک نہیں ہے تو حاکم نہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔" خرم کو خاموش دیکھ کر تیر نے فوراً اس کی حمایت کی۔

"ٹھیک ہے تو میں نام پوچھا کر ایک گھنٹہ کر دیتی ہوں ورنہ میں نے تو تو حاکم نہ تمہاری ہی بات سن کر کہہ دیا تھا کہ بعداً خرم کو کوئی لڑکی کیسے انکار کر سکتی ہے۔" نمل نے بظاہر معصومیت سے کہتے ہوئے کندھے اچکا دے۔

"اس انکار میں اور اس انکار میں بہت فرق ہے کسی راہ چلتی لڑکی سے اس کا نمبر حاصل کرنا کوئی مذاق نہیں ہے یا۔" تو حاکم نہ تو کیا ایک گھنٹہ بھی اس کام کے لیے بہت کم ہیں۔" ان کی کلاس کی ایک اور لڑکی کو بھی اس زیادتی پر احتجاج ہوا تھا البتہ خرم کے دوست بالکل خاموش تھے۔

حمید اور وہی تو اپنی فطرت کے مطابق اس انتظار میں تھے کہ خرم یہ چیلنج قبول کر لے وہ اس لڑکی سے نمبر ہاتھ لے جائے اور وہ لڑکی نکالنا سا جواب دے کر خرم کو سب کے سامنے بے عزت کر دے۔

جبکہ نادور اور ہارون غیر جانبدار بنے کھڑے تھے ایسے جیسے دیکھیں یہ اونٹ کس کوٹ بیٹھتا ہے۔

"تو ٹھیک ہے میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا کہ پتا چلے خرم کتنی پانی میں ہے لیکن اگر خرم کو یہ کام اپنے بس کا نہیں لگتا تو اس کے ساتھ کوئی نذر زبردستی تو ہے نہیں نہ منع کر دے۔" نمل اب بھی پرسکون لیجے میں بظاہر خوش دلی سے بولی۔

سنیل بھی اب حیران ہونا چھوڑ کر دلچسپی سے خرم کی شکل دیکھنے لگی جو بالکل جامہ نظروں سے نمل کو دیکھ رہا تھا پھر آخر وہ کچھ ٹھہرے ہوئے انداز میں بڑے ہی عجیب لیجے کے ساتھ بولا۔

"اگر میں تو مجھے گھنٹے میں اس کا نمبر لا کر دکھا دوں تو؟"

"تو؟" نمل نے اس کے لیجے اور سوال کو نہ سمجھتے ہوئے سوالیہ انداز میں دہرایا۔

"بھئی اگر تم شرط لگا رہی ہو تو یہ تو بتاؤ کہ شرط جیتنے کی صورت میں مجھے ملے گا کیا؟" خرم اب بھی بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

نمل نے ایک نظر ان سب کو دیکھا جو سانس روکے ان دونوں کے ردیوں اور جملوں کا مشاہدہ کر رہے تھے پھر انہیں اپنا کاتے ہوئے بولی۔

"جو تم شرط ہارنے کی صورت میں دے سکتے ہو وہی نہیں شرط جیتنے کی صورت میں مل جائے گا۔"

"میں تو کچھ بھی دینے اور کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

In the other words (دوسرے لفظوں میں) تم جو کوئی میں کروں گا۔" خرم کے سنجیدہ لیجے میں بلا کا استحکام تھا اپنی بات ختم کر کے وہ استغناء سے نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو نمل اس کی بات سمجھتے ہوئے ہچکچائے بغیر رکے اس کی طرح مضبوط لیجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو میں بھی جو تم کو دے کر دوں گی۔" سنیل نے غیر محسوس انداز میں ہڈی آہستگی سے نمل کا ہاتھ پکڑ کر دیا۔ مگر نمل نے بھی غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

سنیل گرجان کھٹا کر پریشان نظروں سے اپنے برابر میں کھڑی نمل کو دیکھنے لگی جسے اپنی بات کی گہرائی کا اندازہ نہیں تھا اور شاید اب اندازہ کر لینے کا قائلہ بھی نہیں تھا کیونکہ اتنے سارے لوگوں کے سچ میں جو بات نمل کہہ چکی تھی وہ اس سے بھر نہیں سکتی تھی۔

اس کی بات پر خرم تو جوں کا توں کھڑا رہا البتہ باقی لوگوں کا ردِ نمل خاصا حیران کن تھا لڑکیوں بڑی تجسس بھری نظروں سے کبھی نمل کو تو کبھی خرم کو دیکھ رہی تھیں۔

جبکہ حمید اور وہی مسخر بھری نظروں سے خرم کو دیکھ رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں۔

"اب کیا ناؤنٹ ہماڑ کے نیچے پوئے آئے کس کے ہیرو صاحب تیار ہو کر آگے شادی ہانڈ کر کے بہت اچھا کیا جو نمل نے اتنے لوگوں کے سچ یہ چیلنج کر دیا اب اسے ان سب کے سامنے ہارنے کی شرمندگی سے گزرنا پڑے گا اور اس کے بعد نمل بھی جہانے کے طور پر نہ جائے کیا مانگ لے انہیں نمل سے کسی قسم کی بھلائی کی امید تو دیتے بھی نہیں تھی ان کی شدید خواہش تھی کہ نمل جیتنے کے بعد خرم کو اگلے دن بھری یونیورسٹی میں سب کے سامنے مرقع بننے کو کہہ دے۔

ہارون اور نادور نے صرف ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا تھا جیسے خرم کے اس چیلنج کو قبول کرنا دیکھ کر اس کی نالائی پر تھوڑی سی کوفت ہوئی ہو۔

البتہ سب سے بری حالت سنیل کی تھی اس کا بس میں چل رہا تھا کہ نمل کو ایک طرف لے جا کر اس کی اس حرکت پر اسے جھاڑ کر دے مگر وہ مصلحتاً خاموش رہی یہ اور بات تھی کہ اس کے چہرے پر بے چینی واضح تھی۔

خرم نمل کی بات سن کر کچھ دیر اسے دیکھا رہا پھر اپنے سابقہ سنجیدہ لیجے سے ہنستے ہوئے ایک دم ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

"مذہوری گند۔ اب اپنی بات سے مکرنا نہیں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رکھنا تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ کا ٹائم ہے۔" نمل نے یاد دہانی کراتے ہوئے کہا تو ایک بل کے لیے خرم کے گل میں کیا کہہ دے۔

"مجھے ایک گھنٹے کی ضرورت نہیں تو حاکم نہ ہی بہت ہے۔"

گلاب کی اس خواہش کو نمل نے بروقت دبا دیا ایک بالکل ناممکن لڑکی ہے جا کر اس کا موبائل نمبر لگنا کوئی مذاق نہیں تھا اس کام کے لیے ایک گھنٹہ بھی کم تھا۔

اس لڑکی سے جھاڑنے کی تو کوئی خاص فکر نہیں تھی البتہ وہ نمل سے ہار کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا

مست کر رہی

زوسہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ زوسہ ان سے بات کر کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوئی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زوسہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

روسیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لہج کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انہیں سچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوسہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

۲۳
تیسویں قسط



رومیلمہ کے حنا سے سجے ہاتھوں میں اگر چوڑیوں کے ساتھ گھڑی ہوتی تو وہ اب تک دس بار دیکھ چکی ہوتی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وقت بڑی ست روی سے گزر رہا ہے یا اس کو گاڑی میں بٹھا کر لانے والے گھر پہنچنے کے بعد اسے اتارنا ہی بھول گئے ہیں۔

اس کے ارد گرد بالکل جامد سا ناچا ہوا تھا کہ اسے اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ آخر جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اس نے اپنا جھکا سر اوپر کرتے ہوئے گود تک آئی چادر کا کنارہ ذرا سا اونچا کیا اور گاڑی کے شیشوں سے دور تک پھیلے سنائے کو دیکھ کر گویا اپنی چادر کو پورا ہی الٹ دیا۔ یہ یقین ہوتے ہی کہ وہ مکمل طور پر تنہا ہے اس نے آرام دہ حالت میں اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے پشت کو پوری طرح سے گاڑی کی سیٹ سے لگا لیا۔

گردن کو دائیں بائیں موڑتے ہوئے اور کندھوں کو اوپر سے نیچے کی طرف گھماتے ہوئے اس نے گھنٹوں سے ایک ہی انداز میں بیٹھے ہونے کے باعث اپنے اکڑے ہوئے پٹھوں کو خاصا سکون پہنچایا تھا۔ مگر اس دوران جیسے جیسے وہ اپنے ارد گرد سے آشنا ہو رہی تھی ویسے اس کا ذہنی سکون ہوا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ایک بہت ہی خوب صورت بیگلے کے سامنے بنے پورچ میں گھڑی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ پورچ کی تمام اور بیگلے کی بیشتر ٹیشیں جلی ہوئی تھیں جس کی روشنی میں بخوبی ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے آس پاس تو کیا دور دور تک کوئی آدم زاد موجود نہیں ہے۔

جب سے اس کی شادی طے ہوئی تھی تب سے اس کے ساتھ عجیب و غریب صورت حال درپیش رہی تھی جو کچھ بھی ہو رہا ہے بڑے ہی غیر مطمئن انداز میں اور بالکل اچانک ہو رہا تھا۔ لیکن آج تو جیسے پانی سر سے اوپر ہو گیا تھا بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے کہ دلہن کو گھرانے کے بعد اسے اندر کمرے تک لے جانے کی بجائے باہر گاڑی میں ہی اکیلا چھوڑ دیا جائے۔

اسے اپنی سخت بے عزتی محسوس ہو رہی تھی اس کے اندازے کے مطابق اسے یہاں انتظار کرتے ہوئے آواہمندانہ یا پختیس منٹ تو ہو ہی گئے تھے۔ وہ ان سب کی اس درجہ بد تمیزی اور بد اخلاقی پر تیج و تاب کھاتی ایک جھٹکے سے دروازہ کھولتی گاڑی سے اتر آئی اور اپنے پیچھے جب اس نے پوری قوت سے دروازہ بند کیا تو اس دروازے سے بھی زیادہ زوردار آواز سن کر بری طرح ڈر گئی۔

”کون...؟ کون ہے بے؟“ آواز بہت بھاری اور مردانہ تھی رومیلمہ نے گھبرا کر آواز کی سمت دیکھا۔ گیٹ کے پاس ایک چھوٹا سا کمرہ بنا تھا جہاں چوکیدار بیٹھا تھا گیٹ اور کمرہ اس سے خاصے فاصلے پر تھا اسی لیے چوکیدار کو کمرے سے نکل کر گاڑی تک آنے میں تھوڑا سا تاخیر لگا تھا۔ لہذا چوڑا بڑی بڑی خطرناک مونچھوں والا چوکیدار کمر پر بڑی سی گن لٹکائے رومیلمہ کے سامنے آگھڑا ہوا اور خونخوار نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

”کون ہو تم اور اندر کیسے آئیں؟“ اس کی نظروں میں رومیلمہ کے لیے اتنے شک و شبہات تھے کہ رومیلمہ خواہ مخواہ مجبوانہ کیفیت کا شکار ہوتے ہوئے ہٹلانے لگی۔

”م...م...م... میں۔“ رومیلمہ سے ابھی بولا بھی نہیں گیا تھا کہ اس نے کندھے پر رکھی گن رومیلمہ کے سامنے کرتے ہوئے بڑے جارحانہ انداز میں کہا۔

”سیدھی طرح بتا اس گاڑی میں چھپی کیا کر رہی تھی ورنہ۔“ جس طرح اس نے ورنہ کے آگے جملہ ادھورا چھوڑا تھا اس پر رومیلمہ کے روٹنے کھڑے ہو گئے تھے وہ ایک دم ہراساں ہو کر بولی۔

”میں... میں... میں چھپی ہوئی نہیں تھی... میں... میں تو ان کے ساتھ آئی ہوں۔“ اس نے گھر کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔

”کن کے ساتھ؟“ وہ ابھی بھی غرا کر بولا۔

”یہ... یہ جو اس گھر میں رہتے ہیں۔“ رومیلمہ کو محض چند دفعہ کا سنا نام بالکل یاد ہی نہیں آ رہا تھا جس پر وہ خود گواہوں کی موجودگی میں تین بار بول رہی تھی۔

”کون رہتا ہے اس گھر میں؟“ وہ دھاڑا تو رومیلمہ بری طرح روہانسی ہو گئی اور کچھ بول ہی نہ سکی۔

”نام معلوم نہیں ہے اور پھر بھی بولتی ہے ساتھ آئی ہے ارے وہ تو کب کے اندر جا چکے تو کیا تب سے گاڑی میں بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی۔“ چوکیدار نے گن کی نوک اس کے کندھے میں پیوست کرتے ہوئے اسے پیچھے کی طرف دھکا دیا تو وہ دو چار قدم لڑکھڑائی جس کے باعث چوڑیوں کی کھنک سے بے اختیار جلتنگ سا بج اٹھا۔

اس نے ایک بڑی سی چادر اوڑھ رکھی تھی اس لیے اس کا دلہن والا روپ چوکیدار نہیں دیکھ سکا تھا مگر اس کا چہرہ کھلا تھا جس پر قل میک اپ کے ساتھ ٹیکا اور نکتہ اسے دلہن کی طرح بہت زیادہ تیار لڑکی ثابت کر رہے تھے۔

آدھی رات کو سچے سنورے روپ کے ساتھ وہ کسی کے گھر میں چوری چھپے گھس آئی تھی یہ سب دیکھتے ہوئے چوکیدار کا رویہ اس کے ساتھ بالکل مناسب اور حق بجانب تھا۔

مگر رومیلمہ کے لیے اس صورت حال کو برداشت کرنا بڑا ذلت آمیز تھا چوکیدار کے اس بری طرح جھڑکنے اور دھتکارنے پر رومیلمہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے بمشکل خود کو بکھرنے سے بچاتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ... آپ گھر میں سے کسی کو بلا کر پوچھ لیں۔ میں ان لوگوں کے ساتھ آئی ہوں وہ لوگ خود مجھے لے کر آئے ہیں۔ میں... میں الیان کی بیوی ہوں۔“ جیسے کوئی بجلی چمکتی ہے ویسے ہی رومیلمہ کو بالکل اچانک الیان کا نام یاد آ گیا تو وہ تیزی سے کہہ گئی۔

البتہ کہنے کے بعد اس کے اپنے احساسات عجیب سے ہو گئے اپنے لیے بیوی کا لفظ استعمال کرنا اسے بڑا مصنوعی سا لگا تھا جیسے اس نے اپنی جان چھڑانے کے لیے جھوٹ بول دیا ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ مقابل کے تاثرات بھی کچھ اس کے جیسے ہی تھے اس نے بڑے بگڑے ہوئے انداز میں اس کے الفاظ دہرائے تھے۔

”الیان صاحب کی بیوی۔“ اس کا لب و لہجہ رومیلمہ کو شرمندہ کر گیا بھلا بیوی بھی ایسی ہوتی ہے کیا جسے رخصت کے بعد گھر میں لے جانے کی بجائے گاڑی میں ہی چھوڑ دیا جائے۔

اس سے پہلے کہ چوکیدار مزید کچھ کہہ کر اس کی خجالت میں اضافہ کرنا رومیلمہ بڑی انکساری کے ساتھ جلدی سے بولی۔

”میرا... میرا یقین کرو۔ چاہو تو گھر میں سے کسی کو بلا کر تصدیق کر لو۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی آج ہی میری الیان کے ساتھ شادی ہوئی ہے۔“ رومیلمہ کی بھرائی ہوئی آواز میں آنسوؤں کی نمی صاف محسوس کی جاسکتی تھی پھر بھی چوکیدار کا دل ذرا نہیں ہسچا البتہ وہ سوچ میں ضرور پڑ گیا۔

اس نے خود اسے الیان کے گاڑی سے اترتے دیکھا تھا اس کا حلیہ بھی اس کے نئی نو ملی دلہن ہونے کا پتا دے رہا تھا کہیں وہ واقعی سچ ہی نہ کہہ رہی ہو۔ یا اگر جھوٹ بھی بول رہی تھی تو بھی جس طرح وہ گھر میں گھس آئی تھی وہ سب اسے مالکوں کو بتانا تو ضرور تھا تاکہ وہ بتا سکیں کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

وہ کچھ لمحے اسے مشکوک نظروں سے گھورتا رہا پھر اپنے مخصوص غرائے ہوئے لہجے میں دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا۔

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels, Imran series, Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or send message at 0336-5557121

”خبردار جو کوئی ہو شکاری دکھانے کی کوشش کی چل گیٹ کی طرف چل چوکیدار کے کمرے میں انٹرکام لگا تھا وہ اسے کمرے کے باہر کھڑا کر کے اندر الیان یا کسی اور سے بات کرنا چاہتا تھا اسی لیے گن کو ہلاتے ہوئے اسے چلنے کا اشارہ کرتے لگا۔

لیکن رومیلا اس کے اشارے پر سمجھی کہ وہ اسے گیٹ سے باہر نکالنے کے لیے لے جانا چاہتا ہے تو بے ساختہ اس کی آنکھیں چمک پڑیں۔

”میرا یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول رہی۔“ وہ مزید اس کے سامنے گڑگڑانے لگی مگر آواز ساتھ چھوڑ گئی تو اسے خاموش ہونا پڑا۔

چوکیدار کو بے وقت کی راگنی سخت ناگوار گزری تو فٹ کر بولا۔

”اوتے خاموش ہو جاؤ۔ جو بولا ہے وہ کرو۔“ رومیلا اس کی دھجڑ پر خوفزدہ ہو کر بغیر سوچے سمجھے آگے بڑھ گئی۔

اس نے قدم گیٹ کی جانب بڑھاتے ہوئے ایک بار پھر اسے یقین دلانا چاہا مگر گلے میں آنسوؤں کا گولا سا بندھا تھا وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی لیکن جب چوکیدار نے گیٹ کھولنے کی بجائے اپنے کمرے میں قدم رکھا تو جیسے رومیلا کی جان ہی نکل گئی۔

اک پل میں اس نے جانے کیا کچھ سوچ لیا خوف کی ایک سنسناتی شدید لہر اس کی ایز می سے لے کر سر کے بالوں تک میں دوڑ گئی۔

اس نے مٹھیاں جھپٹتے ہوئے دانت پروانت جما کر یوری قوت سے چلانا چاہا تھا کہ چوکیدار کو انٹرکام اٹھا کر بٹن دبا تو دیکھ کر اس کے تپتے ہوئے اعصاب یکدم ڈھیلے پڑ گئے اسے لگا ایک ہی پل میں اس نے طویل مسافت طے کر لی ہو موت اور زندگی کا عمل کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے اس سے صرف وہی واقف ہوتا ہے جو اس سے گزرا ہو مگر رومیلا کو لگا تھا وہ اس تجربے سے آج ہی گزری ہے جیسے مرنے کے بعد اسے دوبارہ اٹھایا گیا ہو۔

اس نے بے اختیار آنکھیں بند کرتے ہوئے گہرا سانس کھینچا مگر یہ سکون اس خیال کے آتے ہی دوبارہ درہم برہم ہو گیا کہ جانے چوکیدار کے تصدیق کرنے پر وہ لوگ اندر سے کیا جواب دیں گے۔

ان کے سابقہ رویے کو دھیان میں رکھتے ہوئے رومیلا کو ان سے کوئی خاص اچھی امید نہیں تھی کیا عجب اگر وہ اسے باہر ہی بھول کر سونے بھی لیٹ گئے ہوں۔

چوکیدار ریسیور کان سے لگائے کسی کے انٹرکام اٹھانے کا انتظار کر رہا تھا اور رومیلا جا بختی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جیسے اس کے تاثرات سے — دوسری طرف سے سینے والے جواب کا اندازہ لگانا چاہ رہی ہو ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایک سوال بڑی شدت سے ابھر رہا تھا۔

”اگر انہیں یہی رویہ روار کھنا تھا تو ان لوگوں کو اسے ہونا کر گھرانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“

الیان کے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا اسے لگ رہا تھا غم و غصے سے اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی اپنے مجرم کو پہچان لینے کے باوجود وہ آگے بڑھ کر اس کا گریبان نہیں پکڑ سکتا تھا۔

اس کی چھوٹی بہن اس کے گھر کی عزت اس کے والدین کی آنکھوں کا تارہ اور ان سب کے دل کا قرار اس ذلیل اور خبیث انسان کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی جانے اس شخص نے بریرہ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا اور سلوک کی بات تو بعد کی تھی وہ اگر اسے فانیو اشار ہو نل میں بھی رکھ لیتا تب بھی وہ جس ذہنی اذیت اور جذباتی دباؤ سے گزر رہی تھی یا اس کے گھروالے جس طرح پل پل پل صراط سے گزر رہے تھے اس کے سامنے ابرار کا ہر رویہ



مے گھر چلی گئی ہے۔

”تو اس کی بھانجی کو لے کر جائیں اور اسے کچھ کھانے پینے کے لیے دیں۔“ الیان بری طرح زچ ہو کر سخت برہمی سے بولا تو وہ کچھ خائف ہو کر ریاض غفار کو دیکھنے لگیں۔

”بیگم آپ ابھی جائیں میں کہہ رہا ہوں نا بریرہ گھر آجائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ پلیز ابھی آپ چلی جائیں۔“ ریاض غفار کے بار بار کہنے پر وہ بھی سمجھ گئیں کہ وہ دونوں ان کے سامنے کوئی بات نہیں کریں گے وہ ایک خفاسی نظر ان پر ڈال کر کمرے سے نکل گئیں مگر باہر رو میلہ کے پاس جانے کی بجائے وہ الیان کے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوئیں جہاں سے اندر ہونے والی گفتگو آرام سے سنی جاسکتی تھی تبھی انہوں نے ریاض غفار کی آواز واضح طور پر سنی۔

”کیا ہوا الیان! تم نے گاڑی میں یہ کیوں کہا تھا کہ ابھی خاموش رہیں آپ کو گھر جا کر ایک بات بتانی ہے۔“ الیان ان کے پوچھنے پر کچھ دیر انہیں دکھاتا رہا پھر ایک ایک لفظ ایسے بولا جیسے لوہے کے پتے چبا رہا ہو۔

”میں نے بریرہ کے کڈنہیہ کو پہچان لیا ہے وہ وہاں شادی میں موجود تھا۔“

”کون؟ کون تھا وہ۔“ ریاض غفار کے ساتھ ساتھ باہر کھڑی شگفتہ غفار بھی چونک اٹھیں۔

”دلہن کا بھائی ابرار۔“ الیان کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی ریاض غفار اچھٹے سے بولے۔

”کیا کہہ رہے ہو تم؟ کیا۔ کیا تمہیں یقین ہے؟“

”میرے یقین کی ابرار نے تصدیق بھی کر دی ہے۔“ الیان سرد لہجے میں بولا۔

”واٹ؟ تم نے اس موضوع پر اس سے بات بھی کر لی کیا تمہیں اندازہ نہیں اسے طیش دلا تا بریرہ کے لیے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اگر تم سمجھ بھی گئے تھے تو بھی تمہیں انجان بن جانا چاہیے تھا اب اگر اس نے انتقاماً بریرہ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہی تو۔ تو۔“ ریاض غفار کی سوئی ایک جگہ آکر انگ گئی تو الیان سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”میں بے اختیار ہو گیا تھا بعد میں مجھے بھی احساس ہو گیا تھا تبھی میرے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا لیکن یہ سب می کو بتانا نہیں چاہیے ابھی تک تو ہمیں صرف اندازہ تھا کہ سب اس لڑکی کے گھر والے کر رہے ہوں گے لیکن اب تو یقین ہو گیا ہے ایسے میں می کے لیے اپنے جذبات پر قابو رکھنا سخت دشوار ہے۔

وہ اس لڑکی کو کچھ بھی الٹا سیدھا کہہ دیں گی جس کا خمیازہ ہماری آئندہ کی پوری نسل کو بھرتا پڑے گا، خدا نا خواستہ ایک بار بریرہ کا کردار زبان عام پر آگیا پھر ہمارے پاس رہی کیا جائے گا۔

یہ ساری شان و شوکت یہ تمام دولت و امارت سب اس کے دامن کے داغ کو نہیں دھو سکتی۔“ الیان کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ دروازے کو زوردار آواز کے ساتھ کھولتی شگفتہ غفار کمرے میں داخل ہو گئیں اور دھاڑ کر بولیں۔

”ہاں اس کے دامن پر گئے داغ کو اب کوئی نہیں دھو سکتا۔ اس لیے ہم سب خاموش ہو کر بیٹھ جائیں اور اس غلاظت کے ڈھیر کو اپنے گھر کی بہو بنا کر رکھ لیں۔“

میں اسے کھانا کھاؤں اسے اپنی بیٹی کے کپڑے نکال کر دے دوں اسے کسی مہمان خصوصی کی طرح گیٹ روم میں آرام کے لیے لے جاؤں۔“ الیان اور ریاض غفار انہیں دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ہکا بکا رہ گئے فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ انہیں کیسے روکیں اور کیسے ان کے اندر سے پھٹ کر نکلتے لاوے کو ٹھنڈا کریں۔

ان کا یہ شدید رد عمل اپنی جگہ درست تھا بلکہ الیان ان سے ایسے ہی رویے کی توقع کر رہا تھا تبھی وہ ان کے سامنے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا بے اختیار ریاض غفار کو دیکھنے لگا جو خود مدد طلب نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

تھا۔

اور اتنی تکلیف دینے والا شخص اس کے سامنے کھڑا تھا اور الیان چپ چاپ نا صرف وہاں سے واپس آگیا بلکہ اس کی بہن کو اپنی بیوی بنا کر بھی لے آیا۔

اپنی بے بسی پر اسے خود اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی دل تو چاہ رہا تھا بھری محفل میں ابرار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اس کا خود پر سے ضبط ختم ہونے لگا تو اس نے جلدی مچا کر فوراً رخصتی عمل میں لائی اور آندھی طوفان کی طرح گاڑی چلاتا گھر آگیا۔

گاڑی کو پورے چار سو روپے میں روکتے ہی وہ اپنی جانب کا دروازہ کھول کر اتر گیا۔ ریاض غفار اور شگفتہ غفار نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر چار سو روپے پر ایک نظر ڈال کر وہ دونوں بھی گاڑی سے اتر کر الیان کے پیچھے برہم گئے۔

وہ ان کے اندر داخل ہونے تک اسے کمرے میں پہنچ چکا تھا اور موبائل جیب سے نکال کر کسی کو فون کرنے کے ارادہ کر رہا تھا جب ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

”آپ دونوں یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اور وہ لڑکی کہاں ہے؟“ جس ذہنی خلفشار سے وہ گزر رہا تھا اسے مد نظر رکھتے ہوئے ان دونوں نے ہی اس کے لہجے میں گھلی سختی کو نظر انداز کر دیا بلکہ ریاض غفار تو بڑے شفقت بھرے لہجے میں کہنے لگے۔

”وہ گاڑی میں ہی بیٹھی ہے تم اتنی تیزی سے گاڑی سے اتر کر یہاں آئے ہو کہ ہم دونوں گھبرا ہی گئے۔“

”آں۔ ہاں وہ مجھے ایک فون کرتا ہے آپ جائیں جا کر اس لڑکی کو گھر کے اندر لے کر آئیں بلکہ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے سرداراں (ملازمہ) سے کہیں اسے کچھ کھانے کے لیے دے دے اور بریرہ کے کوئی کپڑے بھی نکال کر دے دیں۔“

”وہ سب تو ہو جائے گا بیٹے لیکن پہلے یہ تو بتاؤ تم فون کے کر رہے ہو؟“ شگفتہ غفار کو تو اس وقت ہوا سے ہلتے پتوں سے بھی خوف آ رہا تھا ایسے میں الیان کا غیر معمولی رویہ بھلا انہیں کیوں نہ دھلاتا۔

”کیا مطلب کسے فون کر رہا ہوں۔“ تبھی بریرہ کڈنہیہ ہوئی ہے کوئی مذاق تو نہیں ہے نا میں کچھ تو بتا کر دوں گا ایسے ہاتھ رہا تھا رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا۔“ الیان بری طرح چپ گیا تو شگفتہ غفار مزید دل کر بولیں۔

”لیکن اب تو وہ بریرہ کو چھوڑ دیں گے نا اب تو ہم نے ان کی بات مان لی ہے یا اب وہ کوئی نیا مطالبہ کر رہے ہیں کیا؟ جو تم خود سے بریرہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”افوہ می کیا ہو گیا ہے آپ کو اتنی بڑی بات ان کی ہم نے مان لی ہے اب اور کوئی مطالبہ وہ لوگ کیوں کریں گے ڈیڈی پلیز سمجھائیں نا می کو اور جائیں جا کر اس لڑکی کو دیکھیں۔ آپ دونوں کو یاد ہے نا اس کڈنہیہ کی دھمکی کہ اس لڑکی کو بالکل بسو کی طرح گھرا کر رکھنا ہے۔ پہلے ہی ہم نے وہاں فنکشن میں بڑی بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے کہیں وہ ہمارے کسی رویے کو نیا دنا کر بریرہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ ابھی بریرہ اس کے قبضے میں ہے ہمیں ہر حال میں اس کی بات ماننی ہے۔“ الیان کا لہجہ اب بھی جھنجھلا رہا تھا ریاض غفار سمجھ گئے وہ ان دونوں کو یہاں سے ہٹانا چاہ رہا ہے مگر وہ خود یہاں سے جانا نہیں چاہ رہے تھے البتہ شگفتہ غفار کو منظر سے غائب کرنے کے لیے رسائی سے کہنے لگے۔

”الیان ٹھٹھک کہہ رہا ہے آپ سرداراں کے ساتھ جا کر اس لڑکی کو گیٹ روم میں ٹھہرا دیں بریرہ ان شاء اللہ تعالیٰ اب جلدی گھر آجائے گی۔“

”سرداراں تو نہیں ہے اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی تو وہ اپنی جگہ اپنی بھانجی کو چھوڑ کر آج شام ہی اپنی بیٹی

تو آخر الیان کو ہی آگے بڑھنا پڑا۔

”مہی۔ مہی آپ پلیرز بلیکس ہو۔“

”رہلیکس؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے الیان۔ میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے میرا دل چاہ رہا ہے میں باہر گاڑی میں بیٹھی اس لڑکی کو گولی مار دوں اور۔۔۔ اور تم کہہ رہے ہو میں رہلیکس ہو جاؤں۔“ ان کی آواز غم و غصے کی زیادتی سے پھٹ گئی تھی الیان کے لیے انہیں قابو کرنا مشکل تھا چنانچہ ریاض غفار نے بھی میدان میں آتے ہوئے کہا۔

”آگ صرف تمہارے اندر نہیں لگی ہوئی بلکہ یہاں ہم سب ہی جل رہے ہیں لیکن یہ وقت اپنے احساسات کے بارے میں سوچنے کا نہیں ہے بریرہ ابھی تک اس شخص کے پاس قید ہے اس کے رحم و کرم پر ہے۔

لہذا باہر گاڑی میں بیٹھی لڑکی سے چاہے جتنی بھی نفرت محسوس ہو چاہے اس پر جتنا بھی غصہ آئے اس کا اظہار کرنا سراسر حماقت ہے ہماری بریرہ کی بہتری کے لیے ہمیں اس بلیک میلر کی ہدایت پر جبراً عمل کرنا ہو گا۔“

”کب تک؟“ شگفتہ غفار نے سخت جڑے ہوئے مگر بڑے محسوس کجے میں پوچھا تو کچھ دیر تو ریاض غفار انہیں دیکھتے رہے پھر بڑے نڈھال سے انداز میں گویا ہوئے۔

”شاید ساری زندگی۔“ اس سے پہلے کہ شگفتہ غفار کچھ کہیں الیان تیزی سے بولا۔

”ہرگز نہیں! ساری زندگی ہم اس گڈنہد کے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہو سکتے۔“

”تو پھر کیا کرو گے تم۔“ ریاض غفار کے کجے میں حیرت تھی۔

”وہ تو مجھے بھی نہیں پتا مگر یہ تو طے ہے کہ میں اس لڑکی کو ساری زندگی کے لیے گھر نہیں لایا یہ صرف ایک مجبوری کا رشتہ ہے جو بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔“ الیان حتمی کجے میں بولا تو شگفتہ غفار مزید تپ گئیں۔

”اب رہنے دو یہ خیالی بے سروپا باتیں۔ تم اس رشتے کو کبھی نہیں توڑ سکو گے ساری زندگی ہم اس منحوس کو اس ڈر سے برداشت کرتے رہیں گے کہ کہیں اس کا بھائی بریرہ کے اغوا کے راز کو فاش نہ کر دے۔“ شگفتہ غفار کی بات کسی زنانے دار پھنکری طرح الیان کو لگی تھی اس کا پورا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

ریاض غفار نے بڑی ناگواری سے شگفتہ غفار کو دیکھا جو ان دونوں کے تاثرات پر دھتے ہوئے تنگ کر بولیں۔

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں دیکھ لینا ایسا ہی ہو گا۔“

”تو تم بتا دو اس مسئلے کا کوئی بہتر حل اگر تمہارے پاس ہے تو۔“ ریاض غفار بھنا کر بولے تو فوری طور پر شگفتہ غفار کچھ کہہ نہ سکیں اور انہیں چند ہی خاموش دیکھ کر ریاض غفار برہمی سے بولے۔

”جب کوئی مدد نہیں کر سکتیں تو مسائل بڑھانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ الیان تم کسے فون کرنے والے تھے“ ریاض غفار الیان کی طرف پلٹتے ہوئے بولے جو ابھی تک اس کیفیت سے باہر نہیں نکل سکا تھا جو شگفتہ غفار کے جملے کو سننے کے بعد ہوئی تھی۔

”بتاؤ نا الیان! یہ وقت فضول باتوں پر کڑھنے کا نہیں ہے اس وقت صرف بریرہ کے بارے میں سوچنا ہے۔“

ریاض غفار اسے بدستور شگفتہ غفار کو دیکھا تو کچھ کر رمانیت سے بولے۔

الیان۔ مگر سانس کھینچتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابراہ سے بات کرنے کے لیے اوپر آتا تھا کہ ابھی اور اسی وقت بریرہ کو واپس کر دو۔ وہ خود تو ہوتا نہیں کب فون کرے گا میں اس کے فون کا انتظار نہیں کر سکتا۔“

”ہاں فوراً“ فون کرو اسے ابھی اور اسی وقت پتا نہیں میری بچی کس حال میں ہوگی جانے اس کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی۔“ شگفتہ غفار تڑپ کر بولیں۔

”مہی آپ باہر جائیں پھر میں بات کروں گا۔“ الیان نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”کیوں کیوں میرے سامنے کیوں نہیں۔“ وہ چل اٹھیں۔

”مہی آپ کیوں یہ بار بار بھول جاتی ہیں بریرہ ابھی تک اس کے پاس ہے میں نہیں چاہتا پیچھے سے آپ کے کوئی غلط الفاظ اس کے کانوں میں بڑیں اور وہ اس کا انتقام بریرہ کو نشانہ سمجھنا کر لے۔“ الیان زنج ہوا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہو کیا تمہیں میرے دل کی حالت کا اندازہ نہیں۔ میرا ایک ایک پل انگڑوں پر گزر رہا ہے میرا دل پھٹا جا رہا ہے میری آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے بے چین ہیں میری بائیں اسے خود میں سمیٹ لینے کے لیے بے تاب ہیں اور تم کہہ رہے ہو میں باہر جاؤں گی تو تمہات کرو گے۔

ارے تم فون ملاؤ اور مجھے دو۔ میں بات کروں گی اس ذلیل انسان سے اور اس سے پوچھوں گی کیا انسان ہے وہ

نور ایک جوان لڑکی کا بھائی ہے اور وہ سرے کی بیٹی کو اغوا کرتے ہوئے ذرا خوف خدا نہ ہوا۔“

”فار گاڈ سیک شگفتہ! یہ وقت جذباتی ہونے کا نہیں ہے الیان ٹھیک کہہ رہا ہے تم باہر چلی جاؤ نہیں تو الیان تم

”سرے کمرے میں جا کر بات کر لو۔“ ریاض غفار شگفتہ غفار کا روٹا دھونا شروع ہو ما دیکھ کر تپ گئے اور ان کا یہ لب و لہجہ دیکھ کر شگفتہ غفار زار و قطار رونے لگیں اور پہلی بار الیان ان کے احساسات کی پروا کیے بغیر ان کے پاس سے گزرتا کمرے سے نکل گیا۔

اس وقت اس کے سر پر خون موار تھا اس کا مجرم اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کا گلابا سکتا تھا پھر بھی وہ کچھ نہ کر سکا اور محض اس کی شکل دیکھ کر آگیا۔

شگفتہ غفار اس کے اس انداز پر بلیک اٹھیں وہ تڑپ کر اس کے پیچھے بڑھی تھیں کہ ریاض غفار نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر لیا تھا۔

تو وہ ان پر بری طرح چیخ بڑیں انہوں نے پہلے ہی زندگی بھر اپنی چلائی تھی وہ کوئی خود سر قسم کی عورت نہیں تھیں مگر ریاض غفار سارے معاملات ان کے حوالے کر کے خود کار دہاری زندگی میں مصروف ہو گئے تھے چنانچہ شگفتہ غفار سارے فیصلے خود ہی کرنے لگیں اور جب ان کے فیصلوں کے نتائج بھی بہترین نکلنے لگے تو انہوں نے بالکل ہی

ریاض غفار سے مشورہ کرنا چھوڑ دیا۔

لہذا اس وقت ریاض غفار کا اس طرح انہیں روکنا انہیں خود پر ریاض غفار کا حاوی ہونے کی کوشش کرنا لگا تھا جو وہ بالکل برداشت نہیں کر سکیں اور ان ہی پر گزرنے لگیں۔

ریاض غفار نے بھی مطلق پروا نہ کی وہ چاہتے تھے الیان سکون سے ابرار سے بات کر لے بلکہ انہوں نے جان بوجھ کر ان کے چلانے کے دوران دو چار باتیں ایسی کہہ دیں کہ وہ مزید بھراٹھیں اور انہیں احساس ہی نہیں ہوا کہ

ریاض غفار انہیں زیادہ سے زیادہ یہاں روکے رکھنے کے لیے اس طرح پیش دلا رہے ہیں۔

دوسری طرف الیان نے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا وہ اسٹڈی روم میں پہنچ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

مگر اس کے یہ سارے اقدامات بے کار گئے تھے کیونکہ ابراہ اس کا فون اٹھا ہی نہیں رہا تھا۔

اس پر شدید قسم کی جھنجھلاہٹ موار ہو گئی دل تو چاہ رہا تھا ابھی اس کے گھر پہنچ جائے مگر بریرہ اس کے قبضے میں تھی وہ بھلا ایسا کوئی کام کیسے کر سکتا تھا جس سے ابراہ کے اشتعال میں اضافہ ہو جاتا اور پھر اس کے ستم کا نشانہ بریرہ کو بننا پڑتا۔

کئی دفعہ کئی کوشش کے بعد بھی جب ابراہ نے فون اٹینڈ نہیں کیا تو الیان دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

شگفتہ غفار ریاض غفار پر گرج برس کر الیان کی تلاش میں کمرے سے باہر آگئی تھیں مگر ابھی کسی کمرے کا تعین نہیں کر سکی تھیں لہذا کمروں کے سامنے بے لیونگ روم میں کھڑی بین کر رہی تھیں۔

”الیان تو جوان ہے گرم خون ہے۔ اسے تھوڑی پتا ہے اسے ابراہ سے کس طرح بات کرنی چاہیے جبکہ میں

زیادہ مناسب طریقے سے بات کر لوں گی۔ میں اپنی بچی کے لیے اس کے پاؤں تک پکڑنے کے لیے تیار ہوں۔ اب تو ہم نے اس کی بات مان لی ہے اب تو اسے بریرہ کو فوراً چھوڑ دینا چاہیے بھلا اب اس کے پاس بریرہ کو اپنے پاس رکھنے کا کیا جواز بنتا ہے۔“ شگفتہ غفار مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ الیان پر نظر پڑتے ہی وہ اس کے نزدیک چلی آئیں۔

”کیا ہوا؟ کیا کہا ابرار نے؟ کب چھوڑ رہا ہے وہ بریرہ کو؟“ ان کے لہجے میں سارے جہاں کی بے چینی و سبے قراری نمایاں تھی الیان صرف بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

ریاض غفار اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھے تھے مگر وہ بھی پوری طرح ہمہ تن گوش تھے۔
”وہ۔۔۔ فون نہیں اٹھا رہا۔“ الیان نے نظریں جراتے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

”کیوں؟ کیوں نہیں اٹھا رہا اب اور کیا چاہیے اسے جو وہ بریرہ کو اپنے پاس رکھے ہوئے ہے۔“ شگفتہ غفار بری طرح بھڑک اٹھیں۔

”شگفتہ۔۔۔ شگفتہ اریلیکس ہو جاؤ۔ چھوڑ دے گا وہ بریرہ کو لیکن ان سب کاموں میں کچھ وقت تو لگے گا نا۔“ ریاض غفار خود بھی اس جواب سے مایوس ہوئے تھے پھر بھی انہوں نے آگے بڑھ کر رسائی سے کہنے کی کوشش کی اس سے پہلے کہ شگفتہ غفار ان کی بات کے جواب میں کچھ کہیں لیونگ روم کی دیوار جو ان کے کمرے کی بھی بالائی دیوار تھی پر نصب انٹرکام بج اٹھا۔

ان تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ریاض غفار جو اس انٹرکام کے سب سے قریب کھڑے تھے آگے بڑھے اور ریسور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف چوکیدار کی آواز اور بات سن کر وہ لمحہ بھر کے لیے سٹپٹا گئے پھر الیان کو دیکھتے ہوئے تیزی سے بولے۔

”وہ۔۔۔ وہ لڑکی ٹھیک کہہ رہی ہے وہ ہمارے ساتھ آئی ہے تم اسے اندر بھیج دو۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ریسور رکھ دیا۔

”کیا ہوا؟“ الیان نے وی پوچھا جس کی ریاض غفار کو امید تھی۔

کب سے تو وہ کہہ رہا تھا اس لڑکی کو اندر لے آئیں مگر شگفتہ غفار کے حواس ٹھکانے پر ہی نہیں تھے اب اگر الیان یہ سننا کہ چوکیدار اسے چور سمجھ رہا تھا اور جانے اس کے ساتھ اب تک کس طرح پیش آ رہا تھا تو الیان جو پہلے ہی بری طرح سے جھنجھلا رہا تھا بالکل ہی آپے سے باہر ہو جاتا۔

چنانچہ انہوں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو سرسری بناتے ہوئے لاروائی سے کہا۔
”کچھ نہیں۔ بس وہ لڑکی۔ کیا نام ہے اس لڑکی کا جسے ابھی لے کر آئے ہیں۔“

”رومیلہ نام ہے اس کا۔ لیکن ہوا کیا ہے؟“ الیان چڑ کر بولا۔

”ارے کچھ نہیں ہوا وہ باہر کھڑی تھی تو چوکیدار پوچھ رہا تھا کہ کون ہے اور کس کے ساتھ آئی ہے وغیرہ۔ میں نے کہہ دیا ہمارے ساتھ آئی ہے اسے اندر بھیج دو۔“ کوشش تو انہوں نے بہت کی معاملے کی نزاکت کو چھپانے کی۔ مگر الیان کوئی بےوقوف نہیں تھا وہ غصے سے شگفتہ غفار کی طرف پلٹا۔

”آپ ابھی تک اسے اندر لے کر ہی نہیں آئیں آخر آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا کہ وہ اس کٹنہیر کی بہن ہے جس کے رحم و کرم پر بریرہ ہے اگر اس نے اپنے بھائی سے ہمارے رویے کی شکایت کر دی تو وہ بریرہ کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ الیان روایتی میں کہہ تو گیا مگر شگفتہ غفار کے چہرے کی رنگت زرد ہوتی دیکھ کر اسے خود بھی اپنے الفاظ کی سختی کا احساس ہو گیا بھی رسائی سے کہنے کی کوشش کرنے لگا۔

”آپ پلیز خود جا کر اسے باہر سے لے آئیں۔“ شگفتہ غفار الیان کو نرم پڑا دیکھ کر اور بھی جذباتی ہو گئیں ان کی پکلیں جھپکنے لگیں تو وہ باہر کی طرف بڑھ گئیں۔

گیٹ تک جانے سے پہلے انہوں نے سرداراں کی بھانجی کو انٹرکام کر کے اس کے کوارٹر سے بلوایا اور اس کے ماتھے جب وہ باہر پہنچیں تو رومیلہ کو گیٹ کے پاس دینی خوب صورت سی کیاری کے پاس کھڑا پایا۔

اس کے دوہانے چہرے پر نظر پڑتے ہی شگفتہ غفار کی رفتار میں ذرا سی کمی آگئی ایک من کو ہی سہی انہیں یہ احساس ہوا تھا کہ اس لڑکی کی آج شادی ہوئی ہے اپنے گھریلو کو چھوڑ کر آگئی ہے اسے کیسا لگ رہا ہو گا اتنے غیر روایتی انداز میں رخصت ہو کر بالکل انجان لوگوں کی بیچ آنا وہ بھی اس طرح کہ اسے لانے والے اسے گیٹ پر ہی بھول گئے۔

مگر یہ کیفیت ان پر زیادہ درحالی نہ رہ سکی کیونکہ اگلے ہی پل ان کی آنکھوں کے سامنے بریرہ کا چہرہ نمودار ہو گیا تو رومیلہ کہیں پس منظر میں چلی گئی۔

ان کی پھول سی معصوم بچی جو بہت جلد ان کے آنگن کو چھوڑ کر جانے والی تھی جانے اس وقت کن حالات سے گزر رہی تھی۔

پتا نہیں وہ کن لوگوں کے بیچ ہو گی جانے وہ اس کے ساتھ کس طرح پیش آرہے ہوں گے کیا بیت رہی ہو گی اس کے دل پر یہی سب سوچتے ہوئے ان کے قدم من من بھر کے ہو گئے وہ اس سے کافی فاصلے پر رک کر عجیب نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

اب تک وہ اپنی پریشانیوں میں رومیلہ پر غور نہیں کر سکی تھیں اسے اسٹیج پر بیٹھا دیکھ کر بھی انہیں اس کے چہرے اور شخصیت کا جائزہ لینے کا خیال نہیں آیا تھا۔

وہاں ہوٹل میں وہ اس کے پاس اسٹیج پر جا ہی نہیں سکیں کچھ دھڑہنی انتشار میں مبتلا تھیں اور کچھ انہیں ابرار کی بیوی نے ایسے گھیر رکھا تھا کہ وہ رومیلہ کو قریب سے دیکھ ہی نہیں سکیں۔

انہیں اس بات کا کوئی پچھتاوا نہیں تھا کیونکہ اب جبکہ وہ ان کے مدبرہ آگئی تھی تب بھی انہیں اسے دیکھنے یا اس سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہو رہی تھی بلکہ انہیں اس کے وجود سے ایک کراہیت محسوس ہو رہی تھی اگر بریرہ کا خیال نہ ہوتا تو وہ ابھی اور اسی وقت اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیتیں۔

لیکن بریرہ کی خاطر وہ اپنی شدید خواہش کو دبائے پر مجبور ہو گئیں اور خود کو زبردستی گھسیٹ کر اس کے نزدیک آ گئیں۔

رومیلہ ان پر نظر پڑتے ہی سنبھل کر اپنی جگہ سے غیر ارادی طور پر ایک قدم آگے آگئی اسے امید تھی اب وہ اس کے قریب آ کر وضاحت پیش کریں گی کہ وہ کیوں اسے اس طرح یہاں چھوڑ گئیں۔

مگر اس وقت اسے شدید حیرت ہوئی جب انہوں نے ایک نظر غلط بھی اس پر ڈالنی گوارہ نہ کی بلکہ اپنے ساتھ کھڑی ملازمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”اسے گیٹ روم میں لے جاؤ اور جو کچھ یہ مانگے اسے دے دینا۔“ شگفتہ غفار یہ کہہ کر واپس پلٹ گئیں انہیں خیال بھی نہیں آیا کہ ان کے ساتھ ان کی ملازمہ کی بھانجی کھڑی ہے۔

رومیلہ ششدر سی انہیں دیکھے گئی ان کا رویہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا اس پر ان کا فرمان کہ ”اسے گیٹ روم میں لے جاؤ۔“

اسے بری طرح الجھا گیا تھا بھلا اسے گیٹ روم میں لے جانے کی کیا ضرورت تھی اسے تو الیان کے کمرے میں جانا چاہیے تھا کیا یہ الیان کی والدہ کا فیصلہ تھا یا یہ الیان کی مرضی تھی۔

جب وہ اسے اپنے کمرے تک میں جگہ نہیں دے سکتا تو اپنی زندگی میں کیا مقام دے گا۔
رومیلا جانے کتنی دیر کھڑی یہی سب سوچتی رہتی کہ ملازمہ کے تیسری بار۔
”چلیں بی بی۔“ کہنے پر اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

جیسا کہ باہر سے ہی اندازہ ہو رہا تھا گھر بہت بڑا بہت خوب صورت اور جدید آسائشات سے مزین تھا لیکن شاید اس کے اپنے گھر کی طرح یہاں پر بھی رہنے والوں کی تعداد کم تھی۔
کیسٹ روم تک آنے میں اسے گھر میں کوئی بھی نظر نہیں آیا وہ بس میکا کی انداز میں ملازمہ کے پیچھے چلتی ایک کمرے میں داخل ہو گئی جہاں دو ڈورز کی ایک الماری ایک کومین سائزینڈ اور ایک ٹیبل اور کرسی رکھی تھی مجموعی طور پر کمروں کا کشادہ اور صاف ستھرا سا تھا مگر ایک ہی نظر میں وہ یہ ظاہر کر دیتا تھا کہ یہ بالکل خالی کمروں پر اور یہاں کسی کی رہائش نہیں ہے۔

”آپ کے کھانے کے لیے کچھ لاؤں بی بی جی۔“ ملازمہ نے اندر داخل ہو کر الماری کا ایک پٹ کھولا اور اس میں سے ایک کمبل نکال کر بستر پر پھیلاتے ہوئے پوچھنے لگی۔
رومیلا کو کچھ کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی تھی چنانچہ اس نے سرفنی میں ہلادیا اور ملازمہ کو کسی قسم کی کوئی تاکید نہیں کی گئی تھی لہذا وہ بغیر اصرار کیے کمرے سے نکلنے لگی تو رومیلا کو اسے روکنا پڑا۔
”ایک منٹ سوئے مجھے ایک جوڑا دے دو مجھے کپڑے بدلنے ہیں۔“
”جوڑا۔“ وہ کچھ پریشانی سے رومیلا کی شکل دیکھنے لگی۔

”ہاں کیوں کیا ہوا کیا یہاں کوئی ایسی لڑکی یا عورت نہیں جس کے کپڑے میں پن سکوں میں کل صبح اپنے گھر سے کپڑے منگوالوں گی تو اسے واپس کر دوں گی۔“ رومیلا نے وضاحت کی۔
”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ چھوٹی بی بی کے کپڑے آپ کو آرام سے آجائیں گے مگر چھوٹی بی بی تو دو دن سے نظری نہیں آ رہی اور بڑی بی بی جی تو اپنے کمرے میں چلی گئی ہیں۔
وہ پہلے ہی بڑے غصے میں لگ رہی ہیں ان سے کپڑے مانگنے کمرے میں جاؤں گی تو وہ مجھے ڈانٹ ہی نہ دیں۔ اصل میں میں تو یہاں نئی ہوں میری تو خالہ یہاں کام کرتی ہیں وہ ہوتیں تو مسئلہ نہیں تھا لیکن۔“ اس نے مکمل طور پر اپنی بے بسی ظاہر کر دی تو رومیلا کچھ دیر ساکت نظروں سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد گہرا سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

”ایسا کرو بس ایک گلاس پانی لا دو۔ یہ دروازہ ہاتھ روم کا ہے نا۔ کیا یہاں چل ہوں گے۔“ رومیلا نے کمرے کے ایک کونے میں بنے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”مجھے معلوم نہیں۔ میں دیکھ لیتی ہوں ورنہ چل تو شاید میں کہیں نا کہیں سے لا سکتی ہوں۔“ اس نے کہتے ہی قدم دروازے کی طرف بڑھا دیے۔
”جی بی بی جی چل تو ہیں یہاں۔“ دروازہ کھول کر اس نے ایک نظر اندر جھانکا اور جیسے ہی پلٹ کر رومیلا کو دیکھا چونکا اٹھی۔

رومیلا اپنی چادر اتار کر بستر پر ڈال چکی تھی اور اب جھک کر پاؤں کو پنسل ہیل والی سینٹل سے آزاد کر رہی تھی۔

”آپ دلہن ہیں؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا حالانکہ رومیلا کا چہرہ دیکھنے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کوئی دلہن ہے مگر وہ پندرہ سولہ سال کی گاؤں سے آئی لڑکی تھی وہ رومیلا کے میک اپ کو دیکھ کر بھی سمجھی تھی کہ شہر میں شاید لڑکیاں ایسے ہی تیار ہوتی ہوں گی۔

مگر رومیلا کا بھاری کاہلار لبتا اور سر پر ہنڈ لگا کر سیٹ کیا گیا دوپٹہ دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ یہ سچ و سچ ایسے ہی نہیں ہے یہ تو زندگی کے سب سے خاص دن کی خاص تیاری ہے۔
رومیلا کے ہاتھ امیٹیپ کھولتے ہوئے ایک دم گھم گئے۔

”دلہن؟ کیا وہ واقعی دلہن تھی دلہن ایسی ہوتی ہے جسے گاڑی میں ہی چھوڑ دیا جائے یا ملازمہ کے ساتھ کمرے میں بھجوا دیا جائے جس سے کھانے کو بھی نہ پوچھا جائے۔ اور جس کے بارے میں علم ہو کہ اس کے پاس کپڑے تبدیل کرنے کے لیے ایک جوڑا تک نہیں ہے پھر بھی اسے ایک خالی کمرے میں بھیج کر خود کمروں بند کر کے سو جایا جائے۔“

”آپ دلہن ہیں تو یہاں کیا کر رہی ہیں آپ اپنی سسرال میں کیوں نہیں گئیں۔“ اس کے لہجے میں اشتیاق اور آنکھوں میں تجسس بھرا تھا۔

رومیلا کی سمجھ میں نہ آیا وہ اسے کیا جواب دے تو وہ ایک بار پھر خود ہی پوچھنے لگی۔
”آپ بڑی بی بی (شگفتہ غفار) کی کون ہیں؟“ رومیلا کا دل چاہا کہ وہ اسے اس کی کوئی نہیں ہوں مگر وہ لب بھیج کر رہ گئی آخر بہت سوچ کر اس نے کہا۔
”تم اگر میرے لیے کوئی کپڑے نہیں لا سکتیں تو مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ میں بہت تھک گئی ہوں مجھے نیند آرہی ہے۔“

”مگر آپ ان کپڑوں میں سوئیں گی کیسے۔ آں۔ میں آپ کو اپنا جوڑا لا دوں۔“ رومیلا نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

وہ اور ایک ماسی کا جوڑا پہنے گی کیا اب اس کی ذات اتنے بے مایہ ہو گئی ہے کہ ایک جوڑے کے لیے اسے ماسی کا احسان لینا پڑے۔

”نہیں۔“ وہ بے ساختہ بولی اپنے اندر سے اٹھتے سوالوں کو خاموش کرانے کے چکر میں وہ اس لڑکی سے بھی بڑی سختی سے بولی تو وہ ایک دم دل اجاٹ ہونے والے انداز میں کندھے اچکا لی کمرے سے نکل گئی۔

”سنو۔“ رومیلا کو اچانک احساس ہوا تھا کہ اسے اس لڑکی سے اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی اول تو اس کا مزاج ایسا نہیں تھا دوسرے یہ کہ اس اجنبی ماحول میں جہاں سب کا رویہ بھی ناقابل فہم اور تکلیف دہ تھا وہاں کم از کم ایک فرد تو ایسا ہونا چاہیے جس سے بات چیت کی جاسکے۔

”اگر تمہیں مشکل نہ ہو تو اپنا کوئی جوڑا لا دو لیے مجھے نہیں لگتا کہ تمہارے کپڑے مجھے آئیں گے۔“ رومیلا کا ارادہ اس کے کپڑے پہننے کا نہیں تھا وہ تو یہ سوچ کر منگوا رہی تھی کہ اس طرح اس کے رویے کی تلافی ہو جائے گی جیسا اس نے پہلے ہی کہہ دیا کہ اس کے کپڑے رومیلا کو آئیں گے بھی نہیں۔
حالانکہ جس طرح کی لمبی چوڑی قمیص اس نے پن رکھی تھی اسے زیب تن کرنا رومیلا جیسی نازک سی لڑکی کے لیے بھلا کیا مشکل تھا۔

اس کی بات پر وہ لڑکی جیسے کھل اٹھی تبھی بڑے جوش سے بولی۔
”ارے میں تو بھول ہی گئی آپ نے پانی بھی تو مانگا تھا۔“ وہ یہ کہہ کر چھپاک سے غائب ہو گئی اور رومیلا خالی الذہن بیٹھی دروازے کو دیکھتی رہی۔

الیان کی اس وقت تو ابرار سے بات نہ ہو سکی مگر کوئی ایک گھنٹے کے بعد ابرار کا فون خود ہی آ گیا اس نے زیادہ

بات نہیں کی بس اتنی اطلاع دے کر فون بند کر دیا کہ بریرہ کل صبح تک گھر پہنچ جائے گی۔

اصل میں وہ الیان سے زیادہ بات کرنے سے کتر رہا تھا بھلے ہی الیان اسے پہچان گیا تھا مگر اس کی کوشش ابھی بھی یہی تھی کہ کسی طرح وہ الیان کو یہ یقین دلادے کہ ان سب کے پیچھے اس کا ہاتھ نہیں ہے یا کم از کم اس کا شک کسی ثبوت کو حاصل کر کے یقین ہی میں تبدیل جائے۔

اسی لیے اس نے الیان کا فون بھی اٹینڈ نہیں کیا، کیا خبر الیان اس کی کال ٹیپ کر رہا ہو بے شک اس کی بہن ابرار کے پاس بھی لیکن بعض اوقات انسان غصے میں بھی کوئی قدم اٹھا لیتا ہے خاص طور پر اس وقت ایسے جذباتی اقدام کے امکان اور بڑھ جاتے ہیں جب انسان جب یہ جانتا ہو کہ اسے تکلیف پہنچانے والا اس کا دشمن کون ہے۔

اس لیے اب بھی ابرار کی کوشش یہی تھی کہ وہ شک و یقین کے بیچ جھوٹا رہے اور کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے بلکہ وہ تو کسی کو اس معاملے کی ہوا تک لگنے نہیں دینا چاہتا تھا اسی لیے خود بات کرنے پر مجبور تھا ورنہ اس آدمی سے ہی فون کروا لیتا جس کی مدد سے اس نے بریرہ کو اغوا کیا تھا مگر وہ بھی سوائے بریرہ کو اغوا کرنے کی جگہ کے اور کچھ اس کے متعلق نہیں جانتا تھا۔

جبکہ الیان سے بات کرنے کی صورت میں ابرار کو اسے بریرہ کو چھوڑنے وغیرہ کا ٹائم تو بتانا ہی پڑتا اور وہ اپنے جرم کے راز میں کسی کو بھی شامل نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کل کو وہی اسے بلیک میل کرنے پر اتر آئے۔

اس نے دس سیکنڈ کی کال میں الیان سے بس اتنا ہی کہا تھا۔
”تم نے میری بات مان لی بہت اچھا کیا۔ بریرہ کل صبح تمہارے گھر پہنچ جائے گی کسی قسم کی ہوشیاری مت کرنا۔“

ابرار نے الیان کو بولنے کا موقع دے بغیر لائن کاٹ دی۔
الیان صرف پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اس نے محض یہ سوچ کر خود کو تسلی دے دی تھی کہ ایک بار بریرہ کو آنے دو پھر دیکھوں گا۔“

وہ پوری رات اس کی جاگتے ہوئے گزری تھی ایک دو بار وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آیا تو ریاض غفار کے کمرے کی لائٹ دروازے کے نیچے کی جھری سے جلتی ہوئی صاف نظر آرہی تھی الیان اسے دیکھ کر اٹنے قدموں واپس لوٹ جاتا، مبادا شگفتہ غفار اس کے قدموں کی چاپ سن کر کمرے سے باہر آگئیں تو پھر ایک ملا حاصل بحث ان کے بیچ چھڑ جائے گی۔

اسی او میٹرن میں بالکل صبح کے قریب کہیں جا کر اس کی آنکھ لگی اور اندرونی بے کلی کے باعث فوراً ”ہی آدمے کھٹنے میں کھل بھی گئی۔“

وہ گھڑی کو ساڑھے چھ بجاتا دیکھ کر اٹھ کر باہر آگیا رات کو جو کپڑے پہن کر وہ گیا تھا ابھی تک وہی زیب تن کیے ہوئے تھا بس کوٹ اتار کر کمپیوٹر چیئر کے اوپر ڈال چکا تھا اس کے شہکن آلود کپڑے اس کے رت جگے کو کھل کر بیان کر رہے تھے۔

وہ کمرے سے نکلا تو ریاض غفار کو ان کے کمرے کے سامنے کھڑا دیکھ کر ٹھنک گیا۔
”کیا ہوا ڈیڈی خیریت؟“ اپنا سوال اسے خود بھی عجیب لگا بھلا خیریت کہاں تھی ان کے گھر میں جو وہ اس طرح پوچھ رہا تھا۔

”وہ... تمہارے ماموں کا فون آ رہا تھا۔ ابھی ابھی شگفتہ کی آنکھ لگی ہے تو میں کمرے سے باہر آگیا کہ کہیں...“ انہوں نے دانستہ جملہ ادھر اچھوڑ دیا۔
”ماموں کا فون اتنی صبح صبح...“ الیان نے تعجب سے کہا۔

”ہاں حیرت تو مجھے بھی ہے۔ کیا کروں؟ ان کے فون کا انتظار کروں یا خود ملا لوں۔“

میرے باہر آنے تک لائن کٹ گئی۔ ”وہ ایسے بولے جیسے خود سے فیصلہ نہ کر پارہے ہوں۔“

”نہیں آپ مت ملائیں کوئی ضروری کام ہو گا تو وہ خود کر لیں گے کیا پتا غلطی سے مل گیا ہو ورنہ اتنی صبح صبح وہ کیوں فون کریں گے۔“

”ویسے اچھے تو وہ صبح ہی ہیں بلکہ مارننگ واک کے لیے فجر کے فوراً بعد باہر ہی نکل جاتے ہیں۔ خیر تم کہاں جا رہے تھے۔“

”مجھے کہاں جانا ہے ابرار نے کہا تھا بریرہ کو صبح صبح دوں گا تو بس اسی امید پر گیٹ تک جا رہا تھا۔“ الیان کا لہجہ شکستہ خورہ تھا اس سے پہلے کہ ریاض غفار کچھ کہتے ان کا موبائل بج اٹھا۔

”تمہارے ماموں کی ہی کال آرہی ہے اللہ خیر کرے۔“ ریاض غفار نے خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے موبائل کان سے لگا لیا۔

جس قسم کے حالات سے وہ گزر رہے تھے اس میں کوئی اچھی بات ذہن میں آنا مشکل ہی تھا الیان بھی بے اختیار ان کے نزدیک آگیا جیسے ان کی گفتگو سننا چاہ رہا ہو وہ رسمی سلام دعا کے بعد کہنے لگے۔

”خیریت تو ہے نا آپ نے اس وقت فون کیا ہے؟“
”ہاں... ریاض بھائی۔ آپ لوگ کل رات کہیں گئے تھے کیا۔“ ماموں جان کا لہجہ عجیب سا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہے ہوں۔

”آں... کیا مطلب۔“ ریاض غفار نے بوکھلا کر الیان کی جانب دیکھا۔
الیان ان کے اتنے نزدیک کھڑا تھا کہ اسے بھی ماموں جان کا سوال سنائی دے گیا تھا وہ خود بھی درز دیدہ نظروں سے ریاض غفار کو دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔

”ماموں جان یہ سوال ایسے ہی نہیں پوچھ رہے ضرور انہیں کوئی سن گن مل گئی ہے۔“
کل رات شادی میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود تھے جنہیں ریاض غفار ذاتی طور پر جانتے تھے ان لوگوں نے تو موبائل نکال کر فوراً ”نازہ ترین سے اپنے جانے والوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہوگی ہو سکتا ہے اسی کوشش میں یہ خبر ماموں جان کے کانوں تک پہنچ گئی ہو۔“

یہی سوچتے ہوئے ریاض غفار کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے اس لیے انہوں نے خود ہی سوال کر دیا۔
”بھئی میرا مطلب ہے کیا آپ لوگ کل کسی تقریب وغیرہ میں گئے تھے؟“ ماموں جان کا لہجہ ناقابلِ قسم تھا جانے وہ طنز کر رہے تھے یا واقعی پوچھ رہے تھے۔

”آں... آپ... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“
”ارے بھئی آپ اتنا گھبرا کیوں رہے ہیں دراصل آج کے اخبار نے ایک عجیب و غریب افواہ اڑادی ہے الیان کے متعلق۔“

بے غیروں نے لکھا ہے کہ اس کی شادی کل رات پریس ہوٹل میں انجام پائی گئی۔“ ریاض غفار کے توہا تھوں کے تو تے اڑ گئے وہ فوراً ہکلاتے ہوئے بولے۔

”ک... کیا... یہ... آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ الیان نے بروقت ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا تو وہ کچھ جھنجھلائے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگے جو آنکھ سے انہیں سب بتادیں کا اشارہ کر رہا تھا ریاض غفار بے یقینی سے الیان کو دیکھنے لگے جبکہ ماموں جان دوسری طرف سے کہہ رہے تھے۔

”ہاں میں حسبِ عادت مارننگ واک کے لیے نکلا تھا مگر ریسپشن پر رکھے اخبار کو دیکھ کر ساری واک وغیرہ“

بھول گیا۔ میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا الیان کو اس اسکیٹل میں انوالو کر کے پریس کو کیا مل جائے گا اسی لیے تو میں پوچھ رہا ہوں کیا کل آپ لوگ کہیں گئے تھے۔

”نہ۔۔۔ نہیں ہم تو کہیں نہیں گئے۔“ ریاض غفار کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی وہ کہنے کی جو کہنے کا اشارہ الیان مستقل انہیں کر رہا تھا۔

ان کے اس جواب پر تو الیان نے جیسے اپنا سر پیٹ لیا۔ جب ایک بات سب کو بتانی ہی ہے تو پھر اس وقت ٹال کر وہ آئندہ کے لیے جھوٹے کیوں بن رہے ہیں۔

ریاض غفار اس سے متفق تو تھے مگر وہ اس فعل پر اتنے شرمندہ تھے کہ چاہتے ہوئے بھی اس کا اعتراف نہیں کر پارہے تھے۔

”اُوہ اچھا یعنی انہوں نے تصویر کسی اور وقت کی چھاپ دی ہے۔“ ماموں جان ایسے بولے جیسے ہاتھ میں پکڑے اخبار میں چھپی تصویر کو غور سے دیکھ رہے ہوں۔

”ت۔۔۔ تصویر۔“ ریاض غفار چونکے۔

”الیان کی ایک لڑکی کے ساتھ تصویر چھپی ہوئی ہے دونوں دو لہا دلہن کی طرح اسٹیج پر ساتھ بیٹھے ہیں ویسے تو آج کل ٹرک فوٹو گرافی کے ذریعے ایسی تصویر بنالینا کچھ مشکل نہیں۔ مگر میرے خیال سے یہ تصویر اصلی ہے الیان کسی شادی میں گیا ہے اور انہوں نے دلہن کے ساتھ اس کی تصویر ایسے لگادی جیسے وہی دو لہا ہو۔

اصل میں ہمارا الیان اتنی کم عمری میں اتنی کامیابیاں حاصل کر چکا ہے کہ اس سے حسد کرنے والے بہت پیدا ہو گئے ہیں۔

لیکن ایسی خبریں لگا کر وہ الیان کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے بس اپنے جلے دل کے پھپھو لے پھوڑ لیتے ہیں۔“ ماموں جان اپنی ہی دھن میں بولے جارہے تھے۔

دوسری طرف الیان ریاض غفار کو اشارہ کرتے کرتے زچ ہو گیا مگر ریاض غفار چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہہ پارہے تھے وہ صرف بے بسی سے الیان کو دیکھتے ہوئے ماموں جان کو نان اشاپ بولتا سن رہے تھے آخر الیان سے برواشت نہیں ہوا تو اس نے موبائل ریاض غفار کے ہاتھ سے چھین لیا۔

”ہیلو السلام علیکم ماموں جان۔“ الیان کی آواز سننے ہی ماموں جان سنجیدہ ٹون پھوڑ کر ایک دم شوخی اور زندہ دلی سے بولے۔

”وعلیکم السلام، بھی تم تو بڑے مشہور ہو گئے ہو فلمی ہیروز کی طرح تمہارے بھی اسکیٹل چھپنے لگے ہیں۔ کمال ہے بھی ہمیں نہیں پتا تھا کہ بزنس میں بھی اتنی شہرت ہوتی ہے۔“

”ماموں جان۔۔۔ وہ کوئی اسکیٹل نہیں سچ ہے۔ کل رات واقعی میری شادی ہو گئی ہے۔“ الیان صرف ایک لمحے کے لیے انکا تھا اس کے بعد بغیر رکے اتنی روانی سے بولا کہ جیسے ابھی نہیں بول سکا تو کبھی نہیں کہہ سکے گا۔

”ال۔۔۔ الیان۔۔۔ یہ کیا مذاق ہے بیٹے۔“ ماموں جان ٹھٹھک گئے۔

”یہ مذاق نہیں ہے ماموں جان حقیقت ہے۔ میں نے شادی کر لی ہے۔“ الیان کہہ کر خاموش ہو گیا وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی اس اچانک شادی کا کیا جواز پیش کرے یقیناً ”ماموں جان اب اس سے اس افرا تفری کی وجہ پوچھنے والے ہوں گے۔

مگر دوسری طرف تو بالکل خاموشی چھا گئی تھی وہ تو جیسے ہکا بکار ہو گئے تھے تبھی ان کے احساسات محسوس کرتے ہوئے الیان بمشکل بولا۔

”ماموں جان۔ اصل میں۔۔۔ میں بہت شرمندہ ہوں جو ہوا وہ سب اتنا اچانک ہوا کہ ہم کسی کو اطلاع نہ دے

بس یوں سمجھ لیں کہ حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ مجھے یہ شادی کرنی پڑی۔“ الیان کو جب کوئی جواز مناسب نہ لگا تو وہ بس یہی کہہ کر رہ گیا۔

اصل میں ماموں جان بھی تو بالکل خاموش ہو کر رہ گئے تھے اگر وہ سوال و جواب اور لعن طعن پر اتر آتے تو شاید الیان کے لیے صورت حال اتنی مشکل نہ ہوتی۔

وہ ان کے بگڑنے پر ان سے بحث کر کے فون بند کر سکتا تھا مگر ان کی چپ اس کے اصول پسند مزاج پر کوڑے برسا رہی تھی۔

اسے لگ رہا تھا جیسے اس شخص سے کوئی بھی جھوٹ بولنا یا خود کو زبردستی حق پر ثابت کرنے کی کوششیں کرنا ایک فضول عمل ہونے کے ساتھ ساتھ زیادتی بھی ہے۔

جب آپ ایک شخص کا مان توڑ چکے ہوں پھر اسے صدے میں گھرا دیکھ کر اسے الٹی سیدھی تاویلیں پیش کرنے لگیں یہ الیان تو کیا کسی بھی باضمیر شخص کے لیے ناقابل عمل تھا۔

تبھی الیان نے محض اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔

”مجھے معلوم ہے اتنے قریبی رشتے میں اتنی اہم خبر آپ کو اخبار سے پتا چلی ہے یہ واقعی آپ کے لیے دکھ کی بات ہے مگر یقین کریں حالات ایسے نہ ہوتے تو میں یہ دکھ آپ کے حصے میں بھی نہ آنے دیتا۔“ ریاض غفار بتائے الیان کے شرمندہ انداز کو دیکھ رہے تھے اس کے فون بند کرنے پر وہ ایک دم طیش میں آتے ہوئے بولے۔

”جتنے فوراً وہ اخبار چاہیے ذرا پتا تو چلے کس رپورٹرنے وہ خبر لگائی ہے۔“

”اس سے کیا ہو گا؟“ الیان پڑ مرہ لہجے میں بولا۔

”اس سے یہ ہو گا کہ میں اس سے بات کروں گا کہ۔“

”کہ اس نے سچ کیوں لکھ دیا۔“ الیان نے ان کی بات کا ٹوٹی اور انہیں بولنے کا موقع دینے بغیر کہنے لگا۔

”ہاں اتنے لوگ موجود تھے کہ اگر یہ خبر اخبار میں نہیں بھی چھپتی تب بھی ہمارے سرکل میں تیزی سے پھیل جاتی۔

ابھی تو صبح ہوئی ہے لوگ عموماً اتنی جلدی اٹھنے کے عادی نہیں ہوتے مگر آٹھ بجے کے بعد آپ اور می اپنا موبائل بند کروں تو بہتر ہے ورنہ خواہو آپ دونوں کالی پی ہائی ہو تار ہے گا۔“

”مجھے بھی پتا ہے کہ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل جائے گی مگر اخبار میں چھپنے سے تو ایک ہی دن میں سب کو پتا چل گیا تا ورنہ پہلے ہم بریرہ کے معاملے سے نمٹ جاتے پھر لوگوں کو خبر ہوتی تو۔۔۔“

”فار گاڈ سیک ڈیڈی اپنی تصوراتی دنیا سے باہر آجائیں۔ آپ اس خبر کو نہیں چھپا سکتے بلکہ آپ کو خود اعلان کرنا ہے۔ بریرہ کی شادی والے دن میرا لہجہ ہونا ہے اچھا ہی ہے جو سب کو پہلے ہی خبر ہو جائے۔ ویسے بھی مجھے یقین ہے یہ خبر برابر نے ہی چھپوائی ہوگی جس بھی تصویر بھی چھپی ہے۔“ الیان دانت پیستے ہوئے بولا تو ریاض غفار چونک اٹھے۔

واقعی الیان ٹھیک کہہ رہا تھا برابر اس شادی کا اعلان کرنے کے لیے ایسا کر سکتا تھا۔

ایک بار پھر ان کے اندر غصے کی شدید لہر اٹھی تو وہ بغیر کچھ کہے کمرے کی طرف پلٹ گئے وہ الیان کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے مگر شگفتہ غفار کو بھی اخبار میں چھپی خبر سے آگاہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ سب سے زیادہ فون تو ان ہی کے پاس آنے والے تھے جس میں ایسی عورتوں کی کال بھی موجود تھی جو اپنی بیٹیوں کے لیے آس لگائے بیٹھی تھیں۔

وہ تو کسی آسیب کی طرح شگفتہ غفار سے چمٹ جائیں گی اور بال کی کھال اتارنا شروع کر دیں گی۔

دوسری طرف الیان انہیں پاؤں پٹختا دیکھ کر اپنا بھی ضبط کھونے لگا وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے میڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا ارادہ ابھی اور اسی وقت ابرار کے گھر جانے کا تھا جب اس نے اپنی شرط پوری کر دی تھی تو ابرار اس کا وعدہ سے کیوں نظر سچا رہا تھا۔

کیا سوچ کر اس نے الیان کی بہن کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے کہیں اس کی نیت میں فتور تو نہیں آگیا یا پہلے سے ہی وہ یہ ٹھانے بیٹھا تھا کہ بریرہ کو تب تک نہیں چھوڑے گا جب تک کہ اس کا دل نہ بھر جائے۔ ایک بل میں الیان کے دل میں ان شیطانی وسوسوں نے سر اٹھایا تو دوسرے ہی بل وہ ابرار کے گھر جانے کے لیے تیزی سے میڑھیاں اترتا ہر کی جانب جانے لگا مگر عین میڑھیوں کے پاس بنے کیسٹ روم کے دروازے سے نکلنے و جدو سے ٹکرا گیا۔

ہاتھ میں چائے کی پیالی اور طشتی پکڑے وہ لڑکی اس ٹکراؤ پر اپنی گرفت برقرار نہ رکھ سکی اور چائے سے بھری پیالی جب زمین پر گر کر چلتا چور ہوئی تو اس کی جھپٹنیں ان دونوں کے ہی کپڑوں کو داغ دار کر گئیں۔ ”وہاں کی نہیں دیتا کیا۔“ الیان تو پہلے ہی غصے سے بھرا ہوا تھا اپنے کپڑوں کو چائے سے خراب ہوتا دیکھ کر ترش کر بولا اس نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا کہ چائے بالکل ٹھنڈی تھی۔

البتہ سامنے کھڑی عجیب تلخ سے کپڑوں میں ملبوس وہ لڑکی بے ساختہ کہہ گئی۔ ”میں تو ابھی ابھی کمرے سے نکلی تھی چل تو آپ رہے ہیں۔“ الیان اس کی بات پر بھڑک اٹھا۔ ”بکو اس بند کرو۔ چلنے تک کی تمیز نہیں تمہیں کام کیا خاک آتا ہو گا۔ یہ سرداراں بھی جسے چاہتی ہے اپنی جگہ کام کے لیے بھیج دیتی ہے کب آئے گی وہ واپس۔“ الیان کے پوچھنے پر وہ لڑکی حیرت زدہ سی اسے دیکھنے لگی۔ ”میں نے کچھ پوچھا ہے سرداراں کب کام پر واپس آئے گی۔“ الیان کے چبا کر پوچھنے پر وہ اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

”مجھے نہیں معلوم۔“ ”کیوں۔ کیا تم اس کی جگہ غیر محدودت کے لیے کام کرنے پر راضی ہوئی ہو۔“ الیان نے طنز یہ کہا تھا اسے غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ وہ سیدھا سیدھا۔ ”صاحب معاف کرو۔“ کہہ کر آگے کیوں نہیں بڑھ گئی وہ اس کے سامنے جہی سر اٹھائے اس کی طرف کیوں دیکھ رہی ہے اسے سندی سے زمین پر پھیلتی کرچیوں کو سمیٹنا چاہیے تھا پونچھے کا کپڑا لا کر جلدی سے چائے کا داغ صاف کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح بحث پر آدھ کوئی کام چور اور ہڈ حرام لگ رہی تھی۔

”میں سرداراں کی جگہ کام پر نہیں آئی ہوں۔ میرا نام رومیلا ہے۔“ رومیلا کا لہجہ اور اس کے تاثرات دونوں ایک دم سوتھے۔ ایک بل کے لیے الیان اپنی جگہ سن ہو گیا۔

صبح صبح چائے کی پیالی لے جاتی ان معمولی سے کپڑوں میں ملبوس وہ رومیلا بھی ہو سکتی ہے یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا مگر سچائی پتا چلنے پر اب اس نے اس کے چلے کی بجائے اس کی شخصیت پر غور کیا جس میں صف اول اس کا چہرہ تھا۔

نازک نازک نین نقش کے ساتھ وہ بڑی بڑی آنکھوں والی کومل سی لڑکی بغیر کسی میک اپ کے بالکل سادہ سے چہرے کے ساتھ گلابی گلابی سی لگ رہی تھی کیونکہ اس کی آنکھیں ہلکی ہلکی سرخ ہو رہی تھیں جانے وہ رات بھر جاگتی رہی تھی یا رونے کی وجہ سے ایسا ہوا تھا یا شاید دونوں ہی باتیں تھیں اس کی گیلی پلکیں اس کے رونے کی صاف چٹکی کھا رہی تھیں۔

حالا نکہ رومیلا کئی بار اپنا چہرہ دھونے کے بعد کمرے سے نکلی تھی۔ وہ لڑکی جو جوڑا رومیلا کو رات میں دے گئی تھی رومیلا کا اسے سننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس نے تقریباً ساری رات اسی بھاری جوڑے میں گزار دی حالانکہ وہ لڑکی بڑا صاف ستھرا جوڑا دے کر گئی تھی مگر رومیلا کا ذہن اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا کہ اسے ایک کاموالی کی اترن لینی پڑے گی۔

وہ لڑکی جوڑے کے ساتھ رومیلا کے لیے چائے اور بسکٹ بھی لے آئی تھی اس کا کہنا تھا۔ ”ولہن بن کر کون سا کھانا کھایا جاتا ہے تھوڑے سے بسکٹ تولے لیں۔“ اصل میں کھانے کے لیے رومیلا نے دو ٹوک انکار کر دیا تھا لہذا وہ بسکٹ اور چائے پانی کے ساتھ پوچھے بغیر لے آئی۔ یہ بات اور تھی کہ وہ چائے بھی رکھے رکھے پانی ہو گئی تھی ساری رات آنکھوں میں کانٹے ہوئے وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کوئی تو اس کے پاس آتا اس کا حال احوال پوچھنے۔

آخر اس جوہ کو تھوڑی دیر پہلے آئے ابرار کے فون نے توڑا اتنی صبح صبح جسے عرف عام میں رات ہی کہا جاتا ہے ابرار کا نمبر اپنے موبائل پر دیکھ کر وہ قدرے حیران رہ گئی اور کال ریسیو کرنے پر تو جیسے حیرت و چند ہو گئی کیونکہ وہ صاف صاف ان سب کے رویوں کے متعلق اس کی رائے لے رہا تھا۔

حالانکہ اس کے سوال ایسے کوئی انوکھے نہیں تھے جن حالات میں رومیلا کی شادی ہوئی تھی اور حالات ایسے نہ بھی ہوتے تب بھی بیٹی بیاہتے وقت لڑکی کے گھر والوں کے دوسو سے کم پوشی اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ مگر ابرار نے جس وقت اسے فون کر کے پوچھا تھا وہ رومیلا کے لیے زیادہ حیران کن تھا اب اسے تو خبر نہیں تھی ناکہ یہ سب ابرار نے کس طرح کیا ہے۔

خود ابرار بھی ساری رات سونے جاگنے کی کیفیت سے گزر رہا تھا اپنے پلان کے مطابق اس نے اس شادی کا جلد سے جلد اعلان کروینے کے لیے جمعہ تصویر اس کی خبر بھی اخبار میں دے دی تھی یہ سارے انتظامات وہ رات سے ہی کیے بیٹھا تھا مگر اب اپنے موبائل پر الیان کی بار بار کال آتی دیکھ کر اسے یہی مناسب لگا کہ وہ ایک بار رومیلا سے بات کر کے صورت حال کا جائزہ لے لے اس نے بہت کھل کر سب کی بابت پوچھا تھا مگر رومیلا ایک بھی جواب پوری سچائی سے نہ دے سکی ہر جواب میں اس نے جھوٹ کی آمیزش کی تھی یا مکمل جھوٹ بول دیا تھا۔ انہوں نے سوال نامہ ختم ہونے پر فون بند کر دیا اور رومیلا کے دل میں اٹھتے سوال ادھورے ہی رہ گئے تب اس نے مکمل کا فون ملا لیا۔

صبح صبح اس کی کال دیکھ کر نمل بھی آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی خود اس کے اندر سوالوں کا ڈھیر جمع تھا مگر رومیلا کو اس وقت وہ فون نہیں کر سکتی تھی وہ تو کل رات سے اس سے بات کرنے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی لیکن جو باتیں اس نے رومیلا کو بتائیں اسے سننے کے بعد رومیلا مزید الجھ گئی۔

جو جوڑا وہ یہ سوچ کر نہیں پس رہی تھی کہ ابھی اس کے میکے سے سب اسے لینے آئیں گے تو وہ نمل یا سنبل سے کچھ منگوائے گی لیکن جب ساری امیدوں پر پانی پھر گیا تو وہ اسے ہی زیب تن کر کے اپنے کمرے سے نکلی جیسے چائے کی پیالی کچن میں رکھنے جا رہی ہو کیونکہ ایک انجانے گھر میں جن حالات میں وہ لائی گئی تھی اسے خود سے کمرے سے نکلنا بڑا عجیب لگ رہا تھا چنانچہ اسے ایک ہمارے کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن اسے کیا پتا تھا کہ وہی پیالی لے کر وہ الیان سے ٹکرا جائے گی۔

مست کر رہی

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ زویہ ان سے بات کر کے کیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زویہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلا، سنیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لہج کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انہیں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے میڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

۲۴
چوبیسویں قسط



اپنا نام بتانے کے بعد اسے امید تھی کہ اب الیان کے رویے میں تھوڑی تبدیلی آئے گی وہ اپنے انداز اور لہجے پر شرمندگی کا اظہار کرے گا اور اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کرے گا جیسے کہ اس کا حال احوال پوچھے گا۔ مگر وہ تو بالکل بت بن گیا تھا وہ اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا مگر افسوس کی بات یہ تھی کہ اس کے انداز میں رومیلہ کے لیے پسندیدگی کا کوئی عنصر نہیں تھا بلکہ بے زاری کا پہلو نمایاں تھا۔

رومیلہ کا بحال ہونا اعتماد ایک بار پھر ڈمکانے لگا۔

الیان کے جھڑکنے پر وہ خود بھی ایک دم جوش میں آگئی تھی اور بڑے سنجیدہ انداز میں اپنے ماسی نہ ہونے کے متعلق بتانے لگی۔

مگر الیان کا ایک دم ٹھنڈا رد عمل اس کی ساری خود اعتمادی کو تھس نہس کر گیا اس کا دل چاہ رہا تھا وہ فوراً اس کے سامنے سے ہٹ جائے مگر وہ تو کمرے سے اس خواہش کے ساتھ نکلی تھی کہ شاید کسی سے ملاقات ہو جائے تو وہ کسی سے کچھ بات کر سکے۔ نمل نے اسے فون پر بتایا تھا کہ وہ لوگ اسے لینے نہیں آئیں گے۔

کل رات رخصتی کے بعد نمل نے ابرار سے پوچھا تھا کہ وہ صبح کتنے بجے رومیلہ کے گھر روانہ ہوں گے تو انہوں نے صاف منع کر دیا کہ رومیلہ کے گھر کوئی نہیں جا رہا۔

نمل نے کرید نایا اصرار کرنا چاہا تو انہوں نے اسے بری طرح جھڑک دیا نمل خود اس عجیب و غریب رویے پر حیران بھی اور اب رومیلہ کا فون آنے پر تو جیسے وہ بالکل ہی چونکی ہو گئی اور ایک کے بعد ایک سوال پوچھنے لگی۔

”رومیلہ تم ٹھیک ہونا؟“

”گھر والوں کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ؟“

”الیان کس طرح پیش آیا؟“

”ان کا گھر کہاں ہے؟“

”بات چیت کرنے میں تمہیں وہ لوگ کیسے لگے؟“

”تم پریشان تو نہیں ہونا؟“

رومیلہ اس کے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہ دے سکی ایک تو وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دوسرے یہ کہ بھلے ہی ان کے بیچ لاکھ دوستی سہی مگر جو کچھ ہوا تھا اس میں خود رومیلہ کی بے عزتی تھی اپنی ناقدری کے متعلق بتاتے ہوئے رومیلہ کی زبان لڑکھا گئی اور جھوٹ وہ نمل سے بول نہیں سکتی تھی چنانچہ اس نے زیادہ بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

اسے یقین تھا نمل اس کے اس انداز پر الجھ گئی ہوگی لیکن وہ خود اتنی الجھی ہوئی تھی کہ نمل کے متعلق سوچ کر خود کو اور ٹینس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

البتہ اس بل اسے اپنا اس طرح ہاتھ رہا تھا رکھ کر بیٹھنا سخت زہر لگا تھا لہذا وہ ماسی کے لائے کپڑے زیب تن کر کے چہرہ گر گر کر صابن سے دھو کر چائے کی پیالی اٹھا کر ایسے باہر نکلی تھی جیسے کچن میں برتن رکھنے جا رہی ہو۔

وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ گھر کے لوگ جاگ گئے ہوں تاکہ وہ ان سے بات کر سکے ورنہ کوئی خود سے چل کر اس کے کمرے میں جانے کب آئے اور وہ اب مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

مگر الیان سے سامنا ہونے پر اسے خود کا اس طرح باہر نکل آنا وہ بھی ایک ماسی کے کپڑے پہن کر سخت نامناسب لگ رہا تھا۔

الیان تو اس کا نام سنتے ہی خاموش ہو گیا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس طرح خاموش کھڑے رہ کر الیان کے سامنے مجسمہ بن کر رہنا چاہیے یا کمرے میں واپس پلٹ جانا چاہیے۔

آخر اللہ تعالیٰ کو ہی اس پر رحم آگیا اور اسے ان دونوں کے بیچ کا زیادہ بہتر ہموار راستہ مل گیا۔ وہ گلا صاف کرتے ہوئے بظاہر بڑے اعتماد سے بولی۔

”کچن کہاں ہے؟“ الیان اس کے سوال اور لہجہ پر چونک اٹھا۔ اسے قطعاً ”امید نہیں تھی ایک بالکل نئی نویلی دہن سے ایسے سوال کی جبکہ شادی بھی بالکل غیر رواہی انداز میں ہوئی ہو۔“

”میں نے پوچھا ہے کچن کہاں ہے؟“ الیان کو ہنوز حیران دیکھ کر رومیلہ نے بڑی سنجیدگی سے سوال دہرایا تو الیان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

انسان جس کے خلاف ہوتا ہے اس کی ہر بات اسے بری لگتی ہے یہی اس وقت الیان کے ساتھ ہو رہا تھا عموماً ”اے خود اعتماد لڑکیاں متاثر کرتی تھیں بلاوجہ کی شرمائے لجانے والی لڑکیاں اسے چھچھوری لگتی تھیں۔“

مگر اس وقت رومیلہ کا یہ انداز اسے سخت زہر لگا تھا وہ اس کی خود اعتمادی کو بے باکی کا نام دیتے ہوئے یہی سوچنے لگا تھا۔

”ہنہ! اسارا گھر ایک سے بڑھ کر ایک ڈھیٹ اور بے شرم ہے بجائے اس کے کہ نئے گھر میں اس طرح دندناتے پھرنے پر شرمندہ ہو یا خجالت محسوس کرے بڑی ڈھٹائی سے کچن کی بابت پوچھ رہی ہے جیسے پہلے ہی دن گھر پر قبضہ جمالیا ہو اور اس کی شروعات باورچی خانے سے کرنی ہو۔“

”کچن کہاں ہے یہ جانتا آپ کے لیے قطعاً ضروری نہیں، آپ فی الحال اپنے کمرے میں تشریف لے جائیں۔“ الیان کا لہجہ خاصا کھردرا تھا رومیلہ کا اعتماد تو ڈھیر ہونا ہی تھا ساتھ ہی اس کے چہرے پر ایک سایہ سالہرا کر رہ گیا وہ تیزی سے کمرے کی طرف واپس مڑ گئی۔

نمل، رومیلہ سے بات کر کے کافی فکر مند ہو گئی تھی وہ رومیلہ کی فطرت سے واقف تھی وہ بہت صابر و شاکر لڑکی تھی اپنی پریشانیوں کو ڈھنڈورا پیٹنا یا اپنی محرومیوں کا رونا رونا اسے سخت ناپسند تھا۔

بچپن سے ماں کے سائے سے محروم ہونے کے باوجود اس نے کبھی والدین کے زیر سایہ پرورش پانے والے بچوں پر رشک کیا نہ حسد۔ یہی نہیں اس کے والد اور بھائی بھی ہمیشہ اس کی ذات سے لاپرواہ رہے اس بات پر بھی اس نے کبھی ان کی برائیاں باہر کے لوگوں سے نہیں کیں۔

نمل اور سنسبل سے وہ کبھی بھی دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی وہ بھی ایسی صورت میں جب کوئی اچانک نئی بات ہو جاتی اور اس کے پچھلے زخم بھی ہرے ہو جاتے یا پھر جب نمل اپنے گھر کے ماحول اور عظمت خلیل کے رویے کو لے کر کڑھ رہی ہوتی تب وہ اپنے حالات کا تذکرہ کر کے اس کا غم غلط کرنے کی کوشش کر لیتی۔

اسی لیے اس کے ٹال مٹول پر نمل بخوبی سمجھ گئی کہ رومیلہ کا وہاں بڑے سرد سے انداز میں خیر مقدم کیا گیا ہے الیان اور اس کے گھر والوں کا رویہ تو وہ خود اپنی آنکھوں سے شادی کے وقت دیکھ رہی تھی اب گھر جا کر بھی رومیلہ کے ساتھ یہ سرد مہری اسے حقیقتاً ”ہول گئی تھی۔“

وہ بے اختیار موبائل ایک جانب رکھتی اٹھ کر رشیدہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

رشیدہ صبح صبح بے وار ہوتی تھیں یہ وقت ان کا عبادت اور تلاوت کا تھا نمل آہستہ سے دروازہ بجا کر ان کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

عظمت خلیل عام طور پر دوسرے کمرے میں سوتے تھے انہیں ہر وقت رشیدہ کی اپنے سر پر موجودگی سخت پسند تھی جس کے نتیجے کے طور پر دونوں کے درمیان پوری طرح سے آراستہ کیے ہوئے تھے کہ عظمت خلیل کو

اپنے سر پر موجودگی سخت پسند تھی جس کے نتیجے کے طور پر دونوں کے درمیان پوری طرح سے آراستہ کیے ہوئے تھے کہ عظمت خلیل کو

اپنے سر پر موجودگی سخت پسند تھی جس کے نتیجے کے طور پر دونوں کے درمیان پوری طرح سے آراستہ کیے ہوئے تھے کہ عظمت خلیل کو

اپنے سر پر موجودگی سخت پسند تھی جس کے نتیجے کے طور پر دونوں کے درمیان پوری طرح سے آراستہ کیے ہوئے تھے کہ عظمت خلیل کو

اپنے سر پر موجودگی سخت پسند تھی جس کے نتیجے کے طور پر دونوں کے درمیان پوری طرح سے آراستہ کیے ہوئے تھے کہ عظمت خلیل کو

جب رشیدہ کی شکل دیکھنے کا دل نہ چاہ رہا ہو تا تو وہ سکون سے دوسرے کمرے میں جا کر آرام کر سکیں۔
رشیدہ حسب معمول تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں اتنی صبح منج نمل کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھ کر ان کے ہاتھ رک گئے وہ سوالیہ انداز میں نمل کو دیکھنے لگیں۔

”امی آپ ابھی ابرار بھائی کو فون کریں اور کہیں کہ رو میلہ کو اس کی سسرال۔ لینے میں جاؤں گی اگر تمہارا جانے کا ارادہ نہیں ہے تو صرف ایڈریس بتا دو ہم خود چلے جائیں گے۔“ رشیدہ اپنی عادت کے مطابق اس کی بات من کر فوراً ہی پریشان ہو گئیں۔

انہوں نے تسبیح کو مٹھی میں بند کرتے ہوئے پہلے نمل پر دم کیا پھر آہستگی سے پوچھنے لگیں۔
”کیا بات ہے جب رات ہی ابرار نے منع کر دیا تھا تو اپنی صبح پھر یہی سوال دوہرانے کا خیال تمہیں کیوں آگیا ہے؟“ نمل نے فوراً ”نہیں رو میلہ کے فون کا خلاصہ سنا دیا وہ بھی نمل کی طرح بلکہ نمل سے بھی زیادہ ہراساں ہو گئیں پھر بھی انہیں اس طرح ابرار کو فون کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا وہ شش و پنج کے عالم میں بولیں۔
”ابرار نے جب ایک بار منع کر دیا تو پھر وہ مجھے کیوں بتائے گا رو میلہ کے گھر کا ایڈریس۔“

”لیکن امی ہم اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتے تاہنا نہیں رو میلہ کے ساتھ وہاں کیا ہو رہا ہو گا۔“
”ایسی باتیں مت کرو میرا دل تو پہلے ہی بیٹھنا شروع ہو گیا ہے۔ تم ذرا رو میلہ سے میری بات کرادو۔“ رشیدہ کا چہرہ زرد پڑنے لگا۔

”امی رو میلہ سے بعد میں بات کریں گے پہلے آپ ابرار بھائی سے ایڈریس لے لیں۔“ رشیدہ ایسے نمل کو دیکھنے لگیں جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہوں۔

”لیکن ابرار اور اس کی بیوی کے بغیر ہم دونوں کا وہاں جا کر اسے لانا کتنا عجیب سا لگے گا اور پھر ہاں اس کی سسرال والوں کا رویہ کیسا ہو گا کیا پتا ان کی ابرار سے بات ہو چکی ہو انہوں نے خود ہی ساتھ بھیجنے سے منع کیا ہو پھر ہمارا اصرار بالکل بلاوجہ کا نہ لگے۔“

”امی آپ ابرار بھائی سے بات کریں گی تو پتا چلے گا نا میں فون ملا رہی ہوں آپ کہہ دیں مجھے ایڈریس چاہیے بس۔“ نمل نے سائیڈ ٹیبل پر سے ان کا موبائل اٹھا کر بٹن دبائے شروع کر دیے۔

رشیدہ اسے منع کرنے کے لیے تاویل میں سوچتی رہ گئیں اور اس نے لاٹن ملنے پر موبائل ان کے کان سے لگا بھی دیا۔

”اتنی صبح صبح وہ پتا نہیں اٹھا بھی ہو گیا نہیں۔“ رشیدہ کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ابرار نے کال ریسیو کر لی۔

”ہیلو ممانی“ آپ اتنی صبح صبح خیریت تو ہے نا۔“ رشیدہ کے لیے فوری طور پر کچھ بولنا مشکل ہو گیا۔
”آں وہ۔ ابرار بیٹے۔“ نمل کے مستقل اشارے کرنے پر لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولیں۔

”میرا۔۔۔ دل چاہ رہا تھا کہ میں خود رو میلہ کو اس کی سسرال لینے جاؤں بن ماں کی بچی ہے نا ایسے موقعوں پر ماں کی کمی کا احساس بہت شدت سے ہوتا ہے تم لوگوں کا وہاں جانے کا ارادہ کتنے بجے تک ہے میں اور نمل بھی آجائیں گے۔“ رشیدہ نے ابرار کے مزاج کو دھیان میں رکھتے ہوئے بہت سنبھل کر بات کی تاکہ وہ کوئی نکاسا جواب نہ دے دے پھر بھی وہ عادت کے مطابق روکھے سے لہجے میں بولا۔

”ممانی ایسے موقعوں پر لڑکی کی ماں تو اسے لینے سسرال نہیں جاتی اس لیے آپ کے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب ایک چیز اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھی ہی نہیں تو دوسرے لوگ اس کمی کو کیسے پورا کر سکتے ہیں پھر ماں کا نعم البدل تو کوئی ہے ہی نہیں۔“

اصل میں الیاں کے گھر والوں نے منع کر دیا تھا کہ ان کے ہاں ایسا کوئی رواج نہیں ہے میں ایک بار پھر بات کر لے دیکھ لوں گا اگر انہوں نے اعتراض نہیں کیا تو آپ چلی جائیے گا۔“ ابرار انہیں اکیلا وہاں بھیجنا نہیں چاہ رہا تھا اور خود اس کا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا چنانچہ اس نے کہہ کر فوراً ”فون بند کر دیا۔“

اس کے ذہن میں اس وقت ہزار چیزیں چل رہی تھیں اسے بریرہ کو واپس گھر بھیجنا تھا اس کے گھر پہنچنے کے بعد دن کا اگلا قدم کیا ہو گا ابھی تو یہ بھی دیکھنا تھا ایسے میں رشیدہ کا فون آسے آیا ہی گیا تھا۔

دوسری طرف رشیدہ کو بھی اس کالب دلچہ احساس توہین میں مبتلا کر گیا انہوں نے فون بند ہونے پر شاکا غراں سے نمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں اسی لیے اسے فون نہیں کرنا چاہ رہی تھی وہ تو سیدھے منہ بات ہی نہیں کرے گا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ابرار کی گفتگو کالب لباب اس کے گوش گزار کر دیا۔

”ابرار بھائی کی جگہ ہمیں پھوپھا کو فون کرنا چاہیے۔“ نمل نے رو میلہ کے یا جانی کا ذکر کیا۔

”فی الحال کسی کو فون کرنے کی ضرورت نہیں کیا پتا واقعی لڑکے والے کسی قسم کے رواجوں کو پسند نہ کرتے ہوں اور انہوں نے ہی منع کیا ہو کہ نہ سے۔ اب ہم زبردستی تو رو میلہ کو نہیں بلا سکتے نا۔“

”لیکن ہم کم از کم وہاں جا کر رو میلہ سے مل تو سکتے ہیں وہ لوگ کس قسم کے ہیں کہاں رہتے ہیں ان کا رویہ رو میلہ کے ساتھ کیسا ہے؟ یہ سارے اطمینان تو کر سکتے ہیں نا۔“ نمل جرح کرنے والے انداز میں بولی تو رشیدہ رسانیٹ سے کہنے لگیں۔

”ایک دن یا چند گھنٹوں کی ملاقات میں تم ان لوگوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی اور کوئی رائے قائم نہ بھی لوگی تو اس سے رو میلہ کی زندگی پہ کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا اسے اب ان ہی لوگوں اور ان ہی حالات میں رہنا ہے ہم اس سے ملنے میں اگر زیادہ جلد بازی کا مظاہرہ کریں گے تو اس کے لیے مسائل ہی کھڑے کریں گے ی لیے میں تو کہتی ہوں جب ابرار نے منع کر دیا ہے تو ہمارا وہاں نہ جانا ہی بہتر ہے فون پر تو تم بات کر ہی سکتی ہو تم کی خیریت پوچھتی رہنا پھر ولیمہ میں بھی ملاقات ہو جائے گی۔“ نمل جب چاپ انہیں دیکھے گئی۔

وہ ان سے متعلق تو نہیں لگ رہی تھی مگر بحث کے لیے کوئی ٹھوس دلیل بھی نہیں تھی اسے بدل دیکھ کر رشیدہ نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے موضوع بدل دیا۔

”رو میلہ نے اپنی شادی میں خرم کو بھی بلایا تھا؟“
”نہیں۔“

”مگر وہ تو کل آیا تھا۔“ رشیدہ چونکیں۔
”ہاں۔ بغیر انویٹیشن کے آیا تھا۔“ نمل بے زاری سے بولی۔

”کیا ولیمہ میں بھی آئے گا۔“ رشیدہ نے پرسوج لہجے میں پوچھا۔
”پتا نہیں۔ کیوں؟ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔“ نمل نے تھک کر پوچھا۔

”جس طرح وہ ولیمہ کے متعلق باز پرس کر رہا تھا اس سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا کہ رو میلہ نے اسے بلایا ہے۔“
”یہ بات پر نمل نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”ہاں ہے تو پتا بے غیرت آجھی سکتا ہے ولیمہ میں مگر آپ کو تو خود کچھ نہیں پتا آپ نے بھلا اسے ولیمہ کے ملق کیا بتایا ہو گا۔“

”ہاں مجھے تو تفصیل معلوم نہیں۔ مگر میں نے بھائی صاحب سے اس کی بات کرادی تھی۔“ رو میلہ کے والد کا من کر نمل ہستے سے اکھڑ گئی۔

”کیا؟ آپ نے۔۔۔ اودھ گاڈ آپ کو کیا ضرورت تھی پھوپھا سے بات کرانے کی۔ انہوں نے تو پورا ایڈریس تک سمجھا دیا ہو گا۔“

”ظاہری بات ہے۔ ہمارا ہونے والا داماد ہے اتنا اخلاقی تقاضا تو انہیں نبھانا ہی تھا۔“

”وہ کوئی داماد غیرو نہیں ہے۔“ نمل تلخ ہو گئی۔

”مگر لوگوں کو تو یہی پتا ہے نا۔“ رشیدہ کی بات پر کچھ لمحوں کے لیے ان کے درمیان خاموشی چھا گئی جسے رشیدہ کی مدھم آواز نے توڑا۔

”ویسے سچ پوچھو تو مجھے تو خرم اس شخص سے بہت الگ لگتا ہے جس کا تذکرہ تم کرتی ہو۔“ نمل زبان سے کچھ نہیں بولی البتہ سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی تو وہ اپنے جملے کی وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔

”مجھے تو وہ بہت اچھا اور تمیز کا لگتا ہے۔“ نمل کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

”مبارک ہو۔ اس نے آپ کو بھی شیشے میں اتار لیا۔“

”دیکھو ایسی بات نہیں ہے جو کچھ تم نے بتایا ہے اسے سننے کے بعد میرا خود اس کی تعریف کرنے کا دل نہیں چاہتا مگر جو سچ ہے اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا بظاہر وہ بہت خوش مزاج اور بااخلاق لگتا ہے۔ دور سے مجھے دیکھتے ہی وہ میرے پاس آکر میری ٹیبل پر بیٹھ گیا بڑی اپنائیت سے اس نے میری اور تمہارے والد کی خیریت پوچھی ان کے نہ آنے کی وجہ پوچھی غرض یہ کہ اس سے بات کر کے لگتا ہے کہ اس کی تربیت بہت اچھے خطوط پر ہوئی ہے۔“ نمل بے زاری سے خرم نامہ سن رہی تھی کہ ان کی اگلی بات پر چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

”جب بھی کوئی نیا شخص مجھ سے ملتا ہے وہ میری معذوری کو ڈسکس ضرور کرتا ہے کہیں کسی کی نظروں میں ہمدردی ہوتی ہے تو کہیں تجسّس ہلکورے لے رہا ہوتا ہے مگر خرم ان بہت کم لوگوں میں سے ہے جنہوں نے میری وہیل چیئر کو محل طور پر نظر انداز کر کے صرف اور صرف میری شخصیت پر دھیان دیا ہے۔“

اس نے مجھ سے اشاروں میں بھی نہیں پوچھا کہ میں اس کرسی کی محتاج ہو کر کیوں رہ گئی ہوں؟ رشیدہ کے سنجیدہ سے لہجے پر نمل صرف ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ کچھ لمحوں کے لیے ان کے درمیان خاموشی چھا گئی جسے نمل نے ہی اٹھتے ہوئے توڑا۔

”میں ایک بار دو میلہ کو فون کر کے پوچھ لیتی ہوں اگر وہ کہتی ہے کہ ہم دونوں کو آنا چاہیے تھا تو پھر میں اسی سے کہوں گی کہ اپنی سسرال میں کسی سے میری بات کراؤ نا کہ میں ایڈریس سمجھ سکوں۔“ رشیدہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

البتہ جب وہ کمرے سے نکلنے لگی تب کہنے سے باز نہ آئیں۔

”بعض اوقات انسان کسی کو سمجھنے میں غلطی کر دیتا ہے کہیں تم خرم کو سمجھنے میں غلطی تو نہیں کر رہیں۔“

”میں نہیں ای آپ خرم کو سمجھنے میں غلطی کر رہی ہیں مجھے تو اچھی طرح پتا ہے کہ اسے کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔“ نمل نے دروازے کے ہینڈل کو سختی سے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے ایسے کہا جیسے اس کا ذہن کہیں بہت دور سفر کر رہا ہو۔

”میں سمجھی نہیں۔“ رشیدہ اس کے چہرے سے کچھ اخذ نہ کر سکیں۔

”ابھی تو میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے لیکن اگر وہ دو میلہ کے ویلیمہ میں پہنچا تو اس بار اسے آنے پر بڑا پچھتاوا ہو گا۔“ نمل کہہ کر کی نہیں اور اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی آگے بڑھ گئی۔

الیان ابرار سے رابطہ کرنے کی کوششیں ترک کر کے اس کے گھر جانے کا مصمم ارادہ تو کر چکا تھا اگر دو میلہ

گراؤ نہ ہو جاتا تو وہ اب تک اس کے گھر جانے کے لیے نکل بھی چکا ہوتا۔ مگر دو میلہ سے ملنے کے بعد وہ ایک بھروسے میں پڑ گیا۔

شاہی والے دن ان تینوں کا رویہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں تھا حالانکہ ابرار کی تاکید تھی کہ وہ بالکل نارمل طریقے سے ملنے کے آئیں گے۔

بلکہ وہ لوگ ارے بندھے صاف زبردستی کے بلائے گئے انداز میں پہنچے تھے گویا ابرار کی ایک بات کو صحیح طریقے سے نہیں نبھاسکے تھے۔

ہو سکتا ہے ابرار اس کا انتقام لینے کے لیے بریرہ کو وعدے کے مطابق نہ چھوڑ رہا ہو۔

الیان نے اس پر فوراً ہی ظاہر بھی کر دیا تھا کہ وہ سب سمجھ گیا ہے ہو سکتا ہے اپنی اصلیت کھلنے پر وہ تملاکر رہے کو آج واپس پہنچنے والے کا ارادہ ملتوی کر چکا ہو۔

الیان چاہے کتنا بھی غصہ کرے بعد میں چاہے وہ ابرار کی کھال اتار دے لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا کہ ابرار کے ہاتھوں میں ان کے گھر کی عزت و ناموس تھی۔

وہ جب چاہے اسے مٹی میں ملا سکتا تھا۔

بریرہ کے ساتھ اگر وہ کچھ نہیں بھی کرتا ہے تب بھی اگر وہ بریرہ کو کل تک نہیں چھوڑتا تو عین شاہی والے دن ناکھڑو تماشا بن جائے گا۔

یا اگر چھوڑ بھی دیتا ہے مگر اتنے مظالم کرنے کے بعد کہ اس پر نظر پڑتے ہی دیکھنے والے کو اندازہ ہو جائے کہ ال میں کچھ کالا ہے۔

تو بریرہ کی شادی ٹوٹا اور ان کا ساری دنیا کے سامنے سر جھک جانا یقینی تھا۔

پھر بھلا وہ کس بات پر اکڑ رہا تھا اور کیا سوچ کر ابرار کے گھر جانے کے لیے کمر کستا عزم سے چلا جا رہا تھا۔ عقل و ہدی کا تقاضا یہی تھا کہ اس وقت غصے اور نفرت کو ایک طرف رکھ کر ٹھنڈے دل و دماغ سے ابرار کے فون کا انتظار کیا جائے۔

الیان خود کو پرسکون کرنے کے لیے گہری گہری سانسیں کھینچنے لگا اور گیٹ روم کے دروازے سے واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔

وہ اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑنے کی کوشش کرتے ہوئے اب ابرار کے اگلے قدم کا انتظار کرنے لگا۔ اور بات تھی کہ اس کے اعصاب ڈھیلے پڑنے کی بجائے گھڑی کی سوئیوں کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ کھینچتے جا رہے تھے کہ تبھی اچانک بلند ہونے والے شور نے اس کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

الیان تیزی سے اٹھتا کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس کے کمرے کے آگے بنی ریٹنگ سے نیچے لاؤنج کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا جہاں اس کے ماموں، ممانیاں، بچوں کے زور و شور سے بول رہے تھے۔ الیان ریاض غفار کو نیچے اکیلا دیکھ کر تیزی سے سیڑھیاں ترٹانے کے نزدیک آگیا۔

مگر قریب آنے پر اسے حیرت بھرا اطمینان ہوا جب اس نے ان سب کو خوشی خوشی مبارکباد دیتا پایا۔ البتہ سب کی زبان پر ایک شکوہ بھی تھا۔

”تم نے ہمیں بتایا کیوں نہیں؟“

”ایسے اچانک کیوں شادی کر لی ایسی کیا ایمر جنسی ہو گئی تھی۔“

”کم از کم ذکر تو کرتے۔“

”خیر جو بھی ہوا بہت بہت مبارک ہو۔“

”تمہاری بیوی ہے کہاں ذرا اس سے تو ملو او۔“ چھوٹی ممانی کے کہنے پر الیان بے ساختہ ریاض غفار کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ اتنے شرمندہ تھے کہ چپ چاپ سر جھکائے نظریں چرائے کھڑے تھے۔ ان لوگوں کا رویہ انہیں مزید شرمندہ کر گیا تھا جو وہ ہر رشتہ جڑ جانے کے باوجود نام نہاد سسرالی بن کر اکڑنے کی بجائے اس قدر خندہ پیشانی سے ان کی خوشی میں شریک ہونے آگئے تھے۔

حالانکہ جو کچھ ہوا تھا انہیں پورا پورا حق تھا ناراض ہو جانے کا۔

”بھئی کیا ہو گیا۔ آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے اور یہ شگفتہ اور بریرہ کہاں ہیں؟“ ممانی جان نے چاروں اطراف میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

الیان بریرہ کے ذکر پر کچھ پریشان سا ہو گیا تبھی فوراً حرکت میں آتے ہوئے ماموں جان کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ان سب سے قدرے ہٹ کر بالکل سنجیدہ سے کھڑے تھے ان کے چہرے پر ناراضی نہیں تھی مگر ان کے رویے میں ایک محسوس کیا جانے والا گھنچاؤ تھا۔

”ماموں جان میں۔۔۔۔۔“

”مجھے صرف یہ جانتا ہے کہ جو بھی مجبوری تھی یا جن حالات میں بھی تم نے شادی کی وہ سب تم نے ہم سے چھپایا کیوں؟“ ماموں جان کے لہجے میں ایک دکھ بول رہا تھا۔ الیان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ان سے کیا کہے جبکہ وہ مزید کہنے لگے۔

”تمہاری نانی کو تو اتنا دکھ ہوا ہے کہ انہوں نے صبح سے کچھ کھایا پیا ہی نہیں ہے۔“

”کیا؟“ الیان ایک دم چونک اٹھا۔

”میرا تو انہیں بتانے کا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا مگر یہ بچے تمہاری تصویر اخبار میں دیکھ کر اتنے پر جوش ہو گئے کہ تمہاری نانی کو سب پتا چل گیا ہم یہاں اس وقت ان ہی کی خاطر آئے ہیں تم اپنی بیوی کو لے کر انہی ہمارے ساتھ ہو ٹل چلو اور ان سے معافی مانگو شاید اسی طرح ان کا صدمہ کچھ کم ہو جائے۔“ الیان خود کو مشکل میں محسوس کرنے لگا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا بولے۔

تبھی ریاض غفار نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور ماموں جان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ ”صرف الیان اور رو میلہ ہی نہیں میں اور شگفتہ بھی جا کر ان سے معافی مانگیں گے۔ چلو الیان جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ ریاض غفار نے اتنی جلدی خود کو کمپوز کر لیا تھا کہ الیان حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔

”جی ریاض بھائی۔ آپ کو اور شگفتہ کو بھی چلنا چاہیے جب یہ سب آپ کے علم میں تھا اور آپ دونوں اس پر رضامند تھے تو آپ بھی اتنے ہی قصور وار ہیں جتنا کہ الیان۔“ ماموں جان کی بات پر الیان صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

ان کا جملہ صاف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس شادی کو سراسرلو میں سمجھ رہے تھے جانے ایسی کیا آفت آگئی تھی کہ الیان نے ریاض غفار اور شگفتہ غفار کو بھی اس افرا تفری پر مجبور کر دیا۔

”تم نے کیا رات سے اب تک کپڑے ہی نہیں بدلے۔ الیان آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ تم نے یہ سب کیوں کیا؟“ ماموں جان اس کا بکھرا ہوا ساحلیہ اور شرمندہ سا چہرہ دیکھ کر تپ ہی گئے۔

اس کے پاس بتانے کے لیے تھا ہی کیا وہ صرف بات بدلتے ہوئے ریاض غفار سے مخاطب ہو گیا۔ ”میں تو اس وقت نہیں جاسکتا آپ مئی کے ساتھ چلے جائیں۔“ ریاض غفار جانتے تھے وہ اس وقت بریرہ کے

نے کا انتظار کر رہا ہے مگر ماموں جان سمجھے وہ نانی جان کا سامنا کرنے سے کتر رہا ہے اس لیے ٹال رہا ہے تبھی ہٹ کر بولے۔

”ریاض بھائی اور شگفتہ نے شادی نہیں کی ہے جو یہ دونوں چلے جائیں تم اور رو میلہ بھی ہم سب کے ساتھ مل رہے ہو جاؤ جا کر بلا کر لاؤ اپنی بیوی کو۔“ ماموں جان نے سختی سے کہا۔

الیان سوالیہ انداز میں ریاض غفار کو دیکھنے لگا انہوں نے سر کو ہلکے سے جنبش دیتے ہوئے گویا اسے ماموں جان کی بات مان لینے کو ہی بہتر ظاہر کیا تو الیان بے دلی سے گیٹ روم کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر دستک دے کر وہ کمرے کے اندر چلا آیا رو میلہ بیڈ پر بیٹھی موبائل کو دیکھ رہی تھی ایسا لگ رہا تھا وہ مئی کو فون کرنے کا ارادہ کر رہی ہو مگر فیصلہ نہ کر پا رہی ہو۔

الیان کو دیکھ کر وہ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

”میرے کچھ رشتے دار باہر آئے ہیں وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں ذرا باہر آ جاؤ۔“ الیان یہ کہہ کر پلٹنے لگا تو رو میلہ کھلا کر بولی۔

”میں۔۔۔ مجھے باہر آنا ہو گا۔“

”ہاں تو؟“ الیان نے بھنوسیں سکیر کر اسے دیکھا۔

”نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ۔۔۔ انہیں کمرے میں بھیج دیں۔“ رو میلہ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا ابھی تھوڑی دیر پہلے جس طرح الیان اس کے ساتھ پیش آیا تھا وہ رو میلہ کو بھولا نہیں تھا اسی لیے وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر کچھ ندوس ہو گئی تھی۔

”وہ بہت سارے لوگ ہیں کمرے میں نہیں آسکتے اور پھر تمہیں ان کے ساتھ جانا بھی ہو گا۔“ الیان ایک بار پھر پلٹنے لگا۔

”کہاں؟“ رو میلہ حیرانی سے بولی۔

اب کی بار الیان نے ایک تیزی نظر اس پر ڈالی مگر رو میلہ اس کی بے زاری محسوس کر لینے کے باوجود ہنوز سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی تو الیان دانت پیٹتے ہوئے بولا۔

”میری نانی کو تم سے ملنا ہے وہ تمہیں نانی کے پاس لیے جا رہے ہیں اور کوئی شک یا سوال۔“ الیان کو امید تھی اتنے طنزیہ لہجے کے بعد وہ خاموشی سے سر تکی میں ہلا دے گی۔ مگر اس وقت اسے حیرت ہوئی جب رو میلہ نے سوال کی بجائے الٹا اعتراض کر ڈالا۔

”میں اس حلے میں آپ کے گھر والوں کے سامنے کیسے جاسکتی ہوں۔“

”جیسے اس گھر میں آسکتی ہو ویسے ہی جا بھی سکتی ہو۔“ الیان چبا کر بولا۔

رو میلہ کے خاک بھی سمجھ میں نہ آیا وہ تو اس گھر میں بڑے اچھے حلے میں آئی تھی دلہن بن کر بالکل روایتی انداز میں۔ پھر بھلا وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا۔

اسے ایک بار پھر جانے کے لیے پر تو اتنا دکھ کر رو میلہ تیزی سے بولی۔

”دیکھیں میں ان کپڑوں میں تو آپ کے گھر والوں سے نہیں مل سکتی آپ مجھے یہاں کا ایڈریس بتا دیں میری کزن مجھے۔“ کپڑے لا دیں گی۔

”اور اس میں ٹائم کتنا لگے گا۔“ الیان نے تلخی سے پوچھا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر سپاٹ لہجے میں بولا۔

”رخصتی کے وقت اپنے ساتھ ایک جوڑا ہی لے آئیں۔“ الیان کی بات کسی تیر کی طرح رو میلہ کو لگی تو وہ اسی

کے لبو لہجے میں بولی۔

”اگر پتا ہو تاکہ یہاں میرے ساتھ یہ سلوک ہونے والا ہے تب تو واقعی ایک جوڑا رکھ لیتی۔“ الیان کو رو میلہ کی طرف سے اس قسم کے جملے کی بالکل امید نہیں تھی وہ کچھ لمحوں کے لیے گنگ رہ گیا۔

ہر بار اس کی غیر موجودگی میں الیان نے یہی طے کیا تھا کہ جب تک بریرہ واپس نہیں آجاتی کم از کم تب تک ان سب کا رویہ اس کے ساتھ اتنا برا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ابرار سے اس کی شکایت کر دے اور ابرار اس کا بدلہ بریرہ سے لے۔

مگر ہر بار اس کے سامنے آتے ہی الیان کا خون کھولنے لگتا اور وہ اپنا فیصلہ فراموش کر بیٹھتا۔

ابھی بھی اس کی بات پر چند لمحوں کے لیے الیان سوچ میں پڑ گیا کہ جس لہجے میں اس نے جواب دیا تھا وہ اس کے بری طرح تپے ہوئے ہونے کو ظاہر کر گیا تھا۔ اب ظاہری بات تھی کہ اسے جو بھی غصہ آ رہا ہو گا اس کا اظہار وہ اپنے بھائی کے سامنے تو ضرور کرے گی جس کے رویے میں وہ بریرہ کو بھیجنے سے بھی انکار کر سکتا ہے۔

الیان یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ رو میلہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

”کم از کم بال بنانے کے لیے ایک کنگھایا برش تو دے دیجیے۔“ الیان کے ایک دم خاموش ہو جانے پر رو میلہ کو شرمندگی کا احساس ہوا تھا کہ شاید وہ کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گئی تھی تبھی اپنی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے نسبتاً بہتر لہجے میں بولی۔

اس طرح گفتگو کرنا اس کے مزاج میں شامل نہیں تھا اور اس وقت تو صورت حال ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ کسی قسم کی تلخی نہیں چاہتی تھی۔

شادی چاہے جن حالات میں بھی ہوئی ہو وہ تو ہر صورت اسے نبھانا چاہتی تھی اور پھر ان لوگوں کا رویہ جو بھی ہو احسان تو ہر حال ان لوگوں نے کیا تھا اور وہ کوئی احسان فراموش نہیں تھی۔

الیان کچھ دیر تو خاموش کھڑا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس کا مطالبہ غلط نہیں تھا وہ اسے اپنی نانی سے ملوانے لے جا رہا تھا اس کا حلیہ اتنا مناسب تو ہونا ہی چاہیے تھا کہ بھلے ہی وہ نئی ٹوبلی دلہن نہ لگے لیکن معمول کے مطابق ایک مہمان جیسی تو لگنی چاہیے۔

پہلے ہی شادی اس قدر مشکوک طریقے سے ہوئی تھی اس میں اگر اس کا حلیہ بھی نامناسب ہوا تو ایک طرح سے وہ خود لوگوں کو سوچنے اور باتیں بنانے پر مجبور کر رہے ہیں۔

جبکہ الیان کی خواہش تھی کہ فی الحال سب اس موضوع پر بات کرنا بند کر دیں تاکہ می ڈیڈی دونوں کم از کم ایک صدمے سے باہر آجائیں۔

بریرہ کے ساتھ جو ہوا تھا وہ ناقابل برداشت دکھ تھا مگر کم از کم بیٹی کی طرف سے وہ کڑھنا چھوڑ دیں کیونکہ الیان کو یقین تھا اس کا وقتی نقصان ضرور ہوا ہے مگر بہت جلد وہ اس سے چھٹکارا پا کر اس کی تلافی کر لے گا مگر یہ بات ریاض غفار اور شگفتہ غفار کے لیے سمجھنا تقریباً ناممکن تھا۔

لہذا وہ اس بار شگفتہ غفار سے بات کرنے کی بجائے سید صاحبہ بریرہ کے کمرے میں آگیا اور اس کی وارڈروب کھول کر دیکھنے لگا۔

وہ کپڑے، جوتوں اور زیوروں کی شوقین بالکل روایتی سی لڑکی تھی اس کے پاس جدید تراش خراش کے بیش قیمت کپڑوں کا بیش بہا کلیکشن موجود تھا کہ دیکھنے والے کے لیے انتخاب کرنا مشکل ہو جائے۔

مگر الیان کا ہاتھ خود بخود پیچ کمر کی شیفون جارحٹ کی ایڑھی تک آتی ایرلائن شرٹ اور چوڑی دار کی طرف بڑھ گیا جس کی قمیص پر پیچ کمر کی ہی خوب چوڑی چوڑی لیسوں سے بڑی خوب صورت ڈیزائننگ کی گئی تھی مگر

اس سوٹ پر ایسے پلاسٹک بیگ چڑھا ہوا تھا جیسے یہ ابھی تک پہنا نہ گیا ہو۔

اصل میں الیان نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کزنز جوڑے کو دیکھ کر پہچان لیں کہ یہ بریرہ کا پہنا ہوا ہے۔ سوٹ نکالنے کے بعد وہ بریرہ کی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا الیاری کی طرح یہاں پر بھی بریرہ کے شوق اور دل کی تکمیل کی آزادی کا منہ بولتا ثبوت موجود تھا۔

الیان نے جو جو چیزیں ہاتھ میں آسکیں اٹھائیں اور کمرے سے باہر نکل گیا گیسٹ روم نیچے تھا اور وہ یہ سب اٹھا نیچے نہیں جانا چاہتا تھا چنانچہ وہ سب سامان اپنے کمرے میں لے آیا اور ملازمہ کو بلوا کر اس کے ہاتھ ایک شاپر مل رو میلہ کے پاس بھجوا دیا۔

خود اسے تو تیار ہونے میں دس منٹ ہی لگنے تھے کہ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا تک سک سے تیار ہونے کا ہرگز کپڑے بدلنا سخت ضروری تھا ورنہ ماموں جان نے تو صرف ٹوکا تھا۔ نانی جان تو پوری کلاس لے لیتیں۔

فریض ہو کر وہ شگفتہ غفار کے پاس جانے کا ارادہ کرنا کمرے سے نکلا ہی تھا کہ ریاض غفار اپنے کمرے سے باہر لہٹے نظر آگئے۔ وہ بھی محض کپڑے بدل کر ظاہر جانے کے لیے پوری طرح تیار نظر آ رہے تھے۔

”می تیار ہیں۔“ الیان نے نزدیک آکر پوچھا تو انہوں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا جیسے اس کا دماغی حالت ٹھیک ہو رہا ہو۔

”وہ تو کمرے سے نکلنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔ کہہ رہی ہے میں تو اپنے بھائیوں اور ماں سے آنکھ ملانے کا قابل ہی نہیں رہی ہوں۔ وہ تو منہ سر کیٹے بستر پر پڑی ہے۔ موبائل میں پہلے ہی بند کر چکا ہوں۔ اس میں تو کسی وٹس کرنے کی ہمت نہیں۔“

”تھک ہے اگر ان کی ہمت نہیں ہے تو انہیں فورس مت کریں۔ ملازمہ سے کہہ دیں ان کے کمرے میں انہیں ناشتہ دے دے اور اپنے سامنے بیٹھ کر کرائے۔“ الیان نے ملگے بھٹکے انداز میں کہنے کی کوشش کی۔

”الیان، شگفتہ اگر ہمارے ساتھ نہیں گئی تو سب کو ایسا لگے گا کہ تم نے ہماری مرضی کے بغیر یہ شادی کی ہے۔“ ریاض غفار اعتراض کرتے ہوئے بولا۔

”تو کیا فرق پڑتا ہے۔“ الیان بے زاری سے بولا۔

”بہت فرق پڑتا ہے تم کوئی گستاخ اور خود سر اولاد نہیں ہو، پھر لوگ تمہیں ایسا کیوں سمجھیں۔“

”مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں۔ می پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہیں انہیں اور پریشان نہ کریں۔ اب ہم جلدی سے چلتے ہیں تاکہ وہاں سے جلدی سے لوٹ سکیں۔ مجھے واپس آکر ابرار کے پاس جانا ہے۔“ الیان کا لہجہ اس کے خطرناک عزائم کو ظاہر کرنے لگا تو بے اختیار ریاض غفار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”کچھ بھی کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے اور کل بریرہ کی شادی ہے۔“ الیان صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

کل شادی تھی اور انتظامات کتنے مکمل تھے اور کتنے نامکمل اس طرف تو الیان نے دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

”کیا ہوا الیان بھائی، آیا بوجھ رہے ہیں اور کتنا ٹائم لگے گا۔“ شاہ جہاں ماموں کا بیٹا شاید تیزی سے میڑھیاں پھلانگتا اوپر آکر بولا تو وہ دونوں متنبھل گئے۔

”بھئی اپنے ابا سے کہو دلہن کو تیار ہونے میں کچھ تو ٹائم لگے گا نا۔“ ریاض غفار نے کمال مہارت سے اپنے تاثرات اور لہجہ ایک دم تبدیل کر لیا۔

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دلہن تو کب کی باہر آچکی ہے۔“ شاید کے پیچھے حامد کی بہن سیکنہ بھی اوپر

الیان نے بے اختیار چونک کر ہاتھ پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔ اسے بڑی حیرانی ہوئی تھی یہ جان کر جبکہ سیکنہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

”بہت بہت مبارک ہو الیان بھائی۔ بھابھی تو بہت پیاری ہیں۔ اب ذرا ہمیں بھی بتادیں کہ میری بھابھی کہاں ہیں۔ آپ لوگوں نے تو گاؤں والوں کو بھی مات دے دی ہے۔

بریرہ بھابھی کو بالکل سات پردوں میں چھپا لیا ہے۔ ہم تو بالکل بور ہو گئے ہیں۔“ سیکنہ کے لہجے میں شکوہ نہیں اپنائیت تھی۔

وہ لوگ ٹھہرے بھلے ہی ہوٹل میں تھے۔ مگر سارا دن یہیں جمع رہتے تھے۔ مگر جب سے بریرہ اغوا ہوئی تھی ریاض غفار نے تکلف اور مروت بالائے طاق رکھ کر ماموں جان سے فون پر کچھ اس طرح بات کی کہ انہیں اندازہ ہو گیا کہ کچھ دن کے لیے اس طرح کے گیٹ نوکید رہنا کر دینے جائیں۔ بریرہ ٹھکان کی وجہ سے بیمار پڑ رہی ہے۔ لہذا اسے مکمل آرام کرنے دیا جائے۔

بریرہ ان کی لاڈلی ہو تھی۔ چنانچہ انہوں نے برا مانے بغیر فوراً ان کی بات مان لی اور بچوں سے کہہ دیا کہ سرالیوں کی طرح سیدھا بارات لے کر ہی جانا اور یہ روز روز کا ہنگامہ بند کرو۔

بچے ان کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔ مگر اب گھر تک آکر انہیں بریرہ سے ملنے سے کہے روکا جاسکتا تھا۔ ریاض غفار پریشان نظروں سے الیان کو دیکھنے لگے جو خود چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گیا تھا۔

”مجھے معلوم ہے بریرہ بھابھی ہمارے ساتھ نہیں جاسکتیں۔ وہاں ہوٹل میں نانی جان کے پاس حامد بھائی موجود ہیں۔ کم از کم مجھے ابھی تو ملنے دیں۔“ وہ لجاجت سے بولی تو الیان بہت ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔

”سیکینہ اس وقت اس سے ملنے کی ضد نہ کرو، میری اس اچانک شادی نے می اور بریرہ کو بہت ہرٹ کیا ہے۔ وہ ابھی کسی کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہیں۔ اس وقت اگر تم اس سے ملو گی تو وہ بہت ان کھفہ ٹیبل ٹیل کرے گی۔“ الیان کی بات میں بہت وزن تھا۔ سیکینہ ایک دم چپ ہو گئی۔

جبکہ ریاض غفار زخمی نظروں سے الیان کو دیکھنے لگے۔ ان کے بیٹے نے صورت حال کو سنبھالنے کے لیے سارا الزام اپنے سر رکھ لیا تھا۔ گھر کی عزت کو بچانے کے لیے وہ خود کیسے سب کی نظروں میں والدین کا نافرمان بن کر کھڑا ہو گیا تھا اور یہ سب کر کے بھی اس کے چہرے پر کوئی دکھ یا پچھتاوا نہیں تھا۔ بلکہ سیکینہ اور شامد کے خاموشی سے مان جانے پر ایک سکون پھیل گیا تھا۔

لیکن یہ سکون صرف ریاض غفار کی شرمندگی کو کم کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ اندر سے بریرہ کے متعلق سوچ سوچ کر اس کی حالت تباہ ہو چکی تھی۔

سیکینہ نے بریرہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کر کے اس کی فکر کو اور بدھا دیا تھا۔ اگر ابراہان نے وعدے کے مطابق بریرہ کو نہیں چھوڑا تو کیا ہوگا۔

الیان اسی ادھیڑ بن میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ نیچے آکر اس نے ایک بار بھی رو میلہ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ حالانکہ چاروں طرف سے وہ اس کی تعریفیں سن رہا تھا۔ سب ہی اس سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔ مگر الیان اپنی ہی سوچوں میں الجھا رہا۔ یہاں تک کہ نانی اماں کے پاس پہنچ گیا۔

ماموں جان ریاض غفار الیان اور رو میلہ ان کے کمرے تک آئے تھے۔ باقی سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔ یہاں تک کہ حامد جو ان کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ سلام دعا کر کے باہر نکل گیا۔ ریاض غفار نے بات کرنی شروع کی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

گفتہ نہیں آئی۔ بیٹی آتی تو میں کچھ بولتی بھی۔ اب بھلا داماد سے کیا شکایت کروں۔“

ایسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ کیا میں آپ کے لیے غیر ہوں۔“ ریاض غفار کو حقیقتاً ان کے لہجے سے دکھ

اپنہ جھکا سر اٹھا کر نانی اماں کی طرف دیکھنے لگی سب لوگوں کی گفتگو سے اسے اتنا تو پتا چل ہی گیا تھا کہ ان کے کسی کو بھی اس شادی کا علم نہیں تھا۔

ب تک کسی نے اس سے اس اچانک شادی کی وجہ نہیں پوچھی تھی لیکن ان کی حیرانی جا بجا ظاہر ہو رہی تھی۔ مرہاں جو بزرگ عورت موجود تھی اس کے چہرے پر حیرت اور غصہ نہیں بلکہ صرف اور صرف دکھ پھیلا تھا۔

خند کپڑوں میں ملبوس وہ سفید بالوں کے ساتھ بہت مقدس سی ہستی لگ رہی تھیں دوپٹے کے پلو سے نم لہوں کو صاف کرتے ہوئے وہ رو میلہ کو بہت بے ضرر سی لگی تھیں۔

اس عمر میں جہاں انسان کا مقصد حیات صرف اولاد کی خوشیاں اور آسودگی رہ جاتا ہے وہاں بدلے میں اسے اولاد صرف ایک چیز چاہیے ہوتی ہے کہ اسے مان دیا جائے اور اس کی عزت کی جائے۔

اب اولاد کی طرف سے کیے گئے سرکش فیصلے اس کی پوری ہستی کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں جہاں اپنی رائے دینے والی خواہش نہیں ہوتی لیکن یہ ارمان ضرور ہوتا ہے کہ تجھ سے رائے مانگی جائے حالانکہ اس کے جواب میں یہی کہنا ہوتا ہے۔

”جیسی تم لوگوں کی خوشی۔“ لیکن اس ایک جملے کو ادا کرنے میں ایک ایسی تقویت حاصل ہوتی ہے کہ جس کا نعم البدل نہیں۔ لیکن بد قسمتی سے اکثریت ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھتی اور جانے انجانے میں بزرگوں کا دل دکھانے کا سبب بنتی رہتی ہے اور پھر یہ شکایت کرتی نظر آتی ہے کہ زندگی میں سے سکون ختم ہو

ہے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ذہنی انتشار پچھا نہیں چھوڑتا۔ رو میلہ ان پر سے نظریں ہٹا کر الیان اور ریاض غفار کو دیکھنے لگی۔

ریاض غفار ایک بار پھر بے بس ہو کر خاموش ہو گئے تھے اور ایک بار پھر الیان کو آگے بڑھنا پڑا تھا مگر اس بار بھی بولنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

”نانی اماں۔ می۔ آپ سے شرمندہ ہیں۔ وہ آپ کو فیس نہیں کر سکتیں۔ بلکہ ہم سب شرمندہ ہیں۔“

”لیکن ہم سب کو معاف کر دیں۔“

”لیکن ایسی کیا آفت آگئی تھی کہ تم۔“ نانی اماں ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو الیان کی ہمت بھی بدے گئی۔

اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے انہیں خاموشی سے رونے دیا کہ صفائی میں کہنے کے لیے اس کے ہاتھ تھامیں البتہ ایک بار وہ دل کا غبار نکال لیتیں تو وہ ان کے پلوں پر کمر معافی مانگ لیتا۔

اس ہی سوچ کر وہ خاموش ہو گیا تو رو میلہ حیرانی سے کبھی نانی اماں کو اور کبھی ریاض غفار اور کبھی الیان کو دیکھنے لگی آخر اس کی برداشت جواب دے گئی تو اس نے آگے بڑھ کر دیوار کے ساتھ رکھے وائرڈ سپنر میں سے پانی نکالا

ان کے باہر میں آ بیٹھی۔

”نانی اماں۔ یہ لیس پانی پی لیں۔“ اس نے ابھی ابھی الیان کو انہیں نانی اماں کہتے سنا تھا لہذا اس نے بھی یہی طرز

طلب دہرایا۔

الیان نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا تو اسے نانی اماں کے برابر میں براہمن دیکھ کر حیران رہ گیا۔

’دنانی اماں بھی بل بھر کے لیے ہچکیاں لیتا چھوڑ کر رو میلہ کو دیکھنے لگیں۔

”اس طرح رونے سے تو آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ رومیلا نے پانی کا گلاس ان کے لبوں کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ تو انہوں نے پانی پینے کی بجائے ہاتھ اٹھا کر گلاس پکڑ لیا۔

”کیا نام ہے تمہارا۔“ ان کے پوچھنے پر رومیلا کو اچانک یاد آیا کہ وہ ایک دن کی دلہن ہے تبھی تھوڑا جھجکتے ہوئے بولی۔

”رومیلا۔“ رومیلا کہہ کر انتظار کرنے لگی کہ شاید اب وہ کچھ کہیں مگر وہ تو بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ آخر کچھ دیر بعد انہوں نے بڑا غیر متوقع سوال پوچھا۔

”کب سے جانتی ہو تم الیان کو؟“

”جی۔“ رومیلا کے جیسے کچھ سمجھ میں نہ آیا ریاض غفار نے البتہ لب کشائی کی مگر نانی جان نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اپنے سوال کی وضاحت کرنے لگیں۔

”میں پسند کی شادی کے خلاف نہیں ہوں۔ لیکن پسند کی شادی میں اتنی جذباتیت کا مظاہرہ کرنا اور اس میں اتنے لوگوں کی دل آزاری کرنا اس کی شدید مخالفت کرتی ہوں۔“ رومیلا منہ کھولے ان کی بات سن رہی تھی۔

ریاض غفار اور راموں جان سر جھکائے بیٹھے تھے البتہ الیان بغور رومیلا کے ایک ایک تاثر کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

”کیا تمہارے گھر والوں کو اس جلد بازی کی شادی پر کوئی دکھ نہیں ہوا۔“ رومیلا کی سمجھ میں یہ تو آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔

الیان کے کزنز کی گفتگو سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کے اس طرح اچانک شادی کر لینے سے خاصے دلبرداشتہ ہوئے ہیں۔

مگر اس شادی کو وہ کوئی کورٹ میں جیسی لومینج سمجھ رہے ہیں یہ اندازہ اسے نانی جان سے مل کر ہوا تھا۔

”کون کون ہے تمہارے گھر میں۔“ نانی اماں اب سوگ منانا چھوڑ کر اس کا اندر دلوں پر اثر آئی تھیں۔

نازک نازک سے نین نقش والی کچھ گھبرائی گھبرائی سی یہ نکھری نکھری لڑکی انہیں پہلی نظر میں ہی متاثر کر گئی اور پھر اس حقیقت پر چاہے جتنا بھی کڑھا جاتا اس سے انکار تو نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اب الیان کی بیوی۔ ان کے خاندان کی بہو تھی۔

چنانچہ انہیں سارے روایتی سوال یاد آنے لگے تھے۔

”بتاؤ ناکون کون ہوتا ہے تمہارے گھر میں۔“

”جی جی میرے والد اور بھائی بھابھی ہیں۔“

”اور تمہاری والدہ۔“

”ان کا تو بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔“ رومیلا نے آہستگی سے کہہ کر سر جھکا لیا تو نانی اماں جو اس پر بگڑنے اور اور اس سے باز پرس کرنے کا سوچ رہی تھیں۔ ایک دم پلیسج گئیں۔

”ہو تبھی شاید تمہیں معاشرے کی اونچ نیچ سمجھانے والا کوئی۔“

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں نانی اماں۔ میں اتنی نا سمجھ نہیں کہ شادی جیسا اہم فیصلہ خود تنہا جلد بازی میں کر ڈالوں۔“ رومیلا نے رک کر ایک نظر الیان اور ریاض غفار کو دیکھا وہ دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے جیسے یہ جاننا چاہتے ہوں کہ وہ اب کیا کہتی ہے۔

جبکہ رومیلا کی نظروں میں ان کے لیے الجھن بھری تھی کہ آخر وہ لوگ سچ بتا کیوں نہیں دیتے جن حالات میں یہ شادی ہوئی ہے اس کی وجوہات چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔

الیان کی کزنز سے اسے اتنا تو علم ہو گیا تھا کہ ان کے گھر میں کل کسی کی شادی ہے باقی کی تفصیلات پوچھنا اسے

”ویسے ہمیں معلوم ہے تمہاری کوئی کورٹ میرج نہیں ہوئی باقاعدہ ہوٹل میں نکاح ہوا ہے۔ اتنی تفصیل اخبار میں موجود تھی۔“ ان کی بات پر نانی اماں ایک دم جیسے کچھ یاد آنے پر تیزی سے بولیں۔

”ڈراپتا تو کرو یہ اخبار میں تصویر کس رپورٹر نے لگا دی۔ اللہ رحم کرے ہماری بہو کی تصویر اخبار میں چھاپ دی وہ بھی دلہن کے روپ میں۔“

”میری تصویر۔“ رومیلا نے بے یقینی سے کہا۔

”ہاں تم دونوں کی تصویر سے ہی تو ہمیں تمہاری شادی کا پتا چلا ہے۔ اب بھلا بتاؤ کتنے لوگوں کی نظر پڑتی ہے اخبار پر۔“ نانی اماں کے سر سے ایک بوجھ اتر گیا تھا اس لیے اب انہیں یاد آیا تھا کہ ان کا کتنا دل جلا ہے رپورٹر کی اس حرکت سے۔

ریاض غفار ماموں کو خوشگوار ہوتا دیکھ کر شکر کا کلمہ پڑھے ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے یہ اور بات تھی کہ رومیلا کی تصویر اخبار میں چھپنے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور الیان کو تو یقین تھا کہ یہ سب ابراہیم کا کیا دھرا ہے تو بھلا وہ رپورٹر کے خلاف ایکشن لینے کا کیوں سوچتا۔

البتہ نانی اماں کے جارحانہ انداز نے اسے چند لمحوں کے لیے سن ضرور کر دیا تھا جو عورت صرف اپنی بہو کی تصویر اخبار میں چھپنے پر اتنی غضبناک ہو رہی ہے جسے یہ گوارہ نہیں ہو رہا کہ جانے کتنے مردوں نے اسے دیکھا ہوگا اسے اگر دوسری بہو اور اپنی نواسی کے اغوا ہونے کی بات پتا چل گئی تو اس کا کیا رد عمل ہو گا کہ ان کے گھر کی عزت تین دن اور دو راتوں سے گھر سے باہر ہے۔

الیان ایک دم بری طرح مضطرب ہو گیا وہ فوراً ”یہاں سے جانا چاہتا تھا مگر ان کی خوش گیاں ہی ختم نہیں ہو رہی تھیں۔“

نانی اماں کی ہر حرکت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں رومیلا بہت پسند آگئی ہے وہ بڑے دلار سے کہہ رہی تھیں۔

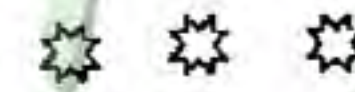
”جوڑے تو اللہ تعالیٰ آسمان پر بیٹا تا ہے۔ جب جہاں اور جس سے نکاح لکھا ہوتا ہے تب وہاں اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم دل چھوٹا نہ کرو اسی میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی اب دیکھنا میں بریرہ اور حامد کی شادی والے دن کیسے دھوم دھام سے تمہارا ولیمہ کرتی ہوں۔ تمہیں آج ہی الیان کی ممانیوں کے ساتھ جا کر کل کے ولیمہ کے لیے ایک شاندار جوڑا لے کر آنا ہے ابھی بھلے ہی تم نے بریرہ کا جوڑا پس لیا ہے مگر آگے ایسا نہیں ہو گا۔“ الیان چونک کر نانی اماں کو دیکھنے لگا۔ جو ماموں جان سے مخاطب ہو کر کہہ رہی تھیں۔

”دیکھو نانا کتنا بڑا دل ہے میری بریرہ کا۔ بات سچی ہوئے راجو جوڑا سسرال کی طرف سے آیا تھا وہ نکال کر بھا بھی کر دے دیا۔“ رومیلا کو سخت تعجب ہوا تھا بے ساختہ وہ کہہ اٹھی۔

”یہ بریرہ کون ہے؟“ اس کے سوال پر وہ چاروں بری طرح چونک اٹھے۔

”تم ابھی تک بریرہ سے نہیں ملیں۔“ نانی اماں نے حیرانی سے پہلے رومیلا کو دیکھا پھر تعجب بھری نظروں سے الیان کو دیکھنے لگیں۔

”بریرہ کہاں ہے الیان؟“ الیان کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ سب کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔



پیس ہوٹل سے واپسی میں رومیلا کا ذہن بہت بری طرح الجھا ہوا تھا عائشہ اختر کے ساتھ گھر جاتے ہوئے اسے گھر جانے سے خوف آ رہا تھا۔

صلی ہی اسے شائستہ خالہ کی روح ہمیشہ سے نظر آرہی تھی اور جب کوئی اس سے یہ کہتا کہ یہ تمہارا وہم ہے تب ی طرح چڑ جاتی تھی مگر پھر بھی دل میں کہیں یہ امید اور خواہش پل رہی تھی کہ یہ واقعی اس کا وہم ہو۔ لیکن اب باتوں نے اس کے خوف و ہراس میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔

وہاں ہوٹل میں بھی اس نے بہت زہر مار کر چند نوالے کھائے تھے یہ تو شکر تھا کہ عائشہ اختر نے خود بھی بہت کم کھا کر اسے گھر جانے کے لیے کہہ دیا ورنہ تو وہ اصرار کر کے اسے زچ کر دیتی یقیناً۔

اب یہ کو ان کی غیر معمولی خاموشی نے تھوڑی دیر کے لیے حیران بھی کیا مگر اس کے پاس ان پر غور کرنے کا وقت نہ تھا۔

لہٰذا تب سے یہی سوچے جا رہی تھی کہ اس کے علاوہ یہ سب خرم کے ساتھ ہی کیوں ہوا۔ کیا اس لیے کہ خرم کے کمرے میں رہتا ہے۔ لیکن شائستہ خالہ کی روح کوئی صرف اس کمرے تک تو مقید نہیں ہے۔ وہ تو رومیلا کے ساتھ اس گھر سے اس گھر میں منتقل ہو چکی تھی۔ تو کیا شائستہ خالہ وہاں اور یہاں دونوں جگہ آتی جاتی رہتی ہے۔

اسے اب خیال آ رہا تھا کہ اسے خرم سے کہنا چاہیے تھا وہ ان سے بات کرنے کی کوشش کرے کیا پتا خرم ان بات سننے میں کامیاب ہو جائے بلکہ اسے خرم کو بتانا چاہیے تھا کہ شائستہ خالہ کی روح سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ وہ کسی کو تب تک تکلیف نہیں پہنچاتا جب تک کوئی دوسرا کسی اور کو تکلیف نہ پہنچائے یا بے وقوف کی کوشش نہ کرے۔

اسے یہ بھی افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے خرم کو تاکید کیوں نہیں کی کہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جیسی اسی کی رخسار نے کی تھی اور بدلے میں شائستہ خالہ نے اس کا سر زمین پر دے مارا تھا۔

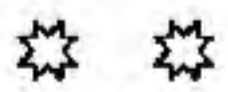
پس وہ خرم کو بھی کوئی چوٹ نہ پہنچا دیں۔ اسے اب اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اس قدر سن کیوں ہو گئی تھی کچھ بول سکی اور نہ کچھ پوچھ سکی۔ اسے کم از کم یہ تو پوچھنا چاہیے تھا کہ شائستہ خالہ کی روح اسے صرف اپنے کمرے میں نظر آتی ہے یا پورے گھر میں وقتاً فوقتاً دکھائی دیتی ہے۔

اس نے تو خرم سے کوئی بات ہی نہیں کی اور عائشہ اختر کو آنا دیکھ کر اسے چلتا کر دیا یہ عائشہ اختر کو بھی اسی وقت تھا ویسے تو ہر جگہ گھنٹوں لگا دیتی ہیں جہاں جاتی ہیں وہاں سے آنے کا نام نہیں لیتیں بس اسی دن فوراً آ گئیں۔ کہ وہ اس دن بھی بڑی دیر سے آئی تھیں یہ صرف رومیلا کا غصہ تھا جو وہ ایسے سوچ رہی تھی۔

موانہ پنجس ہونے پر وہ بس یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتی کہ خرم نے اس کا نمبر لیا ہے وہ اسے فون ضرور کرے

ایک دن اسی انتظار میں گزر گیا اور اس کا موبائل ہمیشہ کی طرح خاموش ہی پڑا رہا۔ دوسرا دن گزرنے پر رومیلا چینی سوا ہو گئی اور آخر ایک دن اس نے خود ہی موبائل اٹھا کر خرم سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسری گھنٹی کی آواز سننے ہوئے رومیلا کی ہتھیلیاں تک پسینے سے بھگ گئی تھیں۔

(باقی آئندہ ملاحظہ فرمائیں)



فوزیہ یاسمین

ہستہ کھڑکی

نوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خال شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ نوزیہ ان سے بات کر کے کہے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوئی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوزیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چمت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ اس کی خال کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رہ میلہ، سنہیل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نعل ان دونوں کو لپچی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ڈکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شہ کو قبول کر لیتا ہے اور انہیں لپچی کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوزیہ اپنی خال سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بعد توقف بن جانے پر خوش ہے۔ دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کرتا ہے۔

۲۵

پچیسویں قسط



کچھ لمحوں کے لیے تو دو میلہ بھی گھبرا گئی۔ سب کو اپنی جانب اس طرح دیکھتا کر۔
کیونکہ ثانی اماں کے سوال پر سب الیان کو دیکھنے لگے تھے جس پر صرف ایک لمحہ لگا تھا الیان کو سنبھلنے میں اور
اس کے بعد وہ خود دو میلہ کو ایسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولا کہ سب کی نظریں دو میلہ پر تنگ گئیں۔
”لو لیا تو تھا تمہیں بریرہ سے۔ یاد نہیں کیا؟“ شادی والے دن ایسے بہت سارے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے
جن کا نام اور چہرہ بالکل محو ہو جاتا ہے۔ لیکن دو میلہ کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس سے سرے سے کوئی بات ہی نہیں
کی گئی کسی سے ملوانا یا اپنے خاندان کے متعلق کچھ بتانا تو بہت دور کی بات تھی۔
مگر الیان نے اتنے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ دو میلہ سنا کر وہ کئی باتیں لوگوں کے چچا سے الیان کو جھٹانا اچھا
نہیں لگا تھا پھر ثانی اماں بھی اس کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے کہنے لگیں۔

”ایسے موقعوں پر ایک دفعہ ملنے سے چہرے یاد نہیں رہتے۔ صرف ایک بار ملاقات ہوئی ہوگی اس
لئے اس کے ذہن میں نہیں آ رہا ہے۔ چاری بھی تو صبح صبح تیار ہو کر سہاگنی دوائی طریقے سے اگر صبح اٹھتی
اور آرام سے کمرے سے نکل کر ناشتا کرتی تو سب سے تفصیلی ملاقات ہو جاتی۔“
”ارے تم لوگوں نے ناشتا بھی کیا ہے یا نہیں۔“ ماسوں جان ایک دم چونکے ہوئے بولے پھر ان کا جواب سننے
سے پہلے ہی ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگے۔

”صبح تو میں نے فون کر کے پریشان کر دیا ناشتے کا ہوش ہی کہاں ہو گا خیر میں سب کے لیے منگواتا ہوں۔“
”نہیں ماسوں جان ہم اب چلیں گے مجھے ایک ضروری کام ہے۔“ الیان فوراً سہولا۔
”نہیک ہے تمہاری شادی بالکل اچانک ہوئی ہے لیکن اب تم ایک دن کے دو لہا ہو لہذا سارے کام و فیہ و جمود
کر شرافت سے شرابے لجاؤ کی ڈیوٹی انجام دو۔“ ماسوں جان کی بات پر ثانی اماں کے علاوہ کوئی نہ ہنس سکا۔
مگر ثانی اماں فوراً ہی سوجیدگی سے ہو گئیں۔

”ناشتا تو ہم لوگوں نے بھی نہیں کیا ہے لیکن پہلے اس بچی سے پوچھو یہ کیا چاہ رہی ہے اگر تم چاہ رہی ہو کہ رواج
کے مطابق تمہارے کمرے سے ناشتا آئے تو تم لوگ چلے جاؤ ورنہ ابھی ہمارے ساتھ بلکا چھانکالے لو پھوس بجے تک
میکے سے آیا ناشتا کر لیتا۔“ ثانی اماں بڑے نرم لہجے میں بولیں تو دو میلہ کو ان کے نرم اور سلجھے ہوئے مزاج کا اندازہ
ہو گیا۔

اتنی بڑی بات برائوں نے کتنی آسانی سے دل سے سارے شکوے شکایت نکال کر اسے بہو کی حیثیت سے
قبول کر لیا اور اب بھی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم سب کے لیے تمہارے میکے سے ناشتا منگوا لیا جائے تو ہم سب
ساتھ کر لیں۔

کیونکہ اتنے سارے لوگوں کا ناشتا منگوانا اول تو بہت غیر مناسب تھا وہ تم کیا جانے اس کے گھر والے اتنے
اخراجات برداشت کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے رواجی سرال والوں کی طرح کسی قسم کا بوجھ ڈالنے کو اپنا
حق سمجھنے کی بجائے بڑے سجاوے بات کی تھی کہ جیسے دو میلہ کی خواہش ہو ویسے کیا جائے۔

دو میلہ کی آنکھوں میں ان کے لیے ستائش چھپی تھی جبکہ الیان اسے خاموش دیکھ کر یہ سمجھا کہ اس سے
فیصلہ نہیں ہو پا رہا تب ہی جلدی سے اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ سنایا مگر اس انداز میں کہ ثانی اماں کو یہ نہ لگے کہ
وہ یہاں سے فوراً ”جانا چاہ رہا ہے“ بلکہ یہ لگے کہ اس نے دو میلہ کی مرضی کے مطابق بات کی ہے۔
”آف کورس اس کا دل چاہ رہا ہو گا کہ ناشتا اس کے میکے سے آئے اور وہی سب کھا لیں۔ آپنی اہل ہمیں
اجازت دیں۔ ساتھ کھانا پینا تو ہوتا ہی رہے گا۔“

”نہن شاء اللہ۔“ ثانی اماں فوراً ”بولیں تو الیان نے شکر کا کلمہ پڑھا پھر محض پانچ منٹ میں ہی وہ تینوں وہاں سے

اٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔ پانچ منٹ بھی اس لیے لگے تھے کہ ثانی اماں کے اشارے پر ماسوں جان نے ایک لفافہ
لا کر دو میلہ کو دیا تھا جسے دو میلہ نے تھوڑے سے پس و پیش کے بعد قبول کر لیا تو ثانی اماں نے ڈھیر ساری دعاؤں
میں اسے رخصت کر دیا۔

ایک بل کو الیان کو وہم ہوا جیسے وہاں سے نکلنے وقت دو میلہ کی پلکیں بھیگ گئی ہوں مگر اس کے پاس اس وہم پر
غور کرنے کا وقت نہیں تھا اسے جلد از جلد ایرار سے مل کر بریرہ کی واپسی کا مطالبہ کرنا تھا۔
ثانی اماں نے چلتے وقت کہا بھی کہ گفتہ سے کو مجھے فون کرے۔ الیان نے ان کی بات تو سنی مگر مفہوم سمجھے بغیر
محض سر ہلادیا جیسے جس جان چھڑانا مقصود ہو۔

پھر وہ اتنی بڑی رش ڈرائیو تک کر کے پہنچا تو گھر میں قدم رکھتے ہی اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہو گیا۔
اس نے بے اختیار ریاض غفار کی جانب دیکھا جو خود بھی چونک کر اسے دیکھ رہے تھے۔
ان کا کمرہ سری منڈل پر تھا مگر گفتہ غفار کی تواضع نہجے تک سنائی دے رہی تھی وہ بہت چچ چچ کر بول رہی تھیں
اور شاید وہ بھی رہی تھیں۔

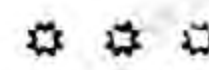
الیان ایک نظر ریاض غفار پر ڈال کر تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپری منزل پر چڑھ گیا ریاض غفار بھی اس
کے پیچھے لگے البتہ دو میلہ جوں کی توں کھڑی رہی۔

آوازوں کے شور اور ان دونوں کے رویوں سے اسے کسی انسانی کا اندازہ تو ہو گیا تھا مگر ان کے پیچھے جانے کی اس
میں بہت نہیں ہوئی اتنی بے تکلفی جو نہیں تھی پھر وہ سری طرف ان سب کا رویہ بھی ایسا تھا کہ وہ فوری طور پر
انجینیت کی دیوار کرا کر کھل مل نہیں سکتی تھی۔

چنانچہ آگے بڑھنے کی خواہش ہونے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے ملی تک نہیں ابلتے اس کی نظریں اوپری منزل پر
پہنچے اس بند دروازے پر جمی تھیں جسے کھول کر الیان تیزی سے اس میں داخل ہوا اور ریاض غفار داخل ہونے
سے پہلے باہر ہی بری طرح چونکے تھے پھر پلٹ کر ایک نظر انہوں نے دو میلہ پر ڈالی اور اندر داخل ہو کر دو آنہ اندر
سے بند کر لیا۔

دو میلہ کو ان کا رویہ خاصا عجیب لگا ہر چند وہ ابھی اس گھر میں بالکل نئی تھی مگر ریاض غفار کا اسے دیکھ کر وہ اندازہ
بند کر لیا اسے جگہ سے ملال میں مبتلا کر گیا تھا۔

وہ محض ہونٹ کاٹ کر وہ کئی کچھ دیر اسی حالت میں کھڑے رہنے کے بعد وہ گیٹ روم کی طرف بڑھ گئی
کیونکہ بند کمرے کے کھلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے اور آتے بھی کیسے گفتہ غفار کا یہ رونا دھونا ایسے ہی
نہیں تھا۔



ریاض غفار اور الیان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں کچھ سوئے اور کچھ جاگے کی کیفیت میں پڑی تھیں
جب کافی دیر بعد انہیں اپنے دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

پہلے تو انہوں نے یہ سوچا کہ شاید ریاض غفار اور الیان واپس آگئے ہیں جمی وہ کسلندی سے پڑی رہیں
انہیں کوئی خواہش نہیں تھی ریاض غفار کے منہ سے سب کے بھرے اور شکوے شکایت سننے کی خاص طور پر
اپنی ماں کے تاثرات سننے کا ان میں بالکل حوصلہ نہیں تھا۔

مگر ان کے جواب نہ دینے پر دستک دینے والی خود ہی وہ وہاں کھول کر اندر داخل ہو گئی۔
گفتہ غفار نے سرسری انداز میں دروازے کی جانب دیکھا مگر وہاں بریرہ کو کھڑا دیکھ کر وہ چیخ مارتی بستر سے اٹھنے

گئیں۔
 ”بریرہ میری بیٹی۔“ بریرہ نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ وہ برقی رفتار سے اس تک پہنچ گئیں اور اسے خود سے لگا کر دھانسیں مار مار کر رونے لگیں بجائے اس کے کہ وہ بریرہ کی خیر خواہی پر چھٹیں بریرہ کو انہیں سنبھالنا پڑا تھا۔
 ”مئی۔ مئی میں ٹھیک ہوں۔ مئی آپکی ایم فائن“ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی ضرور تھی مگر اس کا چہرہ بالکل مطمئن تھا۔ کلفتہ غفار ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگیں۔
 کل اس کی شادی ہوئی تھی اور آج اس کی کیا حالت بنی ہوئی تھی کتنی کمزور لگ رہی تھی وہ۔ چند دن میں ہی غنیمت اور غذا کی کمی اس کے چہرے پر آشکار ہو گئی تھی۔ کلفتہ غفار اسے نور سے پہنچتے ہوئے ایک بار پھر رونے لگیں جاتے یہ سلسلہ کب تک چلتا رہتا کہ آخر الیان اور ریاض غفار کے آنے پر یہ تسلسل ٹوٹ گیا۔
 پہلے تو ان پر نظر پڑتے ہی کلفتہ غفار اور بریرہ دونوں کے ہونے میں شدت آگئی مگر ان کے چہروں پر پھیلی بے چینی دیکھ کر بریرہ کو خود کو سنبھالتے ہوئے ساری تفصیل بتانی پڑی۔
 ”میں نے صرف ایک سی آدی کو دکھا جو مجھے سے ہی ملازم لگتا تھا وہ کس کی بدایت پر یہ سب کر رہا تھا اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں۔ اس کے پاس بس ایک فون آتا تھا جس پر وہ جی صاحب جی صاحب کرتا رہتا تھا۔“
 ”اس کا حلیہ کیسا تھا کیا تم اسے پہچان سکتی ہو؟“ الیان نے بے صبری سے پوچھا۔
 ”میں نے اسے زیادہ نہیں دیکھا وہ ایک بہت صاف ستھرا سا کمرہ تھا جہاں اس نے مجھے رکھا تھا لیکن وہ خود اس کمرے میں بہت کم آتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے قد کا کچھ بھاری جسم کا آدمی تھا اس کا رنگ گہرا سا کالا تھا اور آنکھیں بہت چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ وہ باہر والے کمرے میں میز پر کھانا رکھنے کے بعد میرے کمرے کا دروازہ کھول دیتا اور تو اڑا لگا کر کتا کہ کھانا کھا لو پھر خود کمرے سے نکل جاتا۔
 ایک دو گھنٹے بعد میں نے کھانا کھایا ہوا یا نہ کھایا ہوا اگر برتن اٹھا کر لے جاتا پاتی اس کے علاوہ اس نے کبھی نہ کوئی بات کی نہ کوئی سوال کیا بلکہ میں بھی اگر کچھ پوچھتی تو وہ اس کا بھی جواب نہیں دیتا تھا۔“ بریرہ تفصیل سے بتاتے لگی۔
 اس کی بات سن کر ان تینوں کو ہی اپنی اپنی جگہ اطمینان ہوا تھا حالانکہ بریرہ پر نظر پڑتے ہی الیان کو یقین ہو گیا کہ ابراہ نے اس کی بہن کو جیسے اغوا کیا تھا ویسے ہی پہنچ دیا ہے۔
 لیکن اب بریرہ کی بات سن کر اس کے یقین میں اضافہ ہوا تھا جو کہ اس کی مدد تک کو بر سکون کر گیا تھا۔
 مگر اس اطمینان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کی ابراہ سے نفرت میں کمی آگئی تھی بلکہ بریرہ کے منہ سے یہ ساری تفصیل سن کر اس کے فہم میں اضافہ ہو رہا تھا کہ کیسے اس شخص نے اس کی پھول جیسی بہن کو ایک انہی کے رجمو کرم پر ایک کمرے میں بند کر دیا۔
 اگر اس شخص کی نیت میں خور آجاتا تو ابراہ کے منع کرنے کے باوجود بریرہ کے ساتھ کوئی ناز یا حرکت کر سکتا تھا بعد میں خبر ہونے پر ابراہ صرف اس پر بگڑی سکتا تھا ان کے نقصان کی طمانی تو نہیں کر سکتا تھا۔
 ”تو کہاں رکھا تھا انہوں نے تمہیں۔ کچھ اندازہ ہے؟“ ریاض غفار نے پوچھا۔
 ”نہیں ڈیڈی ان دونوں کمروں میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا جو مجھے جگہ کا کوئی اندازہ ہوتا مجھے تو دن اور رات کا بھی پتا نہیں چلتا تھا کتنے دن رہی ہوں میں وہاں۔“ بریرہ استغما سے نظروں سے ان تینوں کو دکھا۔
 ”دن؟ مجھے تو وہ ایک صدی لگتی ہے۔“ کلفتہ غفار کمرے تاسف کے ساتھ بولیں۔
 ”مگر مجھے اغوا کیوں کیا گیا تھا۔ کیا کسی نے آپ سے پیسے مانگے تھے۔“ بریرہ کے اچانک پوچھنے پر وہ تینوں ایک

دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔
 ”کیا ہوا بتائیں نا میرے اغوا کے پیچھے کوئی توجہ ہوگی کتنی رقم مانگی تھی کتنی دیکھو نے۔“ بریرہ جھکے لمبے میں بولی۔
 ”سب باتیں بعد میں کر لیں گے پہلے تم کچھ کھا لی لو اور آرام کر لو شادی والے دن تمہیں مکمل طور پر فریش نظر آنا چاہیے۔“ کلفتہ غفار کی آنکھیں ڈبڈبائیں اسے پیار سے دیکھتے ہوئے۔
 ”شادی۔“ بریرہ عجیب سے لمبے میں بولی۔
 ”ہاں تو؟ اس میں اتنے تعجب کی کیا بات ہے تمہاری شادی اپنے مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر ہوگی ان شاء اللہ۔“ الیان اس کے لمبے میں جیسے سوال پر بخوبی سمجھتے ہوئے یقین سے بولا۔
 بریرہ زبان سے تو کچھ نہیں بولی مگر الیان کو دیکھ کر وہ گئی۔ اس کی نظروں میں جو شک و شبہات بھرے تھے انہیں دیکھ کر الیان کو اچانک اپنی بہن بہت بڑی بڑی سی لگی اس نے بے ساختہ اسے کندھوں سے تھام لیا۔
 ”تمہاری کلفتہ کج کے بارے میں ہم تینوں کے سوا کوئی کچھ نہیں جانتا اور کسی کو جاننا بھی نہیں چاہیے خاص طور سے حامد کو تو بالکل بھی نہیں۔“ الیان رسائی سے بولا۔
 بریرہ کی آنکھیں بھرتی تھیں وہ کچھ کہنے کے لئے محض لب ہلا کر وہ گئی مگر بول نہ پائی تو ریاض غفار بھی اس کے قریب پہنچے آئے۔
 ”الیان ٹھیک کہہ رہا ہے کبھی بھی کسی کمزور لمبے کے زیر اثر نہ جاتی ہو کر حامد کو سب بتانے مت بیٹھ جانا تم جس طرح کئی شخص ویسے ہی واپس بھی آئیں لیکن حامد اس بات پر کبھی یقین نہیں کرے گا۔“ بریرہ سر جھکائے ہونٹ کاٹتی رہی۔
 الیان کو معلوم تھا اس کے اندر ایک جنگ چل رہی ہے وہ بھی سوچ رہی ہے کہ ”جو کچھ ہوا جب اس میں میرا حضور نہیں تو پھر میں کیوں ڈروں اور کیوں چھپاؤں میری تو کوئی گلطی نہیں ہے پھر میں کیوں بھڑانہ احساسات میں گرفتار رہوں۔“
 الیان اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے اس کے کندھوں کو ہلکے سے دھاتے ہوئے بولا۔
 ”ہم جو بھی کہہ رہے ہیں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہے ہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ کوئی بھی موبہداشت نہیں کر سکتا اور حامد کی تو تربیت ہی اس ماحول میں ہوئی ہے وہ ساری زندگی ایک ذہنی کرب اور جذباتی عذاب سے گزر رہا ہے گا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ جیسے چھوڑ دے گا مگر تمہاری عزت نہیں کرے گا۔
 اب تم خود بتاؤ جس رشتے میں ایک دوسرے کے لیے احرام ہی نہ ہو اس رشتے کا بھلا کیا قاعدہ ہے۔“ الیان کتا ہلا گیا۔
 بریرہ نے تیز تیز پلکیں جھپکاتے ہوئے اپنے آنسو پینے کی کوشش کی پھر ایک طرف سے موضوع بدلنے کے لیے پوچھنے لگی۔
 ”کتنا تاوان پیش کرنا پڑا آپ کو میری آزادی کے عوض۔“ کلفتہ غفار جو پہلے ہی بمشکل ضبط کیے ہوئے تھیں۔ بھوت بھوت کر رونے لگیں۔
 بریرہ کچھ حیرانی سے ماں کو دیکھنے لگی اسے اس رد عمل کی امید نہیں تھی وہ توقع کر رہی تھی اس کے سوال پر وہ کہتا ہے کہ بجائے اسے نوکیں گے آخر پیسے بریرہ کی زندگی اور عزت سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھے۔
 ”کیا ہوا مئی۔ کیا بہت پیسے مانگ لیے ان لوگوں نے۔“ بریرہ نے تعجب سے ان سب کو دکھا۔
 ”تم بہت تھک گئی ہوگی ایسا کرو نہادو کر فریش ہو جاؤ نا کہ کچھ کھا کر تھوڑی دیر سو سکو۔“ ریاض غفار کا انداز

صاف ٹالنے والا تھا۔ بریرہ مزید پریشان ہوئی۔
 ”بھائی آپ بتائیں کیا مانگا تھا انہوں نے بدلے میں جو آپ مجھے بتا نہیں پارہے۔“ اس سے پہلے کہ الیان کچھ
 کہتا کھٹکتا غفار بول پڑیں۔

”اس منحوس کھٹکھٹ نے جہیں چھوڑنے کی شرط میں الیان کو ٹانگ لیا۔“
 ”کیا مطلب؟“ بریرہ کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا تب ریاض غفار کھٹکتا غفار سے پہلے بول پڑے مبادا
 بہت سی تکلیف دہ انداز میں ساری سچائی نہ بتادیں۔

حالانکہ کوئی بھی الفاظ ایسے نہیں تھے جو اس حقیقت کو آشکار کرنے پر اس کی اذیت میں کمی کر سکتے البتہ جس
 لب و لہجے میں کھٹکتا غفار بریرہ کے گوش گزار کرتے تھے وہ اس کی تکلیف کی شدت میں کئی گنا اضافہ ضرور کر سکتے تھے
 لہذا ریاض غفار نے مختصر الفاظ میں اسے الیان کی شادی کے متعلق بتادیا۔

بریرہ منہ کھولے سب سنتی رہی اور ریاض غفار کے چپ ہونے پر بے یقینی سے الیان کو دیکھنے لگی۔
 الیان اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا وہ اس کی مشکور تھی اور اس سے شرمندہ بھی۔
 وہ مجبورانہ احساسات لیے الیان کے نزدیک آئی۔

”آپ نے زندگی کا اتنا اہم فیصلہ میری وجہ سے۔ میری وجہ سے اس طرح۔ اس طرح آنکھیں بند
 کر کے کر ڈالا۔“

ایک۔ ایک کھٹکھٹ کی ہنسن۔ ایک جراثیم پیشہ فیملی کی لڑکی کو آپ نے اپنی بیوی۔ ”بریرہ بہت رک رک کر
 بول رہی تھی بالآخر وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس کے ساتھ ساتھ کھٹکتا غفار بھی بے کواڑ رونے
 لگیں۔

الیان نے بے ساختہ اسے خود سے لگا لیا یہ اس کی وہ ہنسن تھی جس میں ریاض غفار کی۔ وہ۔ شوخ سی لڑکی جو ہر
 وقت ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔

”تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا ہے اور نہ ہی یہ میری زندگی کا کوئی اہم فیصلہ ہے۔ یہ سب ایک ذیل تھی جو
 مناسب وقت آنے پر میں ختم کر دوں گا۔“

میں زندگی بھر اس کھٹکھٹ کی ہنسن کو گلے کا طوق بنا کر نہیں رکھنے والا۔ میں بہت جلد اس سے چھٹکارا حاصل
 کر لوں گا۔ ”بریرہ رونادھونا بھول کر حیرانی سے الیان کو دیکھنے لگی۔

”لیکن ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں ہے تمہارے ماموں جان کو اس شادی کا علم ہو گیا ہے کل تمہاری
 شادی کے ساتھ ہمیں الیان کا وسمہ کرنا ہے لہذا اس وقت سب اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نارمل رکھیں۔“

ریاض غفار کے چہرے پر کمری سوچوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ کھٹکتا غفار ان کی بات پر پھر کر بولیں۔
 ”میں اپنی بیٹی کی شادی والے دن اس منحوس کو دلہن بنا کر اپنی بیٹی کے برابر میں ہرگز نہیں بٹھاؤں گی۔“

”تو پھر کیا کرو گی؟“ ریاض غفار کو بھی غصہ آ گیا وہ بھی فوراً ہونٹوں سے
 ”اس بلیک میل نے تمہارے بھائی کے گھر میں اگر بریرہ کے اغوا ہونے والی بات بتادی تو بیٹی کا رشتہ تو کیا تمہارا
 اپنا میکا بھی پھوٹ جائے گا۔“ ریاض غفار تو غصے میں کہہ گئے جبکہ بریرہ کا چہرہ قہقہہ دیکھتے ہوئے الیان نے
 فوراً مداخلت کرتے ہوئے رسوائیت سے کہا۔

”ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ہم ایسی نوبت نہیں آنے دیں گے اسی لیے فی الحال اس ٹانگ پر سوچنے اور کڑھنے کی
 بجائے سب اپنے ذہنوں کو ٹھنڈا رکھیں۔ مجھے یقین ہے شام میں ممانی جان اور سارے گزرتا سب رو میلہ سے
 ضرور آئیں گے۔“ الیان ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کھٹکتا غفار تنگ کر کے لگیں۔

”کیوں۔ کس خوشی میں سب اس چیل سے ملنے آئیں گی۔“
 ”قار کا ڈیک کھٹکتا! زبان سنبھال کر بات کرو۔ کسی کے بھی سامنے جہیں ایسی کوئی مہنگو نہیں کرنی تو کونوں
 کے سامنے بھی نہیں۔“ ریاض غفار خامے گردار لہجے میں بولے تو کھٹکتا غفار خائف ہو کر بیڑا لے لگیں۔ وہ
 کی باتیں نظر انداز کر کے الیان سے مخاطب ہوئے۔

”جہیں یہ یقین کیوں ہے کہ وہ سب رو میلہ سے ملنے آئیں گے۔“
 ”آپ نے سنا نہیں تھا جب ملتے وقت ممانی نے اس سے اس کے کپڑوں کے متعلق مذاق میں پوچھا تھا کہ کوئی
 نہ جوڑا نہیں ملا تھا جہیں پہننے کو۔ تب ماموں جان فوراً بولے تھے ممانی سے۔ میں جہیں بعد میں سب بتاتا
 ہوں اس بے چاری کے پاس تو ہوتا نہیں نہ میں پہننے کے کپڑے بھی ہوں گے کیا نہیں۔“

اس وقت ممانی جس طرح حیرانی سے ماموں کو دیکھ رہی تھی اس سے مجھے ہنڈرید پر سنٹ یقین ہے ممانی نے
 اسے نکلنے ہی سب کچھ پوچھا ہوگا۔

انہیں بھی ممانی کی طرح رو میلہ سے ہمدردی ہو جائے گی مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ وہ اسے وسمہ کا جوڑا بھی
 ملے گا میں کی۔ ”الیان کی بات پر کھٹکتا غفار نے بڑے جھٹس سے پوچھا۔

”آئی جان (ممانی) کو اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔“ تب ریاض غفار نے وہاں کا پورا احوال انہیں سنا ڈالا اور
 ساتھ ہی کہنے لگے۔

”اس لڑکی نے بڑی خوبصورتی اور سمجھ داری سے چوہین کو سنبھالا ہے ورنہ تمہاری امی جان تو بہت زیادہ خفا
 ہونے والی تھیں۔“ کھٹکتا غفار کو اس کی تعریف ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ انہوں نے فوراً ”الیان کی طرف
 کھامبھلا شوہر کی طرح بیٹے کے بھی تاثرات اس لڑکی کے لیے ستائشی تو نہیں ہو گئے مگر انہیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی
 ہو کہ وہ بڑے کو فخر۔ بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”اس نے چوہین سنبھالنے کے لیے کچھ نہیں کیا بلکہ وہ سچ کہہ رہی تھی واقعی اس کی بارات لوٹ گئی جہیں
 رہنے بدنامی سے بچنے کے لیے ہمیں قربانی کا کبیرا بنانا پڑا۔“

”ہاں اور کیا؟“ کھٹکتا غفار جب کہ بولیں پھر بیڑا لے ہوئے بولیں۔
 ”ضرور کوئی عیب ہو گا لڑکی کے کیرئیر میں جہیں وہ دن پہلے شادی ٹوٹ گئی۔“ ان کی بات پر ان تینوں کو سانپ
 کھمکھمکھ لگا۔

بریرہ جن حالات سے گزر رہی تھی وہ بھلے ہی اس کا تصور نہیں تھا مگر ایسی لڑکیوں کے لیے بھی معاشرو بڑی تنگ
 سڑی سے ہی سوچتا ہے کہ ان کا کردار اور عزت و افتاد ہو گئی ہے۔

اگر بریرہ کا یہ راز کھل جاتا ہے اور اس کے سسرال والے شادی سے انکار کر دیتے ہیں تو کل کو کچھ ایسے ہی
 حالات ان کی بیٹی اور بہن کے لیے بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

مگر کھٹکتا غفار کو ایسا کوئی خیال نہیں آیا وہ ان سب کو چپ دیکھ کر مزید برہمی سے بولیں۔
 ”اگر وہ لوگ اس منحوس سے ملنے آئے تو کہہ دیں گے کہ گھر پر نہیں ہے بلکہ ایک منٹ! وہ آج کے مطابق
 سے آج اپنی ماں کے گھر جانا چاہیے۔ اب تک تو آجنا چاہیے تھا ان لوگوں کو اسے کہنے ایسا کریں ریاض آپ
 ہاں پھر کے ساتھ اسے اس کے گھر بھیج دیں اور اس سے کہہ دیں وسمہ کے لیے اگر کوئی جوڑا نہیں بتا ہے تو اس
 کی انتظام کر لے۔ ویسے تو بری میں دلچسپی کا جوڑا آچکا ہو گا یا پھر لڑکے والے شادی توڑنے پر فوراً ہی ساری
 باتیں بھی واپس لے گئے۔“ کھٹکتا غفار کا بارہ بدستور چڑھا ہوا تھا۔

”کھٹکتا میں نے پہلے بھی کہا ہے زبان کو ذرا قابو میں رکھو اگر اسی انداز میں تم نے اس لڑکی کے سامنے مہنگو کی تو
 ☆ 167 ☆

خدا کا خواستہ تمہاری بیٹی کی بارات بھی آتے آتے لوٹ سکتی۔

”خدا کا خوف کریں ریاض کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“ گفتہ غفار دل نہیں۔

”سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں تمہیں۔ کہ اپنے جذبات اور اپنی نفرت کو اس لڑکی یا اس کے گھروالوں کے سامنے ظاہر کرنے پر نقصان بھی ہمارا ہی ہو گا کیونکہ ہم عزت دار لوگ ہیں انہیں تو کوئی فرق نہیں پڑے والا ان کی تو ذات ہی ایسی ہے۔“ ریاض غفار نے دانت پیستے ہوئے حقارت سے کہا تو گفتہ غفار کچھ پرسکون ہو گئیں۔

ورنہ تو پریشان ہی ہو گئی تھیں جب ریاض غفار نے دو میلہ کی سمجھداری کی تعریف کی تھی انہیں لگا اس منکار لڑکی نے چند ہی لمحوں میں ان کے شوہر کو اپنا گرویدہ بنا لیا جو ان جیسی عورت کے لیے ناقابل برداشت تھا بھلا جس لڑکی کے ذکر سے ہی انہیں کراہیت آرہی تھی جس کے خاندان اور کردار کی طرف سے انہیں ابہام ہو رہے تھے اس لڑکی سے اپنے شوہر کا متاثر ہونا کیسے ممکن کر سکتی تھیں۔

ابھی ریاض غفار نے چند لمحوں کے لیے انہیں سکون عطا کیا تھا کہ بریرہ نے لب کشائی کر کے اسے دہم دہم کر دیا۔

”مجھے اس لڑکی سے ملنا ہے کہاں ہے وہ؟“

”کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں اس منحوس سے ملنے کی۔“ گفتہ غفار پھر کر بولیں ان کے انداز پر وہ تینوں ہی بل بھر کے لیے خاموش ہو گئے آخر الیان نے ہی موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”تم کھر کیسے آئیں؟“

”جس گاڑی میں مجھے کٹھنپ کیا گیا تھا اسی گاڑی میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے ہٹا دیا اور گھر سے ذرا سے فاصلے پر اتار دیا مجھے بس اتنا اندازہ ہے کہ گاڑی بہت دیر تک چلتی رہی تھی باقی وہ جگہ کتنی دور تھی مجھے کتنا ناممکن لگے تھے میں مجھے کچھ پتا نہیں۔“ بریرہ کی بات پر ان سب کے درمیان کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی جسے بلا آخر الیان نے ہی توڑا۔

”بریرہ! تم نہادو کر کچھ کھاؤ اور پھر سو جاؤ تم جس ذہنی ٹینشن سے گزری ہو اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے تمہارا بھرپور طریقے سے آرام کرنا سخت ضروری ہے۔“ ریاض غفار اور گفتہ غفار بھی الیان کی حمایت کرنے لگے تو آخر بریرہ کو اٹھتے ہی اپنی اس کے کمرے سے نکلتے ہی ریاض غفار الیان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگے۔

”بریرہ ساتھ خیبت کے گھر آگئی ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس راز پر ہمیشہ کے لیے پرہیز ڈال دے گا۔ لہذا اب تم ایسی کوئی حرکت مت کرنا کہ معاملہ پھر زور پکڑے۔“

”نہیں ڈیڈی میرا خیال ایسا کچھ بھی کرنے کا ارادہ نہیں ہے کہ ابرار طیش میں آجائے۔ ایک بار بریرہ کی شادی خوش اسلوبی سے منبٹ جائے ثانی اماں کی پوری فیملی حویلی لوٹ جائے پھر میں سوچوں گا اس پتھویشن کو کیسے ہینڈل کرنا ہے؟“ الیان سنجیدگی سے بولا پھر ایک دم چوتھے ہوئے کہنے لگا۔

”ثانی اماں نے آپ کو فون کرنے کا کہا تھا میں آپ کو تباہی بھول گیا۔“

”کیا بات کروں گی میں امی سے۔“ گفتہ غفار افسردگی سے بولیں۔

”انتہا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ساری بات ہم کر چکے ہیں وہ تمہیں مزید کچھ نہیں کہیں گی۔ تم انہیں فون کر لو وہ تو تمہیں فون کر نہیں سکتیں تمہارا سوا بل تک ہے۔“ ریاض غفار کے کہنے پر گفتہ غفار پھر مرہ انداز میں سائیڈ ٹیبل پر سے موبائل اٹھا کر ثانی اماں کو فون ملانے لگیں۔

تھوڑی دیر کے روایتی گلے شکوے اور ایک دوسرے کو اللہ کی رضا پر صبر و شکر کی تلقین کے بعد ثانی اماں نے الیان کی توقع کے عین مطابق دو میلہ کے کپڑوں کے متعلق پوچھا تھا۔

گفتہ غفار صرف دل ہی دل میں چیخ و تاب کھا کر رہ گئیں جبکہ ثانی اماں پورا پروگرام ترتیب دینے لگیں۔ انہوں نے بھی بریرہ کی شادی والے دن الیان اور دو میلہ کا وکیمہ کر دینے کا فیصلہ کن مشورہ دیتے ہوئے آج ہی بازار جا کر اس کے کیمے وکیمہ کا جوڑا لانے کی ہدایت جاری کر دی۔

”یہ لڑکیاں تو بہت خوش ہو رہی ہیں کہ میں نے تو کہہ دیا کہ یہ سب لوگ دو میلہ کے ساتھ بازار جا کر اس کی ساری خریداری کر لیں۔ انہیں یہاں کے بازاروں کا کچھ پتا نہیں انہیں شادی کی مصروفیت کے باعث یہاں کھونٹے کا موقع بھی نہیں ملا اس لیے تم خود ان سب کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ دو میلہ کو بہت اچھا لگے گا بہت ہی فخر محسوس انداز میں اس کی شادی ہوگی ہے اس کا دل گھبرا رہا ہو گا سب کے ساتھ مل کر بازار جائے گی تو سب میں کھل مل بھی جائے گی اور تیاری بھی اس کی پسند کے مطابق ہو جائے گی۔“

تم دو میلہ کے گھروالوں سے بات کر لو اسے آج رات میں یا کل صبح میں آکر لے جائیں اسے بازار آج ہی لے جانا ضروری ہے۔

”امی اس کے پاس وکیمہ کا جوڑا ہو گا آپ خواہنا۔“ گفتہ غفار بے زاری سے کہہ رہی تھیں کہ ثانی اماں نے بھڑک کر ان کی بات کاٹ دی۔

”یہ ”ہو گا“ سے تمہارا کیا مطلب ہے بھی یا تو تصدیق کر کے دو لوگ جتاؤ ورنہ پتا چلے گا عین وقت پر وہ ہماری طرف سے بریرہ کے لیے آیا جوڑا زیب تن کیے ایسے چلی آرہی ہے جیسے خود کے وکیمہ کی بجائے کسی اور کی شادی میں مدد ہو رہی۔“

”میں سمجھی نہیں امی؟“

”اس میں سمجھانا کیا ہے۔ ٹھیک ہے وہ بھی بریرہ کی طرح ہماری سو ہے لیکن وہ جوڑا حاملہ کی پسند کا تھا جو تمہارے دو میلہ کو دے دیا۔“ گفتہ غفار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت جا کر دو میلہ کا جوڑا اتوا لیں جبکہ ثانی اماں کہتی رہیں۔

”اگر اس کے پاس کپڑے ہیں بھی تو انہیں وکیمہ میں منٹا ٹھیک نہیں وہ جوڑا وہاں سے آیا ہو گا جہاں سے رشتہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے تمہیں خود سے اس کے لیے شادی کا جوڑا لینا چاہیے۔“

”میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے مجھ میں تو بہت نہیں ہے بازار جا کر اتنی مغز ماری کرنے کی۔ ایسے کپڑے اور اور پرنتے جن اب ریڈی میڈ لینے کے لیے تو اس لڑکی کو ساتھ لے کر جانا ہو گا۔ جانے کیسے مزاج کی لڑکی ہے کتنا اطمینان کے بعد کپڑے پسند کرے گی مجھ میں تو اتنی جہن نہیں ہے۔“ گفتہ غفار نے صاف انکار کر دیا تو ثانی اماں نے بھی بحث نہیں کی۔

انہیں بھی اندازہ تھا اکلوتے بیٹے کی شادی اس طرح جلد بازی میں کر کے گفتہ چڑھی ہو رہی ہیں چنانچہ انہوں نے بھی چیخ کی راہ نکالتے ہوئے فوراً معاملہ سمجھا دیا۔

”تو پھر ایسا کو کسی اچھی دکان کا ڈرائیور کو بتا دو تمہاری مہاسیاں ان لڑکیوں کے ساتھ دو میلہ کو لے جائیں گی۔ دو میلہ ان سے بے تکلف تو نہیں ہے مگر یہ لڑکیاں ساتھ ہوں گی تو وہ کھل کر اپنی پسند قارے گی۔“ ثانی اماں کے کہنے پر گفتہ غفار چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کر سکیں۔

البتہ پھر انہوں نے زیادہ بات نہیں کی اور برسات بنا کر فون بند کر دیا۔

ان کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ دو میلہ کو ان کے ساتھ بھیجنے کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے ماسی کے ساتھ دو میلہ کو پیغام بھجوایا کہ کھانے کے بعد اسے بازار جانا ہے۔

دو میلہ جو ایک عجیب کنکشن سے گزر رہی تھی اس پیغام پر اس کا ذہن قدرے یکسو ہو گیا۔

نمل اسے دوبارہ فون کر چکی تھی اور بھند تھی کہ وہ کسی طرح اپنا ایڈریس پتا کر کے بتا دے تو وہ رشیدہ کے ساتھ
اگر ابھی اسے اپنے گھر لے آئے۔

رومیلہ نے ہوٹل سے آنے کے بعد ایک بار پھر نمل کو فون کیا تھا اور اس بار اس نے کچھ نہیں بچھپایا تھا اور
کل رات سے لے کر اب تک کی ساری بات بتادی تھی جسے سن کر نمل خاصی شگفتہ ہو گئی تھی۔

نمل نے تو رومیلہ کے بابا جانی کو بھی فون کر لیا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا وہ رومیلہ پر گزری ساری رو دادا نہیں سنا
دے مگر رومیلہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ یہ سب وہ صرف خود تک رکھے گی اور رشیدہ تک سے نہیں کہے
گی۔

چنانچہ رومیلہ نے بابا جانی سے صرف ان کا پتا پوچھا تھا جس پر انہوں نے اپنی نمل لاطلی کا اظہار کر کے ابرار
سے کچھ پوچھنا بھی عیب ظاہر کر دیا تھا۔

لہذا اب نمل کی پریشانی غصے میں تبدیل ہونے لگی تھی وہ رومیلہ سے فون پر الجھ بڑی تھی اس کا اصرار تھا
الیان کے گھر والوں میں سے کسی سے بھی اس کی بات کراد وہ ایڈریس سمجھ کر خود اسے لینے آجائے گی۔

رومیلہ کو اس کی بات کچھ مناسب نہیں لگ رہی تھی اگر ابرار اسے لینے نہیں آ رہا تھا تو ضرور اسی میں کوئی
بستری ہوگی اپنے خیال کا اظہار جب اس نے نمل سے کیا تو نمل بری طرح سسکا اٹھی۔

”جس طرح ابرار بھائی نے آنکھیں بند کر کے تمہاری شادی کی ہے اسے مد نظر رکھتے ہوئے بھی تم ان سے
بستری کی امید رکھتی ہو۔“ رومیلہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا البتہ وہ اس طرح منہ اٹھا کر نمل کے
ساتھ یہاں سے جانا نہیں چاہ رہی تھی۔

اس کے لاشعور میں ایک عجیب سا خوف تھا جیسے اگر وہ یہاں سے مٹی تو کوئی اسے لینے ہی نہیں آئے گا تب
واپس کیسے آئے گی۔

اپنی عزت نفس کو کچل کر خود سے منہ اٹھائے چلے آنا ہے ہرگز منظور نہیں تھا اس سے تو بہتر تھا وہ یہاں سے
جاتی ہی نہیں۔ کم از کم بھرم تو رہ جاتا۔

اس لیے ملازمہ کے ہاتھوں بازار جانے کی اطلاع پیا کر اس نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور فوراً نمل کو فون
کر کے اپنے آنے کی مناسب اور ٹھوس وجہ بتادی۔

نمل بھی صرف گہری سانس بھر کر رہ گئی رومیلہ اسے ان سب کے پیچھے کی بابت بتائی چکی تھی ان سے تو
رومیلہ کو کوئی مسئلہ نہیں تھا پراہم تو صرف الیان اور اس کے والدین سے تھی اور وہ تینوں تو بازار جا نہیں رہے تھے
جو نمل منع کرتی۔

ویسے بھی ولیمہ الیان کی بہن کی شادی کے ساتھ ہو رہا تھا رومیلہ کو اتنے بڑے مجمع میں رہنے کے لیے لوہن کے
جوڑے کی سخت ضرورت تھی چنانچہ انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں بنتا تھا۔ نمل نے اس کی خوشیوں کی دعا کرتے
ہوئے فون بند کر دیا۔

رومیلہ نے واقعی ان سب لوگوں کے ساتھ خریداری کرتے وقت بہت خوشی اور طمانیت محسوس کی۔
وہ سب۔۔۔ ہی اسے بہتے کھلکھلاتے بالکل اپنے اپنے سے لگے بس ایک پریرہ کا رویہ اسے الیان اور اس
کے والدین جیسا لگا۔ روکھا پھیکا سا۔ بڑی ہی کھوجتی اور تولتی نظروں سے رومیلہ کو دیکھنے کے بعد اس نے بغیر کوئی
بات کیے ہی چہرے پر ٹولفٹ کا بورڈ لگا لیا تھا۔

الیان کی بہن ہونے کی حیثیت سے رومیلہ کو اس کے رویے سے تکلیف ہوئی تھی مگر اس نے نام صرف
خواب صورتی سے چھپا لیا بلکہ اس مایوسی کو خود پر حاوی بھی نہیں ہونے دیا۔

ایمان کی ممانعت کی رہنمائی میں اس نے فیوض اور نیک کلمہ کے حسین احراج کا ہمت نہیں اور منگ جوتا اور اس کی تمام بیچنگلی اور ایک بار پھر اسی کلمہ کے اسی کیسٹ دم کے سنائے میں لوٹ آئی۔

کل کی طرح آج بھی کوئی ایسے پوچھنے تک نہیں آیا البتہ ماسی نے کھانا اس کے کمرے میں پہنچا دیا تو وہ خود کو "سب ٹھیک ہو جائے گا۔" کی تسلی دے کر زبردستی کھانے کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

انگلاد میں بھی کم و بیش ویسا ہی تھا البتہ آج کیونکہ وہ مصروف تھی چنانچہ اسے سوچنے کا زیادہ وقت نہیں مل رہا تھا۔ پر وہ والے پار میں ہی رو میلہ کی بھی بنگ پر یہ کو ممانی جان کے لحاظ میں کوئی پڑ گئی تھی لہذا وہ مقررہ وقت پر جوجج کر ایک شاندار سے لان کے شاندار سے اسٹیج پر مورٹی کی طرح برہ کے برابر بیٹھ گئی۔

ابراہیم کے آنے پر بھی اس کے انداز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی اسے اپنے آپ پر حیرت بھی ہوئی کہ اپنے والد اور بھائی بھائی کو دیکھ کر بھی اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔

البتہ جب بھائی نے قریب آکر بڑی جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ہو؟ سب ٹھیک تو ہے نا۔ تم تو بالکل روپ ہی نہیں آیا ہے مجباً تم نہ سا چو لگ رہا ہے۔" بھائی کی بات اسے بڑی عجیب لگی تھی وہ ہمیشہ ایسے ہی ہوتی تھیں لیکن کم از کم اس وقت کو شتر چلانے سے باز آجاتی تھیں۔

اس نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا البتہ خود پر جبر کر کے مسکراتے اور نارمل نظر آنے کی کوشش کرنے لگی مگر نمل اور سنبل کے آنے پر اس کا دل چاہا سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کر ان کے گلے لگ کر رو پڑے۔

خود ان دونوں کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ سنبل اسے دیکھ کر تیزی سے پلکیں جھپکاتے لگی اسے نمل نے سب بتا دیا تھا رو میلہ نے وہ سہوں کو بتانے سے منع کیا تھا جبکہ سنبل اور نمل میں رو میلہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں تھا۔

نمل سنبل کی حالت دیکھ کر رو میلہ سے زیادہ بات کیے بغیر ہی سنبل کو لے کر اسٹیج سے اتر آئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ سنبل کی حالت خیر ہوئی دیکھ کر رو میلہ بھی کنور پڑ جائے۔

"خود کو سنبھالو سنبل تم تو بالکل ہی۔" نمل دانت پس کر سرگوشیاں انداز میں بولی۔ سنبل اپنا گلہ کھنکار کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک مو کے بڑے تپاک سے۔ "ہیلو کر۔" کہنے پر اچھل کر نودا کو دیکھنے لگی اس کے سامنے بلاشبہ شب خرم کھڑا تھا وہ اپنی ڈشنگ پر سنائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے ہمیشہ کی طرح دست فریٹ اور شخ لگ رہا تھا۔

سنبل بے یقینی سے اسے دیکھے مگر اسے خرم کی دھنائی پر حیرت ہو رہی تھی جو اس دن والے تماشے کے بعد آج پھر آگیا تھا البتہ آج اس کے ساتھ پوری پلٹن نظر نہیں آ رہی تھی سنبل نے شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے نمل کی طرف دیکھا تو اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔

نمل اس کی طرح حیران پریشان ہونے کی بجائے خاصی مطمئن کھڑی تھی جیسے اسے پہلے سے ہی خرم کی آمد کا یقین ہو بلکہ اس کے چہرے پر ہلکی سی طنز مسکراہٹ بھی تھی۔

سنبل الجھ کر رہ گئی آخر ایسا کیا چل رہا تھا اس کے ذہن میں جو وہ اس طرح مسکرا رہی تھی۔

"کیا بات ہے آپ دونوں مجھے دیکھ کر فریادیں ہو گئیں۔ شاید آپ دونوں دستور سے میرا انتظار کر رہی تھیں اسی لیے میرے دیر سے آپ پر آپ دونوں کچھ خفا لگ رہی ہیں۔" خرم مسکرا کر باری باری دونوں کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ان کے تاثرات سے برا لطف لے رہا ہو۔

"ہاں انتظار تو واقعی آپ کا بڑی دیر سے ہو رہا تھا مگر آپ آئے بالکل صحیح وقت پر ہیں۔" جلدی نہ۔ لیٹ بالکل اون ٹائم۔" نمل کے جواباً "خرم کی ہی طرح ضرورت سے زیادہ مسکرا کر کہنے پر سنبل تو کیا

لیٹ بالکل اون ٹائم۔" نمل کے جواباً "خرم کی ہی طرح ضرورت سے زیادہ مسکرا کر کہنے پر سنبل تو کیا

لیٹ بالکل اون ٹائم۔" نمل کے جواباً "خرم کی ہی طرح ضرورت سے زیادہ مسکرا کر کہنے پر سنبل تو کیا

خود خرم بھی ٹھیک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

اس سے پہلے کہ وہ اس کے چہرے سے کچھ افادہ کر آیا کچھ کہتا نمل اس کے پاس سے گزرتی آگے بڑھ گئی۔ جس طرح وہ چلی تھی خرم اسے دیکھتا ہوا گھوم گیا خود سنبل بھی اپنی جگہ ساکت کھڑی نمل کو پریشان نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اور اس وقت ان دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے میر کو سوٹ بوٹ میں ملبوس اندر داخل ہوتے دیکھا بلکہ وہ آچکا تھا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کسی جانے پہچانے چہرے کو تلاش کر رہا تھا۔ نمل اس کے خیر مقدم کے لیے انٹرنس کے ایک جانب آکر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی تو میر بھی اس کے نزدیک چلا آیا۔

"Thanks alot for coming" اتنے شارٹ لوٹس پر بلا یا پھر بھی ٹائم پر آگئے۔

"Thanks for what" تم نے بلایا تھا تو مجھے آنا ہی تھا۔" نمل کے نہایت خوش مزاجی سے کہے جملے پر بھی بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ پھر نمل جان بوجھ کر وہیں کھڑی ہو کر اس سے مسکرا کر بات کرتی رہی۔

حالانکہ اس کی پشت خرم کی جانب تھی پھر بھی اسے بہت اچھی طرح پتا تھا کہ خرم کی سنجیدہ اور پرسوج نظریں ان دونوں پر ہی جمی ہیں۔

لیکن پھر بھی وہ خود پر ضبط نہ کر سکی اور آہستگی سے میر سے باتوں کے دوران پلٹ کر خرم کی جانب گھوم گئی اور دست روی سے چلنے لگی تو میر بھی اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگا۔ نمل نے چلتے ہوئے بھی باتوں کا سلسلہ جاری رکھا اور ساتھ ہی خرم کے تاثرات کا مشاہدہ بھی کرتی رہی۔

پہلے تو خرم بہت بتا ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر اس کے سکتے میں دراڑیں پڑنی شروع ہوئیں تو حیرت کی جگہ خود بخود ہنس نے لگی۔

اس کے پورے وجود میں جیسے انگارے بھر گئے تھے وہ دونوں بچے سنورے ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے باہمی کرتے اور مسکراتے ہوئے خرم کو سخت زہر لگ رہے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دونوں کو زندہ جلا دے۔ سنبل بھی ششدر کھڑی تھی اسے نمل سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ رو میلہ کے دلہے میں جہاں لڑکی والے اپنے صرف خاص خاص رشتے داروں کو لے کر جاتے ہیں وہاں نمل بغیر کسی کی اجازت کے بغیر کسی سے ذکر کیے میر کو بلا لے گی وہ بھی صرف خرم کو جلانے کے لیے ورنہ یہ تو اسے یقین تھا کہ نمل کو میر میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اس واسطے اتنی کہ وہ خرم کا دشمن ہے اور خرم کو پتہ ہے کہ کچھ میر سے بہتر شخص پوری یونیورسٹی میں نہیں مل سکتا تھا۔

سنبل نے ڈرتے ڈرتے خرم کی جانب دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ خرم کا چہرہ فحش کی شدت سے لال ہو گیا تھا اس کی آنکھوں سے جنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مت مشکل سے خود پر ضبط کیے ہوئے ہے ورنہ اس کا دل تو بھی چادر با ہے کہ دونوں کو بھون کر رکھ دے۔

نمل بھی تو اسے جلانے کی انتہا کرتے ہوئے میر کو یقین اس کے سامنے لا کر کہنے لگی۔

"میر تم اسے جانتے ہو گے تا یہ خرم ہے۔" نمل کی بات سے زیادہ میر کے ہونٹوں پر ابھرتی مسکراہٹ خرم کو سلا گئی۔

گویا میر کے تعارف کی ضرورت ہی نہیں تھی وہ تو بہت مقبل و معروف ہستی تھا یونیورسٹی کی۔ البتہ خرم کی طرف سے شبہ تھا کہ جانے میر اسے جانتا ہے یا نہیں۔

جتنے سرسری انداز میں نمل نے ملایا تھا اتنے ہی پر جوش انداز میں میر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

جتنے سرسری انداز میں نمل نے ملایا تھا اتنے ہی پر جوش انداز میں میر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

جتنے سرسری انداز میں نمل نے ملایا تھا اتنے ہی پر جوش انداز میں میر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

جتنے سرسری انداز میں نمل نے ملایا تھا اتنے ہی پر جوش انداز میں میر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

”ہائے خرم کیسے ہو؟“ خرم نے ایک نظر اس کے بومے ہوئے ہاتھ پر ڈالی اور دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں رکھ لیے۔

لیکن اس کے مقابل بھی میر تھا شرمندہ ہونا اسے بھی نہیں آتا تھا ویسے بھی اس وقت اس کی پوزیشن خرم سے زیادہ مضبوط تھی۔ خرم کی مگیٹر نے آنا ”فانا“ فون کر کے اسے بلایا تھا اور وہاں خرم کو دیکھ کر وہ سمجھ بھی گیا تھا کہ نمل نے اسے کیوں بلایا ہے۔

اتنا بے وقوف تو وہ نہیں تھا کہ نمل کے اچانک مسوں ہو جانے کی وجہ نہ سمجھ پاتا اسے بخوبی علم تھا کہ یہ سب خرم کو بلانے کے لیے کر رہی ہے۔

مگر اسے کون سا نمل کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھانی تھیں اگر نمل اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہی تھی تو وہ بھی وقت گزارے اور خرم کی خوار کی کپے اس مشن کا حصہ بننے پر خوشی خوشی راضی تھا۔

”بھی خرم کی بد اخلاقی پر اس نے ایسے نمل کی طرف دیکھا جیسے نمل اس کی بے عزتی پر خرم کو سرزنش کرے گی اور واقعی نمل نے اس کے شاکی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے پکارنے والے انداز میں کہا۔

”کم اون میر۔“ ہمیں معلوم تو ہے خرم کو اپنی کیس چھو کر نہیں گزرے ہیں سائنڈ مت کرنا پلیز!“ خرم کا دل چاہا نمل کا سر پھاڑ دے۔

میر کے چہرے پر خرم کی اس بے عزتی سے جو خوشی ہو رہی تھی وہ خرم کو خاک کر گئی تھی۔

”تم شادی میں کیوں نہیں آئے تھے میر! میں نے تمہیں کتنا مس کیا۔“ نمل کا ہر جملہ خرم کے غصے کو پھار رہا تھا اس کا دل چاہا ترخ کر کہہ دے ”تم نے اسے بلایا کب تھا جو شادی میں آتا یہ تو میرے آنے کے بعد تمہیں میر کو بلانے کا خیال آیا ہے۔“

مگر اس وقت وہ کچھ بھی بول کر میر کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا نمل پوری طرح اس کے ساتھ تھی وہ کچھ بھی کتنا نمل اس کی حمایت کرتی اور خرم کو اپنی مزید سبکی کا احساس ہوتا چنانچہ اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ میر کے چہرے پر ایک مل کے لیے حیرانی پھیل گئی مگر اگلے ہی بل اس نے فوراً منہ خود کو سنبھال لیا۔

”نمل دراصل۔“ ایک جھوٹی میں تو آ رہا تھا بس ذرا اثر نکل میں پھنس گیا تھا۔ جب میں پہنچا تو فکشن ختم ہو گیا تھا۔ نہ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم ہلاؤ اور میں نہ آؤں۔“ وہ خواہوا شوخ ہو کر خوشی انداز میں کہنے لگا۔

خرم کی ہدایت جواب دے گئی وہ ایک سلتی ہوئی نظر نمل کے مسکراتے چہرے پر ڈال کر جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔

”کہاں جا رہے ہو خرم۔ کھانا نہیں کھاؤ گے۔ مفت کا کھانا چھوڑ کر جانا ہمیں زیب نہیں دیتا۔“ نمل نے معصومیت سے کہا۔

میر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا خرم کا دل چاہا پلٹ کر اٹھنے زور سے مکا جڑوے کہ یہیں میر کی لاش گر جائے مگر کوئی تماشا نہیں دینا چاہتا تھا۔

جب نمل اس کے ساتھ تھی تو اس کا کچھ بھی کہنا اور کرنا خود اپنا آپ کو ذلیل کرنے کے مترادف تھا۔

پھر یہاں اس وقت اس کے دوست یا یونیورسٹی کے دوسرے لوگ موجود نہیں تھا ورنہ ان کے سامنے اس طرح خاموشی سے چلے جانا اسے اپنی سخت بے عزتی لگتی۔

توہین کا احساس تو اسے اب بھی ہو رہا تھا۔ مگر وہاں کھڑے رہنے کی صورت میں نمل اور میر کے جو طے کے نشتر ہواشت کرنے پڑتے اور تسخیر بھری نظریں سنی پڑتیں اس کے مقابلے میں خاموشی سے چلے جانا اس سے لاکھ بہتر تھا۔

یہاں سے نکل کر گھر جانے کی بجائے وہ بے مقصد گاڑی سڑک پر دوڑاتا رہا۔ اس کے اندر آگ لگی ہوئی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا نمل اور میر دونوں کو شوٹ کر دے۔

میر سے زیادہ فصد اسے نمل پر آ رہا تھا کیسا بد لہ لیا تھا اس نے ”خرم کے شادی میں بغیر بلائے آ جانے کا وہ بھی سارے دوستوں کو لے کر۔“

یہ بھی شکر تھا کہ خرم آج تھا آگیا تھا ورنہ سب کے سامنے میر کے ساتھ نمل کو ہواشت کرنا اور بھی ذلت آمیز ہوتا۔

یہ بھی شکر تھا کہ کل یونیورسٹی کی چھٹی تھی اگر کل اتوار نہ ہوتا تو وہ میر کا سامنا کرنے کی سکت بھی اپنے اندر نہیں پارہا تھا کس قدر گرا دیا تھا نمل نے اسے اس کے سب سے بڑے حریف کے سامنے۔

وہ بے ڈھنگے انداز میں ڈرائیونگ کرنا صبح کے چار بجے گھر میں داخل ہوا تو مسز حسن کو اپنے انتظار میں جاگتا دیکھ کر بری طرح تپ گیا۔

وہ اگر رات کو دیر تک باہر رہتا تھا تو انہیں مطلع کر دیا کرتا تھا جبکہ آج تو اس نے اپنا موبائل بھی آف کر دیا تھا کہ کم از کم وہ خود ہی۔۔۔ فون کر کے خیریت پوچھ لیتیں۔ اسی لیے ان کے جائزہ سے پروردہ بیش ہنس کر معذرت کر لیتا تھا جبکہ آج وہ ان کے پریشان چہرے پر جھڑک رہا تھا۔

”کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں میں جو کہیں کھو جاؤں گا۔“

”یہ تم کس طرح بات کر رہے ہو؟“ مسز حسن اس کے دھمکے پر حیران رہ گئیں۔

”صبح کے چار بج رہے ہیں خرم اور تمہاری کوئی خبر نہیں۔ کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرا تو ہول ہول کر برا حال ہو گیا جانے کیا بات ہے جو تمہارا موبائل بھی سوچ آف ہے آخر تم تھے کہاں؟“ مسز حسن نے قدرے غری سے کہا تو خرم کچھ چپ سا ہو گیا۔

”مسوری ہاں ایک دوست کا ایکسپلنٹ ہو گیا ہے اسی وجہ سے کچھ نہیں ہوں۔“

”Oh I see“ کیا ہوا ہے؟“ مسز حسن ایک دم فکر مند ہو گئیں تو خرم نے کچھ جھوٹی کچھ ہی سنا کر انہیں تو مطمئن کر دیا مگر خود اپنے کمرے میں آکر اس کی انجمن میں اضافہ ہو گیا۔

اس کے کمرے کے ایک طرف باکسنگ بیک لٹکا ہوا تھا وہ گاڑی کی چابیاں، موبائل، گھڑی سب ایک طرف پھینک کر اس بیک بری طرح کے برساتے لگا یہاں تک کہ تھک کر چور ہو گیا اس کی شرٹ پیسے میں شرابور ہو گئی۔ مگر میر اور نمل کا ایک ساتھ ہنسنا اور باتیں کرنا اس سے بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔

اسے اتنا فصد بھی نہیں آیا تھا جتنا نمل پر لیا تھا۔

اسے اتنی نفرت بھی محسوس نہیں ہوئی جتنی میر سے ہو رہی تھی۔

اسے اتنی کوفت بھی کسی سے نہیں ہوئی تھی جتنی خود سے ہو رہی تھی۔

خود اپنی نظروں میں حقیر ہو گیا تھا آج وہ۔

زندگی میں پہلی بار اپنے کسی اقدام پر اسے پچھتاوا ہو رہا تھا۔

نمل سے منگنی کر کے اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی اگر آج وہ اس کی مگیٹر نہ ہوتی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کس کے ساتھ بیٹھی ہے اور کس کے ساتھ ہنس رہی ہے۔

مگر اب اس کے نام کے ساتھ خرم کا نام جڑا تھا اسے میر کے ساتھ دیکھ کر لوگ اس کے نام کو کسی بری طرح سے یاد نام کر سکتے تھے۔

نمل اور میر کی وجہ سے اس کے متعلق باتیں بن سکتی تھیں۔ نمل شادی والے دن جس طرح اس کے ساتھ

ہو گا۔ بالکل وہی والا انداز تھا میرا بھی۔
رشیدہ کچھ جل سی ہو کر حمل کو دیکھنے لگیں جو چبھتی ہوئی نظروں سے میرا کو دیکھ رہی تھی۔
اس کا دل چاہا وہ ابھی اور اسی وقت میرا کو سہل سے جانے کے لیے کہہ دے۔ مگر وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

وہ تو منہ بھٹ اور بد لحاظ تھا۔ اگر وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا جس سے رشیدہ کی دل آزاری ہو گئی تو کیا ہو گا۔ البتہ اس کی خاموشی نے میرا کو اپنے لیے اور انداز کی بد صورتی کا احساس دلایا تو فوراً تسلیم کرتے ہوئے خوش مزاجی سے انہیں سلام کرنے لگا اور ان کی خیریت پت پوچھنے لگا۔ وہ حمل کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے پھر وہ زیادہ دیر کا نہیں۔

”مجھے ایک اور لنکشن میں بھی جانا تھا۔ مگر تم نے بلایا تو آگیا۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو۔“ میرے دانستہ جملہ ادھر اچھوڑ دیا۔ اسے علم تھا حمل ہرگز نہیں روکے گی۔ اس نے جس مقصد سے بلایا تھا وہ پورا ہو چکا تھا تو وہ کیوں روکتی۔

خود اسے بھی رکنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر حمل اس سے تنہائی میں بیٹھ کر باتیں کرتی تو بات بھی تھی۔ ورنہ اس کی اماں کی موجودگی میں میرا کو اس کے پاس رکنے کا کوئی ارمان نہیں تھا۔

حمل نے وہی جملوں میں اسے رخصت بھی کر دیا اور رشیدہ کی طرف متوجہ ہو گئی جو اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ حمل نے ان کے پوچھنے سے پہلے ہی میرے بارے میں مختصراً بتا دیا۔ ان کی لہجہ انگلی نظریں خود پر جی دیکھ کر حمل نے رسائی سے کہا۔

”ہی ہم اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے فی الحال آپ کو دو میلہ کی سسرالوں سے بات کرنی ہے اور ہم اسے اپنے گھر لے کر جائیں گے۔ پھر پچھانے گھر نہیں۔“ دو میلہ کے ذکر پر رشیدہ اسٹیج پر بیٹھی دو میلہ کو دیکھنے لگیں۔

وہ اس قدر خوب صورت اور اس قدر باریک نگاہی تھی جس ایک سی کی تھی اس کے چہرے پر ایک شرمیلی مسکراہٹ کی۔

”دو میلہ بہت ڈپر ہیں۔ اے اس وقت ہماری ضرورت ہے۔ آپ گھر کا ایڈریس سمجھ لیں۔ ہم کل صبح اسے پک کر لیں گے۔“ حمل نے آہستگی سے کہا تو رشیدہ کمری سا لہجہ سمجھ کر کہنے لگیں۔

”میں بات کر کے دیکھتی ہوں۔ اگر وہ لوگ مان گئے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں کرنی کیا سکتی ہوں۔ کسی کو کچھ سمجھانے کا فائدہ تو ہے نہیں۔ سب اپنی من مانی ہی کرتے ہیں۔“ ان کا تانسف بھرا فہم جملہ حمل بخوبی سمجھ گئی تھی۔

اسے پتا تھا وہ انہیں قائل نہیں کر سکتی۔ فذا وہ خاموش ہی کھڑی رہی۔

رشیدہ وہاں چیر کھسکا کر اسٹیج کے نزدیک لے آئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کس سے بات کرنی چاہیے۔ وہ صرف الیان کی والدہ کو جانتی تھیں جو اسٹیج پر سب سے کونے میں رکھے سنکل صوف پر بیٹھی تھیں اور بس اپنی بیٹی کو ہی محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی اچانک ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تو وہ بڑے — انداز میں نشوے آنکھیں آہستہ آہستہ دبا لیتیں۔ رشیدہ کو کنبو زودیکہ کرا ایک نہایت بزرگ خاتون نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

”آپ اگر وہاں کو دیکھنا چاہ رہی ہیں تو میں لڑکیوں کو نیچے بلواتی ہوں آپ آرام سے دیکھ لیں۔“

”نہیں نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں آپ کون ہیں؟“ رشیدہ فوراً پوچھ لیں۔

”یہ جن۔ من بھائی کی شادی ہے۔ یہ میرے نواسہ۔ تو اسی ہیں اور وہ سارا لہجہ میرا پوتا ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے

یو لیں تو رشیدہ کی ساری الجھن دور ہو گئی وہ چند رسمی بات چیت اور اپنے تعارف کے بعد اصل مددے پر آ گئیں اور دو میلہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگ لیں۔

”بالکل آپ شوق سے اپنی بھانجی کو لے کر جاسکتی ہیں۔ لیکن اس کی اصل اجازت اب الیان ہی دے سکتا ہے۔ دو اصل میرے پوتے کا دلہنہ گاؤں میں ہونا ہے اور الیان وہ فیصلہ دے گا کہ کیا تھا کہ وہ بیٹی کی سسرال کی بجائے اسے اپنی بیٹی کا گھر سمجھ کر پہلے کی طرح آئیں۔“ اور چارپانچ دن رہیں گے۔

اب ہا نہیں ان لوگوں کو پروگرام پہنچا ہوا ہے یا نہیں۔ ثانی اماں نے کہا۔

”ارے آپ جتنے دن چاہیں دو میلہ کو گاؤں میں رہیں میں تو بس کل کے لیے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔“ رشیدہ سجاوے سے بولیں تو ثانی اماں نے اسی وقت کھٹکتے غفار کو بھی بلا کر رشیدہ سے ان کی بات کرا دی اور سارے معاملات کھٹکتے غفار کی سرودھری کے باوجود خوش اسلوبی سے طے کر دیے۔

اپنی بیٹی کا اکڑا اکڑا رویہ ثانی اماں کو گراں تو گزرا مگر انہوں نے یہ سوچ کر نظر انداز کر دیا کہ شاید اس کا موڑ خراب ہے اصل میں کھٹکتے غفار نے تقریب مہول اور عورتوں کی قحوطہ رٹنی چاہی تھی جس پر ثانی اماں سمیت کوئی بھی مامول تیار نہیں ہوئے اور زبردستی مہول اور عورتوں کے بیٹھنے کا انتظام الگ الگ کرایا جو کھٹکتے غفار کو پسند نہیں آیا تھا اور اپنی ناپسندیدگی انہوں نے ظاہر بھی کر دی تھی۔

یہ اور بات تھی مہول خانہ اور زنان خانہ جس طرح الگ کیا گیا تھا وہ ثانی اماں کے گھر والوں کو ذرا نہیں بھایا تھا۔ مختلف لڑکے اور مہولہ اٹھائے بلا روک ٹوک اندر زنان خانے میں طے آ رہے تھے مہولوں اور ان کی بیٹیوں نے بد مزگی سے بچنے کے لیے خاموشی سے اعتراض کیے بغیر چادر میں اوٹھ لی تھیں البتہ اس ماحول کو دیکھ کر وہ بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھیں جس کے باعث ایک محسوس کیے جانے والا تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا اور جس کی رپورٹ بھانجی نے فوراً ہی فون کر کے مردان خانے میں بیٹھنے ابراہیم بھائی کو بھی دے دی ساتھ ہی انہوں نے شکایتوں کے پل بھی باندھ دیے۔

”ہمیں تو کوئی پوچھ ہی نہیں رہا ایسا لگ رہا ہے لڑکی لے کر احسان کیا ہو۔“ ابراہیم نے بے ساختہ لب بھینچ لے اور فون بند کر کے ریاض غفار کے قریب چلا آیا۔

”بیٹی کی شادی بہت بہت مبارک ہو بہت خوش نصیب ہیں آپ بالکل ہیرے جیسا داماد ملا ہے ایسے لڑکوں کے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی ایک سے ایک اچھی لڑکی انہیں مل سکتی ہے اس لیے یہ لوگ کسی ہانسی کی لڑکی کے ساتھ سمجھو۔ کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے جو سماج کی نظروں سے گری ہوئی ایک داغ دار لڑکی ہو۔“ ابراہیم ریاض غفار سے کر رہا تھا اس کی نظریں وہاں بنے پچیلے سے حامد پر جمی تھیں۔

ریاض غفار کا چہرہ تو ہو گیا تھا ابراہیم کی بات پر اس کا دھمکی آمیز لہجہ وہ سمجھ گئے تھے اسی لیے ابراہیم نے الیان کی بجائے ان سے بات کی تھی کہ انہیں وہاں میں لانا آسان تھا جبکہ الیان اس کے دھمکانے پر اور خوش میں بھی آ سکتا تھا۔

اب تک ابراہیم کی کوشش تھی کہ وہ اپنا جرم قہل نہ کرے مگر ان سب کے سرودھری سے اسے مجبور کر گئے تھے سامنے آ کر دھمکانے پر۔ تب ہی وہ دو ٹوک لہجے میں کہتا آگے بڑھ گیا۔

”بہتر ہو گا کہ اپنا مزاج انہی درست کر لیں ورنہ مجھے کئی ٹکائے کے لیے انگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی جو میں کرنا نہیں چاہ رہا۔ اسی لیے سمجھا رہا ہوں۔“ ریاض غفار کے سینے چھوٹ گئے۔

وہ کرا نہیں اپنی اور سب کی کوتاہیوں کا خیال آنے لگا جو وہ دو میلہ کے ساتھ اتنا سرودھری رکھتے وقت مسلسل گھوم رہے تھے۔ اگر ابراہیم اس کے اڑانے پر اتر آتا تو ان سب کو دن میں تارے نظر آ جاتے۔

حالانکہ الیان مسلسل تاکید کر رہا تھا کہ رو میلہ کے ساتھ مناسب طریقے سے پیش آئیں، لیکن وہ صرف وہی کوئی تلقین کر رہا تھا۔ خود اس کا رویہ بھی قابل گرفت تھا۔ جبکہ اپنے طور پر الیان نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اس سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہ ہو جسے بنیاد بنا کر ابرار انیس پریشان کر سکے۔ اس نے صرف بریرہ کی شادی کا انتظام کرایا تھا۔ لیکن جب اپنا وید بھی ساتھ کرنا پڑا تو اس نے لان میں مزید سولگوں کے لیے کرسیاں اور لیبلز لگوائیں۔ تاکہ رو میلہ کے خاندان والے آئیں تو کوئی بد نظمی نظر نہ آئے۔ کھانا اتنے شورٹ ٹوکس پر بڑھوانا آسان نہیں تھا۔ مگر اس نے سب انتظام کر دیے۔ بس ایک چیز اس کا اختیار نہیں تھا اور وہ تھا رو میلہ کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا ایسا نہیں تھا کہ اس نے یہ سب کرنے کا سوچا نہیں تھا۔ لیکن رو میلہ جیسے ہی سامنے آئی اس کے ماتھے کی سلوٹیں اور چہرے کی بھڑاری کسی طور کم نہیں ہوتی تھی۔

اس وقت بھی اس کا موڈ اچھا خاصا خراب تھا۔ ایک تو ابرار کی شکل دیکھتے ہی اس کا قاتل بن جانے کا دل چاہنے لگتا۔ دوسرے اتنی کوششوں کے بعد بھی تعجب میں بد مزگی ہو گئی تھی۔ ابرار کے والد نے بتایا تھا وہ اتنی لوگوں کو لا میں گئے، لیکن جو لوگ نظر آ رہے تھے وہ اس تعداد سے کہیں زیادہ لگ رہے تھے۔ جس کے نیچے کے طور پر مردوں اور عورتوں کو علیحدہ بٹھانے کا جو انتظام تھا وہ بھی متاثر ہو رہا تھا۔ کچھ مردوں کو اس نے خود زنان خانے میں جاتے اور وہاں سے نکلے دیکھا تھا۔ جس کے باعث شدید کوفت میں مبتلا تھا۔ ساموں جان کی فیملی کے سامنے اسے شرمندہ ہونا پڑ گیا تھا۔ جو اس کے چہرے سے بخوبی ظاہر تھا۔ راض غفار نظر بھری نظروں سے الیان کو دیکھ رہے تھے کہ ابرار اور حامد دونوں یہاں مد مقابل تھے۔ اگر ابرار غصے میں اسے کچھ بھی کہہ دیتا تو ان کی بیٹی کا گھر تو بسنے سے پہلے ہی اجڑ جائے گا۔ ایک ہی بل میں وہ جانے کتنی دور کا سفر کر کے آگئے۔ تب ہی ایک دم اٹل فیصلہ کرتے ہوئے اپنے آپ سے عہد کرنے لگے کہ وہ اب مزید ایسا نہیں ہونے دیں گے ابرار کو کسی قسم کی شکایت نہیں ہوگی وہ خود بھی اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور گھر والوں سے بھی زبردستی کروائیں گے۔ اپنے عزم پر عمل کرنے کے لیے وہ فوراً رو میلہ کے والد کی طرف بڑھ گئے۔ تاکہ ان کی خاطر داری کر سکیں۔ وہ سب کے بیچ میں تو الیان کو نہیں ٹوک سکتے تھے۔ لیکن بعد میں وہ اسے آگے ہاتھوں لینے والے تھے۔ انہوں نے سوچ لیا تھا۔

کون کیا سوچ رہا تھا۔ خرم کو کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ جب سے رو میلہ کے وید سے لوٹا تھا شدید جسمیلا ہٹ کا شکار تھا۔ اگلے دن تو چھٹی تھی۔ لہذا وہ یونور شی نہیں گیا۔ اس کے اگلے دن بھی اس کا جانے کا بالکل دل نہیں چاہا تو سارا دن کمرے میں ہی پڑا رہا۔ تیسرے دن بھی وہی سوچ رہا تھا کہ اسے چھٹی کرنی چاہیے۔ ورنہ جیسے ہی یونور شی میں قدم رکھے گا میرا اپنی منہوس شکل لے کر ٹھٹھا ہوا آجائے گا۔ اس کے زخموں پر نمک پاشی کرنے اور کوئی بعد نہیں تھا کہ اس کے اس وار میں حمل بھی اس کے ساتھ ہو جائے۔ وہ یونور شی میں سب کو گیا جواب دے گا کہ حمل نے میری کو شادی میں کیوں بلایا تھا اور یہ تو اسے یقین تھا کہ میرا اپنی چھوڑی عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اب تک سب کو شادی میں جانے اور خرم کے بھاگ جانے کا واقعہ نمک مرچ لگا کر بیان کر چکا ہو گا اور وہ سب مشہور ہونے کے بعد اس کا یونور شی میں جا کر سب کا سامنا کرنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔

حمل کا رویہ وہی اکڑا اکڑا زلیل کرنے والا ہو گا۔ پھر اس پر وہ میر کے ساتھ بھر رہی ہوگی۔ ایسے میں خرم کو کچھ ایسا کرنا تھا کہ سب کو گئے خرم کو خود بھی حمل میں دلچسپی نہیں ہے۔ وہ میر کے ساتھ تو کیا کسی کے بھی ساتھ ہو

اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ کیسے ثابت کرے۔ ممکن تو تو کہہ سکتا تھا کہ اس کے مقصد میں کامیاب نہیں کر سکتا تھا تو پھر آخر اس کا کیا حل تھا۔

خرم جو ہیں کھٹے یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے بے زاری سے اسکرین پر نظر ڈالی تھی کہ اس کے دوستوں میں سے کوئی اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا ہو گا۔ مگر موبائل اٹھا کر دیکھنے پر اسکرین پر unknown نمبر دیکھ کر خرم نے کال ریسیو کر لی۔

”ہیل۔ ہیلو کیا میں خرم سے بات کر سکتی ہوں۔“ دوسری طرف سے کسی گھبرائی ہوئی لڑکی کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری تو خرم چونک اٹھا۔

خوش فہمی کی یہ انتہائی تھی کہ اسے لگا شاید حمل نے اسے فون کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہوا ہو۔ سسٹل کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ اسے بھی میر کا آنا اچھا نہیں لگا ہو سکتا ہے سسٹل نے اسے احساس دلایا ہو اور وہ اپنی حرکت پر شرمندہ ہو۔

ایک سی بل میں خرم نے جانے کیا کچھ سوچ لیا اور بڑی بے چینی سے کہنے لگا۔

”میں خرم ہی بول رہا ہوں، آپ کون؟“ اس نے اپنا لہجہ ضرورت سے زیادہ شائستہ بنالیا تھا۔ تاکہ اگر دوسری طرف سسٹل ہے تو اس کا نام سننے کے بعد ایک دم سرد مہمی اختیار کر لے گا۔ جس سے حمل کو اس کی ناراضی کا بھرپور انداز ہو جائے گا۔ لیکن جب وہ معافی مانگنے کی۔ تب تو اس کا بھاؤ کھانے کے بعد مل جائے گا۔

”میں۔ میں ندیہ بول رہی ہوں۔“ ندیہ نے تھوک نکلے ہوئے کہا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اسے اپنا تعارف کرانا پڑے گا۔ خرم نے خود فون کر کے اس کا نام پوچھا تھا۔ اسے تو یقین تھا خرم نے اس کا نام اور نمبر سید کر لیا ہو گا۔

”ندیہ۔“ خرم نے خالی الذہنی کے عالم میں دہرایا۔ اسے سخت بورت ہوئی تھی کہ حمل نے اسے فون کیوں نہیں کیا۔ ایک دم سے جوش میں آنے کے بعد پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

اب کی بار ندیہ بری طرح سٹپٹا گئی۔ بھلا اپنے نام کے علاوہ اپنے تعارف میں وہ اور کیا کہتی، اتنی مشکل سے بحث کر کے تو اس نے خرم کو فون کیا تھا۔ ورنہ اس کے لیے کسی سے آگے بڑھ کر خود بات کرنا جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔

”میں نے پہچانا نہیں، کون ندیہ؟“ خرم اسے خاموش پا کر خود ہی دوبارہ پوچھنے لگا۔

”میں۔ میں بلال اختر کی بیٹی ہوں۔ ہم ابھی کچھ دن پہلے ملے تھے نا ہوٹل میں۔“ ندیہ نے ہونٹوں پر زبان بچھرتے ہوئے جلدی جلدی کیا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

- ☆ تئلیاں، پھول اور خوشبو راحت جنیں قیمت: 225 روپے
- ☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں قارئینہ افتخار قیمت: 500 روپے
- ☆ محبت بیاں نہیں لبتی جدوں قیمت: 250 روپے

نوٹ: کہہ مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

خرم کے ذہن میں ایک گوندا سا پکا سب کچھ جیسے ایک دم صاف ہو گیا۔ اس کا ذہن ایک ہی نکتے پر توجہ دے رہا تھا کہ کس طرح نمل کو نچا دکھایا جائے اگر وہ سمیر کے ساتھ دوستیاں گونچے ہی ہے تو اسے بھی یہی دکھانا چاہیے کہ اسے بھی نمل میں کوئی دلچسپی نہیں۔

نندیہ کے اس فن نے جیسے اس کی ساری ابھرنی حل کر دی اسے تو بالکل محنت کی ضرورت نہیں تھی۔ بالکل بے نیازانہ طور پر اس کے سامنے تھا۔ اسے تو صرف اکرش کرنا تھا۔

"جی۔ جی مس نندیہ مجھے یاد آ گیا ہے۔ اتنی ایم سو دی اصل میں میں اتنا پریشان ہوں کہ ہر چیز میرے دماغ

سے نکل جاتی ہے۔ میں آپ کو فون کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر میرا موبائل اسی رات چوری ہو گیا۔ تھینک گاڈ آپ نے خود فون کر لیا۔ ورنہ میں تو ڈرے آپ کے والد کا نمبر لے کر آپ سے بات کرنے والا تھا۔" خرم نے جان بوجھ کر اس کی دھمکتی رنگ پر ہاتھ رکھا اور دھواقتی تڑپا دی۔

"نہ۔ نہیں۔ آپ۔ آپ۔ اس بارے میں کسی سے بات نہیں کیجئے گا۔ میرے گھر میں کوئی آپ کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔"

"آف۔ لیکن آپ کو تو یقین ہے۔" خرم نے ڈرامائی انداز میں پوچھا۔

"جی۔ کیونکہ میں نے خود بچپن سے اس صوف کو دکھا ہے۔ وہ شائستہ خالہ کی صوف ہے جو صرف مجھے نظر آتی تھی اور اب۔ میرے بعد آپ پہلے شخص ہیں جس نے اس سائے کو دکھا ہے۔" نندیہ کی بات پر خرم سوچ میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بے پناہ حسین لڑکی تھی۔ بلا سہارا اس کی پوری یونیورسٹی میں کوئی لڑکی اتنی خوب صورت نہیں تھی۔

لہذا اسے ایک بار اسے اپنے ساتھ یونیورسٹی لے کر جانا تھا تاکہ سب یہ سوچنے لگیں کہ خرم کو نمل کی بجائے کسی دوسری لڑکی میں دلچسپی ہو گئی ہے۔ اسی لیے شاید دلہنواشت ہو کر نمل نے سمیر کا سارا لے لیا کیونکہ یہ تو وہ جانتا تھا کہ سمیر کو اس کی جیسی پذیرائی حاصل نہیں تھی۔

خرم اپنی دولت اور وجاہت کی وجہ سے ہوتا مقبول اور پسندیدہ تھا سمیر کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ حالانکہ سمیر بہت برا نہیں تھا۔ لیکن خرم کے مقابلے میں وہ پانی ہی بھرتا تھا۔

تھینک یو جی جنرل اور نندیہ میں تھی۔ نمل بہت اچھی اور پرکشش لڑکی تھی۔ مگر نندیہ کے حسن میں ایک عرصہ تھا اس کا حسن ایک ملکوتی حسن تھا۔ اگر اسے نمل کے مقابلے میں لایا جاتا تو کوئی بھی ذی ہوش انسان نمل کو اس کے سامنے پانی بھرنا کہہ دیتا۔

خرم سارا موازنہ کرتے ہوئے گھما گھٹا کر بولا پورا پلان اس نے ایک پل میں ترتیب دے لیا تھا۔

"نندیہ مجھے صرف وہ ساریہ نظر نہیں آتا بلکہ وہ مجھ سے کچھ کمنا چاہتا ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر یقین کرنا بہت مشکل ہے لیکن شاید آپ سمجھ سکتی ہیں۔"

میں آپ کو کچھ دکھانا چاہتا ہوں اس کے لیے آپ کو میرے ساتھ کراچی یونیورسٹی چلنا ہو گا۔ کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی۔" خرم کا سوال نندیہ کو سن کر گیا تھا۔ وہ عجیب سشوش میں پڑ گئی تھی۔

وہ جھلا کر اس طرح کیسے نکل سکتی تھی۔ وہ بھی خرم کے ساتھ۔ کراچی یونیورسٹی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیا کہنا چاہیے یہ تو اسے پتا تھا کہ اسے جانا ہے انکار کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

(بالی آئینہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ہستہ گنگر

نوسیدہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی مدد سے نظر آتی ہے۔ لیکن اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ نوسیدہ ان سے بات کر کے کہے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کافی میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور دھول سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ نوسیدہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلا سکے۔ وہ مدد کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

وہ میلہ، سنہل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انیسویں کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوسیدہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بےوقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے بیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لاسٹ پلے جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کھتا ہے۔

۲۶
چھٹی سولہ قسط



میں نے انہیں فلو کرنے کی کوشش کی تو وہ ایک کمرے کے سامنے اگر رک گئیں اور اچانک غائب ہو گئیں۔ پہلے تو میری سمجھ میں نہ کیا کیا کون آخر میں نے اس کمرے میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ "خرم ہو لئے ہوئے ترک کیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب آگے کیا کرے؟" پھر؟ پھر کیا ہوا؟" ندیہ کے بے چینی سے پوچھنے پر اسے تھوڑا سا سکون ہوا کہ اس کا جنس ہنگامے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

لیکن اس وقت خوش ہونے کا نام نہیں تھا وہ فوراً ہی ذہن کو حرکت میں لاتے ہوئے کہنے لگا۔ "وہ کمرہ میں اسٹور روم تھا اس میں یونور شی کا پرانا کٹھن کہاں تھا وہ کمرہ میں رہتا تھا اس کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ لیکن میں ایک روشن دان کے ذریعے اس میں داخل ہو گیا ہوں۔ اس کمرے میں ایک تصویر لگی ہے وہ تصویر وہاں سے نکال میں جاسکتی اسی لیے مجھے نہیں لے جا کر وہ تصویر دکھانی ہے۔" آخر کار خرم ہمت بنانے میں کامیاب ہوئی گیا۔

"کیسی تصویر؟ کون ہے اس تصویر میں؟" ندیہ کی تواڑ تک فکر سے چور تھی اس کے چہرے کا اس وقت کیا عالم ہو گا وہ خرم دیکھے بغیر بھی آسانی سے اندازہ لگا سکتا تھا۔ "ایک تو شائستہ خالہ ہی ہیں لیکن ان کے ساتھ تصویر میں جو وہ سرائفٹس کھڑے ہیں گئے ہیں ان کی موت میں اس شخص کا ہاتھ ہے۔" ندیہ کے دنگنے کھڑے ہو گئے۔

شائستہ خالہ کا فکس اس نے ہمیشہ بہت فیرواح سادہ کھاتھا جب بھی فعل واضح طور پر نظر آتی اس وقت ندیہ پر خوفناک طاری ہو جاتا تھا کہ وہ ان کے چہرے کے غم و غل پر کبھی غور نہ کر سکی۔ کیونکہ شائستہ خالہ کا چہرہ بہت زخمی حالت میں نظر آتا تھا ایسا لگتا تھا ان کے چہرے کو کسی نے ناخنوں سے لہج ڈالا ہو رخصت پر لٹاتے ہوئے گردن پر غرض یہ کہ ہر جگہ خراشوں کے ساتھ خون کی باریک لکیریں انہیں اتنا بھیانک دکھاتیں کہ ندیہ کی چہینیں نکل جاتیں۔

وہ تو اگر شائستہ خالہ کی تصویر دیکھ لیتی تو پہچان بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ شائستہ خالہ ہیں جبکہ خرم دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا یعنی اس نے شائستہ خالہ کا چہرہ واضح طور پر دیکھا ہے۔

ندیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی اور اسی وقت یونور شی کے اسٹور روم میں پہنچ جائے مگر پھر بھی وہ ضبط کرتے ہوئے نال سے بول۔

"لیکن آپ تو کہہ رہے ہیں وہ اسٹور روم لاک رہتا ہے۔ میں بھلا روشن دان سے کیسے داخل ہو سکوں گی اور وہ تصویر باہر آ نہیں سکتی۔"

"آپ کو روشن دان سے اندر جانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ میری یونور شی میں بازار لگنے والا ہے۔ مختلف انٹار کی ڈیکوریشن کے لیے اسٹور رومز سے پرالی لیبلز و فیو لکوا کی جائیں گی۔ اس دن اسٹور روم کا دروازہ کھلا رہے گا۔ آپ اسی دن آجائے گا۔ اس دن یونور شی میں اتنی چل پھل ہوئی ہے کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ آپ اسٹور روم میں گئی ہیں۔" خرم نے پورا پلان ترتیب دیتے ہوئے ساری راہیں ہموار کر لیں۔

حاصلاتوں میں سب اپنی اپنی کلاسز میں ہوتے ہیں اگر ندیہ کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو اسے گمشدہ ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا جبکہ اسے اپنی اور نمل کی پوری کلاس کے تمام طالب علموں سے لے کر میر کے پورے گروپ کو ندیہ کی آمد سے باخبر کرنا تھا جس کے لیے پڑھائی سے ہٹ کر کسی ملنا کا انتخاب کرنا سخت ضروری تھا۔

وہ ندیہ کو اسٹور روم میں لے جانے کے بہانے پہلے پورا بازار گھماتا اور یہی کہتا کہ اسٹور روم کا دروازہ ابھی بند

ہے میں لوگوں سے کہہ کر کھلوا رہا ہوں اس طرح وہ وحالی گھنٹے آرام سے گزر جاتے۔ جس کے بعد خرم کسی بھی کہاڑ والے اسٹور روم میں ندیہ کو لے جاتا اور جا کر اداکاری کے جوہر دکھاتے ہوئے صدمے اور حیرانی کے طے جملے تاثرات کے ساتھ کہہ دیتا کہ وہ تصویر یہاں سے غائب ہو گئی۔

سب سن کر ندیہ کی ہوسرت تو ہوئی مگر وہ بے وقوف سی لڑکی یہ نہ سمجھتی کہ خرم نے اسے الونایا ہے اور باغرض اگر سمجھ بھی جاتی تو خرم کو کون سا اس کے ساتھ بہت لمبا فکرت کرنا تھا۔

ایک بار اسے یونور شی کے لوگوں سے ملوانا اس کے بعد وہ بھٹسی خرم سے کتناہ کشی اختیار کر لے خرم کی بدلا

"اس دن اگر اسٹور روم کا دروازہ کھلا رہے گا تو آپ تصویر باہر نکال لائے گا۔ مجھے یونور شی لے کر گیا ضرورت ہے۔" خرم اس کی بات پر ٹھنک گیا۔

وہ اتنی بھی سبب وقوف نہیں تھی جتنا خرم سمجھ رہا تھا۔

کچھ لمحوں کے لیے اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا جواب دے لیکن ایک بار پھر اس کے دل میں نے بڑی حیزی سے کام کیا اور وہ بہت فہم گھر کر بولا۔

"وہ تصویر فریم میں لگی ہے اور خاصی بڑی ہے میں لے کر ہر لکھوں گا تو سب چونکا اٹھیں گے۔ خیر میں اگر یہ رسک لے بھی لوں تو وہ فریم میں آپ کو دکھاؤں گا کہاں؟ کیا آپ کے گھر لے کر آ جاؤں یا آپ میرے گھر آ جائیں گی۔" خرم کا لہجہ ہلکا سا طنزیہ ہو گیا ندیہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

وہ بھلا کیا کہتی خرم نے دونوں ہی باتیں ناقابل قبول کی تھیں چنانچہ اسے ایک سی سوال کرنا تھا۔

"آپ کی یونور شی میں فیشیول کب لگ رہا ہے؟" اس کے کھٹے ہوئے کبھے میں بالکل ہار مان لینے والا اثر تھا خرم کو اپنے اندر ایک نئی تعینت کا احساس ہوا۔



رومیلہ کی شادی کے ہنگامے کیا محنت بڑے محمل اور سنبل کو سب کچھ ایک دم خالی خالی لگنے لگا حالانکہ وہ اس کی شادی کے فنکشنز کو انجوائے نہیں کر رہی تھیں بلکہ بھگتا رہی تھیں زیادہ تر وقت ان دونوں کا رومیلہ کے لیے پریشان رہ کر ہی گزارا تھا رشیدہ کے بات کرنے پر رومیلہ کو ایک دن کے لیے الیان کی وادی لے کر بھیجا دیا تھا۔ رومیلہ، محمل کے گھر آنے کی بجائے اپنے گھر جانا چاہتی تھی تاکہ اپنا تمام اہم سامان رکھ سکے اور معمولی معمولی چیزوں کے لیے اسے ماسیوں کے سامنے اپنی حاجت بیان نہ کرنی پڑے ویسے بھی اگلے دن وہ ان سب کے ساتھ الیان کی ٹائی کے گھر جارہی تھی وہاں وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا چاہتی تھی۔

سنبل اور محمل کو جب پتا چلا کہ وہ اپنے ہی گھر آ رہی ہے تو وہ بھی اس سے ملنے وہیں پہنچ گئیں۔ رومیلہ نے انہیں جو کچھ بھی بتایا اسے سن کر انہیں دکھ تو ہوا مگر وہ اس پر ظاہر کرنے کی بجائے اسے نکل دیتی رہیں۔

اب اچھی امید رکھنے کے سوا ان کے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا وہ دونوں مل سے رومیلہ کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھیں۔

رات تک وہ دونوں اپنے اپنے گھر واپس آ گئیں کہ صبح رومیلہ کو اپنی سسرال لوٹ جانا تھا وہ سرتک ان کی دعا لگتی جو تھی۔

البتہ رشیدہ کے پوچھنے پر محمل نے زیادہ تفصیل سے الیان کے گھر والوں کے رویے کا ذکر نہیں کیا۔ کیا قاعدہ تھا انہیں رکھی کرنے کا محمل نے صرف الیان کی ٹائی اور ماسوں و فیو کے بہترین اخلاق اور خوش مزاجی کا تذکرہ کر کے

ایمان اور اس کے گھروالوں کی سوسہری کو وہ لفظوں میں سمیٹ دیا۔

”سب بھی اچھے تو ہیں مگر وہ سب کہہ رہی تھی ذرا کم کو اور لیسے سے رہنے والے ہیں شاید اسی لیے شادی اور دلچسپی میں اتنے دھڑلے نہ تھے۔“

”چلو خیر ہے۔ وہ سب خود بخود دار ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو مسئلہ نہیں بنائے گی۔“ رشیدہ قدرے اطمینان سے بولیں تو محل بھی بات کھجائے پر پر سکون ہو گئی۔

البتہ ایک بات اسے بہت تنگ رہی تھی جس کا تذکرہ اس نے شمل تک سے نہیں کیا تھا اور وہ تھا سیر کو وہ سب کی شادی میں بلائے کی حرکت پر پچھتاوا۔

اصل تو اس کا وہ رشیدہ کے ساتھ شمل کو سخت ناگوار گزارا تھا اس کے لیے پوری دنیا میں سب سے اہم اپنی ماں کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور جس طرح سیر نے اس کی ماں کی محفوز پر رد عمل کا اظہار کیا تھا وہ شمل کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

حالانکہ یہ سب بچپن سے دیکھتی آرہی تھی ہر تقریب میں اس کی ماں کو پہلی بار دیکھنے والے لوگ کہتے تھے اسی رد عمل کا مظاہرہ کرتے تھے بلکہ کچھ لوگ تو عجیب و غریب سوال جواب کر کے رشیدہ سیت شمل تک کا دل چر کر رکھ دیا کرتے تھے۔

لیکن سیر کا انداز اسے سر تپا سا لگا گیا تھا یہ بات نہیں تھی کہ سیر سے بہت متاثر تھی یا رشیدہ کے ساتھ اس کے دیر نے شمل کو شک پھانپا تھا۔ بلکہ اس کی اس حرکت نے شمل کو سیر سے بے زار کر دیا تھا وہ خرم کو جلائے گئے لیے محض اس کا استعمال کر رہی تھی مگر اتنے ہلکے انسان کو وہ اپنے مطلب کے لیے استعمال کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔

لیکن مجبوری تھی سیر کے علاوہ کسی اور کو خرم کے مدد مقلد لانا اتنا آسان نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس قسم کی لڑکی تھی کہ جس کو چاہتی اپنے تمام میں بچاؤ لیتی۔

اس قسم کی حرکتیں کرنا اس کے لیے کوئی آسان کام نہیں تھا وہ تو خرم نے اسے اتنا مشتعل کر دیا تھا کہ وہ سیر کے ساتھ کینٹین میں بیٹھنے پر تیار ہو گئی تھی مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ آئینہ کی حرکتیں کر سکتی تھی وہ بھی ہر بار سیر کے ساتھ۔

اس لیے جب رشیدہ نے اس سے سیر کے حلق پر چھاتو اس نے صاف صاف جھٹکا جسے سن کر رشیدہ بڑک اٹھیں حالانکہ بہت لمبے عرصہ عراج کی تھیں مگر شمل کو خود اپنے ہاتھوں اپنا خدس پامال کرتے اور زندگی کو کھل بنانے کیسے برداشت کر لیتیں۔

”تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے تم کیا کر رہی ہو۔ اگر سیر کوئی اچھا انسان ہو تا تب بھی خرم کو اس طرح جلانا خود تمہارے مستقبل کے لیے سخت خطرناک ہے۔ وہ سیر سے مجھے تو سیر بھی کوئی ٹھیک لڑکا نہیں لگا ہے یہ تو بالکل وہی بات ہوئی تا ایک طرف تو اس سے سیرے طرف کھل گئی۔“

”تمت کریں ایسی باتیں۔“ شمل جھنلا گئی۔

”میرا مستقبل کئی خرم کے ساتھ وابستہ نہیں ہے جو آپ مجھے اس طرح ڈر رہی ہیں اور رہا سوال سیر کا کس قسم کا لڑکا ہے میں بھی جانتی ہوں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا آپ بے فکر رہیں۔“

”تمہارے یہ کہہ دینے سے کہ آپ بے فکر رہیں میری فکر دور تو نہیں ہو سکتی اور یہ تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہارا مستقبل خرم کے ساتھ وابستہ نہیں ہے تمہارے والد جو ٹھکان لیتے ہیں وہ کر گزرتے ہیں اور ان کی جگہ یہ منگنی کسی چھری لکیر سے کم نہیں ہے۔“ رشیدہ کا مقصد صرف اور صرف اسے حقیقت سے روشناس

کرنا تھا اسی لیے ان کا غصہ خود بخود سرد ہو گیا اور وہ رسانی سے کہنے لگیں۔

”اگر وہ جو ٹھکان لیتے ہیں وہ کر گزرتے ہیں تو میں بھی جوٹے کر سکتی ہوں اس پر قائم رہتی ہوں اور میں نے خرم سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اللہ نہ کرے پھر بھی اگر حالات ایسا رخ اختیار کرتے ہیں کہ میرے پاس خرم سے شادی کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بچتا تو میں خود کشی کر لوں گی مگر اس۔“

”خدا نہ کرے۔“ رشیدہ نے دل کر اس کی بات کا شدید پھڑپھڑ کر کہنے لگیں۔

”کچھ ہوش بھی ہے تمہیں کہ کیا کہہ رہی ہو ایک حرام فعل اپناؤ گی تمہیں بھی اتنی معمولی سی بات پر خرم کے ساتھ جن اختلافات کو تم آج بہت بڑا سمجھ رہی ہو کل کو تمہیں وہ سب بچکانہ دور کی بے وقوفیاں بھی لگ سکتی ہیں لیکن تمہیں شاید خرم سے اتنی نفرت ہے جتنی مجھ سے محبت بھی نہیں ہے ورنہ ایسی بات تم بھی نہ کہتیں۔“

آخری جملے پر رشیدہ کی آواز مہر آگئی تو شمل کچھ شرمندہ سی ان کے پاس بیٹھ کر انہیں منانے لگی۔

”سوری امی! میرا یہ مطلب نہیں تھا صرف ایک آپ ہی تو ہیں جن کی مجھے فکر ہے اور جن کی وجہ سے میں نے نام لادو منگنی کی ہے اگر مجھے آپ سے محبت نہ ہوتی تو میں میں منگنی والے دن بھری محفل میں خرم کے منہ پر انگوٹھی مار کر شادی سے انکار کر دیتی پوری یونیورسٹی کو اس نے انوائیٹ کیا تھا سب کے سامنے اس کا غور خاک میں مل جاتا جو یہ جانتے ہوئے بھی منگنی کرنے چلا آیا کہ میں اس شادی پر راضی نہیں ہوں یہ دھشالی نہیں ہے تو اور کیا ہے امی۔“ شمل بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گئی اس کے چہرے پر بے بسی پھیلی دیکھ کر رشیدہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

”میری خاطر تم نے خاموشی سے منگنی کر لی مگر میری پریشانی تو بدستور برقرار ہے بلکہ تمہارے بچے بڑھتی جا رہی دیکھ کر تو اس میں انصاف ہی ہو رہا ہے آخر تم اس لڑائی کو ختم کیوں نہیں کر دیتیں۔“

شمل نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں جیسے جوں کہہ رہی ہیں وہ ناممکن ہو چکی وہ وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”مجھے معلوم ہے کہ تمہیں جان بوجھ کر غصہ دلاتا ہے مگر تم اس کے خلاف سے دوستی کرنے اور اسے جلائے کی بجائے اس کی حرکتوں کو نظر انداز کرنا شروع کر دو بلکہ ایسا کرو یونیورسٹی میں چھوڑ دو۔“

”کیا بات کر رہی ہیں امی آپ؟“ شمل نے ایک دم آنکھیں کھولتے ہوئے بڑک کر کہا۔

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں اللہ کرے تمہاری شادی تمہاری پسند اور مرضی سے ہو اور اگر تم اپنے شریک حیات کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو لیکن اگر خدا ناخواستہ ایسا نہیں ہو تا تو اور ہی ہوتا ہے جو مجھے لگ رہا ہے تو خرم کے ساتھ ہوئی یہ چھوٹی سولی جھڑکیں تمہیں آگے چل کر بہت منگنی پڑ جائیں گی اس سے دوستی نہیں کر سکتیں تو دشمنی ہی ختم کر دو۔“

”امی مجھ سے وہ بات مت کہیں جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ آپ کے خدشات اور پریشانیاں میں سب سمجھ رہی ہوں۔ لیکن میں یونیورسٹی نہیں چھوڑ سکتی اور یونیورسٹی میں رہتے ہوئے میں خرم کی کتنی باتوں کو نظر انداز کر سکتی ہوں تو مجھے چلانے کے بدلے ڈھونڈنا ہے۔“ شمل بالکل بے بس ہو کر رہ گئی تھی وہ رشیدہ کو انکار بھی نہیں کر سکتی تھی اور خرم سے جاننا کر بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی۔

رشیدہ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھیں بھی اس کا سر سلاتے ہوئے کہنے لگیں۔

”خود کو ہلکان مت کرو۔ میں تو صرف تمہیں بچ کی راہنمائی تھی جو مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور ہمیشہ آگے جا کر فائدہ پہنچاتی ہے لیکن اگر تمہیں اس پر عمل کرنا مشکل لگ رہا ہے تو چھوڑ دو تمہیں مجبور نہیں کرنا چاہتی مگر میں یہ ضرور کہوں گی تم سیر کو خرم کے مقلد بنا کر مت چلا کر رہی ہو۔“ کوشش کر کے اس مسئلے کو حل کر لو۔

نمل ان کی بات کے جواب میں کچھ بولی نہیں لیکن ان کی گفتگو نے اسے بالکی سی باؤسی میں دھکیل دیا تھا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ کچھ بھی کر لے آخر میں حیت خرم کی ہی ہوتی ہے اور جب اس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے تو اسے اتنا بچ کرے کی کیا ضرورت ہے کہ آئندہ پوری زندگی اس ایک قطعی کا خیال نہ بھگتے گزار جائے۔

عجب طرح کے ذہنی اضطراب کا شکار تھی جس کے نتیجے کے طور پر وہ غیر شعوری انداز میں میر سے اجتناب کرنے لگی۔

میر جب بھی اس کے پاس آتا نمل خود کو معصوف ظاہر کر کے وہاں سے ایسے ہٹ گئی کہ میر کو محسوس نہ ہو۔ گویا وہ اس دوزانے کو نہ نہیں کرنا چاہتی تھی بس رشیدہ کی باتوں اور خود میر کے اپنے رویے نے نمل کو اس سے بے زار کر دیا تھا وہ پہلے ہی اس کی کوئی خاص شیدائی نہیں مگر چنانچہ رشیدہ کے ساتھ اس طرح پیش آکر اس نے اپنے نمبرز خود ہی گھٹائے تھے۔

جسے میر تو محسوس نہیں کر سکا لیکن نمل نے فوراً "نازل لیا اور اس کے پوچھنے پر نمل نے اسے سب کچھ بتا بھی دیا تو وہ خود بھی کچھ کم سمجھ گئی۔

"میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تم دونوں کے اس رشتے کا انجام کیا ہو گا ایک طرف دو میلہ کی شادی ہوئی ہے جو شادی کم اور سمجھوتہ زیادہ لگ رہا ہے۔ سری طرف تم سے تو یہ امید بھی نہیں ہے کہ تم دو میلہ کی طرح اتنے صبر سے سب برداشت کر لو گی۔" اس کی بات پر نمل بے ساختہ ہنس پڑی جس پر نمل برا ماننے ہوئے بولی۔

"دکھو میں تمہیں دو میلہ سے کیسے نہیں کر رہی مگر یہ بھی سچ ہے کہ اگر تمہارا صبر اور ضبط کا مظاہرہ کرو تو خرم والا معاملہ کسی حد تک سلجھ سکتا ہے میں مانتی ہوں اس کی ساری حرکتیں تمہیں بتانے والی ہوتی ہیں لیکن تم چپے کی بجائے۔"

"چلو چھوٹو راجو کم کہہ رہی ہو وہ میں ماننے والی نہیں ہوں لہذا اس بحث کو ہمیں سیدھے چتے ہیں۔ جب سے دو میلہ کی شادی ہوئی ہے عجیب بورت سی ہو رہی ہے لہذا کل یونور شی میں جو فیسیول لگ رہا ہے اس میں بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا ہے اور اس بورت کو دور کرنا ہے اوکے۔" نمل نے کہا تو نمل بھی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگی۔ واقعی وہ دونوں دو میلہ کی شادی سے لے کر اب تک ساری کُن باتیں سوچ سوچ کر تھک گئی تھیں۔



خرم نے جب ندیہ کو فون کر کے آنے کا دن اور وقت بتایا تو ایک مل کو اس کا دل چاہا صاف انکار کر دے مگر اس موقع کو گوا نہیں سکتی تھی اسی لیے بڑی مشکل سے دل کڑا کر کے عائشہ اختر کے پاس اجازت مانگنے چلی آئی۔

حالانکہ ان کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں تھی مگر اس نے بھی اس طرح کا کوئی پروگرام بنا کر نہیں جانے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی چنانچہ عائشہ اختر کا اس فرمائش پر جو کتنا یعنی تھا اور اس کے بعد ان کا جواب کیا ہو گا اس بارے میں وہ کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی البتہ امید تھی کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اسے کیریئر کی ضرور۔

ندیہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ ڈر تنک نیمل کے سامنے بیٹھی چہرے کا نرم ہاتھوں سے آہستہ آہستہ مساج کر رہی تھیں ندیہ کو آئینے کے عکس میں نمودار ہوتا دیکھ کر وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔

"مما آپ بڑی تو نہیں ہیں نا۔" ندیہ نے جواب جانتے ہوئے بھی محض بات شروع کرنے کی غرض سے پوچھا۔

"نہیں! کو کیا بات ہے۔"

"مما۔۔۔ دراصل۔۔۔ کیا کہہ رہے تھے تاکہ مجھے پر معافی شروع کرنی چاہیے اور اس کے لیے کسی ایڈمیشن لینا چاہیے۔" ندیہ کہہ کر رک گئی۔

"ہاں تو۔۔۔ عائشہ اختر اب بھی اسے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

"تو میں یہ سوچ رہی تھی کچھ کالج اور یونور شیز کا سروے کر کے دیکھوں مگر کسی جگہ کا ماحول مناسب لگتا ہے تو میں وہاں ایڈمیشن کے لیے اپنا پالی کر دوں۔" ندیہ نے سسے سے انداز میں کہا۔

ندیہ کو بھوت ریت سے ہٹ کر کوئی بات کرنا دیکھ کر عائشہ اختر حیرت سے فٹن کھا کر رہ گئیں۔

وہ اپنے کیریئر کے حلق سوچ رہی تھی ایڈمیشن ملنا یا نہ ملنا تو بعد کی بات تھی لیکن اہل تو انہیں ندیہ کا خود کے لیے سوچنا شدید خوش گوار حیرت میں جلا کر گیا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں بالکل سروے کرو مگر تمہا حوال کا اندازہ کیسے لگاؤ گی۔"

"مم۔۔۔ ممما۔۔۔ میری کالج کی کچھ لڑکیوں کے بمن بھائی جس یونور شی میں پڑھتے ہیں وہاں کی میں نے بہت تعریف سنی ہے اور پھر کل وہاں فیسیول لگ رہا ہے۔

میں سوچ رہی ہوں ایک دفعہ فیسیول کے بہانہ یونور شی کا جائزہ لے کر کوئی کہ تیا میں وہاں ایڈجسٹ ہو سکتی ہوں یا نہیں۔"

عائشہ اختر اسٹول سیت ندیہ کی طرف گھوم گئیں ان کے چہرے پر وہ سو پاور کا بلب کن ہو گیا پھر بھی وہ اپنی خوشی چھپاتے ہوئے عام سے انداز میں کہنے کی کوشش کرنے لگیں۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے جاؤ جا کر سروے کرو لیکن فیسیول میں بھلا تم کیا انداز لگا سکو گی۔"

"ممما یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم بس جاؤں گی تو کچھ دیکھ کر اگر سمجھ میں آگیا یا دل مانا تو ایڈمیشن فارم لے لوں گی نہیں تو جیسے ابھی گھر میں بیٹھی ہوں ویسے بیٹھی رہوں گی۔"

"نہیں نہیں ایسے کیوں سوچ رہی ہو جب تم وہاں جا کر ان لوگوں کو دیکھو گی تو بس ایک چیز ذہن میں رکھنا کہ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں۔ جب یہ لوگ یہاں آکر پڑھ سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں بھلا میری بیٹی میں کسی چیز کی کمی تھوڑی ہے بلکہ میری بیٹی جیسی خیرین تو کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔" وہ ندیہ کی بات سن کر اتنی خوش ہوئی تھیں کہ انھہ کر ندیہ کے قریب آگئیں اور اسے کندھے سے تھام لیا۔

"میں وہاں کوئی اپنا حسن دکھانے تھوڑی جا رہی ہوں ممما۔" ندیہ کچھ جھینپ کر بولی۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ مگر مجھے تمہاری عادت کا پتا ہے زیادہ کراؤڈ (رٹش) میں تم لوگوں کو دیکھ کر ندوس ہو جاتی ہو حالانکہ تمہارے جیسی خوب صورت لڑکیاں تو بہت خود اعتماد ہوتی ہیں کیونکہ انہیں پتا ہوتا ہے کہ وہ بہت خیرین ہیں مگر تم نے تو اپنی خوبیوں پر کبھی دھیان ہی نہیں دیا۔" ان کا اتنا خوشوار مٹو دیکھ کر ندیہ فوراً انہیں دیکھنے لگی۔

جب سے خرم کا فون آیا تھا اس کے ذہن میں ایک سوال سر اٹھا رہا تھا کہ کیا شائستہ خالہ یونور شی میں پڑھتی تھیں مگر یہ سوال لہوں تک لانے کی اس میں ہمت نہیں تھی ایک تو یہ سنتے ہی عائشہ اختر کا مزاج برہم ہو جاتا

وہ سرے سے جواب میں کی سننے کو مٹا کہ۔

"میری کوئی بمن نہیں ہے ہزار بار تو کہہ چکی ہوں آخر تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا۔"

اس کی سمجھ میں بخوبی آگیا تھا کہ اس کے ممما یا اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے البتہ وہ کچھ کرنا تھا اسے خود ہی کرنا تھا اور پھر اب تو خرم کی مدد بھی شامل حل ہو گئی تھی پھر کیا ضرورت تھی عائشہ اختر کو اس وقت نا اہل کرنے کی جبکہ

ان کے خوشگوار مہو کے باعث اسے اپنی ایک بات اور بھی منوانی تھی۔
 ”تو ماما ڈرائیور سے کہہ دیجئے گا وہ مجھے لے جائے گا میں صبح گیا رہے نکل جاؤں گی۔“
 ”تم اکیلی جاؤ گی۔“ ماما نے آخر نے مجھ سے پوچھا۔

”اگ۔“ اکیلی کہاں ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گی۔“ ندیہ نے خود اعتمادی سے کہنے کی کوشش کی جبکہ ماما نے آخر ہنوز اسے حیرانی سے دیکھے کھنکھناتے۔

”صبح میں مجھے بھی کوئی کام نہیں ہے میں چل سکتی ہوں تمہارے ساتھ۔“ ان کی شکل سے صاف ظاہر تھا انہیں ندیہ کے منہ سے ایسی بات سننے کی قطعاً امید نہیں تھی۔

حالانکہ وہ خود بھی چاہتی تھیں کہ وہ ان کے ماحول کی وہ سری لٹکیوں کی طرح اکیلے کٹے جانے کے قابل ہیں۔
 خود سے اپنی شاپنگ کرنے اور اپنے فیصلے کرنے کی سمجھ رکھتی ہو مگر اس وقت اچانک اس کے مزاج میں یہ تبدیلی انہیں الجھن میں مبتلا کر گئی۔

”تھ۔“ نہیں ماما۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اصل میں میں خود اکیلے جا کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ میں روز ایسے ماحول اور جگہ میں اکیلی آسکتی ہوں یا نہیں۔“
 ندیہ نے ایک ایسا نکتہ ان کے سامنے رکھا کہ وہ اعتراض نہ کر سکیں۔

ویسے بھی اعتراض انہیں تھا بھی نہیں خود اسے تو کتنی انہیں تو صرف حیرت تھی۔ ایک بے یقینی سی کہ ندیہ میں یہ بدلاؤ کیونکر آیا۔

وہ اس کے چہرے پر کچھ کھوجنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مگر وہ پیش کی طرح بالکل سادہ اور محسوس تھا چنانچہ انہوں نے ایک گہرا سانس کھینچتے ہوئے اپنی رضامندی دے دی۔

”ٹھیک ہے کل صبح گیا رہے چلی جانا اور اپنا سب کچھ ضرور لے کر جانا۔“ ندیہ کا دل چاہا بے اختیار ان کے گلے لگ جائے۔

لیکن اس نے خود کو روک لیا اور نارمل انداز میں ”تھیک ہے“ کہتی ان کے کمرے سے نکل گئی۔

ان کے سچ ایسی بے تکلفی یا دلہانہ محبت تھی ہی نہیں کہ وہ ایسی بے اختیار دیکھائی پھر دے یہ کہ وہ اتنی خوشی بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ مشکوک ہو جائیں ویسے بھی یہ خوشی کوئی دیر یا نہیں تھی۔

اپنے کمرے میں جا کر جہاں ایک مرحلہ خوش اسلوبی سے طے پا جانے پر اسے سکون کا احساس ہوا تھا وہیں وہ سارا مرحلہ اس اس سے بھی زیادہ مشکل لگ رہا تھا۔

حالانکہ اسے پونہ روشنی جا کر صرف ایک تصویر ہی تو دیکھنی تھی مگر اس کی گہرا ہٹ پورے مہون پر تھی جیسے جانے کل کیا انہوں نے ہونے والی ہے۔



دو میلہ، نمل اور سنبل سے بات کر کے قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی ان دونوں کے ساتھ اپنی اس عجیب و غریب شادی کو ڈھکس کر کے اس نے اپنا بوجھ بٹا نہیں کیا تھا بلکہ ان سے مشورہ مانگا تھا کہ اسے آئندہ کس طرح اور کیسے رہنا چاہیے۔

جس پر ان دونوں نے اس کی خوب ہمت دینے کے بعد اسے صبر کی تلقین کی تھی حالانکہ نمل نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا۔

”تم مت سمجھنا کہ تم آج ان کے رویے کو نظر انداز کر کے ان کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ گی تو وہ لوگ

تمہاری ایک دم سے قدر کرنے لگیں گے اور تمہیں بڑے ارمانوں کے ساتھ لائی ہوئی طرح محبت سے رکھیں گے۔

ہو سکتا ہے وہ ساری زندگی اسی طرح تمہیں ڈی گریڈ کرتے رہیں اور ساری زندگی تمہیں یہ جتنے کی کوشش کرتے رہیں کہ تمہاری بارات لوٹ جانے کے باوجود ہم نے تمہیں اپنا کر تم پر احسان کیا ہے یہ صورت حال اگر پیش قدمی رہی تو تمہارے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔ تب اگر تم طے کر لو کہ تمہیں غلط نہیں کہوں گی۔ لیکن بغیر کوشش کیے اگر تم نے ہارن لی اپنی بہت اور قسمت کو آنے سے بغیر اختیار ڈال دیے تو یہ واقعی تمہاری بہت بڑی فطرتی ہوگی۔ "دو میلہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی وہ جانتی تھی کہ سب کچھ وہی ہے۔

رہیہ شادی کے بعد مضور ہوئی تھیں اور اس کے بعد انہوں نے ساری زندگی خاموشی سے عظمت غلیل کی خدمت کرتے گزار دی لیکن عظمت غلیل نے بھی رہیہ کو اس انتھک محنت کا صلہ نہیں دیا۔ اسی لیے حمل اسے حقیقت پسندی سے میدان میں اترنے کے لیے کہہ رہی تھی یعنی جیت کی امید رکھتے ہوئے کوشش کرو مگر ہارنے کی صورت میں لوٹ کر بھرنے کی بجائے اسے زندگی کا حصہ سمجھ کر قبول کر لو۔

ان کی یہ سب باتیں سن کر وہ اہل تو بڑے بلند حوصلوں کے ساتھ آ رہی تھیں لیکن پہلی ہی میٹر می پر وہ جیسے منہ کیل کر گئی تھیں۔

اگلے دن جب اسے واپس آنا تھا تو ناشتے کی میز پر ابراہمائی نے اس پر نظر پڑتی ہی پوچھا۔

"الیان کتنے بچے لینے آئے گا تمہیں۔"

"جی نہیں۔" دو میلہ پٹنگائی ابراہمائی بھی تو اسے مضور دیکھ رہے تھے جیسے اس کے چہرے سے اس کے ذہن تک رسائی حاصل کر رہے ہوں۔

اس کی جب سے شادی ہوئی تھی ابراہمائی اسے کپڑے کی کوششیں کرتے عجیب کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتے رہتے تھے اس وقت بھی وہ اس کے تاثرات ٹٹولتے ہوئے بولے۔

"الیان سے کوئی بات نہیں ہوئی تمہاری؟"

"نہ نہیں میں نے ایسا کچھ پوچھا ہی نہیں۔"

"اور جب تک تم پوچھتی نہیں وہ خود سے کوئی بات کرنا نہیں۔" دو میلہ حیرانی سے ابراہمائی کو دیکھنے لگی۔

مگر اندازہ انہوں نے کیسے لگایا۔

لیکن دو میلہ کو فوراً ہی اپنی حیرت پر قابو پانا پڑا کیونکہ وہیں بابا جانی اور بھابی بھی موجود تھیں اور وہ دونوں ہی ابراہم کے سوال پر دو میلہ کو جاچتی نظروں سے دیکھنے لگے تھے بھابی کی آنکھوں میں تجسس بھرا تھا جبکہ بابا جانی فکر مندی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"نہ نہیں انکی تو کوئی بات نہیں۔" دو میلہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا بولے۔

"چلو خیر۔ تم الیان کو فون کر کے پوچھ لو کہ کب تک آئے گا۔"

"میں۔" دو میلہ بے ساختہ بولی۔

"ہاں تم۔" کہیں گیا ہوا؟ ابراہمائی کا لہجہ بظاہر عام سا تھا مگر ان کی آنکھوں میں شک و شبہات ابھرے تھے۔

دو میلہ ایک بار بھر بے بس ہو گئی۔

"نہ میرے پاس تو الیان کا نمبر نہیں ہے۔" اسے امید تھی اب بھابی ضرور لیں گی مگر حیرت انگیز طور پر وہ بالکل خاموش رہیں۔

دو میلہ کی شادی سے لے کر اب تک انہوں نے الیان یا اس کے گھر والوں پر کوئی تبصرو دو میلہ کے سامنے

نہ کیا تھا جہاں اس بات سے دو میلہ کو اطمینان تھا کہ وہ بے سوجھا ہوا نہیں رہیں وہیں ان کے تاثرات

جاننے کے لیے بے چین بھی تھی۔

"کوئی بات نہیں نمبر میں دے دیتا ہوں تم ابھی بات کر لو۔" انہوں نے صرف کہا نہیں بلکہ اس کا موبائل اٹھا کر

اس میں الیان کا نمبر ڈال دیا۔

ان کا انداز ایسا تھا تو ابھی بات کر دو میلہ اب بھمن بھری نظروں سے موبائل کو دیکھنے لگی کہ بابا جانی بول پڑے۔

"اسے ناشتا تو کرنے دو۔" دو میلہ ناشتے کے بعد بات کر لیتا۔ "بابا جانی نے اس کی مشکل آسان کر دی لیکن

الیان سے بات کرنے کے خیال سے اس پر گھبراہٹ سوار ہو گئی تھی اور اس سے ناشتہ نہیں کیا جا رہا تھا آخر وہ

صرف چائے پی کر موبائل لے کر گئی۔

ابراہمائی ہر دس سیکنڈ بعد اس کی طرف ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں "جلدی کرو" آخر دو میلہ کو

انصاف ہی پڑا۔

کمرے میں آ کر الیان کو فون کرتے ہوئے اس کی انگلیاں واضح طور پر کاتب رہی تھیں وہ دعا کر رہی تھی الیان کا

فون بڑی ہو مگر اس نے دوسری ہی گھنٹی پر کال ریسیو کر لی تو دو میلہ دل مسوس کر رہی اور الیان کے تیسری بار ہیلو

کے بدلے بول کر رہی تھی۔

"السلام علیکم۔ میں دو میلہ بول رہی ہوں۔" دوسری طرف توقع کے عین مطابق خاموشی چھا گئی۔

"الیان۔" کپ بچھے لینے کب آئیں گے؟" دو میلہ نے اس ڈر سے جلدی سے کہہ دیا کہ کہیں وہ خاموشی

سے فون بند نہ کر دے پھر اس کے لیے دوبارہ کال کرنا سہانہ صبح ہو جائے گا دوسری طرف اس کے سوال پر ایسے

خاموشی چھا گئی رہی جیسے الیان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس سے یہ سوال پوچھا جائے گا۔

"ہیل۔" ہیلو۔ کپ سن رہے ہیں نا۔" دو میلہ کو لگا لائن کٹ گئی ہے اور وہ خالی فون کلن سے لگائے کھڑی

ہے۔ پھر اس نے الیان کو واضح طور پر گھبراہٹ خارج کرتے سنا جیسے بڑی مجبور رہی سے بول رہا ہو۔

"آجاؤں گا دو تین گھنٹے میں۔" الیان نے یہ کہہ کر کھٹ سے فون بند کر دیا۔

دو میلہ کے سارے ارادے بھر بھری مٹی کی طرح ڈھیر ہونے لگے حمل اور سنبل کی تسلیاں اور حوصلہ

بوجھنا سب پر ایک دھپائی بھر گیا۔

الیان اس کے سامنے نہیں تھا لیکن اس کے چہرے پر کتنی بے زاری ہو گئی یہ دو میلہ صرف اس کے سانس

کھینچنے کے انداز سے ہی سمجھ گئی تھی۔

خود کا اس طرح زبردستی کسی کے سر پر مسلط ہونا اس کے لیے بے ادبیت سے باہر تھا پھر کمال سے لائی وہ صبر اور

حوصلہ جس کی تلقین حمل اور سنبل کر رہی تھیں۔

دل تو چاہا ابھی الیان کو فون کر کے کہہ دے کوئی ضرورت نہیں ہے آنے کی میں خود ہی آجاؤں گی۔

اس نے مٹی کی نہ سنتے ہوئے خاموشی سے فون کلن سے ہٹا کر ڈرنگ ٹیبل پر رکھ دیا اسی وقت ابراہمائی کمرے

میں داخل ہو گئی۔

"کیا کیا الیان نے؟" دو میلہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی اسے شک سا گزرا جیسے ابراہمائی دوا زے سے لگے

اس کی منگھونٹنے کی کوشش کر رہے تھے اس لیے دو میلہ کے فون پر کتنی ہی کمرے میں آگئے۔

"نہ انہوں نے کہا ہے وہ اتنے گھنٹے میں آجاؤں گے۔" دو میلہ کے کہنے پر ابراہمائی ایسے کھڑے رہے

جیسے مزید کچھ سنا چاہ رہے ہوں۔

تھکیا بات ہے بھائی؟" دو میلہ کی سمجھ میں نہ آیا وہ ان سے کیسے پوچھے کہ کیا آپ میری بات سن رہے تھے۔

264

264

”ایمان کا رویہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔“ انہوں نے بڑی صاف گوئی سے پوچھا۔
”کیا ہو گیا ہے بھائی بارہا ایک سی سوال کیوں پوچھتے جا رہے ہیں۔“ دو میلہ حقیقتاً سچ مچی تھی۔
”کیونکہ تم مجھے صحیح طریقے سے بتا نہیں رہیں۔“

”کیا بتاؤں۔ کیا سنتا چاہتے ہیں آپ۔ ابھی میری شادی کو ٹائم ہی کتنا ہوا ہے۔“ دو میلہ برہمی سے بولی۔
”ٹائم کی ضرورت ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے پڑتی ہے جبکہ رویہ کا اکثر بن پانچ منٹ کی گفتگو میں ہی سمجھ میں آ جاتا ہے۔“ ابراہان بھائی نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا۔

”دو میلہ صرف انہیں دیکھ کر کہ گئی اسے خاموش دیکھ کر ابراہان بھائی تھوڑے تیز لہجے میں بولے۔
”دیکھو تمہارے ساتھ اس گھر میں جو بھی ہو مجھے فوراً بتاؤ تاکہ کل وہ نہ انہیں سمجھ سے جہاں عورت اپنی خدمت سے لوگوں کے دل بیت لیا کرتی تھی۔ آج کل لوگوں کو سیدھا رکھنے کے لیے خدمت کی نہیں دھونس کی ضرورت ہوئی ہے غلوں اور افسانوں کی بیروٹن کی طرح زیادہ بتیورتا بننے کی ضرورت نہیں ہے صاف صاف بتاؤ وہاں سب تمہارے ساتھ ٹھیک تو نہیں۔“ دو میلہ برہمی طرح نہج ہو گئی ان کی باتوں پر۔

”میں کوئی بیروٹن نہیں بن رہی ہوں۔ اگر کوئی بات ہوگی تو میں آپ کو بتا دوں گی لگتا تو نہیں کہ آپ کو میری اتنی فکر ہے لیکن اگر آپ یہ سب میری خاطر کر رہے ہیں تو بھی میری باتیں سمجھ کر سننے کی ضرورت نہیں ہے۔“ دو میلہ غصے میں کہہ تو گئی مگر ابراہان کو جو ٹنکا دیکھ کر اسے احساس ہوا اسے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔
”ایمان وہ تین گھنٹے میں آجائیں گے میں تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ دو میلہ نے صرف اور صرف انہیں یہاں سے ہٹانے کے لیے کہا تو وہ بھی بغیر کچھ کے کمرے سے نکل گئے۔

البتہ دو میلہ ان کے پیچھے دروازے کو ایسے دیکھتی رہی جیسے ان کے رویے تو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔
”آج کل لوگوں کو سیدھا رکھنے کے لیے خدمت کی نہیں دھونس کی ضرورت ہوئی ہے۔“ ابراہان بھائی کی کئی بات کی بازگشت اس کے کانوں میں گونجنے لگی تو اس کا ذہن جانے کس اور چیز میں لگ گیا مگر کوئی سراپا تو نہ آئے پر صرف ایک سوال اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

”کیس اس شادی کے لیے ابراہان بھائی نے کوئی دھونس پر مبنی جھگڑا تو نہیں اپنایا؟“
اس سوال کا جواب تو اسے نہیں ملا البتہ وہ گھٹتے بعد جب ایمان اسے لینے آیا تو وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ کزن جو کہ برہم کے سرانی بھی تھے وہ بھی تشریف لائے تھے۔

حالانکہ دو میلہ سوچ رہی تھی کہ ایمان اکیلا آئے گا تو وہ اس کے اور ابراہان بھائی کے چہچہانے والی گفتگو سے ان کے تعلقات کو پرکھنے کی کوشش کرے گی مگر شام اور نوید کی موجودگی میں ایسی نوبت ہی نہیں آئی کہ ایمان یا ابراہان کو ایک دوسرے سے بات کرنی پڑی۔

پھر وہ سب بیٹھے بھی بہت مختصر وقت کے لیے تھے شام اور نوید کو کچھ شاپنگ کرنی تھی شام تک سب گاؤں کے لیے روانہ ہوئے تو اگلے تھے۔
ایمان ان کے ساتھ ہی کہیں سے آ رہا تھا کہ راستے سے دو میلہ نے کر گھر پر ڈراپ کرے گا اور ایک بار پھر ان لوگوں کے ساتھ نکل جائے گا۔

اسی سب سچائی کی یاد واقعی کھرا رہا تھا زیادہ دیر یہاں رکھنے سے دو میلہ سمجھ نہ سکی۔
البتہ بابا جانی ضرور سمجھ گئے تھے۔ کیونکہ آج ایمان نے انہیں سلام کرنے کے بعد بوسے ہی رسی سے انداز میں ان کی خیریت بھی پوچھی تھی لیکن کیونکہ بابا جانی اتنی بھی امید نہیں کر رہے تھے اس لیے وہ سمجھ گئے کہ ابراہان نے انہیں دھمکایا ہے جو یہ تہدیلی دیکھنے کو مل رہی ہے ورنہ شادی اور ولیمے والے دن تو ایمان نے اتنی بھی بات

نہیں کی تھی البتہ جب ابراہان ریاض غفار کے ساتھ کھڑا کچھ گفتگو کرتا نظر آیا اس کے بعد ریاض غفار خاص طور پر ان کے پاس آکر ان کی خیریت پوچھنے لگے تھے اور یہ اچانک ان کے بدلے میں اتنا تغیر دیکھ کر وہ اسی وقت مشکوک نظموں سے ابراہان کو دیکھنے لگے تھے جانے اب اس نے کیا کہہ کر ان لوگوں کو پریشان کیا ہو گا۔

بابا جانی تو مارے شرمندگی کے سر نہیں اٹھا پا رہے تھے اسی لیے انہوں نے ایمان یا اس کے کزن کو چائے پر روکنے کے لیے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا اور ایک سی وقفہ اجازت مانگتے پر الوداع کر دیا۔
البتہ دو میلہ کو انہوں نے سینے سے لگا کر بیٹھ خوش رہنے کی دعائیں دی تھیں دو میلہ ان کا ٹیکسٹ لانا انداز دیکھ کر بھی سمجھی تھی کہ وہ برہم کے ولیمے میں شرکت کرنے اتنی دور جا رہی ہے اسی لیے وہ ہنپاتی ہو رہے ہیں۔

حالانکہ وہ تو اس کی اس شادی کو لے کر فکر مند تھے وہ مکیموں پر مبنی یہ زبردستی کا رشتہ کب تک چلے گا اور اگر چلے گا بھی تو کیا دو میلہ کو خبر نہیں ہوگی کہ اس شادی کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما تھے تب اس پر کیا بیٹے گی۔

ندیہ نے یونیورسٹی کے گیٹ پر پہنچ کر جیسے ہی خرم کو فون کیا خرم اسٹال پر ہی تو می کھائی چاٹ بھوڑ کر اسے لینے چل پڑا۔

ہارون وغیرہ نے پوچھا بھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے مگر خرم نے کچھ بھی نہیں بتایا اور صرف مسکرا کر۔
”دیکھتے جاؤ۔“ کہا اور چلا گیا ندیہ کے ڈرائیور کو اپنی رہنمائی میں وہ پارکنگ ٹکسٹ لایا اور گاڑی پارک کرانے کے بعد ندیہ اتر کر جانے لگی تو ڈرائیور پوچھنے لگا۔
”کتنا ٹائم لگے گا؟“

”بس آدھا گھنٹہ۔“ ندیہ اطمینان سے بولی تو خرم نے ٹوک دیا۔
”نہیں نہیں آدھا گھنٹہ کہاں۔ وہ گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔“ ندیہ نے حیرانی سے خرم کو دیکھا مگر خرم نظر انداز کر گیا۔

”صل میں گاڑی میں تھوڑا سا کام کرانا ہے اگر وہ گھنٹے لگتے ہیں تو میں ابھی کر لیتا ہوں۔“ ڈرائیور نے کہا۔
”ہاں ہاں جاؤ۔ جا کر آرام سے کرو۔“ ندیہ سے پہلے خرم نے فراخ دلی سے اجازت دے دی۔
ندیہ صرف خرم کو دیکھ کر کہ گئی اب بھلا وہ کیا بولتی تو پہلے ہی گھبراہٹ ہوئی تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت تاول

☆ تملیاں، پھول اور خوشبو	راحت جنیں قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں	قائزہ انخار قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں	لغنی جدون قیمت: 250 روپے

آئیڈیل سٹور، 37- اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اس طرح جموت بول کر پونہرشی اتنا پہلے ہی اسے مت عجیب اور نامناسب لگ رہا تھا اس پر وہ گھٹنے بعد واپسی کا سن کر اسے اپنا آنا کچھ غلط لگنے لگا تھا اور اس پر خرم کی اجازت پر ایسے گاڑی یا شارٹ کر کے نکل گیا جیسے خرم کا ہی ملازم ہو۔

"کوٹا۔" ندیہ دھول اڑاتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی جب خرم نے نوکا اور اس کے چہرے پر لکھے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں تمہیں فوراً اسٹور روم میں لے جا کر تصویر دکھا رہا لیکن کیا کریں اسٹور روم ابھی بند ہے جن اسٹوٹس کو سلمان نکالنے کے لیے چالی دی گئی تھی وہ اسٹال کی کچھ چیزیں وہیں لے گئے ہیں ان کو آنے میں کچھ پون گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا۔" ندیہ کے چہرے پر ابھرنے والی ہنس بھڑک دیکھ کر خرم نے بظاہر بڑے مہذب انداز میں کہا۔ "آپ تو حوا پون گھنٹے کے لیے اگر کیس جانا چاہتی ہیں تو چلی جائیں اور ڈرائیور کو فون کر کے بلا لیں ورنہ اس سے بستر آپشن یہ ہے کہ آپ کچھ دیر اسٹور روم کو کم لیں پھر اس وقت بھی گزر جائے گا اور دیکھنے والوں کو یہی لگے گا کہ آپ فیشنل دیکھنے آئی ہیں۔ اصل میں جن اسٹوٹس سے میں چالی لے رہا ہوں ان میں بھی یہ نہیں بتایا کہ میں اندر کیوں جانا چاہتا ہوں ایسی باتوں پر کوئی یقین نہیں کرتا اور الٹا دوسرے کی ذہنی حالت پر شک کرنے لگتے ہیں اس لیے میں کسی کو کچھ بتا رہی نہیں۔" ندیہ کے چہرے کے تاثرات بدلتے ہوئے خرم نے واضح طور پر دیکھے اس کے چہرے پر پھیلی ابھرنے والی خاطر خواہ کی آگئی تھی خرم کو یہ تو علم تھا کہ اس کا نفسیاتی علاج چل رہا ہے یقیناً اس نے "تمپاگل ہو" اور "تھاراپی" خراب ہے "جیسے جیسے ضرورت پڑے ہوں گے لہذا اس نے ایسی بات کہی جو سیدھی ندیہ کے دل کو ٹگی اور واقعی تھوڑی دیر بعد وہ پہلے سے قدر بہتر انداز میں مگر شوز ندوس سی خرم کے ساتھ فیشنل میں داخل ہو گئی۔

خرم کو ایک انجان اور ایک بے حد حسین لڑکی کے ساتھ دیکھ کر ہر نظر جو اس پر اٹھی وہ اس پر ٹپک مٹی سب کو حیران اور مجسم دیکھ کر خرم کے لبوں پر خود بخود مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

وہ اس طرح لڑکیوں کے پیچھے پھرنے والے لڑکوں میں سے نہیں تھا اس کا تاثر کافی مضبوط کردار کے حامل شخص کا تھا یہاں تک کہ مکمل سے منگنی ہو جانے کے باوجود وہ اس کے ساتھ بھی لوریڈ کی طرح نہیں رہا تھا۔ ایسے میں اس کا کسی لڑکی کے ساتھ ہونا ایک ایسے ہی عجیب و غریب والی بات تو تھی اور پھر لڑکی بھی وہ جو اس پونہرشی میں بھی دیکھی نہیں گئی اور جس کا حسن بھی ایسا ملکوتی کہ دیکھنے والا مجسم بن جائے پر مجبور ہو جائے پھر اگر لوگ متوجہ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔

خرم اسے اسٹار دکھاتا بلا آخر وہاں تک پہنچ گیا جہاں مکمل اور سنیل کتابوں کے اسٹال پر کھڑی دوق کردالی کر رہی تھیں۔

"ندیہ تمہیں ریڈنگ کا شوق ہے کیا؟" خرم ایسے بولا تھا جیسے مت پرانی بے تکلفی ہو مکمل اور سنیل دونوں نے ہی چونک کر اس میں دیکھا تھا۔

مکمل کی تو منہ اور آنکھیں مکمل کی مکملی رہ گئی تھیں جبکہ مکمل ایک ہی نظر میں خرم کے چہرے پر پھیلے غاغر کو دیکھ کر مکمل کی جہت چھپا گئی تھی۔

اسے کون سا شاک لگا تھا خرم کو کسی کے ساتھ دیکھ کر خواہ اپنے تاثرات چھپانے میں وقت ہوتی البتہ اسے حیرت ندیہ کو دیکھ کر ہوئی تھی مگر کوئی اور ہوتی تو یہ ذرا سی حیرانی بھی اس کے حصے میں نہ آتی۔

"نہ۔" ندیہ کا انداز صاف ٹانے والا تھا وہ خرم کی رہنمائی میں چلی جا رہی تھی خرم کو اسٹال پر رکتا

دیکھ کر وہ بھی مجبوراً لہجہ مٹی تھی۔
ورنہ اسے تو کچھ لینا تھا نہ ہی دیکھنا تھا بلکہ جس طرح لوگ اسے دیکھ رہے تھے اسے محسوس کر کے اس کی فطری گھبراہٹ ایک بار پھر اس پر حاوی ہونا شروع ہو گئی تھی اس نے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑی مکمل اور سنیل کی طرف نہیں دیکھا تھا اس کا سر اور نظریں دونوں جھکی ہوئی تھیں۔

مگر تب بھی اسے غریبی علم تھا کہ سامنے وہ لڑکیاں کھڑی ہیں جو پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہیں۔
"ارے دیکھ لو یہاں بہت اچھا اسٹاک ہے خاص طور پر شاعری کا کلکشن میں تمہاری پسند کے مطابق ہے۔" خرم نے کتابوں کے اس جانب آتے ہوئے کہا جہاں مکمل کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں "کھڑے وقت" دیکھ کر خرم دلچسپی سے مسکرایا۔

"اپنے فوری شاعری کتاب لے بغیر اس اسٹال سے آگے بڑھ جانا تو زیادتی ہو گی یا۔" خرم نے مکمل کے ہاتھ سے کتاب ایسے لے لی جیسے مکمل کا کہنہ ہو بلکہ ان کے انتظار میں کتاب لے کر آئی ہو کہ آپس اور دیکھیں۔
ندیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کے خرم نے اتنے یقین سے اس کے شاعری کے شوقین ہونے کی بات کی تھی کہ وہ بس بولنے والی تھی کہ مجھے شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں۔

لیکن مکمل پر نظر پڑتے ہی اس کی ساری توجہ اس کی جانب مبذول ہو گئی۔
اسے بالکل یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ اور مکمل ایک ہی اسکول میں پڑھتی تھیں وہ تو بس یہ سوچے جا رہی تھی کہ یہ چواتار دکھا ہوا کیوں لگ رہا ہے۔

اصل میں اسکول میں بھی وہ ایسے ہی کم سن اور تھائی پسند تھی اپنے آپ میں مگن رہنے والی کو بھلا کیا بتا کہ اسکول میں اور کون کون موجود ہے اسے تو شک میں بھی یاد نہیں رہتی تھیں نام تو پھر متوجہ ہو کر کی بات تھی۔
مکمل خرم کے اس طرح کتاب لے لینے پر بالکل جامد تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتی رہی جبکہ وہ ندیہ کی طرف پلٹ چکا تھا۔

"میں یہ تمہارے لیے لے رہا ہوں اور اب تم انکار نہیں کرو گی۔" خرم ندیہ کے تاثرات کی پروا کیے بغیر صرف مکمل کو سنانے کے لیے بول رہا تھا اصل میں اسے ندیہ کی فطرت کا اتنا اندازہ تھا کہ وہ اتنی خود اعتماد نہیں کہ

ادارہ خرائین ڈائجسٹ کی طرف سے بیہوش کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی	قیمت: 450 روپے	فوری طور پر
☆ درو کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 500 روپے	فوری طور پر
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جنیں	قیمت: 400 روپے	فوری طور پر
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 250 روپے	مضبوط جلد
☆ امرتیل، عمیرہ احمد	قیمت: 550 روپے	آفٹ ہی

منگل کے کاغذ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

خرم کو اس اچانک کی بے تکلفی پر جھڑک سکے۔
پھر وہ جس مقصد کے تحت اسے لایا تھا اگر وہی پورا نہیں ہوتا تو کیا ضرورت تھی اتنی مغز ماری کی۔

خرم نے اس کتاب کی قیمت ادا کر کے ندیہ کی طرف بڑھا دی۔
”میں نے کہا ہے نام انکار نہیں کرو گی۔ چلو آؤ سرے اسٹار پر چلتے ہیں۔ یہاں اب اور کچھ بچا نہیں ہے۔“
خرم نے ایک نظر نسل پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا ندیہ بے بسی سے ہاتھ میں زبردستی تھمائی کتاب کو دیکھنے لگی پھر نسل
اور نسل کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر فرار ہونے والے انداز میں خرم کے پیچھے چل پڑی۔
”یہ خرم کیا کر رہا ہے؟“ نسل نے جیسے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔

”وہی جو میں نے دو میلہ کی شاہی میں کیا تھا۔“ نسل نے بالکل بے تاثر لہجے میں کہا البتہ اس کی نظریں ابھی
بھی ندیہ کی پشت پر جمی تھیں۔
”لیکن تمہارے مقابلے میں سیر تھا۔ یہاں ندیہ ہے وہاں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“ نسل نے جرح
کی۔

”اس سے خرم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ نسل اب بھی ساٹ لہجے میں بولا تو نسل چڑھی۔
”لیکن مجھے پڑا ہے اور یہ سب تمہاری اسٹوپڈ حرکتوں کی وجہ سے ہو رہا ہے اب تمہیں ہی اس مسئلے کو حل
کرا ہوا گا۔“
”حل تو میں نہیں کر سکتی لیکن ندیہ کو ایک بار ضرور سمجھاؤں گی۔ آگے اس کی قسمت۔“ نسل نے لاپرواہی
سے کندھے اچکا کر دیا۔

ندیہ ”خرم کے پیچھے کتابوں والے اسٹل سے باہر تو نکل گئی لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس پاس موجود نواہ
تر لوگ ان دونوں کی طرف ہی حوجہ ہیں اسی لیے ندیہ کے گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا وہ خرم کے پیچھے
بھاگنے والے انداز میں چل رہی تھی۔

وہ خرم سے کہنا چاہتی تھی کہ جلدی سے اسے اسٹور روم دکھا دے وہ اپنے ڈرائیور کو فون کر کے بلوا رہی ہے
اب وہاں نہیں رہ سکتی۔

مگر خرم تو آگے ہی آگے سٹی پر شریخ سی دھن بجائے ایسے گھوم رہا تھا جیسے جانے کون سا خزانہ مل گیا ہو۔
اچانک ندیہ کو اس پر شدید غصہ آ گیا قریب تھا کہ وہ جی ٹر اسے پکار بیٹھتی کہ اچانک اس کی نظریں سامنے کی جانب
اٹھیں اور جامد ہو گئیں۔

اسے عموماً شائستہ خالہ کا سلیہ اس طرح دن دھانڈے گھر سے باہر بھی نظر نہیں کیا تھا مگر کن جہ اس سے کافی
فاصلے پر اپنی پوری ہمت کے ساتھ کھڑی تھیں۔

ان کے سونگے بکھرے ہل ہوا کے دھڑ پر لوہا دھڑا رہے تھے ان کا کٹا چٹا چو خوں خوں ہو رہا تھا۔
ندیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی اس کا حلق اتنا سوکھ گیا تھا کہ گواہ بھی نہیں نکل رہی تھی ورنہ اس کا شدت سے
بل چلا خرم کو پکار کر پوچھے کیا اسے شائستہ خالہ کا سلیہ نظر آ رہا ہے مگر وہ کیا پکارتی اس کی تو حالت خیر ہونے لگی
تھی۔

کیونکہ شائستہ خالہ ایک لڑکے کے پاس کھڑی اسے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے ابھی اس پر حملہ کر دیں گی اور پھر
واقعی شائستہ خالہ نے وہاں ہاتھ اس لڑکے کی گھٹن کی طرف اٹھا دیے۔

اس سے پہلے کہ اس لڑکے کی گھٹن شائستہ خالہ کی گرفت میں آئی ندیہ پوری قوت سے جی پڑی۔

(بال آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ہستہ گزہ کر

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ فوزیہ ان سے بات کر کے کہے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور وہ ان سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ فوزیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

وہ میلہ، سنبل اور نعل کو بھینچ کر نیورٹی میں ایڈیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نعل ان دنوں کو بچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفری دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم دکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے اور انہیں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ انہیں واپس جانے کے لیے میز میوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندر سے میں دھکی کر رہا ہے۔

۲۷ ستائیسویں قسط



خرم کے بڑھتے قدم ایک تختہ دکھائے اس نے چونک کر نڈیہ کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔
 نڈیہ کے چہرے پر خوف کے سائے نمایاں تھے۔ اس کی آنکھوں میں وحشت پانچ رہی تھی اور چہرے کا رنگ
 سفید پڑ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے کسی ایک نکتہ پر نظریں مرکوز کیے کھڑی تھی۔
 خرم نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو سمجھ ہی نہ سکا۔ وہ کسے دیکھ رہی ہے۔ سامنے کئی انڈسٹری
 تھے۔ جہاں بے شمار لڑکے لڑکیاں باغیچے میں کھڑے تھے بلکہ آجادیہ تھے۔
 نڈیہ کی دلیوز جی پر تقریباً سب سے رک کر اسے دیکھنے لگے مگر نڈیہ کی محبت میں رتی برابر فرق نہیں آیا۔
 "نڈیہ تم ٹھیک ہو نا۔" خرم نے اس کے نزدیک آکر آہستگی سے پوچھا۔ حالانکہ وہ شکل سے بالکل بھی ٹھیک
 نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی چیز سے بری طرح ڈر رہی ہے۔
 لیکن وہ چیز کیا تھی یہ خرم کی سمجھ سے بالا تر تھا۔

"نڈیہ۔" خرم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کس طرح متوجہ کرے۔
 کیونکہ پہلے ہی وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے اور اب نڈیہ کے چیخنے اور چیخنے کے بعد سورتی بن کر
 ساکت کھڑے ہونے پر بھیڑا کھنسی ہونی شروع ہو گئی تھی۔
 "کیا ہوا ہے نڈیہ؟" خرم نے نہایت دھیمی آواز میں نہایت ہمت سے پوچھا۔ اسے اب فصد آنا شروع ہو گیا
 تھا۔ اس نے توجہ دیا تو ساری تیز لالائے خالق رکھ کر اس کا بازو پکڑ کر جھجھکوا دے۔
 "نہ۔ وہاں۔" نڈیہ بے ربط انداز میں بولی تو خرم نے ایک بار پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور
 اپنی جھنجھلاہٹ کو قابو میں رکھتے ہوئے پوچھا۔
 "وہاں کیا؟"

"نہ۔ وہاں شائستہ خالہ۔" نڈیہ سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ جبکہ شائستہ خالہ کا نام سن کر خرم کی بے زاری
 میں دس گنا اضافہ ہو گیا۔
 گویا اسے شائستہ خالہ کی صبح نظر آگئی ہے اور اس لیے وہ بنائے کھیل کو بگاڑنے والی حرکت کر رہی ہے۔
 اگر اس کا یہ پاگل پن کسی پر ظاہر ہو گیا تو اس پر رشک سے اٹھنے والی نظروں میں اس کے لیے تسخیر آئے گی۔
 "تو اس میں اتنا خوف نہ ہونے کی کیا بات ہے۔" خرم نے کوشش کرتے ہوئے اپنا لہجہ نرم بنایا۔
 وہ جلد سے جلد اس کی حالت مارل کرنا چاہ رہا تھا۔ تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ وہ اسے لے کر کہیں
 جائے۔

"نہ۔ وہ اس لڑکے کو مارنے والی تھیں۔" خرم نے چونک کر مجمع کی طرف دیکھا۔
 "کسے؟" خرم نے بے ساختہ پوچھا تو نڈیہ بے چینی سے مجمع کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے اس طرح چیخنے پر
 بھیڑ میں اضافہ ہو گیا تھا اور اب اسے وہ چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا جسے اس نے کچھ لمحوں پہلے دیکھا تھا۔ بلکہ ایک طرح
 سے وہ بھیڑ میں اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔
 لوگوں کو حیران اور متحسّس سا اپنی جانب دیکھا کہ مزید ہر اس میں ہو گئی تھی اور اب خرم کو مدد طلب نظروں سے
 دیکھ رہی تھی۔
 "دیکھو ایسا کون تم توڑی دو کر کہیں بیٹھ جاؤ۔ ہم۔ ہم۔ کینٹین چلتے ہیں۔ وہاں چل کر ایک کپ چائے پو توڑا
 ریلیکس ہو جاؤ۔ پھر مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا دیکھا ٹھیک ہے۔" خرم بڑی رسائی سے بات کر رہا تھا۔
 نڈیہ کے چہرے کے تاثرات قدرے بہتر ہو گئے۔ وہ خوف نہ تو اب بھی تھی۔ مگر خود کو کپور کرنے کی کوشش
 شروع کر چکی تھی۔

ہم۔ مجھے کھانا ہے۔" نڈیہ نے تھوک نلگتے ہوئے کہا۔ خرم اتنی جلدی اسے پیچھے کے حق میں بالکل نہیں
 ہی فوراً مہولہ۔

ٹھیک ہے میں فوراً اسٹور روم کھلوں گا ہوں۔ ہم ایک بار تصویر دیکھ لو اور فوراً چلی جاؤ۔ مگر تب تک کہیں بیٹھ
 مجھے لگ رہا ہے تم کھڑی رہیں تو گر جاؤ گی۔" خرم غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ نڈیہ کا ہونے والے کانپنا وجود بڑی
 حیرت جالی کر رہا تھا۔ اس کی ٹانگوں کے کسی بھی وقت ساتھ چھوڑ دینے کی۔

نڈیہ چہرے پر پھوٹ پڑنے والے پسینے کو دھپ سے پونچھتی خرم کی تھلید میں چلنے لگی۔ خرم نے اس کے ہاتھ
 کی پکڑ لی۔ مبادا وہ اس کے بوجھ کے ساتھ ساتھ خود بھی نہ گر جائے۔
 خرم نے فیشنل میں لگے چائے کے اسٹال پر ہی لے لیا۔ وہاں اتنی چیزیں اور کرسیاں رکھی تھیں کہ خاص
 کیٹین جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور پھر کینٹین۔ یہاں سے کافی دور تھا اتنا چلنے کی نڈیہ میں سکت نہیں

تھی۔ اب ان لوگوں کو فون کر کے بلا لیں جن کے پاس چابیاں ہیں۔" نڈیہ نے بیٹھے ہی کہا تو خرم جو اس کے
 حوالی کر رہی پر بیٹھ رہا تھا۔ وہیں رک گیا اور ایک نظر اسے دیکھ کر جیسے موبائل نکال کر کھینے لگا۔
 اس نے کہا کہ "ہاں ہو سکتا ہے وہ آپ کے ہوں۔" خرم یہ کہتا اس کی ٹھیک سے تھوڑا اور جا کھڑا ہوا۔ نہیں چاہتا
 نڈیہ کو ہاتھ ملنے کے فون کر رہا ہے اور کیا بات کر رہا ہے۔
 اس نے موبائل پر چند من دیا کر کلن پر لگاتے ہوئے جیسے ہی نڈیہ کی طرف دیکھا ٹھیک کیا۔ وہ اپنی کرسی چھوڑ
 کر اس کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔

خرم کو اس کی اس بے چینی اور بد اخلاقی پر شدید تاؤ آیا۔ مگر اس کے خوف نہ ہونے کے خیال سے ضبط کرتے
 رہا۔

رہلیکس نڈیہ تم تو اس طرح ڈر رہی ہو جیسے پہلی بار شائستہ خالہ کو دیکھا ہو۔"
 جس شائستہ خالہ سے نہیں ڈر رہی مجھے اس لڑکے کی فکر ہو رہی ہے جس پر شائستہ خالہ حملہ کرنے والی
 ہے۔" نڈیہ چاروں طرف حلقہ کی نظریں دوڑاتے ہوئے فکر مندی سے بولی۔
 خرم نے اس لڑکے کو ایک نظر دیکھا تھا اور یہاں اتنے لڑکے ہیں کہ تم وہاں اسے دیکھ کر پہچان بھی نہیں
 سکتی ہو۔ یہ کہ بلاوجہ بلکان ہونے کی بجائے سکون سے بیٹھ جاؤ۔ ٹھوس میں پہلے تمہارے لیے چائے۔"
 خرم نے کوئی چائے دوائے نہیں پینی۔ اصل میں آپ کو نہیں پتا شائستہ خالہ بغض اوقات لوگوں پر حملہ بھی
 کرتی ہیں۔

"پتا ہے۔" خرم نے پوچھا۔ "خرم پچھلے سے اسے دیکھنے لگا۔
 انہوں نے میری ایک دوست کا سر پھاڑ دیا تھا۔"
 "تو تمہارے گھبراہٹ اسے نہ کرنے آئی تھی۔" خرم بے ساختہ بولا۔ نڈیہ بری طرح چونک اٹھی۔
 آپ کو کسے معلوم؟" نڈیہ نے انہیں سمجھنے کے ساتھ پوچھا تو ایک بل کے لیے خرم سہٹا گیا۔
 اس پر بالکل ظاہر نہیں کرنا چاہ رہا تھا کہ گھر خریدنے سے پہلے اس کے والد فرکان حسن کو ان کے دوست جو
 خرم کی نڈیہ کی ذاتی بیماری اور اپنی دوست پر آدمی رات کو بھت پر حملہ کرنے کے متعلق بتا چکے ہیں۔
 خرم نے۔

اب کو شائستہ خالہ نے بتایا ہے؟" خرم کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا کہے کہ نڈیہ کے سوال نے نہ صرف
 مشکل آسان کر دی بلکہ اسے سوالیہ نظروں سے نڈیہ کو دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

”کیا شائستہ خالہ نے تمہیں بھی کچھ بتایا ہے۔“

”ہاں نہیں وہ کچھ بتاتی ہیں یا نہیں۔ لیکن اکثر کچھ ایسی باتیں مجھے بتا چلی جاتی ہیں جو مجھے بھی علم نہیں ہو سکتا۔“

”وہ کیا؟“ خرم کو اب اس کہانی میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس لیے وہ غیر محسوس طور پر سست مددی سے میز کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ اسے یہاں اسی مقصد سے تولایا تھا کہ اس کے ساتھ گھومے گا اور جب تمام لوگ ان دونوں کو ساتھ دیکھ لیں گے تب ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اسے واپس بھیج دے گا۔

اب اگر کھونٹے کے بجائے وعدوں کیل پر بیٹھ کر لمبی گفتگو کر لیتے ہیں تو یہ تو اور بھی اچھی بات تھی سو بے بھی وہ لڑکی اتنی پورے نہیں تھی۔ بلکہ کسی سہنس کی مددی طرح اب آگے کیا ہو گا کے اشتیاق میں اس کی جگہ اس کی جاسکتی تھی۔ بھلے ہی یقین نہ کیا جائے۔

”میرے کان کی ایک لڑکی اچانک غائب ہو گئی تھی۔ سب اسے تلاش کر رہے تھے جبکہ مجھے ہاتھ بڑھ چکی ہے۔“ خرم ’ندبیہ کو دکھاتا ہوا۔

”مجھے نہیں پتا کہ مجھے کسے پتا چلا، لیکن میں جانتی تھی اس کا پاؤں مڑ گیا اور گھر میں گرنے کی وجہ سے اس کی موت ہو گئی۔“ ’ندبیہ دھیمے کعبے میں بولی۔

”اور تمہیں لگتا ہے کہ سب تمہیں شائستہ خالہ بتاتی ہیں۔“ خرم سناتے لہجے میں بولا تو ’ندبیہ گہرا سانس کھینچتے ہوئے ایسے خرم کو دیکھنے لگی جیسے اس کے پاس کچھ کہنے کے لیے نہ ہو۔

اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ خرم کی تھلید میں چلتی ہوئی تا صرف میز تک آچکی تھی بلکہ کرسی تھمیت کر بیٹھ بھی گئی تھی۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہاری دوست کو شائستہ خالہ نے کیوں زخمی کیا تھا۔“ خرم نے سرسری ہانڈاز میں پوچھا۔

اسے صرف ’ندبیہ کا جواب سننا تھا۔ ورنہ اسے کون سا اس کی بات پر یقین کرنا تھا۔ لیکن ذرا پتا تو چلے کہ وہ کیا سوچتی ہے۔ اس کے خیالات و تاثرات کیا ہیں، لیکن خرم کو امید نہیں تھی کہ وہ جو جواب دے گی، وہ خرم کو بول بھر کے لپے ساکت کر دے گا۔

”کیونکہ وہ میری دوست مجھ سے قاعدہ اٹھانے کے لیے بنی تھی۔“ ’ندبیہ ایسے بولی جیسے کسی ٹرانس میں بول رہی ہو۔

”کچھ دیر کے لیے ان دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ آخر خرم کو یہ وضاحت طلب کرنے کے لیے بولنا پڑا۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”اس نے کہا تھا میں روحوں کو بلانا جانتی ہوں تو میں نے اسے اپنے گھر بلا لیا تھا کہ میں شائستہ خالہ سے بات کر سکوں۔“ سمجھ رہی تھی ایسی کوئی روح تو فیوض ہی نہیں۔

وہ میرے سامنے ڈرامہ کرنے لگی کہ شائستہ خالہ کی روح اس کے جسم میں گھس گئی ہے اور پھر وہ اپنے مطلب کے مطالبات کرنے لگی جیسے شائستہ خالہ مجھے متیقن کر رہی ہوں کہ

تم اس کے کام کو دیا کرو
اس کے نوٹس بنا دیا کرو
اس کو پیسہ وغیرہ دے دیا کرو۔

اس لیے مجھے لگتا ہے کہ شائستہ خالہ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ کوئی میری کمزوری کا قاعدہ اٹھائے اور مجھے اپنے

مطلب کے لیے استعمال کرے۔ "خرم یک نکہ سے دیکھے گیا۔
ہر چند کہ ان سب باتوں پر یقین نہیں کرتا تھا مگر نہ چاہتے ہوئے بھی دبیہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ یہ بھی تو یہی
کہہ رہا ہے اس کی کنزوری کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔
اس کی پوری توجہ ندیہ کی طرف تھی پھر بھی اسے علم تھا کہ ارد گرد بیٹھے لوگ ان کا بڑی کمری نظموں سے
مشاہدہ کر رہے ہیں ایک تو جس طرح آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے خاصا معنی خیز تھا اور پھر خرم جیسے متبول
لڑکے کے ساتھ اتنی حسین لڑکی کا ہونا یہ بھی ایسی صورت میں جب وہ لڑکی یونیورسٹی کی تھی بھی نہیں ٹوکوں کا
چوکنٹا۔ عین فطری تھا۔

یہ سب کر کے خرم اس کی نفسیاتی بیماری کو ایک بنیاد بنا کر اسے اسکیڈ لائز می تو کر رہا تھا۔

ورنہ وہ اس قسم کی لڑکی بھی نہ ہی ان دونوں کے سچ کوئی انفرمل رہا تھا۔
خرم کو یہ ڈر محسوس نہیں ہوا تھا کہ شائستہ خالہ اس پر بھی حملہ کر دیں گی لیکن ضمیر نے یہ سوال ضرور کیا تھا کہ
جسے پہلے ہی لوگ اپنے فائدے کے لیے بد وقت بناتے آ رہے ہوں اسے اس طرح اپنی یونیورسٹی میں زبان نام
پر لانا صحیح ہے کیا۔

جس نے خرم کا کچھ نہیں دیکھا "خرم اس کا کردار کیوں بگاڑ رہا ہے لوگوں کی نظر میں۔

"یہ لے لے مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ شائستہ خالہ اس لڑکے کی طرف ہاتھ کیوں بڑھا رہی تھیں کس دن اسے بھی
نقصان تو نہیں پہنچانے والی ہیں۔" ندیہ نے ٹھکر مھرے لہجے میں کہا۔

"مگر اس لڑکے نے تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تم تو اسے جانتی بھی نہیں پھر وہ اسے نقصان کیوں
پہنچائیں گی۔"

"ہاں میں تو واقعی اسے نہیں جانتی لیکن میں نے اسے ٹھیک طرح سے دکھایا کب تھا ہو سکتا ہے دوبارہ
دیکھوں تو مجھے یاد آجائے کہ میں اسے جانتی ہوں۔

جیسے جب آپ ہمارے گھر آئے تھے تب مجھے یاد نہیں آیا تھا کہ آپ سے مل چکی ہوں یہ مجھے بعد میں یاد آیا تھا
کہ میں نے آپ کو کھل دیکھا ہے۔" خرم ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگا مگر اس سے پہلے کہ کچھ پوچھتا اس کا موبائل
بج اٹھا۔

خرم اسکرین پر ہارون کا نام جبکہ آدھ کرکری ٹھہرتے ہوئے کھینچ لگا۔

"ندیہ تم ہمیں بیٹھو میں بس دھنٹ میں آیا۔" ندیہ کو جواب کا موقع دے بغیر ہی خرم اس سے خاصا دور ہٹ
کر کھڑا ہوا تھا اور موبائل کان سے لگاتے ہی ہارون کی دھونس بھری آواز سن کر وہ ندیہ کو بالکل فراموش کر کے
اس سے گفتگو کرنے لگا جو کہہ رہا تھا۔

"Wahat's going on yaar" تم کس لڑکی کو پکڑ لائے ہو یونیورسٹی کھانے کے لیے کچھ آئی یا بھی
ہے لوگ تمہاروں کو کس طرح جوکھ رہے ہیں۔"

"کیا تمہیں نہیں پہچانا کہ یہ کون ہے۔"

"واش ڈیو مین؟" کیا میں اسے جانتا ہوں۔" ہارون کی آواز میں تعجب تھا۔

"جتنا میں جانتا ہوں اتنا ہی جانتے ہو یہ وہی ہے جس کا میں نے ہوٹل میں نمبر لیا تھا اور حمل کو شرط میں ہرا دیا
تھا۔" خرم کے لہجے میں فخر اتر آیا تھا جس میں اضافہ ہارون کے متوقع رد عمل نے کر دیا۔

"کیا بات کر رہے ہو یہ ہے؟ تم اسے یہاں کیسے لے آئے؟"

"How it could be possible" ہارون کے لہجے میں ہلاکی حیرت تھی۔

"تم تو جانتے ہو۔" میرے لیے سب کچھ پامال ہے بلکہ ابھی تم نے دیکھا نہیں میں اسے حمل کے سامنے لے
گیا تھا مکمل اور اس کی دوست حیرت سے دنگ رہ گئیں۔ ندیہ کو میرے ساتھ دیکھ کر۔"

"ارے میں نے دیکھا ہے سب کچھ کتنی دیر سے لار سے بیٹھے تم دونوں کا نظارہ کر رہے ہیں آخر تک آکر فون
کرنا پڑا کہ تمہارا تو شاید کوئی ارادہ ہی نہیں ہے کسی دوسرے کو لفٹ کرانے کا۔" ہارون کی بات پر خرم نے چاروں
طرف متلاشی نظموں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم ہو کھل اور دور بیٹھ کر کیوں رہنا پور ہے ہو آؤ تمہیں ندیہ سے ملنا ہوں۔"

"جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں ہے ویسے بھی میری سمجھ میں تو یہی نہیں آ رہا کہ تم یہ سارا ڈرامہ کر کیوں رہے ہو
مجھے تو یہ لڑکی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

"کیوں کیا برائی ہے اس میں۔" خرم نے لار پوائی سے پوچھا۔

"برائی نہیں ہے لیکن ابھی حمید کو دیکھ کر اتنی ہی طرح پچی تھی کہ میں نے۔"

"حمید کو دیکھ کر چینی تھی۔" خرم نے چونکتے ہوئے اس کی بات کا سدھی۔

"ہاں تو اور کیا۔" تمہیں حمید کی عادت کا پتا تو ہے نا۔ اتنی خوبصورت لڑکی اس کے سامنے ہو اور وہ بیوی بننے کی
کوشش نہ کرے ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

وہ بڑے اتراتے ہوئے چلے آ رہے تھے کہ اس لڑکی کو بڑی طرح چیخا دیکھ کر گھبرا گیا اس کے سامنے جانے
سے انکار کر رہا ہے اس کا کہنا ہے تم اس لڑکی کو کچھ سمجھا بجا کر لائے ہو اور تمہارے کہنے پر ہی اس نے حمید کو
دیکھ کر اتنی زوردار چیخ ماری ہے۔

یار تمہیں اگر مکمل کو جانا ہی تھا تو حمید کو دلن بنانے کی ضرورت کیا تھی اس کی پہلے ہی یونیورسٹی میں کوئی عزت
نہیں ہے اور تم اسے مزید مفلک کر رہے ہو۔" ہارون کا انداز صاف مذاق کرنے والا تھا مگر خرم حد درجہ سنجیدہ تھا
جب ہی کہنے لگا۔

"ہارون تم سب جہاں بھی بیٹھے ہو فوراً میرے پاس آ جاؤ اور حمید کو ضرور لے کر آنا۔"

"پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم اس لڑکی کو کیا کہہ کر یہاں لانے میں کامیاب ہوئے ہو۔ اگر حمید نے کچھ التماس نہ کیا ہوتا
تو تمہارا بیٹا بیاہ لیا مکمل بگڑ جائے گا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو گا میں ساری ذمیل تمہیں بعد میں بتا دوں گا بس ابھی تم حمید کو لے کر فوراً آؤ میں اسے
ندیہ سے ملوانا چاہتا ہوں۔"

"ارے یار۔" ہارون کے اچانک بولنے پر خرم نے کچھ نا سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا حمید کو ملوانے میں تمہیں کیوں پریشانی ہو رہی ہے۔"

"مجھے کیوں پریشانی ہو گی میں تو ابھی حمید کو لے کر پہنچ جاتا ہوں لیکن تم ذرا پلٹ کر ندیہ کی طرف دیکھو۔ ہم
یہاں باتوں میں گھے رہے اور وہاں ایک نیا محاذ کھل گیا۔" خرم بے ساختہ ندیہ کی جانب پلٹا۔

وہ اس کی میز سے کالی دور آ گیا تھا اس لیے وہ مکمل اور ندیہ کے درمیان ہونی گفتگو تو نہ سن سکا لیکن حمل اور
منسل کو ندیہ کی ٹیمبل پر موجود دیکھ کر ہی اس کی ساری حسیات الرٹ ہو گئیں۔

وہ ہارون کو بغیر کچھ کہے فون بند کرنا تیزی سے ان کی ٹیمبل کے نزدیک آ گیا مکمل کی پشت اس کی جانب تھی اسی
لیے وہ بغیر رکے بول رہی تھی۔

"میں اسے بتا چکی طرح جانتی ہوں وہ ضرور یہاں تمہیں کچھ التماس نہ کر لایا ہے لیکن اس کی بات پر
ہرگز یقین مت کرنا بلکہ آئندہ اس سے ملنے۔"

۳۰ رے نمل کیا ہوا۔ میرے بچے ہی میری برائیاں شروع کر دیں تم نے تو ابھی سے بیویوں والے طریقے اپنا لیے ہیں۔ "خرم کو نمل کی باتیں زہریلی تھیں مگر بظاہر بڑی خندہ پیشانی سے بولا۔

نمل اس کی آواز پر چونک کر پٹی بھی کراہی جبکہ اسے ابھی نہیں گویا وہ صرف خرم کی غیر موجودگی میں اس سے بات نہیں کر رہی تھی بلکہ اس کے سامنے بھی ندیہ سے گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

مگر خرم بڑے ہی مطمئن انداز میں چٹا میز پر پچی واحد کرسی کو گھسنا نمل کے مین سامنے بیٹھ گیا اب ان دونوں کے ایک جانب ندیہ اور ایک جانب نمل تھی اور ان دونوں کے ہی چہرے ہونق بنے ہوئے تھے۔

ندیہ تو انچی خاصی ہر اس بات کی اس لیے خرم اسے مخاطب کرتے ہوئے بڑے سوہانہ انداز میں کہنے لگا۔

"من سے ملو یہ نمل ہے نمل کی فرزند اور یہ نمل ہے میری سگیتر۔" خرم کے تعارف کرانے پر نمل سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگی۔

اسے قلعا "امید نہیں تھی کہ خرم اپنی معنی کو ندیہ پر ظاہر کرے گا تو امید کر رہی تھی کہ خرم اس کے سامنے اس کے ساتھ کسی قسم کی جان پہچان سے بھی انکار کر دے گا۔

جبکہ خرم کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اسے کون سا ندیہ کے ساتھ عشق لڑانا تھا جو وہ اپنی معنی پوشیدہ رکھتا بلکہ اچھا ہی تھا اگر ندیہ خرم کی معنی کے بارے میں جان جاتی۔

نمل جانے اب تک اس کے بارے میں ندیہ سے کیا کچھ کہہ چکی تھی اگر ندیہ اسے کوئی آوازہ قسم کا انسان سمجھ رہی ہوگی تو اس کے معنی شدہ ہونے کے متعلق سن کر تھوڑی سی مطمئن ہو جائے گی کہ جو شخص پہلے ہی انکے جملے سے اسے بے وقوف بنا کر کیا کرے گا البتہ اس نے نمل کی مداخلت کو ایک سوہانہ سارا نکدہ دیتے ہوئے اس کی کئی باتوں کا اثر ندیہ پر زائل کرنے کے لیے کہا۔

"بالکل رواجی سگیتر ہے میری سگیتر کسی لڑکی کے ساتھ بالکل برداشت نہیں کر سکتی یہ بھی نہیں سوچتی کہ ہو سکتا ہے مجھے تم سے کوئی ضروری کام ہو اور اسی لیے میں تمہیں اپنے ساتھ یہاں لے کر آیا ہوں۔" ندیہ کے چہرے پر پھیلی پریشانی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی البتہ وہ خرم کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

خرم کو اس سے بڑی طمانیت کا احساس ہوا تھا گویا وہ اب بھی خرم پر بھروسہ کر رہی تھی اور نمل کے مقابلے میں خرم کا یقین کر رہی تھی تب ہی اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور نمل کی طرف نہیں۔

جبکہ نمل "خرم کی بات سن کر جاتے ہوئے انداز میں بولا۔

"نکو اس مت کو خرم! مجھے تمہیں کسی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر طے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر ایک سیدھی سادی لڑکی کو تم اپنے مفاد کے لیے استعمال کرو گے تو یہ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی۔"

"بات تو تم ایسے کر رہی ہو جیسے تم نے خود بھی کسی کو اپنے مفاد کے لیے استعمال نہیں کیا۔" خرم ایک دم سنجیدگی سے بولا۔

نمل میری طرف اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ خرم اپنی جان میں آتے ہوئے بول پڑا۔

"میں یہاں ندیہ کو بڑے ضروری کام سے لے کر آیا ہوں میرے پاس تمہاری شکی فطرت کو مطمئن کرنے کا وقت نہیں ہے۔" پھر ندیہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"چلو ندیہ! چالی کا انتقام ہو گیا ہے۔" خرم ندیہ کو نمل کے پاس سے اٹھانا چاہتا تھا تب ہی کہہ گیا جبکہ ندیہ کے پریشان چہرے پر ایک دم رونق آئی۔

وہ خود نمل وغیرہ کے پاس سے اٹھنا چاہ رہی تھی۔ خرم کی طرف سے اشارہ پاتے ہی وہ کرسی گھسیٹتی کھڑی ہو گئی۔ مگر نمل تب بھی بولنے سے باز نہیں آئی۔

"چالی کیسی چالی؟ ندیہ اس نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے سب کو اس ہے بلکہ بھیس ہوئی میں جب اس نے تمہارا منہ بالکل نمونہ کا تھا تب ہم سب وہیں موجود تھے۔

یہ صرف ایک چیلنج کے طور پر تمہارا تمہارے لیے کیا تھا جسے حاصل کرنے کے لیے اس وقت بھی اس نے جانے کیا کمانی بنائی کہ تم نے فوراً ۳۱ نمبر اٹھا کر دے دیا۔

اصل میں خرم نے شرط لگائی تھی کہ وہ تو مجھے گھنٹے میں تمہارا نمبر حاصل کر لے گا۔" نمل تیز تیز کہتی گئی۔

ندیہ اپنی جگہ مستعد بن گئی تھی جبکہ استقامت انداز میں خرم کو دیکھنے لگی۔

خود خرم بھی چند ثانیے کے لیے دنگ رہ گیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نمل کی بات کے جواب میں ایسا کیا کہے کہ ندیہ کا مجھوتہ ہوتا تھا پھر نمل ہو جائے۔

بھلے ہی یہ سب بدلتی طور پر ہو لیکن کم از کم اس وقت نمل کے سامنے ندیہ اسے بری بھلی سنا کر نہ نکل جائے ورنہ تو اسے کون سا ندیہ کے ساتھ لبا چوڑا انیسٹر چلانا تھا۔

ابھی خرم سے کوئی جواب نہ تھا بھی نہیں تھا کہ ہارون کی آواز نے ان کو چونک کر پٹنے پر مجبور کر دیا۔

"ہائے خرم! کیسے ہو یا ر؟" ہارون کے ساتھ حمید کی اور ہارون کو کھڑا دیکھ کر خرم بے اختیار ندیہ کے تاثرات دیکھنے لگا۔

اس نے حمید کو بلوایا ہی اس لیے تھا کہ ہارون کی بات کی تصدیق ہو سکے۔ کیا ندیہ نے واقعی حمید کو دیکھ کر جج کر لی تھی یا یہ ان لوگوں کی غلط فہمی تھی۔

مگر اب ندیہ پر نظر پڑتے ہی اسے یقین ہو گیا کہ ہارون کا اندازہ غلط نہیں تھا ندیہ بالکل حق پڑتے چہرے کے ساتھ حمید کو دیکھ رہی تھی اپنی جگہ سے وہ پہلے ہی کھڑی ہو چکی تھی مگر اس کی حالت دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں کھڑے ہونے کی سکت نہ ہو اور وہ ابھی لہرا کر گر پڑے گی۔

باقی کوئی بھی ندیہ کی طرف متوجہ نہیں تھا کیونکہ سب نمل کے تاثرات دیکھنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اس لیے اور کسی نے تو نہیں دیکھا البتہ حمید ضرور ندیہ کو دیکھ رہا تھا شاید یہ بات اسے پسند نہیں آئی تھی کہ کوئی لڑکی اسے دیکھ کر کھڑے مجمع میں جج کیوں پڑی تھی۔

اس کا اپنا خیال تھا کہ اس کی شکل تو بہت اچھی ہے پھر وہ کیوں اسے دیکھ کر ڈر گئی یا تو ہارون وغیرہ کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ لڑکی کسی اور چیز کو دیکھ کر ڈر رہی ہوگی یا پھر یہ سب خرم کی کوئی سازش تھی یا نہیں خرم اسے کیا سمجھا بھاکر لایا تھا جو وہ اتنی اندر ایکٹنگ کر رہی تھی۔

اس کے چہرے پر بھلے خوف کے سائے حمید کو نزع کر گئے تھے مگر اس پر وہ خود بھی بول کھلا گیا جب ندیہ منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جج روکنے کی کوشش کے دوران ایک جانب کو لڑھک گئی۔

خرم اس کی جانب پہلے ہی متوجہ تھا اس نے بروقت اس کے گرتے وجود کو تمام لیا یہ اور بات ہے کہ اس کوشش میں وہ خود بھی زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ مگر ندیہ پوری طرح سے ہوش و خود سے بے گانہ ہو چکی تھی۔

نمل اور نمل تو کیا اس پاس موجود سب ہی لوگ اپنی اپنی نشستیں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"ندیہ۔۔۔ ندیہ۔" خرم نے گھبرا کر اس کے گال پر ہلکے ہلکے پھپرمارے مگر اس کی بے ہوشی میں کوئی فرق نہ آیا تو خرم سر اٹھا کر ہارون اور ہارون کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"میرے خیال سے اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا چاہیے۔" ہارون اس کا سوال سمجھتے ہوئے فوراً بولا۔

خرم نے اس پاس کی پردا کیے بغیر ایک ہی لمبے میں ندیہ کے نازک سے وجود کو اپنی بانہوں میں اٹھالیا۔

منظر واقعی بہت عجیب تھا نمل اور نمل تو بالکل دم بخود ہی اپنی جگہ کھڑی تھیں لیکن لوگوں کی چہ یگوئیاں

شروع ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ خرم محض چند قدم چل کر دو سری نیمل کے پاس سے گزرا ہی تھا کہ کرسی پر بیٹھ
مفص نے باقاعدہ کھڑے ہو کر اپنے موبائل سے خرم اور ندیہ کی تصویر لی تو خرم کے تیزی سے بڑھتے قدم اپنی جگہ
جم گئے۔

ندیہ کی حالت کے پیش نظر وہ فوراً آگے بڑھ جانا چاہتا تھا مگر تصویر لینے والے پر نظر پڑتے ہی خرم تو کیا اس
کے ساتھ آتے اس کے سارے دوست بھی بری طرح تپ گئے تھے۔

وہاں کے سب سے بڑے حریف گروپ کالز کا تھا یعنی کہ سمیر کا دوست تھا۔
اور سونے پر سنا گیا کہ اس کے ساتھ ہی دو سری کرسیوں پر سمیر اور اس کے دو دیگر دوست بھی موجود تھے۔
"عارف اس پکچر کو ابھی اور اسی وقت ڈیلیٹ کر دو۔" خرم غرا کر بولا تو وہ چہرے پر طنز مسکراہٹ سجاتے
ہوئے کہنے لگا۔

"اور اگر نہ کریں تو۔" خرم کا دل چاہا ندیہ کو ایک طرف پھینک کر ابھی اور اسی وقت اس درگت بنا دے اس
سے پہلے کہ وہ اپنی خواہش پر عمل کرنا وہی سرگوشیاں انداز میں خرم کے کان کے پاس منہ کر کے بولا۔
"اے رہنے دے یا رہ۔" اتنا ہی ہے وہ یہ تصویر نہیں بک میں ڈال دے تمہارا مقصد اور بھی کامیاب ہو جائے
گا۔" خرم کی گویا کھوپڑی گھوم گئی چاہا عارف کے ساتھ ساتھ وہی کی بھی ہڈی پٹی ایک کر دے اور واقعی اس نے
اپنی خواہش کو دیا نہیں بلکہ ندیہ کو وہیں زمین پر لٹا کر دیکھ کر بعد میں بننے کا تہیہ کرتے ہوئے عارف پر تل بڑا۔
سمیر اور اس کے دو سرے دوست بھی تیزی سے کرسیاں چھوڑ کر میدان میں آگئے مگر خرم کے دوستوں کی ایسی
کوئی غیرت نہیں جاگی۔

حمید اور وہی تو باقاعدہ وہاں سے بھاگے تھے جبکہ ثناء اور ہارون بھاگے نہیں لیکن آگے بھی نہیں بڑھے چنانچہ
آدھے منٹ کے بعد ہی صورت حال یہ تھی کہ خرم تنہا سمیر اور اس کے تین دوستوں کے مد مقابل تھا اور حیرت
کی بات یہ تھی کہ اس کے باوجود اس کا پلٹہ ہماری تھا جو سمیر کو بری طرح تپا گیا تھا۔

حالانکہ وہ اپنے جوتے میں پستول رکھنے والے لوگوں میں سے تھا مگر اس وقت وہ اس کے لیے بے کار ہو گئی تھی
کہ اس میں گولیاں نہیں تھیں ورنہ تو وہ خرم کو بھون کر رکھ دیتا۔
مگر جب حمید اور وہی کی طرح اس کے بھی دوست میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تب سمیر کو خالی پستول ہی نکالنی
پڑی اپنی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے۔

خرم کو اتنا جنون ہو رہا تھا گویا اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر دینے والا ہو جانے کون کون سے وقت کا فائدہ
بھرا ہوا تھا اس کے اندر جو وہ انہی نکالنے والا تھا ایسے میں اگر عارف بھی باقی دوستوں کی طرح اسے خرم کے
مقابلے میں تنہا چھوڑ کر چل پڑتا تو خرم تو اسے دوست میں ڈھیر کر دیتا۔

اس سے تو بستر تھا وہ خالی پستول نکال کر خرم کو ڈرا کر اس لڑائی کو یہی روک دے کم از کم بھرم تو رہ جاتا۔
"خرم Don't move" سمیر نے پستول اس کی طرف تانے ہوئے چیخ کر کہا مگر تب تک خرم کا مکا
عارف کو زمین بوس کر چکا تھا البتہ اس کا موبائل خرم کے ہاتھ میں تھا جسے وہ پوری قوت سے زمین پر مارنے کا
ارادہ رکھتا تھا اور جسے بھانپتے ہوئے سمیر دھمکانے والے انداز میں بولا۔

"اگر یہ موبائل ٹوٹا تو میں گولی چلا دوں گا۔" سمیر بڑے اتماد سے بولا اسے یقین تھا گولی چلانے کی نوبت نہیں
آئے گی خرم ہڈ کر ابھی موبائل اس کے حوالے کر دے گا اور سمیر شاہانہ انداز میں اس کی جان بخش دے گا۔
اور واقعی اس کی دھمکی پر خرم اپنی جگہ ساکت ہو گیا وہ ایک تک سمیر کو دیکھ گیا جو پستول اس کی طرف تانے چھ

قدم کے قاصد پر کھڑا تھا گویا نشانہ جو کئے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔
ناور اور ہارون بھلے ہی مار پیٹ کرنے آگے نہیں بڑھے تھے مگر اس صورت حال پر ان کے چہرے بھی فق ہو گئے تھے۔

"خبر خرم موبائل سمیر کو دے دو۔" ناور بھلا کر وحشی تو ازمیں بولا مگر خرم کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا۔
موبائل کو ہاتھ کے لیے اپنا ہاتھ سر سے اوپر لے گیا تھا سمیر کے دھمکانے پر اس کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا اور اس پاس جمع جمع کی سانسیں بھی اس کے ہاتھ کے ساتھ رک گئیں۔

نمل اور سنبل تو اسی وقت ندیہ کے نزدیک چلی آئی تھیں جب خرم نے اسے ایک طرف زمین پر لٹا دیا تھا۔
نمل نے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور اسے جگانے کی کوشش کرنے لگی تھی چچ میں وہ خرم نوہو کی طرف بھی دیکھ لیتی جبکہ سنبل اس کے قریب زمین پر بیٹھ تو گئی تھی لیکن اس کی توجہ پوری طرح سے خرم کی ہی جانب تھی۔

نمل نے جب ندیہ کو مکمل طور پر بے ہوش پایا تب ہر اس میں ہو کر اس نے سنبل کی طرف دیکھا اور سنبل کو دم بخود دیکھ کر بھی بے اختیار خرم کو دیکھنے لگی جس کا منتظر اسے بھی ساکت کر گیا تھا۔

"خرم میں کہہ رہا ہوں موبائل مجھے دے دو گولی چلانا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" سمیر نے دانت پیستے ہوئے کہا اسے خرم کا بغیر بے جملے بلا وجہ وقت ضائع کرنا سخت ناگوار گزر رہا تھا اگر اس کی پستول میں گولی ہوتی تو اب تک اسے واقعی جان سے مار چکا ہوتا بھلے ہی بعد میں اس کا جو بھی حشر ہوتا۔

اس وقت اسے خرم کا اکیلے ان سب پر حاوی ہونا اتنا برا لگا تھا کہ یونہی رشتی میں اپنا رعب برقرار رکھنے کے لیے وہ بغیر نیچے کی پروا کیے خرم کو قتل تک کرنے کے لیے تیار تھا لیکن خرم کا جسم بن جانا اسے فکر مند کر گیا تھا کہ اگر اب بھی اس نے موبائل نہیں دیا تو وہ گولی چلا نہیں سکتا پھر وہ کرے گا کیا اور اس کی عزت کیا رہ جائے گی۔

پھر جس کا سمیر کو ڈر تھا وہی ہوا خرم نے بڑے بے خوف انداز میں براہ راست سمیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے موبائل کو زمین پر دے مارا۔

جمع میں ایک ساتھ کئی چیخوں کی توافیں لٹکیں بھی کو یقین تھا کہ اب سمیر ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر گولی چلا دے گا ناور نے تو باقاعدہ

"خرم۔ خرم۔" چلانا شروع کر دیا تھا مگر خرم ہنوز سمیر کے سامنے ایسے ڈٹا کھڑا رہا جیسے مارنا ہے تو مار دو۔ مجھے جو کرنا تھا میں نے کر لیا۔

سمیر ہل بھر کے لیے بالکل ہلنک ہو گیا اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا اب وہ کیا کرے اپنی بے بسی پر اسے اتنا ناؤ آ رہا تھا کہ اس کا چہرہ اور آنکھیں غصے کی شدت سے سرخ ہو گئیں جسے دیکھ کر سارے مجمع کو بھی لگا کہ اب گولی چلانے والا ہے ان ہی میں سے ایک سنبل بھی جو ایک زندہ جیتے جاگتے انسان کو اپنے سامنے مل ہو تا دیکھنے کے خیال سے ہی حواس باختہ ہو کر چلا پڑی تھی۔

"نہیں۔ نہیں۔ سمیر۔ نمل تم اسے روکتی کیوں نہیں؟" سنبل کا انداز بالکل بے ساختہ تھا بدستور سمیر کو دیکھتے ہوئے نمل کا بازو پکڑ کر چلا رہی تھی۔

نمل بھی ایک طرح سے خوف کے زیر اثر دنگ رہ گئی تھی ایسے متحیر نظموں میں لاکھ بار بھی دیکھے ہوں مگر حقیقت میں دیکھنا بڑا سہانہ صدمہ ہوتا ہے۔

اس کی سمیر اور خرم دونوں سے ہی کوئی ہلاکت اور جذباتی وابستگی نہیں تھی مگر خود بھی یہی چاہتی تھی کہ سمیر یہیں رک جائے لیکن وہ سنبل کی طرح زبان سے کچھ نہیں کہہ سکی تھی بس پھر اے ہوئے انداز میں سب دیکھ رہی

جس کی زندگی اللہ تعالیٰ نے رکھی ہو اسے کون مار سکتا ہے سمیر کی پستول ہمیشہ بھری ہوتی تھی مگر اپنے نشانے بازی کے شوق کے باعث وہ کل ہی اسے خالی کر چکا تھا اور محض اپنی بلا پرواہی کی وجہ سے اسے آج لوڈ کرنا بھول گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ خرم پر گولی نہ چلا سکا۔

البتہ سنبل کی چیخ نے اس کی مشکل آسان کر دی وہ جسے اس سے بھاگ جانے کی سوچ رہا تھا دل ہی دل میں سنبل کا شکر گزار ہوتے ہوئے پستول پشت کی جانب لے جا کر بیٹھ میں پھنساتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔

"جاؤ کیا یاد کرو گے گریل فرینڈ کی دوست کی خاطر تاج تمہاری جان بخش رہتا ہوں ورنہ۔" سمیر نے صرف اپنے جملے کے پچھو لے پھوڑنے کے لیے اپنے گولی نہ چلانے کی صفائی دی تھی۔

مگر اس کی بات خرم تو کیا، نمل کو بھی تیر کی طرح لگی تھی اس کا دل چاہا وہ ابھی چیخ چیخ کر اس کی تردید کر دے مگر شرمندگی کے مارے اپنی جگہ سے مل نہ سکی جبکہ خرم کا دل چاہا اس بات پر سمیر کی ہی پستول سے اسی کو ختم کر دے اپنے امدے کو مکمل جامہ پہنانے کے لیے وہ سمیر کی جانب بڑھا بھی تھا مگر سنبل کے اٹھ کر چلنے میں آجانے پر اس کے قدم رک گئے۔

"خرم پلیز مجھ کو ندیہ سب اس وقت ندیہ کو اسپتال لے جانا زیادہ ضروری ہے۔" سمیر خود بھاگنے کے لیے پر دل رہا تھا خرم کو سنبل کی جانب متوجہ ہونا دیکھ کر وہ برق رفتاری سے منظر سے غائب ہو گیا۔

خود خرم بھی ساری باتیں ذہن سے جھٹکتا ہے مگر پڑی ندیہ کی طرف بڑھ گیا۔
ماحول صاف ہوتا دیکھ کر ناور اور ہارون بھی حرکت میں آ گئے اور خرم کے پاس چلے آئے۔

"تم تھیک تو ہو نا۔" ہارون نے فکر مندی سے پوچھا مگر خرم نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا وہ جلد از جلد ندیہ کو اسپتال لے جانا چاہتا تھا اس کے ارادے کو بھانپتے ہوئے نمل تیزی سے بولی۔

"اے کہیں لے کر جا رہے ہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"کیوں؟" خرم نے ایک قہقہہ نظر اس پر ڈالتے ہوئے تب کر پوچھا اسے یقین تھا نمل اس خطرے کے پیش نظر اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے کہ خرم ندیہ کی بے ہوشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جانے اس کے ساتھ کیا کر والے

اور اس کا شک واقعی درست تھا۔ نمل ندیہ کے تن خوا خرم کے ساتھ جانے کے حق میں نہیں تھی کیونکہ ندیہ بالکل بھی ہوش میں نہیں تھی لیکن نمل یہ سب زبان سے نہیں کہنا چاہتی تھی۔

اسی لیے وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کہے کہ بھی ناور اس کی حمایت کرتے ہوئے تیزی سے بولا۔

"ہاں ہاں۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے نمل تو کیا سنبل کو بھی ساتھ چلنا چاہیے اس لڑکی کو اس کے گھر بڑا رپ کر دیتے ہیں اس کے گھر والوں سے یہ دونوں بات کر لیں گی۔" ناور تائیدی انداز میں ہارون کو دیکھنے لگا تو اس نے بھی آنکھ کے اشارے سے خرم کو موقع کی نزاکت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

خرم دل ہی دل میں بھنا کر رہ گیا مگر زبان سے کچھ نہیں بولا جانتا تھا اس وقت بحث کرنا بے کار ہے نمل مانے گی تو نہیں انارقت ہی ضائع ہو گا البتہ گاڑی کے قریب پہنچنے پر جب ناور نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو خرم دو ٹوک انداز میں بولا۔

"تمہیں ساتھ چل کر خاموش تماشائی بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نمل اور سنبل کے سامنے خرم کا یہ لہجہ ناور کو سکی کا احساس دلا گیا تھا بھی وہ خاموشی سے ایک طرف ہٹ گیا کچھ کہہ کر وہ اپنی مزید تذبذب کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا اور عقلمند کے لیے اشارہ کافی کی ترجمانی کرتے ہوئے ہارون نے بھی ساتھ چلنے کا کوئی

ارادہ سرے سے کیا ہی نہیں۔
 "اے کون سے اسپتال لے کر جائیں گے یہ تو بالکل لٹنڈی پڑی ہوئی ہے۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ندیہ کا سر اپنی گود میں رکھتے ہوئے سہل اپنی عادت کے مطابق بری طرح پریشان ہو کر بولی مگر خرم نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے گاڑی پارکنگ سے نکالنے کے لیے ریورس کرنے لگا۔

"یہ بے ہوش کیوں ہو گئی اگر کسی کنویری و فیوسے چکر آئے تھے تو اب تک تو اسے ہوش میں آ جانا چاہیے تھا۔ حمل تم نے تو پانی کے چھینٹے بھی مارے تھے اس کے منہ پر پھر بھی۔" سہل اس کی بے ہوشی طویل ہوئی دیکھ کر اب دبا ہوا ہونے لگی تھی۔ فکر تو سہل اور خرم کو بھی ہو رہی تھی مگر وہ دونوں سہل کے مقابلے میں زیادہ حوصلے والے تھے، بھی ضبط کیے بیٹھے تھے البتہ سہل کے سوال پر سہل خاموش نہ رہ سکی۔

"مجھے تو لگتا ہے یہ خرم کے دوستوں کو دیکھ کر ڈر گئی ہے۔ تم نے اپنے دوستوں کے بارے میں ایسا کیا کیا تھا کہ وہ انہیں دیکھتے ہی چیخ پڑی۔" سہل نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے اپنے دوستوں کے بارے میں کچھ ایسا کہنے کی کہ کئی ان سے خوف نہ ہو کر بے ہوش ہو جائے۔" خرم کا موڈ تو پہلے ہی خراب تھا سہل کا مشکوک انداز دیکھتے ہوئے وہ بھی ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

"تمہارے دوست تمہارے کتنے "دست" ہیں وہ تو آج نظریں آگیا ہے ایسے میں اگر ندیہ کو بے وقوف بنانے کے لیے تمہیں ان کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا بھی بولنا پڑا تو یہ تمہارے لیے کون سا مشکل کام ہے۔" سہل کا لہجہ طنز نہیں تھا وہ حقیقت پسندی سے بول رہی تھی۔

خرم کے لیے یہ انکشاف کوئی نیا نہیں تھا اسے پہلے سے ہی علم تھا ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق اور ٹانگیں مار کر لینے والے اس کے نام نہاد دوستوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے برے وقت میں کام آ جاتا تھا وہ سہل کی بات کے جواب میں خاموش ہی رہا جسے دیکھتے ہوئے سہل زندگی میں پہلی بار بڑی رسائی سے اس سے مخاطب ہوئی۔

"خرم! ندیہ کے ساتھ یہ سب مت کرو۔ یہ بہت مختلف لڑکی ہے بہت ڈرپوک بہت خاموش طبع اور بہت کنویرا اعصاب کی انتہائی پسند ہے۔"

تم کہہ رہے تھے میں بھی لوگوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے والوں میں سے ہوں۔ تمہارا اشارہ اگر میری طرف ہے تو تم خود کھو میرا اور ندیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے تم اسے میرے ساتھ کیسے کپیٹر کر سکتے ہو۔" کیا تم ندیہ کو جانتی ہو؟" خرم نے بیکو پور سے سہل کو دکھا جس کی نظریں ندیہ کے بے مددگار سر پر جمی تھیں۔

"ہاں یہ ہمارے ساتھ اسکول میں بڑھتی تھی۔" سہل صاف گوئی سے بولی۔
 "مجھے تم نے مجھے اس کے پاس نمبر لگنے بھیجا تھا تاکہ میں شرط جیت ہی نہ سکوں۔" خرم بدستور بولا۔

"ہاں۔ لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بھی اسے جانتے ہو اس لیے اس کا نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

انکار مت کرنا خرم یہاں نہ تمہارے دوست ہیں نہ یونیورسٹی کے فضول اسٹوڈنٹس جو سہل میں تمہارا اعتراف ریکارڈ کر کے فیس بک میں ڈال دیں گے۔" سہل اتنے دھوکے سے بولی کہ خرم کا دل چاہا واقعی اعتراف کر لے کہ اس نے ندیہ کی کنویری کو جاننے کا قاعدہ اٹھاتے ہوئے اس کا نمبر حاصل کیا ہے۔

مگر کیا کرنا۔ عادت سے مجبور تھا۔ کسی بھی طرح سے خود کو ڈاؤن کرنا اسے منظور نہیں تھا۔ اپنے کریڈٹ پر ایک کامیاب آپریشن کو وہ حقیقت بیان کر کے ایک عام سے ٹرک نہیں بنا سکتا تھا۔

در اصل سہل اور سہل نے ہی کہا تھا وہ اسکول کے زمانے میں ساتھ ہو کر تھی تھیں اور یہ تفصیل بتانے سے وہ

لیکن وہ اس کے یقین کو جھٹلا بھی نہیں سکا، جبکہ اس کی خاموشی کو محسوس کیے بغیر سہل کی بات پر سہل کچھ چوہکتے ہوئے بولی۔

"جب ہم لوگوں کی کھاسزنی ہی اشارت ہوئی تھیں تب آپ نے ہماری کھاس میں آکر ایک لڑکے کا سہاگل چھین کر توڑ دیا تھا۔"

کیا اس نے بھی کوئی پکڑاؤ دیا تھا؟ سہل نے اس کے اتنے منگے موبائل کا یہ حشر ہوا تھا۔

"میرے پہلے دن تم لوگوں کے ساتھ جو مذاق کیا تھا اس کی ویڈیو بنا کر فیس بک میں اسی نے تو ڈالی تھی۔ تم لوگوں نے کیس دیکھی کیا۔" خرم سپاٹ لہجے میں بولا۔

"نہیں! ایسا ایسی کوئی سادی ہی بھی تھی۔" سہل نے اچھٹے سے کہا۔
 "مٹی بھی تھی اور سب نے دیکھی بھی تھی سب سے زیادہ کمشنس تم تینوں پر ہی تھے۔" خرم بے زاری سے بولا۔

سہل حیرانی سے سہل کو دیکھنے لگی جو دانت خاموش رہی۔ اگر میرے اپنے دوست کے تصویر لینے پر جس طرح اس کا ساتھ دیا تھا وہ سہل کو سخت ناگوار گزرا تھا۔

پھر جب کہ وہ میرے لیے کوئی احساسات نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی اس سے کوئی امیدیں وابستہ کیے بیٹھی تھی۔ مگر اس کی حرکت نے سہل کو بائوس ضرور کیا تھا۔ چنانچہ اس وقت وہ اس کی حمایت کرنے کے بالکل موڈ میں نہیں تھی۔

پھر جانے کیوں اسے خرم کی بات صحیح لگ رہی تھی کہ وہ مذاق ان لوگوں کے ساتھ خرم اور اس کے دوستوں کی بجائے میرا اور اس کے گینگ نے کیا ہو گا۔

شاید اس لیے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں تھی جس پر وہ ڈالا جائے۔
 فرسٹ ایر کو بے وقوف بنانا ایک عام رواج بن چکا ہے۔ سینئرز تو ڈنگے کی چوٹ پر یہ سب کرتے ہیں۔ پھر پھر خرم کو میرا نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔

بہر حال جو کچھ بھی تھا سہل نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔
 کچھ ہی دیر میں وہ تینوں شہر کے جانے والے اسپتال میں ندیہ کو لے کر پہنچے تو ڈاکٹر کے جواب نے ان تینوں کی

گھول گھول کر دیا۔
 "جی پی بہت زیادہ لو ہو جانے کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی ہے۔ ابھی تو میں ڈرپ لگوا رہا ہوں ویسے ان کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھا جائے۔"

"ڈرپ لگنے میں تین چار گھنٹے تو لگیں گے اس کے گھر والوں کو انفارم کرو۔" ڈرنگہ پریشان ہو جائیں گے۔" سہل نے خرم کو دکھا۔

"میرا اس کے گھر والوں سے کوئی کانٹیکٹ نہیں ہے۔ اس کے بیک میں دیکھو۔ موبائل میں اس کے گھر کا نمبر

دیکھو ہو گا۔ تم ہی بات کر لیتا۔" خرم نے مکمل لاطعلقی ظاہر کر دی۔
 اور واقعی بلال اختر کا نمبر پاپا کے نام کے ساتھ سیو تھا۔ سہل نے ان سے بات کر کے ندیہ کے اچانک بے ہوش

ہو جانے کی اطلاع باقی ساری جزییات بتائے بغیر دے دی تو وہ کھنکھناتے منٹ میں سیدھا اسپتال پہنچ گئے۔
 سہل اور سہل سے مل کر وہ خامے حیران لگ رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کی بیٹی کی بھی لڑکیوں

سے ملے ملے نہایت سچی ہے۔ خرم کے ساتھ وہ یونیورسٹی گئی تھی۔
 دراصل سہل اور سہل نے ہی کہا تھا وہ اسکول کے زمانے میں ساتھ ہو کر تھی تھیں اور یہ تفصیل بتانے سے وہ

در اصل سہل اور سہل نے ہی کہا تھا وہ اسکول کے زمانے میں ساتھ ہو کر تھی تھیں اور یہ تفصیل بتانے سے وہ

پہلو چھی کر گئیں کہ ان کے سچ معمولی بات چیت بھی نہیں تھی۔
جبکہ خرم ایک طرف تماشا کی بنا رہا۔ کس قدر سچائی کے ساتھ ندیہ کا جھوٹ کھپ گیا تھا کہ اس کی کالج کی بہن
لوگوں کے بہن بھائی جن کا لہجہ اور یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں اور وہاں کے ماحول کی تعریف کرتے ہیں۔ ندیہ وہاں
جا کر ان تبصروں کا جائزہ لیتا چلا جاتا ہے۔
نمل اور نسل سے بات کر کے بلال اختر کو یہی لگا تھا کہ ندیہ سے ان کی دوستی نہیں ہے۔ مگر اتنی بات چیت
ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مزاج جانتی ہیں اور ندیہ کی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی ان دونوں نے اسے
فیسبول والے دن یونیورسٹی آنے کا مشورہ دیا ہوگا۔ تاکہ وہ اپنے ایڈجسٹ ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ زیادہ آسانی
سے کر سکے۔

یہ سارے اندازے بلال اختر کے خود ساختہ تھے۔ انہوں نے ایک بھی تصدیق نہیں کی تھی۔ ندیہ کو بے ہوش
دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے تھے اور زیادہ بات چیت نہیں کیا رہے تھے۔
جب وہ تین دن جانے لگے تب اچانک انہوں نے چونکے ہوئے خرم کو مخاطب کیا۔
"مجھے لگتا ہے میں تم سے مل چکا ہوں۔" بلال اختر کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔
"جی بالکل۔ میں فرماؤں حسن کا بیٹا ہوں۔" خرم نے ایک اچھٹی سی نظر نمل پر ڈالتے ہوئے کہا۔
"آف آئی سی۔ کیا لگ رہا ہے اپنے نئے گھر میں رہنا۔" بلال اختر خوش دلی سے پوچھے۔
"ہوں۔ گھرنا لگتا ہی نہیں۔ ایسا لگتا ہے ہم ہمیشہ سے وہاں رہ رہے ہیں۔" خرم نے پوری سچائی سے کہا۔
"That's Good۔" بلال اختر نے کہا تو خرم الوداعی جملے بولتا ان سے مصافحہ کرنا آگے بڑھ گیا۔ نمل اور
نسل بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئیں۔
"ہمیں یونیورسٹی چھوڑ دو ہم وہاں سے گھر چلے جائیں گے۔" خرم کے آگے بڑھتے قدم نمل کی آواز پر یک
لخت رک گئے۔

"گھر ہی جانا ہے تو یونیورسٹی جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں گھر چھوڑتا ہوں۔" خرم نے سختی سے کہا۔ اس کی
یہ خواہ مخواہ کی خودداری خرم کو اس وقت ذہر لگی تھی۔
"میری گاڑی وہاں رہ گئی ہے۔ پھر میرا اور نسل کا گھر الگ الگ جگہ پر۔"
"تو رکشا کر کے یونیورسٹی چلی جاؤ نا" اتنا بھی احسان لینے کی کیا ضرورت ہے کہ میں یہاں سے واپس تمہیں
یونیورسٹی لے کر جاؤں۔" خرم بری طرح چڑھ کر بولا۔

اس کے مزاج پر پہلی سی جھنجھلاہٹ سوار تھی۔ اس پر نمل کی بے جا باتیں۔ وہ تب کہہ گیا تھا۔
بات تو اس نے طنزیہ کی تھی۔ مگر نمل واقعی سوچ میں پڑ گئی۔ وہ ہر کا وقت تھا۔ اچھی خاصی چل پھل تھی۔
اور نسل آرام سے رکشا میں جا سکتی تھیں۔ بلکہ گاڑی بھی یونیورسٹی سے لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک دن کی
بات تھی۔ نسل کے والد بھی انہیں یونیورسٹی ڈراپ کر سکتے تھے۔
"آئیڈیا تو بہت اچھا ہے۔ چلو آؤ نسل۔" نمل نے ایک سی بل میں سب سوچ کر اگلے بل قدم گیٹ کے ساتھ
قطار سے گھڑی رکشا کی طرف بڑھا دیے۔

خرم پہلے تو سمجھا ہی نہیں کہ وہ اچانک کہاں چل پڑی۔ پھر اسے رکشا والے سے بات کرنا دیکھ کر میلے تو خرم
حیران حیران سا اسے دیکھ رہا۔ پھر جب وہ دونوں اس رکشا میں سوار ہو کر اس کے سامنے سے گزرتی چلی گئیں تب
خرم سمجھتا ہوا اور پاؤں ہٹاتا اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔
ابھی وہ گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر وہی کانبرہ دیکھ کر دل تو چاہا کال کاٹ دے۔

دیے بھی اس وقت اسے بے تحاشا جھٹکن ہو رہی تھی۔ اس کا دل بستر پر لیٹ کر سونے کا چاہ رہا تھا۔ ایسے میں بھلا
وکی سے بات کرنے کی خواہش کیسے ہو سکتی تھی۔ پھر بھی اس نے کچھ سوچتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔ توقع کے عین
مطابق وہ اس کی طرف سے غیر معمولی فکر کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس پر خرم نے اسے فوراً ہی
جھڑک دیا۔

"اتنی پروا تھی میری تو اس وقت نہ چھپا کر کیوں بھاگ گئے۔ جب میں اکیلا ان سب سے لڑ رہا تھا۔" وکی جیسے
دھت انسان پر طعنے بازی کا کیا اثر ہوتا تھا۔ وہ آئیں بائیں شاخیں کر کے اصل مدعا ر آگیا۔
"یار یہ ندیہ تو بہت ہی حسین لڑکی ہے۔ میں نے اس دن ہوٹل میں تو اسے ٹھیک سے دکھایا نہیں تھا۔ کیا
چیز ہے یار۔"

"ابو اس بند کو وکی میرا داغ اس وقت پہلے ہی گھوما ہوا ہے۔" خرم فون کاٹنے والا تھا کہ وکی تیزی سے کٹے
لگا۔

"داغ تو یونیورسٹی میں سب کا گھوم رہا ہے۔ ایک تو تمہارے ساتھ اسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے ہیں۔ پھر
دوسرے جس طرح حمید کو دیکھ کر خوف زدہ ہو کر بے ہوش ہوئی ہے۔ اس پر تو تمام اسٹوڈنٹس بات کر رہے ہیں۔
اک سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کچھ کہہ رہے ہیں یہ ڈرامہ تھا۔ کیا اس نے کچھ بتایا کہ وہ حمید کو دیکھ کر کیوں چیختی
تھی۔" وکی کے کہنے میں بلال کا تجسس سا تھا۔

"نہیں۔ کچھ نہیں بتایا۔ اور اگر بتایا بھی ہو تا تو بھی تمہیں کچھ نہ بتاتا۔ من لیا یا اور کچھ سنتا ہے۔" خرم نے
جیسے ہوئے انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ بلکہ موبائل ہی آف کر دیا۔ تاکہ اب مزید کوئی اس کو پریشان نہ کر سکے۔
حالانکہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو اتنا پریشان کر لیا تھا کہ اب مزید کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔
یہ سوال تو خود اس کے ذہن میں اٹھ رہا تھا کہ ندیہ صرف حمید کو دیکھ کر ہی دونوں بار خوف زدہ کیوں ہوئی۔
کیا اسے واقعی کچھ نظر آتا ہے یا یہ صرف اس کی نفسیاتی بیماری ہے۔ یہ سمجھنے سے قاصر ہونے کے باوجود اس
سوال کو حل کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔



دو میلہ کو گھر پر ڈراپ کرنے کے بعد الیان مشاہد اور ندیہ کے ساتھ پلان کے مطابق آگے کہیں چلا گیا۔
آج شام وہ سب گاؤں جا رہے تھے۔ اس حوالے سے ثانی املاں اور ماسوں وغیرہ ہوٹل سے چیک آؤٹ کر کے
ریاض غفار کے گھر ہی آگئے تھے۔ چنانچہ گھر میں ایک میلہ سا لگا ہوا تھا۔ دو میلہ کو یہ ماحول بہت پسند تھا۔ ان تمام
بزرگوں اور کزنز کی موجودگی میں دو میلہ کو ریاض غفار کی فیملی کا اکھڑا ہوا وہ یہ محسوس کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔
کیونکہ برہنہ نے ابھی تک اس سے ایک لفظ بات نہیں کی تھی۔ مگر دو میلہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے رہی تھی کہ
اس کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ تمام سرسراہٹوں کے سچ میں وہ خاص طور سے اس سے کیا مخاطب ہو۔

مگر گفتہ غفار کا وہ یہ اسے جھجھک کر احساس دلا تا کہ انہوں نے محض زبردستی اسے بسو کی حیثیت سے قبول کیا
ہے۔ ان کی آنکھوں میں اس کے لیے ایسی نفرت بھری تھی کہ دو میلہ لن کی طرف دیکھنے کی ہمت ہی نہیں کرتی۔
بس ایک ریاض غفار کا وہ یہ قدرے نارمل تھا۔ بہت جوش و خروش اور لگوت تو ان کے انداز میں بھی نہیں
تھی۔ بڑائی رسمی سا طریقہ ہوتا تھا ان کے مخاطب ہونے کا۔ مگر باقی سب کے مقابلے میں یہ پناہ خانہ انداز بھی دو میلہ
کو گہری تاریکی میں امید کی ایک کرن کی طرح لگتا تھا۔

پھر دوسرے یہ کہہ نمل کی ہدایت کے مطابق چلنے کڑھنے اور منہ بسور نے میں اپنی ہمت اور طاقت ضائع نہیں

کرنا چاہتی تھی۔ یہ پہلے ہی ایک مشکل عمل تھا۔ مگر وہ مسائل کو اپنے اور حلوی نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ جس کے باعث اسے ڈپریشن میں چلی جائے کہ وہ مسئلہ بھی حل نہ کر سکے، جس کو سلجھانا ناممکن ہو۔
اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ خوش اور مطمئن رہتا اور نظر آنا چاہتی تھی، جو کہ ثانی امیں کے گھرانے کے سامنے خاصا آسان تھا۔

اس کی تقریباً تمام ہی لڑکیوں سے دوستی ہو گئی تھی۔ سب ہی خوش مزاج اور ہنس مکھ تھیں۔ وہ میلہ ان کے ساتھ لگ کر واقعی دیگر سارے روئے اور مسئلے بھول جاتی۔ اس لیے گاؤں جانے تک کاراستہ کم از کم وہ میلہ کے لیے بڑا خوش گوار اور یادگار رہا۔

البتہ اس کی موجودگی میں بریرہ کی ذات بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ وہ اس سے مکمل مل نہیں سکتی تھی۔ نہ ہی کزنز کو اس سے بے تکلف ہونے سے روک سکتی تھی۔ جس کے نتیجے کے طور پر وہ سردرد کا بہانہ کر کے اس گاڑی میں جا بیٹھتی تھی جس میں ماموں جان اور ڈرائیور کے علاوہ صرف سلمان رکھا ہوا کہ یہاں خاموشی ہے تو وہ آرام سے سو سکتی ہے۔

لیکن جب اندر آگ لگی ہو تو کیسا آرام اور کہاں کی نیند۔ اپنے دامن کے داغ دار ہونے کا احساس اسے مسلسل بچو کے لگا رہا تھا۔

حامد کو ہٹا چل جانے کا خوف اسے ڈرا رہا تھا۔

وہ میلہ کے لیے نفرت اسے جلا رہی تھی۔

ثانی امیں کے گھر والوں کی وہ میلہ کے لیے پسندیدگی اور اسے سراہنا اسے سلگا رہا تھا۔

تکلف غفار کی حالت بھی کم و بیش ایسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی بری تھی۔ ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری لڑکیوں کو وہ میلہ کے پاس سے ڈانٹ کر اٹھا دیں جو ان کی بیٹی کی بجائے اس چڑیل کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا وہ میلہ نے آتے ہی بریرہ کی جگہ چھین لی ہے۔

وہ لڑکیاں اپنی بھابھی کے آنے پر خوش ہونے کی بجائے وہ میلہ کے گن گار رہی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر ان کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ اس حقیقت کو نہیں سمجھ رہی تھیں کہ بریرہ ان کے گھر کی لڑکی تھی، جسے وہ بچپن سے دیکھ رہے تھے۔ اسے بیاہ کر لانے کی خوشی اپنی جگہ، مگر اس کی ذات کے برت کھولنے کا کوئی تجسس نہیں تھا۔ کیونکہ وہ سب پہلے ہی ان پر و اتھا۔ دوسرے ان کی اپنی بیٹی سب سے کنناہ کشی اختیار کیے بیٹھی تھی تو کوئی کتنی دیر اس کے پاس بیٹھ سکتا تھا۔

مگر یہی تو انہیں افسوس تھا کہ بریرہ کنناہ کشی اختیار کرنے والوں میں سے تھی ہی نہیں۔ وہ تو بہت خوش مزاج اور باتنی تھی۔ مگر اس چڑیل اور اس کے بھائی کی وجہ سے ان کی بیٹی کی ساری شوخی ختم ہو گئی تھی۔

انہیں اس قدر صدمہ تھا کہ ریاض غفار کے سختی سے تنبیہ کرنے کے باوجود وہ وہ میلہ کے لیے اپنے روئے میں تبدیلی نہیں لاسکی تھیں، بلکہ انہیں تو ریاض غفار کا اس کے ساتھ نارمل طریقے سے بات کرنا بھی گھٹک رہا تھا۔

ایک طرف الیان تھا جس کے روئے کا وہ مشاہدہ نہیں کیا رہی تھیں۔ ان کی والدہ کے گھر میں پر وے کا ماحول تھا۔ چنانچہ تمام لڑکیوں کے ہوتے ہوئے الیان ان کے پاس آتا ہی نہیں تھا۔ اور بس ایک یہی بات تھی جس کی وجہ سے انہیں اپنے یہاں آجانے پر خوشی ہوئی تھی۔

لیکن وہ خوشی اس وقت لمبا میٹ ہو گئی جب ریاض غفار اور شگفتہ غفار کی طرح الیان اور وہ میلہ کو بھی آرام کے لیے ایک کمرہ عنایت کر دیا گیا۔ شگفتہ غفار تو ثانی امیں کی۔

”چلو سب اپنے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔“ کی ہدایت پر بے ساختہ بولنے والی تھیں۔

”رومیلہ! الیان کے کمرے میں نہیں بلکہ ان لڑکیوں کے کمرے میں رہے گی۔“ لیکن بروقت اپنی بات کے نامناسب ہونے کا احساس انہیں خاموش کر گیا۔ ایسی کوئی بات کہہ کر والدہ کی زبردست جھاڑنے کے بالکل موافق میں نہیں تھیں اور نہ ہی اپنی بھابیوں کے سامنے خود کو کوئی ظالم ساس ہونے کا خطاب دینا چاہتی تھیں۔ پہلے ہی سب ان کا اکھڑا اکھڑا دیکھ کر رہے تھے۔ ایسی بات منہ سے نکل کر تو وہ گویا سب کو خود سے بری طرح بدگمان کر لیتیں اور پھر ان کی ایک بھابی تو اب خود ان کی اپنی بیٹی کی ساس بن گئی تھیں۔ ایسے میں سمجھ داری کا تقاضا تو کی تھا کہ وہ اپنی سو پر جان چھڑکتے والی ساس بن جائیں۔ تاکہ ممانی جان بھی بریرہ کے ساتھ ایسی ہی بن جائیں۔ لیکن بعض اوقات انسان جانتے بوجھے غلطیاں کرتا ہے اور عقل پر جذبات کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ چنانچہ کلفتہ غفار کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر جیتی ہوئی نظروں سے رومیلہ کو اپنے کمرے کی جانب بڑھتا دیکھتی رہیں۔ اتنا ہی بدست تھا کہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

مگر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ ان کی آنکھوں سے نفرت و حقارت کی ایسی چنگاریاں نکل رہی تھیں کہ رومیلہ جو یکینہ کی کسی بات پر ہنستے ہوئے بڑے خوش گوار انداز میں اس کی رہنمائی میں چل رہی تھی ٹھک کر رک گئی۔

اسے اچانک اپنے چہرے پر اتنی تیز پیش کا احساس ہوا تھا کہ اس کی نظریں خود بخود کلفتہ غفار کی جانب اٹھ گئیں۔

پھر تو اس کے قدموں کو کیا اس کی ہنسی کو بھی بریک لگ گئے۔ کلفتہ غفار کی صرف زبان خاموش تھی۔ باقی ان کے تمام اعضاء اس سے اپنی نفرت کا کھل کر اظہار کر رہے تھے۔ لیکن نے صرف اتنا کہا تھا کہ۔

”آپ اب بھی تھوڑا آرام کر لیں۔ سب موصوفات تو سونے بھی لیٹ گئے ہیں۔ آئیں میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں۔“

رومیلہ اس کی بات سن کر اٹھ گئی تھی۔ اسے تو خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس کمرے میں الیان بھی ہو گا۔ لیکن اسے اپنے منہ کیل کالج کا کوئی قصہ سنار ہی تھی۔ جسے رومیلہ کے اٹھنے کے بعد بھی اس نے جاری رکھا تھا اور جو رومیلہ کے لیے اتنا دلچسپ تھا کہ وہ بے ساختہ ہی جارہی تھی۔

مگر کلفتہ غفار کے تاثرات دیکھتے ہی اسے کسی انسو کی احساس ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت ان کے چہرے پر پھیلی بے زاری اور حقارت ہمیشہ سے زیادہ تھی۔

رومیلہ بے اختیار کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یکینہ کو ٹوکنا پڑا۔

”کیا ہوا بھابی چلیں نا۔“

”آں۔ ہاں۔ کہاں چلنا ہے؟“ رومیلہ غیر ارادی طور پر بولی تو یکینہ ہنس پڑی۔

”جیسی اپنا کمرہ دیکھ لیں اور تھوڑا آرام کر لیں لگتا ہے آپ کچھ زیادہ ہی تھک گئی ہیں۔ آپ کہیں تو میں آپ کے لیے چائے بھیجوا دوں۔ الیان بھابی سے بھی پوچھ لیں۔“ الیان کے نام پر رومیلہ چونکا اٹھی۔

تو گویا الیان کے کمرے میں جارہی ہے۔ ایک بار پھر اس کی نظریں کلفتہ غفار کی طرف اٹھ گئیں اور اس بار وہ جس طرح جو لیں رومیلہ کو سمجھنے میں ڈراور نہیں گئی کہ وہ اسے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں۔

”تم بھی کمال کرتی ہو یکینہ! الیان کوئی جاگ تھوڑی رہا ہو گا جو اب بیٹھ کر چائے پیے گا۔ شادی اور سفر کی تمہاں میں وہ تو بستر پر لیٹے ہی سو گیا ہو گا۔ خواہ مخواہ چائے وغیرہ بنا کر دینے کی ضرورت نہیں۔ بلاوجہ چائے پینے کے مرے میں ہاتھ کا در چل نکلے گا۔ پھر سونا اور آرام کرنا سب ایک طرف ہو جائے گا۔“ وہ جس طرح انکار سے

تھے ہوئے بول رہی تھیں وہ رومیلہ کے لیے نیا نہ ہونے کے باوجود نیا تھا۔

لیکن تو ان کی بات کا پس منظر نہیں سمجھی کیونکہ وہ بدست ساری باتوں سے بے خبر تھی لیکن رومیلہ کو بخوبی اس ہو گیا تھا کہ وہ اسے کیا باور کرانا چاہتی ہیں۔

الیان کمرے میں چائے پیتے وقت بھلا کس سے باتیں کر سکتا تھا۔ رومیلہ کی موجودگی میں اس کا کوئی کزن تو رہے میں آئے گا نہیں۔

مگر الیان کو آرام کرنا چاہیے اور اسے سونے دینا چاہیے۔ چائے اور باتوں کا وقت نہیں ہے۔

یہ ساری ہدایتیں کسے دی جارہی تھیں۔ جو کلفتہ غفار رومیلہ کو سنانا اور حتمی چاہتی تھیں وہ اس کی سمجھ میں طرح آگیا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی ہیں۔

لیکن وہ نہیں چاہتیں کہ وہ الیان کے ساتھ جا کر اس کے کمرے میں رہے۔

بلکہ وہ یہ چاہ رہی ہیں کہ اس کے کمرے میں جانے سے پہلے ہی الیان سو چکا ہو۔

رومیلہ کتنی ہی دیر کلفتہ غفار کو دیکھتی رہی جو خود بھی اسے غصے سے گھور رہی تھیں۔ لیکن یکینہ کے ٹوکنے پر اسے مشینی انداز میں گھومتی اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگی اور جب یکینہ تائی اماں کے کمرے سے نکل گئیں تو اپنی پشت پر کلفتہ غفار کی نفرت بھری نظروں کی پیش محسوس ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ ایک طویل راہ داری عبور کر لینے کے باوجود ان کی نظروں کی مدد سے نکل جانے کے ان کے سامنے موجود نہ ہونے کے باوجود۔

اس نفرت بھری نظروں کا حصار اس کے گرد ہی کھنچا رہا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

❖ ❖

دارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

غصہ و سرور	ستاروں کا آئینہ، نسیم سحر قریشی	قیمت: 450 روپے
دھڑکتی دھڑکتی	درد کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 500 روپے
شائع ہونے لگی	اے وقت گواہی دے، راحت جبین	قیمت: 400 روپے
مضبوط جلد	تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 250 روپے
آئیٹم ہے	امرئیل، عمیرہ احمد	قیمت: 550 روپے

لے کاچہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361



نہیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر نہیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کان میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے لایے اپنے گھر کی پھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو سیلہ، سکیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس پیلس میں بیچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نہیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار گواندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

۲۸ اٹھائیسویں قسط



رومیئلہ دروازے پر ایسے کھڑی تھی جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ دستک دے یا نہیں کہیں کوئی میں بیٹھ کر رات گزار دے لیکن ایسا ممکن نہیں تھا اول تو سیکڑے اس کے سر پر کھڑی تھی وہ اس کے گھرانے کی ہوسٹھی کوئی ملازمہ نہیں جو کہیں بھی پڑ کر سو سکتی۔

سیکڑے تو اسے دروازے تک لاکر اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے وہاں کھڑے ہو کر ایسے اس کے اندر جانے کا انتظار کرنے لگی جیسے کمرے میں جا کر وہ جاتے دیکھنے والی ہے کہ ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔

رومیئلہ ایک پشیمانی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر بولی۔
”تم جاؤ سیکڑے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے“ سیکڑے جواباً ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھل کر رہ گئی مگر اپنی جگہ سے ہلے تب بھی نہیں۔ آخر رومیئلہ کو گہرا سانس سمجھ کر اندر داخل ہونا پڑا۔

ایک نفرت بھری نظریں ابھی تک اس کا چھاکرتی آئی تھیں اور وہ سر کی نفرت بھی بھری نظروں کے لیے خود کو تیار کرتی کمرے کا دروازہ بند کر کے کنالچھوں سے اپنے پیچھے دیکھنے لگی اور جیسے ہی اسے یہ اندازہ ہوا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے وہ ایک پرسکون سانس خارج کرتی پلٹ گئی اور دروازے سے سر ہر نکال کر سیکڑے کو رخصت کیا پھر وہ اندھا لاک کر کے اس سے پشت لگا کر بڑے آرام سے کمرے کو دیکھنے لگی۔

کچھ خاصا کشادہ تھا کمرے کے ساتھ بنا خوب صورت میسر کمرے کو کافی ہوا اور بنا ہوا تھا کمرے کی ڈیکوریشن بالکل سادہ اور تیس تھی البتہ کمرے کے ایک طرف رکھے دو سوٹ کھڑا اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ اس کا اور الیان کا سامان ان دونوں کے آنے سے پہلے یہاں پہنچا دیا گیا ہے۔

ایک دم رومیئلہ کو خیال آیا کہ وہ الیان کے آنے سے پہلے جلدی سے کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ جائے پھر بھلے ہی خیند آئے یا نہ آئے اس کے آنے پر سوئی تو تین سکتی ہے وہ سرے لفظوں میں اس کا سامنا کرنے سے بچ سکتی ہے۔

اس خیال کے آتے ہی وہ تیزی سے سوٹ کیس کی طرف بڑھی اور اسے زمین پر لٹا کر کھولنے کی کوشش میں جانے کیسے برابر میں رکھا الیان کا سوٹ کیس نہ صرف گر پڑا بلکہ گرتے ہی کھل بھی گیا۔

شاید اسے ٹھیک طرح سے بند کیے بغیر ہی کھڑا کر دیا گیا تھا جیسی رومیئلہ کے ٹکے سے دھکا لگنے پر وہ دروازہ آواز کے ساتھ کھل کر گر پڑا سامان بھی شاید اس میں ٹھونس کر بھرا گیا تھا یا پھر باقاعدہ پیک کرنے کی بجائے بے ترتیبی سے ڈال دیا گیا تھا جیسی دو تین شرٹ اور پینٹس جمع میلٹ کے سوٹ کیس سے گھرے زیادہ باہر نکلنے لگے۔

رومیئلہ نے یہ سوچ کر سوٹ کیس کا ڈھکنا اٹھایا کہ ان کپڑوں کو اندر کر کے سوٹ کیس واپس بند کر دے کہ عین اسی وقت ہاتھ روم کا دروازہ کھول کر الیان کمرے میں آیا۔

وہ جس طرح توپے سے سر پر پھٹتا ہوا باہر نکلا تھا اس کے نما کر نکلنے کو ظاہر کر رہا تھا۔

رومیئلہ اسے پہلے سے کمرے میں موجود دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گئی خود الیان کے ہاتھ سر رکھتے ہوئے ایک سی حرکت پر جلد ہو گئے۔

رومیئلہ کو کمرے میں دیکھنے سے زیادہ الیان کو اسے اپنے سوٹ کیس میں گھسا دیکھ کر حیرانی ہوئی تھی۔
اسے یہ تو معلوم تھا کہ رومیئلہ اسی کے کمرے میں گھسے گی اور اس بات پر کوئی تبصیر یا اعتراض کر کے وہ سب کو چونکا نہیں چاہتا تھا۔

البتہ وہ ریاض غفار کی بات پر عمل کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنا رویہ بہتر نہیں کر سکتا تھا جبکہ ریاض غفار نے سختی سے کہہ دیا تھا کہ اسے رومیئلہ کے ساتھ ہر حال میں بہت اچھے طریقے سے پیش آنا ہے جو کہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

چنانچہ وہ اس کے کمرے میں آنے سے پہلے پہلے نما کر سونے کے لیے لیٹ جانا چاہتا تھا ماحول سے فرار کے سوا اس کے پاس اس وقت اور کوئی راستہ نہیں تھا اور اسی جلد بازی میں اس نے اپنے کپڑے وغیرہ نکالے تھے اور سوٹ کیس بغیر لاک کیے بند کر کے کھڑا کر دیا تھا۔

اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ لاک کھلا دیکھ کر رومیئلہ فوراً موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سوٹ کیس کی تلاشی لینا شروع کر دے گی نتیجے کے طور پر الیان بغیر کوئی حرکت کیے منہ کھولے اور آنکھوں میں شدید حیرانی کے لیے اسے دکھنا چاہا جیسے سمجھتے ہوئے رومیئلہ پر گھڑوں پانی کر گیا وہ جلدی جلدی کپڑے ٹھونس کر صفائی دینے کی کوشش کرنے لگی۔

”یہ۔۔۔ ہا نہیں یہ سوٹ کیس کیسے گر گیا اور خود ہی کھل بھی گیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔“ رومیئلہ جس طرح خجالت کے ساتھ ہاتھ چلاتے ہوئے کپڑے اندر رکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے الیان لڑکھ مٹنے پر ڈالتا اس کے قریب چلا آیا۔

”آپ چھوڑ دیں میں بند کر دیتا ہوں۔“ الیان نے سنجیدگی سے کہا۔

مگر رومیئلہ اس کی آنکھوں میں پھیلے تحیر کا مطلب بخوبی سمجھ گئی تھی یہ سوچ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اس کے سوٹ کیس میں گھس کر اس کی تلاشی لے رہی ہے اور یہ بات اسے بری طرح شرمندہ کر گئی تھی جیسا کہ الیان کے کہنے پر دھیان دے کر بغیر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے سوٹ کیس زبردستی بند کرنے کی کوشش کرتی رہی چنانچہ الیان کو اس کے پاس زمین پر دو زانو بیٹھنا پڑا مگر رومیئلہ نے اپنی کاہلوں کی جاری رکھی وہ کسی بھی طرح سوٹ کیس کو بند کرنے پر کمر بستہ تھی۔

الیان بیٹھا تو تھا اسے روکنے کے لیے مگر اس کی گھبراہٹ اور تیزی دیکھتے ہوئے جب چپ چاپ اسے دکھنا رہا جو سارے کپڑے ڈالنے کے بعد اب اپنی پوری قوت لگا کر سوٹ کیس کا ڈھکنا بند کرنے کے درپے تھی اسے اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ زبردستی کے ٹھونسے کپڑے کناروں سے باہر نکل رہے ہیں اور اسی وجہ سے سوٹ کیس کا ڈھکنا بند نہیں ہو پا رہا اور کسی چیز الیان کو اسے بغور دیکھنے پر مجبور کر گئی تھی۔

وہ اتنی نرمی کیوں بھی جو انسان بہت بڑے بڑے غلط کام کرنے کا عادی ہو وہ کسی معمولی سی غیر اخلاقی حرکت پر اتنا شرمندہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جس قسم کے خاندان سے وہ تعلق رکھتی تھی وہاں اخلاقی اقدار کیا ہوں گی یہ سمجھنا الیان کے لیے مشکل نہیں تھا ایسے لوگ تو بڑی سے بڑی بات پر بھی اپنی غلطی نہیں مانتے پھر اتنی پھولنی سی بات پر کیوں پانی پانی ہو رہی ہے۔

کیا یہ ایکٹنگ کر رہی ہے بس الیان اس کے چہرے سے یہی اخذ کرنے کے لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

رومیئلہ کو جب بالکل کامیابی حاصل نہیں ہوئی سوٹ کیس بند کرنے میں تو اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑنے لگے اور جیسی اسے الیان کی خود پر جی نظروں کا احساس ہوا تو وہ بالکل ہی ساکت ہو گئی۔

الیان کی جانب دیکھے بغیر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت اس کی آنکھوں میں رومیئلہ کے لیے نفرت یا بے زاری نہیں ہے بلکہ وہ اس کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

یہ اندازہ ہوتے ہی رومیئلہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اس نے بڑی ہمت کر کے الیان کی جانب دیکھا۔ اسے متوجہ ہونا دیکھ کر بھی الیان نے اپنی نظروں کا زیادہ بدلا نہیں اور یہ بات رومیئلہ کے لیے حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بالکل مختلف تجربہ ثابت ہوئی تھی۔

وہ اس سے شرماتا یا کتراتا نہیں چاہ رہی تھی جیسا کہ اعتماد بحال رکھنے کے لیے اس کی توجہ دوسری جانب

مبذل کرانے کے لیے انکا انک کر ہوا۔

”آ۔ آ۔ آپ بند کروں گے مجھ سے۔ تو نہیں ہو رہا۔“ اس کے کہنے پر الیان کچھ دیر اس کی چل دیکھا رہا جہاں اس کے ڈرامہ کرنے کے کوئی آثار نہیں تھے بلکہ وہ واقعی شرمندہ لگ رہی تھی بلکہ اس شرمندگی میں اب گلابیاں گلنے لگی تھیں جو کہ الیان کے لیے خاصا منفرد منظر ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی تھا۔
اس کے صبح رخسار پر بار بار سایہ ظن ہوتیں اس کی کھنی سیاہ پلکیں الیان غیر ارادی طور پر دیکھا چلا گیا تو دو میلہ جو پورا دن سوٹ کیس پر ڈال کر اسے بند کرنے میں لگان ہو رہی تھی اس پر سے ہتے ہوئے ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی۔

اس کی اس حرکت سے الیان کی محبت میں خلل پڑ گیا تو وہ چونکا تو نہیں البتہ جھلکتے ہوئے کہنے لگا۔
”جب یہ سوٹ کیس آپ نے جان بوجھ کر نہیں کھولا تو پھر اتنی شرمندہ کیوں ہیں۔ انسان گھبراتا اس وقت ہے جب اس کے دل میں چور ہو۔“ الیان کا لہجہ بڑا سیارہ سا تھا اس میں کوئی طعنے نہیں تھا اور اگر ہوتا بھی تب بھی دو میلہ اس کے سامنے اس وقت چھوٹی موٹی سی ہو گئی تھی وہ ان احساسات کے زیر اثر اس طعنے کے پس منظر کو سمجھ بھی نہیں سکتی تھی اسی لیے بڑے دھیسے لہجے میں بولا۔

”صرف چل کا چور انسان کو گھبراتے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ لوگوں کی نظروں میں اپنا غلط امیج بنانا دیکھ کر بھی انسان پریشان ہو جاتا ہے۔“

خاص طور پر میرے جیسے لوگوں کے لیے تو یہ برداشت کرنا بہت مشکل ہے کہ کوئی میرے بارے میں غلط رائے قائم کرے اور مجھ کو سب کچھ جیسی میں نہیں ہوں۔“ دو میلہ خلاف توقع بڑی وضاحت سے بولی۔

”آپ کو کیسے پتا کہ میں نے آپ کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کر لی ہے۔“ الیان نے بے اختیار پوچھا تو دو میلہ جو اس کے سامنے سے اٹھ کر صوفے پر جا کر بیٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی ٹھک کر اپنی جگہ ہی رک گئی۔

اس کے سوال سے یہی ظاہر تھا کہ وہ اس کے بارے میں واقعی کچھ غلط سوچ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی لگا تھا کہ الیان کا اشارہ صرف اس سوٹ کیس کی طرف نہیں ہے بلکہ اس سوال کا پس منظر کچھ اور ہے۔

وہ بے اختیار الیان کی جانب دیکھنے لگی جس کی سوالیہ نظریں دو میلہ کے چہرے پر لکھی تھیں۔
”آپ کے دیکھنے کے طریقے سے ہی پتا چل گیا تھا کہ آپ سوچ رہے ہیں میں نے جان بوجھ کر آپ کا بیگ کھولا ہے تلاشی لینے کے لیے۔ جبکہ میں ایسی حرکتیں نہیں کرتی۔“ اس بل دو میلہ کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

کچھ ثانیوں کے لیے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے چلے گئے پھر آخر دو میلہ ہی پلکیں جھپکاتی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

پہلے تو الیان نے ہاتھ بڑھایا سوٹ کیس کے کناروں سے نکلتے کپڑے اندر کرنے کے لیے مگر دوسرے ہی پہل ارادہ ملتوی کرنا دو میلہ کے پیچھے ہی کھڑا ہو گیا اور ڈرننگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال بٹانے لگا۔

دو میلہ کو اس کے اس طرح خاموش ہو جانے کی امید نہیں تھی وہ چاہتی تھی وہ اس کے اندازے کی تردید کر دے اور کہہ دے کہ اس نے دو میلہ کے متعلق ایسا کچھ نہیں سوچا۔

مگر اسے چپ کچھ کر آخر دو میلہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے خود ہی بول پڑی۔
”کیوں؟ میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا؟“ الیان ہاتھ روک کر آئینے میں اس کے عکس کو دیکھنے لگا۔

مرحضہ کلر کی قمیص پر لائٹ پٹنگ کلر کی کڑھائی کے ساتھ وہ کڑھائی کے ہی ہم رنگ شلوار پہنے میں ملبوس گزشتہ دنوں کے مقابلے میں خاصی نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔

یہ فرق ثانی املا کے گھرانے کے ساتھ وقت گزارنے کا نتیجہ تھا یا الیان نے اس پر غور ہی کرنا کیا تھا۔ الیان

مجھ نہ سکا البتہ برش ڈرنک نیل پر رکھ کر اس کی طرف پلٹتے ہوئے کہنے لگا۔
"نہیں تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے میں واقعی یہی سوچ رہا تھا حالانکہ اس چھوٹے سے سفر میں بیگ میں
کپڑوں کے علاوہ اور کچھ کیا رکھ سکتا ہوں۔"

اس لیے اسے لے کر کسی کا تجسس ہونا اور اسے کھگانے کی کوشش کرنا ہی حماقت ہے۔
دو میلہ کو اس کے جواب سے ہلکی سی ہنسی کا شہ ہو گیا۔ "ہی کہہ دتا کہ نہیں وہ اس کے متعلق اتنی متنی
سوچ نہیں رکھتا لیکن اس نے تو صاف گولی کی انتہا کر دی تھی۔"

دو میلہ کی خاموشی نے الیان کو اتنا توجہ حاصل دلایا تھا کہ اس کے جواب نے دو میلہ کو دکھ پنچایا ہے لیکن بھلا وہ
اپنے کپڑے پر شرمندہ کسے ہونا لگا؟ بڑے مطمئن انداز میں بیڈ کی طرف بڑھ گیا کہ ابھی دو میلہ سنجیدگی سے بولی۔
"اپنا سوٹ کیس لاگ کر دیجئے کل صبح اگر کوئی چیز آپ کو نہ ملی تو آپ یہی سوچیں گے کہ میں نے چرا لی ہے؟
چیز کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو اور جسے چرا کر لیا ہے؟" الیان کے قدم یک لخت ٹھم گئے کچھ دیر اپنی جگہ
کھڑے رہنے کے بعد وہ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس کی ضرورت نہیں جو کچھ تم اور تمہارا بھائی ہتھیائے ہیں اس کے بعد اس سوٹ کیس میں سے چوری
کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔" دو میلہ کچھ چونک سی گئی۔
"میں کبھی نہیں۔"

"اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات ہے جب سب کچھ پہلے ہی سے تمہیں مل چکا ہے تو چوری چھپے کچھ نکالنے
کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی اس سوٹ کیس میں سے جس میں کپڑوں اور ڈیوڈرنش وغیرہ کے علاوہ کچھ خاص ہے بھی
نہیں۔" الیان نے لارو ای سے کندھے اچکائے۔

دو میلہ ہنوز اسے ابھی ہلکی نظر میں دیکھتی رہی وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ الیان اس پر طنز کر کے اسے کیا
جتانا چاہتا ہے۔ جبکہ الیان اسے خاموش دیکھ کر بستر پر بیٹھنے کے بل لیٹ گیا اور منہ دوسری طرف کر کے اسے مکمل
طور پر شب بخیر والا اشارہ دے دیا۔

مگر اس کی کبھی بات اور اس کا لہجہ ایسا نہیں تھا جسے آسانی سے نظر انداز کیا جاسکتا تھا دو میلہ اس کے نظر
انداز کرنے کو نظر انداز کرتی پوچھنے لگی۔
"میں نے اور میرے بھائی نے آپ سے کسی اشامپ ہیر پر سائن تو نہیں لے لیے جو آپ ہمارے لیے اس
طرح ہتھیانے کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔"

ایرا بھائی نے اگر آپ کو اپنی اور آپ کی دوستی کا واسطہ دے کر شادی کے لیے مجبور کیا تھا تو یہ سراسر ان کے
حالات کی مجبوری تھی۔

اگر آپ اس شادی سے خوش نہیں تھے تو آپ انکار کر دیتے اس طرح احسان دہانے سے تو یہی بہتر ہے تاکہ
انسان ذہین بن کر ایک بار منع کر دے "دو میلہ کی بات کسی تیرکی طرح الیان کو لگی تھی وہ ایک جھٹکے سے بستر پر
اٹھ بیٹھا۔

"تمہارے بھائی جیسے گرے ہوئے انسان کو میرے دوست ہونے کا شرف حاصل ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کی
دوستی کا پاس کر کے میں اس کی بہن سے شادی کر ڈالوں "الیان ایک ایک لفظ جاکر بولا۔
اس پہلے بھول گیا تھا کہ ریاض فغان نے کتنی سختی سے اسے دو میلہ کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کے لیے کہا
تھا۔

دو میلہ اس کا انداز اور اس کی گفتگو دونوں ہی نہیں سمجھی تھی البتہ اس کا اس طرح طیش میں آجانا دو میلہ کو

تھوڑا خائف کر گیا تھا۔

اس کے لیے کی یہ نرمی ہی تو تھی جو دو میلہ اب تک اس سے اتنے آرام سے باتیں کر رہی تھی ورنہ وہ تو الیان
کے سامنے کھڑے سے بھی کھڑا ہی تھی۔

لیکن جو کچھ الیان نے کہا تھا اس کی وضاحت طلب کرنا سخت ضروری تھا دو میلہ اپنی ہتھیں بچھ کر کے کہنے
لگی۔

"کیا آپ ایرا بھائی کے دوست نہیں ہیں اور اگر نہیں ہیں تو آپ اس اچانک کی شادی کے لیے کیوں تیار ہو
گئے۔ اتنا اہم فیصلہ اس طرح جلد بازی میں بغیر کسی ٹھوس بنیاد کے تو نہیں ہو سکتا۔" دو میلہ کی بات پر الیان کا
تھن بڑھتا چلا گیا کبھی دانت پیتے ہوئے بولا۔

"تنی انجمن کیوں بن رہی ہو جیسے تمہیں کچھ خبری نہ ہو۔"
"مجھے واقعی کچھ نہیں پتا۔ آپ میرے بھائی کے لیے اس طرح کے الفاظ کیوں استعمال کر رہے ہیں اور پھر آپ
سب گھروالوں کا رویہ تو ایسا ہے جیسے میں خود سے کچھ آکر بیٹھ جاتا ہوں۔"

"جس طرح تم آئی ہو اسے خود سے کچھ آکر بیٹھ جانا ہی کہتے ہیں بھلے ہی ہم سب خود تمہیں رخصت کرا کے
کیوں نہ لائے ہوں "الیان کا لہجہ حد درجہ سخت ہو گیا۔

تھوڑی دیر پہلے وہ جس انداز میں مخاطب تھا اب اس کا شائبہ تک اس کی گفتگو میں نہیں تھا دو میلہ کو اپنا ذہن
ماؤف ہونا لگ رہا تھا وہ بے اختیار صوفے سے اٹھ کر بیڈ کے نزدیک چلی آئی۔

"اتنا تو میں سمجھ گئی ہوں کہ اس شادی کے پیچھے آپ کی کوئی مجبوری پوشیدہ تھی لیکن وہ مجبوری کیا تھی اس کا
مجھے بالکل علم نہیں۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ آپ ایرا بھائی کے دوست ہیں اور میری شادی ٹوٹ جانے پر
انہوں نے اپنے دوست سے مدد مانگی اور۔"

"جموٹ مت بولو تو تم سب جانتی ہو اور بالفرض اگر نہیں جانتیں تب بھی تم اپنے بھائی کی یہی طرح ہو تمہارے
نزدیک دوسرے کی عزت اور اس کا وقار اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔
تم لوگوں کو جو چاہیے یہیں وہ چاہیے باقی اس کے نتیجے میں دوسرے کے اوپر قیامت گزر جاتی ہے تو گزر جائے
تمہاری بلا ہے۔"

تم نے اور تمہارے بھائی نے یہ شادی یہی سوچ کر کی ہے کہ آگے چل کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن میں
تمہیں بتاؤں کہ تمہارے یہ خواب صرف خواب ہی رہنے والے ہیں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنے
ذہن کو وقت گزرنے کے ساتھ بھرتے ہیں۔ میں ان میں سے ہوں جو اپنے ذہن پر آئے کھرنڈ کو روز کھرتے ہیں
تاکہ وہاں سے روز خون نکلے اور ذہن روز ہرا ہو جائے۔" الیان بستر سے اتر کر دو میلہ کے عین مقابل آکھڑا ہوا تھا۔

دو میلہ اس کی بات تو نہیں سمجھ رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں سے جتنی نفرت اور زہرا لگتی زبان اسے ہراساں
کر گئی تھی وہ آنکھوں میں آنی کی کو تیز تیز پلکیں جھپکا کر اپنے اندر اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ایسا کیا کیا ہے میرے بھائی نے جو آپ ہم لوگوں کے بارے میں اتنی بری رائے قائم کیے ہیں۔" دو میلہ
نے خشک ہوتے لیوں پر زبان بھرتے ہوئے پوچھا۔

"میرے سامنے انجان بننے کی ایک ننگ مت کرو تمہارے جیسے گھٹیا لوگ اچھے اور اونچے گھرانوں سے رشتہ
جوڑنے اور ان کے پیسے بٹورنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں اسی لیے ایسی سازشیں تمہارا پورا گھرانہ مل
کر کرتا ہے۔"

لیکن تم لوگوں کو یہ نہیں پتا کہ تمہارا واسطہ جس شخص سے پڑا ہے وہ بہت ٹیڑھی کھیر ثابت ہونے والا ہے

بہت بچتا ہوا ہوا گا تمہارے بھائی کو میرے ساتھ دشمنی مول لینے پر "الیان کا لہجہ چٹانوں جیسا سخت تھا۔

دو میلہ اتنی دھانسی ہو گئی تھی کہ اس سے مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا وہ ڈبڈبائی نظروں سے الیان کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اور جلال کو دیکھتی رہی۔

اس کی آنکھوں میں تیرتے آنسو کا الیان پر بھلا کیا اثر ہوتا تھا البتہ راض غفار کا جھڑپنا اسے بے اختیار یاد آیا تبھی مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا کی طرف پلٹ گیا۔ مگر اگلے ہی پل کچھ خیال آنے پر وہ اس کی طرف کھوتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم چاہو تو میرے اس رویے کی شکایت اپنے بھائی سے کر سکتی ہو اس نے بار بار یہی کہہ کر تو دھمکایا ہے کہ جس ذرا بھی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔

لیکن میں بھی کوئی بے وقوف نہیں ہوں مجھے معلوم ہے کہ صرف ہمیں ڈرا کر بلیک میل کر سکتا ہے مگر اس راز پر سے وہ نہیں اٹھا سکتا۔

کیونکہ جیسے ہی یہ راز فاش ہو گا سب ختم ہو جائے گا۔ اللہ نہ کرے، لیکن ایک بار اگر یہ گھرواپس آئی تھی تو تمہارا پتا صاف ہوتا بھی جینی ہے۔

تب تو میں تمہارا اور تمہارے بھائی کا وہ مشرکوں گا کہ تم لوگ موت کی تمنا کو گے۔ اور ابراہار اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اسی ترب کے تے کو پھینک دے جس پر اس نے پوری بازی سجا رکھی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر تم چاہو تو تباہ و برباد کر دے مجھے اس گھر میں کسی نے بھی قبول نہیں کیا ہے اور نہ ہی کبھی کرے گا یہاں سب لوگ ایک ایسے موقع کا انتظار کر رہے ہیں جب یہ سب مجھ سے جان چھڑا سکیں اور مجھے اور آپ کو اپنے اپنے انجام پر پہنچا سکیں۔

"الیان کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ دو میلہ کے کانوں میں پھلتے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہا تھا۔ آخر اس میں ضبط کا یار نہ رہا اور اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو چھلک کر اس کے رخسار پر آ گئے۔

الیان ان آنسوؤں پر ایک سفاک سی نظر ڈالتا ایک جھٹکے سے مڑ گیا بستر پر لیٹ کر اس نے دو میلہ کی جانب مڑتے ہوئے تکیے سر کے نیچے سے نکال کر اپنے منہ پر رکھ لیا۔

دو میلہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بے آواز رونے لگی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی اس سے اتنی نفرت کر سکتا ہے کہ اسے گھر سے نکالنے کے لیے کسی موقع کا انتظار کر رہا ہے۔

ان سب کی بے رخی اس کے لیے برداشت کرنا مشکل تھا مگر سب اس کے وجود سے خار کھا رہے تھے اور اس سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔

ان سب کے اندر تو زہر بھرا ہوا تھا اس زہر کو وہ کیسے پیے گی کب تک پیے گی اور کیوں پیے گی؟ آخر ابراہار بھائی نے ایسا کیا کیا ہے جو وہ سب اس کی اور ابراہار بھائی کی زندگی موت سے بھی بدتر بنا رہا ہے۔

ایک کے بعد ایک سوال اس کے اندر سر اٹھا رہا تھا وہ پورے چند منٹ تک اپنی جگہ سے ہلے بغیر یہاں تک کہ ہلک بھی جھپکائے بغیر الیان کو غیر ارادی طور پر دیکھتے ہوئے بولی رہی۔

لیکن جب اس کے حلق میں کانٹے بڑنے لگے اور اسے لگا کہ اب اس کی سسکی نکلنے والی ہے تب وہ دونوں ہتھیلیوں سے چوہر گزر کر صاف کرنے لگی۔

الیان کے قریب ہی سائڈ ٹیبل پر پانی کا جگ اور گلاس ڈھکا رکھا تھا وہ اپنی ہمت جمع کر کے ایک ذرا سی بھی آہٹ پیدا کیے بغیر وہ گلاس پانی غٹاٹ چڑھا گئی۔

کئی گھرے گھرے سانس لینے۔ کے بعد جب اسے لگا کہ وہ اب پہلے سے کافی بہتر ہو گئی ہے تب اس نے اپنے پرس میں سے موبائل نکالا اور نمبرس میں آنکڑی ہوئی۔

ایک لمبے لمبے خوشگوار جھونکے اس کا خیر مقدم کیا تو اس کی حالت مزید بہتر ہو گئی۔ وہ نمبرس حویلی کے وسیع و عریض لان کی جانب تھا جہاں جلتی ہلکی ہلکی تیاں تمام کینوں کے کمروں میں چلے جانے کی نشاندہی کر رہی تھیں۔

مگر اسے پتا تھا کہ راجی میں ابھی کوئی بھی نہیں سوا ہوا گا بلکہ اس کے گھر میں تو ابھی رات کا کھانا بھی نہیں کھایا گیا ہو گا اسی بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے اس نے ابراہار بھائی سے بات کرنے کے لیے ان کا موبائل نمبر ملا ڈالا۔

خلاف توقع پہلی ہی کھنٹی پر انہوں نے فون اٹھا لیا۔ "ہیلو دو میلہ، تم اس وقت خیریت تو ہے نا۔" ابراہار بھائی کی آواز میں پریشانی کا عنصر واضح تھا وہ میلے سے محسوس تو کیا مگر کھانا کھاتے ہوئے ہوائی شیش لہجے میں ایسے بولی جیسے ان کا خیریت پوچھنا ایک عام سی بات ہو۔

"جی بھائی بالکل خیریت۔ میں گاؤں آ گئی ہوں۔ کھانا دیکھو بھی کھا چکی ہوں بس اب سونے لیٹ رہی تھی تو سوچا آپ لوگوں کو بتا دوں کہ سفر ساتھ خیریت کے کٹ گیا۔"

"چلو اچھا ہوا سب لوگ کیسے ہیں۔"

"ہوں باقی سب بھی ٹھیک ہیں۔" دو میلہ سرسری انداز میں بولی لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا ابراہار یہ سب سرسری انداز میں نہیں پوچھ رہا وہ پچھلے تین دنوں سے اسے صرف کرید رہا تھا اب بھی اس کا طریقہ ایسا ہی تھا شک و شبہات سے بھرپور۔

"سب کا وہ یہ کیا ہے اب تک تو سب بے تکلف ہو گئے ہوں گے۔" دو میلہ نے ایک گھرا سانس کھینچ کر موضوع پر گزرنے کی کوشش کی۔

"جی کافی بے تکلف ہو گئے ہیں بہت باتیں کی ہیں سب نے بلکہ صرف باتیں ہی نہیں۔ بہت منت سماجت بھی کی ہے۔" الیان کی باتوں سے دو میلہ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی کہ ابراہار نے ان لوگوں کو بد روہ کے ذریعے بلیک میل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس شادی پر انہیں راضی کسی دھمکی پر کیا ہے کہ وہ بصورت دیگر بد روہ کا گھرا جاؤں گے۔

چنانچہ دو میلہ اسی ساری معلومات کو میٹھی بنا کر قدم اٹھانے لگی۔ اس کی بات پر حسب توقع ابراہار جھٹک کر بولا۔

"منت سماجت!"

"ہاں۔ آپ نے جس قسم کی دھمکیاں دی ہیں اسے سن کر وہ لوگ منت سماجت نہ کریں تو کیا پٹیول چھڑک کر مجھے جلائے کی کوشش کریں گے۔" دو میلہ کا لہجہ ناچاچہ ہوئے بھی تلخ ہونے لگا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو کیا کہا ہے ان لوگوں نے تم سے؟" ابراہار ایک دم جیش میں آ گیا۔

"بھئی کہنا کیا ہے۔ اب وہ لوگ تو کیسی سمجھ رہے ہیں تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ اس سازش میں شریک ہوں چنانچہ وہ لوگ اس راز کو راز رکھنے کی کوشش میں خوشامد میں لگے ہوئے ہیں اور اسی خوشامد کے دوران ان لوگوں کے منہ سے جو باتیں نکلی ہیں اس سے مجھے سب پتا چل گیا ہے کہ آپ اور الیان کوئی دوست دوست نہیں ہیں اور یہ کہ آپ نے الیان کو اس شادی کے لیے کیسے مجبور کیا ہے۔" دو میلہ از حد سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

ویسے بھی اس کے اور ابراہار کے بیچ کوئی شوخی اور مذاق والا رشتہ نہیں تھا وہ نول شروع سے ہی ایک دوسرے سے مت لے رہے تھے۔

اس لیے اس وقت ابرار کے ذہن میں ذرا بھی نہیں کیا کہ رو میلہ صرف اندھیرے میں تھم چلا رہی ہے وہ بھی سمجھا کہ وہ ساری حقیقت سے واقف ہو گئی ہے بھی ایک دم ٹھہرا گیا۔
”تو گویا ان گھٹیا لوگوں کے ہیٹ میں کوئی بات لگی نہیں۔ وہ دن میں ہی تم ساری اصلیت فاش کر دی۔
ہو نہ مجھے پہلے ہی سوچنا چاہیے تھا کہ تمہارے سامنے مظلوم بننے کے لیے مرج سلا لگا کر اس کمائی کو سنائیں گے ضرور۔ مگر مجھے لگا ہوا اپنی بدنامی کا ڈھنڈورا کلن بیٹتا ہے۔ لیکن یہ لوگ بھی۔“ ابرار بھائی کو شدید کوفت ہو رہی تھی۔

رو میلہ کے کوئی بھی سراپا تھا نہیں کیا تھا وہ سوچ میں پڑ گئی کہ ان سے کسی طرح اٹکوائے۔
وہ الیان یا اس کے گھروالوں کے متعلق کچھ ایسا نہیں کہہ سکتی تھی کہ ابرار ان سے بدظن ہو جائے کیونکہ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی کہ ابرار نے ان لوگوں کو دھمکی دی ہے کہ وہ سب رو میلہ کا خیال رکھیں۔
اگر ابرار کو لگتا کہ وہ سب رو میلہ کو پریشان کرنے یا طعنہ مارنے کے لیے یہ سب کر رہے ہیں تب تو وہ اور زیادہ دھمکیوں پر اتر آئے گا چنانچہ ان کا دامن صاف رکھتے ہوئے مست سوچ سمجھ کر رہی۔
”بدنامی کے ڈر سے ہی تو ان کے منہ سے سب کچھ نکلا ہے ورنہ میں تو جان ہی نہ پاتی کہ آپ نے۔“ رو میلہ نے سوچا تھا کہ کس کی آپ نے مجھے منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا لیکن اس سے پہلے ہی ابرار نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ہاں بدنامی کا ڈر؟ بڑا بدنامی کا ڈر ہے نا جو شادی میں سب ناک بھوں چڑھائے بیٹھے تھے۔
وہ تو میں نے الیان کے ہاں سے دو لوگ بات کی تب وہ لوگ لاشوں پر آئے ہیں ورنہ تمہارے دلچسپی میں تو ان لوگوں نے ہمیں خوب نچا دیکھا ہے۔
میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ سب تمہیں ہمارے لیکن خیر اب جبکہ تم جان ہی گئی ہو تو ہم کھل کر بات کر لیتے ہیں۔
اب تم مجھے کھل کر بتاؤ۔ ان لوگوں کے بالکل دواؤں میں مت آنا ان کی بہن کی ایسی کمزوری میرے ہاتھ میں ہے کہ وہ تمہارے سامنے چوں تک نہیں کر سکتے۔
آخر کسی لڑکی کا اغوا ہونا ہمارے معاشرے میں کوئی معمولی بات تھوڑی ہے۔“ ابرار بگڑے ہوئے انداز میں کہتا چلا گیا۔

”افوا۔“ رو میلہ کے منہ سے اچھٹے کے عالم میں نکلا۔
”ظاہر ہے وہ دن گھر سے عتاب رہی ہے۔ بے شک میں نے اس کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔ لیکن یہ تو صرف میں جانتا ہوں تاہم برہ کے سرال والوں کو تو ایسا کوئی علم نہیں۔
انہیں جب ہمارے گھر پر برہ اپنی زندگی کے چند شب و روز گھر سے باہر گزار کر آ رہی ہے تب وہ لوگ اس کی شکل پر تھوکنے بھی پسند نہیں کریں گے۔“ رو میلہ کو اپنی سماعت پر ہتھوڑے بہتے محسوس ہو رہے تھے۔
ابرار کی باتوں سے جو کمائی اس کی سمجھ میں آ رہی تھی وہ اس کے لیے ناقابل یقین تھی گویا ابرار نے برہ کو اغوا کر کے الیان کو رو میلہ کے ساتھ شادی پر مجبور کیا تھا۔

اتنی گھٹیا اور بچ حرکت کر کے بھی ابرار غریب کہہ رہا تھا کہ میں نے برہ کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔
یعنی کسی لڑکی کو جس بے جا میں رکھنا ابرار کی نظر میں کوئی معیوب بات ہی نہیں تھی وہ ابھی بھی خود کو عظیم اور شریف ہی سمجھ رہا تھا ساری دنیا کے سامنے اس کے کردار کو مشکوک کر دینا کیا نازیبا حرکت نہیں رو میلہ کا سر چکراتے لگا بے اختیار اس نے تیرس کی گرل کو مضبوطی سے پکڑ لیا مہلا وہ قش کھا کر گری نہ پڑے جبکہ ابرار اس کی حالت سے بے خبر محسوس منہ سے جھاک اڑاتے ہوئے بول رہا۔

”میں نے الیان کے گھروالوں سے صاف کہہ دیا ہے رو میلہ کو اگر ذرا بھی تکلیف ہوئی تو میں برہ کے گھر والوں کو ساری سچائی بتا دیاں گا۔“

کوئی بھی شریف خاندان ایسی لڑکی کو سو کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتا اگر انہیں اپنی بہن کا گھر بسائے رکھنا ہے تو انہیں جنہیں بھی عزت و احترام کے ساتھ اپنے گھر میں رکھنا ہو گا۔“

”عزت۔؟“ احترام۔؟ آپ کو ان لفظوں کا مطلب پتا ہے۔“ رو میلہ کی گواہی لفظوں اس کے شدید صدمے میں ہونے کو بخوبی ظاہر کر رہی تھی ابرار کچھ چونک سا گیا۔

”آپ کسی کی عزت سے ٹھیکیں گے اور ان سے امید رکھیں گے کہ وہ آپ کی بہن کو اپنی عزت بنالیں تو ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا۔“

آپ نے اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی ان سب کی نظموں سے اتنا گرا دیا ہے کہ وہ صرف مجبوری میں مجھے برداشت کر سکتے ہیں لیکن میری عزت کبھی نہیں کر سکتے۔“ رو میلہ کی آنکھوں سے ہی نہیں اس کی گواہی تک سے دکھ نکلنے لگا تھا۔

”تقصیر بکواس مت کرو۔ اگر تم ان کے رویے میں ذرا سی بھی سرکشی دکھو تو فوراً“ مجھے مطلع کرو میں نے کہا نا وہ جنہیں ذرا بھی تکلیف نہیں دے سکتے میں انہیں۔“

”مجھے تکلیف دینا نہ دیں اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے بھائی آپ نے میری شادی صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے کی ہے گھر کے بہت بڑے دولت مند خاندان کی بیوی بنا کر آپ نے گلہام کے سامنے کیا بیچ پورا کر دیا۔ پس اب میں جیوں یا مولوں اس سے آپ کو کیا؟“ رو میلہ پھٹ پڑی۔

”یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو دل غ تو ٹھیک ہے تمہارا اتنے اچھے خاندان کے ایسے میرا جیسے لڑکے تمہاری شادی کی ہے جنہیں تو میرا احسان مند ہونا چاہیے۔“

”کس بات کا احسان مند؟“ رو میلہ تڑخ کر رہی۔
”آپ کو کیا لگتا ہے اس طرح زبردستی انہیں شادی پر مجبور کر کے آپ نے مجھ بہت خوش کروایا ہے وہ لوگ مجھے کبھی دل سے قبول نہیں کریں گے میرے لیے میری عزت نفس ان تمام عیش و آرام سے زیادہ قیمتی ہے معاشی لحاظ سے میں یہاں چاہے جتنے عیش کر لوں لیکن کسی کے ساتھ پر پڑی ایک ٹکن میرا سارا زہنی سکون و برہم کر دے گی۔“ رو میلہ کے آنسوؤں میں دھالی آتی جا رہی تھی مگر ابرار کو اس کے نظریے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ اس کی بات سمجھتا تو کیا سنتا بھی نہیں چاہتا تھا وہ اپنی ہی کہے گیا۔

”یہ سب صرف اور صرف تمہارے ذہن کا فتور ہے جو تم کسی کے ماتھے کی ٹکن برداشت نہیں کر سکتیں سرال اور شوہر کے گھر میں لڑکی کو ہزار باتیں اپنی مرضی کے بغیر برداشت کرنی پڑتی ہیں۔
اگر وہ جنہیں بہت امانوں سے بھی بیاہ کر لے کر گئے ہوتے تب بھی وہ ساری زندگی جنہیں سر آنکھوں پر بٹھانے والے نہیں تھے۔“

ہمارے معاشرے کی شادیاں تو کھوپڑیاں پر جنی ہوتی ہیں پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ یہ شادی ان لوگوں نے مرضی سے کی ہے یا مجبوری سے۔ پھر تمہاری فطرت بھی ایسی ہے کہ تم اپنی خدمت اور صبر سے ان لوگوں کے دل میں جگہ بنا لو کی باقی کچھ باتیں اگر مرضی کے خلاف ہوتی ہیں تو اگر معمولی ہوں تو نظر انداز کر دیتا اور اگر شدید ہوں تو مجھے بتانا نہیں کہہ رہا ہوں نا میرے پاس نرم کارڈ ہے یہ جنہیں ذرا بھی ڈاؤن نہیں کر سکتے۔“ ابرار کے بے نیازی سے کہنے پر رو میلہ کا غصہ چند ہو گیا وہ ایک دم پھر کر رہی۔

”اُس خوش فہمی میں مت رہیں کہ آپ کے پاس کوئی نرم کارڈ ہے آپ صرف ان لوگوں کو دھمکا سکتے ہیں عملی

طور پر کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ جس دن آپ نے اس راز کو فاش کیا اسی دن آپ کا رزم کارڈ آپ کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔

اس دن بربر کا جوان ہم ہو گا سو ہو گا سب سے پہلے تو آپ کی خودی بہن آپ کے گھروالوں آئیٹھنے کی۔ لیکن آپ کو تو اس کی بھی فکر نہیں ہوگی کہ بہن طلاق کا داغ لیے واپس دلیٹر پر لوٹ آئی ہے آپ کو پہلے بھی میرے وجود کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا سوا ب بھی نہیں پڑے گا۔ "دو میلہ کا لہجہ بولتے ہوئے گھو گھر ہو گیا۔ تو اس نے ابرار کو کچھ کہنے کا موقع دے بغیر ہی فون بند کر دیا۔

ابرار نے تو محض اتنی ایک جنگ لڑی تھی اور بظاہر جیت بھی گیا تھا مرزا صاحب اور کلغام کے سامنے ٹکرو کا خیر سے اس نے جو بھی کہا وہ لفظ بہ لفظ سچ ہو گیا اب اگر ساری زندگی دو میلہ گھٹ گھٹ کر جیتی ہے یا کچھ عرصے بعد یہ شادی ختم ہو جاتی ہے ابرار کو ان سب باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

کلغام نے اسے چیلنج کیا تھا کہ دو دن کے اندر کسی اچھے گھرانے کا رشتہ تو آپ کو ملے گا نہیں آپ دو میلہ کی شادی میرے ساتھ ہی کر دیں۔

لیکن اس کی یہ بات غلط ثابت ہو گئی محض دو دن کے بعد ابرار نے اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی جس کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے کسی اعزاز سے کم نہ ہو گا۔

دو میلہ ست روئی سے چلتی الیان کے بستر کے پاس آگئی وہ بہت گہری نیند سو رہا تھا شاید ایسے ہی سوتا ہو گیا سزاوردہ ہی باغی ہو گیا بعد تھک کر ایسی ہی نیند آئی ہوگی۔

کس قدر ذہنی کرب سے گزر رہے ہوں گے یہ سب لوگ دو دن کے اندر اندر کس قدر تغیر ہوا ہے ان لوگوں کی زندگی میں۔

کسی شریف گھرانے میں لڑکی کا اغوا ہو جانا گھروالوں کے لیے ڈوب مرنے کے برابر ہوتا ہے ایسے میں اگر اس لڑکی کی شادی سر پر ہو تو گھروالوں کی پریشانی کا کیا عالم ہو گا اس کا تصور بھی دو میلہ کے لیے مشکل تھا۔

چنانچہ جب ابرار نے تاوان میں الیان کو دو میلہ سے شادی کرنے کا کہا تو فیصلہ کرنے میں کسی بھی غیرت مند بھائی کو ایک لمحہ نہیں گئے گا یہی الیان نے کیا گہری عزت بچانے کے لیے فوراً دو میلہ کو اپنی عزت بنا کر لے لیا۔

لیکن اب اس کے کیا ہو گا۔ دو میلہ بے اختیار الیان کو دیکھنے لگی جس کا توہم سے زیادہ چونکے کے پیچھے چھپا ہوا تھا پہلی بار الیان کو دیکھنے پر دو میلہ نے اس کے چہرے سے زیادہ اس کے چہرے کے تاثرات پر غور کیا تھا جن میں اتنی سختی و سنجیدگی پوشیدہ تھی کہ چہرے کی ساری جان بیتی کہیں ڈوب گئی تھی۔

مگر آج یہ جاننے کے بعد کہ اس کے کم ظرف بھائی کے مقابلے میں ایک یہ بھائی ہے جس نے بہن کی عزت اور اس کا گھر بچانے کے لیے خود کو بھی پیچھے سے گریز نہیں کیا دو میلہ کے دل میں اس کی عزت و احترام کو ہزار گنا بڑھا گیا تھا۔

وہ صرف ظاہری طور پر وجہ نہیں تھا بلکہ اس کا باطن اس سے بھی خوب صدمت تھا جو اتنا کچھ ہونے کے باوجود نہ صرف دو میلہ کو اپنے نکاح میں لے کر اپنے گھر لے آیا تھا بلکہ اس کے ساتھ صرف دس روپے کے گھروارے بہن کے علاوہ کسی وحشیانہ رویے کا مظاہرہ بھی نہیں کیا تھا۔

اگر اس کی جگہ ابرار ہوتا تو کیا اپنی بہن کے لیے اتنی بڑی قربانی دیتا؟

وہ تو اپنی بہن کے اغوا کا دھمکدار پلٹ کر مجرم کو اس کے انجام تک پہنچانے کے ذرائع میں مصروف ہو جاتا

اور یہ بھی نہ سوچتا کہ یہ سب کر کے نقصان کس کے حصے میں آ رہا ہے اس کے مقابلے میں الیان کا رویہ تو لاکھ بہتر تھا۔

چنانچہ کتنی نفرت بھری ہوگی اس کے دل میں دو میلہ کے لیے وہ تو محض زبان سے زہرا گل سکا تھا وہ بھی اس لیے کہ دو میلہ نے اپنی بات کر لی تھی ورنہ یہ سب بھی نہ کہتا کہ اس کے ہر لفظ کا حساب اس کی معصوم بہن کو نہ پڑے گا۔

کیا بھائی ایسے بھی ہوتے ہیں؟ دو میلہ عجیب سی حسرت لیے الیان کے لیے مدد و خود کو دیکھتی رہی اس کی آنکھیں ایک بار پھر مٹنے لگی تھیں مگر اس کے ہونٹوں سے ایک سسکی بھی نہیں نکلی تھی۔

جب اس کے اپنے بھائی نے اس کی ذات کو بدل دیا تھا تو یہ لوگ تو اسے جو بھی کہیں وہ کم ہے بلکہ ایک طرح سے تو ان سب نے اپنی نفرت کا کھل کر اظہار ہی نہیں کیا تھا۔

کس قدر کھن مڑے سے گزر رہے تھے یہ سب جس شخص سے کراہت آ رہی ہو اسی کی شکل ہر وقت اپنے سامنے برداشت کرنا اور وہ بھی ایسے کہ اندر گرد لوگوں کو احساس بھی نہ ہو کسی آناٹش سے کم نہیں تھا یہ سب اس کے ساتھ اب تک جو کچھ بھی ہوا وہ اس کے لیے ان لوگوں کو مکمل طور پر حق بجانب سمجھ رہی تھی مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان کے رویے کی جائزہ دہ صورتی کو برداشت کرنے کے لیے ہزار جیسا حوصلہ کہاں سے لائے۔



نمل اور سنیل رکشا میں اپنے اپنے گھر تو پہنچ گئیں لیکن ان دونوں کا ہی ذہن جیسے یونیورسٹی میں ہوئے سانچے پر انک کر رہا تھا۔

نمل کو سیر کلب کے سامنے نمل کو اپنی گرل فرینڈ کما سخت زہرا گل تھا اس نے مکمل تہہ کر لیا تھا وہ آئندہ سیر کے ساتھ بھی کہیں بیٹھنے کی۔ بلکہ اس کی پچھلی کچھ حرکتوں کی وجہ سے وہ سیر کے ساتھ مکمل قطع تعلق کر لینے کا فیصلہ کر چکی تھیں اتنے بڑے انسان کو اپنے مطلب کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

پھر اس کے دوست نے اس کے سامنے خرم کی تصویر اپنے موبائل سے لی اور وہ اس بے ہوش حرکت میں بھی اس کے ساتھ شامل رہا یہاں تک کہ بارہ بیٹہ پر اتر آیا۔

اسے وہ کر سیر کی حرکتوں پر غصہ آ رہا تھا اور یہ سوچ کر غصہ کو فٹ میں تبدیل ہو رہا تھا کہ وہ اس شخص کے ساتھ اپنا اسکینفل بتا رہی تھی خرم کو جلائے کے لیے۔

اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے خرم نے اس کے لیے مقابلے لے لیا اور وہ اسے اس اذیت سے گزرنا پڑا جانے اسے کیا ہوا تھا جو خرم کے دوستوں کو دیکھ کر چیخ پڑی تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خرم سے نڈیہ کی خیریت پوچھ لے لیکن اسے ڈر تھا کہ خرم اس کے فون کرنے کو کوئی اور رنگ نہ دے وہ اسے کسی خوش فہمی میں جلا نہیں کر سکتی تھی۔

وہ یہ نہیں سوچتا کہ نمل نڈیہ کی طرف سے فکر مند ہے بلکہ وہ یہ سوچتا کہ اس کا حقہ کا سباب رہا۔ نمل اسے نڈیہ کے ساتھ دیکھ کر خود کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگی چھٹی اس سے رابطہ برعائن کے لیے نڈیہ کے بھائی فون کر رہی ہے ورنہ اسے نڈیہ کی کیا فکر۔ حالانکہ اس کی فطرت ایسی تھی کہ اسے سب کی فکر رہتی تھی۔

یہ اور بات تھی کہ اس بات سے سنیل بھی متعلق نہیں تھی مگر بچنے کے بعد اس نے بھی نمل سے خوب بحث

کی تھی۔ وہ خرم کی حمایت نہیں کر رہی تھی جو شخص اسے منہ سے کہہ چکا ہو کہ میں نے مصلحتاً انتقام تم سے منگنی کی ہے تمہارے ٹھکانے کا بدلہ لینے کے لیے اس شخص سے کوئی بھی لڑکی خوشی کیسے شادی کر سکتی تھی۔

نمل کا خرم سے منگنی توڑنے کی خواہش رکھنا سننے کی نظر میں بالکل جائز تھا۔ مگر خرم کو بتانے اور سلگانے کی تمام کوششیں سننے کی نظر میں سراسر حماقت اور بے وقوفی تھی جس کے نتائج بھی خود نمل کو ہی بھگتنے تھے اور جس کی ابتدا ابھی سے ہوئی تھی۔

ایک تو وہ یونیورسٹی میں اپنا تماشہ بنا رہی تھی میرے دوستی کر کے دوسرے خرم کو بھی اکسار ہی تھی کوئی انتہائی قدم اٹھالینے پر جو نمل کے حق میں ہی نقصان نہ ہو لے والا تھا۔ نمل اس سے متفق تھی بھی اور نہیں بھی۔ سننے کی باتیں نمل نہیں تھیں مگر اس کے مشورے ضرور غلط تھے

اس کا کہنا تھا خرم کے معاملے میں بالکل خاموش رہو نہ کچھ کہتا بھی ہے تو نظرا انداز کرو۔ ایک وقت ایسا آئے گا جبکہ خود تنگ آکر اسے بچ کرنا چھوڑ دے گا۔

نمل کو یقین تھا خرم ایسا کچھ نہیں کرے گا اول تو اس میں اتنا صبر نہیں تھا کہ وہ خرم کے طعنے کے نشتر کو خاموشی سے سہتی۔

”سری بات یہ کہ خرم اس کی خاموشی کو اس کی ہار سمجھ کر اور بھی مغرور ہو جائے گا جو کہ نمل بالکل برواشت نہیں کر سکتی تھی چنانچہ یہ تو ممکن نہیں تھا۔ البتہ ایک چیز اس نے طے کر لی تھی اور وہ تھا میرے قطع تعلق۔ جو اسے ہر حال میں کرنا تھا۔

ندیبہ کو ہوش کیا تو اس نے خود کو اسپتال میں پایا نہ اس کے ہاتھ میں لگی ڈرپ نکال رہی تھی وہ خالی خالی نظروں سے نہ اس کو دیکھنے لگی جو اسے ہوش میں آتا دیکھ کر اس کی خیر خیریت پوچھنے لگی تھی بھی عاتکہ اختر کی گواہی دے چوک کر ملن کھا کر اپنے ذائقے میں جا بے دیکھنے لگی۔

”کیسی ہو جانو۔ اب کیسی طبیعت ہے۔“ وہ بڑی محبت سے پوچھ رہی تھیں۔ ”مجھے کیا ہوا تھا۔“ ”ندیبہ خالی لالہ بنی کے عالم میں بولی۔

”تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ کیا ہوا تھا یونیورسٹی میں۔“ ایک کوندا ساندیبہ کے ذہن میں لپکا اور جیسے اسے یاد آیا۔

وہاں ایک لڑکے کو دیکھ کر اسے لگا جیسے شائستہ خالہ اس پر حملہ کر دیں گی۔ لیکن وہ تب بے ہوش نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے کچھ اور دیکھا تھا اب اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

اسے یاد آیا تھا وہ اس لڑکے کو دیکھ چکی تھی ایک بار نہیں بلکہ کئی بار اس نے اپنے سامنے مجسم اسے نہیں دیکھا تھا مگر اس کی تصویر دیکھی تھی۔

چین اور ہنس کے بے تحاشہ اس کے جھڑپوں میں اس کی شکل دیکھ چکی تھی۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ عاتکہ اختر نے اس کا کندھا ہلا کر اسے چونکا دیا۔

انہیں کچھ بتانا محبت تھا جو انسان بات سمجھتا تو درکنار سننا بھی نہیں چاہتا ہو اس سے اپنا مسئلہ ڈسکس کرنا حماقت ہی تھی چنانچہ اس نے صرف اتنی ہی کہا کہ ایک دم پکڑا گیا تھا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

البتہ رات کو اپنے موبائل پر خرم کی کال آنے پر وہ سوچ میں پڑ گئی بے اختیار اسے نمل کی باتیں یاد آئیں کہ خرم نے شرط جیتنے کے لیے اس کا نمبر لیا تھا۔

ایک بل کو اس کا دل چاہا فون کا بندے لیکن دوسرے بل اسے لگا اگر وہ اپنا مسئلہ خرم سے نہیں کہے گی تو کس سے کہے گی کم از کم ایک بار اس سے بات کر کے پوچھ تو لے کہ نمل کی باتوں میں کتنی سچائی ہے۔

یہی سب سوچتے ہوئے اس نے کل ریسیو کر لی۔ ”اب آپ کیسی ہیں ندیبہ“ خرم کا لہجہ نہایت سنجیدہ تھا۔

ندیبہ صرف ”ٹھیک ہوں“ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ ”کیا ہوا تھا کیا آپ کو وہ لڑکا دوبارہ نظر آیا تھا۔“ خرم کے سوال پر ندیبہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر ہونٹ کانٹے ہوئے بولی۔

”کیا وہ لڑکی واقعی آپ کی منگیتر ہے جو میری میز پر آکر بیٹھ گئی تھی۔“ اب کی بار خاموش ہو جانے کی باری خرم کی تھی۔

وہ پریشان نہیں ہوا تھا البتہ سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اب اس کا اگلا سوال کیا ہو گا۔ ”ہاں وہ میری منگیتر ہے۔“ خرم نے کہا تو اس نے بڑی پوچھ لیا جس کی خرم امید کر رہا تھا۔

”تو پھر وہ آپ کے بارے میں ایسا کیوں کہہ رہی تھی کہ آپ نے شرط جیتنے کے لیے میرا نمبر لیا ہے۔“ ”اچھا فرض کرو اگر میں نے شرط جیتنے کے لیے تمہارا نمبر لیا تھا تو مجھے وہ ساری باتیں کیسے پتا چلیں جو میں نے پوچھی تھیں اور اگر میں شرط جیت چکا ہوں تو اب میں تمہیں کیوں فون کر رہا ہوں۔“ خرم انتہائی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا ندیبہ کو بھر کے لیے خاموش ہو گئی تو خرم رسالت سے کہنے لگا۔

”تم یونیورسٹی وغیرہ کے ماحول کو نہیں دیکھیں اور کیونکہ تم خود آج کل کی لڑکیوں جیسی نہیں ہو اس لیے تمہیں انداز ہی نہیں ہے کہ آج کل لڑکیاں اپنے منگیتروں کو کس کس طرح حیرشان کرتی ہیں۔“

”تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر کچھ اور ہی سمجھ بیٹھی اسے معلوم تھا میں تم سے پیکیس ہوٹل میں ملا تھا چنانچہ اس نے ایسی بات کہی کہ تم مجھ سے بدظن ہو کر مجھ سے قطع تعلق کر لو۔“

حالانکہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تمہارے مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہوں۔“ خرم کی آخری وہ باتوں میں ذرا جھوٹ نہیں تھا۔

وہ جس طرح اسے اپنے ساتھ یونیورسٹی لے گیا تھا اور وہاں جا کر وہ جس طرح بے ہوش ہو گئی تھی اس سے خرم کو احساس جرم پریشان کرنے لگا تھا۔

۱۰ صرف اسے اپنے ساتھ یونیورسٹی لے جانا چاہتا تھا مگر اس کے چلا کر بے ہوش ہو جانے پر خرم کو اس کے ذہنی طور پر تیار ہونے کی نزاکت کا احساس ہوا تھا۔
 ۱۱ سوچتا تو نہیں چاہتا تھا لیکن گاڑی میں جو کچھ حمل نے کہا تھا وہ بھی اسے شرمندہ کر گیا تھا۔
 ۱۲ صرف ندیہ کے ساتھ جا کر آجاتا تو بات الگ تھی۔ لیکن وہ ندیہ کو انٹھا کر گاڑی تک لے کر گیا وہ واقعی بہت معیوب تھا۔ حمل کے منہ پر تو نہیں کہہ سکتا تھا لیکن اب ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے پر اسے لگ رہا تھا کہ حمل اور سنبل کا ساتھ چلنا ندیہ کے کردار کو پاگل ہونے سے بچا گیا تھا اپنی تو اسے پروا نہیں تھی کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں اپنے لیے تو وہ "who cares" کے مقولے پر یقین کرنا تھا۔
 ۱۳ لیکن ایک ایسی لڑکی کے کردار کو محکوک کرنا۔ جس سے اس کی کوئی دشمنی نہ ہو اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ اسی لیے وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا کم از کم اس کی بات سن کر اسے دل کا بوجھ ہٹا کر نئے کاموقع ضرور دینا چاہتا تھا اور ندیہ اتنی زیادہ ڈپرےس تھی کہ اسے خرم کی بات کا یقین کرنا ہی تھا۔
 ۱۴ ویسے بھی اس کی بات میں وزن تھا کہ وہ یہ سب کیسے جانتا ہے کہ کوئی سلسلہ اس گھر میں ہے وغیرہ۔ چنانچہ ندیہ حمل کی باتوں کو خرم اور حمل کی آپس کی لڑائی کا رد عمل سمجھتے ہوئے بہت گھبر گھبر کر کھڑی تھی۔
 ۱۵ "آپ اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے کیونکہ اس مسئلے کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا۔
 ۱۶ اب جو میں نے یونیورسٹی میں دیکھا ہے اور جو میری سمجھ میں آیا ہے وہ میں آپ سے کہوں گی تو آپ بھی یہی کہیں گے یہ کیا کہو اس سے۔" ندیہ کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔
 ۱۷ "تم ہٹاؤ تو کسی میں ایسا کچھ نہیں کہوں گا۔" خرم بولا۔
 ۱۸ "میں نے جس لڑکے کو دیکھا تھا وہ شائستہ خالہ کا قاتل ہے۔" ندیہ فلک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

۱۹ "کیا۔" خرم کی واقعی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔
 ۲۰ "ہاں۔ اسی نے شائستہ خالہ کو مارا ہے کیونکہ میرے پاس شائستہ خالہ کے بنائے ہوئے مختلف اسکمچوز ہیں ان میں کئی محکموں پر ایک سی منظر ہے کہ دو لڑکے ایک قبر کھود رہے ہیں۔ یہ شائستہ خالہ کی قبر کھود رہے ہیں اور ان دو لڑکوں میں ایک یہی تھا جسے میں نے دیکھا تھا۔" ندیہ کی گواہ کاغذ رہی تھی۔
 ۲۱ خرم کی بے یقینی کو فٹ میں بدلنا شروع ہو گئی اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ کیوں ایک پاگل لڑکی کی مدد کرنے چل پڑا تھا۔ اس کے ذہن میں تو جو بھی آجاتا کہ وہ دیتی اس کی باتوں میں کوئی ربط کوئی دانش مندی پوشیدہ تھوڑی تھی۔
 ۲۲ "ندیہ جس لڑکے کو دیکھ کر تم بے ہوش ہوئی تھیں وہ یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔ پڑھاتا نہیں ہے شائستہ خالہ کی موت کے وقت وہ بچہ ہو گا بلکہ کیا پتا یہی نہ ہوا ہو۔" خرم نے پور ہوتے ہوئے کہا۔
 ۲۳ "نہیں خرم میں یقین سے کہہ سکتی ہوں یہ وہی لڑکا ہے کاش میں آپ کو اس اسکمچوز دکھا سکتی جس جگہ پر وہ قبر کھود رہے ہیں وہ جگہ کوئی فارم ہاؤس جیسی ہے۔
 ۲۴ وہ بہت بڑا فارم ہاؤس ہے۔ وہاں اسٹبل ہے۔ بلکہ نہیں تو درخت ہے ایک بہت بڑا درخت جس کے آس پاس کی ساری زمین بھی ہے جہاں کوئی گھاس وغیرہ بھی نہیں ہے۔
 ۲۵ وہیں اس درخت کے ساتھ بنے فارم ہاؤس کی دیوار کے پاس وہ لڑکا شائستہ خالہ کی لاش کو دفن کر رہا ہے ان اسکمچوز پر کوئی رنگ نہیں ہوتا پھر بھی میں یقین سے کہہ سکتی ہوں اس دیوار پر لاش گرین لکھ رہا ہے اور اس دیوار کے اوپر اسی کی ہم رنگ گرل لگی ہے شاید کبھی کسی وقت اسکمچوز بنائے وقت شائستہ خالہ نے میری لکھ

۱۰ بل بھی یوز کی ہوگی اسی لیے مجھے لگتا ہے کہ وہاں گرین لکھ رہا تھا۔" ندیہ بولتی رہی اور خرم بے یقینی کے عالم میں گھراسب سنتا رہا۔
 ۱۱ حمید کے والد جدی ہشتی رئیس کوئی تھے ان کا اپنا فارم ہاؤس تھا جو خرم نے سیکڑوں بار دیکھا ہوا تھا۔ یہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ندیہ اسی فارم ہاؤس کا ذکر کر رہی ہے ٹھیک ایسی ہی دیوار اور اس کے اوپر لگی گرل خرم کو اچھی طرح یاد تھی۔
 ۱۲ مگر اس کا نام اس ہاؤس کو قبل کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔
 ۱۳ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ندیہ کی وہ خالہ جو ندیہ کے پیدا ہونے سے پہلے مر گئی ہوں ان کا قاتل حمید ہو جو اس وقت پیدا بھی نہ ہوا ہو۔
 ۱۴ "نہیں ندیہ۔" خرم نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس پر ایک بیجان ہوا تھا وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔
 ۱۵ "خرم میں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ اس وقت پیدا نہیں ہوا ہو گا لیکن یہ وہی لڑکا تھا یا پھر ہو سکتا ہے یہ اپنے والد یا کسی بچپا سے بہت مشابہ ہو اور وہ اسکمچوز اس کے کسی رشتے دار کے ہوں مگر پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اس کا شائستہ خالہ کی موت سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔
 ۱۶ میں۔ میں جانتی ہوں اس طرح کسی فارم ہاؤس کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے لیکن اگر ہم اس جگہ تک پہنچ گئے تو مجھے یقین ہے کہ آٹھ سال بعد بھی ہم شائستہ خالہ کی قبر کھودیں گے تو ان کی بوسیدہ ہڈیاں ضرور نکل آئیں گی اگر ہم ان ہڈیوں سے ان کی موت کے متعلق کچھ پتا نہیں بھی کر سکتے تب بھی یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ شائستہ خالہ کو قاتل کر کے ان کی لاش کو اس طرح ایک دیر ان اور سنسان جگہ میں دفن کیا گیا تھا۔" ندیہ بڑے جوش و خروش سے بول رہی تھی۔
 ۱۷ خرم خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا اس کی دوا نہیں اپنی جگہ درست تھیں وہ حمید کو ہی دیکھ کر چلائی تھی اور حمید کے کسی والد کا ٹھیک ایسا فارم ہاؤس تھا۔
 ۱۸ بیک وقت اس کی باتوں میں اتنا بڑا تعلق نہیں ہو سکتا اگر اس کا اندازہ صحیح تھا اور حمید کی جگہ اس کے والد یا کسی بچپا وغیرہ اس سارے مسئلے کا سبب تھے تو وہ لاش برآمد کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جرم کا پتہ بھی کھول سکتے تھے۔
 ۱۹ "خرم میں آپ کے ساتھ ایک بار پھر یونیورسٹی چلنا چاہتی ہوں۔"
 ۲۰ اسنو روم میں رکھی وہ تصویر چاہے میں نہ دیکھ سکوں لیکن اس لڑکے کو تلاش کرنا چاہتی ہوں مجھے پتا تھا ہے کہ وہ کون ہے اور اس کا تعلق کس گھرانے سے ہے۔" ندیہ کا انداز بڑا مضطرب سا تھا جیسے سب کچھ آج ابھی اور اسی وقت کر لینا چاہتی ہو۔
 ۲۱ "تمہیں یونیورسٹی دیکھ جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" خرم بے اختیار سختی سے بولا اور اس سے پہلے کہ ندیہ اس کے لہجے پر غور کر لیتی یا جو کتنی اس نے خود کو فوراً سنبھال لیا اور کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔
 ۲۲ "میں اس لڑکے کا ہی نہیں بلکہ اس فارم ہاؤس کا بھی پتا کر لیتا ہوں لیکن پھر تمہیں میرے ساتھ اس فارم ہاؤس پر چلنا ہو گا جہاں شائستہ خالہ کی لاش دفن ہے۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

❖ ❖

فوزیہ یاسمین

دستِ گداز

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر فوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات و خسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کانچ میں ساتھ پڑمتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ و خسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چمت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سکیل اور نمل کو پونیرشی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفری دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں چائے کے لیے کمر دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ و خسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف پڑمتی ہیں کہ اچانک لائٹ پلٹی جاتی ہے۔ اور کوئی و خسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑمیں۔

انیسویں قسط



خرم کی بات پر ندیہ الجھ کر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی پھر سوچ انداز میں کہنے لگی۔
 ”آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے اس لڑکے کو اور اس فارم ہاؤس کو جانتے ہوں۔“ اس کے سوال پر خرم ہنسا بھی نہیں گھبرا یا۔

”اگر حید کے ساتھ اپنی شناسائی ظاہر بھی کر دیتا تب بھی کوئی حرج نہیں تھا مگر حید کو ان تمام باتوں میں گھٹیل نہیں چاہتا تھا کیونکہ حید سے دوستی کا تذکرہ کرنے کی صورت میں ندیہ فوراً اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتی جس پر خرم ہرگز عمل نہیں کر سکتا تھا۔“

حید یاد کی جیسے لڑکوں کے کردار سے واقف ہوتے ہوئے بھی وہ ندیہ کو اگر اس سے ملوانا تو یہ اس کی نصیحت کم عمری ہوئی جبکہ وہ کوئی بے غیرت انسان نہیں تھا۔

دوسرے ندیہ کی دائمی حالت کے بارے میں بھی کچھ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ جانے کب اسے دوبارہ مل جائے اور وہ نامناسب رویہ کا مظاہرہ کرے۔

وہ اب اسے مزید تماشا نہیں دینا چاہتا تھا اسی لیے بہت سوتے ہوئے بولا۔
 ”میں جانتا تو نہیں ہوں لیکن یہ ضرور کر سکتا ہوں مگر اس جگہ کی تصدیق پس تم ہی کر سکتی ہو۔“

دراصل جس لوکیشن کا تذکرہ کر رہی ہوں وہ دیکھی ہوئی ہے۔ ”خرم کی بات پر ندیہ بری طرح چونک اٹھی۔“
 ”آپ کی دیکھی ہوئی ہے۔“ اس نے حیرت سے دہرایا۔

”شاید دیکھی ہوئی ہے۔“ خرم نے شاید پر زور دیا تو دوسری طرف ندیہ خاموش ہی رہی آخر خرم کو ہی کسٹار ڈالا۔
 ”جیسی تو کہہ رہا ہوں اس کی تصدیق تم ہی کر سکتی ہو ہم کل ہی دن کے وقت وہاں جا میں گے کیا تم کمرے میں نکل سکتی ہو۔“ خرم کے سوال پر ندیہ سوچ میں پڑ گئی۔

خرم کے ساتھ یونیورسٹی جانے کا فیصلہ اسے کچھ مناسب نہیں لگا تھا اور پھر جس طرح خرم کی معیتر نے اس سے بات کی تھی اس پر تو اسے اپنے آنے پر سخت پچھتاوا ہوا تھا۔

مگر اپنے حالات اور زندگی سے اتنی ہوس ہو گئی تھی کہ خرم سے قطع تعلق کر لینے کا مطلب تھا کہ اسے اس وہم کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہوگی جو کہ اسے ہرگز منظور نہیں تھا لہذا خرم کے ساتھ جانا قائم دے مند تھا۔

بے سودہ اپنی ہی ہر کوشش کر لیتا چاہتی تھی۔
 مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ وہ کمرے سے نکلنے کے لیے ہمانہ کیا کرے گی عائدہ آخر تو پہلے ہی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

انہوں نے ندیہ سے تو ذکر نہیں کیا لیکن انہوں نے ڈرائیور کو بلا کر اپنے طور پر سب پوچھا تھا۔
 لیکن ڈرائیور بھی کوئی بے وقوف نہیں تھا اسے جب بتا چلا کہ ندیہ یونیورسٹی میں نہیں اسپتال میں ہے بلال

آخر نے اسے فون کر کے کہا تھا وہ جہاں بھی ہے عائدہ آخر کو لیتا ہوا اسپتال آجائے انہیں ضروری کام سے فوراً لگتا ہے۔

تب ڈرائیور نے یہ بتانا مناسب ہی نہیں سمجھا کہ وہ ندیہ کو یونیورسٹی میں ایک لڑکے کے پاس چھوڑ کر گاڑی بنوانے چلا گیا تھا اگر وہ یہ کہہ دیتا تو بلال آخر تو اس کی کھال اڑھڑ دیتے۔

وہ تو یہ سوچ کر ہی ڈر گیا تھا کہ ندیہ بی بی اسپتال میں ہیں جانے ان کے ساتھ کیا ہو گیا ہے وہ جو مناسب سمجھیں گی ہوش میں آنے پر بتا دیں گی چنانچہ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ بی بی جی نے کہا انہیں ٹائم لگے گا تو میں ان کی اجازت سے گاڑی ٹھیک کرانے چلا گیا۔

ندیہ کے علم میں پہلے ہی یہ سب باتیں نہیں تھیں مگر غلطو تو تھا نا اگر عائدہ آخر نے ڈرائیور سے کچھ پوچھ لیا

ندیہ کے علم میں پہلے ہی یہ سب باتیں نہیں تھیں مگر غلطو تو تھا نا اگر عائدہ آخر نے ڈرائیور سے کچھ پوچھ لیا

اور اس نے کسی لڑکے کا ذکر کر دیا تو پھر کیا ہو گا وہ ڈرائیور کو اپنے طور پر منع کر کے اسے مفلوک بھی نہیں کرنا چاہتی تھی ورنہ ہو سکتا ہے وہ اس معاملے کو اب تک سرسری انداز میں لے رہا ہو اس کے کچھ کہنے پر وہ عائدہ آخر کو مطلع کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوئے بھی ساری اطلاع دے دی اور یہ بھی بتا دے کہ ندیہ بی بی نے خاص طور پر اسے منع کیا ہے کچھ بھی بتانے سے لہذا بہتر یہی تھا کہ خاموشی اختیار کی جائے اور دل ہی دل میں دعا کی جائے سو وہ یہی کر رہی تھی۔

”ندیہ میں نے پوچھا ہے تم کمرے سے نکل سکتی ہو یا نہیں۔“ خرم اس کی خاموشی طویل ہوتی دیکھ کر ایک ایک لفظ کو کھینچتے ہوئے بولا۔

”ہاں میں آجائوں گی لیکن صبح میں نہیں بلکہ بارہ ایک بجے تک اور میں ڈرائیور کے ساتھ نہیں آؤں گی آپ مجھے پک کر بھیجے گا۔“ ندیہ کا ذہن کمر میں کچھ بھی بتائے بغیر نکلنے کے لیے تانے بانے بننے لگا۔



اگلے دن کی صبح بڑی بوجھل اور اداس تھی ساری رات ایک صوفے پر ایک ہی کونٹ سے لیٹے رہنے کے باعث رویلہ کے جسم کا ہر انگ بری طرح جھک رہا تھا۔

پھر ساری رات اس کی سوتے جاتے اور روتے ہوئے گزری تھی۔ نیند میں ہی اس کی آنکھیں بھر آئیں اور بنے نلتیں تو اس کی فینڈ نوٹ جاتی ہو جیسی صوفے پر لیٹے لیٹے چہواٹھوں سے صاف کرتی۔

چنانچہ صبح کمرے میں پھیلی ہوئی روٹنی دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی بے اختیار اس کی نظریں بستر کی جانب اٹھ گئیں مگر وہ خالی پڑا تھا اس نے فوراً ”باتھ روم کی طرف دیکھا۔“

اس کا بھی دروازہ کھلا ہوا تھا گویا الیان اس کے اٹھنے سے پہلے ہی کمرے سے نکل کر جا چکا تھا۔
 رویلہ کو ایک محسوس کیے جانے والے سکون کا احساس ہوا اب کچھ جاننے سے پہلے بھی اسے الیان کی موجودگی ایک عجیب سی گھٹن میں جٹا کر دیا کرتی تھی اور اب تو اس میں الیان کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔

وہ شکر کا کلمہ بڑھتی جلدی سے جلد ٹھیک کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔
 ”آپ ٹھیک تو ہیں۔“ اس پر نظر پڑتے ہی سیکنہ نے چونک کر پوچھا تو رویلہ ایک دم گھبرا گئی۔

”ہاں۔ کیوں۔ کیا ہوا۔“ اس نے تیزی سے پٹلیں جھپکا میں ’مبادا آنکھوں کی سرخی نے اس کے رات بھر رونے کا راز فاش تو نہیں کر دیا۔“

”آپ کی شکل سے تو لگ رہا ہے آپ کی طبیعت بہت خراب ہے آپ کو بخار تو نہیں ہو رہا۔“ اس نے قریب آکر رویلہ کی پیشانی چھوتے ہوئے پوچھا تو رویلہ بے اختیار گھبرا کر قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”نہ۔ نہیں میں ٹھیک ہوں۔“
 ”ارے کیا خاک ٹھیک ہیں آپ کا اما تو جل رہا ہے لگتا ہے آپ کو سفری حمکن ہو گئی ہے۔“ سیکنہ نے اس کے چہرے کو غور دیکھتے ہوئے کہا تو رویلہ کچھ مطمئن سی ہو گئی۔

”ہاں۔ ہاں ہو سکتا ہے حمکن تو مجھے واقعی بہت ہو گئی تھی ہو سکتا ہے اسی لیے حرارت محسوس ہو رہی ہو ورنہ طبیعت تو میری بالکل ٹھیک ہے۔“ رویلہ نے جلدی جلدی صفائی دی۔

”جب حرارت محسوس ہو رہی ہے تو طبیعت بالکل ٹھیک کیسے ہو گئی۔“
 ”بھلے ہی میں ابھی ڈاکٹر نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی صحت کی طرف سے لاپرواہی برتیں اور مجھے احساس تک نہ ہو مجھے معلوم ہے آپ نے رات کو کھانا بھی برائے نام کھایا تھا۔“

اب نے چہرے پر سن اور حالی ہیٹ ہوئے کے باعث ہی بارہن رہے ہیں اب اب نور سے مسکراتے
 کریں پھر میں آپ کو ایک فیلٹ دول کی جسے کھا کر آپ تھوڑی دیر سوئیں گی۔
 "نہیں۔ نہیں سیکھنے۔ سو تا اس وقت اچھا نہیں لگے گا۔" رو میلہ فوراً مہولی۔
 "اے اچھا اور برا کیا بھاڑیں۔ آپ کو نہیں پتا ہماری برادری کی عورتیں الیان بھائی کی دلہن کو دیکھنے کے لیے
 کس قدر بے چین ہوتی ہیں ایک بار ان سب کے آنے کا اتنا بندھ گیا تو آپ بس دلہن کی ایک سی پوزیشن میں
 بیٹھی رہیں گی۔
 اس لیے جتنی جلدی اور جتنا آرام کر سکتی ہیں اچھا ہوئے تو عورتیں فجر کے بعد سے ہی اتنی شہد ہو جاتیں
 مگر ادی جان الیان کی ثانی اماں کا اتنا سفر کر کے آئی ہیں سب ان کے لحاظ میں صبح سے نہیں آئے۔
 حالانکہ وہ تو اپنی عادت کے مطابق جہرے اٹھی ہوئی ہیں۔" سیکھنے کستی چلی گئی۔
 تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے ناشتے کے نام پر پرانھا کسی اندوں کا طبق اور کسی آٹنی۔ لی میں تیرا بھی دیکھ کر
 رو میلہ کو تو ابکا کی آنے لگی۔
 "حاجہ۔۔ یہ ناشتا ہے۔"
 "قار کاڈ سیک بھائی کم از کم آپ یہ ناشتا ضرور کریں گی پھر پچھا اور الیان بھائی نے اس ناشتے کو ہاتھ بھی نہیں
 لگایا ہے بریرہ اور پچھو (خفت غفار) کا بھی سو رہی ہیں لیکن مجھے یقین ہے وہ بھی یہ ناشتا نہیں کریں گی۔
 لہذا آپ کو یہ سب کھانا ہے میں الیان بھائی کی طرح آپ کو کھانے سے سکے ہوئے سلاکس پر ٹھمن لگا کر چائے
 پینے ہرگز نہیں دول کی۔" شاہ جہاں ماسوں کی بڑی بیٹی حاجہ نے بڑے خلوص بھرے انداز میں ڈانٹ پلائی اور
 سامنے رکھی نہ اس کے اور نزدیک کر دی۔
 اسی وقت سیکھنے کمرے میں داخل ہو گئی تو رو میلہ دو طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگی جو ہاتھ میں گولہوں کا
 ایک پتالے آئی تھی اور اس پر نظر پڑتے ہی مسکرا دی تھی۔
 "حاجہ آیا۔ بھائی یہ ناشتا نہیں کر سکتیں ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اور پھر یہ لوگ صبح اتنی ہر فن
 چیزیں نہیں کھا سکتے۔"
 "کیا ہوا ان کی طبیعت کو۔" حاجہ نے فکر مندی سے پوچھا۔
 "ٹھکن ہو گئی ہے بس اور کچھ نہیں ہوا ہے۔" رو میلہ جلدی سے بولی۔
 "ہوں۔ آپ کا چہرہ مر چھایا مر چھایا لگ رہا ہے چلیں پھر تو آپ کو معاف کر دیتی ہوں ورنہ میرا تو پورا ارادہ تھا
 آپ کو بھی ناشتا کرائے گا۔
 پچھو (ریاض غفار) نے تو شرا حضوری میں یہ کھا بھی لیا مگر الیان بھائی نے تو صاف انکار کر دیا میں نے بھی
 سوچ لیا تھا ان کی بیوی کو زبردستی یہ سب کھلاؤں گی۔ لیکن نہیں بھئی۔ آپ بھی آخر ان ہی کی بیوی ہیں۔" حاجہ کا
 لہجہ تھوڑا شخ ہو گیا تو رو میلہ زبردستی مسکرا دی۔
 اب اس سے کیا کستی کہ لفظ بیوی اس پر بالکل سوٹ نہیں کرتا تو کسی کے سر پر زبردستی مسلط کیا گیا ایک بوجھ
 ہے۔
 "کہاں کھو گئیں۔" حاجہ نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا۔
 "ہوں۔ نہیں۔ کہیں نہیں۔" رو میلہ نے اپنا دھیان اس کی جانب مبذول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے
 کہا کیونکہ وہ بڑے شوخ انداز میں بولے جا رہی تھی۔
 "پھر میں آپ کو بھی الیان بھائی کی طرح چائے نوش دے دوں۔"

"نہیں حاجہ مجھے تم صرف چائے دے دو مجھے کچھ بھی کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی۔"
 "کچھ کھائیں گی نہیں تو فیلٹ کیسے لیں گی۔ میری بات مانیں جلدی سے فیلٹ کھا کر سو جائیں ورنہ دس
 گیارہ بجے جو آپ کی منہ دکھائی شروع ہوگی تو پتا نہیں شام کب تک چلے۔" سیکھنے نے سمجھایا تو حاجہ ایک بار
 پھر بڑے ڈرائی انداز میں کہنے لگی۔
 "اور اس وقت آپ کو اتنے سادہ سے چلے میں کمرے سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ آپ کو میں سہاؤں گی
 ورنہ آپ کو کیا معلوم ہمارے علاقے کی دلہن کیسی ہوتی ہے۔
 آپ اور بریرہ بھائی دونوں بہت اچھی لگیں گی۔" اس نے نقشہ تو بہت خطرناک کھینچنے کی کوشش کی تھی مگر
 بات کے آخر تک اس کے چہرے پر ایک بر غلوص مسکراہٹ ابھرا آئی۔
 رو میلہ اس کے انداز پر بے ساختہ مسکرا دی اور پھر ان دونوں کے پر زور اصرار پر عوامی کمرے میں آکر سونے
 پر مجبور ہو گئی۔ سیکھنے نے اسے دیکھا بھی ایسی ہی تھی کہ وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔
 رات اس کی ویسے ہی سوتے جاتے گزری تھی چنانچہ اس وقت جب وہ کھنے کی اچھی کمری نیند لے کر اٹھی تو
 خود کو پہلے سے بہت ہنسنے محسوس کر رہی تھی سیکھنے اور حاجہ نے اس کے لیے بالکل اسے روایتی علاقائی کپڑے نکال
 کر اس کے کمرے میں رکھ دیے تھے رو میلہ اتنا بھاری جوڑا دیکھ کر صرفہ محسوس اچکا کر رہ گئی اور بغیر جوں چرائے
 نما کر زین تن کر لے وہ ہاتھ دوام سے باہر نکلی تو حاجہ اس کے انتظار میں اس کے کمرے میں کھل رہی تھی۔
 "داؤ۔ آپ تو بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔ آپ کے بال اتنے لمبے ہیں مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا۔" اس نے
 رو میلہ کے کمر تک آتے گھنے بالوں کو دیکھتے ہوئے ستائشی انداز میں کہا۔
 رو میلہ صرف مسکرا کر رہ گئی تو وہ مزید کہنے لگی۔
 "ابھی تو آپ نے وہ زیور نہیں پہنا جو ہمارے ہاں دلہن پہنتی ہے جب آپ وہ پہنیں گی پھر دیکھیے گا کیا لگتی
 ہیں۔" وہ خاصی پر جوش ہو رہی تھی۔
 "وہ زیور ان کپڑوں کی طرح بھاری تو نہیں ہو گا۔" رو میلہ نے پریشانی سے پوچھا۔
 "بھاری تو یہ کپڑے بھی نہیں ہیں لیکن آپ خود اتنی نازک ہیں کہ آپ کو ضرور بھاری لگیں گے۔"
 "یہ کپڑے تمہاری نظر میں بھاری نہیں ہیں۔" رو میلہ نے ایک ہاتھ سے ٹیٹھ کا دامن اٹھاتے ہوئے حیرانی
 سے کہا تو حاجہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
 "دلہن کے لحاظ سے تو بالکل بھی نہیں۔" حاجہ نے کندھے اچکائے۔
 "تو کیا کل رات کو جب بریرہ ولہم کی دلہن بننے کی تو وہ ایسے ہی کپڑے پہنے گی۔" رو میلہ نے کچھ سوچتے ہوئے
 پوچھا۔
 "نہیں بھائی۔ بریرہ کے لیے تو تائی جان (بریرہ کی ساس) نے بالکل شہوالے کپڑے بنائے ہیں جیسے شہوں
 میں دلہن پہنتی ہیں۔
 اس وقت تو گاؤں کی عورتیں گھر پر ملنے آرہی ہیں اس وقت ایسے کپڑے آپ لوگوں کو پہنانا الگ بات ہے
 لیکن اگر ولہم کے اتنے بڑے فنکشن میں بریرہ کو علاقائی لحاظ سے تیار کیا تو بریرہ کو شاید اچھا نہ لگے۔
 آخر اس کی پرورش تو شہر میں ہوئی ہے وہ اس ماحول اور رہن سہن کی عادی ہے پہلے ہی ہم لوگوں کے ماحول میں
 بہت فرق ہے اس لیے میں ہم کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہتی جس سے بریرہ کو ایک دم اس ماحول کے مطابق ڈھلنا
 بہت مشکل لگنے لگے۔
 ایسے تو وہ بہت گھبرا جائے گی اس رشتے کے ہونے سے پہلے ہی کافی لوگوں نے اس شادی پر اعتراض کیا تھا کہ

بریرہ یہاں ایڈجسٹ سیں ہو سکتی۔ لیکن وادی جان کا لہنا تھا کہ ہم لوگ بھی کوئی دھانی تیار سیں ہیں ہمارے غر میں بہت پرہا لکھا ماحول ہے پھر بھلا بریرہ کو کیوں مشکل پیش آئے گی۔

چنانچہ ہم سب تو اسے لائے ہی یہ سوچ کر ہیں کہ وہ جیسے رہتا چاہے گی اسے رہنے دیا جائے گا پھر آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ اپنا ہی چلی جائے گی اور اگر نہیں بھی اپنا ہی تو جس میں وہ خوش ہم بھی خوش بس سب کے ساتھ کھل مل کر رہے۔ "حاجہ کستی چلی گئی۔"

دو میلہ ان سب کی سوچ اور وسیع نظری پر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ متاثر بھی ہوئی تھی واقعی وہ لوگ بڑے کھلے دل کے ساتھ بریرہ کو بیاہ کر لائے تھے۔

اس کے دل سے بے اختیار دعا نکلی تھی کہ بریرہ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا اس کا علم ان لوگوں کو کبھی نہ ہو یہ خوش باش گھرانہ ایسے ہی ہنسنا ہنس رہے اور اس پر کوئی آنجنہ آئے۔

حاجہ نے اسے مخصوص روایتی زیور پہنا کر اس کے بالوں کی دھوئیاں بنا دیں البتہ میکاپ دو میلہ نے اپنا خود ہی کیا۔

اس کے باوجود اپنا آپ اسے بہت عجیب اور منفرد سا لگ رہا تھا حالانکہ حاجہ مسلسل اسے سراہے جا رہی تھی اس کے علاوہ جس نے بھی اسے دکھا بڑے کھلے دل سے اس کی تعریف کی سوائے بریرہ اور کلفتہ غفار کے۔

ان دونوں سے اسے اسی نتیجے کی امید تھی بلکہ اب کیونکہ وہ سچائی سے واقف تھی لہذا اب انہیں حق بجانب سمجھتے ہوئے اس کے دل میں ان کے نتیجے کو لے کر کوئی شکایت بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

بلکہ جب اس نے محسوس کیا کہ بریرہ کے مقابلے میں سب اس کی تعریف زیادہ کر رہے ہیں تو وہ تو الٹا شرمندہ ہی ہونے لگی جیسے اس نے بریرہ کے کسی حق پر ڈاکہ ڈال لیا ہو۔

اس کی فطرت ایسی تھی کہ وہ اپنی تعریف پر زندگی میں کبھی بھی میں اترائی تھی پھر اس وقت تو صورت حال بھی بڑی عجیب تھی وہ تو خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔

لیکن بھلا کلفتہ غفار کو اس کے احساسات کی کیا خبر۔ وہ تو سب کو اس کے گن گاتا دیکھ کر ہی طرح تھلا گئی تھیں جس کا وہ انکار نہیں کیا رہی تھیں تو ان کی جھنجھلاہٹ سب سے بڑی چیزوں پر نکل رہی تھی۔

"یہ آپ لوگوں نے ولیمہ کل کیوں رکھا ہے۔ تنج ہی کر لیتے تو کل ہم اپنے گھر روانہ بھی ہو جاتے۔" کلفتہ غفار نے بھنائے ہوئے انداز میں ثانی ماں کو دکھا۔

"یہ تمہیں ماں کے گھر رہنا اتنا گراں کیوں گزر رہا ہے جو تم ایک ہی طن میں گھبرا گئیں۔" ثانی ماں نے کچھ لہجے سے پوچھا۔

"نہیں آپنی تو کوئی بات نہیں۔" کلفتہ غفار سے کوئی جواب سن سکا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئیں جبکہ ممانی جان صفائی دینے لگیں۔

"اصل میں سوچا تو ہم نے بھی یہی تھا کہ ولیمہ اگلے دن ہی کر لیں گے مگر آپ کے بھائی نے ہی ارادہ بدلی کر دیا ان کا کہنا تھا اگلے دن تو سڑکی ٹھکن ہی اتنی ہوگی کہ ولیمہ اس کے اگلے دن رکھا جائے تو ہی سکون سے ہو سکے گا۔"

"ارے تو کیا ہو گیا۔" ثانی ماں سو کے صفائی دینے پر بگڑ کر بولیں۔

"اچھا ہی ہوا جو تنج ولیمہ نہیں رکھا۔ سنا نہیں تم نے۔" کلفتہ نے کیا کہا اگر تنج ولیمہ ہوتا تو یہ کل ہی روانہ ہو جاتے۔

اتنے دنوں بعد تو آئے ہیں اب جائیں گے تو جانے کب آئیں گے اچھا ہی ہے کچھ دن ٹھہریں۔ اور کان کھول کر سن لو کلفتہ یہ تمہارا میکا پہلے ہے اور تمہاری بیٹی کی سسرال بعد میں۔" ثانی ماں کو کلفتہ غفار

کی بات سخت ناگوار گزری تھی۔ جبکہ ان کا سب کے سامنے کلفتہ غفار کو جھڑکنا ممانی جان کو بڑا عجیب لگا وہ اپنے طور پر صفائی دینے کے لیے کھینے لگیں۔

"اصل میں اس نظر سے کہہ رہی ہوں گی کہ یہاں رہنے میں الیان کی چھٹیاں ضائع ہو رہی ہیں یہاں تو یہ بعد میں بھی آسکتی ہیں جبکہ یہاں سے جلدی جانے کی صورت میں الیان کو دو میلہ کے ساتھ کہیں باہر جانے کا موقع مل جائے گا۔" اپنے طور پر تو انہوں نے ثانی ماں کو ٹھنڈا کیا تھا مگر انہیں کیا پتا تھا کہ ان کی بات کلفتہ غفار کو آگ لگا دے گی وہ جو پہلے ہی چڑی ہوئی تھیں۔ دو میلہ کے سامنے دو میلہ اور الیان کے کہیں جانے کا سنتے ہی اتنی بری طرح بھڑک اٹھیں کہ ساری موت و لحاظ پلائے طاق رکھتے ہوئے تنگ کر بولیں۔

"الیان بھلا دو میلہ کو لے کر کہیں کیسے جاسکتا ہے اس نے کوئی سوچ سمجھ کر پلانا تنگ کے ساتھ شادی تھوڑی کی ہے اچانک جیسے کوئی قیامت ٹوٹی ہو ایسے تو شادی ہوئی ہے۔"

اس کے پاس بھلا ان فضول چوچلوں کے لیے ٹائم کہاں ہے اتنا تو کام پھیلا ہے آفس میں۔" کلفتہ غفار تو گویا انکارے چبار ہی تھیں ان کا یہ لب و لہجہ اور انداز دیکھ کر کبھی دم نہ خود رہ گئے۔

سب سے زیادہ بری حالت دو میلہ کی تھی وہ تو ان کے چہرے کی جانب دیکھ بھی نہیں پار رہی تھی اور بغیر دیکھے ہی اسے پتا تھا کہ وہاں اس کے لیے کتنی حقارت تھی کیونکہ ان کا ہر لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا خاص طور پر ان کا یہ کہنا کہ جیسے کوئی قیامت ٹوٹی ہو ایسے تو شادی ہوئی ہے۔

دو میلہ کو ذلت و شرمندگی کی گرائیوں میں دھکیل گیا اس کے لیے وہاں سب کے چہرے جھنجھٹا مشکل ہو گیا تھا دل چاہ رہا تھا ابھی اٹھ کر یہاں سے بھاگ جائے مگر اس میں تو ہلنے کی بھی سکت نہیں تھی اتنی سخت بے عزتی محسوس ہوئی تھی اسے اپنی کہ اس کی آنکھیں ملنے لگی تھیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو کلفتہ۔ کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو شادی چاہے جن حالات میں بھی ہوئی ہو اسے قیامت تو مت کہو۔"

اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رکھے بس اور کیا چاہیے۔ یہ کوئی ضروری تھوڑی ہے کہ شادی روایتی انداز میں ہی ہو اہم چیز تو بچوں کی خوشی ہے۔" ثانی ماں کے ہاتھانہ انداز پر کلفتہ غفار تھلا کر رہ گئیں۔

ان دونوں کے ساتھ خوش رہنے کی دعا رہا وہ با آواز بلند "اللہ نہ کرے" کہنا چاہ رہی تھیں مگر بھانجوں کی موجودگی نے انہیں اتنا بے قابو ہونے سے روک لیا مگر پھر بھی وہ اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی تھیں جسے ان کے تاثرات اور رویے کے باعث بھی نے بھرپور طریقے سے محسوس کیا۔

"مجھے معلوم ہے تم اس بات پر دیکھی ہو کہ اگلے تیرے بیٹے کی شادی اماںوں کے ساتھ نہیں کر سکیں۔ لیکن اللہ کے ہر کام میں کوئی قصورت ہوتی ہے ان دونوں کا ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لکھا تھا سو ایسا ہی ہوا اب اس پر رونے کی بجائے ان کی خوشگوار زندگی کی دعا کرو۔"

تمہارے اس رویے سے اس بچی کا دل کتنا برا ہو گا۔" ثانی ماں آگے کہنا چاہ رہی تھیں کہ "تم از کم اس کے سامنے تو ایسی باتیں مت کرو۔"

لیکن وہ ضبط کر گئیں اپنی بیٹی کے ہٹ دھرم مزاج سے وہ خود بھی واقف تھیں سب کے درمیان اسے زیادہ ٹوک کر وہ اس کا مزاج اور برہم نہیں کرنا چاہتی تھیں کبھی غصہ آنے کے باوجود انہوں نے اپنا لہجہ حتی الامکان نرم رکھا تھا۔

گفتہ غفار دل ہی دل میں پتہ کتاب کھا کر رہ گئیں۔ مگر بولیں کچھ نہیں۔ سب کے چچاں سے بحث کرنا انہیں مناسب نہیں لگا تھا اور ان کی تائید تو خیر وہ کری نہیں سکتی تھیں۔

چنانچہ انہوں نے یہ سوچ کر سر جھٹک دیا کہ اماں کو ساری بات معلوم نہیں ہے نا اسی لیے اس چہل کی حمایت کر رہی ہیں ورنہ دل رکھنا تو چھوڑ دو تو رو میلہ کو جو تہارتے ہوئے گھر سے نکال دینے کی خواہش ظاہر کرتیں۔

گفتہ غفار بظاہر خاموش رہیں مگر ان کی پیشانی پر پڑے تل اور نخوت سے سکڑے ہونٹ جی جی کر ان کی سوچ کی عکاسی کر رہے تھے۔

رو میلہ تو کیا وہاں موجود بھی کو ان کا رویہ شرمندہ کر گیا تھا چنانچہ سب ہی پانچ منٹ کے اندر اندر منظر سے غائب ہو گئے بس بریرہ اور ثانی اماں وہاں بیٹھے رہے اور ملنے آنے والی گاؤں کی عورتوں سے ہلکی پھلکی بات چیت کرتے رہے۔

رو میلہ شدید خواہش کے باوجود کمرے میں جا کر بند نہیں ہو سکتی تھی وہ تو اتنے غیر حاضر دماغ کے ساتھ بیٹھی تھی کہ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ کون اس کے پاس آیا اور کس نے اس سے کیا پوچھا تو بس ایک مور تلی بنی ہوئی تھی۔

اس کا ذہن مختلف سوچوں کی تاج گاہنا ہوا تھا کئی سوال اس کے اندر سر اٹھا رہے تھے۔

”کیا ان سب لوگوں کا رویہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔“

”کیا گفتہ غفار اسی طرح ہر آئے گئے کے سامنے اسے ذلیل کریں گی۔“

”کیا الیان اسی طرح اس سے ہر روز نفرت سے منہ موڑے گا۔“

وہ ہمیشہ تو کیا چار دن بھی یہ سب برداشت نہیں کر سکتی اس کے اندر تو ابھی سے محفل کے باعث ایک دھواں بھرنے لگا تھا ایسا لگ رہا تھا اتنے بڑے اور کشادہ کمرے میں چٹھے چلنے کے باوجود آکسیجن کی اتنی کمی ہو گئی ہو کہ سانس لینا ہی محسوس ہو رہا ہو۔

آخر خدا خدا کر کے گاؤں کی عورتوں کے آنے کا سلسلہ ختم ہوا اور یہ محفل برخاست ہو گئی تو رو میلہ نے اپنے کمرے میں آکر ایسے گہری گہری سانس کھینچیں جیسے اگر کچھ دیر اور رہی تو دم گھٹنے کے باعث مری جائے گی۔

اسی وقت اس کے پرس میں رکھا موبائل فون بج اٹھا تو اس نے بڑی بے باکی سے پرس کھولنا شروع کر دیا۔ اسے امید تھی فون میں مل یا سنسل کا ہو گا اور اسے اس وقت ان دونوں میں سے کسی ایک کی سخت ضرورت تھی۔

اور واقعی اسکرین پر محفل کا نام جگمگا تا دیکھ کر رو میلہ نے تیزی سے فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔

”ہیلو محفل کیسی ہو۔“ بغیر سلام کیے رو میلہ نے اتنی بے صبری سے پوچھا تھا کہ محفل اس کی آواز اور الفاظ دونوں پر ٹھک گئی۔

”میں تو ٹھیک ہوں۔ مگر تمہیں کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا“ محفل کے الجھے ہوئے لہجے پر رو میلہ کو اچانک اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تو وہ کچھ سنبھل سی گئی۔

”ہاں ہاں سب خیریت ہے میں کل ہی گاؤں پہنچ گئی تھی کافی اچھی جگہ ہے اور پھر یہاں سب لوگ اتنے اچھے ہیں کہ جگہ نہ بھی اچھی ہوتی تو بھی مسئلہ نہیں تھا۔

ابھی دوپہر کے کھانے کے بعد الیان کے ماموں وغیرہ ہم سب کو گاؤں دکھانے لے جائیں گے اصل میں تو وہ مجھے ہی کھانے لے کر جائیں گے باقی الیان کے گھر والوں کا تو سب کچھ پہلے سے دیکھا ہوا ہے۔“ رو میلہ دانستہ تفصیل سے بولی تاکہ محفل کا دھیان بٹ جائے۔

”نہیں“ محفل نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا۔ ”میں نے تو کہا تھا کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔“

”نہیں“ محفل نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا۔ ”میں نے تو کہا تھا کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔“

مگر وہ سری طرف صرف اس کی لڑن ہی نہیں بلکہ بچپن کی دوست موجود تھی وہ اس غیر ضروری تفصیل پر بڑے وثوق سے پوری تنقید کی کے ساتھ پوچھنے لگی۔

”رو میلہ کیا بات ہے جو تم پھپھاری ہو کیا پھر کوئی نیا مسئلہ۔“ رو میلہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی۔

محفل اور سنسل سے کچھ پچھانے کا اس کا کبھی بھی کوئی ارادہ نہیں ہوتا تھا مگر جو انکشاف کل اس پر ہوا تھا اسے جان کر وہ اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی تو محفل کو کس منہ سے بتاتی۔

”رو میلہ تمہاری خاموشی مجھے ہولناک ہے۔“ محفل کی آواز میں واضح کھپکی تھی حالانکہ وہ اتنی آسانی سے ہاتھ پاؤں پھوڑ دینے والوں میں سے نہیں تھی۔

لیکن رو میلہ جن حالات میں اور جس طرح اس سے اتنی دور ہوئی تھی وہ محفل کو بد سے بد ترین چیز کی توقع کرنے پر مجبور کر گیا تھا اور اس چیز کا احساس ہوتے ہی رو میلہ نے خود کو مارل کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنی خیریت کی یقین دہانی کرانی ضروری سمجھی۔

”کیسی باتیں کر رہی ہو محفل۔ تمہیں کب سے ہونے کا مرض ہو گیا خواہ مخواہ کے وہم مت بالوں میں بالکل ٹھیک ہوں سب خیریت ہے۔“ رو میلہ کی بات سے محفل کو تھوڑا سا اطمینان ہوا مگر پوری طرح مطمئن نہ تھا تب بھی نہیں ہوئی تبھی تھوڑا چکر کھینے لگی۔

”یار جب تمہیں پتا ہے کہ تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتیں تو کیوں ٹالے جا رہی ہو سیدھی طرح بتاؤ تاکہ ہوا کیا ہے۔“ رو میلہ ایک بار پھر لب بچھڑ کر رہ گئی۔

وہ ایسے الفاظ ڈھونڈنے لگی جن میں ابرار بھائی کی اس درجہ خود غرضی اور کم علمی کی نمائش نہ ہو اور کسی طرح ان کا بھرم رو جائے۔

مگر انہوں نے جو کیا تھا اس کے بعد پوری دنیا کی کسی بھی زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں تھا جسے بول کر سننے والے کو اس جرم کی شدت اور نوعیت میں کوئی کمی محسوس ہو۔

پھر بھی وہ اس تلاش میں اتنی کم نہیں تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ کمرے کا اینٹل گھما اور کب دروازہ کھلا اور الیان بے بے قد مول اندر داخل ہو گیا۔

اسے حامد کے ذریعے پتا چلا تھا کہ رو میلہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور یہ کہ سیکنہ نے اسے کوئی دوا لی دی ہے تاکہ وہ سو جائے۔

اسی سب تو اس کے علم میں نہیں تھا کہ یہ دوا کی وغیرہ رو میلہ کو مسجدی گئی تھی یا اس وقت نہ مرحلہ وہ کمرے میں داخل ایسی ہی ہوا تھا کہ اگر رو میلہ سو رہی ہے تو وہ اٹھ نہ جائے ورنہ خواہ مخواہ اس کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ اسے صرف اپنے موبائل کا چارجر چاہیے تھا جسے بیگ سے نکال کر اس کا فوراً واپس پلٹ جانے کا ارادہ تھا۔

مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر بستر کے ایک کونے میں ناخنیں نیچے لٹکائے منہ اوپر کیے بیٹھی رو میلہ پر پڑی تو اس کا حلق تک گڑا ہو گیا۔

اسے کمرے میں موجود دیکھ کر اور وہ بھی جاگتے ہوئے دیکھ کر الیان کو شدید قسم کی کوفت ہوئی تھی موبائل اگر بالکل بند نہ ہو گیا ہوتا تو وہ چار چر لے بغیر ہی واپس چلا جاتا مگر اب وہ اس کی پشت کو بے زاری سے دیکھتے ہوئے اسے بند کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اسے موبائل پر کسی سے ہم کلام ہو کچھ کر کچھ رک سا گیا۔

رو میلہ کمرے میں کسی دوسرے شخص کی موجودگی سے بے خبر بڑے مطمئن انداز میں بات کر رہی تھی اسی لیے اس کا پسلا بملہ کان میں انجانے طور پر پڑنے ہی الیان پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”محفل ہو تو کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ ویسے کا ویسا ہی ہے جیسا میں نے بتایا تھا۔“

”نہیں“ محفل نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا۔ ”میں نے تو کہا تھا کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔“

”نہیں“ محفل نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا۔ ”میں نے تو کہا تھا کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔“

”نہیں“ محفل نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا۔ ”میں نے تو کہا تھا کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔“

الیان اور ان کے گھر والوں کا رویہ وہی ہے ان کی بے زاری اور ہلک آمیز سلوک۔ حوں کا توں سے سٹانی امل کے گھر والوں کے سامنے بس ایک جھوٹا بھرم ہے لہذا سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا تھا۔ بس اگر کسی کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ مجھے اس شادی کے پیچھے چھپا پوشیدہ سبب پتا چل گیا ہے۔ ”رومیلہ کے لہجہ میں پورے زمانے کی محسوس ہل رہی تھی۔“

”کیا مطلب؟“ نمل جو تھی۔

”ابرا بھائی نے الیان کو مجھ سے شادی کرنے پر کیسے تیار کیا ہے یہ مجھے کل رات پتا چل گیا ہے اور تب سے مجھے لگ رہا ہے کہ کاش میں کچھ نہ ہی جانتی تو اچھا تھا۔“

ابرا بھائی نے الیان کی بہن کو اغوا کر لیا تھا اور کہا تھا کہ جب وہ مجھ سے شادی کر لیں گے تب وہ بریرہ کو چھوڑیں گے۔ ”رومیلہ کی آواز میں آنسوؤں کی نمی اترنے لگی۔“

نمل ششدر سی اس کی بات سن رہی تھی حیرت اور تاسف سے اس کی آواز بند ہو گئی تھی مگر پھر بھی وہ پوری طرح سے رو میلہ کی طرف ہمہ تن گوش تھی جو گلو گیر لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”ابرا بھائی نے الیان کی فیملی کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے مجھے بہو کی حیثیت سے گھر میں نہیں رکھا تو وہ بریرہ کے سسرال میں اس کے اغوا ہونے کے متعلق سب بتا دیں گے۔“

بریرہ کی شادی سے تین چار دن پہلے یہ لوگ ایسی کوئی بدنامی مول نہیں لے سکتے تھے چنانچہ مجھے یاد کرا اپنے ساتھ لے آئے۔

ابرا بھائی کا مقصد پورا ہو گیا ہے اب اس گھر میں میرے ساتھ جو بھی سلوک ہو۔ انہیں اس سے کیا۔ انہیں تو اپنا بوجھ اتارنا تھا۔ وہ جوانوں نے کلفٹام کے سامنے کہا تھا کہ وہ دن بعد ہی رو میلہ کی شادی ہوگی اور وہ بھی کسی بہت اونچے خاندان میں تو بس انہیں اپنی اس بات کو پورا کرنا تھا اپنی اٹا کی تسکین کے لیے انہوں نے وہ حربہ اپنایا کہ الیان جیسا آئیڈیل فیملی کا لڑکا انکار نہ کر سکے اور اس کے لیے انہوں نے میری زندگی داؤ پر لگا دی۔“

رو میلہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی فون کے دوسری جانب موجود نمل دم بخود رہ گئی تھی وہ اتنی شاکت تھی کہ رو میلہ کو جب کراتا اور اسے تسلی دیتا تو درکنار اسے اپنا منتشر ہوتا زہن یکجا کر کے کچھ کہنا بھی مشکل لگ رہا تھا وہ تو بالکل پتھرائی تھی۔

اور ایسی ہی کچھ حالت فون کے اس جانب کھڑے الیان کی تھی رو میلہ کی بات سن کر وہ خود بھی گنگ رہ گیا تھا اسے ہرگز امید نہیں تھی کہ کوئی بھائی اپنی بہن کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس طرح اس کے علم میں لائے بغیر ایسی غلطی کر دی اور داد گیری کے ذریعے کر سکتا ہے۔

وہ تو اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس سازش میں یہ پورا گھر شامل ہو گا لیکن یہاں تو رو میلہ کو سرے سے کچھ پتا ہی نہیں تھا۔

وہ جب چاپ کھڑا رو میلہ کے ہولے ہولے ہلے وجود کو دیکھے گیا البتہ نمل کے لیے جب چاپ رو میلہ کا روٹا برداشت کرنا ناممکن تھا اس نے تیز تیز پلکیں جھپکاتے ہوئے بہت ہی بودا سا غور تراشنے کی کوشش کی صرف اور صرف اسے چپ کرانے کے لیے۔

”رو میلہ۔ رو میلہ۔ چپ ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے ہمیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ ہو سکتا ہے یہ سب سچ نہ ہو۔“

”یہ سب سچ ہے کل رات میری ابرا بھائی سے بات ہوئی ہے انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے میری شادی الیان سے کرانے کے لیے ایک لڑکی کو اغوا کرنے جیسا سنگین جرم اور گھٹیا کام کیا ہے۔“

لہذا یہاں نہ کوئی غلط فہمی کی گنجائش ہے نہ ہی کسی ”ہو سکتا ہے“ کی جگہ۔ ”رو میلہ نے بھنا کر اس کی بات کا

جواب دیا اور پھر اپنے اور الیان کے بیچ کل رات ہوئی گفتگو کا مختصر احوال سنائے گئی جس کے بعد اس نے ابرار کو فون کیا اور کس طرح الیان کے گھر والوں پر حرف آئے بغیر اس نے ابرار سے سب کچھ اگھوا لیا۔
بلکہ ابرار نے کس دھمکانی سے اپنے فعل کو جائز قرار دینے کی کوشش کی یہ سب اس نے فعل سے کہہ دیا، عمل نے بے اختیار انگلیاں بالوں میں پھنسا لیں اور آنکھیں ایسے مونہ لیں جیسے دل پہنا جا رہا ہو۔
حالت تو الیان کی بھی کچھ ایسی ہی تھی البتہ اس کے انداز میں شک سے زیادہ تاسف تھا۔
کوئی بھائی شخص اپنی ضد پوری کرنے کے لیے اپنی بہن کو اس طرح کسی کے ساتھ زبردستی کیسے رخصت کر سکتا ہے کیا ابرار کا دل ایک بار بھی یہ سوچ کر نہیں کانپا کہ ان لوگوں کا اس کی بہن کے ساتھ رویہ کیسا ہوگا۔
جوڑی کی چابی جان جانے پر اتنی بری طرح نکھری ہے اور ایسے بلک بلک کر رو رہی ہے وہ ساری زندگی ان حالات میں اجنبی لوگوں کے بیچ اجنبی ماحول میں اور ناخوشگوار فضا میں جیسے گزارہ کرے گی اور کیسے سانس لے گی۔
کیا اسے اپنی بہن کی حساس فطرت کا اندازہ نہیں تھا کیا اسے علم نہیں تھا کہ جب اس پر حقیقت کا انکشاف ہو گا تو اس کے اوپر کیا بیٹے گی۔

وہ کہ اس کے ذہن میں یہی سوال ابھر رہا تھا اور پھر اپنا اور اپنے گھر والوں کا رویہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھونٹے لگا رہتے تھے لے کر اب تک وہ سب مسلسل اس کی تذلیل کرتے آرہے تھے اور کل رات تو الیان نے مدعی کردی تھی۔

کل رات کی گفتگو کے بعد ہی تو اس نے ابرار کو فون کر کے ساری صورت حال جاننے کی کوشش کی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ الیان اور اس کے گھر والوں کے رویے کی بد صورتی کا احساس تک ابرار کو نہ ہو۔
ورنہ اگر وہ غصے میں نہ بھاڑ کر صاف صاف بتا دیتی تو ابرار کا اگلا قدم کیا ہوتا۔

جسے بہن کا گھر بسائے رکھنے کی پروا ہی نہیں جس نے اسے محض بوجھ سمجھ کر اٹا رہا تھا وہ اپنے اپنے کمرے اور ڈرائے کا یہ نتیجہ دیکھ کر تو بالکل آگے سے باہر ہو جائے گا۔

پھر تو وہ اپنی بات سچ ثابت کرنے اور الیان اور اس کے گھر والوں کو سبق سکھانے کے لیے واقعی بریرہ کے اغوا کی بات اس کے گھر پر تار دے گا۔

اب تک تو الیان کے لا شعور میں کہیں نہ کہیں یہ یقین پوشیدہ تھا کہ ابرار صرف انہیں دھمکا رہا ہے وہ اس راز پر سے کبھی پرہیز نہیں اٹھا سکتا کیونکہ جس دن اس نے اس راز کو فاش کیا اسی دن الیان کو مجبور کرنے اور ڈرانے کا اس کے پاس اور کوئی حربہ نہیں رہے گا۔

تب اس کی اپنی بہن بھی اجڑ کر اس کے گھر واپس آ بیٹھے گی اور کیونکہ الیان کا خیال تھا کہ اس نے اپنی بہن کی شادی الیان سے اس لیے کی ہے تاکہ ان کی جائیداد اور دولت میں حصہ دار بن سکے تو وہ مقصد بھی اس کا پورا نہیں ہو سکے گا۔

طلاق ہونے کی صورت میں وہ صرف حق مرے کر آسکتی تھی باقی کی جائیداد اسے اسے ہاتھ دھونا پڑتا جبکہ اس گھر کی سوریہ کی صورت میں وہ وقتاً فوقتاً بیوی بیوی رقوم کا مطالبہ کر سکتے تھے۔

لیکن یہاں تو صورت حال اس کی سوچ کے بالکل برعکس تھی یہاں نہ رو میلہ سے کچھ کہنے سننے کا قاعدہ تھا نہ اسے گھر سے نکال دینا ہی اس مسئلے کا حل تھا۔

وہ اس ساری بازی میں ایک پیدل جیسا مو تھی جس کے پٹ جانے یا ایک ہی خانے میں کھڑے رہنے سے طرح کی بساط پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

رو میلہ اب بھی عمل سے کچھ بات کر رہی تھی مگر الیان کا اب مزید کمرے میں رکنا مشکل ہو گیا تھا وہ جن دے

قد میں سے اندر داخل ہوا تھا اس سے زیادہ بے قدموں سے باہر نکل گیا البتہ اس کے دل و دماغ میں ایک شور بلکہ ایک طوفان بپا ہو گیا تھا۔

ایک طرف اسے رو میلہ کے ساتھ ہوئی زیادتی پر دکھ تھا تو دوسری طرف اپنے گزشتہ رویے پر بھی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

اور ان سب سے بڑھ کر جو مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب آگے کیا ہوگا۔
ابرار واقعی ایسی ہی ذہنیت کا انسان تھا جو اپنی بات اوپر کی رکھنے کے لیے اپنی بہن کو بھی اجازت دے سکتا تھا تو پھر الیان کی بہن بھلا اس کی نظر میں کیا اہم ہوگی۔

اتنا اندازہ تو اسے ہو گیا تھا کہ اسے رو میلہ کی پروا نہیں اس لیے اس کے ساتھ الیان کے گھر والے جو بھی رویہ رکھیں اسے قطعاً پروا نہیں ہوگی لیکن اپنے دھمکانے کے باوجود ان کے قابو میں نہ آنے پر وہ بھڑک کر کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے چاہے اس کی سزا اس کی بہن کو ہی کیوں نہ بھگتنی پڑے۔



زویہ نے بیوی مشکل سے اپنے اندر ہمت جمع کی تھی وہ سب کرنے کی جہاد کبھی خواب میں بھی کرنے کا نہیں سوچ سکتی تھی۔

بارہ بجے خرم اسے پک کرنے آئے والا تھا لیکن زویہ نے اسے گھر کے گیٹ پر آنے کی بجائے گھر سے کافی دور کھلی کے ٹکڑ پر گاڑی میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے کو کہا تھا۔

میں نے اپنے معمول کے مطابق نیچے اتر کر آئی تھی اور ناشتے کی میز پر فیر معمولی انداز میں ہلکی پھلکی بات چیت کرتی رہی تھی جس کو بلال اختر اور عائشہ اختر دونوں نے ہی محسوس کیا تھا۔ وہ دونوں اس طرح اس کے گفتگو میں حصہ لینے پر کچھ چونکے ہوئے تھے۔

عائشہ اختر تو دل ہی دل میں خوش ہو گئی تھیں اس سے آگے انہوں نے کچھ نہیں سوچا سوائے اس کے کہ آج زویہ کافی نارمل لگ رہی ہے جبکہ بلال اختر نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اس تبدیلی کی وجہ کھوجنے کی کوشش کی اور جب ناکام ہو گئے تو اندازہ لگاتے ہوئے پوچھنے لگے۔

”پھر تم نے اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کے متعلق کیا فیصلہ کیا۔“ زویہ نے چند لمحوں کے لیے سٹپ ہو گئی۔
وہ اس سوال کے لیے بالکل تیار تھیں مگر لیکن کیونکہ اسے آج اپنے آپ کو ہر حال میں بالکل ٹھیک ظاہر کرنا تھا اس لیے فوراً مفرد کو سنبھالتے ہوئے خود اعتمادی سے کہنے کی کوشش کرنے لگی۔

”میں۔۔۔ سوچ رہی ہوں ایڈمیشن لے لوں۔“ بلال اختر اور عائشہ اختر ایک ساتھ چونکے۔
پہلے ان دونوں نے زویہ کو حیرانی سے دیکھا پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

زویہ ان کی کیفیت بخوبی سمجھ رہی تھی سبھی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔
”اصل میں اس گھر میں شغف ہونے کے بعد سے میں یورپ مت ہونے لگی ہوں آج میری آنکھ صبح کے چار بجے کھل گئی اس کے بعد سے خیندی نہیں آتی سوچا کچھ پڑھنے بیٹھ جاؤں تو نیند اچھی آجائے گی۔“

مگر آپ کو تو معلوم ہے مجھے افسانے اور ناول پڑھنے کا شوق نہیں۔ اخبار سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس وقت احساس ہوا کہ اگر کورس کی ہی کتابیں ہوں تو وقت کتنا اچھا گزر جاتا بھلا پر محال ہے اچھی اور کارآمد مصروفیت کوئی ہو سکتی ہے۔“

زویہ کی گفتگو پر عائشہ اختر خوشی سے پھولی نہیں ساری تھیں البتہ بلال اختر صرف سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے

تھے۔
"ہاں ہاں ذہلی بھلا پر سہالی سے اچھی مصوفیت اور کیا ہو سکتی ہے گھر کی تبدیلی واقعی تمہارے لیے خوشگوار رہی ہے۔"

عائشہ اختر نے پہلی بار بلال اختر کے سامنے اتنے واضح الفاظ میں یہ اعتراف کیا تھا۔
مگر بلال اختر ان کی طرف متوجہ ہی نہیں تھے وہ بدستور ندیہ کو غور دیکھ رہے تھے جو ان کی نظروں سے گھبرانے کے باوجود بظاہر احمق سے بیٹھی تھی۔

"جی ممایہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں گھر کی تبدیلی خوشگوار تو ثابت ہوئی ہے بلکہ اب مجھے لگتا ہے میں جب سے شفٹ ہوئی ہوں میں نے اپنی الماریوں کی سسٹم ٹھیک طرح سے نہیں کی۔
میں سوچ رہی ہوں آج اپنی الماریاں ٹھیک کر لوں۔" ندیہ آہستہ آہستہ موضوع کی طرف آنے لگی۔

"کنج رہنے کا صبح چار بجے سے اٹھی ہوئی ہو جلدی تھک جاؤ گی پھر کسی دن کر لیتا۔" عائشہ اختر کے کنبے میں مٹا بھری تھی۔ ندیہ نے تشکر بھری نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا جس نے عین وہی بات کہی تھی جس کی ندیہ کو خواہش تھی۔

وہ اپنے کمرے میں الماری اور درازوں کا سارا سامان نکال کر پھیلا دینے والی تھی اور ہار بجے کے قریب عائشہ اختر سے جا کر کہنے والی تھی کہ میں بہت تھک گئی ہوں مجھے کھانے پر جگایا نہ جائے میں سونے لیٹ رہی ہوں۔
عائشہ اختر ان معاملوں میں خاصی مصلحت پسند تھیں وہ ندیہ کو کوئی سینڈویچ وغیرہ کھلا کر سونے بھیج دیتی اور تب تک نہیں جگاتیں جب تک ندیہ خود نہیں اٹھتی چاہے جو بھی چاہے سات۔ بشرطیکہ اس کی طبیعت ٹھیک ہو چنانچہ اپنی طبیعت کی طرف سے انہیں اس نے صبح اٹھتے ہی بلا دیا تھا۔

البتہ بلال اختر کی سنجیدگی اسے تھوڑا فکر مند کر رہی تھی کیسے وہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش میں کچھ زیادہ تو نہیں کہہ گئی جس سے فائدہ ہونے کی بجائے الٹا نقصان ہو گیا اور وہ اس کی باتوں سے متھوکی ہو گئے۔
جو بھی تھا وہ ان سے براہ راست پوچھ تو نہیں سکتی تھی اور اندازے اس کے اتنے اچھے تھے نہیں کہ وہ محض چہرے سے ان کے ذہن تک رسائی حاصل کر سکتی۔

لہذا ان کے دیکھنے کی پروا کیے بغیر اپنے پلان پر عمل کرتے ہوئے کہنے لگی۔
"مما اب میں نے مائنڈ سیٹ کر لیا ہے بلکہ کپ بورڈ میں سے چیزیں بھی نکال لی ہیں۔" ندیہ منمناتے ہوئے بولی اور اس سے پہلے کہ عائشہ اختر کچھ کہیں وہ اٹھتے ہوئے تھوڑے خوشامدی انداز میں بولی۔

"میں نہیں جھکوں گی اور اگر تھک گئی تو سو جاؤں گی جتنا بھی کام باقی ہو گا سہیے کا ویسا ہی چھوڑ دوں گی۔"
ندیہ کی بات پر عائشہ اختر رضامندی دینے والے انداز میں مسکرا دیں تو وہ تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گئی۔
مگر ابھی اس نے بیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ اسے لگا جیسے بلال اختر عائشہ اختر سے کچھ کہہ رہے ہوں۔

غیر ارادی طور پر وہ رک کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی۔
اپنا نام تو اس نے واضح طور پر سن کر انہوں نے کہا کیا وہ اس کی سمجھ میں نہ آیا ان کی بات کے خواب میں عائشہ اختر عجیب حیرت کرنے والے انداز میں کچھ بولیں لیکن ان کے الفاظ بھی وہ سن نہ سکی۔

دل تو چاہا وہ ایس پلٹ کر اور تھوڑا قریب جا کر بات سن لے مگر وہ دل پر جبر کرنی اپنے کمرے میں آگئی۔
کم از کم آج کے دن وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ پکڑے جانے پر وہ دونوں اس پر غصہ ہو جاتے۔
کمرے میں آکر اس نے ارادے کے مطابق الماری کے چھ کے چھ پٹ کھول کر سارے کپڑے نکال کر بستر پر ڈھیر کر دیے اسے یقین تھا اگر اس وقت عائشہ اختر اس کے کمرے میں آگئیں تو وہ سارے کپڑے ایک ساتھ نکال

کر پھیلا دینے پر ضرور اعتراض کریں گی اور کسی حد تک جانتی تھی کہ اگر وہ آئیں تو اتنا پھیلا دیکھ کر اسے کئی گھنٹوں کے لیے مصروف کچھ کر ڈھنڈھ بن کر رہیں یہ اور بات تھی کہ وہ دیکھنے کے بعد اس کے کمرے میں آگئی تھیں۔
تب تک اس نے صرف ایک ہی پٹ میں کپڑے سو فیور کئے تھے جبکہ باقی سارا سامان جوں کا توں بڑا تھا۔

"یہ کیا ندیہ پہلے ایک کپ بورڈ ٹھیک کر لیں پھر وہ سرا پھیلاتیں۔" انہوں نے پورے کمرے کو بے ترتیب دیکھ کر الجھن بھری نظر اس پر ڈالی۔
"نما اس طرح تو جس خانے میں جو چیز رکھی ہے میں اسے وہاں ہی رکھ دوں گی جبکہ مجھے ساری چیزیں اسی طرح رکھنی ہیں کہ فینسی کپڑے ایک طرف ہوں کچھ جوں کپڑے ایک جانب ہوں۔" ندیہ نے سوچا کچھ جواب دیا تو وہ ایک گرا سامان سمجھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اچھا میں ذرا سبز مجید کے گھر جا رہی ہوں وہاں سے پھر میں شاپنگ پر جاؤں گی مجھے کافی دیر ہو جائے گی تم لے کر لیتا۔" ندیہ الماری میں سے سر نکال کر حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔
اسے پہلے سے اگر ان کے اس پروگرام کا پتا ہوتا تو اسے یہ سب کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی ایسا لگا تھا جیسے کوئی بوجھ اس کے سر سے سرک گیا ہو وہ پر سکون انداز میں کہنے لگی۔

"مما میرا کھانے کا کوئی موڈ نہیں۔ آپ سب ملازموں کو کہہ دیں مجھے کوئی ٹھکانہ کرے میں بس یہ تھوڑے سے کپڑے رکھ کر سونے لیٹ رہی ہوں۔"
انہیں نے پہلے ہی کہا تھا تم چار بجے کی جاگی ہوئی ہو آج مت پھیلاؤ یہ سب اب تم سوؤ گی تو شام سے پہلے تو ہرگز نہیں اٹھو گی۔" ان کے کہنے پر ندیہ نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تو وہ بھی جانے کے لیے پلٹ گئیں اور جاتے جاتے حسب توقع اسے کوئی سینڈویچ وغیرہ کھا کر سونے کی ہدایت دیتی کمرے سے نکل گئیں۔

ندیہ ہاتھ میں پکڑے ڈیگرز ایک جانب ڈالتی کچھ دیر کے لیے بستر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔
خرم کے ساتھ اس طرح چھپ کر کسی فارم ہاؤس پر جانا ایک بہت ہی خطرناک فعل تھا اور ندیہ جیسی بوری اور کم ہمت لڑکی کے لیے تو یہ سب کرنا کسی پالڈ پر چڑھنے سے کم نہ تھا لیکن وہ اپنی زندگی کے اس ایسے ٹکڑے آج بھی وہ اس سارے کھیل کو سرے سے ختم کر دینا چاہتی تھی۔

اور اس کام میں خرم کے علاوہ کوئی اس کی مدد کرنے کے لیے آگے بڑھنا ہی نہیں تھا ورنہ اگر اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ ہوتا تو وہ اس طرح ایک اجنبی منہاجن شخص پر یقین کر کے اس کے ساتھ تنہا ہرگز نہ جاتی۔
وہ بے وقوف یا نادان نہیں تھی بس اپنی زندگی اور حالات سے بری طرح ہاپس ہو چکی تھی چنانچہ خرم اگر اندھیرے میں تھیں جیلا ہا تھا تو بھی وہ اس کا نشانہ خطانہ ہونے کی امید لگائے بیٹھی تھی۔

جانے کتنی دیر ندیہ ایسے ہی بستر پر بیٹھی خرم کے ساتھ جانے کی اور ملازموں سے نظر بچا کر گھر سے نکلنے کی ہمت جمع کرتی رہی اور اپنے فعل کے غلط نہ ہونے کی تاویلیں خود کو دیتی رہی پھر آخر وہ بستر سے ایسے اٹھی جیسے پورے خرم کے ساتھ آگے بڑھنے کا ارادہ ہو۔
مگر تبھی اس کے برابر میں رکھا ایک سوٹ جسے وہ ڈیگر کرنا بھول گئی تھی اور عائشہ اختر کے آنے پر بستر پر رکھ دیا تھا پھل کر زمین پر گر گیا۔

ندیہ کا آگے بڑھنا قدم رک گیا اس نے جبکہ کر سوٹ زمین سے اٹھایا اور جیسے ہی سیدھی ہوئی ٹھک گئی۔
اسے اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہوا۔
اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جبکہ کر جوڑا اٹھاتے وقت اسے وہم ہوا ہے یا واقعی اس کے بستر کے نیچے کوئی

چیز ہے۔

اسے اپنے پورے وجود پر چھوٹی چھوٹی چیزیں ریختی محسوس ہوئیں۔

ایک خوف اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرنا لگا۔
ہاتھ میں پکڑے جوڑے پر اس کی گرفت تکلیف دہ حد تک سخت ہو گئی۔ کافی دیر وہ اسی کیفیت کے زیر اثر اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی رہی آخر پڑی دیر بعد اس نے ہلکیں جھپکتے ہوئے اپنے سکتے کو توڑنے کی کوشش کی اور پھر جب اپنے جسم کو حرکت دینے کے قابل ہو گئی تب اس نے پلٹ کر وہ جوڑا جیسے تیسے الماری تک جا کر اس کے اندر رکھ دیا۔

وہ بستر کی جانب دیکھنے سے بھی گریزاں تھی اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا وہ اکثر شکلیہ کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی اور آہستہ آہستہ انہیں دہرانے لگی۔

"یہ صرف میرا وہم ہے۔"
"جس بستر کے نیچے کوئی نہیں ہے۔"
"مجھے وہم ہوا ہے۔"

ندویہ بولتی جاری تھی اور کپڑے الماری میں ٹھوسٹی جاری تھی یہاں تک کہ کرسی پر پڑے سارے کپڑے الماری میں چلے گئے اب مزید کپڑے اٹھانے کے لیے اسے بستر کے نزدیک جانا تھا جبکہ وہ تب سے بستر کی طرف پیٹھ کیے کھڑی تھی۔

اس نے آنکھیں موند کر ایک گھرا سانس کھینچا اور بستر کی جانب مغموم مٹی یہ اور بات تھی کہ اس کی نظریں اب بھی بند پر نہیں تھیں بلکہ وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔
بت ست روی سے چلتی وہ بستر کے نزدیک پہنچی تھی اور بستر پر سے کپڑے اٹھانے میں کامیاب ہوئی تھی جنہیں الماری میں لے جا کر رکھنے کے بعد جب وہ باہر پلٹی تو اپنی جگہ جم گئی۔

اگر بستر کے نیچے کچھ نہیں ہے اور یہ صرف اس کا وہم ہے تو پھر انا ڈرنے کی بجائے ایک بار بستر کے نیچے جھانک لینے میں کیا حرج ہے یہ سارا خوف فوراً ختم ہو جائے گا۔

کوئی اس کے اندر بول رہا تھا بلکہ چلا رہا تھا ندویہ ایک بار پھر اپنی ہمتیں مجتمع کرنے پر مجبور ہو گئی اپنے کمرے میں وہ اپنے ہی بند سے خوف کھا کر اس کمرے میں کہے نہ سکتی تھی لہذا اس خوف پر قابو پانا تو سخت ضروری تھا اور پھر انسانی فطرت بھی تو یہی ہے ایک بار کسی چیز کے لیے شک ہو جائے تو جب تک شک کی تصدیق یا تردید نہیں ہو جاتی وہ چین سے نہیں بیٹھتا۔

ندویہ بھی دل کڑا کرتی زمین پر سجدہ کرنے والے انداز میں بیٹھنے لگی وہ بستر سے خاصے قاصدے پر کھڑی تھی جیسے یہ خوف ہو کہ کوئی چیز بستر کے نیچے سے نکل کر اس پر حملہ کر دے گی۔

اس نے آیت الکرسی پڑھتے ہوئے گردن کو بہت ذرا سا گھما کر کن انکھیلوں سے بستر کے نیچے دیکھا تو اس کے سینے میں انکی سانس بڑے پرسکون انداز میں خارج ہو گئی۔

بستر کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا وہ بے اختیار ہی مسکرا دی اور سر جھپکتے ہوئے جیسے ہی سیدھی ہوئی اس کے منہ سے ایک جملہ دوزخ نکل گئی۔

وہ خوف سے تھر تھراتی بڑی تیزی سے پیچھے ہٹی تھی اس کی کمر پوری قوت سے الماری کے کھلے پٹ سے ٹکرائی تھی مگر پھر بھی وہ کی نہیں یہاں تک کہ پٹ نوردار توازن کے ساتھ بند ہو گیا مگر الماری سے لگی ہاتھی رہی۔

"کیا ہوا لی بی بی۔" ملازمہ کی توازن پر ندویہ نے گردن گھما کر دوازے کی طرف دیکھا اس کے پیچ پر ملازمہ کے ساتھ ساتھ مالی تھکھوڑا چلا آیا تھا۔

ندویہ کی خوف سے طعنی بن گئی تھی اس نے ایک ہر اس میں نظر ملازمہ پر ڈال کر جب بستر کی طرف دیکھا تھا تو بستر بالکل صاف تھا سوائے ان کپڑوں کے وہاں اور کچھ نہیں تھا جو ندویہ نے الماری میں سے نکال کر بستر پر ڈالے تھے۔

"بی بی جی آپ ٹھیک تو ہیں نا۔" ندویہ کو الماری سے خوف نہ انداز میں دیکھ کر ملازمہ اس کے قریب چلی آئی ندویہ دونوں گھٹنے سینے سے لگائے اور دونوں بازو گھٹنوں کے گرد پیٹھے بالکل گھٹی ہوئی کسی شاگ میں گھری بیٹھی تھی۔

ملازمہ کے کندھا ملانے پر وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

جو اس نے ابھی دیکھا تھا وہ بیان کرنا بے کار تھا ملازمہ اسے وہم کہہ کر اس پر یقین نہیں کرنے والی تھی یا اگر وہ اپنی کم تعلیم اور جہالت کے باعث بھوت ریت پر یقین کرتی بھی ہوگی تو بھی ان سب ملازموں کو ایسی باتیں ندویہ کے سامنے کرنے سے سختی سے منع کیا گیا تھا بلکہ ایک ماسی کو تو اس موضوع پر بات کرنے کی وجہ سے ملازمت سے نکال دیا گیا تھا۔

پھر بھلا انہیں کیا ضرورت تھی ندویہ سے کچھ کہہ کر اپنے روزگار پر لات مارنے کی۔
ندویہ سب جانتی تھی لہذا اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے "کچھ نہیں" کہا اور خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے فوراً اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"آپ کو پانی ملا دلی بی بی۔" آپ دوائی کھالیں۔ "ملازمہ کے مشورے پر ندویہ نے ٹھیک کر اسے دیکھا۔
"کیوں دوائی کیوں کھائیں۔" ندویہ جانتی تھی وہ کیا سوچ رہی ہے بھی چیز گریہ ہی سے بولی۔
"نہیں سو۔" آپ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے نا۔ "وہ ندویہ کو غصے میں آنادیکھ کر کچھ بول کھلا گئی۔

"کوئی طبیعت خراب نہیں ہو رہی میری۔ میں بالکل ٹھیک ہوں بلکہ میں سونے لیٹ رہی ہوں مجھے کوئی شک نہ کرے اگر کسی نے بھی میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ندویہ بھی غصہ نہیں کرتی تھی۔

مگر اس وقت اسے ملازمہ کے دوائی کھانے کا مشورہ دینے پر آگ لگ گئی تھی۔ سب لوگ اسے پاگل اور تار بختے ہیں یہ احساس اسے ہمیشہ تکلیف پہنچاتا تھا مگر آج تو اسے غصہ بھی آ گیا تھا۔

شاید اس لیے کہ اس کے مقابل اس کے والدین ڈاکٹر یا ٹیچر اور کلاس فیلوز کی بجائے اس کی ملازمہ کھڑی تھی۔ اسے بھی ندویہ کا یہ لب و لہجہ سننے کی عادت نہیں تھی وہ بھی بے نیازی سے کٹھنچے اچکالی "ٹھیک ہے جی" ایسے بول کر کمرے سے نکل گئی جیسے کہہ رہی ہو "ہمیں کیا بھڑا میں جاؤ۔"

ندویہ کچھ دیر تو بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر خود کو کچھ بھی سوچنے سے روکتی گھر سے نکلنے کی تیاری کرنے لگی۔ وہ انستہ اپنے بستر کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی پھر بھی وہ منظر بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔

جب وہ سیدھی ہوئی اور اسے بستر پر خون میں لت پت ایک لڑکی کی ملامش آڑی تر چھی بڑی نظر آئی۔ اس لڑکی کا چہرہ بکھرے بالوں کی وجہ سے وہ واضح طور پر نہیں دیکھ سکی مگر اس کا وجدان کہہ رہا تھا وہ شائستہ خالہ ی تھیں۔

اسے اپنے کمرے سے ڈر لگ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا لہجے کے ہزاروں حصے میں اس کمرے سے باہر نکل جائے۔

اسی خوف و گھبراہٹ میں اس نے پاؤں میں سینڈل پھسایا اور پرس اٹھاتی کمرے سے باہر آ گئی یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کا موبائل پرس میں نہیں ہے بلکہ سائیڈ ٹیبل پر چارج پر لگا ہے۔

اس کی ساری توجہ صرف کہیں سے اچانک نمودار ہو جانے والے ملازموں پر مبذول تھی۔ مگر کمرے سے نکل کر گزرنے تک آنے پر اسے احساس ہوا کہ مالکان کے نہ ہونے پر وہ سب بھی کام جیسا تھا ختم کر دیتے ہیں جیسی صرف کچن سے برتنوں کی آوازیں تری تھیں شاید خانہ سالن ابھی کام کر رہا تھا باقی سب غائب تھے۔

نذیرہ اللہ کا شکر ادا کرتی حیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی اور جیسے ہی باہر نکلی اس نے اپنا موبائل نکالنے کے لیے پرس کھولنا چاہا ہی تھا کہ گلی کے کونے میں خرم کی گاڑی کھڑی نظر آئی تو وہ تقریباً "دوڑنے والے انداز میں گاڑی کے پاس آئی اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی خرم نے اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اشارت کر دی۔

"کہاں رہ گئی تھیں۔" خرم نے موبائل جب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"میں تو ٹائم پر آئی ہوں۔ کیوں۔ کیا آپ فون کر رہے تھے۔" نذیرہ نے حیرانی سے کہا۔
"فون بھی کر رہا تھا اور مسیج بھی کیا تھا ساڑھے بارہ بج رہے ہیں جہاں ہمیں جانا ہے۔ جبکہ بھی خاصی دیر ہے چار گھنٹے تو صرف آنے جانے میں لگ جائیں گے۔" خرم نے گاڑی کی اسپینڈر بھانپتے ہوئے کہا۔

"پھر تو ہمیں اور جلدی لکھنا چاہیے تھا اب تو واپسی میں شام ہو جائے گی۔" نذیرہ نے پریشانی سے کہا۔
"تم نے جو ٹائم بتایا تھا میں تو اس سے بھی کچھ پہلے آگیا تھا تم ہی لیٹ آئی ہو۔" خرم کی بات پر نذیرہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔
اپنی گھڑی دیکھ کر خود اسے بھی حیرانی ہوئی تھی وہ تو سمجھ رہی تھی ابھی کیا معجزہ رہے ہوں گے اس کے خیال میں تو وہ بھی جلدی وقت سے پہلے نکل آئی تھی پھر یہ ڈیڑھ گھنٹہ سچ میں کہاں گزر گیا شاید الماری ٹھیک کرنے میں اسے ٹائم کا اندازہ نہیں ہوا۔

جو بھی تھا وہ عائشہ اختر کی واپسی سے پہلے ہر حال میں گھر پہنچ جانے کی دعائیں مانگنے لگی اور یہ اس کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ خرم نے اتنی تیز ڈرائیونگ کی تھی کہ وہ کھٹنے کی بجائے محض سوا گھنٹے میں وہ قارم ہاؤس کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔

خرم نے حمید کے والد سے فون کر کے کہا کہ وہ سارے دوستوں کو ایک سربراہان پارٹی دینا چاہتا ہے اپنی سالگرہ پر جس کے لیے اسے ان کا قارم ہاؤس چاہیے ہو گا۔

انہیں بھلا کیا اعتراض ہو مانسوں نے تو رات ۱۱ بجائے وہی خرم کی پوری فیملی کو جانتے تھے خرم بھی ان کی طرح خاندانی رئیس تھا اور انہیں بیٹے کے ایسے دوست بہت پسند تھے جو ان کے سرکل میں اچھی شان و شوکت رکھتے ہوں۔

اجازت ملتے ہی خرم نے ان سے کہہ دیا کہ پارٹی تو دیکھ اینڈ پریوگی لیکن اس کے انتظامات کے لیے اسے کل وہ سہر میں جانا ہو گا۔

حمید کے والد نے اسی وقت اپنے قارم ہاؤس کے گاڑڈو فیو کو فون کر دیا کہ خرم آئے تو کوئی اسے پریشان نہ کرے بلکہ اسے جس چیز کی ضرورت ہو میا کر دی جائے۔ یہی نہیں انہوں نے اس کے سربراہان کو برقرار رکھنے کے لیے مکمل رازداری کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔

وہ ایسا وعدہ نہ بھی کرتے تب بھی خرم کو کوئی خاص پروا نہیں تھی ایک بار وہ جبکہ نذیرہ کو دکھا کہ معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا آگے اس کے بارے میں کوئی کیا سوچ رہا ہے اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

اس نے تو یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ جبکہ ایک لڑکی کو لے کر قارم ہاؤس پر پہنچے گا تو وہاں موجود گاڑڈو فیو اس کے کردار کی طرف سے محکوک ہو جائیں گے اور وہ اس بات کی شکایت حمید کے والد سے بھی کر سکتے ہیں تب وہ

اس کے بارے میں کیا سوچیں گے یا پھر دیکھ اینڈ پریو جبکہ کوئی پارٹی نہیں رکھے گا تب وہ اس کی غلط بیانی پر اس سے بدگمان ہو جائیں گے۔

اتنے سوچنے کی اس نے زحمت ہی نہیں کی تھی اسے تو بس ایک ہی خیال آیا تھا کہ اگر حمید کے والد کے قارم ہاؤس سے کوئی لاش برآمد ہوگی تو وہ اسی وقت پولیس کو فون کرے گا بلکہ فرقان حسن کے دوست جو ایسی ایج ایڈ ہیں انہیں بلا لے گا کیس ایسا نہ ہو حمید کے والد اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کیس کو حل ہونے سے پہلے ہی دبا دیں۔

گاڑی ایک جگہ پارک کر کے وہ نذیرہ کو لے کر قارم ہاؤس کے پچھلے حصے کی جانب چلا گیا وہ جبکہ رست ہاؤس کے پچھلے طرف ہونے کے باعث زیادہ تر دوران سی تھی اور قارم ہاؤس جتنی شاندار نہیں تھی۔

نشین پر جبکہ جگہ گھاس بھی موجود نہیں تھی اور پھر وہیں پچھلی طرف ایک بہت بڑا اسٹور موجود تھا جہاں قارم ہاؤس کی مرمت اور تعمیر کا مختلف سامان ڈھیر کی صورت میں جمع تھا کچھ سامان کمرے کے باہر بھی موجود تھا جس میں زیادہ تر چیزیں باغبانی سے متعلق تھیں۔

اس احاطے میں قدم رکھتے ہی نذیرہ کے ہاؤس اپنی جگہ جم گئے اس کے سامنے عین وہی منظر تھا جس کی منظر کشی اس نے اس سہرین انداز میں کی تھی کہ خرم کی آنکھوں کے سامنے پورا منظر زندہ کر دیا تھا۔

ایک بڑا سادہ درخت جس کے آس پاس کی پوری زمین کچی تھی درخت کے پیچھے قارم ہاؤس کی طویل دیوار تھی جس پر لائٹ گرین گھر ہوا تھا اور اس دیوار کے اوپر وہی لائٹ گرین کھڑکی گرل جو قارم ہاؤس کی دیوار کو اونچا کر کے محفوظ کرنے کے لیے لگائی گئی تھی۔

نذیرہ مشینی انداز میں چلتی اس درخت کے پاس آ کر اس کی نظریں زمین پر ایک جگہ گڑی ہوئی تھیں جبکہ اس کے چہرے پر خوف اور بے یقینی کے آثار نمایاں تھے وہ انگلی سے زمین کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگی مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

خرم جانتا تھا کہ کیا کہنا چاہ رہی ہے مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیا کرنا چاہیے اس نے ایک نظر چاروں طرف پھیلے سنانے پر ڈالی اور پھر اسٹور کے باہر رکھے باغبانی کے سامان میں سے ایک کدال اٹھا کر اس جگہ کی کھدائی شروع کر دی۔

اسے یقین تھا قارم ہاؤس کا کوئی بھی ملازم اس کی جاسوسی کرنے اس کے پیچھے نہیں آئے گا کیونکہ وہ لوگ خرم کو جانتے تھے وہاں بہت بار حمید کے ساتھ آچکا تھا۔

پھر بھی اگر کوئی آجاتا تو وہ اسے با آسانی مطمئن کر سکتا تھا یہ کہہ کر کہ پارٹی والے دن وہ حمید کے ساتھ ایک گیم کھیلنے والے ہیں جس کے لیے یہ گڑھا کھودنا ضروری ہے اور پھر حمید کے والد نے خود فون کر کے تاکید کی تھی کہ اسے کوئی پریشان نہ کرے چنانچہ ایسی ہدایت کا کوئی امکان نہیں تھا۔

نذیرہ دھڑکتے دل کے ساتھ خرم کو زمین کھودتا دیکھتی رہی اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اس کی مدد ہی کر دیتی بلکہ اس کی ٹانگوں میں تو کھڑے ہونے کی بھی سکت نہیں رہی تھی تو وہ وہیں دوڑا تو بیٹھ گئی۔

اس پر ایک عجیب سا خوف طاری تھا جیسے ہی خرم کدال سے زمین پر چوٹ مارا اس کا دل ٹھہر سا جاتا تھا ہر بار اسے لگتا کہ اب کی بار کدال کے ساتھ کوئی کپڑا بھی کھینچا ہوا باہر آجائے گا۔ حالانکہ شائستہ خالہ کی موت کو ایک زمانہ ہو گیا تھا اب تک تو ان کے کپڑے گل سڑ گئے ہوں گے۔

مگر ایک گھنٹہ گزر گیا خرم زمین کھودتے کھودتے ہانپنے لگا اس نے اچھا خاصا کمر گڑھا کھود لیا تھا اور بالا خر

جھٹلائے ہوئے انداز میں کڑھے سے باہر نکل آیا کہ ال ایک جانب خصے سے اچھل کر وہ زمین پر گرنے والے انداز میں بیٹھ کر گہرے گہرے سانس کھینچنے لگا۔

بے زاری اور کوفت اس کے چہرے سے عیاں تھی ندیہ کچھ شرمندہ سے انداز میں اسے دیکھنے لگی خرم کی جھٹلاہٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اس کی بات پر یقین کر کے سخت ہچکچاتا رہا ہے۔
جبکہ ندیہ کو لگ رہا تھا کہ اگر وہ مزید کھدائی کرے تو تو یقیناً "شائستہ خاں" کی لاش پر کد ہو جائے گی اسے سو فیصد یقین تھا وہ لاش یہیں ہے وہ اس جگہ کبھی نہیں آئی تھی لیکن وہ اس جگہ کو دیکھ چکی تھی جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ لاش یہیں دفن ہے۔

وہ کچھ دیر خرم کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر ہمت کر کے خود ہی کڑھے کی طرف بڑھنے لگی۔
خرم کا سانس اب قدرے بہتر ہو گیا تھا۔ ندیہ کو کہ ال اٹھا تا دیکھ کر وہ لب بچنے اسے دیکھے گی انہی تو چاہا اسے لٹا کر رکھ دے مگر اسے ندیہ سے زیادہ اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا جو ایک پاگل کی بات پر اتنی بد چلا آیا اور اگر کسی کے غار میں اس کی کھدائی کرنے میں ملے۔

انہی بے وقوفی پر اسے اپنے آپ سے خجالت ہو رہی تھی جس پر وہ سوائے دل ہی دل میں تھملانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ندیہ نے کہ ال اٹھا کر زمین پر مائل چاہی مگر وہ اتنی ذہنی تھی کہ ندیہ پوری قوت استعمال کرنے کے باوجود اسے اندازہ سکی اور صرف لڑکھڑا کر رہ گئی۔ کڑھا کھوٹا تو دور کی بات تھی۔

خرم کے لبوں پر طعنے مسکراہٹ دوڑ گئی کچھ دیر تو وہ اس کا اتناڑی بن دکھتا رہا پھر بھٹا کر کھڑا ہو گیا۔
"ندیہ Just leave it یہاں کوئی لاش واش نہیں ہے۔ چلو ابس چلتے ہیں۔ مستحضر ہو گئی ہے۔"
"مجھے یقین ہے وہ لاش یہیں ہے اگر ہم۔"

ندیہ منمنالی مگر خرم بھٹ پڑا۔
"شٹ اپ اینڈ لٹس گو"

(Shut up and let's go) خرم اچھے خصے سے بولا تھا کہ ندیہ بحث نہ کر سکی اور دل مسوتے ہوئے اٹھ گئی جاتے جاتے اس نے ایک بار پھر اس قبر کی طرف دیکھا تھا مگر خرم کا موڑ اتنا خراب تھا کہ وہ کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔

ابھی وہ گاڑی کے قریب آئے ہی تھے کہ خرم کا موبائل بج اٹھا ایک Unknown نمبر دیکھ کر پہلے تو خرم نے سوچا لائن کا بندے مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے موبائل کلن سے لگا لیا وہ سری طرف آواز بھی اجبھی تھی۔

"کیا میں خرم سے بات کر سکتا ہوں؟"
"خرم آپ کینگ۔" خرم بولا۔

"میں ندیہ کا والد ہوں رہا ہوں ندیہ سے میری بات کراؤ۔"

(باقی اسی صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

❖ ❖

دستِ گداز

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی مدد نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر فدیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ جس میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کان میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی پھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی مدد کو بلائے اور مدد کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگومیل، سسٹل اور نعل کو پونہ رشی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نعل ان دونوں کو پھل میں لچکی دے دیتی ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ٹوکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی بیسہ غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس پھل میں بیچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فدیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک شائستہ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

۳۱
اکیسویں قسط



بلال اختر کا لوجہ اتنا حتمی تھا جیسے وہ فون پر ہم کلام نہ ہوں بلکہ خرم کے دیرینہ کھڑے ہوں اور ندیہ کو اس کے ساتھ موجود دیکھ رہے ہوں۔

خرم نے کچھ چونک کر ندیہ کو دکھا اسے معلوم تھا ندیہ گھر میں بتائے بغیر اس کے ساتھ آئی تھی پھر انہیں کیسے پتا چلا کہ ندیہ اس وقت کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔

دوسرے یہ کہ ان کے پاس خرم کا نمبر ہوتا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ وہ ہوا میں تیر نہیں چلا رہے بلکہ کسی یقین کے پیش نظر ہی اس سے مخاطب ہیں۔

"ہیلو خرم! میں نے کہا ہے میری ندیہ سے بات کرو فوراً" ان کا برہم سالجہ خرم کی سماعت سے نکلیا تو اس نے بغیر کس تامل کے ندیہ کی طرف موبائل پر مہیا کیا۔

اسے بھلا اس سارے پھیلے میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی وہ اگر جانتے تھے کہ ندیہ اس کے ساتھ ہے تو اسے خواہ مخواہ کا جھوٹ بول کر خود کو بلکان نہیں کرتا تھا۔

یہ سب ندیہ کا درد سر تھا لہذا اس نے اسے ہی نیٹے کو دے دیا۔
ندیہ اس کے موبائل دینے پر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے قادر کا فون ہے۔" خرم نے نہایت دھیمی آواز میں کہا مگر ندیہ کی سماعت پر جیسے کوئی پہنچا ہوا ایسا دھماکا ہوا۔

وہ آنکھیں پھاڑ کر خرم کو ایسے دیکھنے لگی جیسے اس کی معافی حالت پر شک ہو رہا ہو۔
"بات کرو تیل و عدت کر رہے ہیں۔"

"نہیں۔ تمہارا دل غم تو ٹھیک ہے۔" ندیہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی وہ اتنی دھیمی آواز میں بولی تھی کہ خرم بمشکل سن پایا تھا پھر بھی اس نے موبائل کے اسپیکر پر انگلی رکھ دی اور رسائی سے کہنے لگا۔

"انہیں پتا ہے تم میرے ساتھ ہو۔ اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بات کرو ان کی ٹینشن دور ہو جائے گی۔"

"مگر۔ انہیں کیسے پتا چل سکتا ہے۔ تم تم فون بند کر دو بلکہ ان سے۔ ان سے پوچھو کہ انہوں نے تمہیں کیوں فون کیا اور۔ اور ان کے پاس تمہارا نمبر کہاں سے آیا۔" ندیہ بری طرح ہکلاتے ہوئے ہراساں انداز میں بولی۔

"یہ سب سوال تم خود کر لو۔" خرم بے زاری سے بولا موبائل کان سے ہٹا ہونے کے باوجود اسے بلال اختر کا مسلسل ہیلو بیلو کرنا صاف سنائی دے رہا تھا۔

خرم کی بات پر ندیہ خوفزدہ نظروں موبائل کو دیکھتے ہوئے سر نہر نہر سے نفی میں ہلانے لگی۔
خرم اس صورت حال پر تپ کر رہ گیا اس نے بلال اختر سے بات کرنے کے بجائے موبائل آف کر دیا اور نہایت جیسے گاڑی کا دروازہ کھولنا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

ندیہ نے اس کے تیر دیکھ کر جلدی سے اس کی تنقید کی پھر سارے راستے اسے نہایت رش ڈرائیو تک کرنا دیکھ کر بھی خاموش بیٹھی رہی ایک طرح سے وہ یہاں موجود ہو کر بھی یہاں موجود نہیں تھی اس کا ذہن مسلسل بلال اختر کے فون کے متعلق سوچ رہا تھا۔

انہیں بھلا کیسے پتا چل گیا اور اگر پتا چل ہی گیا ہے تو اب گھر پہنچ کر اسے کیا کرنا ہو گا وہ کیسے انہیں سمجھائے گی۔ سوچ سوچ کر اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا اس کی ہر حرکت اس کے شدید نفوس ہونے کو ظاہر کر رہی تھی بری طرح باتوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے مسلاتا بار بار ٹھیک تھا۔ بندھے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑھٹا ہونٹ چبانا اور آنکھوں میں تلی نمی کو پلکیں جھپکا کر پینے کی کوشش کرنا۔

خرم دیکھ تو رہا تھا مگر اس کا تسلی دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا ایک تو وہ اس کی بات پر یقین کر کے فارم ہاؤس جانے پر ہی طرح بچتا رہا تھا۔

دوسرے ندیہ کے گھر والوں کے سب جان جانے پر وہ لوگ جس طرح اس کے اور ندیہ کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے اس سے بھی اسے شدید کوفت ہو رہی تھی۔

ندیہ اگر بلال اختر سے بات کر لیتی تو شاید وہ who cares سوچ کر بلال اختر کے اپنے متعلق لگائے اندازوں کو ہلکا کرتا۔

مگر ندیہ نے اس طرح منہ چھپا کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کا خرم کے ساتھ ہونا ایک مستی معیوب حرکت جس پر بات کرنا اس سے بھی خطرناک تھا۔

ندیہ کا یہ انداز اس کی جھنجھلاہٹ میں اضافہ کر رہا تھا آخر کافی دیر بعد اس نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔
"تمہارے قادر نے تمہیں تمہارے موبائل پر فون کیوں نہیں کیا تم کیسے بھی جانتی ہو اور کسی کے ساتھ بھی جاتی ہو انہیں صرف تم سے باز پرس کرنی چاہیے تاکہ دوسرے لوگوں کو پریشان کیا جائے۔" اس کی بات پر ندیہ

بھین بھری نظروں سے اسے دیکھ کر وہ کئی بھیجی خرم کچھ جو نکلا ہوا ہوا۔
"تمہارا موبائل کیس ساٹلٹ پر تو نہیں ہے تم میرا فون بھی اینڈ نہیں کر رہی تھیں۔" اس کے پوچھنے پر ندیہ

بھین بھین کھولتے ہوئے کہنے لگی۔
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انہوں نے مجھے فون کیا یا نہیں لیکن ان کے پاس تمہارا نمبر کیسے آیا اور انہیں

کیسے پتا چلا کہ میں تمہارا ساتھ ہوں۔"

اب میں گھر جا کر ان سے کیا کہوں گی۔" ندیہ موبائل تلاش کرتے ہوئے رندمی ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔

"میں تمہیں گھر سے لا رہا ہوں اگر گھر کے پاس کوئی پارک ہو تو تم کہہ دینا کہ میں واک کرنے گئی۔" خرم نے اپرواکی سے کہا۔

"وہ لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہیں اور پاپا کا تمہیں فون کرنے کا مطلب یہی ہے کہ انہیں یقین ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

کیس انہوں نے راستے میں ہمیں کیس دیکھ تو نہیں لیا۔" ندیہ نے موبائل تلاش کرنے کی کوشش ترک کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا پتا" خرم نے عدہ دہی سے موز کاٹنے کے لیے اسٹیرنگ گھمایا۔
"لگتا ہے میں اپنا موبائل گھر پر ہی بھول آئی ہوں!" ندیہ نے پرس بند کیا اور بیڑا نولے انداز میں بولی۔

"کیس تمہارا موبائل تمہارے پیپا کے ہاتھ تو نہیں لگ گیا اس پر میں نے کال کی تھی اور مسج کیا تھا تم کب

اس میں باہر تمہارا ریٹ کر رہا ہوں۔" خرم نے پر سوچ انداز میں کہا تو ندیہ ایسے چوگی جیسے اس کی بات کے سچ ہونے کا یقین ہو۔

وہ خوفزدہ نظروں سے خرم کو دیکھتی چلی گئی اس کی گھبراہٹ میں کئی کئی اضافہ ہو گیا اسے بالکل روہنا ہوتا دیکھ کر خرم نے بڑی کھوکھلی سی تسلی دی۔

"تمہارے پیپا تو اس وقت آفس میں ہوتے ہیں موبائل تو تم گھر پر بھولی ہو۔" ندیہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بے چینی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"اگر لا من مل جاتی تو ہم بتا بھی دیتے ہم کہاں گئے تھے اب کچھ کیس کے تو تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی

پاکل سمجھیں گے۔ "خرم نے منہ ہاتھ ہوتے کہا۔

ندبیہ اس پر ایک زخمی سی نظر ڈال کر رہ گئی اس پر اسے لگا کہیں خرم بھی دوسروں کی طرح جاگل تو نہیں سمجھا لیکن وہ تو خود شاکستہ خال کی مدح جو کچھ چکا ہے وہ چلا ایسا کیوں سوچے گا۔
خرم نے اس کے گھر سے کافی دور جب گاڑی روکی تو ندبیہ اترنے کے بجائے در سے اپنے گھر کی کھلی کوریجی رہی۔

"کیا میں چلوں۔" خرم اس کے چہرے پر پھیلے اضطراب کو دیکھتے ہوئے بولا تو ندبیہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔
"نہیں، نہیں تم جو کچھ کر رہے ہو وہی بہت ہے خواہ مخواہ کیا تمہیں کچھ انسانی سیدھا بول دیں گے تو مجھے اور شرمندگی ہوگی۔" ندبیہ کے لہجے میں شدید مذمت تھی خرم جب ہو کر رہ گیا۔
جو اس نے ندبیہ کے ساتھ کیا تھا اس کے سامنے آج کی یہ محنت کچھ بھی نہیں تھی۔

ندبیہ دل کڑا کر گئی اترنے لگی تو خرم بے اختیار بول اٹھا۔
"میں یہیں انتظار کر رہا ہوں اگر بات زیادہ بگڑے تو مجھے فون کر کے بلا لیتا۔" ندبیہ صرف سر ہلا کر رہ گئی اس نے نہیں کہا کہ۔

"اگر تمہیں بلا لیا تو بات زیادہ بگڑ جائے گی۔" وہ ماتھے پر آئے سینے کو پونچھتی گھر کے گیٹ کے سامنے آگئی ہوئی۔
گھر میں داخل ہونے کے لیے وہ پہلے ہی چابی لے کر نکلی تھی لہذا گیٹ کھولنے میں اسے کوئی وقت نہیں ہوئی۔
اپنے گھر کے وسیع و عریض لان میں کھڑے ہو کر وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی کہ بلال اختر اور عائشہ اس وقت گھر کے کس حصے میں موجود ہوں گے۔

زیادہ امکان یہی تھا کہ وہ دونوں نیچے لاؤنج میں ہوں گے لہذا وہ سامنے والے دروازے سے داخل ہونے کی بجائے گھر کے پچھلے حصے کی طرف بڑھ گئی جہاں سے وہ کچن کے دروازے سے آرام سے گھر میں داخل ہو سکتی تھی۔

سوا چار بج رہے تھے کچن سے سارا کام سمیٹ کر ملازم کچن کی جی بجھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے ہوں گے البتہ کچن کا دروازہ اس لیے کھلا چھوڑ گئے ہوں گے کہ ساڑھے پانچ بجے بغیر کسی کو پریشان کیے وہ خود ہی دروازہ کھول کر کام پر واپس آسکیں اور عائشہ اختر کو چائے وغیرہ دے سکیں۔

چنانچہ کچن کا دروازہ کھول کر وہ بڑی احتیاط سے اندر داخل ہوئی کچن حسب توقع خالی تھا اور چاروں طرف پھیلا منجمد سناٹا گواہی دے رہا تھا کہ باہر لاؤنج میں بھی کوئی نہیں ہے۔

ندبیہ موقع کا فائدہ اٹھاتی جلدی سے کچن سے باہر نکلی اور زینے کی طرف بڑھ گئی وہ کسی کی بھی نظر نہ آنے سے پہلے اپنے کمرے میں داخل ہو جانا چاہتی تھی اور آج تو قسمت بھی اس کا خوب ساتھ دے رہی تھی جو زینے سے لے کر دروازے تک اسے کوئی بھی نظر نہ آیا یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔

مگر کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کا اور کاسٹس اوپر اور نیچے کاسٹس نیچے رہ گیا۔
بلال اختر اور عائشہ اختر دونوں اس کے کمرے میں موجود تھے۔

عائشہ اختر بستر پر ٹانگس لٹکائے بیٹھی تھیں جبکہ بلال اختر ان کے سامنے ہاتھ میں موبائل پکڑے اس طرح کھڑے تھے جیسے ابھی ابھی کسی سے بات کر کے فارغ ہوئے ہوں اور اس کا لب لباب عائشہ اختر کو سنا رہے ہوں۔

ندبیہ پر پہلے عائشہ اختر کی نظریں پڑیں اس نے ان کے چہرے پر واضح طور پر اطمینان پھیلنے دیکھا تھا اور بلال اختر کی

پہلے ہاتھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"ندبیہ کہاں تھیں تم۔" عائشہ اختر نے بے قراری سے پوچھا اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف بڑھتی بلال

نے بھی ٹھیک تو ہونا بیٹا۔ "ان کے لہجے میں غیر معمولی محبت تھی۔
"جی۔ نی۔" ندبیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیا کہنا چاہیے جبکہ بلال اختر اس کے قریب آکر اسے

سنا رہے تھے ہاتھ ہوتے ہوئے بولے۔
"تمہاری ماما کی تو عادت ہے بلاوجہ پریشان ہو جانے کی۔ تمہاری شاید طبیعت خراب ہو گئی تھی ملازمہ نے گھبرا

ہٹھاری ماما کو فون کیا انہیں گھر آکر جب تم کہیں نظر نہ آئیں تو انہوں نے مجھے فون کر دیا۔
اور میری ممانعت دیکھو کہ میں بھی آفس سے اٹھ کر فوراً ہی آگیا تمہاری ماما سے کہا بھی نہیں کہ اوپر چھت پر یا

جیسے سوئٹ کو آرٹریک چھت پر جا کر دیکھیں تم فراغت کے ٹائم میں یہیں چلی جاتی ہو۔ میں بھی دوڑا دوڑا کر آگیا۔
کہاں چھت پر تھیں بلال اختر چھت پر کھڑے ہونے والے انداز میں بول رہے تھے۔
ندبیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہیں جب انہیں پتا ہے کہ وہ خرم کے

ساتھ کھیل اپنے کمرے میں بھی وہ سینٹرل پینے اور پرس لٹکائے داخل ہوئی ہے صاف ظاہر ہو رہا ہے وہ چھت پر

کھیل رہی بلکہ باہر سے آ رہی ہے پھر وہ اس طرح کیوں پیش آ رہے تھے ندبیہ ان کی منطق تو نہیں سمجھتی تھی البتہ

توڑی سی پرسکون ہو گئی تھی کہ وہ ان کے ممکنہ سوالوں سے بچ گئی ہے اس کا سر خود بخود اثبات میں مل گیا۔
"دیکھا میں نے پہلے ہی کہا تھا مگر تم مانتی ہی نہیں ہو۔" بلال اختر بہت پر جوش انداز میں عائشہ اختر کی جانب

پہنچے۔
حالاںکہ بلال اختر کی ندبیہ کی جانب کمر تھی پھر بھی وہ پورے سو وقت سے کہہ سکتی تھی کہ بلال اختر نے عائشہ اختر کو

کیا اشارہ کیا تھا۔ شاید خاموش رہنے کا۔
کیونکہ عائشہ اختر ان کا اشارہ دیتے ہی کھڑی ہو گئی تھیں وہ بھی اس کے گال کو بڑے دلا ر سے تھپکتی اور پیار

پھر چار جیلے بولتی آگے بڑھ گئیں۔
ان دونوں کے کمرے سے جانے کے بعد بھی ندبیہ کتنی دیر اپنی جگہ جمی رہی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس

کو والدین اس سے باز پرس کیے بغیر اس کے کمرے سے کیوں چلے گئے۔
اگر انہوں نے خرم کو فون نہ کیا ہو تو وہ یہ سمجھ لیتی کہ انہیں اس کا گھر سے باہر جانا پڑا ہی نہیں چلا لیکن اب وہ

اس کی تامل خود کو نہیں دے سکتی تھی جس سے بلال اختر اور عائشہ اختر کے رویے کی وضاحت ہوتی۔
وہ سوال جواب سے بچ جانے کے باوجود ایک الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی جسے وہ دونوں ہی دور کر سکتے تھے جبکہ ان

کو کچھ پوچھنے کی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی اچھا ہی تھا اگر یہ باب یہیں بند ہو رہا تھا اسے کیا ضرورت تھی وہی

بند ہو دینے کی۔
لیکن جب وہ وہاں بھی نہ ملی تو عائشہ اختر اسے سارے گھر میں تلاش کرنے لگیں مگر تمام ملازم اور عائشہ اختر

گھٹنے بھر کی کوشش کے بعد بھی کامیاب نہ ہوئے تب عائشہ اختر نے بری طرح روتے ہوئے بلال اختر کو فون کیا۔
بھی گھبرا کر اپنی مینٹل کینسل کر کے آگئے آتے ہی انہوں نے ندیہ کے موبائل پر کال کی تو عائشہ اختر نے چڑکھتا ہوا۔

”موبائل اس کا سائیڈ فیمیل پر ہی رکھا ہے میں پہلے ہی فون کر چکی ہوں تبھی تو کہہ رہی ہوں وہ گھر پر ہی ہے۔
کیس باہر نہیں گئی۔“ بلال اختر نے کچھ سوچتے ہوئے اس کا موبائل سائیڈ فیمیل پر سے اٹھا کر چاند جیٹ اٹک گیا
اور اس کی سڈ کاڑھ کھینے لگے۔ جس ان کے اور عائشہ اختر کے علاوہ ایک اور نام کی تین سڈ کاڑھ موجود تھیں۔
خرم کا نام بڑھ کر وہ بری طرح چونک اٹھی انہوں نے نام نہاد کھاتوہ تھیل کاڑھ عائشہ اختر کے فون کرنے سے پہلے
کی تھیل کی تھیں اس کے نام کا ایک مسج بھی موجود تھا جسے کھول کر پڑھنے پر ان کا دل گھوم گیا۔

اس مسج کے مطابق تو ندیہ اس لڑکے کے ساتھ کیس باہر جا رہی تھی اور وہ باہر گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا
تھا انہوں نے فوراً اپنے موبائل سے خرم کو کال کی تاکہ وہ ندیہ کا ممبر دیکھ کر ہوشیار نہ ہو جائے۔
حسب توقع خرم نے انجان بھر کی کال بڑی بے پرواہی سے رسوا کر لی البتہ اس وقت انہیں شدید حیرت ہوئی
جب ان کے تعارف کرا کر ندیہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کرنے پر خرم کے کسی انداز سے اس کا ہڑبانا ظاہر
نہیں ہوا پھر بھی انہیں اس کی خاموشی پر غصہ آگیا تو انہوں نے قدرے سختی سے اپنا مطالبہ پھر دیا۔

خرم اب بھی کچھ بولا نہیں مگر کچھ آوازیں ان کی سماعتوں سے ضرور گزرائیں جو اتنی سرگوشیاں تھیں کہ وہ
ٹھیک طرح سے الفاظ سمجھ نہ سکے مگر یہ اندازہ انہیں بخوبی ہو گیا کہ خرم ندیہ کو بات کرنے کے لیے گھر رہا ہے مگر
وہ انکار کر رہی ہے پھر اچانک اس نے ڈسکنکٹ ہو گئی اور اس کے بعد خرم کا فون سوچ آف آنے لگا۔

دوسری طرف عائشہ اختر انہیں کسی سے فون پر ندیہ سے بات کرنے پر اصرار کرتا دیکھ کر ان کے نزدیک چلی
آئیں اور۔ ”کون ہے کس سے بات کر رہے ہیں۔“ کی تکرار کرنے لگیں تو بلال اختر نے تنگ آکر فون بند کر دیا اور
خرم کے بارے میں انہیں مختصراً بتا دیا۔

جسے سن کر وہ توفیق ہوتے چرے کے ساتھ بستر پر بیٹھتی چلی گئیں۔
”میری بیٹی اور ایک لڑکے کے ساتھ۔“ ان پر تو جیسے آسمان گر پڑا تھا۔

”وہ کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے۔ تم نے تو شاید اسے دیکھا نہیں بہت گڈ لکننگ ہے وہ۔ اور سب سے بڑھ کر
فرقان حسن کا اکلوتا بیٹا ہے۔“

خاندان حسب نسب دولت و جاہت کسی چیز میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ”بلال اختر بہت کھوئے کھوئے
لبے میں بول رہے تھے عائشہ اختر چیخ پڑیں۔

”بھاڑ میں جائے اس کی دولت اور جاہت۔ جس نے میری بیٹی کو درغلا لیا میں لعنت بھیجتی ہوں اس کے
حسب نسب پر۔“

”تم یہ کہنے لگے ہو کہ وہ ندیہ کو درغلا رہا ہے آج کل لڑکے لڑکیاں شادی سے پہلے ڈش مارتے ہیں اگر وہ
ندیہ کے لیے یہ پس ہے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔“

”بلال آپ ہوش میں تو ہیں آپ کی جوان بیٹی ایک غیر لڑکے کے ساتھ ہے اور آپ۔“
”وہ کوئی غیر نہیں ہے میں اس لڑکے کے گھر کا پتا تک جانتا ہوں میں اگر چاہوں تو ابھی اور اسی وقت اس کے
پاس پولیس لے کر پہنچ سکتا ہوں۔“

لیکن میں بات خراب نہیں کرنا چاہتا۔ خصوصاً ڈاکٹر خلیلہ کو فون کرتا ہوں۔ ”بلال اختر نے کچھ چمکتے ہوئے
ڈاکٹر خلیلہ کا ممبر تلاش کرنا شروع کر دیا جبکہ عائشہ اختر کی بے قراری کو کسی طرح قرار نہیں آ رہا تھا۔

بلال خدا کے لیے کچھ تو موقع کی نزاکت کو سمجھیں اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اس سے پہلے کہ ہماری
کے ساتھ کوئی انہوں ہو جائے آپ خرم کے والد کو فون کریں۔
ڈاکٹر خلیلہ کو ان باتوں میں انوالو کر کے آپ کیوں اسے اس کیڈلائز کر رہے ہیں آخر آپ میری بات کیوں نہیں
سمجھتے۔“ عائشہ اختر کستی چلی گئیں اور بلال اختر ڈاکٹر خلیلہ کے فون ریسو کرنے پر انہیں ساری تفصیل سے
کہنے لگے۔

ان کا رد عمل کچھ ملاحظہ ساتھ ان کے لیے بھی ندیہ کا ایک لڑکے کے ساتھ ہونا خاصا حیران کن تھا وہ ندیہ کی
سے فکر مند بھی ہو گئی تھیں مگر ان کی تشویش میں اس وقت کی آگئی جب انہوں نے خرم کے بیک گراؤنڈ
کے بارے میں سنا۔

”اسی ہائی کال فیمیلز میں ایسے الیمنٹز کوئی بہت بڑی بات نہیں ہوتے بلکہ میں تو کموں کی خرم کے خلاف کوئی
کیشن لینے سے پہلے ان دونوں کے بیچ تعلقات کی نوعیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔“ ڈاکٹر خلیلہ بڑی سنجیدگی
سے بول رہی تھیں۔

”ڈاکٹر اس کے لیے وقت چاہیے جبکہ ندیہ ابھی بچھلے ڈیزہ کھنٹے سے اس کے ساتھ ہے بلال اختر نے وال
کے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں مگر آپ یہ بھی تو سوچیں ندیہ خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے
لے میں خرم کے خلاف پولیس میں کیس کرنے سے بدنامی آپ کی زیادہ ہوگی جبکہ خرم اور اس کی فیملی کو اتنا فرق
نہیں پڑے گا۔

اصل میں میں صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں خرم کی فیملی کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنے کے بجائے آپ تعلقات
استوار کرنے کی کوشش کریں۔

ندیہ ماشاء اللہ اتنی حسین ہے اگر خرم اس میں سیریلی انوالو ہو جاتا ہے تو آپ بس فائنٹ اس کی شادی خرم
سے کر دیں اس سے پہلے کہ وہ اس کی ذہنی حالت کے بارے میں کچھ بھی جان سکے آپ کی ہو پ شادی کے بعد ندیہ
میں صحت سمارنے پازہ شو چیخ آجائیں گے اور وہ ایک سنار مل لڑکی کی طرح چلی ہو کر رہے گی۔

لیکن ان سب باتوں پر عمل کرنے کے لیے آپ کو بڑی سمجھ داری سے کام لینا ہو گا ابھی جب ندیہ گھر آتی ہے
وہ اس پر کچھ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کو اس کے خرم کے ساتھ جانے کے متعلق کچھ پتا ہے یا اس پر
کلی انجیکشن ہے۔“

”مگر ڈاکٹر میں نے تو خرم کے موبائل۔“
”مجھے پتا ہے آپ نے خود ہی ابھی تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے لیکن ندیہ خود سے یہ ہرگز نہیں پوچھے گی کہ آپ کو
پتا چلایا آپ نے خرم کو فون کیوں کیا؟ پھر بھی خلاف توقع ایسا ہوتا ہے تو آپ بھی کھل کر بات کر لیجئے گا
ان خود سے اسے مت سمجھیں۔“

اس کا ایک لڑکے کے ساتھ ہونا ہمارے لیے باعث فکر ہے مگر اس نے آج جو اسٹپ لیا ہے وہ ظاہر کر رہا ہے
کہ اس کے کانفیڈنس لول میں فرق آیا ہے وہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح اکیلے باہر آ جاسکتی ہے۔
اسے گھر آنے پر بہت ڈانٹ کر اس کے اس کانفیڈنس کو دوبارہ زیرو میں کنورٹ مت کریں۔ ڈاکٹر خلیلہ نے
اپنی کارپائیٹس میں کر کے فون بند کر دیا۔

بلال اختر نے اپنی کارپائیٹس میں کر دیا تھا کہ عائشہ اختر بھی ساری گفتگو سن سکیں انہوں نے بڑے صبر سے فون بند
کرنے کا انتظار کیا اور فون بند ہوتے ہی ایک سی سانس میں شروع ہو گئیں۔

بلال خدا کے لیے کچھ تو موقع کی نزاکت کو سمجھیں اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اس سے پہلے کہ ہماری
کے ساتھ کوئی انہوں ہو جائے آپ خرم کے والد کو فون کریں۔
ڈاکٹر خلیلہ کو ان باتوں میں انوالو کر کے آپ کیوں اسے اس کیڈلائز کر رہے ہیں آخر آپ میری بات کیوں نہیں
سمجھتے۔“ عائشہ اختر کستی چلی گئیں اور بلال اختر ڈاکٹر خلیلہ کے فون ریسو کرنے پر انہیں ساری تفصیل سے
کہنے لگے۔

ان کا رد عمل کچھ ملاحظہ ساتھ ان کے لیے بھی ندیہ کا ایک لڑکے کے ساتھ ہونا خاصا حیران کن تھا وہ ندیہ کی
سے فکر مند بھی ہو گئی تھیں مگر ان کی تشویش میں اس وقت کی آگئی جب انہوں نے خرم کے بیک گراؤنڈ
کے بارے میں سنا۔

”اسی ہائی کال فیمیلز میں ایسے الیمنٹز کوئی بہت بڑی بات نہیں ہوتے بلکہ میں تو کموں کی خرم کے خلاف کوئی
کیشن لینے سے پہلے ان دونوں کے بیچ تعلقات کی نوعیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔“ ڈاکٹر خلیلہ بڑی سنجیدگی
سے بول رہی تھیں۔

”ڈاکٹر اس کے لیے وقت چاہیے جبکہ ندیہ ابھی بچھلے ڈیزہ کھنٹے سے اس کے ساتھ ہے بلال اختر نے وال
کے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں مگر آپ یہ بھی تو سوچیں ندیہ خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے
لے میں خرم کے خلاف پولیس میں کیس کرنے سے بدنامی آپ کی زیادہ ہوگی جبکہ خرم اور اس کی فیملی کو اتنا فرق
نہیں پڑے گا۔

اصل میں میں صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں خرم کی فیملی کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنے کے بجائے آپ تعلقات
استوار کرنے کی کوشش کریں۔

ندیہ ماشاء اللہ اتنی حسین ہے اگر خرم اس میں سیریلی انوالو ہو جاتا ہے تو آپ بس فائنٹ اس کی شادی خرم
سے کر دیں اس سے پہلے کہ وہ اس کی ذہنی حالت کے بارے میں کچھ بھی جان سکے آپ کی ہو پ شادی کے بعد ندیہ
میں صحت سمارنے پازہ شو چیخ آجائیں گے اور وہ ایک سنار مل لڑکی کی طرح چلی ہو کر رہے گی۔

لیکن ان سب باتوں پر عمل کرنے کے لیے آپ کو بڑی سمجھ داری سے کام لینا ہو گا ابھی جب ندیہ گھر آتی ہے
وہ اس پر کچھ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کو اس کے خرم کے ساتھ جانے کے متعلق کچھ پتا ہے یا اس پر
کلی انجیکشن ہے۔“

”مگر ڈاکٹر میں نے تو خرم کے موبائل۔“
”مجھے پتا ہے آپ نے خود ہی ابھی تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے لیکن ندیہ خود سے یہ ہرگز نہیں پوچھے گی کہ آپ کو
پتا چلایا آپ نے خرم کو فون کیوں کیا؟ پھر بھی خلاف توقع ایسا ہوتا ہے تو آپ بھی کھل کر بات کر لیجئے گا
ان خود سے اسے مت سمجھیں۔“

"آپ اور ڈاکٹر خلیلہ جانے کون سی تصوراتی باتیں کر رہے ہیں۔ اس لڑکے کا خاندان اس کی دولت و جاہوت

ارے میں کتنی ہوں اگر وہ ہماری بیٹی کے ساتھ کچھ کر گزرا تو آپ کیا اس کے اونٹنے خانہ ان کو پھانسی چڑھانے کے اور اگر چڑھا بھی دیں گے تو کیا اس سے ہمارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔" ان کی بات پر بلال اختر نے ہنسنے لگا۔

"نودیہ خود اس کے ساتھ گئی ہے اور بہت دیر سے اس کے ساتھ ہے اب ایسے میں ہم کیا کر سکتے ہیں ہم کیا چاہتی ہو کیا ہم پولیس کو انعام کر دیں۔ جس کا کوئی فائدہ نہیں اور صرف نقصان ہے۔"

"نہیں میں پولیس کو بلانا نہیں چاہتی لیکن ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتے۔" عائشہ اختر نے دہانسی ہو گئیں تو بلا اختر بھی رسائی سے کہنے لگی۔

"کچھ دیر انتظار کر لینے میں کیا حرج ہے ہو سکتا ہے وہ آنے ہی والی ہو۔" عائشہ اختر کی شکل سے لگ رہا تھا کہ ان سے متفق تو نہیں ہیں لیکن بحث بھی نہیں کرنا چاہ رہی اس لیے خاموش ہو گئی ہیں۔

انہوں نے جب خرم کو فون کیا تھا تب اسے گھر سے نکلے دو گھنٹے سے اوپر ہو گئے تھے۔ کم از کم خرم کے مسیج اور منسلکال سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا اور اب انہیں خرم کو فون کیے ہوئے بھی پون گھنٹہ ہو گیا تھا۔

یہ پون گھنٹہ ان کے لیے کسی صدی سے کم نہیں تھا عائشہ اختر تو بار بار رونا اور بین کرنا شروع کر دیتی تھیں آخر بلال اختر کو ایک بار پھر اپنے موبائل کو نکال کر فون ملانا پڑا اور اس بار وہ ڈاکٹر خلیلہ کو نہیں بلکہ اپنے دوست کو فون کر رہے تھے جو نا صرف پولیس کے محکمہ میں ڈی آئی جی کی پوسٹ پر تھے بلکہ نودیہ کی ذہنی حالت سے کافی حد تک واقف بھی تھے۔

کافی عرصے پہلے نودیہ نے اپنی ایک دوست رخسار پر اپنے ہی گھر کی چھت پر حملہ کر دیا تھا تب بھی اس بات کو دبانے اور اسے پولیس کیس بننے سے ڈی آئی جی صاحب نے ہی روکا تھا اب بھی فون ملنے پر بلال اختر نے بغیر تردد کیے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا کہ اب بھی وہی ان کی عزت پر حرف آئے بغیر بہترین حل بتا سکتے تھے۔

"Are you sure" وہ فرقان کے بیٹے "خرم کے ساتھ ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے تصدیق کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ابھی برسوں میری اس سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔" یہ کہہ کر انہوں نے یونیورسٹی جانے والا واقعہ بھی سنا دیا۔ کچھ لمحوں کے لیے ڈی آئی جی صاحب سوچ میں پڑ گئے پھر گھٹا کنکار تے ہوئے بولے۔

"دیے تو نودیہ کو گھر سے نکلے بہت دیر ہو گئی ہے لیکن پھر بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ خرم کے خلاف کوئی ایکشن مت لو۔"

فرقان میرا بہت اچھا دوست ہے خرم کو بھی تقریباً "بچپن سے ہی دیکھ رہا ہوں وہ بہت ڈینٹ سلاز کا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ نودیہ خود اس کے ساتھ گئی ہے تم اگر خرم کے خلاف کوئی ایکشن لو گے تو فرقان بھی خاموش نہیں بیٹھے گا اور ساری بدنامی تمہارے حصے میں آجائے گی۔"

کیا پتا انہوں میں صرف دوستی ہو جو کہ آج کل بہت عام ہے پھر تم کیوں رانی کا مارتاؤ۔"

"جی پوچھو تو میں بھی تب سے ہی سوچ کر خاموش بیٹھا ہوا تھا فرقان حسن کوئی معمولی آدمی نہیں ہے میں اس کیس کو آف داریکاؤ رکھ کر رخسار والے کیس کی طرح دبا نہیں سکتا۔" بلال اختر کے کہنے پر ڈی آئی جی صاحب کچھ چوکتے ہوئے بولے۔

"یار تمہارا تو گھر خیر اے فرقان نے تمہاری تو اس سے اچھی سلام دعا ہو گی۔"

"گھر خیر اے ابھی تو اتنا جانتا ہوں مگر سلام دعا کچھ نہیں ہے مای میں ان کے بارے میں کچھ زیادہ جانتا ہوں مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ میری بیٹی اس قسم کی لڑکی نہیں ہے کہ کسی لڑکے کے ساتھ باہر چلی جائے shocked

بلال اختر کے لہجے میں تھا کٹ تھی۔

"شاید تو میں بھی ہوں لیکن آج کل یہ سب بہت عام باتیں ہیں اگر وہ دونوں سیریس ہیں تب تو بہت اچھی بات ہے پھر تو یہ تمہاری بیٹی کے لیے ایک آئیڈیل رشتہ ہو گا۔" ڈی آئی جی صاحب دھوکے سے بولے۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مگر جب تک خرم کوئی قدم نہ اٹھائے ہم کیا کر سکتے ہیں اور اس کے قدم اٹھانے تک میں بیٹی کو ایسے ہی اس کے ساتھ پھرنے تو نہیں دے سکتا۔"

"ارے یہ کون کہہ رہا ہے ایسا کرو ابھی تو خاموشی سے نودیہ کے گھر آنے کا انتظار کرو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں خرم کافی اچھا لڑکا ہے نودیہ آنے ہی والی ہو گئی۔"

اور آئندہ کے لیے اس قسم کی صورت حال سے بچنے کے لیے ایسا کرو فرقان سے تعلقات بدھاؤ۔

جب خرم یہ دیکھے گا کہ تم اس کے والد کے ملنے جلنے والوں میں سے ہو تو اگر العین چلا رہا ہو گا تو بچھے ہٹ جائے گا اور اگر سیریس ہو گا تو فوراً کوئی پریکٹیکل قدم اٹھائے گا۔"

"تعلقات ایک دن میں تو نہیں بن جاتے اس میں تو بہت ٹائم لگے گا۔" بلال اختر چمکے ڈاکٹر خلیلہ نے بھی ابھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا مگر ڈی آئی جی صاحب تو مشورے کے ساتھ ساتھ حل بھی بتا رہے تھے۔

"ارے بات تو سنو۔ اس ویک اینڈ پر عالم کی شادی کی سلیور جوبلی پارٹی ہے۔"

تمہارا انونٹیشن بھی ہو گا میں بھی آ رہا ہوں اور مجھے یقین ہے فرقان اور اس کا بیٹا بھی آئے گا بس وہیں میں ساری سہنگ کر دوں گا۔" ڈی آئی جی صاحب کے ذہن میں ایک الجھن چل رہی تھی جس کا وہ تذکرہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

انہیں خرم کی منتقلی کی اطلاع ملی تھی مگر وہ مصروفیت کے باعث جا نہیں سکے تھے اب ان کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ منتقلی پر قرا رہے یا نوٹ کی۔

ڈی آئی جی صاحب کی بات بلال اختر کے دل کو لگی وہ خود بھی ایسا ہی کوئی اتفاق چاہ رہے تھے وہ فون بند کر کے عائشہ اختر کو ساری بات بتانے لگے۔

عائشہ اختر ڈی آئی جی صاحب کے منہ سے بھی بلال اختر کی طرح خرم کی اتنی تعریفیں سن کر متاثر ہی ہو گئی تھیں اور بھی نودیہ نے گھر سے قدم رکھ کر گویا ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی۔

نودیہ کے چہرے پر گھبراہٹ ضرور تھی مگر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جو عائشہ اختر کو ہلادتا چنانچہ وہ خوش آئند لہجے میں لے بغیر کچھ پوچھنا چھوڑ کر اپنے گھر سے پر عمل کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔



"میرا تو دل چاہتا ہے بڑھائی پھوڑوں یا پرائیویٹ بڑھ لوں۔" غمل نے رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا اور بڑے گھسے چہن کا ایک بند کیا سنبل بس ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

رات ہی غمل نے سبیل کو فون کر کے رو میلہ کے ساتھ ہوئے دھوکے کے متعلق بتایا تھا وہ دونوں تو وہی رات تک ابرار بھائی کے اس اقدام پر کڑھنے کے ساتھ ساتھ رو میلہ کے لیے کوئی حل تلاش کر رہیں اور ناکام ہو کر بلا آخر فون بند کر کے سوئے لیٹ گئیں۔

تین گھنٹے کی بے چین اور کچی سی نیند لے کر جب یونورسٹی پہنچا ہے تو ہر ایک کی زبان پر۔
 "خرم کے ساتھ وہ ابھی حسینہ" کا چہان دونوں کو جھنجھلاہٹ میں جھکا کر گیا۔

خرم نے میر اور اس کے دوستوں کے ساتھ اتنی مہینت کی اس کے ہاں جو وہ پوری کمانی بمع خرم اور ندیہ کی تصویر کے ساتھ نیت پر آگئی تھی۔

ہر ایک کے موبائل میں یہ موجود ہے اور بھلا ایسے مناظر کون بخشا ہے۔

ندیہ کو گود میں اٹھائے خرم کی تصویر پر جتنے ریمارکس تھے ان سے زیادہ خرم اور نمل کی مگنی ٹوٹنے کی پیش گوئیاں موجود تھیں۔

نمل اور سنیل نے تو یہ سب بڑھاتا تھا البتہ یونورسٹی میں قدم رکھتے ہی ہر ایرے غیرے کے منہ سے پوری تفصیل سن سن کر اڑ رہی ہوتی تھی۔

نمل نے ہر ممکن کوشش کی تھی نمل کا مظاہرہ کرنے کی مگر سب اس کا ضبط آواز نہ برتے ہوئے تھے۔
 اس نے جیسے تیسے دو پریڈ زائینڈ کیے لیکن فری پریڈ آئے پر سنیل نے فوراً ۱۳ سے لائبریری چل کر بیٹھ جانے کا مشورہ دیا تھا۔

نمل بھی جانتی تھی سنیل یہ کیوں کہہ رہی ہے اسی لیے سخت بے زاری سے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی مگر جیسے ہی اس نے بیگ میں رجسٹر ڈال کر بیگ کدھرے رجسٹر ڈال اس کی کلاس کی لڑکیاں اس کے گرد جمع ہونے لگیں۔

"نمل کل جو کچھ بھی ہوا وہ بہت شاکنگ تھا۔" سب سے پہلے آسیہ نے بظاہر بڑی ہمدردی سے کہا نمل اب بیچنے اسے دیکھے گی۔

"مجھے تو یہ وہی لڑکی لگ رہی ہے جس کا تم نے خرم کو موبائل نمبر لینے بھیجا تھا وہ میلہ کی شادی پر۔ تم نے بہت بڑی غلطی کی تھی یا رہلا اپنے منکیت کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگاتا ہے۔"

"اور کیا۔ اب نقصان تو تمہارا ہی ہوا ہے نا۔"

"میرا کیا نقصان۔" نمل ان سب کے باری باری بولنے پر خشک کر بولی۔

"اب نہ مت جیسے تمہیں کچھ اندازہ ہی نہیں۔ وہ دونوں کتنے فری لگ رہے تھے ایک دوسرے سے۔" ایک لڑکی نے آنکھیں نمچاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

"اوہ کم اون فرح۔ ہم دونوں کو ان بے کار کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔" سنیل نے بے زاری سے کہتے ہوئے قدم پر بھائے مگر وہ سب راستہ گھیرے کھڑی تھیں۔

"تمہیں کیوں دلچسپی ہوگی تمہاری منگنی تھوڑی خطرے میں پڑ رہی ہے بلکہ تم تو خوش ہو رہی ہوگی کہ خرم جیسا شخص اگر تمہیں نہیں مل سکا تو نمل کو بھی کیوں ملے۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو آسیہ۔" سنیل جیج کر بولی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں کبھی نمل کو سمجھایا نہیں کہ اتنا اچھا منگیتر ملا ہے اس کی قدر کرو۔ میر جیسے لفظ کے ساتھ گھوٹے جاری ہے اور تم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ۔"

"اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مجھے خرم میں دلچسپی ہے نہ اسے مجھ میں گنداب۔ تم لوگ راستہ صاف دیکھ کر زانیہ مار سکتی ہو۔" نمل نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آسیہ کی بات کا ٹھنڈی تو اس کو تو آگ ہی لگ گئی۔

"تو یہ تو یہ۔ نمل کیسی باتیں کرتی ہو۔ ہم تو یہاں تمہارا دکھ بانٹنے آئے تھے اور تم ہماری ہی کردار کشی کرنے لگیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے تم لوگوں کو میرا دکھ بانٹنے کی کہ نہ مجھے کوئی دکھ ہے ہی نہیں۔" نمل جیج پڑی۔

"جھوٹ مت بولو تمہاری شکل بتا رہی ہے تم رات بھر جاکی ہو منگنی ٹوٹنا کسی بھی لڑکی کے لیے معمولی بات نہیں ہو سکتی۔" قافرو کے بولنے پر نمل ہل بھر کے لیے لاجواب ہو گئی پھر جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔

"مجھے لائبریری جا کر نوٹس بنانے ہیں فار گاڈ سب میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" نمل کے جھنجھلاہٹے ہوئے لہجے پر آسیہ غصے سے گردن جھکتی ایک طرف ہٹ گئی۔

"جاؤ جاؤ ہم کون سا مر رہے ہیں تم سے بات کرنے کے لیے۔" آسیہ کے ہٹتے ہی نمل اور سنیل تیزی سے نکلے بڑھ گئیں مگر ان کے قدموں سے زیادہ ان کی آوازوں میں تیزی تھی جو کلاس سے نکلتے نکلتے بھی یہ جملے ان کے کانوں میں پڑی گئی۔

"بھلا کی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ کسی سے ہمدردی کرو تو ایسا لگتا ہے جیسے ادھار مانگ رہے ہیں۔"

"اور اس کا تو دماغ شروع سے ہی خراب ہے خرم نے اس کی مدد کی اور اس نے خرم کو ہی تھپڑ مار دیا تھا اچھا یہ ہے جو خرم کو وہ دوسری لڑکی مل گئی۔"

"ہاں یاں کتنی حسین ہے نا۔" نمل تو کچھ بھی نہیں ہے اس کے سامنے۔ "نمل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پلٹ کر فرح کے منہ پر تھپڑ مار دے۔"

سنیل اس کی کیفیت غور سے سمجھ گئی تھی اس نے نمل کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی باہر لے گئی۔

لائبریری میں آکر وہ دونوں کتنی دیر کتاہیں نیمل رجسٹر ڈال کر کمرے کمرے سانس کھینچتی رہیں آخر سنیل نے ہی اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے جیسے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"تمہیں ان ساری باتوں کو فیس کرتا ہی ہو گا تم بھلے ہی اس منگنی کو اہمیت نہ دو لیکن یہ تو یہ ایک کھٹ منٹ۔ اگر یہ ختم ہوگی تو یہ سارے ری ایکشن تو سامنے آئیں گے۔"

ہمدردی کی آڑ میں طعنے۔

ندیہ یا کسی بھی لڑکی کے ساتھ موازنہ۔

خرم کے ساتھ تمہارے غلط رویے پر سرزنش وغیرہ لہذا تمہیں اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ پر سکون رکھنا ہو گا اگر اسی طرح ہر ایک سے لڑنے کھڑی ہو گئی تو۔"

"چلو ٹھیک ہے مجھے یہ سب سننا پڑے گا اور تمہیں بھی لوگوں کی وہ ساری بکواس سنی پڑے گی جس میں ایک فیصد سچائی نہیں۔" نمل بگڑ کر بولی تو سنیل پچھلی سی ہنسی ہنس دی۔

"سچائی تو کسی بھی بات میں نہیں ہے وہ تو انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہارا دکھ بانٹنے آئے ہیں تو وہ کیا سچ تھا۔"

"ایک بات ضرور سچ تھی۔" نمل سنجیدگی سے بولی تو سنیل اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"ندیہ مجھ سے زیادہ حسین ہے۔ میں اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں۔" نمل کسی غیر مہرئی نقطہ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اس کی بات میں پکڑے چین پر گرفت تکلیف دہ حد تک سخت ہو گئی تھی۔ سنیل حیرانی سے اسے دیکھتی چلی گئی پھر اس کیفیت کے زیر اثر بولی۔

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے نمل۔" نمل نے ایسے بین نیمل پر پھینکا جیسے خود پر حاوی ہوتے احساس سے باہر نکل آئی ہو پھر بڑے ہلکے ہلکے انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیوں کیا مجھے دکھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے خرم سے شادی نہیں کرنی وہ ایک الگ بات ہے لیکن وہ کسی اور لڑکی کی وجہ سے مجھے سب کے سامنے رجحکٹ کر کے چلا جائے تو اس سے میری عزت نفس منجھوٹ ہوئی ہے۔" نمل نے رمانیت سے اپنا موقف سمجھانے کی کوشش کی مگر سنیل ہنوز اسے جوت سے دیکھتی رہی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو کیا مجھے انسلٹ مل نہیں ہونی چاہیے۔“
 ”اگر تمہیں انسلٹ مل رہی ہے تب تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم کچھ اور مل کر رہی ہو تب یہ بہت خطرناک بات ہے۔“ سسل کے سنجیدگی سے تجزیہ کرنے پر حملہ جیسے انداز میں ہنس دی۔
 ”جننے کی بات نہیں ہے تم بھول رہی ہو خرم صرف بدلہ لینے کے لیے تم سے شادی کر رہا ہے اور یہ بات میں نے خود تم سے کہی ہے۔“ سسل میں خرم کے خلاف ہوں۔
 ورنہ اس کی بات بالکل صحیح تھی میں تمہیں خرم جیسے منگیتر کے ساتھ ایسے دھڑلے پر سمجھا رہی ہوتی لیکن میں ایسا اس لیے نہیں کر رہی کہ میں جانتی ہوں یہ شادی اس کے حاکر کتنی بد صورت ہو جائے گی کہ تم دونوں کے چہرے پہنچانے میں نہیں آئیں گے۔“ سسل کے سپاٹ لمبے پر حمل کچھ نہیں ہوئی اور بیک کھول کر اپنا رجسٹر نکالنے لگی۔



الیان کا ذہن کسی بھی سوال کا جواب سوچنے کے قابل نہیں تھا اس نے بڑی مشکل سے زہر مار کر کھانا کھایا تھا اور اب صرف ماموں جان کے لحاظ میں ان کے ساتھ گاؤں دیکھنے جیب میں بیٹھ گیا تھا۔
 شاد اور نوید بیٹھ کی طرح صبر سے زیادہ جوشیلے ہو رہے تھے البتہ حامد کی خاموشی الیان نے بالکل محسوس نہیں کی۔
 بریرہ و سری کزنز کے ساتھ شاد جہاں ماموں کی جیب میں تھی شاد جہاں ماموں کو اپنے ذاتی کھیت دکھانا چاہتے تھے چنانچہ وہ شاد اور نوید کے ساتھ تمام لڑکیوں کو لے کر کھیتوں میں چلے گئے تب حامد اس کے پاس آ بیٹھا ماموں جان کھیتوں میں کام کرنے والوں سے بات کرنے میں مصروف ہو گئے تھے جبکہ الیان زیادہ کھونٹنے کے موڈ میں نہیں تھا اور یہ کھیت دیکھو اس کے پہلے سے ہی دیکھے ہوئے تھے لہذا وہ ایک چارپائی پر بیٹھ گیا جو وہاں کام کرتے مزدوروں نے خاص ان لوگوں کے لیے لا کر رکھی تھیں۔

”کیا بات ہے الیان بھائی آپ بہت خاموش ہیں۔“ حامد کی آواز پر الیان نے چونک کر اسے دیکھا تو اسے احساس ہوا حامد بڑی دیر سے اسے سٹوٹی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔
 ”آپ نہیں تو۔“ کیوں کیا ہوا۔“ الیان قدرے حیرانی سے بولا۔
 ”ہوا تو کچھ نہیں۔ بس آپ کچھ اپ بیٹ لگ رہے ہیں۔“ حامد نے سادگی سے کہا۔
 ”اچھا۔“ الیان خواہ مخواہ ہنسا۔
 ”ایسی تو کوئی بات نہیں۔“

”کیس آپ اس اچانک شادی کی وجہ سے ڈسٹرب تو نہیں ہیں۔“ حامد نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔ ہاں کہہ سکتے ہو۔ اصل میں میں ذہنی طور پر اس وقت شادی کے لیے تیار نہیں تھا بس کچھ بہت اچانک ہوا ہے سائنڈ سیٹ کرنے میں تھوڑا تاخیر تو لگے گا نا۔“ الیان نے اسے جھٹلانا مناسب نہیں سمجھا اور جگہ بتاتے ہوئے بھوٹ بھی نہیں بولا۔

”سیکنڈ تو بھابھی کی بہت تعریف کر رہی ہے اس کا کہنا ہے بھلے ہی آپ کی شادی جلدی میں ہوگی مگر غلط بالکل نہیں ہوگی۔“ حامد نے کہا تو الیان صرف مسکرا کر رہ گیا اور اسے خاموش دیکھ کر حامد کو کہنا پڑا جو پوچھنے کا شاید بہت دیر سے موقع مل رہا تھا۔

”آپ صرف شاکند ہیں یا ناخوش بھی ہیں۔“ الیان حیرانی سے اسے دیکھنے لگا تو کچھ جھجکتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ نے ایک منٹ کی بے الیان بھائی اب اس پر پچھتا کر اسے ضائع کیوں کر رہے ہیں۔“
 چاہے جن حالات میں بھی سسی شادی تو ہو گئی ہے نا اب اسے توڑنا مناسب نہیں خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ بھابھی میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔“
 ”خوشی نے کب کہا ہے کہ میں اس شادی کو توڑ رہا ہوں۔“ الیان کو اس کا بلاوجہ فصاحت کرنا حیران کر رہا تھا اس نے پوچھنے پر چند ثانیوں کے لیے حامد بالکل چپ ہو گیا پھر ایسے گہرا سانس کھینچا جیسے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر رہا ہو۔

”لگ تو رہی رہا ہے کہ یہ شادی زیادہ دن چلے گی نہیں۔“
 ”کے لگ رہا ہے۔“ الیان نے بے ساختہ پوچھا تو حامد بھی برکت بولا۔
 ”سب کو! آپ کے خاموش رہ جانے کی باری الیان کی بھی پھر بھی وہ بہت کر کے پوچھنے لگا۔
 ”کیوں؟ سب کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔“

”آپ سب کے رویوں کی وجہ سے اور پھر پوچھی جان (شگفتہ غفار) نے تو صاف کہا ہے کہ۔“
 ”کیا کہا ہے می نے۔“ الیان نے تیزی سے پوچھا حامد کچھ دیر اسے دیکھا رہا پھر بہت گھبرائے ہوئے بولا۔
 ”وہ مجھے نہیں بتا انہوں نے دادی جان (نانی اماں) سے کچھ ایسا کہا۔ جیسے یہ تو میری بہو نہیں ہے یا میں تو بھی اسے بہو نہیں مانوں گی۔“

دادی جان تب سے بہت اداس ہیں بریرہ اور پھر پوچھا جان کا رویہ بھی کچھ اکڑا اکڑا سا ہے۔ صدے میں ہوتا اور گھسے میں ہوتا وہ بالکل الگ کھیتیں ہیں اور دونوں کا اکٹھا رہنا بھی بالکل الگ طریقوں سے ہوتا ہے۔
 ”کیا بریرہ نے بھی کچھ کہا ہے۔“ الیان نے کچھ سوچتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا اسے شگفتہ غفار کی اس حد تک بے اختیار کی بر خوب تاؤ آ رہا تھا۔

”نہیں وہ کیا کہے گی۔ وہ تو بالکل خاموش ہے وہ تو اچانک بالکل چپ ہو گئی ہے۔“ الیان بری طرح چونک اٹھا۔
 حامد کے لہجہ میں شکایت نہیں تھی بلکہ ایک عجیب سا طالع تھا جیسے بریرہ کی یہ اچانک تبدیلی اسے تکلیف دے رہی ہو۔ وہ بدگمانی میں مبتلا نہیں تھا لیکن دیکھی ضرور ہوا تھا۔

فوری طور پر تو الیان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا بولے پھر اس نے زبردستی جننے کی کوشش کی تاکہ ماحول کا بوجھل پن کچھ کم ہو جائے۔

”ارے یار تم اسے جانتے نہیں ہو کیا۔ کس قدر پچھتا ہے اس میں۔“
 میری اس طرح اچانک شادی سے اس کے تو۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ ہاں۔ اماں کا خون ہو گیا ہے۔
 پتا نہیں کیا کیا پلان بنا رکھے تھے اس نے میری شادی کے جو سب دھڑے کے دھڑے رہ گئے ہیں اسی لیے اسے۔

”تم منشن مت لو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو جائے گی۔“ الیان نے اپنے لمبے میں حد درجہ لا پرواہی شامل کر لی تھی مگر اس کے اتنے غیر سنجیدہ انداز پر بھی حامد کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ وہ الیان کو غور دیکھتے ہوئے گہرے لمبے میں کہنے لگا۔

”صرف یہ بات نہیں ہے بات کچھ اور بھی ہے وہ غیر معمولی طور پر خاموش ہے جیسے کوئی بات اسے اندر ہی اندر پریشان کر رہی ہو۔“ الیان اس کے اتنے گہرے مشاہدے پر فکر مند ہو گیا۔

بریرہ کے لیے اس وقت خود کو بالکل نارمل رکھ کر پہلے کی طرح فہمی مذاق کرنا نہایت مشکل عمل تھا۔ کسی لڑکی کا اس طرح اغوا ہونا اور اس کے گھر والوں کا اغوا کے بعد بلیک میل ہونا اتنی معمولی بات نہیں تھی کہ اسے آسانی سے

فراموش کیا جاسکے۔
ایدار کی دھمکی کسی حکمران کی طرح ہمیشہ سر پر لٹکی رہے گی پھر بھلا وہ نئی نئی شادی اور شادی کی خوشیاں کیسے
پر مسرت طریقے سے منا سکتی تھی۔
لیکن جو بھی ہو حامد کو مطمئن کرنے کے لیے الیان کو بریو کے روپے کی تبدیلی کی وضاحت تو دینی ہی تھی جو اس
نے اپنے طور پر دے دی تھی اب حامد مطمئن ہو آیا نہیں خاموش ضرور ہو گیا تھا۔
اسی لیے جب ساری لڑکیوں اور ماموں کے ساتھ دو میلہ واپس آئی تو الیان نے خاص طور پر سب کے درمیان
براہ راست اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"اور کیسا لگا گاؤں دو میلہ۔" دو میلہ نے بری طرح چونک کر الیان کو دیکھا۔
اس نے ایک بڑی سی چادر اوڑھ رکھی تھی جس میں اس کا آٹھ چھوٹا چھوٹا جیسے ہاتی ساری کزنز اوڑھے
ہوئے تھے صرف اس کی ایک آنکھ دکھائی دے رہی تھی جس میں تیری بلا کی حیرت اس کے تمام تاثرات کی
ترجمانی کر رہی تھی۔
الیان نے اس کی حیرت کے ساتھ ساتھ سب کا چوکنا بھی بخوبی محسوس کیا تھا خاص طور پر بریو کا ٹھک کر رکنا
لیکن وہ سب کے احساسات کو نظر انداز کیے صرف اپنے قریب بیٹھے حامد پر غور کر رہا تھا جو پوری طرح سے الیان کی
جانب متوجہ تھا حالانکہ الیان نے نظراٹھا کر حامد کی طرف دیکھا تھا لیکن تھا پھر بھی وہ خود پر جی اس کی مشاہدہ کرنی
نظروں سے اچھی طرح آشنا تھا اور ان ہی نظروں کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے دو میلہ کی خاموشی کے باوجود
اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔
"اتنے مختصر وقت میں تم نے کچھ بھی ٹھیک سے نہیں دیکھا ہو گا۔"
"ماموں جان کیا آپ نے اپنے بارے میں دیکھا ہے۔ جہاں ہم بچپن میں جایا کرتے تھے اور درخت پر چڑھ کر ہم
توڑتے تھے۔" الیان کا لہجہ اتنا خوشگوار تھا کہ بریو اب الیان پر سے نظریں ہٹا کر دو میلہ کو دیکھنے لگی تھی۔
مگر دو میلہ کا چہرہ چھپا ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بھی اخذ نہ کر سکی تو صرف اندازہ لگا کر رہی کہ وہ نئی جگہ پر سب
کے لحاظ میں خاموش ہے ورنہ وہ الیان سے زیادہ چمک رہی ہوتی۔
اپنی طرف سے خود ہی ہر بات فرض کر کے وہ بری طرح سگ گئی تھی اور کیوں نہ جانتی اس کی اچھی بھلی پرسکون
زندگی میں زہر کھول دینے والوں کو وہ تو کیا کوئی بھی معاف نہیں کر سکتا تھا اور یہاں تو صورت حال یہ تھی کہ مقابل
کھڑا مجرم اپنے کیے پر شرمندہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا معافی مانگتا تو بہت دور کی بات تھی۔
"نہیں الیان وہ باغات دکھانے کا وقت کہاں ہے مغرب ہونے والی ہے اور مغرب کے بعد عورتیں گھر سے
نہیں نکلتیں۔" ماموں نے صاف انکار کر دیا تو الیان کہنے لگا۔
"تو پھر کل صبح جلدی نکلیں گے۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں فجر کے فوراً بعد نکل جاتے ہیں مصر تک کافی جگہ ہیں۔ کچھ
لیں گے اور گھر چلے جائیں گے تاکہ آرام کر کے رات کو لیٹ سکوں سے اٹھ کر نکلیں۔
اصل میں آگے میرے پاس ٹائم نہیں ہے مجھے پرسوں آفس ضرور پہنچنا ہے اب میں کام مزید دور کر رہی ہوں
چھوڑ سکتا اور پھر میں سوچ رہا تھا اگر چھٹی کر سکتا تو اب وہیں شہر میں کروں گا تاکہ دو میلہ کے ساتھ ملک سے باہر نہ
سی "کم از کم شہر سے باہر جانے کا پروگرام بن سکے گاؤں تو پھر بھی دیکھ لیا ہے تھوڑی دیر کیس اور کی بھی کر لی
جائے۔" الیان نے بالکل بے پرکی اڑائی مگر سب کی طرح بریو تک اسے سچ سمجھ کر اب تو بریو ہی سے الیان کو دیکھ
رہی تھی۔
جبکہ ماموں جان نے اس کے فیصلے کو خوب سراہنے کے بعد کہا۔

"ہاں اچھی بات ہے اگر تم دونوں اکیلے بھی کیس محسوس ہو رہے ہو۔ لیکن ایک بات بتا دوں کل دس رات میں میں
بلکہ دس برس میں ہے اس کے تمہارے پروگرام پر عمل نہیں ہو سکتا۔
یا تو کل صبح نماز کے بعد دو تین گھنٹے کے لیے چلنا چاہو تو بات الگ ہے۔"
"دس برس دس۔" الیان نے حیرت سے مہنویں اڑا دیں۔
"اچھا ہی ہے۔" رات تک آپ لوگ گھر جانے کے لیے نکل بھی سکتے ہیں گھر پہنچ کر کچھ دیر آرام کر کے پھر
جگ آفس چلے جائے گا۔" بریو کا لہجہ زندگی میں پہلی بار الیان کو اس قدر کھرا لگا۔
وہ بے اختیار حامد کو دیکھنے لگا اس کا مشکوک ہونا بے کار نہیں تھا بریو کے روپے میں زمین آسمان کا تغیر تھا۔
حامد بھی بریو کو چانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن بریو کو اس بات کا احساس ہی نہیں تھا اس کے ذہن میں بس
ایک ہی بات آ رہی تھی کہ اسے گھر میں تو دو میلہ کو الیان پر ڈورے ڈالنے کا موقع نہیں مل رہا تھا مگر یہاں آتے ہی
اس کے کمرے تک رسائی حاصل کر لینے کے باعث وہ آسانی سے الیان کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گئی
کیونکہ اسے لگ رہا تھا الیان ایکٹنگ نہیں کر رہا۔
پورے ریاض فگار تو کب سے یہی کہہ رہے تھے کہ دو میلہ کے ساتھ سب لوگ اپنا رویہ اچھا رکھیں مگر یہ کسی
کے بھی اختیار کی بات نہیں تھی پھر اچانک الیان نے بھلا خود پر اتنا اچھا خول کیسے چڑھالیا۔
اسی لیے اسے یقین تھا یہ سب لوگ اوری قریب بلکہ الیان کا دل واقعی اس کی طرف سے صاف ہو گیا ہے اور یہ
بات اسے اتنی ناگوار گزری تھی کہ اس نے اسی وقت اپنے سرور کو اتنا شور مچایا کہ وہ سب جو تھوڑی دیر بیٹھ کر
واپس کے لیے نکلنے والے تھے حویلی جانے کے لیے فوراً کھڑے ہو گئے۔
الیان کو بھی خاموش ہونا پڑا البتہ اس نے سوچ لیا تھا جانے سے پہلے بریو کو سمجھائے گا ضرور اور اسے یقین تھا
ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد بریو کے روپے میں تبدیلی آجائے گی۔
جب دو میلہ اس کے سامنے نہیں ہوئی تو وہ خود بخود اپنی نئی زندگی کی رعنائیوں میں کھو جائے گی۔
حویلی واپس آنے کے بعد الیان اپنا پاپ ٹاپ نکال کر کافی دیر اس میں مصروف رہا یہاں تک کہ رات کا کھانا
بھی اس نے بہت دیر سے کھایا اور تب کھانے وغیرہ سے فاسخ ہو کر اپنے کمرے میں پہنچا تب تک دو میلہ صوفے
پر سو چکی تھی۔
اس نے اپنے لیے خود ہی جگہ متعین کر لی تھی حالانکہ وہ صوفہ زیادہ آرام دہ نہیں تھا بیٹھنے کی حد تک تو اس کی
چھڑاکی مناسب تھی لیکن لیٹنے کے لیے اس پر صرف ایک ہی کوٹ سے بغیر ہلے چلے لیٹا جاسکتا تھا چنانچہ وہ بالکل
مکڑی ہوئی بڑی تھی۔
کچھ دیر الیان اسے دیکھتا رہا وہ کوئی بہت زیادہ حسین نہیں تھی کہ جسے دیکھتے ہی ہوش اڑ جائیں لیکن وہ خوب
صورت ضرور تھی اس کا ناک نقشہ اس کی آنکھیں مہم کی رگت اور بال سب میں ایک جاذبیت تھی مجموعی طور
پر کافی پاریسی تھی۔
غیر ارادی طور پر الیان کے ذہن میں کچھ سوال سر اٹھانے لگے کہ اگر اس کی ماں اس کے لیے لڑکی ڈھونڈنے
جاتی تو کس قسم کی لڑکی کا انتخاب کرنی۔
کیا خوبیاں دیکھتی وہ اس میں۔
اسے اچھی طرح علم تھا اپنے سرکل کی لڑکیوں میں سے کوئی بھی اس کی ماں کو اتنی پسند نہیں تھی کہ ان میں سے
چن لیتی۔ اس مہم پر تو انہیں باقاعدہ کمر کرنے کی ضرورت تھی۔
اگر وہ لڑکی ڈھونڈتی ہوئی دو میلہ کے گھر پہنچ جائیں تو کیا وہ دو میلہ کا انتخاب کرتیں؟

ایلیان اس کے خاندان و فیو کو زیادہ نہیں جانتا تھا اس لیے اس سوال کا وہ حتی جواب نہیں دے سکتا تھا کہ صرف دو میلہ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو ہو سکتا تھا وہ میلہ کو ایلیان کے لیے پسند کر لیتیں۔ اور خود اس کا فیصلہ کیا ہوتا؟

کیا وہ بھی اسے اپنی شریک حیات کے طور پر پسند کر لیتا؟ یہ سوال چند لمحوں کے لیے اسے بالکل المٹنک کر گیا۔ ہاں یا نا۔ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تو دونوں بھیلیوں سے آنکھیں دپا کر سونے کے لیے مڑ گیا۔ اگلے دن اس کی خواہش کے عین مطابق صبح ہی صبح بریرہ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔ ایلیان دو میلہ کے سوار ہونے سے پہلے اٹھ کر باہر نکل آیا تھا اس وقت تک فجر کی اذان بھی نہیں ہوئی تھی وہ وہیں لان میں بیٹھ کر ایک بار پھر لپٹاپ میں مصروف ہو گیا مگر ملکی ملکی روشنی شروع ہونے پر جب بریرہ پل قدمی کرتی نظر آئی تو ایلیان دنگوشت ڈاؤن کر تاسید حاصل کے پاس آ گیا۔

"تم اتنی صبح کیسے اٹھ گئیں؟"

"میری سوال اگر میں آپ سے کروں تو۔" بریرہ نے بڑبڑاتا کہا۔

"مجھے تو اپنے کمرے کے سوا کہیں غیندی نہیں آتی۔" ایلیان نے کہا اور پھر یہ سوچتے ہوئے کہ اس سے پہلے کہ کوئی آجائے اور بات شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے اسے اصل موضوع پر آجانا چاہیے۔

"بریرہ میری ایک بات مانو گی۔" بریرہ رگ کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کوئی شے کرو کہ سب کچھ ایک برا خواب سمجھ کر جلد از جلد بھول جاؤ اور بالکل پہلے جیسی بریرہ بن جاؤ۔ غصتی مسکراتی شخص سی۔" ایلیان کے کنبے میں اس کے لیے اتنی محبت تھی کہ بریرہ چاہتے ہوئے بھی ایلیان پر کوئی طنز نہ کر سکی البتہ جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں برسوں کی چٹکن تھی۔

"میں اتنی مضبوط نہیں ہوں بھائی اور پھر جو کچھ میرے ساتھ ہوا اگر اس پر بس ہو گیا ہوتا تو شاید میں کچھ عرصے میں سنبھل جاتی مگر میرے ساتھ ساتھ آپ کی بھی زندگی داؤ پر لگ گئی ہے۔"

اب میں تو یہاں رہ جاؤں گی لیکن آپ سب لوگ کل واپس چلے جائیں گے وہاں اس لڑکی کی موجودگی میں گھر کا کیا ماحول ہو گا۔

میری تو اس کا وجود کبھی بھی برداشت نہیں کریں گی۔ گھر میں ہر وقت ایک تناؤ رہے گا۔" بریرہ کا لہجہ بالکل بجھا ہوا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا تم ہم سب کی فکر چھوڑ دو صرف اپنا خیال رکھو اور نئی زندگی کو انجوائے کرو۔" ایلیان کی بات پر بریرہ کچھ چڑھی گئی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ لوگوں کی فکر نہ کروں اور پھر کل کو اس لڑکی کے ساتھ جو بھی ہو گا اس کی خلافی تو مجھے ہی کرنی ہو گی۔"

آپ نے تو اپنا رویہ اس کے ساتھ تبدیل کر لیا مگر میں تو نہیں کر سکیں گی اور مجھے ان سے شکایت بھی نہیں ہے جب میں اسے برداشت نہیں کر پا رہی تو بھلا می۔" بریرہ نے دانستہ جملہ ادھر اور اچھوڑ کر مونٹ کاٹنے شروع کر دیے۔

"تمی بھی ٹھیک کر لیں گی ویسے بھی جو کچھ ہوا ہے اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔" ایلیان نے بظاہر نالائے والے انداز میں کہا مگر بریرہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

وہ تو بڑا بھائی ہونے کا لگاؤ کر کے ابھی تک خاموش تھی ورنہ اس کا تو دل چاہ رہا تھا صاف کہہ دے جس شخص نے آپ کی بہن کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی آپ اس شخص کی بہن کے لیے اپنی زندگی میں اتنی جلدی جگہ بنانے

نے آپ کی بہن کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی آپ اس شخص کی بہن کے لیے اپنی زندگی میں اتنی جلدی جگہ بنانے

میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن ایلیان کی کئی بات سن کر وہ ایک دم غصے میں آگئی اور بڑے طنزیہ سے انداز میں کہنے لگی۔

"اس کا قصور نہیں ہے تو پھر کس کا قصور ہے۔" بریرہ کی تیوریوں پر پل پڑ گئے تھے ایلیان کچھ کمنا ہی چاہتا تھا کہ حامد کو سامنے سے آتا دیکھ کر بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"میں بعد میں سب بتاؤں گا۔" مگر بریرہ کے توجیسے خون کی ایک ایک بوند میں چنگاریاں بھرمی تھیں حامد کو دیکھ کر وہ بمشکل خود ضبط کر گئی مگر زیادہ صبر نہ کر سکی وہ سر میں اسے دلسن بن کر بیٹھ جاتا تھا اور مغرب کے بعد سب سونے چلے جاتے کیا پارات تک یہ لوگ گھر جانے کے لیے روانہ ہی ہو جاتے۔

ایسا نہ ہو کہ ایلیان سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملے جبکہ وہ جانتا چاہتی تھی کہ ایلیان نے ایک ہی رات میں یہ کیسے اندازہ لگالیا کہ دو میلہ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اگر دو میلہ نے کوئی کمائی سنائی ہے تو اول تو ایلیان کو اس سے اتنی بات ہی نہیں کرنی چاہیے تھی دوئم صرف اس کے کہنے سے ایلیان نے سب کچھ مان لیا۔

بریرہ کا خون کھول رہا تھا۔ سب سوچ سوچ کر آخر وہ سیدھی شگفتہ غفار کے پاس پہنچ گئی اور انہیں سب بتا دیا ان کی بھی جان جل کر رہ گئی۔

انہوں نے اسی وقت ایلیان کو فون کر کے بلا لیا ایلیان مامول جان کے ساتھ ناشتا کرنے بیٹھ چکا تھا ان کے اس طرح بلانے پر پریشان ہو کر ناشتا چھوڑ کر آگیا اور آنے کے بعد جب اسے بلانے کی وجہ پتا چلی تو اسے شدید کوفت ہوئی۔

اس موضوع پر اسے گھر چل کر سکون سے بات کرنا چاہتا تھا بھلے ہی یہاں بھی شگفتہ غفار کو ایک پورا کمرہ دیا ہوا تھا مگر حویلی میں آنے لوگ تھے کہ ہر وقت ایک محفل کا ساماں رہتا تھا کوئی بھی ان کی گفتگو سن سکتا تھا اگر نہیں بھی تو بات پوری ہونے سے پہلے کوئی مداخلت کر دیتا تو صحیح وضاحت بھی نہ ہو پاتی۔

لیکن شگفتہ غفار تو اتنی برہم تھیں کہ اپنے مزاج اور اخلاق سے ہٹ کر بہت سی نازیبا الفاظ میں دو میلہ کو کوس رہی تھیں۔

"اس چیل نے ایک ہی رات میں تم پر ایسا ڈنڈا کھما دیا کہ تمہیں اس کا کوئی قصور ہی نہیں لگ رہا کس قدر منکار اور حالاک ہو گی۔ میں تو حیران ہوں کہ آج کل کی لڑکیوں میں اتنی تیزی آتی کہاں سے ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر اپنی دوست سے بات کر رہی تھی جو میں نے اتفاقاً سن لی اسے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ اس کے بھائی نے بریرہ کو۔" ایلیان کہتے کہتے رک گیا۔

کیسا خوف تھا کہ کیسے دیواریں بھی اس راز سے واقف نہ ہو جائیں۔

اپنی کمزوری اسے خود بھی سخت بری لگی تھی مگر اس وقت اس پر گزرنے کا وقت نہیں تھا کیونکہ شگفتہ غفار ٹھک کر بیٹھیں۔

"وہ اپنی دوست سے باتیں نہیں کر رہی تھی بلکہ جان بوجھ کر تمہیں سب کچھ سنارہی تھی تم نے اتفاقاً اس کی باتیں نہیں سنیں اس نے پورا ڈرامہ کر کے اسی وقت فون پر ایسی گفتگو کی کہ تم سن لو اور اسے مظلوم و معصوم سمجھ کر معاف کر دو۔"

"میری اسے تو پتا بھی نہیں تھا کہ میں اس وقت کمرے میں آنے والا ہوں اور جب میں کمرے میں گیا ہوں تب اس نے مجھے کہا بھی نہیں تھا۔" ایلیان چڑ گیا۔

"اگرے رہنے دو مجھے سب پتا ہے ان چالباز لڑکیوں کے جھکنڈے۔ یہی سوچ کر تو انہوں نے شادی کی ہے کہ بس ایک بار جائز ناجائز کسی بھی طریقے سے ایک امیر گھرانے کی سون جاؤ بعد میں تو سب ٹھیک ہو ہی جاتا ہے۔"

نکل دیے بھی اس لڑکی کی ابھی ہے عورت خوب صورت ہو تو کوئی بھی مرد آسانی سے بے وقوف بن جاتا ہے۔
حلفت غفار اتنے فیسے میں نہیں کہ انہیں احساس ہی نہیں تھا وہ بیٹے کے سامنے کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔

ایمان کا خون کھول اٹھا تھا ان کی بات پر وہ بہت سروسیمے میں بولا۔
”یہ کوئی پہلی لڑکی نہیں ہے جو مجھ سے ٹکرائی ہے کہ اس کا حسن دیکھتے ہی میں بے وقوف بن جاؤں گا آپ کو کیا پتا جس سیٹ اور پوزیشن پر میں ہوں وہاں روز ایسی ہزاروں لڑکیاں ایک بزنس ڈیل حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں اگر میں اتنا ہی کمزور ہوتا تو کج آپ کے سامنے اس ایمان کی بجائے ایک ایسا نام ایمان موجود ہوتا جو اپنا سارا بزنس خوب صورت لڑکیوں پر لٹا کر خالی ہاتھ کھڑا ہوتا۔“ ایمان کے لمبے لمبے سر دھڑکی اور چہرے پر چھائے پٹا تاثرات حلفت غفار کو تھوڑا سا خائف کر گئے تو وہ مزید بحث نہ کر سکیں بس سر ہٹ کر رہ گئیں۔

ایمان بھی اور کچھ کہنا فضول سمجھتے ہوئے بات ختم کر کے اٹھا تو اپنے پیچھے ریاض غفار کو کھڑا دیکھ کر ٹھنک گیا ان کی صبح ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوئی تھی اور وہ ابھی ہاتھ دھو کر نہ نکلا کر نکلتے تھے۔
ان کے چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ ساری باتیں جو ابھی ایمان نے کہیں سن چکے ہیں ایمان نے ان پر ایک نظر ڈال کر قدم آگے بڑھانے چاہے کہ وہ بول پڑے۔

”کچھ بھی ثابت کرنے کی کوشش میں ایسا کوئی قدم مت اٹھا لیتا جس کا نقصان بریرہ کے ساتھ ساتھ ہم سب کو بھرنا پڑے۔“ ایمان کا کچھ بولنے کا ارادہ نہیں تھا البتہ حلفت غفار کے بغیر نہ رہ سکیں۔

”وہ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائے گا وہ لڑکی تو اس کی نظر میں بڑی مظلوم اور معصوم ہے جو اپنے بھائی کی وجہ سے اس عذاب میں مبتلا ہے۔“ حلفت بری طرح تپتی ہوئی تھیں ایمان کا سارا خون اس کے چہرے پر جمع ہو گیا تو ریاض غفار ماحول کو گھنڈا کرنے کے لیے رسائی سے کہنے لگے۔

”یہ وقت نہیں میں ایک دوسرے کو طعنے مارنے کا نہیں ہے ہمارا بیٹا بہت سمجھدار ہے نہ صرف وہ کر رہا ہے جس سے ماحول خوشگوار رہے اور بریرہ کی آئندہ زندگی میں کوئی منشن نہ آئے۔

رہا سوال اس لڑکی کے بے قصور اور قصور وار ہونے کا تو سچائی چاہے جو بھی ہو تم بے فکر ہو حلفت۔ ہمارا بیٹا اتنی آسانی سے لوگوں کو معاف کر دینے والا نہیں ہے۔

جس نے آج تک اپنے دوست و جاہل کو معاف نہیں کیا حالانکہ اس نے تو ایسا کوئی بہت بڑا جرم بھی نہیں کیا تھا صرف اس کا نام استعمال کر کے ایک لڑکی سے دوستی کی تھی جس سے بعد میں شادی بھی کر لی اور وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ خوش ہے لیکن ہمارا بیٹا خود کو دھوکا دینے والوں کے ساتھ آج کوئی ڈیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا تو پھر وہ ایک ایسی لڑکی کو کیسے معاف کر دے گا جس کی وجہ سے اس کے سارے گھر نے اور خود اس نے اتنی تکلیف اٹھائی ہو۔“ ریاض غفار بڑی تفصیل سے بولے۔

ایمان انہیں دیکھتا رہ گیا اب تک وہ خود سب کو سمجھا رہے تھے کہ وہ میلہ کے ساتھ رویہ بہتر رکھیں لیکن اب ان کی گفتگو میں ایک نیا ہیرو بھی تھی جسے حلفت غفار نے تو محسوس نہیں کیا لیکن ایمان کو بڑی شدت سے احساس ہوا تھا۔

اس نے دو لفظ اس کی حمایت میں کیا بول دیے سارے گھر والے اس خوف میں جھٹکا ہو گئے کہ وہ وہیلہ کی طرف مائل ہو رہا ہے۔

ریاض غفار نے اس وقت اس کی ضدی طبیعت کی مثال نہیں دی تھی بلکہ انہوں نے اسے یاد دہانی کرائی تھی کہ اسے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو کوئی بھی قدم یہ سوچ کر اٹھا لیتے ہیں کہ آگے چل کر سب ٹھیک ہو جائے

اس معاملے میں جب ایمان نے دوست کا لحاظ نہیں کیا تو دشمن کا تو بالکل نہیں کرنا چاہیے۔



”خرم یہ نوبہ کون ہے؟“ فرقان حسن کے اچانک پوچھنے پر خرم نے بری طرح چونک کر انہیں دیکھا وہ اس کے برابر میں رکھے سنگل صوفے پر بیٹھے ہوئے ٹائی کی ٹائڈ میل کر رہے تھے ان کا انداز بھلے ہی سرسری تھا مگر ان کا سوال سرسری نہیں تھا آفس سے آتے ہی ان کا یہ پوچھنا اور سب سے بڑھ کر نوبہ کے نام اور وجود سے واقف ہونا کسی باہمی بات کی نشاندہی کر رہا تھا۔

خرم لاؤن میں بیٹھا دیوار پر لگے بڑے سے ہوم ٹیوی پر چھٹا چینج کر رہا تھا ایک طرح سے بالکل فارغ بیٹھا تھا جب سے یونیورسٹی میں اس کا اور نوبہ کا اسکیٹل مشہور ہوا تھا اس کا دوستوں کے ساتھ بلاوجہ سیر پالنے کرنا بالکل بند ہو گیا تھا اس کی دو تین وجوہات تھیں۔

ایک طرف اسے اپنے کیے پر پچھتاوا تھا کہ اس نے کیوں محض نمل کو جلانے کے لیے ایک لڑکی کا نام خراب کیا دوسرے یہ کہ اس کی سمیر اور اس کے گروپ سے اتنی لڑائی ہوئی مگر اس کا کوئی دوست آگے نہیں بڑھا یہ دیکھ کر بھی اس کا دل ان سب سے بھرا ہو گیا تھا۔

نوبہ کے ساتھ حمید کے فارم ہاؤس جانے کی وجہ سے وہ اگلے دن یونیورسٹی نہیں جاسکا تھا مگر اس کے اگلے دن جب وہ گیا تو اس کا ارادہ اپنے سارے دوستوں کو بالکل بھی لفٹ کرائے کا نہیں تھا لیکن اسے یہ جان کر بڑی حیرانی ہوئی تاہم وہ بار بار دن بجائے اس کے کہ اس سے شرمندہ ہوتے الناس سے خفا لگ رہے تھے۔

اسے خواہ مخواہ کسی کے ناز اٹھانے کا کوئی شوق نہیں تھا اس نے توجہ فیس دی تو تاہم وہ بار بار خود ہی اس کے قریب چلے آئے اور نوبہ کو بے وقوف بنانے پر اسے لعن طعن کرنے لگے۔

اسے یہ تو اندازہ تھا کہ انہیں یہ حرکت پسند نہیں آئے گی لیکن انہیں اتنی بری لگے گی یہ امید بالکل نہیں تھی۔
وہ سمیر کے ساتھ مارہٹ کے وقت بھی اسی لیے آگے نہیں بڑھے تھے کیونکہ انہیں خرم کی یہ حرکت بالکل اچھن نہیں لگی تھی جانے اس لڑکی کو کیا بیماری تھی جو وہ اس طرح بے ہوش ہو گئی تھی اور خرم ایسی بیمار لڑکی کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔

خرم نے ان کی بات بڑے نمل سے سنی تھی اسے پتا تھا وہ دونوں ایسے ہی ہیں ایک تو پہلے ہی وہ دونوں مارہٹ سے دور بھاگتے تھے اور اس وقت تو وہ خرم کے خلاف ہو گئے تھے پھر معلوم یہ ان میں کیا اترتے۔

چنانچہ خرم نے بھی اس بات کو طول دینے کی بجائے مختصراً ”نوبہ کی ذہنی بیماری کا ذکر کرو اور انہیں صاف بتا دو کہ نوبہ کو اب اس سارے کھیل سے بالکل الگ رکھے گا فیس بک پر جو کھٹش اور تصویریں آئی تھیں وہ خرم کے لیے بھی برداشت سے باہر تھیں۔

ہارون اور تاہم کو نوبہ کی ذہنی بیماری کا پتا چلنے کے بعد خرم کی حرکت اور بھی ناگوار گزری تھی وہ تو خرم نے صرف حمید پر شک ہونے والی بات بتائی تھی تب وہ اسے کھل پانگل کہنے لگے تھے اگر وہ یہ بتاتا کہ وہ نوبہ کے ساتھ جا کر حمید کا فارم ہاؤس کھود آیا ہے تب وہ خرم کو بھی پانگل قرار دے دیتے۔

بہر حال انہوں نے خرم کو خوب سنائی تھی اور کیونکہ خرم شرمندہ تھا اس لیے اس نے زیادہ بحث بھی نہیں کی اور خاموش سن رہا۔

لیکن اسے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ یہ سب فرقان حسن تک پہنچ گیا ہو گا ان کے سوال پر اسی لیے وہ بے یقینی سے انہیں دیکھے گیا یہاں تک کہ انہیں اسے چوٹ کاتے ہوئے پوچھتا رہا تھا۔

"میں نے پوچھا ہے؟ who is zobia"

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" خرم نے ٹی وی بند کر کے پوری طرح سے ان کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

فرقان حسن کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر بڑی سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"ڈی آئی جی صاحب کا فون آیا تھا جو انہوں نے بتایا ہے وہ میرے لیے ناقابل یقین ہے۔" خرم حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کیا گماڑی آئی جی صاحب نے۔"

"دو تین دن پہلے وہ لڑکی تمہارے ساتھ کس گئی تھی چارپانچ گھنٹوں کے لیے۔ اس سے ایک دن پہلے تمہاری یونیورسٹی میں تھی جہاں وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور تم اسے ہسپتال لے کر گئے تھے۔"

خرم وہ لڑکی تمہاری کلاس فیلو ہے نہ تمہارے فرینڈز کی فرینڈ ہے۔ تمہیں کمال مل گئی جو تم اسے لے کر آ گئے۔ یہ بھی یونیورسٹی اور زمیں فرقان حسن کے لہجے میں غصہ نہیں تھا بلکہ شدید حیرت تھی۔

"یہ سب آپ کے دوست کو کیسے پتا ہے۔" خرم نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کیے بغیر سنجیدگی سے پوچھا۔

"بلال اختر نے بتایا ہے جبکہ تمہارے ساتھ گئی تھی تب وہ پولیس کو بلائے کا سوچ رہے تھے تو ڈی آئی جی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ خرم بہت اچھی فیملی کا لڑکا ہے آپ یہ سب کرنے سے پہلے ایک بار ان سے مل لیں۔"

فرقان حسن کی بات پر خرم گنگ رہ گیا۔

بلال اختر کا فون اس کے موبائل پر آیا تو تھا اس کے بعد بالکل خاموشی ہو گئی۔

نذیر نے بھی گھر پہنچنے کے بعد اسے مہیج کر دیا تھا کہ۔

"سب ٹھیک ہے۔" لہذا وہ اسی وقت اپنے گھر آ گیا تو کیا بلال اختر نے ڈی آئی جی صاحب کو فون کیا تھا اور ان کے مشورے پر وہ بالکل چپ ہو کر بیٹھ گئے تھے اسی لیے نذیر سے بھی کوئی پوچھنا چھ نہیں کی۔

فرقان حسن اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر کہنے لگے۔

"میں تو بلال اختر کو جانتا بھی نہیں ہوں وہ تو ان کا گھر خریدا ہے اس لیے ان کا نام بھی پتا ہے ورنہ وہ لوگ کس قسم کے ہیں مجھے کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔"

مگر تم خود سوچو اگر ڈی آئی جی کی جگہ انہوں نے کسی اور کو فون کیا ہوتا یا ڈی آئی جی میرا دوست نہ ہوتا تو تمہارے خلاف تو ایف آئی آر کٹ چکی ہوتی۔

آخر تمہاری نذیر سے دوستی کیسے ہو گئی کہ تم اس کے ساتھ کس بار بھی چلے گئے میں نے تو تمہیں بتایا تھا کہ لڑکی ذہنی طور پر ٹھیک نہیں۔ پھر یہ سب کیا ہے۔" فرقان حسن کے لہجے میں پھراری کا عنصر نمایاں تھا جیسے انہیں اس پر یچنے سے ناؤ آ رہا ہو۔

"ڈی آئی جی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دونوں کوئی گھونٹے نہیں گئے تھے اور نہ ہی میری اس سے کوئی دوستی ہے۔ میں بھی آپ کی طرح اس کی فیملی کو زیادہ نہیں جانتا اور نہ ہی جاننے کی ضرورت ہے بلال اختر نے کچھ زیادہ ہی ملحد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

یونیورسٹی میں فینشیل لگا تھا نذیر وہی دیکھنے آئی تھی That's it بلال اختر نے تو بلاوجہ بات کو غلط رنگ دے دیا ہے۔" خرم نے فحشی سے بتایا۔

فرقان حسن بغور اسے دیکھتے رہے جو انہیں پر وہ زیادہ غصہ نہیں دکھانا چاہتے تھے نہ ہی اس کا کوئی فائدہ تھا۔ خرم نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو انہیں دوسروں کے سامنے شرمندہ کراتی لہذا انہیں کسی شدید رد عمل

ہے۔ نمل بھنے سے قاصر تھی۔

کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ صرف خرم کو یہ احساس دلانا چاہتے تھے اس طرح کی حرکتوں میں مفت کی بدنامی ملے پڑ جاتی ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جس بات کو وہ اتنا معمولی سمجھ رہا تھا اس پر اس کے خلاف پولیس کیس بن سکتا تھا یہ سب جان کر اگلی بار وہ کوئی بھی قدم بغیر سوچے سمجھے نہیں اٹھائے گا۔

فرقان حسن کی نظروں میں موجود نصیحت کو خرم بخوبی پڑھ رہا تھا لیکن وہ اس موضوع پر زیادہ بات نہیں کرنا چاہا۔

پتا تھا بھی انجان نہ بتا بیٹھا رہا تو فرقان حسن بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"نمل کیسی ہے۔" ان کے اچانک سوال نے ایک بار پھر خرم کو چونکا دیا انہوں نے کبھی اس طرح نمل کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اس وقت یہ سوال اس کی خیریت جاننے کے لیے نہیں پوچھا گیا تھا بلکہ یہ یاد دہانی کراتی تھی کہ اس کی زندگی میں نمل موجود ہے لہذا کسی اور کی منجائش نہیں ہے۔

خرم چڑی تو گیا ان کے انداز پر دل تو چاہا صاف کہہ دے میں کوئی نذیر سے شادی نہیں کرنے والا ہوں جو آپ مجھے نمل کو یاد دلانا چاہ رہے ہیں۔

لیکن وہ ایسی کوئی بات نہیں کہنا چاہتا تھا جس سے فرقان حسن کو بھی غصہ آجائے اور وہ نذیر کے ساتھ باہر کیوں جائے اور کہاں جائے جیسے سوالات اٹھانا شروع کر دیں بھی مرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔"

"اسے کبھی گھر لے آیا کرو۔"

"کیوں؟" فرقان حسن کی بات پر خرم نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"ایسے ہی بس۔ بہت دن سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"تو آپ اس کے گھر جا کر مل لیں میں یونیورسٹی سے اسے اپنے گھر لے آؤں کتنا عجیب لگے گا۔" خرم اعتراض کرتے ہوئے بولا۔ تو فرقان حسن بھی خاموشی سے اٹھ گئے۔

شکر تھا کہ انہوں نے زیادہ کرید انہیں تقاریر نہ خرم کے پاس نذیر کے ساتھ کس بار جانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ نمل کو گھرانے کی خواہش ظاہر کر کے شاید انہوں نے یہ جتایا تھا کہ نمل کے ساتھ تو وہ کیس گھونٹنے پھرے نہیں جاتا۔

اگر وہ نمل کر پوچھتے تو صاف کہہ دیتا کہ نمل کو ایسے چو نچلے پسند نہیں لیکن انہوں نے موقع ہی نہیں دیا۔ ویسے تو وہ جھوٹ بھی بول سکتا تھا کہ وہ اور نمل اکثر باہر چلے جاتے ہیں لیکن ایک غلطی وہ دوبارہ کبھی کر سکتا تھا۔

نذیر کے بارے میں غلط تاثر دینے کے بعد وہ نمل کا ایج کیوں خراب کرنا جبکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ نمل بالکل بھی ایسی نہیں ہے۔

آج کل تو اس کی نمل کے ساتھ بات بھی نہیں ہوتی تھی نمل خود تو کبھی مخاطب کرتی نہیں تھی اور جب سے نذیر والا حادثہ ہوا تھا خرم نے بھی نمل کو چڑانا اور رنج کرنا چھوڑ دیا کتنی بار ایسا ہوا تھا کہ نمل سے سامنا ہونے پر خرم اس کی جانب دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا تھا۔

مگر اسے یہ نہیں پتا تھا کہ اس کی یہ حرکت نمل کے لیے کس قدر حیران کن تھی پہلی بار ایسا ہونے پر نمل بھی تھی کہ اس نے نمل کو دیکھا ہی نہیں لیکن دو تین بار جب خرم نے ایسا ہی کیا تو نمل شاکدہ ہو گئی۔

پوری یونیورسٹی اس کے اور نذیر کے متعلق بات کر رہی تھی ایسے میں خرم کا یہ انداز نمل تک کو سوچنے پر مجبور کر گیا تھا آخر خرم کا ارادہ کیا ہے کیا سوچے بیٹھا ہے یہ خاموشی اس کی چال ہے یا یہ کسی طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ نمل بھنے سے قاصر تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ)

فوزیہ یامین



فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روع نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر فوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کانچ میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی بھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روع کو بلائے۔ اور روع کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگوبیلہ، سکیل اور نسل کو پونہ رشی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نسل ان دنوں کو پلس میں لڑکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم لڑکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس پلس میں لڑکی کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار گواہ میرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

۳۲
بتیسویں قسط



پتا نہیں یہ رو میلہ کا وہم تھا یا حقیقت بہر حال اسے لگ رہا تھا جب سے وہ کھیتوں کی سیر کر کے واپس آئے ہیں تب سے بریرہ کا موڑ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا ہے۔ الیان سے تو زیادہ سامنا ہی نہیں ہوا البتہ اس نے جس طرح اسے سب لوگوں کے چچ کا طب کیا تھا وہ دیکھ کر رو میلہ کو شدید حیرت ہوئی تھی ذرا دیر تو اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ اگلے دن اسے کلفت غفار کی نظروں میں اپنے لیے مزید نفرت کا احساس ہوا تو جیسے اس کی ہمت جواب دینے لگی۔

بریرہ کے دل سے اسے لے لے گاؤں کا علاقہ قالی لباس زیب تن کرنے کے لیے دیا گیا وہ کوئی دہلی نہیں تھی ہنر انہوں نے اسے بھی بریرہ کی طرح علاقہ قالی زور اور دھاتی میک اپ کر کے دہلی کی طرح سجادہ تھا۔ اس کی تھوڑی برکات سے تین مل لگا کر مارجو نے باقاعدہ تینوں قلی پڑھ کر اس پر دم کیے تو بریرہ کا پسو بدل کر رہ جاتا تھا اس سے جتنی نہ رہا۔ ایک طرف اگر ان سب کی محبت اس کی ہمت پر حالی تو دوسری طرف بریرہ اور کلفت غفار کی نفرت اس کے حوصلے پست کر دیتی۔

جتنی بار اس کے دل میں کیا گاؤں سے واپس جانے سے پہلے بریرہ سے ایک بار کھل کر بات کر لے اپنے بھائی کے قہقہہ فعل پر اس سے معافی مانگ لے مگر اس کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی بریرہ اہل قالی سے دیکھتی نہیں تھی اگر کبھی اس نے شائد دور دیکھا بھی تو اس کی آنکھوں سے ایسی چنگاریاں نکل رہی ہوتیں کہ وہ رو میلہ کے وجود کو راکھ بنا کر بکھیرنے لگتیں۔

دوسرے قالی ہوتے ہوتے انہیں شام ہو گئی تھی۔ کلفت غفار پھر بھی ہند رہیں کہ ابھی شہر کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں جس پر رسمی سامع سب نے کیا اور بلا خرشلہ جہاں ماحول کو بری طرح اثر پڑا سب کہیں جا کر کلفت غفار مجبور ہو کر صبح فجر کے بعد دہلی میں نکلنے پر اصل میں وہ بالکل نہیں چاہتی تھیں کہ رو میلہ مزید الیان کے قریب رہے انہیں وہ بہت خطرناک لڑکی لگ رہی تھی جس طرح ایک ہی رات میں الیان کے نظریے اس لڑکی کے متعلق بدلے تھے انہیں یہ نظر رکھتے ہوئے وہ اس سے کچھ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔

جینے کی شادی کر کے تو تمام ہی ماؤں کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں بیٹا بالکل بیوی کا غلام بن جائے چاہے سو کو کتنے ہی چاؤ سے کہیں نہ لایا گیا ہو جبکہ یہاں تو صورت حال بالکل ہی مختلف تھی ایسے میں کلفت غفار کا غرور مند ہونا اتنا کوئی غلط نہیں تھا۔

رو میلہ ان کے قوراً چلے جانے کا پس منظر تو نہیں جانتی تھی لیکن ان کی ہر چیز سے بے ڈاری اب اس کی سمجھ میں پہنچی آگئی تھی اور وہ انہیں حق بجانب سمجھ رہی تھی اس لیے اس نے تیرہ کر لیا کہ جانے سے پہلے ایک بار بریرہ سے بات ضرور کرے گی اور اس کے لیے اس کے پاس صرف آج رات کا ہی وقت موجود تھا۔

مغرب سے قالی ہونے کے بعد کھانا کتنے میں جتنا وقت تھا وہ سب عام طور پر ساتھ بیٹھ کر ہی گزارتے تھے مگر آج دوسرے کی تقریب کی وجہ سے سب آنا تھک گئے تھے کہ باقاعدہ محفل نہ بن سکی تھی اسی شائد کا قاتلہ اٹھانے ہوئے رو میلہ بریرہ کی تلاش میں لگ گئی۔ خوش قسمتی سے وہ اسے ٹلی میں لے کرے میں باکیلی بیٹھی مل گئی۔ ٹلی میں اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا اور سیکھنے کی دی وہ اکھا کر لیتی ہوئی تھیں۔ بریرہ ان کے پاس بیٹھی ایسے اخبار دیکھ رہی تھی جیسے اب تک ان سے باتیں کر رہی ہو مگر اب ان پر غنودگی طاری ہوئی وہ کچھ کراخبر کی سرخیوں پر نظر ڈالنے لگی۔ رو میلہ کے کمرے میں آئے تو اس نے محسوس ہی نہیں کیا تو رو میلہ کو گلا گھنٹا کر اسے متوجہ کرنا پڑا۔ اس نے بری طرح جھجک کر رو میلہ کو دیکھا اور اس پر نظر پڑتے ہی شدید حیرانی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ آخر اتنا انداز تو اسے ہو ہی گیا تھا کہ رو میلہ اس سے بات کرنے لگی ہے لیکن اس نے یہ جرات کیسے کی یہ بریرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

”آج تم دہلی میں کرہت اچھی لگ رہی تھیں۔“ رو میلہ نے بات شروع کرنے کے لیے کہا اور نہ اسے پتا تھا بریرہ کو اس کی تعریف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس عذاب سے وہ گزر کر آئی تھی اس کے بعد زندگی کی یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں اپنا حسن دکھ کر ثانوی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔

بریرہ کا چہرہ بھی اپنی تعریف میں کرپاٹ رہا تھا بلکہ وہ استغناء یہ انداز میں رو میلہ کو دیکھ رہی تھی جیسے یہ جانتا چلا آتی ہو کہ وہ اس وقت یہاں کیوں آئی ہے۔ رو میلہ اس کا سوال سمجھ رہی تھی خود اسے بھی ادھر ادھر کی بات کرنا مشکل لگ رہا تھا انہیں غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کرنے میں کوئی آجائے اور اصل بات درمیان میں ہی رہ جائے پھر بریرہ ہی بے زار ہو کر اٹھ جائے جس کے قوی امکان تھے۔ مگر وہ ٹالی اماں کی سوچوں کی میں وہ دیکھ کر کیسے چیز سن گئی تھی۔ خدائے ایزد ان کے کان میں کوئی ایک جملہ بھی پڑ جاتا تو؟ رو میلہ ایسا کوئی خطو مول نہیں لے سکتی تھی۔ اسی لیے ٹالی اماں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

”میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں کیا تم تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ باہر آ سکتی ہو۔“

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ بریرہ ایک دم سختی انداز میں بولی۔

”صرف دو منٹ سن لو۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے نفرت کرتی ہو میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔“ رو میلہ التجائیہ انداز میں بولی۔

”میں نے کہا مجھے کوئی بات نہیں کرنی دو منٹ تو کیا دو سیکنڈ بھی نہیں۔“ بریرہ نے چہا چہا کر کہا اسی وقت ٹالی اماں خیمہ میں ہلکا سا کھسکا میں تو بریرہ کچھ خوف زدہ سے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔ اگر انہوں نے اس کا یہ لب و لہجہ سن لیا تو وہ جب تک اس سے بے کی وجہ نہیں جان لیں گی جین سے نہیں بیٹھیں گی۔

”صبح ہم لوگ چلے جائیں گے میں صرف ایک بار۔“

”چپ ہو جاؤ۔ ٹالی اماں اٹھ جائیں گی۔“ بریرہ زنج ہو کر ٹالی پھر پڑے جھنجھلائے ہوئے انداز میں بستر سے اتر آئی اور لن کے کمرے سے حق ٹیرس کی طرف بڑھ گئی۔

رو میلہ اس کا بے زار انداز دیکھ کر شرمندہ سی اس کے پیچھے چلی آئی اس نے بھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں اسے بھی ایسے حالات اور دیو یوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ جہاں غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی وہ بھرموں کی طرح گھڑی ہوگی۔

”مولو۔“ ٹیرس میں آکر بریرہ جی بد تمیزی سے بولی ہوئی آواز میں بولی۔

”تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کا مجھے بہت افسوس ہے مگر میرا یقین کرو مجھے اپنے بھائی کی سازش کے بارے میں پتا نہیں تھا۔ مجھے تو یہاں آکر۔“

”ٹھیک ہے میں نے یمن لیا اب تم جاؤ۔“ بریرہ کا جارحانہ انداز رو میلہ کو ہونٹ کاٹنے پر مجبور کر گیا اس کی آنکھیں جھپکنے لگی تھیں مگر وہ گزور نہیں بڑنا چاہتی تھی۔ بریرہ جو بھی کر رہی تھی اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھی اور اس کے پاس یہ آخری موقع تھا معافی مانگنے کا۔ جھپکی معافی ملنے ملے اسے تو اپنا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔

”بریرہ میں جانتی ہوں تم اس وقت کس تکلیف سے گزر رہی ہو لیکن۔“

”تم کچھ نہیں جانتیں۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔ کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا۔ میں جس تکلیف سے گزری اور اب گزور رہی ہوں اس کی شدتوں کا کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔“ بریرہ زہر خند کیے میں بول رہی تھی۔ رو میلہ کی آنکھیں ڈبڈبائے لگیں۔ وہ رو میلہ کو کوئی بات پوری کرنے ہی نہیں دے رہی تھی تو رو میلہ بھلا وضاحت کیسے دیتی۔

ایک ہل کو تو اس کا دل چاہا ابھی اور اسی وقت کمرے سے چلی جائے مگر وہ کوئی فرض پورا کرنے نہیں آئی تھی۔

بلکہ وہ جیسا شرمندہ تھی اور اس سے واقعی معذرت کرنا چاہتی تھی۔ تب ہی اتنے تلخ لہجے پر بھی رسوائیت سے کہنے لگی۔

"ہاں۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہم میں سے کوئی تمہاری تکلیف نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ تکلیف سے تم اپنی نہیں گزر رہی ہو اس طرح زبردستی کسی کے گھر کی سوسنا اور کسی کے سر پر مسلط ہونا بھی کم تکلیف نہیں ہے۔ جب سے مجھے پتا چلا ہے کہ ایرا بھائی نے تمہاری فیملی کو ہلکے سیل کر کے مجھ سے شادی پر مجبور کیا ہے میں کس کس سے گزر رہی ہوں وہ میں ہی جانتی ہوں۔ انہوں نے جو کیا بہت غلط کیا ان کا گناہ معافی کے قابل نہیں لیکن پھر بھی میں ان کی طرف سے معافی مانگ رہی ہوں۔" رو میلہ نے عاثرانہ "نہیں بلکہ جیسا کہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

اس کا گلوگیر لہجہ اور جڑے ہوئے ہاتھ بریرہ پر کچھ بھی اثر نہیں کر سکے تھے۔ البتہ اس کی آنکھوں میں حیرت پائی دیکھ کر اسے عجیب سا سکون ملا تھا۔ ہر چند وہ رو میلہ کی معذرت کو ایک ڈرامہ سمجھ رہی تھی۔ اسے تو یہی لگ رہا تھا کہ رو میلہ اب اس گھر میں اپنے قدم جماتے کے لیے بے گناہ اور شرمندہ ہونے کا حریف کر رہی ہے۔

لیکن اس کے باوجود وہ اس کی بات بڑے آرام سے سنتی رہی اسے اپنے آگے گڑ گڑاتا تو کہہ کر اسے بھی تسکین مل رہی تھی۔ سونہ کون سا اسے رو میلہ کے آنسو دیکھ کر اسے معاف کرنا تھا۔ جبکہ رو میلہ کو اس کی خاموشی سے بڑی ہمت ملی وہ جلدی جلدی اپنی ساری بات کہتی گئی۔

"مجھے اندازہ ہے تمہارے لیے ہم میں سے کسی کو بھی معاف کرنا آسان نہیں لیکن میرا یقین کرو مجھے کچھ بھی نہیں پتا تھا۔ کاش یہ سب میرے علم میں ہوتا تو میں صبح نکاح کے وقت ہی اس شادی سے انکار کر دیتی۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا ہے تمہارے بھائی کو اس شادی کا طوق ساری زندگی اپنے گلے میں لٹکا کر پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں واپس اپنے گھر چلی جاؤں گی اور اس کا تمہاری زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ٹرسٹ می لایبر اے جین کوفا میں سب ٹھیک کر دوں گی۔" رو میلہ صرف کہہ نہیں رہی تھی بلکہ اس کا مقصد ارادہ تھا کیا کچھ کرنے کا جس سے الیان کو اس زبردستی کے رشتے سے نجات مل جائے اور بریرہ کو بھی کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

مگر اس کے لیے کرنا کیا ہو گا ایسا کوئی لائحہ عمل رو میلہ نے ابھی تک ترتیب نہیں دیا تھا۔ نہ ہی اس کی کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ تو بس کسی طرح بریرہ کے چہرے پر پھیلی غرت کو کم کرنا چاہتی تھی۔ مگر اسے کامیابی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔ بریرہ اس کی بات سن ضرور رہی تھی لیکن اس کے چہرے کے تاثرات ہنوز تھے تب ہی رو میلہ مزید کہنے لگی۔

"میں اپنے بھائی کو سمجھاؤں گی انہوں نے غصے اور خد میں یہ سب کر ڈالا لیکن میں انہیں بتاؤں گی کہ اس طرح نہیں بنتے اور نہ ہی تمہارے گھر کو اجاڑنے سے ان کا کوئی مقصد انہیں حاصل ہو جائے گا۔ یہ زبردستی کا بندھن کسی کو بھی خوشی نہیں دے گا۔" رو میلہ کہتی چلی گئی کہ تب ہی کسی آہٹ پر وہ دونوں چونک اٹھیں۔ ان دونوں نے بے اختیار کمرے کی جانب دیکھا۔

میرس کے دروازے پر پڑے باریک سے پردے کے پیچھے کسی کا سایہ لہراتے پردے کے ساتھ واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔

"گتہ کلن۔" بریرہ نے بری طرح خوف زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔
رو میلہ بھی کسی کو کھڑا دیکھ کر کچھ ڈر تو گئی تھی کہ کہیں اس نے رو میلہ کی کسی بات میں نہ سہلی ہوں مگر جو خوف ہراس بریرہ کے چہرے پر تھا وہ رو میلہ کو ٹھیک کر اسے دیکھنے پر مجبور کر گیا تھا۔ اس کا چہرہ اور ہونٹ بالکل سفید پڑ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا وہ ابھی لہرا کر گر پڑے گی۔ مگر ایسی لوث آنے سے پہلے وہ اوپر ہٹا تاکن کے سامنے آ

کھڑا ہوا۔ الیان پر نظر پڑتے ہی بریرہ کی جان میں جان آئی۔ خود رو میلہ کی بھی حالت بحال ہو گئی۔ کیونکہ اس کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا وہ رو میلہ کی ساری بات سن چکا ہے اور اب انہیں پریشان ہونا دیکھ کر بیٹھ ہی انداز میں کہنے لگا۔

"یہ وقت اور جگہ ان باتوں کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں ہیں مگر میری جگہ اس وقت کوئی اور ہونا۔" ثانی الیان کی ہی آنکھ کھل جائے تو۔ "الیان ان دونوں کو ہی نوک رہا تھا۔

بریرہ کا دل چاہتا تھا کہ وہ دے دے لیٹی بول رہی تھی۔ مگر ابھی ابھی جس خوف سے گزری تھی اس کے فوراً بعد اس سے بولا ہی نہیں گیا وہ صرف دو تین گہری سانس کھینچ کر اپنے اعصاب بحال کرتی رہی۔ البتہ رو میلہ خشک لبوں پر زبان بھرتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں جاننے سے پہلے بریرہ کو ساری بات بتا کر اس سے معافی مانگنا چاہتی تھی اور ساتھ ہی اسے یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ اپنی نئی زندگی کو اچھی طرح انجوائے کرے۔ اس کا گھر بیٹھ آباد رہے گا۔ اسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔" رو میلہ چاہتے ہوئے بھی یہ نہ کہہ سکی کہ بریرہ کس اور چل کر بات کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوئی۔

"جو تم کہہ رہی ہو وہ سب کرنا اتنا آسان نہیں ہے بولنے میں اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے جب تمہاری بات سن کر اگلے کی تب میں یقین کر لوں گی۔" بریرہ عجیب جھک آئیں لہجے میں بول رہی تھی۔ رو میلہ کے چہرے پر ایک سیلہ اگر گزر گیا۔ ہر بار وہ خود کو یہ سوچ کر تسلی دے رہی تھی کہ وہ اپنی جگہ حق بجانب ہے۔

اس کا لہجہ خود الیان کو بھی بہت عجیب لگا تھا۔ مگر وہ اسے ٹوٹنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی رو میلہ کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ البتہ رو میلہ کی بات کی یقین دہانی وہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس میں کتنا حق ہے۔ کسی یہ چاہتا تھا کہ بریرہ اپنے خوف سے باہر آکر بالکل پہلے بیٹھیں ہو جائے۔ شوخ اور کھنڈی اپنی یہ خواہش اسے خود بھی بے جا لگ رہی تھی پھر بھی اس نے اس کا دامن نہیں چھوڑا۔ سمجھی کہنے لگا۔

"یہ آسان کام نہیں ہے لیکن ناممکن بھی نہیں ہے۔ رو میلہ کیا کر سکتی ہے۔ ایرا کیا کر سکتا ہے۔ ہمیں سب سوچنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف اتنا پتا ہونا چاہیے کہ تمہارا بھائی کیا کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے پر نہیں مجھ پر یقین رکھو۔ اس خوف سے باہر آ جاؤ کہ یہ راز بھی کھلے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" الیان کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ بریرہ تو کیا رو میلہ بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔ بریرہ کو الیان کی بات سے کتنی تسلی ہوئی اس کا تو رو میلہ کو کوئی علم نہیں تھا لیکن خود اسے ضرور یقین ہو گیا تھا کہ الیان اس مسئلے کو حل ضرور کرے گا۔

رات کو جب وہ اپنے کمرے میں سونے آئی تو خلاف توقع الیان جاگ رہا تھا۔ بلکہ جس طرح اسے دیکھتے ہی الیان نے لب ٹاپ بند کیا تھا اس سے رو میلہ کو لگا جیسے وہ اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس لیے اپنی حیرت ظاہر کیے بغیر معمول کے مطابق سوٹ کیس میں سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔ اسی لیے الیان کو اسے مخاطب کرنا پڑا۔
"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے اگر سونا تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کرو تو زانا ستر ہو گا۔" رو میلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے بریرہ سے کہا ہے تم سب ٹھیک کر دو گی۔ مجھے "سب ٹھیک" کی وضاحت چاہیے۔" رو میلہ کچھ کنفیووزی ہو گئی۔ اس نے کچھ زانا سوچا نہیں تھا مگر اب الیان کے پوچھنے پر اسے باقاعدہ اپنے ارادوں سے اسے آگاہ کرنا سخت ضروری تھا۔ وہ نہ کی سوچنے والا تھا کہ رو میلہ خالی خولی ڈانٹا لگ سار کر آئی ہے۔

"سب ٹھیک کر دینے سے میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ سب کچھ آج ابھی اور اسی وقت ٹھیک ہو جائے گا۔" رو میلہ نے سوچنے کے لیے تھوڑا وقت لینے کے لیے بات بنائی۔
"یہ تو مجھے بھی پتا ہے تمہارے پاس جاؤ کی کوئی چھڑی نہیں ہے کہ تم ہلکے جھپٹے میں سب ٹھیک کر دو۔ لیکن تم

نے کچھ سوچا تو ہو گا کہ اپنے بھائی کو اس کے انجام تک کیسے پہنچاؤ گی۔ "دو میلہ کچھ ٹھنک کر الیان کو دیکھنے لگی جس پر الیان پوچھنے لگا۔

"میں نے کوئی غلط سوال پوچھ لیا ہے کیا؟"

"نہیں غلط تو نہیں پوچھا۔ اصل میں میں نے تو یہ سوچا ہی نہیں کہ ابراہیم بھائی کو انجام تک کیسے پہنچانا ہے۔ میں تو صرف یہی سوچ رہی تھی کہ آپ لوگوں کو اس پر اہم سے کیسے نکالا جائے۔" دو میلہ بڑی صاف گوئی سے بولی۔

الیان صرف اسے دیکھا رہ گیا۔ وہ بھلے ہی یہ نہیں جانتی تھی کہ الیان اس کی بے گناہی جان چکا ہے لیکن الیان کو تو پتا تھا کہ آج وہ اپنے بھائی کی وجہ سے کس مصیبت سے گزر رہی ہے پھر اسے اپنے بھائی کو سزا دینے یا سبق سکھانے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ دو میلہ الیان کے اس طرح دیکھنے پر یہ سمجھی کہ شاید سمجھا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے تب ہی وضاحت کرنے لگی۔

"اصل میں میرے بھائی غصے میں یہ سب کر گزرے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں میرے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ کوئی بہت بڑے آدمی نہیں ہیں۔ ان کی حرکت ناقابل معافی ہے لیکن اس میں تھوڑی سی غلطی آپ لوگوں کی بھی ہے۔ اگر اسی وقت شادی کے لیے راضی ہونے کی بجائے آپ تھوڑا سا خود غرض بن کر انکار کر دیتے تو ابراہیم بھائی پر یہ کو ایسے ہی چھوڑ دیتے۔ ان کی آپ سے کوئی دشمنی نہیں تھی وہ آپ پر وقت برباد کرنے کی بجائے کسی اور شخص کی تلاش شروع کرتے جسے وہ دن کے اندر اندر شادی کے لیے راضی کیا جاسکتا۔" دو میلہ ابراہیم کی طرف داری نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ وہ اس کی مذہبت کو سمجھتی تھی۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ جو وہ کہہ رہی ہے اس پر عمل کرنا آسان نہیں تھا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب بہن کی شادی سرور ہو اسی لیے الیان کو خاموش دیکھ کر اس نے مزید اس بات سے اسے قائل کرنے کی کوشش کیے بغیر واپس موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"لیکن خیر اس دھمکی سے بالکل پریشان نہ ہوں کہ اگر اپنی بہن کا گھر سادہ دیکھا جائے ہو تو میری بہن کو ساری زندگی بدواشت کرو۔ میرا گھر بے بااثر جائے اس سے انہیں کوئی سوکار نہیں۔" دو میلہ بڑے سادہ سے لہجے میں بول رہی تھی۔ اپنی دوست کے سامنے جس طرح وہ بکھر گئی تھی اب اس کا شاہدہ تک اس کے کنبے میں نہیں تھا۔ اس نے بڑی عمدگی سے خود کو کسوز کر رکھا تھا۔ الیان اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

"انہوں نے جس مقصد کے لیے یہ شادی کی تھی وہ پورا ہو چکا ہے۔ اب اگر میں لوٹ کر گھر چلی جاتی ہوں تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ انہوں نے میری شادی جس بنیاد پر کرائی تھی وہ اس قدر کھوکھلی تھی کہ اس پر یہ گھر بس ہی نہیں سکنا تھا۔ مگر اس سب کے لیے آپ لوگوں کو تھوڑا سا انتظار کرنا ہو گا۔ ذرا سا ماحول گنڈا ہو جائے۔ ابراہیم بھائی کا انتقام لینے کا جذبہ سرد ہو جائے پھر میں خود اپنے گھر واپس لوٹ جاؤں گی اور ان سے کہہ دوں گی کہ مجھے آپ لوگ اور آپ کا ماحول پسند نہیں آیا۔ حالانکہ آپ لوگوں نے مجھے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی وہ فیوض میرے بھائی اور بابا مجھ پر غصہ کریں گے۔ ناراض ہوں گے بات چیت بند کر دیں گے اور آخر میرے فیصلے پر صبر کر لیں گے۔ اس سچ آپ لوگوں کو صرف اپنے دلیہ پر قابو رکھنا ہو گا۔ آپ لوگ اپنا سارا قصہ اور نفرت ایک طرف رکھ کر ابراہیم بھائی پر یہی ظاہر کریں گے کہ آپ سب مل جل کر ان سے اس رشتے کو بھانا چاہتے ہیں۔ بس میں ہی خدی اور خود سر ہوں۔ جو مان کر نہیں دے رہی یہ سب کہنے میں آپ کو زیادہ محنت نہیں کرنی ہوگی ابراہیم بھائی زیادہ سے زیادہ آپ کو ایک فون کریں گے اور بس یہی کہیں گے کہ واقعی دو میلہ ایسی ہی لڑکی ہے جس پر کسی کے بھانے بھانے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ لہذا وہ آپ سے کوئی انتقام بھی نہیں لیں گے اور آپ کی مجھ

سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔" دو میلہ نے بڑے پرسکون انداز میں کندھے اچکائے تو الیان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بہت گھبر کر بولا۔

"مگر یہ سب اتنی سہیل تھا تو ابراہیم کو اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش تھی۔"

"کیونکہ ان کی اتار ضرب پڑی تھی۔" دو میلہ بے ساختہ بولی اور پھر اپنا رشتہ طے ہونے سے لے کر رشتہ ٹوٹنے تک ساری بات تفصیل سے الیان کو بتا دی۔

الیان بالکل خاموشی سے اسے سنتا رہا۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی وہ کچھ دیر تک کچھ نہ بولا تو دو میلہ کو خود ہی کھنکھاہٹ ہوئی۔

"آپ آپ خود تائیں جس شخص کو اپنا فیصلہ غلط نہ لگ رہا ہو اور چاروں طرف سے یہ سننے کو مل رہا ہو کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے پھر بھی وہ شرمندہ ہونے کی بجائے کسی کی بہن کو اغوا کرنے چل پڑے تو آپ اس کے قتل کو کیا کہیں گے۔ ایک بھائی کی بہن کے لیے محبت یا ایک خدی شخص کی ہنر و مہارت اس لیے میں کہہ رہی ہوں انہیں بریہ کا گھر اجازت دینے سے کوئی مطلب نہیں انہیں صرف کھانا کو نچا دیکھنا تھا اور یہ وہ کہہ چکے ہیں۔ مگر میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ وہ دن انہیں اپنی کامیابی کے نشے میں چور رہنے دیں اگر میں فوراً گھر واپس چلی گی تو وہ تھے سے اکھڑ جائیں گے۔ ایسی صورت حال میں وہ بریہ کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ دو تین مہینے مجھے بدواشت کر لیں تاکہ وہ جی بھر کر اپنی کامیابی کا جشن منائیں پھر اگر میں لوٹ کر جاؤں گی تو وہ آپ لوگوں کو زبردوار نہیں سمجھیں گے بلکہ مجھے بھی قتل کی طرح خود سر بنانی اور بے غیرت کے خطاب سے نواز دیں گے۔ جس کی مجھے لگتی رہا نہیں۔" دو میلہ کہتی چلی گئی۔

وہ اتنی کمزور اور ہاتواں نہیں تھی جتنی الیان کو اب تک لگ رہی تھی وہ تو کافی بہادر یا شاید بہت زیادہ خوددار تھی۔ جب ہی وہ اپنے باپ اور بھائی کی نظر میں بے غیرت اور خود سر بننے کے لیے تیار تھی۔ مگر یہاں ان لوگوں کے سر پر زبردستی مسلط رہنے پر بالکل تادم نہیں تھی۔ الیان کی اتنی طویل خاموشی دو میلہ کی سمجھ سے باہر تھی۔ تب ہی وضاحت پر وضاحت جاری تھی۔

"آپ شاید مجھ پر بھروسہ نہیں کر پارہے ہیں جو آپ سے دو تین مہینے کی مسلت مانگ رہی ہوں آپ اسے کوئی سازش سمجھ رہے ہیں۔ لیکن میں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" الیان غیر ارادی طور پر کہہ گیا۔ وہ دو میلہ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس کی اور اس کی کزن کی گفتگو سن چکا ہے۔ اس لیے اسے معلوم ہے کہ کسی سازش میں شامل نہیں۔

البتہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ دو میلہ جو اپنے بھائی کے بارے میں کہہ رہی ہے کہ وہ تین مہینے میں وہ اپنی طرح کا جشن منا چکا ہو گا۔ لہذا کسی رمل کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ اس بات پر کتنا یقین کیا جاسکتا ہے۔ اس کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ مگر ابھی وہ یہ سب دو میلہ سے کہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس موضوع کو بدلنے کے لیے کہنے لگا۔

"میں تمہاری کزن رمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بہت بولڈ لڑکی ہے۔ اتنا بڑا اسٹیب اٹھانا آسان کام نہیں ہے۔" دو میلہ بے اختیار مسکرا دی۔

رمل کے ذکر پر وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنی ساری الجھنوں سے باہر آگئی۔ رمل جیسی دوست واقعی ایسی نعمت ہوتے ہیں جن کا ذکر بھی انسان کے ذہن اور مشین کو کم کرتا ہے۔ کس طرح وہ اس کی ہر تکلیف پر ایسے پریشان ہو جاتی جیسے خود اس مشکل سے گزر رہی ہے۔

"بالکل۔ تو ہے۔" دو میلہ ایسے بولی جیسے تصور کی آنکھ سے رمل کے پریشان چہرے کو دیکھ رہی ہو جو دو میلہ

کی تکلیف دیکھ کر ایسا ہو جاتا تھا۔
 "مگر وہ کینڈا جا کر اس شخص سے نہ ملتی تو جانے میرے ساتھ کیا ہوتا۔ چاہیں وہ شخص کینڈا لے جا کر میرے
 ساتھ کیا سلوک کرتا۔ جانے اس کے کیا ارادے تھے۔ جانے اس کا دل کیا کا دیار ہو گا۔ ہاں نہیں مجھ جیسی اور
 کتنی لڑکیوں کو اس نے دھوکا دے کر اپنی فرض کے لیے استعمال کیا ہو گا۔" وہ میلہ کالج بات شروع کرتے وقت
 بہت نرم تھا۔ مگر بات کے اختتام تک وہ بری طرح تلخ ہو گئی تھی۔
 اس کے خدشات غلط نہیں تھے۔ ایسے دھوکے باز لوگوں کے ہتھے چڑھنے سے مرعوب ہوتا ہے۔ لیان بھی
 کچھ دیر کے لیے اس کی باتوں کے زیر اثر خاموش سا ہو گیا تھا۔ اس کی بہن تو چند دنوں کے لیے اغوا ہو گئی تھی تو اس
 کی جان پر بین تکی بھی تو ان گھروالوں کا کیا حال ہوتا ہو گا جن کی بہن اور بیٹیوں کو شادی کا بھانسا دے کر غلط اور
 ناجائز کاموں کے لیے دوسرے ملک اسمگل کر دیا جاتا ہے۔
 لیان کے احساسات صرف یہ سوچ کر ہی جھپ ہو گئے تھے اور نا جانے کتنی دیر وہ اسی احساس کے زیر اثر رہتا
 کہ وہ میلہ کے اچانک صوفے کی طرف بڑھ جانے پر چونک اٹھا۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر صوفے کی بیک کی
 جانب نہ کر کے لیٹ گئی، جبکہ لیان کتنی ہی دیر اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔



ندوہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عائشہ اختر کا ہاتھ چھوڑ کر ہانپتی ہوئی اس مجمع میں سے نکل جائے مگر عائشہ اختر کو
 شاید اس کے احساسات کا علم تھا۔ تب ہی انہوں نے مضبوطی سے اس کے ہاتھ کو پکڑ رکھا تھا اور ہنسی مسکراتی
 آگے اور آگے بڑھے جارہی تھیں۔ ندوہ کو بچپن سے ایسے بڑے بڑے فنکشنز اور پارٹیز سے گھبراتا ہوا
 تھا۔ اسی لیے وہ تقریبات میں جانے سے گتر آتی تھی مگر آج عائشہ اختر زبردستی اسے لے گئی تھیں۔ وہ بھی خوب
 تیار کر کے اپنی پسند سے انہوں نے اس کے لیے کپڑے نکالے تھے۔ بقول عائشہ اختر کے کہ تمہارے پیپا کے
 دوست کی سلور جوبلی ایلی اور سری ہے۔ لہذا تمہیں وائٹ پر سلور کام کا جوڑا ہی پہننا چاہیے اور اس پر بڑے بڑے
 سلور کوئیز سے ہلکے سے میک اپ کے ساتھ (جو کہ عائشہ اختر نے ہی کیا تھا)۔ ندوہ کسی اور دنیا کی خلق لگ رہی
 تھی۔ مکمل میں اٹھنے والی ہر نظر اسی پر ٹھہر رہی تھی اور یہی بات عائشہ اختر کا سیوں خون پھار رہی تھی۔ اپنی بیٹی کو
 دیکھ کر ان کی گردن فخر سے جھکی جا رہی تھی۔ وہ جس مقصد سے اسے یہاں زبردستی لائی تھیں وہ پورا ہوا لگ رہا
 تھا۔ عالم صاحب کے گھرانے سے ان کے کوئی بہت گہرے مراسم نہیں تھے۔ بہت سی پر تکلف قسم کا ملنا جلتا تھا۔
 کبھی سال دو سال میں ایک بار ایک دوسرے کے گھر چلے جاتے یا کوئی بہت بڑا فنکشن کرتے تو ایک دوسرے کو
 بلا لیتے۔ اسے کاروباری دوستوں سے ایسے ہی ملنا جلتا ہوتا ہے۔ جب ہی ندوہ انہیں جانتی بھی نہیں تھی اور نہ ہی
 ان کے گھر کبھی آئی تھی۔
 خود عالم صاحب بھی بال بال اختر کے گھر اکثر بدسترا کیلے ہی آئے تھے۔ وہ بھی کسی ضروری کام سے لیکن عائشہ اختر
 ان کے فنکشن میں اپنے شرکت کرنے آئی تھیں جیسے وہی ان کے لیے سب سے اہم ہوں۔ کیونکہ بال بال اختر نے
 انہیں بتایا تھا کہ فرقان حسن بھی اس تقریب میں شامل ہوں گے۔ وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ اور وہ غرم سے ملنے
 کے لیے بری طرح بے چین تھیں۔ اس کی تقریب اتنی سنی تھیں کہ جنس جاگ اٹھا ایک قدرتی بات تھی۔
 "دوسرے وہ بھی دیکھنا چاہتی تھیں کہ ندوہ کی اگر کسی سے دوستی ہو گئی ہے۔ (جو کہ نہایت حیران کن بات ہے)۔
 تو وہ کون ہے اور کیا ہے۔"

وہ تو مل ہی مل میں ندوہ کی شادی تک کا پلان بنائے بیٹھی تھی۔ ان کی بیٹی کی شادی کسی بہت اچھے لڑکے سے
 ہو رہی تھی۔ صرف ایک ایسا نہیں بلکہ ان کی زندگی کا مقصد سامنے گیا تھا۔ حالانکہ ندوہ کی ذہنی حالت کی وجہ سے وہ ایسی
 لبرل تھی کہ ہتھوڑ پکڑتی تھیں۔ مگر جب سے انہوں نے غرم کا ذکر سنا تھا ان کے نوے خوابوں کو ایک نئی تعبیر مل گئی
 تھی۔
 دوسری طرف ندوہ ان کا جوش و جذبہ دیکھ کر بالکل انکار دیتی نہ کر سکی۔ سونہ ایسی مغللوں میں جانے کا اسے شوق
 تھا کہ ہی علالت، بلکہ اسے تو وحشت ہوئی تھی اور عائشہ اختر نے جس طرح اسے اہتمام سے تیار کیا تھا اس پر تو
 اسے انکسلاج ہو رہا تھا۔
 وہ تو شکر تھا کہ عائشہ اختر کی ملاقات اپنی ایک خاص دوست سے ہو گئی اور وہ ان سے باتوں میں مشغول ہو کر
 ندوہ کو فراموش کر بیٹھیں۔ ورنہ وہ مکمل میں اسے لیے پھرتی رہتیں اور ہر ایک سے اس کا تعارف کرائے
 جاتیں۔
 ندوہ عائشہ اختر کو اپنی ساڑھی کی تفصیلات سناتے میں مصروف دیکھ کر جب چاہے اس سے کھسکی اور ایک
 لمبے "خاموش اور الگ تھلک کوٹے میں رکھی میز کے پاس چلی آئی۔ کرسی گھسیٹ کر بیٹھنے پر ندوہ نے ایک
 پر سکون سانس لیا اور ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔
 ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے ان جیسے مسکراتے لوگوں میں اپنا آپ بالکل بے ٹکا اور بے محل لگا۔ ایک دوسرے
 سے خوش کہیوں میں مصروف تمام مہمانوں کو دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے انہیں زندگی میں کوئی تکلیف ہے ہی نہیں۔
 سب کے سب اپنے آپ سے مطمئن اور آسودہ لگ رہے تھے۔ کسی کو زندگی سے کوئی شکوہ اور حالات سے کوئی
 شکایت ہی نہ ہو۔ کیا واقعی ایسا تھا یا یہ صرف نظر کا دھوکا تھا۔
 ندوہ ان سب کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنے سوال کا جواب تلاش کرنے لگی۔ جواب تو اسے کیا ملتا تھا بلکہ
 غصہ شہوت پر کرم کلر کی واسک اور کرم ہی کلر کی ٹائی لگائے نہایت ڈشنگ نظر آتا غرم اسے نظر آگیا۔ ایک
 پل کے لیے تو ندوہ یہ چونکا نہ تھی۔ غرم کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ حیران تو وہ بھی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ مگر اسے
 فوراً ہی اپنی حیرت پر قابو پانا پڑا تھا۔ کیونکہ اس کے سارے دوست اس کے ساتھ موجود تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا
 کہ ندوہ اسے حید کے ساتھ دیکھے۔ لہذا وہ تیزی سے ندوہ کی طرف بڑھ گیا۔ ظاہر اس نے یہی کیا تھا کہ وہ کوئلہ
 ڈرنگ لینے جا رہا تھا۔ چنانچہ ہارون دخیو میں سے کسی نے دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ کس سمت میں
 بڑھ رہا ہے۔
 "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"
 غرم کو حیرت سے اسے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ کسی والد کی سلور جوبلی تھی اور اس سے پہلے وہ
 کے گھر کسی بھی فنکشن میں اس نے ندوہ کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک طرح سے وہ یہاں آیا ہی ندوہ کی وجہ سے تھا۔
 جب سے فرقان حسن نے ندوہ کی بابت باز پرس کی تھی غرم بہت محتاط ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ کسی کے انوائٹڈ کرنے پر
 اس کا آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن وہ فرقان حسن پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس کے مڑن یا سمجھل میں
 وہ اسی بھی کوئی تبدیلی آئی ہے۔
 البتہ یہاں ندوہ کو دیکھ کر وہ چند ٹانفے کے لیے یہ ضرور محول گیا کہ اگر فرقان حسن نے اسے ندوہ سے باتیں
 کرنا دیکھ لیا تو بھی ان کا ٹک یہ یقین میں بدل سکتا ہے۔ اس کے ذہن میں تو بس ایک بات آئی تھی کہ کہیں حید کو
 دیکھ کر اسے پھر وہ نہ پڑ جائے اور حید کے ساتھ اسے کھڑا دیکھ کر وہ کہیں آپسے باہر نہ ہو جائے۔
 وہ ندوہ پر بالکل ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ حید کو جانتا ہے یا اس کی حید سے دوستی ہے۔

”ہمیں۔ بیٹھی ہوں یہاں۔ کر تو کچھ بھی نہیں رہی۔“ ندیہ کی سمجھ میں نہ آیا کیا جواب دے اس عجیب و غریب سوال کا۔ خرم کو خود بھی اپنے سوال کے نامناسب ہونے کا احساس ہوا تو وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اصل میں میرا مطلب تھا تم عالم انکل کی فیملی کے کسی فنکشن میں کبھی نظر نہیں آئیں اس لیے۔“

”ہاں۔ میں پارٹیز میں جانا پسند نہیں کرتی۔ آج تو نماز پڑھتی تھی۔“ آئی ہوں۔ ورنہ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ میں ان کے کسی فنکشن میں پہلے کبھی آئی ہوں یا نہیں۔“ ندیہ ہنسی کی سکرانٹ کے ساتھ ہلکی تو خرم بے اختیار نظریں گھما کر اپنے والدین کو ڈھونڈنے لگا۔ اتنے ریش میں وہ اسے نظر نہیں آئے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ندیہ کو یہاں سے چلے جانے کے لیے کیسے کہے۔ اگر وہ ندیہ کے والدین سے بات کرتا ہے تو وہ بھی سب سے پہلے اس کے اس مطالبے کی وجہ پوچھیں گے۔ اس لیے وہ انہیں یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ یہاں ایک ایسا لڑکا موجود ہے جسے دیکھ کر ندیہ کو دل پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کہنے کی صورت میں سوالوں کی ایک فہرست اس کے سامنے آ جاتی جن میں سے ایک کا بھی جواب ناممکن نہیں تھا۔ بھی بھرے مجمع میں۔

”خرم آپ نے اس لڑکے کے بارے میں کچھ پتا کیا جو مجھے یونیورسٹی میں نظر آیا تھا۔“ ندیہ نے ایک دوبار خرم کو فون کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ مگر اس وقت خرم کا فون بڑی تھا۔ خود ندیہ بھی کچھ دن گھر میں سکون سے بیٹھنا چاہ رہی تھی۔ اس لیے خرم کا نمبر زیادہ بڑا بھی نہیں کیا۔

مگر اب اسے اچانک سامنے دیکھ کر وہ پوچھ بپا نہ رہ سکی۔ خرم اس کے سوال پر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کا ندیہ کچھ اور ہی مطلب سمجھی اور شرمندہ ہونے ہوئے کہنے لگی۔

”آئی ایم سوری آپ بھلا اس کے بارے میں کیسے پتا کر سکتے ہیں۔ آپ نے اسے دیکھا تو ڈیڑی ہے اور نہ ہی میں آپ کو اس کا حلیہ دیکھ سکتی ہوں جو آپ اسے پہچان لیتے ہو۔ میرے پاس شائستہ خالہ کے بتائے اس کے اسکچ ہیں۔ وہ میں آپ کو دے سکتی ہوں۔ لیکن انہیں دیکھ کر آپ اس لڑکے کو پہچان نہیں سکتے۔ ان اسکچ میں وہ شکلیں اتنی واضح نہیں ہیں۔“

مجھے لگتا ہے میرے پاس یونیورسٹی آنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ لیکن میں یونیورسٹی اتنا نہیں چاہتی۔ خرم بالکل بے دھیانی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا ذہن تو اسے یہاں سے بھیجے گا کوئی طریقہ سوچنے میں الجھا ہوا تھا۔

مگر ندیہ کی آخری بات پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”اتنا نہیں چاہتی؟ مگر کون؟“ خرم نے حیرانی سے اس کا جملہ دہراتے ہوئے پوچھا۔ اسے تو لگ رہا تھا ندیہ یونیورسٹی آنے کے لیے اصرار کرے گی اور خرم کو اسے ملنا مشکل ہو جائے گا، لیکن یہاں تو وہ خود ہی آنے کے مترادف تھی۔

”نہ ہاں یونیورسٹی میں۔“ وہ کچھ کہتے کہتے جھجک گئی۔

”یونیورسٹی میں کیا؟“

”آپ۔ آپ کی مگیٹر کو۔ میں فیس نہیں کرنا چاہ رہی۔ وہ جانے مجھے کیا سمجھ رہی ہیں۔“ ندیہ نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

خرم اس کی بات سن کر گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔ اب وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اسے تو کچھ نہیں سمجھ رہی۔ بھی اسے سمجھتا ہے۔ خرم کو ہی سمجھ رہی ہے۔

اسے خاموش دیکھ کر ندیہ کچھ شرمندہ سے انداز میں کہنے لگی۔

”آپ کی مگیٹر نے آپ پر وعدہ کیا۔ بہت وعدہ کیا ہو گا۔“

”نہیں تو! بلکہ تو میرے ساتھ گاڑی میں جیسے اسپرل لے کر گئی تھی۔“ خرم نے اطمینان سے کہا۔
 ”واقعی۔“ ندیہ بڑی حیران لگ رہی تھی۔ خرم اس کی حیرت پر بے اختیار مسکرا دیا اور نبھانے کیل اپنی فطرت کے برخلاف اسے صفائی دینے لگا۔

”اس میں پچھتاہے اس لیے ایسی حرکتیں کرتی ہے ورنہ تو ہم دونوں کے بیچ سب جیت ہے۔“
 ندیہ جس طرح خرم کو دیکھ رہی تھی، خرم کو اپنی بات خود بھی بہت ہلانی لگی، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔
 اب وہ اپنی بات سے پھر نہیں سکتا تھا۔ لہذا اسے نبھانے کے لیے مزید کہنے لگا۔ حالانکہ وہ وہاں لمبی نشست کے ارادے سے نہیں آیا تھا بلکہ وہ تو فوراً یہاں سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔ مبلوا فرقان حسن یا بلال اختر ان دونوں کو ساتھ نہ دیکھ لیں۔

”اصل میں ہماری ایک معمولی سی بات پر لڑائی ہو گئی تھی اس پر ہم نے جیسے بھی میرے ساتھ دیکھ لیا۔ بس اسی لیے بھڑک اٹھی تھی۔“ خرم نے کہا۔ مگر ابھی بھی وہ خرم سے متعلق نہیں لگ رہی تھی۔ تب ہی کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

”مجھے کسی کے ذاتی معاملے میں دخل اندازی کی عادت نہیں ہے، لیکن کیونکہ آپ میری اتنی مدد کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ کو ایک شہرہ ضرور ملے گی۔“

اپنی تنگیز سے ایک بار کل کہات ضرور کر لیں۔ آیا وہ اس شادی پر رضامند بھی ہے یا نہیں۔
 کیونکہ وہ آپ کے بارے میں جس طرح بات کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے مجھے نہیں لگتا کہ وہ کسی جھگڑے کا رد عمل تھا۔ بلکہ وہ آپ سے خاصی بدگمان لگ رہی تھی۔ میں نے آپ کی پوزیشن تھوڑی سی کلیئر کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ مجھے بولنے ہی نہیں دے رہی تھی۔

مجھے تو لگتا ہے کہ آپ سے متعلق پر بالکل خوش نہیں ہیں۔“ ندیہ کا تجزیہ خرم کو اپنی اندلی و حسالی پر اترنے پر مجبور کر رہا تھا۔ یعنی اگر اسے اندازہ ہو ہی گیا ہے تو کیا ضرورت ہے اسے اتنی صفائیاں دے کر قائل کرنے کی تب ہی بڑی بے نیازی سے پوچھنے لگا۔

”میں نے میری پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی ہے۔“

”میں نے انہیں بتایا کہ ہوکل میں ملنے سے پہلے بھی میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ ایک لڑکے کو گولی لگی تھی اور آپ اسے کندھے پر اٹھا کر لے گئے تھے۔ حالانکہ وہاں کتنے لوگ تھے مگر کوئی اس کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا۔“
 سوائے آپ کے مگر آپ کی تنگیز میری بات ہی نہیں سن رہی تھی۔ ”ندیہ جیسی لڑکی کے لیے بولنا دیے بھی کوئی آسان کام نہیں تھا اور ہمارے اسٹاپ بٹلنگی نسل کے سامنے وہ کتنا کہ پائی ہوگی یہ اندازہ لگانا خرم کے لیے قطعاً مشکل نہیں تھا۔ وہ تو خرم کے لیے ندیہ کے منہ سے ایک بھی اچھا لفظ سن کر ہتے سے اکھڑ گئی ہوگی، جب خرم ان کی نیل پر پہنچا تھا تب اس نے اپنی آنکھوں سے یہی منظر دیکھا تھا۔

نسل مسلسل بول رہی تھی اور ندیہ حیران پریشان بیٹھی تھی۔ البتہ ندیہ نے اس وقت حوالہ دیا تھا کہ خرم کے لیے بھی حیران کن تھا۔ اسے تو یاد کرنے سے بھی اپنی کوئی ایسی نیکی یاد نہیں آ رہی تھی، جس نے ندیہ کے دیکھ لیا تھا۔ جس کے عمل کو خرم کے کھاتے میں ڈال رہی تھی۔ مگر خرم کو بھلا کیا ضرورت تھی وضاحت دینے کی۔

خرم نے اسے کرپنے کی بجائے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

”اسے سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کام تمہارے بس کا ہے، میں نہ بہت اذیل لڑکی ہے۔ اسے میرے سوا اور کوئی قابو نہیں کر سکتا۔“ خرم لاہور والی سے بولا۔

ندیہ کچھ دیر خرم کو دیکھتی رہی پھر بہت فحصر فحصر کرنے لگی۔ ”مجھے تو لگتا ہے آپ کو اس بات کی ہوا ہی نہیں

لگتی ہے۔“

ہے کہ آپ کی تنگیز اس رشتے پر خوش ہے یا نہیں۔“ خرم کچھ لمحوں کے لیے بالکل ملاح جواب ہو کر رہ گیا۔
 اسے تو لگتا ہے ندیہ اس لڑکے کے بارے میں سوچ رہی تھی جسے اس نے یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔
 لیکن ایک بار کے سوا اس نے وہاں کبھی یونیورسٹی جانے کے بارے میں سوچا تک نہیں۔

پہلی بار جب اس نے کہا تھا کہ میں اسے یونیورسٹی اگر تلاش کرنا چاہتی ہوں تب خرم نے اسے صاف انکار کر دیا تھا اور تب سے اب تک وہی سوچ رہی تھی کہ خرم نے اسے اپنی تنگیز کی وجہ سے آنے سے منع کیا ہوگا۔
 مگر اب خرم کی باتوں سے اسے لگ رہا تھا کہ وہ تو ایسا کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا جس سے اس کی تنگیز کی فلاحی دور ہو جائے۔

ندیہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ وہ اس سے پوچھتا چاہ رہی تھی کہ پھر اس کا آگے کیا ارادہ ہے۔ تو بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ جب سے وہ فارم ہاؤس سے واپس آئے ہیں خرم نے اس سے بات تک نہیں کی ہے۔ شاید وہ بھی وہ سولہ کی طرح اسے نفسیاتی مریض سمجھنے لگا ہے یا پھر بلال اختر کے فون نے اسے غلط کر دیا ہے جو بھی تھا ندیہ کے لیے خرم کی خاموشی بڑی مایوس کن تھی۔ وہ تو امید لگائے بیٹھی تھی کہ خرم اس کا مسئلہ حل کر دے گا۔
 بلکہ اسے یقین تھا کہ صرف خرم ہی یہ سب کر سکتا ہے۔

”میں اس کو لٹڈ ڈرنگ لینے جا رہا تھا کہ تم نظر آ گئیں۔“ خرم نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جانے کے لیے پرتوتے شروع کر دیے۔ ندیہ کی شکل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سے کچھ بات کرنا چاہ رہی ہے۔ مگر خرم اسے موقع دینے بغیر پلٹ گیا۔ وہ جانتا تھا اسے شائستہ خالہ کے متعلق ہی بات کرنی ہے، جبکہ وہ اب اس موضوع پر کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا اور ندیہ میں اتنی چیزیں نہیں تھی کہ وہ خرم کو جانا دیکھ کر فوراً ”کچھ کہہ دیتی آئے تو سوچتے ہیں اتنی دیر لگنے والی تھی کہ تب تک خرم کس سے کس جا چکا ہوتا۔“

یہ اہم بات تھی کہ خرم اس کے پاس سے ہٹ کر جیسے ہی نیل پر بھی کو لٹڈ ڈرنگس کے زویک آیا اسے فرقان حسن بھی وہیں کھڑے نظر آ گئے۔ ان کے ساتھ کوئی اور بھی کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر فرقان حسن کی توجہ پوری طرح خرم کی جانب مبذول تھی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

خرم غیر ارادی طور پر اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ فرقان حسن کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اسے ندیہ سے گفتگو کرنا دیکھ چکے ہیں اور اس وقت وہ کیا سوچ رہے ہیں یہ سمجھنا خرم کے لیے مشکل نہیں تھا۔

وہ کو لٹڈ ڈرنگ لینے بغیر ہی یہاں سے بھی پلٹ گیا۔ مگر احتیاطاً ”ہماروں کو فیو کے پاس نہیں گیا، کیونکہ میں ممکن تھا ندیہ اسے دیکھ رہی ہو یا اس سے بات کرنے اس کے پاس چلی آئے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی نظر حید پر پڑے اور وہ پھرے مجمع میں کوئی تماشبا بنائے۔“

حمید کو اس سے پوشیدہ رکھنے کی یہ ایک بے کاری کی کوشش تھی مگر خرم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
 اب وہ ندیہ یا حمید میں سے کسی ایک کو بھی جانے کے لیے تو نہیں کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ جوں کر سکتا تھا اس پر عمل کرنا ہارون و فیو سے دور جا بیٹھا اور اس طرح قاصرانہ بیٹھ کر جب اس نے حالات اور لوگوں کا جائزہ لینا شروع کیا تو پانچ منٹ بعد ہی کھٹک گیا۔

اس کے والد فرقان حسن اب اپنے دوست ڈی آئی جی صاحب کے ساتھ گفت و شنید میں مصروف تھے۔ سبز فرقان بھی وہیں کھڑی تھیں اور بلال اختر اور عائشہ اختر بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ڈی آئی جی صاحب نے ابھی ابھی ان کا تعارف کرایا ہو اور اب ان سب کے بیچ ہلکی پھلکی گفتگو ہو رہی ہو۔

تب ہی عائشہ اختر ان سے الٹک کھڑکی کی ایک طرف کو مڑ گئیں اور تھوڑی دیر بعد جب وہاں آئیں تو ان کے ساتھ ندیہ بھی موجود تھی۔

جس طرح خوشی خوشی اس کا تعارف کرادی تھیں وہ اتنی ہی ندوس لگ رہی تھی اس نے صرف سلام کیا تھا اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مسز فرقان نے اس سے کوئی بات بھی نہیں کی جس کا اسے جواب دینا پڑا۔ البتہ عائشہ اختر کے تسلسل سے بڑے ہونٹ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ خود ہی اپنی بیٹی کی تعریف میں رطب اللسان ہو رہی ہیں۔

فرقان حسن شکل سے بہت زیادہ سنجیدہ لگ رہے تھے۔ البتہ مسز فرقان نارمل تھیں جس کی وجہ خرم کی سمجھ میں بخوبی آ رہی تھی۔

فرقان حسن ندویہ کے بارے میں جانتے تھے اور اس وقت لڑکے کے رواجی ماں باپ کی طرح ہی سوچ رہے تھے کہ یہ ساری باتیں ان کے بیٹے کا اتفاقات حاصل کرنے کی کوششیں ہیں۔

جبکہ مسز فرقان کو سرے سے ندویہ کے متعلق کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ عائشہ اختر کی خوش مزاجی اور اپنی بیٹی سے خاص طور پر ملوانا ایک عاصیات سمجھ رہی تھیں۔

خرم کو اچانک شدید غم کی کوفت ہونے لگی۔ اس کا ہر چیز سے دل اجڑا ہو گیا۔ اسے ان سب کی صحت سے بے زاری ہو رہی تھی اس کا دل چاہا اسی وقت اپنے گھر واپس چلا جائے۔ لیکن وہ اس طرح بغیر پولے نہیں جاسکتا تھا اور وہاں جا کر فرقان حسن کو بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ گاڑی کی چابی انہیں دے کر خود ٹیکسی سے بھی چلا جاتا مگر اب وہ صرف اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑے سے ہال سے باہر نکل کر سونچنگ پول والے پورشن میں آگیا۔

یہاں مسلمانوں کی تعداد کافی کم تھی۔ خرم کو یہاں آکر قدرے سکون محسوس ہوا تو وہ ایک طرف پچھلی نیمبل پر بوٹ سمیت دو ٹولہ پاؤں رکھ کر آرامہ حالت میں کرسی پر بیٹھ گیا۔



خرم کے جانے کے بعد ندویہ کا دل چاہا وہ اٹھ کر اس کے پیچھے جائے اور جا کر اس کے آئینہ کے اردوے کے حلق پوچھے۔ لیکن وہ اتنی مست نہ دکھاپائی اور اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

جانے وہ اور کتنی دیر ایسے ہی بیٹھی رہتی کہ عائشہ اختر بڑے جوش و خروش سے اس کے پاس آکر خوشی سے کانپتی آواز میں بولیں۔

”ندویہ۔ ندویہ جلدی سے اٹھو، تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔ لیکن ایک منٹ روکو یہ کوہ پہلو اور ہل ٹھیک کرو۔“ ندویہ اس اچانک ٹوٹ بڑنے والی افتاد پر ٹھیک طرح سے حیران بھی نہیں ہو پا رہی تھی کہ عائشہ اختر نے پرس سے نکلتا نکل کر خود ہی اس کے بال ٹھیک کرنے شروع کر دیے۔

بھری محفل میں ان کی یہ حرکت نہایت ہی نا زیبا لگ رہی تھی۔ مگر وہ اتنی جوشیلی ہو رہی تھیں کہ ندویہ انہیں روک ہی نہ سکی نہ صرف اتنی کہ سکی۔

”سہا کیا ہوا۔ آخر بات کیا ہے۔“ لیکن عائشہ اختر کے پاس ان سوالوں کا جواب دینے کا وقت ہی نہیں تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تقریباً گھینچتی ہوئی ایک طرف پھینک لگیں۔ عائشہ اختر اس وقت کچھ تانا تو درکنار کچھ سننے کے بھی مؤاخذ نہیں تھیں۔ خود ندویہ اتنی ہوش ہو گئی تھی کہ وہ چپ چاپ ان کے ساتھ کھینچتی گئی۔

اصل میں کافی دیر پہلے ہی بلال اختر نے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کر کے انہیں دکھایا تھا کہ وہ خرم ہے۔

عائشہ اختر پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ پہلی ہی نظر میں وہ انہیں بہت سارے اور وجیدہ لگا۔

حالانکہ اتنی تعریف سننے کے بعد عموماً توقعات اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ انہی چیز بھی متاثر نہیں کرتی مگر خرم نے اس نکتے کو بالکل غلط ثابت کر دیا تھا۔

عائشہ اختر تو اسے دیکھ کر حیرت و خوشی سے پھولے نہیں ساری تھیں۔ سارے وقت ان کی نظریں خرم پر ہی جمی رہیں اور دل ہی دل میں دعا گو رہیں کہ ندویہ کی قسمت اس لڑکے کے ساتھ جڑ جائے۔

تب ہی خرم ندویہ کے پاس بات کرنے چلا گیا پھر تو جیسے ان کا خود پر سے ضبط ختم ہو گیا۔ وہ بلال اختر کو لے کر ڈی آئی بی صاحب کے پاس گئیں اور خرم کے والدین سے تعارف کرانے پر اصرار کرنے لگیں۔

اتفاق سے مسز فرقان نوراً نظر آ گئیں مگر فرقان حسن کو ڈھونڈنا پڑا۔ سر حال جو بھی تھا خرم کے والدین سے ملنے میں کامیاب ہو گئیں۔ فرقان حسن کا انداز انہیں کچھ لیا دیا سا مگر پھر بھی عائشہ اختر تنگ کرانے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہیں اور جب انہیں سنو دیکھا کہ ندویہ اب اکیلی بیٹھی ہے اور خرم اس کے پاس سے ہٹ گیا ہے تب وہ اسے بھی لے کر پہنچ گئیں۔

اپنی بیٹی کے بے تحاشا حسن کا انہیں بخوبی علم تھا۔ لہذا وہ بڑی خود اعتمادی سے ندویہ کو ملوانے لگیں جو انہی خاص ہی ندوس لگ رہی تھی۔

فرقان حسن ندویہ کو دیکھ کر چونک سے گئے۔ وہ لڑکی بلاشبہ چونکا دینے والا حسن رکھتی تھی۔ خرم، نمل سے مکتبی کے بلو خود اس کی طرف راغب ہو رہا تھا تو یہ اتنا حیران کن نہیں تھا۔

اپنے خدشات کو تعینت پہنچا دیکھ کر فرقان حسن مزید خائف ہو گئے۔ نمل انہیں خرم کے لیے پہلی دفعہ میں ہی بہت مناسب لگی تھی۔ ایک اتنی اچھی لڑکی کو محض اس لیے چھوڑ دینا کہ اس سے زیادہ حسین لڑکی سے نکراؤ ہو گیا ہے۔ فرقان حسن کی نظر میں یہ سراسر کردار کی کنوری تھی ان کے نزدیک ایسا شخص کبھی بھی اپنے کسی فیصلے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ کل کو وہ ندویہ سے زیادہ حسین لڑکی دیکھے گا تو اس پر فائدہ ہو جائے گا۔

چنانچہ ان کا مزاج ندویہ کو دیکھ کر سخت برہم ہو گیا تھا۔ وہ تمام اخلاق بالائے طاق رکھ کر جیب سے موبائل نکال کر اس میں مصروف ہو گئے۔

بلال اختر ان کا نظر انداز کرنا محسوس کر کے فوراً ہی انہیں سکھوڑ کر تہاں سے ہٹ گئے تو ڈی آئی بی صاحب نے بھی وہاں کھڑا مناسب نہ سمجھا۔

البتہ عائشہ اختر مسز فرقان کے ساتھ باتوں میں مشغول رہیں لیکن مسز فرقان کا سر کل اتنا وسیع تھا کہ وہ یکسوئی سے کسی ایک سے بات کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ پانچ منٹ میں ہی چند بیگمات کی بد اعلا نے عائشہ اختر کو کترا کر نکل جانے پر مجبور کر دیا۔

اصل میں وہ بہت زیادہ گریز کر بھی ملتا نہیں چاہتی تھیں کہ فوراً ہی مسز فرقان کا نبھو فیہا نکنا شروع کر دیتیں کچھ تو بھر مہم دکھانے تھے مگر جو بھی ہو یہ ملاقات اتنی مایوس کن نہیں تھی۔ تعارف ایک دفعہ ہو گیا تھا۔ اب دوبارہ کیس ملاقات پر وہ اسی رکی سی بات چیت کو دوستی کا رنگ بھی دے سکتی تھیں۔ یہی سب سوچ کر وہ خاصی پر امید تھیں۔ البتہ ندویہ کی خاصوش طبع فطرت انہیں اس وقت سخت گراں گزری تھی۔

ندویہ مسز فرقان کو سلام کر کے ایسے کھڑی ہو گئی تھی جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو اور تھوڑی دیر بعد وہ عائشہ اختر کے اشارہ کرنے پر بھی رکی نہیں اور انہیں سکھوڑ کر تہاں سے آگے بڑھ گئی۔

ان کے خیال میں ندویہ کو مسز فرقان سے بڑی خوش مزاجی سے ملنا چاہیے تھا اور اتنی باتیں کرنی چاہیے تھیں کہ وہ ان کے اعصاب پر سوار ہو جاتی۔

ان کا ارادہ تھا کہ جا کر ندیہ کی کلاس لینے کا مگر ابھی تو سوائے صبر کرنے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔
دوسری طرف ندیہ نے سوچ رکھا تھا کہ جا کر عائشہ اختر سے بات ضرور کرے گی کہ اسے ایسی محفلوں میں جانا بالکل پسند نہیں اور اگر وہ اسے زبردستی لے ہی جاتی ہیں تو کم از کم ہر ایک سے ملوانے مت کھڑی ہو جایا کریں۔
اپنے بارے میں اس کے پاس بتانے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں اور لوگوں کا سب سے پہلا سوال یہی ہوا
”اور تم کیا کر رہی ہو۔“ یہ سوال اسے اچانک بے تحاشا احساس کثرتی میں جلا کر دیا۔ چنانچہ اس سے پہلے عائشہ
اختر اسے کسی اور سے تعارف کرا تیں وہ پانی ہل سے باہر آگئی۔
سوننگ پول کے نسبتاً مسنن حصے میں آکر اسے کافی تھکا ہوا حسرت موی سے چلتی جھللاتے پانی کے
پاس آکھڑی ہوئی۔

نیلے سمندر جیسے سوننگ پول پر نظریں جمائے وہ کچھ لمحوں کے لیے سب بھول بھل گئی مگر ایسا بس کچھ
لمحوں کے لیے ہوا تھا کیونکہ اچانک اس کے اندر کا خوف اس کے پورے وجود پر حاوی ہو گیا۔
سوننگ پول کی دوسری جانب شائستہ خالہ اپنے مخصوص سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑی تھیں مگر ندیہ کو لرزا
دینے والا منظر کچھ اور تھا۔ شائستہ خالہ سے ذرا ہی فاصلے پر وہی پونجورشی والا لڑکا کھڑا جسے دیکھ کر ندیہ کی بڑی
تھکی ہوئی کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا اور شاید اسی لیے پانی ہل سے نکل کر اس پر سکون اور خاموشی گونے میں
آکھڑا ہوا تھا۔ اپنی گفتگو میں اتنا مگن تھا کہ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ اس کے قریب آکھڑا ہوا ہے اور اس کی
پشت کو گھور رہا ہے۔

ندیہ کو اس بانٹ سی دوڑتی ہوئی سوننگ پول کے دوسرے جانب پتھن گئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس لڑکے کو
خبردار کر گئی شائستہ خالہ نے دونوں ہاتھ اس لڑکے کی پشت کی جانب اٹھائے اور اسے سوننگ پول میں دھکا دے
دیا۔
ایک بل دیر بعد ندیہ کے منہ سے نکلی اور وہ یہ بھول کر کہ اسے خود حیرتاً نہیں آتا۔ اس لڑکے کو پھانے کے
لیے سوننگ پول میں کوئی۔

سوننگ پول میں ایک زوردار چھپا کا ہوا اور وہ پانی کے اندر اور اندر جانے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ وہ کیا کرے۔ اندھا دھند ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بھی اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ سوننگ پول میں
گرنے والا وہ لڑکا یقیناً سوننگ جانا تھا۔ تب ہی وہ حیرت کر اوپر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔
مگر پانی کی تہ میں شائستہ خالہ آرام سے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے مضبوطی سے اس لڑکے کا پاؤں پکڑ رکھا تھا اور
اسے اتنا سوچ بھی نہیں دے رہی تھیں کہ وہ ایک بار لوپر آکر جو پانی سے نکل سکے اور صرف ایک سانس کھینچ
سکے۔

ندیہ نے آگے بڑھ کر اس کا پاؤں شائستہ خالہ کی گرفت سے آزاد کرنا چاہا۔ مگر اس کا خود اپنے ہاتھ پاؤں پر ہی
اختیار نہ رہا۔ وہ آگے بڑھنے کی بجائے پانی میں نیچے اور نیچے ہنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ سارا منظر اس کی آنکھوں
کے سامنے دھندلا لے لگا اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈھنسا چلا گیا۔

ندیہ نے آنکھیں کھول کر اپنے چاروں طرف دیکھا تو خود کو اسپتال کے ایک کمرے میں پایا۔ کھڑکی پر پڑے
باریک نیلے ریلوں سے چھن کر آتی روشنی صبح ہو جانے کا پتا دے رہی تھی۔
ندیہ نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے سر میں ایک زوردار تپش اٹھی۔ شاید اس کے سر میں چوٹ لگی تھی۔

اچانک اسے یاد آیا کہ وہ تو پانی میں گئی تھی۔ مگر اوپر لپکا کے ساتھ وہاں شائستہ خالہ نے اس لڑکے کو سوننگ
پول میں دھکا دے دیا تھا۔

کیا ہوا اس لڑکے کو۔ کیا وہ مر گیا یا بچ گیا؟
ندیہ فکر مند کی بستر پر اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی کہ تب ہی ایک نرس دوڑاؤں کھول کر اندر داخل ہو گئی
اور اسے ہوش میں دلچ کر روایتی پیشہ ورانہ سوالات پوچھنے لگی جنہیں نظر انداز کر کے ندیہ نے پست آواز میں
پوچھا۔

”لڑکا کیسا ہے جو سوننگ پول میں گر گیا تھا؟“ مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں بلکہ وہ یہ کتنی پلٹ گئی۔
”کپ بات کرنے کے قائل ہو گئی ہیں“ میں پولیس انسپکٹر کو اندر بھیجتی ہوں۔“ پولیس کا نام سن کر ندیہ کچھ
خوف زدہ ہو گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچ پاتی ایک انسپکٹر ایک کانسٹیبل کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔
”اب کیا محسوس کر رہی ہیں آپ مجھے آپ کا بیان لینا ہے۔ جب تک کپ اپنا بیان نہیں دیں گی کپ کسی
سے نہیں مل سکتیں۔“

”مگر کپ باہر بیٹھے اپنے والدین سے جلد سے جلد ملنا چاہتی ہیں تو جلدی سے بتادیں کل رات کیا ہوا تھا۔“
پولیس انسپکٹر کا لب لہجہ ڈاکوؤں اور خندوں بد معاشوں سے اچھے اچھے اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ ان کے چہرے پر
بھی مستقل طور پر کرختگی چھا جاتی ہے۔ ندیہ جیسی کمزور مل لڑکی تو ان کی شکل دیکھ کر ہی ڈر گئی۔ اس پر ان کا
تفتیش کرنا بار بارانہ انداز۔ ندیہ سے تو گویا جواب ناممکن ہو گیا۔

”میں نے کپ سے کچھ پوچھا ہے۔“ انہوں نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ ندیہ ایک لمحے کے لیے سم گئی۔ پھر
ہٹ کر بچنے لگی۔

”نہ لڑکا جو سوننگ پول میں گر گیا تھا کیا وہ ٹھیک ہے۔“ ندیہ کے سوال پر انسپکٹر کچھ دیر اس کی شکل دیکھتا
رہا مگر اپنے مخصوص کرخت لہجے میں بولا۔

”لڑکا گرا نہیں تھا“ بلکہ اسے دھکا دیا گیا تھا۔ یعنی اسے مارنے کی کوشش کی گئی تھی۔“ ایک بل میں ندیہ کی
ساری حسات جاگ اٹھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ اس نے پوری بات انہیں تفصیل سے
بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی بات پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ پھر بھی وہ شائستہ خالہ کے
حفاظت بتانے لگی۔

”کپ کا مطلب ہے ایک مدح ہے اس لڑکے کو مارنے کی کوشش کی اور آپ اسے بچانے کو دیکھیں“ حالانکہ
کپ کو حیرتاً ہی نہیں آتا۔“ انسپکٹر طنز سے بولا۔

”جی۔“ ندیہ نے آہستگی سے کہا۔
”تو پھر آپ کے سر میں یہ چوٹ کیسے لگی۔“ ندیہ نے چوٹ کر اپنے سر کے پچھلے حصے میں ہاتھ رکھا جہاں پٹی
بندھی تھی۔

”تو نہیں پانی میں گرنے کے کچھ دیر بعد ہی میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ دراصل وہ سب اتنا اچانک ہوا کہ میں
کچھ سوچ نہ سکی اور مجھے خیال بھی نہیں آیا کہ میں حیرتاً نہیں جانتی لیکن آپ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ وہ زندہ ہے
یا نہیں۔“

(باقی اسی صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

فوزیہ یاسمین

دستِ گری

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر فوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ جس میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کان میں ساتھ پڑھتی ہے اور وہ ان سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سکیل اور نمل کو یونیورسٹی میں انڈیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لے جاتا ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم نوکی سے شرط پارٹنر کے بعد اس کی عجیب غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس پیلس میں بیچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ اور دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک اسٹاپل جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

۳۳
تینتہویں قسط



نوبہ کے اضطراری انداز میں جھجلاہٹ شامل ہو گئی۔
 ”آپ کی بد قسمتی سے وہ لڑکا زندہ ہے اور اس نے اپنا بیان بھی دے دیا ہے۔“ لیکچر نے طنز آمیز میں کہا اور
 نوبہ کو سوالیہ انداز میں خود کو دکھادیکھ کر وضاحت کرنے لگا۔

”اس کا کہنا ہے کہ آپ نے اسے سونٹنگ پول میں دھکا دیا تھا اور جب وہ تیر کر اوپر آنے لگا تو آپ خود بھی
 سونٹنگ پول میں کود گئیں آپ کو تیرنا نہیں آتا تھا اس لیے آپ ذوقی چلی گئیں مگر آپ نے ذوق تو جتوت ہی اس
 لڑکے کا پاؤں پکڑ لیا تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ پانی کی تہ میں دم توڑ دے اس نے جب اپنا ہی جھجروانے کی
 کوشش کی تب آپ کا سر دیوار سے ٹکرایا اور آپ چوٹ لگنے کی وجہ سے اور سانس رکنے کی وجہ سے بے دم
 ہو گئیں۔ اس کے پاؤں پر آپ کی گرفت ڈھیلی پڑی تو فوراً باہر آگیا۔“ نوبہ ششدر سی لیکچر کو دیکھتی رہی
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیا کہنا چاہیے آخر کافی دیر بعد وہ بلال اختر اور عائشہ اختر سے ملنے میں کامیاب
 ہوئی تو اس کے رہے سے حوصلے بھی جواب دے گئے۔

بلال اختر تو اس قدر غصے میں تھے کہ نوبہ ان کے سامنے کچھ بول ہی نہ سکی جبکہ عائشہ اختر خاموشی سے نشو
 آنکھوں کے بار بار نم ہوتے کنارے پونچھے جا رہی تھیں۔

”تمہیں اندازہ ہے تم کتنی پری طرح شخص مٹی ہو۔ اتنی مشکلوں سے میں نے تمہیں رخسار والے کیس سے
 بچایا تھا اور اب پھر تم نے ایک شخص کو جان سے مارنے کی کوشش کی جس اور اس بار جس لڑکے کو تم نے اپنے
 واقعی طور کا نشانہ بنایا ہے وہ کسی معمولی آدمی کا بیٹا نہیں ہے وہ تمہیں اتنی آسانی سے معاف نہیں کرے گا تم پر
 اب قتل کا مقدمہ بنے گا۔ تمہارے سر کی چوٹ ٹھیک ہونے تک تمہیں اسپتال میں رکھا جائے گا اس کے بعد
 تمہیں جیل بھیج دیا جائے گا۔“ بلال اختر بولتے بولتے ہانپنے لگے نوبہ نے پہلی بار ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے
 تھے کم سمی انہیں دیکھے گئی۔

عائشہ اختر کی اپنی حالت غیر ہو رہی تھی مگر نوبہ کا زرد ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے اسے
 دلا سادینے لگیں۔

”دیکھو بیٹا! ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ تم جھوٹ بول رہی ہو مگر تمہاری بات ناقابل یقین ہے وہاں تمہارے علاوہ
 بھی لوگ موجود تھے انہوں نے خود تمہیں اس لڑکے کو دھکا دیتے دیکھا ہے یہاں تک کہ۔“ عائشہ اختر کچھ کہنے
 کہتے رک گئیں۔ نوبہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

ان کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اگلی بات کہنے کے لیے خدا نہیں بھی صبر کر رہی ہو۔
 ”وہ جو لڑکا ہے خرم“ اس نے بھی تمہارے خلاف بیان دیا ہے۔“ نوبہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے
 پھیلنے چلی گئیں وہ منہ کھولے اسیں دیکھ رہی تھی جو کہہ رہی تھیں۔

”سونٹنگ پول میں تمہیں بچانے کے لیے وہی کوہا تھا تم اس لڑکے کا پاؤں مضبوطی سے پکڑ کے بیٹھی تھیں
 جیسے اسے مار دینا چاہتی ہو بھلے خود تمہیں کیوں نہ مرنا پڑے۔“
 نوبہ کو حیرت سے لگ لگ دیکھ کر بلال اختر بھی چبا کر کہنے لگے۔

”اس کا کہنا ہے تمہاری باڈی لینکس کوچ سے ایسا بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ تم سونٹنگ نہیں جانتیں اور اس
 گھبراہٹ یا وحشت میں تم نے اس کے پاؤں کو پکڑ لیا ہے بلکہ تمہارا انداز ایسا تھا جیسے تم اس کے مرنے کے انتظار
 میں بیٹھی ہو کہ جب اس کا سانس رک جائے تب اوپر آجاؤ۔“ بلال اختر کی حالت عجیب ہو رہی تھی کبھی انہیں
 سخت غصہ آ رہا تھا تو کبھی ان کا لہجہ غم سے چور ہو رہا تھا نوبہ کو ششدر رو لیا کہ وہ کیا صبر بھرے لمحے میں کہنے لگے۔
 ”کتنا میں نے چاہا کہ تمہارا یہ پاگل پن دنیا سے مخفی رہے لیکن تمہاری حرکتیں بڑھتی ہی چلی گئیں پہلے۔“

بلال نے اپنے پاگل پن کو مٹی بھر کر اچھالا اور اب میرے پورے سر کل میں تمہاری نفسیاتی بیماری ڈسکس
 کی جائے گی۔ جب تمہیں کورٹ میں پیش کیا جائے گا تب تمہاں بھی ایسا ہی مرضیاندہ بیان ہوگی جیسا ابھی پولیس
 کوہا ہے جس سے تمہاں آسانی کورٹ میں پاگل ثابت ہو جاؤ گی اور تمہیں پاگل خانے بھیج دیا جائے گا۔“
 نوبہ کو اپنا پورا وجود من ہوتا محسوس ہوا پاگل خانے کے نام پر اس کے کان ایسے سائیں سائیں کرنے لگے
 جیسا کہ رگوں میں دڑتے خون کی آواز اسے خود سنائی دے رہی ہو۔

پاگل خانے جانے کے خیال سے ہی اس کا دل بند ہونے لگا تھا اس پر بلال اختر کی باتیں بھی کسی ہتھوڑے کی
 سی اس کے اعصاب پر برس رہی تھیں جو مزید کہہ رہے تھے۔

”ایک بار پاگل خانے جانے کے بعد تمہارے رہے سے جو اس بھی چھین جائیں گے اور تم مکمل طور پر پاگل
 ہو جاؤ گی۔“

نوبہ نہ کرے۔“ عائشہ اختر جو بغور ان کی باتیں سن رہی تھیں ایک دم دل کر پولیس اور بلال اختر پر بگڑنے
 لگیں۔

”آپ تو بالکل ہی مایوس ہو گئے ہیں بلال! آخر ایسا بھی کیا ہو گیا ہے لڑکا مرنے نہیں گیا تھا۔ اتنے بڑے بڑے وکیل
 آپ کے دست میں وہ اس واقع کو ایک حادثہ ثابت کر دیں گے۔ کچھ نہیں ہوگا ہماری بیٹی کو کوئی اسے پاگل خانے
 میں بھیج سکتا۔ ہم کورٹ میں ثابت کر دیں گے کہ نوبہ غلطی سے اس لڑکے سے ٹکرائی تھی اور اس کے ساتھ
 پانی میں گر گئی تھی۔ اسے تیرنا نہیں آتا اس لیے اس نے گھبراہٹ میں اس لڑکے کا پاؤں پکڑ لیا۔“

اچھا اور پروڈکیل کورٹ میں خرم کو ایسے گھیرے گا کہ وہ کنٹریوز ہو کر اپنے بیان سے پیچھے ہٹ جائے
 گی۔ عائشہ اختر نے بے اختیار نوبہ کو بھیج لیا تھا اور یہ جانی انداز میں بلال اختر سے زیادہ وہ خود کو تسلی دے رہی
 تھی۔

نوبہ کی آنکھیں جھلک رہی تھیں اپنی ماں کی یہ حالت دیکھ کر وہ ان سے لپٹ کر بے آواز رونے لگی۔
 بلال اختر کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں وہ خاموشی سے عائشہ اختر کو دیکھتے رہے ان کی یہ تسلیاں اور دلا سے خود
 عائشہ اختر کو بھی مطمئن نہیں کر رہے تھے تو بلال اختر کو بھلا کیا کرتے۔



کہتے ہیں سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن خرم کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ آنکھوں دیکھی
 حقیقت پر یقین نہ کرنے کے لیے خود کو کون سی تاویل دینی چاہئے۔

اتفاق گزر جانے اور اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اس کا ذہن ابھی تک اس پارٹی میں سونٹنگ پول کے پاس
 بے عادتے میں اٹکا تھا۔

اپنے ڈیڈی اور مامی کے ساتھ نوبہ کے والدین کو کھڑا دیکھ کر وہ اتنا بے زار ہوا تھا کہ پارٹی ہال سے باہر نکل کر
 سونٹنگ پول والے ایرے میں آ بیٹھا تھا۔

نجل پر وہ نون پاؤں رکھے وہ اپنا ذہن بٹانے کی کوشش کر رہا تھا جب نوبہ کو وہاں آتا دیکھ کر وہ کچھ ٹھک گیا۔
 پہلے تو وہ بھی سمجھا کہ وہ اسے تلاش کرتی ہوئی یہاں آئی ہے مگر اس کے ایک ہی جگہ آکر کھڑے رہنے پر خرم کو
 اندازہ ہوا کہ وہ بھی پارٹی سے فرار حاصل کر کے یہاں آئی ہے۔

سونٹنگ پول کے پانی کو بڑے پرسکون انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے جو بھی جنگ اس کے دماغ میں چل رہی
 گلاب ہر آنکھ ختم ہو گئی ہو۔

لیکن اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان بہت جلد اضطراب میں تبدیل ہو گیا وہ سوننگ پول کے دوسری جانب دیکھتے ہوئے بری طرح ہراساں ہو گئی تھی۔

خرم نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دکھا تو سامنے حید کو کسی سے سوا نکل پر ہم کلام دیکھ کر خرم ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔

ندبیہ حید کو یہ دیکھ رہی تھی اور اسے یہ دیکھ کر خوف زدہ ہوئی تھی مگر ایک عجیب بات ہوئی بجائے اس کے کہ ندبیہ اسے دیکھ کر خوف زدہ انداز میں چپٹی وہ اس کی طرف دوڑ پڑی۔

خرم بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا ندبیہ حید کے پیچھے آکر ایک دم رک گئی اس کے چہرے پر بڑے عجیب سے تاثرات تھے وہ حید کی پشت کو ایسے گھور رہی تھی جیسے وہ اپنے سامنے کے منظر کو نہیں بلکہ ذہن کے پردے پر چلتی کسی اور فلم کو دیکھ رہی ہو۔

خرم سانس روکے ندبیہ کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہا تھا کہ اگلا پل اس کا دل دھلا گیا۔
ندبیہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر حید کو پانی میں دھکا دے دیا۔ حید اس اقدام پر بالکل بھی سنبھل نہیں سکا وہ فون پر بات کرتے میں ہی پانی میں جا کر۔

خرم بے اختیار حید کی طرف دوڑا تب تک ندبیہ بھی اس کے پیچھے پانی میں کود چکی تھی۔
خرم نے آؤ دیکھنا نہ تو وہ خود بھی سوننگ پول میں کود گیا لیکن ہر اگلا منظر پچھلے منظر کے مقابلے میں اسے مزید حیران کر رہا تھا۔

اندر سوننگ پول کی جھللائی روشنی میں ندبیہ حید کا پاؤں پکڑے زمین پر بیٹھی تھی اور حید جان توڑ کوشش کر کے پانی سے باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اوپر آکر سانس لے سکے مگر ندبیہ اسے اتنی مصلحت دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھی۔

وہ پر سکون چہرے کے ساتھ حید کو تڑپا دیکھ رہی تھی کہ اس کا سانس رک جائے اور وہ مرجائے مگر تب ہی مزاحمت کرتے حید نے اپنا پاؤں چھڑوا لیا اور وہ جھٹکا لگنے کی وجہ سے دیوار سے جا لگرائی۔

خرم اس وقت تو اسے پکڑ کر جیسے تیسے اوپر لے آیا مگر تب سے اب تک اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔
اسے خود پر حیرانی ہو رہی تھی وہ ندبیہ سے ملنے سے پہلے اس کی ذہنی بیماری کے متعلق جانتا تھا پھر بھی اس نے ندبیہ کی بکواس پر توجہ دی اور اتنی ہی دی کہ جا کے اس کے ساتھ حید کے فارم ہاؤس پر۔ ایک گڑھا بھی کھود آیا وہ کیوں ایک پاگل لڑکی کی بیوی کو اتنی اہمیت دیتا رہا۔ جو کچھ پانی میں ہوا اگر وہ سب خرم نہ دیکھتا تو وہ شائستہ خالہ کی مدد اور حید کے متعلق کئی باتوں کا پس منظر تلاش کرنے میں آج بھی سرگرداں ہوتا۔

بے شک ان سب باتوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھا ندبیہ کو اپنے ساتھ یونور شی لے جانے پر اسے شدید پچھتاوا تھا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ حید کے فارم ہاؤس پر جا کر کسی کی قبر تلاش کرنا شروع کر دے۔

وکی کے گھر پانی میں آنے کے باوجود اسے یہ نہیں پتا تھا کہ پہلے ان کے گھر منعقد ہونے والی کسی تقریب میں شامل ہوئی ہے یا نہیں بالکل ایسے ہی وہ حید کے فارم ہاؤس پر بھی کبھی گئی ہوگی مگر اسے یاد ہی نہیں ہو گا کہ اس نے یہ جگہ کبھی دیکھی ہے یا نہیں بس ایک نقشہ اس کے ذہن میں تھا جو اس نے خرم کے سامنے کھینچ دیا اور خرم اس ایک بات کے پیچھے اپنی دھڑلایا ہوا سوج رہا تھا اتنی ہی اسے پچھتاوا ہو رہا تھا۔
اس نے حماقت کی حد کو ہی نہیں۔

تب ہی جب پولیس نے اس کا بیان لیا تو اس نے ایک لفظ بھی جھوٹ بولنا گوارا نہیں کیا اور من و عنان بیان

اگر وہ حالانکہ اسے اچھی طرح علم تھا اس کی یہ گواہی ندبیہ کے خلاف جائے گی اسے جیل ہو سکتی ہے۔
گھمبہ جھوٹ بول کر ایک ایسی مریضہ کو نہیں بچا سکتا تھا جس کا آزادانہ گھومنا لوگوں کے لیے خطرناک ہو اور جو اپنے خیالی تراشے پیکر کے باعث کبھی بھی کسی پر حملہ کر سکتی ہو۔

اس کی باتوں پر بھروسہ کر کے جتنی بے وقوفی کا وہ ثبوت دے چکا تھا اس کے بعد اب مزید کسی احتمالہ فعل کی کوئی گنجائش نہیں تھی اسی لیے اسے اس بات کی بھی فکر نہیں ہوئی کہ حید پر ہوئے حملے کی خبر اخبار کی سرخیوں میں بھی شامل ہو گئی اور وکی کے گھر کی پادری میں یونور شی کے جو دوسرے لوگ موجود تھے انہوں نے پورا واقعہ فوراً ہی یونور شی میں بھی نشر کر دیا۔

یونور شی میں یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی یعنی کہ خرم کی گرل فرینڈ ان سب کو نظر میں وہ خرم کی گرل فرینڈ ہی تھی نے خرم کے ہی دوست پر جان لیوا حملہ کیا جس پر خرم نے اسے بچایا سڈی آئی جی صاحب نے تو اسی وقت موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا تھا وہ جلد از جلد ندبیہ کو منظر سے ہٹانا چاہتے تھے بلال اختر نے بھی ایسروینس کا انتظار کرنے کے بجائے اسے گاڑی میں ہسپتال لے جانا بستر سمجھا۔

مگر حید کے والدین نے وہاں ایک دوا دیا چاہا تھا حالانکہ حید دو چار گھرے سانس کھینچ کر بستر بھی ہو گیا تھا مگر جو ہوا تھا وہ اتنا معمولی واقعہ نہیں تھا کہ حالات بھی فوراً قابو میں آجاتے۔

سب ہی اس اچانک اقدام پر بوکھلا گئے تھے اور اسی بوکھلاہٹ میں ہارون نے بین کرتی حید کی والدہ کے سامنے لفظی سے کہہ دیا کہ ندبیہ نے جان بوجھ کر یہ سب نہیں کیا وہ ایک ذہنی مریض ہے۔

بس پھر کیا تھا حید کے والد تو اس کے پیچھے لگ گئے کہ وہ یہ کیسے جانتا ہے تب ہارون کو مجبوراً "خرم کا نام لینا" پر خرم نے کوشش تو بہت کی یہ چھپانے کی کہ ندبیہ حید کو اپنی شائستہ خالہ کی موت کا زہر دار سمجھتی ہے مگر تیر گمان سے نکل چکا تھا۔

خرم کو تھل مٹھل کر تادیکھ کر انہوں نے نادر سے مدد طلب کی اور نادر نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔
ندبیہ کا پاپا گریڈین۔

ندبیہ کا حید کو دیکھ کر یونور شی میں بے ہوش ہو جانا۔
اس نے سب ایک ہی سانس میں کہہ دیا پھر تو جیسے حید کے والدین کو پتے لگ گئے۔

عائشہ اختر اور بلال اختر تب تک وہاں سے جا چکے تھے انہیں اس ساری گفتگو کا کوئی علم نہیں تھا۔
لیکن حید کے والدین کا بس فیس چل رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت ان دونوں کا گریبان پکڑ کر ان سے پوچھیں کہ

جب ان کی بیٹی اتنی خطرناک پاگل ہے تو وہ اسے لے کر اس طرح محفلوں میں کیوں آتے ہیں کیوں دوسروں کی فتنہ گریوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں وغیرہ۔

یہ سارا ہنگامہ وکی اور حید کے سامنے ہوا تھا وہ دونوں ہی کافی تھکے تھے سب یونور شی میں نشر کرنے کے لیے اس پر وکی کے کچھ کزنز جو یونور شی میں ہی پڑھتے تھے پوری کمائی مریج سالے کے ساتھ یونور شی میں پھیلانے کی مہم میں لگ گئے۔

خرم سے متعلق کوئی خبر کتنی تیزی سے مشہور ہوتی ہے یہ کسی کے لیے بھی نئی بات نہیں تھی اور سب تو خبر بھی ایسی تھی جو سب کو تجسس کر دے۔

کمل اور سہیل تک جب یہ بات پہنچی تو وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں تجربے کے سامنے ان دونوں نے اپنی رائے دینے سے گریز کیا کیونکہ کمل کے بصرے بھی اسی تیزی سے یونور شی میں گردش کرتے تھے تھما تھما کر یہ خبر عوامی تھی البتہ تعلقی ملنے پر نمل کے بغیر نہ سکی۔

"ہاں نہیں یہ سب خرم کا یاد دہرا ہے یا واقعی یہ سب ندیہ نے اپنی نفسانی بیماری کے سبب کیا ہے۔"
 "خرم کا اس معاملے میں کیا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" سنیل نے حیرانی سے حمل کو دکھا تو سنیل کہنے لگی۔
 "یارو کھوٹا جب ندیہ اسکول میں ہوا کرتی تھی تب تو وہ اتنی خطرناک پاگل نہیں تھی کہ کسی پر جان لیوا حمل کر دے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی بیماری بڑھ گئی ہو ایسی اسپلٹ پر سنالشی کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ جب ان پر دوسری شخصیت حاوی ہونے لگتی ہے تب وہ اپنا آپ بھول جاتے ہیں پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب دوسری شخصیت ان پر ہر وقت سوار رہنے لگتی ہے۔"

اسکول کے زمانے میں اس پر دورے زیادہ وقفے سے ہوتے ہوں گے اب وقت گزرنے کے ساتھ دوروں کا دورانیہ بڑھتا جا رہا ہوگا۔ ہر بات کے پیچھے خرم کو زندہ دار سمجھنا تو کچھ مناسب نہیں۔ "سنیل بڑے سلیجے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی تب ہی سنیل بھی صفائی دینے لگی۔

"میں ہر بات کے پیچھے اسے کوئی زبردستی ذمہ دار نہیں سمجھتی بلکہ حالات ایسے ہوتے ہیں کہ ہر جگہ اسی کا تصور نظر آنے لگتا ہے۔"

اب دیکھو نا ندیہ کو اس نے مجھے جلانے کے لیے گرل فرینڈ ظاہر کیا تھا میں تو جلی نہیں ہو سکتا یہ ندیہ اس کے گلے پڑنے لگی ہو تو خرم نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے یہ ایک نیا ڈرامہ رچایا ہونے خود ہی سونچتگی پال میں کر گیا ہو اور ان دونوں نے الزام ندیہ پر رکھ۔ "نمل ایک تو اتر سے بول رہی تھی کہ ایک دم اس کی زبان کو بریک لگ گئے۔ خرم جو ان کی گفتگو کے چند الفاظ کلن میں پڑ جانے پر ان کے پیچھے سے گزرتے وقت رک گیا تھا ایک دم اس کے سامنے آکر اہوا دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے اسے ایسے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔

"اب کو جو کہتا ہے۔"

نمل کچھ سٹٹاسی گئی اس کے اس انداز پر۔
 کتنے دنوں سے اس نے نمل سے بات کرنی نہیں تھی کہ اس کی طرف دیکھنا تک چھوڑ دیا تھا اور اب آن اچانک وہ اس کے رویہ آکر اہوا تھا وہ بھی ایسے تیور لیے جیسے بہت سنجیدہ گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتا ہو ورنہ وہ بیش شہ انداز میں بات کرتا تھا۔

"سونچتگی پال میں گرنے کے بعد ندیہ کے سر میں چوٹ لگی تھی جس کے باعث وہ پچھلے تین دنوں سے ہسپتال میں بیٹھ چوٹ ٹھیک ہونے کے بعد وہ گھر جائے گی پاگل خانے جائے گی یا جیل جائے گی کسی کو کچھ نہیں پتا ہے کیا کسی لڑکی سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں اتنی بڑی سازش کروں گا؟" خرم ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سرو سے لہجے میں پوچھنے لگا۔

پہلی بار نمل کو احساس ہوا اس کی شوخی کا وہ بد جواب نہ تیار تھا یہ نسبت اس کے اس سپاٹ رویے کے

لیکن وہ خطر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا تب ہی نمل کو جواب نہ معلوم ہونے پر بھی اس کے سامنے اعتراف کرنا پڑا کیونکہ انکار کرنے کا مطلب تو یہ تھا کہ وہ اس پر اپنا بھروسہ ظاہر کر رہی ہے جبکہ سچ یہ تھا کہ وہ کچھ نمل کا شکار ہو گئی تھی لیکن اپنی کشش پوشیدہ رکھتے ہوئے وہ خود احمق نظر آتا چاہتی تھی اس لیے بڑے یقین سے بولی۔

"ہاں کر سکتے ہو شخص اتنی بڑی سازش ہی نہیں تم اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہو۔ اس سے بڑی کوئی سازش بھی۔" سنیل نے اپنی مسکراہٹ کو روکنے کے لیے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے دبایا۔
 وہ جانتی تھی نمل یہ صرف خرم کو پتانے کے لیے کہہ رہی ہے ورنہ وہ اتنی جارحانہ سوچ کی مالک ہرگز نہیں ہے۔

بلکہ جس معاملے کا پتا نہ ہو اس میں اپنی رائے ظاہر کرنا نمل کی عادت نہیں تھی کسی حادثے پر ممکنات کا اندازہ لگانا ایک الگ بات ہے اور ان اندازوں پر ڈٹے رہنا اور ان کے سو فیصد درست ہونے پر پھر دہرنا ایک الگ بات۔ مگر خرم کو اس کی سوچ کے متعلق بھلا کیا علم نہ تو نمل کے جواب پر سگ کر رہ گیا تھا بلکہ اسے جو کبھی اس لڑکی نے کوئی سیدھی بات کی ہو۔ جب سے وہ نمل سے ملا تھا اس دن سے ان کا یہی اختلاف چل رہا تھا۔

جب پچیس ہو نمل میں وہ اس کی نمل پر اس کی مدد کرنے اور اس کا ہلے کرنے آیا تھا تب بھی اگر وہ اس پر شک ہونے کے باوجود خاموشی سے اس کے پیچھے لے لیتی اور معاملے کو رفع دفع کر دیتی تو آج وہ اسے بچا دکھانے کی کوشش میں ایک نفسیاتی مریضہ کو یوں ایکٹو لائزنہ کرتا اور نہ ہی ضمیر کی ملامت کا سامنا کرتا پڑتا۔

مگر تب سے آج تک نمل نے کبھی بات ختم کرنے کے لیے مصطلحاً "بھی جھوٹ نہیں بولا تھا اور اس کا کما حقہ خرم کو تیار کر دیتا تھا۔

ابھی بھی وہ انت بردانت حمائے اسے دیکھ رہا تھا کہ لا پرواہی سے کہتے ہوئے وہ کترا کر نمل گئی۔
 "اگر تم خود کو بہتر طریقے سے جانتے ہو تو تمہیں دوسروں سے اپنے بارے میں رائے لینے کی ضرورت نہیں۔"



جب سے رو میلہ نے الیان سے بات کی تھی اسے الیان کے رویے میں واضح طور پر فرق محسوس ہوا تھا حالانکہ بظاہر سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا بلکہ گاؤں سے واپس آنے کے بعد وہ دونوں ایک کمرے میں نہیں رہ رہے تھے لہذا ان دونوں کے بیچ وہ مختصر گفتگو بھی نہیں ہوتی تھی جو گاؤں میں ایک ہی کمرہ ہونے کے باعث ہو جاتی تھی پھر بھی الیان کے رویے میں وہ محسوس کی جانے والی نفرت نہیں تھی اور یہ بات رو میلہ کے لیے بڑی حوصلہ دہن تھی۔

اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ الیان اس کی گفتگو سن چکا ہے اس لیے وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ الیان نے اس کے گلے پر یقین کر لیا ہے کہ وہ اس مسئلے کو حل کرے گی اسے ساری زندگی رو میلہ کو برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف کچھ مہینے داخل سازگار ہونے تک وہ اسے اپنے گھر میں رہنے دے پھر وہ خود ہی چلی جائے گی۔

الیان نے اس کی بات نا صرف سن لی تھی بلکہ شاید اسے گھروالوں کو بھی کچھ سمجھایا تھا ریاض غفار کا رویہ اچھا تھا نہ برا نہ سارے معاملے سے بالکل لا تعلق بنے ہوئے تھے اور کیونکہ رو میلہ ان سے نفرت کی امید لگائے بیٹھی تھی لہذا اسے تو ان کی یہ بے گامگی ہی نصیحت لگتی تھی۔

البتہ گفتگو غفار کا رویہ ہنوز تھا ان کے چہرے پر اسے دیکھتے ہی برہمی چھلکنے لگتی ان کی آنکھوں سے ایسے گراہیت چھلکتی تھی کہ رو میلہ ان کی جانب دیکھنے سے بلکہ ان کے سامنے آنے سے ہی گریز کرتی تھی جو کہ اتنا مشکل امر بھی نہیں تھا۔

گفتگو غفار کا سرکل کچھ ایسا تھا کہ صبح ناشتے کے بعد عموماً وہ بازار یا کسی گیٹ نوکیدر میں چلی جاتیں وہ پھر میں گھر آتیں تو کھانا وغیرہ کھا کر اپنے کمرے میں سوتے چلی جاتیں صرف شام چوبیس بجے رات کے کھانے تک وہ گھر میں نظر آتی تھیں جس وقت الیان اور ریاض غفار بھی آتے تھے چنانچہ اس وقت میں رو میلہ اپنے کمرے میں بیٹھنے کو ترجیح دیتی تھی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ گفتگو غفار کی موجودگی میں الیان کے سامنے بھی جائے اس نے واضح طور پر محسوس کیا تھا کہ وہ الیان کو اس کے سامنے سے بھی دور رکھنا چاہتی ہیں۔

ایک دن الیان کو آفس جانے میں ذرا دیر ہو گئی وہ جب تک تیار ہو کر کمرے سے نکلا ناشتا کرنے کا وقت نہیں

بہا تھا رو میلہ انہی چائے بنا کر کچن میں کچھ دیکھنے گئی تھی الیان ہاتھ میں بریف کیس لیے میز کے قریب آگیا اور گرم گرم چائے پھیل پر رکھی دیکھ کر اسے اٹھا کر کھڑے کھڑے ہی دو سپ لے لیے کھلتے غفار نے جب دیکھا کہ وہ رو میلہ کی چائے پی رہا ہے تو بھٹا انھیں۔

”الیان یہ کیا کر رہے ہو یہ تمہاری چائے نہیں ہے ٹھوس میں تمہاری چائے بنواتی ہوں۔“
”نہیں نہیں میرے پاس ٹائم نہیں ہے میں جا رہا ہوں۔“ الیان نے پورا کپ پی بھی نہیں اور پیالی پرچ میں واپس رکھ دی مگر کھلتے غفار کو تو آگ لگ گئی تھی۔
”ٹائم نہیں ہے تو یہ چائے پینے کی کیا ضرورت تھی۔“

”کیوں کیا اس چائے میں زہر ملا تھا۔“ الیان نے لاپرواہی سے کہا۔
”اللہ نہ کرے کیا بکواس کر رہے ہو مگر یہ تمہاری چائے نہیں تھی۔“
”سو واٹ جس کی بھی تھی وہ سراسر کپ بنالے میں آفس جا کر باقاعدہ ناشتا کر لوں گا یہ وہ کھونٹ تو بس نیند بھگانے کے لیے ہیں اور کے اللہ حافظ۔“ الیان تیزی سے بولتا جا رہا تھا۔

مگر کھلتے غفار کے سینے پر سانپ لوتے رہے انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے رو میلہ کو اس کپ میں سے چائے پیتے دیکھا تھا حالانکہ اس نے بھی ایک کھونٹ بھرا تھا وہ نوٹس میں ٹوٹ ڈال کر آئی تھی جنہیں اخبار اٹھا کر سرخیاں دیکھنے کے چکر میں وہ بالکل فراموش کر بیٹھی تھی لہذا یاد آنے پر وہ چائے ایسے ہی چھوڑ کر کچن کی طرف بھاگ گئی تھی۔

کچن ڈائننگ روم سے بالکل ملا ہوا تھا ان دونوں کے مابین ہوئی گفتگو رو میلہ آرام سے سن رہی تھی اور اس کا پس منظر بھی سمجھ رہی تھی پھر بھی اگر کوئی کسر پاتی تھی تو کچن سے واپس آنے پر کھلتے غفار نے پوری کر دی۔
”ہاں نہیں کیسے کیسے بے غیرت لوگ ہوتے ہیں دنیا میں کسی کے گھر بیٹھ کر مفت کا کھاتے پیتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی ہر چیز اس استحقاق سے استعمال کرتے ہیں جیسے گھر میں ہر چیز ان ہی کی تولائی ہوئی ہو۔“ کھلتے غفار ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑی ایسے چلا رہی تھی جیسے قہقہے پر کسی سے مخاطب ہوں اور کمرے میں ان کے علاوہ کوئی موجود نہ ہو۔

رو میلہ جہاں تھی وہیں ٹھک گئی وہ سانس روکے ان کے زہر میں کچھ الفاظ سختی رہی جو مزید کہہ رہی تھیں۔
”اصل میں حرام کا کھاتے ہیں نا بچپن سے حلال کبھی ہیٹ میں کیا ہی نہیں تو شرم اور غیرت کہاں سے آئے
وہ سرے کے گھر میں ان ہی کے برتنوں میں مفت کی روٹیاں ان ہی کے ڈائننگ ٹیبل پر توڑتے ہوئے بجالا رہے جو ذرا بھی شرمندگی ہو۔“ کھلتے غفار یہ کہہ کر رکھی نہیں بلکہ پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔
رو میلہ کو لگ رہا تھا وہ ابھی چکر اکر گر جائے گی۔

اتنی بے عزتی۔
اتنی ذلت۔
کیا اب اس پر یہ وقت آگیا ہے کہ وہ وقت کی روٹی بھی کسی کی احسان مند ہو کر کھا رہی ہے۔
نوٹ کی پلیٹ اس کے ہاتھ میں لرزنے لگی تو اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے جلدی سے اسے پھیل پر رکھ دیا
مبارک پلیٹ ہاتھ سے چھوٹے برنٹ جائے۔
کسی کے اتنے مٹکے برتنوں کے سیٹ کی پلیٹ اگر اس سے ٹوٹ گئی تو اس نقصان کی تلافی وہ کیسے کرے گی؟
وہ کوئی حرام کھا کر بوی نہیں ہوئی تھی مگر برابر بھائی نے اپنے بھوانہ فعل سے اس کے پورے گھر کو جراثیم پھیل
افراد ثابت کر دیا تھا جو حرام کھاتے ہیں اور حرام ہی کھاتے ہیں۔

رو میلہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا بننے لگا تو وہ سب چیزیں نچیل کر ایسے ہی چھوڑ کر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ان سب کا نظریہ انداز کرنا ہی اسے سخت توہین آمیز لگتا تھا اور آج اس کے کھانے پینے پر کھلتے غفار نے جس طرح ہٹائی تھی انہیں سننے کے بعد اس کا ذہن مرنے کو دل چاہ رہا تھا۔

رات ٹھک رہے اپنے کمرے میں بند رہی کسی نے بھی آکر اس سے نہیں پوچھا کہ وہ ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔ اس نے سہرا کا کھانا کھانا نہ رات کا اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس گھر کا پانی بھی پیے۔

مگر صبح کے پانچ بجے کوئی مسئلے کا حل نہیں تھا وہ تو اگر فائدہ کر کے مرنے کی جاتی تب بھی ذہن اور بے غیرت ہی کھلاتی اسے اپنے دامن پر لگے مجرم پیشہ ہونے کا داغ دھوا تھا نہ کہ کمرے میں بند ہو کر اور کھانا پینا چھوڑ کر اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرنا تھا یہ وہ سروں کی تھم رہی تھیں۔

آخر رات کے کیا رہے جب اسے یقین ہو گیا کہ کھلتے غفار اپنے کمرے میں سوتے چلی گئی ہوں گی اور اب باہر نہیں آئیں گی وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

اتنی رات گئے اس طرح الیان کے کمرے میں جانا اسے عجیب تو لگ رہا تھا مگر یہ کوئی معیوب بات نہیں تھی وہ خود کو برحق سمجھتے ہوئے اپنے حوصلے جمع کرتی اس کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی دستک دینے پر الیان کی بڑی فزیش کو آواز سنائی دی گویا وہ ابھی تک سویا نہیں تھا۔

”دروازہ کھلا ہے آجاؤ۔“ رو میلہ نے چنڈل پر دباؤ ڈالا تو واقعی دروازہ کھلتا چلا گیا الیان کپیوٹر کے سامنے بیٹھا رہے اسناک سے کام میں مشغول تھا۔

کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے دروازے کی سمت دیکھا بھی نہیں اور مصروف سے انداز میں کئے لگا۔
”نہیں سرداراں کو چائے کے لیے منع کر کے اوپر آیا تھا لیکن خیر اب تم نے بتائی دی ہے تو رکھو۔“ الیان اسے حشر گھر کی ملازمہ ہی سمجھتا تھا۔

رو میلہ کی سمجھ میں نہ آیا وہ اسے کیا کہو خاموشی سے دروازے میں ہی اٹھنا رہی۔
”اے میں نے کہا ہے نا چائے رکھ۔“ الیان نے غیر ارادی طور پر دروازے کی طرف دیکھا تو حیرت سے جملہ

لوہو را چھوڑ دیا۔
”کسے کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟“ رو میلہ نے خود اعتماد نظر آنے کی کوشش کی۔ (ناکام)

الیان نے ایک نظروال کھا کر پوچھا اور وہ سری سوالیہ نظر رو میلہ پر مرکوز کر دی۔
”میں مجھے کچھ بات کرنی ہے۔“ رو میلہ اس کے چہرے پر پھیلی رضامندی دیکھتے ہوئے اندر آ کر کھڑی ہو گئی

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بات کہاں سے شروع کرے اور اسے گفتگو میں جتلا دیکھ کر الیان نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹھ جاؤ اور آرام سے بتاؤ کیا بات ہے۔“ الیان کا لہجہ بہت نرم اور پرسکون تھا وہ ایک تشکر بھری نظر اس پر ڈال کر صوفے پر بیٹھ گئی تھوڑا سا اس کا اعتماد بڑھا تھا لہذا وہ سب کچھ جلدی سے کہہ دینا چاہتی تھی کیس الیان کی

جھٹیلی پر بل پڑتے تو اس سے بات کرنا وہ بھر ہو جائے گا۔
”میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔“ رو میلہ کہہ کر خاموش ہو گئی جبکہ الیان اسے ایسے دیکھتا رہا جیسے آگے اس کی

بات سننا چاہتا ہو مگر جب وہ بولی ہی نہیں تب الیان کو خود ہی کھنکھاتا رہا۔
”جس اور کچھ نہیں کہنا۔“ رو میلہ نے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے سر فنی میں ہلا دیا۔

”اچھا۔“ الیان نے اپنی روٹنگ جیر کو جھلاتے ہوئے پر سوچ انداز میں اچھا کو کھینچا پھر مزید گویا ہوا۔

”اس سے پہلے کہ میں یہ پوچھوں کہ تم جاب کیوں کرنا چاہتی ہو یہ بتاؤ کہ تم اجازت لے رہی ہو یا فیصلہ سناری ہو۔“ رو میلہ کچھ ٹھنک سی گئی۔

ویسے تو وہ صرف اسے آگاہ کرنے آئی تھی مگر اس کے منہ پر یہ کتنا کچھ مناسب نہ لگا تو وہ مفاہمت کی راہ اپناتے ہوئے بولی۔

”اپنی خواہش ظاہر کر رہی ہوں اور مجھے یقین ہے آپ اس کا احترام کریں گے۔“ لیان کچھ دیر اسے دیکھتا باہر سنجیدگی سے بولا۔

”اس خواہش کی وجہ۔“

”میں پورا دن گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتی ہوں مجھے کوئی مصروفیت چاہیے۔“

”تو اس کے لیے پڑھائی کرو جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”پڑھائی میں جاب کے ساتھ کرلوں گی ویسے بھی میری تعلیم درمیان میں رہ گئی ہے میں اسے بھی دوبارہ شروع کرنا چاہتی ہوں لیکن اس سے پہلے مجھے جاب کرنی ہوگی۔“ رو میلہ نے جلدی جلدی کہا۔

”پڑھائی کے ساتھ جاب کرنا آسان کام نہیں ہے اپنی پرابلم فیس کرنے کی کیا ضرورت ہے پہلے پڑھائی ختم کرلو پھر جاب کر لیتا جاب بھی اچھی مل جائے گی۔“ رو میلہ سرائیفا کر لیان کی طرف دیکھنے لگی جو پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ تھا۔ رو میلہ نے ایک گہرا سانس کھینچ کر ساری ہمتیں جمع کیں اور سب کچھ دو ٹوک کہتے ہوئے بولی۔

”یونیورسٹی میں پڑھنے کے لیے ہزار طرح کے خرچے کرنے پڑتے ہیں کہ سے کم کرتے کرتے بھی آنے جانے کا کرایہ تو لگی ہی جائے گا۔ کمیس سے کوئی بزنس کا انتظام ہو تو یہ سارے اہم کمپنیز پرے ہو سکتے ہیں۔“

لیان کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا اس کے جاب کرنے کی خواہش ظاہر کرنے پر ہی لیان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنا پیسہ کمانا چاہتی ہے مگر اتنا بے دھڑک یہ کہہ دے گی یہ لیان کو امید نہیں تھی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔

اتنے دن ہو گئے تھے ان کی شادی کو۔ وہ اپنے گھر سے اپنا کچھ سامان لے آئی تھی اور اس کے بعد لیان یا اس کے گھر والوں نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں تھا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہے یا نہیں۔

اتنے ہفتوں سے وہ یہاں تھی جھولی مونی چیز کی ضرورت تو اسے بڑھتی ہی رہی تھی صرف عورت کی روٹی مہیا کر دینے سے انسان کی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں ایسے حالات میں انسان کب تک گزارا کر سکتا ہے آخر رو میلہ کو وہی قدم اٹھانا تھا جو وہ اٹھانے جا رہی تھی۔

لیان کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر ہنکارا بھرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں تمہارا جب خرچ مقرر کرتا ہوں صرف کرایہ ہی نہیں تمہیں اور بھی دوسری چیزوں کی ضرورت۔“

”مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے میں ہر چیز کے بغیر گزارا کر سکتی ہوں مجھے صرف تھوڑی سی عزت چاہیے جو آپ سے جب خرچ لینے کی صورت میں بالکل بھی نہیں بچے گی۔ ویسے بھی میرا آپ کے پیسوں پر کوئی حق نہیں۔ جب کوئی رشتہ نہیں کوئی تعلق نہیں تو جب خرچ کیسا؟

میں اپنا کمانا چاہتی ہوں تاکہ مجھے کسی کے زیر احسان ہونے کا احساس نہ ہو ورنہ اگر مجھے پیسا جتنے ہی ہوتے تو کیا میں اپنے بابا سے نہیں مانگ سکتی۔“ رو میلہ نے لیان کی بات کانٹے ہوئے تیزی سے کہا۔

”تم اپنے بابا سے نہیں مانگ سکتیں کیونکہ ان پر تمہیں ظاہر کرنا ہے کہ تمہیں یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔“ لیان بڑھتے بولا تو چند لمحوں کے لیے اس بار رو میلہ خاموش رہ گئی تب ہی لیان کو کھتا پڑا۔

”اس لیے کہہ رہا ہوں تمہیں جتنے بھی پیسے چاہئیں میں تمہیں دے دوں گا جاب کر کے کیوں اپنے گھر والوں کو محکوک کر رہی ہو۔“ لیان نے اسے محض اپنے ارادوں سے باز رکھنے کے لیے کماور نہ اس کے گھر والوں کے محکوک ہونے سے زیادہ خود لیان کو اس کا جاب کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”میں نے گھر والے محکوک نہیں ہوں گے بلکہ صرف ناراض ہوں گے کیونکہ میں انہیں بتاؤں گی کہ میں نے جاب شوق کی ہے وہ بھی آپ کے منع کرنے کے باوجود تو وہ مجھے خود سر اور باقی سمجھیں گے اور ان کی یہ رائے کچھ دیکھ کے حالات کو سازگار بنانے میں معاون ثابت ہوگی۔“ رو میلہ کے کہنے میں حد درجہ لاپرواہی تھی۔

اگر لیان نے اسے فون پر نمل سے بات کرتے وقت روتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو اسے بہت ہمدرد یا شاید بہت ذہین سمجھ لیتا۔

لیکن اس کی وہ گفتگو اور تاثرات دیکھنے کے بعد لیان کو شدت سے احساس ہوتا تھا کہ وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے کتنے جتن کر رہی ہے۔

”جب فیصلہ کر چکی ہو تو جاؤ جا کر اخبار میں دیکھو کسی دیکھو۔“ لیان نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے گھر درے سے لےجے میں کماور رو میلہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

”میں اس طرح جاب نہیں کر سکتی میں چاہتی ہوں آپ خوشی سے مجھے جاب کرنے دیں۔“

”جب کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔“ لیان نے تھوڑی دیر پہلے کی بات کی بات لوٹا دی تو وہ تذبذب کے عالم میں ایک بار پھر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی آخر لیان کو ہی کھتا پڑا۔

”دیکھو صاف بات ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ تم جاب کرو اگر تم جاب بیسوں کے لیے کرنا چاہتی ہو تو مجھے تم جتنے چاہو مجھ سے لے سکتی ہو اور اگر تم جاب وقت گزارنے کے لیے کرنا چاہتی ہو تو۔۔۔ تم اپنی پڑھائی شروع کر سکتی ہو اس کی طرف اگر وہ بن راض نہیں ہو رہا تو گھر کے کام کاج کرلو تمہیں اگر کوئی کنگ میں دلچسپی۔“

”آپ کی والدہ کو میرا کچن میں قدم رکھنا بھی پسند نہیں۔“ رو میلہ درمیان میں بول پڑی لیان کچھ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

”میں نے ہاتھ کا پا کا کھانا کھانا تو بہت دور کی بات ہے انہیں تو میرا مفت کی روٹیاں توڑنا بھی برا لگتا ہے اب میں فی الحال تو یہ گھر چھوڑ کر نہیں جاسکتی نا اسی لیے میں جاب کرنا چاہتی ہوں میں اپنے پیسوں سے باہر سے ہی کچھ کھا کر

آپہاؤں گی تو مجھے یہاں کسی کی حقارت بھری نظریں برداشت نہیں کرنی پڑیں گی۔“ بلا آخر رو میلہ کا لہجہ بھیگ سی گیا۔

”کیا کہا ہے می نے تم سے۔“ لیان نے اپنی بے تحاشا حیرت پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

”سب رہنے دیں میں تو آپ کو یہ بھی نہ بتاتی لیکن آپ کو لگ رہا ہے میرا پڑھائی میں دل نہیں لگتا اور میں وقت گزارنے کے لیے جاب کرنا چاہتی ہوں اس لیے یہ سب کھتا پڑا۔“ رو میلہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملاتے ہوئے حیرت سے بولی تو لیان رسانی سے کہنے لگا۔

”میں ایسا کچھ نہیں سمجھ رہا میں تو صرف تمہیں بہتر آپشن دے رہا تھا لیکن اب جو بات تم نے بتائی ہے وہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے تم اگر اپنا کما کر اپنا خرچ بھی اٹھاؤ گی تب بھی می کو تم سے شکایت ہی رہے گی۔“

اس پرابلم کو میں سولو کر دوں گا تم بس یہ جاب والی بات دل سے نکال دو ہاں البتہ اگر پڑھائی شروع کرنا چاہتی ہو تو بے شک کر سکتی ہو بلکہ میرے خیال سے تمہیں شروع کر دینی چاہیے لیکن اس میں بھی تمہیں ایک بات کا

دھیان رکھنا ہو گا تم کوئی کرایہ خرچ کر کے بس یا رکشا میں نہیں جاؤ گی تم گھر کی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ

چلو گی۔

مہی کے روپے کی میں پوری طرح سے ضمانت تو نہیں لے رہا لیکن اتنا یقین رکھو کہ وہ تمہیں مزید کچھ نہیں کہیں گی۔" رو میلہ بے اختیار سراٹھا کر الیان کی جانب دیکھنے لگی۔
اس کی آنکھوں میں اتنا یقین تھا کہ رو میلہ چند ثانیوں کے لیے اسے دیکھتی رہ گئی پھر خود ہی اس کی نظریں جھٹکتیں جیسے اس نے ہار مان لی ہو۔

اصل میں تو وہ الیان سے بحث نہیں کر سکی ورنہ غفلت غفار سے بہتر روپے کی اسے امید نہیں تھی۔
مگر اس وقت اسے واقعی حیرانی کا سامنا کرنا پڑا جب اگلے دن رات کے کھانے پر ملازم نے اس کا دروازہ کھٹکنا کر اسے بلایا اور ریاض غفار کے طلب کرنے کا پیغام دیا۔

"بڑے صاحب نے مجھے بلایا ہے۔ یعنی ریاض صاحب نے۔" رو میلہ بلا کی حیرت سے پوچھ رہی تھی اس نے برسوں رات سے کچھ نہیں کھایا تھا بھوک بھلے ہی مر گئی تھی مگر قنات بہت مست محسوس ہو رہی تھی بلکہ اسے لگ رہا تھا اب اگر مزید کچھ کھائے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔
بھوک بہت بری چیز ہے انا اور خودداری کی جنگ میں پیٹ کا دوش اگر درمیان میں آجائے تو تو حامیہ ان انسان پہلے ہی ہار چکا ہوتا ہے۔

لہذا اس وقت یہ سن کر کہ ریاض غفار خود اسے کھانے پر بلا رہے ہیں وہ فوراً "ڈانگ" نکیل پر آگئی اور جب وہ کرسی تھبٹ کر بیٹھ رہی تھی تب اس نے ریاض غفار کو کہتے سنا۔
"کب سے کھانا نہیں کھایا ہے تم نے؟" رو میلہ بے اختیار گردن گھما کر انہیں دیکھنے لگی۔

"جس کی۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا کیا کہے جبکہ ریاض غفار بغور اسے دیکھ رہے تھے اس کے چہرے کی گلابی رنگت میں ہلکی سی لکڑی ہوئی تھی چہرہ بالکل مرجھا کر رہ گیا تھا ریاض غفار نظروں کا زاویہ بدلنے پر مجبور ہو گئے۔
غفلت غفار اور الیان تو پہلے ہی بلا تعلق بنے اپنی اپنی ہڈیوں پر جھکے ہوئے تھے۔ رو میلہ گوشت ٹاڈا دیکھ کر ریاض غفار ہی کیسانی سی آواز میں کہنے لگے۔

"چلو کھانا شروع کرو اور آئندہ کھانے کا وقت ہوتے ہی ڈانگ نکیل پر سب کے ساتھ آ جانا گھر کے لوگوں کو مسلمانوں کی طرح کھانے کے لیے بلایا نہیں جاتا۔" رو میلہ ابھی بھی بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی جو اس سے نظریں چرا سکتا کر رہے تھے جبکہ رو میلہ باقاعدہ منہ کھولے انہیں دیکھنے لگی جب انہوں نے مزید کہا۔

"اگر یہ کھانے پسند نہیں ہیں تو خود اپنے آپ کچھ اپنی پسند کا بنا لو ہم بھی وہی ایک سے کھانے کھا کھا کر رہے ہو گئے ہیں ہمیں کچھ بھی پہنچ مل جائے گا۔" کتنی ہی دور رو میلہ حیرت سے لنگ بیٹھی رہی آخر بڑی مشکل سے اس نے ذہن کو حاضر کرتے ہوئے کھانا پلیٹ میں نکالا اور چھوٹے چھوٹے ٹوالے لینے لگی۔

اسے کھاتے ہوئے زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ غفلت غفار کھانا ختم کر کے اٹھ بھی گئیں ان کے تھوڑی دیر بعد ریاض غفار بھی اٹھ گئے تب الیان نے پہلی بار سراٹھا کر رو میلہ کی جانب دیکھا۔
"اب ٹھیک ہے؟" اس کے اچانک پوچھنے پر حیرت کی زیادتی سے سن ہوئی رو میلہ اچھل پڑی۔

"تپنے کیا کیا ہے؟" رو میلہ نے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو الیان جو پہلے ہی زیر لب مسکرا رہا تھا ایک دم کھل کر مسکرا دیا۔
"وہ سب چھوٹا اور یہ بتاؤ اب تو تمہیں نہیں لگ رہا کہ تمہیں کسی کی حقارت بھری نظریں برداشت کرنا پڑ رہی ہیں۔"

"مگر یہ سب ہوا کیسے؟" رو میلہ ابھی بھی کنفیوز تھی اور اس کی حیرانی الیان کی مسکراہٹ کو اور گہرا کر رہی تھی۔

ہو گیا جس نے تھوڑا سا جھوٹ بولنا پڑا تو سمجھ لو تمہارے بھائی پر ایک الزام اور لگا دیا۔
میں نے مٹی ڈیڑی سے کہا آج ابراہار کاٹون آیا تھا حامد کا نمبر ہانگ رہا تھا وہ حامد کے پورے گھر کو اپنے گھر کھانے پر بلانا چاہ رہا ہے کیونکہ اس کا کہنا ہے ہمارے سرسراں میں ہماری بیٹیوں کو ٹھیک طرح سے کھانے کو بھی مل رہا ہے یا نہیں ہم بھی دعوت کر کے کچھ کھلا پلا دیں۔" رو میلہ ششدر سی الیان کو دیکھے گئی جو اپنی بات پوری کر کے ہٹکے سے منس دیا تھا پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔

"بے فکر رہو ہم پر کوئی بات نہیں آئی ہے مٹی ڈیڑی کی سمجھ رہے ہیں کہ ابراہار انہیں انڈر پریش رکھنے کے لیے ایسی باتیں کر رہا ہے اور محض بے پرکی اڑا رہا ہے ورنہ تم پر کھانے پینے پر کوئی پابندی تو ہے نہیں۔" الیان ایسے بول رہا تھا جیسے اپنی بات سے خود ہی بہت مطمئن ہو رہا ہو پھر وہ رکائیں اور اسے حیران چھوڑ کر چلتا ہوا۔

بیاداری طور پر تو رو میلہ کو اس کی حرکت پسند نہیں آتی چاہے مٹی اس طرح کسی کو بلیک میل کر کے اگر عزت کو الٹی تو کیا کرانی مگر ابھی جس الیان کو اس نے دیکھا تھا وہ اس الیان سے کس قدر مختلف تھا جسے رو میلہ جانتی تھی کہ وہ یہ حیرت اسے اور کسی موضوع پر سوچنے نہیں دے رہی تھی۔

الیان نے یہ سب اس لیے کیا تھا کہ اس کی عزت نفس مجھوت نہ ہو اور یہ سب کر کے اسے کوئی بچتا دوا نہیں تھا بلکہ اپنے فعل پر وہ بہت مطمئن اور خوش تھا۔
جیسے جیسے وہ شاک سے باہر آتی گئی اسے اپنا آپہٹکا ہوا محسوس ہوتا گیا بے اختیار اس کا دل چاہا وہ ابھی الیان کے پیچھے جا کر اس کا شکریہ ادا کرے مگر الیان کا سرشار انداز بتا رہا تھا اس نے یہ سب رو میلہ سے کوئی توصلی گھات سننے کے لیے نہیں کیا وہ چاہتا تھا وہ ہوجکا تھا ابھی وہ اتنا خوش تھا۔

اس کی بھرپور مسکراہٹ یاد کر کے رو میلہ بھی غیر ارادی طور پر مسکرانے لگی دل کی دھڑکنوں کا نئی تال پر دھڑکنے کا تجربہ بنیابی انوکھا اور منفرد تھا اس کے لیے۔



بلال اختر کا یقین بالکل صحیح ثابت ہوا تھا حمید کے والد خسار کے گھر والوں کی طرح نہیں تھے جو پیسے لے کر خاموش ہو جاتے انہوں نے تو اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کر کے ندیہ کے خلاف اتنے خاصے چار جز لگا دیے تھے۔

بلال اختر نے ان سے بات کرنی چاہی مگر وہ تو کچھ سننے کے لیے ہی تیار نہیں تھے۔ بلال اختر ندیہ کو کیس کی کارروائی ہونے تک ضمانت پر گھر لے آنا چاہتے تھے۔
مگر حمید کے والد نے اسے خطرناک پاگل بتاتے ہوئے اسے پولیس کسٹڈی میں رکھنے پر زور دیا تب بلال اختر مجبور ہو گئے جیل جانے سے تو بہتر تھا کہ وہ پاگل خانے چلی جائے حالانکہ ان کا دل کسی طور اسے ذہنی امراض کے مریضوں کے ساتھ سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا مگر صورت حال ان کے قابو سے باہر ہو گئی تھی پھر بھی انہیں امید تھی کہ جس قدر الٹی کارروائی شروع ہوگی تب وہ ندیہ کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پھر بھی یہ سب ایک دن میں ممکن نہیں تھا چنانچہ تب تک ندیہ کو میڈیکل ہسپتال کے نام پر پاگل خانے میں ہی رکھا گیا بلال اختر نے اس کے آرام کے لیے ہر سوت فراہم کر دی پھر بھی ندیہ کو ایک بہت بڑا دھچکا لگا تھا بالکل خانے میں قدم رکھتے ہی تو گویا وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے پاگل ثابت ہو گئی ہے جب ایک بار اس کے ماتھے پر پاگل خانے کا ٹھپا لگ گیا تو اب بھلا اسے کون مار ملے گا۔
لوگ تو پہلے ہی اس کی ذہنی حالت کی طرف سے مشکوک رہتے تھے اب یہاں سے نکلنے کے بعد اسے سب

خطرناک پاگل ہی سمجھیں گے اور پھر ہمیں یہاں سے نکلنا ہوتا بھی ہے یا نہیں۔
زندگی میں پہلی بار وہ کمرے سے دور ہوئی تھی اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا وہ پورا گرا کر ایک جست میں اپنے
کمرے پہنچ جائے اور اپنے بستر میں دبک کر سر تک اپنا کھنکھناتہ زور لے لے تاکہ پھر اسے کچھ پتا نہ چلے کہ اس کے
کمرے سے باہر دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کون اس کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے پاگل خانے صرف فلموں
میں دیکھے تھے لیکن جب وہ خود یہاں آئی تو یہاں کا ماحول اسے فلموں سے بیکسر مختلف لگا ایک تو اس کی وجہ یہ تھی کہ
ہلال اختر نے اس کا انتظام بہت بہترین اسپتال میں کرایا تھا جہاں ہر مریض کا ایک الگ کمرہ تھا اس کے باوجود ایک
دو بار اس کے کمرے کے سامنے لگی گرل سے جب اس نے کسی ذہنی مریض کو نرس کے ساتھ جاتے یا آتے دیکھا
تو وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئی ایک چالیس بیس تالیس سال کی عورت تو بچہ بیوں میں جھڑی ہوئی تھی اس کی چال اور
حلیمے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ پچھلے کئی سالوں سے یہاں مقیم ہے اور اس کی ذہنی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔
جب وہ یہاں آئی تو ایک دو نرس نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے اندرونی خوف کے باعث کچھ
بولی ہی نہیں مگر یہاں رہتے ہوئے جب اسے کچھ دن گزر گئے تو مسلسل خاموش رہتے رہتے اسے شدید قسم کی
تھکن ہونے لگی تب اس نے ایک نرس سے ہلکی پھلکی باتیں کیں۔

یہاں کا عملہ اس کے بارے میں کافی کچھ جانتا تھا اور پھر اس نرس کا مزاج نڈیہ کو کافی بسترنگا بھی نڈیہ نے
اس سے اس کا نام جو پوچھا جواباً "نڈیہ کی توقع کے مطابق اس نے نڈیہ کا اندر دیکھ لیا بلکہ ایک دو ادھر ادھر
کی باتیں کر کے کہنے لگی۔

"جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا میں بھی سمجھ گئی تھی تم ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو جس شاک میں ہو
اس لیے اتنی خوف زدہ ہو جیسے جیسے تم یہاں کی عادی ہو جاؤ گی تمہارا رویہ سارے اسٹاف کے ساتھ نارمل ہو جائے
گا۔"

"مجھے یہاں کا عادی نہیں ہونا میں کوئی یہاں ہمیشہ کے لیے تھوڑی آئی ہوں بس ایک بار کیس ختم ہو جائے پھر
میں یہاں سے نکل جاؤں گی۔" نڈیہ فوراً بولی تو وہ کچھ دیر بغور نڈیہ کو دیکھتے رہنے کے بعد عجیب سے لہجے میں
بولی۔

"ہر امید رہنا اچھی بات ہے لیکن یہاں تم آس لگا کر غلطی کر رہی ہو۔ کیونکہ جتنی جلدی تم حقیقت کو قبول
کر لو گی اتنی ہی تمہیں آسانی ہو گی۔"

"میں سمجھتی نہیں۔" نڈیہ ابھٹتی نظر آئی اسے دیکھنے لگی۔
"ایک بار یہاں آنے کے بعد کوئی واپس گھر نہیں جاتا اب تمہیں یہیں رہنا ہے۔" نڈیہ سن ہوتے دھڑکے
ساتھ اسے دیکھ گئی پھر لڑکھڑاتے لہجے میں بولی۔

"میں میں کوئی پاگل تھوڑی ہوں جو پاگل خانے میں رہوں گی۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ کیا۔ کیا تمہیں
میں پاگل۔ لگ رہی ہوں؟"

"نہیں پاگل نہیں۔" وہ فوراً بولی پھر رسائی سے کہنے لگی۔
"لیکن ایسی جگہ پر گھر اور گھر والوں سے دور رہتے رہتے انسان گھبرا جاتا ہے وہ پڑیشن میں الٹی سیدھی حرکتیں
شروع کر دیتا ہے پھر اسے یہاں سے شفٹ کرنا پڑتا ہے۔"

نیشنل لیول کی بھی اسٹھجز ہوتی ہیں۔
یہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ بہت بہتر ہوتے ہیں جن کی حالت بہت خراب ہو جاتی ہے انہیں یہاں سے دوسری
جگہ شفٹ کر دیتے ہیں۔

جی تو میں کہہ رہی ہوں یہاں مل لگانے کی کوشش کرو اگر تم یہاں سے نکلنے کا سوچو گی تو مزید تیار ہو گی۔"
"دل لگانے کی کوشش۔" نڈیہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے وہ تو یہاں آ کر ہی پریشان ہو گئی تھی اکثر
سہی مریض عورتوں کے پیچھے اور رونے کی توازیں اسے خوف زدہ کر دیتیں اگر اسے اور خطرناک پاگلوں کے
ساتھ بھیج دیا تو وہ واقعی پاگل ہو جائے گی۔

"یہاں دل لگانے کی کوشش سے میرا مطلب ہے خوش رہنے کی کوشش کرو سب سے باتیں کرو اچھی اچھی
باتیں پڑھو نماز کی پابندی کرو اور اپنے لیے کچھ ضرور مانگو۔"

اگر تمہاری حالت میں بہتری نظر آئی تو تمہارے ساتھ بہت رعایت ہو جائے گی تمہیں اینڈنٹ کے ساتھ باہر
کارڈن میں جانے اور بیٹھنے کی اجازت مل جائے گی اور بھی دوسری تفریحات میسر آ سکتی ہیں۔" وہ تسلی دے رہی
تھی اور نڈیہ کے رونے کھڑے ہو رہے تھے۔

گویا اسے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی ابھی تک تو لوہے کی سلاخوں والے دروازے سے باہر
جانے کا اسے خیال نہیں آیا تھا مگر اب یہ جان کر کہ وہ اس ایک کمرے میں قید ہے اس کا دم ٹھٹھنے لگا تھا۔
"سسر۔ کیا۔ کیا میں اپنی ماں سے فون پر بات کر سکتی ہوں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں تمہارا فون پر بات کرنے کا دن اور ٹائم مقرر ہو گا بلکہ تمہارے والد نے تو تمہیں موبائل
ٹھیک دیا ہے مگر تم پر پولیس کیس چل رہا ہے بالکل ابھی تمہیں موبائل دینے کی پرمیشن نہیں ہے۔" نرس اسے
ریلیکس کر رہی تھی وہ اتنی ہی ہراساں ہو رہی تھی۔

"مما سے فون پر بات صرف مقررہ دن اور وقت پر ہی کر سکتی ہے اور کیس حل ہونے تک اسے موبائل نہیں مل سکتا
تھیں کب ختم ہو گا؟" نڈیہ نے کبھی ختم نہ ہوا تو؟ یا یہ چارواچ سال تک چلتا رہا تو؟
"سسر۔ سسر۔ مجھے مجھے ایک بات سچ بتائیے یہاں کے ڈاکٹرز کی میرے بارے میں کیا رائے ہے کیا
میں سب کو واقعی پاگل لگ رہی ہوں؟"

"نہیں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں نے کہا ہے تا تم بالکل ٹھیک ہو اب تم بالکل ریلیکس ہو جاؤ بلکہ کچھ
دیر سو جاؤ تمہیں دوائی کھانے کافی دیر ہو گئی ہے اب تک تمہیں سو جانا چاہیے ورنہ تمہارا سر درد کرنے لگے گا۔"
سسر اسے بیڈ پر لٹانے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ اپنا کندھا چھڑوا کر اٹھ بیٹھی۔

"مجھے سلا میں نہیں اور پلیز مجھے بالیس بھی نہیں میں جانتی ہوں آپ سب مجھے پاگل سمجھتے ہیں آپ کا خیال
ہے مجھے دورے پڑتے ہیں اسی لیے اب آپ مجھے سلائے پر بند ہیں کہ میں ہانپھو ہو رہی ہوں کسی بھی وقت میں
اپنا ذہنی توازن کھو سکتی ہوں اور کسی پر بھی حملہ کر سکتی ہوں حالانکہ میں ایسی نہیں ہوں پتا نہیں خرم نے میرے
خلاف ایسی جعلی گواہی کیوں دی میں۔ میں۔ خرم سے ملنا چاہتی ہوں مجھے اس سے بات کرنی ہے۔"

نڈیہ تو شائستہ خالہ کے بارے میں سب جانتا تھا پھر اس نے ایسا بیان کیوں دیا۔ اس نے تو خود شائستہ
کا نام گود لکھا ہے۔" نڈیہ زار و قطار روتے ہوئے بیٹھ رہی تھی اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا وہ ابھی خرم سے بات کرنا
چاہتی تھی۔

مگر سسر نے اس کی بات ہی کب سنی تھی اس کی تواضع کا وہ الیم جیسے ہی پوچھتا شروع ہوا اس نے ایک بٹن دبا کر
ٹھٹھکی دوسری عورتوں کو بلا لیا ان تین عورتوں نے مل کر اسے زبردستی ایک انجکشن لگایا اور وہ صرف دھوپل میں بستر
پر سبکدوش ہو کر گئی۔

نڈیہ کو ایک دن تو بہت خوش رہی کہ وہ اپنے گھر کی ڈانگ نکیل پر سب کے برابر بیٹھنے اور
نڈیہ کو ایک دن تو بہت خوش رہی کہ وہ اپنے گھر کی ڈانگ نکیل پر سب کے برابر بیٹھنے اور

کھانے کا درجہ دیا۔ مگر تیسرے دن اس کی خوشی پر اس نے گلی بھلتی وہ زبان سے طنز کے نشتر نہیں چلا دی تھیں مگر ان کے دل میں تو ابھی بھی یہی ہو گا تاکہ وہ ان کے گھر مفت کی روٹیاں توڑ رہی ہے۔

الیان کے منع کر دینے کے بعد وہ دوبارہ باب کی بات نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن آخر اس کا حل کیا تھا آن سچ جب وہ ہاتھ دھو کر نگلی تو اس کے بند پر جس ہزار روپے رکھے تھے۔ یہ رقم یقیناً "الیان" نے رکھی ہوگی اس طرح الیان سے پیسے لینا بالکل مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

اس نے نوٹ اٹھا کر الماری میں تو رکھ لیے مگر سارا دن اس پر بے زاری چھائی رہی کوئی مصروفیت بھی تو نہیں تھی اس کے پاس کہ اس کا ذہن بٹ جاتا وہ بے دلی سے کبھی اخبار اٹھا کر پڑھنے لگتی کبھی ملان میں جا کر پودوں وغیرہ کو دیکھنے لگتی یا بیوی لگا کر چھٹل چھیچ کرتی رہتی۔

البتہ گفت و غبار کے گھر آتے ہی وہ اپنا کمر بند کر کے بیٹھ جاتی۔ اخبار پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھ لگ گئی تو وہ سوتی پڑ رہی کوئی جگانے والا نہیں تھا نہ ہی خالی پڑے لقمہ گھر میں کوئی آہٹ۔ ہوتی تھی کہ اس کی آنکھ کھل جاتی۔

چنانچہ اپنے آپ جب وہ اٹھی تو رات کے دس بج رہے تھے ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی ہاتھوں سے بال ٹھیک کرتی وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی منہ ہاتھ دھونے کی بھی زحمت نہ کی دس بجے تھے تو وہ سب کھانے سے بھی فارغ ہو گئے ہوں گے اور وہ کمرے میں بند پڑی رہی۔

ابھی تین دن پہلے ہی تو ریاض غفار نے کہا تھا کھانے کے وقت خودی آجایا کرو مہمانوں کی طرح بلانا اچھا نہیں لگتا اور تین دن بعد ہی وہ ان کی بات نظر انداز کیے کمرے میں پڑی رہی یقیناً "ان لوگوں کو اس کی یہ بے حسی یا گوار گزری ہوگی اس سے پہلے کہ ریاض غفار کمرے میں چلے جائے وہ انہیں اپنے بے وقت سو جانے کے متعلق بتا کر معذرت کر لیتا چاہتی تھی۔

مگر وہ جب ڈانٹک دم میں پہنچی تو خیال بالکل خالی تھی ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ کوئی یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔ وہ میلہ کچن کی طرف بڑھ گئی تو راستے میں ہی سرداراں مل گئی تھیں اس نے بتایا کہ ریاض غفار اور گفت و غبار تو کسی فنکشن میں گئے ہیں رات کے ڈیڑھ دو بجے سے پہلے واپسی نہیں ہوگی اور الیان صاحب ابھی آفس سے نہیں آئے۔

"اچھا ٹھیک ہے تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ مجھے کھانا کھانا ہو گا تو میں خود لے لوں گی۔" وہ میلہ کو تھوڑا سا اطمینان ہوا تھا کہ وہ انہیں نہیں گھسنے سے بچ گئی۔ لیکن سرداراں کے جاتے ہی اسے بری طرح وحشت ہونے لگی۔

خلی رڑا پڑا سا گھر اسے کات کھانے کو دوڑ رہا تھا شام میں اتنی دیر اس نے چھٹل چھیچ کیے تھے کہ اب بیوی کھولنے کے خیال سے اسے اختلاج ہو رہا تھا۔

وہ لا شعوری طور پر الیان کے آنے کا انتظار کرنے لگی کہ وہ آئے تو وہ الیان کے دیرے پیسے بھی اسے واپس کر دے اور اس سے دو نوک بات کرے کہ اسے جاب کرنے کی اجازت دے دیں وہ اس کے پیسوں سے پر حال نہیں کرنا چاہتی۔

وہ ابو حمر سے اُدھر پھرتے ہوئے باقاعدہ جملے ترتیب دینے لگی کہ اسے الیان کو کس طرح قائل کرنا ہے اور جب اس نے ساری تیاری کر لی تب اس کی نظریں وی لاؤنج میں رکھے ہوئے سوالیہ بونٹ پر جم گئی۔ اس میں طرح طرح کے بیش قیمت ڈیکوریشن پسور رکھے تھے ان ہی کے ساتھ ایک خانے میں شطرنج بھی

کالچ کے خوبصورت سیاہ اور سفید مہلوں کو دیکھتی وہ بے اختیار اس کی طرف کھنٹی ملی آنی بلا آخر اسے وقت ملنے کے لیے مصروفیت مل ہی گئی تھوڑی دیر بعد وہ لاؤنج میں بیٹھی دونوں طرف کی بازی اکیلے کھیلنے میں اتنی مشغول ہو گئی کہ اسے الیان کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔

"مارنے سے ڈرتی ہو کیا جو اکیلے کھیل رہی ہو۔" اس کی توازن پر وہ میلہ چونک اٹھی وہ ایک ہاتھ میں برف کیس پکڑے دوسرے ہاتھ سے کوٹ کندھے پر ڈالے ایسے کھڑا تھا جیسے کمرے میں جاتے جاتے رک گیا ہو۔

وہ میلہ کا دل چاہا کہ وہ دے اکیلا انسان ہر کام اکیلے ہی کرتا ہے مگر اس جملے میں بڑی سبکدوشی تھی اسے کہنے کا مطلب تھا وہ اس کی ہمدردیاں سینٹا چاہتی ہے جبکہ اسے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی جسکی اپنی فطرت کے برعکس محض ڈانٹ لگ بولتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں۔" مغرور ہونے سے ڈرتی ہوں اس لیے اکیلی کھیل رہی ہوں۔" اس کی بات پر الیان کے چہرے پر غصہ و نفرت مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"کچھ آتا بھی ہے یا بس مہرے آگے کر رہی ہو۔" وہ قریب آکر سادہ رنگے مہلوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

"میدان سے باہر بیٹھ کر کھلاڑیوں کی صلاحیتوں کا اندازہ مت لگائیں۔" اسے اسرار حماقت ہے۔" وہ میلہ کی جھنجھلاہٹ کیس تو لگتی تھی۔

"مہلوں کو یا میدان میں کودنے کی دعوت دے رہی ہو۔" الیان نے ہاتھ میں پکڑا برف کیس اور کندھے پر ڈالا کوٹ ایک طرف رکھ دیا اور اس کے سینے سامنے آ بیٹھا۔

وہ میلہ کچھ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی اسے نہیں پتا تھا الیان کو شطرنج کا اتنا شوق ہے کہ معمول سے اتالیٹ لے کے باوجود چلتی ہوئی بازی کھیلنے بیٹھ جائے گا درمیان میں۔

"کھانا کھاؤ گے آپ؟" وہ میلہ نے پوچھا۔

"میں تو کھا کر آ رہا ہوں ہاں اگر میرے ساتھ کھیلنا نہیں چاہتیں تو الگ بات ہے ویسے بھی شطرنج میں مجھے ہرانا کھانا کام نہیں ہے۔" الیان کا لہجہ صاف چھیچ کر رہا تھا۔

"کوئی کام آسان ہو تا ہی کب ہے۔" وہ میلہ بڑبڑاتے والے انداز میں بولی اور مہرے سیٹ کرنے ہی لگی تھی کہ الیان بول پڑا۔

"چلو یہ ادھوری بازی ہی پوری کر لیتے ہیں۔" الیان نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"نہیں۔ اگر آپ ہار گئے تو کہیں گے جس طرف سے میں کھیلنے بیٹھا تھا اس کی پوزیشن منور تھی۔" وہ میلہ نے اعتراض کیا۔

"میں ایسا نہیں کہوں گا کیونکہ میں ہاروں گا ہی نہیں۔" الیان نے اگلا جملہ تھوڑا رک کر کہا پھر اپنی بات پر خود ہی غصہ دیا۔

"ماری کس کی ہے؟" الیان نے منور چیس بورڈ پر پھیلے مہلوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تو وہ میلہ نے اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کی۔" اس کا دل چاہا کہ وہ الیان سے پوچھے کہ کیا اس کے دوستوں میں واقعی تبدیلی آگئی ہے یا یہ اس کا وہم ہے۔

شطرنج کے شروع کے چند دنوں میں الیان اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا کبھی مصطفیٰ بات کرنی پڑتی ہوگی اس کے چہرے پر اتنی بے زاری ہوتی تھی کہ وہ میلہ کو شرمندگی ہونے لگتی تھی۔

مگر اب وہ ناصرف اس سے بات کر رہا ہوتا ہے بلکہ اس کا مزاج بھی بہت دوستانہ ہوتا ہے بہت خوش مزاجی سے وہ اس کے ساتھ پیش آ رہا ہوتا ہے۔ تو آخر اس بدلاؤ کی وجہ کیا ہے؟

وہ تو اسے اپنا بھائی کی طرح دھوکے باز اور فراڈی سمجھتا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے والدین اور بہن بھائی ہنوز ہونے کے باوجود اس کا رویہ اس قدر تغیر کا شکار ہو گیا ہے وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی تھی جانتی تھی زندگی کوئی دھوکا نہیں لگے گی جہاں زندگی کی گئی شادی بھی وقت گزرنے کے ساتھ محبت میں بدل جائے۔

الیان اس کی زلف کا اسیر ہوا تھا نہ اس کی خاموش احتجاج پر شرمندہ پھر کیوں وہ بانی گھروالوں کی طرح اس سے نفرت نہیں کر رہا۔

”کیا بات ہے؟“ الیان نے شطرنج پر خوب غور و غوض کرنے کے بعد اپنی طرف سے چال چلی اور جیسے ہی نظر اٹھا کر وہ کھارو میلہ کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

”آج صبح میرے بند پر پیسے“

”ہاں میں نے رکھے تھے۔“ الیان نے اس کی بات کٹ دی اور مزید کہنے لگا۔

”میں تمہارے ہاتھ میں دینا چاہتا تھا مگر تاہم ہی نہیں مل رہا تھا آج بھی مجھے یقین تھا کہ میں لٹ آؤں بات تک تم اپنے کمرے میں چلی گئی ہوگی صبح پھر میں جلدی میں نکل جاتا ہوں اس لیے صبح تمہارے کمرے میں رکھ کر چلا گیا تھا۔ تمہیں اگر وہ پیسے کم لگیں تو اور بھی لے سکتی ہو بلکہ۔“

”وہ پیسے کم نہیں ہیں بہت زیادہ ہیں مگر وہ میرے مسئلے کا حل نہیں ہیں میں آپ کی والدہ کو اپنے یہاں رہنے اور کھانے پینے کا خرچ تو نہیں دے سکتی نایاب تو پھر وہی رہی تاکہ میں مفت کی روٹیاں توڑ رہی ہوں۔“ رو میلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم چاہو تم می سے کہہ دو کہ تمہیں تمہارے خرچ کے لیے تمہارے والد دیتے ہیں تم اس میں سے اپنا کھانا پینا کرو گی لیکن ایک بات یاد رکھنا یہ بات می کو بہت بری لگے گی ہاں تمہیں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا نا پڑے اس لیے تم ان پیسوں کو رکھو اور آرام سے خرچ کرو اگر می تم سے کچھ پوچھیں تو کہہ دینا تمہارے والد نے دیے ہیں۔“

بلکہ اس صورت حال میں تم اپنی پرہیزی بھی آسانی سے اشارت کر سکتی ہو جو بھی اخراجات ہوں گے میں دے دوں گا اور یہ بات صرف ہم دونوں کے بیچ رہے گی تم پر می کا کوئی احسان نہیں ہو گا۔“ الیان سمجھانے والے انداز میں بولا تو رو میلہ بدست ہوئی۔

”لیکن آپ کا تو ہو گا نا۔“ الیان چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تو رو میلہ بھی شطرنج کی طرف متوجہ ہو گئی کچھ دیر سوچنے کے بعد جب اس نے اپنا ممو آگے بڑھا دیا تب اس نے الیان کو کہتے سنا۔

”شادی چاہے جن حالات میں بھی ہوگی ہو جب تک تم میرے نکاح میں ہو میری ذمہ داری ہو۔“ رو میلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی جو رو میلہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

”تمہاری ساری جائز ضرورتیں پوری کرنا میرا فرض ہے اس لیے احسان کے متعلق سوچنا بھی نہیں بلکہ سنجیدگی سے یونورشی جانا شروع کرنا سارا دن گھر میں بے کار بیٹھے رہنے سے بہتر ہے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچو۔ اب دیکھو نا ایک دو مہینے بعد جب تم یہاں سے چلی جاؤ گی تو بقول تمہارے تمہارے بابا اور بھائی تمہیں خود سر اور ضدی سمجھ کر تم سے ناراض ہو جائیں گے تب تم کیا کرو گی۔“ الیان بڑی روانی سے بول رہا تھا۔

رو میلہ گم سم سی اسے دیکھتی رہی ابھی کچھ دیر پہلے الیان نے اسے جو کہا تھا وہ ابھی اس احساس سے باہر بھی

میں نکلی تھی کہ الیان نے نکاح ختم ہونے اور یہاں سے چلے جانے کا تذکرہ کر دیا۔

وہ تو جیسے لوہے میں عرش پر بیٹھ کر اپنی فرس پر اگری گئی۔

”چائیس کل کو بھائی بھائی کا رویہ کیسا ہوا اپنی پرہیزی ختم کر کے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرو تاکہ ایک بار جب تمہارا گھر بساںے کا وقت آئے تو ایرار نہیں بلکہ تم خود فیصلہ کرو۔“ اس پل بیک وقت رو میلہ کو کئی چیزیں یاد آ رہی تھیں۔

اس نے یہ تو سوچا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی لیکن یہاں سے جانے کے بعد زندگی ختم نہیں ہوگی یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

اس نے یہ تو سوچا تھا کہ الیان اسے کبھی بیوی نہیں مانے گا لیکن وہ تو اسے دل و جان سے شوہر مان چکی ہے یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

اس نے یہ تو سوچا تھا کہ الیان نے اس کے یہاں سے چلے جانے والی بات پر یقین کر لیا ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ ہو چکی یا برہنہ کا گھر نہ بچا سکی تب وہ الیان سے آنکھ کیسے ملائے گی یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

اسے خاموش دیکھ کر الیان کو لگا کہ کسی سوچ میں گم ہے تب ہی چونکا تے ہوئے بولا۔

”چلو تمہاری باری ہے۔“ رو میلہ خالی خالی نظروں سے شطرنج کے مسوں کو دیکھنے لگی جو اپنی مرضی سے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے رو میلہ نے خاموشی سے ایک ممو آگے کر دیا تو الیان بے ساختہ بولا۔

”کیا کر رہی ہو تمہارا“ رخ“ پٹ جائے گا۔“ رو میلہ گرا ماس کھینچتے ہوئے گم پر دھیان دینے لگی۔

”جنا ہے تو پٹ جائے آپ نے بتایا کیوں۔“

”یہی غلطی کر کے بچوں والا کھیل کھیلتا مجھے پسند نہیں میں تو سمجھ رہا تھا تمہیں اچھی شطرنج آتی ہوگی تب ہی پوچھ گیا تھا۔“ رو میلہ نے ساری سوچوں کو جھٹکتے ہوئے پوری توجہ شطرنج پر مرکوز کر دی۔

”میں اچھا کھیلوں یا برا لیکن میں کھیل میں کسی کی مدد نہیں کرتی لہذا اس“ رخ“ کو پھنسیں۔“ الیان نے اس کی بات پر لاپرواہی سے کندھے اچکائے اور اس کا ایک ممو پیٹ کر سائیڈ میں رکھ دیا۔ رو میلہ اب مزید کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے پورے دھیان سے کھیلنے لگی جب ہی تھوڑی دیر بعد اس نے الیان کی غلطی کو پکڑ لیا۔

”اب آپ غلط چال چل رہے ہیں آپ نے گھوڑے کو یہاں رکھ دیا ہے اس سے آپ کا وزیر خطرے میں آ گیا ہے۔“ رو میلہ نے بڑے جوش سے بتایا تو الیان چونکے بغیر بولا۔

”ارے ہاں یہ تو میں نے نہ کھایا نہیں خیر میں بھی تمہاری طرح مدد نہیں لوں گا لہذا اس“ وزیر“ کو پھنسیں۔“

”اب وزیر کو پھنسنے کے لیے چھوڑ رہے ہیں حالانکہ کہا جاتا ہے وزیر کے پھنسنے سے تو می مات ہو جاتی ہے۔“ رو میلہ حیرانی سے بولی۔

”اب جو ہونا تھا سو ہو چکا۔“ الیان نے لاپرواہی سے کہا تو رو میلہ مشکوک انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

”کیس آپ اس وزیر کو جان بوجھ کر تو نہیں پھنسا رہے۔“ رو میلہ کبھی اسے اور کبھی شطرنج پر نیچے مسوں کو دیکھنے لگی۔

”اس کے پھنسنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے آپ نے اسے کیوں چلا ہے۔“

”ارے یار تمہیں جو چال چلنی ہے چلو یہ کیوں سوچ رہی ہو کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔“ الیان نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

”اگر یہ چال چل جائے کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں تو میرا کھیل آسان ہو جائے گا نا۔“ رو میلہ نے ایک نظر الیان

پر ڈالتے ہوئے بڑے گھرے لمبے میں کما مگر الیان شاید سمجھا نہیں تب ہی خاموش رہا اور آخر کچھ دیر بعد رو میل
نے اس کا زیر بنیے ہوئے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے اسے کیوں اپنے دیا سر مل میں اتنا گولڈن چانس مس نہیں کر سکتی۔" رو میل
نے سوچیں بورڈ سے اٹھا کر سائیڈ میں رکھ لیا۔

الیان کچھ دیر صوفے کی بیک سے ٹیکہ لگائے آرام و حالت میں بیٹھا بورڈ کو دیکھتا رہا پھر سیدھا ہوتے ہوئے
اس نے بڑے سکون سے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور بڑے اعتماد سے بولا۔

"جسٹ اینڈ میٹ (شہ اور مات)۔" رو میل چونک اٹھی اس کا بادشاہ واقعی خطرے میں آیا تھا ابھی غور بھی
نہیں کر پائی تھی کہ الیان اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"ارے ارے آپ کہاں جا رہے ہیں ایک منٹ مجھے سوچنے تو دیں۔"

"تمہیں جتنی دیر سوچنا ہے سوچو میں ذرا پیچھے نہیں ہٹتا۔" رو میل نے کوئی چال سوچی تو آپ بھی کہیں گے تاکہ میں نے بے
ایمانی کی ہے۔" رو میل جیسے بورڈ کو دیکھتے ہوئے جلدی جلدی بولی تو الیان بے اختیار ہنس دیا۔

"تم کوئی بے ایمانی کر رہی نہیں سکتیں۔" رو میل چال سوچنے میں اتنی مصروف تھی کہ اس کے جیلے پردمیان
ہی نہ دے سکی جبکہ الیان اپنی جگہ سے ہٹ کر زمین پر رکھا بریف کیس اٹھانے لگا۔

"ارے میں کہہ رہی ہوں نا آپ رکھیں تو سہی۔ مجھے سوچنے تو دیں کیا پتا ابھی بھی کوئی راستہ باقی ہو۔" رو میل
تیزی سے بولی۔

"سارے راستے بند ہو چکے ہیں دیکھو۔" الیان نے کون اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور کھڑے کھڑے ہی ذرا سا ہلک
کراٹکی مختلف خانوں میں رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ دیکھو یہ میرے گھوڑے کا گھر ہے یہاں تمہارا بادشاہ نہیں آ سکتا۔ یہ لیلے کا گھر ہے اور یہ رخ کا۔ تمہارے
پاس اب کوئی گھر نہیں ہے تمہارے جی ہوا کیسٹ (accept the fact)۔" الیان کہتا واپس
مڑ گیا۔

رو میل اس کی بات پر غور کرتی رہی اس کے پاس واقعی اب کوئی گھر نہیں تھا اور جب اس نے واقعی قبول کر لیا
کہ وہ ہار گئی ہے تب وہ نظریں اٹھا کر خود سے دور جاتے الیان کو دیکھنے لگی۔

وہ دوسری منزل پر جاتی بیڑھیاں چڑھنا شروع ہو گیا تھا رو میل نے اس کی پشت پر نظریں جمائے جمائے صرف
ایک مہرے کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسرے خانے میں رکھ دیا اور بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"ایک منٹ الیان کھیل ابھی ختم نہیں ہوا ایک گھر ابھی بھی باقی ہے۔" الیان بیڑھیوں پر رک کر تھوڑا سا سار
کرا سے دیکھنے لگا۔

"مذاق مت کرو مجھے ابھی مت کام کرنا ہے۔"

"صرف ایک نظر آ کر دیکھ لیں۔" الیان نے ایک گھر سامنے کھینچا اور ست روئی سے چلا ایک بار پھر اس کے
سامنے آکھڑا ہوا انداز ایسا تھا جیسے بیٹھنے کا ارادہ نہ ہو مگر کچھ دیر شطرنج کے مہلوں پر غور کرنے کے بعد وہ رو میل کو

دیکھنے لگا جس نے اپنے بادشاہ کو ایک محفوظ خانے میں رکھ لیا تھا۔

"میں نے پہلے ہی گمانا تھا یہاں سے مت نہیں ورنہ آپ کہیں گے کہ میں نے بے ایمانی کی ہے۔" رو میل نے
کندھے اچکائے۔

"نہیں خیر یہ تو میں نہیں کہہ رہا لیکن میں سوچ رہا ہوں یہ گھر کیسے رہ گیا۔" الیان ایک بار پھر کون ایک

پہنچا مال کر اس کے رو بہ رو بیٹھ گیا۔

مگر اب بازی پلٹ چکی تھی تھوڑی دیر بعد رو میل نے ایک مہو اس کے بادشاہ کے سامنے رکھتے ہوئے اسے
دیکھنے دی تو الیان کچھ دیر بورڈ کو دیکھتے رہنے کے بعد ایک دم مسکرا دیا۔

"بہت اچھا کھیلتی ہو تم تاہم ہوتا تو ایک بازی اور کھیلنے خیر پھر کبھی سہی۔" الیان اٹھنے لگا تو رو میل بول پڑی۔

"جی آسانی سے ہار مان لی آپ نے یہ سوچا بھی نہیں کہ ایک جیتی ہوئی بازی میں کیسے ہار گیا۔" الیان
ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ ہارے نہیں ہیں میں نے واقعی بے ایمانی کی تھی۔" رو میل نے دھیرے سے کہا تو الیان
کچھ لمحے سوچنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا اسے اپنا وقت ضائع ہونے پر کوفت ہو رہی تھی۔

"جیت ہی گئی تھیں تو بتایا کیوں۔"

"کیونکہ اس طرح جیتنے کا کوئی فائدہ نہیں جب میں یہ جانتی ہوں کہ یہ جیت نہیں ایک جھوٹ سے تو میں اس
جیت پر خوش کیسے ہو سکتی ہوں ایسی خود فریبی پر جشن کوئی اندر سے خالی اور کھوکھلا انسان ہی منا سکتا ہے۔"

رو میل کتنی جلدی گئی۔

"جب تم اندر سے خالی اور کھوکھلی نہیں ہو تو پھر بے ایمانی کی کیوں؟" الیان منہ ہٹاتے ہوئے اٹھ گیا۔
رو میل صرف اس کی پشت کو دیکھ کر رہ گئی۔

اس نے بے ایمانی نہیں کی تھی صرف الیان کو آزمایا تھا کہ کیا وہ اس جھوٹ پر اس حد تک یقین کر سکتا ہے کہ
ان کی شکست قبول کر لے اور اس آزمائش کے نتیجے کو دیکھ کر جہاں رو میل کو حیرانی ہوئی تھی وہیں ایک عجیب سی
خوشی بھی ہوئی تھی۔



اپنے مہائل پر ایک ٹاموس قبضہ کیا کہ خرم نے سوچا پہلے تو لائن کاٹ دے مگر پھر جانے کیا سوچتے ہوئے اس
نے کل ریسیو کر لی مگر دوسری طرف ایک انجانی نسوانی آواز سن کر الجھ گیا۔

"کیا آپ خرم حسن ہیں؟"

"جی ہاں آپ کون؟"

"دیکھیں میں آپ کو اپنا نام نہیں بتانا چاہتی میں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں اس اسپتال سے بول رہی ہوں
جہاں ندیہ ایڈمنٹ ہے۔" وہ یہ کہہ کر لہجہ بحر کے لیے خاموش ہو گئی جبکہ خرم پوری طرح اس کی جانب متوجہ
رہا۔

"ندیہ کی حالت کالی بگڑ گئی ہے وہ آپ سے ایک بار ملنا چاہتی ہے۔"

لیکن یہ کیونکہ ایک پولیس کیس ہے لہذا کوئی بھی اس معاملے میں نہتا نہیں چاہتا مگر مجھے لگتا ہے آپ سے
بحث کر کے اور مل کر اسے تھوڑا سکون ملے گا اگر ہو سکے تو اسپتال آجائے گا اور یہ مست ہتائیے گا کہ کسی نے آپ کو
پہلے سے فون کر کے بلایا ہے۔" یہ کہتے ہی اس نے لائن ڈسکنکٹ کر دی۔

تو خرم کتنی ہی دیر مہائل کلن سے لگائے کھڑا رہا اور پھر بغیر یہ سوچے کہ یہ ایک پولیس کیس ہے اور اس
مسلطے سے دور رہنا ہی اچھا ہے۔ خرم ویزٹنگ آور میں ندیہ سے ملنے مینٹل اسپتال چلا گیا۔
اس کی توقع کے برعکس اسے ندیہ سے ملنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی جب اس نے رہسپن پر جا کر کہا

کہ وہ نذیبہ اختر سے ملنا چاہتا ہے تب فوری طور پر تو اسے منع کر دیا گیا لیکن پھر جب اس نے اپنا نام وغیرہ بتایا تو اس نے انٹرکام کر کے پوچھا اور ایک وارڈ بوائے کی رہنمائی میں اسے اندر بھیج دیا۔

خرم ایک ایسے کمرے میں آگیا جہاں ایک کھڑکی میں گرل لگی ہوئی تھی اور اس کے دو سری جانب کرسی اور میز رکھی تھی خرم کو ایسا لگا کہ کسی قید قیدی سے ملنے آیا ہے اور واقعی تھوڑی دیر بعد نذیبہ سفید پابانہ لور شرٹ میں بلوس کسی قیدی کی طرح اس کرسی پر آئی تھی جو گرل کے دو سری جانب لگی تھی۔

”تم واقعی یہاں ہو یا باقی چیزوں کی طرح یہ بھی میرا وہم ہے۔“ نذیبہ بالکل خالی اور پریشان نظموں سے اسے دیکھتے ہوئے پاٹ انداز میں بولی۔ وہ شکل سے اتنی کمزور اور مستحکم لگ رہی تھی کہ خرم کو اسے دیکھ کر کھرا ہٹ ہونے لگی۔

”تم یہاں کیوں آئے ہو خرم کیا تمہیں نہیں پتا کہ میں خطرناک سا گل ہوں میں کسی پر بھی جان لیوا حملہ کر سکتی ہوں میرا آزادانہ گھومتا لوگوں کے لیے خطرناک ہے۔“

میں اسی قائل ہوں کہ مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا جائے اگر وہ کمرہ جیل میں ہو سکتا تو کوئی بات نہیں یہاں کے پاگل خانوں میں بہت جگہ ہے مقصد صرف مجھے قید کرنا ہے وہ نہیں تو یہ سہی۔“

نذیبہ خود کھادی کے انداز میں بول رہی تھی پھر ایک دم آنکھوں کو تھوڑا سا چند صیانتے ہوئے خرم کو دیکھ کر کہنے لگی۔

”کیا تم نے واقعی مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں شائستہ خالہ کی روح نظر آتی ہے یا یہ محض وہم ہے کہ میں نے تمہیں ایسا کہتے ہوئے سنا۔“ پھر وہ ایک دم چونک کر خرم کو دیکھنے لگی جیسے ابھی ابھی اسے کوئی خیال آیا ہو۔

”تم نے میرے خلاف گواہی اس لیے دی ہے کہ واقعی میں نے حمید نامی شخص پر حملہ کیا تھا یا تمہیں بھی سوئمنگ پول کی۔“ میں شائستہ خالہ کی روح نظر تلی تھی مگر تم نے سوچا کہ میں نے بھی نذیبہ کی طرح جاکل نہ سمجھ لیں اس لیے شائستہ خالہ کا نام لینے کی بجائے نذیبہ کا نام لے لیا۔“ خرم خاموشی سے اسے دیکھ کر کیا تو وہ ایک بار پھر پاٹ سے لہجے میں کہنے لگی۔

”میں صرف سچ سننا چاہتی ہوں خرم مجھے صرف سچ جانتا ہے چاہے وہ کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے بھی شائستہ خالہ کی روح کو دیکھا ہے یا تم بھی اوروں کی طرح مجھے بے وقوف بنا رہے تھے۔“

خرم کو بچتا ہوا ہونے لگا۔ وہ یہاں آیا ہی کیوں تھا ایک بار پھر اس کا ضمیر اسے بری طرح حلامت کرنے لگا۔ اتنے دنوں سے پاگل خانے کے گھنے ہوئے ساحل میں رہتے رہتے اس کی ذہنی حالت اور بھی ابتر ہو گئی تھی۔

وہ بیک وقت کئی شک سے گزر رہی تھی۔

خود پر پولیس کیس بننے کا شاک۔

اپنے قائل ہونے کے الزام کا شاک۔

اپنے پاگل خانے میں بھرتی ہونے کا شاک۔

اور سب سے بڑھ کر خرم کا اپنے خلاف گواہی دینے کا شاک۔

اتنی ساری باتوں کو وہ کیسے جھٹلاتی لہذا وہ شدید قسم کی بے یقینی کا شکار تھی اور اسے ان تمام شاک سے نکالنا اشد ضروری تھا۔ چنانچہ خرم شرمندہ ہونے کے باوجود حمید پر کیے حملے کی تفصیل سے اسے آگاہ کرنے لگا اور ساری بات تفصیل سے بتانے کے بعد کہنے لگا۔

”میں نے تم سے واقعی جھوٹ بولا تھا مجھے شائستہ خالہ کی روح بھی نظر نہیں آئی۔ یہاں تک کہ تمہیں بھی شائستہ خالہ کی روح بھی نظر نہیں آئی کیونکہ ایسی کوئی روح ہی نہیں۔“

خساری شائستہ خالہ کے ساتھ جو بھی ہوا ہو اس کا تعلق حمید وغیرہ سے نہیں ہے حمید پر اور اپنی دوست رخسار پر شائستہ خالہ کی روح نے حملہ نہیں کیا بلکہ یہ سب تم نے خود کیا ہے مگر تم جو کرتی ہو وہ تم خود بھی بھول جاتی ہو۔

میں جانتی نہیں ہو تاکہ تم کیا کر۔“

نذیبہ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔“ نذیبہ کا لہجہ پہلے سے دس گنا زیادہ سپاٹ ہو گیا تھا۔

میں نے اسے لہجوں تک کچھ بولنے کے قائل نہ ہو سکا تو نذیبہ خود کھادی کے انداز میں کہنے لگی۔

”کیا تم بھی مجھے اپنے کسی مقصد کے تحت استعمال کر رہے تھے اگر ایسی بات ہے تو شائستہ خالہ نے بھی تم پر حملہ نہیں کیا تو رخسار کا سر بھاڑ چکی ہیں مجھے بے وقوف بنانے کے جرم میں۔“ خرم صرف اسے دیکھتا رہا۔

جیسا وارڈ بوائے نے اگر نام ختم ہونے کی اطلاع دی تو اپنی جگہ سے بغیر کچھ کے اٹھ گیا۔

اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ تھا ہی کب آتا تو وہ سمجھا چکا تھا نذیبہ کو کہ شائستہ خالہ کی روح کچھ نہیں کرتی جو تم بھی کرتی ہو نذیبہ خود کرتی ہے اب تک نذیبہ کو پتا ہی نہیں تھا کہ خرم اسے بے وقوف بنا رہا ہے تو پھر بھلا تمہیں کسے کرتی۔

مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے باہر نکل آیا۔

یہاں آتے وقت اس کا ذہن جتنا الجھا ہوا تھا یہاں سے نکلے وقت اس کا ذہن اس سے بھی زیادہ منتشر ہو گیا تھا۔

اپنا دل سے باہر نکل کر جب وہ اپنی گاڑی تک آیا تو ہارنگنگ میں اپنی گاڑی کو نہ پا کر گنگ رہ گیا۔

اس نے بے اختیار ادھر ادھر دیکھا مگر اس کی گاڑی کہیں بھی نہیں تھی تب ہی ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

”اپنی ریڈ فلر کی اسپورٹ کار کو ڈھونڈ رہے ہیں؟“ خرم نے پلٹ کر آواز کی سمت دیکھا۔ اس کے سامنے

”میں گھر آتا ہوں اسے جانتا تھا مگر کہاں دیکھا تھا۔ یاد نہیں آ رہا تھا۔“

”آپ نے اپنی گاڑی غلط جگہ پر کھڑی کی تھی اسے ٹریفک پولیس اٹھا کر لے گئی ہے۔“ خرم بے اختیار نو

”رنگ کے بورڈ کو دیکھنے لگا جس کے عین سامنے خرم نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ اپنی لاپرواہی اور ذہن کے غیر حاضر ہونے پر وہ مل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔

”مکرم مت کریں پولیس اسٹیشن سے آپ کو آپ کی گاڑی مل جائے گی۔“ اسی شخص نے تسلی دی تو خرم

بولتے ہوئے کہنے لگا۔

”مل تو جائے گی مگر میں اس وقت کسی درد سری میں نہیں بیٹھا چاہ رہا۔“ ذہن پہلے ہی شل ہو رہا تھا اب پولیس سے مفرداری کرنے کے خیال سے وہ بالوں میں اٹھایا پھنسا کر گھڑا ہو گیا۔

”درد سری میں تو آپ پر ہی چکے ہیں اب جتنی تاخیر کریں گے اتنی ہی گاڑی مشکل سے ملے گی۔“ وہ شخص اپنی

زی کا لاک کھولتے ہوئے بولا تو خرم پلٹ کر منور اسے دیکھنے لگا۔

”اچانک سے یاد آگیا تھا کہ اس نے اس شخص کو کہاں دیکھا ہے تب ہی بے اختیار بولا۔

”آپ رو میلہ کے ہیمنڈ ہیں نا۔“ لیان گاڑی کا دروازہ کھولتے کھولتے رک گیا۔

”کیا ہم مل چکے ہیں۔“ لیان نے پوچھا۔

”آقا ملاقات نہیں ہوئی لیکن میں آپ کی شادی میں آیا تھا۔“ خرم نے کہا۔

”آپ رو میلہ کے رشتہ دار ہیں؟“

”میں رشتہ داری تو کوئی نہیں ہم ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں پڑھتے ہیں۔“ خرم کو کہتے ہی خیال آیا جانے

پہلے کا شوہر کس ذہن کا ہو وہ خرم اور رو میلہ کے سچ کوئی گہری دوستی سمجھ کر اس سے بدگمان ہو جائے۔ خرم

حالت دیتے ہوئے کہنے لگا۔

۳۱ ص ۱۱ میں اس کی کزن نمل میری مہکیت ہے اسی حوالے سے رو میل نے مجھے بھی شادی میں انوائٹ کر لیا تھا۔

”آپ نمل کے مہکیت ہیں؟ ایان کی آنکھوں میں واضح طور پر حیرانی تھی تو خرم نے صرف سر اثبات میں ہلا دیا۔ جب سے ایان نے نمل کے متعلق سنا تھا اس سے ملنے کا سوچ رہا تھا۔ تاکہ نمل سے ایان کے کینیڈا میں مقیم دوست جعفر اور گلغام کے فرضی نام والے شخص کے متعلق معلومات حاصل کر سکے مگر اس کی مصروفیت اسے رو میل سے بات کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔

اب اچانک نمل کے مہکیت کو سامنے دیکھ کر وہ چونکا اٹھا تھا۔ ایان کو سچوں میں گھوٹکے کر خرم بغیر کچھ کئے آگے بڑھنے کا تو ایان نے پکار لیا۔

”آپ کیس تو میں آپ کو پولیس اسٹیشن لے چلیں۔“

”نہیں اس وقت میرا کوئی ارادہ نہیں پولیس کے منہ تلنے کا ابھی تو میں سیدھا گھر جاؤں گا۔“ خرم نے سہلی سے کہا۔

”تو میں آپ کو گھر چھوڑتا ہوں۔“ ایان کی آفر پر خرم نے کچھ لمبے سوچا پھر کندھے اچکاتا اس کی گاڑی کے قریب آ گیا۔

سارے راستے ان کے سچ بلی پھٹکی ٹھٹھکی ہوتی رہی خرم کے بتائے ایڈریس پر پہنچنے کے بعد جب خرم نے گاڑی ایک بڑے سے براؤن گیٹ کے اندر لے جانے کو کہا تب ایان چونکا اٹھا۔

”تم اس گھر میں رہتے ہو؟“

”ہاں۔ کیوں گیا ہوا؟“

”نہیں۔ کچھ نہیں اچانک اس گھر کو اتنے قریب سے دیکھ کر تھوڑا چونکا گیا تھا۔ ایان مسکرایا مگر خرم کی سمجھ میں اس کی مسکراہٹ بالکل بھی نہ آئی حیرانی سے ایان کو دیکھنے لگا جو بڑی دلچسپی سے گھر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی حیرت کو دیکھتے ہوئے ایان کہنے لگا۔

”کسی زمانے میں ہم اسی گھر میں رہتے تھے۔ ان لاکٹ میں اس گھر میں پیدا ہوا تھا۔“ ایان اب بھی بڑے خوش گو اور تاثرات سے گھر کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس گھر سے وابستہ چھوٹی چھوٹی باتیں اسے ابھی بھی یاد ہوں۔

”لیکن یہ تو بلال اختر کا آبائی گھر ہے وہ باب دادا کے زمانے سے ہیں رہتے تھے۔“ خرم بے یقینی سے بولا۔

”بلال اختر میری دادی کے بڑے بھائی تھے بلال اختر کے والد نے میری دادی سے ان کا گھر خرید کر اپنے گھر سے ملا لیا اور اتنی اچھی ریمویشن کرائی کہ اب لکھنوی نہیں کہ یہ وہ گھر ہے۔“ ایان نے بتایا پھر ایک دم چپکے ہوئے بولا۔

”اگر تم اس گھر میں رہتے ہو تو پھر تو تم وہی ہو گے جس کی کوئی پرندہ یہ سینٹرل اسپتال میں لائے مٹ ہوئی ہے۔“ جتنی حیرانی سے ایان خرم کو دیکھ رہا تھا خرم کی آنکھوں میں بھی ایان کے لیے اتنی ہی حیرت تھی۔

”تم ندیہ کو کیسے جانتے ہو۔“

”زمانہ جانتا تو نہیں لیکن وہ میری بھو بھی کی بیٹی ہے۔“ خرم بھی طر ح چونکا اٹھا۔

”پھر تو تم شائستہ خاں کو بھی جانتے ہو گے۔“

(باقی آج)

بدلتا ہے جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں
چھوڑتا ہے۔ اب آگے بڑھیں۔

— ۳۴ —
چونتیسویں قسط

نورین یاسمین

ہست گھر گھر

سائلگرہ خبیر



نورین کو اپنے گھر میں اپنی خال شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر نورین ان سے بات
کرنے کے لیے بے حس ہے۔ جس میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ بڑھتی ہے اور وہ چوں
سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی ہمت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی
ہے کہ وہ اس کی خال کی روح کو ملائے۔ اور روح کو ملائے کی کوشش کرتی ہے۔
رکویہ، سہیل اور نسل کو یونیورسٹی میں انڈیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نسل ان دونوں کو پلس میں لٹا
دھوت دیتی ہے۔ اس آفری دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ڈکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب
غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انیس پلس میں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔
نورین اپنی خال سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔



اب کی بار جو تھے کی باری الیان کی کسی کچھ دیر حیرانی سے خرم کو دکھتا رہا پھر موت نصیر نصیر کر بولا۔
 "اس کا مطلب ہے نوز پیر میں جو کچھ بھی چھپا ہے وہ سب سچ ہے ندیہ نے شائستہ خالہ کی مدد کی جسے
 اس لڑکے پر حملہ کیا اور اسی لیے اسے ذہنی مریضوں کے اسپتال میں رکھا ہوا ہے"
 الیان بندھانے کے انداز میں بولتے ہوئے ایک دم پوچھنے لگا۔

"تمہاری گاڑی اسپتال کے سامنے ہی اٹھالی گئی ہے تاکہ تم بھی اس سے ملنے گئے تھے"
 "تم بھی سے تمہارا کیا مطلب ہے کیا تم بھی ندیہ سے ملنے گئے تھے؟" خرم نے جواب دینے کی بجائے
 سوال پوچھا تو الیان سر کو جھکے بلکے اثبات میں ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"مہول کیا تھا مگر اجازت نہیں ملی پولیس کیس ہے ڈاکٹر تک لے جات کر لے سے انکار کر دیا"
 "تو کیا رشتے داروں کو بھی ملنے نہیں دے رہے؟" خرم نے حیرانی سے کہا پھر کچھ مفلکوں ہوتے ہوئے بولا۔
 "نہیں یہ ساری معلومات پیرز سے ملی ہیں جبکہ وہ تمہاری سگی پھوپھی زاد ہے" خرم کے سوال پر الیان
 فوری طور پر کچھ نہ بولا تو خرم مزید کہنے لگا۔

"ندیہ اور اس کی فیملی تمہاری شادی میں بھی نہیں آئی حالانکہ وہ ہیں ڈاکٹر تک میں بیٹھے ڈنر کر رہے تھے"
 "میری شادی میں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا سوائے میرے والدین کے" الیان نے کچھ غمی سے کہا تو خرم کچھ دیر
 اسے دکھتا رہا پھر ہاتھ اٹھاتے ہوئے ایسے بولا جیسے ساری باتیں ایک طرف کرتے ہوئے اصل اور اہم بات کرنا
 چاہتا ہو۔

"تم پہلے یہ بتاؤ کہ شائستہ خالہ کون تھیں اور ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" الیان در ندیدہ نظروں سے اسے دیکھنے
 لگا۔

"نہیں کیا پتا ہے ان کے بارے میں"
 "کچھ بھی نہیں پتا ہے صرف ندیہ نے تھوڑی سی باتیں بتائی ہیں لیکن وہ خود کچھ نہیں جانتی تو مجھے کیا پتا؟"
 خرم جھجھک کر بولا۔

"وہ تھوڑی سی باتیں کیا ہیں؟"
 "جس کی کہ وہ اغوا ہو گئی تھیں اور کچھ لڑکوں نے انہیں مار دیا تھا شاید انہوں نے خودکشی کر لی تھی تب سے
 ان کی مدد اس گھر میں پھر رہی ہے مگر صرف ندیہ کو نظر آئی سوائے کسی کو نہیں۔ لیکن وہ ندیہ سے بات نہیں کرتیں
 جو تھوڑی سی باتیں ندیہ کو بتا رہی ہیں وہ بھی انہوں نے اسے اس کے چودہ فریڈا کر سمجھائی ہیں اسی لیے ندیہ کو غصہ
 یقین نہیں ہے کہ جو کچھ سمجھتی ہے وہی سچ ہے یا اس سے سمجھنے میں بھی غلطی ہو رہی ہے" خرم بے زاری سے بول رہا
 تھا جبکہ الیان اس کی بات پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ خرم کے خاموش ہونے پر وہ قدرے ماسف سے کہنے لگا۔
 "اس سے سمجھنے میں غلطی ہی غلطی ہو گئی ہے وہ کچھ بھی سچ نہیں سمجھتی ہے یہ سب کچھ اس گھر کی وجہ سے
 ہو رہا ہے" الیان سر اٹھا کر اس شاندار کو بھی کو دیکھنے لگا جس پر کسی محل کا گمان نہ تھا۔

"گھر کی وجہ سے؟ ہمیں تو اتنے مہینے ہو گئے یہاں رہتے ہوئے مجھے اور میرے پیر میں کو تو کبھی کوئی رہنمائی
 نظر نہیں آیا" خرم نے بھی ایک نظر اپنی بے مثال کو بھی پر ڈالی اور تعجب سے کہنے لگا الیان کو غمی پر سے نظر ہٹا کر
 ایسے خرم کو دیکھنے لگا جیسے تذبذب میں ہو کہ خرم کو بتائے یا نہیں پھر گھر اسانس سمجھتے ہوئے اس نے سیٹ کی بجائے
 سے سر نکالیا اور بہت دھیمی آواز میں کہنے لگا اس نے آنکھیں ایسے سوندھیں جیسے کچھ دکھانا چاہتا ہو۔

"تج سے بہت سال پہلے اس گھر میں ہم سب بہت سکون سے رہ رہے تھے مگر اکیس سال پہلے اس گھر میں
 عجیب عجیب واقعات رونما ہونے لگے جن میں سرگرمی عاتق پھر پھر جنہیں تم عاتق آخر کے نام سے جانتے ہو

تھی پتا نہیں کیوں ان کی طبیعت عجیب سی رہنے لگی تھی۔ شام ہوتے ہی ان پر گھبراہٹ سوار
 ہوتی تھی میری دلدلی جن کا نام ساجدہ خاتون تھا ان پر مختلف دعائیں دم کرتی رہتیں مگر انہیں کوئی افادہ نہ ہوتا۔
 اب انہیں کھول کر ایسے دغا سکرین کی جانب دیکھنے لگا جیسے وہ سارے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ابھر
 رہے ہوں۔



ان کے ساتھ میا دینج رہے تھے بھی اپنے اپنے کمروں میں سوتے جا چکے تھے البتہ ریاض غفار کچھ فائلز
 کے لائن میں مصروف تھے برابر میں ان کی شریک حیات کلفتہ غفار اپنی چھ ماہ کی بچی برہ کو سلاتے سلاتے خود
 منہ کی کے عالم میں اسے گود میں لیے بیٹھی تھیں وہ انتظار کرتے کرتے جھومنے لگی تھیں کہ کب اس کی نیند
 آجائے اور وہ اسے کات میں لٹا کر خود بھی بستر دراز ہو سکیں کیونکہ فجر کے بعد سے پھر ان کی بھاگ دوڑ شروع
 ہو چکی تھی اپنے پانچ سال کے شریر سے الیان کو اسکول کے لیے جگنا تیار کرنا اور پھر اسکول بھیجنا ایک مشقت
 ہی نہیں تھی اس لیے ان کا سوں کی فہرست رات سے ہی ان کے ذہن میں گردش کرنا شروع کر دی تھی۔

بچی برہ کی نیند گہری ہو جانے کا اطمینان کرنے کے لیے اسے خود سے الگ کر کے دیکھنے کا سوچ ہی رہی
 تھی کہ ایک دلدوزی نے نا صرف انہیں دہلا دیا بلکہ ریاض غفار کے ہاتھ سے بھی پین چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔
 عاتق خیر ایہ تو آواز عاتق کی تھی "ریاض غفار بڑبڑا کر اٹھے تو کلفتہ غفار بھی غمی سی برہ کو لیے بستر سے اتر
 آئیں گی تو آواز پر برہ اٹھ گئی تھی اور اب نیند سے سار کر اٹھ جانے پر چلا چلا کر رونے لگی تھی جس کے باعث گھر
 ایک دم ہی گھبراہٹ مچ گیا تھا۔

گھر سے اور کوریڈور کی لائٹیں تیزی سے اندھیرے کو چیرتی تھیں ہونے لگیں۔
 ساجدہ خاتون اپنے کمرے سے اس بری طرح حواس باختہ ہو کر نکلیں کہ وہ نہ تک اوڑھنے کا ہوش نہ رہا۔
 کیا ہوا۔ یہ۔ عاتق کھل چلائی ہے کیا ہو گیا میری بچی کو؟ برہ کے کچھ جی کر رونے کے ساتھ ساتھ اب
 ساجدہ خاتون بھی ہوتے ہوئے زور زور سے بول رہی تھیں جس کے باعث الیان کے کمرے سے اس کے رونے
 کی آواز آنے لگی تھی۔

کلفتہ الیان اٹھ گیا ہے تم اس کے پاس جاؤ۔ میں۔ میں بہت پر جا رہا ہوں عاتق کی آواز بہت پر
 سے آ رہی ہے "ریاض غفار کے کہنے پر ساجدہ خاتون نے دل کرینے پر ہاتھ رکھ لیا۔
 واقعی ریاض غفار ٹھیک کہہ رہے تھے عاتق کے رونے کی آواز اب بھی بہت سے آرہی تھی۔
 ریاض غفار کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ زینے کی طرف بڑھ گئیں البتہ کلفتہ غفار الیان کے
 کمرے کی طرف دوڑ گئی تھیں۔

ریاض غفار تقریباً دوڑتے ہوئے بیڑھیاں ملے کر رہے تھے ساجدہ خاتون ان کی رفتار کا ساتھ تو نہیں دے
 سکتی تھیں مگر اپنی عمر اور صحت سے دس گنا زیادہ ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ بھی تیزی سے ان کے پیچھے آنے
 لگی۔

بہت پر کچھ صحت کا دروازہ کھلنے تک عاتق کے رونے کی آواز بند ہو گئی تھی اس لیے بہت کی جی جلائے
 گئیں مگر انہیں فوری طور پر عاتق کیس نظر نہ آئی حواس باختہ سے ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ان کی نظر
 کھٹکے کھٹکے سرے سرے پر اونٹن منہ بڑی عاتق پر پڑی تھی۔

عاتق تیزی سے دوڑتے ہوئے اس کے قریب آئے ریاض غفار نے شانوں سے پکڑ کر عاتق کو سیدھا کیا تو

دھک سے رو گئے۔

وہ تو عائشہ کو زمین پر پڑا دیکھ کر بے ہوش سمجھتے تھے مگر وہ نہ صرف ہوش میں تھی بلکہ اس کی آنکھیں غور سے دیکھ رہی تھیں۔

اس کی لمبی سیاہ زلفیں جو اس وقت الجھ کر اس کے شانوں پر بکھری ہوئی تھیں اسے بہت سیانک بٹاری تھیں۔ ساجدہ خاتون کی قریب آنے پر جب عائشہ پر نظر پڑی تو وہ خود بھی ڈر کر چیخ پڑی۔

رات کی خاموشی اور چمت کا سنسان ماحول اس پر اپنی جوان اور حسین بنی کا یہ طبع انہیں بڑی طرح ذرا کر گیا تھا۔ عائشہ کو پکارنا چاہتی تھیں مگر حلق سے گوازی نہ نکلی بلکہ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

ریاض غفار نے ساجدہ خاتون کا کھڑا محسوس کیا تو عائشہ کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر تیزی سے اٹھ گئے۔ اسے اس کے کمرے میں لا کر لٹائے تک ساجدہ خاتون ڈرے ڈرے انداز میں اس کے پیچھے آتے ہوئے مسلسل آیت الکرسی پڑھتی رہیں۔

"عائشہ عائشہ" ریاض غفار نے اسی کے گالوں پر چپت مارتے ہوئے اسے چونکا جابا مگر اس نے ہلکا سا جھپکائی۔

ریاض غفار پلٹ کر فکر مندی سے اس کو دیکھنے لگے پھر ان کی طرف سے ایسے ہوتے ہوئے خود ہی فیصلہ کرتے ہوئے بولے۔

"عائشہ کو فوراً ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا چاہیے" انہوں نے کہنے کے ساتھ ہی عائشہ کو ایک بار پھر باندھ لیا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

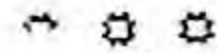
ساجدہ خاتون کچھ دیر تو اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی رہیں آخر پھر وہ الیان کے کمرے کی طرف چلی گئیں جہاں اب بریرہ کے ساتھ ساتھ الیان بھی جاگ چکا تھا اس طرح گہری خند میں سے انہیں کے باعث وہ ملنے لگے۔

کندھے سے چپکا ہوا تھا جبکہ بریرہ ابھی تک حلق پھاڑ کر رو رہی تھی۔ ایک کندھے پر بریرہ کو چھکتے ہوئے اور دوسرے کندھے پر الیان کو سنبھالتے ہوئے حلقہ غفار بالکل بے عمل لگ رہی تھیں۔

"حلقہ عائشہ چمت پر بے ہوش پڑی تھی ریاض اسے اسپتال لے جا رہا ہے میں اس کے ساتھ جا رہی ہوں تم اس کی گھبراہٹ کو تو نہیں مانتے؟" ساجدہ خاتون پوچھتے پوچھتے خود بھی شرمندہ ہو گئیں کیونکہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی حلقہ کے چہرے پر لا چاری کے تاثرات ابھر آئے تھے پھر بھی وہ گہرا سانس کھینچ کر صمت سے کہنے لگیں۔

"مئی مئی اماں جان آپ جانیں۔ ریاض اسے اکیلے کیسے لے کر جائیں گے میں تب تک ان دونوں کو سلائے کی کوشش کرتی ہوں" حلقہ غفار کے کہنے پر ساجدہ خاتون تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں مبادا حلقہ کہیں کہہ کر انہیں روک نہ لے کہ۔

"آپ صمت جائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے" کیونکہ خود انہیں بہت خوف آ رہا تھا یہاں گھر میں رکنے سے بھی وہ عائشہ کے ساتھ اسپتال جانے سے بھی۔



شام کی چائے پر وہ سب لان میں اکٹھے بیٹھے خوش گہوں میں مصروف تھے عائشہ اپنے مزاج کے برعکس کلام بول رہی تھی البتہ اس کی طبیعت رات کے مقابلے میں بہت ستر تھی جب چائیک گھاس میں بیٹھے ذرا انگ پکے الیان نے سر اٹھا کر وہی ذکر چھیڑ دیا جس پر بات کرنے سے ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا تھا اور منع کرنے کی وجہ سے

ان کا ہر بھی ہو گئی۔

پہلی رات آپ کو کیا ہو گیا تھا پھر پھر "ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتی عائشہ کے چہرے پر ایک دم خوف پھیل گیا۔ اس کی نظروں سے الیان کو دیکھنے لگی۔

اس موضوع پر بات کرنے سے ہی عائشہ کی طبیعت خراب ہونے لگتی تھی وہ سب کھل کر عائشہ سے اس کی طبیعت کی باتیں نہیں کہاتے۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

پھر پھر پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی بس "حلقہ غفار نے الیان کو سلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

ریاض غفار اس صورت حال سے بالکل مطمئن نہیں تھے وہ اسے خوش کہے رکھتے اس کے ذہن میں
کون سا انجانا خوف چھایا رہتا تھا وہ بیٹھے بیٹھے ادھر ادھر ایسے دیکھنے لگتی جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو اور ایک
حد ہی ہو گئی۔

ریاض غفار آفس سے آر کھڑے ہی ہوئے تھے کہ انہیں کچن میں عائشہ کے آہستہ آواز میں باتیں کر
آواز سنائی دی تو وہ چونک اٹھے۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے وقت ہی انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ کتنی
الیانہ کوادریٹس پر سائیکل چلوا رہی ہیں اور ساجدہ غفار پاس ہی بریرہ کو گود میں لیے بیٹھی ہیں۔
پھر عائشہ کچن میں کس سے باتیں کر رہی ہے جبکہ آج کل اس پر خاموشی کا عجیب دورہ پڑا ہوا تھا ایسے میں اس کی
ملازمہ سے ہم کلام ہونے کے امکان بھی نہ ہونے کے برابر تھے دوسرے عائشہ کی غیر معمولی حرکتیں انہیں غریب
ارادی طور پر شلوک میں جکڑ کر رکھتی تھیں۔

وہ بے قدموں سے چلتے کچن تک پہنچے تو عائشہ کی پشت ان کی جانب تھی وہ کچن کی کھڑکی میں کھڑی تھی اور
آئین کی طرف دیکھتے ہوئے اشاروں کے نیچے سرگوشانہ انداز میں وہی جملہ اس کے منہ سے پھسل جاتا۔
”میں ایسا نہیں کر سکتی“ وہ گردن کو زور زور سے ہلاتی تھی۔ ”وہ سناٹے میں ہاتھ کے اشارے سے بولی۔

ریاض غفار بغیر آہٹ کیے چلتے اس کے پیچھے آنے لگے ان کی نظریں کھڑکی کے دوسری جانب مکی تھیں
خیال تھا براہدالے کھڑکی بھرت پر کوئی عائشہ سے محو گفتگو ہے مگر بھرت پر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔
کہ بھی اچانک عائشہ ان کی طرف پلٹ گئی ریاض غفار اس پر نظر پڑتے ہی اپنی جگہ جم گئے عائشہ غفار کے
چہرے پر تاثرات ایسے تھے کہ ریاض غفار کچھ خوفزدہ ہو گئے۔
اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور آنکھیں غیر معمولی حد تک پھیلی ہوئی تھیں اتنے دلوں سے جیسی طبیعت اس کی
چل رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے ریاض غفار کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔
وہ خطرناک تیور لیے قدرے غصے سے ریاض غفار کو دیکھ رہی تھی۔

”کس کیا ہوا عائشہ تم ٹھیک تو ہونا۔“ ریاض غفار نے اپنی خوبصورت ترین بہن کو گھبرا کر دیکھا جو اس وقت
بہت برا سرا اور بھیا تک لگ رہی تھی۔

”کس کس سے باتیں کر رہی تھیں“ ریاض غفار کو وہ کسی ٹرانس کے زیر اثر لگ رہی تھی ان کے سوال پر
اس نے ایک نظر کھڑکی کے باہر ایسے دیکھا جیسے وہاں موجود ہستی سے مشورہ کر رہی ہو کہ اس کے بارے میں متاثر
یا نہیں مگر اس نے شاید بتانے سے منع کر دیا تھا بھی عائشہ اس پر سے نظریں ہٹا کر ریاض غفار کو سپاٹ نظروں
سے دیکھنے لگی۔

”میں نے پوچھا ہے کس سے بات کر رہی تھیں کون ہے وہاں“ ریاض غفار نے اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے
سختی سے پوچھا۔

مگر عائشہ کے انداز میں ذرا بھی فرق نہ آیا وہ انہیں پہلے کی طرح گھورتی رہی بھی اچانک ریاض غفار کے
نقٹوں سے ایک تیزی بونگرائی۔ انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جہاں ایک پتیلی بڑی تیز آگ
رکھی تھی اور اب اس میں سے چھن چھن کی آواز بھی آرہی تھی۔ ریاض غفار تیزی سے اس کی طرف بڑھے
وہ جیانی میں انہوں نے گرم گرم ڈھکنا ہاتھ سے پکڑ کر کھول دیا نہ جتنا ”انگیوں پر اتنی شدید جلن ہوئی کہ ہر جاگہ
ڈھکنا زوردار آواز میں زہن پر جا کر۔

”گھٹتہ گھٹتہ“ وہ ہاتھ کو ہوا میں تیز تیز ہلاتے ہوئے چلائے تو گھٹتہ غفار اور ساجدہ خاتون بچوں کو لیے

جلی آئیں اس سچ عاشرے بے نیازی سے چلتی اپنے کمرے میں جلی گئی۔

ریاض غفار بے چینی سے اسے دیکھتے رہ گئے اس واقعے نے ان سب کو ہی پریشان کر دیا تھا غلط فہمی کے
وہائی تین گھنٹوں کی محنت سے زکسی کو فٹے پکائے تھے اور صرف سالن کا پانی خشک کرنے کے لیے عاشرے کو کچن
میں کھڑا کر کے گئی تھیں کہ وہ منٹ بعد چو لہا بند کر دیا لیکن اس نے دس منٹ بعد بھی بند نہیں کیا تو سالن اس طرح
طرح جلا تھا کہ کھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اتنی محنت پرانی پھرنے کے ساتھ ساتھ ریاض غفار کی صفائی تفصیل نے ساجدہ خاتون کو تو اچھا خلا فکرم
تھا انہیں تو پہلے بھی دوسوے آرہے تھے کہ ان کی بیٹی پر کسی نے جادو کر دیا ہے اب تو انہیں ہول ہی اٹھنے لگے۔
نہیں وہ کس سے باتیں کرتی ہے جو صرف اسے ہی نظر آتا ہے۔ عاشرہ نما گرو صوب میں بل کھلے آئی تو
ساجدہ خاتون نے بھنائے ہوئے اسے ڈانٹ دیا۔

"بزار بار منع کیا ہے بل کھول کر کھلے آسمان کے نیچے نہیں آتے سمجھ میں نہیں آتا۔"
"کیوں نہیں آتے؟ کیا ہوتا ہے بل کھول کر کھلے آسمان تلے آنے سے؟" عاشرہ ایک دم ہنس پڑی۔
"ضروری نہیں ہے کہ ہر بات کی تفصیل تمہیں بتائی جائے بس جو بات بڑے کیس اسے من لینا چاہیے۔"
ساجدہ خاتون کو اگلی لگ گئی اس کے سوال پر۔

"کیا کسی جن کا اثر ہو جاتا ہے؟" عاشرہ نے ذریعہ مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"عاشرہ" ساجدہ خاتون نے فٹ کر اسے قہر رسائی نظروں سے دکھاتو غلط محض ماحول کے جادو کو کم کرنے
کے لیے بولیں۔

"اثر بھی ہو سکتا ہے نظر بھی لگ سکتی ہے اور تمہارے تو بال ہیں بھی بالکل سالن کی گھٹاؤں جیسے تم تو صوب
میں بھی پل کھولتی ہو تو رات ہو جاتی ہے اور شام کے وقت بال نہیں کھولتے؟" اپنی تعریف پر عاشرہ کھلکھلا کر
ہنس دی بھی غلط غفار کھلے دل سے اسے سراہتے ہوئے بولیں۔

"تمہارے بال کیا تمہاری تو ہنسی؟ تمہاری کواز؟ تمہاری آنکھیں ہونٹ گل سب اتنے خوبصورت ہیں کہ
مجھے تو افسوس ہوتا ہے پر یہ تم پر کیوں نہیں گئی؟"

"خبردار جو میری بیٹی کو کچھ کہا بہت پیاری ہے وہ اور برہ نہیں مگنی تو کیا ہوا الیان ہے ہاں بالکل میرے جیسا
بس وہ لڑکا ہے اس لیے احساس نہیں ہوتا؟" عاشرہ فوراً بولی تو غلط غفار بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ہاں خیر تو ہے میں نے تو ابھی سے سوچ لیا ہے اگر تمہاری کوئی بیٹی ہوگی تو میری سو تو وہی بنے گی؟" ان کی بات
پر ساجدہ خاتون بھی مسکراتے پر مجبور ہو گئیں۔

"کیا پتا میری بیٹی میرے جیسی نہ ہو تو؟"

"وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی تم سے بھی زیادہ حسین ہوگی اور اتنی حسین لڑکی کے ساتھ بس الیان ہی بنے گا۔"
ماحول واقعی خوشگوار ہو گیا تھا آج صبح سے عاشرہ کی طبیعت بہتر لگ رہی تھی ایک اس کی بیماری نے پورے گھر
سوگوار کی طاری کر دی تھی۔

ساجدہ خاتون کا دل بے اختیار اس گھر کی دائمی خوشیوں و دماغ میں مائیکے لگا کر انہیں نہیں رہا تھا یہ تھوڑی سی
کی خوشی ایک بہت بڑے صدمے کو بھیلنے کی ہمت دے نے کے لیے ملی تھی۔

شام کو ان کی ماسی نے عاشرہ کی بابت پوچھا تو تیوریوں پر بل ڈال کر قدرے سختی سے بولیں۔
"عاشرہ کو کیا ہوا وہ تو بالکل ٹھیک ہے۔"

"باقی برآمد والے اختر صاحب کی ماسی پوچھ رہی تھی تمہاری عاشرہ بی بی بہت پر اکیلی کھڑی ہوا سے باتیں کر رہی

ہوئی ہے اس پر سلیہ ہو گیا ہے اس کا علاج کراؤ۔

مجھے تو براؤر لگا اس کی بات سن کر عاشرہ بی بی کی بیماری تو میں بھی دیکھ رہی ہوں مگر وہ اسے باتیں کرتی ہیں یہ تو
مجھے بھی نہیں رہا تھا۔ ساجدہ خاتون جھک رہی تھیں۔

گویا اب نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ محلے والے عاشرہ کی حالت کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔
ماسی تو بہت سی خوفزدہ لگ رہی تھی چڑھتی گئیاں کرتے تو کمر بھی اب تو کھل کر بات کرنے لگے تھے۔ ساجدہ خاتون

کے ساتھ پاؤں پھولنا شروع ہو گئے تو انہوں نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔
"جو اس بند کو کچھ نہیں ہوا عاشرہ کو نہ ہی وہ ہوا اس سے باتیں کرتی ہے اور خبردار جو آئندہ اختر صاحب کی

اس سے ہمارے گھر کے افراد کے متعلق کوئی بات کی تو کام سے نکل دوں گی۔"
"بابی مجھ پر کیوں بگڑی ہیں جو ان لڑکی پر سلیہ ہو جائے تو اس کا علاج کرانا چاہیے لوگوں کی زبان بند تھوڑی

ہوگی۔
ایسے علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں ہوتے اختر صاحب کی ماسی بیماری تھی وہ ایک بزرگ کو جانتی ہے وہ عاشرہ بی بی کی

اس سائے سے جان چمڑا سکتے ہیں؟" وہ آنکھیں کھاتے ہوئے رازداری سے بولی تو ساجدہ خاتون جھلا گئیں۔
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا کوئی سایہ نہیں ہے میری بیٹی پر آئندہ اگر یہ ذکر بھی تمہاری زبان پر آیا تو زبان سچے لہجے

کی؟" ماسی منہ تاتی ان کے پاس سے اٹھ گئی۔
اس کے سامنے تو ساجدہ خاتون نے خود کو کمزور پڑنے نہیں دیا اور اسے بری طرح جھڑک دیا مگر اس کے جاتے

ہی ان کا پورا وجود پسینوں میں نہا گیا انہوں نے باقاعدہ عاشرہ کی چوکی داری شروع کر دی وہ ہچکچاہٹ کر اس کی
حرکتوں کا مشاہدہ کرنے لگیں۔

جیسے جیسے اس پر نظر رکھنے لگی تھیں ویسے ویسے ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا جا رہا تھا۔
وہ نہ صرف تخیل میں کسی سے باتیں کرتی تھی بلکہ سب کی موجودگی میں بھی کسی ایک کو نے کو ایسے دیکھتی رہتی

جیسے وہاں کوئی بیٹھا ہو اور اسے ہی دیکھ رہا ہو۔
اور سب سے زیادہ تکلیف دہا تھی کہ عاشرہ گھر کے حصے میں بنے سروٹ کو اور زمیں چوری چھپو زمین بار

گئی تھی۔
ان کے سارے سروٹ کو اور زمیں گھرے ہوئے تھے بس ایک خالی پڑا تھا اور عاشرہ رات کے ایک بجے یا شام کے

چار بجے بجے جس وقت گھر میں سب کے سونے کا وقت ہوتا تھا ان اوقات کام میں وہاں جاتی تھی اور توہا پون کھنڈ
وہیں رہتی تھی۔

ساجدہ خاتون انکا دل پر لوٹ رہی تھیں ان کا دل چاہتا وہ بھی عاشرہ کے پیچھے سروٹ کو اور زمیں گھرے جاتیں مگر
ان کا اندر دینی خوف انہیں ایک قدم بھی اٹھانے نہ دیتا۔

بیٹا بوسے بھی اس بارے میں بات کرنے کا ان کا منہ نہیں پڑتا تھا وہ چاہتی تھیں کسی کے علم میں آئے بغیر ہی
یہ سارا معاملہ ختم ہو جائے مگر ایسا ہوتا لگ نہیں رہا تھا۔

وہ راتوں کو دیر تک اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی اس سروٹ کو اور زمیں گھرے رہتیں عام طور پر ڈیزہ بجے کے
بعد انہیں عاشرہ وہاں جاتی دکھائی دیتی لیکن ایک رات وہ ساڑھے بار بجے ہی اس سروٹ کو اور زمیں گھرے طرف بڑھتی

نظر آئی تو ساجدہ خاتون بھی آہستہ آہستہ کرسی کا ورد کرتی اپنے کمرے سے نکل آئیں۔
گھر سے باہر آتے ہی گھنڈ اور خشکی نے ان کے قدم اکھاڑنے چاہے مگر وہ سنانے اور تاریکی کو نظر انداز کیے دل

کڑا کرتی گھر کے پچھلے حصے کی طرف آ گئیں۔

سروٹ کو ارنر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر ایک بار پھر ان پر خوف طاری ہونے لگا مگر انہوں نے ہاتھ پر دھرتے ہوئے دروازے کا ہینڈل کھمایا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔
تب انہوں نے پیچھے کی طرف نئی کھڑکی کی جانب قدم بڑھا دیے اتنی خاموشی میں انہیں اپنے قدموں کی آہٹ سے بھی خوف آ رہا تھا مگر یہ وہ سوال جو پچھلے پانچ دنوں سے ان کا خون خشک کیے ہوئے تھے اس کا جواب انہیں مل رہا تھا کہ

وہ اندر کس کے ساتھ ہے اور کیا کر رہی ہے؟

کھڑکی کے قریب پہنچ کر انہوں نے ہٹ کو ہلکے سے دھکا دیا تو وہ چر کی آواز کے ساتھ کھٹک چلا گیا۔
اندر سروٹ کو ارنر میں بالکل اندھیرا تھا۔ سروٹ کو ارنر میں وہی تو کمرے تھے ایک ہی جس میں کھڑکی تھی اور وہ سرائے جس میں دروازہ کھٹک تھا اس کے علاوہ ایک باتھ روم اور ایک کچن تھا جو کے ایک طرف بنے ہوئے تھے۔

ساجدہ خاتون تذبذب کے عالم میں اندر دیکھنے لگیں جس میں انہیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا ان کی سمجھ میں نہیں تھا انہیں عائشہ کو آواز دینی چاہیے یا اگلے قدموں میں سے لوٹ جانا چاہیے۔

جب انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی مگر یہ آہٹ زمین کی بجائے گھاس پر چلنے کی تھی۔
ساجدہ خاتون چونک کر اپنے اطراف دیکھنے لگیں شاید سروٹ کو ارنر کے دروازے کی طرف کوئی تھا تو جھڑکی سے کھڑکی کے سامنے سے ہتھ پڑے ہوئے دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

"کون؟ کون ہے یہاں؟" ساجدہ خاتون نے کڑک دار آواز میں کہنے کی کوشش کی ورنہ جیسے "تو ان کا دل سوکے بچے کی طرح کانپ رہا تھا جب تک وہ دروازے تک پہنچیں کوئی ان کے پیچھے نہ ڈرتا ہوا آنا محسوس ہوا انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔

ان کے سامنے ایک لمبا جوڑا وجود کھڑا تھا نیم تاریکی میں وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکیں انہیں لگ رہا تھا وہ بے ہوش ہو جائیں گی جبھی سامنے کھڑا شخص بڑی مانوس سی آواز میں بولا۔

"بڑی میم صاحب آپ یہاں؟" مائی کی آواز پر ان کے اوسان کچھ بحال ہوئے تو وہ چہرے پر آئے پسینے کو دھو پچھتے ہوئے بولیں۔

"جیسے یہاں سروٹ کو ارنر میں کوئی ہے تمہارا پیچھا والی کھڑکی سے کوہ کوہ کھو"

"جی جیسے صاحب" وہ تیزی سے پیچھے کی جانب بڑھ گیا کسی کی موجودگی نے ساجدہ خاتون کے ذہن کو تھوڑے کم کر دیا تھا چنانچہ وہ ایک بار پھر دروازے کی طرف بڑھ گئیں اور دروازے پر پہنچتی ہی وہ بری طرح چونک گئیں۔

دروازہ نا صرف کھلا ہوا تھا بلکہ اندر کی لائٹ بھی جل رہی تھی ساجدہ خاتون دروازہ دھکیلتی فوراً اندر داخل ہو گئیں اندر جاتے ہی ایک بار پھر ان کا دل دھک سے رہ گیا۔

کمرے میں معمولی سا سامان پڑا ہوا تھا جیسے ایک چارپائی ایک موڑھا وغیرہ۔ وہیں اس خستہ حال موڑھے کے اوپر عائشہ گم سم سی بیٹھی ہوئی تھی۔

"عائشہ" ساجدہ خاتون سے آگے کچھ بولا ہی نہیں کیا جبھی پچھلی کھڑکی سے مائی کوہ کوہ اندر آ گیا اور جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوا عائشہ کو سامنے دیکھ کر ہونٹ بن گیا۔

"عائشہ!" ساجدہ خاتون نے دوبارہ اسے پکارا تو وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔
"بی بی مائی۔ آپ یہاں کیا کر رہی ہو؟" مائی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تو مئی رات کو ساجدہ خاتون اور عائشہ

دونوں یہاں آئی تھیں اور دونوں کے رویے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ یہاں ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔
عائشہ مائی کے سوال پر بھی کچھ نہ بولی بلکہ ساجدہ خاتون کی پشت کی جانب بٹہ روم کے دروازے کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی۔

ساجدہ خاتون کی ریڑھ کی ہڈی تک میں خوف سرایت کر گیا جیسے انہیں پتا چل گیا ہو کہ عائشہ کو باتھ روم میں کسی کی موجودگی کا علم ہے۔
انہوں نے ذرا سا سر کر کن آنکھیں سے دروازے کی جانب دیکھا جو کے بند تھا۔

"کیا بات کیا ہے؟" مائی پریشانی سے ان دونوں کی خاموشی کو دیکھنے لگی۔
"تک کوئی بات نہیں ہے" ساجدہ خاتون مائی کی موجودگی میں مزید کوئی ترشاش نہیں کرنا چاہتی تھیں جبھی عائشہ کے نزدیک آکر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگیں۔

دھپلو عائشہ اپنے کمرے میں چلو "عائشہ" مشینی انداز میں ان کے ساتھ چل پڑی۔
"نہیں کھڑکی اور دروازے کو اچھی طرح بند کرو" ساجدہ خاتون نے حیران پریشان کمرے والی سے کہا اور سروٹ کو ارنر کے دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔



"کیا بتاؤں۔ میں خود کچھ سمجھ نہیں پاتی تو آپ سب کو کیا بتاؤں؟"
میں آپ لوگوں کو خوفزدہ بھی کرنا نہیں چاہتی تھی اور پھر مجھے ڈر بہت لگتا تھا ہر وقت ایک خوف سوار رہتا ہے آپ لوگوں کو بتاؤں گی تو کہیں وہ آپ سب کو بھی خشک نہ کرے۔" عائشہ ساجدہ خاتون کے برابر میں لیٹی ہوئی وہ مئی

تو ازمیں بول رہی تھی۔
ساجدہ خاتون عائشہ کو کمرے میں لانے کے بعد اس سے کوئی بھی بات کیے بغیر چپ چاپ اس کے برابر میں لیٹ گئی تھیں مگر ان کی طرح رات بھر عائشہ بھی سو نہ سکی صبح کی سپیدی پھیلنے سے پہلے ساجدہ خاتون نے اس سے بات کرنی شروع کی اور بغیر کھائے پھرائے سیدھا کہہ دیا۔

"کل رات جو بھی ہوا اس کا علم ہلی کو ہے۔ یعنی کل صبح ہونے تک سارے ملازمین کو ہاتھ چل جائے گا۔
ریاض اور کلفت کو سب کچھ میں خود ہی ملازمین کی ورنہ ملازمین سے سن کر انہیں بہت برا لگے گا۔

ریاض کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہو گا اس کا اندازہ تم خود بھی لگا سکتی ہو اس لیے اگر تم چاہتی ہو کہ ریاض تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آئے تو اس کے سدباب کے لیے ابھی مجھے بتاؤ تم وہاں کیوں گئی تھیں "ساجدہ خاتون کے سوال پر پہلی بار عائشہ کو وہ نہیں پڑا تھا بلکہ وہ بھیگی ہلکوں کے ساتھ بڑے درد سے بول رہی تھی۔

ساجدہ خاتون بستر پر اٹھ بیٹھیں اور بغور اسے دیکھنے لگیں۔ جس بات کا انہیں ڈر تھا عائشہ وہی کہنے والی تھی پھر بھی وہ دل کڑا کر کے پوچھنے لگیں۔

"کیا تمہیں کوئی نظر آتا ہے جو اوروں کو دکھائی نہیں دیتا؟" عائشہ کچھ دیر آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی پھر لب بچھتے ہوئے اس نے سر اٹھاتے میں ہلا دیا۔

"کون ہے؟" ساجدہ خاتون کو خود اپنی آواز اچھی لگ رہی تھی۔
ان کے سوال پر عائشہ کے چہرے پر بے بسی کے آثار ابھر آئے۔

"سب یہاں نہیں۔ کون ہے؟"

”کب سے نظر آ رہا ہے کیا وہ کسی انسان کی شکل میں ہوتا ہے“ ساجدہ خاتون سرگوشیاں انداز میں پوچھ رہی تھیں کیونکہ عائشہ کی آنکھوں میں خوف بڑھتا جا رہا تھا پھر بھی وہ اس موضوع پر بات کر رہی تھی ابھی بھی ان کے سوال پر وہ خشک ہو نکل رہی تھیں پھر بولیں۔

”بھئی بھئی انسان کی شکل میں۔ اور کبھی کبھی۔“ عائشہ کی آواز حلق میں گھٹنے لگی خود ساجدہ خاتون کا وجود کانٹے لگا پھر بھی وہ اس کی صمت بندھانے کے لیے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”کیا وہ۔ ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے؟“ عائشہ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
”وہ نہیں بتاؤ مجھے۔ کیا وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے؟“ ساجدہ خاتون نے اس کے ہل سہلاتے ہوئے پکڑا رہا تو عائشہ نے سر اثبات میں ہلا دیا البتہ اس کا رونا جاری رہا۔

اب تو ساجدہ خاتون کی حالت کاٹو۔ تو بدن میں لہو نہیں جیسی ہو گئی۔

”کب۔ کیا وہ یہاں اس کمرے میں بھی ہے؟“

عائشہ کے ایک بار پھر سر اثبات میں ہلانے پر ان کے رونے کھڑے ہو گئے۔

”کب۔ کہاں؟“ انہوں نے بمشکل پوچھا۔

”آپ۔ آپ کے برابر میں بیٹھا ہے“ عائشہ نے رونے ہوئے ساجدہ خاتون کی گود میں منہ چھپا لیا۔

ساجدہ خاتون پر سکتے طاری ہو گیا ان میں اتنی بھی صمت نہیں تھی کہ وہ گردن کھما کر اپنے برابر میں دیکھ سکتیں ویسے بھی دیکھنے سے انہیں کون سا کچھ نظر آ جاتا تھا تو صرف عائشہ کے کہنے پر اتنا ایمان لے لگی تھیں کہ انہیں اپنے برابر میں کسی کی موجودگی کا احساس ہونے لگا۔



ساجدہ خاتون کسی مولوی وغیرہ کو نہیں جانتی تھیں نہ ہی وہ اس قسم کی عورت تھیں جو تعویذ گنڈے کرتے ہیں لیکن مجبوری انسان سے صمت کچھ کرا لیتی ہے۔

مالی کی بدولت عائشہ کے رات گئے سرونٹ کو ارنڈ کی کمانی تو پورے گھر میں نشر ہوئی گئی تھی لہذا وہ مزید اس بات پر پرہیز کرنے کی کوشش کر کے اپنی بیٹی کی تکلیف کو بوجھانے کی حماقت کرنے کے لیے ہرگز رضامند نہ ہوئیں۔

ریاض غفار کے استفسار پر انہوں نے انہیں بھی سب سے بتا دیا وہ پریشان تو ہوئے مگر انہوں نے بھی اسے نفسیاتی بیماری کا چنانچہ ساجدہ خاتون نے ریاض غفار کو اس معاملے سے دور رکھتے ہوئے اپنی ماسی سے مدد طلب کی۔

”تم نے بتایا تھا براہوالے اختر صاحب کی ماسی نے کسی بزرگ کا ذکر کیا تھا“

”ہاں مگر آپ تو ان باتوں پر یقین نہیں کرتیں اس وقت تو آپ مجھ پر بڑا بگڑی تھیں“ ماسی بھی چوٹ کرنے سے باز نہ آئی ساجدہ خاتون سے کوئی جواب نہیں سکا۔

انہیں خجل ہوتا دیکھ کر ماسی احسان دہانے والے انداز میں کہنے لگی۔

”غیر در آئے درست آئے“ شکر کریں کہ آپ کو عقل آگئی ورنہ بی بی جی کی تو زندگی دل جاتی میں آج ہی اس سے بات کروں گی“ ساجدہ خاتون خود بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر اس وقت انہیں بڑی حیرت ہوئی جب ماسی کے ہر سانس میں ان کے گھر آکر لڑکی کو دیکھنے کی بات کی۔

ان کا خیال تھا ایسے لوگ بڑے معصوم ہوتے ہیں اور چاہے کسی بھی علاقے میں رہائش پذیر ہوں لوگوں کو اپنے آستانے پر ہی بلاتے ہیں مگر اختر صاحب کی ماسی نے خود ہی جا کر عائشہ کا محل انہیں بتا دیا تو انہوں نے اسی

بیت پریشان ہو کر ان کے گھر آجانے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔

ماسی گھر میں بیٹھ کر غافل رہنا چاہتے تھا مگر صبح صورت حال کا اندازہ لگا لیں۔

ساجدہ خاتون نے ریاض غفار سے ذکر کیے بغیر انہیں آنے کی اجازت دے دی انہوں نے یہی سوچا کہ ماسی نے بتایا تھا وہ ان کاموں کو صرف فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور ان کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے ایسا شخص فراڈ نہیں ہو سکتا ورنہ دھوکے باز اور جعلی فقیر تو پیسے بٹھانے کے لیے۔ سب کرتے ہیں اب اگر کوئی شخص پیسے ہی نہیں لے رہا اور اتنی محنت بھی کر رہا ہے تو لازمی بات ہے کہ وہ کوئی شخص نہیں ہے جو لوگوں کو دھوکا نہیں دیتا مگر ریاض کو یہ بات سمجھانا ان کے بس کی بات نہیں تھی لہذا بہتر یہی تھا کہ ان بزرگ صاحب کو دن کے وقت بلالیا جائے جب ریاض گھر پر ہی نہ ہو۔

گھنٹہ غفار کو جب کسی بزرگ کی آمد اور آمد کا مقصد بتا چلا تو وہ کھٹکھٹ میں گھر گئیں۔

خود ان کا بھی یہی خیال تھا کہ عائشہ کا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں مگر اس طرح ماسی کے بتائے ہوئے فقیر کو گھر کے اندر بلا کر بیٹھا لینا اور عائشہ جیسی حسین لڑکی کو اس کے سامنے لانا انہیں کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا مگر انہوں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

پھر سائیں بالکل ہی روایتی سے طے میں تھے بڑا سا کالا چولا گلے میں رنگ برنگی بلانیں لیے بال اور ہاتھ میں مونے مونے لوہے کے کڑے۔ گھنٹہ غفار صرف ناک، بھنوں چڑھا کر وہ لگیں البتہ تجسس کے ہاتھوں مجبور وہیں کھڑی رہیں لیکن ماسی کو انہوں نے سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ الیان اور بریرہ کو پھر سائیں کے سامنے نہیں آنے دیا جائے۔

انہیں عزت سے گھر کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تھا لیکن وہ وقت ضائع کیے بغیر وہیں سینٹل خیمیل کے پاس اپنی چادر بچھا کر اور کچھ ضروری سامان نکال کر زمین پر بیٹھ گئے۔

انہوں نے کسی سے کوئی بات کی نہ سوال کیا ساجدہ خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی انہیں سلام کر کے بات کرنی چاہی تو انہوں نے بڑے سادہ و شائے انداز میں ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

گھنٹہ غفار اس بے نیازی پر منہ مٹا کر رہ گئیں۔

پھر سائیں کچھ دیر بڑے بڑے دانوں والی مولی سی صبح کے دانے گراتے رہے پھر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے پانچ بجے ساجدہ خاتون نے آنکھیں کھولیں تو ساجدہ خاتون کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

”ہم عائشہ کو بلاتیں“ ساجدہ خاتون ایسے حیرانی سے پھر سائیں کو دیکھنے لگیں جیسے بغیر بتائے عائشہ کا نام لینے پر پھر سائیں کی قابلیت اور بزرگی سے بری طرح متاثر ہو گئی ہوں۔

گھنٹہ غفار ان کے آثار استدیکہ کر لھنڈی سانس پھر کر رہ گئیں انہیں اپنی سانس کی کم عقلی پر شدید تاؤ آیا تھا۔ جب ماسی نے پھر سائیں کو ساری بات بتائی وہی تھی تو عائشہ کا نام بھی اس نے بتا دیا ہو گا اس میں بھلا ان پھر سائیں کا کیا کمال ہے۔

مگر ایک بار پھر وہ خاموش ہی رہیں اور ساجدہ خاتون نے کوازدے کر عائشہ کو بلالیا تو عائشہ جو پہلے ہی ڈرائنگ روم کے باہر پتھر کھڑی تھی فوراً اندر داخل ہو گئی۔

”سامنے آکر بیٹھ جاؤ“ پھر سائیں نے عائشہ کی طرف دیکھے بغیر آنکھیں موندتے ہوئے کہا تو عائشہ کچھ ہچکچاتی ہوئی ان سے خیم فٹ کے فاصلے پر ان کی چادر پر آئیں۔

”دلہا سے وہ تمہیں تنگ کر رہا ہے اور تم نے کسی کو بتایا تک نہیں“ پھر سائیں نے بند آنکھوں کے ساتھ اپنی کراک دار کوازد میں کہا تو عائشہ منہ کھول کر ایسے انہیں دیکھنے لگی جیسے ان کی بات کے بجائے پراسے شدید حیرانی

کتنی دفعہ اخبار و رسائل میں انہوں نے خبریں پڑھی تھیں پاگل عورتوں کے گھر سے فرار ہونے کی یا اپنے کپڑے بھاڑ کر کھلی میں نکل جانے کی شبانہوں نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن ان کی اپنی بیٹی ایسے دوراں پر آکھڑی ہوگی جہاں یہ فیصلہ مشکل ہو جائے گا کہ وہ بیمار ہے یا اس پر کسی آسیب کا سایہ ہے اگر واقعی اس پر سایہ ہے تو کل کو اس کی حالت بھی ان ذہنی مریضوں جیسی ہوگی جنہیں اپنا ہوش نہیں ہوتا جن کے لیے دنیا کی ساری نعمتیں اور ساری آسائشیں سب بے کار ہو جاتی ہیں۔

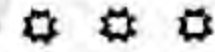
ساجدہ خاتون سوچتی رہیں اور ساتھ ہی اندھا ابا گنے کے لیے قیمتی نکال کر اس میں پانی بھرتی رہیں۔ چونے پر چٹکی رکھ کر اس میں اندھا اڈال کر اس کے اٹنے تک نہ جانے کہاں تک کاغذ طے کر کے آگئی تھیں۔ ان کے تصور میں عائشہ بال بکھرائے کپڑے پھاڑتی اور چٹختی چلاتی پھر رہی تھی اور اس تصور سے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

اگر یہ سب سوچنا اتنا مشکل تھا تو کیا یہ سب برداشت کرنا ممکن ہو گا؟ وہ پیر سائیں کی ہدایت پر دل میں "تم کیا چاہتے ہو" کا تصور کرنے لگیں کیونکہ اس ایک سوال نے ان کے اندر کی ساری طاقت چھوڑ لی تھی وہ ایک دم ہی بست نہ چل رہی تھیں۔

اندھے کے اٹنے پر اسے چھیلتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے پتا نہیں وہ آسیب ان کے سوال کا جواب دینے والا تھا یا نہیں اور پتا نہیں وہ جواب میں کیا کہنے والا تھا۔

لیکن چھلکا اتارنے پر وہ بالکل ششدر ہو گئیں اندھا بے ہوئے اندھے پر واقعی ایک تحریر ابھری ہوئی تھی جو بڑی واضح تھی۔

ساجدہ خاتون بے یقینی سے اس تحریر کو دیکھتی رہیں جہاں صاف صاف لکھا تھا۔
"یہاں سے دور چلے جاؤ"



وہ گھر ساجدہ خاتون کے لیے بہت اہم تھا ان کے شوہر مرحوم کی ان محنت یادیں اس گھر سے وابستہ تھیں لیکن اولاد کے سامنے ہر چیز پیچ ہو جاتی ہے ساجدہ خاتون نے فوراً "وہ گھر چھوڑ کر کہیں دور چلے جانے کا قصد کر لیا۔ مگر ریاض غفار تیار نہ ہوئے وہ برف چھاپائی اور الجھا ہوا اندھا انہیں ذرا متاثر نہ کر سکا بلکہ ایک پیر سائیں کو گھر بلانے پر ریاض غفار نے پورا گھر سربراہ کیا۔

"آپ کیا جانتی نہیں یہ کیسے فراڈ لوگ ہوتے ہیں ایک جوان بیٹی اور جوان سو گھر میں موجود ہے اور آپ نے ایسے فقیر کو بلا کر ڈانگ دوم میں بٹھالیا " ریاض غفار کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کرالیں۔

سب سے زیادہ غصہ تو انہیں یہ جان کر آیا تھا کہ ان کی بیوی نے بھی اس پیر فقیر کے "بچے ہوئے" ہونے کا یقین کر لیا ہے۔

"تم تو یقین کرو گی ہی اتنا میں نے تمہارا ماحول تبدیل کر دیا مگر سوچ تو تمہاری وہی رہے گی نا گاؤں والی دنیا تو سی " گفتہ غفار خاموشی سے ریاض غفار کے طعنے سنتی رہیں انہیں تو اس گھر میں بہت سی ڈرلگ رہا تھا خاص طور پر الیان اور بریرہ کے لیے بہت فکر مند تھیں۔

"میں فقیر نے یہ نہیں بتایا کہ آسیب اچانک اس گھر میں کہاں سے آیا ہم تو یہی ہی اس گھر میں ہوئے ہیں " ریاض غفار کئی دنوں تک غصہ کرتے رہے لیکن عائشہ کی روز بہ روز بگڑتی حالت نے ان کے غصے کو سرد کر دیا۔

اس نے کھانا پینا ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا تھا خاموش بیٹھی غذاؤں کو گھورتی رہتی یا چیخنے چلانے لگتی۔

آخر پیر سائیں کے جانے کے تین ہفتے بعد ریاض غفار نے بھی ہتھیار ڈالتے ہوئے اس گھر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

"مگر اتنے دور تو اس گھر کو خراب کر دیں گے " ساجدہ خاتون نے حسرت بھری نظروں سے دور دو دیوار کو دیکھا۔
"جب اس گھر میں کبھی لوٹ کر تقاضی نہیں ہے تو کرائے پر دینے کی کیا ضرورت ہے چھوڑ دیتے ہیں " ریاض غفار نے قحطی سے کہا ساجدہ خاتون صرف انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

برابر والے اختر صاحب نے قحطی دیکھ کر اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر وہ کبھی مانی نہیں صرف ایک مکان میں تھا ان کی زندگی کا حصہ تھا وہ اسے کسی قیمت پر بیچنے پر تیار نہیں ہو سکتی تھیں لیکن بس ایک اولاد لگتی چیز ہوتی ہے جس پر والدین ہر چیز لٹا سکتے ہیں۔

اختر صاحب نے ان کی توقع کے مطابق منہ مائی قیمت پر گھر خرید لیا حالانکہ ریاض غفار انہیں گھر بیچنے کے حق میں نہیں تھے ان کے برابر میں رہتے تھے اور اس گھر کو بھی اپنے گھر میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جس کے لیے وہ گھر کو تقریباً "مگر اگر اس کا نقشہ ہی بدل دینے والے تھے۔

لیکن ساجدہ خاتون ان کے علاوہ کسی اور کو دینے کے لیے تیار نہ ہوئیں کیونکہ اختر صاحب اس گھر کو بڑی خوشی سے خرید رہے تھے لہذا وہ اس گھر کے بیچ قدر دان ثابت ہوں گے۔

اس گھر کو چھوڑ کر جاتے ہوئے ان سب کو ہی تکلیف ہو رہی تھی جس میں کسی کرنے کے لیے ریاض غفار نے اس سے دس گنا بہتر اور خوبصورت گھر خرید لیا تھا مگر جس چیز سے جذباتی وابستگی ہو اس کے مقابلے میں حسین سے حسین چیز بھی متاثر نہیں کر سکتی تھی حال ساجدہ خاتون کا تھا۔

دوسرے گھر میں شفقت ہونے کے بعد تمام آسائشوں کی موجودگی میں بھی ان کا دل وہیں اس گھر میں رہ گیا تھا زندگی بظاہر نارمل روئین پر آگئی تھی مگر انہیں ہر وقت کسی خالی پن کا احساس ہوتا رہتا بس ایک ہی سکون تھا کہ نئے گھر میں آنے کے بعد عائشہ کی حالت بڑی تیزی سے ٹھیک ہو گئی تھی جس پر گفتہ غفار بھی کبھی حیرت سے کہنے لگتیں۔

"میں نے تو سنا تھا کہ آسیب وہی ایک بار چٹ جائیں تو جان نہیں چھوڑتے چاہے کتنے ہی گھر بدل لو جبکہ کی تبدیلی مریض میں کوئی تبدیلی نہیں لاتی"

"اللہ کا شکر ہے گفتہ جو عائشہ گھر بدلنے پر ٹھیک ہو گئی حیران ہونے کی بجائے بس اس کا شکر ادا کر " ساجدہ خاتون پر سکون نظروں سے لان میں الیان اور بریرہ کے ساتھ کھیلتی اور ہنستی عائشہ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

انہیں اس گھر کو چھوڑے ابھی تین مہینے ہی ہوئے تھے کہ اختر صاحب اور ان کی بیوی اپنے بیٹے بلال اختر کا رشتہ عائشہ کے لیے لے کر آئے۔

ساجدہ خاتون ہکا بکا رہ گئیں ایک بار پھر اسی گھر میں اپنی بیٹی کو بھیجے گا تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں اور ان لوگوں سے کسی دوسرے گھر میں خصل ہو کر شادی کرنے کی خواہش کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ اگر وہ کسی آسیب کا ذکر کرتیں تو اختر صاحب ان کی بیٹی کی ذہنی حالت کی طرف سے مشکوک ہو جاتے۔

مگر ایسے رشتے کے لیے انکار کرنا بڑا مشکل امر تھا بلال اختر اختر صاحب کے اکلوتے فرزند تھے نہایت سوجیہ اور محنت نظر ہونے کے ساتھ ساتھ پوری دولت اور جائیداد کے تمام وارث ایسے پڑھے لکھے اور خاندانی لڑکے کے لیے انکار کرنا بڑا مشکل کام تھا۔

ریاض غفار اور گفتہ غفار بھی تنہا کا شکار ہو گئے تھے گفتہ غفار نے تو ان سب کو قائل کرنے کی بھی کوشش کی کہ اختر صاحب کے گھر والوں کو بتادیں وہاں کوئی آسیب ہے وہ گھر تبدیل کر لیں تو ہم عائشہ کی شادی

کڑیں گے۔
مگر ریاض غفار کسی طور تیار نہیں تھے۔
”اگر انہیں بھٹک بھی پڑ گئی کہ عائشہ کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ ہے تو وہ خود پیچھے ہٹ جائیں گے اس سے تو بہتر ہے ہم خود ہی انکار کر دیں کیا ضرورت ہے عائشہ کی حالت کا اشتہار لگانے کی“
”ہو سکتا ہے وہ بھی ان باتوں کو نہ مانتے ہوں اور...“

”دعا کرتے ہوں یا نہ ہوں ہمیں عائشہ کو اس گھر میں دوبارہ نہیں بھیجنا اور نہ عائشہ کی پھر وہی حالت ہو جائے گی۔ اور وہ ساری بات یہ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے ایک بار شک دل میں آجائے تو انسان ہر حادثہ اور عام بات بھی اسی سے مشروط کر دیتا ہے۔“

گھر میں کوئی بھی غیر معمولی بات ہوئی یا چھوٹا موٹا نقصان بھی ہوا تو بھی اختر صاحب اور ان کی بیوی اسے عائشہ پر کسی سائے کا نتیجہ قرار دیں گے یہ بات تو اس گھر سے باہر کبھی نکلتی ہی نہیں چاہیے کہ عائشہ پر کوئی سایہ رہا ہے۔
ساجدہ خاتون نہایت سنجیدہ اور گنجبر لہجے میں بولیں تو شگفتہ غفار خاموش ہو گئیں۔
لیکن عائشہ خاموش نہ رہ سکی رات کو وہ ان کے کمرے میں چلی آئی اور بغیر کسی تمہید کے کہنے لگی۔
”اے اختر صاحب اور ان کی بیوی ہمارے گھر آئے تھے؟“ ساجدہ خاتون کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

”ہاں تو تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“
”کیونکہ مجھے پتا ہے وہ کسی مقصد سے آئے تھے اور میں نے آپ سب کی گفتگو سنی تو مجھے پتا چلا آپ انہیں انکار کر رہے والی ہیں“ عائشہ کا اس موضوع پر ان سے گفتگو کرنا انہیں حیران کر رہا تھا۔
”ہاں تو“ وہ اسے استہمامیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

”آپ انہیں انکار مت کریں۔“ عائشہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی اب کی بار ساجدہ خاتون لینے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں اور غور اس کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
”کیوں۔ کیوں نہ کروں انکار؟“ عائشہ جواب دینے کی بجائے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

”عائشہ“ ان کے انداز میں عجیب سا خوف گھرا ہوا تھا۔ عائشہ بیٹی کیا بات ہے تم کیوں اس گھر میں داخلہ جانا چاہتی ہو۔ کیا تمہیں کوئی بلا رہا ہے؟“
عائشہ نے کچھ چونک کر انہیں دیکھا جسے اچانک وہ ان کے اندر چھپے سارے اندیشوں کو بھانپ گئی ہو۔
”نہ نہیں امی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے کون بلانے کا“ عائشہ کچھ گھبرا کر بولی مگر ساجدہ خاتون بدستور اسے پریشانی سے دیکھتی رہیں۔

”امی جو آپ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے مجھے کوئی نہیں بلا رہا میں بالکل ٹھیک ہو چکی ہوں اب مجھ پر کوئی سایہ نہیں ہے وہ سب ختم ہو چکا ہے“ عائشہ نے رمانیت سے کہتے ہوئے انہیں سمجھانا چاہا۔
”عائشہ ہم نے وہ گھر چھوڑا ہے اس نے وہ گھر نہیں چھوڑا اور تم سب کچھ جانتے ہوئے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود وہاں جانا چاہتی ہو پھر بھی تم کہہ رہی ہو وہ سب ختم ہو گیا ہے“ ساجدہ خاتون نے بے اختیار آنکھیں موندتے ہوئے سر ہنڈ کے کراؤں سے نکال لیا جیسے ان سے یہ شاک برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہے جیسے اتنی بڑی قربانی سب رائیگاں چلی گئی ہو۔

”امی۔ امی۔ آپ غلط سوچ رہی ہیں مجھ پر اب کوئی سایہ نہیں ہے میں تو یہ شادی اس لیے کرنا چاہتی ہوں کیونکہ“ عائشہ کچھ کہتے کہتے جھجک گئی۔
”کیونکہ تم ابھی تک اس کے تابع ہو اس نے ہمیں گھر سے نکال دیا لیکن اختر صاحب کے بیٹے کے ذریعے

تمہیں واپس بلانا چاہ رہا ہے“ ساجدہ خاتون کے لہجے میں دھمکی دھمکی بول رہا تھا عائشہ کچھ زچ ہو کر بولی۔
”ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھے بالکل پسند ہے اور مجھے اس سے شادی کرنی ہے“ عائشہ صرف ایک ہل سے لے کر کھڑائی پھر دوبارہ اور ٹھوس لہجے میں کہنے لگی۔
مگر ساجدہ خاتون تو جیسے اسے سن ہی نہیں رہی تھیں۔

”یہ سب تم سے ہی کہلوا رہا ہے“ پھر ایک دم اس کا چہرہ تھوڑا سا لیتے ہوئے بولیں۔
”تمہی شادی کرنا تو اس لڑکے پر بھی ظلم ہو گا وہ مجھے بالکل کے ساتھ کبھی رہنے ہی نہیں دے گا ہائے میرے مولا میں اپنی بیٹی کو کیسے بچاؤں“ عائشہ نے جیسے تھلا کر ان کے ہاتھ اپنے چہرے پر سے جھٹک دیئے۔
”مجھ پر کوئی اثر نہیں ہے امی میں بلال سے محبت کرتی ہوں اور وہ بھی مجھ پر جان چھڑکتا ہے آپ اس کل ہی اس کے والدین کو فون کر کے بل کر دیں“ اب کی بار ساجدہ خاتون ٹھٹک کر عائشہ کو دیکھنے لگیں۔
مگر عائشہ انہیں کچھ بھی کہنے کا موقع نہ دے بغیر کمرے سے نکل گئی۔



ساجدہ خاتون بالکل نہیں چاہتی تھیں کہ یہ سب ریاض غفار کے علم میں آئے وہ ابھی اختر صاحب کو منع بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھیں ان کی بیوی کے بھی فون پر فون آئے جارہے تھے ان کے اصرار سے ایسا لگتا جیسے وہ انکار کر ہی نہیں سکتیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس مسئلے کو کیسے حل کریں وہ کسی کو کچھ بتانا بھی نہیں چاہتی تھیں لیکن اپنے طور پر وہ کسی مولوی کو تلاش بھی نہیں کر سکتی تھیں جیسے صبح شام انکا بول پر لوت رہی تھیں۔
انہیں خاموش دیکھ کر عائشہ نے شگفتہ غفار سے بات کر ڈالی اور شگفتہ غفار تو سنتے ہی آنکھیں بند نہال رہ گئیں۔
عائشہ اور بلال اختر کے بیچ یہ لوائسٹوری کب شروع ہوئی انہیں کچھ پتا نہیں تھا اور اپنی بے خبری پر وہ بھی طرح حیران تھیں۔

انہوں نے ساجدہ خاتون کو سمجھانے کی بجائے ریاض غفار سے بات کی اور ریاض غفار سنتے ہی ہتھ سے اکڑ گئے سیدھا ساجدہ خاتون کے پاس پہنچ گئے۔
”کیا یہ سچ ہے کہ عائشہ بلال سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اس کے بتا دینے کے باوجود آپ انہیں انکار کرنا چاہ رہی ہیں۔“ ریاض غفار کہتے ہوئے تاثرات پر ساجدہ خاتون بوکھلا کر رہ گئیں۔

”تمہیں کیا یہ سچ ہے یا نہیں“
”نہ نہیں پتا تو ہے اس گھر میں عائشہ کی کیا حالت ہو گئی تھی وہ بلال سے شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ اسے وہاں سے ہٹا رہا ہے“ ساجدہ خاتون بے ساختہ کہہ گئیں۔
”اے میں یقین تھا اب ریاض غفار ان پر چلا میں کہہ کہ وہ اتنا اچھا رشتہ اس وہم کی وجہ سے ٹھکرا رہی ہیں مگر ریاض غفار نے نہ عاڑ کر جو کہا وہ ان کے گمان میں بھی کہیں نہیں تھا۔“
”کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہیں آپ کیا اب بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس گھر میں نہ کوئی آسیب تھا اور نہ ہی عائشہ کی حالت خراب تھی۔“
وہ کمر کی ٹنگ کر اشارے کرتا۔

وہ گویا رات کو اٹھ کر سوئٹ کوارٹس میں جاتا۔
وہ سب کوئی آسیب نہیں کر رہا تھا بلکہ یہ اس بے فیرت کا شوق چل رہا تھا اور حسبہ پکڑی گئی تو اس نے یہ فورا

آپ کے بارغ میں بھر دیا۔

”کیا بات کر رہے ہو ریاض وہ اس کا چہرہ مارنا اس کا خوف نہ رہا اس کا بیٹھے بیٹھے رو کیا وہ سب اس کا عشق تھا۔“

اسے سروٹ کو اڑ نہیں تو میں نے مت بعد میں دیکھا ہے اس کی علامات تو بہت پہلے سے ظاہر ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ”ساجدہ خاتون پر ہی سے بولیں۔“

”گور اگر اس کا عشق چل رہا تھا تو اسے گھر بکوا کر ماں آنے کی کیا ضرورت تھی پڑوس میں رہ کر تو وہ اور گھسلی سے بلال سے مل سکتی تھی ”ریاض غفار ساجدہ خاتون کے بگڑتے ہوئے سہو کو دیکھ کر کچھ خائف سے ہو گئے اس لیے بغیر بحث کیے بھٹاتے ہوئے انداز میں کہتے کمرے سے نکل گئے۔“

”مجھے تو یہ سب اس کا ڈرامہ لگ رہا ہے“ ساجدہ خاتون ان کے پیچھے دروازے کو دیکھتی رہ گئیں وہ اس موقع پر ریاض کا غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد ان سے بات کرنا چاہ رہی تھیں مگر رات میں ایک بار پھر عائشہ ان کے کمرے میں آکر ایسے کھڑی ہو گئی جیسے کوئی اہم بات کہنا چاہ رہی ہو۔

ساجدہ خاتون نے کمرے میں مشغول تھیں اسے دیکھ کر تسبیح روک کر وحشی تو اڑیں بولیں۔

”میں جانتی ہوں تم ریاض کی باتوں سے پریشان ہو ظرمت کرو میں اسے سمجھا لوں گی“

”آپ کو انہیں نہیں صرف خود کو سمجھانے کی ضرورت ہے“ عائشہ کا لب و لہجہ آج کل انہیں بہت عجیب لگنے لگا تھا وہ سوالیہ انداز میں اسے ایسے دیکھنے لگیں جیسے اس کی بات کی وضاحت چاہ رہی ہوں۔

”حلفت بھائی کا کہنا ہے ریاض بھائی غصے میں ضرور ہیں مگر وہ بھی بلال کے ساتھ میری شادی ہو جانے کے حق میں ہیں آپ بس اگر صرف آپ جانیں تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جائے“

”میں کیسے مان جاؤں؟ اپنی حالت یاد ہے تمہیں وہ لوگ تمہیں چار دن بھی برداشت نہیں کریں گے اور تم واپس میکے آکر بیٹھ جاؤ گی“ ساجدہ خاتون کو ایک دم شدید غصہ آ گیا۔

انہیں عائشہ کا اس طرح بے حیائی سے اپنی شادی کے معاملے میں یونانی برا لگ رہا تھا اوپر سے یہ بے جا مطالبہ۔

ان کے غصے ہونے پر عائشہ بھی تھلا کر بولی۔

”کیا کچھ نہیں ہو گا میں بالکل ٹھیک ہوں وہاں جا کر بھی میں ٹھیک سی رہوں گی“

”کہاں ٹھیک ہو تم؟ تمہاری حرکتوں سے لگ رہا ہے کہ تم ٹھیک ہو ایک بھوت سوار ہے تم پر اس شادی کا اور۔“

”میں بلال سے محبت کرتی ہوں آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں“ عائشہ نے جھنجھلا کر ان کی بات کا شادی۔

”شرم کرو عائشہ ایسی باتیں شریف لڑکیوں کو زیب نہیں دیتیں“ ساجدہ خاتون کی برداشت جواب دینے لگی۔

”آپ نے منع کر دیا۔“ لیکن بلال نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا“ وہ شاک میں گھری خود کلامی کے انداز میں بولی۔

”کیا تمہاری بات ہوتی ہے بلال سے“ ساجدہ خاتون نے خشکی سے انہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اپنے

شاہد شاک میں گھرے لہجے میں بولی۔

”ہاں روز رات کو لہجے کے بعد مجھے فون کرتا ہے لیکن اس نے کل تو نہیں بتایا۔ کیا آپ نے آج ہی انکار کیا ہے؟“

”عائشہ عائشہ کچھ تو شرم کرو“ ساجدہ خاتون تب کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ عائشہ پھٹ پڑی۔

”یہ کیا کیا آپ نے۔ جب میں نے بتا دیا تھا کہ میں بلال سے محبت کرتی ہوں تو آپ نے انہیں منع کیوں کر دیا۔“

آپ کو پتا ہے بلال نے انہیں کتنی مشکل سے اس شادی کے لیے راضی کیا تھا ان کے ہاں خاندان سے باہر شادی نہیں ہوتی کتنے جتن کیے ہیں بلال نے انہیں خاندان سے باہر کی لڑکی لانے پر رضامند کرنے کے لیے ”عائشہ پر ایک بھانجی طاری ہو گیا تھا۔“

اس کے نو اترے گرتے آسودہ گھر کر ساجدہ خاتون کو لگا اسے پھر وہ پڑنے والا ہے وہ اسے سنا نے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

”میری بچی۔“ انہوں نے اسے کندھوں سے تھامنا چاہا مگر عائشہ نے بے دردی سے ان سے ہاتھ جھٹک دیئے۔

”مرحمتی آپ کی بچی بند کریں یہ محبت اور ممتا کا ڈرامہ اگر آپ کر میری فکر ہوتی تو آپ کبھی انکار نہ کرتیں آپ نہیں جانتیں آپ کے انکار نے سب ختم کر دیا۔“

بلال کے والدین بہت انا پرست ہیں آپ خود بھی رشتہ کرنا چاہیں گی تو وہ کبھی نہیں مانیں گے اور اگر بلال نے ان کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی کی تو وہ اسے گھر اور جائیداد ہر چیز سے بے دخل کر دیں گے بڑے کھو رہیں اس کے ماں باپ ”عائشہ بری طرح روئے جا رہی تھی ساجدہ خاتون اس کی حالت غیر ہوتی دیکھ کر بوکھلا گئی تھیں۔“

”عائشہ عائشہ ہوش کرو۔ میں نے یہ سب تمہارے بھلے کے لیے کیا ہے اس گھر میں تمہیں۔“

”کچھ نہیں ہے اس گھر میں وہ سب صرف ایک ڈرامہ تھا“ عائشہ بری طرح چیخ کر بولی ساجدہ خاتون بالکل سناٹے میں چلی گئیں پہلے تو انہیں لگا وہ غصے میں کہہ گئی ہے مگر جب — بین کرتے ہوئے مزید کہنے لگی تب وہ دم بخود کھڑی اسے سننے لگیں۔

”وہ سب میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ نہ ہی مجھے کچھ نظر آتا تھا اور نہ میں کسی کے زیر سایہ تھی بلال نے کہا تھا اس کے والد ہمارا گھر خریدنا چاہتے ہیں مگر تمہاری والدہ ہر مار منع کر دیتی ہیں آخر انکل نے ذہن میں پورا نقشہ تیار کر رکھا تھا کہ انہیں ہمارے گھر کو کرا کر اپنے گھر میں کس طرح شامل کرنا ہے پورا ڈراما سن کر اس کی سب کچھ سوچ رکھی تھی مگر آپ تیار ہی نہیں ہوتی تھیں اور وہ اتنے انا پرست تھے کہ وہ چاہتے تھے اب آپ خود گھر بیچنے کی آفر کریں۔ تب بلال نے مجھ سے پوچھا کیا میں آپ کو گھر بیچنے پر رضامند کر سکتی ہوں اگر میں نے ایسا کر دیا تو آخر انکل مجھ سے مت متاثر ہو جائیں گے اور بلال کے لیے غیر خاندان کی لڑکی کے لیے انہیں رضامند کرنا آسان ہو جائے گا۔“

پھر میں نے وہ تمام حرکتیں شروع کیں جس سے آپ کو لگے کہ مجھ پر کوئی سایہ ہو گیا ہے اور میرے لیے کسی اور سرے گھر منتقل ہو جانا ہی بہتر ہے۔

ریاض بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے اس دن جب کھڑکی میں انہوں نے مجھے بات کرتے دیکھا تھا تب میں واقعی بلال سے بات کر رہی تھی بلال انہیں میرے پیچھے موجود دیکھ کر فوراً ”پھت سے ہٹ گیا اس کے سننے پر میں بھی سمجھ گئی کوئی پیچھے آکر اڑا ہوا ہے میں نے اس چورین کو بھی کیش کر لیا اور ریاض بھائی تک کو خوفزدہ کر کے رکھ دیا۔“

اسان ہو جائے گا۔

پھر میں نے وہ تمام حرکتیں شروع کیں جس سے آپ کو لگے کہ مجھ پر کوئی سایہ ہو گیا ہے اور میرے لیے کسی اور سرے گھر منتقل ہو جانا ہی بہتر ہے۔

ریاض بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے اس دن جب کھڑکی میں انہوں نے مجھے بات کرتے دیکھا تھا تب میں واقعی بلال سے بات کر رہی تھی بلال انہیں میرے پیچھے موجود دیکھ کر فوراً ”پھت سے ہٹ گیا اس کے سننے پر میں بھی سمجھ گئی کوئی پیچھے آکر اڑا ہوا ہے میں نے اس چورین کو بھی کیش کر لیا اور ریاض بھائی تک کو خوفزدہ کر کے رکھ دیا۔“

سروٹ کو ارٹری میں واقعی بلال سے ملنے جاتی تھی مگر اس رات آپ وہیں آگئیں آپ نے دروازہ کھولنے کے لیے جیسے ہی ہینڈل کھایا ہم سمجھ گئے کوئی آگیا ہے بلال پیچھے والی کھڑکی سے باہر نکل جانا چاہتے تھے مگر آپ تب تک وہیں پہنچ گئیں تو بلال دروازے سے نکل گئے۔

آپ نے ان کے قدموں کی آہٹ بھی سنی مگر نسیم کے آجانے پر آپ سمجھ نہ سکیں کہ کوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا ہے ویسے بھی آپ کا عقیدہ محبت پرست پر اتنا زیادہ تھا کہ آپ انسانوں پر شک کریں نہ سکیں۔

اور اسی لیے آپ کو یقین ہو گیا کہ مجھ پر کچھ ہے بلال نے ہی اپنی ماسی کو اس پر اکسایا تھا کہ وہ ہماری ماسی سے پوچھے میں کیوں محبت پر کھڑی ہوں آپ سے باتیں کرتی ہوں کیوں ایک دم بے ہوش ہو جاتی ہوں وغیرہ۔

اسے تو خود ایسی باتوں کی بہت کھوج تھی بلال کے ذرا سا ذکر کرنے پر وہ تو خود ہی نہ میں لگ گئی اور اس کی اسی عادت کا قاعدہ اٹھاتے ہوئے بلال نے اس سے ایک سیر سائیں کا ذکر کیا کہ وہ بڑی بڑی کرامات کھا سکتے ہیں مگر ہم انہیں اپنے طور پر ساجدہ خاتون کے پاس بھیجتا اور میرا نام بھی بیچ میں مت کہنے ورنہ خواہواہ شرمندہ ہوں گے کہ ہمیں ان کی بیٹی کی حالت کے بارے میں پتا چل گیا ہے اس ماسی کو بھلا کیا اعتراض ہو تا وہ تو خوشی خوشی ایسے کام کرنے کے لیے راضی ہو جاتی تھی تب اس جعلی پیر نے آگروہی سب کیا جو بلال نے اس سے کہلوا یا۔

”جعلی پیر“ ساجدہ خاتون بے یقینی سے اپنی اولاد کو دیکھ رہی تھیں جسے انہوں نے خود پیدا کر کے پال پوس کے پیدا کیا تھا لیکن آج انہیں لگ رہا تھا یہ تو کوئی اجنبی ہے اور وہ تو اسے جانتی تک نہیں ہیں۔

”جی ہاں! جعلی پیر اس نے آپ کے سامنے منٹوں میں پانی کو برف بنادیا اور آپ حیران رہ گئیں حالانکہ ”جعلی جی“ نام کی ایک بوٹی ہوتی ہے جس کا رس نچوڑ کر اگر پانی میں ڈالا جائے تو پانی کچھ ہی منٹوں میں برف میں تبدیل ہو جاتا ہے۔“

وہ بوٹی صرف پیاز، اور سرسبز علاقوں میں ملتی ہے پتا نہیں کتنی مشکل سے بلال نے حلو کی تھی اور کتنی محنت سے اس شخص کو پریکٹس کرائی تھی کہ وہ اس کا رس ہاتھ پر ایسے لگائے کہ آپ لوگوں کو ذرا بھی شک نہ گزرے اس نے خاص طور پر پان نکال کر اس وقت اسی لیے کھایا تھا۔

اس پیر نے تو جو محنت کی سو کی بلال نے اس انڈے پر تحریر لانے کے لیے جانتی ہیں کیا کیا تھا اس نے ایک اونس پھٹکری میں ایک پوائنٹ سرکہ ملا کر ایک مخلول تیار کیا پھر چائے کی تیلی سے ”سیاں سے دور چلے جاؤ۔“

اس انڈے کے چھلکے پر لکھا اس طرح کے مخلول کے سوکھنے کے بعد جب انڈے کو بالو تو چھلکے پر نکھی تحریر انڈے کی سفیدی پر ظاہر ہوتی ہے جبکہ چھلکے کو دیکھ کر کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا اس پر کچھ لکھا گیا ہے۔

کتنی محنت کی تھی بلال نے یہ ساری باتیں بتا کر کہنے کے لیے اس پیر سامی کی کرامات دیکھتے ہی آپ اس گھر کو بیچنے کا فیصلہ کر لیں اور آخر انکل کی خواہش کے مطابق خود ان سے گھر خریدنے کی گزارش کریں۔

آخر انکل کو جب بلال نے یہ بتایا کہ عائشہ نے آپ کی خواہش کی خاطر اپنی والدہ کو گھر بیچنے کے لیے راضی کر لیا تو وہ مجھ سے کس قدر متاثر ہو گئے تھے انہوں نے ایک بار بھی۔ ظاہر نہیں ہونے والا کہ آپ کی بیٹی کی وجہ سے

ان کا یہ خواب پورا ہوا ہے بلکہ وہ مکمل طور پر انجان بنے رہے۔ لیکن آپ نے سب کی محنت پر پانی پھیر دیا اتنے دنوں کی کوششوں اور جستجو کو ایک ہل میں ختم کر دیا

آخر انکل کو یہ نہیں پتا کہ میں نے کیا کچھ کیا ہے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ تو سمجھ رہے ہیں کہ میں نے صرف آپ کو سمجھایا ہے اب آپ کے انکار کرنے پر وہ کبھی بھی دوبارہ دست سوال نہیں پھیلا میں گے ان کے

خاندان میں لڑکیوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے وہ تو۔ ”عائشہ پر نفسیاتی دورہ پڑ گیا تھا وہ بین الاشاپ بولے جا رہی تھی وہ سانس لینے کے لیے بھی نہیں رک رہی تھی۔“

ساجدہ خاتون بت بنی اسے دیکھ رہی تھیں بار بار وہ انہیں جتا رہی تھی کہ اس نے کتنی محنت کی تھی۔
ایک بار بھی اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس نے انہیں کتنی تکلیف دی انہیں ذہنی جذباتی اور جسمانی
سے اذیت میں مبتلا رکھان کی راتوں کی نیند ان کی بھوک پیاس سب از گئی تھی وہ ہر وقت عبادت میں مشغول
اس پر دم کیے جاتے۔
اور سب سے بڑھ کر اس گھر کو بچنے کا فیصلہ انہوں نے کس دل سے کیا تھا یہ صرف وہی جانتی تھیں
چھوڑنے سے ایک رات پہلے اپنے کمرے کی دیوار سے لپٹ کر باقاعدہ دوڑی تھیں ان کے شوہر مرحوم نے
شوق اور چاؤ سے اس گھر کو خرید لیا تھا انہوں نے اپنا زیور تک بیچ دیا تھا اس گھر کو ملنے میں اس گھر کی بنیادوں
امان اور چاؤ پر لگی تھیں یہ صرف وہ جانتی تھیں یا ان کا رب۔
اس لیے اس وقت ان کے دھوکہ کی انتہا بھی صرف وہی سمجھ سکتی تھیں یا ان کا رب۔
عائشہ تو انجان بنی اپنے دل کا غبار ہٹا کر رہی تھی اور نہ جانے کب تک کرتی رہتی کہ ساجدہ خاتون لہرا کر
کر پڑیں تو وہ چونک کر ان کی طرف لپکی گھر تب تک ہوش و خرد سے بے گانہ ہو چکی تھیں۔



چھوٹا سا کوئی کھلونا یا کالج ایک گلاس بھی اگر ٹوٹتا ہے تو آواز ہوتی ہے چار لوگ سنتے ہیں۔ لیکن ایک پورے
پورا انسان ٹوٹ جائے اس کی ہستی کا سارا غور کرچی کرچی ہو جائے مگر کسی کو بتا تک نہیں چلتا۔ ساجدہ خاتون
بالکل ایسے ہی تھیں جیسے سب ختم ہو گیا ہو۔
انہیں کسی طور یقین نہیں آتا تھا ان کی اپنی بیٹی ان کی اپنی اولاد ان کے اپنے خون نے ان کے ساتھ
دھوکا کیا تھا۔
بلال کے والد کو خوش کر کے ان کی نظموں میں عقیم بنے کے لیے اس نے اپنی ماں کو اتنے دنوں تک سلا
ونکائے رکھا اور ان کی اس گھر سے دلی وابستگی جانتے ہوئے بھی اسے بکوا دیا۔
اگر بلال اس سے محبت کرتا تھا تو اسے چاہیے تھا وہ اپنے والدین کو آہستہ آہستہ عائشہ کے لیے راضی کرے
ساجدہ خاتون کو بے وقوف بنا کر ان کے جذبات سے کھیل کر ان کے شوہر کی یادوں کو چھین کر اپنی محبت کے لیے
ہمواری کی تو یہ تو سراسر خود غرضی پر مبنی ایک سازش ہوئی۔
مگر وہ بلال کو کیا الزام دیتی جسب اپنا ہی سکھ کھاتا ہو۔
انہیں ہارٹ انیک ہوا تھا اور وہ دن آئی سی یو میں رہی تھیں پھر کہیں جا کر وہ نارمل روم میں شفٹ ہو
چکی۔

آنکھ کھلنے پر جب انہوں نے کچھ کھانا چاہا تو ریاض غفار ان کے قریب چلے آئے اور انہیں روک دیا۔
”کچھ مت کھیں میں سب جانتا ہوں شگفتہ نے آپ کے اور عائشہ کے مابین ہوئی ساری گفتگو سن لی تھی
تو چاہتا ہے عائشہ کا کھانا کھوٹے۔“ ساجدہ خاتون کے چہرے پر کرب پھلتے دیکھ کر ریاض غفار نے بات اوجھڑا
چھوڑ دی۔
”عائشہ آپ سے ملنا چاہ رہی تھی مگر میں نے صاف منع کر دیا اسے بلال سے پتا چل گیا ہے کہ آپ نے
سے انکار نہیں کیا ہے شاید اسی لیے تھوڑی سی شرمندہ ہے یا پھر شرمندگی کی ایک تنگ کر رہی ہے مجھے تو اب اس
بھروسہ ہی نہیں ہے“ ریاض غفار سخت برہم تھے۔

مگر صاحب اور ان کی بیوی کو میرے پاس بلاؤ“ ساجدہ خاتون نے نجف میں تو انہیں کہا۔
”آپ کو کچھ نہیں آئے تھے آپ ہوش میں نہیں تھیں“ ریاض غفار بولے۔
”نہیں“ اپنے نہیں انہیں بلاؤ میں عائشہ کا نکاح کر کے اسے ابھی رخصت کر دیتا چاہتی ہوں۔“ ساجدہ خاتون کی
ریاض غفار چونک گئے۔

بلال کی اپنی لفظی ہے جو کیا ہے عائشہ نے کیا ہے اور مجھے اب اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔“ ساجدہ خاتون
میں نے برسوں کی محنت کی۔
میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا اس کی فوراً شادی کر دینی چاہیے جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے بعد اس سے کسی
بی بی کی امید کی جاسکتی ہے وہ عزت سے اپنے گھر کی ہو جائے تاکہ ہماری جان چھوٹے۔
مگر میں بلال سے اس کی شادی نہیں ہونے دوں گا ایسے تو اسے کوئی دکھ ہی نہیں ہو گا وہ چاہ رہی ہے اسے مل
دے“ ریاض غفار سخت تالاں تھے۔

”یہی فرق ہوتا ہے اولاد میں اور ماں باپ میں۔ اس نے میرے ساتھ جو بھی کیا میں تب بھی یہ نہیں چاہوں گی
ایسے کوئی تکلیف پہنچو جو چاہتی ہے اسے مل جائے۔
وہ بھی وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو کسی کے ساتھ بھی رخصت ہو کر چل پڑے اس کی شادی بلال سے ہو سکتی ہے
بے حد میں بہتر ہے اور جتنی جلدی ہو جائے میں بہتر ہے“ ساجدہ خاتون بہت دل برداشتہ لگ رہی تھیں۔
ریاض غفار ان کی بات پر خاموش ہو گئے وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں کیا قائد تھا خود کا تماشا بنانے کا۔ ابھی
بلال سے نکاح کر کے اسے بلال کے ساتھ رخصت کر دینے میں کسی کو احساس بھی نہیں ہو گا کہ ان کی بیٹی نے
انہیں کس طرح اذیاء پہنچائی ہے سب یہی سمجھیں گے کہ ساجدہ خاتون نے اپنی بیماری سے گھر اکرن باپ کی بیٹی
کو فوراً رخصت کر دیا اپنا بھرم بھی رہ جاتا اب ایک ایک کو پکڑ کر تو عائشہ کی حرکتیں نہیں بتائی جاسکتی تھیں۔



عائشہ نے جو چاہا وہ اسے مل گیا بلال کو پکار کر وہ بہت خوش تھی بس ایک افسوس تھا کہ اس کی ماں اس سے ناراض
ہو گئی تھی مگر اسے پتا تھا والدین زیادہ دیر اولاد سے روٹھ نہیں سکتے وقت گزرنے کے ساتھ وہ خود ہی مان جائیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

- ☆ تئلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 225 روپے
- ☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
- ☆ محبت بیاں نہیں لبنی جدون قیمت: 250 روپے

شعبہ ادبیات، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن شریف کی آیات اور احادیث کو سلی سلی نہ پڑھیں، آپ کی وحی و کلمات میں انسانی اور تخلیق کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔
ان کو سلی سلی نہ پڑھیں۔ بلکہ ان کو صفحہ پر یہ آیات دیکھیں کہ ان کو کبھی اسلامی طریقے کے مطابق نہ پڑھیں۔

تخلیق پر معافی مل جاتی ہے عائد لیکن سوچے سمجھے منصوبے پر بھلا کیا معافی ملے گی اور پھر جو انسان سزا نہیں
سکتا اس کی معافی بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔
قرآن ایک مکان کو حاصل کرنے کے لیے ایک انسان کا اور خاص طور پر ایک ماں کا دل دکھایا ہے، ہمیں اس
مکان میں کبھی سکون نہیں ملے گا تاہم جو تک کر ساجدہ خاتون کو دیکھنے لگی۔
ہمیں نہیں بددعا نہیں دے رہی لیکن میرا دل کہہ رہا ہے ہمیں ایک دن اس تکلیف کا احساس ضرور ہوگا
جو ہم نے مجھے پہنچائی ہے حالانکہ میری دعا ہے ہمیں کبھی اس عذاب سے نہ گزرنا پڑے جس سے میں گزری
ہوں۔

نوان بیٹی کے اوپر آسیب کا سایہ ہوتا یا اس کا زہنی مریض ہونا ایک ماں کے لیے کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے یہ
میری بیٹی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ سب جھیلنا ہو "ساجدہ خاتون بولتے بولتے تھک گئیں تو انہوں نے اپنا شروع
کر دیا گفتہ غفار نے فوراً آگے بڑھ کر اپنی کاگلاس ان کے منہ سے لگا دیا آخر صاحب کی بیوی کے کمرے میں
انہوں نے پر وہ سلسلہ کلام وہیں ختم کیا ویسے بھی عائشہ کے پاس بولنے کے لیے بچا ہی کیا تھا وہ خاموشی سے کمرے
سے نکل گئی۔



ساجدہ خاتون کے انتقال کا عائشہ کو بہت دکھ ہوا تھا وہ تو یہ سوچے بیٹھی تھی کہ کچھ مہینوں کی بات ہے مجھ کو ساجدہ
خاتون کو منالے کی مگر اب تو اس کا بیٹا ہی ختم ہو گیا تھا۔
ریاض غفار اس کی شکل تک نہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور پھر گفتہ غفار بھی ایسی بھانج نہیں تھیں جو وہ دیکھ
ہوئے افراد کے بیچ صفائی کرا تھیں وہ تو بالکل ہی بے نیاز ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔
بلال آخر بہت اچھے ثابت ہوئے تھے لیکن جیسا کہ بلال نے بتایا تھا کہ اس کے والدین بڑے انا پرست اور
قدرے ضدی ہیں تو وہ دونوں واقعی اس کے لیے بڑی نیرنگی کھیر ثابت ہوئے تھے۔
انہیں ہر بات پر سوال اور ہر بات پر اعتراض کرنے کی عادت تھی اس کے برعکس عائشہ کسی قسم کی وضاحت
اور صفائی دینے کے بالکل عادی نہیں تھیں وہ جلد ہی اس ماحول میں گھبرانے لگی اور ایک دن تو وہ گویا سن ہو کر رہ گئی
جب اس کی ساس نے کھانا کھاتے وقت اچانک اس سے پوچھا۔
"عائشہ میں نے سنا ہے تم پر شادی سے پہلے کسی آسیب کا سایہ تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟"

(باقی ان شاء اللہ آگے)

لیکن اسے امید نہیں تھی وقت اسے اس طرح دغا دے جائے گا
ساجدہ خاتون نے اگلے ہی دن ہسپتال میں ہی اس کا نکاح کر کے اسے بلال کے ساتھ رخصت کر دیا
صاحب اور ان کی بیوی کی شدید خواہش تھی کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی روایتی و محو حواس سے ہو
نازک حالت کے پیش نظر خاموش رہے انہوں نے یہی سوچا ساجدہ خاتون اس وقت بیماری کے باعث
ہو رہی ہیں ان کے ٹھیک ہونے کے بعد وہ شائد اریزہ کر لیں گے۔

مگر ایک پلاننگ انسان کر رہا ہوتا ہے اور ایک پلاننگ اللہ تعالیٰ کر رہا ہوتا ہے نکاح کے تیسرے دن
طبیعت پھر خراب ہو گئی اور پھر وہ تین دن لنگی ہو گئیں وہ کمریش کے لیے اس دار فانی سے چلی گئیں۔
عائشہ جو کہ اب عائشہ اختر ہو چکی تھی ان کی موت پر شدید رونا مچی اسے پتا تھا اس کی حرکت سے
ہو گا لیکن وہ یہ دیکھ برداشت ہی نہیں کر پا گئیں کہ یہ تو اسے امید ہی نہیں تھی وہ تو ان سے ڈھنگ سے
نہیں مانگ سکی تھی ریاض غفار نے اسے اکیلے میں ان سے بات ہی نہیں کہنے دی تھی بس نکاح کے بعد
صاحب ان کی بیوی اور ان کے بڑے بھائی بھابھی کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے ریاض غفار باتوں میں
ہو گئے تھے گفتہ غفار بھی باہر کو ریڈور میں ان کے ساتھ کھڑی تھیں تب عائشہ ساجدہ خاتون کو اکھٹا پا کر
پاس چلی آئی تھی۔

"میں مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے" ساجدہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا لیکن
سانے دیوار کو دیکھتی رہیں۔

"میں پلیر مجھ سے ناراض مت ہوں میں" عائشہ کچھ کہہ رہی تھی کہ گفتہ غفار کمرے میں آئیں۔
"تم پھر امی کو پریشان کرنے آگئیں تمہیں منع کیا ہے نا انہیں ڈسٹرب مت کرو۔"

"بھابھی آپ ہم دونوں کے بیچ مت آئیں میں اپنی ماں سے بات کر رہی ہوں آپ کمرے سے باہر چلی جائیں
عائشہ بڑی بدتمیزی سے بولی اس سے پہلے کہ گفتہ غفار کچھ بولیں ساجدہ خاتون بیماری کے باوجود بڑے
میں بولیں۔

"زبان سنجال کر بات کرو عائشہ تمہاری ماں نہیں ہے جس کے ساتھ تم کچھ بھی کر لو گی اور وہ پلٹ کر
کچھ نہیں کہے اگر گفتہ بولنے پر آگئی تو نئی نئی سسرال میں دو منٹ میں عزت اتر جائے گی" گفتہ غفار
سانے ساجدہ خاتون کا اس طرح ٹوکنا عائشہ کو سسلا گیا وہ ایک دم تنگ کر دی۔

"میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے میری عزت اتر جائے ہاں آپ کا دل ضرور دکھایا ہے تو اس کی
مانگتے لگی ہوں۔"

"معافی تم اس حرکت کی مانگ رہی ہو جس پر تم ذرا بھی شرمندہ نہیں ہو۔ خالی خالی الفاظ ادا کرنے سے
کبھی نہیں ملتی اور پھر جس نقصان کا تم ازالہ نہیں کر سکتیں اس پر معافی مانگتے سے کیا ہوگا۔

جب میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے تو صرف "معاف کیا" کہہ دینے سے کیا تمہیں معافی مل
جائے گی؟ ساجدہ خاتون کتنی چلی گئیں عائشہ گفتہ غفار کے سامنے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی
خاموشی سے لب کٹنے لگی وہ نہیں چاہتی تھی ساجدہ خاتون اسے گفتہ غفار کے سامنے ذلیل کریں ساجدہ خاتون
ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا لیکن اسے سر جھکائے کھڑا دیکھ کر انہیں اسے کہنے کے پر پھٹتا ہوا ہونے لگا۔

آخر میں جس نے فوراً "جی ہاں" کے لیے دل پہنچ گیا ناراضی اپنی جگہ ٹھہرا اس کا اترا ہوا چہرہ برداشت نہیں کر سکتی
تھیں تب ہی اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

نورزیہ یاسمین



نورزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خال شاکستہ کی مدد نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر نورزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحول سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چمت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خال کی رہن کو بلائے اور دونوں کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگوبیلہ، سکیل اور نعل کو یونیورسٹی میں انٹریشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نعل ان دونوں کو پیلس میں لٹکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم نوکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نورزیہ اپنی خال سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔

دونوں واپس جانے کے لیے سڑکیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں ڈھکی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

پتیلیوں قنطرب



"جی۔ جی۔ عائشہ آخر کی سمجھ میں نہ گیا اس عجیب و غریب سوال کا کیا جواب دے وہ ہنسی اپنی سانس دیکھتی رہی جن کی نظریں اسے اپنے جسم کے آہار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔
"کچھ بولتی کیوں نہیں تم پر کوئی سلیہ تھا اور تمہارے گھر والوں نے ہمیں بتایا تک نہیں۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے یہ سب آپ سے کس نے کہا۔" عائشہ آخر نے ایک دم تنک کر کہا تو وہ بھی ہلکے میں آگئیں۔

"جھوٹ مت بولو تم پر کوئی اثر تھا اور تمہارا وہ حافی علان بھی ہوتا تھا بلکہ مجھے تو لگتا ہے تمہاری والدہ اسی لیے اچانک گھر پہنچنے پر راضی ہو گئیں ورنہ ہم نے کتنی بار آفری تھی وہ ہر بار مسترد کرتی تھیں پھر ایک دم انہیں گھر پہنچنے کا خیال کیوں آگیا وہ بھی اتنی جلدی میں؟" ان کا لبہ لہجہ دیکھ کر عائشہ بھی ہنسنے لگی۔
"میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہی مجھ پر کوئی اثر نہیں تھا۔" وہ ان کے گھر پہنچنے والی بات گول کر گئی تو انہیں بھی ہنسنے لگ گئے۔

"اثر نہیں تھا ہونہ مجھے تو لگتا ہے ابھی بھی تم پر کسی کا سایہ ہے جب ہی تو بات کرنے کی تیز نہیں ہے۔"
"میں نے کون سی بد تمیزی کی ہے اور آپ بتائی کیوں نہیں یہ ساری باتیں آپ سے کس نے کی ہے۔"
"بلال نے خود مجھے بتایا ہے کہ تم پر کوئی اثر تھا۔" وہ آنکھیں چمکاتے ہوئے بولیں تو عائشہ آخر ششدر رہ گئی۔
بالکل خاموش ہو گئی اور اس کی سانس اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھتے ہوئے بڑھانے لگیں۔
"حد ہوئی ہے دھوکے بازی کی" اتنی بڑی بات بھی کوئی چھپاتا ہے بھلا۔" وہ تو کھانا کھا کر اٹھ کر چلی گئیں جبکہ عائشہ آخر کے لیے نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا۔

وہ بے چینی سے شام کا انتظار کرنے لگی کہ کب بلال آخر آئیں اور وہ ان سے پوچھے کہ انہوں نے اپنی ماں سے یہ سب کیوں کہا۔

شام کو جب بلال آخر گھر آئے تو خلاف معمول عائشہ آخر بڑے سادہ سے حلیے میں تھیں ورنہ عموماً وہ شام کو بڑے اہتمام سے تیار ہو کر بلال آخر کا انتظار کرتی تھی کہ وہ آتے ہی اس کی تعریف میں قصیدہ گو ہو جائیں مگر اس وقت تو اس کے چہرے پر پھیلی غلغلہ دیکھ کر بلال آخر چونک گئے۔

"کیا بات ہے یہ آج ہمارا چاند مائل کیوں ہو گیا ہے؟" بلال آخر نے خواہوا کی شامی کرنے کی کوشش کی۔
"آپ نے اپنی ماں سے یہ کیوں کہا کہ مجھ پر کوئی سایہ تھا۔" عائشہ آخر میں اتنا صبر نہیں تھا کہ وہ بات کو کھاتی اس نے سیدھا ہی پوچھ لیا تو بلال آخر حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"میں نے آپ کی خاطر کیا نہیں کیا۔ اتنی اداکاری کرنا بھی اپنے گھر والوں کے سامنے کہ گھر گھر نہ رہا سچ ڈرامہ بن جائے کس قدر کٹھن ہے آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

میری ماں کو کتنا بڑا شاک پہنچا ہے میری وجہ سے کہ وہ اس دنیا سے چلی گئیں میرے بھائی بھابھی نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا اور آپ نے یہ صلہ دیا مجھے میری اتنی قربانیوں کا؟" عائشہ آخر کی تواضعیں آنسو بول رہے تھے۔
"میں نے ایسا کیا کر دیا جو تم مجھے یہ سب گوانے بیٹھ گئیں؟" بلال آخر بالکل ہنسنے لگے۔

"آپ نے اپنی والدہ کو بتایا ہے کہ مجھ پر کوئی سلیہ تھا اور میرا وہ حافی علان ہوتا تھا یہ سب میں نے آپ کے لیے کیا اور آپ نے ہی مجھے سسرال میں سب کی نظروں میں دو کوڑی کا کر دیا۔" عائشہ آخر شاک کی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو مجھے کیا ضرورت ہے یہ سب اماں کو بتانے کی۔ کیا مجھے نہیں پتا ان کا مزاج کیسا ہے۔ انہیں تو اگر تنک بھی پڑ گئی کہ تم پر کوئی سلیہ تھا چاہے وہ حقیقت تھی یا نہ اقدار تمہیں اپنے بیٹے سے چنی کوئی چیز ملے گی۔"

ی سمجھنے لگیں کہ جب تک وہ خود ہو سکیں ان کی نظریں سانس ایک چیز تھی اور جب سانس ہی ان کی نظریں ہر سو ایک چیز ہوتی ہے۔ "بلال آخر اپنی بات پر خود ہی ہنس دیے۔
عائشہ آخر کو ان کا اپنی ماں کے متعلق اس طرح بھڑکنا بڑا اچھا لگا اس کا مؤثر قدمے خوشگوار ہو گیا مگر ناراضی بہ ستر باقی تھی چنانچہ غصے بھرے انداز میں کہنے لگی۔
"تو پھر اماں کو یہ سب کس نے بتایا یہ بات آپ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔" بلال آخر کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

"ہماری ماسی جانتی تھی جس کے ذریعے میں نے جی رہا ہوں کہ تمہارے گھر بھیجا تھا۔" عائشہ آخر ایک دم چونک گئیں۔
"تو کام چھوڑ کر جا چکی ہے بلکہ آپ نے تو اس کا انتخاب ہی اسی لیے کیا تھا کہ وہ جانے والی ہے۔"

"ہاں میں نے اس معاملے میں بڑی احتیاط برتی تھی اسے اپنے مقصد میں استعمال کرتے وقت بھی میں نے اسے راز میں شامل نہیں کیا بلکہ اس کے سامنے تمہارا ذکر اس طرح کیا کہ وہ خود ہی محکوک ہو کر تمہاری کھوج میں لگ جائے اور اس پر سانس کے متعلق بھی اسے ہی بتایا تھا کہ وہ فوراً تمہاری ماسی کو بتادے ایسا کرنے سے اس کی اپنی مرادیں پوری ہو جائیں گی بشرطیکہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے اور اس نے کیا بھی نہیں۔ تم لوگوں کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنی بیٹی کی شادی کرنے اپنے گاؤں لوٹ گئی۔ لیکن کچھ دن پہلے ہی تو اماں نے بتایا تھا کہ وہ واپس لوٹ آئی ہے اس کی بیٹی کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی اور پوری برادری میں اس کی ناک کٹ گئی۔ لہذا وہ واپس شہر آگئی ہے گاؤں میں وہ لوگوں کے طعنے سننے سے بہتر ہے گھر آکر کام کر لیں۔" بلال آخر کی بات پر عائشہ آخر پریشان ہو کر بولی۔

"تو کیا اماں نے اسے واپس کام پر رکھ لیا۔"
"نہیں۔۔۔ یہی تو اماں بتا رہی تھیں کہ اس کی جگہ جو وہ سری ماسی دیکھی ہے جب وہ اچھا کام کر رہی ہے تو اسے ہٹا کر کسی اور کو رکھنا ٹھیک نہیں۔ میں خود کہیں چاہ رہا تھا کہ وہ واپس آئے میں نے بھی ان کی بات کی حمایت کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ پہلے تو بڑے شوق سے گاؤں واپس جا رہی تھی کہ فیصلوں میں رہتے رہتے تھک گئی انہوں میں رہوں گی۔

انہوں کے پاس سے وہ دن میں بھاگ آئی ہے اب کل کو اس کی بیٹی واپس آگئی تو وہ پھر لوٹ جائے گی۔ لیکن مجھے لگتا ہے وہ اماں کے پاس دوبارہ بات کرنے آئی ہوگی اماں کی بھی تو عادت ہے ہر ایک سے گھنٹوں گپ ہانپنے کی انہوں نے میری شادی کا ذکر کیا ہو گا اور اس نے آگے سے ساری روداد سنائی ہوگی۔" بلال آخر اندازے نہیں لگا رہے تھے بلکہ حقیقت بیان کر رہے تھے اس کے علاوہ اور کوئی بات ممکن ہی نہیں تھی۔ عائشہ آخر فکر سے انہیں دیکھنے لگی۔

"اب کیا ہو گا وہ تو اماں کو سب کچھ بتادے گی۔"
"بتادے گی نہیں پتا چکی ہوگی یہ تو میں آؤں سے سیدھا تمہارے پاس آگیا ہوں ورنہ اماں کے پاس جاتا تو وہی ساری تفصیل سناتیں۔" بلال آخر بہتر دور از ہوتے ہوئے بولے۔

"تو۔۔۔ تو آپ ابھی اور اسی وقت ان کے پاس جائیں اور بتا کریں اس مصیبت ماری ماسی نے انہیں کیا کیا بتایا ہے۔" عائشہ آخر ان کے سر پر آگھڑی ہوئی۔

"اس ماسی نے تو اپنی طرف سے بھی جانے کیا کچھ کہہ دیا ہو گا ابھی تو بالکل مؤثر نہیں ہے کوئی بے سحر کی کہانی سننے کا۔" بلال آخر نے حافی لیتے ہوئے کاہلی سے کہا۔

"بلال میں ملتی بریشتن ہوں اور آپ کو موڑی پڑی ہے فوراً" خیس اور جائیں بلال کے پاس "عائشہ نے بری طرح ان کا کندھا جھنجھوڑا لاوا نہیں آتھی ہی۔

اور پھر واقعی ان کی توقع کے مطابق ماسی نے مت کچھ اپنے پاس سے جمع کر کے اسی کو ایک فرضی کہانی سنائی تھی جس پر اسی آنکھ بند کر کے ایمان لے لگی تھیں بلال اختر نے جب انہیں سمجھایا تھا تو ان ہی پر بجز کسی بھی چیز کے انہیں پتا تھا اس کی حالت کے بارے میں پھر بھی تم نے اس سے شادی کر لی اور اسے خیس نہیں پتا ہے۔

آسیب زندگی بھر عورت پر سوار رہتے ہیں ابھی شادی کو لیا دعوت نہیں ہوئے ہیں اس لیے خیس انہیں نہیں دیکھتا آہستہ آہستہ خیس اس کی حالت کا پتا چلے گا پھر خیس پہنچتا ہو گا اس آسپ زندہ کو گھر میں لانے پر ساری عورتوں کے ساتھ بڑی جاہلیاں لگی ہوتی ہیں اب دیکھو ہمارے گھر میں کون کون سی مشکلیں آئی ہیں۔" بلال نے بری طرح بریشتن نہیں۔

بلال اختر بھی فکر مند ہو گئے وہ اپنے دام میں خود ہی پھنس گئے تھے۔ انہوں نے ہی تو کہا تھا عائشہ اختر سے بھوت پریت، آسیب، نو خیس، پڑیلیں یہ سارے جو ہم ایسے ہوتے ہیں کہ ایک بار کسی کے ذہن سے چٹ جائیں تو پھر وہ معمولی سی تکلیف کو بھی اسی سے وابستہ کر دیتے ہیں۔

اور آج ان کی اپنی امان کی بیوی کی جانب سے ایسے ہی وہم میں جتا ہو گئی تھیں کہ بلال اختر کو انہیں مطمئن کرنا ناممکن لگ رہا تھا تو اگر کچھ بھی بتا دیتے تب بھی وہ یہی کہتیں کہ واقعی عائشہ اختر پر کوئی آسیب تھا اس نے کوئی ڈرامہ نہیں کیا بلکہ اصل کیس کھلا ہے۔

ایک طرف بلال کو یہ خوف ہٹاتی رہی کہ میں اپنی ماں کو بے وقوف بناتی رہی ہوں اور دوسری طرف اس کو یہ خوف ہٹاتی رہی کہ گھر یک جائے تو سب سننے کے بعد ہی کہیں گی۔

یہ بے وقوفی ہی مکار اور چالاک عورت ہے جس پر آسیب کا سایہ بھی ہے تب ہی تو بھائی بھائی نے شادی کے بعد سے کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ وہ خوفزدہ ہو کر اس سے جان چھڑائے بیٹھے ہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے ایک ایسی لڑکی کو گھر میں رکھنے کی۔ تم بھی اس سے بھٹکار پا لو اس سے پہلے کہ اس کی نخوت ہمارے گھر کے سکون و چین کو تباہ کر دے جو میوہ فیوہ۔

اور واقعی آنسو والے دلوں میں ان کے تمام خدشات بالکل درست ثابت ہوئے۔ اسی اٹھتے بیٹھے ہر وقت عائشہ اختر کے طور طریقوں پر غور کیے جاتے عائشہ اختر کو ذرا سی چھینک بھی آجاتی یا دن بھر کی مصروفیت میں ذرا بھی کسی کام کو تاخیر ہو جاتی وہ فوراً "بین شروع کر دیتیں۔"

"ضرور اس آسیب کا ہاتھ ہو گا عائشہ کا اپنے لوہے کوئی اختیار توڑی ہے جو وہ آسیب چاہے گا عائشہ ہی کرے گی اللہ بچائے ایسے لوگوں سے" کھانے میں نمک ذرا بھی کھیا زیادہ ہو جاتا انہیں فوراً "فکر لاحق ہو جاتی۔"

"ضرور اس آسیب کو ایسے کھانے پسند ہوں گے تب ہی وہ عائشہ سے ایسے کھانے پکواتا ہے" ایک ہفتے میں ہی عائشہ اختر اس صورت حال پر بری طرح رہا ہسی ہو گئی۔

"بلال میں پاگل ہو جاؤں گی آپ کچھ کہتے کیوں نہیں اپنی ماں سے۔"

"کتنی بار تو کہہ چکا ہوں ماسی نے بھوت بولا تھا ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر تو مان چکی ہیں کہ تم پر سایہ ہے تم ان کی باتوں پر دھیان نہ دیا چھوڑو۔"

"کیسے چھوڑوں جو میں کہنے کی کھنگو کرتی ہیں" عائشہ اختر جھنجھلا کر بولی تو بلال اختر بھی موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگے۔

"ارے دفعہ کر دیکھو میں نے ایک ست اچھا آرکٹیکٹ بنا دیا ہے اس گھر کا پورا نقشہ ہی چھینج کر دے گا۔"

بلال اختر نے بڑے خوش کے عالم میں ایک مدلل کیا ہوا بڑا سا کاغذ کھول کر عائشہ اختر کے سامنے بچھا دیا۔ وہ نقشے کی مائٹوں پر انگلی رکھ کر اسے گھر کی ساری تبدیلیاں سمجھانے لگے جسے سننے کے بعد عائشہ اختر گم سم سے انداز میں بولی۔

"اس طرح میرے ابا کا بنایا گھر تو پورے کا پورا گر جائے گا۔"

"ارے کہاں بھی سارا گھر ویسے کا ویسا ہی رہے گا ہاں کچھ کمرے توڑنے پڑیں گے اب اس گھر کو اس گھر سے بنانا ہے تو اتنا تو کرنا پڑے گا اور نہ یہ وہ الگ گھر نکلیں گے اور دونوں ہی گھروں کی خوب صورتی ختم ہو جائے گی۔"

بلال اختر نے رسائی سے کہا تو عائشہ اختر بولی کچھ نہیں مگر اس کے چہرے سے لگ رہا تھا اس سے مشتاق نہیں تب بلال اختر اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور عائشہ اختر کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

"ادھر آؤ۔" عائشہ اختر کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے مگر عائشہ اختر کسل مندی سے بستر پر بیٹھی رہی۔

"کیا بات ہے۔ میں بیٹھے بیٹھے بتا دیں نا۔"

"تم تو سہی۔" بلال اختر نے اسے اٹھا کر ہی دم لیا اور ست روی سے چلتی عائشہ اختر کو کھڑکی میں لے آئے جو کمرے کے پچھلے حصے کی جانب کھلتی تھی۔

"میں نے آرکٹیکٹ کو صاف بتا دیا ہے کہ لائن سے بنے ان سرونٹ کو ارنڈز کو ہرگز ہاتھ مت لگانا پورے گھر کی از سر نو تعمیر ہوگی مگر یہ ایسے کے ایسے رہیں گے جتنی ہو سکیں؟" عائشہ اختر سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"کیونکہ ان سرونٹ کو ارنڈز سے ہی ہماری محبت شروع ہوئی تھی۔"

یاد ہے خیس جب تم پہلی دفعہ مجھ سے ملنے آئی تھیں تو تم کتنی ڈری ہوئی تھیں جیسے میں کوئی لفظ بد معاش ہوں پھر آہستہ آہستہ تمہارا ڈر نکل گیا پھر تو تم کہنے آرام سے مجھ سے یہاں بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھیں۔ "بلال اختر عائشہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہنے لگے۔

جبکہ عائشہ اختر کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھومتے لگا جب ساجدہ خاتون اس کے پیچھے اس سرونٹ کو ارنڈز میں آئی تھیں۔ کس قدر پریشان ہو گئی تھیں وہ آدمی رات کو عائشہ کو اس طرح سرونٹ کو ارنڈز میں دیکھ کر۔

"میری محبت کی سچائی کو مانتی ہوتا میں نے اتنی رات گئے خیس وہاں بلایا مگر کبھی تمہارے اعتماد کو خیس نہیں پہنچائی بلال اختر خوشی خوشی بولے لیکن عائشہ اختر کا ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

بلال اختر نے اس کے اعتماد کو خیس نہیں پہنچائی مگر اس نے تو ساجدہ خاتون کے اعتماد کو مٹی میں ملا دیا۔ کیا فائدہ تھا اس نام نہاد پاکیزگی کا جبکہ اپنی ماں اور بھائی بھائی کی نظروں میں ہی محترم نہیں رہی۔

"میں ان سرونٹ کو ارنڈز کو ختم کر کے اپنی خیس یا دلوں کو خیس مٹا سکتا۔" بلال اختر عائشہ اختر کا ہاتھ دباتے ہوئے بڑے جذب سے بولے تو عائشہ اختر نے بے اختیار اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

اس کے لیے اس سرونٹ کو ارنڈز سے وابستہ ایک واقعہ ان ساری یادوں کا حسن چھین چکا تھا۔ مگر اسے ضمیر کی یہ ملامت کچھ خاص اچھی نہیں لگی تھی اپنا دھیان دھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے بلال لیکن میرے لیے اس وقت سب سے اہم آپ کی والدہ کا وہ یہ ہے میں بہت بڑے ذہنی کرب سے گزر رہی ہوں ان کی باتیں مجھے ہر وقت تار جھرتی ہیں۔ آپ کی محبت یہ ساری یادیں میرے لیے ثانوی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں بس مجھ پر ایک ہی دھن سوار ہے کسی طرح آپ کی والدہ مجھے آسیب نہ سمجھ چھوڑیں۔" بلال اختر خاموشی سے عائشہ کو دیکھتے گئے جو قفل سے بالکل غافل لگ رہی تھی۔

عائشہ اختر کی خواہش کا پورا ہونا بلال اختر کو نہایت مشکل لگ رہا تھا اپنی ماں کو وہ جانتے تھے ان کے خلاف ہے۔

کسی وہم کو نکالنا آسان نہیں تھا لہذا وہ اس معاملے میں خاموش رہنے کو ہی ترجیح دے رہے تھے۔
 مگر کچھ دن بعد جو اسے دیکھنے کے بعد بلال اختر کے لیے خاموش رہنا ناممکن ہو گیا اس نے بالکل حد کھادی
 عائشہ اختر کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے جب سامنے آئی تو پورے گھر میں ایک خوف
 کی لہر دوڑ گئی مگر اس تب بھی طنز کا شہر طمانے سے باز نہ آئیں۔
 ”اتنی خوشی منانے سے پہلے یہ تو ہمارا کوئی بچہ تمہارا ہی ہے کہیں یہ اس آسیب کا تو نہیں۔“ خوشی سے پھوٹے
 نہاتے بلال اختر بالکل ٹھک گئے۔

اس موقع پر تو ابابو بھی سانپ سو گئے کیا عائشہ اختر جو ایک کونے میں کھڑی تھی ہنسنے لگی۔
 اتنی بڑی بات

اتنا بڑا الزام
 اتنی بدگمانی

عائشہ اختر کی حالت تو ایسے ہو گئی تھی جیسے کانٹا پھن میں لپس۔
 ”کیا۔ کیا کہا آپ نے؟“ بلال اختر نے شدید حیرانی کے ساتھ پوچھا تو اس کا کچھ جواب نہ تھا۔
 ”جس سن لیا ہے تو وہ باہر کیل سنتا چاہتے ہو سو پر اثر ہے اور جن لوگوں پر اثر ہوتا ہے ان کے ہاں اولادیں بھی
 لگتی ہیں۔“

”عائشہ برکلی اثر نہیں ہے۔“ بلال اختر غصے کی شدت سے چیخ کر بولے۔
 ”جلاؤ نہیں تمہارے“ نہ کہہ دینے سے ہو پر سے اثرات ختم نہیں ہو جائیں گے کچھ تو تھا جو سو کو نظر آتا تھا
 جسے دیکھ کر چلائی تھی بے ہوش ہو جاتی تھی اس سے باتیں کرتی تھی۔ کبری (ماسی) نے مجھے خود بتایا ہے اس
 نے خود جھٹ پر عائشہ کو ہوا سے باتیں کرتے دیکھا ہے اور کبری نے ہی ایک چرما میں کا ذکر کیا تھا جس سے
 مرحومہ ساجدہ خاتون نے علاج کرایا اور جب یہ ٹھیک نہ ہوئی تو وہ گھر چل گئیں۔“ اس کی سانپ کی طرح پھٹکان
 دینی تھیں۔

عائشہ اختر بتی ایک جانب کھڑی تھی اب اس قسم کی گفتگو جوان بچوں کے سامنے سننے کی تاب نہ لا سکے تھے
 میں بلال اختر کا تھوڑی دیر پہلے کا پڑا یا مٹھائی کا ڈبا ایک طرف رکھ کر کمرے کی جانب چل پڑے کہ بلال اختر کی بات
 نے ان کے قدم جکڑ لیے۔

”ہاں عائشہ کسی کو دیکھ کر چلائی تھی بے ہوش ہو جاتی تھی یہاں تک کہ اس سے باتیں بھی کرتی تھی۔ تو کیا
 اس کا یہ مطلب ہے کہ اس پر کسی آسیب کا سایہ تھا جو عائشہ پر عاشق تھا اور جو ابھی تک عائشہ کے ساتھ ہے۔“
 بلال اختر ایک دم سیانہ لہجے میں بول رہے تھے۔

عائشہ اختر کچھ فکر مندی سے انہیں دیکھنے لگی کہیں وہ اس کو سچائی تو نہیں بتانے والے۔ اگر اس نے یہ جان لیں
 کہ وہ سب ایک ڈرامہ تھا تب بھی وہ عائشہ کو کسی آسیب کے زیر سایہ ہی سمجھیں گی اور اس کے ساتھ ہی انہیں
 عائشہ کی ایک اور خامی مل جائے گی طعنہ دینے کے لیے
 یعنی جس عورت نے اتنا جھوٹ اور ڈرامہ رچایا ہو کہ اس کی ماں صدمے سے مر گئی وہ اس کے ساتھ تو جو
 کرے وہ کرے۔

اسے خود احساس تھا اس نے جو کیا تھا وہ غلط تھا پھر وہ اپنے غلط فعل کا حقدور کیسے بنتی رہتی۔ لیکن جب بلال
 اختر بولے تو وہ خود اس کی طرح حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

عائشہ کو جو نظر آتا تھا وہ کوئی آسیب نہیں تھا جو اس پر عاشق ہوتا بلکہ وہ ایک لڑکی تھی۔ ایک لڑکی کی مدد سے
 بلال اختر کہہ کر ایک دم خاموش ہو گئے اماں اور ابا دونوں کبھی بلال اختر کو اور کبھی عائشہ اختر کو حیرانی سے دیکھتے
 تھے۔

”لڑکی کی مدد سے“ ابانے زیر لب دہرایا۔
 ”کس لڑکی کی مدد سے؟“ اور عائشہ ہی کو کہیں نظر آتی تھی؟ اماں کے لیے جس میں اب بھی یہی تھی مگر ان
 آنکھوں میں بلا کا جھنسا چھایا تھا۔

بلال اختر نے ایک نظر خود کو حیرانی سے دیکھتے عائشہ اختر کو دالی اور گمراساں کھینچتے ہوئے کھتا شروع کیا۔
 ”عائشہ کی ایک جڑواں بہن تھی جسے بچپن میں ہی عائشہ کے والد کے تیار زاد بھائی جو کینڈا میں رہتے ہیں
 انہوں نے گود لے لیا تھا ان کی کوئی اولاد نہیں تھی تو عائشہ کے والدین نے اپنی ایک بیٹی انیس دسویں تھی۔
 سے انہوں نے ہی اس علاقہ میں کینڈا میں ہی رہی اس لیے آپ میں سے بھی کسی نے اسے نہیں دیکھا اور
 ہی عائشہ کے والدین نے بھی اپنی اس اولاد کا ذکر کسی سے کیا انہوں نے دل و جان سے اسے اپنے تیار زاد بھائی کی
 بیٹی بن لیا تھا۔ مگر کچھ عرصے پہلے اس کا انتقال ہو گیا اس کے مرنے کے بعد سے عائشہ کو اس کی مدد نظر آنے لگی
 ہے ورنہ عائشہ آپ کے سامنے پہلی بڑھی ہے کیا آپ کو اس کے کسی انداز سے ایسا لگا کہ یہ اکیلے میں باتیں کرتی
 ہوئی اور چہنیں مار کر بے ہوش ہو جاتی ہوگی۔“ بلال اختر بڑی سنجیدگی سے بول رہے تھے اماں ہکا بکا انہیں سن رہی
 تھیں ان کے خاموش ہونے پر وہ سوالیہ انداز میں عائشہ کو دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

”کیا یہ سچ ہے عائشہ؟“ تمہیں اپنی بہن کی مدد نظر آتی ہے۔“ عائشہ صرف انہیں دیکھ کر دنگی تو بلال اختر
 کہنے لگے۔

”بھلے یہ دونوں کبھی بہنوں کی طرح ساتھ نہیں رہیں مگر جڑواں بہن بھائیوں کا آپس میں ایک دوسرے کے
 ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لیے مرنے کے بعد کسی کو نہیں وہ صرف عائشہ کو دکھائی دیتی ہے۔“

”لیکن یہ مدد وغیرہ کا بھگنا اور انسانوں کو نظر آنا یا ان سے باتیں کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے۔
 انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمالوں کا حساب شروع ہو جاتا ہے وہ دنیا میں رہنے والے انسانوں سے باتیں
 نہیں کر سکتا۔“ ابا جو اتنی دیر سے خاموش کھڑے تھے ٹھہرے ہوئے کچھ میں بولے تو بلال اختر فوری طور پر کچھ نہ
 کہہ سکے پھر اپنے لیے کولہکا پھلکا بتاتے ہوئے کہنے لگے۔

”لیکن قرآن وحدیث سے یہ ضرور ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے ایک
 عام انسان سے کوئی عام مدد بات نہیں کر سکتی لیکن کسی خاص شخص سے کوئی خاص مدد بات بھی کر سکتی ہے اور
 اسے نظر بھی آسکتی ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے عائشہ کوئی خاص شخصیت ہے؟“ اماں ایک دم تنک کر بولیں۔

”نہیں یہ میرا مطلب نہیں ہے۔“ بلال اختر فوراً مہولے مبادا اماں کی ان پر ضرب پڑ جائے اور وہ جو کچھ قائل
 نظر آ رہی ہیں پھر سب کچھ جائیں۔

”لیکن عائشہ کی بہن ایک خاص شخصیت تھی اس کے ساتھ کوئی انسانی ہوئی تھی اس کی موت بھی اچانک
 بڑے پراسرار انداز میں ہوئی لہذا وہ عائشہ کے پاس آسکتی ہے اور اس سے بات کر سکتی ہے۔“ بلال اختر بڑے احمق
 سے بول رہے تھے عائشہ اختر ہنسنی انہیں سن رہی تھی جن کی ایک بات میں بھی سچائی نہیں تھی۔

”کیا ہوا تھا اس کی بہن کے ساتھ؟“ اماں نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں نہیں کچھ لڑکوں نے اسے اغوا کر لیا تھا جس کے بعد اس کا کچھ ہاتھیں چلا کینڈا کی پولیس کا اندازہ ہے کہ

وہ مر چکی ہے اب ہاتھیں اس نے خود کشی کی یا اس کا قتل ہوا کسی کو نہیں معلوم۔ وہ تو جب سے عائشہ اس کا سلیہ
 کہنے کے قائل ہوئی ہے تب سے یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ مر چکی ہے ورنہ اس کے گود لینے والے والدین تو ابھی تک
 اسے تلاش ہی کر رہے تھے۔“ اماں ابا بڑی حیرانی اور دلچسپی سے بلال اختر کی کھڑی ہوئی کہانی سن رہے تھے اماں کی
 آنکھوں میں پھیلی حیرانی بتا رہی تھی کہ وہ اس کہانی پر پوری طرح ایمان لے آئی ہیں پھر بھی بلال اختر نے تصدیق
 کے لیے ایک آخری سوال کیا جس کے لیے انہوں نے اتنا جھوٹ بولا تھا۔

”اب تو آپ کی مجھ میں آگیا کہ عائشہ پر کسی آسیب کا سلیہ نہیں ہے آسمان میں کسی کے منہ سے یہ نہ سنوں
 کہ یہ بچہ میرا نہیں بلکہ کسی آسیب۔“

”بے فکر ہو بلال ایسی بات کسی کے بھی دل میں نہیں سے تم اپنی ماں کو جانتے نہیں ہو کیا؟“ نہیں تو عادت ہے
 رانی کا پٹا بنانے کی۔“ ابانے بلال اختر کی بات کا شادی میں قسم کی کٹنگو سننا ان کی ہواشت سے باہر تھا تب ہی
 شاکی نظروں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے بولے۔

اماں کو ان کی بات سخت ناگوار گزری مگر انہوں نے بھی اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا ابا کسی معاملے
 میں بولتے نہیں تھے لیکن جب ایک بار بول دیتے تو انہیں اپنے آگے بحث کرنے والے کی عزت اٹارنا خوب آتا
 تھا بیٹا ہو کے سامنے ان کے منہ لگتا بڑی حماقت تھی اور ان کے چہرے پر پھیلے غصے کے تاثرات صاف بتا رہے
 تھے کہ گھر کے بچے کے لیے جو بات انہوں نے کہی ہے وہ انہوں نے ایک دفعہ تو سن لی لیکن دوبارہ نہیں سنیں گے۔
 مگر وہ بھی بڑی دھیت بھال ہے خود راشر مندہ ہو جاتیں اس وقت بھی بڑی دھمائی سے کہنے لگیں۔

”ہاں میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا اب واقعی میرا یہ مطلب تھوڑی تھا لیکن عائشہ نے بھی تو کمال کر دیا کبھی بتایا
 ہی نہیں بس یہی کہتی رہی مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑا نہیں تو یہ بھی تو بولنا چاہیے تھا کہ وہ میری بہن کی مدد ہے جو مجھے
 نظر آتی ہے۔“

”آتی ہے نہیں آتی تھی اس سبب سائیں کے آنے کے بعد سے یہ سلسلہ بند ہو گیا ہے۔“ بلال اختر حتمی لہجے میں
 بولے مگر عائشہ اختر کو یقین تھا یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہو گا بلکہ اب تو اماں کے سوال جواب کا ایک لامتناہی سلسلہ
 شروع ہو جائے گا جس کی پہلی کڑی کے طور پر اماں نے اسی وقت پوچھا۔

”تمہاری بہن کیا تمہاری ہم شکل تھی؟“ عائشہ اختر سوالیہ نظروں سے بلال اختر کو دیکھنے لگی جواب مطمئن
 ہو کر بڑے جس سے مددائی نکل کر کھارہے تھے۔

”ہاں ہاں بالکل ہم شکل ایک ٹن کا بھی فرق نہیں تھا۔“ بلال اختر شوق سے بولے۔
 ”تمہیں کیا پتا کیا تم نے دیکھا تھا۔“ اماں جڑیں۔

”عائشہ نے بتایا تھا۔“ وہ لاہر ولس سے بولے۔
 ”نام کیا تھا تمہاری بہن کا۔“ عائشہ اختر اس سوال نامہ پر فوج ہو کر ایسے بلال اختر کو دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو یہ

بچے کہاں پھنسا دیا۔ بلال اختر نے ایک نظر عائشہ اختر کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔
 ”ریلیکس یا رپریشٹی کی کیا بات ہے؟“ پھر اماں سے بولے۔

”اس کا نام تھا شائستہ!“



”تمہیں میری کوئی بات سمجھ بھی گئی ہے یا سب لٹا لٹا ہوتی ہیں۔“ بلال اختر فوج ہو کر بولے وہ جب سے
 ان سے آئے تھے عائشہ اختر اپنا کھانا شکایت نامہ لے بیٹھی تھی۔

آج ماں نے شائستہ کے بارے میں یہ پوچھا۔

آج ماں نے وہ پوچھا۔

پھر ماں نے یہ کہا۔

پھر ماں نے یہ کہا۔

بلال اختر کا سروکہ گیا تھا یہ گفتگو سنتے سنتے ان کے دماغ پر عائدہ اختر بھٹا اٹھی۔

"کمال ہے بجائے میرے احساسات سمجھنے کے آپ مجھ ہی پر بگڑ رہے ہیں۔ کیا ضرورت تھی آپ کو شائستہ کا نام لے کر اتنا بڑا افسانہ بنانے کی۔ آپ کی ماں نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے وہ پوچھ رہی تھیں شائستہ اغوا کیوں ہوئی تھی کیا اس کی غلط قسم کے لڑکوں سے دوستی تھی اچھی آزاد ماحول میں اس کی پرورش دہلی کی لڑکیوں جیسی ہی ہوئی ہوگی وہی انہی سیدھی حرکتیں ہوں گی کبھی فنڈے پیچھے لگ گئے تسماری ماں کو بھی اسی کا صدمہ لے ڈوبا۔ اگر کمال ہی بتائی تھی تو کوئی ڈھنگ کی شریفانہ ہی بتا لیتے آپ نے تو میرے خاندان کے لوگوں کو ان کی تربیت کو بھی چیزوں کو مشکوک کر دیا۔"

"میں نے کون سا سوچ سمجھ کر بولا تھا جو ذہن میں آیا کہ وہ صیغہ خدا کے لیے اب خاموش ہو جاؤ میرے سر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے۔" بلال اختر چمکے۔

"میرے تو جسم کے ہر حصے میں درد ہو رہا ہے اس حالت میں ذہن پر اتنا دباؤ ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔" عائشہ اختر بڑبڑاتے ہوئے بولی تو بلال اختر بحث ختم کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"میں ماں کو منع کروں گا تم سے زیادہ سوال جواب نہ کریں تسماری طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔"

"ہاں نہیں تو جیسے میری بڑی فکر ہے نا۔ آپ کے منع کرتے ہی مان جا میں گی۔" عائشہ اختر نے سر جھٹکا۔

"تو پھر اور کیا کروں روز میرے گھر آنے پر اس راگ کو اپنے کا فائدہ کیا ہے۔" بلال اختر تھلا گئے۔

"آپ سے تھوڑی دیر بھی سنا نہیں جا رہا اور میں سارا دن یہ گفتگو سنتی ہوں آپ کے اس ایک جھوٹ کو بھانے کے لیے مجھے مسلسل جھوٹ بولنے پڑ رہے ہیں اور ہر بات کہتے وقت سوچنا پڑتا ہے کہ پہلے کیا کہا تھا۔

مجھے تو اس کے بارے میں بات کرتے کرتے کچھ میں ایسا لگنے لگا ہے کہ میری شائستہ نام کی کوئی رانچی بہن تھی۔" عائشہ اختر کہہ کر رکی نہیں بلکہ کمرے سے نکل گئی تو بلال اختر نے اس کے جانے پر شکر کا ٹکڑہ بڑھتے ہوئے

نیوی کن کر لیا۔ وہ اس بارے میں سوچنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا ان سب مسئلوں کا کوئی حل نہیں ہے۔

ماں تا صرف دھوئیں اور بھوتوں پر اندھانہ رہنے رکھنے والوں میں سے تھیں بلکہ ایسی پر اسرار باتوں کی کرید میں رہنے میں بھی انہیں بڑا مزہ آتا تھا لہذا ان کے ہاتھ ایک دلچسپ موضوع لگ گیا تھا وہ بھٹے ہی عائشہ اختر کو ذہنی طور پر اذیت دے رہی تھیں مگر بلال اختر مطمئن تھے کہ ان کے دل سے اس سب دلالتی بات نکل گئی ہے جو روز عائشہ اختر کے

ساتھ کسی اور کا وابستہ ہونا ان کی غیرت کو سخت گراں گزر رہا تھا وہ مسئلہ حل ہو گیا تھا باقی جو بھی کھڑے ہوئے تھے ان کی انہیں قطعاً پورا نہیں تھی انہیں یقین تھا آہستہ آہستہ یہ موضوع اٹھ اڑ جائے گا آخر ماں کب تک

کریدیں گی ایک وقت آئے گا جب وہ خود بے زار ہو جائیں گی مگر اس وقت تک عائشہ کو بڑے صبر کا مظاہرہ کرنا تھا کیونکہ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

لیکن ماں کے پاس بھی باتوں کا کوئی زیادہ — ذخیرہ نہیں تھا وہ بے زار آج بھی جاتیں تب بھی گھوم پھر کر اس موضوع پر آجائیں۔

اس طرح وقت گزر رہا تھا اور ان کے ہاں ایک بہت ہی پیاری سی بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ماں نے بڑے شوق

سے نند یہ رکھا اسپتال میں ہی اس کے گل پر نظر کا ٹکڑہ لگاتے ہوئے انہوں نے بڑے دلارے کہا۔

"خبردار جو اپنی خالہ پر گھنٹیں تو اچھی شریف لڑکی لگتی۔" شہ اختر نے فوراً بلال اختر کو دیکھا مگر نظریں چرا گئے۔ ان کی نظریں یہ کوئی ایسا طعنہ نہیں تھا جس پر دل دکھایا جائے نہ بھی اس خوشی کے موقع پر۔

البتہ انہوں نے موقع ملنے پر ماں کو کبھایا ضرور تھا کہ زندگی کے سامنے شائستہ کا ذکر نہیں کیجیے گا بچپن سے ہی وہ ایسی باتیں سننے کی تو اس کے ذہن پر اثر پڑے گا۔

اب بتائیں ان کی سمجھ میں آیا یا انہوں نے نند یہ کی مصروفیت پا کر غیر ضروری باتوں پر دھیان نہ تاک کر دیا۔ ہر حال وجہ جو بھی ہو نند یہ کے بعد اہولے کے بعد یہ موضوع کم ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہو گیا۔

بلکہ عائشہ اختر تو اس جھوٹ کو ایک ایسا وقت لیا کہ بھول بھی گئی لیکن شاید قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ نند یہ بس دو سال کی ہوئی تو ایک بار پھر شائستہ کا خیالی پیکر زندہ ہو گیا۔

نند یہ بہت زیادہ ڈر پوک اور کم گو سی بنی تھی خاموش طبع ہونا اور ہر وقت چھوٹی موٹی بن کر ماں کی لیس کا اس میں چلنے رہنا تو بہت بچوں کی عادت ہوئی ہے۔

لیکن نند یہ اندھیرے میں تو کیا روشنی میں بھی اکثر ڈری ہوئی ہوتی تھی۔ تنہائی میں تو کیا، محفل میں بھی بعض اوقات اس کا رنگ فق ہو جاتا۔

کسی زوردار تو از پر تو کیا خاموشی میں بھی وہ اکثر سہم کر رونے لگتی۔

"ایسا لگتا ہے اسے کچھ نظر آتا ہے جسے دیکھ کر یہ ڈر جاتی ہے۔" ماں نے ایک دن بڑے غور سے عائشہ اختر کی

کود میں دیکھی بیٹھی نند یہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو ابھی کچھ دیر پہلے بڑے مزے سے کھیل رہی تھی کہ اچانک اپنی جگہ رک کر کسی غیر ملکی نکتہ کو دیکھنے لگی پھر نیچا مار کر عائشہ اختر کی گود میں چڑھ بیٹھی عائشہ اختر ماں کی بات پہ

انہیں چونک کر دیکھنے لگی۔

"نہیں اسے بھی تو شائستہ نظر نہیں آتی تسماری طرح۔" ماں نے بڑے عجیب سے انداز میں کہا تو عائشہ اختر کو

ایک دم غصہ آگیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ماں یہ بیٹی ہے، کبھی ایک دم خنسنے لگتی ہے، کبھی ایک دم رونے لگتی ہے اس کے پیچھے

کوئی وجہ کوئی راز ہونا ضروری تھوڑی ہے۔"

"بیٹی ہے چاہے نہیں ہے کہ ایک دم خنسنے لگے ایک دم رونے لگے یہ جس طرح خوف زدہ ہوتی ہے اسے دیکھ کر

صاف لگتا ہے اسے کچھ دکھائی دیا ہے۔" ماں نے اگلے لمحے میں کہا۔

"تو اسے ہی کیوں دکھائی دے گا گھر میں اتنے لوگ ہیں اور۔"

"گھر کے اتنے لوگوں کا شائستہ سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ صرف تم سے تھا یا اس سے ہے اس کی سب خالہ

بے ذرہ نہ خیال کا تو اس کا کوئی رشتہ دار ہے ہی نہیں نہ ٹاٹا نہ ٹائی نہ خالہ میں ایک سامی ہیں وہ بھی کبھی نہیں بوجھتے۔ حد ہو گئی بیٹی دو سال کی ہو گئی تین تک شکل بھی دیکھنے نہیں آئے سو نہ خیال کی طرف سے بچے کے لیے مٹنی چیزیں آتی ہیں یہاں تو کسی نے پانچ روپے بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رکھے۔" ماں ایک دم اپنے

پسندیدہ موضوع پر آئیں۔

"اتنی بار تو آپ کو بتایا ہے گفت بہا بھی سسرال میں کسی سے ملنا پسند نہیں کرتیں یہ تو بس میں ہی ہوں جو ابھی

تک آپ لوگوں کی اتنی عزت کرتی ہوں مگر آپ لوگوں کو تو کوئی قدر ہی نہیں ہر وقت نہ خیال سے کچھ نہ ملنے کا دکھ

ہی کھائے جاتا ہے۔" عائشہ اختر پھر کڑی صاف گوئی سے بولی تو ماں کو ہنسنے لگ گئے۔

وہ دونوں اصل موضوع بھول کر ساس بوسو کے رواجی جھڑے میں مصروف ہو گئیں بہت اس وقت تو آئی مٹی

ہوئی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ بات زور پکڑتی چلی گئی اس صورت حال سے تو بلال اختر بھی پریشان تھے۔

ندوہ کے چار سال کے ہونے تک یہ چیز پوری طرح سے منکشف ہو گئی تھی کہ ندوہ کو کچھ نظر آتا ہے اور بدی طرح خوف زدہ کرتا ہے۔

بلال اختر نے اسے شہر کے تمام اچھے چائلڈ اسپیشلسٹ کو دکھا ڈالا مگر ندوہ میں انیس بیس کا بھی فرق نہیں پڑا۔

”اس کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں ہے کسی اچھے مولوی کو دکھاؤ وہی اس کو شائستہ کی مدد کے چنگل سے آزاد کر سکتا ہے۔“ ماں بار بار ایک ہی بات کہتی تھیں۔

”یہی کوئی بات نہیں ہے امل۔“ اب اتنے سال بعد بلال اختر کے لیے اس جھوٹ پر سے پرہیز کرنا ممکن نہیں رہا تھا انہیں تو لگتا تھا اگر انہوں نے امل کو کبھی بتا دیا تو وہ بھی عائشہ کی والدہ کی طرح یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتی۔ (عائشہ اختر کی رائے ان سے بالکل مختلف تھی اس کے برعکس اس کا کہنا تھا اب دعویٰ بولیں گے تو بھی وہ جھوٹ ہی سمجھیں گی۔) بہر حال امل کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا دوسرے ندوہ کی بھی کوئی عادت اس کی ہم عمر بچی جیسی نہیں تھی بلال اختر اور عائشہ اختر دونوں اپنے اپنے زمانے کے خواہ مخواہ اور معاملہ فہم بچے تھے ایسے ہی اس کم سم خاموش ڈرپوک اور کسی حد تک سنجیدگی کو دیکھ کر ان دونوں کو ہی دکھ کے ساتھ ساتھ کوفت ہوتی تھی ایسے میں امل کے مشورے انہیں ہتھ پتا کر رہے تھے۔

”آخر عائشہ کا بھی تو کسی پیر سائیں سے علاج کرایا تھا پھر ندوہ کا کرانے میں کیا آڑ ہے۔“

”وہ پیر سائیں بہت اچھے تھے مگر ان کا انتقال ہو گیا ہے اب ان جیسا کوئی ملے گا نہیں انا کسی جعلی فقیر کے چکر میں پڑ جائیں گے۔“

”پھر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ عائشہ کا مسئلہ روحانی تھا۔ اس لیے روحانی علاج کرانا پڑا۔ ندوہ کو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے کچھ بچے ہوتے ہیں فطرتاً شرمیلے اور الگ تھلک رہنے والے۔“ بلال اختر نے ہشاد دہری سے کہا مگر ان کی امل کہاں مان جانے والی تھیں وہ بھی تنگ کر بولیں۔

”اور راتوں کو ڈر کر چیخنے والے۔“ امل کی بات پر بلال اختر ملبہ دل کر رہ گئے۔ انہوں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا امل سے بحث کرنا بے کار تھا۔

پھر ان ہی دنوں ابا کا نئی بیمارہ کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے تو کچھ عرصے کے لیے سارے موضوعات ہی پس پشت چلے گئے۔

مگر آخر تک زندگی نارمل ڈگر پر آئی جاتی ہے ندوہ جب اتنی سمجھ دار ہو گئی کہ اپنا مسئلہ بیان کرنے لگے تب انہیں بھی اس کی بیماری ذہنی کم اور روحانی زیادہ لگنے لگی۔

”وہ ایک خوف ناک سی لڑکی ہے جو مجھے نظر آتی ہے۔“ چھ سالہ ندوہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے بتایا جیسے کہیں وہ ان دیکھی مخلوق اس کی بات سن نہ لے۔

”کسی سے ملتی ہے نہ لڑکی۔“ عائشہ اختر نے اس کے ماتھے پر پڑے بالوں کو گلن کے پیچھے کرتے ہوئے غصہ سے پوچھا۔

”پتا نہیں اس کے چہرے پر خون ہی خون لگا ہوتا ہے میں شکل نہیں دیکھ پاتی لیکن دادی کہہ رہی تھیں کہ آپ کی ہم شکل ہے۔“

”میری ہم شکل۔“ عائشہ اختر ہر طرح جھوٹی۔

”جی دادی کہہ رہی تھیں کہ آپ کی بہن ہیں اور میری خالہ ہیں شائستہ خالہ اور دادی نے یہ بھی کہا کہ میں ان سے پوچھوں وہ مجھے کیوں تنگ کرتی ہیں۔“ عائشہ اختر کا تو دل محسوس کیا کہ لب بھینچ کر بمشکل اپنا قصہ ضبط کر سکی کہ ندوہ مزید کہنے لگی۔

”دادی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں ان سے پوچھوں انہیں کن لڑکیوں نے اغوا کیا تھا سما یہ اغوا کیا ہوتا ہے؟“

عائشہ اختر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ندوہ کے ذہن سے یہ ساری باتیں کھینچ کر نکال چھینکے۔

بڑی مشکل سے اس نے ضبط کا دامن تھامتے ہوئے اسے رسائیت سے سمجھانے کی کوشش کی یہ بھی تھی ماں کی باتوں پر صرف سربلای رہی عائشہ اختر کو خود بھی احساس تھا اس کی ساری نصیحتیں سب بے کار جا رہی ہیں پھر بھی وہ کتنی رعبی۔

”دیکھو ندوہ یہ میری کوئی بہن نہیں ہے شائستہ نام کی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ آپ کو کچھ نظر نہیں آتا آپ نے رات کو کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو تب سے وہی منظر آپ کو دن میں نظر آنے لگتا ہے میں اور ایسا کچھ نہیں ہے۔“

اب بھی آپ کو کوئی بری شکل کی لڑکی نظر آئے آپ آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے بولیں ایسا کچھ نہیں ہے ایسا کچھ نہیں ہے میں پھر جب آپ آنکھیں کھولیں گی تو سامنے کچھ نہیں ہوگا۔“

عائشہ اختر نے ندوہ کو تو سمجھایا اور موقع ملتے ہی امل کو بھی سمجھانے لگی اور یہ بات تھی کہ ان سے بات کرتے وقت عائشہ اختر کے لیے میں شدید قسم کا غصہ اور نفرت تھی۔ بھلا یہ باتیں اتنی پھولی سی بچی سے کرنے والی ہیں۔

”امل عائشہ اختر کا یہ لب لوجہ بھلا کیسے برداشت کرتیں وہ بھی جڑے ہوئیں۔“

”اتنی سی بچی کو اگر امل کی بیماری لگ جائے تو اس عمر میں بھلا ایک شیطانی نظر آنے لگیں وہ ہر وقت ڈری سہی رہے بات بات پر رو پڑے راتوں کو چیخ کر اٹھ بیٹھے اور ماڈرن زمانے کے والدین بچی کو کسی مولوی کے پاس لے جانے کی فکر کرنے کی بجائے چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس کھینچتے رہیں تو اس بچی سے اس کی عمر سے بڑی باتیں کرنی پڑتی ہیں۔“

جس طرح ندوہ کو سمجھانے کا تھا ٹھیک اسی طرح امل کو بھی سمجھانا بے کار تھا اور پھر عائشہ اختر اتنے غصے میں تھی کہ وہ سمجھا بھی نہیں سکتی تھی وہ چیخ کر محض اپنی جھنجھلاہٹ نکالنے لگی دوسری طرف امل بھی بائٹے کر کے انہی بد نصیبی پر شاکی ہوتی رہیں جو کہ اب ایک عام بات ہو گئی تھی۔

گھر میں ہر دوسرے دن کسی نہ کسی بات کو لے کر لڑائی ہوتی رہتی بلال اختر تو اتنے عاجز آگئے تھے کہ ان کی کوشش ہوتی رات کو گھر اتنی تاخیر سے جائیں کہ یا تو سب سو چکے ہوں یا سونے والے ہوں۔ یہ صورت حال عائشہ اختر کو مزید پریشان کر دیتی اکثر اسے ساجدہ خاتون کی کوازا ایسے سنائی دیتی جیسے وہ اس پاس گھڑی کہہ رہی ہوں۔

”تم نے ایک مکان کو حاصل کرنے کے لیے ایک انسان کا اور خاص طور پر ایک ماں کا دل دکھایا ہے تمہیں اس مکان میں کبھی سکون نہیں ملے گا۔“ عائشہ اختر خود کو فوراً اسی مصروف کر لیتی کہ کہیں یہ کوازاں پر حاوی نہ ہو جائے اور وہ ضمیر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہونے پر مجبور ہو جائے۔

ندوہ کی حالت کے ساتھ ساتھ امل کا رویہ اور بلال اختر کا ماحول سے فرار اسے ہر طرح تھا کیا تھا اور اسی ذہنی اضطراب کے بیچ ایک دن ریاض غفار کا اچانک فون اسے بری طرح جھونکا گیا۔

”بھو۔ بھیا۔ آپ۔“ اتنے عرصے بعد ان کی آواز سن کر عائشہ اختر کا دل بھر گیا تھا سب سے کچھ تو جھوٹ گیا تھا بلال اختر سے شادی کر کے وہ تو اپنی پچھلی زندگی سے مکمل طور پر ناتواؤ بن چکی تھی۔

شادی کے شروع میں بھلے ہی اسے احساس نہیں ہوا تھا مگر اب اسے تنہائی شدت سے محسوس ہونے لگی

تھی۔ حالانکہ بلال اختر کے دوستوں کی بیویوں سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی خود اپنی کچھ سہیلیوں سے اس نے اب تک بات چیت تھی جو صرف فون پر محدود تھی مگر ظاہری بات ہے یہ سب چیزیں میکے کی گئی کو پورا نہیں کر سکتیں۔

”بھیا کیسے ہیں آپ؟“ عائشہ اختر کی آواز ہر گئی دو سری طرف ریاض غفار جو صرف بیلو کہہ کر خاموش ہو گئے تھے کچھ چوکتے ہوئے کھانا کھا کر کہنے لگے۔

”ہاں۔ ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟“ ان کا انداز بڑھاپا ملا تھا۔ مگر عائشہ اختر کے لیے یہی بہت تھا کہ انہوں نے اتنے سالوں بعد۔۔۔ فون تو کیا تھا وہ ان کی سرد مری نظر انداز کر کے بڑی بے چینی سے بولی۔

”اور۔۔۔ اور الیان اور بریرہ کیسے ہیں؟ بچے تو اب بڑے ہو گئے ہوں گے اور بھانجی کیسی ہیں؟“

”سب ٹھیک ہیں عائشہ۔ سنا ہے تمہاری بھی ایک بیٹی ہو گئی ہے۔“ عائشہ اختر کی آنٹی بے قراری دیکھ کر ریاض غفار ناچا جاتے ہوئے بھی خول سے تھوڑا سا باہر آ گئے۔

”ہاں۔ ہاں۔ زندگی یہ نام ہے اس کا بہت پیاری ہے بالکل گزرا لگتی ہے۔“ عائشہ اختر کے ایک ایک نقطہ سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

ریاض غفار کسی لمبی گفتگو کے موڈ میں نہیں تھے انہوں نے جس مقصد سے فون کیا تھا اس کے علاوہ کچھ کہنا بھی نہیں چاہتے تھے بلکہ عائشہ اختر کی خوشی ان کی توقع کے بالکل برعکس تھی۔

انہیں امید نہیں تھی عائشہ اختر انہیں اتنا یاد کر لی ہوگی کہ ان کا فون سنتے ہی وہ خود پر سے افتخار کھولنے لگے گی۔ جبکہ وہ عائشہ اختر سے ابھی تک ناراض تھے ماں کی موت کے بعد تو ان کی ناراضی دگنی ہو گئی تھی پھر وہ اپنی زندگی میں اتنے خوش اور کمین تھے کہ اگر عائشہ کی شادی انہوں نے عام حالات میں بھی کی ہوتی تب بھی اس سے عید بقرعید پر ہی ملا کرتے مگر عائشہ اختر کے لیے دھوکے کے باعث اس زحمت کی ضرورت تھی نہ گنجائش اسی لیے وہ ساری رات اور غیر رسمی گفتگو سمیٹتے ہوئے اصل موضوع پر آ گئے۔

”آج صبح تمہاری ساس کا فون آیا تھا۔“ ریاض غفار کہہ کر رک گئے۔ عائشہ اختر ایک دم ٹھٹھکی گئی اس کے اندر فوراً ہی خطرے کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ ساری خوشی ایک پل میں کیس دھک کر جاسوئی و بالکل ہی ساکت رہ گئی جس س نے ریاض غفار کو کہتے سنا۔

”انہوں نے بتایا ہے شائستہ نامی ہماری بہن جو کہ تمہاری جڑواں تھی اور بچپن میں ہمارے کسی رشتے کے تلمیذ نے اسے گولے لپکا تھا اور پھر بعد میں وہ مر بھی گئی تھی اس کی مدد جو پہلے تمہیں بھی نظر آیا کرتی تھی اس نے تمہاری بیٹی زینب کو نظر آتی ہے۔ پھر انہوں نے یہ بھی بتایا کہ تمہارا علاج کرنے والے پیر سائیں تو انتقال کر گئے ہیں لیکن اگر میں کسی اور پیر کو جانتا ہوں تو خدا را انہیں بتا دوں تاکہ وہ اپنی پوتی کو اس عذاب سے نکال سکیں۔“

ریاض غفار کہہ کر ایک دم خاموش ہو گئے۔

عائشہ اختر ششدر رہ گئی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی ساس یہ جانتے ہوئے بھی کہ عائشہ اختر کا بھائی بھابھی سے بالکل ملنا جتنا نہیں ہے اس طرح انہیں فون کر کے اس کی بیٹی کی بیماری کے بارے میں سبوتاہیں کی عائشہ اختر کو بالکل خاموش دیکھ کر آخر ریاض غفار کو خود ہی کہنا پڑا۔

”یہ فون انہوں نے شفتہ کو کیا تھا اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ انہیں کیا کہے تو اس نے مجھے پکارا۔“

انہوں نے پھر دوبارہ میرے سامنے پوری تفصیل دہرائی تب میری بھی سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا کہوں تو میں نے بھی یہ کہہ کر انہیں تھل دیا کہ ابھی میں بہت بڑی ہوں بعد میں بات کرنا ہوں۔ میری بات سن کر وہ بری طرح غصے میں آئیں اور کافی چیخ بچ کر انہوں نے یوں سمجھ لو سارے ہی طعنہ دے دیے۔

تین کپڑوں میں ہم نے بن کر رخصت کر دیا۔

جیز تو چھوٹا ایک پھلہ تک نہیں دیا۔

بچی پیدا ہوئی تو وہ بھی میکے سے کچھ نہیں کیا۔

ہم لوگ کون سا جائیداد میں سے عاشر کا حصہ مانگ رہے ہیں جو تم لوگ منہ چھپائے بیٹھے ہو۔

وہ تو میں باپ کے انتقال کے بعد بن بھائیوں کو جائیداد کا بٹوارا کر رہی لیٹا چاہیے ضروری نہیں کہ بن خود ہی ذمہ دین کر مطالعہ کرے وغیرہ وغیرہ۔ "ریاض غفار ایک سی سانس میں سب کے گئے پھر جب سانس لینے کو رکے تو تھوڑی دیر عاشر اختر کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد خود ہی کہنے لگے۔

"میں نہیں چاہتا کہ ان کی طرف سے ایسا کوئی فون دوبارہ آئے یہ بات تم بلال کو اچھی طرح سمجھاؤ۔ ابھی تو میں نے شائستہ کے ذکر کو کھل کر دیا ہے لیکن اگر آئندہ اس بابت مجھ سے یا گفتہ سے کوئی سوال کیا گیا تو ہم سب جی تبادیں گے۔ تم ہر کون سا اثر تھا اور اس کے کیا کیا نتائج نکلے ایک ایک بات میں کھول کر رکھ دوں گا۔ میں اس کی بھی سب کچھ سنا تھا ہنگامی کی بات یاد آئی۔ یہ عیشہ کما کرتی تھیں "آج تم کسی کے عیب پر پردہ ڈالو گے تو کل کو اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عیب پر پردہ ڈال دے گا۔

تمہاری بیٹی کے بارے میں سن کر بہت دکھ ہوا میں اسی دن نے مجھے خاموش رکھا کہ میرے آگے میری اولاد موجود ہے شاید تمہارے راز پر پردہ رکھنے سے میرے بچوں کے کسی راز پر پردہ نہ جائے اور رہا سوال تمہاری جائیداد کا اسے لینے کا بھی خیال نہیں آیا "اللہ کا دیا اتنا ہے کہ تمہارا حصہ دینے کے بعد بھی ہمارا پاس کوئی کچھ نہیں ہو جائے گی۔

لیکن اپنے حصے کے لیے تمہیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا میں سب کچھ قانونی طور پر کھل گا پورے کاغذات کے ساتھ "تا کہ کل کو تمہارا کلاس فون کر کے کوئی اور فٹنہ نہ مار سکیں کہ میں نے بٹوارے میں بے ایمانی کی۔" سب کی بار ریاض غفار نے عاشر اختر کے بولنے کا انتظار نہیں کیا اور سیدھا فون کاٹ دیا۔

عاشر اختر چہرے ہوئے انداز میں ایر پیس سے آئی ٹیوٹل ٹیوٹل کی تواز سنی رہی اتنی ساری کیفیتوں نے بیک وقت اس پر حملہ کیا تھا کہ وہ سن ہو گئی۔

اتنے عرصے بعد بھائی کا فون آیا بھی تو اس نے کیا بات کی۔ اسے اس کی حرکت کی یاد دہانی کرائی اس کی غلطیوں پر شرمندہ کیا اس کے تو سارے ذہن ہی پرے ہو گئے تھے۔

وہ اپنے کپے پر خود اتنی شرمندہ تھی مگر خود سے نظریں چرائے یہ اعتراف کرنے سے انکاری تھی کہ اس نے کیا کیا غلط کیا تھا۔ وہ صرف اس بات پر ہند تھی کہ ساجدہ خاتون کا وقت آگیا تھا۔ جو وہ زرا سا بھی جھوٹ بڑا اشتہار کر سکیں اور چل بسیں۔

لیکن اب ریاض غفار کو یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ سسرال میں بھی ایسی ہی جموٹی کمائیاں بنا رہی ہے گویا وہ سولے جھوٹ بولنے اور دو سولے کے احمق کی دجیاں ہانڈنے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتی۔

پھر اس پر جائیداد میں حصے کا مطالبہ ہر چند کہ یہ سب بلال کی والدہ نے کہا تھا مگر ان کی آنکھوں نے یہ تو ظاہر کر دیا تھا کہ عاشر اختر کو سسرال میں جتنا جیز کے آنے پر اکثر طعنے ملتے رہے ہوں گے۔

حالانکہ بلال کے گھر میں پیسے کی بہتات تھی "انہیں جیز کی محاورہ "نہیں بلکہ حقیقتاً کوئی ضرورت نہیں تھی مگر ان کی فطرت میں خود خوش رہنا تھا نہ وہ سولے کو خوش دیکھتا تھا۔

اور پھر سب سے بڑھ کر ندیہ کی بیماری ان پر آشکار ہو گئی تھی۔ یہ بات ابھی تک گھر کے لوگوں کے سوا کسی کو نہیں جانتا تھا اور اب یہ بات گفتہ غفار کے علم میں آ گئی تھی۔ عاشر اختر تو اب خاندان سے نہیں ملتی تھی مگر

گفتہ غفار کا اتنا جانا تو ہر جگہ تھا۔ سب کو تبادیں گی ان کی بیٹی کی حالت کا ہر جگہ ہر خاص و عام میں ذکر کیا جائے گا۔ ایک بار پھر ان کے اندر لاوا لٹنے لگا "ایک بار پھر ان کے اور اماں کے درمیان ایک دور دراز جھڑپ ہو اس بار تو بلال اختر بھی اماں پر خوب چبھنے۔

جیز کا مطالبہ اور ندیہ کے بارے میں تکرار انہوں نے بلال اختر کو بری طرح تپا دیا تھا۔ بلال اختر کا وہ عمل دیکھ کر اماں کی زبان اور بھی زہرا گئے تھی۔

"بائے میرے بیٹے پر تپا نہیں کون سا کالا جلیو کر دیا کہ وہ تو بس بیوی کی ہی زبان بولنے لگا ہے "ماں تو اسے نظری نہیں آتی۔ "اماں لوگوں کے سامنے تو کیا ہر آئے گئے کے سامنے عاشر اختر کی برائیاں کرنے نہ تھکتی۔ عاشر اختر کو لگ رہا تھا وہ پاگل ہو جائے گی کہ تب ہی وہ ہو گیا "جس کی عاشر اختر کو شدید خواہش تو تھی لیکن جس کا بھی اس نے اظہار نہیں کیا تھا۔

اماں کو سردیوں کا بخار ہوا جو ایک ہفتہ رہنے کے بعد جان لیوا ثابت ہوا۔ عاشر اختر پر تو شادی مرگ طاری ہو گیا "ندیہ کی ایک دم سے بہت ہلکی پھلکی اور ہر سکون نکلنے لگی۔

مگر اس بار انہوں نے اپنے احساسات پر مکمل قابو رکھا اور بلال اختر پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا "جبکہ بلال اختر نے کچھ دن کا رواجی سا سوگ منانے کے بعد بڑے خوش گوار انداز میں آگس سے آتے ہی کہا۔

"آج ندیہ کو جلدی کھانا کھلا کر ملاؤ تا کہ اسے آیا کے پاس چھوڑ کر ہم دونوں شاپنگ پر چلیں گے اور باہر سے ہی کھا کر آئیں گے۔" عاشر اختر ان کا یہ بدلا ہوا انداز دیکھ کر مکمل انہی اور ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس نے واقعی ندیہ کو جلدی ملا دیا۔

اس دن وہ دونوں بہت گھومے اور ایک دوسرے سے بہت ساری باتیں کیں "بلال اختر نے خود یہ اعتراف کیا کہ اماں اور ان کے جھگڑے کی وجہ سے بلال اختر کا گھر آنے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔

"کوئی بات نہیں اب بد وقت گزر گیا ہے اب ہم اپنی زندگی کو بھرپور طور پر انجوائے کریں گے۔" عاشر اختر کی آنکھوں میں ستارے بھرے ہوئے تھے اور واقعی اگلا پورا ہفتہ ان دونوں نے اپنی سون پیر کے طور پر گزارا وہ بھول ہی گئے تھے کہ ان کی ایک بیٹی ہے "ندیہ جو دادی کی موت کے بعد سے بالکل تنہا ہو گئی ہے یہ خیال تو انہیں تب آیا جب ندیہ کے اسکول سے انہیں بلایا گیا۔

عاشر اختر اکیلی ہی پرنسپل صاحبہ کے آفس پہنچ گئی اور وہاں جا کر اس پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ ندیہ نے اس میں ایک لڑکی تھی کتزی۔ اس کے والدین نے اپنی بیٹی کو اسکول سے اٹھایا تھا کیونکہ کتزی نے کہ جا کر ان سے پوچھا تھا کہ۔

"خود کشی کیا چیز ہوتی ہے۔" بیٹی کے منہ سے یہ سوال سن کر وہ حیران رہ گئے "جب انہوں نے اس سوال کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا "اس کی موت ندیہ کی خالہ کو کچھ لڑکوں نے اغوا کیا تھا اس لیے انہوں نے خود کشی کر لی۔" عاشر اختر چھٹی چھٹی آنکھوں سے پرنسپل صاحبہ کو دیکھتی رہی جو کہہ رہی تھیں۔

"ایسی باتیں اتنی سی بیٹی کے سامنے کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اسے اغوا اور خود کشی کا مطلب بھی پتا نہیں ہے اور وہ سولے کو تپاتی پھر رہی ہے۔ اگر ندیہ کی وجہ سے کسی اور بچے کے پیر شے نے اسے اسکول سے اٹھایا تو میں ندیہ کا نام اسکول سے کٹ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔" پرنسپل صاحبہ کے حتمی جملے پر عاشر اختر گھبرا کر بولی۔

"نہیں۔ نہیں۔ وہ آئندہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی میری تو کوئی۔ سن ہی نہیں ہے جس نے خود کشی کی ہو۔ یہ تو ایک کمائی تھی جو اس کی دادی نے اسے سنائی تھی اور اس نے اپنے خواہوں پر سوار کر لی۔" پرنسپل صاحبہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

”سزا خیر کون سی دادی ایسی کہانی اپنی چھ سالہ بچی کو سنائے گی۔ دیکھیں یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے، کسی اغوا ہونا خود کشی کرنا یہ سب تو تقدیر کے کھیل ہیں اس میں گھر والوں کا کیا قصور۔ میں تو صرف یہ سمجھا رہی ہوں کہ ایسی باتیں ندیہ کے سامنے نہ کریں اور ندیہ کو سمجھائیں وہ بھی ایسی باتیں کسی سے نہ کہے۔“ عائشہ اختر نے اوپر گھڑول پانی کر گیا۔

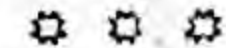
بلال اختر کا یہ جھوٹ تو انہیں بہت ہی مزگا پڑ گیا تھا، گھر آکر اس نے بلال اختر کو ساری محکوم شائی تھیں فکر مند ہو گئے۔ انہوں نے خود ندیہ کو بٹھا کر سب سمجھانے کی کوشش کی، البتہ وہ اپنا جھوٹ نہ کھول سکے۔ بھلا اولاد کے سامنے کوئی بھی باپ یہ کیسے بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والدین سے کیسے کیسے جھوٹ بولے تھے۔ ندیہ کی سمجھ میں ان کی بس ایک سی بات آئی تھی کہ کسی سے کوئی بات مت کرنا، چنانچہ وہ اسکول میں لڑکوں سے دور رہنے لگی۔

وہ شہر کے سب سے بڑے اور منگے اسکول میں پڑھتی تھی۔ جہاں ساری اچھے کھاتے بیٹے گھر کی لڑکیاں بھی تھیں۔ وہ درمیانی خاصوٹی سے انہیں ہنستا اور کھیلا دیکھتی رہتی، کبھی دل بھی چاہتا تب بھی ان کے پاس نہ چلا۔ ایک کمری سے دوستی کی تھی تو اس نے اسکول چھوڑ دیا، آخری دن جب وہ اسکول آئی تھی تب اس نے بتایا تھا۔ ”مئی پاپا کہتے ہیں تم سب بات نہ کیا کروں، ہم گندی لڑکی ہو۔“ گلے ملنے اس کے ہر من کو اسکول بلال گیا تھا۔ پر بلال اختر بھی اسے بہت بر سمجھاتے رہے۔

ان سب چیزوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ کسی سے بات ہی نہ کرو۔ ندیہ نے یہی سوچا تھا کہ جب کہیں کہیں کسی سے نہیں تو شکایت کیسے ہوگی۔

اسے احساس بھی نہیں ہوا اور وہ دنیا سے کتنی جلی گئی۔ اس نے سوال کرنا چھوڑ دیا، مگر سوالیہ نشان اس کے ارد گرد گھومتے رہتے، اس کے چہرے والی لڑکی کو دیکھ کر وہ چیخ پڑتی، ”بھئی بلال اختر اسے ایک اور شے ڈاکو کر کے پاس لے جاتے۔“

یہ سلسلہ چلتا رہا، وقت گزرتا رہا اور آخر کار وہ ڈاکٹر خلیلہ کی مستقل مشنٹین کر رہ گئی۔ عائشہ اختر یہ سن کر رہی کہ اہل نہیں رہیں تو اب زندگی میں سکون ہو گا اس کا یہ خیال خام خیال ہی رہا۔



ریاض غفار نے ان کے حصے کی ساری جائیداد دے دی اور ساتھ میں کچھ ایسی کرنسی کنسلی شادی کے ان کے اور بلال اختر کے بیچ شدید تلخ گلائی ہو گئی اور عائشہ اختر جو یہ سوچتی تھیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھائی کے ساتھ کشیدگی ٹھیک ہو جائے گی، وہ صرف یہ سوچتی ہی رہ گئیں اور ایسا کچھ نہ ہوا۔

ندیہ کی بیماری ایک معمول بن گئی۔ مگر وہ اس کی عادی نہ ہوئیں، وہ جب اپنی اکلوتی بیٹی کو دیکھتیں، ان کے دل سے ہوک اٹھتی تھی، خدا نے اس کے بعد انہیں کوئی اولاد بھی نہیں دی، بلال اختر کو شوق بھی نہیں تھا اس وقت عائشہ اختر بھی مزید کوئی ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتی تھیں۔

مگر ندیہ کے جوان ہونے کے بعد انہیں لگتا تھا ایک اور اولاد ہونی چاہیے تھی، ایک بار مل اولاد۔ لیکن انہیں لگتا وہ ساری اولاد ہوتی تو وہ بھی آنا نہ ہوتی، کیونکہ ان کی زندگی میں تو سکون ممکن ہی نہیں۔

ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد بلال اختر نے اس گھر کو بیچ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ عائشہ اختر نے جب بتا تو بالکل تیار نہ ہوئیں۔ جس گھر کی وجہ سے انہوں نے اپنی ماں سے اتنا جھوٹ بولا، انہیں اتنی اذیت دی، اسے ہی دین نہ کسی طور نہ مانیں۔

مگر بلال اختر بھی اڑ گئے، عائشہ اختر نے ایک بار ڈپریشن میں کہہ دیا تھا کہ ساجدہ خاتون نے کہا تھا۔ ”تمہیں اس گھر میں کبھی سکون نہیں ملے گا۔“ جس بلال اختر کو لگا کہ اس گھر کو بیچ دینے میں ہی ستری ہے۔ ان کے اخبار میں اشتہار دیتے ہی ایک دن ان کے بعد ریاض غفار نے ان سے رابطہ کیا، وہ اس گھر کو منہ مانگے داموں میں خریدنے کے لیے تیار تھے۔

مگر بلال اختر کی انی خد ایک بار پھر مائل ہو گئی۔ حالانکہ فرقان حسن اس وقت صرف گھر دیکھنے آئے تھے۔ انہوں نے گھر خرید انہیں تھا، پھر بھی بلال اختر نے یہی کہا کہ میں بیل کر چکا ہوں، ریاض غفار کی آواز سن کر انہوں نے گھر حلقہ سے جلد چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور فرقان حسن کے پاس آکر بیل منظور کر لیا۔

لیکن گھر بیچنے کے بعد بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہی طور پر عائشہ اختر اور بلال اختر کو ایسا لگا کہ ندیہ کی حالت سنبھل گئی، لیکن آگے چل کر تو نوبت پولیس کیس بن جانے لگی، آگئی جس کے نتیجے میں ندیہ کو سینٹرل اسپتال میں ایڈمٹ ہونا پڑا جو ہوا تھا اس کے بعد عائشہ اختر پر باز بھی ٹوٹا تو کم تھا۔

بچی کی بیماری ساری دنیا کے سامنے تھانے۔ اس کا ذہنی مریضوں کے اسپتال میں داخل ہو گیا۔ اور ایک بہت بڑے آدمی کے بیٹے کے قتل کی کوشش کا الزام سر پر ہونا جو کسی طور انہیں بخشنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

انہیں لگ رہا تھا خود ان کا ذہنی توازن بگڑ جائے گا۔ اسی حالت میں انہوں نے اتنے سالوں میں پہلی بار ریاض غفار کو فون کیا تو وہ سری طرفہ عائشہ اختر کی آواز بھی نہیں پہچانے، عائشہ اختر کو ایک اور دھچکا لگا، وہ بے ربط انداز میں بولنے لگیں۔

”کیا ہو گیا بھیا، میری آواز ابھی اتنی بوڑھی تو نہیں ہوئی کہ بالکل بدل جائے۔“ عائشہ! ”ریاض غفار جو تک اٹھے۔“

”ہاں وہی عائشہ جسے آپ جیتے ہی مار چکے، بیٹی کی شادی کر دی، بیٹی کی شادی کر دی، کسی ایک موقع پر بھی خیال نہیں آیا۔ بریرہ کی شادی کا تو لوگوں کے ذریعے علم ہوا تھا، الیان کی شادی کی تو خبر ہی نہیں ہوئی۔ میں اس رات پاپس ہو کر میں بیننگ کی نمائش دیکھنے گئی، جب جاں سے باہر نکلنے لگی تو ایک بورڈ پر نظر پڑی، جس پر الیان کی شادی کسی نو میلہ کے ساتھ ہونے کی تفصیل لکھی تھی۔ پڑھتے ہی دل میں خیال آیا یہ اپنا الیان نہیں ہو سکتا، لیکن پھر بھی تصدیق کرنے اندر آگئی، بیٹی بھی ساتھ تھی، اسے ڈانٹ کر بل میں چھوڑ کر ہال روم میں آئی تو اپنی آنکھوں پر یمن ہی نہیں کیا، الیان اتنا بڑا ہو گیا ہے، اتنے سالوں بعد سب کو دیکھ کر کتنی تکلیف ہوئی، پھر اس کے ساتھ جو کمسن بیٹی لڑکی بیٹھی تھی وہ تو اس کے قابل ہی نہیں تھی، اس کی جگہ میری بیٹی کو ہونا چاہیے تھا، الیان کے پیدا ہوتے ہی میں نے کہہ دیا تھا اس کی شادی میری بیٹی سے ہوگی، مگر کب۔“

”تم نے اتنے سالوں بعد یہ ساری باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے۔“ ریاض غفار بگڑ کر بولے تو آفس میں ان کے سامنے والی چیئر پر قائل پر جھکا الیان جو تک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”ہاں کیونکہ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی میں وہیں کھڑی ہوں، جہاں پہلے دن کھڑی تھی۔ امی نے مرنے سے پہلے کہا تھا، تمہیں اس گھر میں کبھی سکون نہیں ملے گا، لیکن اب تو میں اس گھر میں نہیں ہوں، پھر بھی سکون نہیں ہے، الیان کی شادی کے ہال سے باہر نکلی تو دل غ کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ کیا اتنا بڑا جرم کیا تھا میں نے کہ سارے تعلق ہی ختم کر لیے آپ نے، دل چاہا بیٹی کو بتاؤں، بریرہ والے ہال میں تمہارے بچے ماموں زاد کی شادی ہو رہی ہے، دل چاہا آپ سب سے ملاؤں، اپنی بیٹی کو لیکن پھر سوچا اگر آپ نے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا تو بیٹی کو کیا جواب دے گا۔“

دوں گی۔" عائشہ اختر بغیر کے بیجانی انداز میں بول رہی تھیں۔ ریاض غفار کو ان کے اچانک فون اور اس گفتگو حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ قصہ آ رہا تھا وہ ایک بار پھر ان کی بات کاٹ کر چبا کر بولے۔

"ہاں جواب میں سچ اس قابل تو ہے نہیں کہ تم اپنی بیٹی کو تاسکواتے سالوں بعد بھی شرمندہ ہونے کی بجائے تم یہی کہہ رہی ہو کیا اتنا بڑا جرم کیا تھا میں نے؟" آفرین ہے تم پر عائشہ۔" ریاض غفار کو اتنے فحشے میں دیکھ کر الیان نے اٹھ کر ان کے قریب آگیا۔

"ہاں بیٹی کو تاتانے کے قابل تو کچھ بھی نہیں ہے مگر اسے تو سب پتا ہے وہ تو وہی سب کر رہی ہے جو میں نے کیا تھا اس کے ساتھ اسی نے جو ان بیٹی کے کیا گل پن کو چھپانے اور روکنے کے لیے گھر چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے بھی بچہ دیا تھا اس کا پانچ لہن تو پھر بھی سب کے سامنے آگیا وہ تو پانچ لہن خائے میں باغی مٹ ہو گئی ہے۔"

"کیا؟" ریاض غفار جو سخت برہمی سے خود کلامی کے انداز میں بولتی عائشہ اختر کو سن رہے تھے ایک دم ٹھنک گئے۔

"کیوں؟ آپ کو نہیں پتا؟" اخبار میں پچھ چکا ہے سب نے براہ لیا ہے بلال اختر نے تو اپنا فون کل سے بند کر رکھا ہے، ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل ٹھوڑی رہے ہیں۔" ریاض غفار شاگ کے عالم میں عائشہ اختر کو منہ سے بچنے لگے جن کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ کسی ٹرانس میں لپل رہی ہیں کہ تب ہی انہیں پچھپے سے بلال اختر کی آواز سنائی دی۔

"کس سے بات کر رہی ہو۔"

"ہاں۔ آئی۔ میں۔" عائشہ اختر پری طرح جو نکس اور پھر ایک دم فون کٹ گیا۔

ریاض غفار سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

"ڈیڈی۔ آپ ٹھیک تو ہیں کیا ہوا؟" الیان نے ان کا کندھا ہلایا۔

"میں نے اخبار میں عائشہ کے بارے میں کوئی خبر پڑھی ہے کیا؟" ریاض غفار ابھی تک صدمے کے ذریعہ تھے۔

"کب کے اخبار میں؟ آج تو میں نے اخبار ہی نہیں دیکھا۔"

"آج کی نہیں ایک دو دن پہلے کی بات ہوگی۔ عائشہ کی بیٹی پانچ لہن خائے میں داخل ہو گئی ہے اور یہ خبر اخبار میں آئی ہے۔"

"کیوں؟" الیان خود حیران رہ گیا پھر اس نے اسی وقت کئی دنوں کے اخبار منگوا لیے۔

تین دن پہلے کے اخبار میں پوری تفصیل درج تھی وہ دنوں کی دنگ رہ گئے۔ ریاض غفار جب کافی دیر تک کچھ نہ بولے تو الیان نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"ڈیڈی۔ میرے خیال سے اب آپ پچھلی باتیں بھول کر پچھو سے ملنے چلیں وہ اس وقت بہت دیر ہیں۔"

"ریاض غفار خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے رہے پھر پٹکے سے سر کو نئی میں ہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

"This is not the perfect time for this"

ہم اگر اس سے ملنے گئے تو ہمارے ساتھ بہت بڑے طریقے سے پیش آئے گی ابھی بھی تمہاری شادی کو لے کر اس نے جس قسم کی گفتگو کی ہے تمہاری مما تو ختم کیا ہوا داشت کریں گی خود میرے لیے سننا مشکل ہو گیا تھا۔" الیان خاموش رہا تو وہ حیرانی اور ماسف سے کہنے لگے۔

"ابھی بھی اسے اپنے کیے پر پچھتاوا نہیں ہے۔ شرمندگی نہیں ہے اسے اپنی زندگی میں سکون نہ ہونے پر سخت افسوس ہے لیکن وہ سب کے سکون کو غارت کرنے کا کوئی ملال نہیں۔ جب اس کا رویہ یہ ہے تو بلال کا کیا

کا ہم جائیں گے تو وہ اپنے پریش کو ہم پر ہی نکال دیں گے۔" ریاض غفار بات ختم کرتے ہوئے اٹھ گئے۔

الیان نے بھی زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھ اور خاموش ہو گیا وقت گزرنے کے ساتھ وہ اس خبر کو بھول بھی گیا کہ اچانک ایک دن پر رہنے فون پر بات کرتے ہوئے کہا۔

"بھیا کیا عائشہ پچھو کی بیٹی پانچ لہن خائے میں ہے۔"

"ہاں نہیں کیسے پتا؟" الیان نے پوچھا۔

"کل رات میں سے بات ہو رہی تھی تو انہوں نے بتایا کہ ڈیڈی ان سے ذکر کر رہے تھے کچھ لوگوں کے منہ سے یہی پہلے ہی سن چکی تھیں مگر انہوں نے کہ میں کسی کو بتایا ہی نہیں لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ ڈیڈی کو بھی معلوم ہے۔"

مجھے بہت دکھ ہوا بھیا۔ آپ سب یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ یہ عائشہ پچھو کا مسئلہ ہے کسی نے نہ سچ جاننے کی کوشش کی نہ یہ پتا کرنے کی کہ کیا واقعی عائشہ پچھو کی بیٹی کے ساتھ کوئی ذہنی مسئلہ ہے یا وہ بھی میری طرح کسی سازش کا شکار ہو گئی ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو بریرہ۔" الیان نے ٹوکتے ہوئے کہا تو بریرہ کی لمبے میں کہنے لگی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں یہاں حامد کی کزنز کبھی کبھی مذاق میں کہتی ہیں کہ آپ کے اور رومیلہ کے چچ دھواں دھار عشق چل رہا ہو گا مگر ان کے گھر والے راضی نہیں ہوں گے فحش اسٹوری کی طرح گھر والوں نے رومیلہ کی شادی طے کر دی مگر میں وقت پر دھماکا بھینچ ہو گیا اور شادی الیان بھائی سے ہو گئی۔"

ان کے یہ مذاق مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں مگر میں خاموش رہتی ہوں سچ کیا ہے وہ صرف ہم جانتے ہیں۔ ایسے ہی ہو سکتا ہے ندیہ کی ذہنی بیماری کی آڑ میں وہ لاکا جس پر ندیہ نے حملہ کیا تھا جائے کیا سازش کھیل رہا ہو؟

بقا ہر مکی لگ رہا ہے کہ ندیہ یا گل ہے اس لیے اس نے حملہ کر دیا۔

میں پچھو سے دوبارہ صلح کرنے کو نہیں کہہ رہی اس معاملے میں تو آپ بھی بہت اگلیا شک ہیں۔ جب آپ نے اپنے دوست کو اس کی فطرت پر معاف نہیں کیا جو شرمندہ ہے تو ایسے شخص کو معاف کرنے کی بات کیوں کریں گے جسے کوئی گلت ہی نہیں لیکن ندیہ کے بارے میں تو پتا کریں کہ اس کے ساتھ ہوا کیا بچ صرف وہی تو نہیں ہوتا جو نظر آتا ہے سچ تو یہ بھی ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔

ڈرائنگ روم میں بالکل جامد خاموشی تھی جیسے کسی کے سانس لینے کی آواز بھی نہ آ رہی ہو خرم اس لیے خاموش تھا کہ جو اس نے سنا تھا وہ ناقابل یقین تھا اور الیان اس لیے جب تھا کہ کہنے کے لیے کچھ بجا نہیں تھا۔

حالانکہ خرم ندیہ کی ذہنی حالت کے بارے میں سب جان چکا تھا وہ خود دیکھ چکا تھا کہ ندیہ کی نظر میں جو کچھ اس کی شائستہ خالہ کرتی ہیں وہ حقیقت وہ سب وہ خود ہی کر رہی ہوتی ہے شائستہ خالہ جیسا کوئی بھوت یا مدح ہے ہی نہیں۔

مگر تب بھی اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ شائستہ خالہ کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں وہ مری نہیں بلکہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوئیں۔

ندیہ نے جب اسے بتایا تھا کہ اس نے اپنی ماں سے جب بھی شائستہ خالہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے ہمیشہ یہی کہا ان کی ایسی کوئی بہن نہیں ہے۔

تب بھی خرم نے ندیہ کی طرح یہی سوچا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہیں ان کی شائستہ نام کی بہن ہے مگر اس نے

کچھ ایسا کیا ہے جو عائشہ اختر بتانا نہیں چاہیں۔ لہذا اس موضوع سے بچنے کے لیے وہ شائستہ کے وجود سے ہی انکاری ہو جاتی ہیں۔

ندویہ کی باتیں سن کر خرم کو بھی شوق ہوا تھا اس مشی کو حل کرنے کا وہ تو کھنچ لگتا تھا مہاوس پر جا کر قبر تک کھود آیا تھا۔

لیکن جو کچھ سامنے آیا تھا اس کی تو خرم کو امید بھی نہیں تھی جب ندویہ یہ سب سنے گی تو اسے کیسا لگے گا۔ کیا وہ یقین کرے گی؟ عائشہ اختر اور بلال اختر نے بھی اسے کچھ نہیں بتایا وہ صرف یہ سوچتے رہے کہ بس ان کے جھوٹ پر پردہ پڑا رہے باقی ندویہ شائستہ خالہ کو لے کر کس قدر پریشان ہے اس سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ کیونکہ وہ تو ندویہ کو شہر سے سزا دینی مریضہ سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے جب شائستہ باقی کوئی ہستی سے ہی نہیں تو بھلا اس کی مدد کیسے نظر آسکتی ہے لہذا انہوں نے اس کے سوالوں کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا جب بھی ندویہ نے یہ ذکر پھینکا عائشہ اختر نے بری طرح اسے جھڑک دیا جسے ندویہ نے ان کی بدکھتی رک پر ہاتھ رکھ دیا ہو انہیں یاد دلایا ہوا اپنی ماں کے ساتھ کیے ان کے ڈرامے کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسے دھوکے کو اور اپنے پیاروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھودنے کو۔ آخر الیان نے ہی اس جلد خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے اپنی بہن کی بات ٹھیک لگی تھی۔ ہو سکتا ہے حواشی اسے کسی سازش میں پھنسا کر جان بوجھ کر پاگل خانے میں ڈال دیا ہو۔ میں پھپھو اور بلال اختر سے تو ملتا نہیں چاہتا تھا اس لیے اسپتال گیا تھا کہ شاید ندویہ سے بات کر کے کچھ پتا چل جائے مگر وہاں انہوں نے ملنے ہی نہیں دیا اور ٹھیک ہی کیا۔ میں نے بتایا تھا کہ میں گزن ہوں۔ گزن وہ فیو کوہ سنٹ سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی خاص طور پر ایسی صورت میں جب پولیس کیس بھی ہو۔ کیا تم مل سکے تھے؟ اور تم کیسے جانتے ہو ندویہ کو؟“ الیان اپنی گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے خرم کے ساتھ اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا خرم نے اسے چائے وغیرہ بھی پلا دی تھی مگر ابھی تک الیان اس سے باقاعدہ تعارف حاصل نہیں کر سکا تھا۔

”مجھے تو ندویہ نے ہی بلوایا تھا ملنے کے لیے اس لیے اجازت مل گئی۔“ خرم کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیسے بتائے کہ وہ ندویہ کو کیسے جانتا ہے جبکہ الیان اب بھی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا چنانچہ اسے کہنا پڑا۔

”میں سمجھ لو کہ وہ میری دوست ہے حالانکہ وہ کوئی بہت فرحانی لڑکی نہیں ہے۔ لیکن جب مجھے شائستہ خالہ کی مدد کے بارے میں پتا چلا تو میں نے اس کی مدد کرنی چاہی۔“ یہ کہہ کر خرم نے مختصر الفاظ میں اسے فارم ہاوس پر جانے اور قبر تک کھود ڈالنے کے متعلق بتا دیا۔

”لیکن جب میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے اپنے دوست پر حملہ کرتے دیکھا تو۔“ خرم نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی الیان کچھ خاموش سا ہو گیا۔

اسے ندویہ کے ساتھ کسی سازش کا کوئی نشان نہیں مل سکا جو کچھ پیر میں پچھپا تھا شاید وہی کچھ تھا اب جاننے اور معلوم کرنے کے لیے کچھ بچا نہیں تھا تو وہ ایک دم گہرا ساں کھینچا کھڑا ہو گیا۔

”اُس کے خرم پھر میں چلتا ہوں ندویہ سے تو ملاقات نہیں ہوئی مگر تمہارے ذریعے وہ سب پتا چل گیا جو میں جانتا چاہتا تھا ندویہ سے اگر میں مل بھی لیتا تو بھی شاید وہ کچھ نہ بتاتی وہ تو مجھے جانتی بھی نہیں۔“ الیان نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو خرم بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

جیسے ہی وہ باہر نکلے فرقان حسن آفس سے واپس آتے ہوئے اسی وقت گھر میں داخل ہوئے الیان نے اخلاقاً رک کر انہیں سلام کیا تو فرقان حسن سوالیہ نظروں سے خرم کو دیکھنے لگے۔

”ڈیڈ یہ الیان ہے ابھی نیا نیا دوست بنا ہے۔“

”حماد علیکم السلام تم بھی خرم کی یونیورسٹی میں پڑھتے ہو؟“ انہوں نے محض کچھ بات کرنے کے لیے پوچھا تو الیان مسکرا دیا۔

”نہیں انگل میری پرہیزی تو ختم ہو چکی ہے میں تو بزنس کرتا ہوں۔“ پھر خرم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

”خرم اپنی گاڑی آج ہی لے لیتا زیادہ دیر پولیس کے پاس چھوڑنا ٹھیک نہیں اس گاڑی میں کوئی واردات بھی ہو سکتی ہے۔“ الیان کی بات پر خرم نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

”کیا ہوا تمہاری گاڑی کو؟“ فرقان حسن چوٹے۔

”میں نے تو پارکنگ میں کھڑی کر دی تھی پولیس لے گئی ہے۔“ خرم نے سرسری انداز میں کہا تو فرقان حسن نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے فوراً پوچھا۔

”کہاں کھڑی کی تھی میں ابھی نکھواتا ہوں۔“ انہوں نے موبائل میں سے نمبر تک نکال لیا، لیکن جب خرم نے اسپتال کا نام بتایا تو فرقان حسن ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگے اور جب الیان کو رخصت کر کے فارغ ہو گیا تب سروے لے جانے لگے۔

”تمہاری گاڑی اس اسپتال کے گیٹ کے سامنے کیوں کھڑی تھی؟“

”جی۔“ خرم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”ندویہ بھی اسی اسپتال میں ایڈمٹ ہے؟ کیا تم اس سے ملنے گئے تھے؟“ خرم ان کے لہجے میں چپے ٹک اور غصے کو بخوبی محسوس کر گیا پھر بھی اس نے جھوٹ بولنا نہیں چاہا اور سچ کہہ دیا۔

”جی ندویہ سے ملنے گیا تھا۔“

”جب تم نے اس کے خلاف گواہی دی تو میں سمجھا کہ۔“ انہوں نے جس طرح ہونٹوں کو بھیچا تھا اس سے محسوس ہوا تھا انہوں نے خود کو کوئی سخت بات کہنے سے بڑی مشکل سے روکا ہو۔

”کیا سمجھتے تھے آپ اور اب کیا سمجھ رہے ہیں میں سب سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ سب ملاحظہ رہے ہیں مجھے لگا اس سے ملنے جانا چاہیے لہذا میں چلا گیا باقی اس کا پاگل بن اور جرم اپنی جگہ ہے اور وہ رہے گا۔“ خرم یہ کہہ کر رک انہیں اور جانے کے لیے پلٹ گیا۔

فرقان حسن بھی ایسے خاموش رہے جیسے بحث نہ کرنا چاہتے ہوں البتہ اسے اطلاع دینے والے انداز میں آواز لگا کر بولے۔

”نمل کے والد غفلت غلیل نے ہم سب کو تن کھانے پر بلایا ہے اگر انہوں نے شادی کی تاریخ نامی تو میں تمہارے امتحان کے بعد کی دے دوں گا۔“ خرم ٹھٹھک کر رک گیا۔

(باقی آئندہ)

ناگزیر وجوہات کی بنا پر ٹائٹل ”واک پر سنی“ کی بارہویں قسط شامل اشاعت نہیں۔ قارئین یہ قسط ان شاء اللہ اگلے ماہ پڑھ سکیں گے۔

فوزیہ یامین

دستِ کرہ کی

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔۔۔ مگر یہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔۔۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چمت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سمیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔۔۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔۔۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ٹوکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیس میں چاک کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔۔۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سرہیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ پٹلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

— ۳۶ —
چھتیسویں قسط



اس نے بڑی حیرت اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ پلٹ کر فرقان حسن کو دیکھا جو ہنوز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
 ”ابھی تو میرے امتحان کی ڈیٹ ہی نہیں آئی ہے آپ میرے امتحان کے بعد کی کون سی تاریخ دیں گے؟“
 ”تو کیا امتحان سے پہلے کی تاریخ دے دوں؟“ فرقان حسن کا غصیلالوجہ صاف بتانے والا تھا خرم نے اسے
 ”ایگزیم سے پہلے کی تاریخ کہاں پوسیبل ہے ڈیڈ۔ پہلے تو آپ کہتے تھے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ پھر شادی
 گی۔“

”کیونکہ پہلے کی بات اور تھی۔ پہلے تمہیں شادی کی بڑی جلدی تھی اور اب تو لگتا ہے تم سرسے شادی
 میں انٹرنڈ ہی نہیں ہو۔“ فرقان حسن چبا کر بولے۔

فوری طور پر خرم کچھ بول نہ سکا چھٹی فرقان حسن کمرے کی طرف بدھتے ہوئے کہنے لگے۔
 ”بے فکر ہو میں تمہاری طرح جلد بازی میں فیصلے نہیں کرتا ابھی سے تاریخ طے کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں
 نہ ہی انہوں نے ایسی کوئی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں تو صرف تمہارا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا جو کہ عین میری توقع
 مطابق ہے۔“ فرقان حسن گہرا سانس کھینچتے ہوئے آگے بڑھ گئے پھر آواز لگا کر کہنے لگے۔
 ”نامم پر تیار ہو جانا میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا پہلی بار ان لوگوں نے اس طرح بلایا ہے دیر سے پہنچنا اچھا نہیں
 لگے گا۔“ خرم صرف ان کی پشت پر ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔

اسے کون سی خاص تیاری کرنی تھی اور کون سا اسے تیار ہونے میں نامم لگتا تھا جو وہ فکر مند ہوتا البتہ وہ فرقان
 حسن کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا لہذا اس نے تیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔
 بلیک پینٹ پر بلیک ہی شرٹ پہن کر اس نے خود پر بہت سارا پرفیوم بھی اسپرے کر لیا جس کے بعد اس پر اسٹینڈ
 والی ہر نظر کچھ لمحوں کے لیے اس پر ٹھہرنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔
 مسز فرقان اسے دیکھ کر شاعرانہ ہونے لگیں فرقان حسن بولے کچھ نہیں البتہ ان کا موڈ خاصا خوشگوار ہو گیا تھا
 ان کے ہر انداز سے ظاہر تھا۔

فرقان حسن کی خواہش کے مطابق وہ لوگ ٹھیک آٹھ بجے عظمت خلیل کے گھر پہنچ گئے۔ عظمت خلیل کا چوک
 انہیں پہچانتا تھا لہذا اس نے انہیں دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا البتہ انٹرکام پر اس نے اندر اطلاع دے دی تھی
 کہ شاید رشیدہ کو دی گئی ہوگی کیونکہ نمل تو لان کی ہی کرسی پر بیٹھی رو میلہ سے فون پر بات کر رہی تھی۔
 رو میلہ اسے الیان کے مشورے کے متعلق بتا رہی تھی کہ وہ دوبارہ پڑھائی شروع کر دے جس پر نمل الیان کی
 تائید کرنے لگی تھی کہ پورچ میں رکتی گاڑی دیکھ کر وہ کچھ ٹھٹک کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی پھر اس میں سے فرقان
 حسن مسز فرقان اور خود خرم حسن کو پوری شان کے ساتھ اترنا دیکھ کر گنگ رہ گئی۔
 ”اوسے رو میلہ میں تمہیں بعد میں فون کرتی ہوں۔“ نمل نے دوسری طرف تیز تیز بولتی رو میلہ کی بات کاٹنے
 ہوئے کہا اور بغیر اس کا جواب سنے فون بند کر دیا۔

لان کی ساری بتیاں جل رہی تھیں چنانچہ اس کی موجودگی سب کو نظر آگئی تھی مسز فرقان تو اسے دیکھ کر باقاعدہ
 مسکرائے لگیں تو نمل کو مجبوراً اپنی جگہ سے آگے بڑھنا پڑا۔
 ”السلام علیکم۔“ اس نے نزدیک پہنچ کر دھیرے سے کہا تو مسز فرقان نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا اور بڑی
 محبت سے اس کا ہاتھ چوم کر اس کی خیر خیریت پوچھنے لگیں۔

تیج کلر کے سادہ سے سوٹ میں بالوں کی ایک سیدھی پونی بنائے وہ بالکل گھر کے عام سے حلیے میں تھی خرم نے
 بڑی ڈھٹائی سے اس کا تفصیلی جائزہ لیا اور اپنے حد سے زیادہ اہتمام سے تیار ہونے پر دل ہی دل میں خود کو کوس کر
 رہ گیا۔

خرم کی نظر میں اس کا یہ سادہ سا حلیہ اسے یہ یاد کرانے کے لیے تھا کہ مجھے تمہارے آنے پر اہتمام کرنے کی
 ضرورت نہیں ہے اس سے زیادہ تو وہ یونیورسٹی میں کلف لگے کپڑوں میں ملبوس ہوتی ہے جبکہ یہ ہلکا ہلکا شکن آلود
 لباس چیخ کر کہہ رہا تھا کہ یہ جوڑا وہ دوسرے پہنی ہوئی ہے۔

لیکن کچھ دیر گزرنے پر خرم کو اپنی رائے بدلتی پڑی جب وہ تینوں نمل کے ساتھ ہی گھر میں داخل ہوئے اور
 شیدہ کچھ حواس باختہ سی اپنی ویل چیئر گھسیٹی ان کے نزدیک آگئیں اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہنے
 لگیں۔

”بہت اچھا کیا جو آج آپ لوگ آگئے میں کتنے دنوں سے سوچ رہی تھی کہ ذرا عظمت کو فرصت ہو تو آپ
 لوگوں کو گھر بلانے کی بات کروں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں ڈھنگ سے بات بھی نہیں ہوئی کوئی ملاقات کا بہانہ تو ہو۔“
 ظاہر انہوں نے بڑی خوش مزاجی سے کہنے کی کوشش کی تھی مگر ان کے چہرے اور تیز تیز بولنے سے صاف ظاہر ہو
 رہا تھا کہ وہ بیٹی کی سسرال کو ”چانک“ سامنے دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئی ہیں۔

ان کے جملے اور تاثرات پر وہ تینوں ٹھٹک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے آخر مسز فرقان ہی بولیں۔
 ”ہم لوگ عظمت بھائی کے بلانے پر ہی تو آئے ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔“ نمل اور رشیدہ جس
 طرح چوکی تھیں اس سے بغیر کچھ کہے بھی مسز فرقان کے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

صورت حال کچھ عجیب سی ہو گئی تھی فرقان حسن اور مسز فرقان کچھ شرمندہ سے ہو گئے تھے۔ جیسے بغیر اطلاع
 کے ان کے گھر آکر انہوں نے کوئی نازیبا حرکت کر دی۔

جبکہ رشیدہ اس لیے شرمندہ ہو رہی تھیں کہ ایک تو بیٹی کے سسرالیوں کو بلا کر عظمت خلیل خود موجود نہیں تھے
 تاہم وہ کتنے بجے گھر آنے والے تھے دوسرے نمل سمیت خود ان کا حلیہ بھی بیٹی کی سسرال کو خوش آمدید کہنے
 کے لیے کوئی بہت اچھا نہیں تھا نہ ہی انہوں نے اور کوئی اہتمام کیا تھا جبکہ گھڑی کی سوئیاں چیخ کر کہہ رہی تھیں
 عظمت خلیل کے اس وقت بلانے کا مطلب تو کھانا ساتھ کھانا ہی ہو گا۔

ان کے گھر میں تو آلو گوشت اور بھنڈی پکی ہوئی تھی وہ بھی صرف زیادہ سے زیادہ چار لوگ کھا سکتے تھے۔ کیونکہ
 عظمت خلیل تو عام طور پر باہر سے کھا کر آتے تھے دونوں وقت کے کھانے پر عموماً ”رشیدہ اور نمل۔“ ہی ہوتی
 تھیں لہذا نمل نے ہی اصرار کر کے زیادہ اہتمام کرنے اور زیادہ مقدار میں پکوانے سے منع کر دیا تھا بس اتنا ہو کہ
 ملازموں کے ساتھ وہ دونوں اور اگر عظمت خلیل آجائیں تو کھالیں۔

بیٹی کی سسرال کو پہلی بار کھانے پر بلایا اور کھانا بھی ڈھنگ کا نہیں پکا یا ہے۔ اگر رشیدہ اس وقت کچھ چڑھانا
 شروع بھی کرتیں تو وقت بہت صرف ہونے والا تھا اور پھر بھی کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی تھی جو ان کے حضور پیش
 کی جانی۔

پھر عظمت خلیل تو موجود نہیں تھے رشیدہ اگر کچن میں لگ جاتیں تو مہمانوں کے پاس کون بیٹھتا نمل کو اکیلا ان
 لوگوں کے پاس بیٹھا دینا تو نہایت بد تمیزی کی بات تھی نمل کو کچن میں وہ کھڑا نہیں کر سکتی تھیں اتنا انہیں نمل پر
 بھروسہ نہیں تھا وہ گھر کا کھانا پکانا جانتی تھی مگر اس وقت دعوت کے لحاظ سے کچھ خاص چیزیں ہونی چاہیے تھیں جو
 نہایت سکون اور پوری یکسوئی سے پکتی ہیں جن کے لیے گھر میں تمام اشیاء اور اشیاء کا صحیح تناسب ہونا نہایت
 ضروری ہے یہ سب نمل نہیں کر سکتی تھی۔ گھر میں کوئی عام مہمان بھی آئے تو رشیدہ خود پکانے کو ترجیح دیتیں پھر
 اس وقت تو بیٹی کی ہونے والی سسرال کا معاملہ تھا جو ایک طرح سے پہلی بار گھر آئے تھے۔

رشیدہ اتنی پریشان ہو گئیں کہ انہیں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ وہ سب لوگ ابھی تک گھر کے لاؤنج میں ہی
 کھڑے ہیں آخر نمل کو ہی ہوش آیا اور وہ چلتے ہوئے بولی۔

”امی آپ ان سب کو ڈرائنگ روم میں لے کر چلیں میں ابو کو فون کر کے پوچھتی ہوں انہیں آنے میں کہنا ہے۔“

”کیا عظمت گھر پر نہیں ہیں۔“ فرقان حسن کے لہجے میں حیرت واضح تھی رشیدہ بے اختیار نمل کو دیکھنے لگیں جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

دونوں کے ذہن میں ایک ہی بات چل رہی تھی عظمت خلیل تو کبھی بھی اس وقت گھر پر نہیں ہوتے تھے بجے سے پہلے تو وہ گھر میں گھسے ہی نہیں تھے اگر آج بھی وہ دس بجے تشریف لائے تو کتنی سبکی ہوگی وہ تو انہیں بدھول گئے تھے اب اپنی مصروفیت ترک کر کے وہ بھلا کیا آئیں گے۔

”لگتا ہے عظمت بھائی آپ لوگوں کو بتانا بھول گئے کہ انہوں نے ہم سب کو بلایا ہے۔“ مسز فرقان نے اپنی بات دہرائی تو رشیدہ کھیانی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگیں۔

”جی دراصل وہ بہت بڑی رہتے ہیں تو اکثر باتیں بتانا بھول جاتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں آپ لوگ آئیں اندر۔“ رشیدہ نے ویل چیر ڈرائنگ روم کی طرف گھمائی تو وہ تینوں ان کی تھلید میں آگے بڑھ گئے جبکہ نمل ہاتھ میں پکڑا موبائل لیے لان میں آگئی۔

عظمت خلیل کا نمبر ہمیشہ کی طرح بڑی جا رہا تھا نمل نے عاجز آکر ان کے سیکریٹری کو فون کیا تو اس نے بتایا عظمت خلیل تو ایک جھوپڑی میں آئے ہوئے ہیں جہاں افلاس سے تنگ آکر ایک ماں نے اپنے چھ بچوں کو دھڑ دے کر مار دیا ہے۔

یہاں پولیس اور پریس کا اتنا ہجوم ہے کہ کان پڑی آواز نہیں آرہی۔

عظمت خلیل کسی نیوز چینل کے رپورٹر کو انٹرویو دینے میں مصروف ہیں۔ وہ جب فارغ ہوں گے تب ان سے بات ہو سکتی ہے۔

نمل دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

عظمت خلیل لی وی پر آنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے ان کا ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے گھر آنا قطعی ممکن نہیں تھا پھر بھی نمل نے اسے تاکید کر دی کہ تا صرف وہ فارغ ہونے پر گھر فون کریں بلکہ جتنی جلدی ممکن ہو گھر آجائیں ان کے انوائٹ کرنے پر فرقان حسن اپنی فیملی کے ساتھ کھانے پر آگئے ہیں۔

سیکریٹری نے بڑی تابعداری سے جی اچھا میڈم کہہ کر فون بند کر دیا مگر نمل وہیں گھڑی ہونٹ کا نٹی رہی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کیا کرنا چاہیے وہ رشیدہ سے مشورہ کرنا چاہتی تھی تاکہ کھانے کے لیے بازار سے کچھ منگوا سکے لہذا وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر آکھڑی ہوئی اور اشارے سے رشیدہ کو باہر بلا لیا وہ اس کا اشارہ پاتے ہی ہمانہ بنا کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئیں۔

”تمہارے پیانے تو آج حد کر دی۔“ رشیدہ نے قریب آتے ہی دلی زبان سے کہا۔

”وہ تو کرتے ہی رہتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ اب کیا کرنا ہے۔“ نمل نے وقت ضائع کیے بغیر فوراً پوچھا تو انہوں نے بھی ہونٹ سے کچھ منگوا لینے کا مشورہ دیا۔

سارا مینوتا کوہ مسز فرقان حسن کے پاس جا بیٹھیں اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں آخر وقت تو گزارنا ہی تھا مگر آج لگ رہا تھا جیسے وقت ختم گیا ہو فرقان حسن کچھ دیر تو ان کی گفتگو میں شامل رہے پھر عورتوں کے ساتھ کتنی باتیں کرتے لہذا انہوں نے اخبار اٹھا کر اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔

خرم کو اس طرح منہ اٹھا کر بیٹھنا عجیب لگ رہا تھا چنانچہ اس نے اپنے موبائل پر میٹ آن کر لیا خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے مگر ان دونوں کی یہ زبردستی کی مصروفیت رشیدہ کو بری طرح شرمندہ کر رہی تھی۔

ایک گھنٹہ تو جیسے تیسے انہوں نے گزارا آخر نو بجے فرقان حسن نے جانے کی اجازت مانگ لی۔ رشیدہ نے حالات کے پیش نظر انہیں چائے اور دیگر لوازمات پہلے ہی پیش کر دیے تھے مگر ان سب کا عظمت خلیل کے آنے سے پہلے اس طرح بغیر کھانا کھائے جانا بالکل مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

”نہیں نہیں آپ لوگ اسے کیسے جاسکتے ہیں۔ عظمت بس آتے ہی ہوں گے۔“ خود ان لوگوں کو بھی عظمت خلیل سے ملے بغیر جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا رشیدہ کے اصرار پر فرقان حسن خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

”اگر آپ برائے مانیں تو نمل کو بھی ہمیں بلا لیں۔“ مسز فرقان نے جھجکتے ہوئے کہا خرم نے موبائل پر

سے نظریں ہٹا کر ایک نظروں کو دیکھا اور دوبارہ بے نیاز بن گیا۔

”نہیں“ نہیں بھلا ہر ماں کی کیا بات ہے۔“ رشیدہ اس وقت اتنی شرمندہ تھیں کہ کسی بات کا برا نہیں مان سکتی تھیں اور پھر کون سا نمل، خرم سے روہ کرتی تھی روزی تو یونیورسٹی میں سامنا ہوتا تھا انہوں نے تو اس لیے نمل کو نہیں بلایا تھا کہ پتا نہیں مسز فرقان نمل کے آکر بیٹھنے پر کیا سوچیں۔ اب جبکہ خود انہوں نے گزارش کر دی تھی تو انہیں بلانے میں کیا قیامت تھی۔

نمل رشیدہ کے بلانے پر ڈرائنگ روم میں آکر ایک ایسے سٹنل صوفے پر بیٹھ گئی جو فرقان حسن اور مسز فرقان دونوں کے ہی قریب تھا جبکہ خرم ان کی محفل سے دور الگ ڈیرہ انچ کی مسجد بنائے بیٹھا تھا اس نے صرف نمل پر ایک نظر ڈالی تھی اور اس کی توقع کے عین مطابق نمل ابھی تک اسی حلیے میں تھی جس میں پہلے موجود تھی اس نے کپڑے بدلنے یا بال بنانے کی زحمت بالکل نہیں کی تھی البتہ شاید منہ دھو کر زرا سا پاؤں لگا لیا تھا وہ بھی یقیناً

اسی لیے کہ وہ باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھی ورنہ یہ اتنی سی تبدیلی بھی ان لوگوں اور خاص طور پر خرم کے لیے نہیں تھی۔

نمل کے آکر بیٹھنے پر فرقان حسن نے اخبار ایک طرف رکھ کر اس سے ہلکی پھلکی گفتگو شروع کر دی۔

نمل نے باتوں کا آغاز تو اخلاقی تقاضے کے تحت ہی کیا تھا مگر کچھ دیر بعد اسے اندازہ ہوا فرقان حسن تو خاصے دلچسپ انسان ہیں۔

اتنے بڑے بزنس مین ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے بارے میں اپنی کامیابیوں کے بارے میں یا اپنی دولت کے ڈھیر کے متعلق ایک لفظ نہیں کہا۔

بلکہ اس کے برعکس وہ ادب اور شاعری پر بات کر رہے تھے اس معاملے میں تا صرف ان کی معلومات بڑی وسیع تھیں بلکہ ان کا انداز بڑا عاجزانہ تھا جیسے مجھے کہاں کچھ آتا ہے۔

ہر وقت ”میں“ کی گردان کرتے شخص کے ساتھ رہنے کے بعد نمل کو فرقان حسن کے سادہ سے انداز نے بڑا متاثر کیا وہ خاصی گرجوشی کے ساتھ ان سے گفتگو میں مصروف ہو گئی۔

خرم نے ایک دوبارہ سراٹھا کر بات بات پر کھلکھلاتی نمل کو دیکھا اور واپس اپنے موبائل میں مصروف نظر آنے لگا ہر چند کہ اس کی پوری توجہ وہیں تھی مگر وہ نمل پر یہ بات ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

البتہ اس کی یہ لا تعلقی مسز فرقان کے لیے خاصی خیران کن تھی وہ دونوں ساتھ بڑھتے تھے ان کا خیال تھا ان دونوں کے بیچ اچھی خاصی بے تکلفی ہوگی جو ان کے سرکل میں کوئی معیوب بات بھی نہیں تھی تو کیا خرم رشیدہ کی

وجہ سے اتنا ریز رو ہو کر بیٹھا ہے کیا وہ اتنے پرانے خیالات کی ہیں۔

مسز فرقان نے کئی بار خرم کو مخاطب کرنا چاہا کہ وہ بھی ان سب کی گفتگو میں حصہ لے مگر ہر بار وہ بیٹے کو دیکھتیں اور منہ کھول کر دوبارہ خاموش ہو جاتیں۔

ان کی یہ حرکت خرم نے کئی بار نوٹ کی وہ ان کی حیرت کو بخوبی سمجھ رہا تھا فرقان حسن کے کیا تاثرات تھے ان

کے چہرے اور انداز سے کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا مگر اسے یقین تھا یہاں سے گھر جانے کے بعد اس سے باز نہیں ضرور ہوگی۔

فرقان حسن تو یقینی طور پر شادی کی تاریخ طے کرنے کی بات کریں گے جس کا جواب خرم نے پہلے ہی تیار کر لیا تھا اس نے سوچا تھا شادی کی تاریخ اس کے ایگز امز کے بعد کی نہیں بلکہ پہلے کی ہوگی۔

”ڈیڈ گھر چلیں“ خرم نے ایک دم پوچھا تو بھی چونک گئے فرقان حسن نے رسٹ و اچ کی طرف دیکھا۔ ساڑھے دس بج رہے تھے وہ ڈھالی گھٹنے سے بیٹھے انتظار کر رہے تھے عظمت خلیل اگر نہیں آسکتے تھے تب بھی انہیں کم از کم فرقان حسن کو ایک فون ضرور کرنا چاہیے تھا کچھ تو بات کرتے کہ انہیں کتنی دیر لگے گی وغیرہ لیکن انہوں نے تو کوئی بھی اخلاقی تقاضا پورا نہیں کیا تھا۔

”میں ایک دفعہ عظمت سے پوچھ لوں وہ کب تک آرہے ہیں ورنہ پھر ہم کھانا لگوا لیتے ہیں اب تو بہت دیر ہو گئی ہے اس سے زیادہ انتظار تو نہیں ہو سکتا۔“ رشیدہ نے شرمندگی سے کہا ہوٹل سے کھانا تو کب کا گھر آچکا تھا ملازموں نے اسے پتیلیوں میں پلٹ کر ڈبے پھینک بھی دیے تھے لہذا کھانا کھالینا ہی بہتر تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ رشیدہ فون کرتیں ملازم نے عظمت خلیل کے آنے کی اطلاع دے دی رشیدہ نے شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے فوراً ”کچن کا رخ کیا۔“

عظمت خلیل سیدھا ڈرائنگ روم میں ہی چلے آئے اور بڑی انکساری سے معذرت کرنے لگے جس پر فرقان حسن ”کوئی بات نہیں“ کہ علاوہ بھلا کہہ بھی کیا سکتے تھے پھر جب تک عظمت خلیل چہینچ کر کے آئے وہ سب کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے۔

رشیدہ ان کی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگیں۔
”آج آپ نے فرقان بھائی اور بھابی کو فائدہ کرا دیا۔“ انہوں نے اخلاقاً کہا تھا مگر عظمت خلیل کو لگا وہ طعنہ مار رہی ہیں وہ بھی مہمانوں کے سامنے۔ وہ ایک دم ہی بگڑ گئے۔

”موصوف تھا میں کوئی جان بوجھ کر باہر نہیں بیٹھا تھا اور اتنا ٹائم ملنے پر بھی کون سا تم نے کھانا گھر میں پکالیا سب کچھ ہوٹل سے منگایا ہوا لگ رہا ہے۔“ نمل کچن سے مزید سالن نکال کر لارہی تھی کہ باپ کے جواب پر وہ جہاں تھیں وہیں رک گئی۔

خود رشیدہ کے چاول پلیٹ میں ڈالتے ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ ان کا لب و لہجہ اور بات خود فرقان حسن اور مسز فرقان کو چران کر گیا تھا خرم البتہ رشیدہ کو دیکھنے لگا کہ وہ کیا کہتی ہیں مگر اسے ان کی خاموشی نے حیران کیا تو اپنے سامنے کھڑی نمل کو دیکھنے لگا جو جلدی سے سالن میبل پر رکھ کر کرسی تھپیٹ کر بیٹھ گئی مگر بولی کچھ نہیں۔

”برائی میں اتنا مسالا! کون سے ہوٹل سے آرڈر کیا ہے کھانا۔“ عظمت خلیل کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ رشیدہ دل ہی دل میں پچھتاتے لگیں کہ انہوں نے کیوں کہا کہ وہ دیر سے آئے ہیں۔ اب چاہے وہ اور نمل خاموش بھی رہیں عظمت خلیل کو ایک بات بری لگ ہو جائے تو وہ بات بات پر کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔

چاولوں کی یہ برائی انہوں نے اسی لیے کی تھی کہ اگر رشیدہ اور نمل یہ جھوٹ بولنے کا سوچ رہی ہیں کہ کھانا انہوں نے خود پکا یا ہے تو اپنا ارادہ ملتوی کر دیں۔

”ہمیں تو برائی میں مسالا تیزی پسند ہے۔“ فرقان حسن نے خوش مزاجی سے کہتے ہوئے فوراً ”چاول کی طرف ہاتھ بڑھا دیے بلکہ ماحول کی گیمیر با کو کم کرنے کے لیے مزید کہنے لگے۔

”عظمت صاحب آپ نے ہمیں تو کھانے پر بلا لیا لیکن بھابی اور نمل کو بتایا تک نہیں۔ وہ بے چاری تو اتنے شارٹ ٹائم میں بھی کھانا پکا لیتیں لیکن پھر ہمارے پاس کون بیٹھتا یہ تو نمل اور بھابی نے ہمیں بوری نہیں ہونے دیا

ورنہ آپ نے تو سڑا ہی دیا تھا۔“ فرقان حسن نے مذاق ہی مذاق میں بھی کچھ سنا دیا۔
عظمت خلیل انہیں کچھ نہیں کہنا چاہتے تھے اس لیے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے کے باوجود بظاہر ہر مسکرا

لیے۔ جبکہ نمل حیرانی سے فرقان حسن کو دیکھنے لگی کتنی بھاؤ اور سمجھ داری سے انہوں نے عظمت خلیل کو بتایا تھا کہ کھانا پکانا مسئلہ نہیں تھا۔ مسئلہ وقت کی تنگی کا تھا اور وہ بھی عظمت خلیل کی غلطی کی وجہ سے کہ انہوں نے مہمانوں کو مدعو کر لیا اور گھر میں ذکر تک نہیں کیا پھر اس پر ہوٹل سے کھانا منگوانے پر اعتراض بھی کر رہے ہیں۔

رشیدہ کو فرقان حسن کا یوں سب کے بیچ عظمت خلیل کو حنا نخل کر گیا وہ انکساری سے کہنے لگیں۔
”اصل میں عظمت اتنے مصروف رہتے ہیں کہ بہت ساری باتیں بتانا بھول جاتے ہیں“ نمل کو رشیدہ کی یہ

عادۃ سخت زہر لگتی تھی مجال ہے جو وہ کبھی عظمت خلیل پر کوئی برائی آنے دیتیں لیکن عظمت خلیل کو لگتا کہ رشیدہ ان پر طنز کر رہی ہیں ایک بات ان کے ذہن سے کیا نکل گئی وہ مہمانوں کے سامنے یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ساری باتیں بتانا بھول جاتے ہیں۔

گویا وہ گھر میں تو ناگرم ہی نہیں دیتے اور ہر وقت باہر ہی مصروف رہتے ہیں۔ فرقان حسن پہلے ہی ان کی کھنجائی کر چکے تھے اس کی بھڑاس بھی نہیں لگتی تھی اس پر رشیدہ کی بکواس۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کرسی تھپیٹ کر کھانا چھوڑ کر اٹھ جائیں۔

”نمل منہ اٹھائے کیا بیٹھی ہو اپنی ساس کو کھانا نکال کر دو“ کرسی پر بیٹھی نمل اپنی جگہ اچھل پڑی اور مسز فرقان کو دیکھنے لگی جو عظمت خلیل کی بات پر ایک دم ہنس پڑی تھیں۔
”ارے بھائی صاحب میری پلیٹ میں تو پہلے ہی جگہ نہیں ہے رشیدہ بھابی اتنا کچھ ڈال چکی ہیں“ نمل پر یہ

اعتراض ان کو بالکل بے جا لگا تھا صاف ظاہر تھا عظمت خلیل صرف اپنی جھنجھلاہٹ نکال رہے ہیں جو مزید کہہ رہے تھے۔
”اصل میں آپ سب کی بھوک مر گئی ہے۔“ بھئی میرا انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی مہمانوں کو بھوکا تھوڑی

بٹھایا جاتا ہے کھانا کھالینا چاہیے تھا۔ میرا تو ٹھہریں پتا ہے کوئی ٹائم نہیں ہے آنے جانے کا۔“ عظمت خلیل کے ہر لفظ سے بھڑاری ٹپک رہی تھی۔
رشیدہ اور نمل دونوں دانستہ خاموش رہیں اس وقت کچھ بھی بولنا خود اپنی بے عزتی کرانا تھا عظمت خلیل کو وہ

اچھی طرح جانتی تھیں وہ اگر ایک لفظ بھی بولیں گی تو عظمت خلیل دس باتیں سنا دیں گے۔ وہ دونوں پہلے ہی مہمانوں کے سامنے اتنی شرمندہ ہو چکی تھیں کہ اب مزید نہیں ہو سکتی تھیں۔
”کم اون عظمت“ میں نے ہی منع کیا تھا بھابی کو کہ عظمت کے آنے پر کھانا نکال لے گا۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم

کہاں رہ گئے تھے۔
”ان لوگوں نے یہ بھی نہیں بتایا۔“ عظمت خلیل نے ایک قبر پر ساتی نظر نمل پر ڈالی وہ اس سارے ماحول سے لا تعلق بنی بیٹھی تھی۔

”نمل کو میرے سیکریٹری نے ساری بات بتا دی تھی تم لوگ ٹی وی آن کرتے تو مجھے دیکھ سکتے تھے سارے نیوز چینلز میرے بارے میں ہی بات کر رہے تھے۔“ جانے انجانے ہی سہی عظمت خلیل کا پسندیدہ موضوع ”میں“ چھڑچھڑکا تھا جس پر وہ بغیر رکے بغیر تھکے بغیر آگئے گھنٹوں بول سکتے تھے لہذا اب وہ رشیدہ اور نمل کو یکسر فراموش کیے درمیں ڈوبی آواز میں کہہ رہے تھے۔

”ذرا سوچیں اس ماں کی کیا ذہنی حالت رہی ہوگی جس نے اپنے چھ بچوں کو زہر دے کر مار دیا۔ یہ ہمارے

معاشرے کا المیہ ہے کہ جب تک کوئی مر نہیں جاتا، ہمیں نہ کسی کی بھوک نظر آتی ہے نہ کسی کی غربت دکھائی دیتی ہے۔

مجھے جیسے ہی اطلاع ملی میں اپنے سارے کام چھوڑ کر اس ماں کی جھونپڑی میں پہنچ گیا اس عورت کے پاس اپنے بچوں کی تدفین کے لیے بھی کچھ نہیں تھا اور ہمارے ہاں کی پولیس اسے گرفتار کرنے آئی تھی۔ میں نے وہاں کھڑے ہو کر سولوگوں کو فون کیے ہیں اس عورت کو سزا کی نہیں اس عورت کو علاج کی ضرورت ہے میں نے وہاں بیوی پر بتایا کہ مکمل والوں نے اسے روکا ہے ورنہ یہ بچوں کے بعد خود کو بھی مارنے والی تھی۔ میں کہتا ہوں اس عورت کو جیل میں ڈالنے سے کیا ہو گا آپ اس مسئلہ کی جڑ کو کاٹ بھی نہیں جس کے باعث لوگ اپنے بچوں کو قتل کر رہے ہیں۔

میں نے بیوی پر اپیل کی زکوٰۃ کا نظام صحیح طریقے سے رائج کیا جائے۔ یہ سب پیسے کی غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے میں نے کہا۔

”آپ نے صرف کہا یا آپ نے کچھ کیا بھی۔“ عظمت خلیل پورے جوش و خروش سے تقریر کر رہے تھے جب خرم نے نہایت سپاٹ لہجے میں پوچھا سب چونک کر خرم کو دیکھنے لگے۔

کچھ لمحوں کے لیے ایک دم سناٹا چھا گیا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو آخر عظمت خلیل نے ہی کچھ دیر خرم کو سنجیدگی سے دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

”میں تو بہت کچھ کر رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے میرے کتنے ٹرسٹ ہیں اور وہ روز کتنے لوگوں کو کھانا کپڑے، دوائیں اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرتے ہیں۔ کتنے لوگوں کا پورا پورا علاج کتنی لڑکیوں کی شادیاں اور کتنے بیروزگاروں کو ملازمت دلانا۔ تمہیں پتا ہے میں کتنے کام کر رہا ہوں۔“ عظمت خلیل اب بالکل غصے میں نہیں تھے وہ نہایت فخر کے ساتھ اپنا ایک ایک کام گنوا رہے تھے۔

خیل پر اب سب لوگ بالکل خاموش بیٹھے تھے خرم نے جس لہجے اور تاثرات کے ساتھ وہ ایک بات کہی تھی اس پر فرقان حسن کے تنبیہی انداز میں دیکھنے پر وہ بھی مصلحتاً ”چپ ہو گیا تھا مگر عظمت خلیل کے ایک ایک لفظ سے تکبر ٹپک رہا تھا جو کہ خرم جیسے دو ٹوک بات کرنے والے شخص کے لیے برداشت کرنا بڑا مشکل تھا۔

لیکن فرقان حسن کی ایک نظر نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ انہیں اس کا اس طرح بولنا قطعاً ”اچھا نہیں لگا وہ پہلے ہی اس سے اکھڑے اکھڑے تھے وہ انہیں مزید خفا نہیں کرنا چاہتا تھا البتہ اسے حیرت ہو رہی تھی وہ عظمت خلیل کے بارے میں جو کچھ سنتا آیا تھا اور ان کے متعلق جو بھی رائے رکھتا تھا وہ اس سے خاصے مختلف تھے۔

مکمل بھی اس ماحول سے یکسر گانہ بنی بیٹھی تھی بلکہ اب اس نے پلیٹ میں چاول نکال کر کھانا شروع کر دیے تھے خرم کو تو ایسا لگ رہا تھا یہ سب وہ مصروف نظر آنے کے لیے کر رہی ہے کیونکہ عظمت خلیل کا ”میں نامہ“ کافی طول پکڑ چکا تھا۔

وہ اب یتیم بچوں کی شادی کے بعد اپنے کھولے دس ایبلٹی سینٹر کے متعلق بتا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ایسی بات کہی کہ سب اپنی جگہ ٹھنک گئے۔

”ہمارے معاشرے میں معذور لوگوں کو بالکل سپورٹ نہیں کیا جاتا انہیں کوئی فن سکھا کر انہیں خود مختار بنانے کی بجائے انہیں طعنہ مار کر دوسروں پر جھجھونے کا احساس دلایا جاتا ہے۔ میں نے جب دس ایبلٹی سینٹر کھولا تو سب سے پہلا اصول اس میں یہ رائج کیا کہ وہاں آنے والے معذور لوگوں کا اعتماد بحال کیا جائے۔

جب رشیدہ کی شادی کے تین سال بعد بھائی کی وجہ سے ٹانگوں نے حرکت کرنی چھوڑ دی تب سب نے مجھ سے کہا کہ تم ایک معذور کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزارو گے۔“ عظمت خلیل تو اتر کے ساتھ بول رہے تھے

وہ اب یتیم بچوں کی شادی کے بعد اپنے کھولے دس ایبلٹی سینٹر کے متعلق بتا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ایسی بات کہی کہ سب اپنی جگہ ٹھنک گئے۔

”ہمارے معاشرے میں معذور لوگوں کو بالکل سپورٹ نہیں کیا جاتا انہیں کوئی فن سکھا کر انہیں خود مختار بنانے کی بجائے انہیں طعنہ مار کر دوسروں پر جھجھونے کا احساس دلایا جاتا ہے۔ میں نے جب دس ایبلٹی سینٹر کھولا تو سب سے پہلا اصول اس میں یہ رائج کیا کہ وہاں آنے والے معذور لوگوں کا اعتماد بحال کیا جائے۔

جب رشیدہ کی شادی کے تین سال بعد بھائی کی وجہ سے ٹانگوں نے حرکت کرنی چھوڑ دی تب سب نے مجھ سے کہا کہ تم ایک معذور کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزارو گے۔“ عظمت خلیل تو اتر کے ساتھ بول رہے تھے

وہ اب یتیم بچوں کی شادی کے بعد اپنے کھولے دس ایبلٹی سینٹر کے متعلق بتا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ایسی بات کہی کہ سب اپنی جگہ ٹھنک گئے۔

بلکہ رشیدہ کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا حالانکہ ان تینوں میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوئی رشیدہ کی طرف دیکھنے کی غرض طرح وہ کھانا کھاتے ہوئے اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھیں وہ ان کی جانب دیکھے بغیر بھی سب ظاہر کر گیا تھا۔

”لوگ مجھے دوسری شادی کے مشورے دینے لگے کیا کچھ نہیں کہا لوگوں نے مجھے۔ ایک معذور عورت نہیں دوسری اولاد بھی نہیں دے سکتی کم از کم ایک بیٹا تو ہونا ہی چاہیے۔“ فرقان حسن مسز فرقان اور یہاں تک کہ خرم بھی ایک شاک میں گھر ا نہیں دیکھ رہا تھا۔

”کیا انہیں ذرا احساس نہیں خود کو عظیم ظاہر کرنے کے لیے وہ رشیدہ کو کس بری طرح ذلیل کر رہے ہیں کہ ان تینوں کو شرمندگی ہونے لگی مگر وہ بڑے خوشگوار انداز میں کہتے رہے۔

”لیکن میں اپنی جگہ ثابت قدم رہا۔ میں نے صاف کہہ دیا مجھے ایک معذور عورت کے ساتھ ساری زندگی گزارنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا پتا اللہ تعالیٰ کو میری یہ نیکی پسند آجائے کیا پتا اس معذور عورت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آگے مجھے کسی معذوری اور بیماری سے محفوظ رکھے۔

مگر لوگ میری طرح نہیں سوچتے وہ اپنے آس پاس ایسے اپانچ لوگوں کی دل آزاری کرتے رہتے ہیں انہیں طعنہ دیتے رہتے ہیں جبکہ میں نے کبھی رشیدہ کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے باوجود اتنی دولت اور جائیداد ہونے کے باوجود اس کے ادھورے وجود کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔“ فرقان حسن اور مسز فرقان تو حیران رہ گئے تھے۔

اس وقت تو فرقان حسن کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بولیں ان کا کھانے سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تھا بڑی مشکل سے انہوں نے گلا کھکا کرتے ہوئے موضوع بدلنے کے لیے کہا۔

”آپ کے کتنے ٹرسٹ ہیں اور پاکستان کے کون کون سے شہروں میں ہیں۔“ عظمت خلیل بڑی شان بے نیازی سے اپنے ٹرسٹ کی تفصیل بتانے لگے تو رشیدہ بہت مدہم آواز میں بولیں۔

”لگتا ہے سب کھانا کھا چکے ہیں میں بیٹھالے کر آتی ہوں۔“ وہ آہستگی سے اپنی وہیل چیئر موڑتی پکن کی طرف بڑھ گئیں۔

خرم انہیں تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئیں۔

ان گزرے پانچ منٹوں میں چار بار عظمت خلیل نے انہیں معذور عورت اور ایک بار ان کے وجود کو ادھورا وجود کہا تھا تو پچھلے انیس بیس سالوں میں تو وہ جانے کتنی بار انہیں طعنہ مار چکے ہوں گے۔

خرم کو جس شخص کی موجودگی میں پانچ منٹ گزارنے اتنے مشکل لگ رہے تھے اس کے ساتھ پوری زندگی رشیدہ نے کیسے گزاری ہوگی۔

خرم پکن کے دروازے پر سے نظریں ہٹا کر اپنے سامنے رکھے لذیذ کھانوں کی بے تحاشا ڈشز کو دیکھنے لگا کہ جنہیں کھانے کے لیے اس کی تو کیا سبھی لوگوں کی بھوک بالکل مر چکی تھی کبھی خرم کی نظریں خود بخود نمل کی پلیٹ کی طرف اٹھ گئیں۔

اس نے جتنے چاول نکالے تھے وہ جوں کے توں پلیٹ میں موجود تھے اس کا سر پلیٹ پر آگے کو جھکا ہوا تھا مگر وہ کھانا نہیں کھا رہی تھی بلکہ کبھی چاولوں کو ایک جانب کر دیتی تو کبھی دوسری جانب کر دیتی ایک طرح سے وہ صرف چمچہ ہلا رہی تھی خرم غیر ارادی طور پر اس کا شغل دیکھتا رہا کہ کبھی میز پر رکھے نمل کے بائیں ہاتھ پر کوئی چیز آگری۔

خرم سمجھ نہیں سکا کہ اس کی ہتھیلی کی پشت پر کیا گرا ہے کہ کبھی دوبارہ کوئی چیز آگری اور اب خرم کو اندازہ ہوا کہ وہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی بوندیں ہیں جو گری نہیں ہیں بلکہ نمل کی آنکھ سے ٹپکی ہیں۔

تو کیا وہ رو رہی ہے؟

خرم شد رہ گیا وہ نمل کے ہاتھوں پر سے نظریں اٹھا کر اس کے جھکے سر کو دیکھنے لگا اسے یقین نہیں آتا کہ نمل رو سکتی ہے۔
نمل نے نہایت آہستگی سے نیبل پر رکھا ہاتھ اٹھایا اور اپنے چہرے کی طرف لے گئی۔

بڑی احتیاط اور مہارت سے اس نے اپنی دونوں آنکھ کے کنارے باری باری صاف کیے اور سر اٹھا کر نیبل سے چھوٹے چھوٹے لقمے لینے لگی۔
بھلے ہی اس کا سر جھکا تھا مگر خرم کو یقین تھا اس کی آنکھیں ابھی بھی نم ہو رہی ہوں گی۔

خرم کو اپنے سینے میں دھواں سا بھرتا محسوس ہوا اسے لگا ایک عجیب سی بے کئی نے اس کے پورے دھواں احاطہ کر لیا ہو۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ اپنے اور اس کے درمیان رکھی ڈائننگ نیبل پر ایک لات مار کر اسے سائڈ میں کر دے اور نمل کے نزدیک جا کر اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھ دے دنیا میں آخری چیز جس کی وہ توقع نہیں کر سکتا تھا وہ تھا نمل کا رونا۔

وہ جو ہمیشہ اسے ہرانے اور اسے اپنے سامنے سرنگوں دیکھنے میں سرگرداں رہتا تھا آج نمل کی آنکھ سے ٹپکے آنسوؤں نے اس کے دل میں بھرے سارے غبار کو دھویا تھا۔

پہلی بار اسے احساس ہوا وہ تو نمل کو کبھی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا بس اپنے ان جذبات سے وہ خود بھی آگاہ نہیں تھا۔

اس کی اور نمل کی لڑائی کی ابتدا بھی تبھی ہوئی تھی جب وہ نمل کی مدد کرنے آگے بڑھا تھا۔ جب اس کے پاس بل چکانے کے پیسے نہیں تھے اور اس کی پریشانی اس کے چہرے اور ایک ایک انداز سے چھلک رہی تھی۔

وہ تو تبھی اپنی شرط پوری کر دینے کے باوجود اس کا بلی ادا کرنے کھڑا ہو گیا تھا تبھی تو نمل کو اندازہ ہوا تھا کہ اس کا پرس خرم نے ہی چرایا ہے ورنہ اگر وہ دور بیٹھا اسے فکر مند ہوتا دیکھتا رہتا تو نمل اس کے پاس آکر کبھی بھی اس پر یہ الزام نہ لگاتی۔

مگر پہلے دن سے جب وہ اس کا نام بھی نہیں جانتا تھا وہ اسے تکلیف میں دیکھ کر انجام کی پروا کیے بغیر اس کی مدد کرنے کھڑا ہو گیا تھا۔

لیکن اس وقت وہ اپنے احساسات کو نہیں سمجھ سکتا تھا وہ یہی سمجھتا تھا کہ اس کی وجہ سے ایک لڑکی پریشان ہے لہذا اس کی مدد کرنی چاہیے مگر آج صورت حال مختلف تھی آج وہ اس کی مدد کرنے سے قاصر تھا۔

وہ اس کے والد کی سوچ اور گفتگو کو نہیں بدل سکتا تھا آج اپنی بے بسی محسوس کر کے اسے علم ہوا تھا کہ وہ نمل کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے اسے رونا دیکھ کر خود اسے بھی اتنا ہی درد ہو رہا تھا جتنا نمل اس وقت محسوس کر رہی تھی۔

نمل کے صرف چند آنسو ٹپکے تھے اور خرم کی دنیا بدل گئی تھی نمل نے تو اب خود پر قابو بھی پالیا تھا اس نے جگ میں سے پانی نکال کر بڑے سکون سے پانی پیا مگر اس کی آنکھ میں تیرتے سرخ ڈورے خرم کا سکون تباہ و برباد کر رہے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ایسا کیا کرے کہ وہ ان روتی آنکھوں سے ہی مسکرا دے۔ وہ گم سم سا بیٹھا جانے کب تک اسی طرح سوچتا رہتا کہ رشیدہ کی آواز اسے سوچوں کے سمندر سے بھیج لائی۔

”خرم تم نے بیٹھا نہیں لیا۔“ خرم نے چونک کر اپنے ارد گرد دیکھا رشیدہ نے بیٹھے کا پیالہ نوکر کے ہاتھ بھجوادیا تھا وہ خود کچھ دیر کے لیے منظر سے ہٹنا چاہ رہی تھیں چنانچہ اب جبکہ وہ خود کو نارمل کر چکی تھیں تو دوبارہ ڈائننگ نیبل کے پاس آگئیں۔

مسٹر اینڈ مسز فرقان کے علاوہ عظمت خلیل بھی بیٹھا کھا کر تقریباً ”اٹھنے والے تھے صرف نمل اور خرم تھے جن کے آگے ابھی تک کھانے کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔

رشیدہ کی آواز پر نمل نے بھی خرم کی جانب دیکھا تو اس کی پلیٹ جوں کی توں رکھی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں واضح طور پر حیرانی ابھری جبکہ خرم نے ایک نظر رشیدہ کو دیکھا اور پھر نمل کو دیکھنے لگا اچانک اس پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ اتنی بہادر کیوں ہے۔

وہ بالکل اپنی ماں کی طرح ہے جو زندگی بھر معذور رہنے کے باوجود لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنا نہیں چاہتیں بلکہ انہیں ”خود کو کم پوز کر کے ایسے آکھڑی ہوئی ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔“

نمل یقیناً ”ان سے بھی زیادہ بہادر تھی اسے خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے میدان سے بھاگنے کی ضرورت تک نہیں تھی اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے خود کو اتنا سمجھ لیا تھا کہ خرم کے علاوہ کسی کو احساس تک نہیں ہوا کہ وہ ابھی ابھی روتی ہے۔

خرم غیر ارادی طور پر نمل کو دیکھ گیا جو اسے ہی منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ شاید اب وہ اپنے کھانا کھانے کی وضاحت دے گا۔

مگر اس کی آنکھوں میں تو جانے کون سے طوفان مچل رہے تھے کہ زندگی میں پہلی بار نمل اسے زیادہ دیر دیکھ نہ سکی وہ سمجھ نہ سکی کہ خرم کو اچانک ہوا کیا ہے البتہ جانے کیوں پھر اس سے وہاں رکا نہیں گیا تو وہ ”ہکسکیو زی“ کہتی اٹھ کر اندر چلی گئی۔

”خرم بیٹا کیا بات ہے تم نے کھانا بھی نہیں کھایا اور اب بیٹھا بھی نہیں لے رہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“ رشیدہ نہایت فکر مندی اور شفقت بھرے لہجے میں پوچھنے لگیں تو خرم بڑے دھیمے مگر بڑے تمبھیر لہجے میں بولا۔

”اس شخص کو برداشت کر کے آپ نے ساری دنیا کے سامنے اس کا بھرم کیوں رکھا اور کیوں خود پر اتنا ظلم کیا؟“ رشیدہ شدید حیرانی سے خرم کو دیکھنے لگیں انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ بات واقعی خرم نے کہی ہے۔

انہوں نے ایک نظریاتوں میں مصروف مسٹر اینڈ مسز فرقان اور عظمت خلیل پر ڈالی اور کچھ مطمئن ہو کر بالکل انجان بن کر بنس دیں۔

”میں سمجھی نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔“ ”اگر یہ سب آپ نے نمل کی خاطر کیا تو آپ نے نمل پر بھی ظلم کیا ہے۔“ خرم نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں لیکن پھر وہ رکابھی نہیں اور رشیدہ کو حیران پریشان چھوڑ کر اٹھا اور بارہلان میں جا کھڑا ہوا۔

وہیں سے اس نے فرقان حسن کو کال کر کے گھر چلنے کو کہا خود فرقان حسن بھی اٹھنا چاہ رہے تھے۔ سو آگاہ ہو رہے تھے گھر پہنچتے پہنچتے انہیں ساڑھے بارہ بج جانے تھے مگر موضوع ایسا چھڑ گیا تھا کہ مسز فرقان اور عظمت خلیل زور و شور سے بول رہے تھے۔

مسز فرقان نے محض اتنا پوچھا تھا کہ کیا وہ نمل کی پرہائی ختم ہونے پر اس کی شادی کریں گے؟ اس پر عظمت خلیل نے ایک زوردار، تہقہ لگایا تھا اور بڑا فخریہ بتایا تھا کہ جب ان کی شادی رشیدہ سے طے ہوئی تھی تب رشیدہ میڈیکل کالج میں تھیں اور انہیں ڈاکٹر بننے کا جنون تھا مگر عظمت خلیل نے اپنے والدین پر زور دے کر جلدی شادی کا شور مچایا تھا حالانکہ رشتہ کرتے وقت ان کے والدین نے کہا تھا کہ اس کا بس ایک سال باقی ہے وہ پرہائی مکمل کر لے پھر اسے وہ شادی کے بعد کرے گی۔

مگر میں نے کہا جب مجھے اسے ڈاکٹر بنانا ہی نہیں ہے تو پھر پرہائی کرانے کا کیا فائدہ بس سب مجبور ہو گئے اور رشیدہ کو پرہائی چھوڑ کر شادی کرنی پڑی۔

لہذا یہ فیصلہ تو خرم کرے کہ نمل کو ایم اے کرنا ہے یا شادی کے بعد کرنا ہے یا سرے سے کرنا ہی نہیں ہے۔ یہ بات مسز فرقان کو سخت ناگوار گزری تھی وہ سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کر انہیں احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ انہوں نے رشیدہ کے ساتھ ظلم کیا۔

عظمت خلیل کیونکہ اپنے نرسٹ اور کارناموں کی تفصیل بتا چکے تھے لہذا ان کا موڈ اب خوشگوار ہو چکا تھا اور بچے چڑے اور بغیر جھنجھلائے مسز فرقان کی تنقید مسکرا مسکرا کر سن رہے تھے اور بچے میں لقمے بھی دے رہے تھے جو مسز فرقان کا جوش اور برہمارہ تھے کہ ان کی نصیحتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

فرقان حسن کے کھڑے ہونے کا اشارہ پا کر بھی انہیں اٹھنے میں بڑا وقت لگا یہاں تک کہ عظمت خلیل کھڑے ہو گئے رشیدہ نے نمل کو اندر سے بلوایا انہیں سلام کرنے کے لیے مگر مسز فرقان اپنے موضوع سے نہیں ہٹیں۔ آخر عظمت خلیل کا فون بج اٹھا تو وہ فرقان حسن سے الوداعی مصافحہ کر کے بات کرتے اندر چلے گئے رشیدہ لاؤنج کی سیڑھیوں تک ان کے ساتھ آئیں لیکن نیچے پورچ تک صرف نمل انہیں رخصت کرنے آئی۔

خرم انہیں آتا دیکھ کر گاڑی کی چابی لیے پہلے ہی گاڑی تک پہنچ گیا مگر گاڑی کھول کر اندر نہیں بیٹھا اسے پتا تھا اس کے والدین کو یہ چند قدم چلنے میں بھی دس منٹ تو لگیں گے کیس جا کر وہاں سے اٹھتے اٹھتے اور الوداعی کلمات کہتے کہتے اس کے والدین کو اچھا خاصا ٹائم لگ جاتا تھا دونوں ہی باتوں کے شوقین تھے اور یہاں تو گفتگو بھی مسز فرقان کے سخت ناپسندیدہ موضوع پر ہو رہی تھی وہ عظمت خلیل کے ہٹ جانے کے باوجود بے تکان بول رہی تھی۔

”نمل تمہیں اچھا لگے یا برا لگے میں تو صاف کہوں گی مجھے تو تمہارے والد کا فعل ایک آنکھ نہیں بھایا۔ تمہاری ماں کا میڈیکل کا صرف ایک سال رہ گیا تھا اور انہوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے پڑھائی ختم کرائے بغیر شادی کر لی۔“ نمل ان کی بات پر زبردستی مسکراتی رہی۔

یہ سب وہ بچپن سے جانتی تھی اب تو ان باتوں پر اس کا دل بھی نہیں کڑھتا تھا وہ خاصی ڈھیٹ ہو چکی تھی۔

”اب بس بھی کرو وہ کیا کرے اگر اس کے والد نے ایسا کر دیا تو۔“ فرقان حسن چڑ گئے۔

”میں یہ سب اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ ایسا کچھ ہو تو مجھے صاف صاف بتا دینا تمہیں پڑھائی کے دوران شادی کر لی ہے یا پڑھائی ختم کرنے کے بعد جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔“ نمل اور خرم نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا جبکہ فرقان حسن زور سے ہنستے۔

”ابھی ہو گھر نہیں لائی ہونا اس لیے اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو ورنہ کوئی بھی ساس یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ جیسا ہو چاہے ویسا ہی ہو۔“

”اچھا تو آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں۔“ مسز فرقان نے مصنوعی غصے سے کہا پھر بڑے شاہانہ انداز میں کہنے لگیں۔

”میں کوئی پرانے زمانے کی ساس نہیں ہوں جو نیو وائسڈ ڈھوتی تھیں۔ میرے گھر میں نمل کو پوری آزادی ہوگی وہ جیسے چاہے رہے اور جو چاہے کرے۔“ نمل خاموشی سے انہیں سنتی رہی وہ بڑے بڑے دعووں پر یقین نہیں کرتی تھی بائیں تو عظمت خلیل بھی بہت اچھی بناتے تھے سچائی تو وقت آنے پر بتا چلتی ہے۔

لیکن ان کی گفتگو سے اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ وہ دونوں ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں عظمت خلیل کی باتوں سے ڈانٹنگ ٹیمیل بر جو کشیدگی والا ماحول چھا گیا تھا وہ دونوں شاید اس کا اثر زائل کر رہے تھے کیونکہ فرقان حسن بھی ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

”ہاں ہاں بالکل اپنے گھر آ کر تم پورے گھر کو اپنی مرضی کے مطابق رکھنا چاہے خریدنا اور جو چیزیں پسند نہ آئے اٹھا کر پھینک دینا۔“ نمل جانتی تھی وہ دونوں مذاق کر رہے ہیں وہ بھی بظاہر مذاق کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی

ہے بولی کہ خرم بھی اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ وہ بھی خرم کو ہی دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اور اگر مجھے آپ کا بیٹا پسند نہ ہو تو۔“ نمل سے اس قسم کے مذاق کی ان دونوں کو قطعی امید نہیں تھی اتنی دیر سے وہ اس کے گھر کے سنجیدہ اور بے کیف ماحول میں بیٹھے تھے ان کا اندازہ تھا نمل بھی صرف سنجیدہ اور سبور گفتگو ہی کر سکتی ہوگی لہذا اس کے برعکس کہنے پر ان دونوں نے ہی انجوائے کیا تھا۔

مسز فرقان تو صرف مسکراتی تھیں جبکہ فرقان حسن تو تھک مار کر رہے اور پھر اسے سراہتے ہوئے بولے۔

”یہ ہونی نا بات۔“

”That's really like my daughter in law“ فرقان حسن نے غور ہی نہیں کیا کہ نمل ان سے نہیں بلکہ ان کے بیٹے سے مخاطب ہے البتہ مسز فرقان بھی سمجھی تھیں کہ نمل خرم کو چھیڑ رہی ہے اور اسی لیے وہ اس کے مذاق سے لطف اندوز ہوئی تھیں اتنی دیر کی لا تعلقی کے بعد ان دونوں کی یہ چھیڑ چھاڑ انہیں مطمئن کر گئی تھی بھی فرقان حسن خرم کو دیکھتے ہوئے بولے۔

”لیکن تم خرم کو اٹھا کر پھینک نہیں سکتیں اس کام کے لیے چوکیدار کی مدد لینی پڑے گی۔“ فرقان حسن اپنی بات پر خود ہی محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیے جبکہ خرم جب چاب گاڑی سے ٹیک لگائے نمل کو دیکھتا رہا۔

نمل اس کی طرف سے کسی جواب کی منتظر تھی مگر اس کی خاموشی نے نمل کو حیران کیا تھا خرم کا رویہ اسے بدلا بدلا لگ رہا تھا جو کہ اس کے لیے باعث فکر تو نہیں تھا مگر باعث حیرت ضرور تھا اسی حیرانی کے ساتھ نمل ان سب کو وداع کر کے اندر آگئی تو رشیدہ کو وہیں موجود دیکھ کر ان کے پاس آگئی۔

”اب آپ کچھ بھی سوچے بغیر کپڑے بدل لیں اور جا کر سو جائیں۔“ نمل انہیں سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر ان کی وہیل چیئر کے پاس بیٹھ گئی اور ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

مگر رشیدہ کچھ بھی نہ بولیں تو نمل سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

”آج بھی وہی سب ہوا ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آ رہا ہے ایسا کچھ نیا نہیں ہوا ہے جس پر بیٹھ کر دل جلایا جائے۔“ رشیدہ نے دو تین بار پلکیں ایسے جھپکائیں جیسے کسی گہری نیند سے جاگی ہوں پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”ہاں تمہارے والد کی جانب سے تو کچھ بھی نیا نہیں ہوا انہوں نے وہی کیا جو ہمیشہ کرتے آئے ہیں لیکن خرم نے ایسی بات کہی ہے جو کبھی کسی نے نہیں کہی۔“ نمل کچھ چونک سی گئی۔

”خرم نے؟“

”ہاں ہر ایک شخص مجھ سے ملنے کے بعد مجھ پر رشک کرتا ہے کہ مجھے تمہارے والد جیسے شوہر ملے ہیں مجھے ان کی قدر کرنی چاہیے ورنہ مرد بھی بھلا کبھی معذور بیوی کو برداشت کرتا ہے میں تو بہت خوش قسمت ہوں وغیرہ۔ لیکن خرم پہلا انسان ہے جس نے مجھ سے کہا کہ اس شخص کو برداشت کر کے آپ نے اس کا بھرم کیوں رکھا۔ ایسا کر کے میں نے خود پر اور تم پر ظلم کیا ہے۔“ رشیدہ بڑبڑانے والے انداز میں بولیں نمل کا حیرت کے مارے منہ کھلتا چلا گیا۔

”یہ۔۔۔ یہ خرم نے آپ سے کہا۔“ نمل شدید بے یقینی کے ساتھ بولی تو رشیدہ سر اثبات میں ہلا کر رہ گئیں۔

کتنی ہی دیر ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا آخر رشیدہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

”تم جو خرم کے بارے میں بتاتی ہو اسے سن کرو کچھ اور ہی لگتا ہے لیکن میں اس سے جتنی بار بھی ملی ہوں وہ مجھے ہمیشہ پہلے سے زیادہ اچھا لگا ہے۔“ نمل کتنی ہی دیر رشیدہ کو خاموش نظروں سے دیکھتی رہی۔

”تمہیں کیا ہو گیا تھا خرم تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“ خرم نے جیسے ہی گاڑی نمل کے گھر کے گھر سے نکال کر سڑک پر ڈالی مسز فرقان کے اندر مچلتا سوال فوراً لبوں پر آگیا۔
”میری طبیعت کو کیا ہوتا ہے۔“ خرم نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔
”تم وہاں اس قدر خاموش کیوں بیٹھے تھے اور کیا نمل سے تمہاری کوئی بات چیت نہیں ہے یا آج کل کی کوئی ناراضی ہو گئی ہے۔“

”ایسی تو کوئی بات نہیں۔“
”ایسی بات نہیں ہے تو پھر کیسی بات ہے۔ تم دونوں نے تو ایسے اجنبیوں کی طرح ہی ہو گیا ہے کہ میں تو حیران رہ گئی آخر بات کیا ہے۔“ مسز فرقان اتنی آسانی سے جان کہاں چھوڑنے والی تھیں مگر فرقان حسن کو اس وقت اس موضوع پر بات کرنا کچھ مناسب نہیں لگا تبھی ان سے سو فیصد متفق ہونے کے باوجود محض بات ختم کرنے کے لیے کہنے لگے۔

”وہ روز یونیورسٹی میں ملتے ہیں اس کے علاوہ دونوں کے پاس موبائل ہیں انہیں جو بات بھی کرنی ہوگی آرام سے کر سکتے ہیں۔ بزرگوں کی موجودگی میں ہی ساری گیس لڑانا تو کوئی اچھی بات نہیں پھر نمل کا ماحول تھوڑا سا مختلف ہے ان کے گھر میں یہ سب طریقے پسند نہیں کیے جاتے۔“ فرقان حسن کے سہاؤ سے کہنے پر مسز فرقان نہ صرف قائل ہو گئیں بلکہ ان کا دھیان بھی دوسری طرف چلا گیا۔
”ان کا ماحول تو خیر واقعی بہت مختلف ہے۔ عظمت بھائی سے کتنی یاد ملاقات ہوئی ملاقات سے پہلے ان کے بارے میں کس قدر سنا ہوا تھا مگر قریب سے دیکھنے کے بعد تو پتا چلا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔“

ایک تو بیٹی کی سسرال کو اس طرح بغیر کسی اہتمام کے بلا کر بٹھالیا اور اپنے انتظار میں سڑاتے رہے اور پھر آئے کے بعد بیوی پر ایسے بگڑے تھے۔
جیسے ساری عظمیٰ ان ہی کی ہو، ”This is too much“ مسز فرقان نے دانت پیسے۔
”اسی لیے کہتے ہیں کسی کو جانے بغیر اس کے بارے میں رائے قائم نہیں کرنی چاہیے جیسے آج پہلی بار نمل کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو اندازہ ہوا کہ نمل بڑی اچھی لڑکی ہے کافی سلجھی ہوئی چمچ ہے اس کی۔“ فرقان حسن کی بات پر مسز فرقان بھی تائید کرتے ہوئے بولیں۔
”ہاں خرم نے تو کبھی اس کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں۔ پڑھائی میں کیسی ہے۔ کیسی دوستیں ہیں اس کی یونیورسٹی میں سب کے ساتھ اس کا رویہ کیا ہے۔“ مسز فرقان نے ایک بار پھر توپوں کا رخ خرم کی طرف کر دیا۔
”اس میں بتانے والی کیا بات ہے۔“ خرم نے قدرے بے زاری سے کہا۔
”تمہیں ہوا کیا ہے تمہارا موڈ اتنا آف کیوں ہے۔“ مسز فرقان ایک بار پھر اسے کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

”کمال ہے وہاں اتنی دیر میں بور ہوا ہوں اور آپ پوچھ رہی ہیں موڈ کیوں آف ہے۔“ خرم نے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے ایف ایم آن کر لیا۔

اس نے دیکھا نہیں اس کے ریموٹ اٹھانے سے پہلے ہی فرقان حسن نے گردن گھما کر پچھلی سیٹ پر بیٹھی مسز فرقان کو خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا جس پر وہ خفگی کے طور پر گاڑی سے باہر دیکھنے لگی تھیں۔
ورنہ ان کا تو دل چاہ رہا تھا یہ کہنے کا کہ مگنیتر کے گھر سے آ رہے ہو اور شادی سے پہلے سسرال میں جا کر بیٹھنے سے کوئی بوریست نہیں ہوئی۔

پھر گاڑی میں سبھی خاموش رہے یہاں تک کہ گھر آگیا گھر کے سامنے ہی خرم کی گاڑی کھڑی تھی تو خرم گاڑی میں کھڑی کر کے اپنی گاڑی کے پاس آگیا۔
فرقان حسن نے گھر سے نکلنے سے پہلے ہی سارے معاملات طے کر کے گاڑی اپنے ملازم کے ہاتھ منگوالی تھی ان کے پیچھے جا کر گاڑی لے آیا تھا۔

گاڑی کی طرف سے مطمئن ہو کر جب وہ اپنے کمرے میں آیا تو شدید تکان کے باوجود اسے ذرا غیند نہیں آرہی تھی بغیر کپڑے بدلے ہی بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھا اور پھر ایسے ہی لیٹ کر چیت کو نکلنے لگا۔
زندگی میں وہ کبھی اتنا اداس نہیں ہوا تھا کیونکہ ضرورت ہی نہیں پڑی تھی زندگی میں جب جو چاہا وہ اسے مل گیا تھا چیز کو کھونے اور کسی محرومی کو برداشت کرنے کا کوئی تجربہ ہی نہیں ہوا تھا۔

مگر آج اسے اپنا آپ بالکل خالی لگ رہا تھا بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے نمل کا چہرہ آجاتا۔ سرخ ڈورے ان وہ نم آنکھیں خرم سے بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔
ماں باپ کے بچ اگر محبت اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو اولاد کی زندگی کس بری طرح متاثر ہوتی ہے یہ اس نے سنا تو ضرور تھا لیکن اس کا مشاہدہ آج ہوا تھا۔

گھر والوں کے بچ اگر نا چاہی ہو اور وہ ایک دوسرے کی عزت نہ کرتے ہوں تو یہ بات باہر والوں سے زیادہ دیر چھپ نہیں سکتی۔ نمل کو یقیناً ”خرم کے سامنے اپنے ماں باپ کا بھرم ٹوٹ جانے پر شدید دکھ ہو رہا ہو گا۔“
تبھی اس کے والدین نے نمل کو یقین دہانی کرائی چاہی تھی کہ یہ سارا ماحول صرف اس کے گھر کا ہے ایک بار وہ شادی ہو کر ان کے گھر آجائے گی تو ایسا نہیں رہے گا۔

لیکن یہ تو صرف اس کے والدین کی سوچ تھی شادی کے بعد ان دونوں کا گھر عظمت خلیل اور رشیدہ کا دوسرا رہا ہو گا۔

بھلا ایک زبردستی کے رشتے کا اور کیا انجام ہو سکتا ہے نمل جب اس شادی پر خوش ہی نہیں ہے تو وہ دوسروں کو اور خاص طور پر خرم کو خوش رکھنے کی کوشش کیوں کرے گی جس نے اس کے صاف انکار کر دینے کے باوجود محض اس کی کمزور پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد وہ ایسی ہی رہے گی جیسے رشیدہ رہتی ہیں زندگی سے اور خود سے گانہ بس ہر کام ایک فرض کی طرح کیے جاؤ یہاں تک کہ مسکراتا بھی ایک ذمہ داری ہو تاکہ دوسروں کو اندر کا حال پتہ نہ چل جائے۔
کیا وہ ایسی نمل کے ساتھ رہ سکتا ہے؟

کیا ایسی نمل کو دیکھ کر اسے خوشی ہوگی؟
کیا وہ زندگی میں کبھی کسی لمحہ خوش ہو سکے گا؟
تو کیا اسے یہ شادی کرنی چاہیے؟

وہ یہ شادی کیوں کر رہا ہے؟
کیا نمل سے پھینک دینے کے لیے؟

یونیورسٹی میں اس کا آخری سال ہے سب پڑھائی ختم کر کے اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو جائیں گے اس کا بیج چلا جائے گا دوسرے بیج کے اسٹوڈنٹ کچھ عرصے اس کا ذکر کریں گے پھر انہیں بات کرنے کے لیے نئے لوگ نئے موضوع مل جائیں گے یہاں تک کہ کچھ سالوں بعد لیکچرار اور پروفیسرز کے ذہنوں سے بھی مخفی ہو جائے گا کہ خرم حسن نام کا کوئی طالب علم یہاں پڑھتا تھا نئے آنے والے اسٹوڈنٹس کا تو ذکر ہی بے کار تھا انہیں تو سرے سے علم ہی نہیں ہو گا کہ کون کون پڑھ کر جا چکا ہے اور اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

پھر وہ کھانے کے لیے یہ سب کر رہا ہے اس کے ساتھ پڑھنے والے چند فضول دوست۔ یا سمیر اور اس کے گروپ کے چند فضول دشمن جو اس کے بارے میں کچھ بھی سوچتے ہیں یا کوئی بھی رائے رکھتے ہیں اس سے بڑا کو فرق نہیں پڑتا۔
خرم حسن جو زندگی بھر لا پرواہی سے کہتا آیا ہے۔
"Who Carers"

اور وہ اپنی زندگی کا فیصلہ۔ سب سے اہم فیصلہ ان لوگوں کے لیے کر رہا ہے جن کی اسے پروا نہیں۔ اور اس ہستی کے مقابلے میں کر رہا ہے جس کے چند آنسو دیکھ کر اس کا دل خون ہو گیا ہے۔
نمل کو ساری زندگی ایک ناپسندیدہ انسان کے ساتھ گزارنی پڑے اس سے تو لاکھ گنا بہتر تھا وہ اس متعلق کو بھول دے۔

یونیورسٹی میں کچھ دن اس کے متعلق باتیں ہوں گی اس کی اور نمل کی ذات کو مذاق اور تنقید کا نشانہ بنایا جائے گا اور پھر سب ویسے کا ویسا ہو جائے گا جیسے ہمیشہ ہوتا ہے یعنی کچھ دن بات کر کے لوگ بھول جائیں گے اور اگر نہیں بھی بھولیں گے تو نمل تو خوش رہے گی نا۔
کیا اس سے بڑی اور اہم بات کوئی ہو سکتی ہے کہ نمل خوش اور پرسکون ہے۔
آج عظمت خلیل اتنی دیر سے آئے کہ فرقان حسن ان سے کئی اہم موضوع پر بات نہ کر سکے لیکن وہ دن دور نہیں جب ان کی شادی کی تاریخ آہی جائے گی۔

اس وقت کے آنے سے پہلے اسے فیصلہ کرنا تھا۔ بلکہ فیصلہ تو ہو گیا تھا اب تو صرف عمل کرنا باقی تھا اور یہ اعلان اسے جلد سے جلد کرنا تھا کیونکہ ہر پہلو پر سوچ لینے اور مطمئن ہو جانے کے بعد دل کا کوئی ایک کونا اسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔
اور دل یہ احتجاج اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ لوگ کیا سوچیں گے بلکہ اس لیے کر رہا تھا کہ اس طرح وہ نمل کو کھو دے گا۔

نمل اگر اسے ناپسند کرتی ہے تو اس کے لیے متعلق توڑنے کی کیا ضرورت ہے وہ خود کو اس کی پسند کے مطابق ڈھال بھی تو سکتا ہے۔
لیکن دماغ دل کے اس مشورے پر عمل کرنے کے لیے بالکل راضی نہیں تھا شادی سے پہلے اگر وہ محبت کا اظہار کرے گا تو نمل کبھی یقین نہیں کرے گی وہ اسے کوئی سازش سمجھے گی بلکہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس کا امتحان لینے کے لیے متعلق توڑ دینے کی شرط رکھے۔

اور شادی کے بعد ایسا کوئی بھی اظہار بے معنی ہو جائے گا ایک لڑکی کی ساری کشتیاں جلا دینے کے بعد اسے ہر طرف سے لاچار کر کے اپنے گھر لے آنے کے بعد جب اس کے پاس فیصلے کا کوئی اختیار ہی نہیں بچا تب اس کے سامنے اظہار محبت کرنا اسے کبھی خوش نہیں کر سکتا۔
ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی اس اظہار پر خوش نظر آنے کی کوشش کرے یہ سوچ کر کہ اب جبکہ شادی ہو چکی ہے اور اسی کے ساتھ رہنا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے بگاڑ کر رہا جائے کیوں نہ بنا کر رکھی جائے۔

لیکن پھر یہ محبت نہیں سمجھوتہ ہوا۔
اور خرم حسن سمجھوتے پر مبنی محبت پر قناعت نہیں کر سکتا نمل اگر اس کی ہو تو اپنی پوری مرضی اور رضامندی کے ساتھ ورنہ یہ گزارا کرنے والی زندگی اور مجبوری کو سنبھالنے والی شادی خرم کو ہرگز منظور نہیں تھی۔
ساری رات خرم نے جاگتے ہوئے گزار دی صبح ہونے پر وہ تھکا ہوا ضرور تھا لیکن شکست خوردہ نہیں تھا کیونکہ

اسے پتا تھا کہ وہ جو کر رہا ہے صحیح کر رہا ہے لہذا اس نے تاخیر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور ناشتے کی میز پر اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔
"ڈیڈ میں نمل سے شادی نہیں کرنا چاہتا آپ یہ متکئی توڑ دیں" خرم نے بغیر تمہید باندھے دو ٹوک اور نہایت ٹھوس کلمے میں کہا تو سینے کے اندر ایک بار پھر کمزور سا احتجاج شروع ہو گیا مگر جب فیصلہ کی بنیاد نمل کی خوشی ہے تو پھر کوئی بھی احتجاج کوئی بھی تاویل کوئی بھی دلیل خرم حسن کا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔
"یہ کیا بے ہودہ مذاق ہے خرم۔"

"You Know I Dont Like These Kinds of Jokes"
مسز فرقان کی پیشانی پر ان گنت بل پڑ گئے جبکہ فرقان حسن نہایت سنجیدگی کے ساتھ اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔
"I Am Not Joking I am Serious" خرم کا چہرہ اور لہجہ ایسا نہیں تھا جسے مسز فرقان نظر انداز کر سکتیں وہ ایک اچھے کے عالم میں خرم کو دیکھنے لگیں۔
"لیکن خرم یہ متکئی تمہاری مرضی سے ہوئی تھی تمہارے ڈیڈ تو اتنی جلد بازی کے لیے تیار بھی نہیں تھے کل رات اگر عظمت خلیل کے رویے کی وجہ سے تم نے یہ فیصلہ کیا ہے تو یہ نہایت غلط فیصلہ ہے۔ وہ جیسے بھی ہیں جو بھی کر رہے ہیں تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں ان کی وجہ سے متکئی نہیں توڑ رہا۔" خرم نے سکون سے کہا۔
"تو پھر کس کی وجہ سے توڑ رہے ہو۔" مسز فرقان جھنجھلا گئیں۔
"بس مجھے نمل سے شادی نہیں کرنی۔" خرم اصل بات نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا جب اس کے والدین عظمت خلیل کو انکار کریں گے تب عظمت خلیل کافی لعن طعن کریں گے اگر خرم نے یہ کہہ دیا کہ میں نمل کی وجہ سے متکئی توڑ رہا ہوں تو خرم کے لاکھ منع کرنے کے باوجود فرقان حسن اور خاص طور پر مسز فرقان عظمت خلیل کو اصل وجہ بتا سکتے تھے کہ یہ سب ہمیں آپ کی بیٹی کی وجہ سے ہی کرنا پڑ رہا ہے وہی تیار نہیں ہے۔
عظمت خلیل کا مزاج وہ سمجھ چکا تھا یہ متکئی اگر نمل کی وجہ سے لڑی تو عظمت خلیل رشیدہ اور نمل کا جینا دو بھر کر دیں گے اور خرم ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا۔

"تو پھر متکئی کیوں کی تھی؟ تم نے یہ سب مذاق سمجھ رکھا ہے کیا۔" مسز فرقان آئندہ کی صورت حال کے متعلق سوچ کر تلملا گئیں۔
"آئی ایم سوری لیکن پلیز اس متکئی کو ختم کر دیں ورنہ میں خود عظمت خلیل سے بات کر کے رشتہ توڑ دوں گا جس میں زیادہ برائی آئے گی بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ طریقے سے منع کر دیں" خرم نے شرمندگی سے کہا اسے اندازہ تھا اس نے اپنے والدین کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔
"ہم تو منع نہیں کریں گے۔" فرقان حسن اتنی دیر میں پہلی بار بولے ان کا لہجہ نہایت سپاٹ اور سرد تھا خرم چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔
"یہ کام تم خود کرو گے تاکہ آگے سے وہ جتنی گالیاں دیں وہ تم سنو کیونکہ وہ تم ہی ڈیزرو کرتے ہو ہم نہیں۔"

خرم جانتا تھا وہ غصے میں نہیں بول رہے بلکہ غصے میں بھی بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں۔
"یہ متکئی تمہیں واقعی توڑ دینی چاہیے کیونکہ نمل کو جب تم کچھ دے نہیں سکتے تو اس پر شادی کر کے نار سائی کا ظلم کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔" فرقان حسن چبا کر بولے۔
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" مسز فرقان چڑ گئیں۔

”خرم کی شادی نمل سے ہی ہوگی اور اب یہ فوراً ہوگی۔“ وہ حتمی انداز میں بولیں۔

”جب تم کچھ جانتی نہیں ہو تو پھر فیصلہ بھی مت کرو۔“ فرقان حسن مسز فرقان سے بھی اسی لہجے میں بولے۔

”میں کیا نہیں جانتی Will You Please Tell Me“ مسز فرقان زچ ہو گئیں مگر فرقان حسن نے ایسے ہاتھ اٹھایا جیسے ابھی وہ صرف خرم سے بات کر رہے ہوں وہ دخل نہ دیں۔

”دیکھو خرم تمہاری شادی اس باگل کے ساتھ تو ہو نہیں سکتی۔“
اول تو وہ جیل سے نہیں نکلے گی اور فرض کرو اگر نکل بھی آئی تو بھی ہم اس اسکینڈلائز اور سینٹل کیس لڑی کو کبھی سو نہیں بنائیں گے۔

”لہذا تم اچھی طرح سوچ لو کہ تمہیں نمل سے متکئی توڑنی ہے یا تھوڑا نام لینا ہے نمل کے لیے خود کو تیار کرنے کے لیے۔“

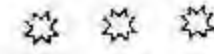
خرم لب تہینچے فرقان حسن کو دیکھتا رہا جبکہ مسز فرقان حیرت سے کبھی فرقان حسن کو دیکھ رہی تھیں تو کبھی خرم کو۔

”یہ آپ کس کی بات کر رہے ہیں“ مسز فرقان نے پوچھا مگر ان دونوں نے سنا ہی نہیں کیونکہ خرم نے کہنا شروع کیا تھا۔

”جو آپ سمجھ رہے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں بس نمل سے شادی نہیں کر سکتا اور یہ سب میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں مجھے مزید سوچنے کی ضرورت نہیں۔“ خرم نہایت رسائیت سے کہہ رہا تھا۔

مگر فرقان حسن شدید غصے میں زوردار آواز کے ساتھ کرسی گھسیٹتے کھڑے ہو گئے۔
”تو پھر ٹھیک ہے جب سب طے کر چکے ہو تو ہم سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے جاؤ عظمت خلیل کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرو۔“

فرقان حسن جلالی انداز میں کہتے پاؤں پٹختے وہاں سے چلے گئے تو خرم بھی خاموشی سے اٹھ گیا حالانکہ مسز فرقان اسے پکارتی رہ گئیں مگر وہ رکا نہیں اور گھر سے نکل گیا۔



اتنے دنوں بعد اچانک رومیلا کو اپنے سامنے اور وہ بھی یونیورسٹی میں دیکھ کر نمل اور سنبل دونوں خوشی سے چیخ پڑیں اور دوڑ کر اس کے گلے جا لگیں۔

کتنی ہی دیر وہ تینوں ایک دوسرے سے لگی جانے کیا بولتی رہیں آخر کافی دیر بعد جب ان کے جذبات قابو میں آئے تب وہ تینوں ایک جگہ بیٹھ کر سکون سے بات کرنے لگیں زیادہ تر رومیلا ہی بول رہی تھی وہ دونوں بڑے انہماک سے سن رہی تھیں جو کہہ رہی تھی۔

”بس کل رات تم سے بات کرنے کے بعد میں نے آج صبح الیان سے یونیورسٹی کا ذکر کیا تو انہوں نے ڈرامیور کے ساتھ مجھے یونیورسٹی چلے جانے کو کہہ دیا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ کل سے جاؤں گی مگر جب انہوں نے کہا کہ آج کا دن کیوں ضائع کر رہی ہو تو میں آج سے ہی آگئی۔“

”تو کیا تمہاری ساس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تمہارے جانے پر۔“ سنبل نے پوچھا تو نمل بھی بے ساختہ بولی۔
”وہ بھی گھر کی گاڑی اور ڈرامیور کے ساتھ۔“

”نہیں میرے سامنے تو نہیں کیا۔ اصل میں الیان نے انہیں ضرور کچھ سمجھایا ہوگا انہوں نے پہلے سے

مراؤنڈ بنا رکھا ہوگا تبھی یہ سب ہوا ہے اب کیا بات ہوئی ہے یہ پوچھنے کا موقع ملے گا تو بتاؤں گی صبح میں تو الیان بہت جلدی میں ہوتے ہیں۔“ رومیلا نے کہا۔

”تو یہ الیان بھائی تمہیں اتنا سپورٹ کیوں کرتے ہیں کیا ابراہان بھائی کے ڈر سے۔“ نمل نے تعجب سے کہا۔
”جی پوچھو تو یہ بات خود مجھے حیران کر رہی ہے۔ الیان کا رویہ تو بہت اچھا ہے میرے ساتھ۔ وہ یہ سب کی بلیک میلنگ کے ڈر سے نہیں کرتے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے یہ سب کر رہے ہیں۔“ رومیلا نے پرسوج انداز میں کہا۔

”کیس انہیں تم سے محبت تو نہیں ہوگئی۔“ سنبل نے شوخی سے کہا تو رومیلا بے ساختہ ہنس دی۔
”پلیز سنبل مذاق میں بھی ایسی بات مت کرو۔“ نمل نے فوراً ”تو کا تو رومیلا کچھ ٹھٹھک کر مکمل کو دیکھنے لگی جو بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔“

”زیادہ خوشی غمیوں کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں۔ ایسی دھوکے بازی سے کی گئی شادیوں میں محبت بھی نہیں ہوتی صرف سمجھوتہ ہوتا ہے یا تو الیان بھائی میں انسانیت ہے اس لیے وہ یہ سب کر رہے ہیں یا پھر انہیں ڈر ہے کہ کہیں تم اپنے بھائی سے ان لوگوں کے رویے کی شکایت نہ کرو اور وہ اشتعال میں آکر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائیں۔“ مکمل نے صاف گوئی سے کہا تو رومیلا تو کچھ نہیں بولی البتہ سنبل ضرور کہنے لگی۔

”تم ہر بات کی اتنا منفی کیوں لیتی ہو اچھی امید رکھنا خوشی فہمی نہیں ہے اور اس شادی میں دھوکے بازی ابراہان بھائی نے کی ہے رومیلا نے نہیں۔ ہو سکتا ہے الیان بھائی کو اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو اس لیے وہ رومیلا کے ساتھ اتنے اچھے طریقے سے بی ہو کر رہے ہیں۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ میں تو صرف اس لیے کہہ رہی تھی کہ میں نہیں چاہتی کہ خدا ناخداستہ اگر اس شادی کا کوئی برا انجام ہو تو رومیلا اتنی بری طرح نہ بکھرے کہ سنبل نہ سکے۔“ مکمل نے رومیلا کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

صرف نمل کی بات سن کر ہی رومیلا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا اگر واقعی نمل کی بات کل کو سچ ہوگئی تو رومیلا کی کیا حالت ہوگی سنبل تک یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی۔

تھوڑی دیر کے لیے ان تینوں کے درمیان خاموشی چھا گئی جسے نمل نے ہی توڑا۔
”ویسے ایک بات کی مجھے بڑی خوشی ہے فائنل میچ میں سے کسی کو تو محبت ہوئی۔“ نمل کی بات پر سنبل بڑے زور سے ہنسی جبکہ رومیلا اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولی۔

”کس نے کہا تم سے کہ مجھے الیان سے محبت ہوگئی ہے۔“ اب کی بار تو مکمل بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔
”میں نے تمہارا نام کب لیا ہو سکتا ہے میں اپنی یا سنبل کی بات کر رہی ہوں۔“ رومیلا اپنی جلد بازی پر کچھ خجل سی ہو کر کہنے لگی۔

”تم لوگوں کے چہرے پر لکھا ہے نام لینے کی ضرورت کیا ہے۔“
”اسی طرح تمہارے بھی چہرے پر لکھا ہے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔“ سنبل برحسہ بولی تو رومیلا نہ چاہتے ہوئے بھی جھینپ گئی مکمل کو اس کا یہ روپ بہت پیارا لگا وہ بے اختیار اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو ہوگئی۔

”یار ہمیں بھی ذرا الیان بھائی سے شرف ملاقات بخش دو اب تک ہماری ان سے ڈھنگ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔“ سنبل نے مسکین سی شکل بنائی۔
”کو شش کروں گی وعدہ تو نہیں کر سکتی کیونکہ میں اپنے گھر تم لوگوں کو انوائٹ نہیں کر سکتی تم دونوں ابھی جاؤ تو

الیان گھر والوں کے سامنے ریزدوہی رہیں گے لہذا فی الحال صرف صبر کرو۔“

رومیلہ بڑی صاف گوئی سے بولی تو سنیل بھی سر ہلا کر رہ گئی مگر کچھ دیر بعد ان تینوں کو ہی بڑی حیرانی کا سامنا کرنا پڑا جب رومیلہ کے موبائل پر الیان کا فون آیا کہ وہ اس کی یونیورسٹی آ رہا ہے وہ اپنے فڈ پارٹمنٹ کے گیٹ پر آجائے۔

”ارے تم پوچھتیں تو کیوں آ رہا ہے۔“ سنیل نے رومیلہ کے حیرانی سے بتانے پر اس سے بھی زیادہ حیرانی سے کہا۔

”اب یہ پوچھنا تو کچھ اچھا نہیں لگتا کہ آپ کیوں آرہے ہیں۔“ رومیلہ نے بے چارگی سے کہا۔
”پوچھنے کی کیا ضرورت ہے آنے پر پتا چل جائے گا۔“ سنیل نے اطمینان سے کہا اور پھر الیان کی مسئلہ کا پتہ پاتے ہی وہ ان دونوں کے ساتھ ڈپارٹمنٹ کے باہر آگئی الیان تب تک گاڑی پارک کر کے ان کے انتظار میں کھڑا تھا۔

وہ آفس سے اٹھ کر آ رہا تھا اس لحاظ سے اس کی ڈریسنگ بھی ایسی ہی تھی سرمئی رنگ کی پینٹ اور کوٹ پر لائٹ آسمانی شرٹ اور سرمئی ٹائی لگائے آنکھوں پر پیش قیمت سن گلاسز چھائے وہ دور سے ہی نمایاں ہو رہا تھا۔
”واؤ! مجھے لگتا ہے وہ یہاں کی لڑکیوں کو اپنی ڈیشننگ بر سنالٹی سے متاثر کرنے آئے ہیں۔“ سنیل نے ستائشی انداز میں کہتے ہوئے ہونٹوں کو سیٹی بجانے والے انداز میں گول کر لیا تو رومیلہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی بولی اس لیے نہیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی الیان نے ان کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔

قریب آنے پر الیان نے چشمہ اتارتے ہوئے ان سب کو سلام کیا تو رومیلہ نے جواب دینے کے ساتھ ہی ان دونوں کا بھی تعارف کرا دیا اور پوچھنے لگی۔

”سب خیریت تو ہے نا آپ اس وقت یہاں“ رومیلہ خاصی حیران تھی تبھی خود پر ضبط نہ کر سکی اور فوراً ہی پوچھ لیا۔

خود الیان کے پاس بھی زیادہ وقت نہیں تھا جو ادھر ادھر کی باتوں میں ضائع کرتا رہ بھی فوراً کہنے لگا۔
”مصل میں تو میں یہاں نمل سے ملنے آیا ہوں بشرط یہ کہ نمل کے پاس ٹائم ہو سکون سے بیٹھ کر بات کرنے کا۔“ الیان نے براہ راست نمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں ٹائم تو ہے لیکن بات کیا ہے۔“ نمل نے یہ نہیں کہا کہ جب سے رومیلہ آئی ہے ہم صرف باتیں ہی تو کر رہے ہیں۔

”کیس بیٹھ کر بات نہ کر لیں۔“ الیان نے مسکراتے ہوئے کہا تو نمل بری طرح شرمندہ ہو گئی۔
”ہاں ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔“

پھر کچھ دیر بعد وہ چاروں کینٹین میں موجود تھے الیان نمل سے گلفام کے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔
نمل نے کچھ ہچکچاتے ہوئے رومیلہ کو دیکھا پھر اس کا اشارہ کر سب کچھ سچ بتا دیا۔
الیان ابرار بھائی اور گلفام کے گھر اور آفس کا پتہ لیتا چاہتا تھا مگر وہ نمل کو زبانی یاد نہیں تھے چنانچہ وہ اس نے ٹیکسٹ کر دینے کا وعدہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”آپ ان سب کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”کیوں؟ کیا تمہیں نہیں لگتا کہ ان لوگوں کو سزا ملنی چاہیے؟“ الیان نے چائے کا سپ لیتے ہوئے الٹا اسی سے پوچھا۔

”مگر آپ ان لوگوں کے خلاف کیا قانونی کارروائی کریں گے ایسے لوگوں کے خلاف کوئی قانون ہے ہی نہیں۔“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سیریم کوالٹی، ہارڈ کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز، از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

داعد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”رومیہ اگر تمہیں موقع ملے تو لیان بھائی سے پوچھنا ضرور ان کی خرم سے کہاں ملاقات ہو گئی۔“

”ہاں اور یہ بھی کہ ایسی کیا خوبی دیکھی جو اس کی تعریف کر رہے تھے۔“

”خیر یہ تو کوئی پوچھنے والی بات نہیں ہے کوئی بھی ذی ہوش انسان خرم سے ملے گا تو اس کی تعریف ہی کرے گا۔“

رومیہ نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا تو سنیل بھی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگی۔

”کل تو میری امی نے بھی اس کی تعریف کر دی۔“ نمل نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے کہا تو وہ دونوں اچھل پڑیں۔

”کیا بات کر رہی ہو؟“ سنیل تقریباً ”چچ پڑی تو نمل نے کل رات ان لوگوں کے آنے کے متعلق سب بتا دیا۔ وہ دونوں اس صورت حال کے متعلق سوچ کر ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔

عظمت خلیل ایسی حرکتوں کے باعث ہی اپنا احترام کھو چکے تھے۔

”کچھ بڑھائی وغیرہ کرنی ہے یا صرف باتیں ہی ہوں گی آج؟“ اچانک آسیہ کی آواز نے ان تینوں کو چونکا دیا۔

رومیہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے محض اخلاقیات نبھانے کے لیے آسیہ اور اس کے ساتھ کھڑی دوسری لڑکیوں سے گلے ملنے لگی ورنہ وہ سنیل کی زبانی ان کی ساری بد تمیزیاں سن چکی تھی خرم اور رومیہ کو لے کر۔

لیکن اگر انسان ساری دنیا سے اسی طرح بیرکھنے لگے تو خود اس کا اپنا جینا مشکل ہو جائے لہذا وہ باتوں اور رپوں کو نظر انداز کر دینے پر یقین رکھتی تھی اور اسی کے پیش نظر ان سب سے مسکرا کر بات کرنے لگی کہ ”نمل کامیو بائل بجنے لگا۔“

نمل نے پرس سے موبائل نکالا تو عظمت خلیل کا نمبر دیکھ کر اسے شدید حیرانی ہوئی وہ سنیل کو آنکھ سے اشارہ کرتی کینٹین سے باہر نکل گئی۔

”السلام علیکم۔“

”کہاں ہو تم۔“ انہوں نے نمل کے سوال کا جواب دیے بغیر قدرے بگڑ کر پوچھا۔

”یونیورسٹی میں! کیوں کیا ہوا؟“ نمل نے حیرت سے کہا۔

”تم فوراً“ ابھی اور اسی وقت گھر آ جاؤ۔“

”کیا امی ٹھیک ہیں۔“ نمل کا دل ایک دم بند ہونے لگا۔

”ہاں ہاں ٹھیک ہیں انہیں کیا ہوتا ہے بس تم فوراً“ گھر آ جاؤ۔“ عظمت خلیل ہمیشہ کی طرح حاکمانہ لہجے میں بول رہے تھے یہ سوچے بغیر کہ ان کے اس اچانک فرمان نے نمل کو کتنا پریشان کر دیا ہے۔

”لیکن ابو بات کیا ہے سب خیریت تو ہے نا۔“ نمل زچ ہو گئی اتنے بے برے ہو، ہول میں آنے لگے تھے۔

”کوئی خیریت نہیں ہے خرم کا فون آیا تھا اس نے منگنی توڑ دی ہے۔“ عظمت خلیل دھاڑے۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)



فوزیہ یاسمین

دستِ گمراہ

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور وہ اس سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی پھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سبیل اور نمل کو یونیورسٹی میں انٹریشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لے جاتی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم دکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے کی زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

—۳۷—

سیتھیو قسط



نمل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے سننے میں غلطی ہوئی ہے یا عظمت خلیل سے بولنے میں۔

”کیا کیا کہا آپ نے؟“

”ایک دفعہ میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی! میں نے کہا ہے خرم نے منگنی توڑ دی ہے۔“ عظمت خلیل کے منہ سے جھاک نکل رہے تھے۔ نمل حیرت کی زیادتی سے سن ہو گئی۔ یہ اطلاع اگر عظمت خلیل کے علاوہ کسی اور نے دی ہوتی تو شاید وہ یہ سوچ بھی سکتی تھی کہ یہ کوئی مذاق ہے۔ لیکن عظمت خلیل سے تو ایسی توقع کی ہی نہیں جاسکتی پھر وہ اس خبر پر یقین نہ کرے تو اور کیا کرے۔

”تم نے سنا نہیں تم فوراً گھر آ رہی ہو ابھی اور اسی وقت۔“ عظمت خلیل دھاڑ کر بولے تو نمل کچھ کہہ نہ سکی اور دوسری طرف انہوں نے فون بند کر دیا۔ نمل کتنی دیر بے یقینی کے عالم میں کھڑی رہی کہ سنبل کو اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ اپنے حواس جمع کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

”کیا ہوا سب خیریت تو ہے۔“ سنبل نے اس کے چہرے سے کچھ اخذ کر لیا تھا تب ہی پریشانی سے بولی۔

”اے! پتا نہیں خیریت ہے یا نہیں۔“ نمل تذبذب کا شکار تھی۔

”کیا مطلب؟“ سنبل ابھی۔

”ابو کا فون تھا خرم نے منگنی توڑ دی ہے۔“ نمل نے سنبل کو بغور دیکھتے ہوئے کہا اس کی توقع کے مطابق سنبل اس کی بات سنتے ہی ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

”ابو نے مجھے گھر بلایا ہے مجھے فوراً جانا ہو گا۔“

”ٹھیک۔ لیکن نمل۔“ سنبل کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔

”خبر تو واقعی بہت شاکنگ ہے لیکن اس پر بصرہ بعد میں کریں گے۔ مجھے امی کی فکر ہو رہی ہے پتا نہیں ابو ان کے ساتھ کیسے پیش آرہے ہوں گے مجھے فوراً گھر جانا ہو گا۔“ نمل نے موبائل بیک میں ڈالتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔

”تم اور رومیلا اکٹھے نہیں بڑھ سکتے۔“ سنبل نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ نمل ٹھنک گئی۔

”آج سے رومیلا نے آنا شروع کیا ہے تو تم آنا چھوڑ دو گی۔“ سنبل گہرا سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

”میں کیوں چھوڑ دوں گی؟ میں صرف ابھی گھر جا رہی ہوں امی کی وجہ سے۔“ نمل نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”کے بے وقوف بنارہی ہو نمل! کیا تم اپنے فادر کو نہیں جانتیں۔ خرم نے منگنی چاہے جس وجہ سے بھی توڑی ہو الزام سارا تم پر ہی آئے گا اور تمہارے والد کا غصہ بھی ہمیشہ صرف تم لوگوں پر نکلتا ہے چاہے غلطی کسی کی بھی ہو۔ لہذا ان سے یہ توقع بے کار ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ اس یونیورسٹی میں بھیجیں گے جہاں خرم پڑھتا ہے۔“ سنبل کے مابوسی سے کہنے پر نمل چند لمحوں کے لیے بالکل لاجواب ہوئی۔

سنبل ٹھیک کہہ رہی تھی اب بہت مشکل ہی تھا کہ عظمت خلیل اسے یونیورسٹی آنے دیتے ایک بار وہ رشیدہ کو سختی سے منع کر دیں گے تو رشیدہ کسی نہ کسی طرح جذباتی دباؤ ڈال کر نمل کو یونیورسٹی جانے سے روک لیں گی۔

”پچلو خیر ابھی تو تم آنی کے پاس جاؤ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔“ سنبل نے اسے سوچ میں ڈوبتا دیکھ کر تسلی دی۔

”بعد میں کیا دیکھیں گے ابو رومیلا کے ابرار بھائی سے زیادہ مختلف نہیں ہیں وہ بھی اپنے غصے کا رسی ایکٹن دکھانے کے لیے میری شادی جلد بازی میں کسی اور شخص کے ساتھ طے بھی کر سکتے ہیں۔ گھر جانے سے پہلے مجھے

خرم سے بات کرنی چاہیے ذرا پتا تو چلے کہ اس نے منگنی کیوں توڑی ہے اور اس کی وجہ کیا بتائی ہے۔“ نمل نے بیک کی زپ کھولتے ہوئے کہا۔

”منگنی خرم کے پیر شس نے توڑی ہوگی نمل جو کچھ وہ دیکھ کر گئے ہیں اس کے بعد وہ اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے ہوں گے بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے ایسے گھر سے لڑکی لینا پسند نہیں کرتے جہاں کا ماحول انہیں پسند نہ آئے۔“ سنبل نے تنفر سے کہا۔

”مجھے نہیں لگتا کہ یہ فیصلہ اس کے والدین کا ہے میرے گھر سے جاتے وقت وہ لوگ اتنے بے زار نہیں تھے کہ گھر جا کر منگنی توڑنے کا فیصلہ کر لیتے اور نہ ہی خرم اتنا فرماں بردار ہے کہ ان کے کہنے پر کوئی قدم اٹھائے۔ ابو نے کہا تھا خرم کا فون آیا ہے اس نے منگنی توڑ دی ہے۔ گویا ان کی براہ راست خرم سے بات ہوئی ہے۔ اتنی اہم بات خرم نے کیوں کی۔ یہ ڈسکشن تو فرقان انکل کو کرنا چاہیے تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ منگنی خرم نے اپنے پیر شس کے خلاف جا کر توڑی ہے اسی لیے انہوں نے خود بات کرنے سے بھی انکار کر دیا۔“ نمل موبائل ہاتھ میں پکڑے تانے بانے بنتی رہی۔

”تو پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے خرم کے منگنی توڑنے کی؟ اس طرح منگنی توڑ کر تو اس نے اپنی شکست قبول کر لی ہے اور اس کا شکست قبول کر لینا بلا وجہ کا نہیں ہو سکتا۔“ سنبل سوچتے ہوئے بولی۔

”نمل گھر پر بھی اس کا رویہ بہت عجیب تھا۔ کہ کہیں اس نے امی کی وجہ سے۔“ نمل نے چونکتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”رشیدہ آنٹی!“ سنبل نے اپنے صبیحے کے ساتھ دہرایا۔

”ہاں۔۔۔ اومائی گاڈ کہیں اس نے ابو کے سامنے امی سے کسی قسم کا ہمدردی کا اظہار وغیرہ نہ کر دیا ہو کل جس طرح ابو امی کے ساتھ پیش آرہے تھے وہ خرم کو پسند نہیں آیا تھا اگر اس نے اس بارے میں ابو سے کوئی بات کی ہوگی تو ابو کا موڈ امی سے بہت بری طرح خراب ہو گا پتا نہیں وہ ان کو کتنی باتیں سنا چکے ہوں گے۔“ نمل اس خیال کے آتے ہی بری طرح مضطرب ہو گئی اور اپنے موبائل میں خرم کا نمبر تلاش کرنے لگی اور تب ہی اس پر انکشاف ہوا کہ اس کے پاس تو خرم کا موبائل نمبر ہی نہیں۔

”تمہارے پاس خرم کا نمبر ہو گا؟“ اس نے سنبل سے پوچھا تو وہ بھی چونک اٹھی۔

”نہیں۔۔۔ ابھی ضرورت ہی نہیں پڑی اس کا نمبر لینے کی۔ تم کو تو میں آسیہ وغیرہ سے پوچھ لوں ان کے پاس ہو گا۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ میں انہیں سوال جواب کرنے کا موقع مل جائے گا۔ پتا کرتے ہیں اگر وہ یونیورسٹی آیا ہے تو اس سے براہ راست بات کر لیتے ہیں۔ اگر اس نے یہ منگنی والدین کے خلاف جا کر توڑی ہے تب تو گھر سے فرار حاصل کرنے کے لیے ضرور آئے گا۔“ نمل نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے پر سوچ انداز میں کہا تو سنبل نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے خرم کی تلاش میں اس کے ساتھ قدم آگے بڑھا دیتے۔

رومیلا باقی لڑکیوں کے ساتھ کینٹین میں ہی مصروف گفتگو تھی اور اگر فارغ بھی ہوتی تب بھی نمل رشیدہ کا خیال آتے ہی اتنی پریشان ہو گئی تھی کہ وہ خرم کو جلد سے جلد تلاش کرنے میں لگ گئی تاکہ سچائی کا پتا چلتے ہی وہ گھر پہنچ کر چیخے اور غراتے عظمت خلیل کے سامنے رشیدہ کی ڈھال بن کر کھڑی ہو سکے۔ کچھ ہی دیر میں اسے دوسرے اسٹوڈنٹس کے ذریعے یہ پتا چل گیا کہ خرم یونیورسٹی آیا ہے مگر وہ ہے کہاں یہ جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

آخر جب نمل نے تھک کر اس سے ملنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تب بارکنگ کی طرف جاتے ہوئے اچانک وہ سامنے آگیا نمل اس پر نظر پڑتے ہی تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھنے لگی۔ خرم بھی اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر

رک گیا نمل نے اس کے سامنے آتے ہی بغیر کسی تمہید کے چھوٹے ہی پوچھا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ ایک تو بہ رشیدہ کا سوچ کر پہلے ہی پریشان تھی اس پر خرم کو تلاش کرنے میں جو وقت اور محنت صرف ہوئی تھی اس نے نمل کو شدید قسم کی جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ ابھی اس کا لہجہ خود بخود غلاہٹ تیکھا ہو گیا۔

”کیا؟“ خرم سمجھ نہیں سکا اسے امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی نمل کو اس کے منگنی توڑ دینے کی اطلاع مل سکتی ہے اس نے بیس یونیورسٹی آکر تو عظمت خلیل کو فون کیا تھا۔

اس کے بعد سے اس کا دل اتنا بے زار ہوا تھا کہ وہ گھر جانے کے ارادے سے پارکنگ میں آگیا تھا مگر سارا لگنے کے بعد اس کا گھر جانے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا وہ سوچ رہا تھا اس وقت تو کوئی مال بھی نہیں کھلا ہو گا کہ وہ اسی میں جا کر بیٹھ جائے ایک طرح سے وہ خالی الذہنی کے عالم میں پارکنگ میں ٹھل رہا تھا چنانچہ نمل کی بات اس کے سر پر گزر گئی۔

نمل کو اس کا انجمن بننا مزید سلگا گیا تو وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

”تمہیں اگر منگنی توڑنی تھی تو اتنے عرصے انتظار کیوں کیا؟“ بلکہ تم نے منگنی کی کیوں تھی جب تمہیں شادی نہیں کرنی تھی۔“ خرم کی سمجھ میں نہ آیا اسے کیا جواب دے۔

یہ بات ابھی اس نے صرف عظمت خلیل سے کی تھی لہذا یہ اطلاع اسے عظمت خلیل سے ہی ملی تھی اور اس کا انداز بتلا رہا تھا کہ انہوں نے خاصے سخت طریقے سے اس سے گفتگو کی ہے تبھی وہ اتنی پھری ہوئی ہے خرم نے اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے رسائیت سے کہا۔

”تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں نے منگنی کیوں کی تھی اور اب کیوں توڑ دی کیا تمہارے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ تم جو چاہتی تھیں وہ ہو گیا ہے۔“ میں اگر صرف اپنے بارے میں سوچنے والوں میں سے ہوتی تو یہ منگنی ہوئی نہیں سکتی تھی مجھے خود سے زیادہ اپنی ماں کی فکر ہے اس لیے پوچھ رہی ہوں تم نے ابو سے کیا کہا ہے؟“ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا صرف معذرت کی ہے کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔“ خرم نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے سکون سے کہا۔ ”اور تمہیں لگتا ہے کہ انہوں نے تمہاری معذرت قبول کر لی۔“

کل رات تم ہمارے گھر آئے اور آج صبح تم نے شادی سے انکار کر دیا اس کا صاف مطلب تو یہی ہے نا کہ کل تم اس قدر تنگ آ کر وہاں سے اٹھے تھے کہ گھر جاتے ہی تم نے فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ میں جانتی ہوں تمہارے انکار کی وجہ کل ہمارے گھر آنا نہیں ہے لیکن میرے ابو کو یہ بات کون سمجھائے گا۔ تم نے یہ منگنی کوئی اپنی خوشی سے تو کی نہیں تھی مجھے امید تھی تم شادی کے بعد مجھے چھوڑ دو گے تم نے سمجھ داری دکھاتے ہوئے پہلے ہی گلے کا طوق اتار کر پھینک دیا۔ لیکن مجھے اس کی فکر نہیں کہ تم نے کیا کیا اور کیوں کیا۔ مجھے صرف اس بات سے غرض ہے کہ تم نے کیسے کیا؟“ تمہیں ابو کو فون کر کے پوری بات تفصیل سے بتانی ہوگی کہ تم اس شادی کے لیے کبھی سیریس تھے ہی نہیں۔ تم نے ایسے ہی بس وقتی جوش کے زیر اثر منگنی کر لی تھی اور اب وہ جوش ٹھنڈا ہو گیا ہے تو منگنی توڑ دی۔

ان تمام باتوں کے پیچھے میری امی کی کوئی غلطی نہیں ہے انہوں نے کل ایسا کچھ بھی کہا یا کیا نہیں تھا جس کے باعث تم نے یہ قدم اٹھایا۔“ نمل رکے بغیر ایک سانس ٹپول رہی تھی۔

وہ تو خرم کو دیکھتے ہی تیز تیز چلتی اس تک آگئی تھی جبکہ سنبل کے قدم خرم پر نظر پڑتے ہی ست بڑ گئے تھے لہذا وہ اب ان دونوں کے نزدیک پہنچی تھی یہ اور بات تھی کہ نمل کی آواز اسے پہلے سے سنائی دے رہی تھی اس کا غصہ دیکھتے ہوئے سنبل کچھ قدم کے فاصلے پر ہی خاموشی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

دیکھا انہوں نے تمہاری والدہ کو مورد الزام ٹھہرایا ہے؟“ خرم جو بڑے غور سے اس کی بات سن رہا تھا اس کے خاموش ہونے پر سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

”ہاں۔“ نمل یقین سے بولی کیونکہ وہ اپنے والد کو اچھی طرح جانتی تھی ان کے فوراً اسے گھبرلانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ رشیدہ اور نمل پر اپنا غصہ نکال سکیں آخر کو انہوں نے نمل کی مرضی کے بغیر یہ منگنی کر دی تھی انہیں کھائی ملی کی طرح کھمبائوں پر لپکے لیے ان دونوں کو ہی کچوکے لگانے تھے۔

”مگر یہ بات ہے تو میں ان سے فون پر دوبارہ بات کر کے اس منگنی کو توڑنے کی ساری ذمہ داری خود پر لے لیتا ہوں حالانکہ جتنا میں انہیں سمجھ سکا ہوں اس کی روشنی میں میں چاہے ان سے جو بھی کہہ لوں انہیں مجھ پر یقین نہیں آئے گا اور وہ تمہیں اور آنٹی کو ہی کسی نہ کسی طرح ازیت دیں گے لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ میرے بات کرنے سے چویش بر کوئی فرق پڑ سکتا ہے تو میں ابھی بات کر لیتا ہوں۔“ خرم بڑی بروہاری سے بات کر رہا تھا۔

اس کے لہجے یا گفتگو میں اس کے والد کی فطرت کو لے کر ہلکا سا بھی طنز یا مسخر نہیں تھا بلکہ اس کے رویے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہو۔

نمل کے غصے میں جیسے ایک ٹھہراؤ آگیا وہ کسی سوچ میں گھری اسے دیکھے گئی۔

وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا جب وہ عظمت خلیل کو جاننے کا دعوا کرتی ہے تو پھر یہ کیسے فراموش کر گئی کہ خرم چاہے جو بھی کہہ لے انہیں نمل اور رشیدہ سے ہی خائف ہوتا ہے پھر بھلا کیا ضرورت تھی اتنے شدید رد عمل کا مظاہرہ کرنے کی۔

عظمت خلیل نے گھر آنے کو کہا تھا اسے چپ چاپ گھر چلے جانا چاہیے تھا وہ اگر کل سے اسے یونیورسٹی نہیں آنے دیتے تب بھی یہ نمل کا مسئلہ تھا خرم کا نہیں جو اس کی جان کھائی جائے۔

”کیا سوچ رہی ہو؟ تم کہو تو ابھی فون کر لوں۔“ خرم نے اسے چپ دیکھ کر کہا۔

”نہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔“ نمل بے ساختہ بولی پھر اپنی خجالت مٹانے کے لیے وضاحت دینے لگی۔

”صل میں کل جو کچھ ہوا مجھے لگا تم نے ابو سے اسی کی شکایت کرتے ہوئے شادی سے انکار کیا ہو گا۔ اگر تم نے ایسا کچھ کہا ہو تو اب واقعی امی کے لیے ایک قیامت کھڑی کر دیتے۔“

”میں نے جب منگنی کی تھی تب یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ تمہارے گھر کا ماحول کیسا ہے اور اب جبکہ توڑی ہے تو بھی مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑا کہ کل کیا ہوا۔ پھر مجھے کیا ضرورت ہے تمہارے ابو کے سامنے جھوٹی تاویلیں پیش کرنے کی۔“ خرم نے نہایت ٹھوس لہجے میں کہا۔

”تو سچ کیا ہے؟“ نمل خود کو ایک دم ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی تھی۔

وہ خرم کی طرف سے کسی غلط بات کی توقع کر رہی تھی کہ اس نے رشیدہ یا نمل پر کوئی الزام رکھ کر اپنی جان چھڑائی ہوگی مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ لہذا اب عظمت خلیل اپنی عادت کے مطابق ایک بلا وجہ کا ہنگامہ کھڑا کریں گے اور کچھ دنوں بعد پھر سب کچھ معمول کے مطابق ہو جائے گا ان سب کی تو وہ بچپن سے عادی تھی۔

اس وقت سب سے اہم بات یہ تھی کہ خرم نے اسے اس زبردستی کے بندھن سے آزاد کر دیا تھا اور اچانک ایک خوشگوار احساس نے اس کا سارا غصہ ختم کر دیا تھا۔ رشیدہ کی طرف سے اسے ابھی بھی فکر تھی اس لیے اسے ابھی بھی گھر پہنچنے کی جلدی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ خرم کی اس کا پلاٹ کا سبب ہی نہ پوچھتی۔

”کیا مطلب؟“ خرم سمجھا ہی نہیں۔

”مطلب یہ کہ اگر تم نے کل امی ابو کے بیچ کشیدگی دیکھ کر اس منگنی کو ختم نہیں کیا تو پھر کیوں کیا ہے؟ تم تو زبردستی مجھ سے شادی کرنے کا عہد کیے بیٹھے تھے۔“ نمل کا انداز چڑانے والا نہیں تھا بلکہ زندگی میں پہلی بار وہ بڑے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، نادر مل کوالٹی، کمپریڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

مسکراتے لہجے میں اس سے سوال کر رہی تھی۔
خرم بے اختیار اسے دیکھے گیا ایک بار اس نے جھوٹ موٹ میں نمل سے کہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اس لیے اس نے یہ منگنی کی ہے تب نمل چند ثانیوں کے لیے پتھر اگنی تھی۔
آج اس کا شدت سے دل چاہا کہ وہ اسے بتا دے کہ وہ واقعی اس سے محبت کرتا ہے اس لیے محض اس کی خوشی کی خاطر اس نے اپنے دل کی ایک نہ سنی اور اس کے حصول کا پورا اختیار رکھتے ہوئے بھی خاموشی سے اپنے اختیار سے دست بردار ہو گیا۔ مگر وہ یہ سب کہہ نہیں سکا کوئی چیز اسے یہ کہنے سے روک رہی تھی اس کی انا یا شاید کچھ اور وہ سمجھ نہیں سکا۔
خرم کو خاموش دیکھ کر نمل آنکھوں کو ذرا سا چندھیاتے ہوئے بولی۔

”تم نے سوچا تو ہر پہلو پر ہو گا۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ تم نے جذبات میں آکر منگنی توڑ دی کہ کون اس نام نہاد رشتے کو نبھائے گا۔ آرام سے دس بارہ سال بعد شادی کروں گا مگر یہ لوگ اتنی لمبی منگنی رکھنے نہیں دیں گے لہذا جتنی جلدی اس بات کو ختم کر دیا جائے اتنا ہی اچھا ہے اس رشتے کو جتنا طول دیا جائے گا آگے اتنے ہی مسائل ہوں گے۔

لیکن اس منگنی کے ٹوٹنے پر یونیورسٹی کاری ایکشن معمولی نہیں ہو گا یہاں سب۔ بہت کچھ کہیں گے تمہیں منگنی توڑی ہی تھی تو اپنا فاسٹ ٹکسٹر کرنے کے بعد توڑتے ایک باریہاں سے چلے جاتے تو کوئی فرق نہیں پڑتا یہاں لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔“ نمل اب باقاعدہ اسے مشورہ دے رہی تھی۔

اس نے آج تک اتنے سکون سے کبھی خرم سے بات نہیں کی تھی ان کے بیچ ہمیشہ یا تو بحث ہوئی تھی یا محض دوسروں کو سنانے کے لیے طنزیہ گفتگو۔ آج پہلی بار وہ اتنے خوشگوار انداز میں بات کر رہی تھی کہ خرم کا دل چاہنے لگا وہ بس بولتی رہے۔

پہلی بار اسے لگ رہا تھا کہ نمل سے پرسکون ماحول میں بات کرنا کتنا خوبصورت احساس ہے جو ایک زبردستی کے رشتے میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

دوسرے کو اذیت دے کر بظاہر شاید انسان کو یہ لگتا ہو کہ اس کی انا کو تسکین مل رہی ہے لیکن درحقیقت انسان کا ضمیر مر رہا ہوتا ہے اور جب ضمیر مرنے لگے تو ذہنی سکون اور قلبی آرام سب ختم ہو جاتا ہے۔

یہ اذیت چاہے انسان جان بوجھ کر دے یا انجانے میں اس کا اثر دونوں فریقین پر پڑ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے فیصلے پر دیکھی ہونے کے باوجود وہ مطمئن تھا اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا چنانچہ نمل کے سوال پر وہ اپنی انزلی لاپرواہی کے ساتھ بولا۔

”فرق تو مجھے اب بھی نہیں پڑتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”You Know Me Who Cares“

”لیکن پھر بھی اس اچانک فیصلے کے پیچھے کوئی وجہ تو ہوگی۔“ نمل بضد تھی جاننے پر۔
”ہاں ہے وجہ مگر وہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔“ خرم نے نہایت صاف گوئی سے کہا تو نمل کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد سنجیدگی سے کہنے لگی۔

”کہیں یہ وجہ وہی تو نہیں جس کے بارے میں یونیورسٹی میں سب بات کر رہے ہیں۔“ خرم کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا تو نمل وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

”دیکھو مجھے تمہارے پرستل معاملے میں بولنے کا حق تو نہیں ہے لیکن تمہارے پیرئٹس بہت اچھے ہیں صرف ان کی خاطر میں ایک مشورہ دوں گی۔ کوئی بھی ایسا فیصلہ مت کرنا جس سے انہیں تکلیف پہنچے۔“

”تم کیا کہہ رہی ہو میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ خرم نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا تو نمل کچھ جھجکتے ہوئے کہنے لگی۔

”کیا یہ سب تم زویہ کے لیے کر رہے ہو؟“ خرم کو قطعی امید نہیں تھی کہ نمل یہ سوچ سکتی ہے۔ اس کا تو جیسے ایک دم دماغ ہی گھوم گیا اس کے چہرے پر سختی کے تاثرات ابھرتے دیکھ کر نمل جلدی سے کہنے لگی۔

”میں نے صرف ایک اندازے کے مطابق کہا ہے اس کی تائید یا تردید کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں اور میں سب صرف فرقان انگل اور آئی کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔ وہ دونوں بہت کیرنگ ہیں تمہیں اندازہ نہیں ہے تم کہنے لگی ہو۔ والدین کو تو کبھی دکھ نہیں دینا چاہیے اور ایسے پیرئیں کو تو بالکل بھی نہیں۔ کسی بھی والدین کی یہ خواہش نہیں ہو سکتی کہ اس کی اولاد کی شادی کسی ذہنی بیمار شخص سے ہو خاص طور پر ایسی صورت میں جب ان کی ایک ہی اولاد ہو۔“ نمل بڑی رسائی سے بول رہی تھی۔

خرم کو یقین تھا وہ یہ سب بلا وجہ نصیحت کرنے کے لیے نہیں کہہ رہی اسے واقعی اس کے والدین کی فکر ہے لیکن خرم زویہ اور اپنے بارے میں فرقان حسن کے منہ سے سن کر اتنا تپا ہوا تھا کہ نمل کے منہ سے زویہ کا نام سننے ہی اس کا تنفس بڑھنے لگا۔

”میں یہ سب زویہ کے لیے نہیں کر رہا نہ ہی میرے اور زویہ کے بیچ ایسا کچھ ہے کہ مجھے اس کی خاطر منگنی توڑ کر اپنے والدین کو دکھ دینا پڑے میں تو یہ سب۔“ خرم نے کچھ کہتے کہتے سختی سے لب بچھینچ لیے۔

نمل اس کے رد عمل پر کچھ سٹپا سی گئی تھی اسے عادت نہیں تھی ذاتی معاملے میں دخل دینے کی اور یہ تو تھا بھی اتنا حساس موضوع کہ اس بری بات کرنے سے پہلے تو دس بار سوچنا چاہیے خاص طور پر تب جب سامنے والے سے آپ کی کوئی گہری دوستی یا وابستگی بھی نہ ہو۔

خرم کے چبا کر کہنے پر نمل بھی بے اختیار ان کے قریب آ گئی۔

”نمل کا مقصد آپ کو طعنہ مارنا نہیں تھا وہ تو یہ سب آپ کے والدین کی خاطر کہہ رہی تھی ورنہ تو یہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ نے چاہے جس وجہ سے۔“ بھی یہ منگنی توڑی ہے ہم پر بہت احسان کیا ہے شادی کوئی مذاق نہیں ہے جو کسی بھی وقت کر لی اور کہیں بھی جا کر توڑ دی۔ اگر آپ پورے خلوص سے نمل کی طرف بڑھے ہوتے تب تو بات الگ تھی لیکن نہ آپ مخلص تھے نہ نمل مطمئن اپنے رشتے کو بروقت ختم کر دینا ہی بہتر تھا اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یونیورسٹی میں کون کیا سوچ رہا ہے۔“ نمل جلدی جلدی بولی تو خرم ہنوز خشک لہجے میں بولا۔

”میرے بارے میں کوئی کچھ بھی سوچے مجھے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن کسی لڑکی کے بارے میں غلط رائے رکھنا اور بغیر تصدیق کے اس کا دوسروں کے سامنے اظہار کر دینا نہایت غلط بات ہے۔ زویہ پاگل خانے میں ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہو سکتا اس کی اذیت اور تکلیف کا۔ نہ جانے اسے وہاں کب تک رہنا پڑے۔

پتا نہیں وہ کبھی وہاں سے نکلے گی بھی یا نہیں۔

اس کی خاطر میرا تم سے منگنی توڑنا نہایت حماقت کی بات ہے۔“

”آئی ایم سوری۔“ نمل بری طرح شرمندہ ہو گئی تھی اس کے چہرے پر پھیلی خجالت دیکھ کر خرم نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ کچھ دیر نمل کو دیکھتے رہنے کے بعد بہت دھیمے لہجے میں کہتا اپنا گاڑی کی طرف مڑ گیا۔

”It's Ok“ نمل اور نمل خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہیں کہ اچانک نمل نے اسے پکار لیا تو وہ اپنی جگہ

رک گیا مگر پلٹا تب بھی نہیں ٹپس ڈراسی گردن موڑ کر نمل کو دیکھنے لگا جس کا سوال خرم تو کیا نمل تک کو حیران کر گیا تھا۔

”کیا یہ منگنی آپ نے اس لیے توڑی ہے کہ نمل خوش نہیں ہے؟“ نمل منہ کھولے نمل کو دیکھنے لگی۔ مگر نمل کی نظریں خرم پر جمی تھیں جو ایک حیران نظر اس پر ڈال کر نمل کو دیکھنے لگا تھا مگر نمل اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔“ نمل دانت پیستے ہوئے سرگوشیاں انداز میں بولی مگر نمل پر جیسے کوئی اثر نہ ہوا وہ بڑی گہری نظروں سے خرم کا مشاہدہ کر رہی تھی جو بالکل خاموش کھڑا تھا۔

اور اس کی اس خاموشی نے نمل کو چونکنے پر مجبور کیا تھا وہ اس کی طرف سے کسی استہزاء یا ہنسی یا تمسخرانہ فقرے کے منتظر بھی تھی اسے نمل کا یہ سوال گناہ سخت گراں گزرا تھا جس نے یہ پوچھ کر ایسا تاثر دیا تھا جیسے وہ دونوں بڑے خوش فہم ہوں اور جانے کون سی تصوراتی دنیا میں رہ رہے ہوں۔

لیکن حیرت انگیز طور پر اس نے نمل کا مذاق اڑایا نہ ہی کوئی چھچھور سا ہتھیارا بلکہ اس نے تو نمل کے سوال کی نفی بھی نہیں کی حالانکہ اسے فوراً انکار کر دینا چاہیے تھا۔ نمل نے بے ساختہ خرم کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا نظریں ملنے پر وہ بغیر کچھ کہے فوراً اپنی گاڑی کی طرف گھوم گیا پھر گاڑی میں بیٹھنے سے لے کر گاڑی نکال کر لے جانے تک اس نے ان دونوں کی جانب نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جبکہ وہ دونوں کتنی ہی دیر اس دھول کو دیکھتی رہیں جو خرم کی گاڑی اڑا کر گئی تھی۔

نمل دانستہ نمل کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھی وہ اس وقت اس موضوع پر کچھ بولنا تو دور کنل کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی اس کے برعکس نمل سوچوں میں اتنی غرق تھی کہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔

”نمل میں گھر جا رہی ہوں پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔“ نمل نے کہا اور نمل کا جواب سننے بغیر آگے بڑھ گئی۔ سارے راستے اس کا ذہن بری طرح منتشر رہا کسی بھی ایک نکتہ پر وہ یکسو ہو کر سوچ نہیں پا رہی تھی۔

کبھی ذہن رشیدہ کی طرف چلا جاتا کبھی عظمت خلیل کے غصے کے بارے میں سوچنے لگتی اچانک اسے فرقان حسن اور مسز فرقان سے کل رات والی ملاقات کا خیال آنے لگتا تو کبھی خرم کی رویے کی یہ تبدیلی اسے الجھانے لگتی۔

ان ہی ساری الجھنوں کے ساتھ جب وہ گھر پہنچی تو عظمت خلیل رشیدہ پر چیخ چلا کر تھک چکے تھے البتہ نمل کو دیکھتے ہی انہیں ایک نئی قوت مل گئی تو وہ ایک بار پھر شروع ہو گئے۔ نمل کی توقع کے مطابق ان کی گفتگو کا لب لباب یہی تھا کہ کل وہ دونوں ماں بیٹی اس قدر بد اخلاقی سے پیش آئیں کہ خرم کی عزت نفس مجروح ہو گئی۔

فرقان صاحب کو عظمت خلیل نے فون کیا تھا اور وہ بیٹے کی حرکت پر سخت شرمندہ تھے گوکہ عظمت خلیل ان کے ساتھ بھی نرمی سے پیش نہیں آئے تھے لیکن ان کا معذرت خواہانہ انداز سن کر وہ اپنی بھڑاس منکال رکھے اور پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی ان کے پاس رشیدہ اور نمل موجود تھیں جن پر اپنی جھنجھلاہٹ نکالنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

نمل خاموشی سے رشیدہ کی وہیل چیئر کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ رشیدہ نے آواز نہ دی تھیں نمل اس وقت کچھ

کہہ کر ہنگامے کو ہوا نہیں دینا چاہتی تھی ویسے بھی اس کے پاس کہنے کے لیے ایسا کچھ خاص تھا بھی نہیں۔

خرم میں بظاہر ایسی کوئی برائی نہیں تھی جسے بنیاد بنا کر وہ عظمت خلیل کے فیصلے کو غلط قرار دیتی۔ البتہ ان کی جلد بازی اور رشیدہ اور نمل سے مشورہ کیے بغیر سب ملے کر وہ اخلاقی اور شرعی لحاظ سے غلط تھا مگر اس وقت اس پر بات کرنا بے سود تھا اور یہ تو انہیں پتا نہیں تھا کہ خرم کا اس سے منگنی کرنے کا مقصد کیا تھا۔ لہذا یہ شکایت کرنے کا

تو سرے سے حق ہی نہیں بننا تھا۔

”کل ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تمہارا وہ فرقان حسن اور بھابھی کے ساتھ کس قدر خشک اور روکھا ہوا ہے خرم سے بھی تم نے ڈھنگ سے کوئی بات نہیں کی۔ بھلا ایسی لڑکی سے اسے شادی کرنے کی ضرورت کیا ہے یونیورسٹی میں بھی تم اس کے ساتھ ایسے ہی پیش آتی ہو گی۔ بے زار آگیا ہو گا وہ۔“ عظمت خلیل صرف جملے کے پھپھولے پھوڑے تھے ورنہ انہیں کیا پتا نمل ان کے آنے سے پہلے فرقان حسن اور مسز فرقان کے ساتھ بڑے خوشگوار ماحول میں باتیں کر رہی تھی۔

”تم اب کل سے یونیورسٹی نہیں جاؤ گی۔“ جب رشیدہ اور نمل ان کی کسی بھی بات پر کچھ نہ بولیں تو آخر تک کراہیوں نے صرف نمل کو تانے کے لیے وہی کہا جس کی نمل کو امید تھی۔

نمل نے ایک نظر رشیدہ کے چہرے پر ڈالی جہاں دکھ اور ملال کا ایک پورا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اشک تھے کہ بے جا رہے تھے۔

نمل نے دوبارہ سر جھکا لیا اس وقت رشیدہ کے لیے بس وہ یہی کر سکتی تھی کہ پھرے ہوئے عظمت خلیل سے کوئی بحث نہ کرنی اگر وہ کچھ کہتی تو عظمت خلیل جواباً ”انتا زہرا گلتے کہ رشیدہ کی رگ دپے میں خون کی جگہ دکھ اور تلخیاں گردش کرنے لگتیں۔“

عظمت خلیل حکم صادر کر کے پاؤں پیختے گھر سے باہر نکل گئے تو رشیدہ جو بے آواز آنسو بہا رہی تھیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

نمل اٹھ کر ان کے لیے پانی لے آئی جسے پینے کے بھی کافی دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئیں۔

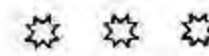
”کیا تمہیں پتا ہے کہ یہ سب کیوں ہوا؟“ نمل جیسے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہی۔ جو اسے پتا تھا پتا نہیں وہ کتنا صحیح تھا کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے نفی میں سر ہلادیا تو رشیدہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”بچلو جو بھی وجہ ہو۔ تم جو چاہتی تھیں وہ ہو گیا اللہ کرے اسی میں تمہاری بہتری ہو اور ہم سب کی بھی نمل کچھ بھی نہ بولی بس سر جھکائے بیٹھی رہی تو رشیدہ وہیل چیئر پکین کی جانب گھماتے ہوئے کہنے لگیں۔

”ابھی کچھ دن یونیورسٹی نہ جاؤ۔ تھوڑا ان کا غصہ ٹھنڈا ہونے دو اور پھر خرم بھی وہیں ہوتا ہے کچھ دن ہر زبان پر یہی چرچہ ہو گا لوگوں کی باتیں تمہیں خواہ مخواہ پریشان کریں گی۔“ رشیدہ یہ کہہ کر چلی گئیں۔

جبکہ نمل صرف سوچتی رہ گئی کہ وہ جب بھی جائے گی نئے سرے سے لوگ اس موضوع پر بات کرنے لگیں گے اس کا گھر میں بیٹھنا کوئی حل نہیں البتہ یہ واقعی سچ تھا کہ عظمت خلیل کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے یہ کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ جو کچھ ہوا تھا وہ انہیں شدید تپ و تاب میں مبتلا کر گیا تھا اور ان کی یہ چرچہ اہٹ پتا نہیں کتنے طویل عرصے تک نمل اور رشیدہ پر نکلتی تھی۔

اگر یہ سب صرف زبان تک محدود رہتا۔ تب تو ٹھیک تھا لیکن اگر وہ رد عمل کے طور پر مزید کوئی فیصلہ کرنے والے تھے تب تو جانے کیا ہو گا۔



زندگی جو بالکل بے کیف اور بے مقصد ہو گئی تھی وہ ایک بار پھر رو میلہ کو معمول پر آتی لگنے لگی حالانکہ ابھی بھی حالات کے تپ و خم جوں کے توں تھے مگر رو میلہ کو ایک۔ بہترین مصوفیت مل گئی تھی۔

اپنی تعلیم دوبارہ شروع کر کے اسے ذہنی طور پر بہت سکون ملا تھا پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اس ماحول سے تھوڑی دیر کے لیے باہر بھی جاتی تھی بس اس بات کا دکھ تھا کہ اس کے آتے ہی نمل نے آنا چھوڑ دیا تھا۔

خرم کی حرکتوں سے وہ واقف تھی اور زبردستی کے رشتے کے نتائج کو عملاً ”بھگت بھی رہی تھی لہذا جو ہوا تھا وہ اسے سب کے لیے بہتر سمجھ رہی تھی بس ایک خرم کا رویہ اسے اور سنبھل کو الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔

خرم نے منگنی ٹوٹنے کا ذکر یونیورسٹی میں نہیں کیا لیکن عظمت خلیل نے اسے سرکل میں سب کو بتا دیا جو کہ قدرتی طور پر یونیورسٹی تک پہنچ گیا۔ پھر جب خرم سے تصدیق کی گئی تو اس نے قبول کر لیا۔

پھر تو جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ ہر جگہ ہر کلاس ہر ڈیسک اور ہر ٹیبل پر یہی ذکر ہوتا رہا۔ سنبھل اور رو میلہ ہر سوال کے جواب میں پتا نہیں کہہ کر تھک گئیں۔ رو میلہ تو سیدھی خرم کے پاس بات کرنے پہنچ گئی اور اسے اچھا خاصا سناٹے لگی۔

”کیا ضرورت تھی تمہیں منگنی کرنے کی۔ تم نے اسے چھوٹی بات سمجھ رکھا تھا نا بھلے ہی اس کی شرعی حیثیت کوئی نہ ہو لیکن یہ ایک کھٹ منٹ ہے اور جب کھٹ منٹ ٹوٹی ہے تو دونوں کی ذات پر انگلیاں اٹھتی ہیں۔“

”تو کیا کرتا لوگوں کو خاموش رکھنے کے لیے یہ جانتے ہوئے بھی نمل سے شادی کر لیتا کہ نمل اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔“ خرم نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔

”تو یہ بات اس وقت کیوں نہیں سوچی جب منگنی کر رہے تھے۔“ رو میلہ زچ ہو کر بولی۔

خرم کچھ دیر تو بڑی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

”تمہیں اس بات پر اعتراض ہے کہ میں نے غلطی کیوں کی۔ اس بات پر خوشی نہیں کہ میں اپنی غلطی سدھار رہا ہوں۔“

”تمہیں سدھارنے کا خیال بہت دیر سے آیا ہے۔“ رو میلہ چبا کر بولی۔

”نہیں مجھے بالکل بروقت آیا ہے ورنہ میرا ارادہ اسے شادی کے بعد چھوڑنے کا تھا جو کہ مجھے یقین ہے کہ بدل جاتا لیکن اس وقت فیصلہ بدلنے میں اور ابھی بدلنے میں بہت فرق ہے۔ ہے نا۔“ خرم نے براہ راست رو میلہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو رو میلہ بھی کچھ دیر بس اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر بغیر کچھ بولے خاموشی سے پلٹ گئی۔

یونیورسٹی سے گھر جا کر اس نے اپنی اور خرم کی گفتگو کے بارے میں نمل کو سب بتا دیا تو نمل اس پر چڑھ دوڑی۔

”تمہیں ضرورت کیا تھی خرم سے بات کرنے کی۔ منگنیاں ٹوٹی ہیں تو باتیں تو بنتی ہیں لیکن پھر آہستہ آہستہ سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ تمہارے اس طرح پوچھنے سے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے ہمیں منگنی ٹوٹنے کا بڑا دکھ ہے۔“

”دکھ تو مجھے واقعی ہے نمل۔“ رو میلہ بڑے ٹھہراؤ کے ساتھ بولی۔

”خرم کی تمہارے ساتھ شادی پر مجھے محض اس لیے اعتراض تھا کہ وہ تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہے لیکن اب مجھے لگتا ہے وہ واحد اعتراض بھی دور ہو گیا ہے۔ اسے منگنی توڑنے کے بجائے ایک بار اپنے دل کی بات کھل کر تم سے کہنی چاہیے تھی۔ مگر شاید اس نے تمہارے رویے کی سختی دیکھتے ہوئے ایسا کوئی ارادہ نہیں کیا جو کہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی حماقت ہے۔“ نمل اس کی بات پر خاموش رہی۔

خرم کے رویے کو معنیجہ کر وہ خود الجھی ہوئی تھی۔ بے شک اسے کبھی خرم کی طرف سے کسی خوب صورت اظہار اور نازک احساسات کی خواہش نہیں رہی مگر رشیدہ کو اس رشتے کے ٹوٹنے سے بہت دکھ ہوا تھا۔

گھر کے ماحول میں پھیلی کشیدگی دیکھ کر اسے واقعی۔ خیال آ رہا تھا کہ اگر بچ کی کوئی راہ نکل آتی تو کتنا اچھا

ہوتا۔

اسے خاموش دیکھ کر رومیلہ نے موضوع بدل دیا۔

”چھاتم سناؤ تمہارے یونیورسٹی آنے کے کچھ امکان پیدا ہوئے کیا۔“

”فی الحال تو ابوبہرہ غصے میں ہیں۔ ابھی ایک ڈیڑھ ہفتے تک تو کوئی امکان نہیں۔“ نمل کی بات پر رومیلہ نے ایک دو ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون بند کر دیا۔

نمل سے اس موضوع پر اب بات کرنا بے کار تھا۔ وہ اب کچھ نہیں کر سکتی تھی مگر رومیلہ کا دل چاہتا تھا کہ خرم ایک بار کھل کر اپنے احساسات کا اظہار کر دے۔ آیا اسے نمل سے محبت ہو گئی ہے یا یہ سب صرف انسانی ہمتی کا ایک عقل مندانہ فیصلہ ہے جس کے پیش نظر اپنی اتنا سے ہٹ کر سب کی بہتری ملحوظ ہوتی ہے۔

جیسے کہ الیان کر رہا تھا۔ اس نے رومیلہ سے ساری کدورت بالائے طاق رکھ کر بالکل دوستانہ ماحول بنا لیا تھا۔ اگرچہ اس سے بات وہ ہمیشہ شگفتہ غفار اور ریاض غفار کی غیر موجودگی میں کرتا تھا مگر ایک اس کے رویے کی نرمی شگفتہ غفار کے خاموش نظروں کے کونوں پر مرہم رکھ دیتی تھی۔

رومیلہ نے یونیورسٹی جانا شروع کیا تھا تو ایک دن جب شگفتہ غفار اور ریاض غفار گھر پر نہیں تھے۔ الیان انہیں سے جلدی اٹھ آیا اور اسے زبردستی بازار لے گیا۔

”جو کپڑے تم شادی سے پہلے پہن کر جاتی تھیں وہی تم اب بھی پہن کر جاؤ گی تو لوگ کیا سوچیں گے تمہیں ایک ٹھیک ٹھاک کلیکشن کی ضرورت ہے یونیورسٹی جانے کے لیے۔“ الیان دو ٹوک لہجے میں بولا۔

رومیلہ نے بحث کے لیے منہ کھولا تو وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”اگر مئی کچھ پوچھیں تو کہہ دیتا میرے چیز کے کپڑے ہیں۔“

”میرے چیز کے کپڑے میرے پاس واقعی موجود ہیں۔“ رومیلہ نے بحث سے پہلے ہی تھک کر بتایا۔

”گھر میں تم ہر وقت ان چار کپڑوں میں گھومتی ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمہارے چیز کے کپڑے صرف فنکشنز اور پارٹیز میں پہننے کے قابل ہیں۔ ان میں تم یونیورسٹی تو نہیں جاسکتیں نا۔“ الیان کی بات میں اتنا وثوق اور وزن تھا کہ رومیلہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اس کے چیز کے کپڑے یونیورسٹی میں پہننے کے قابل نہیں تھے اور پھر الیان کے ساتھ وقت گزارنے کا تجربہ رومیلہ کے لیے بہت اٹو کھا اور خوب صورت ہوتا تھا کیونکہ ایسے موقع بہت کم میسر آتے تھے۔

رومیلہ بازار میں کپڑوں اور دیگر اشیاء سے زیادہ الیان کی سنگت کو محسوس کرنے میں مصروف رہی۔ الیان نے خود ہی اس کے لیے کافی سارے ریڈی میڈ کپڑے اٹھا لیے۔ وہ تو اتنے پیسے خرچ ہونے پر شرمندہ ہی ہو رہی تھی۔ مگر ایک چیز اسے پتا چل گئی تھی کہ تا صرف الیان کی پسند بہت اچھی ہے بلکہ دوسروں پر خرچ کرنے کے معاملے میں وہ بالکل بھی بخیل نہیں ہے۔

اس نے رومیلہ کے لیے ہر چیز بہت عمدہ اور پرائز ٹیک دیکھے بغیر خریدی تھی۔ اسی لیے جب گھر پہنچے پر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو رومیلہ نے خاص طور پر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اسے پکار لیا۔

”الیان۔“ الیان چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے بھی اس طرح الیان کا نام نہیں لیا تھا۔

”تھینک یو سوچ۔“ رومیلہ کا لہجہ بھاری ہو گیا تھا۔ الیان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بغیر کچھ بولے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رومیلہ بھی اپنے کمرے میں آکر سارے شاپرز بستر ڈال کر بستر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے الیان کی سنگت میں وہ جتنی خوش تھی گھر آتے ہی اچانک اس پر اتنی ہی اداسی طاری ہو گئی تھی۔ یہ سب کچھ دائمی نہیں تھا۔ بلکہ ایک خواب کی طرح تھا جو نیند ٹوٹنے ہی نیند کے ساتھ غائب ہو جاتا تھا۔ اس

بچنے والی بات یہ تھی کہ نیند کا دورانیہ کتنا طویل ہوتا ہے اور پھر جب یہ طے ہو کہ اس خواب کو بکھری جانا ہے تو وہ جتنا طویل ہو گا اتنی تکلیف دے گا ٹوٹنے پر۔

وہ خالی الذہنی کے عالم میں جانے کتنی دیر ایسے ہی بیٹھی رہی کہ تب ہی سرداراں نے آکر ریاض غفار کے ہاتھ کاٹنا تو وہ ایک دم چونک اٹھی۔

وہ گھر بھی آگئے اور اسے پتا بھی نہیں چلا۔ وہ نوکرانی کو ”تم چلو میں آتی ہوں“ کہہ کر تیزی سے ہاتھ روم میں مٹس گئی۔

ہاتھ منہ دھو کر بال ہاتھوں سے ٹھیک کرتی جب وہ نیچے کامن میں پہنچی تو سب کو وہیں ٹی وی کے سامنے براجمان پایا۔ اسے دیکھتے ہی شگفتہ غفار کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات مزید گہرے ہو گئے۔ رومیلہ کچھ پریشان ہو کر سب کو دیکھنے لگی۔ سب سے پہلا خیال یہی آیا جانے اس سے کیا غلطی ہو گئی یا پھر برابر بھائی نے ان سے کچھ کہہ دیا۔

وہ سلام کر کے منظر نظروں سے ریاض غفار کو دیکھنے لگی۔ جن کی سمجھ میں شاید یہ نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کریں۔ آخر وہ سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتے ہوئے رک رک کر کہنے لگے۔

”کل پریرہ اپنے شوہر کے ساتھ آرہی ہے۔ حامد تو دودن رہ کر چلا جائے گا مگر نانی اماں ساتھ آرہی ہیں اور وہ کافی دن رکیں گی“ وہ کہہ کر ایک دم خاموش ہو گئے۔ رومیلہ سمجھ ہی گئی تھی وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ تب ہی تو شگفتہ غفار کے چہرے پر اتنی ناگواری پھیلی ہے کیونکہ الیان اور رومیلہ کو ان کے سامنے خوش حال میاں بیوی کے طور پر رہنا ہو گا جو کہ شگفتہ غفار کے لیے نہایت مشکل صورت حال ہوگی۔

”ان لوگوں کے سامنے ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے بریرہ کی سسرال پر کوئی برا تاثر پڑے۔“ ریاض غفار اپنی بات کہہ کر الیان کو دیکھنے لگے تو الیان ان کی مشکل آسان کرتے ہوئے فوراً بولا۔

”رومیلہ سمجھ گئی ہے ڈیڈی آپ فکر مت کریں۔“ الیان تو اس کے آنے سے پہلے ہی یہ بات کہہ سکتا تھا۔ مگر شگفتہ غفار کے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔ انہیں اگر بھٹک بھی پڑ جاتی کہ الیان اور رومیلہ کے بچ کوئی بات چیت ہے تو وہ ابراہار کی ساری دھمکیوں کو بھول بھال کر رومیلہ کو لٹا ڈکر رکھ دیتیں۔

اس لیے جب اس نے ان سب کی آمد کے متعلق سنا تو اس نے خود ہی ریاض غفار کو مشورہ دیا کہ آپ رومیلہ کو بلا کر سمجھا دیں کہ اسے ان سب کے سامنے کس طرح رہنا ہے اس کا یہ اجنبیوں والا انداز نانی اماں تو کیا خود حامد کو بھی مشکوک کر دے گا ان لوگوں پر کچھ ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔

شگفتہ غفار الیان کی بات پر پھر گئیں مگر خود انہیں بھی پتا تھا کہ الیان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ لہذا وہ اعتراض نہ کر سکیں اور محض بڑبڑا کر رہ گئیں۔

ریاض غفار الیان کی یقین دہانی پر فوراً ”وہاں سے اٹھ گئے تو الیان بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا رومیلہ بھی بلانے کے لیے پلٹ گئی مگر شگفتہ غفار کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

”سنو لڑکی۔ نانی اماں اور حامد کا بہانہ کر کے الیان کے سر پر منڈلانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ انہوں نے اسے اس کے نام سے مخاطب کرنا تک ضروری نہیں سمجھا۔

رومیلہ پلٹ کر کچھ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی جو ایک ایک لفظ چبا کر بول رہی تھیں۔

”ہو سکتا ہے الیان تمہیں اپنے کمرے میں رہنے کے لیے کہے لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نانی اماں اور حامد سب جلدی سو جانے والے لوگ ہیں۔ ان کے اپنے اپنے کمروں میں چلے جانے کے بعد تم الیان کے کمرے میں جاتی ہو یا کسی دوسرے روم میں اس کی انہیں کانوں خبر نہیں ہوگی۔ ہاں یہ شرط یہ کہ تم اس بات کو

ظاہر نہ کرنا چاہو تو۔" رومیلہ زخمی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

اسے تو خیال بھی نہیں آیا تھا الیان کے کمرے میں جا کر سونے کا۔ اسے خود بھی علم تھا اتنے بڑے گھر میں حلال اور نانی اماں کو بھلا کیا انداز ہو گا کہ وہ کون سے کمرے میں موجود ہے اور اسے کون سے کمرے میں موجود ہونا چاہیے۔ مگر شگفتہ غفار کے ذہن میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ رومیلہ ان کے بیٹے کو پھنسانے کی کوششوں میں سرگرداں ہے۔ لہذا وہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیں گی۔

رومیلہ ٹاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی مگر وہ اپنی بات کہہ کر اس کے احساسات محسوس کر لینے کے باوجود گردن اکڑا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اگلے دن رومیلہ تیار ہو کر یونیورسٹی چلی گئی۔ ان لوگوں کو دوپہر تک آنا تھا۔ اسے گھر میں بیٹھنے کی قلعی ضرورت نہیں تھی۔ شگفتہ غفار اپنی بیٹی کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی پسند کے کھانے بنانا چاہتی تھیں۔ چنانچہ رومیلہ کو چھٹی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کی پڑھائی شروع ہونے پر شگفتہ غفار خوش ہیں۔

شاید اس لیے الیان نے اتنی آسانی سے اس کے لیے ڈرائیور اور گاڑی تک ارجح کر دی کہ وہ خود چاہتی تھیں کہ رومیلہ ہر وقت گھر میں رہنے کے بجائے گھر سے نکل جائے۔ اسے گھر میں اکیلا چھوڑ کر اپنی پارٹیز میں جانا انہیں کچھ بے چین سا رکھتا تھا۔ وہ خود چار ساڑھے چار بجے تک گھر سے باہر رہنے لگی تو انہیں ایک عجیب سا سکون محسوس ہوا۔ تب ہی انہوں نے کبھی اس کے آنے جانے پر کوئی طنز کا تیر نہیں چلایا۔

لہذا رومیلہ گھر پر رک کر ان کی خوشی غارت نہیں کرنا چاہتی تھی جو صبح سے ملازموں کو ہدایتیں دیتی پھر رہی تھیں کسم۔

بریرہ کا کمرہ ٹھیک کر دو۔

بریرہ کا ہاتھ روم اچھی طرح دھو دو۔

بریرہ کو گاجر کا حلوہ پسند ہے سرداں گاجریں کش کر کے مجھے دے دو۔ میں چڑھا دوں پھر تم بھون دینا۔ ان کے ہر ہر انداز سے بیاباں خوشی جھلک رہی تھی۔ ان کے چہرے کو دیکھ کر لگ گیا کہ وہ کبھی نفرت سے کسی کو دیکھ بھی سکتی ہیں۔ اس وقت وہ صرف ممتا کے جذبات سے چور ہو رہی تھیں۔ رومیلہ کی پلکیں جھپکنے لگیں تو وہ وقت سے پہلے یونیورسٹی کے لیے نکل گئی۔ اس بل اسے صبح معنوں میں بریرہ پر رشک آ رہا تھا۔ وہ قسمت سے نالاں نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن سینے میں بھرتا دھواں بار بار اس کی آنکھیں جلائے لگتا۔

سارا دن یونیورسٹی میں بھی وہ ان دونوں ماں بیٹی کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ یقیناً "ادھر بریرہ بھی ماں کے گھر آنے کی خوشی میں ایسے ہی بولائے بولائے پھر رہی ہوگی۔ سنبل بخار کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ ورنہ شاید وہی اس کا دھیان بنا دیتی۔ اس نے خود کو لیکچرز میں محو کرنا چاہا مگر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ اس دن وہ جان بوجھ کر دیر سے گھر پہنچی۔ کیونکہ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا شگفتہ غفار کے ساتھ ساتھ بریرہ کی بھی چھٹی ہوئی نظریں برداشت کرنے کا۔

لیکن آخر کب تک فرار حاصل کر سکتی تھی۔ سو پانچ بجے جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو وہ سب لان میں کرسیوں پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

الیان اور ریاض غفار دونوں بریرہ کی وجہ سے آج جلدی آگئے تھے۔ اس نے نزویک آکر بغیر کسی کی جانب دیکھے اپنا بیگ ایک خالی کرسی پر رکھتے ہوئے سلام کر دیا۔ اتنے لوگوں کی بیٹھک میں ویسے بھی اجتماعی سلام کیا جاتا ہے اور اس نے جان بوجھ کر کیا تھا تاکہ شگفتہ غفار اور بریرہ کے تاثرات نہ دیکھنے پڑیں۔

نانی اماں ریاض غفار اور حامد نے آگے پیچھے اس کے سلام کا جواب دے دیا تو اس کا بھرم رہ گیا۔ جب وہ بیگ کرسی پر رکھ کر پکٹی تو نانی اماں نے اس کی جانب بانیس پھیلا دیں۔ وہ ایک دم شرمندہ ہوتی ان کی جانب بڑھ گئی۔ انہوں نے بڑے دالمانہ انداز میں اسے خود سے لگایا اور اس کا ہاتھ چوم کر اس کی خیر خیریت پوچھنے لگیں۔

رومیلہ کا موڈ خود بخود خوش گوار ہو گیا۔ طبیعت پر چھایا بوجھل پن قدرے کم ہوا تو وہ کچھ دیر سب کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی۔ پھر مغرب کی اذان ہونے پر سب ہی وہاں سے اٹھ گئے۔ نانی اماں جلدی کھانا کھا کر سونے کی عادی تھیں۔ لہذا انہیں مغرب کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھانا دے دیا گیا تھا تاکہ وہ عشا کے بعد سو جائیں۔ البتہ حامد بریرہ اور شگفتہ غفار بازار کے لیے نکل گئے۔ حامد کو بہنوں کے لیے کچھ چیزیں لینی تھیں اور حامد کے پاس بس کل کا دن تھا۔ پرسوں صبح صبح اسے چلے جانا تھا اور یہ بات تو رومیلہ کو پہلے سے بتا تھی کہ شگفتہ غفار اور بریرہ میں سے کوئی بھی اسے چلنے کے لیے ہرگز نہیں کہے گا۔ لہذا ان کے بغیر پوچھے چلے جانے پر اسے کوئی صدمہ نہیں ہوا۔

ریاض غفار اپنے کمرے میں چلے گئے تھے تو وہ اپنی کتابیں لیے لان میں آ بیٹھی۔ اسے پڑھائی پر توجہ دینے کی سخت ضرورت تھی۔ پچھلے کئی ہفتوں سے اس کی بالکل پڑھائی نہیں ہوئی تھی اور پچھلے کچھ دنوں سے وہ خاصی محنت بھی کر رہی تھی۔ لیکن آج تو وہ صرف کتاب کھول کر اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ جبکہ ذہن کہیں اور پرواز کر رہا تھا اور کسی ایک نقطہ پر ٹک بھی نہیں رہا تھا۔ اب لا متناہی سوچوں کا سیلاب جو اٹھا چلا آ رہا تھا۔ مگر ایک دم کسی نے اس پر بند باندھ دیا۔

رومیلہ نے بری طرح چونک کر اپنے سامنے آئی چیز کی طرف دیکھا۔ وہ ایک رول کیا ہوا اخبار تھا۔ اس اخبار کو دیکھتے ہوئے رومیلہ کی نظریں خود بخود اخبار کو تھامے ہاتھ اور ہاتھ سے ہوتیں الیان کے چہرے پر جا ٹھہریں۔ "دیکھنا تو تمہیں صبح میں ہی چاہتا تھا مگر موقع نہیں ملا۔" الیان نے خود ہی رول کیا اخبار کھول کر ایک صفحہ اس کے سامنے کر دیا۔

رومیلہ الجھن بھری نظروں سے اخبار کی سرخی کو دیکھنے لگی۔ جہاں چند ملتان کی گرفتاری کی خبر لگی تھی۔ "یہ کیا ہے؟" رومیلہ نے صرف سرخی پڑھنے کے بعد اخبار ہاتھ میں لیے بغیر بوریت سے بھرے لہجے میں پوچھا۔

"یہ گلفام اور مرزا صاحب ہیں۔ ساتھ میں وہ گلفام بھی جو کینیڈا میں مقیم ہے۔" رومیلہ ایک بار پھر بری طرح چونک اٹھی۔

اب کی بار وہ بے اختیار اخبار ہاتھ میں لے کر تصویر پر غور کرنے لگی۔ اس نے مرزا صاحب اور ان کے بیٹے گلفام کو اتنی بار دیکھا ہی نہیں تھا کہ ایک نظر میں پہچان پاتی۔ ہاں البتہ اب غور کرنے پر وہ دونوں شکلیں اسے یاد آ گئیں ان کے ساتھ دو لوگ اور بھی کھڑے تھے ایک تھوڑا بوڑھا سا آدمی تھا جبکہ ایک ناصرف نوجوان تھا بلکہ خاصی اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔

"یہ وہ گلفام ہے جس سے کینیڈا میں نمل آفس جا کر ملی تھی اور یہ بڑھا جو تم لوگوں کے سامنے کبھی نہیں آیا ان کے گینگ کا لیڈر ہے۔ کب لوٹا ہے، کیسے لوٹا ہے؟ یہ سب یہی پلان کرتا ہے۔" الیان نے ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب رکھی اور اس پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم لوگ پہلے لوگ نہیں ہو جو ان کے دھوکے کا شکار بنے۔ انہوں نے بہت لڑکوں کی زندگیاں برباد کی ہیں۔ پاکستان میں مقیم گلفام جس کا اصل نام کامران ہے شادی کر کے لڑکوں کو کینیڈا لے جاتا ہے اور وہاں ان دونوں کے پاس چھوڑ کر کچھ دنوں کے لیے روپوش ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ اس لڑکی کو کچھ مہینے جس بے جا میں رکھ کر اس

سے غلط کام کراتے ہیں اور جب وہ پوری طرح سے برباد ہو جاتی ہے اور واپس اپنے گھر جانے کے قابل نہیں رہتی کیونکہ اسے پتا ہوتا ہے اب گھروالے بھی اسے قبول نہیں کریں گے۔ الٹا گھروالوں کو اس کی وجہ سے بدنامی کا سامنا کرنا پڑے گا تب یہ دونوں ان لڑکیوں کو آگے بچھڑ دیتے ہیں۔

یوں سمجھ لو یہ لوگ بہت چھوٹے پیمانے پر کام کرتے ہیں۔ آگے جو گینگ ہے جنہیں یہ لڑکیاں سپلائی کرتی ہیں۔ ان تک تو کینڈا کی حکومت بھی نہیں پہنچ پاتی کیونکہ ان کی جڑیں بہت اندر تک پھیلی ہیں۔ انہیں لڑکیوں کے سر پر ہندو رکھ کر کچھ نہیں کرانا ہوتا۔ ان کے پاس لڑکی ٹرینڈ ہو کر آتی ہے۔ وہ پس پر وہ کر صرف بدانتہا دیتے ہیں کہ اسے کب اور کہاں جانا ہے۔ اس کام کا حصہ علاقے کی پولیس کو بھی جانا ہے۔ تاکہ وہ خاموشی سے انہیں اپنا کام کرنے دے۔ اللہ نے چاہا تو کبھی نہ کبھی وہ لوگ بھی پکڑے جائیں گے۔ لیکن فی الحال ان چاروں کے چھوٹنے کی کوئی امید نہیں۔ ”رومیلہ سن بیٹھی لیان کو سن رہی تھی۔

وہ خبر پڑھنا چاہتی تھی لیکن آنکھوں میں اتنی دھند جمع ہو گئی تھی کہ سارے الفاظ گٹھ ہو گئے تھے۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اخبار پر گرفت اتنی مضبوط ہو گئی تھی کہ کناروں سے اخبار بالکل چر مرا ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹ لرز رہے تھے چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ جو کچھ اس نے سنا تھا وہ معمولی بات نہیں تھی۔ یہ سب اس کے ساتھ ہو سکتا تھا ہونے والا تھا۔ لیکن اس پاک ذات نے جب عرش بنایا تھا تو اس پر لکھ دیا تھا کہ وہ اپنے بندوں پر ہمیشہ رحیم رہے گا۔

اور یہ صرف اور صرف اس کا رحم تھا کہ وہ اس عذاب میں مبتلا ہونے سے بچ گئی تھی۔ ظاہری اسباب میں بھلے ہی سب شامل نہ کیا تھا۔ مگر مکمل کو اللہ تعالیٰ نے چنا تھا اس سعادت کے لیے ورنہ بشری کیا بساط کہ وہ ارادہ کرے اور عمل کر سکے۔

اس کے دل میں اگر خیال بھی آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ڈالتا ہے ورنہ اگر رومیلہ کے نصیب میں یہ بتانی لکھی ہوتی تو مکمل کینڈا جا کر اس شخص سے ملنے کا ارادہ بھی نہیں کرتی۔ کیسے بال بال بچایا تھا اس رحیم کو کہ عزت نے اسے ورنہ آج پتا نہیں وہ کہاں ہوتی۔ خوف اور احساس۔ تشکر سے رومیلہ کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔

”بے فکر ہو یہ لوگ اب باہر نہیں آئیں گے اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں وہ بھی یہ نہیں جانتے کہ یہ سب کس نے کیا ہے۔ میں نے خود منظر بر آئے بغیر بہت سی خفیہ طریقے سے اپنے ذرائع استعمال کیے ہیں۔ تاکہ میرے ذریعے تم اور تمہارے ذریعے مکمل تک کوئی تانے بانے بننا نہ سکے۔“ لیان سمجھا وہ خوف زدہ ہو رہی ہے تب ہی اسے تسلی دینے لگا۔

وہ اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی مگر اس قابل ہی نہیں تھی کہ کچھ بول پاتی۔ کچھ کہنے کی کوشش میں وہ ایک دم ہی رو پڑی تو لیان نے اس کے ہاتھ سے اخبار لیتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”ریلیکس یا۔ تم اب بالکل محفوظ ہو۔ پتا نہیں ابرا نے کیا دیکھ کر شادی طے کی تھی۔ یہ لوگ عام طور پر ایسے گھروں کو ٹارگٹ کرتے ہیں جہاں لڑکیوں کی لائن ملتی ہوتی ہے۔ گھر میں باپ بھائی نہیں ہوتے جو ڈھنگ سے معلومات کر سکیں۔ بس باہر کا رشتہ سن کر بیوی ماں جلد سے جلد لڑکی کو اپنے گھر کا کرنے کے چکر میں اس کے سر سے چادر ہی کھینچ لیتی ہے۔

یہ باپ بیٹا کچھ عرصے کسی نئی جگہ پر بزنس یا جاب کرنے تھوڑا پیسہ کمانے کے ساتھ ساتھ تھوڑے تعلقات پیدا کرتے ہیں اور پھر کسی شکار کو ڈھونڈ کر پورا جال بچھاتے ہیں۔ اسی کارروائی کے دور میں ان کی ابرا سے ملاقات ہو گئی اور انہیں لوگوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص بغیر کسی معلومات کے رشتہ دے دے گا۔“ لیان ہاتھ میں اخبار پکڑے ان لوگوں کی تصویریں دیکھنے لگا جن کے چہرے بالکل صاف ستھرے تھے۔ کوئی خباثت اور کسی

قسم کی مکاری ان کے چہروں سے نہیں چھلک رہی تھی۔ لیکن اندر سے وہ لوگ کتنے سیاہ اور کتنے غلیظ تھے یہ اب بہت لوگ جانتے تھے۔

رومیلہ روتے روتے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔
”کیا ہوا۔؟ یقین نہیں آ رہا کہ یہ لوگ باہر آ کر تم سے بدلہ نہیں لیں گے۔“ لیان اس کے دیکھنے کو کچھ اور ہی سمجھا۔

”دل تو ایسا ممکن نہیں لیکن خدا خواستہ ایسا ہوتا بھی ہے تو کیا ہر شخص یہ سوچ کر خاموش ہو جائے کہ ان سے بدلہ لے کر ان سے دشمنی ہو جائے گی تو انہیں ان کے انجام تک کون پہنچائے گا۔ کسی کو تو آگے بڑھنا ہو گا ان جرائم کی روک تھام کے لیے۔ جو لوگ ان کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ وہ انہیں ڈھونڈ نہیں پاتے اور جو بیچ جاتے ہیں۔ وہ اپنی آئندہ زندگی کو محفوظ رکھنے کے لیے ان سے الجھنا نہیں چاہتے۔ تو پھر آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے۔ خیر تم نے فکر ہو۔ میں نے کہا تھا تم پر یا نمل پر شک تک نہیں کر سکتا کوئی۔ میں خود نہیں چاہتا کہ یہ لوگ اگر جیل سے نکل آئیں یا ان کے گینگ کا کوئی دوسرا آدمی تم لوگوں کو تکلیف پہنچائے۔“ لیان بڑے سکون سے رسائیٹ بھرے لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

رومیلہ کو یہ فکر تو تھی ہی نہیں کہ یہ لوگ اس سے بدلہ لے سکیں گے یا نہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حضور شکرانہ آنسو بہا رہی تھی۔ جس نے کسی طرح اس کے ناموس کی حفاظت کی تھی اور اسے ان شیطان صفت لوگوں سے بچا کر لیان جیسے شخص کی پناہ میں دے دیا۔ جس کی اپنی بہن ایک ناکرہ گناہ کی پاداش میں اپنا زہنی سکون گنوا بیٹھی تھی۔ شاید اسی لیے اس کے دل میں ان عورتوں کے لیے اتنا درد تھا جو ان لوگوں کے ہتھے چڑھ چکی تھیں اور اسی لیے وہ ان لوگوں کو سلاخوں کے پیچھے کرنے کے لیے اس قدر سرگرم عمل رہا کہ اتنی جلدی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

رومیلہ بے اختیار عقیدت بھری نظروں سے لیان کو دیکھے مٹی جو اس کے جذبات سے بے خبر مزید کہہ رہا تھا۔
”چھا ایک بات کا خیال رکھنا۔ ان کی گرفتاری کی خبر تو سارے شہر کو ہو چکی ہوگی لیکن کسی کو یہ مت بتانا کہ یہ سب میں نے کیا ہے۔ مکمل کو چھوڑ کر کیونکہ وہ کافی سمجھ دار ہے لیکن ابرا سے کچھ مت کہنا ورنہ ہی ایسے کسی شخص سے جس کے ذریعے ابرا تک یہ بات پہنچنے کا خطرہ ہو۔“

”کیوں؟“ رومیلہ بے ساختہ بولی۔ اس کے خیال میں تو سب سے پہلے ابرا کو ہی بتانا چاہیے تھا کہ اس کا فیصلہ کس قدر غلط تھا۔ اس نے تو اپنی بہن کو کھالی میں دھکیل دیا تھا۔

”کیوں کیا کرے گا وہ جان کر؟“ لیان نے الٹا اسی سے پوچھا۔
”آپ نے اتنی محنت۔“

”میں نے یہ ساری محنت اسے دکھانے کے لیے نہیں کی۔ جس مقصد سے کی تھی وہ پورا ہو گیا یعنی کہ ایسے لوگوں کو معاشرے میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔“ لیان نے رومیلہ کی بات کاٹ دی پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابرا بالکل بھی سمجھ دار انسان نہیں ہے وہ صرف ایک اتار پرست اور ضدی شخص ہے۔ وہ کوئی کام کسی کی بھلائی کے لیے نہیں کرتا۔ جب اسے پتا چلا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اسے اسی وقت ان لوگوں کے خلاف ایکشن لینا تھا۔ جبکہ وہ یہ سب کرنے کی بجائے انہیں نچا دکھانے کی کوشش میں جت گیا اور پھر اس کو شش میں اس نے ان ہی لوگوں کا راستہ اپنا لیا۔ یعنی ایک لڑکی کا اغوا۔

اور اس کے بدلے میں اس نے مانگا کیا اپنی بہن کی سیفٹی یا اس کا کیریئر؟

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ✧ ایڈ فرمی لنکس، لنکس کو میسج مکنے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

د احمد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

نہیں، اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ وہ جو کرنا چاہتا تھا کر چکا ہے۔ اسے ان لوگوں پر ثابت کرنا تھا کہ وہ وہ دن میں اپنی بہن کی شادی کر سکتا ہے سو اس نے کر دی۔ اسی لیے میں اسے ہٹانے سے منع کر رہا ہوں۔ یہ جاننے کے بعد کہ یہ سب میں نے کیا ہے۔ وہ شرمندہ ہرگز نہیں ہوگا کہ یہ تو بھائی ہونے کی حیثیت سے اسے کرنا چاہیے تھا۔ بلکہ وہ جیل میں گلفام سے ملنے جائے گا اور اسے چڑائے گا کہ یہ سب اس نے کیا ہے بلاوجہ کے ڈانٹا لگ بول کر اترائے گا اور گلفام اس سے بدلہ لینے کے لیے بھڑک اٹھے گا۔

وہ اگر خود باہر نہیں بھی آسکا تو بھی اپنے کسی آدمی کے ذریعے ابراہار کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور وہ تو ہے ہی ایک مکینہ انسان لگتا وہ بھی ابراہار کی طرح اس کی بہن پر ہی وار کرے گا۔ ”رومیلہ اس کی باتوں کی قائل ہونے کے ساتھ ساتھ بری طرح شرمندہ بھی ہو گئی اور صفائی دینے والے انداز میں کہنے لگی۔

”ابراہار بھائی ایک اتنا برست انسان ضرور ہیں۔ مگر وہ کوئی مجرم پیشہ نہیں ہیں۔ بریرہ کو اغوا۔“

”میں جانتا ہوں۔“ لیان نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

”جب میں گلفام کے بارے میں اتنا کچھ بتا کر سکتا ہوں تو کیا ابراہار کی معلومات نہیں کر سکتا۔“ لیان نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

”دیکھو رو میلہ کچھ لوگ مجبوری میں جرائم کرتے ہیں اور کچھ لوگ فطرتاً مجرم ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے اس نے بریرہ کو کوئی تکلیف نہیں دی۔ بلکہ بڑی عزت سے رکھا۔ لیکن اس کی فطرت میں سرکشی موجود ہے اگر اس کا کام ٹھیک طریقے سے نہیں ہو رہا ہوگا تو وہ اسے فوراً غلط طریقے سے کر لے گا۔ ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں اور انہیں مجرم ہی کہا جاتا ہے لیان کے گمبیر لہجے پر رو میلہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر پوچھنے لگی۔

”تو کیا۔ آپ ابراہار بھائی۔ سے بھی بدلہ لیں گے۔“ رو میلہ کے سوال پر لیان خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کا جواب جاننے کے لیے جتنی بے چین تھی لیان کی خاموشی اتنی ہی طویل ہو رہی تھی۔ کتنی دیر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے کہ اچانک گیٹ کے باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی تو ان دونوں کی توجہ گیٹ کی جانب ہو گئی۔

چوکیدار کے گیٹ کھولنے پر فوراً ہیل اندر داخل ہو گئی۔ شگفتہ غفار، حامد اور بریرہ کے ساتھ شاپنگ سے لوٹ آئی تھیں۔

رو میلہ فوراً ہیل کو پورچ میں داخل ہوتا دیکھ کر اپنی جگہ سے فوراً اٹھ گئی۔ اس سے پہلے کہ شگفتہ غفار کی نظر اس پر پڑتی وہ جلد سے جلد اندر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ایک قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ جھٹکے سے رک گئی۔ اس کا ہاتھ لیان کے ہاتھ میں تھا جسے شگفتہ غفار کے آجانے پر بھی لیان نے چھوڑا نہیں تھا۔

رو میلہ شدید حیرانی سے اسے دیکھنے لگی جو یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لیان نے اس کا ہاتھ کیوں پکڑ رکھا تھا اور اگر پکڑا بھی تھا تو اب شگفتہ غفار کے آجانے پر چھوڑ کیوں نہیں دیتا۔ مگر وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ اس سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ وہ لیان پر سے نظریں ہٹا کر گاڑی کی طرف دیکھنے لگی جو پورچ سے گزر کر گھر کے دروازے کے سامنے رک گئی تھی۔ سب سے پہلے اس میں سے حامد اترتا تھا۔ اس کے بعد شایر ز سے لدی پھندی بریرہ اور پھر شگفتہ غفار کی باری تھی۔

رو میلہ کی گھبراہٹ سوا ہو گئی تھی۔ مگر لیان تھا کہ اس کی حالت سمجھنے کے باوجود اس کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہا تھا۔ (باقی آئندہ)

فوزیہ یامین

دستِ گم گم

نورسہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر نورسہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روح سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سکیل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نعل ان دونوں کو پیلس میں لے دھوت دیتی ہے۔ اس آفر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم دکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لے جانے کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نورسہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔

دونوں واپس جانے کے لیے سرہیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

الٹی سویل قسط



”الیان آپ کی امی دیکھ لیں گی۔“ رومیلا نے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے
 بری طرح گھبرا کر کہا۔
 ”کیا دیکھ لیں گی۔“ الیان کے لہجے میں کوئی شوخی نہیں تھی بلکہ وہ بڑی سنجیدگی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔
 ”اوہ۔ الیان کیا ہو گیا ہے آپ کو۔“ رومیلا جب اس کی گرفت سے ہاتھ نہیں چھڑا سکی تو بری طرح غصے میں
 آگئی۔
 ”نہیں پہلے تم میرے سوال کا جواب دو۔“ امی کیا دیکھ لیں گی ایسا کون سا غلط کام کیا ہے تم نے جو تمہیں پکڑے
 جانے کا ڈر ہے۔“ الیان کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری تھی مگر رومیلا اس کے لہجے اور چہرے پر غور ہی کر
 کر رہی تھی اس کی نظریں تو شگفتہ غفار پر جمی تھیں۔
 جو اس سے کوئی بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھیں مگر اپنی بیٹی کے ساتھ شاپنگ کر کے وہ اتنی خوش تھیں
 کہ ان کا دھیان کسی اور طرف گیا ہی نہیں تھا بلکہ وہ باتوں میں ہی مشغول تھیں۔
 حامد ان دونوں ماں بیٹی کے اتنی تفصیل سے ہر چیز دیکھنے پر ان کا ریکارڈ لگا رہا تھا اور وہ دونوں چڑنے کی بجائے
 خوشی خوشی اپنی اس عادت پر نازاں تھیں۔ بس صرف ایک نظر اٹھنے کی دیر تھی اور شگفتہ غفار کے چہرے پر پھیلی
 شگفتگی کو ختم کر ختم کر دیا سکتی تھی اور رومیلا اسی لمحے کے بارے میں سوچ کر اتنی ہراساں ہو گئی تھی کہ ایک لمحے
 شگفتہ غفار کو دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد کرتی رہی کہ اچانک الیان نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
 رومیلا کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگی جو سنجیدگی سے اسے دیکھتا اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ پہلی بار رومیلا نے
 الیان کے تاثرات پر غور کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس کے چہرے پر پھیلا تاؤ دیکھ کر سمجھ نہ سکی کہ اس کا موڈ کیوں
 خراب ہو گیا ہے مگر ایسا صرف چند لمحوں کے لیے ہوا تھا الیان کو جانے کے لیے پلٹا دیکھ کر رومیلا ایک دم ہوش
 میں آئی اس نے بھی منظر سے ہٹنے کے لیے اندر جانا چاہا مگر بالکل غیر ارادی طور پر اس کی نظر شگفتہ غفار کی جانب
 اٹھ گئی اور پھر تو جیسے اس کا دل ہی دہل گیا۔
 شگفتہ غفار تا صرف انہیں دیکھ چکی تھیں بلکہ ان کے چہرے پر حیرت اور غصے کے تاثرات بھی بڑے واضح طور
 پر ابھرنے لگے تھے ان کی حیرانی سے پہلی آنکھیں چیخ چیخ کر کھل رہی تھیں کہ انہیں رومیلا کو اس طرح الیان کے
 ساتھ بیٹھا دیکھ کر شدید شاک لگا ہے اور ان کے پیچھے ہوئے لب صاف بتا رہے تھے کہ وہ صرف حامد کی موجودگی کی
 وجہ سے خاموش ہیں ورنہ ان کا بس نہیں چل رہا کہ رومیلا کو کیا کچھ نہ کہہ ڈالیں۔
 رومیلا ان کے خطرناک تاثرات دیکھ کر دل ہی دل میں خاصی خوفزدہ ہو گئی اور تیزی سے اندر کی جانب مڑ گئی
 اس میں اپنی کتابیں ٹیبل سے اٹھانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔
 اپنے کمرے میں آکر بھی اس پر گھبراہٹ سوار رہی شگفتہ غفار کے آئندہ رویے کے متعلق سوچ سوچ کر اس کا
 خون خشک ہوتا رہا۔ وہ تو اس کا جینا دو بھر کر دیں گی یہ ایک ہی خیال اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہا تھا وہ بے چینی
 سے اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹپٹپٹ لگی۔
 کچھ دیر بعد سرداراں نے آکر اسے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو اس نے مجھے بھوک نہیں ہے کہہ کر اسے واپس
 بھیج دیا چاہا تو سرداراں لجاجت سے کہنے لگی۔
 ”آج میں بڑی بی بی پہلے ہی بڑے غصے میں ہیں میں آپ کو بڑے صاحب کے کہنے پر بلائے آ رہی تھی تو وہ مجھ کو
 بولیں
 وہ کہیں کی مہارانی ہے کیا جو اسے کھانے پر بلایا جائے جب ایک بار آپ نے کہہ دیا اسے خود آنا چاہیے تو پھر
 کیوں کمرے میں جا کر بیٹھ جاتی ہے کھانے کے وقت۔ اسے تو باہر آکر کھانا لگانا چاہیے جس مفت کی روٹیاں توڑتی

رہتی ہے کوئی کام نہیں کر سکتی گھر میں۔“ سرداراں بڑے مزے سے شگفتہ غفار کی نقل اتار رہی تھی۔
 کوئی اور وقت ہوتا تو رومیلا کم از کم اس کے انداز پر مسکرا ضرور دیتی مگر اس وقت تو اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ روز
 اس طرح کمرے میں نہیں بیٹھتی تھی جو شگفتہ غفار مفت کی روٹیاں توڑنے کی بات کر رہی تھیں وہ کچن میں
 چھوٹے موٹے کام کر لیا کرتی تھی۔
 ہاں البتہ کھانا پکانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی کیونکہ اس کے لیے شگفتہ غفار نے صاف منع
 کر دیا تھا۔
 ”ہمیں خانساں کے ہاتھ کے کھانے کی عادت ہے، بریرہ بھی کبھی کبھی کوئی نئی چیز ٹرائی کرتی تھی تو کوئی نہیں
 کھاتا تھا۔“
 رومیلا بخوبی سمجھ گئی تھی کہ انہیں ڈر ہے کہیں وہ زیادہ اچھی چیزیں بنا کر ریاض غفار اور الیان کو متاثر نہ
 کر دے انہیں بھی اس مقولے پر یقین ہو گا کہ مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر جاتا ہے۔ لہذا اس وقت ان کا
 اس طرح بگڑنا صاف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کہیں کا غصہ کہیں نکال رہی ہیں۔
 ”اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔“ رومیلا گھر کے نوکروں کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایسی نہیں
 تھی کہ موقع ملنے پر فوراً ”سسرال والوں کی برائیاں شروع کر دیتی۔“
 اسے گھر کی باتیں غیروں سے کرنا ویسے بھی پسند نہیں تھا چنانچہ وہ اسے چلتا کرنے کے لیے بولی اور اس کے
 جانے کے بعد دو تین گھرے سانس کھینچ کر کمرے سے باہر نکل آئی جب وہ ڈائنگ روم پہنچی تو نہ صرف سب موجود
 تھے بلکہ کھانا بھی شروع کر چکے تھے۔
 رومیلا شگفتہ غفار کی جانب دیکھے بغیر چپ چاپ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور کھانے کی جوڈش اس کے سب سے
 نزدیک رکھی تھی جسے اسے کسی سے مانگنا نہیں تھا وہی اٹھا کر پلیٹ میں نکالنے لگی۔
 ”رومیلا بھابھی آپ کیوں نہیں گئیں ہمارے ساتھ کیا آپ کو شاپنگ کا شوق نہیں۔“ حامد نے اچانک
 رومیلا کو مخاطب کیا تو وہ بری طرح چونک اٹھی۔
 وہ لوگ کس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے اسے کچھ معلوم نہیں تھا اس سوال کے — سیاق و سباق پر غور
 کرتے ہوئے وہ ابھی جواب سوچ ہی رہی تھی کہ شگفتہ غفار چبا کر کہنے لگیں۔
 ”اسے گھر میں اتنے اہم کام تھے وہ بازار جا کر وہ تادیر موقع کس کیوں کرتی۔“ رومیلا کا وجود سن ہونے لگا۔
 اسے امید نہیں تھی وہ اس طرح حامد کے سامنے بھی اس پر طنز کر دیں گی مگر حامد تو ان کا طنز سمجھا ہی نہیں، بریرہ
 نے بھی ان دونوں کو دیکھا نہیں تھا اس لیے وہ بھی کچھ نہ جان پائی صرف ایک الیان تھا جس کا نوالہ منہ کو لے جانا
 ہاتھ لمحہ بھر کو تھم گیا تھا مگر اس نے فوراً ”ہی خود پر قابو پالیا۔“
 ”یعنی ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں شاپنگ سے اہم دوسرے کام لگتے ہیں۔“ حامد شوخی سے بریرہ کو دیکھتے
 ہوئے بولا رومیلا کو اندازہ ہو گیا کہ وہ لوگ صرف ہنسی مذاق کر رہے ہیں کوئی سنجیدہ گفتگو ان کے درمیان نہیں
 ہو رہی۔
 لیکن بریرہ کو مذاق میں بھی حامد کا رومیلا کے ساتھ اس کا موازنہ کرنا برداشت نہ ہوا وہ ایک دم تپ کر بولی۔
 ”دنیا میں تو ہر طرح کی عورتیں ہوتی ہیں سب ایک سی تو نہیں ہو سکتیں سوال تو یہ ہے کہ کون صحیح ہے۔“ حامد
 کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آتا تھا لہذا وہ اسی شوخ انداز میں بولا۔
 ”گویا تمہارے کہنے کا مطلب ہے شاپنگ کے لیے نہ جانے والی خواتین شاپنگ کے لیے مرنے والی خواتین
 کے مقابلے میں صحیح ہیں۔“

”ظاہری بات ہے۔“ بریرہ اتنی چڑ گئی تھی کہ وہ حامد کے جملے پر غور کیے بغیر تنک کر بولی مگر جواب میں حامد کا جائدار قہقہہ اسے ٹھٹک کر سب کو دیکھنے پر مجبور کر دیا گیا۔ الیان نے مسکراتے ہوئے بانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا تھا جبکہ ریاض غفار بھی زیر لب مسکراتے ہوئے حامد کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس بحث میں کوئی دلچسپی نہیں تھی انہیں تو بیٹی داماد کی یہ نوک جھوک پسند آرہی تھی حامد کا دوستانہ رویہ بریرہ کے ساتھ دیکھ کر وہ یہ مان گئے تھے کہ وہ روایتی جاگیرداروں کی طرح بیوی کو رعب میں رکھنے والوں میں سے نہیں ہے لہذا اپنے فیصلے پر طمانیت محسوس کرتے ہوئے وہ اس ماحول سے جی بھر کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

”کیا کہا تھا تم نے؟“ بریرہ ترچھی نظروں سے حامد کو دیکھنے لگی۔

”کمال ہے پہلے میری بات پر ہائی بھری اور اب پوچھ رہی ہو میں نے کہا کیا تھا۔“ حامد نے تائیدی انداز میں شگفتہ غفار کو دیکھا تو وہ محض داماد کا دل رکھنے کے لیے مسکرا دیں۔

ورنہ سچ تو یہ ہے کہ رومیلہ کے آتے ہی ان کا موڈ سخت آف ہو گیا تھا ان کے خیال سے تو رومیلہ کو اس وقت کھانے پر بلانا ہی نہیں چاہیے تھا بلاوجہ ماحول میں کشیدگی پھیل گئی تھی۔ (ان کی نظر میں)

بریرہ کی یہ تو سمجھ میں نہیں آیا کہ حامد نے کیا کہا تھا، لیکن اس نے بھی اپنی بات پر قائم رہنے کے لیے مصنوعی مظلومیت سے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے

”اب کیا کروں ایک بار قبول ہے کہہ دیا تو تمہاری ہر بات پر ہائی بھنی ہی پڑے گی۔“ بریرہ کا جواب سب کو محفوظ کر گیا۔

ریاض غفار اور الیان نے تو صرف مسکراتے ہی رہے لیکن شگفتہ غفار زور سے ہنسنے لگیں بیٹی کی یہ حاضری جوانی انہیں بڑی بھائی بھی سمجھی سہا جتے ہوئے کہنے لگیں۔

”اور کیا بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ شوہر نے کیا کہا تنک اور صالح بیوی کو تو اس کے جواب میں اس کی حمایت ہی کرنی ہے لہذا شوہر کا جملہ سنایا نہیں سنا کیا فرق پڑتا ہے۔“

شگفتہ غفار کے خوشی خوشی بولنے پر ریاض غفار بھی ٹھوڑے مطمئن ہو گئے ورنہ بیوی کے تاثرات نے انہیں بتا دیا تھا کہ انہوں نے رومیلہ کو کھانے کے لیے بلا کر انہیں ناراض کر دیا ہے اور رات کو کمرے میں وہ اس بات کو لے کر اچھی خاصی برہم ہونے والی ہیں۔ ریاض غفار چاہتے تھے کہ ان کا یہ موڈ برقرار رہے تبھی انہیں چھیڑتے ہوئے کہنے لگے۔

”دنیا میں سب سے زیادہ چالاک عورت ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مظلوم نظر آنے کی کوشش کرتی ہے۔“ حامد سسرجی کے ریمارکس پر بری طرح ہنستے ہوئے ان کی تائید کرنے لگا۔

داماد کا اس قدر گھل مل کر ان کے درمیان بیٹھنا اور ان کے شوہر کے ساتھ مل کر ان کی بیٹی کو چھیڑنا شگفتہ غفار کو بہت اچھا لگ رہا تھا وہ بھی ریاض غفار کا مذاق سمجھتے ہوئے اس بحث کو طول دینے کے لیے شوخی سے بولیں۔

”بس یہ نہیں کہہ رہی کہ عورت بے وقوف ہے۔ وہ ہے تو واقعی چالاک۔ لیکن اس کی چالاکی ہمیشہ دوسروں کے فائدے کے لیے ہوتی ہے جسے عام زبان میں بے وقوفی کہا جاتا ہے کیونکہ دوسروں کے فائدے کے لیے وہ اپنا نقصان کھاتی ہے۔“ شگفتہ غفار کی بات میں وزن تھا بریرہ تو سوجان سے فدا ہو گئی ان پر۔

جبکہ ریاض غفار کو بھی اب اس بحث میں مزا آنے لگا تھا۔ انہوں نے شگفتہ غفار کو چھیڑنے کے لیے ان سے متفق ہونے کے باوجود بحث کا ایک اور نکتہ اٹھالیا۔

”عورت کبھی اپنا نقصان نہیں کرتی اسے پتا ہے جب وہ دوسروں کے لیے قربانی دینے کا ڈراما کرے گی تو حالات

اتو میٹنگلی اس کے حق میں ہو جائیں گے وہ اپنا مطلب بھی نکال لے گی اور عظیم بھی بن جائے گی۔“ حامد نے باقاعدہ تالیاں بجا کر ریاض غفار کو داد دی تو بریرہ بھی استیصال سے چڑھاتے ہوئے باقاعدہ لڑنے پر اتر آئی۔

”مگر اتنا آسان ہے قربانی کا ڈراما کرنا تو مرد کیوں نہیں کر لیتا۔“

”کیونکہ وہ عورت کی طرح چالاک نہیں ہے نا وہ ٹھہرا سیدھا سادا۔ جو دل میں ہے وہی زبان پر ہے۔“ حامد نے اتنی مسکینت سے کہا کہ الیان تک اپنی ہنسی نہ روک سکا۔

”اف اللہ اتنا جھوٹ مرد اور سیدھا سادا۔“ بریرہ کی تو جیسے جان جل گئی۔

”تم سے تو کم ہی جھوٹ بولا ہے نا۔ عورت اور عظیم۔“ حامد برحسہ بولا۔

”عورت واقعی عظیم ہے کیا عورت معاف کرنے کا ظرف رکھتی ہے عورت سے اگر معمولی سی بھی غلطی ہو جائے تو مرد درگزر نہیں کر سکتا لیکن مرد انتہائی قسم کے گناہ بھی کر لے تو بھی عورت سے معافی کی امید رکھتا ہے اور عورت معاف کر بھی دیتی ہے۔“ بریرہ نے نیبل پر مکاہارتے ہوئے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا تو ریاض غفار حامد کو دیکھتے ہوئے تائیدی انداز میں کہنے لگے۔

”دم ہے اس کی بات میں۔“ ریاض غفار کی حمایت پر بریرہ نے بالکل حامد کی طرح تالیاں بجا کر خود کو خراج تحسین پیش کیا تو حامد یورسی شکل بنا کر احتجاج کرنے لگا۔

”پھوپھا جان دیش نوٹ فیمو آپ ایک باپ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سمجھدار انسان ہیں آپ کو اولاد کی محبت کو ایک طرف رکھ کر ایمانداری سے بات کرنی چاہیے۔“

”ہاں جب تک وہ مردوں کے حق میں بول رہے تھے وہ غیر جانبدار ہو کر بات کر رہے تھے اور جب انہوں نے عورت کی حمایت کرنی تو وہ ایک باپ بن گئے اور جذباتی ہو گئے۔“ بریرہ بری طرح چبچبی۔

ایک سوائے بریرہ کے باقی سب بڑے خوشگوار انداز میں بات کر رہے تھے بس ایک بریرہ تھی جو اتنے جوش سے بول رہی تھی کہ اب اس پر غصے کا گمان ہو رہا تھا۔

الیان کو اس کا یہ رویہ دیکھ کر بڑا سکون مل رہا تھا وہ اس وقت بالکل پہلے والی بریرہ لگ رہی تھی۔

اپنی بات پر اڑی ہوئی ضدی اور تھوڑی بے وقوف سی۔ ورنہ ابرار کے اغوا کرنے کے بعد سے وہ بالکل سنجیدہ اور خاموش ہو گئی تھی اور اس کی اس تبدیلی کا سہرا تھوڑا بہت حالات کو جاتا تھا کہ وہ اس ماحول اور جگہ سے دور تھی جہاں ہر وقت رومیلہ نظر آرہی تھی اور زیادہ ہاتھ اس میں حامد کا تھا جس کی شگفتگی میں وہ اس سانحہ کو بھول گئی تھی۔

الیان حامد کو دیکھتے ہوئے پہلی بار گفتگو میں شامل ہوا۔

”عورت مرد کو ہمیشہ ظالم اور بے حس کہتی ہے اور پھر بھی چاہتی ہے کہ مرد اسے عظیم مان لے حالانکہ اگر اسے عظیم بننا ہے تو پہلے اس میں اتنا ظرف ہونا چاہیے کہ وہ مرد کو سیدھا سادا مان لے۔“ الیان کے جملے کا حامد نے جی بھر کر مزا لیا۔

”یہ ہوئی ثابت اب آیا نا میرا سہی سپورٹ پھوپھا جان پر تو سچائی سے زیادہ بیٹی کی محبت سوار ہے۔“

”نہیں بھئی جو بات ہے سو ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت میں مرد سے زیادہ ظرف ہے عورت جتنی چیزیں ان دیکھی کر سکتی ہے مرد نہیں کر سکتا۔“ ریاض غفار نے بروباری سے کہا تو بریرہ کی بائیں کھل گئیں وہ باقاعدہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ریاض غفار کے گلے میں بائیں ڈال کر فاتحانہ نظروں سے حامد اور الیان کو دیکھنے لگی۔

”ہمارا پلڑا کافی بھاری ہو چکا ہے دو عورتوں کے ساتھ ساتھ اب ایک عدد مرد بھی عورت کی وکالت کر رہا ہے

لہذا یہ بحث اس نتیجے پر پہنچی کہ عورت زیادہ عظیم ہے۔ ”بریرہ کسی عدالت کے جج کی طرح فیصلہ سناتے ہوئے نکلی تو شگفتہ غفار نے بھی کسی اسمبلی میں بیٹھی خاتون کی طرح ایک ہاتھ سے نیبل بجا کر اس فیصلہ کے حمایت میں ہونے کا ثبوت دیا۔

ریاض غفار نے عورت کے حق میں بول کر ان کا موڈ خاصا خوشگوار کر دیا تھا۔

”جی نہیں ابھی ایک شخص کی گواہی باقی ہے۔“ حامد نے کہنے کے ساتھ ہی رومیہ کو مخاطب کر لیا۔

”آپ بتائیں بھابی آپ کا وٹ کس کے حق میں ہے۔“ حامد کے اچانک سوال پر رومیہ بری طرح چونک اٹھی۔

وہ کچھ سٹپا کر اس کو دیکھنے لگی وہ ان کی باتیں سن ضرور رہی تھی مگر اس کا اس بحث میں شامل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

شگفتہ غفار کے چہرے پر ایک بار پھر کڑی پھیل گئی تھی وہ داماد کو کچھ کہہ تو نہیں سکتی تھیں، لیکن انہیں اس طرح گھر کی بات چیت میں رومیہ کو شامل کرنا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

”آلہ مجھے نہیں پتا۔“ رومیہ پہلو ہٹ کر تے ہوئے بولی۔

”ارے پتا تو کسی کو بھی کچھ نہیں ہے سب اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں آپ کی بھی کوئی رائے تو ہوگی نا کہ عورت زیادہ عظیم ہے یا مرد۔“ حامد نے رسائی سے کہا۔

”چھوڑو یار۔“ الیان نے بیچ بچاؤ کرانے والے انداز میں کہا۔ ”ایک عورت سے یہ سوال کر کے کیوں ان کا ایک ووٹر اور بھار ہے ہو۔“ الیان نے کہا تو ریاض غفار بھی ٹالتے ہوئے کہنے لگے۔

”اور کیا بھئی رومیہ بھی ہماری سائیڈ پر ہے۔“

”میں کسی کی سائیڈ پر نہیں ہوں۔“ رومیہ بے ساختہ بولی تو حامد بریرہ کو جڑانے کے لیے بولا۔

”دیکھا بریرہ اسے کہتے ہیں مجازی خدا کا لحاظ کہ اگر اسے ہر انہیں سکتیں تو خود جیتنا بھی گوارا نہیں۔“ بریرہ حامد کے مذاق میں بھی رومیہ سے موازنہ کرنے پر تپ گئی جبھی تنک کر بولی۔

”یہی تو میں کہہ رہی ہوں عورت ہی عظیم ہے جو ایسا کر سکتی ہے کہ شوہر کو نہ ہر اس کے تو خود بھی نہ جیتے مرد تو اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکتا۔“

”میں نے کوئی قربانی نہیں دی ہے۔“ رومیہ ایک بار پھر بول پڑی، لیکن اس بار اس نے اپنی بات کی وضاحت کرنی بھی ضروری سمجھی اور کہنے لگی۔

”میں تو اس لیے کسی کی بھی سائیڈ نہیں لے رہی ہوں کہ آپ دونوں کے ہی موقف غلط ہیں کسی ایک پوری قوم کو غلط کہنا یا کسی ایک پوری قوم کو صحیح کہنا بالکل جائز نہیں۔“

جب عورت مرد کو ظالم اور جابر کہتی ہے تو وہ یہ بھول جاتی ہے کہ سارے انبیاء، رسول، خلفائے راشدین، صحابہ کرام، ولی اور امام سب مرد ہی تھے۔

اور جب عورت کو عظیم اور کھلے طرف کا گردانے پر بضد ہوتی ہے تب بھی وہ یہ بھول جاتی ہے کہ دنیا میں عورت کے مظالم کی داستانیں بھی بھری پڑی ہیں۔

کیا آپ لوگوں نے کبھی اخبار میں نہیں پڑھا۔

پانچ بچوں کی ماں آشنا کے ساتھ فرار

نگلی بہن نے بہن کو طلاق دلو کر بہنوئی سے شادی کر لی۔

بہو نے بوڑھی ساس سر کو گھر سے نکال دیا۔

ماس نے بہو کو زندہ جلا دیا یا بیٹی پیدا کرنے پر شوہر سے طلاق دلوادی۔

بیٹی بچنے کے لیے کھانسی مارا کہ وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو گیا۔

اور سب سے بڑھ کر سوتیلی ماں کے ظلم سے تنگ آکر آٹھ سالہ اور چھ سالہ بچی گھر سے فرار ہو گئی۔

ایسی کتنی داستانیں ہیں جو ہمارے ارد گرد بکھری ہیں یہ سب عورت کے ہی ظلم ہیں۔

میں یہ نہیں کہہ رہی کہ مرد ظالم نہیں ہے، لیکن عورت بھی کوئی عظیم نہیں ہے بات ساری یاد رکھی ہے۔

جہاں مرد کے پاس طاقت ہوتی ہے وہاں اس کی مرضی چلتی ہے اس کا حکم چلتا ہے اس کے پاس اختیارات زیادہ ہیں اس لیے اس کا ظلم زیادہ نظر آتا ہے، لیکن جب عورت کے پاس مواقع ہوتے ہیں وہاں وہ بھی من مانی کرتی ہے

غیر مردوں کے جذبات کا احساس کیے۔

اور رہا سوال معاف کرنے کا؟

تو یہ واقعی سچ ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت زیادہ درگزر سے کام لیتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ماری ہی عورتیں عظیم ہیں جنہوں نے معاف کر دیا۔

ایسی غفور و رحیم تو صرف وہ پاک ذات ہے جو اپنے گناہ گار سے گناہ گار بندے کو بھی بخش دیتی ہے حالانکہ وہ بدلہ لینے اور سزا دینے پر قادر ہے پھر بھی معاف کر دیتا ہے اور یہ صرف اسی کی صفت ہے۔

انسان میں یہ خوبی بہت کم لوگوں میں ہے کہ اپنے مجرم کو بدلہ لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود معاف کر دیں۔ عورت بھی بہت دفعہ ”مصلحتاً“ معاف کرتی ہے۔

مرد اگر عورت کی معمولی سے معمولی غلطی بھی نہیں بخشتا تو اس لیے کہ اسے پتا ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں گا تو مجھے اور مل جائیں گی مطلب یہ کہ اس کے پاس اختیار ہے چھوڑنے کا۔

جبکہ عورت کے پاس یہ سہولت ہر طبقے میں موجود نہیں۔ ٹل کلاس اور لوئر کلاس عورتوں کو پتا ہے کہ اگر وہ شوہر کی ان غلطیوں کو نظر انداز نہیں کریں گی تو نقصان انہیں ہی اٹھانا ہوگا۔

اس سے علیحدگی اختیار کر کے وہ کہاں جائیں گی در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے بہتر ہے اسی کو معاف کر کے برداشت کر لو۔ یہ عظمت نہیں سمجھو تہ ہے اور مردوں کی سراسر غلطی ہے کہ عورت نے انہیں معاف کر دیا۔

ورنہ سچ تو یہ ہے کہ اس عورت کے دل میں مرد کے لیے کوئی عزت ہوتی ہے اور نہ ہی محبت جو لوگ عزت اور محبت کے بغیر رہ سکتے ہیں وہ ایسی معافی پر بھی خوش رہتے ہیں، لیکن جن میں عزت نفس موجود ہوتی ہے وہ جانتے ہیں وہ زندگی بھر کڑھتے رہتے ہیں کیونکہ انہیں پتا ہوتا ہے کہ انہیں ”مصلحتاً“ قبول کیا گیا ہے، لیکن انہیں کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔“

رومیہ کا ارادہ کوئی تقریر جھاڑنے کا نہیں تھا، لیکن جب اس نے بولنا شروع کیا تو وہ کہتی ہی چلی گئی پھر سامنے بیٹھے سب لوگوں کا ریسپانس بھی ایسا ہی تھا جیسے اس کی بات بڑے دھیان سے سن رہے ہوں۔

حالانکہ ان کے بیچ کوئی سنجیدہ بحث نہیں ہو رہی تھی مگر رومیہ کے بولنے کے بعد سب لوگ بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

ایک سوائے شگفتہ غفار کے جو اس سارے ماحول سے لا تعلق نظر آنے کی کوشش کے طور پر گلاس میں پانی نکال کر پیے جا رہی تھیں۔

رومیہ کے خاموش ہونے پر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی ماحول پر عجیب سا بوجھل پن طاری ہو گیا تھا شاید اس لیے کہ رومیہ کی کسی سچائی میں سچی کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی تجربے کی ترشی بھی شامل تھی جو کہ حامد

تنگ نے محسوس کر لی تھی حالانکہ وہ بہت ساری باتوں سے بے خبر تھا، مگر بات یہ تھی کہ اسے اتنا ضرور پتا تھا کہ

رومیہ کے تعلقات گھر میں کسی کے ساتھ بھی بہت اچھے نہیں ہیں، اب اس کے پیچھے وجہ کیا تھی اس معاملہ میں وہ صرف قیاس آرائیاں کر سکتا تھا جس میں سرفرست دیو جہات تھیں۔ ایک تو جن حالات میں رومیہ اور الیان کی شادی ہوئی تھی وہ کوئی ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ دوسرے یہ رشتہ ہی ایسا تھا کہ شگفتہ غفار کا رومیہ کے ساتھ کھنچاؤ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ اسی لیے ماحول میں رچی کشیدگی کو کم کرنے کے لیے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہنے لگا۔

”چلیں یہ ووٹ تو ہم اپنی طرف ہی سمجھیں گے۔“

اس میں بولنے کی سکت ہی نہیں رہی تھی تبھی الیان کی آواز ابھری اس کا لہجہ اتنا پرسکون تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو
 بھی رو میلہ بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی جو کہہ رہا تھا۔

”ایک پاگل لڑکی بھلا تیسری کمزور پوزیشن کو کیا سہارا دیتی۔“

”تو مان لے تو ایک لڑکی سے شکست کھا گیا۔“

ان دونوں نے اسے بتانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، لیکن وہ ان دونوں کو مکمل طور پر نظر انداز کیے۔ اس وقت وہ بالکل کمزور نہیں رہتا چاہتا تھا اسے علم تھا اس کے اس اقدام سے لوگوں کو اس پر ہنسنے کا موقع مل جائے گا، مگر وہ بچھڑانے یا پیچھے ہٹنے کو بالکل تیار نہیں تھا اور پھر ہاروں اور نادر نے اس کے فیصلے کو سراہا تھا کہ بہت مذاق میں انہوں نے چھیڑا ضرور۔

”تم نے واقعی ممکن تو زدی۔ مطلب مان لیا کہ یہ لڑکی جھکنے والی نہیں۔“ لیکن پھر خرم کو سنجیدہ دیکھ کر فوراً انہیں وہ دونوں سنجیدہ بھی ہو گئے۔

”خیر! جو ہوا، بہت اچھا ہوا تمہیں تو یہ فیصلہ بہت پہلے کر لیتا چاہیے تھا۔“ خرم نے کوئی تبصرو نہیں کیا ویسے ہی وہ پہلے کے مقابلے میں بہت خاموش ہو گیا تھا اس بار چاہتے ہوئے بھی وہ خود پر کوئی خول نہ چڑھا سکا حالانکہ اس کی پوری کوشش تھی کہ مکمل کے واپس یونیورسٹی آنے سے بالکل پہلے جیسا ہو جائے مگر اندر سے اسے لگتا تھا اب کبھی پہلے جیسا نہیں ہو سکے گا اس کے اندر کہیں کچھ ختم ہو گیا تھا جو اس کی پوری شخصیت کو تبدیل کر گیا تھا۔ ان ہی احساسات میں گھر کر اسے زویہ کا خیال آجا اس لڑکی کو جانے کیوں یہ لگتا تھا کہ خرم اس کی مدد کر سکتا ہے حالانکہ وہ اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔

”جی بھی وہ سوچتا کم از کم ایک دفعہ جا کر زویہ کو ساری سچائی ہی بتا دے اس شش و پنج میں وہ ایک دن آخر زویہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔“

اس بار زویہ سے ملنے کے لیے اسے خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا بلکہ درپردہ اسے اسٹاف کو کچھ پیسے کھلانے پڑے تب کہیں زویہ سے ملاقات ممکن ہوئی۔

وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا وہ بہت دبی اور کمزور ہو گئی تھی اس کی شاداب رنگت مرجھا گئی تھی آنکھوں کے نیچے بڑے حلقے اس کے رات رات بھر جاگنے کی ترجمانی کر رہے تھے اس کے بالوں کی بندھی سیدھی چوٹی اس بات کو ثبوت تھی کہ وہ ابھی بھی اپنے حواسوں میں ہے مریضوں کا مخصوص سفید پاجامہ اور شرٹ پر قریب سے دیکھا اوڑھے وہ ابھی بھی ذہنی طور پر ٹھیک لگنے کے باوجود جسمانی طور پر بہت نحیف اور بیمار لگ رہی تھی۔

”یہ کیا حالت بنائی ہے کیا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔“ خرم کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ خرم کو اس کی آنکھوں میں پھیلی ویرانی سے وحشت ہونے لگی۔

”زویہ۔۔۔ زویہ میں جانتا ہوں یہاں ایسی جگہ پر رہنا بہت مشکل ہے۔ لیکن اگر تم اس طرح خود پر تو جتنا چھوڑ دو گی، خود اپنا خیال نہیں رکھو گی تو اتنی بیمار ہو جاؤ گی کہ کبھی یہاں سے نکل ہی نہیں سکو گی۔“ خرم کا لہجہ التجائیہ ہو گیا تو زویہ اسے بولنے لگی جیسے خود سے ہم کلام ہو۔

”میں تو یہاں سے کبھی نکل ہی نہیں سکتی۔ مجھے اب ساری زندگی یہیں رہنا ہے۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں اتنی مایوس مت ہو زویہ۔ میں حمید کے والد سے بات کروں گا۔ میں انہیں سمجھاؤں گا۔ کیس واپس لے لیں گے۔“ خرم کو قطعی امید نہیں تھی کہ ایسا ہو گا۔ لیکن وہ زویہ کے اندر امید جگانا چاہتا تھا۔ ایک جھوٹی آس پر اگر اس کے اندر جینے کی انگ پدا ہو جاتی ہے تو خرم اس جھوٹ کو ساری زندگی بولنے کے لیے تیار تھا۔ بلکہ اسے سچ کر دینے کے لیے اس کا ذہن ابھی سے تانے بانے بننے لگا۔

وہ کسی طرح حمید کے والد کی کوئی ایسی کمزوری جان جائے جس کے بدلے میں وہ زویہ پر وار کیا کیس واپس لینے کے لیے رضامند ہو جائیں، جو کہ بظاہر بالکل ناممکن تھا۔ مگر خرم اسے ممکن بنانے کے لیے کوششیں ضرور کر سکتا

مگر اس کی اس تسلی سے زویہ کی کوئی تسلی نہ ہوئی۔ وہ بدستور خود کلامی کے انداز میں بولتی رہی۔

”کیس واپس نہیں لیں گے۔ لے بھی لیں تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ میں اس کمرے سے نکل کر اپنے گھر کے کمرے میں بند ہو جاؤں گی۔ یہاں مجھے بیمار سمجھا جاتا ہے۔ لیکن میرا کام وہ لوگ اپنی ذیولنی سمجھ کر چاروٹا چار کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میرے گھر میں تو مجھے بیمار کے ساتھ ساتھ بوجھ بھی سمجھا جاتا ہے۔ وہاں تو کمر بھی میرے جانے سے خوش ہوں گے کہ اب کسی کا پاگل پن نہیں جھیلنا پڑ رہا۔ ورنہ ماما پاپا کے پیچھے بلا وجہ انہیں میری چوکیداری نہ پڑتی تھی میری وجہ سے وہ لوگ آرام سے بیٹھ کر بیوی نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”تم نوکروں کے بارے میں سوچ رہی ہو اپنی فکر نہیں ہے۔“ خرم اس کی بے سرو پا باتوں پر نرج ہو کر بولا کہ وہ کچھ چونک کر خرم کو دیکھنے لگی۔

”میں نے بارے میں کیا سوچوں اپنے لیے سوچنے کو کچھ ہے ہی نہیں۔“

”تم شائستہ خالہ کے بارے میں جانتا چاہتی تھیں نا۔“ خرم نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا لیکن اسے شدید ہیرت ہوئی جب اس نام پر بھی اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا وہ ایسے ہی ساٹ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

”شائستہ خالہ کے بارے میں میں کبھی کچھ نہیں جان سکوں گی اور اگر کچھ جان بھی گئی تو ان کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گی۔“

”کیوں کیا اب وہ تمہیں نظر آتا بند ہو گئیں۔“ خرم نے تلخی سے پوچھا۔

”وہ تو اب مجھے پہلے سے بھی زیادہ نظر آنے لگی ہیں حالانکہ اب تو میں دوائیں بھی پابندی سے کھا رہی ہوں لیکن اب وہ مستقل میرے کمرے میں بیٹھی رہتی ہیں رات کو آنکھ کھلتی ہے تو میں انہیں دیکھ کر ایک دو بار چیخ پڑی اس پر ڈاکٹر ز نے میری ڈونڈ (خوراک) اور برہادی۔“

اپنی دوائیں کھا کھا کر بھی میں ٹھیک نہیں ہو رہی بلکہ مجھے لگتا ہے میرا دماغ ماؤف رہنے لگا ہے زندگی میں ایسی کوئی خوشگوار یادیں تو تھی ہی نہیں لیکن جو بھییں لگتا ہے وہ بھی بھولتی جا رہی ہوں۔ لیکن۔۔۔ یہ سب میں تمہیں کیوں بتا رہی ہوں۔ تم کون سا میری باتوں پر یقین کرتے ہو! زویہ بولتے بولتے ایک دم چونک اٹھی اور شکایتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”میں تمہاری باتوں پر واقعی یقین نہیں کرتا لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ تم پریشان ہو اور اس وقت جو میں تمہیں بتانے آیا ہوں وہ بہت حد تک تمہاری پریشانی کو دور کر دے گا۔“ خرم بہت ٹھہر ٹھہر کر بولا اور پھر لیان سے ملنے سے لے کر ریاض غفار کا دوبارہ اس گھر کو خریدنے کی کوشش کرنے تک سب بتا دیا۔

البتہ عائشہ اختر نے ریاض غفار کو فون کر کے اپنی بیٹی کے پاگل خانے میں داخل ہونے کے متعلق جو بھی بات کی وہ خرم نے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

زویہ بے یقینی سے خرم کو دیکھتی رہی اس نے بہت دفعہ جرح بھی کی مگر خرم نے اسے خاموش کر کر پہلے اپنی بات مکمل کی تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ختم ہو جائے اور اس کی بات درمیان میں رہ جائے۔

زویہ اس کی بات ختم ہونے پر سرزور زور سے نفی میں بلائے لگی۔

”میں۔۔۔ میں نہیں مانتی ماما بانیے چاہے جو بھی کیا ہو لیکن جو سایہ مجھے نظر آتا ہے وہ وہم نہیں ہے وہ حقیقت ہے۔ میں بیمار نہیں ہوں میں واقعی کسی کو دیکھتی ہوں جو اور کسی کو نظر نہیں آتا۔“

یہ دوائیں کسی بیمار کو ٹھیک کر سکتی ہیں لیکن مجھے یہ دوائیں فائدے کی بجائے نقصان پہنچا رہی ہیں۔ مجھے یہاں سے نکال لو خرم پلیز مجھے یہاں سے نکال لو ورنہ میں سچ جی پاگل ہو جاؤں گی میں پاگل نہیں ہونا چاہتی فار گاڈ سیک

ہم ہی۔" ندیہ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

خرم بے بسی سے اسے دیکھنے لگا پھر ایک بار پھر اس نے جھوٹی تسلی دینے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کروں گا تمہیں نکالنے کی۔ تم پاگل نہیں ہو اور نا ہی تم پاگل ہوگی لیکن اس بات کو مدنظر رکھو۔

"مگر یہ وہم ہے تو مجھے کہئے پتا چلا کہ میرے کان لڑکی کی پادوں مڑ جانے سے موت واقع ہو گئی ہے جبکہ اس کی موت کی خبر کسی کو بھی نہیں تھی۔" توری طور پر خرم کچھ نہیں بولا مگر ندیہ کو منظر دیکھ کر ٹھہر کر کہنے لگا۔

"تم اپنی بے خبری میں جو کرتی ہو وہ تمہیں پتا نہیں چلتا نا شا کو یا تو تم نے دھکا دیا ہو گا یا تمہارے سامنے وہ لڑکی ہوگی لیکن تمہیں خود نہیں پتا چلا کہ تم گھر سے کب نکلیں اور کب واپس آئیں۔" ندیہ عجیب سی نظروں سے خرم کو دیکھتی رہی پھر نچنی سے کہنے لگی۔

"تمہارے دوست حمید کے فادر کے ساتھ میں نے یہی کیا ہے نا۔ اس لیے تم ایسا کہہ رہے ہو پتا نہیں حمید اس وقت کیا غلط فہمی ہوئی ورنہ اسے میں نے نہیں شائستہ خالہ نے دھکا دیا تھا اور میری سمجھ میں آگیا ہے اسلئے

نے ایسا کیوں کیا تھا۔" "کیوں؟" خرم نے ٹھٹھک کر پوچھا۔

"وہ نرکا بہت تنگ ہے شائستہ خالہ بہت سال پہلے مری تھیں وہ ان کی موت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا یہ کام اس کے والد نے کیا ہو گا اور شائستہ خالہ کی روح تمہارے دوست کو مار کر اس کے باپ سے بدلہ لے رہی تھی۔" خرم لب بلب کر اسے دیکھنے لگا۔

ایک پاگل شخص سے بحث کرنا بے کار تھا وہ تو صرف اسے سچائی سے آگاہ کرنے آیا تھا اور یہ کام وہ کر چکا تھا لہذا اب یہاں رک کر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"میں اب چلتا ہوں کافی دیر ہو گئی ہے۔" خرم کو جانے کے لیے تیار دیکھ کر ندیہ کچھ بے چین سی ہو گئی۔

سارا دن ایک کمرے میں بند رہتے رہتے وہ بری طرح گھبرا گئی تھی اس لیے یہ جانتے ہوئے بھی کہ خرم کی گواہی پر وہ آج یہاں قید ہے وہ اس سے ملنے اور بات کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔

لہذا اب اسے جانا دیکھ کر اس پر پھر سے بے چینی سوار ہونے لگی ایک نرس آکر اسے دوبارہ اسی کمرے میں لے جائے گی جہاں کوئی بات کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔

"خ۔ خرم ایک ایک منٹ روکو۔ میں۔ میں بکواس نہیں کر رہی سچ کہہ رہی ہوں شائستہ خالہ کا قتل ہوا ہے اور مجھے یہ بھی پتا ہے اس کا نام کیا ہے۔" اس کی توقع کے عین مطابق خرم اس کی بات پر رک گیا۔

"کیا نام ہے اس کا؟" خرم اسے بغور دیکھنے لگا اس کے چہرے پر کشمکش کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

"اس کا نام۔۔۔ واجد ہے۔" جس طرح وہ سوچ کر بولی تھی اس پر خرم کی پیشانی پر ہل پڑ گئے مگر وہ ایک ذہنی بیمار لڑکی کو بھلا کیا کتنا وہ سچ بولے یا جھوٹ یہ اس کے اختیار سے باہر کی چیزیں تھیں پھر وہ بھی کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"سوری ندیہ تمہارا کتا ٹھیک نہیں لگا۔ حمید کے والد کا نام واجد نہیں ہے۔" خرم یہ کہہ کر رکا نہیں اور فوراً وہاں سے باہر نکل آیا مبادا ندیہ پھر کوئی بات کہہ کر اسے روک لے۔

اسے صرف ندیہ کو سچائی سے روشناس کرانا تھا اب یقین کرنا نہ کرنا اس کا مسئلہ تھا ویسے اسے امید تھی ندیہ سچ جان بھی لے گی تب بھی اس کی ذہنی حالت پر کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا وہ شائستہ خالہ کے خاکے کو دیکھنے کی اتنی عادی ہو گئی ہے کہ اب وہ اس الوژن (Illusion) سے باہر نہیں نکل سکتی۔



خرم سے منگنی ٹوٹنے کے بعد نمل کو ایسا لگتا جیسے وہ بالکل قید ہو کر رہ گئی ہو عظمت خلیل کے بہت سارے منے والوں نے فون کر کے باقاعدہ اظہار افسوس کیا تھا جس پر عظمت خلیل ان کے سامنے تو مظلوم بنے رہے مگر بعد میں رشیدہ اور نمل پر برستے رہے جن کی وجہ سے انہیں آج دنیا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا تھا۔

نمل نے ان کی باتوں سے عاجز آکر دوبارہ یونیورسٹی جانے کا ارادہ کیا تھا رشیدہ اس کے فیصلے پر بہت بریشان تھیں کہ اس طرح عظمت خلیل اور بھڑک انہیں گے مگر نمل اس ماحول سے تنگ آگئی تھی اسے معلوم تھا

نملت خلیل کا غصہ آسانی سے ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا پھر وہ کیوں وقت ضائع کر رہی ہے مگر رشیدہ کی پریشانی کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ عظمت خلیل کے صبح جانے کے بعد اپنی یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تاکہ انہیں بتا نہ چلے۔

حالانکہ یہ کوئی حل نہیں تھا آج نہیں تو کل وہ جان ہی جائے مگر عظمت خلیل سے وابستہ کسی بھی مسئلے کا کوئی حل تو کبھی ہوتا ہی نہیں تھا اس میں صرف آنکھیں بند کر لینا ہی نمل کو آتا تھا۔

مگر یہاں وہ آنکھیں بند کر کے بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی اس کے سمسٹر قریب تھے اور وہ کوئی چھٹی نہیں کرنا چاہتی تھی پھر بھی یونیورسٹی جاتے وقت وہ خود بھی نروس تھی سب کے ساتھ ساتھ خرم کا سامنا کرنے کے خیال سے وہ عجیب سی ہچکچاہٹ کا شکار تھی مگر اپنے ڈیپارٹمنٹ میں قدم رکھتے ہی اس کی ساری گھبراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔

سمیر اپنے دوستوں کے ساتھ ہی میڈیوں پر براجمان تھا نمل پر نظر پڑتے ہی اس نے بڑے بھرپور انداز میں اس کا استقبال کرتے ہوئے نعرہ لگایا۔

"Welcome Back Welcome Back" اس کی دیکھا دیکھی اس کے سارے دوست اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے جو لوگ نمل کی طرف متوجہ نہیں تھے وہ بھی اس پر جوش انداز پر رک کر نمل کو دیکھنے لگے۔

نمل کو سمیر کا یہ انداز بہت زیادہ بھایا تو نہیں تھا البتہ وہ جو سب کی طرف سے ہمدردی بھرے اظہار افسوس کی توقع کر رہی تھی اور یہ سوچ کر اس کی کوفت میں اضافہ ہوئے جا رہا تھا وہ اس استقبال پر ایک دم ہلکی ہو گئی اور زبردستی مسکرا کر یہ ظاہر کرنے لگی کہ وہ ان کے خوش آمدید کہنے کے طریقے پر بہت خوش ہے۔

"اس کارٹون سے جان چھوٹا بہت بہت مبارک ہو۔" سمیر نے اس کے قریب آکر بڑے تپاک سے مبارکباد دی تو نمل ایک بار پھر صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"کیا خیال ہے اس بات پر سلیپیوٹ نہ کیا جائے۔" سمیر نے تائیدی انداز میں اپنے دوستوں کی جانب دیکھا تو انہوں نے فوراً ہی تالیوں اور سیٹیوں کے ساتھ سمیر کو رضامندی دے دی مگر اب کی بار نمل خاموشی سے

مسکراتی نہیں رہی بلکہ فوراً ہی انکار کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں سمیر میں اتنے دنوں بعد آئی ہوں مجھے ابھی صرف پر دھانی پر دھیان دینا ہے۔"

"ارے ہم سلیپیوٹیشن کینٹین میں ہی کریں گے کہیں باہر تھوڑی جا میں گے۔" سمیر نے ماتھے پر آئے بالوں کو جھٹک دیتے ہوئے خواجواہ اسٹائل جھاڑنے کی کوشش کی۔

"نہیں سمیر پلیز۔" نمل کسی طور پر راضی نہیں تھی۔ کینٹین میں سلیپیوٹ کرنے کا مطلب پوری یونیورسٹی میں خوشی منانا تھا بھلے ہی وہ لوگوں کی ہمدردیوں سے بچنا چاہتی تھی مگر اس طرح تماشا کرنا اسے ہرگز منظور نہیں تھا۔

"ارے بل میں بے کروں گا بلکہ باہر سے کچھ آرڈر کرتے ہیں اور تمہاری اور میری کلاس کے تمام اسٹوڈنٹس انوائنڈ ہوں گے۔" سمیر کے با آواز بلند کہنے پر سمیر کے دوست تو کیا اس پاس کھڑے تمام لڑکے لڑکیاں زور زور سے آوازیں نکالتے ہوئے تالیاں پیٹنے لگے۔

نمل اس صورت حال پر رنج ہو کر رہ گئی مگر وہ اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ وہ دھکی ہے اس لیے اس کا موڈ خراب ہے البتہ اس نے اپنی سی کوشش ضرور کرنا لی مگر کوئی منع کرنے کی۔ اتنے تماشے کے علاوہ اسے یہ بات بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ سمیر اتنا بڑا بل پے کرے، ان کے چہرے کوئی دوستی نہیں تھی نہ ہی سمیر اس کی گڈ بک میں تھا خرم کو جلانے کے لیے اس سے بات چیت کر لینا اگلی بات تھی مگر سمیر کو وہ اپنے قریب آنے کا موقع اور اجازت ہرگز نہیں دینا چاہتی تھی اور نہ ہی وہ لوگوں پر ایسا کوئی تاثر دے چاہتی تھی کہ ان کے کوئی گھرے مراسم ہیں جبکہ اگر سمیر نے اس کے لیے سیلیسریشن رکھا تو یہ تو سیدھا سیدھا اسکینڈل بن جائے گا۔

مگر وہاں اتنے لوگ موجود تھے کہ سمیر کے ہیزا منگوانے کا شوشا چھوڑتے ہی وہاں ایک شور بلند ہو گیا تھا کہ کل پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی نمل متلاشی نظروں سے سنبل اور رومیلا کو ڈھونڈنے لگی۔ شاید انہیں بھی اس کے آنے کی اطلاع مل گئی ہو مگر وہ تو نظر نہ آئیں تو نمل خود ہی بھیڑ کو چیرتی اس ہجوم سے نکل آئی۔

سمیر نے پیچھے سے اسے دو تین آوازیں بھی دیں مگر وہ برہم سی بغیر مڑے آگے بڑھتی رہی۔ سنبل اور رومیلا کلاس میں ہی موجود تھیں اور اسے دیکھ کر بہت خوش ہو گئی تھیں مگر پیرڈ آف ہونے پر اس نے انہیں سمیر کے متعلق بتانا چاہا تو کلاس کی لڑکیوں نے اسے گھیر لیا اور ہمدردی کی آڑ میں جانے کیا کیا سناٹے اور جتانے لگیں کہ سبھی ایک لڑکے نے کلاس کے دروازے سے جھانکتے ہوئے چلا کر کہا۔

”لیڈر اینڈ جینٹل مین“ نمل کی منگنی ٹوٹنے کی خوشی میں سمیر نے نمل کی پوری کلاس کو کینٹین میں ہیزا کی دعوت دی ہے۔ ہیزا کی ڈیلیوری ہو چکی ہے اور بہت مقدار میں ہونے کے باوجود دیر سے آنے والوں کو نہ ملنے کی شکایت ہو سکتی ہے کیونکہ جب مفت کا ہوتا ہے تو سب اگلے چار دن کے کھانے کی کسرا ایک ہی وقت میں نکال لیتے ہیں۔ لہذا پہلے آئیں اور پہلے پائیں۔ وہ بالکل اشتہاری انداز میں اعلان کر کے پلٹ گیا اور کلاس میں کھلبلی مچ گئی سب اپنی اپنی بولی بول رہے تھے مگر ایک تبصرہ بڑا واضح تھا۔

”سمیر نے منگنی ٹوٹنے کی خوشی میں اتنے لوگوں کو ہیزا کی دعوت دی ہے آخر یہ کیا چکر ہے۔“

سنبل اور رومیلا ہونٹ بنی اس ساری صورت حال کو دیکھ رہی تھیں۔

”چلو اٹھو نمل تمہیں تو ضرور چلنا چاہیے تمہارے اعزاز میں اتنی بڑی پارٹی ہے۔“ آسیہ نے اس کے قریب آکر برجوش انداز میں کہا ان سب کو فی الحال مفت کا ہیزا کھانے میں دلچسپی تھی باقی ساری باتیں تو بعد میں بھی ہو سکتی تھیں ایسا نہ ہو کہ کہیں ہیزا ختم ہو جائے اور وہ لوگ ہونٹوں پر زبان پھیرتے رہ جائیں کچھ لوگ تو سالوں کے بھوکوں کی طرح کلاس سے باقاعدہ بھاگے تھے۔

”اٹھو نا“ آسیہ نے گھر کا تو نمل تپ گئی۔

”مجھے نہیں جانا تم ہی کھاؤ۔“

”میں تو کھانے جا رہی ہوں مگر تم ساتھ چلو گی تو زیادہ اچھا لگے گا۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔

”مجھے نہیں جانا سمجھ میں نہیں آ رہا کیا“ نمل چیخ پڑی۔

”یہ ڈراما کس خوشی میں کر رہی ہو کیا مجھے نہیں پتا کہ تم خرم سے منگنی پر بالکل خوش نہیں تھیں اور کیوں نہیں تھیں یہ اندازہ بھی کافی پہلے ہو گیا تھا جب فیس بک پر رومیلا کے دلیمے کی Pics سمیر نے ڈالی تھیں۔ گویا تم نے سمیر کو بلایا تھا حالانکہ خرم کا شادی میں آنا تمہیں بہت برا لگا تھا۔“ آسیہ سفاکی سے بولی نمل کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے منہ پر پھر بار دے اسے بے تحاشا غصے میں دیکھ کر سنبل نے اس کا ہاتھ ہلکے سے دباتے ہوئے گویا اسے

خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود بڑی سنجیدگی سے کہنے لگی۔ ”آسیہ کسی بھی لڑکی کے لیے منگنی ٹوٹنا کوئی خوشگوار واقعہ نہیں ہو سکتا چاہے وہ منگنی اس کی مرضی سے ہوئی ہو یا بغیر مرضی کے۔ لہذا ایسے ایسے کو سیلیسریشن کرنا اور اس پر خوشی منانا نہایت غیر مناسب بات ہے۔ سمیر یہ سب اس لیے کر رہا ہے کہ وہ خرم کا مخالف ہے اور اسے خرم کو ذلیل کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ یہ خرم اور سمیر کی لڑائی ہے اس میں نمل کو بیچ میں مت گھسیٹو۔“

جس طرح خرم بغیر انوشن کے رومیلا کی شادی میں آگیا تھا اسی طرح اگلے دن سمیر بھی بن بلائے آگیا خرم کو تانے کے لیے ابھی بھی وہ یہ سب خرم کو تپانے کے لیے کر رہا ہے تمہیں ہیزا کھانے جانا ہے تم جاؤ اور کھاؤ۔ لیکن ہم لوگ گھر جا رہے ہیں ہم اتنا تماشا بننا برواشت نہیں کر سکتے۔“ سنبل نے کہنے کے ساتھ ہی ان دونوں کو ان دونوں کو جلنے کا اشارہ کیا۔

نمل ایک سلگتی ہوئی نظر آسیہ پر ڈال کر کلاس سے باہر نکل گئی اس کے ساتھ سنبل اور رومیلا بھی تھیں نمل کے کانوں میں آسیہ کے جملوں کی بازگشت ہو رہی تھی سمیر جیسے گھٹیا شخص کے ساتھ اس کا نام لیا جا رہا تھا اس کا خون کھول کر اٹھنے لگا تھا۔

مگر یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا تھا بھلے ہی سنبل نے آسیہ کے سامنے سمیر کی رومیلا کے دلیمے میں موجودگی کو اس کا خود ساختہ عمل قرار دے دیا تھا مگر وہ تو سچائی سے واقف تھی۔ اس نے خود ہی سمیر کو پرہوا دیا تھا جو آج وہ اس طرح اسے اپنی دشمنی میں مہرے کی طرح استعمال کر رہا تھا۔

خرم کو بیچا دیکھانے کا کیا بہترین طریقہ نکالا تھا سمیر نے۔ نمل سگے ذہن کے ساتھ تیز تیز چلتی جا رہی تھی کہ اپنے ساتھ چلتی سنبل اور رومیلا کو ٹھکٹا دیکھ کر وہ بھی رک کر انہیں دیکھنے لگی ان دونوں کی نظریں ایک ہی نکتہ پر مرکوز تھیں۔

نمل نے غیر ارادی طور پر ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو خود بھی ٹھٹک گئی ان سے کافی فاصلے پر خرم بیٹھ رہا تھا باندھے اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ ناصرف موجود تھا بلکہ اسی کی جانب متوجہ بھی تھا۔

نمل کو رکتا دیکھ کر وہ ایک ایک قدم اٹھاتا عین اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور ایک ایک لفظ جبا کر پوچھنے لگا۔

”کیا یہ سیلیسریشن تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے۔“ نمل اس کے انداز پر جانے کیوں کچھ نروس سی ہو گئی شاید اس لیے کہ اس کے تیور بڑے جارحانہ تھے۔

وہ کچھ بول نہ سکی تو رومیلا نے غصے سے کہنے لگی۔

”کیا ہو گیا ہے خرم آپ کو۔ بھلا نمل ایسی گھٹیا حرکت کیوں کرے گی۔“ سمیر کا کہنا ہے کہ اسے پتا تھا آج

نمل آنے والی ہے لہذا اس نے ہیزا کا آرڈر پہلے سے دے رکھا تھا تبھی تو ایک گھنٹے میں اتنے ہیزا آگئے ہیں کہ جو اسٹوڈنٹس انوائٹڈ نہیں تھے وہ بھی گھس گئے ہیں۔“ خرم کو بغیر وہاں جانے ساری اطلاعات مل گئی تھیں۔

اس کا تو دل چاہ رہا تھا ابھی جا کر سمیر سے دودھ ہاتھ کر لے مگر اس وقت اسے سمیر سے زیادہ غصہ نمل پر آ رہا تھا۔

اس کے سوال پر نمل بھی ہونٹ بھیج کر رہ گئی جبکہ رومیلا پہلے زیادہ چڑے ہوئے انداز میں بولی۔

”خرم کراچی میں اتنے ہیزا پوائنٹس ہیں کہ ایک گھنٹے میں اس سے ڈبل بھی آجائیں تو کوئی حیرت کی بات

نہیں۔ یہ سب اس نے ایک ہی جگہ سے نہیں منگوا یا ہو گا کئی جگہ سے ایک ساتھ آرڈر کیا ہو گا۔ بجائے ان

ساری باتوں کو سمجھنے کے آپ نمل پر چڑھائی کرنے آئے ہیں حالانکہ آپ دونوں کی دشمنی کی وجہ سے آج نمل کا

اس طرح تماشا بن رہا ہے۔“ رومیلا کو اس صورت حال نے سخت اذیت میں مبتلا کیا تھا ابھی وہ بھنا کر بولی تو خرم

بھی تپ کر کہنے لگا۔

”میری اور میری دشمنی کی وجہ سے یہ نہیں بھگت رہی بلکہ اس نے تو بہت فائدہ اٹھایا ہے اس دشمنی کا اس نے خود اس گھٹیا انسان کو اپنے قریب آنے کا موقع دیا ہے اب اگر وہ اپنی اصلیت پر اتر آیا ہے تو نمل کو لگ رہا ہے کہ اس کا تماشا بن رہا ہے۔“ خرم کی بات پر رومیہ ایک دم لاجواب ہو گئی۔

خود نمل بھی تھوڑی دیر پہلے یہی سوچ کر کڑھ رہی تھی مگر اب یہی بات خرم کے منہ سے سن کر نمل تڑپ اٹھی اس لیے جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں میر ”آسیہ“ یہاں تک کہ عظمت خلیل کے لیے بھی جو غصہ تھا ان سب کی کھولنے نے زہر بھر دیا تھا۔

”ہاں یہ سب میری مرضی سے ہو رہا ہے میں نے خود میر کو اپنے قریب آنے کا موقع دیا ہے اس لیے نہیں کہ تمہارا دشمن ہے اور میں تمہیں جلاتا چاہتی تھی۔ بلکہ اس لیے کہ وہ مجھے بہت پسند ہے کیونکہ وہ تم سے لاکھ گنا بہتر ہے تم تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہو“ رومیہ اور سنبل ہکا بکا کھڑی نمل کو سن رہی تھیں۔

انہیں علم تھا نمل یہ سب صرف غصے میں بول رہی ہے ایک تو وہ پہلے ہی پتی ہوئی تھی اس پر خرم اس سے صفائی مانگنے آگیا نمل کے لیے گویا خود پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔

اس کا کہا ایک ایک لفظ تیر کی طرح جا کر خرم کو لگا تھا اس کا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا اپنے لیے اس کے دل میں اتنی نفرت دیکھ کر خرم سناٹے میں چلا گیا۔

اسے معلوم تھا وہ اسے پسند نہیں کرتی۔

اسے معلوم تھا وہ اس سے سخت خائف ہے۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ میر کے لیے بھی کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتی۔

لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اس سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ اس کے مقابلے میں میر کو ترجیح دے سکتی ہے۔ جو یونیورسٹی میں اسے اپنے حریف کو نچا دکھانے کے لیے استعمال کر رہا ہے اس کی تعریف کر سکتی ہے۔

آج جبکہ خرم اس کی خوشی کی خاطر اس کی راہ سے خود ہی دور چلا گیا ہے تو آج بھی وہ اس کا موازنہ میر جیسے چھچھورے بندے کے ساتھ کر سکتی ہے۔

نمل ہی درود خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس خاموشی سے پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہواں سے چلا گیا۔

نمل جیسے کسی نیند سے جاگ اٹھی جب وہ یہ سب بول رہی تھی تب بھی اس کے دماغ کا کوئی کونا اسے یہ سب کہنے سے روک رہا تھا مگر خرم کے خاموشی سے چلے جانے پر وہ شدید رہ گئی۔ اس نے تو کچھ کہا ہی نہیں کوئی بحث، کوئی جھگڑا، کوئی تادل کچھ بھی نہیں۔

وہ گم سمی اپنی جگہ گھڑی رہی کہ بھی سنبل نے دونوں بت بنی نمل اور رومیہ کا ہاتھ پکڑا اور بغیر کچھ کہے آگے بڑھنے لگی تو وہ بھی چپ چاپ اس کے ساتھ گھسنے لگیں۔

نمل پر عجیب سی کیفیت چھائی تھی خرم تو خاموشی سے چلا ہی گیا مگر سنبل اور رومیہ تک نے اسے ایک لفظ نہیں کہا حالانکہ وہ چاہ رہی تھی کہ سنبل اس پر غصہ کرے رومیہ اسے باتیں سنائے مگر ان دونوں نے چپ سا رہ لی تھی۔

ان سب کا رویہ مل کر اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رہا تھا اپنی خجالت کم کرنے کے لیے وہ تھک کر بس یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ خرم کو آخر ضرورت کیا تھا اس وقت اس کے سامنے آنے کی جب اس کا غصہ سے برا حال تھا اور اس کا اپنی زبان پر قابو نہیں تھا۔ لہذا ساری غلطی خرم کی تھی کہ اس نے نمل کو نہایت غلط وقت پر چھیڑا تھا۔

رات کے گیارہ بجے وہ اپنے کمرے میں لیٹی چھت کو گھورتے ہوئے یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا موبائل بجے

لگا۔ ایک ان نون ————— نمبر دیکھ کر پہلے تو نمل نے سوچا کہ کال انڈینڈ نہ کرے لیکن پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے فون کان سے لگا لیا مگر دوسری طرف خرم کی آواز سن کر وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

”ہیلو نمل میں خرم بات کر رہا ہوں تمہارے پیپا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تم فوراً نیچے آ جاؤ میں گیٹ کے باہر ہی موجود ہوں۔“

”کیا؟“ نمل کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

”آہستہ بولو“ آنٹی کو بتا نہیں چلنا چاہیے وہ پریشان ہو جائیں گی وہ ہسپتال میں ہیں تمہیں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہو گا۔“ نمل حواس باختہ سی بستر سے اتر آئی اور دوپٹہ اوڑھتے اور چل پلاؤں میں اڑتے ہوئے وہ ایک سانس میں پوچھنے جا رہی تھی۔

”کون سے ہسپتال میں ہیں پیپا؟ کیا ہوا ہے انہیں؟ تمہیں کیسے خبر ہوئی؟“ وہ اتنی ہراساں تھی کہ خرم کو جواب دینے کا موقع دیے بغیر گیٹ تک آگئی خرم نے اس کے دو تین سوالوں کا جواب دیا بھی تھا مگر وہ سننے کے ہوش میں ہی نہیں تھی۔

چوکیدار اسے اتنی رات گئے گھر سے نکلا دیکھ کر پریشان ہوتا اس کے قریب چلا آیا مگر وہ اسے تفصیل بتانے کے حق میں نہیں تھی خرم کی گاڑی گھر کے گیٹ کے پاس ہی کھڑی تھی خرم بھی اسے چوکیدار سے بات کرنا دیکھ کر گاڑی سے اتر آیا جو کہہ رہی تھی۔

”خاندان میں کچھ ایمر جنسی ہو گئی ہے میں تھوڑی دیر میں گھر آ جاؤں گی۔“ خرم کو دیکھ کر چوکیدار نے مزید کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اسے ابھی تک یہی بتا تھا کہ خرم اس کا منگیترے منگنی ٹوٹ چکی ہے اس بات کا اسے کوئی علم نہیں تھا اور اتنی رات گئے زندگی میں پہلی بار وہ اتنی پریشان شکل لیے ایمر جنسی کا بول کر گھر سے جا رہی تھی تو اس کے یقین نہ کرنے کی بھی کوئی تک نہیں تھی۔

نمل تیزی سے خرم کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی خرم نے بھی سنان سڑکوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گاڑی فل اسپیڈ پر دوڑانی شروع کر دی۔

”کیسے ہوا ہے ایکسیڈنٹ؟ کیا وہ گاڑی میں تھے؟“

”ہوں۔“ خرم نے پوری توجہ سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

”تو کیا تم نے انہیں دیکھا ہے وہ کون سے ہسپتال میں ہیں؟“ نمل کے پوچھنے پر خرم ایک بار پھر مختصراً ”بول۔“

”تمہیں کس نے اطلاع دی؟ تم نے اس سے پیپا کی حالت نہیں پوچھی؟“ نمل کچھ زچ ہو کر بولی۔

”آں۔“ تھوڑی دیر میں تمہیں سب بتا چل جائے گا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھ کر دعا کر لو۔“ خرم کا انداز کچھ ٹالنے جیسا تھا نمل تھک کر اسے بغور دیکھنے لگی جسے خرم نے فوراً ”ہی محسوس کر لیا۔“

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔“ خرم نے ایک اچھلتی سی نظر اس پر ڈالی۔

”کیا وہ بہت سیریس ہیں؟“ نمل کے لہجے میں خوف نمایاں تھا خرم کچھ متذبذب سا ہو گیا۔

”وہ زندہ تو ہیں نا۔“ نمل کو اپنی آواز خود عجیب لگی۔

”کیسی باتیں کر رہی ہو۔“ خرم چڑ گیا۔

”تو تم کچھ بتا کیوں نہیں رہے۔“ نمل خاصی اونچی آواز میں بولی تو خرم بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

”میں تو سمجھتا تھا تمہیں اپنے باپ سے کوئی محبت نہیں ہوگی مگر تمہارا ری ایکشن تو میری توقع کے برعکس

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“ نمل جھنجھلائی مگر اس بار خرم خاموش ہی رہا تو نمل جسے خائف ہو کر کھڑی سے باہر دیکھنے لگی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک بار پھر خرم کی طرف الجھن بھری نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ ”ہم کہاں جا رہے ہیں وہ کون سے ہسپتال میں ہیں کچھ تو بتاؤ۔“ خرم اب کی بار بالکل خاموش رہا تو نمل ایک ایک لفظ چبا کر کہنے لگی۔

”تم نے مجھے جھوٹ بول کر بلایا ہے ان کا کوئی ایکسٹنٹ نہیں ہوا ہے۔“ خرم اب بھی خاموش رہا تو نمل نے بے اختیار ایئرنگ اپنی طرف موڑتے ہوئے چیخ کر کہا۔

”مجھے اچھی اور اسی وقت میرے گھر چھوڑ کر آؤ خرم ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔“ نمل کی اس اچانک حرکت سے گاڑی بری طرح بے قابو ہو گئی تھی مگر سڑک سنسان ہونے کے باعث کسی ہولناک حادثے سے محفوظ رہی۔

”نمل کیا ہو گیا ہے تمہیں یا گل تو نہیں ہو گئیں۔“ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ کو سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے نمل کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

”تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے یہ تو سی ویو آگیا ہے تم مجھے کوئی ہسپتال لے کر نہیں جا رہے مگر میں تمہیں بتا دوں میں تمہیں تمہارے ٹاپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی میں اسی سمندر میں کود کر جان دے دوں گی۔“

”شٹ اپ۔“ نمل کی بات پر خرم دھاڑ کر بولا تو وہ ایک دم سہم گئی۔

اس وقت خرم نے بھی گاڑی ایک سائیڈ پر روک دی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گیا دروازے کو پوری قوت سے اپنے پیچھے بند کر کے وہ گھوم کر نمل کی طرف آیا اور اس کا دروازہ کھول کر بڑے جارحانہ انداز میں بولا۔

”اتر۔“ نمل سن ذہن کے ساتھ سیٹ میں دبکی رہی تو خرم نے خود ہی اس کا بازو پکڑ کر اسے اتنی دور سے کھینچا کہ وہ اس کے ساتھ گھسنتی چلی گئی۔

گاڑی سے باہر آتے ہی ماحول کی ہیبت پوری طرح اس پر طاری ہو گئی سی ویو کا یہ ایریا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا خاموشی اتنی گہری کہ ہواؤں کی سرسراہٹ پر کسی آندھی کی آواز کا گمان ہو رہا تھا۔ ارد گرد اتنا سناٹا تھا کہ کوئی بلی کا بچہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

نمل نے شور مچانا چاہا مگر آواز کہیں گم ہو گئی تھی اس نے اپنا بازو چھڑوانا چاہا مگر ہاتھ میں اتنی سختی نہیں تھی کہ وہ خرم کی فولادی گرفت کا مقابلہ کر سکتی۔

وہ بے بسی سے اس کے ساتھ ٹھنچتی پتھروں تک آگئی جہاں سے اندھیرے میں ڈوبا سیاہ سمندر صاف دکھائی دے رہا تھا مگر نمل کی نظریں سمندر کے قریب جمی محفل پر جا کر ٹک گئیں۔

ساحل کے بالکل قریب گیلی رست پر لکڑیوں کے ذریعے آگ روشن کر کے چار پانچ لڑکے لڑکیوں کے جوڑے نہایت واہیات چلے میں بے ہودہ ناچ میں مست تھے۔

ہواؤں کا رخ کچھ ایسا تھا کہ موسیقی کی آواز نمل تک نہیں پہنچ رہی تھی مگر ٹیک کی موجودگی اور لڑکے لڑکیوں کے ہاتھ میں موجود بڑے بڑے چھلکے جام چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ ایسی حرام افعال اور اشیاء پر مبنی محفل موسیقی کے بغیر مرکز مکمل نہیں ہو سکتی۔

”ان لڑکوں کو پہچانتی ہو۔“ خرم نے اسے بغور ان لوگوں کو دیکھا دیکھ کر پوچھا تو نمل جیسے ایک دم ہوش میں آ گئی۔

”مجھے کیا ضرورت ہے پہچاننے کی جھوڑو مجھے۔“

”یہ سمیر اور ان کے دوست ہیں۔“ خرم ایسے بولا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

خرم کی بات پر نمل لمحہ بھر کے لیے چونکی پھر تنک کر بولی ”تو میں کیا کروں۔“ نمل کا خون کھولنے لگا تھا سمیر کا نام سن کر۔

اس کے سمجھ میں آگیا تھا خرم اسے یہاں سمیر کی اصلیت دکھانے کے لیے لایا ہے کہ وہ اسے اس حال میں دیکھے اور جان لے کہ وہ کتنا گرا ہوا شخص ہے۔

لیکن وہ تو اس سے متاثر تھی ہی نہیں جو سمیر کی حقیقت کھولنا ضروری ہو تا وہ تو جل بھن گئی تھی اس کے اس فعل پر۔

”تم صرف اتنا کرو کہ اپنا غصہ ایک طرف رکھ کر غور سے اس پیلے رٹاؤ زروالے کی شکل دیکھ لو تو شاید تمہیں یاد آجائے کہ تم اسے بہت اچھی طرح جانتی ہو۔“ خرم ساٹ لہجے میں بولا۔

نمل نے اس لڑکے کو دیکھنا چاہا مگر روشنی اتنی نہیں تھی کہ پہچان پاتی مگر اسی وقت وہ لڑکار قص چھوڑ کر چادر پر رکھی ایک اور ڈرنک اٹھانے آیا اب وہ آگ کے اتنے قریب تھا کہ اس کا پورا وجود روشن ہو گیا۔

نمل کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا وہ اس شخص کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی چاہے اس بات کو کتنا ہی وقت گزر جائے۔

بہت پہلے کی بات تھی جب ایک لڑکا اس سے ٹکرایا تھا اور اس نے اپنی پوری کولڈ ڈرنک نمل پر الٹ دی تھی خرم نے اگر اس شخص کی پٹائی بھی کی تھی مگر نمل خرم پر ہی پل پڑی تھی۔

کیونکہ اس کا خیال تھا خرم نے اس کے سامنے ہیرو بننے کے لیے یہ سارا ڈراما رچایا تھا بات اگر صرف یہیں ختم ہو جاتی تو بھی قابل فراموش تھی مگر کسی نے اس سارے تماشے کی ویڈیو بنا کر فیس بک میں ڈال دی تھی۔

اس لڑکے کا نمل سے ٹکرانا اور نمل کا پورا بھیگ جانا جانے کتنے لوگوں نے دیکھا تھا نمل کا یہ سوچ کر کئی ہفتوں تک دل خون ہوتا رہا تھا۔

اور آج وہی لڑکا یہاں سمیر کے ساتھ تھا سمیر اس سے کچھ بات کرنے اس کے نزدیک آگیا تھا سمیر کا چہرہ بھی روشنی میں ہونے کے باعث با آسانی پہچانا جاسکتا تھا دونوں کی بات پر تالی مار کر خباثت سے ہنس رہے تھے۔

نمل دم بخود انہیں دیکھ رہی تھی جبکہ خرم اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے رمانیت سے کہنے لگا۔

”یہ سمیر کا کزن ہے جولاہور میں رہتا ہے فطرت اور عادت میں یہ سمیر جیسا ہی ہے لہذا سمیر کے کہنے پر اس نے وہ سارا ڈراما کیا تھا اور پہلے سے کیمرہ تیار رکھ کر وہ مووی سمیر نے ہی بنا کر فیس بک میں ڈالی تھی۔“

اس لڑکے کو یونیورسٹی میں اتنا ڈھونڈا گیا تھا لیکن وہ یہاں ہوتا تو ملتا۔ آج کل یہ لاہور سے آیا ہوا ہے ان کے گروپ میں ایک لڑکی ہے۔ شبلی جو خواجواہ مجھ سے دوستی کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے اسی نے فون کر کے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے بتایا تھا کہ وہ لڑکا جسے ایک زمانے میں بہت تلاش کیا تھا۔ سمیر کا کزن ہے اور یہاں سی ویو کے اس پوائنٹ پر سمیر کے ساتھ موجود ہے۔

میں اسی وقت گھر سے نکل گیا اور تمہیں لیتا ہوا سیدھا یہاں پہنچا ہوں۔ اس کے لیے ایک جھوٹ بھی بولنا پڑا، کیونکہ عام حالات میں تم میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں۔“ خرم رک کر نمل کی شکل دیکھنے لگا۔

جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

خرم با آسانی محسوس کر سکتا تھا کہ اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم رہا ہو گا جب یہ ذیل شخص نہایت گھٹیا انداز میں نمل سے ٹکرایا تھا۔ خرم کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا پھر خود ہی کہنے لگا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیننگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ بائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آف لائن پڑھنے
- ✧ کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ✧ سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیریم کوالٹی، مائیل کوالٹی، سپر ہیڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور
- ✧ ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے
- ✧ کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”تم سوچ رہی ہوگی ضروری نہیں یہ سیر کا کزن یا دوست ہو۔ ہو سکتا ہے تم اسے بھی میری کوئی سازش سمجھ رہی ہو۔ تو خود سوچو کہ وہ مووی اتنی مشہور ہوئی تھی کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ سیر نے نہ دیکھی ہو پھر اس نے اس شخص کو اپنی محفل میں کیوں شامل کیا۔

کیا سیر کی نظر میں وہ حادثہ اتنا معمولی تھا کہ سیر نے اسے فراموش کرتے ہوئے اس گھٹیا شخص کو اپنی پارٹی میں انوائٹ کر لیا یا پھر سیر کو اس کا چہرہ سرے سے یاد ہی نہیں رہا تب ہی اس سے دوستی کر لی۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ سارے شک و شبہات ابھر رہے ہیں تو بتا دو میں انہیں بھی دور کر دیتا ہوں۔“ خرم بڑے پرسکون انداز میں پوچھ رہا تھا۔

کیونکہ یہ کام اس کے لیے بالکل مشکل نہیں تھا۔ خرم نے شبلی کا تذکرہ بڑے سرسری انداز میں کیا تھا۔ ورنہ سچ تو یہ تھا کہ شبلی ایک زمانے سے خرم کی دوستی کی خواستگار تھی۔

مگر ایک تو خرم کو لڑکیوں سے دوستی کرنے کا شوق نہیں تھا۔ دوسرے وہ خرم کے ٹائپ کی بھی نہیں تھی۔ سیر کے گروپ کی ایک نہایت آزاد خیال جسے خرم اپنی زبان میں دو نمبری لڑکی کہتا تھا۔ ایسی لڑکیوں کو وہ اپنے پاس بھی نہیں بٹھانے دیتا تھا۔ اب جب سے خرم کی منگنی ٹوٹنے کے متعلق شبلی نے سنا تھا وہ اس سے خواستواہ کی ہمدردیاں بھانڈنے لگی تھی۔ آج کی سیر کی پارٹی پر وہ باقاعدہ اظہار افسوس کرنے آئی تھی اور کیونکہ تب تک اس کے اور نمل کے بیچ وہ بحث ہو چکی تھی۔ لہذا خرم نے غصے میں اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔

اسی لیے اس وقت رات میں جب سیر کی پارٹی میں شبلی نے سیر کے ساتھ اسی لڑکے کو دیکھا جس کی وجہ سے نمل نے خرم کو پھڑپھڑا رہا تھا تو وہ اس کا تعارف حاصل کرنے کو بے چین ہو گئی اور یہ جان کر کہ وہ سیر کا کزن ہے اور لاہور میں رہتا ہے۔ اس نے فوراً ”جیکے سے خرم کو فون کر دیا اور یہاں تک دعو کر دیا کہ وہ اسے یقین دلانے کے لیے سیر اور اس کے کزن کی بچپن کی تصویریں تک نکلا سکتی ہے۔

جو کہ واقعی شبلی کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ ذرا سا اس کے کزن کے سامنے مسکرا دیتی اور وہ یہ جانے بغیر کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے اپنا پورا بائیو ڈیٹا اسے پکڑا دیتا۔

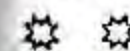
اسی لیے خرم نے بھی اتنے یقین سے کہہ دیا مگر نمل نے تو جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ ایک سکتہ کے عالم میں سیر اور اس کے کزن کو دیکھ رہی تھی جو ایک بار پھر لڑکیوں کے سامنے رقص میں مشغول ہو گئے تھے۔ ان کی حرکتیں اور انداز دیکھ کر نمل کو اپنے آپ سے کراہیت آرہی تھی کہ اس شخص نے اسے چھو ا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اس شخص کو قتل کر دے۔

مگر اچانک اس خواہش پر ایک دوسری کیفیت طاری ہو گئی۔ خرم اس وقت اس شخص کو سبق سکمانے کے لیے آگے بڑھا تھا اور اس کی اچھی خاصی درگت بھی بنادی تھی۔ مگر نمل نے مداخلت کر کے باصرف اسے بچالیا تھا بلکہ خرم کے منہ پر ایک زوردار پھڑپھڑا رہا تھا کیونکہ وہ اس ساری صورت حال کا ذمہ دار اسے ہی سمجھ رہی تھی۔ چنانچہ اس وقت اس لڑکے سے زیادہ اسے خرم پر غصہ آیا تھا اور اب اس لڑکے کے لیے نفرت محسوس کرنے سے زیادہ وہ خرم کے لیے شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

کتنا ذلیل کیا تھا اس نے خرم کو، حالانکہ یہ سب سیر کا کیا دھرا تھا اور سیر نے وہ مووی فیس بک پر ڈال دی۔ پوری یونیورسٹی میں اس نے خرم کو خوار کر کے رکھ دیا مگر بدلے میں خرم نے کیا کیا اس کے ساتھ؟

ایک زبردستی کی منگنی جسے خود ہی اس نے توڑ بھی دیا۔ حالانکہ یہ فیصلہ خرم کے لیے آسان نہیں ہو گا پھر بھی اس نے نمل کو اس طوق سے آزاد کر دیا۔

(باقی آئندہ ملاحظہ فرمائیں)



دستِ کورہ کر

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

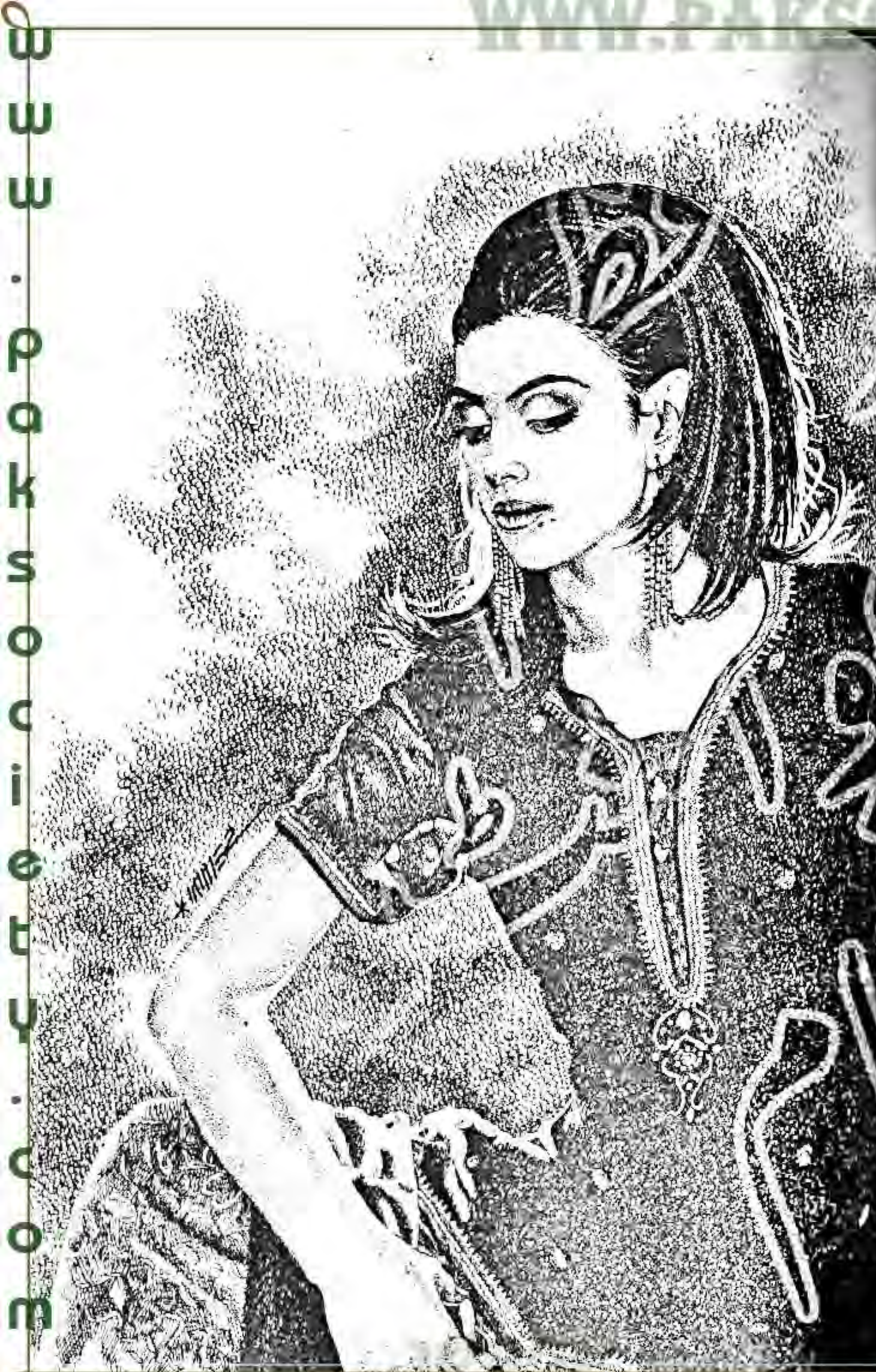
رگو میلہ، سبیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پتلیس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پتلیس میں بیچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

— ۳۹ —
انسالیسوس قسطنطین

نمل! تم ٹھیک تو ہونا۔ "خرم نے اسے چونکاتے ہوئے کہا تو نمل آنکھوں میں آنی نمی کو تیزی سے پلکیں جھپک کر پینے کی کوشش کرنے لگی۔

خرم کچھ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ اسے امید نہیں تھی کہ سمیر کو اس سارے کھیل کا ذمہ دار دیکھ کر نمل کو اتنا صدمہ ہوگا۔ وہ جانتا تھا وہ سمیر کو صرف اسے جلانے کے لیے اہمیت دیتی ہے۔ پھر اسے ایسی تکلیف کیوں ہو رہی ہے اس کی اصلیت کھلنے پر۔



”کیا تمہیں سمیر کی فطرت کا ذرا بھی اندازہ نہیں تھا جو تم اتنی حیران ہو رہی ہو وہ تو ایسا ہی ہے گھٹیا اور کم ظرف اور یہ بات ساری یونیورسٹی جانتی ہے۔“ خرم کچھ حیران سا گویا ہوا۔
 تو نمل جو ایک ٹرانس کے عالم میں ساکت کھڑی تھی ایک دم چونک اٹھی اپنی دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس نے خرم کو دیکھا تو اس کے چہرے پر تعجب پھیلا دیکھ کر وہ زچ ہو کر بولی۔

”یہ بات میں بھی بہت اچھی طرح جانتی ہوں اور مجھے اس کی اصلیت جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پھر اس کی حقیقت کھلنے پر میرے دل کی حیران ہونے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔“ نمل کو یہ سوچ کر ہی کوفت ہو رہی تھی کہ خرم یہ سمجھ رہا ہے کہ اسے سمیر کے متعلق یہ انکشاف ہونے پر دکھ ہو رہا ہے وہ کیا اتنی ہی فالتو ہے جو ایسے لوگوں کے لیے اپنا دل دکھانے لگے ہاں البتہ اسے خرم کے ساتھ کی گئی زیادتی پر شرمندگی ضرور محسوس ہو رہی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے معذرت کس طرح کرے۔

”اچھا یونیورسٹی میں تو اس کی بڑی تحریفیں کر رہی تھیں۔“ نمل کا رکھائی سے بولنا خرم کو تپا گیا تھا وہ بھی قدرے غصے سے بولا تو نمل کو اپنے الفاظ ایک دم یاد آ گئے۔

وہ ایک بار پھر جیسے شرمندگی کی گہری کھائی میں گر گئی جو کچھ اس نے آج صبح کہا تھا اس کے غلط ہونے کا احساس اسے اس وقت بھی تھا بلکہ ایک طرح سے آج کا سارا دن وہ اپنی کسی بات پر ماتم کرتے ہی گزارتی رہی تھی۔
 لیکن اب سمیر کی ایک اور خامی جاننے کے بعد اس کی خجالت سو گنا بڑھ گئی تھی۔ کتنا گھٹیا انسان تھا وہ جو نمل کو تماشا بنا مارا اپنے دشمن کو ذلیل کرنے کے لیے۔

پہلے اس نے نمل کے پاس اپنے اس خبیث کزن کو بھیج دیا کہ وہ جا کر اس کے ساتھ ناز و با حرکت کرے پھر خود ہی اس کی موبی بنا لیا تاکہ تمام لوگ اس بے ہودگی کو دیکھ کر لطف اندوز ہوں۔
 اور آج نمل کی متغنی ٹوٹنے کی خوشی میں اتنا پیسہ خرچ کر سب کو ہڈا کھلانے بیٹھ گیا تاکہ یونیورسٹی میں پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کا نام سمیر کے ساتھ لیا جائے لگے۔

واقعی کسی بھی دشمن کے لیے اس سے بڑی شکست اور کیا ہوگی کہ اس کی منگیتر متغنی ٹوٹے ہی اس کے حریف کے ساتھ مل کر خوشی کے طور پر پارٹی منارہی ہے۔
 اس نے خرم کو تو ذلیل کر دیا تھا مگر اس نے نمل کو بھی بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی آج کی اس کی اس حرکت کے بعد تو یونیورسٹی میں سمیر اور نمل کے متعلق جو نہ کہا جائے وہ کم تھا۔

ایک بار پھر نمل کا خون کھولنے لگا اس کا دل چاہا وہ ابھی جا کر ایسا ہی ایک کرار سا تھپڑ سمیر کے منہ پر مار دے جیسا اس نے خرم کو مارا تھا اور واقعی انجام کی پروا کیے بغیر اس نے قدم آگے بڑھا دیے کہ بروقت خرم نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے ٹپٹ کر کہا۔
 ”کہاں جا رہی ہو؟“ وہ اس کے ارادے بھانپ گیا تھا۔

”چھوڑ مجھے میں۔۔۔“
 ”ان لوگوں کو سبق سکھاؤ گی جیسا مجھے سکھایا تھا۔“ خرم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے درشتگی سے جملہ نمل کیا تو نمل جو شاید یہ بات کبھی نہ کہہ پاتی ایک دم روانی میں بول گئی۔
 ”میں نے بہت بڑی غلطی کی جو میں نے تم پر ہاتھ اٹھا یا اور تمہیں اس شخص کو مارنے سے روک لیا تم جو اس کے ساتھ کر رہے تھے بالکل ٹھیک کر رہے تھے کاش کہ میں تمہیں نہ روکتی۔“ نمل کے منہ سے الفاظ نہیں نکلتے تھے بلکہ چاروں اور ٹھنڈی پھوار برسنے لگی تھی۔

خرم کو لگا جیسے اس کے اندر ایک آگ دھک رہی تھی جانے کب سے وہ انجانے میں اس آگ میں جلتے چلا

قلہ یہاں تک کہ وہ اس میں جلنے کا اتنا عادی ہو گیا تھا کہ اسے احساس ہی نہیں رہا تھا اور وہ جلن اس کے وجود کا حصہ بن گئی تھی۔ مگر ایک طویل عرصے بعد اس کھولن پر کسی نے ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار برساتی کہ ناصرف وہ جلن ختم ہو گئی بلکہ ایک نئے صحرا میں اچانک موسم بہار آگئی وہ بے خود سا اسے دیکھے گیا تھا کیا تھی یہ لڑکی جس کے منہ سے نکلی ایک بات نے اس کے اندر کا سارا ماحول تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

اسی لیے جب وہ بولا تو اس کا لہجہ بالکل دھیمہ اور بر سکون تھا۔
 ”میں تم نے کوئی غلطی نہیں کی۔ تم نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا اگر تم اس وقت مجھے نہ روکتیں تو میں اس وقت اپنے غصے میں تھا کہ میں اسے قتل کر دیتا۔“

”اچھا ہی ہوتا کہ وہ قتل ہو جاتا ایسے لوگوں کے پاس جینے کا کوئی حق نہیں۔“ نمل بدستور سمیر اور اس کے کزن کو دیکھتے ہوئے پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

”کے جینے کا حق ہے اور کے نہیں یہ طے کرنے کا حق کسی انسان کے پاس نہیں ہے جب تم مجھے اس سارے عمل کا ذمہ دار سمجھ رہی تھیں تب تمہارا میرے بارے میں بھی یہی خیال ہو گا کہ مجھے جینے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن آج سامنے آنے کی صورت میں تم مجھے زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتیں تو پھر کسی کے مرجانے کا فیصلہ کرنے کا اختیار تمہارے پاس کیسے ہو سکتا ہے۔“ خرم بڑے بر سکون انداز میں بول رہا تھا نمل اپنا سارا غصہ بھول کر ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خرم سے اختلاف کرنے کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

ویسے بھی وہ سمیر یا اس کے اس کزن کو جا کر کچھ برا بھلا کہہ بھی دیتی تو انہیں کون سا شرمندہ ہو جانا تھا۔ ایسے معاملوں میں خاموشی ہی بہتر تھی دوسری دو یا دشمنی دونوں صورتوں میں سمیر جیسے لڑکوں سے تعلق بن سکتا ہے لہذا ان لوگوں سے بچ کر رہنے کا سب سے آسان حربہ یہی تھا کہ ان سے لا تعلقی اختیار کر لی جائے۔
 وہ سوچ ہی رہی تھی کہ خرم اسے خاموش دیکھ کر کہنے لگا۔

”اس لڑکے کی اس وقت اچھی خاصی پٹائی ہو گئی تھی جو کہ اس کی سزا کے لیے بہت ہے اب فار گاڈ سیک تم بدلہ لینے کا کوئی پلان مت بنانے لگنا۔“

”میں میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی۔“ نمل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”تو پھر اتنے سکون سے کیوں کھڑی ہو یہ کوئی یونیورسٹی کا کیمپس نہیں ہے آدھی رات کو اس ساحل سمندر پر کسی نے تمہیں میرے ساتھ دیکھ لیا۔ یا سمیر نے ہی ہماری کوئی پکچر لے کر فیس بک میں ڈال دی تو تم ایک بار پھر مجھ سے خائف ہو جاؤ گی کہ میں نے خود ہم دونوں کا اسکیڈنڈل مشہور کرنے کے لیے یہ ساری حرکت کی ہے۔“ بہت کوشش کے باوجود نمل اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو روک نہ سکی۔

”ایک بار پھر تمہارا کیا مطلب ہے۔ میں تو ابھی بھی تم سے خائف ہوں۔ چلو مان لیا تم نے اس لڑکے کو نہیں سمجھا تھا اور یہ تو میں جانتی تھی کہ وہ ویڈیو تم نے نہیں بنوائی کیونکہ اگر تم نے بنوائی ہوتی تو تم اپنے تھپڑ کا سین فیس بک میں نہیں شو کرتے۔ لیکن پس ہونے میں میرے پیسے تو تم نے ہی چرائے تھے نا۔“ نمل نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے خاصے خوشگوار لہجے میں کہا۔

”تو تمہیں کون سا ہونٹل کے برتن دھونے پڑ گئے جو آج تک اس بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہو میں نے اسی وقت تمہاری مدد کر دی تھی اور بعد میں تمہارے سارے پیسے بھی لوٹا دیئے تھے۔“ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر خرم کو بہت اچھا لگا تھا تبھی اسے یاد دلانے کے لیے نہیں بلکہ اس گفتگو کو تھوڑا طویل دینے کے لیے یاد دہانی کرانے والے انداز میں کہنے لگا۔

”مگر نمل اور وہ میلہ ساتھ نہ ہوتیں تو میں برتن دھونے کی مگر تمہاری مدد نہ لیتی۔“ کتنی بھلی لگ رہی تھی نمل

کے چہرے پر وہ مسکراہٹ مگر کتنی جلدی غائب ہو گئی تھی وہ ابھی تو خرم نے یقین بھی نہیں کیا تھا کہ نمل اس سے مسکرا کر مخاطب ہے کہ وہ منظروافعی کسی حسین خواب کی طرح دھندلا گیا۔

اس کے سنجیدہ ہو جانے پر خرم کچھ تب گیا بھی چپا کر بولا۔
”بس ایک یہی عادت ہے تمہاری جو مجھے غصہ دلاتی ہے کیا ضرورت ہے اتنی ضد اور انا دکھانے کی۔“ پھر اس کی نقل اتارتے ہوئے کہنے لگا۔

”مگر سنبل اور رومیہ ساتھ نہ ہوتیں تو میں برتن دھو لیتی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سنبل اور رومیہ موجود تھیں ورنہ تم تو واقعی برتن دھونے کھڑی ہو جاتیں۔“ خرم کے تپے ہوئے انداز پر نمل کو بڑا مزا آیا تھا بھی ایک بار پھر مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا اور وہ قدرے چڑانے والے انداز میں کہنے لگی۔ ”تو تمہیں کیا فرق پڑتا میں ہی دھوئی نا تمہیں تو نہیں دھونے پڑتے۔“

”مگر مجھے دھونے پڑتے تو واقعی مجھے کوئی فرق نہ پڑتا لیکن اگر تم دھوئیں تو میں پورے ہوٹل کو آگ لگا دیتا۔“ خرم برکت بولا۔

نمل اس سے ایسے کسی جملے کی توقع نہیں کر رہی تھی اسی لیے اتنے اچانک اس کے اتنے ٹھوس لہجے میں کہنے پر نمل کے دل کی کوئی دھڑکن جیسے کہیں مسم ہو گئی۔

وہ غیر ارادی طور پر خرم پر سے نظریں ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی مگر ایسی کوئی مصوفیت سمجھ میں نہیں آئی جس میں لگ کر وہ کچھ دیر کے لیے خرم کو نظر انداز کر سکتی آخری وقت اسے خیال آگیا۔

”افس۔ تم ٹھک کر رہے تھے رات بہت ہو رہی ہے یہ کوئی یونیورسٹی کا کیمپس نہیں ہے یہاں سے فوراً چلنا چاہیے۔“ نمل کو ہمانہ تو سوجھ گیا تھا مگر آواز کی لڑکھڑاہٹ پر وہ اتنی جلدی قابو نہیں پاسکتی تھی۔

خرم کے لیے اس کا یہ انداز بہت۔۔۔ اچھے کا باعث تھا۔ نمل کا کترانا اتنا واضح تھا کہ وہ اسے اپنی خوش فہمی نہیں کہہ سکتا تھا۔

حالانکہ وہ خود بھی ایسا کچھ کہنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر نمل کے رد عمل نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ جو کچھ اس کے لیے محسوس کرتا ہے اگر اسے ہی نہیں ہوتا سکا تو یہ سارے جذبے بے مول ہو جائیں گے جیسا کہ نمل کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بھی اس نے نظر انداز کر دیا۔

”چلتے ہیں چلتے ہیں ہلے تمہارے سوال کا جواب تو دے دو جوں تمہارے اندر جانے کب سے چل رہا ہے۔“

”کون سا سوال؟“ نمل واقعی نہیں سمجھی۔
”یہی کہ میں نے مگنی کیوں توڑ دی۔“ خرم نے اس کے صبح چہرے کو دیکھتے ہوئے بڑے وثوق سے کہا تو نمل ایک بار پھر کتراتے ہوئے تیز تیز بولنے لگی۔

”نہیں میرے اندر ایسا کوئی سوال نہیں چل رہا مجھے تو اس وقت صرف گھر جانے کی جلدی ہے اگر ای کوہتا چل گیا کہ میں گھر پر نہیں ہوں تو وہ قیامت مجا دیں گی۔“

”اول تو ای کوہتا نہیں چلے گا اور دوئم اگر آج کا وقت گزر گیا تو شاید میں یہ سب کبھی کہہ نہ سکوں۔ کیونکہ مجھے تم سے یہ سب کبھی کہنا ہی نہیں تھا“ جانے میں کیوں نہیں چاہتا تھا شاید اس لیے کہ میں بھی تمہاری طرح ضدی ہوں۔ میرے لاشعور میں یہ ڈر تھا کہ اگر میں نے تمہیں بتا دیا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں تو تمہیں مجھ پہننے کا موقع مل جائے گا تم میرا مذاق اڑاؤ گی میرے جذبات کی تذلیل کرو گی۔

لیکن آج پہلی بار مجھے احساس ہوا ہے کہ اگر ہم دونوں اپنی اپنی انا کو ایک طرف رکھ دیں تو ہمارے بیچ بہت اچھا ذہنی ہم آہنگی ہو سکتی ہے۔“ نمل سانس روکے خرم کو سن رہی تھی جو ایک جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ خرم کبھی اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے اظہار محبت کرے گا لہذا اس کے احساسات بہت سی عجیب ہو گئے تھے وہ شرمناک نہیں رہی تھی لیکن بڑل ضرور ہو گئی تھی۔

ایک بار بہت پہلے خرم نے اس کے سامنے جھوٹا اظہار محبت کیا تھا نمل تب خامے غصے میں تھی اس کے باوجود وہ چہرے کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔

پھر آج تو جانے کیوں اسے یقین تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تو بھلا وہ کس طرح خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتی لہذا وہ بس پھرائے ہوئے انداز میں کھڑی تھی جبکہ خرم کے لیے یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ نمل بغیر مداخلت کے اسے بولنے دے رہی ہے یہ بھی وہ کتنا چلا گیا۔

”ج پوچھو تو مجھے خود نہیں پتا کہ میں تمہیں کب سے چاہتا ہوں تب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا مجھے تب ہی تم بہت اچھی لگی تھیں۔“

اگر پہلی ملاقات میں تمہارا رویہ ذرا بھی نرم ہوتا یا یوں سمجھ لو کہ تمہیں انداز نہ ہوا ہو ماکہ تمہارے پیسے میں نے چرائے ہیں اور تم میرے مدد کرنے پر انکساری سے میرا شکریہ ادا کر دیتیں تو یونیورسٹی میں میں اپنی فطرت کے برعکس ایک لڑکی ہوتے ہوئے بھی تمہیں اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل کر لیتا۔ لیکن تمہارے رویے نے مجھے خاصا تپا دیا تھا اور پھر یونیورسٹی میں پہلے ہی دن تم نے میرے کیے مذاق کو میرے کھاتے میں ڈال کر میری کہلین کر دی۔ اس پر تو مجھے تم سے شاید چڑھو گئی تھی پھر جب جب ہمارا سامنا ہوا تم نے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کی جس پر میرا غصہ بڑھتا رہا اور تمہارے لیے پسندیدگی کا احساس کہیں دیتا چلا گیا مگر یہ احساس میرے اندر

بیشہ موجود رہا یہی وجہ ہے جب تم میرے مقابلے کر آئیں تو میرا ایک ایک انگاروں پر گزرنے لگا۔

میں نے کبھی کسی مقام پر بھی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش یا خواہش نہیں کی میں صرف تمہیں زبرد کرنا چاہتا تھا بس کچھ ایسا ہو کہ تم ہار مان کر میرے مقابلے سے ہٹ جاؤ اور شاید اسی دھن میں میں تم سے شادی بھی کر لیتا کہ اچانک وہ ہو گیا جو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ جب میں تمہارے گھر آیا تھا تب۔۔۔ خرم بڑے

فراؤ کے ساتھ بڑے گنہگار لہجے میں بول رہا تھا۔ نمل غیر ارادی طور پر اسے بڑی توجہ سے سن رہی تھی کہ کبھی وہ اچانک خاموش ہو گیا تو نمل کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگی جو نمل پر سے نظریں ہٹائے اندھیرے میں ڈوبے سمندر کو دیکھنے لگا تھا وہ اس کے آگے کی بات سننا چاہتی تھی مگر اس طرح اپنی بے قراری ظاہر کرنا اسے بالکل اچھا نہیں

لگ رہا تھا کچھ دیر تو وہ خطر نظروں سے اسے دیکھتی رہی مگر خرم تو خاموش ہی ہو گیا تھا تب نمل سرسراتے لہجے میں بولی آہستگی سے پوچھنے لگی۔

”ایسا کیا ہو گیا تھا؟“ خرم کچھ چونک سا گیا وہ سمجھا نہیں وہ کیا پوچھ رہی ہے۔

”یہی ابھی تم نے کہا نا پھر وہ ہو گیا جو تم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔“ نمل نے آہستگی سے دہرایا خرم کو اس کا اس طرح پوچھنا خاصا حیران کر گیا تھا اسے امید نہیں تھی کہ نمل کو یہ سب سننے میں دلچسپی ہوگی۔

لیکن وہ تو جانتا چاہتی تھی بلکہ ایک ایک لفظ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ مگر خرم جو روانی میں بولنے جا رہا تھا بوقت اس نے خود کو وہ کہنے سے روک لیا اگر وہ نمل کو بتا دیتا کہ اس کے گھر پر ڈاکٹنگ ٹیمیل پر اسے روٹا دیکھ کر خرم کے اندر کی دنیا بدل گئی تو نمل اس کی محبت کو ہمدردی اور ترس کا جامہ پہنا دیتی جبکہ اس نے نمل پر کوئی ترس

نہیں کھلایا تھا بلکہ اس پر اپنے اندر چھپی محبت کا انکشاف ہوا تھا۔ لیکن یہ بات نمل کو سمجھنا مشکل تھا۔ پھر نمل غلط فہمیت اندر بہت تھی اسے یہ احساس سخت شرمندہ کرنا کہ خرم نے اسے روتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

نمل کو شرمندہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور وہ بھی اس وقت جب نمل ہمیشہ سے بالکل مختلف انداز میں

اس سے ہم کلام تھی عجیب چھوٹی موٹی سے انداز میں وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی چہرے پر پھیلی ہلکی ہلکی گھبراہٹ اور آنکھوں میں استغما یہ تاثر لیے وہ منتظر کھڑی تھی کہ خرم اپنی بات پوری کرے۔
وہ اس کے اس انداز کو دل میں اتارتے ہوئے قدرے شوخی سے بولا۔

”کیا بات ہے بہت دل چاہ رہا ہے اپنی تعریفیں سننے کا۔“ نمل ایک دم نجل ہو گئی اسے تو لگا تھا خرم کوئی اہم بات بتانے جا رہا ہے اور واقعی اس کی شدید خواہش تھی کہ خرم اپنی بات پوری کرے۔ مگر اس کے اچانک بہتر بدلے پر نمل جھینپ ہی تو گئی اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا تو خرم مزید کہنے لگا۔

”بھئی جب تمہارے گھر آیا تو تم اچانک اتنی اچھی لگنے لگیں کہ دل ہی نہیں مانا اس کو مل سی لڑکی کو ذرا سی بھی ٹھیس پہنچائی جائے پس پھر میں نے دل پر پھر رکھ کر منگنی توڑ دی لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ منگنی توڑ کر میں تمہارے دل میں جگہ بنا لوں گا۔“

”ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ نمل ایک دم تنک کر بولی وہ جو خرم کے انداز پر بالکل سمٹ گئی تھی ایک دم اپنی جون میں واپس آ گئی۔

”ایسی ہی بات ہے تمہارے چہرے پر صاف لکھا ہے۔“ خرم پورے وثوق سے بولا نمل کو اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ وہ اتنی آسانی سے آشکار کیوں ہو گئی۔ ابھی تو اس بات کا اور اک اسے خود بھی ٹھیک طرح سے نہیں ہوا تھا کہ اس نے خرم کو بھی ہم راز بنا لیا۔ اپنی کھیا ہٹ چھپانے کے لیے وہ برہم سے انداز میں کہتی ہوئی جانے کے لیے پلٹ گئی۔

”خواجہ کی خوش فہمی ہے تمہاری ورنہ میرا دل خراب نہیں ہوا۔“ نمل تیزی سے بول رہی تھی کہ خرم اچانک اس کے عین سامنے آ گیا۔

”یار پلیز اب بس کرو کم از کم اس وقت مجھے مت جھٹلاؤ اگر یہ واقعی خوش فہمی ہے تو تھوڑی دیر مجھے خوش فہم رہنے دو۔“ خرم کے لہجے میں اتنی انکساری تھی کہ نمل ایک دم خاموش ہو گئی اس بل وہ اسے واقعی نہیں جھٹلا سکی تو ایک بار پھر وہی آواز میں پوچھنے لگی۔

”تو پھر اپنی بات پوری کرو تم اس وقت کیا کہہ رہے تھے جب تم میرے گھر آئے۔ پھر اس کے بعد تم نے ایک دم بات بدل دی۔“

”اس لڑکی کو ٹالنا اتنا آسان نہیں ہے۔“ خرم نے دل ہی دل میں سوچا مگر اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔

”بتا دو یا ہے اور کیا سنا چاہ رہی ہو کیا کسی فلمی ہیرو کی طرح اظہار کروں۔“

”چلو خیر تمہاری خاطر یہ بھی کر لیتا ہوں آئی لو یو نمل“ نمل بری طرح بلش ہو گئی وہ اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

”تم اگر مجھے گھر ڈراپ نہیں کر رہے تو میں خود ہی پیدل جا رہی ہوں۔“ خرم اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا اب وہ دوبارہ یہ سوال نہیں پوچھنے والی تھی لہذا وہ خود بھی تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

رات واقعی بہت بیت گئی تھی عظمت خلیل اگر ان کی غیر موجودگی میں گھر لوٹ آئے تو نمل کے ساتھ ساتھ رشیدہ کو بھی بڑی مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔

”چلو بیٹھو گاڑی میں دس منٹ میں تم ان شاء اللہ اپنے گھر میں ہوگی“ خرم نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے شان بے نیازی سے کہا۔

”مجھے اپنے گھر جانا ہے اپنی آخری آرام گاہ میں نہیں اتنی رش ڈراؤ یونگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ نمل نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے اطلاع دی۔

”تم نے میری ڈراؤ یونگ دیکھی نہیں ہے اس لیے ایسا کہہ رہی ہو۔“
”میں بھی جو تم گاڑی چلا کر لائے تھے کیا وہ تمہاری ڈراؤ یونگ نہیں تھی۔“ نمل نے طنز یہ کہا۔
”میں اس سے بھی تیز کر سکتا ہوں۔“

”بہت بہت شکریہ آپ اس سے کم رفتار میں ہی چلائیں تو بہتر ہوگا۔“ نمل نے کہنے کے ساتھ ہی اپنے ہاتھ میں پکڑے موٹر سائیکل کو چیک کرنے لگی۔ رشیدہ یا عظمت خلیل کی کوئی مسئلہ کال نہیں تھی گویا ابھی تک وہ گھر میں اس کی غیر موجودگی سے بے خبر تھے۔

نمل دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ عظمت خلیل کے گھر پہنچنے سے پہلے وہ پہنچ جائے اس لیے خرم نے جیسے ہی گھر کے گیٹ کے قریب گاڑی روکی نمل نے اشارے سے چوکیدار سے عظمت خلیل کے متعلق پوچھا تو اس نے سرنگی میں ہلا کر گویا نمل کو زندگی کی نوید دے دی۔

”نمل“ نمل کو گاڑی کا دروازہ کھولتا دیکھ کر خرم بے اختیار اسے پکار بیٹھا تو وہ بھی رک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”تمہارے بایا منگنی توڑنے کی وجہ سے مجھ سے بہت ناراض ہیں اب اگر میں دوبارہ اپنے پیر شس کو بھیجوں گا تو کیا وہ ان جا میں گئے؟“ خرم بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

نمل کچھ خاموش سی ہو گئی عظمت خلیل کو منانے کا بہترین حل اس کے پاس تھا مگر وہ اتنی جلدی اسے بتا کر اپنی رضامندی نہیں دیتا چاہتی تھی۔

ابھی تو اسے خود بھی علم نہیں تھا کہ خرم کے لیے اس کے دل کی دھڑکنیں کب بدل گئیں پھر اتنی جلدی وہ اس کے سامنے یہ اقرار کیسے کر لیتی۔

لیکن شاید اقرار یا انکار کا وقت اب گزر گیا تھا سب کچھ جیسے خود بخود ظاہر ہو گیا تھا جیسی خرم اتنے یقین سے پوچھ رہا تھا اور اس کے اس یقین کو توڑنے کے لیے خود نمل کا دل بھی نہیں مانتا تب ہی اسے مایوس نہ کر سکی مگر اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ لہذا اسے پوری طرح بتایا بھی نہیں اور اس وراثت کے بیچ میں لٹکا دیا۔

”میں بھی کچھ دن گھر جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ خرم کے لیے شاید یہ سوال معنی نہیں رکھتا تھا کہ سب کچھ کیسے ٹھیک ہو گا۔ وہ تو نمل کے منہ سے یہ سن کر ہی سرشار ہو گیا تھا۔ ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھرنی لگی تو نمل جلدی سے دروازہ کھول کر اتر گئی۔



حلقہ غفار نے کھانے کی میز پر جو کچھ کہا تھا بعد میں ریاض غفار نے اس کا سختی سے نوٹس لیا تھا۔ جس پر حلقہ غفار جھپٹتا اپنے کپے پر شرمندہ ہو گئی تھیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ رو میلہ کے ساتھ سختی سے پیش آئیں۔ بلکہ اس لیے کہ خالد کا رد عمل بڑا شدید تھا۔ وہ تا صرف کھانے کی میز پر سے اٹھ کر چلا گیا تھا بلکہ بریرہ سے بھی ناراض ہو گیا تھا۔

بریرہ کے کافی اصرار اور منت سماجت پر اس نے اتنا ہی کہا تھا اسے پھپھو کی بات بالکل پسند نہیں آئی۔ گھر کی سہو کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا وہ بھی گھر کے مردوں کے سامنے نہایت گھٹیا حرکت ہے۔

بریرہ بھلا اس پر کیا بولتی۔ وہ اسے اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرنے لگی کہ ممی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عام عورتوں کے بارے میں کہہ رہی تھیں۔

مگر خالد کوئی بے وقوف تو تھا نہیں۔ اس نے اس موضوع پر بحث نہیں کی مگر اس کے انداز میں سرد مہری آگئی۔

تھی۔ جس پر بریرہ بھی زچ ہو کر شگفتہ غفار پر چڑھ دوڑی۔
 ”آپ کو ضرورت کیا تھی حامد کے سامنے اس طرح کی گفتگو کرنے کی۔ آپ کو ذرا بھی احساس نہیں ہے حامد کو
 آپ کا انداز کتنا برا لگا ہے۔“ داماد کی نظروں میں برا بننے کے ساتھ ساتھ زندگی میں پہلی بار بریرہ کا اس لب و لہجے
 میں ان سے کلام کرنا انہیں بہت دکھی کر گیا تھا۔

وہ واقعی اپنے کیے پر شرمندہ ہو گئیں۔ جس کا اظہار انہوں نے شوہر اور بچوں کے سامنے بھی کر دیا تو ریاض
 غفار انہیں مزید شرمندہ کرنے کی بجائے معاملہ رفع دفع کرتے ہوئے بولے۔
 ”حامد کے سامنے جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ کوشش کرو کہ اب امی کے سامنے کوئی تماشہ نہ ہو۔“ شگفتہ غفار نے
 فوراً ”سراشات میں ہلا دیا تو الیان کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔ جس پر اور کسی نے تودھیان نہیں
 دیا۔ مگر وہ ریاض غفار سے مخفی نہ رہ سکی۔

انہوں نے بھنوس اچکا کر گویا اس کی مسکراہٹ کی وجہ پوچھی تو الیان نے ایک نظر شگفتہ غفار پر ڈالی اور
 مسکراتے ہوئے سر ہلکے سے نفی میں ہلا دیا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔

”ممی یہ کر نہیں سکتیں۔“ ریاض غفار اس سے متفق تھے۔ تب ہی متفکر بھی ہو گئے۔ واقعی شگفتہ غفار کے
 لیے رومیہ کے لیے اپنی نفرت چھپانا بڑا مشکل امر تھا اور جب جب ان کی نفرت دوسروں کے سامنے ظاہر ہوتی
 تھی۔ تب تب تماشہ ہونا لازمی تھا اور واقعی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایک اور سنگامہ کھڑا ہو گیا۔

ہوا بس اتنا تھا کہ شگفتہ غفار کی کچھ دوستیں ان کی والدہ سے ملنے گھر آ گئیں۔ ایک دوست نے باتوں باتوں میں یہ
 کہا کہ اس نے کافی دن پہلے انہیں فون کیا تھا۔ ان کا موبائل نہیں مل رہا تھا تو ان خاتون نے شگفتہ غفار کے گھر
 کر لیا اور ملازمین کو خاص تاکید کر دی کہ جیسے ہی شگفتہ گھر آئے انہیں فون کر لے مگر ان کی ملازمہ تو بڑی نکمھی
 نکلی۔

اتفاق سے سرداراں بوہیں چائے دے رہی تھی۔ شگفتہ غفار نے اسی وقت اس سے بھی پوچھ لیا۔
 ”کیوں بھی جنہ کا فون آیا تھا۔ تم نے بتایا نہیں۔ اگر میں گھر پر نہیں تھی تو الیان یا ریاض کو بتا دیتیں اپنی
 یادداشت پر بھروسہ کر کے کیوں بیٹھ گئیں۔“ انہوں نے ہنستے ہوئے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً ”صفائی دیتے ہوئے بولی۔
 ”جی میں تو کبھی اپنی یادداشت پر بھروسہ نہیں کرتی۔ میں نے ہمیشہ الیان صاحب یا بڑے صاحب کو اسی لیے بتا
 دیا کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں۔ مگر اس وقت وہ دونوں بھی گھر پر نہیں تھے۔“

”اے تو شگفتہ کی بہو تو ہوگی اسے بتا دیتیں۔“ ان کی دوست حسہ نے بھی سرداراں کی معصومیت پر ہنس کر
 کہا۔
 ”وہ بھی گھر پر نہیں تھیں بلکہ الیان صاحب کے ساتھ ہی شاپنگ کر کے لوٹی تھیں۔ اگر اس وقت تک آپ کا
 فون یاد رہتا تو میں الیان صاحب کو ہی بتا دیتی۔“ سرداراں اپنے طور پر تو صفائی ہی دے رہی تھی۔ مگر شگفتہ غفار کو
 رنگ فق ہو گیا۔

”الیان کے ساتھ شاپنگ؟ کب کی بات ہے یہ؟“
 ”جی۔ آپ کی والدہ کے آنے سے ایک یا دو دن پہلے کی ہی بات ہے۔“ اس نے سوچتے ہوئے کہا۔
 ”تمہیں یقین ہے رومیہ الیان کے ساتھ شاپنگ پر گئی تھی۔“ ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک
 جا رہا تھا۔ جسے ماسی تو محسوس نہ کر سکی۔ البتہ ثانی اماں نے بڑی باریک بینی سے اس کا مشاہدہ کیا۔
 ”ہاں بہت سارے تھیلے لے کر گاڑی سے اترے تھے۔ پھر دونوں اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔“ ماسی نے
 کہا تو ایک خاتون جھٹ بولیں۔

”اپنے اپنے کمروں؟ شگفتہ کیا الیان اور رومیہ الگ الگ کمرے میں رہتے ہیں۔“ یہ سوال تو ثانی اماں کے
 ذہن میں بھی ابھرا تھا۔ مگر ظاہری بات ہے۔ وہ بھری محفل میں باز پرس نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن شگفتہ غفار کی
 دوستوں کو تو محفل میں ہی ایسا سوال کرنا تھا۔ آخر کو وہ سب الیان اور رومیہ کی اچانک شادی پر ابھی تک حیران
 تھیں اور پھر جب بھی انہوں نے رومیہ کے بارے میں شگفتہ سے کچھ بھی دریافت کیا۔ انہوں نے بڑی بے
 زاری سے نہایت نپا تلا جواب دے کر ان پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ انہیں رومیہ کی ذات سے کوئی دلچسپی
 نہیں۔ ایسے میں ان ساری خواتین کا متحس ہونا تو فطری تھا۔

”بہت سارے تھیلے لے کر آئے تھے۔“ شگفتہ غفار کے سینے پر گویا سانپ لوٹنے لگے۔ انہیں اپنی دوست کا
 پوچھا سوال سنائی ہی نہیں دیا۔

مگر ان خواتین کو بھی صبر کہاں تھا۔ وہ بھی کریدے بغیر جان چھوڑنے والی نہیں تھیں۔ تب ہی ایک اور دوست
 نے اپنے شوذر کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی ادا سے پوچھا۔ ”کیا الیان اور رومیہ کے بیچ کوئی ناراضی
 چل رہی ہے۔ جو ان کے کمرے الگ الگ ہیں یا رومیہ اپنی پڑھائی ختم ہونے سے پہلے بچوں کا کوئی بچھٹ
 نہیں پالنا چاہتی۔ اس لیے اس نے خود ہی الیان کو کمرے سے باہر کر دیا ہے۔“ ان کی بات ساری خواتین کو بڑی
 مزے دار لگی۔ سب ہی زوردار تہقید مار کر ہنس دیں۔

ثانی اماں کو ان کا انداز ذرا نہیں بھایا۔ انہیں تو شگفتہ پر غصہ آنے لگا۔ کیسی واہیات دوستیں بنارکھی تھیں ان کی
 بیٹی نے۔

شگفتہ غفار کو بھی اپنی دوست کا مذاق ذرا اچھا نہ لگا۔ اس دو کوڑی کی لڑکی کی بھلا کیا مجال کہ ان کے بیٹے کو کمرے
 سے باہر کر دے۔ ان کے بیٹے نے ہی کبھی اسے اس قابل نہیں سمجھا۔ تب ہی وہ بڑے تنگ کر بولیں۔

”وہ کوئی ایسی پڑھا کو نہیں ہے جو پڑھائی کی خاطر اتنی قربانیاں دے۔ الیان کو خود ہی اس میں کوئی دلچسپی نہیں
 ہے۔“ ان کے جواب نے تمام عورتوں میں کھلبلی مچادی۔ حسہ نے بظاہر بڑی ہمدردی سے، لیکن حقیقتاً بڑی بے
 زاری سے پوچھا۔

”کیوں بھی تمہیں تمہاری اچھی شکل و صورت کی ہے۔ پھر۔“
 ”تمہاری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں کیا۔ کون سی اچھی شکل ہے۔ میرے الیان کے سامنے پانی بھرتی ہے۔“
 شگفتہ غفار سے رومیہ کی تعریف ذرا برداشت نہیں ہوئی۔ انہوں نے تملاکر حسہ کی بات کاٹ دی۔
 ثانی اماں لب بچھنے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر شگفتہ غفار اتنے غصے میں تھیں کہ انہیں احساس ہی نہیں تھا کہ وہ
 کیا کہہ رہی ہیں۔

اس وقت بھی انہوں نے رومیہ کی برائی کرنے کے چکر میں جھوٹ کی حد کر دی تھی۔ ورنہ رومیہ کا شمار بہت
 حسین نہ سہی مگر دلکش اور سیاری لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ لیکن یہاں کچھ خواتین ایسی تھیں جو الیان کے لیے خود اپنی
 بیٹیوں کی امید لگائے بیٹھی تھیں۔ لہذا انہیں شگفتہ کی بات سے بھرپور اتفاق تھا۔ بلکہ ان میں سے ایک جلتی پر
 گل کا کام کرتے ہوئے کہا۔

”غیر تو ہے تم نے الیان کی شادی اس کے ساتھ کر کے الیان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔“
 ”مجھے تو لگتا ہے الیان نے خود ہی اس سے شادی کر لی ہے شگفتہ کی مرضی کے بغیر۔“ حسہ نے ہنس کر کہا تو
 شگفتہ غفار ہی طرح تپ گئیں۔

”میرا بیٹا ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو کسی لڑکی کو دیکھ کر اس پر مر مٹتے ہیں۔ الیان میری مرضی کے بغیر سانس
 ہی نہیں لے سکتا شادی کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔“

”شکلفہ بس کرو اتنا غصہ بھی اچھا نہیں کہ انسان کفر مکنے لگے۔“ نانی اماں سے رہا نہ کیا تو وہ سختی سے بول پڑیں۔ مگر شکلفہ غفار کا اس وقت خود پر سے کنٹرول ختم ہو گیا تھا۔ ان کے اندر آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب کے سامنے ماں سے تشریح کر بولیں۔

”غصہ نہ کروں تو کیا کروں۔ پتا نہیں کون سی منحوس گھڑی تھی جو یہ لڑکی میرے بیٹے کی زندگی میں آگئی۔“

”کیوں کیا برائی ہے رو میلہ میں۔“ نانی اماں کو بھی غصہ آگیا۔

”کوئی تو برائی ہوگی جو بارات گھر تک آکر لوٹ گئی۔“ شکلفہ غفار چیخیں۔

”کیا۔؟“ حسہ نے تعجب سے کہا۔

”رو میلہ کی بارات لوٹ گئی تھی۔“

”تو تم نے وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔“

”اے آنکھ بند کر کے اپنے ایک ہی بیٹے کی شادی کیوں کر دی۔“

لی جلی آوازیں ابھرنے لگیں۔ نانی اماں بڑھتے نفس کے ساتھ بیٹی کو دیکھے گئیں۔ جس نے خود ہی اپنے گھر کا تماشا بنا لیا تھا۔

”بس یہی تو غلطی ہو گئی۔ ریاض کی پہچان کے لوگ تھے۔ میں نے بیٹے کو مجبور کر کے نیکی کرنی چاہی مگر وہ اس قابل ہی نہیں تھی۔ ورنہ میرا بیٹا ایسی لڑکی سے شادی کرتا وہ بھی میرے خلاف جا کر۔“ شکلفہ غفار نے ایک دم بات بتائی۔ ان سے برداشت نہیں ہوا تھا کہ کوئی یہ سوچ بھی لے کہ ان کے بیٹے نے انہیں اہمیت نہ دی اور اپنی مرضی سے شادی رچالی۔ لہذا اس بات کی صفائی دینا تو سخت ضروری تھا۔ بھلے ہی اس کے لیے رو میلہ کو ذلیل کرنا پڑے اور یہ بتانا پڑے کہ وہ ٹھکرانی ہوئی لڑکی ہے۔ جس کی بارات لوٹ چکی ہے۔

”مگر تم نے یہ پتا کرنے کی کوشش نہیں کی اس کی شادی کیوں لوٹ گئی۔“ ایک خاتون نے آنکھیں سمھاتے ہوئے پوچھا تو نانی اماں خود کو روک نہ سکیں اور بڑی سختی سے بولیں۔

”شرم کرو، بیٹی تم بھی کسی کی بیٹی ہو، تمہاری بھی کوئی بیٹی ہوگی، کسی لڑکی کے ساتھ ہوئی انہوں کو یوں پٹھارے لے کر سننا، تمہیں بالکل زیب نہیں دیتا۔“ نانی اماں کی بات انہیں طمانچہ کی طرح لگی۔ وہ بھر کر کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ حسہ نے ان کی طرف واری کرتے ہوئے خود کو بہت نیک پروین ظاہر کرنا چاہا۔

”ہاں ہاں خالہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ کریدنے کی بجائے ہمیں شکلفہ کو سمجھانا چاہیے کہ جو ہو گیا ہے اسے نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کر لے۔“

اب وہ اس کی بہو سے لہذا اسے وہی درجہ دے بلکہ الیان کو سمجھائے کہ اسے اپنے کمرے میں رکھے۔ ان کا پینترا بدلا دو سری خواتین بھی سمجھ گئیں۔ وہ بھی حسہ کی ہاں میں ہاں ملائے لگیں۔

نانی اماں کو کون سا یہاں مستقل رہنا تھا۔ ان کے سامنے اچھا بننے کے لیے ابھی یہ باتیں کر لو بعد میں شکلفہ کو اکسا کر ساری تفصیل بتا چل ہی جائے گی۔

شکلفہ غفار کو ان سب کا اماں کی حمایت کرنا کھلا تو بہت مگر وہ ضبط کر گئیں۔ کیونکہ نانی اماں کے چہرے پر بھی واضح طور پر ناگواری پھیلی ہوئی تھی۔ ماحول میں تناؤ دیکھ کر ان کی دوستیں بھی جلدی اٹھ گئیں اور ان سب سے جاتے ہی جب اماں نے شکلفہ غفار سے بات کرنی چاہی تو وہ ان ہی پر چڑھ دوڑیں۔

”کوئی ضرورت نہیں مجھے لیکچر دینے کی۔ میں نے جو کیا، ٹھیک کیا۔“

”تمہیں پتا بھی ہے تم نے کیا کیا ہے۔ اپنی بہو کی سب کے سامنے برائی کر کے تم نے خود ان لوگوں کو اپنے لہو

ہنے اور تمہارے متعلق باتیں بنانے کا موقع دیا ہے۔“

”ہاں تو بتاتے رہیں باتیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔“ شکلفہ غفار جلی پیر کی ملی کی طرح ڈرا رنگ روم میں پھر رہی تھیں۔

”کیوں آگ لگی ہے میری سمجھ میں تو یہی نہیں آرہا۔“ نانی اماں زچ ہو گئیں مگر شکلفہ غفار نے وہ بیان ہی نہیں دیا۔ ان کا ذہن تو مشین کی طرح چل رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے سرداراں کو آوازیں دیں۔

ان کا جلال دیکھ کر سرداراں بھی خوف زدہ سی دوڑی چلی آئی۔

”اس دن بازار کے علاوہ بھی کیا وہ دونوں کبھی ساتھ گئے ہیں۔“

”جس جی پتا نہیں۔“ اب اسے احساس ہو رہا تھا۔ اس نے یہ بات کہہ کر شاید بہت بڑی غلطی کر دی۔

”شکلفہ بند کرو یہ بکواس۔ سرداراں تم جاؤ یہاں سے۔“ نانی اماں نے دانت پیس کر کہا۔ سرداراں فوراً پلٹنے لگی تو شکلفہ غفار دھاڑ کر بولیں۔

”کہاں جا رہی ہو تمہیں اماں تنخواہ دیتی ہیں یا میں۔ جب تک میں اجازت نہ دوں تم یہاں سے ہلو گی بھی نہیں۔ اب بتاؤ اگر تم نے انہیں بھی ساتھ جاتے ہوئے نہیں تو کبھی ساتھ ساتھ بیٹھ کر باتیں وغیرہ کرتے ہوئے تو دیکھا ہوگا۔“

”بیگم صاحبہ مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔“ وہ ہراساں ہوئی۔ ”یاد نہیں آ رہا تو یاد کرنے کی کوشش کرو۔“ شکلفہ غفار چلائیں۔ وہ اس وقت بالکل بھی اپنے آپ میں نہیں تھیں اور یہ رو میلہ کی سرا سر بد قسمتی تھی کہ اس نے اسی وقت گھر میں قدم رکھ دیا۔

عام دنوں میں تو وہ خاصی تاخیر سے آتی تھی۔ مگر آج نمل یونیورسٹی آئی تھی۔ بہت دنوں کے بعد جس پر سمیر نے نمل کی مٹکٹی ٹوٹنے کی خوشی میں سب کو ٹرٹ دے ڈالی۔ لہذا نمل، سبیل اور رو میلہ سب ہی خجالت محسوس کر مں وقت سے پہلے وہاں سے نکل گئیں۔

رو میلہ نے گھر میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی محسوس کر لیا کہ کوئی ہنگامہ چل رہا ہے۔ شکلفہ غفار، نانی اماں اور سرداراں سب ڈرا رنگ روم میں تھیں مگر ان کے چیخنے کی آوازیں باہر ہی لاؤنج تک آرہی تھیں۔

رو میلہ الفاظ سنائی نہ دینے کی وجہ سے یہ تو نہ جان سکی کہ بات کیا ہو رہی ہے۔ البتہ شکلفہ کا شدید غصہ محسوس کرتی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ مگر تب ہی زینے کی طرف جاتی رو میلہ پر شکلفہ غفار کی نظر پڑ گئی اور انہوں نے پہلی بار اسے اس کے نام سے پکارا۔

”رو میلہ! ان کی آواز اور لہجہ میں کچھ ایسا تھا کہ رو میلہ کا دل ہی بند ہونے لگا۔ اس نے بڑی اہمیت کر کے پلٹ کر دیکھا تو وہ ڈرا رنگ روم سے باہر نکل کر اب لاؤنج میں آکھڑی ہوئی تھیں۔

”بھی۔“ رو میلہ کی آواز ہی نہ نکل سکی۔

”تی جلدی واپس آ گئیں۔ تمہارے نہ آنے کا کوئی تاثر ہے نہ جانے کا کوئی تاثر ہے، یونیورسٹی ہی جاتی ہو یا۔“ شکلفہ غفار کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ رو میلہ کا خون رگوں میں مجمد ہونے لگا۔

”کچھ پوچھ رہی ہوں میں۔“ وہ ایک دم چلائیں تو رو میلہ خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے جلدی سے کہنے لگی۔

”یونیورسٹی سے ہی آرہی ہوں۔ آ۔ آ۔ آ۔ آج کوئی خاص کلاس نہیں تھی۔ اور ایک اسائنمنٹ جمع کرانی تھی لہذا میں۔ جلدی گھر آگئی۔“ رو میلہ نے اپنے طور پر بڑے اعتماد سے کہنے کی کوشش کی۔ اتنے میں نانی اماں بھی ڈرا رنگ روم سے اٹھ کر بیٹیں آگئی تھیں۔ ان کے چہرے پر بھی ہلاکی بخجید کی پھیلی تھی۔ وہ اسی گھبر

بھگت کر رہی تھیں۔

”ٹھیک ہے تم کمرے میں جا کر آرام کرو۔“

”یہ کہیں نہیں جا رہی ہے۔“ ٹکلفہ غفار ترخ کراں سے بولیں۔

”رومیلہ سے بعد میں بات کر لینا“ پہلے تم ذرا میرے ساتھ کمرے میں آؤ۔“ ثانی اماں انہیں رومیلہ کے ساتھ خاموش رہنے کی تنبیہ کرتے ہوئے بردباری سے بولیں مگر ٹکلفہ غفار بالکل جنونی بنی ہوئی تھیں وہ ایک بار پھر بد تمیزی سے گویا ہوئیں۔

”مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ آپ مجھے رومیلہ سے بات کرنے دیں۔ اسے یونور شی جانے کی اجازت دے کر مجھے لگتا ہے میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ یونور شی کے بہانے یہ تو گلہ جھڑے اڑانی پھر رہی ہے۔“ رومیلہ کو اپنے پیروں سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔ جبکہ ثانی اماں کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ خاصی تیز آواز میں بولیں۔

”زبان سنبھال کربات کرو ٹکلفہ، تمہیں ہوش بھی ہے تم کیا بول رہی ہو۔“

”نہیں مجھے بالکل ہوش نہیں رہا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ میرے بیٹے پر ڈورے ڈالتی رہے اور میں ہوش میں رہوں کیا یہ ممکن ہے۔“

”ٹکلفہ، ٹکلفہ بس کرو وہ اس کا شوہر ہے۔ تمہیں شرم نہیں آرہی اپنی بہو کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہوئے۔“ ثانی اماں کا شرمندگی سے برا حال ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اپنی بیٹی پر انہیں آج شدید تعجب ہو رہا تھا۔ مگر ٹکلفہ غفار کو ثانی اماں کے احساسات کی پرواہی کہاں تھی ان پر تو جیسے خون سوار تھا۔ وہ رومیلہ کے عین سامنے آکھڑی ہوئیں اور نہایت کرخنگی سے بولیں۔

”کتنی بار شاپنگ پر جا چکی ہو تم الیان کے ساتھ۔“ رومیلہ تو پہلے ہی اس ساری صورت حال کو سمجھ نہیں پا رہی تھی وہ تو اب ایک دم سکتے میں چلی گئی۔

”بت بنی کیا کھڑی ہو جواب دو مجھے۔ کتنا لوٹا ہے میرے بیٹے کو بولو۔ جواب دو۔“ ٹکلفہ غفار دھاڑیں۔

رومیلہ کو اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اتنا تو اس کی سمجھ میں آگیا تھا کہ ٹکلفہ غفار کو پتا چل گیا ہے کہ وہ الیان کے ساتھ شاپنگ پر گئی تھی۔ لیکن اس صورت حال کو کیسے سنبھالنا ہے۔ یہ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو خود کو نہیں سنبھال پا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جسے چھلکنے کے لیے بے تاب دیکھ کر ٹکلفہ غفار خونخوار انداز میں بولیں۔

”خبردار جو میرے سامنے ٹسوے بہائے جو میں نے پوچھا ہے شرافت سے اس کا جواب دو۔ تمہاری بہت کیسے ہوئی الیان کے ساتھ شاپنگ پر جانے کی۔“

”کیا ہوا امی۔“ بربرہ کی منہاں کے گھر میں خاصی دیر سے ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اس کی آنکھ جھنجھوٹا کر سی کھلی تھی تو وہ اٹھ کر فوراً اپنے کمرے سے باہر آگئی۔ رنگ سے نیچے جھانکنے پر اسے زینے کے پاس ہی سب کھڑے نظر آئے تو اس نے وہیں سے آواز لگا کر پوچھ لیا۔

اس پر نظر پڑتے ہی ثانی اماں کے سوالوں کو جیسے سمت مل گئی۔

”بربرہ! نیچے آؤ فوراً“ نیچے آؤ۔“ بربرہ نے ثانی اماں کو اتنے غصے میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے بیڑھیاں اترتی ان کے پاس آگئی اور گھبرا کر پوچھنے لگی۔

”کیا ہوا ثانی اماں۔ سب خیریت تو ہے نا۔“

”مجھے صرف ایک سوال کا جواب چاہیے۔ اگر تمہارے دل میں میرے لیے ذرا بھی عزت ہے تو تم مجھ سے اتنا سا بھی جھوٹ نہیں بولو گی۔“ ثانی اماں کے تہج میں غم و غصے دونوں کی آمیزش تھی۔ بربرہ تڑپ اٹھی۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں ثانی اماں۔ آخر ہوا کیا ہے؟“

”یہ تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا کہ ہوا کیا ہے۔ تم صرف مجھے یہ بتاؤ کہ تم لوگوں نے رومیلہ کے ساتھ الیان کی شادی کیوں کی؟“ لاؤنج میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

بربرہ تو کچھ جانتی نہیں تھی وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ثانی اماں یہ سوال کر ڈالیں گی۔ رومیلہ اور ٹکلفہ غفار تک اس سوال پر ہکا بکا رہ گئے۔

”ج۔ جی۔ ثانی اماں میں سمجھی نہیں۔“

”مجھے کچھ بتاؤ۔ رومیلہ کے ساتھ الیان کی شادی کیوں کی تھی؟“

جو رومیلہ نے کہا تھا کہ اس کی بارات لوٹ گئی اور الیان اس کے بھائی کا دوست تھا۔ اس کہانی پر تو کوئی بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا۔ الیان اتنا خود سر نہیں ہے کہ دوست کی خاطر ماں کے خلاف جائے اور تمہاری ماں کو مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ یہ وہ عورت ہی نہیں جسے نیکیاں کمانے کا شوق ہوتا ہے۔ پھر آخر یہ شادی کیسے ہو گئی۔

ٹکلفہ کی نفرت اور اس کی جلن دیکھ کر میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ تم لوگوں نے کسی مجبوری کے تحت یہ فیصلہ لیا ہے۔ مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ تم لوگوں کی ایسی کیا مجبوری تھی جو تم لوگوں نے اتنا بڑا فیصلہ لیا۔ لیکن یہ تو طے ہے کہ یہ سب مجبوری کا سودا ہے۔ بس مجھے وہ مجبوری جانتی ہے۔“ ثانی اماں کا لہجہ گلو گیر ہو گیا تھا۔

بربرہ اور رومیلہ تو کیا خود ٹکلفہ غفار سانس روک کے کھڑی تھیں۔

اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے کیا کر دیا ہے۔ ثانی اماں کو ایک بار اگر شک ہو گیا تھا تو اب اس شک کو دور کرنا آسان نہیں تھا۔

ٹکلفہ غفار نے ان کے سامنے اتنا ہنگامہ کر کے انہیں مشکوک کر دیا تھا اور وہ برہمی سے بربرہ سے مخاطب تھیں جو خود دہانسی ہونے لگی تھی۔ اس کے اوپر تو اس راز کے فاش ہونے کا خطرہ کسی تلواری طرح ٹکٹا رہتا تھا۔

اس کی بھٹک پڑنا دیکھ کر ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔ وہ تو جیسے بالکل ہی ہمت ہار گئی تھی۔

(بابی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆ ☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

خوبصورت مردوق

خوبصورت چھپائی

شان بولے ہیں

مضبوط جلد

آفٹ ہیج

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی	قیمت: 450 روپے
☆ درو کی منزل، رضیہ جمیل	قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جمیں	قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری	قیمت: 250 روپے
☆ امرنیل، عمیرہ احمد	قیمت: 550 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

فوزیہ یاسین

دستِ گورنر

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو ملائے۔ اور روح کو ملانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگومیلہ، سسبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پولیس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ڈکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پولیس میں منج کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سرہیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چل جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

چالیسویں قسط



”ہماری شادی سے دو دن پہلے تم صرف تین لوگ بارات لے کر گئے اور رو میلہ کو رخصت کرا لائے حالانکہ ہم سب وہیں تھے۔ اچانک جلد بازی میں بھی اگر شادی کرنی پڑ گئی تھی تو بھی ہمیں اطلاع دی جاسکتی تھی۔ رو میلہ کا تو پورا خاندان شریک ہوا تھا باقاعدہ اخبار میں تصویریں آئی تھیں۔ تم لوگ چاہتے تو ہمیں بھی چلنے کے لیے بلا سکتے تھے اس قدر رازداری سے یہ قدم ایسے ہی نہیں اٹھایا گیا ہے۔ رو میلہ اگر حلقہ کو پسند نہیں ہے یا یہ روایتی انداز میں اپنے ارمان نہیں نکال سکی تب بھی — رو میلہ سے اتنی نفرت کرنے کا جواز نہیں بنتا۔

براؤ مہمانی مجھے مزید جھوٹ بول کر بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کی جائے لہذا صاف صاف بتا دو تم لوگوں نے یہ زبردستی کا طوق گلے میں کیوں ڈالا ہے۔“ نانی اماں کے لہجے سے غم و غصہ بری طرح جھلک رہا تھا۔ حلقہ غفار دم بخود کھڑی تھیں۔ نانی اماں کو مطمئن کرنے کے لیے اب کوئی بہت بہترین اور معقول بہانہ ڈھونڈنا تھا جو ان کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا کیونکہ بریرہ مستقل انہیں شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو۔ ”آپ کچھ دن بھی اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکتیں۔ آپ کے اتنا تماشا کرنے کی وجہ سے نانی اماں کو شک ہوا ہے۔ اب انہیں کون مطمئن کرے گا۔ آپ اپنی بے وقوفیوں کی وجہ سے میرا گھر برباد کر دیں گی۔“ حلقہ غفار خود شرمندہ تھیں اس لیے بریرہ سے نظریں چرائے کھڑی تھیں۔

رو میلہ اس سارے ماحول میں سب سے بری حالت میں تھی دکھ بے عزتی، شرمندگی، تاسف اور جانے کون کون سے احساسات سے وہ گزر رہی تھی۔ اس وقت وہ اتنی ذلت محسوس کر رہی تھی کہ اس کا دل چاہ رہا تھا زمین بھٹے اور وہ اس میں سما جائے مگر نانی اماں کے سوالوں نے اس کا سوچوں کی سمت بدل دی۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا وہ جلد سے جلد اس موضوع کو ختم کرنے کے متعلق سوچنے لگی۔

کیونکہ بریرہ جس طرح جذباتی ہو کر رو رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے رو میلہ کا وجدان کہہ رہا تھا بریرہ کوئی بھی حماقت سے بھرا جملہ بول کر اس راز کو فاش کر دے گی اور واقعی وہ غلط نہیں سوچ رہی تھی بریرہ بھرائی ہوئی آواز میں حلقہ غفار سے کہنے لگی۔

”لوگ کہتے ہیں اولاد کی خاطر ہر قربانی دے سکتی ہے مگر آپ صرف کچھ دنوں کے لیے اپنی زبان اور نفرت پر قابو نہیں رکھ سکتیں۔ آپ کو مجھ سے اتنی محبت نہیں جتنی رو میلہ سے نفرت ہے آپ میرا گھر برباد کر سکتی ہیں لیکن رو میلہ کو آباد نہیں ہونے دے سکتیں۔“ حلقہ غفار کو لگا کسی نے ان کے کانوں میں پکھلا ہوا ایسہ ڈال دیا ہو وہ تڑپ کر بریرہ کے قریب گئیں اسے سینے سے لگانے کے لیے مگر بریرہ نے ان کے ہاتھوں کو بری طرح جھڑک دیا اور پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بیڑھیاں پھلا گئی اور چڑھ گئی۔

حلقہ غفار نے ایک نظر نانی اماں اور رو میلہ پر ڈالی اور خود بھی اس کے پیچھے پلکیں۔ نانی اماں بریرہ کا یہ رد عمل دیکھ کر مزید فکر مند ہو گئی تھیں ان کے چہرے پر سوچوں کا ایک جال بچھا تھا۔ وہ غم ناک آنکھوں سے خالی زینے کو دیکھتی رہیں جہاں سے ان کی بیٹی اور نواسی نے جا کر ان کے لیے سوچوں کے ان گنت در کھول دیے تھے۔

رو میلہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر خود پر قابو پاتی ان کے نزدیک چلی آئی۔

”نانی اماں۔“ رو میلہ کانپتے لہجے میں بولی تو وہ ڈبڈباتی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

”میں آپ سے کوئی جھوٹ نہیں بولنا چاہتی نہ ہی آپ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کروں گی۔ الیان اور ان کی فیملی نے یہ شادی واقعی بڑی مجبوری کے عالم میں کی ہے یوں سمجھ لیں بہت بڑا قرض تھا الیان پر جسے ہر حال میں چکانا تھا اور جس کے بدلے میں میرے بھائی نے الیان سے الیان کو مانگ لیا بس اس سے زیادہ میں آپ کو کچھ

نہیں بتا سکتی اس سے زیادہ کچھ نہ ہی جانتا آپ کے اور سب کے حق میں بہتر ہے۔ آپ کو اللہ رسول کا واسطہ آپ یہ سوال آئندہ کبھی نہیں کریں گی۔“ رو میلہ نے ان کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

نانی اماں کتنی ہی دیر بے بسی سے رو میلہ کی بھگی آنکھوں کو دیکھتی رہیں پھر بغیر کچھ کہے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ ان کے ایک ایک انداز سے ان کے شدید دکھ کی عکاسی ہو رہی تھی۔ اتنے سارے لوگوں کو اپنی وجہ سے تکلیف میں دیکھ کر رو میلہ کا دل بری طرح بھرا آیا تو وہ بھی اپنے اندر کا غبار نکالنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

سارا دن وہ اپنے کمرے میں بند رہی کسی کا سامنا کرنے کی ہمت تھی اور نہ ہی خواہش اور پھر کمرے کے باہر پھیلے ستارے سے اس نے یہی انداز لگایا تھا کہ گھر کے باقی مکیوں نے بھی خود کو کمروں میں مقید کر لیا ہے کھانا کھانے یا کسی بھی کام کے لیے کوئی باہر نہیں نکلا ہے۔

شام کے چھ بجے کے قریب اسے گھر میں کچھ چل پھل محسوس ہوئی جیسے باہر لاؤنج میں سب باتیں کر رہے ہوں لیکن وہ کون لوگ تھے اور کیا باتیں کر رہے تھے یہ جاننے کا رو میلہ کو بالکل کوئی تجسس نہیں ہوا وہ ویسے ہی بستر کے ایک کونے میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی مگر تب ہی دروازے پر کوئی ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہو گیا۔ اپنے سامنے بریرہ کو کھڑا دیکھ کر رو میلہ حیرت کے مارے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

بریرہ کا حلیہ خاصا بہتر تھا اس نے کپڑے وغیرہ بدلے ہوئے تھے بال قریب سے بنا کر وہ کہیں جانے کے لیے تیار لگ رہی تھی البتہ اس کی آنکھوں کو دیکھ کر صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پورا دن روتی رہی ہے۔ رو میلہ اسے اچانک سامنے دیکھ کر کچھ پریشان سی ہو گئی جانے اب وہ کیا کہنے والی تھی۔ اب رو میلہ میں مزید کچھ سننے کا یارا نہیں تھا۔ رو میلہ خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی اس کے بھی شاید سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے، لیکن اس کے پاس یہاں کھڑے رہنے کا وقت نہیں تھا لہذا اگلا کھنکھارتے ہوئے کہنے لگی۔

”مجھے نہیں پتا تھا کہ مئی کا رویہ آپ کے ساتھ۔ اس قسم کا ہے مجھے معلوم تھا وہ آپ کو کبھی قبول نہیں کریں گی۔ لیکن۔ لیکن وہ آپ کے ساتھ اس طرح پیش آتی ہوں گی۔ اس کا علم مجھے بھی یہاں آکر ہوا ہے۔“ بریرہ بڑے شکستہ لہجے میں بول رہی تھی وہ رو میلہ کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی اس کی نظریں اپنی انگلیوں پر مرکوز تھیں جن پر وہ اپنے دوپٹے کا پلو کھول اور پلیٹ رہی تھی پھر وہ ایسے خاموش ہو گئی جیسے جو وہ گناہ چاہ رہی ہو اسے کہنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو۔ آخر وہ بہت ہکلاتے ہوئے بولی۔

”لگتا ہے۔ آپ مئی کے رویے کے متعلق۔ اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں بتاتیں۔“ وہ کہہ کر ایک بار پھر چپ ہو گئی رو میلہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کتنا کیا چاہتی ہے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد آخر اس نے وہ کہہ ہی دیا جسے کہنے وہاں آئی تھی۔

”مئی کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ آپ پلیز یہ سب اپنے بھائی کو مت بتائیے گا۔“ پہلی بار وہ رو میلہ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی انکساری سے بولی تو رو میلہ پر گھڑوں پانی گر گیا۔

”گو یا وہ اس لیے پریشان تھی کہ رو میلہ اپنے بھائی کو سب بتا دے گی اور وہ انتقاماً اس کے سسرال والوں کو اس کے اغوا ہونے کے متعلق بتا دے گا۔ اس کے لہجے میں اپنی ماں کے رویے پر شرمندگی نہیں تھی۔ بس ایک ڈر تھا اپنے گھر کے اجڑ جانے کا رو میلہ بے اختیار اس کے قریب آ گئی۔

”تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ معافی تو مجھے مانگنی چاہیے کہ میری وجہ سے تم سب لوگوں کو اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں میں یا میرا بھائی تمہارا گھر کبھی برباد نہیں کریں گے۔ میرے

بھائی نے جو تمہارے ساتھ کیا وہ بالکل غلط تھا ناقابل معافی جرم سرزد ہوا ہے اس سے مگر اسے جو کرنا تھا وہ کر چکا ہے اب مزید تم لوگوں کو دکھ دینے یا پریشان کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔" بریرہ بڑے غور سے رویلہ کو سن رہی تھی۔

"اپنی زندگی کو سکون کے ساتھ جو بغیر کسی ڈر یا خوف کے اس یقین کے ساتھ کہ میں تم پر کبھی آنچ نہیں آنے دوں گی۔" رویلہ بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بولی۔

وہ واقعی دل سے چاہتی تھی کہ بریرہ کا ہر وہم دور ہو جائے۔ اس کے لیے اس نے وہ باتیں بھی کہہ دی تھیں جس کے بارے میں اسے پتا ہی نہیں تھا کہ وہ ایسا کر بھی سکے گی یا نہیں۔

بریرہ بڑے غور سے اسے دیکھتی رہی جیسے اس کے چہرے سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ رویلہ کو لگا وہ اس سے کچھ پوچھے گی مگر وہ کچھ کہے بغیر ہی واپسی کے لیے مڑ گئی۔ رویلہ کتنی ہی دیر اپنی جگہ کھڑی رہی کہ تب ہی سرداراں نے اگر اطلاع دی کہ ثانی اماں اسے بلارہی ہیں۔

وہ جس حلیے میں کھڑی تھی ویسے ہی باہر آگئی۔ مگر لاؤنج میں ثانی اماں اور بریرہ کا سامان رکھا دیکھ کر اور ایک صوفے پر حامد کو شکستہ غفار سے محو گفتگو دیکھ کر وہ ٹھنک گئی۔

"آپ لوگ جارہے ہیں۔" رویلہ بے اختیار ثانی اماں کے قریب آگئی۔

"ہاں بیٹا! اب اس عمر میں اپنے گھر کے علاوہ کہیں دل نہیں لگتا۔" ثانی اماں حامد کے سامنے ایسے بولیں جیسے کچھ ہوا ہی ناہو۔ بلکہ خواہنا ہی ہنس کر کہنے لگیں۔

"میں نے تو اکیلے جانے کا ارادہ کیا تھا مگر جب بریرہ کو حامد کے آنے کا پتا چلا تو اس نے بھی سامان باندھ لیا۔ میں تو کہہ بھی رہی ہوں کہ تم رک جاؤ۔ مگر اسے بھی اپنے گھر کی عادت ہو گئی ہے اور اچھی ہی بات ہے۔ کچھ دن بعد پھر چکر لگائے گی۔ میں ریاض اور الیان کا انتظار نہیں کر سکتی۔ ان لوگوں سے بعد میں فون پر بات کر لوں گی شام ہو گئی ہے بس ہم فوراً نکل رہے ہیں۔" ثانی اماں کہتی چلی گئیں۔

"لیکن آپ لوگ رات میں کیوں جارہے ہیں صبح نکل جائیے گا۔" رویلہ حیرانی سے بولی۔

"حامد میرے فون کرنے پر اپنے کام چھوڑ کر دن میں ہی نکل کھڑا ہوا تھا۔ اب اگر رات کو رکیں گے تو اس کا ایک دن اور ضائع ہو جائے گا۔ کوئی بات نہیں۔ رات کا سفر ایسا کوئی خطرناک نہیں صبح تک پہنچ جائیں گے۔" ثانی اماں لاپرواہی سے بولیں۔

رویلہ خوب جانتی تھی۔ ثانی اماں ریاض غفار اور الیان کے آنے سے پہلے پہلے نکل جانا چاہتی ہیں۔ انہوں نے اسی لیے انہیں فون بھی نہیں کیا تھا کہ پھر وہ انہیں رکنے پر اصرار کریں گے اور ان کے اچانک جانے کا فیصلہ کرنے پر سوالوں کی بوچھاڑ کریں گے۔ رویلہ حیران پریشان سی کھڑی رہی۔ ایک بار پھر اسے شرمندہ ہونے لگی کہ اس کی وجہ سے کتنے لوگوں کو تکلیف ہو رہی تھی۔ ثانی اماں نے اسے ساکت کھڑا دیکھ کر خود سے لگایا اور بڑے دھیمے لہجے میں بولیں۔

"پریشان مت ہو۔ وقت ایک سا نہیں رہتا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شکستہ ضدی ہے اس سے میں نے ابھی اس موضوع پر بات نہیں کی۔ لیکن بریرہ کو میں نے سمجھایا ہے۔ آہستہ آہستہ سب کے وقتے تمہارے ساتھ بہتر ہو جائیں گے۔ بس تم ثابت قدم رہنا۔" رویلہ کا دل چاہا وہ ان سے پوچھے کہ انہوں نے بریرہ کو کیا سمجھایا۔

کہیں انہوں نے یہ تو نہیں بتا دیا کہ رویلہ نے ہاتھ جوڑ کر ان سے التجا کی ہے کہ کسی سے کچھ نہیں پوچھیں گی۔ مگر رویلہ خاموش ہی کھڑی رہی۔ البتہ اس کی سمجھ میں یہ ضرور آتا تھا کہ بریرہ صرف اس کے بھائی کے ڈر سے کمرے تک نہیں آتی تھی۔ ضرور ثانی اماں نے اس کے ذہن سے غلط فہمی کی دھند صاف کی تھی۔

انہوں نے یقیناً اس کی بہت تعریف کر دی ہوگی۔ ثانی اماں تھیں ہی اتنی محبت کرنے والی کہ انہیں لوگوں میں خوبیاں ہی نظر آتی تھیں۔ ثانی اماں اس کا ہاتھ چوم کر حامد کی طرف برہہ گئیں جو جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ حامد نے رویلہ سے رسمی سلام دعا کی۔ تب تک ملازم نے بیگ گاڑی میں رکھ دیے تو وہ سب بھی باہر آگئے۔

ایک چیز جو رویلہ نے بڑی شدت سے محسوس کی۔ مگر خوش قسمتی سے حامد دیکھنے سے محروم رہ گیا۔ شکستہ غفار بریرہ کو الوداعی پیار کرنے آگے بڑھیں۔ مگر بریرہ بڑی بے رخی سے گاڑی کی طرف برہہ گئی۔ ثانی اماں نے بھی منظر دیکھ کر صرف کمر اسانس کھینچا۔ آگے برہہ کر انہوں نے بھی اپنی بیٹی کو کوئی تسلی نہیں دی۔ بلکہ خود بھی دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

شکستہ غفار کے چہرے پر اس وقت اس قدر شدید دکھ تھا کہ رویلہ نظریں چرا گئی۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکلی تو وہ اندر کی طرف بھاگ گئیں۔ جبکہ رویلہ وہیں پورچ میں کھڑی اس عالی شان گھر کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ اب اس کی زندگی اس گھر میں اور بھی مشکل ہو جائے گی۔



رات کو الیان اور ریاض غفار معمول سے خاصی تاخیر سے گھر لوٹے۔ ایک جاپانی کمپنی کے ساتھ طویل تھکا دینے والی میٹنگ نے ان دونوں کو ہی الجھائے رکھا تھا۔ وہ دونوں بغیر کپڑے بدلے سیدھا ہاتھ دھو کر کھانے کی میز پر آگئے۔ ثانی اماں تو مغرب کے بعد ہی رات کا کھانا کھالیا کرتی تھیں لہذا ریاض غفار نے صرف بریرہ کے متعلق پوچھا۔ انہیں یقین تھا ان کی بیٹی ان کا کھانے پر انتظار کر رہی ہوگی مگر سرداراں کے منہ سے یہ سن کر کہ بریرہ اور ثانی اماں کو حامد واپس گاؤں لے گئے وہ دونوں ہی ٹھنک گئے۔

"اور شکستہ؟ کیا اس نے کھانا کھالیا؟" ریاض غفار نے پوچھا۔

"نہیں انہوں نے منع کر دیا ہے انہیں بھوک نہیں ہے۔" ریاض غفار اور الیان ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر دونوں ہی ایک ساتھ ٹیبل پر بے اٹھے اور سیدھا شکستہ غفار کے سر پر پہنچ گئے۔ پہلے تو وہ بات کرنے کے لیے ہی تیار نہیں تھیں اور سرمہ لپیٹے پڑی رہیں آخر ریاض غفار کے جھنجھلائے پر بستر سے اٹھ بیٹھیں اور باقاعدہ آنسوؤں سے رونے لگیں۔

"ہاں آپ بھی مجھ پر غصہ کر لیں۔ ساری غلطی میری ہے سارا قصور میرا ہے۔ اماں بھی مجھ سے ناراض ہیں بریرہ بھی ابرار سے زیادہ مجھ سے خوف زدہ ہے کہ میں ہی اس کا گھر برباد کروں گی۔ ابرار کو تو ضرورت ہی نہیں ہے کچھ کرنے کی۔"

"آخر ہوا کیا ہے؟" ریاض غفار تب گئے۔

"ہوا یہ ہے کہ مجھے اپنی اوقات پتا چل گئی ہے۔ گھر کے نوکروں سے مجھے پتا چلا ہے کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔" شکستہ غفار بھی ترخ کر بولیں۔

"کیا مطلب؟" ریاض غفار ٹھنک کر بولے۔

"مجھے اپنی دوستوں کے سامنے ماسی سے یہ پتا چلا ہے کہ الیان رویلہ کو شاپنگ پر لے کر گیا تھا۔" ریاض غفار اور الیان دونوں چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ریاض غفار کا انداز تصدیق کرنے والا تھا جبکہ الیان کی نظموں میں شدید حیرت تھی۔

"آپ نے اس بات کو لے کر کہیں اپنی دوستوں کے سامنے تو کوئی ہنگامہ نہیں کر دیا۔" الیان نے بے یقینی سے پوچھا۔

”تمہیں صرف ہنگامے کی بڑی ہے۔ یہ احساس نہیں کہ میرے دل پر کیا جاتی۔“ شگفتہ غفار جذباتی انداز میں بولیں۔ الیان نے ایسے لب بپٹے جیسے خود کو بمشکل کچھ کہنے سے روکا ہو جبکہ ریاض غفار بھنائے ہوئے انداز میں ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولے۔

”ان سب باتوں کا مال اور بریرہ کے گاؤں جانے سے کیا تعلق ہے۔“
”کوئی تعلق نہیں وہ دونوں بس ایسے ہی ناراض ہو کر چلی گئیں۔ مجھے رو میلہ پر غصہ تھا اور اسی وقت وہ منحوس یونیورسٹی سے گھر بھی آئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ اس نے ہمت کیسے کی میرے بیٹے کے ساتھ بازار جانے کی۔ بس مال اور بریرہ دونوں کو یہ بات بری لگ گئی۔“ شگفتہ غفار غم غصے سے بے حال ہو رہی تھیں۔
ریاض غفار اور الیان لگتی دیر حیرانی سے انہیں دیکھتے رہے۔ پھر آخر ریاض غفار کی حیرت غصے میں بدلتی شروع ہوئی اور وہ چبا کر بولے۔

”تم نے مال اور اپنی دوستوں کے سامنے یہ بات کہی کہ رو میلہ نے الیان کے ساتھ بازار جانے کی ہمت کیسے کی۔“

”دوستوں کا مجھے یاد نہیں کہ وہ موجود تھیں یا نہیں البتہ غصہ میں نے ان کے سامنے ہی کرنا شروع کر دیا تھا۔“ شگفتہ غفار عجیب نزوٹھے پن سے بولیں۔

”تو تمہارے غصے کو دیکھ کر کسی نے پوچھا نہیں کہ اگر تمہاری بہو تمہارے بیٹے کے ساتھ چلی گئی تو ایسا کون سا گناہ ہو گیا جو تمہیں آگ لگ گئی۔“ ریاض غفار اس قدر تپے ہوئے تھے کہ شگفتہ غفار شاکہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں ان کے اس لب و لہجے پر۔

”بریرہ نے ٹھیک ہی کہا تھا ابراہار کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ رویہ سب کو مشکوک کر دے گا اور یہ راز خود بخود فاش ہو جائے گا۔“ ریاض غفار انہیں خاموش دیکھ کر غرا کر بولے تو الیان سر دے لہجے میں ان کے جملے کی تصحیح کرتے لگا۔

”یہ راز فاش ہو چکا ہے۔ ثانی مال بہت کچھ سمجھ گئی ہیں تب ہی وہ گاؤں سے حامد کو بلا کر ہم سے ملے بغیر واپس چلی گئیں۔“ ریاض غفار کچھ نفرت سے الیان کو دیکھنے لگے جیسے انہیں بھی الیان کی بات سچ لگ رہی ہو۔ البتہ شگفتہ غفار نے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

”وہ کچھ نہیں سمجھی ہیں۔ صرف پوچھ رہی تھیں کہ میں رو میلہ کو اتنا ناپسند کیوں کرتی ہوں۔ ظاہری سی بات ہے۔ میں سچ تو بتا نہیں سکتی تھی۔ لہذا میں خاموش رہی۔ مگر بریرہ نے خاصا اور ری ایکٹ کیا۔ اس کی باتوں سے اگر مال کو کچھ اندازا ہو گیا ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ شگفتہ غفار نے بڑی ڈھٹائی سے اپنا دامن بچا لیا تو ریاض غفار کو شدید غصہ آ گیا۔

”بریرہ نے کوئی اور ری ایکٹ نہیں کیا ہے۔ جو کیا ہے تمہارے کیا ہے اور مستقل تم ہی سب کر رہی ہو۔“
”مجھے پرچلانے کی بجائے ایک بار الیان سے یہ تو پوچھ لیں کہ وہ اسے شاپنگ پر لے کر کیوں گیا؟“ شگفتہ غفار نے ڈھٹائی کی حد کر دی تھی۔ ابھی بھی انہوں نے رو ہانسی ہوتے ہوئے مظلوم پن کر رہا تو ریاض غفار چیخ پڑے۔
”شگفتہ مجھے ہاتھ اٹھانے پر مجبور مت کرو وہ بھی جوان بیٹے کے سامنے۔“ شگفتہ غفار کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا۔

وہ ریاض غفار کے منہ سے ایسی کسی بات کی توقع بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ جب خود کو غلط ہی نہیں مان رہی تھیں۔ تو ریاض غفار کا خود پر چلانا اور غصہ کرنا کیسے صحیح مان لیتیں۔ جبکہ ریاض غفار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شگفتہ غفار کو اٹھا کر ہمت سے پیچھے ہٹیں۔

ان کی بیٹی آج شگفتہ غفار کی وجہ سے ان سے ملے بغیر چلی گئی۔ پتا نہیں وہ ثانی مال کے سامنے کتنی شرمندہ ہوئی ہوگی۔ جانے اس کے دل پر اس وقت کیا بیت رہی ہوگی۔

”ڈیڈی۔ ڈیڈی آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔“ الیان نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔
”کیسے ریلیکس ہو جاؤں۔ باتیں سنی ہیں تم نے اپنی ماں کی۔“ ریاض غفار بھنا کر بولے۔

”مٹی سے میں بات کرتا ہوں۔ آپ جائیں یہاں سے۔“ الیان نے ایک نظر مال کے چہرے پر ڈالی جو ریاض غفار کی بات سن کر صدمے سے سفید پڑ گیا تھا۔ ریاض غفار الیان کی بات پر فوراً ”کچھ نہیں بولے۔ کچھ دیر وہ کمرے غصے سے انجان بنی بیٹھی۔ شگفتہ غفار کو گھورتے رہے۔ پھر پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔
الیان کو بھی غصہ تو بہت آ رہا تھا۔ مگر اسے پتا تھا اس معاملے کو غصے سے نہیں بلکہ سمجھ داری سے سلجھانا تھا۔ لہذا وہ خود پر ضبط کرنا ان کے نزدیک چلا آیا اور عین ان کے سامنے بستر پر بیٹھ گیا۔

”ہم سب جانتے ہیں آپ رو میلہ سے نفرت کرتی ہیں۔ میں آپ کی نفرت کو غلط نہیں کہوں گا۔ لیکن اس کا اظہار جب آپ دوسروں کے سامنے کرتی ہیں تو لوگ حیران ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ہم سب کا تماشا بنتا ہے۔ لوگ جتنا مشکوک ہوں گے اتنا ہی کریدیں گے۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ بریرہ کے اغوا کی بات سب کو ہاتھ چل جائے۔“ بیٹے کے نرمی سے بات کرنے پر شگفتہ غفار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور ایک بار پھر مظلوم منہ ہوتے نزوٹھے پن سے بولیں۔

”تو تم کیوں ایسی حرکتیں کرتے ہو کہ میں بھڑکنے پر مجبور ہو جاؤں۔ تمہیں نہیں پتا وہ بہت چالاک ہے۔ تم پر فورے ڈال رہی ہے اور تم اس کے جال میں پھنستے جا رہے ہو۔“

”وہ مجھے نہیں پھنسا رہی میں خود اسے شاپنگ پر لے کر گیا تھا۔ اس نے یونیورسٹی جوائن کی تھی اور اس کے پاس کپڑے تک نہیں تھے۔ لوگ نہیں جانتے کہ ہماری شادی کن حالات میں ہوئی ہے۔ دنیا کی نظر میں وہ میری بیوی ہے۔ اس کے اسٹینڈرڈ سے رہنے یا نہ رہنے سے میری عزت پر حرف آتا ہے۔“ الیان دل ہی دل میں نوحہ ہو جانے کے باوجود رسانیت سے بولا۔

”سی بات کا تو وہ فائدہ اٹھا رہی ہے کہ دنیا کی نظر میں وہ تمہاری بیوی ہے اور دیکھ لیتا ایک دن وہ سچ مجھ تمہاری بیوی بن جائے گی۔“ شگفتہ غفار نے دانت پیسے۔

”وہ فائدہ نہیں اٹھا رہی آپ ان سیکورٹیل کر رہی ہیں اور آپ ساری زندگی ایسے ہی ہنگامے کرتی رہیں گی۔ کبھی کسی کے سامنے تو کبھی کسی کے سامنے۔ ہم نے بریرہ کا گھر تو بسالیا۔ لیکن اپنے گھر کا سکون ختم کر لیا۔ میں رو میلہ کو اپنا نہیں سکتا۔ کیونکہ اسے اس گھر میں کبھی بہو کا درجہ نہیں ملے گا۔ میں دوسری شادی بھی نہیں کر سکتا کہ جس لڑکی کو آپ برواشت نہیں کر پار ہیں اس کی سوتن کیسے سہیں گی۔ میری زندگی تو اور اجیرن ہو جائے گی۔ آخر میں کروں تو کیا کروں؟“ الیان کی بات پر وہ تڑپ اٹھیں۔

”سی لیے تو مجھے اس لڑکی سے نفرت ہے۔ جس نے میرے دونوں بچوں کی زندگی جہنم بنا دی ہے۔“

”اس نے نہیں، ہم نے خود اپنی زندگی جہنم بنائی ہے۔ ہم نے صرف بدنامی کے ڈر سے اس کے بھائی کی شرط مان لی۔ اگر اس وقت میں نے ذرا سا خود غرض بن کر رو میلہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہوتا تو آج میں اس ڈھنی کرب سے نہ گزر رہا ہوتا۔ میں نے ابراہار کے بارے میں سب پتا کر لیا ہے۔ وہ کوئی جراثیم پیشہ آدمی نہیں ہے۔ نہ ہی اس کا کوئی مجرمانہ ریکارڈ ہے۔ اگر ہم لوگ اس وقت بارات لانے سے انکار کر دیتے تو وہ بریرہ کو ایسے ہی چھوڑ دیتا۔ میں نے بہن کا گھر بچانے کے لیے اپنی زندگی تباہ کر لی۔“ الیان بڑی سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ شگفتہ غفار کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

”وہ اگر بریرہ کو نہ چھوڑتا تو بھی ہم لوگوں کی زندگی جہنم بنی ہوتی تم نے اس وقت جو فیصلہ کیا۔ بالکل صحیح کیا۔ تم بہن کی زندگی اور عزت بچا کر بچھڑا رہے ہو۔“ شگفتہ غفار حیرانی سے بولیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا ان کا بیٹا یہ سب کہہ رہا ہے۔ وہ بغور اسے دیکھنے لگیں۔ جس کا چہرہ پر سوز نہیں۔ البتہ پر سوج ضرور تھا۔

”بریرہ کی عزت اور زندگی ابرار کے پاس محفوظ تھیں۔ بس ہم لوگ کچھ زیادہ ہی گھبرا گئے تھے یا شاید ہمارے پاس سوچنے کا وقت نہیں تھا۔“

”میں تمہاری بات سے بالکل متفق نہیں ہوں۔“ شگفتہ غفار ایک دم سختی سے بولیں۔

”تم شاید اس وقت کی شدتوں کو بھول گئے۔ مگر مجھے سب یاد ہے جو لوگ ایک لڑکی کو اغوا کر سکتے ہیں وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ان سے کسی قسم کی انسانیت کی توقع رکھنا بے وقوفی ہے۔ ہم لوگ اس وقت گھبرائے نہیں تھے۔ بلکہ ہم لوگوں نے وہی کیا جو ان حالات میں کوئی بھی کرتا۔ بریرہ ساتھ خیریت کے گھر آگئی۔ ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔“ شگفتہ غفار کی بات پر الیان بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”اگر آپ کے لیے بریرہ کے ساتھ خیریت سے گھر آ جانے سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے تو آج آپ ہر وقت شکوہ کناں کیوں رہتی ہیں۔ رو میلہ کو دیکھتے ہی آپ کے اندر نفرت کا ایک سیلاب کیوں اٹھنے لگتا ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتی کہ اس کے بھائی نے آپ کی بیٹی کو عزت سے گھر پہنچا دیا۔ آپ کیوں ہر وقت یہ سوچ کر انگاروں پر لوٹتی ہیں کہ اس کے بھائی نے آپ کی بیٹی کو اغوا کیا تھا اور آپ کے ایک ہی بیٹے کو ایک زبردستی کی شادی پر مجبور کر دیا۔“

مئی جس طرح حادثوں سے زندگی رک نہیں جاتی، ٹھیک اسی طرح کسی ایک کامیابی پر زندگی بھر خوش بھی نہیں ہوا جاسکتا۔ اس وقت بریرہ کو بچانے کے لیے ہمیں جو صحیح لگاؤ، ہم نے کیا۔ لیکن اب وہ وقت گزر گیا ہے۔ اب ہمارے سامنے دوسرے مسائل ہیں۔ اب ہمیں ان سے نبھنا ہے۔ جس میں سرفرست گھر کا سکون ہے جو بالکل ختم ہو چکا ہے۔“ الیان کے عجیب و غریب لہجے پر شگفتہ غفار الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

”تم کیا سوچ رہے ہو؟“ الیان تمہارے ارادے کیا ہیں؟“ الیان جیسے کسی سوچ سے چونک کر انہیں دیکھنے لگا اور دیکھتا چلا گیا۔ مگر شگفتہ غفار کو بدستور اپنی جانب سوالیہ انداز میں دیکھتا پکڑا کر اسے کہنا رہا۔

”میں رو میلہ کو طلاق دے رہا ہوں۔“ شگفتہ غفار کو لگا جیسے ان کے سر پر کوئی بم پھٹ گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے الیان کو دیکھنے لگیں۔

”الیان۔ تم جانتے ہو۔ تم کیا کہہ رہے ہو۔“ وہ کانپتی آواز میں بولیں۔

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔“ الیان ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

”فیصلہ! شگفتہ غفار نے بے یقینی سے دہرایا۔

”جی می! میں مشورہ نہیں کر رہا۔ میں فیصلہ سن رہا ہوں۔ میں نے تو ڈائورس پیپر تک بنوا لیے ہیں۔ میں اس روز روز کی چھ چھ سے تنگ آ گیا ہوں۔“ الیان کے چہرے پر مذاق کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ پوری سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ پھر یہ وقت کوئی مذاق کا تھا بھی نہیں۔ نہ ہی ایسی باتیں مذاق میں کی جاتی ہیں۔

”الیان۔“ شگفتہ غفار سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ پھر بھی وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”ابرا! حامد کو سب بتا دے گا۔ بریرہ کا گھر اجڑ جائے گا۔“

”اس طرح خوف پر مبنی رشتہ ویسے بھی زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ حامد اگر بریرہ سے محبت کرتا ہے تو یہ سب جاننے کے بعد بھی اسے نہیں چھوڑے گا۔“

”یہ تم کون سی فلمی باتیں کر رہے ہو۔ مرد خود چاہے جو بھی کر لے، عورت کے کردار پر شک کی پرچھائیں تک

برداشت نہیں کر سکتا اور یہاں تو صرف شک نہیں، ایک دھوکے والی بات ہے کہ اتنا کچھ ہوا اور ہم سب چھپا گئے۔ بریرہ تو برہان ہوگی۔ میرا میکا بھی چھٹ جائے گا۔“ شگفتہ غفار کی آنکھوں میں خوف ہی خوف تیر رہا تھا۔

”تو آپ کیا چاہتی ہیں؟ میں ساری زندگی اس لڑکی کو برداشت کرتا رہوں۔ مجھے ایک نارمل بیوی چاہیے جسے گھر میں گھر کے فرد کی حیثیت حاصل ہو۔ آپ کے اور اس کے بیچ کبھی کبھی ساس، بہو والی روایتی جھڑپ ہو جاتی ہے تو وہ ایک نارمل بات ہے۔ لیکن جس لڑکی سے آپ اتنی نفرت کرتی ہیں کہ اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی کیسے گزار سکتا ہوں۔“

ہر آئے گئے کے سامنے روز تماشے ہو رہے ہوں گے۔ میری بیوی اگر ذلیل ہوتی ہے تو بے عزتی میری بھی ہوتی ہے۔ میں اسے نارمل بیوی کی طرح کہیں لے جا نہیں سکتا۔ یعنی اپنی زندگی انجوائے ہی نہیں کر سکتا۔ آپ اپنے آپ کو ذرا سادہ لے کے لیے تیار نہیں تو آخر ساری قربانی میں ہی کیوں دوں۔ آج ثانی اماں کو شک ہو گیا ہے۔ کل کو دوسروں کو بھی ہو جائے گا۔ ثانی اماں مستقل بریرہ کو اتنا کریدیں گی کہ ایک دن کسی کمزور لہجہ کی زو میں اگر بریرہ انہیں سب بچ بتا دے گی۔

اور وہ جو کہتے ہیں تاکہ جس راز کی حفاظت تم خود نہیں کر سکتے۔ اس کی حفاظت کوئی دوسرا بھی نہیں کر سکتا۔ ثانی اماں کے ذریعے یہ بات دوسروں کو پتا چل ہی جائے گی۔ ہم بلاوجہ ایک ایسی بات کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں جسے ہم خود اچھا نہیں رہے ہیں۔“ الیان کہتا چلا گیا۔

اس کے منہ سے نکلے ہر لفظ کے ساتھ شگفتہ غفار کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ انہیں کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کسی بھی طرح طلاق کا خیال الیان کے ذہن سے کھینچ کر پھینک دیں۔ مگر وہ جس طرح بات کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ ہر پہلو پر سوچے بیٹھا ہے۔

”الیان۔ الیان تم جذباتی ہو رہے ہو۔ تم یقین کرو آئندہ میں کسی کے سامنے کچھ نہیں کہوں گی۔ میں رو میلہ کو بہو کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتی۔ لیکن میں اس کی طرف سے لاطعلق بن جاؤں گی۔ میں اس کے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گی۔“ شگفتہ غفار جلدی جلدی لجاجت سے کہنے لگیں۔

”وہ بات مت کہیں، جس کے بارے میں آپ خود بھی جانتی ہیں کہ آپ اسے نہیں نبھاسکتی اور پھر میں نے شادی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا میں اسے ہمیشہ کے لیے نہیں اپنا رہا۔ ایک دن میں اس سے جان چھڑا لوں گا۔“

آپ جانتی ہیں میں جو کہتا ہوں اس پر قائم رہتا ہوں۔ ابرار نے یہی سوچ کر یہ شادی کی تھی کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں وہ اور لوگ ہوتے ہیں جو سمجھوتے کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے یہی سوچ کر میرا نام استعمال کر کے لڑکی سے دوستی کی تھی کہ میں کچھ دن ناراض رہ کر ٹھیک ہو جاؤں گا۔ لیکن میں نے آج تک اس سے دوبارہ بات نہیں کی۔“ الیان اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے کی کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

اس کے لہجے سے اس کے اندر کے غصے اور اپنی بات پر اڑے رہنے کی ضد صاف محسوس ہو رہی تھی۔ شگفتہ غفار بھی گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

”لیکن الیان۔ بریرہ۔“

”میں کہہ رہا ہوں نا آج نہیں تو کل حامد سب جان ہی جائے گا۔ پھر کیا فائدہ ہے اتنی تکلیف اور ذہنی اذیت سننے کا۔“ الیان نے چڑے ہوئے انداز میں ان کی بات کاٹ دی۔ وہ تو کچھ سننے کے لیے ہی تیار نہیں تھا۔ تو وہ الجھ کر کہنے لگیں۔

”یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا الیان۔ میں نے تو تمہاری آنکھوں میں رو میلہ کے لیے پسندیدگی دیکھی تھی۔ میری نظریں اتنا بڑا دھوکا تو نہیں کھا سکتیں۔“

”یہی تو خوف ہے آپ کا جو ہم سب کے لیے مصیبت بن گیا ہے۔“ لیان تنہی سے بولا۔
 ”خوف نہیں میرا مشاہدہ ہے اور ایک ماں اپنی اولاد کے متعلق اتنا غلط انداز نہیں لگا سکتی۔“ شگفتہ غفار پورے وثوق سے بولیں تو لیان فوری طور پر کچھ نہ بولا اور خاموشی سے کھڑکی میں کھڑا رہا۔ پھر اچانک گہرا سانس کھینچتے ہوئے ان کی طرف پلٹ گیا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے اس نے پشت کھڑکی کے شیشے سے نکالی۔
 ”رومیہ اچھی لڑکی ہے مجھے واقعی پسند ہے۔ اگر عام حالات میں میری اس سے شادی ہوئی ہوتی تو میں اس کی رفاقت میں بہت خوش ہوتا۔“

لیکن جن حالات میں میں نے اسے اپنایا ہے آپ نے کیسے سوچ لیا کہ میں اسے اتنی آسانی سے قبول کر لوں گا۔ اس طرح تو ابرار جیت جائے گا۔“ لیان اب بڑے سکون سے بات کر رہا تھا۔

”لیکن بہن کی زندگی تباہ کر کے اگر تم نے ابرار کو ہرا بھی دیا تو کیا فائدہ۔“ اسے اپنے فیصلے پر اٹل دیکھ کر شگفتہ غفار شکست خوردہ لہجے میں بولیں۔

”ٹھیک ہے اگر آپ اسے ویسے ہی اپنالیں جیسے آپ اپنے چاؤ اور اربابوں سے بیابانی ہو کر رکھتیں تو میں اپنا فیصلہ بدل دیتا ہوں۔“ لیان کی بات پر وہ کچھ روہا سی ہو گئیں۔

”لیان۔ یہ میرے اختیار سے باہر کی چیز ہے۔ میں اس کے ساتھ اپنا رویہ بہتر تو کر سکتی ہوں۔ لیکن اسے خلوص اور محبت نہیں۔“

”آپ اس کے ساتھ رویہ بہتر بھی نہیں کر سکتیں۔ میں جب اس سے باتیں کروں گا۔ اس کے ساتھ کہیں باہر جاؤں گا۔ اسے گھمانے لے جاؤں گا۔ آپ ایسے ہی گھر میں شو ڈاؤن کیا کریں گی۔ جیسے آپ اب تک کرنی آئی ہیں۔ جب آپ کو اس سے اتنی نفرت ہے تو میں اس سے کیسے محبت کر سکتا ہوں۔“ لیان بڑی صاف گوئی سے بول رہا تھا۔

شگفتہ غفار نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ لیکن وہ محض دو تین گہری سانسیں کھینچ کر رہ گئیں۔ جیسے کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ ہو ہی نہیں۔ وہ لیان سے متعلق انہیں بس بریرہ کا خیال انہیں بے چین کیے دے رہا تھا۔ لیان کچھ دیر ان کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر بغیر کچھ کے کمرے سے نکل گیا۔



اس نے سنا تھا۔ دنیا میں لوگوں کے ساتھ بہت بڑے بڑے دھوکے ہوتے ہیں۔ لیکن اس نے کبھی یہ نہیں سنا تھا کہ والدین نے اپنی اولاد کے ساتھ کوئی دھوکے بازی کی ہو۔

اب یہ ندیہ کی کم علمی تھی یا اس کا نصیب یہ تو وہ نہیں جانتی تھی۔ البتہ جب سے خرم اس سے مل کر گیا تھا اور شائستہ خالہ کی کمائی کے متعلق اسے بتایا تھا۔ تب سے وہ بالکل سن ہو گئی تھی۔

اسے لگتا جیسے خرم نے اسے جھوٹ بول کر مطمئن کر دیا کہ شائستہ نامی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ لیکن پھر اسے وہ وقت یاد آتا۔ جب بلال اختر نے وہ گھر بیچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس وقت عاتشہ اختر کتنی دکھی تھیں۔ یہاں تک کہ ندیہ نے ان سے پوچھ لیا تھا کہ یہ کوئی ان کا آبائی گھر نہیں ہے۔ بلال اختر تو اس گھر میں بچپن سے رہے ہیں۔ جب انہیں اتنا دکھ نہیں تو آپ کو اس قدر تکلیف کیوں ہو رہی ہے۔

عاتشہ اختر نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی ندیہ کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ مگر ان کے چہرے کے تاثرات یاد کرنے پر اسے لگتا خرم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ بات تو اس نے خود اپنے کانوں سے عاتشہ اختر کو کہتی سنی تھی کہ اس

جس گہری خاطر انہوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ جس گہری خاطر انہوں نے سب کچھ کھو دیا۔ بلال اختر اسے ایسے نہیں بچ سکتے۔

اگر وہ سیدھے سادے طریقے سے شادی ہو کر اس گھر میں آئی تھیں تو بھلا وہ قربانیاں کون سی تھیں جو انہوں نے اس گہری خاطر دیں اور پھر سب سے بڑھ کر عاتشہ اختر کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ والدین حیات نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان بالکل تنہا ہو جائے۔ بھائی، بہن نہ سہی، لیکن کوئی کزن، کوئی دور پرے کا رشتہ دار تو ہونا چاہیے۔

اگر خرم کی کمائی بچ نہیں بھی تھی تب بھی یہ تو ضرور سچ تھا کہ انہوں نے ایسا کچھ ضرور کیا تھا کہ سارا خاندان چھوٹ گیا یا انہیں چھوڑنا پڑا۔

ورنہ بلال اختر اور عاتشہ اختر دونوں اس قدر سوشل تھے کہ ان کا روز نہ سہی، کم از کم عید، بقیہ عید پر تو کسی رشتہ دار کے گھر آنا جانا ہونا چاہیے تھا۔ جیسے بلال اختر کے کزن وغیرہ پر سال کے سال ملاقات ہو جاتی تھی۔

مگر ان تمام باتوں سے ہٹ کر جب وہ شائستہ خالہ کے بارے میں سوچتی اسے ساری باتیں بکواس لگنے لگتیں۔ حالانکہ اس نے بہت یاد کرنے کی کوشش کی کہ شائستہ خالہ کا نام ان کے ساتھ ہوا حادثہ ان کا قتل یا خودکشی اور ان کی لاش کا آج تک نہ ملنا۔ یہ سب باتیں اسے کس نے بتائیں۔ مگر بہت یاد کرنے پر بھی اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ بس اسے یہ پتا تھا کہ وہ یہ سب جانتی ہے۔ اگر یہ سب اسے اس کی دادی نے بتایا تھا تو دادی کی تو وہ شکل تک بھول گئی تھی۔ بس ایک ہیولا سایا د تھا۔ سر پر سفید دوپٹا اوڑھے خاصی بھاری جسم کی عورت تھیں۔ باقی ناک نقش تو تصور کرنے پر بھی یاد نہیں آتے تھے۔ پھر ان کی بتائی باتیں اسے اب تک کیوں یاد تھیں۔ کیا اس لیے کہ یہ کمائی اس کے ذہن پر سوار ہو چکی تھی اور وہ ہر دوسرے دن ان کے متعلق سوچتی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ یہ سب بھی بھول نہیں سکی۔

لیکن وہ یہ سب کیوں سوچتی ہے۔ بچپن سے کیا اس کے پاس سوچنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا جو وہ ان خرافات پر غور کرتی رہی۔ نہیں بلکہ بچپن سے وہ بھیانک چہرہ جو اس کے سامنے موجود رہتا تھا۔ اسے کسی اور چیز پر توجہ دینے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا اور یہ چہرہ تو اس کا وہم نہیں تھا۔

حالانکہ کتنے سائیکائرسٹ نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ یہ ”اس کا وہم ہے“ لیکن اپنے سامنے کھڑے خون میں چھپے چہرے کو وہ ”وہم“ کہہ کر بھی نظر انداز نہ کر سکی۔ پھر اس پر وہ بھیانک اسکیہ چیز۔

جس کے لیے ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ ندیہ خود اپنی بے خبری میں اپنے ہاتھوں سے بناتی ہے اور پھر بھول جاتی ہے کہ یہ اس نے بنائے ہیں۔ ہوش میں آنے یا ایک طرف سے نیند سے جاگنے پر اسے لگتا ہے یہ شائستہ خالہ کی روح بنا کر گئی ہے۔

اگر یہ تصویریں شائستہ خالہ کی روح کے بجائے وہ خون بناتی ہے تو وہ ہمیشہ ایک مخصوص قسم کی کیوں بناتی ہے۔ کبھی کچھ منفرد یا معمول سے مختلف کیوں نہیں ہوتیں۔ کیا اس کا لاشعور بس ایک ہی نکتہ پر مرکوز رہتا ہے۔ یہ وہ سوال تھے جن کا جواب سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہو گیا تھا۔

ڈاکٹرز کو اس نے باتیں کرتے سنا تھا کہ اس کی حالت میں کوئی بہتری نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ اس کا دورہ پڑنے کا دورانیہ بڑھتا جا رہا ہے۔ لہذا اس کی دوائیوں کی خوراک بڑھادی جائے۔

جبکہ اسے لگتا تھا وہ یہاں شائستہ خالہ کی وجہ سے آئی ہے اور یہاں آکر شائستہ خالہ اس کے اوپر قریب آگئی ہیں۔ اس کے پاس کمرے میں کہیں کوئی آئینہ نہیں تھا نہ ہی اس کے ہاتھ روم میں ہی یہ سہولت میسر تھی۔

البتہ ایک دن جب ایک ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لیے اسے کمرے سے باہر لے کر گئے تب ایک کھڑکی کے شیشے میں اس نے اپنا عکس دیکھا اور ٹھنک گئی۔ وہ سفید سیدھا جامہ اور ڈھیلی سی سفید قمیص اور دو ہٹا میں ملبوس تھی۔ بالوں کی سیدھی سے چوٹی بنائے وہ ہمیشہ سے قطعاً "مختلف کوئی اور ہی لڑکی لگ رہی تھی۔ وہ جیسے خود کو پہچانی ہی نہیں۔ پھر اس کے ذہن میں ایک دم جھماکا ہوا اور وہ ششدر سی کھڑی خود کو دیکھتی رہ گئی۔ اپنا یہ روپ اس نے ایک بار پہلے بھی دیکھا تھا۔ مگر آئینے میں نہیں۔ اپنے کمرے میں اپنے روبرو ٹھیک اسی طرح کالباس پہنے ایسے ہی بال بنائے ایسا ہی ایک روپ اس کے کمرے میں اس کے بستر پر بیٹھا تھا۔

تب اس لڑکی کی ایک جھلک دیکھ کر وہ بھی سمجھی تھی کہ اس نے خود کو دیکھا تھا۔ لیکن نہیں اس دن اس نے پہلی بار شائستہ خالہ کا نارمل چہرہ دیکھا تھا۔ زخموں اور خون کے بغیر بالوں کی چلمن سے عاری وہ صاف شفاف چہرہ شائستہ خالہ کا ہو گا۔ تو کیا شائستہ خالہ اور اس میں اتنی مشابہت تھی۔ لیکن شائستہ خالہ نے یہ بیماروں والا لباس کیوں پہن رکھا تھا؟ کیا وہ بھی اس کی طرح کسی اسپتال میں ایڈمٹ ہوئی تھیں۔ یہ وہ سوال تھے جو اسے ہر وقت بے چین رکھتے۔

ایک دن اس سے ملنے ڈاکٹر شکیلہ آئیں تو وہ ان کے سامنے بری طرح رو دی۔

"مجھے یہاں سے نکال لیں۔ پلیز میں پاگل نہیں ہوں۔ مگر یہاں رہتے رہتے پاگل ہو جاؤں گی۔" ڈاکٹر شکیلہ کے چہرے پر تأسف پھیلا تھا۔ ان کی اتنی پرانی ہسپتال اس حال کو پہنچ گئی تھی۔ انہیں خود بھی دکھ تھا۔ مگر وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

بلال اختر نے حمید کے والد سے بات کی تھی۔ ان کی منت سماجت تک کی تھی۔ منہ مانگی رقم کی پیش کش کی تھی۔ مگر وہ کسی طور نہیں مانے کیس واپس لینے کے لیے تو پھر بھلا ڈاکٹر شکیلہ کیا کر سکتی تھیں۔ وہ اس کا کندھا ہچکچتے ہوئے اسے جھوٹی تسلیاں دینے لگیں۔

وہ ماہر نفسیات تھیں۔ حالات بھلے ہی بدل نہ سکیں۔ مگر وقتی طور پر اپنے مریض کی سوچوں کا زاویہ ضرور بدل سکتی تھیں۔ بھلے ہی کچھ دیر بعد مریض واپس اپنے نکتہ نظر پر لوٹ آئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے لیے وہ ضرور لوگوں کو بہلا لیا کرتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ اس کا ذہن بنانے میں کامیاب ہو گئیں تو ندیہ نے انہیں شائستہ خالہ کے اس حلیے میں ایک بار دیکھے جانے والی بات انہیں بتادی۔ انہوں نے اسے بغور سننے کے بعد ایک بار پھر سمجھانا شروع کر دیا۔

"تمہیں جو بھی چہرہ نظر آتا ہے تم اسے شائستہ خالہ سے غلط کر دیتی ہو۔ تم نے ٹی وی پر کسی مریض کو دیکھا ہو گا۔ اسپتال کا یونیفارم ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب تم نے خود کو ان کپڑوں میں دیکھا تو تمہیں کسی فلم یا ڈرامے کا کوئی سین یاد آ گیا اور بس۔ جب تک تم یہ نہیں مانو گی کہ شائستہ خالہ جیسی کوئی عورت یا لڑکی ہے ہی نہیں۔ تب تک تم یہاں سے نہیں نکل سکتیں۔" ڈاکٹر شکیلہ نے نہایت رسائیت سے ایک بار پھر جھوٹ بولا۔

کیونکہ اب اگر وہ یہ مان بھی لیتی کہ شائستہ خالہ تو ہے ہی نہیں۔ تب بھی وہ یہاں سے نہیں نکل سکتی تھی۔

ندیہ ان کی بات پر کچھ خاموش ہو گئی۔ پھر بڑبڑانے والے انداز میں کہنے لگی۔

"ہاں خرم نے تو بہت کوشش کی مجھے یقین دلانے کی کہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"خرم؟ کون خرم؟" ڈاکٹر شکیلہ جو تکلیف تو ندیہ بھی چونک اٹھی اور بات بدلتے ہوئے بولی۔

"میرا ایک بیسج ماما کو دے دیجیے گا۔ ان سے کہیے گا ندیہ نے پوچھا ہے۔ کیا میرے کسی کزن کا نام الیان ہے۔"

"کیوں تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔" ڈاکٹر شکیلہ نے پوچھا تو ندیہ پھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یہ مت پوچھیں آپ بس میرا یہ بیسج ماما کو دے دیں۔" ڈاکٹر شکیلہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

ندیہ عائنہ اختر کا رد عمل دیکھنا چاہتی تھی۔ جس سے خرم کی بات کے سچ جھوٹ ہونے کا خود ہی پتا چل جاتا تھا اور واقعی اگلے دن مائیکہ اختر کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ سن کھڑی رہ گئی۔

"تو کیا واقعی خرم سچ کہہ رہا ہے۔" ندیہ سکتے کے عالم میں انہیں دیکھے گئی۔ جن کے چہرے پر الجھن ہی الجھن نمایاں تھی۔

"تم نے یہ کیوں پوچھا کہ تمہارے کسی کزن کا نام الیان ہے؟" ان کے لہجہ میں بے چینی تھی۔ ندیہ پاٹ نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"بولو نا ڈاکٹر شکیلہ سے تم نے پوچھا ہے کہ کیا میرے کسی کزن کا نام الیان ہے۔ اس۔ اس سوال کا کیا مطلب ہے۔" عائنہ اختر کا چہرہ ہر وقت میک اپ کی دھیرے میں چھپا رہتا تھا۔ مگر اس وقت ان کے چہرے کی ساری جھریاں۔ صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

ندیہ کے پاگل خانے جانے کے بعد سے ان کے چہرے پر وہ شادابی نہیں رہی تھی جو ان کا خاصہ تھی۔ ان کی گردن جو ہر وقت خوب صورتی سے تنی رہتی تھی۔ وہ بھی ان کے کندھے جھک جانے کے باعث ان کی نڈھال شخصیت کی ہی عکاسی کر رہی تھی اور آج تو جیسے وہ ایسے ہی اٹھ کر آگئی تھیں بالکل سادہ۔

"بولو نا ندیہ میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" وہ زنج ہو کر بولیں۔

"آپ تو کہتی ہیں صرف ہفتہ میں ایک دفعہ مجھ سے ملنے آ سکتی ہیں۔ کورٹ کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ پھر آج چار دن پہلے اسپتال کے عملے نے آپ کو اندر کیسے آنے دیا۔" ندیہ بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

"بے کاری کی باتیں مت کرو میرے سوال کا جواب دو۔" وہ تب کہیں۔

"آپ نے وارڈ بوائے کو پیسے کھلائے ہوں گے اندر آنے کے لیے۔ مجھے پتا ہے یہاں پیسے کھلا کر اندر ہی اندر بہت کام ہو جاتے ہیں۔ لیکن مجھے تو آپ کی بے چینی پر حیرت ہے کہ کل میں نے بیسج دیا اور آج آپ میرے سامنے ہیں۔" ندیہ کے اطمینان سے کہنے پر وہ جھنجھلا کر بولیں۔

"ظاہری بات ہے اس چار دیواری میں بیٹھ کر بھی اگر تم ایسے سوال پوچھو گی تو میں تو پریشان ہوں گی تاکہ آخر تمہاری کس سے ملاقات ہوئی ہے جو تم اس طرح کی باتیں پوچھ رہی ہو۔"

"یہ سب جھوڑیں آپ یہ بتائیں جو کھرہم نے بیسج دیا وہ آپ کا آبائی گھر تھا۔ آپ اپنی والدہ اور بھائی بھابھی کے ساتھ اس میں رہتی تھیں۔" عائنہ اختر کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ندیہ کو دیکھے کہیں۔ ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ خرم کی کئی باتیں سچ ہیں۔ جب یہ سب سچ تھا تو وہ سب بھی سچ ہو گا جو اس نے شائستہ خالہ کے متعلق بتایا تھا۔

"تم۔ تم کیسی ملی تھیں۔" عائنہ اختر کی آواز لرز رہی تھی۔ ندیہ کو مزید کسی سوال کے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے دیوار کو دیکھنے لگی۔ ایک عجیب سے ملال نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیا تھا۔

اس کی ماں نے اپنی ماں سے اتنا بڑا دھوکا کھیا۔ اس کے باپ نے اپنے والدین سے اتنے جھوٹ بولے اور اس کے ماں باپ نے اسے ہمیشہ جھڑک کے خاموش کر دیا۔ کبھی سچائی سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

عائنہ اختر اسے جب دیکھ کر اس کے نزدیک چلی آئیں اور اس کے بال سلانے لگیں۔ انہیں اجازت تھی وہ اس کے کمرے میں آ سکتی تھیں اور اس وقت تو وہ اتنی مولی رقم کھلا کر آئی تھیں کہ انہیں کہیں بھی جانا منع نہ ہوتا۔

”کیا یہاں کوئی تم سے ملنے آیا تھا۔“ وہ اب محبت سے پوچھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ندیہ گرون گھما کر خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ جب انہوں نے کبھی اسے کچھ نہیں بتایا تو وہ انہیں کیوں بتاتی اس نے بڑے اعتماد سے سرفنی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

”نہیں مجھ سے بھلا کون ملنے آئے گا۔ کسی کو اجازت بھی نہیں ہے۔ یہ سب تو مجھے شائستہ خالہ نے بتایا تھا کہ آپ نے اور بابا نے کس طرح دادا دادی سے جھوٹ بول کر ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔“ عائشہ اختر بے یقینی سے ندیہ کو دیکھنے لگیں۔ جیسے ان کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا بولیں۔ آخر کافی دیر بعد انہوں نے کہنا شروع کیا۔

”تمہاری شائستہ خالہ نے کوئی بکواس کی ہے۔ ہم نے تو کوئی جھوٹ نہیں بولا اگر ہم نے جھوٹ بولا ہوتا تو سب سے پہلے تو ان کے وجود کا ہی انکار ہوتا ہے نا۔ جب وہ کبھی نہیں ہی نہیں تو ان کی روح کہاں سے آگئی۔“ اپنے طور پر انہوں نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔ مگر ندیہ کے چہرے پر بخمسکراہٹ ابھر آئی۔

”میں نے یہ کب بتایا تھا کہ آپ دونوں نے دادا دادی سے کیا جھوٹ بولا۔ میں نے تو یہ کہا ہی نہیں کہ وہ کبھی تمہیں ہی نہیں۔“ عائشہ اختر جیسے سچا گئیں۔ ان سے کوئی بات نہیں بن رہی تھی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”میں ذرا تمہارا واش روم یوز کر رہی ہوں۔“ وہ یہ کہتی تیزی سے واش روم چلی گئیں۔

ندیہ اپنی جگہ بیٹھی رہی تب ہی پرس میں رکھا ان کا موبائل بجنا شروع ہو گیا۔ ندیہ نے اٹھ کر ان کا پرس کھولا۔ ان کی دوست فرح کا فون آ رہا تھا۔

ندیہ نے سوچا تھا اگر بابا کا فون ہو گا تو وہ بات کر لے گی۔ ان کی دوست کا نام دیکھ کر وہ موبائل واپس پرس میں رکھنے لگی کہ تب ہی اس کی نظر ان کے پرس میں پڑے والٹ پر پڑی۔

ہر وقت کڑک ٹوکوں سے بھرا ان کا والٹ پھولا ہی رہتا تھا۔ ندیہ نے ایک نظر باہر تھ روم کے بند دروازے پر ڈالی اور پھر والٹ کھول کر اس میں سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کر پرس ویسے ہی بند کر کے رکھ دیا جیسے عائشہ اختر چھوڑ کر گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد عائشہ اختر واش روم سے باہر آئیں تو ان کے چہرے کے تاثرات کافی بہتر ہو چکے تھے۔ انہیں یہ سوچ کر اطمینان ہو گیا تھا کہ ندیہ کو یہ سب کسی مستند ذرائع سے پتا نہیں چلا ہے۔ لہذا وہ اسے آرام سے جھٹلا سکتی ہیں۔

وہ اسے بہت سارا پیار کر کے سمجھانے لگیں کہ فضول باتوں میں خود کو نہ الجھایا کرے۔ اس کے والدین اس سے بہت محبت کرتے ہیں اور اسے یہاں سے نکالنے کی کوششوں میں سرگرداں ہیں۔ وہ ان پر بھروسہ رکھے وغیرہ وغیرہ۔

اسے پتا تھا کہ وہ اسے نکالنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ مگر وہ اسے کبھی نکال نہیں سکیں گے۔ اسے اب ساری زندگی یہیں رہنا تھا۔ اس بار ان کا واسطہ کوئی رخسار کے والدین سے نہیں پڑا تھا جو پیسہ دیکھ کر بیٹی کا سر پھٹ جانے کے باوجود خاموش ہو گئے۔ حمید کے والدین اسے ساری زندگی اس پاگل خانے میں سزا میں گئے۔ مگر وہ یہاں رہ کر حقیقتاً ”پاگل“ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ اتنی بڑی رقم اس نے نکالی ہی اس لیے تھی کہ اسے پل بٹا کر وہ یہاں سے آرام سے باہر جا سکتی تھی۔

اتنے دنوں سے وہ یہاں تھی۔ یہاں کے ماحول کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ یہاں وارڈ بوائے اور سسٹرز کو پیسہ کھلا کر بہت کام ہوتے تھے۔ نہ صرف لڑکیاں باہر جاتی تھیں بلکہ باہر سے بھی لوگ آتے تھے۔ اس کے ساتھ کسی نے ایسی کوئی کوشش کرنے کا سوچا ہی نہیں تھا کیونکہ وہ بہت بڑے باپ کی بیٹی تھی اور نئی آئی تھی۔ ورنہ وہ لڑکیاں

جو یہاں کئی سالوں سے تھیں اور کوئی ان سے ملنے تک نہیں آتا تھا۔ یہاں سے باہر کئی لوگوں کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔

ندیہ نے یہ سب عائشہ اختر کو بتانا چاہا تھا۔ مگر پھر یہ سوچ کر خاموش رہی کہ وہ لوگ اسے یہاں سے نکال تو نہیں سکتے مگر یہ سب سن کر ان کا رہا سا سکون ضرور ختم ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے عملے کے خلاف کوئی ایکشن لینے کی کوشش کی تو بھی ایک دن میں وہ سب کچھ ٹھیک نہیں کر سکیں گے۔ جب تک وہ کوئی سدھار لانے کے قابل ہوں گے تب تک یہاں کا عملہ ندیہ کا دشمن بن جائے گا اور وہ سمندر میں رہ کر مگر مجھ سے ہیر نہیں رکھ سکتی تھی۔

خاص طور پر ایسی صورت میں جب اس کے والدین اس کی طرف سے اتنے پریشان تھے۔ عائشہ اختر کے چہرے پر تو سالوں کی بیمار عورت جیسی نقاہت پھیل گئی تھی۔ اپنی ماں کی یہ حالت دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ بلال اختر کی حالت عائشہ اختر سے بہتر تھی۔ مگر ان کے ہر انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اندر سے بالکل ٹوٹ گئے ہیں۔ ندیہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ ایک بار یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تو پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو جائے گی۔

بلال اختر اسے کسی دوسرے شہر تو کیا دوسرے ملک میں بھی آرام سے بھیج سکتے تھے۔ ان دونوں کی زندگی بھی آسان ہو جائے گی۔ ان کا جب دل چاہے گا وہ اگر اس سے مل لیں گے اور دنیا کے سامنے اسے غائب ہی ظاہر کرتے رہیں گے۔

ویسے بھی اس کی موجودگی ان لوگوں کے لیے شرمندگی کا ہی سبب بنی ہے اور اب اس کا تلافی حملہ کے بعد تو ان کے پاس صفائی میں کچھ کہنے کے لیے بچا ہی نہیں تھا۔ لہذا نہ وہ کبھی لوگوں کے سامنے آئے گی اور نہ کبھی انہیں اس کے متعلق جھوٹ بول کر لوگوں کو مطمئن کرنا پڑے گا۔

لیکن وہ یہ سب انہیں بتا کر یا انہیں ساتھ ملا کر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کے پاگل خانے سے فرار ہو کر زندگی بھر کے لیے روپوش ہونے پر کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔ ان کی بیٹی کو شش ہوگی کہ کورٹ میں اسے بے گناہ ثابت کر دیں۔ مگر پھر لوگ اس کی ذہنی حالت کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور وہ اس کی کسی اچھی جگہ شادی کر دیں۔

لیکن ندیہ ان دونوں کی طرح خوش فہم نہیں تھی۔ حقیقت یہی تھی کہ وہ یہاں سے کبھی نہیں نکل سکتی۔ وہ کبھی نارمل ثابت ہوگی اور نہ ہی نارمل لڑکیوں کی طرح زندگی گزارے گی۔ بلکہ اگر وہ یہاں رہتی رہی تو اس کی ذہنی حالت مزید ابتر ہو جائے گی۔

چنانچہ ان دونوں کو سمجھانے اور قائل کرنے کی بجائے مناسب یہی تھا کہ یہاں سے نکل کر ان سے رابطہ کیا جائے۔ تب وہ اس پر تھوڑا سا غصہ کرنے کے بعد اسے شہر یا ملک سے باہر نکالنے کی ہی کوشش کریں گے۔

عائشہ اختر کے چلے جانے کے بعد اسے گویا ایک مقصد مل گیا۔ وہ ہر وقت اس نرس کے انتظار میں رہنے لگی جس کے بارے میں اسے شک تھا کہ یہ لڑکیوں کو باہر بھیجتی ہے اور تیسرے دن ندیہ کو اس سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔

”مجھے صرف ایک رات کے لیے کسی سے ملنے جانا ہے۔ صبح میں واپس آ جاؤں گی۔“ ندیہ نے بغیر کسی تمہید کے اس کے ہاتھ میں پانچ ہزار روپے رکھ کر یہ کہا تھا اور وہ بری طرح گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”مگر تم مجھے آج رات ہی نکال دو تو میں اتنی ہی رقم اور دے سکتی ہوں۔“ ندیہ بڑی دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔ وہ حیرانی سے ندیہ کو دیکھنے لگی۔ دس ہزار ایک ہی رات میں کمانے کے خیال سے اس کی آنکھیں چند میاٹے لگی تھیں۔

”مگر میں ایسے کام نہیں کرتی۔“ اس نے اپنی صفائی دینا ضروری سمجھا۔ ندیہ نے فوراً اپنی تلخ مسکراہٹ کو روکا اور سنجیدگی سے کہنے لگی۔

”تمہیں دس ہزار چاہئیں یا نہیں۔“ وہ اس پر کوئی طنز نہیں کرنا چاہتی تھی نہ ہی اس کا کوئی فائدہ تھا۔ وہ تو جلد از جلد اپنی بات منوانا چاہتی تھی۔ کیونکہ ندیہ کو تو لوٹ کر آنا نہیں تھا۔ بعد میں اس لڑکی کی نوکری خطرے میں پڑ جانی تھی۔

مگر ندیہ کو اس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ ذہنی طور پر بیمار لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ جو وہ کر رہی تھی اس کے بعد تو اسے دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ کچا کہ اس اسپتال میں۔

”لیکن۔۔۔ تم بھی باہر نہیں گئیں۔ اگر تم واپس نہ آئیں تو۔۔۔“ وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ ندیہ مالی طور پر بہت مستحکم تھی۔ اس کا بیک گراؤ بہت مضبوط تھا۔ وہ کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی جسے پانچ چھ سال سے کوئی دیکھنے نہ آیا ہو۔ اس لڑکی کو باہر بھیج کر کہیں وہ مصیبت میں نہ آجائے۔ لہذا پہلا خیال اسے یہی آیا تھا کہ اگر وہ باہر نکل کر واپس نہیں آئی تو کیا ہوگا۔

”واپس نہیں آؤں گی تو کہاں جاؤں گی۔ میں صرف پاگل نہیں ہوں، مجرم بھی ہوں۔ میرے پیچھے پولیس لگی ہے۔ میں تو اپنے گھر بھی نہیں جاسکتی۔ مجھے تو ہر حال میں واپس آنا ہی پڑے گا۔ ہاں اگر تمہیں رقم کم لگ رہی ہے تو وہ بات اور ہے۔ میں واپس آکر بھی تمہیں پانچ ہزار دے سکتی ہوں۔“ ندیہ نے پتے انداز میں بولی۔ اس کا تومرہ ہی کھل گیا تھا اپنی بڑی پیش کش پر۔

”ہو لو کیا کہتی ہو۔“ ندیہ نے اسے ہونٹ پر تادیکھ کر ٹوکا۔

”صل میں آج کل حالات تھوڑے خراب ہیں۔ کچھ لوگ میری جاسوسی کرتے ہیں۔ تاکہ ذرا سی مجھ سے چوک ہو اور وہ مجھے نوکری سے ہٹا دیں۔ میں نے آج کل یہ سارے کام بند کر دیے ہیں۔“ وہ پریشانی سے کہتی انجانے میں سب قبول کر گئی۔ اس بار ندیہ نے اپنی تلخ مسکراہٹ کو ابھرنے سے نہیں روکا۔ پھر جب وہ بولی تو اس کا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا۔

”تم کون سا صرف نوکری پر جی رہی ہو، پھر بھی اگر ایسا ہوتا ہے تو ہر مہینے تمہاری تنخواہ تمہیں گھر پر مل جائے گی۔“ اب تو اس کی حالت عیش کھا کر گر پڑنے والی ہو گئی۔

ہر چند کہ وہ نوکری سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتی تھی اور نہ اسے اس وعدہ پر یقین آیا تھا کہ وہ ہر مہینے گھر بیٹھے اسے پیسے دیتی رہے گی۔ مگر وہ یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ جو لڑکی اتنے پیسے دینے کی بات کر سکتی ہے اس سے بنا کر رکھی جائے تاکہ آگے فائدہ حاصل ہو سکے۔

”کیا تم آج رات ہی جانا چاہتی ہو۔ اگر کل کا انتظام کر دوں تو۔۔۔“

”نہیں کل نہیں آج ہی۔“ ندیہ ایک دم جوش میں آ گئی۔ اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا آج کیا ابھی اور اسی وقت نکل جائے وہ نرس کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر جیسے کوئی لائحہ عمل ترتیب دینے کے بعد سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے آج رات ساڑھے بارہ بجے تم تیار رہنا لیکن تمہیں سچ چار بجے سے پہلے واپس آنا ہوگا۔ اگر تمہیں چار کے بجائے پانچ بھی بجے تو میں آئندہ تمہاری مدد نہیں کروں گی اور دیر ہونے کی صورت میں ایک ہزار تمہیں اوپر سے دینے ہوں گے۔“

”ہاں ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔“ ندیہ کو لگ رہا تھا کسی نے اسے نئی زندگی دے دی ہو، کتنی مدت کے بعد اس نے خوشی کے احساس کو محسوس کیا تھا۔

ایک پل کے لیے اس کے دل میں خیال بھی آیا کہ کل عائشہ اختر اور بلال اختر کے ملنے آنے کا دن ہے۔ مگر

اگلے ہی پل اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ جب وہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے نکل ہی رہی ہے تو پھر اس ایک گھنٹے کی ملاقات کی بھلا کیا ضرورت ہے۔

ندیہ کے لیے شام سے رات کرنا مشکل ہو گیا۔ بار بار اس کی نظریں گھڑی کی جانب اٹھ جاتیں اسے لگ رہا تھا وقت کی سوئیاں جیسے اپنی جگہ منجمد ہو گئی ہوں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کسی طرح اڑ کر یہاں سے باہر نکل جائے۔ حالانکہ اسے بار بار یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ رات کے ایک بجے وہ تنہا یہاں سے نکل بھی جائے گی تو باہر جا کر کیا کرے گی۔

کسی رکشہ یا ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ آدھی رات کو اپنے گھر تو نہیں جاسکتی اور پھر ہاں سے کوئی سواری ملے یا نہ ملے وہ اس سنسان سڑک پر گھڑی ہو کر کیا کرے گی۔

وہ جب یہاں آئی تھی تو اس نے دیکھا تھا یہ اسپتال شہر کی رونقوں سے دور آفسز کی عمارتوں کے قریب تھا رات کے وقت جب سارے دفاتر بند ہوں گے تب تو سڑک بھی بالکل ویران پڑی ہوگی۔

مگر وہ ان باتوں پر غور کر کے اپنے حوصلے پست نہیں کرنا چاہتی تھی اسے بس یہاں سے نکلنا تھا اور یہاں سے وہ آدھی رات کو بھی نکل سکتی تھی لہذا کسی قسم کے ڈر کو دل میں جگہ دے کر وہ اس جہنم سے نکلنے کا نادر موقع نہیں گنوا سکتی تھی۔

آخر خدا خدا کر کے وہ وقت آ گیا جب وہ نرس جس کا نام شاہین تھا اسے لینے آ گئی ندیہ کو تو خوشی کے مارے نیند ہی نہیں آئی تھی اسے کوئی تیار بھی نہیں کرنی تھی جیسے بیٹھی تھی ویسے ہی اٹھ کر چلے جانا تھا شاہین کو دیکھتے ہی وہ بستر سے اتر کر زمین پر گھڑی ہو گئی۔

شاہین اسے آنکھ سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی بغیر کچھ کہے مڑ گئی اپنے کمرے سے اس نے شاہین کے ساتھ عورتوں کو جاتے ہوئے اکثر آدھی رات کو دیکھا تھا مگر تب اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی وہ خود بھی اس طرح جاہر نکلے گی اور وہ بھی۔ خوشی خوشی۔

حالانکہ اسپتال کا قریبی کوریڈور بالکل سنسان پڑا تھا نیم تاریکی میں اسپتال کا پرسوز ماحول نہایت ہیبت ناک لگنا چاہیے تھا مگر زندگی میں پہلی بار ندیہ کو کسی چیز سے خوف نہیں آ رہا تھا وہ خوشی خوشی بغیر آواز کیے شاہین کے پیچھے پیچھے چلتی رہی جو چاہیوں کا بڑا سا گھچالے کر آئی تھی۔

وہ جگہ موٹی سلاخوں کے گیٹ اس نے آواز پیدا کیے بغیر بڑی آہستگی سے کھولے تھے مگر ایک جگہ پر ایک چوکیدار نے چھوٹی سی کھڑکی کھول کر اسے دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔

وہ اسپتال کی بلڈنگ سے باہر نکلنے کا راستہ تھا مگر صدر دروازہ نہیں تھا باہر اسپتال کا ہی احاطہ تھا اور اسپتال کا جو سامان وغیرہ رکھا تھا اسے دیکھ کر لگ رہا تھا یہ کچرا وغیرہ پھینکنے کی جگہ ہے۔

شاہین نے گیٹ کھلتے ہی اسے ایک بڑی سی چادر دے دی۔

”اسے اوٹھ کر باہر نکلنا تاکہ کسی کو پتا نہ چلے کہ تم مریض ہو۔“ ندیہ نے چادر جلدی سے اپنے ارد گرد لپیٹ لی۔ اسپتال کی عمارت سے باہر قدم رکھتے ہی ندیہ نے ایک سکون بھرا سانس کھینچا۔

”باقی کے پانچ ہزار“ شاہین نے بھی چوکیدار سے کافی فاصلے پر دور پہنچ جانے کے بعد اس کے آگے ہتھیلی پھیلاتے ہوئے کہا تو ندیہ نے بغیر کچھ کہے مٹھی اس کی طرف بڑھائی چاہی تھی کہ وہ ٹھٹک گئی۔

غیر ارادی طور پر اس کی نظر لان کے ایک جانب لگی کیاری پر پڑی اور اس کا پورا جسم سن ہو گیا وہی منظر تھا جو وہ بچپن سے دیکھتی آرہی تھی وہی شائستہ خالہ کا پانی پر لہراتا ہوا عکس تھا جو بچپن سے اس کے سامنے تھا۔

مگر آج بھی وہ اتنا ہی وحشت زدہ تھا جتنا روز اول سے تھا۔ وہی ان کے گھرے بال جو ہوا سے ادھر ادھر اڑ رہے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

تھو ہی ان کا ناخنوں سے نوچا ہوا کٹا پٹا چہرہ جسے دیکھ کر ہمارے ہمارے انسان کی چھین نکل جائیں۔ مگر نوبہ کی تو خوف سے گھٹکی بندھ گئی تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑی شائستہ خالہ کو دیکھے گئی۔

”کیا سوچ رہی ہو تم نے خود کہا تھا تم میرے دوگی۔ اب اگر مرنے کی کوشش کی تو میں یہیں سے واپس لے جاؤں گی۔ تم نے دیکھا تھا نا جس چوکیدار نے گیٹ کھولا ہے مجھے اسے بھی حصہ دینا ہے اور آگے مین گیٹ سے تمہیں نکالنے والے گارڈ کو بھی میرے دلوں گی۔ خبردار جو ایک روپیہ بھی کم کرنے کا سوچا۔“ شاہین خاصا بگڑ کر بولی تو نوبہ نے بمشکل اپنی توجہ شاہین پر مرکوز کر دی۔

ہاتھ میں پکڑے نوٹ اس کی پھیلی پر رکھتے ہی شائستہ خالہ ایک جست میں اس کے برابر میں آکھڑی ہوئیں۔ اس کے اتنے نزدیک کہ نوبہ بے اختیار چند قدم پیچھے سرک گئی۔

”واپس کہاں جا رہی ہو چلو آگے چلو۔“ شاہین نے کہنے کے ساتھ ہی پلٹ کر چلنا شروع کر دیا۔

جبکہ نوبہ خوف زدہ نظروں سے شائستہ خالہ کے خون آلود چہرے کو دیکھنے لگی۔ اچانک اسے احساس ہوا وہ اس کے راستے میں حائل ہیں۔ وہ نظروں کا زاویہ بدل کر شاہین کو دیکھنے لگی جو گیٹ تک پہنچ کر اب گیٹ کھلوا رہی تھی۔

یہ وہ مین گیٹ نہیں تھا جہاں سے تمام لوگ آتے جاتے تھے یہ صرف اسپتال کا سامان لانے لے جانے والی گاڑیوں کا گیٹ تھا جہاں ایک ہی گارڈ بیٹھا تھا۔

شاہین کے کہنے پر اس نے گیٹ کھول دیا تھا اور اب گیٹ کے باہر بڑی سی دیران شاہراہ صاف نظر آرہی تھی۔ صرف چند قدم اٹھانے کی دیر تھی اور اس کی دنیا بدل جاتی تھی۔

مگر اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کوئی انجانی طاقت اسے آگے بڑھنے سے روک رہی ہو۔ وہ ایک بار پھر شائستہ خالہ کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کا دل چاہا وہ ان سے بات کرے ان سے پوچھے کہ وہ اسے باہر نکلنے سے کیوں روکنا چاہتی ہیں۔

مگر اس کے حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ تب ہی شاہین اسے بڑی غصیلی آواز میں بلانے لگی تو وہ شائستہ خالہ سے کتر کر تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

”کیا کھڑی ہو منہ اٹھائے جلد جاؤ کوئی گاڑی تو ابھی نہیں آئی ہے۔ ٹائم وغیرہ صحیح طرح سے طے تو کیا تھا نا۔“ شاہین ڈپٹ کر بولی تو نوبہ نے محض اس کے سوالوں سے بچنے کے لیے سر جلدی سے اثبات میں ہلا دیا۔

”ٹھیک ہے جاؤ اور یاد سے چار بجے آجانا۔“ وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہہ کر اندر کی طرف پلٹ گئی تو وہ گارڈ جو گیٹ پر کھڑا تھا نوبہ کو طائرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے گیٹ بند کرنے لگا۔

البتہ نوبہ کی نظریں اپنی جگہ پر بدستور کھڑی شائستہ خالہ پر ٹکی تھیں۔ جیسے جیسے گیٹ بند ہوتا گیا ان کا وجود نوبہ کی نظروں سے او بھل ہوتا گیا مگر زندگی میں پہلی بار ان کے منظر سے ہٹ جانے پر نوبہ نے سکون محسوس نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ کچھ بے چین ہو گئی تھی۔

اس سنسان سڑک کے کنارے اس بڑے سے گیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر اسے شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ شائستہ خالہ اسے یہاں سے باہر نکلنے سے روک رہی تھیں جیسے اسے باہر نہیں آنا چاہیے تھا۔

(بائی آن شاء اللہ آئندہ ماہ)

☆ ☆

فوزیہ یامین

دستِ کورہ کر

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور وہ اس سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سکیل اور نمل کو یونیورسٹی میں انڈیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لگا دیتا ہے۔ اس آفری دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ٹوکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں بیچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ دونوں واپس جانے کے لیے سرڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

اکتالیسویں قسط



سٹی پر ایک نہایت شوخی دھن گنگناتے ہوئے جب خرم گاڑی سے اترتو عین اسی وقت وہی نے بھی اپنی گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر دی۔
خرم کو اتنے دنوں بعد اتنا خوش دیکھ کر وہی حیران سا گاڑی سے اترتا اور اس کے قریب آئے بغیر وہیں سے چلا کر بولا۔

”یہ آج اتنے دنوں بعد پرانے والے خرم سے کیوں نکلوا ہو گیا سب خیریت تو ہے نا۔“ خرم اس کے سوال پر اپنی جگہ رک کر مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کرنے لگا۔
اس کے قریب آ کر وہی نے بغیر اسے بولنے کا موقع دیے گاڑی کی چابی کو گھماتے ہوئے کہا۔
”لگتا ہے کسی لڑکی کا چکر ہے تب ہی آج وہ خرم ہمارے سامنے کھڑا ہے جسے مدتوں پہلے ہم نے دیکھا تھا۔“ اس کی بات پر بے ساختہ خرم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، مگر وہ کچھ بولا نہیں بلکہ یونیورسٹی کی طرف قدم بڑھا دیے۔
اس کافی الجھل کسی کو کچھ بتانے کا ارادہ نہیں تھا اور وہی تو ویسے بھی اس کی گڈ بک میں نہیں تھا جس سے وہ دل کی بات کہتا کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں تھا ساری دنیا میں اشتہار لگانے والا نہایت چمچورا اور ناقابل بھروسہ شخص تھا وہ۔

مگر وہ بھی قیاس آرائیاں کرنے سے باز نہیں آیا اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے بڑے جوش سے بولا۔
”کیا بات ہے بھی۔ یہ مسکراہٹ تو چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ میرا انداز بالکل درست ہے۔“
کون ہے وہ

کہاں
اور کیسے مل گئی وہ تمہیں۔“ وہی نے بڑی ادا سے جملے کو بازو دے کر پوچھا۔
”یہی کوئی بات نہیں۔“ خرم جانتا تھا وہ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گا پھر بھی بڑے سرسری انداز میں خرم نے اسے ٹال دیا۔

”بات تو کچھ ایسی ہی ہے، ہم تو وہ ہیں جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں ہمیں ٹالنے کی کوشش مت کریا۔“ خرم نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ خرم کے بولنے کی وہ خود اکیلا ہی بولنے کے لیے کافی تھا تب ہی اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اندازے لگانے لگا۔
”نوسہ تو کافی خوب صورت لڑکی تھی بلکہ حسن کی ملکہ جسے کہتے وہ کہنا غلط نہ ہوگا، لیکن وہ تو مینٹل کیس نکلی۔“
نمل بھی اچھی ہے، مگر وہ تو تمہیں گھانے والی نہیں، پھر یہ تیسری کون آگئی ہے تمہاری لاکھ میں۔“ خرم کو وہی کا انداز نہایت گھٹیا لگا تھا اس کی پیشانی پر ان گنت بل پڑ گئے تھے جسے محسوس کر لینے کے باوجود وہ کمینہ پن دکھانے سے باز نہ آیا۔

”تمہیں تم نے اپنی مارکیٹ ویلیو بڑھانے کے لیے کسی کو پیسے دے کر اپنی گرل فرینڈ ہونے کا ڈرامہ کرنے کے لیے راضی تو نہیں کر لیا۔“ وہی نے خباثت سے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔
”شٹ اپ وہی۔“ تبھی تو اپنی گھٹیا ذہنیت سے ہٹ کر بھی کچھ سوچ لیا کرو۔“ خرم تپ کر چمٹتے ہوئے بولا اور پھر وہی کو بولنے کا موقع دیے بغیر گے لے بڑگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

وہی کی باتوں نے اس کا موڈ اچھا خاصا خراب کر دیا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد جب اسے یہ پتا چلا کہ نمل یونیورسٹی نہیں آئی ہے تو وہ بالکل ہی بور ہو گیا۔
کل رات کے نمل کے اقرار کے بعد سے وہ اتنا مسرور تھا کہ نمل کے سوا اس کا کچھ دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا نہ سننے

نمل کیسے چاہے پتا چلا کہ نمل آج غیر حاضر ہے تو اس کا بھی دل چاہا واپس گھر چلا جائے۔
نمل کو اس کے گھر پر اتارنے کے بعد سے وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا جیسے پتا نہیں کتنے سالوں کی جدائی ان دونوں کے بیچ آگئی ہو۔

خرم بے اختیار جیب سے موبائل نکال کر نمل کو فون کرنے لگا اس نے دوسری ہی گھنٹی پر کال اینڈ کر لی۔
”ہاں ہوں تم آج آئیں کیوں نہیں؟“ خرم نے چھوٹے ہی کہا اس کے بے صبرے پن پر نمل بے اختیار مسکرا

نمل۔
”رات کو اتنی دیر سے سوئی تھی ابھی تک بستر سے اٹھی ہی کب ہوں جو یونیورسٹی آتی۔“
”یاد رکھ کر تھی ہو تم بھی۔ ایسا کون سا صبح کے چار بج گئے تھے تمہیں سوتے جو ابھی تک اٹھا ہی نہیں جا رہا۔“
خرم تھا ہوتے ہوئے بولا۔

”مجھے تو سوتے سوتے۔“ نمل کچھ کہتے کہتے بروقت رک گئی، لیکن دوسری طرف خرم اس کی آدھی بات سے ہی اس کا بورا مطلب سمجھ گیا تھا فوری طور پر اس کا لب و لہجہ برا خوشگوار ہو گیا۔
”کیا تم بھی میری طرح رات بھر جاگی ہو۔“ خرم نے بڑی شوخی سے پوچھا تو نمل ناچاہتے ہوئے بھی جھینپ گئی

پھر بھی اسے جھٹلاتے ہوئے بولی۔
”جی نہیں میں تو اتنی تھک گئی تھی کہ گھر آتے ہی سو گئی۔“ خرم اس کے انداز پر محظوظ ہوتے ہوئے مصنوعی حیرانی سے بولا۔

”ہاں ظاہری بات ہے تھکن تو ہونی تھی آخر پیدل گھر سے سی ویو اور سی ویو سے گھر گئی تھیں۔“ اس کا طنز سمجھتے ہوئے نمل نے فوراً ”نوسہ بن سے کہا۔
”وہی تھکن جسمانی تھکن سے زیادہ بلکان کر دیتی ہے۔ مجھے اغوا کرنے والے انداز میں سی ویو لے جا کر تمہارے مجھے مینٹل ٹارچ کیا ہے کہ میں ابھی تک ایک شاگ کے عالم میں ہوں۔“ نمل نے آواز میں درد پیدا کرنے کی پوری کوشش کی تھی مگر جواباً ”خرم کا جائیداد تھمہ اسے بتا گیا تھا وہ اس کوشش میں بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔

”میرے منہ سے اظہار محبت سن کر تم اس بری طرح تو شرما گئی تھیں پھر یہ مینٹل طور پر ٹارچ کب ہو گئیں ذرا مجھے بھی تو پتا چلے۔“ نمل اس کے برحسہ بولنے پر ایک بار پھر ہلش ہو گئی، مگر اس بار اس نے بروقت خود پر قابو پا لیا اور اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے بولی۔

”تمہیں کوئی شرما نہیں رہی تھی میں تو گھبراہٹ میں لال پیلی ہو گئی تھی۔“
”یہ گھبراہٹ میں کون لال پیل ہوتا ہے ویسے بھی تم پیلی نہیں گلابی ہو رہی تھیں۔“ خرم نے شوخی سے کہا تو نمل اپنے انڈیلا پروا انداز میں بولی۔

”ہاں سادوں کے اندھے کو بس ہر اہر ہی سوچتا ہے تمہیں تو میں وہی لگ رہی تھی جو تم مجھے دیکھنا چاہ رہے تھے۔“

”خیر یہ تو تم نے واقعی سچ کہا، میں تمہیں ہر بل ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اسی لباس میں جس میں میں نے کل رات تمہیں دیکھا تھا۔“ خرم نے سرشار ہوتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ساری زندگی تمہارے سامنے شرابی رہوں۔“ نمل بگڑ کر بولی تو خرم ہنس دیا اور ہنسنے چلا گیا۔

”مطلب تم نے مان ہی لیا کہ تم شراب ہی تھیں۔“ اس بار نمل فوری طور پر کچھ نہ بول سکی اپنی جلد بازی پر وہ خود کو نمل ہی دل میں خوب صلواتیں سنانے کے بعد نظر ہلا پرواہی سے بولی۔

”چھ ماہ میں فون بند کر رہی ہوں پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئی ہوں ابھی انٹھوں کی تیار ہوں گی تو اور ٹائم لگ جائے گا۔“

”یعنی تم آرہی ہو میں تو سمجھا تھا ملا مارنے کا ارادہ کیے بیٹھی ہو۔“
 ”جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں چھٹی کرنے کا اور میری تو پہلے ہی بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں۔“
 ”تو کیا صرف پرہائی کرنے آرہی ہو۔“ خرم نے بظاہر ہنسی بے جا رنگ سے کہا، مگر مکمل تنگ کر بولی۔
 ”جی ہاں، صرف پرہائی کرنے اور کچھ سوچنے کی بھی غلطی مت کرنا۔“ نمل دھمکانے والے انداز میں بولی۔
 خرم ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہاں نمل۔ اب میں مزید کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا پہلے ہی ہم دونوں کا نام ہر وقت ہر عام و خاص کی زبان پر رہا ہے اب ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے کہ ہم دونوں پھر سے ڈسکس کیے جائیں اور وہ بھی کسی افسوس کے نام پر نہ بالکل بھی نہیں۔“

مجھے نہیں پتا مجھے تمہارے فادر کو کیسے منانا ہے، لیکن اب ہم سیدھا شادی کریں گے بغیر کسی منگنی اور شہرہ کے۔“ اس کی بات پر نمل بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

”ہاں خرم ہم دونوں کی ذات ہر دوسرے دن کینٹین کلابیری اور کیپس میں بحث و تنقید کا نشانہ بن رہی ہوتی ہے اب ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔“ نمل نے کوئی التجا نہیں کی تھی بس مشورہ دے رہی تھی جس سے خرم پوری طرح متفق تھا تب ہی محسوس ہونے لگی۔

”مجھ پر بھروسہ رکھو ایسا کچھ نہیں ہو گا پچھلے کچھ عرصے سے ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے جس طرح اجنبی بنے ہوئے تھے آگے بھی ہم ایسے ہی رہیں گے تاکہ ہمارے بیچ محبت کو کوئی غلط رنگ نہ دے سکے۔“ خرم کا تعین دہائی کرتا لہجہ نمل کو اندر تک پرسکون کر گیا اس نے بغیر کچھ کہے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔



کہتے ہیں خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ رو میلہ گھر میں پھیلی جامد خاموشی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے بھی یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ یہ کون سی تباہیاں لانے والے طوفان کی آمد ہے۔
 ثانی اماں اور بریرہ کے جانے کے بعد سے اس کا الیان سے سامنا نہیں ہوا تھا اسے یہ اندازا تو ہو گیا تھا کہ رات کو وہ دونوں کافی دیر سے گھر آئے تھے اور آنے کے بعد ان دونوں کی شگفتہ غفار کے ساتھ کافی دیر تک کمرے میں بحث ہوتی رہی تھی۔

وہ ان کی گفتگو تو نہیں سن سکی تھی البتہ ریاض غفار کی آواز اور انداز ظاہر کر رہے تھے کہ وہ شگفتہ غفار پر براہم ہو رہے ہیں تب ہی یہ آوازیں نیچے اس کے کمرے تک آرہی تھیں۔ پھر بھی اس نے کان لگا کر سننے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اگلے دن وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تاکہ کسی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یونیورسٹی پہنچ کر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے سارے مسائل بھول گئی۔

نمل نے اپنے اور خرم کے متعلق جو بتایا اس نے رو میلہ کو اتنی خوشی دی کہ اس نے دانستہ اپنے گھر میں ہونے ہنگامے کا ذکر نمل اور نمل سے نہیں کیا۔

نمل بھی اس کی طرح بہت خوش تھی اور وہ اپنے گھر کا تذکرہ کر کے اپنے ساتھ ساتھ ان دونوں کی بھی خوش غارت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس دن بہت دنوں بعد ان تینوں نے مل کر بہت انجوائے کیا پھر یونیورسٹی سے سنبل اور رو میلہ دونوں نمل کے گھر آ گئیں۔

نمل یہ سب رشیدہ کو بتانا چاہتی تھی، مگر کہہ نہیں پا رہی تھی وہ رشیدہ سے اتنی بے تکلف تھی کہ شہانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ اسے یہ ضرور علم تھا کہ رشیدہ، عظمت خلیل کے روم نمل کے متعلق سوچ کر رہی تھیں پریشان ہو جائیں گی اور بس یہی فکر اسے رشیدہ کو کچھ بھی بتانے سے روک رہی تھی۔

ورنہ وہ تو جب سی ویو سے واپس آئی تھی تب ہی رشیدہ کے کمرے میں جا کر سب بتا دینا چاہتی تھی۔
 سنبل اور رو میلہ نے جب اس کی پریشانی کا سنا تو ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی نمل کے ساتھ اس کے گھر پہنچیں تاکہ انہیں جھوٹی سچی تسلی دے کر کسی طرح قائل کر لیں کہ

عظمت خلیل کوئی اعتراض نہیں کریں گے، نمل موقع دیکھ کر بات کرے گی اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔
 حالانکہ انہیں خود بھی پتا تھا سب ٹھیک ہونا اتنا آسان نہیں، لیکن ابھی وہ نمل کی طرف سے اتنا خوش تھیں کہ کوئی پریشان کن سوچ اپنے قریب بھی نہیں آنے دینا چاہتی تھیں۔

نمل کے گھر جاتے وقت رو میلہ نے صرف الیان کو مہیج کر دیا تھا کہ وہ اپنے ماموں کے گھر جا رہی ہے اسے واپس میں دیر ہو جائے گی جس کے جواب میں الیان نے بھی محض ”اوکے“ لکھ دیا تھا۔

وہ الیان کو فون نہیں کرنا چاہتی تھی جس طرح اس نے الیان کے ساتھ شاپنگ پر جانے پر باتیں سنی تھیں اس کے بعد قطری طور پر وہ الیان سے تھوڑا سا کھینچ گئی تھی۔

الیان سب کچھ جان تو گیا ہو گا شگفتہ غفار کا تماشا کرنا بریرہ اور ثانی اماں کا اچانک چلے جانا یہ سب دیکھ کر ہاتھ نہیں اس کا کیا رد عمل رہا ہو گا۔

پتا نہیں شگفتہ غفار نے الیان کے سامنے رو میلہ کو کن کن الفاظ اور القابات سے نوازا ہو گا اور وہ سب سننے کے بعد نہ جانے الیان اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔

بس یہی سب سوچتے ہوئے اسے الیان کا سامنا کرتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی ورنہ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ الیان سے پوچھے ثانی اماں اور بریرہ کے گاؤں پہنچنے کے بعد کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔ اماں نے وہاں جا کر بریرہ سے اس بابت کوئی باز پرس تو نہیں کی۔

لیکن فی الحال وہ الیان سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر اس سے گریزاں ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اتنی غیر ذمہ دار ہو جاتی کہ یونیورسٹی سے اٹھ کر کہیں بھی چلی جاتی اور کسی کو اطلاع بھی نہ دیتی۔

نمل کے گھر پر توجہ کے عین مطابق رشیدہ سب جان کر بہت پریشان ہو گئیں، مگر سنبل اور رو میلہ نے بہت جلد باتوں سے انہیں ہسلا لیا کم از کم وقتی طور پر ان دونوں نے ماحول کچھ ایسا بنا دیا تھا کہ وہ صرف نمل اور خرم کے متعلق سوچ کر خوش ہو گئی تھیں آگے کیا ہو گا یہ تو وہ دونوں بھی نہیں جانتی تھیں۔

نمل کے گھر سے اسے آتے آتے مغرب ہو گئی تھی۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسے کوئی بھی نظر نہیں آیا تو وہ سیدھی اپنے کمرے میں گھر گئی ایک بار پھر اس نے الیان کو محض مہیج کر کے اپنے گھر لوٹ آنے کی اطلاع دے دی تھی اور ایک بار پھر الیان کا محض ”اوکے“ لکھا آ گیا تھا۔

اگلے دن بھی وہ صبح جلدی گھر سے نکل گئی حالانکہ آج اسے امید تھی کہ شگفتہ غفار اس کی کل سارا دن کی غرضی پر ایک جھاڑ پلانے اس کے سامنے ضرور آئیں گی، لیکن وہ بھی شاید خود کو کمرے تک محدود کر چکی تھیں جب ہی اپنے مقررہ وقت پر گھر آنے پر بھی وہ اسے نظر نہ آئیں اور پھر جب تیسرا دن بھی ایسے ہی گزر گیا تب رو میلہ کو عجیب گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

وہ یونیورسٹی سے کچھ نہ کچھ کھا کر آتی تھی ماکہ رات کو کھانا کھانے کی ضرورت نہ پڑے، لیکن پچھلے تین دنوں سے ریاض غفار نے اسے کھانے پر بلایا بھی نہیں تھا پہلے دو دن تو اسے خوشی ہوئی تھی کہ اسے انکار نہیں کرنا پڑا، لیکن تیسرے دن اسے کمرہ بند کیے بیٹھے رہنا معیوب لگنے لگا اسے خود باہر نکل کر گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے چاہئیں جیسے۔ کھانا گرم کر کے لگانے اور سمیٹنے کا کام وغیرہ۔

مگر تین دن سے کسی کا سامنا نہ ہونے کے باعث اس کی جھجک اور بڑھ گئی تھی پھر بھی اس نے معصوم ارادہ کر لیا تھا کل صبح یونیورسٹی جلدی نہیں جائے گی بلکہ ناشتے کے وقت باہر آکر ناشتا وغیرہ لگانے میں سرداراں کی مدد کرے گی۔

ورنہ ہو سکتا تھا اس کے کمرہ بند کر کے بیٹھنے پر ریاض غفار اور الیان یہ سوچ رہے ہوں کہ اسے شگفتہ غفار کا انداز برا لگا ہے اور وہ اس لیے روٹھی ہے کہ وہ اگر اس سے معذرت کریں۔

حالانکہ اسے بلاشبہ شگفتہ غفار کا اس طرح بے عزت کرنا بہت برا لگتا تھا، مگر وہ ان سے کسی معذرت کی خواہش مند نہیں تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کبھی بھی معافی نہیں مانگ سکتیں اور پھر جس طرح ثانی اماں اور بریرہ اچانک چلے گئے تھے اس کے بعد تو وہ خود کو مظلوم ہی تصور کر رہی ہوں گی۔ کیلچا تو یہ امید لگائے بیٹھی ہوں کہ رو میلہ کو ان کے پاس جا کر الیان کے ساتھ باہر جانے پر شرمندگی کا اظہار کرنا چاہیے اور ان سے معذرت کرنی چاہیے۔

مگر وہ چاہے جو بھی چاہتی ہوں رو میلہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ الیان کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا جسے رو میلہ اپنے ساتھ لے جائے وہ خود اپنی مرضی سے گیا تھا اور چاہے شگفتہ غفار یقین کریں یا نہ کریں الیان ہی زبردستی اسے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا اور پھر ان کے بچہ رشتہ بھلے ہی صرف کاغذی تھا، مگر شرعی اور اخلاقی لحاظ سے اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا جس پر اسے کسی کے سامنے صفائی دینی پڑتی۔

اکلی صبح وہ کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے اس وقت کمرے سے باہر نکل آئی جب الیان اور ریاض غفار آفس کے لیے نکل رہے ہوتے ہیں سرداراں نیپل پر برتن لگا رہی تھی رو میلہ نے بھی اس کے نزدیک آکر اس کی مدد کر لی شروع کر دی۔

جب رو میلہ چائے دم کر کے نیپل پر لے کر آئی عین اسی وقت الیان بھی وہاں آگیا اس پر نظر پڑتے ہی وہ کچھ ٹھنک سا گیا۔ رو میلہ ایک نظر اس پر غیر ارادی طور پر ڈال کر خود کو بہت زیادہ مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی تو الیان بھی چپ چاپ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

ابھی ریاض غفار اور شگفتہ غفار اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے تھے اور رو میلہ نہیں چاہتی تھی کہ باہر آتے ہی ان دونوں پر یہ تاثر پڑے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں الیان کے ساتھ بیٹھی ناشتا کر رہی تھی لہذا وہ کوئی کام نہ ہونے کے باوجود فوراً ”چچن کی طرف پلٹ گئی اور پھر تب ہی باہر نکلی جب اسے ریاض غفار کی آواز سنائی دی۔

وہ الیان سے کچھ بات کر رہے تھے رو میلہ پر نظر پڑتے ہی وہ بھی چونک اٹھی۔ رو میلہ نے عادت کے مطابق بڑی دھیمی آواز میں انہیں سلام کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر سلاٹس اٹھا کر کترنے لگی۔

یہ اور بات تھی کہ اس کا ناشتا کرنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر وہ کم از کم دس منٹ نیپل پر رہنا چاہتی تھی اور اس کے لیے ایک کپ چائے کے ساتھ ایک سلاٹس لینا تو ضروری تھا۔

ریاض غفار نے بھی اسی کی طرح دھیمی آواز میں جواب دے کر اخبار اٹھا لیا۔ کاش اخبار رو میلہ کے قریب ہوتا تو وہ بھی اس عجیب صورت حال سے آسانی سے چھٹکارا حاصل کر لیتی، مگر اب اس کے پاس سوائے سلاٹس اور کپ پر غور کرنے کے اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔

اس نے الیان کی جانب دیکھا نہیں تھا، مگر اسے اندازا ہو گیا تھا کہ الیان کی ناشتا کرنے رفتار بڑھ گئی تھی چچے

جلدی سے اٹھ جانا چاہتا ہو حالانکہ آج تو وہ وقت سے پہلے اتر آیا تھا ورنہ عموماً ”تو وہ دیر ہونے کے ڈر سے جلدی جلدی ہی ناشتا کر رہا ہوتا تھا اور ابھی اس کی چائے ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ شگفتہ غفار بھی وہاں آگئیں۔

رو میلہ کا سلاٹس اس وقت ختم ہوا تھا، مگر اب وہ فوراً ”نہیں اٹھ سکتی تھی وہ چاہ رہی تھی کہ وہ بیٹھ کر ناشتا شروع کر دیں پھر کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلی جائے، مگر رو میلہ پر نظر پڑتے ہی وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھیں۔

اسے دنوں سے اس کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی وہ کافی سکون محسوس کر رہی تھیں اب اچانک اسے سامنے دیکھتے ہی ان کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

اس لڑکی کی وجہ سے ان کی والدہ اور بیٹی دونوں ان سے ایسا ناراض ہو کر گئیں کہ پلٹ کر فون تک نہیں کیا۔ ثانی اماں سے بات کرنے کی تو ان میں بھی ہمت نہیں تھی البتہ بریرہ سے انہوں نے گفتگو کرنی چاہی، مگر وہ بھی ان کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی تب ریاض غفار نے انہیں بتایا کہ ان کی بات بریرہ سے ہو گئی ہے اور وہ تم پر شدید خفا ہے ابھی فی الحال اس سے بات مت کرو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔

ثانی اماں سے بھی ریاض غفار نے بات کی تھی وہ تو ایسے تپاک سے پیش آئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو لہذا ریاض غفار کا خیال تھا اب اس موضوع کو نہ چھیڑنا ہی بہتر ہے۔

شگفتہ غفار کچھ دیر اپنی جگہ بے حس و حرکت ایستادہ رہیں۔ پھر ایسے گہرا سانس کھینچ کر کرسی پر آ بیٹھیں جیسے خود برجر کر کے آئی ہوں، مگر جیسے ہی ان کی نظر الیان پر پڑی ان کے چہرے کے تاثرات ایک دم مناسب ہو گئے کیونکہ وہ بڑے غور سے ان کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

شگفتہ غفار کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر الیان کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی جیسے کہہ رہا ہو۔

”آپ چاہے کتنے بھی دعوے کر لیں آپ خود کو اس سے نفرت کرنے سے روک نہیں سکتیں۔“ شگفتہ غفار اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر بخوبی پڑھ چکی تھیں۔

وہ اسے غلط ظاہر کرنے کے لیے رو میلہ کو مخاطب کرنے کا سوچنے لگیں، مگر ان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا بات کریں۔ انہوں نے سوائے طنز کے نشتہ چلانے کے اور اس سے کبھی کوئی گفتگو کی ہی نہیں تھی، پھر اچانک اس سے کیسے بات کریں اور کیا کہیں۔

وہ سوچتی ہی رہیں اور رو میلہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں بھی چلی گئی وہ ایسے دل موس کر رہ گئیں جیسے کوئی نادر موقع گنوا بیٹھی ہوں۔ انہوں نے چور نظروں سے الیان کی جانب دیکھا، مگر اب وہ متوجہ نہیں تھا بلکہ چائے کے سب لینے میں مصروف تھا۔

انہوں نے الیان کو مخاطب کرنا چاہا، مگر جیسے دماغ ہی ماؤف ہو گیا تھا یا شاید کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ بچا نہیں تھا اس لیے وہ صرف الیان کو دیکھ کر رہ گئیں۔ الیان اپنا ناشتا ختم کر کے اٹھ کر چلا گیا تو وہ ریاض غفار کو دیکھ کر کترنے لگیں۔

”میرا بہت دل چاہ رہا ہے گاؤں جا کر اماں اور بریرہ سے ملنے کا۔ کل اتوار ہے میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔“

ریاض غفار نے ایک قہر برساتی نظر شگفتہ غفار پر ڈالی اور دوبارہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

شگفتہ غفار ان کے اس انداز پر سلگ کر رہ گئیں تب ہی تنک کر بولیں۔

”مگر آپ نہیں جانا چاہتے تو میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں۔“

”ہاں ماکہ جو یہاں نہیں ہو سکا وہ وہاں گاؤں میں ہو جائے۔“ ریاض غفار نے تپ کر اخبار ایک طرف پھینک دیا۔

”کیا مطلب؟“ وہ سمجھ نہ سکیں۔

”جب اپنی زبان پر قابو نہیں ہے تو کیا ضرورت ہے اماں سے ملنے جانے کی ماکہ وہاں کوئی بات ہو اور تم ایک بار

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ام ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

پھر پھٹ پڑو۔
اب جبکہ اماں کو شک ہو چکا ہے تو تمہارا ان سے ملنا کسی صورت میں بھی ٹھیک نہیں بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے اپنے گھر میں پڑی رہو۔ "شگفتہ غفار" ریاض غفار کے اس قدر خائف ہو کر کہنے پر بری طرح تپ گئیں۔
انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ریاض غفار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے شگفتہ غفار کی جانب دیکھے بغیر وہ جس طرح آگے بڑھے تھے وہ شگفتہ کے لیے خاموش رہنے کی بڑی کھلی تنبیہ تھی۔
وہ محض پنجو تاب کھا کر رہ گئیں۔

رومیلہ یونیورسٹی سے گھر لوٹی تو ایک دم جیسے اس پر بری طرح تھکن طاری ہو گئی کچھ دیر کے لیے اس ماحول اور جمود سے نکل کر اسے واقعی بڑا سکون ملتا تھا پھر جب سے خرم اور نمل کے بیچ خاموش دوستی ہو گئی تھی تب سے وہ تینوں اپنی پرہائی کو پہلے سے بھی زیادہ دلچسپی اور سنجیدگی سے آگے بڑھا رہی تھیں۔
لیکن گھر لوٹتے ہی جیسے جسم سے جان نکلنے لگی تھی۔ شگفتہ غفار کا سامنا کرنے کے خیال سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی اسی لیے وہ گھر میں داخل ہوتے ہی بڑی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی مبادا شگفتہ غفار سے ٹکراؤ نہ ہو جائے۔

اور ایسا کرتے ہوئے اس کے دل سے شدت سے خواہش ابھرتی کہ کسی طرح اس ذلت اور بے عزتی سے اس کی جان چھوٹ جائے حالانکہ اس خواہش کے پیچھے کوئی لائحہ عمل نہیں تھا یعنی اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے بلکہ وہ کسی معجزے کا انتظار کر رہی تھی۔
اور پھر واقعی ایک معجزہ ہو گیا اس کی خواہش تو پوری ہو گئی مگر اسے یہ علم نہیں تھا کہ اس کے لیے اسے بہت بڑی قیمت چکانی پڑے گی۔

وہ اپنی کتابوں میں ہی غرق تھی جب کوئی چھ بجے کے قریب اس کے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز ابھری۔
رومیلہ سمجھی سرداراں ہو گی اس نے فوراً "آنے کی اجازت دے دی۔ دروازہ کھول کر الیان کو اندر آنا دیکھ کر رومیلہ حیران رہ گئی۔

وہ شاید آج آس سے جلدی گھر آ گیا تھا بلکہ اسے کریم کلر کے شلوار قمیص میں ملبوس دیکھ کر صاف ظاہر ہوا تھا کہ اسے گھر آئے کافی دیر ہو گئی ہے۔

رومیلہ کچھ دیر حیرانی سے اسے دیکھتی رہی پھر اچانک گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
"آپ یہاں کیوں آئے ہیں اگر آپ کی والدہ کو بتا چل گیا تو قیامت آجائے گی۔" رومیلہ کا لہجہ اتنا گھبراہٹ

ہوا اور بے ساختہ تھا کہ الیان محض اسے دیکھتا رہ گیا۔
"آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں اب میں مزید کوئی الزام برداشت نہیں کر سکتی۔" رومیلہ کا انداز بے انتہا تلخ ہو گیا تھا۔

الیان کو اپنے کمرے میں دیکھ کر پہلا خیال اسے یہی آیا تھا کہ وہ اس سے معذرت کرنے آیا ہے اس دن الیان کے ساتھ شاپنگ بر جانے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی وہ اسے زبردستی لے گیا تھا۔

جب اسے پتا چلا ہو گا کہ اس شاپنگ کو لے کر گھر میں اتنا ہنگامہ ہوا ہے تو وہ شرمندہ ہو کر صفائی دینے چلا آئے۔
اس لیے رومیلہ اتنی تلخ ہو گئی کہ بھلا الیان کے شرمندہ ہونے یا معذرت کرنے سے کیا اس کی جو بے عزتی ہوئی

ہے یا جو کچھ اس نے اپنے متعلق سنا ہے اس کی تلافی ہو جائے گی۔
تو پھر وہ کیوں آیا ہے اور وہ بھی اتنی تاخیر سے اگر اسے اپنی ماں کی طرف سے معافی مانگنی تھی تو اسے اسی راز
رومیہ کے پاس آنا چاہیے تھا۔

وہ کھولتے ذہن کے ساتھ یہ سوچ رہی تھی کہ الیان نے گلا کھنکھارے ہوئے کہا شروع کیا۔
”مئی اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں وہ عموماً اس وقت اپنے کمرے سے باہر نہیں آتیں ان کے لیے
سیریل شروع ہوتے ہیں جنہیں وہ کمرے میں ہی بیٹھ کر دیکھتی ہیں۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔ وہ چاہے جہاں بھی ہوں گھر میں جہاں جو بھی ہوتا ہے
انہیں ہر چیز کی خبر مل جاتی ہے۔“ رومیہ نے چبا کر کہا تو فوری طور پر الیان کچھ نہ بولا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے گرا
سانس کھینچ کر ایسے بولا جیسے بڑی لمبی گفتگو کا ارادہ رکھتا ہو۔

”جو کچھ ہوا بہت برا ہوا۔ مجھے مئی کے رویے پر شدید افسوس ہے۔ میں چاہتا تھا کہ میں ان کی طرف سے
سے معذرت کر لوں۔“

مگر مجھے بتا ہے میرے معافی مانگنے سے تمہیں کوئی تسلی نہیں ہوگی۔ جو کچھ تم نے سنا ہے اس کی تلافی میں نہیں
کر سکتا۔ بلکہ مئی بھی اگر آکر تم سے معافی مانگ لیں تو بھی تمہاری تکلیف کا مداوا نہیں ہو سکتا۔“ الیان کے
انکساری سے کہنے پر رومیہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ خود بھی یہی سوچ رہی تھی۔ اب ہو ہو الیان کے منہ سے وہی جملے سن کر اسے لگا الیان
گہرے کا بھلا کیا فائدہ اسے احساس تو ہے۔ مگر وہ بھلا کر ہی کیا سکتا ہے۔

جبکہ رومیہ کو خاموش دیکھ کر الیان اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے کلینڈر کو اٹھا کر اس کے صفحے الٹ پلٹ کر
ہوئے کہنے لگا۔

”مئی کی طرف سے معافی مانگنا اس لیے بھی بے کار ہے کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ نہیں ہیں۔ انہوں نے جو
اس دن کیا ہے وہ وہی سب دوبارہ کر سکتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ بار بار ایسا کرتی رہیں گی۔“

تم خاموشی سے ایک بار ان کی ساری ذہن سے بھری باتیں لی گئیں۔ لیکن آخر کب تک؟ ایک دن تم بھی
بڑی اور بالفرض ایسا نہیں بھی ہوتا تو بھی یہ کوئی حل نہیں کہ تم جھڑانہ ہو یا سوچ کر ان کا ہر جائز و ناجائز الزام
اور سستی رہو۔

میں چاہتا ہوں تمہارے صبر کو آزمانے اور اس گھر کے سکون کو ختم کرنے کے بجائے اس مسئلے کو ہمیشہ پیش
لیے حل کروں۔“ رومیہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

کیا الیان کے پاس مسئلے کا کوئی حل ہے۔ اگر ہے تو کیا حل ہو سکتا ہے۔
ایک بار پہلے بھی اس کی گفتگو سے رومیہ کو لگا تھا۔ جیسے وہ ان روز روز کے ہنگاموں کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔

آج پھر اس کے چہرے پر ایک عزم لہرا رہا تھا۔ جیسے وہ سب سوچ کر مطمئن ہو چکا ہو۔
رومیہ قدرے بے چینی سے اسے دیکھنے لگی کہ وہ آگے کیا کہنے والا ہے۔ مگر وہ تو جیسے بول کر خاموش ہو گیا

اور مختلف ممالک کے تاریخی مقامات پر مبنی تصویروں والا کلینڈر بغور دیکھنے لگا تھا۔
آخر رومیہ سے ضبط نہ ہوا تو اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔

”تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟“ الیان کچھ چونک سا گیا۔ وہ کلینڈر پر سے نظریں ہٹا کر رومیہ کو دیکھنے لگا جو
نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور تب رومیہ کو احساس ہوا کہ وہ محض کلینڈر کو نہیں دیکھ رہا۔ بلکہ جوابات سے
اسے کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہے۔

رومیہ کا دل جیسے کسی خطرے کے پیش نظر زور زور سے دھڑکنے لگا۔
الیان اتنا بے وقوف نہیں تھا جو یہ امید لگا کر بیٹھتا کہ ماں کو وہ سمجھائے گا یا رومیہ اپنے صبر اور استقامت سے
ان کے اندر اپنی جگہ بنالے گی۔ شکستہ غفار وہ عورت ہی نہیں تھیں جنہیں بدلا جا سکے تو پھر الیان کیا سوچے بیٹھا
تھا۔

”سوال کیا؟“ رومیہ کے ذہن میں اتنی بری طرح چکر کھانے لگا کہ رومیہ کو خود چکر آنے لگے۔ وہ غیر ارادی
طور پر تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی جیسے بغیر سہارے کے اس کے لیے کھڑا ہونا مشکل
ہو گیا ہو۔

”میں نے سوچا نہیں ہے بلکہ فیصلہ کر لیا ہے۔ تمہارے بھائی نے تمہیں اس زبردستی کے بندھن میں باندھ کر
بت بڑا ظلم کیا تھا اور میں نے تمہیں یہاں لاکر اپنے گھر والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس سے بھی بڑا ظلم کیا
ہے۔“ الیان آگے بھی کچھ کہنے والا تھا کہ رومیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔

”آپ نے مجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ آپ نے وہی کیا جو ان حالات میں کوئی بھی کرتا آپ کو اس شادی پر مجبور کیا
گیا تھا۔ آپ نے یہ فیصلہ کوئی اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔“

”کلیج چاہے مجبوری میں کیا جائے یا مرضی سے وہ ایک ذمہ داری ہے جسے خوش اسلوبی سے نبھانا چاہیے اور
اگر کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا تو اسے اس رشتے کو ختم کر دینا چاہیے۔ تاکہ دوسرے کی زندگی کو ناسور بنا کر رکھ
دے۔“ الیان نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا تو رومیہ کا دل کسی انجانے خدشے کے تحت سوکھے پتے کی طرح
کانپنے لگا۔

اس کا وجدان کہہ رہا تھا الیان آگے کوئی بہت بری خبر سنانے والا ہے۔ اس کا لاشعور اسے ابھی سے آگاہ کرنے
لگا تھا کہ اس کا فیصلہ کیا ہو گا۔

مگر اس کا دل کسی طور ماننے، بلکہ کچھ سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہو رہا تھا اور ایک ہی تکرار کر رہا تھا۔
الیان ایسا کچھ نہیں کرے گا۔

وہ اس رشتے کو ختم نہیں کر سکتا۔
وہ ضرور کوئی مناسب حل ڈھونڈ کر لایا ہے۔

جس کے بعد ان سب کی زندگیوں میں سکون آجائے گا۔
اس کا دل اسے تاویلیں دیتا رہا اور الیان نے قیص کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک خاکی رنگ کا لفافہ نکال لیا۔

رومیہ کی سانس تک ٹھم گئی تھی۔ وہ ہلک جھپکائے بغیر ساکت نظروں سے الیان کو دیکھ گئی جو خود بھی لفافہ
ہاتھ میں پکڑے ایسے کھڑا تھا جیسے آگے بولنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو۔ پھر بھی آخر اسے کچھ کہنا تو تھا۔ وہ بڑی گہیر
میں سے آواز میں کہنے لگا۔

”میں اب اس کے ڈر سے اس رشتے کو اب مزید نہیں تھسٹ سکتا اس طرح تمہیں ٹارچہ کر کے اور سارے گھر کو
آگ لگا کر بھسکا کر کے ہم برہہ کے فیوچر کو سیکور نہیں کر سکتے۔“

اگر اس راز کو کھلتا ہے تو اب راز کیا۔ خود برہہ ہی ایک دن سب کچھ حامد کو بتا دے گی۔ اس طرح خوف پر مبنی زندگی
ختم ہو جائے گی۔ یہی سب سوچتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ لیا ہے۔“ الیان نے لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا جو ت
کھانسی سے الیان کو دیکھ رہی تھی۔

”اس لیے تم مجھ گئی ہو۔“ جب اس نے کافی دیر تک لفافہ پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تو الیان نے
پاس ہی سائیڈ ٹیبل پر لفافہ رکھتے ہوئے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم بہت سمجھ دار ہو تمہیں باقاعدہ ہٹھا کر کوئی بات سمجھانے کی ضرورت نہیں ہوتی تم خود ہی صورت حال پرکھ کر نتائج اخذ کر لیتی ہو یہ طلاق کے کاغذات ہیں۔“ رو میلہ واقعی سمجھ گئی تھی۔ پھر بھی الیان کے کہنے پر اسے لگا کرے کی پھت اس کے سر پر گر گئی ہو۔

اتنا شور چاروں طرف برپا تھا کہ الیان کی آواز ہی نہیں اسکی تھی جو کہہ رہا تھا۔
”اس میں تمہارے حق مہر کا چیک بھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اگر تم اس گھر سے کوئی چیز لے جانا چاہو تو پوچھ لے جاسکتی ہو اب تو می کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر ہو بھی تو تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے بیچ ایک کاغذی رشتہ تھا جو آج ختم ہو گیا۔ لیکن انسانیت کا جو رشتہ ہمارے بیچ روز اول سے موجود ہے وہ جوں کا توں برقرار رہے گا۔

تمہیں میری جب اور جیسی بھی مدد کی ضرورت ہو تم بلا جھجک۔ مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔ مجھے اندازہ ہے تمہارے گھر برابر اور تمہارے والد کا رد عمل بھی خالص دشوار ہو گا تمہارے لیے۔ اس معاملے میں اگر میں تمہاری کوئی ہیلپ کر سکا تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں تمہیں چھوڑنے تمہارے گھر نہیں جاؤں گا۔ فی الحال میرا ان لوگوں سے ملنا مناسب نہیں۔

ہاں تمہارے والد سے بات کرنے کے لیے میں تیار ہوں۔ انہیں جو بھی کہنا تھا وہ مجھ سے فون پر بات کرے ہیں۔ بلکہ تم کہو تو میں خود انہیں فون کر لوں گا۔“ رو میلہ پھرائے ہوئے انداز میں کھڑی تھی۔
الیان کو اندازہ تو ہو گیا تھا کہ اسے شدید قسم کا شک لگا ہے۔ اسی لیے اس کی پریشانی کو کم کرنے کے لیے وہ ایک کے بعد ایک بات کہے جا رہا تھا۔

مگر اس کی کسی تسلی سے رو میلہ کے انداز میں کوئی فرق نہیں آرہا تھا۔ وہ ہنوز فتنے چرے کے ساتھ بے جاں آنکھیں الیان پر مرکوز کیے دیوار سے لگی کھڑی رہی۔
آخر بوتے بوتے الیان کو لگا جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے الفاظ ختم ہو گئے ہوں پھر بھی وہ کچھ دیر منتظر رہا کہ شاید رو میلہ اس سے کچھ کہنا چاہے کچھ پوچھنا چاہے۔

مگر رو میلہ کو تو کچھ پوچھنا ہی نہیں تھا۔ اب رہا ہی کیا تھا جسے بچانے کے لیے بات کی جاتی۔ سب تو ختم ہو گیا تھا۔
الیان کون سا اس سے مشورہ مانگنے یا رائے لینے آیا تھا۔
وہ تو اپنا فیصلہ سنائے آیا تھا۔

ایک ایسا فیصلہ جس پر وہ عمل کر چکا تھا۔
اب تو صرف اس فیصلے کے نتائج بھگتنے تھے۔
الیان اور اس کے گھر والے تو شاید بڑے سکون ہونے والے تھے۔ لیکن اس کی زندگی اور اس کے گھر والوں کا رد عمل اب کن طوفانوں سے گزرے گا۔ اس کا وہ کچھ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔

ابراہیمائی کہنے کو تو بہت ضدی تھے۔ اگر رو میلہ ان کے سامنے جا کر بین کرنے والے انداز میں رونادھونا چاہتی اور الیان کے اس فعل کو ان کے لیے بے عزتی گردانتی تو وہ یقیناً ”اشتعال میں آکر بریرہ کے اغوا کی کہانی کھل دیتے۔

لیکن رو میلہ کا تو ایسا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا۔ ایک تو بریرہ کو برباد کرنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ دوسرا الیان کو کسی قسم کی شرمندگی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ بھی اسے منظور نہیں تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو اسے لگتا کہ الیان کی خوشی کی خاطر اسے اگر جان بھی دینی پڑے تو وہ اس سے بھی گریز نہ کرے۔

ابراہیمائی چاہے جتنے بھی ضدی ہوں وہ انتہائی درجے کے خود غرض انسان تھے۔ انہوں نے اس وقت کلام کنجاہ کھانے کے لیے بریرہ کو بھلے ہی اغوا کر لیا تھا۔ مگر اب جبکہ وہ سب جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ وہ الیان سے بدلہ لینے کے لیے اغوا جیسے گھناؤنے جرم کا اعلان ہرگز نہیں کریں گے۔

انہیں بھی علم تھا۔ الیان اور اس کے گھر والے اگر خاموش ہیں تو محض اس لیے کہ وہ اس راز کے کھل جانے سے خوف زدہ ہیں۔ اگر ایک بار یہ راز کھل گیا اور بریرہ کی سرال والوں کو سب پتا چل گیا۔ پھر وہ بھی نڈر ہو کر برابر بدلہ لے سکتے ہیں۔

محض ممکن ہے الیان ابرار کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کر لے۔ ابھی تو بدنامی کا ڈرا سے کچھ کرنے نہیں دیتا ایک بار اگر بدنامی ہو گئی۔ پھر کوئی چیز اس کے جلال کو روک نہیں سکے گی۔
”رو میلہ۔“ اسے بالکل سن کھڑا دیکھ کر الیان نے بڑے دھیسے سے اسے پکارا۔ اس نے محض ایک بار پلک جھپکائی۔ مگر اس کے وجود میں تب بھی کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

”رو میلہ یہ سب تمہارے لیے یقیناً بہت مشکل ہو گا۔ مگر اس ایک مشکل مرحلے سے گزرنے کے بعد آگے تمہاری زندگی میں بہت سکون ہو جائے گا۔

تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ می کے اس جاہلانہ رویے کی تم بالکل مستحق نہیں ہو۔ لیکن جب تک تم یہاں رہو گی تمہاری زندگی ایسے ہی کانٹوں پر گزرتی رہے گی۔
ابراہیم کے کسی بھی فعل کی وجہ سے تمہارے ساتھ ناروا سلوک رکھنا۔ کسی طور جائز نہیں۔ تم پوری عزت اور احترام کے قائل ہو۔

کچھ عرصہ لوگوں کی باتیں اور سوال برداشت کرنا تمہیں بہت کٹھن لگے گا۔ لیکن پھر تم اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر سکو گی اور تب تمہیں احساس ہو گا کہ یہ فیصلہ کس قدر برحق اور بروقت تھا۔
میں یہ فیصلہ لینے میں جتنی تاخیر کرتا تمہیں آگے اتنی مشکل ہوتی۔ ابھی تمہارے پاس وقت ہے۔ تم نئی زندگی کا آغاز کر سکتی ہو۔“ الیان بہت شے انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔ رو میلہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ بننا شروع ہو گیا۔ الیان وہ کہہ رہا تھا جو اسے بظاہر نظر آرہا تھا۔

ایک زبردستی کے رشتے کو طول دینے کے بجائے اس کی ڈور توڑ دینا ہی سمجھ داری تھی۔ تھوڑے سے مسائل کے بعد آگے واقعی سب ٹھیک ہو جاتا تھا۔
لیکن یہ رشتہ اس کے لیے زبردستی کا تھا ہی کب۔ وہ تو اپنی پوری ایمان داری سے اس رشتے کو نبھانا چاہتی تھی اور بھاری تھی۔ سانسوں کی ڈور توڑنا اس کے نزدیک اس رشتے کو توڑنے سے زیادہ آسان تھا۔

اس کے ساتھ صرف الیان کا نام لگا ہوا تھا۔ لیکن اس نام کے چھوٹنے سے اسے تو زندگی ختم ہوتی لگ رہی تھی۔
الیان اسے نئی زندگی شروع کرنے کے مشورے دے رہا تھا۔ کچھ دنوں کی تکلیف کے بعد آگے کی زندگی میں آسانی اور راحت کی یقین دہانی کر رہا تھا۔

اسے کیا خبر رو میلہ کی زندگی اور اس کی راحتیں سب تو الیان سے وابستہ تھیں۔ اس نے رو میلہ کو خود سے الگ کر کے اس کے اندر سے جینے کی خواہش ہی چھین لی تھی تو پھر کیسی آسانی اور کہاں کی راحتیں۔
رو میلہ بدستور اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی تو الیان ایک نظر اس پر ڈال کر واپسی کے لیے مڑ گیا۔
رو میلہ چپ چاپ اسے اپنے کمرے سے جاتا دیکھتی رہی اور جب وہ کمرے سے نکل گیا تو جیسے سارا منظر ہی دھندلا گیا۔ وہاں جو اس کے اندر جمع تھا۔ وہ آنکھوں کے راستے باہر نکلتا شروع ہو گیا۔ وہ کتنی دیر اپنی جگہ کھڑی ہے

آواز روتی رہی۔

اب اس کا دل چاہ رہا تھا وہ الیان کو روک کر اسے بتاتی تو سہی کہ وہ کون سے نئے آغاز کی بات کر رہا ہے اس زندگی کا تو الیان نے خود اپنے ہاتھوں سے اختتام کر دیا تھا۔

جس طرح ابراہیم بھائی نے فیصلہ کرتے وقت اس سے مشورہ کرنا تو درکنار اسے مطلع کرنا بھی ضروری نہیں تھا۔ ٹھیک اسی طرح الیان نے بھی ساری قانونی کارروائی کر لینے کے بعد لفافہ لاکر اسے تھما دیا۔

ایک بار بھی جو اسے بلا کر اپنے ارادوں کے متعلق بتایا ہوتا۔ اس سے مشورہ کیا ہوتا۔ اس کی رائے لے لی ہوتی۔ شاید وہ پاپاؤں پکڑ لیتی اس کے آگے ہاتھ تک جوڑ دیتی مگر اسے اس فیصلے سے باز رکھتی۔

وہ اسے یقین دلاتی کہ وہ گھر کے سکون کو کبھی تباہ نہیں ہونے دے گی۔ وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ غفار کو اس کی شکل نظر آئے گی نہ وہ اسے برا بھلا کہیں گی۔ مگر الیان اپنے نام کو اس کے نام سے الگ نہ کرے۔

مگر اب تو کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اب تو الیان کے اپنے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھلا رو میلہ کے گزر گزائے سے کیا ہوگا۔

جانے کب تک رو میلہ ایسے ہی روتی رہتی کہ دروازے پر لکھنے والی دستک نے اسے خود پر قابو پانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے جلدی دوپٹے سے چہرہ صاف کیا اور تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو سامنے سرداراں ہاتھ میں

ٹرے لیے کھڑی تھیں۔ وہ اس طرح بھی اس کے کمرے میں ٹرے لے کر نہیں آئی تھی۔ رو میلہ کو قدرے حیرانی ہوئی۔ رو میلہ

شدت سے اس کی آنکھیں اور ناک سب بالکل سرخ ہو گئے تھے۔ سرداراں بھی اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھیں۔ رو میلہ کو گلا کھنکھارتے ہوئے اسے ٹوکنا پڑا۔

”یہ کیا ہے؟“

”الیان صاحب نے کہا کہ آپ کو چائے اور سینڈویچ دے دوں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

”ہاں۔ ہاں میں ٹھیک ہوں یہ سب لے جاؤ۔ مجھے چائے نہیں پینی۔“ بتا نہیں کیوں اسے الیان کا یہ فعل نہیں آیا تھا۔ اسے بالکل ایسے لگا تھا جیسے کوئی سو کوڑے مارنے کے بعد مرہم بھیج دے کہ اپنے زخموں پر رکھ لو۔

رو میلہ یہ کہہ کر دروازہ بند کرنے لگی تو سرداراں تیزی سے بولی۔

”انہوں نے آپ کے لیے دوا بھی بھیجی ہے۔ کہا ہے کھانے کے بعد دوا لے کر سو جائیں۔ آپ کی طبیعت کافی خراب لگ رہی ہے۔ آپ اتنی جلدی تو نہیں سوتیں۔“ سرداراں کچھ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

رو میلہ غیر ارادی طور پر اسے دیکھے گئی۔

اب ان چیزوں پر اس کا کیا حق تھا جو وہ یہ سب کھا کر آرام کرنے لیٹ جاتی۔ اب اس گھر میں مزید ایک دن بھی گزارنا اسے قطعی گوارا نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے بحث ختم کرنے کے لیے سرداراں کو کمرے میں آگے

جگہ دے دی۔

اس نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور ایک بار پھر اس کی خیریت دریافت کرنے لگی۔

”کچھ نہیں ہوا ہے تھوڑی تھکن ہو گئی ہے۔ اس لیے انہوں نے دوا بھیج دی ہے۔“ رو میلہ نے روکے لہجے میں کہا تو اس کی ہمت نہ ہوئی مزید سوال کرنے کی۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ دے آپ تھکی ہوئی تو نہیں رہیں بلکہ برسوں کی بیمار لگ رہی ہیں۔ مگر وہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد رو میلہ کچھ دیر بھانپ اڑاتی گرم گرم چائے کو دیکھتی رہی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھیں

پورے کا وقت نہیں تھا۔ پوری زندگی پڑی تھی۔ اس سانحہ پر ماتم کرنے کے لیے ابھی تو اسے فوراً ”یہاں سے

جائے کی تیاری کرنی تھی۔ جب اس گھر میں رہنے کا کاغذی ہی سہی حق وہ گنوا چکی تھی تو وہ کیوں بے غیرتوں کی طرح یہاں پڑی رہتی اور

منت کے لوازمات نوش فرمانے لگتی۔ الیان نے اسے اجازت دی تھی۔ وہ یہاں سے جو چاہے لے جاسکتی ہے۔ مگر اسے چیزوں کی ہوس کبھی بھی

نہیں رہی تھی۔ البتہ اسے یہ پتا تھا کہ یہاں سے لوٹ کر اسے جہاں جانا تو کوئی اس کی ماں کا گھر نہیں ہے۔ بلکہ

جہاں بھی کی جائے حکومت ہے۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ ہمیشہ کے لیے لوٹ آئی ہے تو وہ بھی دوسری شگفتہ غفار بن جائیں گی۔ چھوٹی چھوٹی

چیزوں کے لیے ان کے آگے ہاتھ پھیلانے سے کہیں بستر تھا کہ وہ یہاں سے وہ تمام چیزیں لے جائے جو وہ خود ہی لے کر آئی تھی۔

الماری کھولتے ہی اسے وہ کپڑے بھی نظر آئے جو الیان نے اسے یونیورسٹی جانے کے لیے دلوائے تھے۔ اس کی زندگی کے چند یادگار دنوں میں سے وہ ایک دن تھا جب اس نے الیان کی شکست میں چند گھنٹے گزارے تھے۔

مگر کتنے منٹ بڑے تھے وہ چند گھنٹے اسے۔ ان چیزوں کے عوض شگفتہ غفار نے کس بری طرح اس کی عزت نفس کو مجروح کیا تھا۔

ایک بار پھر اس کی آنکھیں جل تھل ہونے لگیں۔ ایک سیلاب اس کے اندر اٹھ رہا تھا۔ جس پر وہ بڑی مشکوٰی سے بند باندھے ہوئے تھی۔

اس نے بے دردی سے اپنی آنکھوں کو گزر کر الماری کا وہ بیٹ بند کر دیا۔

حالانکہ دل چاہتا تھا۔ الیان کی یاد کے طور پر ہی ان کپڑوں کو رکھ لینے پر۔ مگر اس نے دل کی اس معصوم خواہش کو بھی سختی سے کچل دیا۔

یہ کپڑے اس نے اپنی بیوی کو دلوائے تھے۔ تاکہ اس کی بیوی چار لوگوں میں جائے تو اس کی عزت خراب نہ ہو۔

پھر ان کپڑوں کو وہ اب گیلوں پہنتی کچھ چیزوں پر شرعی اور قانونی طور پر حق ہوتا ہے۔ پھر بھی انسانی اتانا ان سے

دستبردار ہونا ہی باعث تسکین سمجھتی ہے۔ رو میلہ کے اندر بھی جو طوفان اٹھ رہا تھا اس کے تحت وہ صرف وہ کر رہی تھی جو اس کی عزت نفس کے لیے اہم

تھا۔ محض کوہے گھنٹے میں اپنی تمام چیزیں رکھ لینے کے بعد اس نے ہاتھ روم میں جا کر اچھی طرح منہ دھویا ہاتھ

سے بال ٹھیک کیے اور دوپٹہ قاعدے سے اوڑھتی وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کا ارادہ الیان کے پاس جانے کا تھا۔ تاکہ الیان ڈرائیور سے کہہ کر اسے گھر چھڑوا دے۔ مگر لاؤنج میں ہی

غدار محفل شگفتہ غفار اور ریاض غفار صوفوں پر براجمان تھے۔ وہ ٹھنک کر اپنی جگہ رک گئی۔ آج بھی اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کے سامنے سے گزر کر الیان کے کمرے تک چلی جاتی۔ حالانکہ

اس کے دل میں آیا آج اگر شگفتہ غفار کچھ کہیں گی تو بھی کیا فرق پڑ جائے گا۔ آج کے بعد دوبارہ کون سا ان کا سامنا کرنا ہوگا جو ان کا لحاظ کیا جائے یا ان کی ناراضی کی پروا کی جائے۔

مگر شاید اسے ہی فطرت کہتے ہیں جسے انسان چاہے بھی تو نہیں بدل سکتا۔ وہ شش و پنج کے عالم میں کھڑی تھی کہ غفار کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس طرح اسے لاؤنج کے احاطے کے پاس ایستادہ دیکھ کر وہ بے اختیار بول

معمول کے مطابق ان کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ فوراً ان کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ جیسے وہ ان دونوں کی باتیں سننے کے لیے یہاں کھڑی ہے۔ حالانکہ وہ دونوں ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں کر رہے تھے۔

ریاض غفار آج کچھ جلدی گھر آ گئے تھے۔ شگفتہ غفار بھی اتفاقاً کمرے سے باہر نکلی تھیں اور ان کے جلدی آ جانے کی وجہ پوچھ رہی تھیں کہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے وہ دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

”سب خیریت تو ہے رو میلہ۔“ ریاض غفار اسے خاموش دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رو میلہ نے بھلے ہی بہت دیر تک اپنی آنکھوں پر پانی ڈالا تھا۔ مگر پھر بھی اس کی آنکھیں اور چہرہ اس کے رونے کی چغلی کھا رہے تھے اور ریاض غفار اتنے بے حس نہیں تھے کہ یہ محسوس کر لینے کے بعد بھی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ وہ بے اختیار اس کے قریب چلے آئے تو رو میلہ نے جلدی جلدی پلکیں جھپک کر خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے کہا۔

”جی۔ جی۔ سب خیریت ہے۔۔۔ اصل میں۔۔۔ میں۔۔۔ یہ جانا چاہ رہی تھی کہ۔۔۔ اگر ڈرائیور موجود ہے تو مجھے میرے گھر چھوڑ آئے۔“ رو میلہ نے سوچا اب ریاض غفار سے ہی بات کر لینا زیادہ مناسب ہے۔

”کیوں کیا ہوا تمہارے گھر پر؟“ ریاض غفار اس اچانک مطالبے پر اچھے کے ساتھ بولے۔

”نہیں میرے گھر پر تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“ رو میلہ فوراً بولی۔

”تو پھر یہ اچانک تمہیں اپنے گھر جانے کا خیال کیوں آیا؟“ جتنی حیرانی سے ریاض غفار نے پوچھا اتنی ہی حیرانی سے رو میلہ انہیں دیکھنے لگی۔

وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ انجان بن رہے ہیں یا واقعی کچھ نہیں جانتے۔ جبکہ رو میلہ کا اس طرح بغیر شگفتہ غفار سے اجازت لیے اپنے آپ فیصلہ کر لینے پر شگفتہ غفار بری طرح سلگ گئیں۔ اس پر سونے پر ساگہ ریاض غفار کا اس کے لیے اتنا پریشان ہونا جلتی پر تیل کا کام کر گیا تھا۔

ریاض غفار بریرہ کے جانے کی وجہ سے شگفتہ غفار سے کتنے ناراض رہے تھے اور جس لڑکی کی وجہ سے ساری بد مزگی ہوئی اس کے ساتھ ریاض غفار اتنی نرمی سے پیش آرہے ہیں۔ بلکہ اس کے لیے اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔

وہ رو میلہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر حاکمانہ لہجے میں بولیں۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے اتنی رات میں اپنے گھر جانے کی۔ کل دن میں چلی جانا۔ بلکہ یونور شہی سے واپسی ملے اپنے گھر اتر جانا۔“ ریاض غفار کو ان کی مداخلت اور لب و لہجہ سخت ناگوار گزرا۔ پھر بھی وہ صرف انہیں پلٹ کر دیکھ کر رہ گئے۔ رو میلہ کے سامنے وہ انہیں کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔ تب ہی اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے بولے۔

”کل چھٹی ہے ڈرائیور بھی نہیں آئے گا اور یہ یونور شہی بھی نہیں جائے گی۔ رو میلہ تم۔“

”تو اپنے گھر سے کسی کو بلا لے۔ اگر اتنی بے چینی ہے جانے کی۔“ شگفتہ غفار نے تنگ کر ریاض غفار کی بات کاٹی اور اس سے پہلے کہ ریاض غفار کچھ بولتے رو میلہ سر دھجے میں گویا ہوئی۔

”میرے گھر پر ابرار بھائی کے علاوہ کوئی ڈرائیور نہیں کرتا اور انہیں میں یہاں بلانا نہیں چاہتی۔“

ابرار کے نام پر وہ دونوں کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے اور ان کی اسی خاموشی کا فائدہ اٹھاتی رو میلہ دلی اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

اس کے بٹے ہی شگفتہ غفار بھرے ہوئے انداز میں ریاض غفار کے پاس آکر بولیں۔

”یہ بھلا کوئی طریقہ ہے ماں کے گھر جانے کا کہ جب اس کا دل چاہے گام نہ اٹھا کر چل پڑے گی۔ نہ مجھے پوچھا نہ مجھے بتایا اور۔“

”جانی ہی کب ہے ماں کے گھر جو تم اتنا بگڑ رہی ہو۔ ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے بات کچھ اور ہے۔“ ریاض غفار نے اگلا جملہ بڑی دھیمی آواز میں کہا۔ کیونکہ رو میلہ اپنے کمرے سے واپس آرہی تھی۔

ریاض غفار کے نزدیک اگر اس نے ایک خاکی رنگ کا لفافہ ان کی جانب بڑھا دیا۔ ریاض غفار حیران پریشان سے کبھی رو میلہ کو اور کبھی لفافے کو دیکھنے لگے۔ آخر انہوں نے کوئی سوال پوچھنے سے بہتر سمجھا کہ لفافہ کھول کر دیکھ لیا جائے۔

جتنی تیزی سے انہوں نے کاغذ نکال کر بڑھنا شروع کیا تھا۔ اتنی ہی تیزی سے ان کے چہرے کا رنگ فق ہوتا چلا گیا۔ یہ طور پر سے نظریں ہٹا کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے رو میلہ کو دیکھنے لگے۔ جس کی صرف آنکھوں کی سرخی کے علاوہ اس کے کسی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اتنے بڑے کرب سے گزر رہی ہے۔ اس کی برداشت نے ریاض غفار کو تنگ کر دیا تھا۔

رو میلہ تو سر جھکائے کھڑی تھی۔ جبکہ شگفتہ غفار، ریاض غفار کے ایک ایک انداز کا بڑی گہرائی سے مشاہدہ کر رہی تھیں۔

ریاض غفار کی طویل ہوتی خاموشی انہیں رنج کر گئی۔ وہ جھنجھلا کر بولیں۔

”کیا ہے یہ؟ کوئی مجھے بھی کچھ بتائے گا۔“ ریاض غفار کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ انہیں کن الفاظ میں اطلاع دیں۔ جبکہ شگفتہ غفار کو یہ اپنی سراسر بے عزتی لگی کہ وہ رو میلہ کے سامنے انہیں اس طرح نظر انداز کر رہے ہیں کہ ان کی بات کا جواب نہیں دے رہے۔ تب ہی وہ رو میلہ کو منظر سے ہٹانے کے لیے ڈپٹ کر بولیں۔

”میں نے کہہ دیا تھا میں ماں کے گھر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پرسوں چلی جانا۔ اب جاؤ اپنے کمرے میں۔“

”سے اب کہیں بھی جانے کے لیے تمہاری اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔“ رو میلہ کو اب بھی شگفتہ غفار کے سامنے خاموش کھڑا دیکھ کر ریاض غفار کو بڑا عجیب سا لگا۔ کس مٹی کی دینی ہوئی تھی یہ لڑکی جواب بھی اتنے ضبط سے شگفتہ غفار کی لعن طعن سن رہی تھی۔ لہذا جب وہ بولے تو ان کا لہجہ خود انہیں اجبی لگا۔

”کیا مطلب؟“ شگفتہ غفار سمجھ نہ سکیں۔

”الیان نے اسے۔۔۔ طلاق دے دی ہے۔“ ریاض غفار کو زندگی میں کبھی کوئی بات کہنا اتنا مشکل نہیں لگا۔ الفاظ جیسے ان کے حلق میں پھنس گئے تھے۔

”کیا؟“ شگفتہ غفار چیخ پڑیں۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا جو انہوں نے سنا ہے وہ سچ ہے۔

الیان نے آخر جو کتاہ کر دکھایا۔

اس نے کسی کی پروا نہیں کی۔ بہن تک کی نہیں۔

اب یہ لڑکی اپنے گھر جا کر ابرار کو بتائے گی تو ابرار کا کیا رد عمل ہوگا۔

وہ اگر کل ہی بریرہ کے گھر پہنچ گیا تو؟

شگفتہ غفار کو اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا محسوس ہونے لگا۔ انہوں نے کسی چیز کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ریاض غفار اپنی کیفیت فراموش کرتے تیزی سے ان کی جانب لپکے۔

ان کے پکڑتے پکڑتے بھی شگفتہ غفار زمین پر گر چکی تھیں۔



کن ہی مشکل سے خرم کو نمل سے یونور شہی میں تمنا کی بات کرنے کا اتفاقاً موقع مل گیا تو اس نے

فوزیہ یاسمین

دستِ گہر

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگومیلہ، سکیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔

دونوں واپس جانے کے لیے مڑھویوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لاسٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

بیالیسویں قسط



”یہ منزلال تم سے ملنے کیوں آئی ہیں؟“ فرقان حسن نے خاصے چہرے سے لہجے میں پوچھا ملازم خرم کا حکم سننے ہی ڈرائنگ روم کی طرف پلٹ گیا تھا فرقان حسن جیسے اس کے ہنسنے کے منظر تھے اس کے جاتے ہی ان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔

”میں ان سے جا کر ملوں گا تو پتا چلے گا یا یہاں کھڑے کھڑے میں کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ مجھ سے ملنے کیلئے آئی ہیں۔“ خرم ان کے سوال کا پس منظر سمجھتے ہوئے اچھا خاصا چڑ کر بولا۔

”چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“ فرقان حسن تنہا ہوئے چہرے کے ساتھ بولے تو خرم جھنجھلا گیا۔

”یہ آپ کس طرح جی ہو کر رہے ہیں؟“

”کیوں؟ میں اگر تمہارے ساتھ چلوں گا تو تمہیں کوئی مسئلہ ہے کیا۔ کوئی بہت اہم سیکرٹ ٹیمکس کرنا ہے یا جو میرے سامنے نہیں ہو سکتا۔“ وہ بڑے طنزیہ انداز میں کہتے اس کے پاس آکھڑے ہوئے۔

خرم کچھ دیر تو لب بچھے انہیں دکھاتا رہا پھر بڑے تپے ہوئے انداز میں بولا۔

”آئیے سن لیں اپنے کانوں سے جو بھی بات ہوتی ہے ہمارے درمیان۔“ خرم کہہ کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

فرقان حسن نے اس کی پیروی کرنے میں ذرا دیر نہیں کی انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ خرم کو ان کا آنا کتنا برا لگ رہا ہے جب خرم نے منگنی توڑتے وقت اس بات کی پروا نہیں کی کہ انہیں کتنا برا لگا ہے تو وہ بھی اپنے بیٹے کے متعلق سب کچھ جاننے کا حق رکھتے تھے بھلا وہ کیوں پروا کرتے۔

خرم کچھ برہم سے انداز میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا مگر عائشہ اختر پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رک گیا فرقان حسن کا رد عمل بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

عائشہ اختر کہیں سے وہ عورت نہیں لگ رہی تھیں جنہیں وہ دونوں جانتے تھے ہر وقت تک سک سے تیار رہنے والی عائشہ اختر اس وقت گھر کے لان کے سسلے ہوئے کپڑوں میں بغیر میک اپ اور بغیر کسی زیور کے بالکل پہچانے میں نہیں آ رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کے چہرے پر آنسوؤں کی جھڑی اور سرخ ہوئی آنکھیں ان کے شدید غم میں ہونے کی مکمل عکاسی کر رہی تھیں۔

وہ ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھی بڑی حسرت بھری نظروں سے ڈرائنگ روم کے دروازے کو دیکھ رہی تھیں۔

خرم کو بے اختیار وہ منظر یاد آ گیا جب وہ پہلی بار اس گھر کو دیکھنے آیا تھا اور ندیہ کے کمرے میں کھڑے ہو کر اس نے فرقان حسن سے کہا تھا کہ یہ کمرہ اس کا ہو گا تب ندیہ نے بھی اسے ایسی ہی زخمی نظروں سے دیکھا تھا کہ اس کی تیز چلتی زبان کو ایک دم ہریک لگ گئے تھے۔

اس وقت اسے صرف یہ اندازہ ہوا تھا کہ اس لڑکی کو اپنا گھر اور کمرہ چھوڑنے کا دکھ ہو رہا ہے مگر آج عائشہ اختر کے لیے یہ اس گھر کی اہمیت کو بہت اچھی طرح جانتا تھا ان کی نظروں میں صرف دکھ نہیں تھا بلکہ کئی احساسات کی آمیزش تھی جیسے لاشکی، پچھتاوا، محرومی اور ساری کوششیں رائیگاں جانے پر شکست کا احساس سب سے نمایاں تھا۔

ظاہری بات ہے جس عورت کی اکلوتی بیٹی باگل خانے میں بند ہو اس کے دکھ کا تو کوئی حساب ہی نہیں لگا سکتا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا اس گھر کو بیچ کر دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کا۔ ندیہ کے پاگل پن میں کوئی بہتری نہیں آئی بلکہ اس کی حالت اور بری ہو گئی کہ وہ پاگل خانے تک پہنچ گئی۔

خرم سوچوں میں گہرا اپنی جگہ کھڑا رہا کہ فرقان حسن نے گلا کھنکھا کرتے ہوئے عائشہ اختر کو سلام کر دیا خرم

کے ساتھ ساتھ عائشہ اختر بھی چونک کر جیسے ہوش میں آ گئیں۔ انہوں نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے اپنی شکل سے سلام کا جواب دیا جیسے ان سے بولا ہی نہ جا رہا ہو۔

”محب خیریت تو ہے نا آپ یہاں اچانک۔“ عائشہ اختر سلام کا جواب دے کر ایسے زمین کو گھورنے لگیں جیسے ان کے علاوہ کمرے میں کوئی موجود ہی نہ ہو اور دوسری طرف خرم بھی ایک صوفے کے پاس آکر اس کی بیک پر ہاتھ رکھ کر ایسے کھڑا ہو گیا جیسے اسے کوئی زبردستی یہاں پکڑ کر لے آیا ہو۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے فرقان حسن نے عائشہ اختر کے سامنے بیٹھتے ہوئے بات شروع کی تو وہ ایک نظر انہیں دیکھ کر خرم کو دیکھنے لگیں۔

”نہ میں تو خرم سے بات کرنا۔ چاہ رہی تھی۔“

”ہاں ہاں بالکل آپ کہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔“ فرقان حسن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ عائشہ اختر کی حالت ایسی تھی کہ ان کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

ان دونوں کے اکیلے میں گفتگو کرنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا مگر عائشہ اختر نے ان کے اٹھنے سے پہلے ہی انہیں روک دیا۔

”میں نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“ وہ کہہ کر ایک بار پھر خاموش ہو گئیں بڑی بے چینی سے وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مسل رہی تھیں جیسے بات شروع کرنے کے لیے انہیں کوئی سرائہ مل رہا ہو۔

آخر خرم ہی آگے بڑھ کر ان کے نزدیک چلا آیا اور کہنے لگا۔

”آئی میں جانتا ہوں آپ کیا بات کرنے آئی ہیں۔ یقیناً“ ندیہ کی طرح آپ کو بھی یہی لگتا ہے کہ بس میں ہی ہوں جو ندیہ کی مدد کر سکتا ہوں۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا اگر میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں اب تک کر چکا ہوتا۔ حمید میرا دوست ضرور ہے مگر ہم کوئی قلمی ٹائپ جگہ یار نہیں ہیں جو ایک دوسرے کی ہر بات مان لیں۔ حمید خود ندیہ کے پاگل خانے سے باہر آنے کے متعلق ایک لفظ سننے کو تیار نہیں تو اس کے والد جو کہ خاصے خود غرض اور بے حس مشہور ہیں وہ کیا تیار ہوں گے اس کے باوجود میں نے ان سے بات کی تھی مگر انہوں نے میری بات مکمل سنی بھی نہیں اب دوبارہ ان سے بات کرنا۔“

”میں۔ میں جانتی ہوں انہیں۔ میں اور بلال ان کے گھر جا چکے ہیں وہ ہمارے ساتھ بڑی بد تمیزی سے پیش آئے تھے۔“ عائشہ اختر نے خرم کو شرمندہ انداز میں بولتے دیکھ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا پھر کسی غیر ملکی لفظ کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہنے لگیں۔

”نہ بھی ندیہ کو پاگل خانے سے نکلنے نہیں دیں گے۔ انہوں نے مجھے بہت پہلے ہی مایوس کر دیا تھا، لیکن مجھے نہیں پتا تھا ندیہ مجھ سے بھی زیادہ مایوس ہو گئی ہے۔“

”جی۔“ خرم سمجھ نہ سکا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”مجھے اسپتال کے عملے سے پتا چلا ہے کہ تم دوبار ندیہ سے ملنے گئے تھے۔“ فرقان حسن کی نظریں خرم کے ہاتھ پر ٹپک گئیں خرم کو اچھی طرح علم تھا وہ کیا سوچ رہے ہیں پھر بھی اس نے بغیر ہچکچائے سرانبات میں ہلا دیا۔

”گیا تم مجھے جاسکتے ہو تم دونوں کے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔“ عائشہ اختر کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔ خرم جیسے شش و پنج میں پڑ گیا کہ ان سے کیا کہے اور کیا نہ کہے جبکہ فرقان حسن بدستور اسے ہی دیکھ رہے تھے جیسے خود اس کا جواب سننے کے لیے نہایت بے چین ہوں۔

”گے آئی۔ میری گواہی پر اس کے خلاف کیس بنا ہے پہلی دفعہ میں اس سے معذرت کرنے گیا تھا کہ میں بالکل کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکا اور جو دیکھا سب سچ سچ بتا دیا۔“ خرم کچھ جھجکتے ہوئے بول رہا تھا وہ انہیں

یہ بتاتا نہیں چاہتا تھا کہ دوسری بار وہ الیان سے ملنے کے بعد اس سے ملنے گیا تھا اور آپ کے سارے راز فاش کر کے آگیا تھا۔

مگر عائشہ اختر اس کی پوری بات سننے بغیر اس کے رکتے ہی بے چینی سے کہنے لگیں۔
”نہیں میں وہ نہیں پوچھ رہی۔ میرا مطلب ہے کیا اس نے تمہارے سامنے پاگل خانے سے بھاگنے کے متعلق کوئی بات کی تھی۔“

”بھاگنے کے متعلق؟“ خرم نے اچنبھے سے پوچھا۔ اس کے رد عمل پر عائشہ اختر خجالت بھرے انداز میں ہونٹ کاٹنے لگیں۔

”آئی بات کیا ہے؟“ خرم کو احساس ہو گیا تھا کہ معاملہ ضرور مزید بگڑ گیا ہے اس کے مشکوک سے انداز پر عائشہ اختر کی ایک بار پھر آنکھیں برس پڑیں۔

”نذیبہ پاگل خانے سے بھاگ گئی ہے۔“ عائشہ اختر کھٹے کھٹے انداز میں بولیں۔
”واٹ! خرم تو صرف انہیں حیرانی سے دیکھتا رہ گیا جبکہ فرقان حسن تو اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔“

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہاں تو سیکورٹی بڑی ٹائٹ ہوتی ہے اور نذیبہ پر تو پولیس کیس بنا ہوا تھا اس کی نگرانی تو بڑی سخت ہوگی۔“ فرقان حسن کو کسی طور پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”نذیبہ نے وہاں کی سیکورٹی کو ہی خرید لیا تھا برسوں رات وہ وہاں سے بھاگی ہے کل اور آج کا پورا دن ہم سب پاگلوں کی طرح نذیبہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔“ عائشہ اختر کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔

”لیکن اس کے پاس پیسے کہاں سے آئے اور کیا وہاں کی سیکورٹی نے یہ بات قبول کی ہے کہ انہوں نے نذیبہ کو اس کی مرضی سے وہاں سے نکالا ہے۔ کہیں وہ اغوا۔“ فرقان حسن نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”بلال سب پتا کر چکے ہیں۔ نذیبہ کے پاس پیسے کہاں سے آئے اس معاملے میں ہم صرف اندازے لگا سکتے ہیں۔ میں ایک دن اس سے ملنے گئی تھی اور واپسی پر میرے پرس میں سے پیسے غائب تھے میں سمجھی شاید میں گھر میں ہی کہیں رکھ کر بھول گئی۔ اب مجھے لگتا ہے کہ وہ پیسے نذیبہ نے نکال لیے تھے۔ اس نے اپنے ساتھ ایک نرس کو ملا لیا تھا جو اسے گیٹ تک لے جانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اسٹاف نے اس نرس کے خلاف گواہی دی ہے اور اس نے بھی گھبرا کر سب اگل دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے اس نے گیٹ تک نذیبہ کو چھوڑ دیا تھا کوئی رات کے بارہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب اب گیٹ سے نکلنے کے بعد نذیبہ کہاں گئی اور کس کے ساتھ گئی اسے کچھ نہیں معلوم۔“ عائشہ اختر کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

فرقان حسن اور خرم دم بخود بیٹھے انہیں سن رہے تھے۔ نذیبہ چاہے اغوا ہوئی تھی یا فرار، اس وقت اہم سوال یہ تھا کہ وہ پچھلے دو دن سے کہاں ہے۔

پاگل خانے کے آس پاس کا علاقہ بالکل سنسان تھا وہاں دفاتر وغیرہ کی بڑی بڑی عمارتیں تو تھیں مگر رات کے وقت وہاں ایک چوہا بھی نظر نہیں آتا تھا اگر واقعی نذیبہ بارہ بجے کے قریب وہاں سے باہر نکلی تھی تو اس سنسان علاقے میں تنہا وہ کہاں گئی ہوگی۔

کتنی ہی دیر گزر گئی مگر خرم اور فرقان حسن میں سے کوئی بھی کچھ بولنے کے قابل نہ ہوا تو عائشہ اختر خود ہی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگیں۔

”نذیبہ کی کوئی دوست کوئی سہیلی نہیں تھی اگر اس کی کسی سے تھوڑی بہت بات چیت تھی تو وہ تم ہی ہو۔ کیا اس نے تمہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا وہاں سے بھاگنے کے بعد اس نے تم سے رابطہ کیا۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی آپ“ خرم بے ساختہ بولا۔

”میرا دوست ہے الیان۔ اسی نے بتایا تھا۔“ عائشہ اختر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ الیان کے ذریعے وہ سب کچھ جان گیا ہو گا۔ یہ سوچ کر ہی ان کے پسینے چھوٹ گئے۔

اسی لیے نذیبہ بھی الیان کے بارے میں جان گئی تھی اور عائشہ اختر کا سارا کچھا چٹھا بھی اسے پتا چل گیا ہو گا۔

مگر مجھ ذرا بھی علم ہوا کہ وہ وہاں سے بھاگنے کا پلان بنا رہی ہے تو میں اسے ہرگز ایسا کرنے نہ دیتا یا اگر وہ وہاں سے نکل کر مجھ سے رابطہ کرتی تب بھی میں آپ کو تو ضرور مطلع کر دیتا۔ نذیبہ کو روپوش کر دینے سے وہ پولیس سے توڑی نکل جائے گی بلکہ اب تو اس نے اپنے لیے زیادہ مسائل کھڑے کر لیے ہیں۔“ خرم فکر مندی سے بولا۔

”یہی تو میں کہہ رہی ہوں اگر نذیبہ تم سے رابطہ کرے تو اسے سمجھانا کہ اس طرح بھاگ کر وہ کہیں نہیں جاسکتی یا اگر وہ کورٹ کچہری کا سامنا کرنے سے ڈر رہی ہے تب بھی اپنے ماں باپ سے جھپٹنے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ ایک بار باہر نکل ہی آئی ہے تو ہم سے مل لے ہم اسے ملک سے باہر نکال دیں گے لیکن خدا را ہم لوگوں کے ساتھ کوئی آنکھ بھول نہ کھیلے۔“ عائشہ اختر کے لہجے میں زمانے بھر کی لجاجت تھی۔

فرقان حسن درزیدہ نظروں سے خرم کو دیکھنے لگے۔ خرم کو بھی عائشہ اختر کی بات بہت عجیب لگی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں یقین ہو کہ خرم نے ہی اسے کہیں چھپایا ہوا ہے تب ہی وہ نذیبہ کا پیغام اسے دے رہی ہیں کہ وہ لفظ لفظ اسے پہنچا دے۔

لیکن عائشہ اختر کی حالت اس وقت اتنی بری تھی کہ خرم صرف سر ہلا کر رہ گیا جس عورت کی جوان بیٹی دو دن اور دو راتوں سے گھر سے باہر ہوا ہے بھلا انسان کیسے اور کیا سمجھائے۔

کچھ دیر ان سب کے درمیان خاموشی رہی پھر عائشہ اختر جانے کے لیے اٹھتے ہوئے بولیں۔
”نذیبہ کی کوئی بھی اطلاع ملے تو مجھے فوراً خبر کرنا۔“

”شیور آئی یہ بھی بھلا کوئی کہنے کی بات ہے۔“ خرم بھی ان کے ساتھ باہر کی طرف بڑھتے ہوئے فوراً بولا تو عائشہ اختر جیسے کچھ یاد آنے پر ٹھٹھک کر رک گئیں۔

”تم اس گھر کے بارے میں کچھ جانتے ہو کیا؟“
”کیا مطلب؟“ خرم سمجھ نہ سکا۔

”مطلب یہ کہ کیا تم نے نذیبہ کو اس گھر کے متعلق کچھ بتایا تھا کہ یہ وہ گھر تھے اور یہ کہ میری والدہ نے یہ گھر بالکل کے والد کو بیچ دیا تھا۔“ عائشہ اختر خرم کے تاثرات بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔

ان کی توقع کے عین مطابق خرم کے چہرے پر ان کی بات کو سن کر حیرت کے کوئی آثار نہیں ابھرے اس کے برعکس فرقان حسن تعجب سے عائشہ اختر کو دیکھنے لگے تھے۔

یہ عائشہ اختر کا بھی آبائی گھر تھا یہ بات وہ بھی نہیں جانتے تھے مگر عائشہ اختر کی بات سے زیادہ شاک انہیں اس وقت لگا جب انہوں نے خرم کو کہتے ہوئے سنا۔

”ہاں میں نے ہی اسے بتایا تھا۔“ خرم نے صاف گوئی سے کہا تو وہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

”تھیں تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟“ خرم جانتا تھا وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں۔

جو کچھ اس نے نذیبہ کو بتایا تھا۔ نذیبہ نے اس کی تصدیق عائشہ اختر سے کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ بھی بتا دیا ہو کہ یہ سب اسے خرم نے بتایا ہے اور اگر نہیں بھی بتایا تھا۔ تب بھی اسے بھلا ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ جاننا چاہتی تھیں تو اسے سچ بتانے میں کوئی حائل نہیں تھی۔ تب ہی دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے سکون سے بولیں۔

”میرا دوست ہے الیان۔ اسی نے بتایا تھا۔“ عائشہ اختر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ الیان کے ذریعے وہ سب کچھ جان گیا ہو گا۔ یہ سوچ کر ہی ان کے پسینے چھوٹ گئے۔

اسی لیے نذیبہ بھی الیان کے بارے میں جان گئی تھی اور عائشہ اختر کا سارا کچھا چٹھا بھی اسے پتا چل گیا ہو گا۔

کیسا لگا ہو گا اسے اپنے ماں باپ کے بارے میں یہ سب سن کر اس کے بعد ہی اس نے وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا۔
 قدم اٹھایا تھا عائشہ اختر کے چہرے پر بیک وقت کئی تاثرات ابھرائے۔
 پہلے وہ جو نکس پھر پریشان ہوئیں اور پھر جیسے ایک دم جھل ہو کر تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔ اپنے
 شخص کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے بڑی ہمت چاہیے جس کے بارے میں آپ کو پتا ہو کہ وہ آپ کے
 سارے جھوٹ اور بے ایمانیوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ لہذا عائشہ اختر بھی خرم کے سامنے سے فوراً ہٹ
 گئیں۔ ان کے کمرے سے نکل جانے کے بعد بھی خرم کتنی دیر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ آخر فرقان حسن نے ہی ڈرائنگ
 روم کی طرف پلٹتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔
 ”دو دن سے جو لڑکی عتاب ہو وہ بھلا اب کیا ملے گی اللہ رحم کرے۔“



شگفتہ غفار کی آنکھ کھلی تو انہوں نے خود کو اپنے کمرے کے بستر پر پایا۔ پہلے تو ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اگر وہ سو
 رہی تھیں تو ان کے کمرے کی ساری بتیاں کیوں جل رہی ہیں اور انہوں نے اپنا رات والا لباس کیوں نہیں پہن
 رکھا۔ لیکن پھر بالکل اچانک ان کے ذہن میں ایک کونڈا لپکا اور وہ گھبرا کر بستر پر اٹھ بیٹھیں۔
 وہ سونے نہیں لیٹیں تھیں بلکہ وہ تو اپنے کمرے میں آئی بھی نہیں تھیں۔ وہ تو نیچے لاؤنج میں تھیں۔ جب
 رو میلہ نے وہ کاغذ لا کر ریاض غفار کو دیا تھا اور ان کے پیروں سے زمین نکل گئی تھی۔
 وہ گھڑی کی طرف دیکھتی بستر سے اتر آئیں۔ صبح ہونے میں بس کچھ ہی گھنٹے رہ گئے تھے۔ شگفتہ غفار ہڑبڑائے
 ہوئے انداز میں کمرے سے باہر نکلیں تو باہر کمرے کے آگے جو رنگ لگی تھی۔ اس سے نیچے لاؤنج کا منظر صاف
 نظر آ رہا تھا۔
 ریاض غفار نیچے لاؤنج میں بچھے ایک صوفے پر بالکل بے دم سے پڑے کسی غیر مرئی نقطہ کو دیکھ رہے تھے۔
 چہرے پر شدید قسم کے تاسف اور غم کی دھند تھیں اتنے فاصلے سے بھی صاف دیکھی جاسکتی تھیں۔
 شگفتہ غفار تیزی سے زینہ اترتی ان کے پاس چلی آئیں۔ قدموں کی چاپ پر ریاض غفار کے انداز میں کوئی
 تبدیلی نہیں آئی۔ بس صرف نظروں کا زاویہ بدل کر انہوں نے شگفتہ غفار کو دیکھا اور بڑے روکھے پھیکے سے انداز
 میں بولے۔

”تم اٹھ گئیں اب کیسی طبیعت ہے؟“
 ”آپ کو کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟“ شگفتہ غفار ان کے نزدیک آکر فکر مندی سے کہنے لگیں۔
 ”مجھے کیا ہوتا ہے۔“ ریاض غفار تلخی سے بولے۔ پھر صوفے پر سیدھا ہوتے ہوئے غالباً ”خود کو نارمل ظاہر
 کرنے کے لیے خواہ مخواہ کی تفصیل بتانے لگے۔
 ”تمہارا پی پی لو ہو گیا تھا۔ اس لیے تمہیں چکر آگئے۔ ڈاکٹر نے آکر تمہیں انجکشن لگا دیا تھا اور کہا تھا کہ سکون
 سے سونے دیا جائے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہو گا۔ تم کتنی دیر سوئی رہی ہو۔“ ریاض غفار خود کو چاہے جتنا بھی
 کمپوز کر لیتے۔ شگفتہ غفار نے ایک پوری زندگی ان کے ساتھ گزاری تھی۔ لہذا ان کے رویے سے چھٹکنی
 وہ بخوبی محسوس کر گئی تھیں۔
 ”رو میلہ کہاں ہے؟“ انہوں نے اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا ہے
 انہیں اس ساری تفصیل سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔
 ”پنے گھر چلی گئی ہے۔“ ریاض غفار نے ان کی جانب دیکھے بغیر کہا تو وہ چونک اٹھیں۔

”آپ نے اسے جانے دیا۔“ ریاض غفار نے ایک سلکتی ہوئی نظران پر ڈالی تو وہ فوراً ہولیں۔
 ”ٹھیک ہے الیان نے اسے طلاق دے دی ہے۔ لیکن آپ کچھ دیر تو اسے روکتے۔ اس طرح ڈرائیور کے
 ساتھ اچانک وہ اپنے گھر پہنچے گی تو اس کا بھائی تو ایک دم بھڑک اٹھے گا وہ تو۔“
 ”بے کاری باتیں مت کرو۔“ ریاض غفار بھناتے ہوئے کھڑے ہوئے۔
 ”چار دن بعد بھی اگر تم اسے بھیجتیں یا خود بھی چھوڑنے جاتیں۔ تب بھی اس کے گھر والوں کا رو عمل یہی ہوتا
 تھا جو ابھی ہو گا۔“

”مگر ابھی تو رو میلہ بھی صدمے میں تھی۔ کچھ دنوں میں اس کا شاک تھوڑا کم ہو جاتا تو پھر۔“ شگفتہ غفار جو
 کہنا چاہ رہی تھیں۔ وہ کہہ نہیں پا رہی تھیں۔ تب ہی انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ریاض غفار ان کی
 ادھوری بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ وہ کچھ دیر قہر رسانی نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔ پھر ایک
 ایک لفظ چبا کر بولے۔

”رک کیوں گئیں بولو۔ تم یہی کہنا چاہتی ہو نا کہ رو میلہ کا شاک تھوڑا کم ہو جاتا تو وہ گھر والوں کو طیش میں آنے
 سے روک لیتی۔ اب تو وہ خود اتنا بین کر رہی ہو گی کہ گھر والے بالکل ہی آپ سے باہر ہو جائیں گے۔“ شگفتہ غفار
 صرف ہونٹ کاٹ کر رہ گئیں۔ انہیں خاموش دیکھ کر ریاض غفار تپے ہوئے لہجے میں بولے۔
 ”تمام حالات میں جو شادیاں ہوتی ہیں۔ جب وہ ٹوٹتی ہیں تب بھی لڑکی اپنے ماں باپ کے پاس جا کر سسرال
 والوں پر سارا الزام رکھ دیتی ہے۔“

جبکہ یہ شادی تو بالکل غیر معمولی انداز میں ہوئی تھی۔ رو میلہ کو علم تھا۔ اس گھر میں ذرا بھی اسے تکلیف دی گئی
 تو اس کا بھائی آرام سے انہیں سبق سکھا سکتا ہے۔
 لیکن اس کے باوجود تم نے ذرا کوشش نہیں کی۔ اپنے رویے میں بہتری لانے کی پھر بھی ابرار کی خاموشی اس
 بات کا ثبوت ہے کہ اس نے کبھی اپنے گھر میں تذکرہ تک نہیں کیا۔

اب تمہاںویا نہ مانو، لیکن اس حقیقت کو تمہارا ضمیر بھی نہیں جھٹلا سکتا کہ اس لڑکی میں بہت طرف تھا۔ اس کے
 بھائی نے بھلے جو بھی کیا ہو لیکن خود اس نے کبھی بربرہ کا نام لے کر ہمیں بلیک میل نہیں کیا۔
 تم نے اسے گھر کے داماد کے سامنے تک ذلیل کیا۔ تب بھی اس نے ہلکا سا بھی طنز نہیں کیا کہ وہ اگر چاہے تو
 تمہاری بیٹی کا کتا پراراز فاش کر سکتی ہے۔ لیکن تم کبھی اپنی زبان کا زہر اگھنے سے باز نہیں آئیں۔

اتنا سب کچھ برداشت کرنے کے بعد بھی اگر اس گھر سے اسے طلاق کے کاغذات پکڑائے جاتے ہیں تو اس کا
 حق بنتا ہے کہ وہ جا کر اپنے گھر والوں کو بتائے کہ اس نے کیا کچھ سہا ہے؟ ”ریاض غفار بری طرح طیش میں آچکے
 تھے۔ اتنی زور زور سے چیخ رہے تھے کہ الیان سوتے میں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔“

شگفتہ غفار پر نظر پڑتے ہی الیان کو سکون کا احساس ہوا۔ ورنہ ان کی بے ہوشی کے باعث آنکھ کھلتے ہی وہ تیزی
 سے کمرے سے نکلا تھا اتنا برا دوسرے آیا تھا اس کے دل میں انہیں صحیح سلامت کھڑا دیکھ کر الیان ان کے نزدیک چلا
 گیا اور سانسیت سے پوچھنے لگا۔

”آپ کچھ کھائیں گی؟ آپ نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔“ شگفتہ غفار اس کی آواز پر چونک کر اس کی جانب
 بٹھیں۔ ان کے دل کی حالت تو پہلے ہی بڑی عجیب ہو رہی تھی اس پر ریاض غفار کی باتیں سن کر وہ بالکل ہی روہا سی
 ہو گئی تھیں۔ اب الیان پر نظر پڑتے ہی جیسے ایک گلیشیر پھل گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

”یہ تم نے کیا کیا الیان؟“ الیان نے ان کے قریب آکر انہیں کندھوں سے تھام لیا اور زبردستی انہیں صوفے
 پر بٹھا کر خود بھی ان کے برابر بیٹھ گیا۔

وہ اس ساری صورت حال کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ اسے یقین تھا یہ سب ہوگا۔ بلکہ شگفتہ غفار الیان کو سامنے دیکھ کر روتے روتے جس طرح بریرہ کے مستقبل کی طرف سے فکر مندی کا اظہار کر رہی تھیں۔ ان کے الفاظ تک الیان کی توقع کے عین مطابق تھے۔ لہذا الیان خاموشی سے انہیں سنتا رہا۔ ان کے سارے شک و شبہات کے جواب وہ پہلے ہی دے چکا تھا۔ جب اس نے انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا۔ اس لیے اس وقت کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ اب تو جو ہونے والا تھا اس کا سامنا کرنا تھا۔ تب ہی الیان رسائی سے بولا۔

”جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب ابرار جو بھی کرتا ہے اسے کرنے دیں۔ اس طرح خوف کے سائے میں تو زندگیاں نہیں گزر سکتیں۔ آپ ایسا کریں کچھ دنوں کے لیے ثانی اماں کے پاس گاؤں چلی جائیں۔ اگر ابرار وہاں پہنچتا ہے اور کچھ کہتا ہے تو آپ اسے صاف جھٹلا دیجئے گا کہ اس کی بہن کا گھر نہیں بس سکا تو وہ الیان کی بہن پر تہمت لگا رہا ہے۔ آپ وہاں موجود ہوں گی تو بات کو سنبھال لیں گی۔“

”تمہاری ماں میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ بات کو سنبھال سکے۔ یہ اگر وہاں چلی گئی تو صورت حال اور بگڑ جائے گی۔“ ریاض غفار مٹی سے بولے وہ اس وقت سب سے ناراض تھے۔ شگفتہ غفار نے کچھ خائف ہو کر ان کی جانب دیکھا۔ مگر اس وقت وہ ایسی کسی بحث کی متحمل نہیں تھیں۔ لہذا خاموش رہیں۔ البتہ الیان کہنے لگا۔

”یہاں بیٹھ کر یہ زیادہ پریشان رہیں گی۔ وہاں بریرہ کے پاس جا کر ان کا دل بھی ہل جائے گا اور سارے خدشات بھی ختم ہو جائیں گے۔“ شگفتہ غفار الیان کی بات سے کچھ کچھ متفق تھیں۔ چنانچہ الجھن بھری نظروں سے ریاض غفار کو دیکھنے لگیں جیسے ان سے فیصلہ نہ ہو رہا ہو۔ ریاض غفار ان کا مطلب سمجھتے ہوئے بڑی سے بولے۔

”جس کا جو جی میں آتا ہے کرے۔ میری اجازت اور رائے کی بھلا کیا اہمیت ہے۔“ ریاض غفار یہ کہہ کر کے نہیں بلکہ اٹھ کر چلے گئے۔ الیان ان کی بات پر صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ پھر وہ بھی اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

”صبح ہونے میں کچھ ہی دیر رہ گئی ہے۔ آپ اپنی تیاری کر لیں میں آپ کو خود چھوڑ آؤں گا۔“



”بی بی جی آپ کا گھر آگیا ہے۔“ ڈرائیور کی آواز پر رومیلا کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ صرف ذرا سی نظریں اٹھا کر وہ اپنے اس گھر کو دیکھنے لگی جہاں اس نے اپنی پوری زندگی گزاری تھی۔ لیکن جو پچھلے کچھ ماہ میں اتنا اجنبی ہو گیا تھا کہ لگتا تھا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

ڈرائیور نے گاڑی سے اتر کر اس کی جانب کا دروازہ کھولا اور ڈیگی میں رکھا اس کا سامان نکالنے لگا۔ جب اس نے سامان گیٹ کے سامنے رکھ کر تیل بجا دی۔ تب جیسے رومیلا کے پاس گاڑی سے اترنے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔ وہ اتنے مرے ہوئے قدموں سے چل کر گیٹ تک آئی تھی جیسے کوئی اسے تھکاتے ہوئے لے کر رہا ہو۔

تیل کے جواب میں گیٹ کھولنے ابرار بھائی خود آئے تھے۔ ویسے بھی رات کے کھانے کا وقت بھی گزر چکا تھا۔ اس وقت تو گھر میں سب سونے کی تیاری کر رہے ہوتے تھے۔ حسب توقع ابرار بھائی اسے اتنے بڑے سے بیگ کے ساتھ اس وقت گھر کی دہلیز پر کھڑا دیکھ کر بری طرح چونک اٹھے۔

”اسلام علیکم صاحب سامان اندر رکھ دوں۔“ ڈرائیور نے مودب انداز میں پوچھا۔

”آں۔ ہاں۔ ہاں۔“ ابرار بھائی کچھ حواس باختہ سے انداز میں ایک جانب ہٹ گئے تو ڈرائیور سامان اٹھا کر اندر لے گیا۔ رومیلا نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

ابرار بھائی نے جانے کیسے اس کے اندر داخل ہونے تک خود پر ضبط کیا۔ پھر ڈرائیور کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر

اپنے لیے بولے۔

”ہم۔ اس وقت؟ اچانک؟ سب خبریت تو ہے۔“ اس سے پہلے کہ رومیلا کچھ بولتی ڈرائیور اجازت لیتا ہر کی جانب بڑھ گیا تو ابرار بھائی نے خاصی سختی سے اپنے سوال کو دہرایا۔ رومیلا نے کامن روم میں موجود ایک آرام دہ مہینے پر اپنے وجود کو ایسے گرایا جیسے مزید کھڑے ہونے کی سکت نہ ہو۔ اس کے چہرے کی رنگت بالکل پیلی ہو رہی تھی۔ ہونٹ سوکھ کر ایسے پٹری زدہ ہو رہے تھے۔ جیسے جانے کتنے برسوں سے پیاسی ہو۔

”ہم کچھ بول کیوں نہیں رہیں؟ آخر ہوا کیا ہے؟“ وہ چیخ کر بولے تو رومیلا نے ان کی جانب دیکھے بغیر سست لہجے میں کہا۔

”وہی۔ جو ہونا چاہیے تھا۔“

”کیا ایک رات ہی ہو۔ جلدی سے بتاؤ۔ تم اس طرح اتنی رات گئے کیوں آئی ہو۔ الیان کہاں ہے۔ اتنی رات مجھے تمہیں ڈرائیور کے ساتھ بھیجتے ہوئے اسے شرم نہیں آئی۔“ ابرار بھائی دھاڑ کر بولے۔ مگر رومیلا کے انداز میں وہ برابر فرق نہیں آیا۔ البتہ اس نے ایسے آنکھیں موند لیں۔ جیسے بڑی گہری نیند آرہی ہو۔

”میں کچھ پوچھ رہا ہوں رومیلا۔“ وہ غرائے تو رومیلا بند آنکھوں کے ساتھ بولی۔

”مجھے ایک گلاس پانی تک کے لیے آپ نہیں پوچھ سکتے۔ کبھی آپ کو اپنے اوپر شرم آئی ہے جو آپ دوسروں سے ٹالیں ہیں۔“

”تم۔ تم۔ یہ تم کس طرح بات کر رہی ہو۔“ ابرار بھائی چیخ کر بولے تو رومیلا آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

واقعی اس نے اس لہجے میں ان سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ اگلا جملہ جو اس نے خود کو کہتے سنا تھا وہ خود کبھی تصور نہیں کر سکتی تھی کہ وہ ایسی بات کبھی ان سے کہہ سکے گی۔

”کسی کی بیٹی کو اغوا کرتے وقت جب آپ کو شرم نہیں آئی تو آپ دوسروں سے۔“

”نہاں کو لگام دو رومیلا۔“ ابرار بھائی دانت پیستے ہوئے بہت دھیمی آواز میں بولے۔ ساتھ ہی پلٹ کر ایک نظر اپنے کمرے کے دروازے پر ڈالی۔ انہیں یقیناً ”ڈر تھا کہ کہیں بھابھی رومیلا کی بات نہ سن لیں۔ تب ہی ضبط کر گئے تھے۔ سورنہ انداز بتا رہے تھے جیسے ان کا دل چاہ رہا ہو رومیلا کو کچا کھا جائیں۔

رومیلا خود نہیں چاہتی تھی کہ اس راز کے مزید شراکت دار وجود میں آئیں۔ وہ بھی بھابھی جیسے ہلکے کردار اور نہاں کی حفاظت کرنے سے قاصر لوگ اس حقیقت کو جان کر اس کا ڈھنڈورا پیٹ دیں۔ لہذا وہ اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کرتی بڑے بڑے تپے انداز میں بولی۔

”ان لوگوں نے مجھے نہیں سمجھا ہے۔ میں وہ گھر چھوڑ کر آگئی ہوں۔ میری ہی ضد تھی کہ مجھے ابھی اور اسی وقت ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیا جائے۔“ رومیلا کے دوسرے جملے میں ایک فیصد جھوٹ نہیں تھا۔

شگفتہ غفار کے بے ہوش ہو جانے کے باعث گھر میں ایک دم کھرام مچ گیا۔ الیان بھی اپنے کمرے سے نکل کر باہر آگیا۔ ڈاکٹر کے آنے اور چیک کرنے تک اچھا خاصا وقت صرف ہو گیا تھا۔ شگفتہ غفار کی حالت کی جانب سے انہیں ہونے کے بعد جب اس نے ڈرائیور کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو الیان نے صاف منع کر دیا۔

”اتنی رات گئے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، صبح جانا۔“

”صبح تک ان شاء اللہ آپ کی والدہ کو ہوش آجائے گا اور میں ان کے جاگنے سے پہلے پہلے یہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں۔“

”لیکن ڈرائیور کے ساتھ۔“ الیان نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس نے نہایت دو ٹوک انداز میں بات کاٹ دی۔

”ہاں ڈرائیور کے ساتھ ابھی اور اسی وقت اگر میں لوگوں کے اتنے بڑے فیصلے مان سکتی ہوں تو کم از کم میری اتنی سی بات تو مانی جائے۔“ رو میلہ کے خود سر لہجے پر الیان یک دم خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے مزید کچھ نہیں کہا اور ڈرائیور کے ساتھ اسے بھیج دیا۔

رو میلہ کا اب اس گھر میں دم گھٹ رہا تھا۔ وہ لوگ واقعی بہت شریف لوگ تھے۔ طلاق کا لفظ سننے ہی غلط غفار ہوش و خرد سے گمانے ہو گئیں۔ جب ان کی بیٹی اغوا ہوئی ہوگی تب تو جانے ان پر کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔ اس میں اب مزید ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

سارے راستے وہ ابرار بھائی کے جذباتی اور غصے میں کیے گئے فیصلے پر سوچتی رہی تھی۔ لہذا وہ اب جو بھی بول رہی تھی اس میں غصہ تھا نہ جذبات بلکہ ہر پہلو پر غور کرنے اور سارے نتائج کی طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اسے سارا الزام اپنے سر رکھنا ہے تاکہ ابرار بھائی غصے میں مزید کوئی جذباتی قدم نہ اٹھالیں۔

وہ اس کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ بس تھوڑا سا غصہ کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ بات چیت بند کر سکتے تھے تو طلاق کا داغ لے کر گھر آجانے کی صورت میں ابرار بھائی کو اس کے ساتھ ویسے بھی یہی رویہ روار کھنا تھا۔

کون سا وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر اپنے آپ کو اس کی بریادی کا ذمہ دار مان لیتے انہیں تو الزام اس کے سر پر رکھنا تھا کہ وہ ان لوگوں کے دلوں میں جگہ کیوں نہیں بناسکی تو کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ خود ہی سارا قصور اپنے سر لے لے کم از کم بریرہ کی زندگی برباد ہونے سے تو بچ سکتی تھی۔ کم از کم ابرار بھائی کا غصہ ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے کے لیے تو نہ لکھتا کم از کم وہ اس گھر کے مکینوں کے لیے اتنا تو کر سکتی تھی۔

ابرار بھائی اس کے جملے پر بری طرح تپ گئے اور اچھا خاصا بیچ کر بولے کہ بھابھی اور بابا جانی اپنے کمروں سے بھاگے چلے آئے۔

”بے غیرت“ بے شرم۔ کس قدر دھڑائی سے اپنے بڑے بھائی کے سامنے اپنی خود سری کا اعتراف کر رہی ہو۔ کیا یہی تربیت دی تھی بابا جانی نے نہیں۔“

”جو تربیت آپ کو دی تھی بابا جانی نے وہی مجھے بھی دی تھی۔ میں پھر بھی آپ سے تو بہتر ہوں۔“ قریب تھا کہ ابرار بھائی آگے بڑھ کر اس کو ایک پھٹا پھٹا سید کر دیتے کہ بابا جانی گھبرائے ہوئے ان کے قریب چلے آئے۔

”کیا ہو گیا ابرا۔ رو میلہ تم اس وقت؟“

”بابا جانی۔ میں وہ۔ گھر چھوڑ کر آگئی ہوں۔“ رو میلہ نے پوری کوشش کی اپنے جملے میں لاپرواہی کا عنصر شامل کرنے کی پھر بھی اپنی زبان کو لڑکھانے سے نہ روک سکی۔

”کیا۔“ بھابھی اور بابا جانی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ بابا جانی تو پیٹ پیٹ پیٹ آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے جبکہ بھابھی جملے پیر کی پٹی کی طرح تیز تیز چلتی اس کے سر پر آکھڑی ہوئیں۔

”توبہ۔ توبہ۔ کیا زمانہ آگیا ہے۔ شادی کو چند مہینے نہیں ہوئے اور محترمہ فخریہ بتا رہی ہیں کہ وہ گھر چھوڑ کر آگئی ہیں۔ کیوں بھئی ایسی کیا تکلیف لاحق ہو گئی تھی تمہیں وہاں۔ جس لڑکی کی بارات جو کھٹ سے لوٹ گئی ہو اسے تو اور انکساری کے ساتھ رہنا چاہیے۔ وہ بھی ایسی سسرال میں جس نے بروقت اپنا کر تماشا بننے سے

روک لیا اور یہاں یہ محترمہ جن کا شوہر ہر لحاظ سے اس سے دس گنا بہتر ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ رو میلہ کہیں سے اس کے قابل ہی نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اسے چھوڑ کر آئی۔ میں تو کہتی ہوں فون کر کے پتا کریں ان لوگوں نے خود ہی نکال دیا ہو گا۔“ بھابھی تو سانس لیے بغیر شروع ہو چکی تھیں۔ آخر ابرار بھائی کو زچ ہو کر ٹوکنا پڑا۔

”تم زرا چپ تو ہو جاؤ مجھے بات کرنے دو۔ کیا واقعی تم خود آئی ہو یا ان لوگوں نے نکال دیا۔“

”مجھے کیسے نکال سکتے ہیں۔ الیان کی والدہ تو بے ہوش ہو گئی تھیں میرے فیصلے کا سن کر اور والد میرے آگے کھڑے ہوئے تھے کہ کسی طرح میں اپنا فیصلہ بدل دوں لیکن۔“

”لیکن کیا؟ جب سب ٹھیک ہے تو تم نے گھر کیوں چھوڑ دیا۔“ ابرار بھائی ابھی بھی اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”نہیں گھر نہیں تھا۔ ہاں سب ڈر کر میرا خیال کرتے تھے۔“

”لیکن کرتے تو تھے نا اور کس چیز کی کی تھی تمہیں وہاں۔“ ابرار بھائی ترخ کر بولے۔ رو میلہ نے ایک بار پھر صوفے کی بیک پر سر نکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں جو وہ کہنے کا سوچ رہی تھی۔ اس کے لیے بڑی ہمت کی ضرورت تھی اور وہ اپنی ہمتیں مجتمع کر رہی تھی۔ اسے سننے کے بعد ابرار بھائی الیان اور اس کے گھر والوں سے بدلے لینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہاں البتہ وہ رو میلہ کے ساتھ بہت بری طرح پیش آتے مگر اس کی رو میلہ کو قطعاً پروا نہیں تھی۔ اسی لیے جب وہ بولی تو اس کا لہجہ بڑا ٹھوس تھا۔

”جب انسان کو اپنا شریک حیات ہی پسند نہ ہو تو گھر میں چاہے کسی چیز کی کمی نہ ہو وہاں سکون کبھی میسر نہیں آسکتا۔“

”تم۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔“ بابا جانی کے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ جبکہ بھابھی تنک کر بولیں۔

”انشاء اللہ۔ ساری زندگی گزر گئی قبر میں پاؤں لٹک رہے ہیں۔ لیکن بیٹی کیا کہہ رہی ہے۔ وہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے الیان پسند نہیں آتا پنڈ سم پڑھا لکھا اور رئیس بندہ اگر اسے پسند نہیں تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان کے عین کہیں اور لڑ گئے ہیں۔“

”شٹ اپ!“ ابرار بھائی اتنی بری طرح دھاڑے کہ بھابھی سچ سچ سم گئیں۔ پھر وہ اسی ٹون میں رو میلہ سے مخاطب ہوئے۔

”تم کیا کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔“

”بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے رو میلہ کی آنکھوں کے سامنے صرف بریرہ کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ جس کے دل میں اپنے اجڑنے کا خوف اس قدر تھا کہ اس کے چہرے پر پڑھا جاسکتا تھا۔

”نہ۔ نہ۔ نہ۔“ بابا جانی سکتے میں چلے گئے۔

رو میلہ ان کی جانب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ اس وقت کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اور صرف ایک بابا جانی کا وجود تھا جو اسے کمزور بنا سکتا تھا۔

”تم جھوٹ بول رہی ہو۔ الیان نے تمہیں گھر سے نکال دیا ہے اور تم اسے بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔“ ابرار بھائی چپا کر بولے تو رو میلہ نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔

”میں اسے بچانے کی کوشش کیوں کروں گی۔ میں نے تو زبردستی اس سے طلاق لی ہے۔ وہی دھمکی دے کر جس دھمکی پر آپ نے اسے مجھ سے شادی پر مجبور کیا تھا۔“ رو میلہ کی بات پر ابرار بھائی نے سٹپٹا کر بھابھی کی جانب دیکھا جو لفظ طلاق پر اچھل پڑی تھیں۔ وہ دھمکی والے جملے پر غور ہی نہ کر سکیں۔ جبکہ بابا جانی کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

رو میلہ کو لگا حلقہ غفار کی طرح وہ بھی چکر اکر گر پڑیں گے۔ مگر وہ دم بخود کھڑے رہے تو رو میلہ ان سب کو تیرا پریشان چھوڑ کر صوفے سے اٹھ گئی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ آنکھوں میں اتنا پانی اتر آیا تھا کہ اگر وہ تھوہل رکتی تو اپنی ساری پلاننگ پر خود ہی پانی پھیر دیتی۔ لہذا اس کا ان سب کے سامنے سے فوراً ہٹ جانا سخت ضروری تھا۔

نمل یونورشی سے گھر آئی تو اس کے کانوں میں خرم کی گفتگو کی بازگشت ہو رہی تھی۔ خرم کے سامنے تو اس نے بڑے سکون سے کہہ دیا تھا۔ Who cares جب خرم نے کہا تھا، کہیں عظمت خلیل، نمل کی شکل کسی اور سے ملے نہ کر دیں۔

لیکن خرم کے جاتے ہی یہ خوف کسی اڑوے کی طرح اس کی سوچ سے لپٹ گیا تھا۔ کھانے کی میز پر اس کی خاموشی رشیدہ نے بھی محسوس کر لی۔ مگر ان کے پوچھنے پر وہ انہیں ٹال گئی۔

وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں۔ ان سے اس موضوع پر پہلے ہی بات ہو چکی تھی۔ وہ تو سننے ہی پر مہین ہو گئی تھیں۔ اب بار بار ان کے سامنے یہ ذکر چھیڑنا انہیں بلاوجہ فکر مند کرنے کے برابر تھا۔

شام تک وہ اسی ادھیڑوں میں لگی رہی کہ سنیل کے فون نے اس کی ساری سوچیں منجمد کر دیں۔ نمل کے فون اٹھاتے ہی اس نے فوراً نیوز چینل لگائے کو کہا تھا۔ جس پر نمل نے فورا "نمل کیا اور جو خبر چینل والے کو دیتا کر رہے تھے۔ نمل سن ہوتے دماغ کے ساتھ اسے سن رہی تھی۔

کافی عرصہ پہلے کی بات تھی جب اس کی چوکھٹ پر ایک ٹائمہ ٹائیٹلی دست فریاد لے کر آئی تھی۔ اس کے بھائی حشام کو پولیس انسپکٹر قادر نے بغیر کسی قصور کے گرفتار کر لیا تھا اور اس پر تھروڈ گری ٹاچ کر کے اس سے اقبال جرم کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

عظمت خلیل نے ایسے مظالم برداشت کرنے والے بہت سارے مدھی لوگوں کی مدد کی تھی اور وہ بھی اسی بے نمل کے پاس آئی تھی کہ اس کے والد ضرور کچھ کر سکتے تھے اور انہوں نے واقعی کیا۔ عظمت خلیل نے ناصر ف حشام کو پولیس کی حراست سے باہر نکالا، بلکہ اس انسپکٹر قادر کے خلاف ایکشن لینے پر ڈیپارٹمنٹ کو مجبور کر دیا۔

یہ اور بات تھی کہ اس کے پس پردہ بھی ایک حقیقت تھی۔ جس سے نمل اور دو تین عظمت خلیل کے قریب کے لوگوں کے علاوہ کوئی واقف نہیں تھا۔

عظمت خلیل نے پریس اور میڈیا کی توجہ حاصل کرنے کے لیے جان بوجھ کر اس معاملے کو اتنا طول دیا کہ جس بے جا میں قید وہ بے گناہ کم عمر لڑکا حشام انسپکٹر قادر کے ظلم سستے سستے معذور ہو گیا۔

عظمت خلیل کے ٹرسٹ نے اس کے گھرانے کو کافی سارے پیسے وغیرہ دلوائے تھے۔ اس کے بعد اس کی زندگی میں کیا ہوا یہ جاننے کی کوشش میڈیا اور عظمت خلیل نے تو کیا نمل نے بھی کبھی نہیں کی۔

پیسہ جسم کے اعضاء کی جگہ کبھی نہیں لے سکتا۔ بستر پر بڑے ایک بے کس وجود کو بینک میں روپوں کے ذخیر سے اپنا علاج کرائے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب علاج ہی ممکن نہ ہو تو وہ روپیہ بھی اسے اپنا منہ چڑاتا ہوا لگتا ہے۔ ایسے ہی کسی ذہنی کرب سے گزرتے گزرتے حشام نے آج صبح خودکشی کر کے خود کو ختم کر لیا۔

حشام کے بستر کے قریب ایک ٹیبل لیپ تھا۔ تاکہ وہ رات کے وقت آرام سے پڑھ سکے۔ حشام نے اپنے اور ایک ہاتھ کی چند انگلیوں کے ذریعے (جو تھوڑی بہت حرکت کر سکتی تھیں) ان سے کسی طرح لیپ میں سے بلب نکال کر خود کو کرنٹ لگا کر جسم کر دیا۔

یہ کام اس نے تب کیا جب والدہ اور ٹائمہ گھر پر نہیں تھیں۔ محلہ والوں کا بیان تھا کہ چیخوں اور جلنے کی بدولت انہیں دروازہ توڑ کر گھر میں گھسنے پر مجبور کر دیا۔ مگر تب تک بہت دیر ہو گئی تھی۔

وہ لڑکا جو ٹائمہ اور اس کی بیوہ ماں کے لیے کبھی امیدوں اور کامرائیوں کا مرکز تھا۔ وہ صرف بوجھ اور آنسوؤں کا سبب بن کر رہ گیا تھا۔ لہذا اس کے مایوسیوں میں گھرے وجود نے اس تکلیف کا ایک ہی حل سوچا کہ انہیں ایک بار رلا کر ہمیشہ کے لیے ہر درد سے آزاد کر دوں۔

مگر اسے نہیں پتا تھا کہ اس کی ماں کے لیے بھی یہ صدمہ برداشت کرنا مشکل تھا۔ صدمے کے باعث ان کی

ہاتھ تازگ تھی اور وہ آئی سی یو میں تھیں۔ جبکہ ٹائمہ نے پریس سے بات کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ نمل سانس روکے اس المناک خبر کو سستی چلی گئی۔ اس نے اپنے گھر میں معذوری دیکھی تھی۔ لہذا اسے حشام کی ذہنی اور جذباتی حالت کا بخوبی اندازہ تھا۔ وہ کئی مہینوں سے شدید قسم کے ڈپریشن کا شکار ہو گا۔ مرنے کا خیال

اپنا کھیل میں نہیں آتا۔ یہ خواہش کئی بار ابھر کر سرورز جاتی ہے اور پھر کسی وقت انسان پر حاوی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے گھروالوں کی یہاں تک کہ اپنی آخرت کی بھی پروا رکھے بغیر کسی بھی طریقے سے خود کو ختم کر لیتا ہے۔

اس طرح ایک نوجوان کا معذور ہو کر خودکشی کر لینا کوئی کم تکلیف بات نہیں تھی۔ مگر نمل کی آنکھیں تو اس احساس کے تحت بہہ رہی تھیں کہ حشام کی اس موت کے ذمہ دار انسپکٹر قادر سے زیادہ عظمت خلیل تھے۔

کسی کو مرنے پر مجبور کر دینا بھی ایک طرح کا قتل ہے اور وہ ایک قاتل کی بیٹی ہے۔ یہ احساس اسے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور کر گیا۔ مگر پھر رشیدہ کی وہیل چیئر کی آواز سن کر جلدی سے لی وی آف کر کے ہاتھ روم کی طرف

بہہ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ دل خراش حقیقت رشیدہ کے علم میں آئے، انہیں پتا تو چل ہی جاتا تھا، مگر جتنی دیر وہ چھپا سکتی تھی وہ چھپانا چاہتی تھی۔ البتہ آنکھوں پر ٹھنڈا پانی ڈالتے وقت اس کا دماغ بھٹی کی طرح تپ رہا تھا۔

عظمت خلیل بہت ساری زندگیوں سے کھیلے تھے۔ اپنی شہرت اور نام کے لیے انہوں نے لوگوں کے دکھوں کا اشتہار لگایا تھا۔ بلکہ لوگوں کی زندگی میں مسائل برپا کئے تھے تاکہ جب وہ انہیں حل کریں تو چاروں طرف ان کی واہوا ہو۔ ایسے انسان سے حساب لینا سخت ضروری تھا۔ ورنہ وہ آگے بھی اپنی واہوا کے لیے مدھی لوگوں کو سیڑھی بناتا رہے گا۔



ایمان اور شگفتہ غفار کو اچانک سامنے دیکھ کر بریرہ چند لمحوں کے لیے حیران رہ گئی۔ شگفتہ غفار کے چہرے پر ایسی مسکین اور افسردگی تھی کہ بریرہ ایک پل میں ساری ناراضی بھول کر روڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ شگفتہ غفار کا دل تو دھیس سے بھرا ہوا تھا۔ بریرہ کو روٹا دیکھ کر وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگیں۔ اس منظر کو کچھ دیر تو شاہ جہاں ماموں نے خاموشی سے دیکھا۔ لیکن جب دورانیہ طویل ہونے لگا تب انہیں آگے بڑھ کر دونوں کو ہلکا سا جھڑکتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ کرنا پڑا۔

تب شگفتہ غفار آنکھیں پونچھتی تانی اماں کی جانب بڑھ گئیں۔ وہ بھی آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ بغیر کچھ کے انہوں نے شگفتہ غفار کو سینے سے لگا لیا تو واقعی شگفتہ غفار کی حالت میں ایک دم بہتری آگئی۔ تب ہی کچھ دیر بعد سارے گھر کے مشکوے بھول کر وہ تینوں ممانیوں اور ان کی بیٹیوں کیلئے حاجرہ اور فریدہ کے ساتھ خوش گاہوں میں مصروف ہو گئیں۔

ایک چیز جو شگفتہ غفار نے شدت سے محسوس کی کہ تانی اماں کا رویہ بالکل پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ اگر بریرہ انہیں اپنے اغوا ہونے کی بات بتا چکی تھی تو سب کچھ جاننے کے بعد بیٹی کے اندھیرے میں رکھنے والا کوئی شکایتی انداز ان کی کسی بات سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

ایمان تو کچھ دیر بیٹھ کر واپس شہر لوٹ گیا، جبکہ شگفتہ غفار کا ارادہ کچھ دن قیام کرنے کا تھا۔ اسی لیے تہائی ملنے پر وہ اپنے گھر پر بریرہ سے اپنے جزیے کا ذکر کیا تو بریرہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔

اس لیے کیا دیکھ رہی ہو، اماں کو شک ہو گیا تھا۔ انہوں نے واپس آکر ہمیں کرید تو ہو گا۔ "شگفتہ غفار یقین سے بولیں۔

”یہ ڈر مجھے بھی تھا لیکن انہوں نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یہاں تک کہ مجھے الجھن ہونے لگی کہ خاموش کیوں ہیں تو میں خود ان سے بات کرنے گئی اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہتی کیوں نہیں تو آپ جانتی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کیا کہا؟“ بریرہ بڑے سادہ لہجے میں بول رہی تھی شگفتہ غفار بے چینی سے اسے دیکھتی رہیں تو وہ خود ہی کہنے لگی۔

”جب ہم آپ کے گھر سے جانے کا ارادہ کر کے سامان باندھ رہے تھے۔ انہوں نے تب بھی رومیلا کی برت تعریفیں کی تھیں اور اس کی قدر کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن یہ بات انہوں نے میرے پوچھنے پر اب بتائی کہ رومیلا نے ہاتھ جوڑ کر انہیں خدا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دیا تھا کہ آپ اس بارے میں کبھی کسی سے کچھ نہیں پوچھیں گی اور ثانی اماں کو رومیلا کا مان رکھنے کے لیے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔“ شگفتہ غفار بے یقینی سے بریرہ کو دیکھتی رہیں۔

”میں جانتی ہوں یہ کتنا جتنا آسان ہے اس پر عمل کرنا اتنا مشکل۔ لیکن کوشش کریں کہ اب آپ بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر اس ڈر سے باہر آجائیں کہ یہ راز کبھی کھلے گا۔

ویسے بھی اگر ابرار نے یہ راز کبھی کھول دیا تو پھر وہ ہمیں بلیک میل کیسے کر سکے گا۔ جب تک یہ حقیقت چھپی ہوئی ہے تب ہی تک وہ ہمارے گھر میں ہے جس دن سچ سامنے آگیا وہ دن اس کی بہن کا ہمارے گھر میں آخری دن ہوگا۔“ شگفتہ غفار اتنی کمزور اور بے حال لگ رہی تھیں کہ بریرہ تک انہیں تسلی دینے پر مجبور ہو گئی تھی۔ حالانکہ یہ ڈر تو خود اس کے اندر چھپا ہوا تھا۔

لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی تسلی نے شگفتہ غفار کو اور پریشان کر دیا تھا۔ ان کا چہرہ بالکل زرد پڑنے لگا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ اپنی اتنی بھاری کی باتیں کرتی تھی کو یہ کیسے بتائیں کہ اس کے بھائی نے تو رومیلا کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے۔

”میں جانتی ہوں یہ مشکل ہے۔ لیکن میرا یقین کریں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں اور اگر ہو سکے تو رومیلا کے ساتھ اپنا رویہ تھوڑا بہتر کر لیں۔ رومیلا اتنی بری نہیں ہے۔ کافی سنبھلی ہوئی لڑکی ہے بلکہ اگر غیر جانبدار ہو کر دیکھا جائے تو بھائی کے لیے ہر لحاظ سے بالکل موزوں ہے۔ آپ اپنی نفرت کے پیش نظر زبردستی اس میں چاہے جتنے کیرے نکال لیں۔ مگر سچ یہی ہے کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔

شکل و صورت عادت و اخلاق، تعلیم و تربیت اور یہاں تک کہ معاشی اعتبار سے وہ کسی بھی چیز میں بھائی سے کم نہیں ہے۔ اسے اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے الگ کر کے یا اس کے بھائی کی گھٹیا حرکت کو چھوڑ کر اگر صرف رومیلا کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں حقیقتاً ”بھائی کے لیے بہت اچھی لڑکی مل گئی ہے۔

اور پھر ایک یہ بات بھی دھیان میں رکھیں کہ ابرار نے صرف مجھے اغوا کیا میں مانتی ہوں کہ یہ بھی بہت غلط تھا۔ لیکن ہمیں بھی تو یہ ماننا چاہیے کہ اس نے میرے ساتھ کچھ کیا نہیں۔ اگر وہ کچھ کر لیتا تو بھی ہم اس کا کیا باز لیتے۔

ورنہ مرد کی ہوس کے آئے دن جو واقعات سننے اور پڑھنے کو ملتے ہیں اس کے بعد تو مجھے محرم رشتوں پر سے اعتبار ختم ہونے لگتا ہے۔ پھر میں تو اس کی قید میں ایک بے بس لڑکی تھی۔ لیکن اس کے تو آدمی تنکے نے مجھے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اور صرف میرے کمرے میں کھانا رکھ کر چلا جاتا تھا۔“ بریرہ اپنے طور پر انہیں تسلی دے رہی تھی۔ مگر ان کا تو خون خشک ہو رہا تھا۔

اس کی ایک ایک بات انہیں بالکل ٹھیک لگ رہی تھی۔ ظاہری بات ہے اب ان کا غصہ جو اتر گیا تھا۔ آج تک وہ بھلے ہی غیر جانبدار ہو کر نہیں سوچ سکی تھیں۔ لیکن آج خود ان کا دل اس کی ایک ایک بات کی گواہی دے

ماہنامہ کرن آج وہ بریرہ کو ڈانٹ سکیں نہ اسے جھٹلا سکیں۔ بلکہ مزید فکر مند ہو گئیں کہ ابرار کے پاس بھی بس ایک ہی ڈانٹ ہے اس کی۔ بہن برباد نہ ہو جائے اب جبکہ وہ واقعی ایک بد نما داغ ماتھے پر لے کر اس کی دو کیز پر آگئی ہے تو کیوں نہ یہ حال وہ الیان کی بہن کا بھی کر دے۔

شگفتہ غفار کو اتنی گھبراہٹ ہوئی کہ وہ بریرہ سے یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ اس کی ساری تسلیاں اب بے کار ہو گئی ہیں۔ مگر بریرہ انہیں پہلے سے بہت مطمئن اور بہادر لگ رہی تھی۔ وہ اس کا یہ سکون چھیننے کی ہمت نہ کر سکیں۔ البتہ ان کا رہاسا اطمینان بھی ختم ہو گیا۔

انہوں نے رات کا کھانا بھی کھانے سے انکار کر دیا اور ثانی اماں کے پاس ان کے کمرے میں ہی چلی آئیں۔ وہ مشاعرے فارغ ہو کر سونے کے لیے بستر پر لیٹ چکی تھیں۔ البتہ سوئی نہیں تھیں۔ سونے سے پہلے کی دعائیں دہرا رہنے میں مشغول تھیں۔

شگفتہ غفار کو دیکھ کر ان کے چہرے پر متا بھری مسکراہٹ دوڑ گئی تو وہ ثانی اماں کے برابر میں ہی آکر لیٹ گئیں۔ ثانی اماں دعاؤں سے فارغ ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئیں اور اچھی طرح شگفتہ غفار پر دم کرنے لگیں تو شگفتہ غفار بھی مسکرا رہی۔ ایسا لگا جیسے اچانک وہ اپنے بچپن میں لوٹ آئی ہوں۔

”کتنی کمزور ہو گئی ہو شگفتہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ چہرہ بالکل مرجھا کر رہ گیا ہے۔“ ثانی اماں ٹوکتے ہوئے بولیں۔ شگفتہ غفار نے صرف مسکراتے پر اکتفا کیا تو وہ ان کے کندھے پر ہاتھ کا لگاتے ہوئے بریرہ نے والے انداز میں بولیں۔ ”ساری دنیا کی فضول فکریں ہال رکھی ہیں تو چہرے پر رونق کہاں سے آئے گی۔ صبر شکر سے رہنا سیکھو خود بھی سکون سے رہو گی اور دوسرے بھی خوش رہیں گے۔“ شگفتہ غفار ان کا مطلب بخوبی سمجھ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہیں پھر بہت گھبر گھبر کر بولیں۔

”اماں آپ کی رومیلا سے کیا بات ہوئی ہے؟“ اماں کچھ چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔ پھر اپنے نظریں چرا گئیں جیسے اس موضوع پر بات نہ کرنا چاہ رہی ہوں۔

”کس بارے میں۔“ وہ ٹالتے ہوئے بولیں۔

”اماں آپ جانتی ہیں میں کیا پوچھ رہی ہوں۔“ شگفتہ غفار اٹھ کر بیٹھ گئیں تو ثانی اماں کچھ دیر انہیں دیکھتے رہنے کے بعد نامحانہ انداز میں بولیں۔

”شگفتہ تم رومیلا کے ساتھ بالکل ٹھیک نہیں کر رہیں۔ اتنا تو مجھے یقین ہے کہ یہ شادی تم نے سخت مجبوری کے عالم میں کی ہے۔ یہ کوئی دوستی والا معاملہ نہیں ہے۔ رومیلا نے مجھے بتایا ہے کہ الیان پر کوئی قرض تھا اس کے بھائی کا۔ بس وہی چکانے کے لیے الیان نے یہ شادی کر لی۔

چلو وجہ چاہے جو بھی ہو مگر یہ تو سچ ہے کہ اب وہ تمہاری بہو ہے اور بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس کی قدر کرو۔ آج کل تو ملازم بھی کسی کی اتنی کڑوی کسمپلی نہیں سنتے اور آگے سے پلٹ کر دودھ جواب دیتے ہیں۔ تمہیں بہو اتنی بے زبان مل گئی ہے کہ تم کچھ بھی کہتی رہتی ہو وہ کبھی بد تمیزی کرنا تو درکنار پلٹ کر بولتی بھی نہیں۔

حالانکہ تمہاری بھابھیاں بھی کوئی بری بہو نہیں ہیں۔ بہت اچھی اور عزت کرنے والی ہیں۔ لیکن وہ ایسی اس لیے ہیں کہ میرا مزاج بہت ٹھنڈا ہے ایک انسان خود نظر انداز کر رہا ہو تو دوسرے کے لیے بھی لحاظ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

لیکن تمہارا مزاج بہت سخت ہے۔ تمہارے ساتھ ہر لڑکی ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود رومیلا خود کیمت طریقے سے لے کر تمہارے ساتھ چل رہی ہے۔ اس میں بہت ضبط ہے اور تمہارے ساتھ ایسی ہی لڑکی نہ مل سکتی۔ سو رنہ اگر الیان کی شادی خدا خواستہ آج کی لڑکیوں جیسی کسی لڑکی سے ہو گئی ہوتی خاص طور پر جیسی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ملیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی جیسٹنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، مارل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

تمہارے سرکل میں ہیں تو کب کا تمہارا جینا حرام کر دیتی۔ پھر تم الیان کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں، تمہیں تو اسے سمجھانا چاہیے کہ شادی چاہے جس مجبوری کے تحت بھی کی ہو اب اسے قبول کرنے کی کوشش کرے۔ اسے دوسرے کمرے میں رکھ کر تو وہ اپنی اور اس کی زندگی برباد رہا ہے۔

بیٹے پر چاہے جتنا بھی مان ہو، لیکن اس حقیقت سے کبھی منکر مت ہونا کہ جتنا ان دونوں کے درمیان تناؤ بڑھے گا، اتنا وہ تم سے بھی دور ہوتا جائے گا۔ جب اس کا گھر آنے کا دل ہی نہیں چاہے گا تو وہ تمہارا خیال کرنا بھی چھوڑ دے گا۔ ہو سکتا ہے تب بے زار ہو کر یا تو وہ رو میلہ کو فارغ کر دے گا یا کسی اوٹ پٹانگ لڑکی کو اٹھالائے گا۔ دونوں صورتوں میں تم الیان کو بھی کھو دو گی۔ "شگفتہ غفار ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں تو ثانی اماں کو خاموش ہونا پڑا، ورنہ وہ ابھی اور بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

خود شگفتہ غفار کا دل چاہ رہا تھا کہ ثانی اماں کو بتا دیں۔ ان کے اندازے بالکل درست ہیں۔ الیان نے طلاق جیسا فیصلہ اکیلے اپنے آپ کر لیا اور شگفتہ غفار منع کرتی رہ گئیں۔ مگر وہ اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آیا۔

حالانکہ الیان برا نہیں بہت مان تھا کہ وہ ان کی مرضی کے خلاف بھی نہیں جائے گا اور پھر جب وہ بسن کی پروا کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے تو پھر کل کو واقعی ایسی لڑکی بھی گھرا سکتا ہے جیسی ثانی اماں کہہ رہی تھیں اور اگر وہ ایسا کچھ نہیں بھی کرتا تب بھی اس حقیقت کو تو وہ نہیں جھٹلا سکتی تھیں کہ ان کے مزاج کے ساتھ چلنا واقعی ایک مشکل کام ہے اور ہر لڑکی رو میلہ نہیں ہو سکتی جو ان کی کمزوری سے واقف ہونے کے باوجود انہیں بلیک میل کرنے کی بجائے ہمیشہ خاموش رہی یہاں تک کہ ثانی اماں تک کو خاموش رہنے پر تیار کر لیا۔

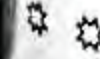
ثانی اماں کی باتیں انہیں احساس جرم میں مبتلا کرنے لگیں، تو وہ جیسے غمخیز کو چپ کرانے کے لیے گلا کھنکھارتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اب وہ اتنی بھی اچھی نہیں ہے، جتنا آپ سمجھ رہی ہیں اس کی شادی عین مندی والے دن ٹوٹی ہے، کوئی تو عیب دکھا ہو گا کہ لڑکے نے۔"

"یہ ساری بات رو میلہ مجھے خود بتا چکی ہے۔ ہو جاتا ہے بعض اوقات دھوکا۔ انسان غلط فیصلہ کر لیتا ہے اگر میں رو میلہ سے ملی نہ ہوتی تو میں بھی یہی سوچتی کہ ضرور لڑکی میں کوئی عیب ہے، لیکن رو میلہ کو جاننے کے بعد "ٹھیک ہے، میں بھی مان لیتی ہوں۔ رو میلہ اچھی لڑکی ہے لیکن اس کے بھائی نے جو کیا ہے اس کے بعد میں اسے کیسے ہو مان لوں۔" آخر شگفتہ کی برداشت جواب دے گئی۔

اتنی دیر سے وہ رو میلہ کی تعریف سن رہی تھیں اور انہیں جھٹلا نہیں پا رہی تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وہ اپنی برائی مان لیتیں۔ خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے آخر انہیں یہ بتانا ہی تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اس وقت ان کے ذہن کا کوئی کونا مستقل چلا رہا تھا کہ بریرہ اور الیان ہمیشہ کہتے تھے ابرا کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، اگر یہ راز فاش ہو تو آپ خود کریں گی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)



فوزیہ یاسمین

دستِ گریز

فوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر فوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سکیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں منج کے لیے کمرہ دیتا ہے۔

فوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سرہیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

۴۳
ستالیویں قسط



ثانی اماں کچھ ٹھٹک کر شگفتہ غفار کو دیکھنے لگیں انہوں نے جس طرح رومیہ کے بھائی کا ذکر نفرت سے کیا تھا اسے سن کر ثانی اماں کو پہلے ہی کسی بہت بری اطلاع ملنے کا یقین ہو گیا وہ پوری توجہ سے شگفتہ غفار کے ایک ایک انداز کا مشاہدہ کرنے لگیں جو ایسے بول رہی تھیں جیسے لوہے کے پنے چبا رہی ہوں۔

”ابراہیم نے ہم سب کو جیتے جی مار دیا اس نے بریرہ کو شادی سے دو دن پہلے پارلر سے اغوا کر لیا تھا۔“

”کیا؟“ ثانی اماں جو بڑے غور سے انہیں سن رہی تھیں ایک دم اچھل پڑیں شگفتہ غفار ان کا رد عمل دیکھ کر ذرا سا ہچکچاتی تھیں پھر تنک کر کہنے لگیں۔

”جی ہاں۔ سب مجھے سمجھاتے رہتے ہیں رومیہ کے ساتھ بہتر طریقے سے پیش آؤ کوئی مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کرنا کہ میرے اوپر کیا بیت رہی ہے۔“

میری بیٹی دو دن بعد دہن بننے والی تھی اور کسی اجنبی انجان شخص نے اسے کڈنیپ کر لیا اور فون کر کے تعاون کے طور پر میرے بیٹے کو پکڑ لیا ہوا تھا میں نے اسے بر مجبور کیا تو بھلا میں وہ شادی خوشی خوشی کیسے کر سکتی ہوں اور اس لڑکی کو بطور سوکسے قبول کر سکتی ہوں۔“ شگفتہ غفار ٹھٹک کر بولیں۔

ثانی اماں پھٹی پھٹی آنکھوں سے شگفتہ غفار کو دیکھتی چلی گئیں۔

”یقین نہیں آ رہا۔ بریرہ تو آج آپ کے سامنے ہے اور صحیح سلامت ہے ذرا اس وقت کا سوچیں جب وہ پارلر کے لیے نکلی اور گھر نہیں آئی بلکہ کافی دیر بعد ایک فون آیا کہ آپ کی بیٹی اغوا ہو گئی ہے۔“

مجھے جب یہ پتا چلا کہ بریرہ نہیں مل رہی میں تو تب ہی بے ہوش ہو کر ہسپتال میں داخل ہو گئی تھی مجھے تو بہت بعد میں پتا چلا ہے کہ بریرہ کو باقاعدہ پلان بنا کر اغوا کیا گیا ہے۔“ شگفتہ غفار کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام تکلیفیں کسی فلم کی طرح چلنے لگیں تو ان کی آواز رندھ گئی وہ تھوڑا توقف کرنے رکیں تو ثانی اماں کا پتہ لے لیں۔

”اتنا کچھ ہو۔ ہو گیا اور تم نے ہمیں بتایا تک نہیں۔“

”کیسے بتائی بریرہ کی شادی سر پر تھی۔ بھائی جان کو معلوم ہو جاتا تو وہ لوگ تو رشہ ہی ختم کر دیتے اتنی بدنامی میں کیسے برداشت کرتی اس وقت ابراہیم نے بریرہ کو آزاد کرنے کی یہی شرط رکھی تھی کہ اس کی بہن سے الیان دو دن کے اندر اندر شادی کر لے اور کسی کو اپنے ساتھ لائے بھی نہیں بس میں اور ریاض اس کے ساتھ بارات میں آئیں۔“ شگفتہ غفار بے بسی سے بولیں۔

ثانی اماں ششدر سی انہیں دیکھے جارہی تھیں ان کے لیے یہ صدمہ برداشت کرنا آسان نہیں تھا شگفتہ غفار نے انہیں سکتے میں دیکھ کر تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

”اللہ کا شکر ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بریرہ کا دامن داغ دار نہیں ہوا ابراہیم نے اسے عزت کے ساتھ واپس بھیج دیا مگر ظاہری بات ہے بریرہ کا اغوا ہونا کوئی چھوٹی بات نہیں کہ میں اسے بھول کر رومیہ کو ہنسی خوشی قبول کروں۔“ شگفتہ غفار نے اپنی صفائی دی تو ثانی اماں نے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں شگفتہ غفار بے اختیار ان کے سینے سے لگ کر خود بھی ان کے ساتھ رونے لگیں۔

کتنی دیر وہ دونوں ماں بیٹی آنسو بہاتے رہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے ایک دوسرے کو تسلی بھی دیتے رہے۔

کافی دیر بعد جب دونوں کا غبار نکل گیا۔ شگفتہ غفار نے اٹھ کر ثانی اماں کے لیے پانی نکالا جسے پی کر ثانی اماں ہلکا سا بھرتے ہوئے بولیں۔

”سچ بہت کڑوا ہوتا ہے شگفتہ۔ میں تو ماں ہوں میں نے تو تمہارے کہے پر یقین کر لیا کہ بریرہ جیسی گنی تھی ویسی ہی آگنی لیکن حلد اور یہاں تک کہ تمہارا اپنا سا گھائی بھی تمہاری اس بات پر کبھی یقین نہیں کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ اس راز کو ہمیشہ راز ہی رکھے ورنہ اول تو حامد اسے بھی بھی اپنے ساتھ نہیں رکھے گا اور بالفرض اگر وہ رکھ بھی لیتا ہے تب بھی تمہاری بھابی اسے طعنے مارا کر اس کا جینا حرام کر دے گی۔“ شگفتہ غفار اس حقیقت

سے واقف تھیں پھر بھی یہ بات اماں کے منہ سے سن کر وہ نئے سرے سے فکر مند ہو گئیں۔

ان کے چہرے پر نفرات کا جال پھیلا دیکھ کر ثانی اماں ناصحانہ انداز میں کہنے لگیں۔

”میں تمہیں ڈرا نہیں رہی صرف احساس دلانا ہی ہوں کہ اس راز پر وہ بڑا رونا کتنا ضروری ہے۔“

کیونکہ تم تو بڑی نا سنجھی کا مظاہرہ کرتی رہی ہو اگر رومیہ کا بھائی اتنا خطرناک ہے وہ ایک دفعہ بریرہ کو اغوا کر کے اپنا مطالبہ منوا سکتا ہے تو اس حقیقت سے پرہ ہٹا کر وہ تم لوگوں کے رومیہ کے ساتھ ناروا سلوک کا بدلہ بھی لے سکتا ہے۔“

کیونکہ ایک بات تو طے ہے کہ وہ ایک خود غرض انسان ہے اس نے الیان کے ساتھ رومیہ کی شادی بہن کا گھر بنانے کے لیے نہیں کی بلکہ اس کی شادی ٹوٹ گئی تھی لہذا شخص اپنی انا کی تسکین کے لیے اسی وقت اس کی شادی کر دی۔ جس دن اس کی شادی ہونا طے ہوئی تھی۔

اس لیے اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا کہ اس زبردستی کی شادی کے نتیجے میں اس کی بہن تو دل کر رہ جائے گی اسے اپنے گھر میں ناعزت ملے گی نہ محبت ملے گی اور نہ ہی تحفظ کا احساس ملے گا۔

پھر بھی اس نے اپنی جان چھڑانے کے لیے یہ شادی کر ڈالی اب اگر تم لوگ اس کے ساتھ برا سلوک کرتے ہو یا جو بھی کرتے ہو وہ یقیناً اپنے گھر میں نہیں بتائی تب ہی اس کا بھائی خاموشی سے بیٹھا ہوا ہے۔

ورنہ وہ اس بات کی پروا کئے بغیر کہ اس کی بہن کا گھر بھی بریرہ کے گھر کے ساتھ اجڑ جائے گا وہ بریرہ کو برباد کرنے کے لیے اس راز کو اب تک کھول چکا ہوا۔“ ثانی اماں کہتی چلی گئیں شگفتہ غفار نہ چاہتے ہوئے بھی بڑے غور سے انہیں سنتی رہیں اسی لیے جب وہ خاموش ہوئیں تو شگفتہ غفار ایسے بولیں جیسے نیند میں بول رہی ہوں۔

”ہاں یہ یقین تو مجھے بھی ہے کہ وہ اپنے گھر میں کچھ نہیں بتائی تھی ورنہ اس کا بھائی بلیک میل کرنے کے لیے کم از کم فون کر کے تو ضرور ڈراتا۔“

اب پتا نہیں وہ کیا کرے گا۔“ شگفتہ غفار گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔

”اگر تم سمجھداری سے کام لو تو اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح تم نے رومیہ کے متعلق اپنی دوستوں سے باتیں کی تھیں وہ بہت ہی نازیبا حرکت تھی اور اب یہ جاننے کے بعد کہ یہ شادی کن حالات میں ہوئی ہے میں تو صاف کہوں گی تم نے حماقت کی حد کر دی تھی۔“

اللہ کا شکر ادا کرو کہ رومیہ میں اتنا ضبط ہے جو وہ اتنی بے عزتی برداشت کر گئی ورنہ لڑکیاں تو ذرا سی سسرال میں تکلیف پہنچتی ہے تو ایسے بوجھاڑا کرتا ہے کہ میں میکے میں جیسے دنیا میں ان سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں۔“

لیکن تم اس کی خاموشی کو اس کی کمزوری نہیں سمجھو ویسے بھی کسی کے صبر کو آزمانا اچھی بات نہیں۔ اگر تم بار بار اس طرح کرو گی تو ہو سکتا ہے وہ بھی کسی دن اپنے گھر میں سب بتا دے بھلے ہی بعد میں اسے بھی افسوس ہو اپنی جلد بازی پر۔ لیکن اس وقت اس کا اور تمہارا دونوں کا چھٹانا بے کار ہو جائے گا۔

ابراہیم سے مجھے تو کسی بھلائی کی امید نہیں اگر تمہیں بریرہ کی خوشیاں عزیز ہیں تو تمہیں رومیہ کو ساری زندگی برداشت کرنا ہو گا۔ ویسے بھی اس کے بھائی نے چاہے جو بھی کیا ہو رومیہ میں تو کوئی برائی نہیں ہے نا۔

مجھے تو وہ بھی بہت پسند ہے تم اپنے دل میں اس کے لیے تھوڑی گنجائش نکالو تو تمہیں احساس ہو گا اس کے بھائی کے لیے کی سزا اسے دے کر تم سکون میں ہو اور نہ وہ تمہارا واسطہ تو رومیہ سے ہے کیوں اس کے بھائی کی وجہ سے اپنے گھر کا سکون غارت کر رہی ہو۔ الیان کے بارے میں سوچو گھر کے اس ماحول کی وجہ سے اسے کتنی ذہنی اذیت ہوتی ہوگی۔

وہ تو دہرے عذاب سے گزر رہا ہے جس شخص نے اس کی بہن کو اغوا کیا وہ اسی کی بہن کو اپنی عزت بتا لایا ہے اور اس پر تمہارا بار بار گھر میں کسی نہ کسی بات کو لے کر فحشہ کرنا۔ اگر اس نے عیسے میں کسی دن کوئی انتہائی قدم اٹھا لیا تو سب سے زیادہ نقصان تمہیں ہی برداشت کرنا پڑے گا۔“ ثانی اماں اپنے مخصوص ٹھنڈے محبت بھرے

ٹھٹھے لہجے میں بول رہی تھیں۔

ان کی بات ختم ہونے تک شگفتہ غفار کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔
 ”وہ انتہائی قدم الیان اٹھا چکا ہے۔“ شگفتہ غفار کا لہجہ خود بخود تلخ ہو گیا۔
 ”کیا مطلب؟“ نالی اماں سمجھ نہ سکیں۔
 ”الیان نے رو میلہ کو طلاق دے دی ہے۔“
 ”کیا؟“ نالی اماں چیخ پڑیں۔

”یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو شگفتہ۔“ ان کی آواز پھٹ گئی تھی انہوں نے بے اختیار شگفتہ غفار کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

”میں نے اسے سمجھایا تھا۔ اسے بہت منع کیا تھا بریرہ کی عزت کی دہائیاں دی تھیں لیکن اس نے میری ایکسہ سنی۔“ شگفتہ غفار ایک بار پھر رونے لگیں۔
 مگر اس بار نالی اماں کو ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہوئی وہ ان کے کندھے پر دو ہتھڑا مارتے ہوئے ماتم کرنے والے انداز میں بولیں۔

”یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے تم نے کیا خاک سمجھایا ہو گا اسے۔ یہ نوبت تمہاری قینچی جیسی زبان کی وجہ سے ہی آئی ہے کہ الیان نے تمہاری سنی نہیں۔
 براغور تھانا تمہیں کہ تمہاری مرضی کے بغیر وہ سانس بھی نہیں لے سکتا۔

پائے اللہ یہ سب دیکھتے سے پہلے میں مر چوں نہیں گئی۔ کب ہوا ہے یہ سب کتنے دن ہو گئے؟“
 ”کل رات ہی رو میلہ اپنے گھر واپس چلی گئی ہے اب تک تو اس نے اپنے گھر میں بھی بتا دیا ہو گا۔“ شگفتہ غفار کی بات پر نالی اماں رونادھونا بھول کر خوفزدہ انداز میں شگفتہ غفار کو دیکھنے لگیں۔
 شگفتہ غفار کا اپنا دل تب سے سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا اب نالی اماں کی آنکھوں میں بھی وہی خوف دیکھ کر وہ بری طرح ہراساں ہو گئیں۔

”تب سے میری جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے میں مانتی ہوں الیان نے یہ سب میرے رویے سے تنگ آ کر کیا ہے لیکن مجھ سے غلطی ہوئی تھی سو ہو گئی اب بھلا میں کیا کر سکتی ہوں۔“
 ”کیا کر سکتی ہو۔“ نالی اماں بگڑ کر بولیں۔

”اگر تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو نا تو تمہیں بریرہ کی زندگی کی پروا ہوتی تو کل رو میلہ کے اپنے گھر چلے جانے کے بعد تم منہ اٹھا کر یہاں نہیں آ جاتیں بلکہ اس کے گھر جاتیں اس کے والد اور بھائی سے بات کرنے ان سے معافی مانگنے اور انہیں سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ ان کا غصہ بھرنے کی بجائے ٹھنڈا ہو جائے۔
 ہو سکتا ہے تمہارے منت سماجت کرنے سے اس کے بھائی کا دل سوج جاتا لیکن تم۔۔۔ تم وہ عورت ہی نہیں ہو جو گھر بسانے اور اپنے ارد گرد سب کو خوش رکھنے کے لیے اپنی انا کو مار سکے۔

تم یہاں بیٹھو اور دیکھو کہ ابرار کیا قدم اٹھاتا ہے اور بریرہ پر کیا گزرتی ہے میں ابھی اور اسی وقت شہر کے لیے نکل رہی ہوں۔“ نالی اماں ایک دم بستر سے اتر آئیں۔
 ”اس وقت۔“ شگفتہ غفار حیرانی سے بولیں۔

”جب انسان کے دل و دماغ میں آگ لگی ہو تو وہ وقت نہیں دیکھتا اور تمہارے شہر میں تو اس وقت سویرا مانا جاتا ہے۔ ابھی ننگوں کی تو صبح تک پہنچ سکو گئی۔

مجھے فوراً رو میلہ سے ملنا ہے پتا نہیں اس بچی کی قسمت میں کیا لکھا ہے پہلے شادی ہوتے ہوتے رک گئی اور اب شادی ہو کر اتنی کم مدت میں لوٹ گئی۔

اپنے طور پر تو اس نے تم لوگوں کا بھرم رکھنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن کچھ لوگوں کے نصیب میں آزمائشیں زیادہ ہوتی ہیں۔“ پاؤں میں چپل اڑتے ہوئے نالی اماں ایک سالس میں بولے گئیں کبھی ان کا لہجہ گلو گیر ہو جاتا تو کبھی انہیں طیش آنے لگتا۔

”لیکن اماں آپ اس وقت کیسے نکلیں گی؟“ شگفتہ غفار حیران پریشان سی بولیں۔
 ”کہہ دوں گی رو میلہ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اسے دیکھنے جا رہی ہوں ویسے بھی جو ہو چکا ہے اسے کتنے دن چھاؤ گی۔ ایک دن تو گھر میں سب کو پتا چلنا ہی ہے۔ اور واقعی جب باہر نکل کر انہوں نے رو میلہ کی طبیعت خرابی کا ذکر کیا تو کسی نے بھی ان کے جانے پر اعتراض یا حیرانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ممانی جان نے انہیں فوراً جانے کا مشورہ دیتے اپنے چلنے کی خواہش کا بھی اظہار کر دیا۔

لیکن نالی اماں اس وقت انہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتی تھیں انہوں نے بڑی خوب صورتی سے انہیں فی الحال یہیں رکھنے کا کہہ کر ٹال دیا اس کا غدار انہوں نے یہ دیا کہ اب وہ بریرہ کی ساس ہیں ان کے جانے سے شگفتہ خواہ مخواہ کی مہمانداری میں لگ جائے گی جس پر رو میلہ کو بھی طبیعت خراب ہونے کے باوجود اٹھنا پڑے گا۔

یہ ایک نہایت معقول بہانہ تھا جس پر وہ فوراً خاموش ہو گئیں اور نالی اماں اور شگفتہ غفار ڈر آسور کے ساتھ اسی وقت نکل گئیں جب وہ دونوں گھر پہنچیں تو صبح ہو چکی تھی ریاض غفار اور الیان دونوں آفس جا چکے تھے۔
 شگفتہ غفار چاہ رہی تھیں کہ نالی اماں نے ابھی اتنا لبا سفر کیا ہے وہ کچھ دیر سستائیں پھر ظہر کے وقت رو میلہ کے گھر جانے کے لیے نکلیں گے مگر نالی اماں اس کے لیے تیار نہ ہوئیں۔

انہوں نے ہاتھ منہ دھو کر صرف کپڑے بدلے اور ایک کپ چائے تک پیے بغیر رو میلہ کے گھر پہنچ گئیں۔
 ان کے گھر کے دروازے کی کھنٹی بجاتے وقت شگفتہ غفار کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

انہیں اپنا یہاں آنا قطعی مناسب نہیں لگ رہا تھا وہ بھی الیان اور ریاض غفار کے علم میں لائے بغیر۔ مگر نالی اماں نے انہیں مطلع کرنے سے سختی سے منع کر دیا تھا اور اس وقت وہ ان کے سامنے کچھ مجرمانہ احساسات کا شکار ہونے کے باعث بالکل بخت اور تکرار نہ کر سکیں۔

مگر رو میلہ کے گھر میں داخل ہوتے وقت ان کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے حالانکہ نالی اماں نے انہیں تسلی دی تھی کہ اس وقت ابرار گھر پر نہیں ہو گا ہم رو میلہ کے والد سے مل لیں گے ایک دفعہ ان سے بات کر چکے ہوں گے تو پھر ابرار سے دوبار بات کرنے کی بجائے فون پر معافی تلانی کر لیتا زیادہ آسان ہو گا۔

شگفتہ غفار خود ابرار کا سامنا کرنے سے کتر رہی تھیں لہذا انہیں یہ تجویز بڑی تسلی بخش محسوس ہوئی ملازم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا تو شگفتہ غفار گھبراہٹی ہوئی آواز میں بولیں۔

”آپ نے تو سیدھا رو میلہ کے والد کو بلا لیا پہلے اس کی بھابھی کو بلا کر ان سے بات کر لینی چاہیے تھی عورتوں سے بات کرنا پھر بھی آسان ہوتا ہے۔“

”بزرگوں کے ہوتے ہوئے بچوں سے بات کرنا آسان چاہے جتنا بھی ہو مناسب قطعاً نہیں ہے۔“ نالی اماں کچھ بڑھ رہی تھیں مگر شگفتہ کے ہوائیاں اڑتے چہرے کو دیکھ کر رک کر دھیمی آواز میں بولیں اور پھر دعائیں پڑھنے میں مشغول ہو گئیں شگفتہ غفار صرف انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا کہ رو میلہ کے بابا ملازم کے اطلاع دینے پر حواس باختہ سے ڈرائنگ روم میں چلے آئے تھے ان پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں کھڑی ہو گئیں شگفتہ غفار نے فوراً ”سلام کیا تو انہوں نے گھبرائے ہوئے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”آپ۔۔۔ بیٹھیں نا۔ آپ اس وقت اچانک ان سے جیسے بولا نہیں جا رہا تھا۔
 ”میں الیان کی نالی ہوں۔“ نالی اماں نے کہنا شروع کیا۔

”جی۔ جی میں نے پہچان لیا ہے آپ تو گاؤں میں ہوتی ہیں نا۔“ بابا جانی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 ”جی ہاں کل شگفتہ میرے پاس آئی تھی تو ہم رات میں ہی شہر جانے کے لیے نکل گئے تھے بس سامان شگفتہ کے گھر پر رکھ کر میں سدا آپ کے پاس ہی آ رہی ہوں۔“ نالی اماں نے تمہید باندھنے والے انداز میں کہا جبکہ آگے کی بات کہنے کے لیے انہیں تھوڑا توقف کرنا پڑا تھا۔ جبکہ فیاض صاحب آئیے خطر کھڑے تھے جیسے آگے کی بات جاننے کے لیے بہت بے چین ہوں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ان کی منتظر نظروں کو دیکھتے ہوئے ثانی اماں نے کہنا شروع کیا۔
”اصل میں میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں۔ مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے جو اس سانحہ پر میری دھک کو بیان کر سکیں۔“
”آپ کو دکھ ہے اس سانحہ پر۔“ اچانک ایک عورت کی آواز پر ثانی اماں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا وہاں رومیلا کی بھابھی کو استادہ دیکھ کر وہ شگفتہ غفار کو دیکھنے لگیں۔
بھابھی کے صرف ایک جملے نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ ان سے بات کرنے سے زیادہ آسان اور مناسب تھا رومیلا کے والد فیاض صاحب سے بات کرنا۔
ثانی اماں کو خاموش دیکھ کر بھابھی ان دونوں کے قریب چلی آئیں۔
”کیسی لڑکی سے جان چھوٹ جانے پر شکر کرنے کی بجائے آپ یہاں اس سانحہ پر دکھ کا اظہار کرنے آئی ہیں۔ کمال ہے آپ لوگوں کی شرافت پر۔“ بھابھی کا لہجہ نہایت طنزیہ تھا۔
فیاض صاحب گہری سانس کھینچتے ہوئے ایسے ادھر ادھر دیکھنے لگے جیسے بہو کے آجانے پر انہیں شدید کوفت ہو رہی ہو۔
”دکھ تو ہمیں ہونا چاہیے ایک تو پہلے ہی اس لڑکی سے جان نہیں چھوٹ رہی تھی خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے اس کے لیے ایک رشتہ ملا مگر وہ لڑکا بھی شادی سے دو دن پہلے اس منحوس کو دھتکار کر چلا گیا۔“ بھابھی زہر خند لہجے میں بول رہی تھیں۔
جب سے انہیں پتا چلا تھا رومیلا پھر سے ان کے سینے پر مونگ دھرنے آگئی ہے ان کا خون کھول رہا تھا وہ بات بات پر کانٹے کو دوڑ رہی تھیں اور اس وقت تو جیسے انہیں جملے دل کے پھپھولے پھوٹنے کا بڑا نادر موقع مل گیا تھا۔
”جس لڑکی کی شادی دو دن پہلے ٹوٹ جائے اسے بھلا کون قبول کرتا ہے لیکن اس کے باوجود میرے شوہر نے دو دن کے اندر اندر نہ صرف اس کی شادی کرادی بلکہ اتنا بہترین لڑکا اس کے لیے ڈھونڈ لیا جس کے وہ قائل ہی نہیں تھے۔“
مگر لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ کچھ لوگ اتنے منحوس ہوتے ہیں کہ وہ صرف دوسروں کو تکلیف دینے کے لیے ہی دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔
”بہو بس کرو۔“ بیبا جانی سے برواشت نہیں ہوا جس طرح وہ رومیلا کو موضوع گفتگو بنا کر چبا چبا کر بول رہی تھیں۔
لیکن سر کے ٹوکنے پر انہیں پتہ لگ گئے وہ ایک دم تنک کر بولیں۔
”ارے میں کیا بس کر دوں۔ ذرا ان لوگوں کی شرافت دیکھیں ایک تو اتنے بڑے وقت میں ان لوگوں نے شادی کی ہامی بھری اسے عزت کے ساتھ بیاہ کر لے گئے اور اب جبکہ طلاق ہو گئی ہے تب بھی شامی ہونے کی بجائے شرمندہ ہو کر افسوس کرنے آئے ہیں۔“
بھلا آپ نے بھی سنا ہے کہ بہو کو طلاق دے کر ساس اور دادی ساس بہو کو کونے اور اس کے گھر والوں کو گالیاں دینے کی بجائے ان کا دکھ بانٹنے چلے آ رہے ہوں یہ ان لوگوں کی شرافت کی انتہا ہے۔
اور ایک آپ کی بیٹی ہے جو طلاق جیسا بد نما داغ لے کر بھی ایسے دندنائی ہوئی آئی ہے جیسے ہماری چوکھٹ پر آکر ہم پر کوئی احسان کیا ہو۔
یہ اس کی بے غیرتی کی انتہا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔“ ثانی اماں اور شگفتہ غفار مجبور کھڑی ان کی گفتگو اور توہین آمیز انداز کو ملاحظہ فرما رہی تھیں۔
بھلے ہی ان کی ملاقات رومیلا کی بھابھی سے بہت کم ہوئی تھی۔ وہ ان کے مزاج اور عادت کو سمجھنے کے دعوے دار نہیں تھے لیکن وہ اتنی بد زبان اور بد تمیز ہوں گی یہ انہیں قطعی امید نہیں تھی۔
ثانی اماں کو پہلے ہی رومیلا کے ساتھ ہوئی زیادتی پر افسوس تھا اب اس کی بھابھی کا اتنا برا رویہ دیکھ کر تو جیسے

انہیں دلی صدمہ ہوا تھا وہ خود کو روک نہ سکیں اور رو میلہ کی حمایت میں بے ساختہ بول اٹھیں۔
”ایسے مت کہو بیٹی۔ ایک لڑکی جو پہلے ہی اتنے بڑے صدمے سے گزر رہی ہو اس کے دکھ کو بانٹنے کی بجائے

”یہ آپ کون سے زمانے کی باتیں کر رہی ہیں اگر آپ کی کوئی بیٹی آپ کی عزت کو مٹی میں ملا کر آپ کی دہلیز پر واپس آجیتے تو کیا آپ اسے پچکاریں گی یا اس پر تھو تھو کریں گی۔“ بھابھی نے جلد سے لہجے میں تالی اماں کی بات کاٹ دی۔

شگفتہ غفار رو لے ہی بریرہ کی وجہ سے ذہنی عذاب سے گزر رہی تھیں بھابھی کا ایسی مثال دینے پر تو ان کا دل ہی دھلا وہ بے ساختہ بولیں۔

”اللہ نہ کرے جو ہم میں سے کبھی کسی پر یہ وقت آئے سب کی بیٹیاں اپنے گھروں میں آباد رہیں۔
ہمارا ایسا یہ ہے کہ ہم دوسروں کی عزت کا خیال نہیں کرتے مگر چاہتے ہیں کہ ہماری عزت بنی رہے ابراہار نے جب۔“ شگفتہ غفار کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ رو میلہ تیزی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

”ارے آپ لوگ! اتنی صبح صبح یہاں؟“

رو میلہ پر نظر پڑتے ہی ثانی اماں اور شگفتہ غفار دونوں چونک اٹھیں شگفتہ غفار چور نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگیں وہ گھر کے عام سے حلے میں تھی البتہ اس کی آنکھیں صاف چغلی کھا رہی تھیں اس کے تسلسل سے جاگنے اور رونے کی۔

جبکہ ثانی اماں کو رو میلہ کی مداخلت پر صاف محسوس ہوا جیسے وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی ساری گفتگو سن رہی تھی اور شگفتہ غفار کی بات پوری نہ ہو محض اس لیے وہ کمرے میں بولتی ہوئی آئی تھی ورنہ قدرتی سی بات ہے اس وقت ثانی اماں اور شگفتہ غفار کا سامنا کرنا اس کے لیے بھی آسان نہیں تھا۔

”ثانی اماں آپ گاؤں سے کب آئیں سب خیریت تو ہے نا؟“ رو میلہ کچھ متفکر لگ رہی تھی خود بخود ثانی اماں کو لمحے کے ہزاروں حصے میں احساس ہو گیا کہ وہ بریرہ کے لیے فکر مند ہو رہی ہے۔
ثانی اماں کا دل بھر آیا انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر رو میلہ کو گلے لگا لیا۔

ڈرائنگ روم میں جیسے ایک دم سناٹا چھا گیا بھابھی رو میلہ کے آنے پر ابھی اعتراض کرنا ہی چاہتی تھیں کہ ثانی اماں کے اس محبت بھرے مظاہرے نے انہیں انگلی دانتوں تلے دبائے پر مجبور کر دیا۔

پوتے نے جس ہو کو طلاق دے دی تھی دادی ساس کے دل میں اس کے لیے ایسی دالمانہ محبت انہیں کسی چینل کے ٹی وی ڈرامے کا کوئی سین لگ رہا تھا وہ اس خلوص کے پیچھے کوئی مقصد تلاشنے اور اس کا پس منظر سمجھنے کے لیے ان کے چہروں کو ٹٹولنے لگیں۔

ثانی اماں کے چہرے پر گہرے دکھ کے سوا اور کچھ نہیں تھا رو میلہ ان کی محبت پر آبدیدہ ہونے کے باوجود کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی وہ بڑی بہادری سے ان کی کمر تنہیک رہی تھی جبکہ شگفتہ غفار کے چہرے پر شرمندگی زیادہ نمایاں تھی ایسا لگ رہا تھا وہ دکھ سے زیادہ احساس جرم میں مبتلا ہیں۔ بابا جانی تک اس منظر پر حیران حیران سے انہیں دیکھ رہے تھے آخر ثانی اماں کی گلوگیر آواز نے خاموشی کو توڑا۔

”مجھے شگفتہ نے سب بتا دیا ہے۔“ رو میلہ ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہو گئی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے تو انہیں دیکھتی رہی جیسے ان کے چہرے سے اخذ کرنا چاہ رہی ہو کہ وہ کیا بات کر رہی ہیں اور کس کے متعلق کر رہی ہیں اور جب اسے یقین ہو گیا کہ جو وہ سمجھ رہی ہے وہ صحیح ہے تب وہ بے بسی سے شگفتہ غفار کو دیکھنے لگی جو اس

سے نظریں چرائے کھڑی تھیں۔
”تو گویا وہ اس راز کی حفاظت نہیں کر سکیں۔ رو میلہ کی آنکھوں سے شدید قسم کا پچھتاوا چھلکنے لگا تو ثانی اماں فوراً“
گویا ہوئیں۔

”شگفتہ نے بالکل ٹھیک کیا۔ یہ کام تو اسے بہت پہلے کر دینا چاہیے تھا، لیکن الیان نے بہت بڑی حماقت۔“
رو میلہ نے بے اختیار ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اتنی زور سے دبا یا کہ وہ کچھ نا سمجھتے ہوئے بھی خاموش ہو کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں جو آنکھ کے ذریعے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔
”ایسا کیا بتا دیا ہے شگفتہ آئی نے ذرا میں بھی تو سنوں۔“ بھابھی چبھتی ہوئی نظروں سے رو میلہ کو دیکھتے ہوئے بولیں تب ہی رو میلہ آواز دبا کر کہنے لگی۔

”بھابھی کو کچھ نہیں پتا اور انہیں پتا چلنا بھی نہیں چاہیے۔“ رو میلہ کا تنبیہ کرنا انداز ثانی اماں کو حیران کر گیا اس کا جملہ تو ثانی اماں کے علاوہ کوئی نہیں سن سکا مگر شگفتہ غفار کے بھی بھابھی کی طرح کان کھڑے ہو گئے۔
وہ ٹوہ لینے کے لیے نہیں البتہ فکر مند ہو کر غیر ارادی طور پر ان کے نزدیک چلی آئی تھیں وہ جس طرح بریرہ کے مستقبل کو لے کر خوف زدہ تھیں انہیں ہر غیر معمولی چیز اور رویہ ہونے پر مجبور کر رہا تھا اور اس وقت تو رو میلہ اور ثانی اماں کا اس طرح راز دارانہ انداز میں ایک دوسرے سے گفت و شنید کرنا بابا جانی تک کو پریشان کر گیا تھا تو شگفتہ غفار کا مضطرب ہونا تو عین جائز تھا۔

”تو کیا ابراہار نے۔“ ثانی اماں اچھٹے کے ساتھ کچھ کہنے والی تھیں کہ رو میلہ نے ان کی بات کاٹنے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ دلی آواز میں کہا۔

”اپنے جرم کے راز دار وہ کیوں بنائیں گے اور بھابھی کو تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں کیا وہ بھروسے کے قابل ہیں۔“
شگفتہ غفار اتنے قریب آچکی تھیں کہ رو میلہ کی آواز سن سکتی تھیں۔

یہ جان کر کہ بھابھی کو کچھ نہیں پتا انہیں بھی گونا گوں سکون ملا تھا کیونکہ وہ واقعی بڑے ہلکے کردار کی عورت لگ رہی تھیں۔

ابھی بھی وہ یہ سوچے بغیر کہ رو میلہ کے علاوہ یہاں موجود سارے لوگ ان سے عمر میں بڑے ہیں وہ بڑے ڈپٹے والے انداز میں چنچنیں۔

”ارے میں پوچھتی ہوں یہ کھسر پھسر کیا ہو رہی ہے میرے ہی گھر میں کھڑے ہو کر کیا میرے ہی خلاف سازشیں بن رہے ہو۔“ ان کا محدود ذہن اس سے آگے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مگر رو میلہ کو ان کی ذرا پروا نہیں تھی اسے فکر تھی تو صرف اس بات کی کہ بھابھی ثانی اماں کے ساتھ کوئی بد تمیزی نہ کرویں اسی لیے وہ بغیر شرمندہ ہوئے بے دھڑک بولی۔

”ثانی اماں آپ یہاں سے چلی جائیں اور جا کر آرام کریں۔ میری طرف سے بلکہ کسی بھی طرف سے پریشان نہ ہوں۔ اللہ نے چاہا تو سب اپنے گھروں میں خیریت سے رہیں گے۔“ ثانی اماں اور شگفتہ غفار اتنے نادان نہیں تھے کہ رو میلہ کا مطلب نہ سمجھ گئے۔

وہ یقیناً بریرہ کی بات کر رہی تھی ثانی اماں کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد بڑے ہٹھکے ہوئے لہجے میں بولیں۔
”اور تم؟“ رو میلہ کے چہرے پر ایک سایہ سالہرا گیا بہت کوشش کے باوجود وہ فوری طور پر خود کو بولنے پر آمادہ نہ کر سکی۔

ثانی اماں کو سامنے دیکھ کر وہ ویسے ہی کمزور پڑنے لگی تھی جب کوئی غم گسار سامنے ہو تو دل چاہتا ہے اپنے اندر

چھپائے سارے آنسو اس کے کندھے پر بہاؤ اور رو میلہ کا دکھ تو اتنا معمولی بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس سے باہر پاتی اگر صرف جگہ ہسائی کا ڈر ہو تا تو رو میلہ خود کو آئندہ آنے والے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیتی لیکن یہاں تو لگ رہا تھا جیسے زندگی ہی ختم ہو گئی ہو۔

حالانکہ اس نے الیان کے حوالے سے کوئی خواب نہیں دیکھے تھے مگر جو جذبہ اس کے اندر جڑ پکڑ چکا تھا وہ اب الیان کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں تھا اور یہ احساس بہت اذیت ناک تھا کہ وہ اسے سوچنے تک کا حق کھو چکی ہے۔

”تمہارا کیا ہو گا تم نے اپنے بارے میں کچھ سوچا ہے“ ثانی اماں نے اسے خاموش دیکھ کر اپنا سوال دہرایا۔ شگفتہ غفار بغور اسے دیکھ رہی تھیں جو ثانی اماں کے دو اپنائیت بھرے جملوں پر بالکل روہا سی ہو گئی تھی، لیکن بالآخر وہ خود کو کمپوز کرنے میں کامیاب ہو گئی اپنے رندھے ہوئے گلے کو کھنکھارتے ہوئے وہ بظاہر ہمدردی سے بولی۔

”میری فکر کرنے کی بجائے اس پر شکر کریں کہ وہ ہر خطرے سے آزاد ہو گئی ہے۔“

”کیسے؟“ شگفتہ غفار نے پہلی بار زبان کھولی تو رو میلہ انہیں دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

وہ ان پر کوئی احسان نہیں جتانا چاہتی تھی، لیکن ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر محض انہیں مطمئن کرنے کے لیے رو میلہ صرف اتنا بولی۔

”میں نے سارا الزام اپنے سر لے لیا ہے۔“ بھابھی سے آخر برداشت نہ ہوا اور وہ ان کے سر پر آکھڑی ہوئیں۔

”کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ حق مہر کی رقم میں کچھ کمی بیشی کرانی ہے کیا جو یہ ڈسکشن ختم ہی نہیں ہو رہا۔“ بھابھی کے تپے ہوئے لہجے پر ثانی اماں نے ایک تاسف بھری نظر ان پر ڈالی۔

کس قدر کم ظرف عورت تھی کہ اتنے دکھ بھرے موقع پر بھی اتنی گری ہوئی باتیں کر رہی تھی۔

البتہ شگفتہ غفار ان کے جملے پر دھیان نہ دے سکیں وہ اب بھی نظروں سے رو میلہ کو دیکھے گئیں جس کی بات ان کے سر پر سے گزر گئی تھی اور جو ان کے چہرے سے بخوبی ظاہر ہو رہا تھا مگر رو میلہ اب مزید وضاحت نہیں کر سکتی تھی اب اگر وہ ان سے کچھ بھی کہتی تو بھابھی بھی آرام سے سن لیتیں۔

مگر رو میلہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ مزید ایک لمحہ بھی خوف کے سائے کے زیر اثر گزاریں اس لیے بھابھی کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے بات کو گھما کر کہنے لگی۔

”اب آپ لوگوں کے یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے سمجھانے کا وقت گزر چکا ہے میں الیان سے طلاق لے چکی ہوں اور اب اسی سے شادی کروں گی جو مجھے پسند ہے لہذا آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں تو بہتر ہو گا۔“

ثانی اماں تو کیا شگفتہ غفار تک رو میلہ کی بات پر شدید رنج گئیں۔

شگفتہ غفار اتنی بے یقینی سے رو میلہ کو دیکھ رہی تھیں کہ ایک بل کو تو رو میلہ کو لگا جیسے بھابھی کے ساتھ ساتھ خود انہوں نے بھی یقین کر لیا ہو کہ رو میلہ نے خود طلاق لی ہے وہ بھی کسی آشنا کے لیے۔

مگر رو میلہ کے پاس ابھی شگفتہ غفار پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا کہ بھابھی نے اس کے بے باکی سے کہنے پر گال پیٹنے شروع کر دیے تھے۔

”توبہ توبہ کس قدر بے غیرت لڑکی دیدوں کا پانی ہی مر گیا ہے اور آفریں ہے آپ لوگوں پر کہ اتنی بے شری کی گفتگو سننے کے بعد بھی کھڑے ہیں۔“

ارے اب طلاق ہونے کے بعد اسے کیا سمجھانے آئے ہیں جو سمجھانا تھا پہلے سمجھانا تھا اب کیوں خود کو ذلیل کرانے آگئے ہیں۔“ بھابھی کا ٹپ ریکارڈ فل وائیم میں بجنا شروع ہو گیا تھا۔

ثانی اماں اور شگفتہ غفار نے فوراً وہاں سے چلے جانا مناسب سمجھا اور بغیر کچھ کے دروازے کی طرف بڑھ گئے ان کی شرافت اس قسم کی گفتگو سننے کی تاب نہیں لاسکتی تھی اور کچھ کہنے کے لیے بچا نہیں تھا جو وہ مزید وہاں ٹھہرتے۔

البتہ ڈرائنگ روم سے نکلتے وقت شگفتہ غفار نے پلٹ کر رو میلہ کو دیکھا تھا جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ بغیر کچھ کے پلٹ کر نکل گئیں رو میلہ کی نظریں تب بھی وہیں ساکت رہ گئیں جہاں سے وہ دونوں گئی تھیں۔



سارے راستے شگفتہ غفار اور ثانی اماں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی شگفتہ غفار ایک طرف سوچوں میں گم تھیں جبکہ ثانی اماں چپکے چپکے آنسو بہانے میں۔

دونوں اپنی اپنی کیفیت سے تب جو نکلیں جب گھر پہنچنے پر الیان اور ریاض غفار کو گھر پر ان کا منتظر پایا۔

”مئی خیریت تو ہے نا آپ اتنی جلدی گاؤں سے واپس آگئیں وہ بھی ثانی اماں کے ساتھ اور اتنا لمبا سفر کر کے گھر آتے ہی کہاں نکل گئیں آپ دونوں۔“ الیان ان پر نظر پڑتے ہی دھڑا دھڑا سوال پوچھنے لگا۔

ثانی اماں نے ایک قہر برساتی نظر اس پر ڈال کے منہ پھیر لیا جبکہ شگفتہ غفار اس کے سوال نظر انداز کر کے تھکے لہجے میں پوچھنے لگیں۔

”آپ دونوں اتنی جلدی کیسے آگئے کیا نوکروں نے ہمارے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔“

”میں نہیں کیا ضرورت ہے اطلاع دینے کی۔ ہمارے گھر آنے کی وجہ تو کچھ اور ہے، لیکن تم اچانک کیوں آگئیں سب خیریت تو ہے بریرہ تو ٹھیک ہے نا۔“ ریاض غفار کا دل خدشات کے تحت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

”ہاں سب خیریت ہے۔“ شگفتہ غفار نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے جلدی سے کہا پھر وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔

”اصل میں۔۔۔ میں نے اماں کو سب بتا دیا ہے۔“

”کیا؟“ شگفتہ غفار کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ریاض غفار چیخ پڑے جبکہ الیان انہیں ایسے دیکھنے لگا جیسے اپنا سر پیٹ لینے کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہ ہو۔

ان دونوں کا یہ رد عمل دیکھ کر وہ کچھ لمحوں کا توقف کرتے ہوئے خیالت بھرے لہجے میں بولیں۔

”اماں رو میلہ کے گھر جا کر اس سے اور اس کے گھر والوں سے ملنا چاہ رہی تھیں اسی لیے۔“

”آپ لوگ رو میلہ کے گھر سے آ رہے ہیں۔“ الیان نے شدید حیرت کے ساتھ پوچھا۔

شگفتہ غفار نے ایک چور نظر اس پر ڈالتے ہوئے سر اثبات میں ہلادیا۔

”لیکن کیوں؟ کیا ضرورت تھی آپ دونوں کو اس طرح صبح سویرے اس کے گھر پہنچنے کی وہ بھی ان حالات میں جب اس کے گھر والے غصے سے بھرے ہوئے ہوں گے آپ ثانی اماں کو لے کر ان کی کڑوی کسبلی سننے چلی گئیں۔“ الیان سخت جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

شگفتہ غفار کو پتا تھا الیان کو ان کا وہاں جانا اچھا نہیں لگے گا لہذا وہ اس کے سوال پر خاموش ہی رہیں ویسے بھی یہ

ان کا نہیں تانی اماں کا فیصلہ تھا البتہ تانی اماں بڑے ضبط کے ساتھ بولیں۔
”بہت بد قسمت ہو الیان تم تمہیں علم نہیں تم نے کیا گنوا دیا ہے۔“ الیان کچھ چونک کر انہیں دیکھنے لگا جو روہانی آواز میں بول رہی تھیں۔

”اس کی بھابی کو دیکھ کر تو واقعی عبرت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں میں ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کی زبان کے نشتر گھروالوں کی عزت نفس کو تار تار کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ارے شگفتہ بھی کیا ہوگی اس کے سامنے جو وہ میلہ کو سنا رہی تھی۔“

”ہمیں اس کے گھروالوں کی کوئی کڑوی کسبلی نہیں سنی پڑی یہ کام یہاں کی طرح وہاں بھی رو میلہ ہی کر رہی ہے۔ دو دو بزرگ مہمان خواتین کے سامنے اس کی بھابی جو اسے سنا رہی تھی اس کے والد کی موجودگی کا بھی اسے ذرا لحاظ نہیں تھا۔“

اور وہ لڑکی!
کیا کہوں میں اس کے ضبط کو کہ اتنا کچھ سن کر سمجھ کر بھی وہ کسی کوچ نہیں بتا رہی۔ بہت خوش نصیب تھے تم جو تمہیں ایسی بیوی ملی تھی لیکن بہت ناشکرے تھے تم جو تم اس کا قدر نہ کر سکے۔“ تانی اماں کے لہجے میں تاسف ہی تاسف تھا۔

الیان اور ریاض غفار الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگے تو وہ غم و غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہنے لگیں۔

”رو میلہ نے وہاں جا کر کچھ نہیں بتایا اس کی بھابی کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ابراہان نے الیان کو شادی پر کیسے راضی کیا تھا اور اب بھی طلاق کے فیصلے کو وہ اپنا مطالبہ ظاہر کر رہی ہے جس کے پیچھے اس نے وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔“ ریاض غفار تانی اماں کی بات پر بری طرح چونک اٹھے جبکہ الیان چپ چاپ انہیں دیکھنے لگا۔

تانی اماں کو اس کا بے تاثر چہرہ دیکھ کر شدید غصہ آگیا وہ بگڑ کر بولیں۔
”ابراہان نے اگر کچھ کیا تھا تو اس کا انتقام رو میلہ سے لینے کی کیا ضرورت تھی کیا فرق رہ گیا تم میں اور ابراہان میں۔ اس نے اپنی ضد اور انا کے لیے اپنی بہن کی زندگی داؤ پر لگا دی۔ ٹھیک یہی حرکت تم نے بھی کی۔ تم نے بھی اپنی ضد اور انا کے لیے نہ صرف اپنی بہن کا گھر داؤ پر لگایا ہے بلکہ ایک بے گناہ معصوم لڑکی کی زندگی خراب کر دی ہے۔ اس کے گھروالے اس کے ساتھ ہوئے حادثے پر شرمندہ ہیں اور نہ افسردہ انہیں صرف یہ فکر کھا رہی ہے کہ اس کا ذمہ داری پھر ان پر مسلط ہو گئی ہے۔“

پہلے بھی انہوں نے اسے بوجھ کی طرح اٹھا کر پھینکا تھا اب تو مطلقہ ہونے کے بعد بالکل ہی جو گیا گزرا رشتہ اس کے لیے آئے گا وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے اس کے ساتھ رو میلہ کو رخصت کر دیں گے۔
اور اس بار اس کی بربادی کے ذمہ دار تم سب بھی اتنے ہی ہو گے جتنا کہ ابراہان ہے۔“ تانی اماں کہتی چلی گئیں اور شاید مزید بولتی رہیں کہ شگفتہ غفار کے پھوٹ پھوٹ کر روڑنے پر انہیں چپ ہونا پڑا۔

گھرے میں صرف شگفتہ غفار کی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی باقی سب اپنی اپنی جگہ خاموش سوچوں میں گم کھڑے تھے جب شگفتہ غفار کے رونے کی شدت میں تھوڑی سی آتی تھی ریاض غفار ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہنے لگے۔

”جو ہوا بہت برا ہوا۔ الیان نے بہت جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن میں پھر بھی الیان کو قصور وار نہیں

ٹھہراؤں گا اگر ہم سب رو میلہ کو کچھ بہتر طریقے سے قبول کر لیتے تو وہ یہ قدم بھی نہ اٹھاتا۔
اماں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اس بار اس کی بربادی کے ذمہ دار ہم سب ہوں گے۔“ ریاض غفار کی بات تانی اماں کو مزید تباہ کنی وہ طنزیہ انداز میں کہنے لگیں۔

”اس کی بربادی کا چھوڑو بلکہ یہ سوچ کر خوشی مناؤ کہ بریرہ کا مستقبل محفوظ ہو گیا ہے وہ اب اس خطرے سے باہر ہے کہ ابراہان بھی اس راز کو فاش کر دے گا۔“

”تمہاری بیٹی خوش بس اور تم دونوں کو کیا چاہیے خاص طور پر شگفتہ کے تو کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہوگی۔“
شگفتہ غفار آنسو بھری آنکھوں سے ماں کو دیکھ کر رہ گئیں جبکہ ریاض غفار آنکھوں کو ہتھیلیوں سے مساتے ہوئے نڈھال سے انداز میں کہنے لگے۔

”ہماری بیٹی نے اتنی تکلیف اٹھائی ہے تب ہی ہم دوسرے کی بیٹیوں کے درد کو سمجھ سکتے ہیں آج ہم دونوں کے جلدی گھر آجانے کی وجہ بھی یہی تھی کہ آج میں نے اپنی قسم توڑتے ہوئے عائشہ کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔“ شگفتہ غفار چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

”میں تمہیں ہی لینے آیا تھا کہ اگر تم میرے ساتھ چلو گی تو ہو سکتا ہے بلال تمہارے لحاظ میں تھوڑا بہتر طریقے سے پیش آئے۔“

ورنہ اس بد تمیز سے تو کوئی بعید نہیں وہ اپنی ساری پریشانیوں کی وجہ ہمیں گردانتے ہوئے گھر سے باہر نکال دے۔“

”آخر ہوا کیا ہے؟“ شگفتہ غفار فکر مندی سے بولیں۔
”نوسیدہ پاگل خانے سے بھاگ گئی ہے آج تیسرا دن ہے اسے اور اس کا کچھ پتا نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے۔“ پہلی

بار الیان نے زبان کھولی تو تھوڑی دیر کے لیے تانی اماں بھی رو میلہ کو بھول کر نوسیدہ کی بابت دریافت کرنے لگیں تو الیان نے وہ سب بتا دیا جو اسے پتا تھا۔

صبح آفس میں اس کے پاس خرم کا فون آیا تھا خرم نے اسے بتایا تھا کہ کل رات عائشہ اختر اس کے گھر آئی تھیں اور انہوں نے اسے یہ دلخراش خبر سنائی ہے۔

اس نے یہ جاننے کے لیے فون کیا تھا کہ کیا الیان اسے کوئی مشورہ دے سکتا ہے کہ اسے نوسیدہ کو کہاں تلاش کرنا چاہیے۔

شائستہ خالہ کے حوالے سے یا ان کی گزشتہ زندگی کے حالات کی روشنی میں کوئی ایسی جگہ یا کوئی ایسا مقام جہاں نوسیدہ کا جانا ممکن ہو۔

الیان ایسا کوئی اندازہ لگانے سے قاصر تھا اور پھر نوسیدہ کو عائشہ کے دو دن سے اوپر ہو گئے ایسی کون سی جگہ یا مقام ہو سکتا ہے جہاں ایک جوان لڑکی دو دن بے خبر و عافیت گزار سکتی ہو۔

خرم کے فون نے اس کا دل کام سے بالکل اچاٹ کر دیا تو وہ فوراً ”ریاض غفار کے پاس پہنچ گیا اس اطلاع کو پاتے ہی ان کے بھی ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تو وہ دونوں اسی وقت گھر کے لیے نکل گئے۔“

”چلیں ابھی عائشہ کے گھر چلتے ہیں میں ذرا ہاتھ منہ دھو کر آتی ہوں۔“ شگفتہ غفار نے اٹھتے ہوئے اتنی آسانی سے رضامندی دے دی کہ الیان تک تانی اماں اور ریاض غفار کی طرح چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

بلال اختر جس طرح کے انسان تھے ان سے امید کم تھی کہ وہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں گے اسی لیے ریاض غفار اور شگفتہ غفار نے ان دونوں گھرانوں کے بیچ کھڑی اجنبیت کی دیوار کو بھی پانے کی کوشش نہیں کی۔

جب کبھی مجبوری میں بلال اختر سے بات کرنی بھی پڑی تو ریاض غفار اور شگفتہ غفار کو بے جا کہو اس سنی بڑی جس کے بعد وہ پکارا کہہ کر لیتے کہ آئندہ اس خرد باغ آدمی کے منہ نہیں لگیں گے اور آج بھی وہ اپنے اس فیصلے پر قائم رہتے اگر جو بریرہ کے ساتھ وہ سب نہ ہوا ہوتا۔
بریرہ کے اغوا ہونے سے لے کر گھر آجانے تک ان لوگوں نے ایک ایک لمحہ انگاروں پر گزارا تھا اس وقت بلال اور عائشہ کیسا محسوس کر رہے ہوں گے یہ وہ بہت اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔

عائشہ اختر نے خرم کا ذہن بری طرح منتشر کر دیا تھا لہذا ان کے جانے کے بعد وہ کھانا کھائے بغیر ہی اپنے کمرے میں چلا آیا کوئی ایک گھنٹے کے بعد مسز فرقان اس کے کمرے میں گرم دودھ لیے چلی آئیں تو خرم نے صرف ان کے اصرار سے بچنے کے لیے زہر مار کر دودھ کا گلاس پانچ سیکنڈز میں خالی کر دیا۔
لیکن وہ طویل نشست کے ارادے سے آئی تھیں تب ہی اس کے دودھ پی لینے کے باوجود کمرے سے جانے کی بجائے اس کے سامنے ہی بستر بیٹھ گئیں۔

”کھانے کی میز پر فرقان نے مجھے عائشہ اختر کے آنے کی وجہ بتائی تو میں تو پریشان ہی ہو گئی۔
اصل میں میں بچن میں چلی گئی تھی ان کے لیے چائے وغیرہ بنوانے۔ پہلی دفعہ گھر آئی تھیں کچھ تو خاطر کرنی چاہیے تھی لیکن جب تک چائے اور پکوڑے تیار ہوئے پتا چلا وہ چلی بھی گئیں۔
اس پر فرقان نے بتایا کہ وہ تو بڑی پریشانی میں آئی تھیں۔

تمہیں کچھ اندازہ ہے زوسہ کہاں ہوگی؟“ انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو خرم دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ ہوجانے کے باوجود رسانییت سے کہنے لگا۔

”مجھے کیسے اندازہ ہو سکتا ہے۔ میں اسے جانتا ہی کتنا ہوں مجھے تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ وہ پاگل خانے سے بھاگ گئی ہے۔“ مسز فرقان کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہیں پھر بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولیں۔
”I think we have to talk about it“ انہوں نے ایک لمحے کا توقف کرتے ہوئے پوچھا۔

”تم زوسہ میں کس حد تک انٹرسٹڈ ہو؟“ خرم کو امید تھی وہ ایسا ہی کوئی سوال کریں گی وہ خود بھی اس موضوع پر کھل کر بات کرنا چاہتا تھا تب ہی ان کی طرح ہر سکون انداز میں بولا۔

”میں زوسہ میں ایک فیصد بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں اور اس سے شادی کرنے کا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں۔“
”پھر تم نے نمل سے منگنی کیوں توڑ دی اور ابھی اس کے عتاب ہونے کا سن کر تم اتنے ڈپر لیں کیوں ہو گئے کہ کھانا تک نہیں کھایا۔“ خرم کا دل چاہا وہ اپنا سر پیٹ لے مگر اس وقت غصہ کر کے وہ ان کے شک کو ہوا نہیں دینا چاہتا تب ہی ضبط کرتے ہوئے بولا۔

”وہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہے جو ذہنی طور پر بیمار ہے اس کا پاگل خانے میں ہونا اس لڑکی اور اس کے گھر والوں کے لیے نہایت اذیت اور شرمندگی کا مقام ہے اور ان حالات کا۔۔۔ کسی حد تک مذمہ دار میں ہوں۔

پھر میں اس لڑکی کو جانتا ہوں وہ ایک اچھی لڑکی ہے جو اس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ افسوسناک ہے ایسے میں اس کا پچھلے دو دن سے عتاب ہونا میرے یا کسی بھی ہوش مند انسان کے لیے خوشی کی خبر تو نہیں ہو سکتی۔
خود آپ نیوز میں بھی اگر کسی لڑکی کے ساتھ کسی حادثے کا سن گئی ہیں تو ڈپر لیں ہو جاتی ہیں اور یہاں وہ لڑکی

جسے میں جانتا ہوں لا پتا ہے تو کیا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے۔“ خرم نے انہیں سمجھانے کے لیے خاصی تفصیل سے جواب دیا۔

”میں تمہاری بات سے ایگری کرتی ہوں میں نے فرقان کو بھی یہی سمجھانے کی کوشش کی مگر ان کا موڈ بہت خراب ہے۔ اصل میں تم کھانے پر نہیں آئے تو۔۔۔“ انہوں نے دانستہ جملہ ادھر اور اچھوڑ دیا۔
”اوہ کم آن مام۔ ڈیڈ کو تو جانے کیا ہو گیا ہے۔“ خرم بالآخر چڑ گیا۔

”صل میں تم نے منگنی توڑ۔“
”میں نے منگنی غصے میں توڑ دی تھی۔ مجھے خود بھی احساس ہے۔ میں نے غلط کیا ہے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔“ خرم نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو مسز فرقان چونک اٹھیں۔
”غصے میں۔“

”ہاں۔ ایسی ہی معمولی سی بات بریری اور نمل کی لڑائی ہوئی تھی۔ میں نے نمل سے کہہ دیا میں منگنی توڑ رہا ہوں۔ اس نے میری بات کو مذاق سمجھا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے واقعی منگنی توڑ دی۔“ مسز فرقان ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھیں۔

خرم یہ بات آج نہیں تو کل کرنے کا سوچ ہی رہا تھا۔ اب اس وقت ذکر نکل آیا تھا تو اس نے سوچا موقع اچھا ہے۔ ان کے دل سے زوسہ کا شک بھی نکل جائے گا اور اس کی بات بھی ان تک پہنچ جائے گی۔ تب ہی مزید کہنے لگا۔

”اپنی بات سچ کرنے کے لیے میں نے منگنی توڑ دی مگر بعد میں احساس ہوا کہ یہ میں نے کیا کر دیا۔ نمل سے معافی بھی مانگ لی۔

وہ تو معاف کرنے کے لیے تیار ہے۔ لیکن وہ کہتی ہے اب عظمت خلیل دوبارہ اس شادی کے لیے نہیں مانیں گے۔ لیکن اس کے یہ کہہ دینے سے میری سلی نہیں ہو رہی میں کچھ وقت گزرنے کا انتظار کر رہا ہوں عظمت خلیل کا غصہ تھوڑا ٹھنڈا ہو جائے تو آپ لوگوں سے بھی معافی مانگوں گا اور عظمت خلیل کو بھی منانے کی کوشش کروں گا۔“ مسز فرقان حیرانی سے اسے دیکھتی رہیں۔ اس کی بات ختم ہونے پر انہوں نے واقعی دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

”تم لوگوں کی ان بچکانہ لڑائیوں کا کیا حل نکالا جائے؟ ارے منگنی کوئی مذاق ہے کہ آج کر لی کل توڑ دی اور برسوں پھر جوڑ لی۔“ مسز فرقان پر ہی سے اسے دیکھنے لگیں تو خرم نے ایسے سر جھکا لیا جیسے بڑا شرمندہ ہو تو مسز فرقان ترچھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

”کیا تم نمل کے لیے واقعی سیریس ہو۔“
”آف کورس مام۔“ خرم بے ساختہ بولا۔

”تو میں تمہارے ڈیڈ کو تباہوں زوسہ کے لیے تم صرف انسانیت کے ناتے فکر مند تھے۔“
”آف کورس مام۔“ خرم دوبارہ اسی ٹون میں بولا تو انہوں نے تشکرانہ انداز میں ایک گہرا سانس باہر خارج کیا اور شکایتی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

”عظمت خلیل کو منانا کوئی آسان کام نہیں ہوگا، لیکن بہر حال اس سے تو بہتر ہی ہے جو ہم سمجھ رہے تھے۔“
”آپ کیا سمجھ رہی تھیں؟“ خرم ان کے منہ سے یہ بات سن کر اتنا مطمئن ہو گیا کہ قدرے شوخی سے پوچھنے لگا۔

”اب تم سے کیا کہوں۔“ وہ کچھ جھجکتے ہوئے کہنے لگیں۔
 ”میں نے تو ابھی تمہارے ڈیڈ سے بھی کہہ دیا تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے تم بہت خوش نظر آرہے ہو، کہیں ایسا نہیں کہ زویہ تمہارے پاس ہو۔ تم نے ہی اسے پاگل خانے سے نکلوایا ہو اور کہیں روپوش کر کے رکھا ہوا ہو۔“
 خرم کچھ دیر تو آنکھیں پھاڑ کر انھیں دیکھتا رہا۔ قریب تھا کہ وہ اس حد تک بدگمانی اور کردار کشی پر بگڑ جائے کہ مسز فرقان نے دعا والے انداز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”اللہ کا شکر ہے کہ میرے ڈاؤٹس غلط نکلے۔ اب فرقان سب سنبھال لیں گے، نمل تو ہم دونوں کو پسند ہے۔“
 ”نام یو آر لمٹ“ خرم کو غصے کے باوجود ہنسی آئی۔ اسے اپنا آپ ایک دم ہلکا پھلکا لگنے لگا تھا۔ پھر بھی شکایت سے باز نہ آیا۔

”تیار ہوجھتی ہیں آپ مجھے اور یہ سب ڈیڈ سے بھی کہہ دیا۔ enough its enough“ مسز فرقان اس کی بات پر شرمندہ ہونے کی بجائے مسکراتے لگیں تو خرم بھی مسکرا دیا۔
 اسے یقین تھا اب اسے فرقان حسن کے سامنے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسز فرقان سنبھال لیں گی۔ فرقان حسن کو اس کا بغیر وجہ کے منگنی توڑنے پر غصہ تو ضرور آئے گا۔ مگر وہ بھی مسز فرقان کی طرح یہ جان کر خوش زیادہ ہوں گے کہ وہ زویہ میں دلچسپی نہیں لے رہا۔
 لہذا اگلے دن ناشتے کی میز پر اس نے بڑے سکون سے زویہ کے حوالے سے ان کی رائے مانگی تھی کہ اسے اس معاملے میں کیا کرنا چاہیے۔

اس کی توقع کے عین مطابق انہوں نے کوئی طنز کرنے کی بجائے ایسے بولنا شروع کیا۔ جیسے وہ خود بھی اس مسئلے پر دیر تک غور کرتے رہے ہوں۔
 ”دیکھو خرم تم تو اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ تمہارا توجہ میں بولنا بھی مناسب نہیں۔ خواہ مخواہ میں اسکیڈل ہی بنے گا۔ تم اسے اپنی دوست ظاہر نہیں کر سکتے نہ وہ تمہارے ساتھ پڑھتی تھی اور نہ ہی وہ کوئی سوشل قسم کی لڑکی تھی جو ذرا دیر کی ملاقات میں دوستیاں کر لیتی ہیں۔
 پھر سب سے بڑی بات یہ کہ بلال اختر کوئی بے وقوف آدمی نہیں ہے۔ تمام ممکنات پر وہ پہلے ہی ہتا کر چکا ہوگا۔ مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ یہ خبر ابھی تک اخبار میں کیوں نہیں آئی۔

میرے خیال سے تو بلال کو اسپتال پر کیس کر دینا چاہیے تھا کہ عملے کی لاپرواہی کی وجہ سے اس کی بیٹی لاپتہ ہے۔ کیا بتاؤ فرار نہ ہوئی ہو بلکہ کڈنپ ہو گئی ہو۔
 لیکن لگتا ہے بلال نے ایسا کچھ کیا نہیں ہے۔ اگر اسپتال پر کیس بنا ہوتا تو اخبار میں ضرور آتا۔ گویا زویہ کے غائب ہونے کی خبر ابھی تک خفیہ رکھی گئی ہے۔
 ”ہو سکتا ہے وہ اس لیے چھپا رہے ہوں کہ اس طرح زیادہ بدنامی ہوگی اور پھر اس کا جرم بھی ثابت ہو جائے گا کہ وہ سزا سے بچنے کے لیے بھاگ گئی۔“ مسز فرقان نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔
 ”ایک لڑکی جس کا ذہنی علاج چل رہا ہو اس پر کیا جرم ثابت ہوگا اور اسے کیا سزا ہوگی۔ وہ ساری زندگی ٹرینمنٹ کے نام پر وہیں پڑی رہے گی۔

ہاں یہ بات تمہاری ضروری سمجھ ہے کہ لڑکی ذات کا غائب ہونا بدنامی کا باعث ہوتا ہے۔ پہلے قتل کا الزام ہونا پھر پاگل خانے میں داخل ہونا اور پھر آخر وہاں سے بھی بھاگ جانا یا کڈنپ ہو جانا گھر والوں کے لیے تو چاروں طرف سے بدنامی ہی بدنامی ہے۔ لیکن اس طرح بدنامی سے بچنے کے چکر میں وہ زویہ کا

نقصان نہ کروں۔

جتنا وقت گزرتا جائے گا زویہ تو تلاش کرنا مشکل ہوتا جائے گا۔“ فرقان حسن کا لہجہ سوچتا ہوا تھا۔
 ”خیر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھے ہوں گے وہ لوگ۔ ان آفیشلی ساری کارروائی ہو رہی ہوگی۔ جب ہمیں سن کر اتنی فکر ہو رہی ہے تو ان کی تو اولاد ہے ان کا جو حال ہو وہ کم ہے۔“ مسز فرقان نے کہا۔
 خرم البتہ خاموش رہا۔

فرقان حسن کا کہنا صحیح تھا۔ وہ اس معاملے میں کچھ خاص کر نہیں سکتا تھا۔ مگر وہ ایسے خاموش بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا منظر عام پر آئے بغیر زویہ کو اپنے طور پر تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شروعات کہاں سے کرے۔

اسی ادھیر من میں وہ یونیورسٹی پہنچ گیا۔ پہلا پیریڈ اٹینڈ کرنے کے بعد دو سرا پیریڈ فری تھا۔ لہذا وہ کلاس روم سے باہر نکل آیا۔

نادر صبح ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکل آیا تھا۔ اس نے بھوک لگی، بھوک لگی کا شور مچایا ہوا تھا۔ خرم کا کچھ کھانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن ہارون کو بھی نادر کی طرح کینٹین جانے کے لیے تیار دیکھ کر وہ بھی محض وقت گزاری کے لیے ان کے ساتھ چل پڑا۔

آج کل اس کی ویکی اور حمید سے زیادہ بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں خود بھی اپنی حرکتوں میں اس قدر مگن رہتے تھے کہ خرم ہارون اور نادر کے پاس کم ہی بھٹکتے تھے جبکہ خرم خود سے ان کے پاس جا کر انہیں مخاطب کرنے کا بھی سوچتا بھی نہیں تھا۔

ابھی بھی ہارون اور نادر کے ساتھ آگے بڑھتے بڑھتے اچانک اس کی نظر نمل اور سنیل پر پڑ گئی جو لا بیرری میں داخل ہو رہی تھیں۔

”یار ایسا کرو تم دونوں کچھ کھاؤ مجھے تو بالکل بھوک نہیں ہے۔ بلکہ مجھے ایک کتاب دھونڈنی تھی میں ذرا تب تک لا بیرری کا چکر لگا لوں۔“

”لا بیرری میں سرکھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ نیٹ پر دیکھ لو۔“ ہارون نے چھوٹے ہی کہا۔
 ”کون سی کتاب چاہیے تمہیں۔“ نادر کے پوچھنے پر خرم کوئی فرضی نام سوچنے کے بجائے اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

”ارے یار جاؤں گا تو ڈھونڈوں گا نا مجھے پتا تھوڑی ہے کہ مجھے کون سی کتاب چاہیے۔“ خرم یہ کہہ کر تیزی سے لا بیرری کی جانب بڑھ گیا۔ تاکہ وہ دونوں مزید کچھ کہہ نہ سکیں۔

لا بیرری میں داخل ہوتے ہی وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا بالا خرم نمل اور سنیل تک پہنچ ہی گیا اس کی توقع کے عین مطابق وہ دونوں لا بیرری کے بالکل آخری کونے میں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

کتابیں ان کے سامنے کھلی ضرور تھیں۔ مگر ان کی توجہ ہرگز بھی کتابوں کی جانب نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ دونوں کسی اہم مسئلے پر بات کر رہی تھیں۔

بلکہ قریب آنے پر تو خرم باقاعدہ چونک اٹھا نمل کی آنکھیں ایسے سرخ ہو رہی تھیں جیسے وہ کافی دیر روتی رہی ہو۔

خرم تیزی سے ان کی نیل پر دونوں ہتھیلیاں رکھتے ہوئے بولا۔
 ”کیا ہوا نمل تم ٹھیک تو ہونا۔“ اس کے کنبے میں اتنی بے چینی تھی کہ وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

نمل اس پر نظر پڑتے ہی جلدی جلدی آنکھیں رگڑنے لگی مگر خرم سب دیکھ چکا تھا اب اسے ٹالا نہیں جاسکتا تھا وہ اس کے سامنے والی کرسی ٹھیسٹ کروہیں بیٹھ گیا تو نمل گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔
ان کے ارد گرد کی کرسیاں خالی پڑی تھیں مگر کوئی بھی کسی بھی وقت آسکتا تھا، نمل کے چہرے پر صاف تحریر لکھا دیکھ کر خرم دو ٹوک انداز میں بولا۔

”تم مجھے جلدی سے یہ بتاؤ کہ تم کیوں رو رہی تھیں میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔“
”خرم کوئی خاص بات نہیں ہے بس ذرا۔“ نمل نے جملہ ادھورا چھوڑ کر دوپٹے سے چہرہ صاف کرنا شروع کر دیا۔

”تمہاری جیسی لڑکی بغیر کسی خاص بات کے تو نہیں رو سکتی ضرور کچھ سیریس ہوا ہے کہیں عظمت انکل نے تمہاری شادی تو نہیں طے کر دی۔“ خرم اتنی سنجیدگی اور اتنی بے ساختگی سے بولا کہ نمل روتے چہرے کے ساتھ مسکرا دی۔

اس کی اس مسکراہٹ نے خرم کو اندر تک مطمئن کر دیا گویا کم از کم یہ بات نہیں تھی جو اس نے سوچی تھی اب چاہے جو بھی وجہ ہو نمل کے رونے کی اس کی پریشان آدمی رہ گئی تھی پھر بھی پوچھنے سے باز نہ آیا۔
”بتاؤ نا آخر بات کیا ہے؟“

”بات کافی لمبی ہے یہاں نہیں ہو سکتی اور پھر جو ہو چکا ہے اس میں تم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔“ نمل کے چہرے پر بس لمحہ بھر کے لیے وہ مسکراہٹ ابھری تھی اس کے بعد وہ ایک بار پھر سنجیدہ ہو گئی تھی۔
”لیکن کچھ تو پتا چلا۔ رشیدہ آئی تو تھیک ہیں نا۔“ خرم کے انداز میں اتنی بے قراری تھی کہ نمل اسے ٹال نہ سکی اور دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

”سب تھیک ہیں۔ ایک لڑکا ہے حشام اس نے خود کشی کر لی ہے باقی اور کچھ نہیں ہوا ہے۔“
نمل یہ کہتے ہوئے خود بہ خود تلخ ہو گئی پھر اس نے مختصر الفاظ میں اسے حشام کے گرفتار ہونے سے لے کر خود کشی کرنے تک کے سارے حالات بتا دیے۔

کچھ لمحوں کے لیے خرم بھی چپ سا ہو گیا بات واقعی دکھ کی تھی البتہ ماحول کو گمبیسر ہوتا دیکھ کر سنبل نے قدرے شوخی سے کہنے کی کوشش کی وہ نہیں چاہتی تھی کہ نمل اب مزید اس حادثے پر اپنا دل جلائے۔

”ویسے یہ آج آپ نے نمل کو یونیورسٹی میں مخاطب کرنے کا رسک کسے لے لیا۔ کیا اس لیے کہ بہت دن سے آپ دونوں کے متعلق فیس بک پر کوئی خبر نہیں آئی۔“ اس کی بات پر خرم ہلکے سے مسکرا دیا اور کہنے لگا۔
”خبر تو میرے پاس بھی وہ سنانے کے جوش میں چلا آیا۔“

”کیسی خبر؟“ نمل بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔
”میں نے نام اور ڈیڈ سے بات کر لی ہے وہ لوگ دوبارہ تمہارے گھر آنے کے لیے تیار ہیں۔“
”کیا کہہ رہے ہو۔“ نمل کے منہ سے بے اختیار نکلا تو سنبل نے مصنوعی کھانسی کے ساتھ اسے چھوڑتے ہوئے کہا۔

”آرام سے ڈیز آرام سے ابھی وہ صرف تیار ہوئے ہیں گئے نہیں۔“ نمل بے ساختہ بولے اپنے جملے پر واقعی نجل ہو گئی تب بھی خواہ مخواہ کی ناراضی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔
”ان کا تیار ہو جانا ویسے بھی ایسی کوئی بڑی خبر نہیں۔ اصل مسئلہ تو یہاں کا ہے کہ کیسے مانیں گے۔“

”وہ بھی مان جائیں گے ڈیڈ انہیں راضی کر ہی لیں گے۔“ خرم نے محض نمل کو پرسکون کرنے کے لیے

لا پرواہی سے کہا۔

”لیکن تم نے اپنے پیرئٹس سے کیا بات کی۔“ نمل ایک بار پھر سوال دہرانے پر مجبور ہو گئی۔
اگر سنبل موجود نہ ہوتی تو وہ نمل کو ج بتا دیتا کہ اس کے والدین زوسیہ کو لے کر اتنے فکر مند تھے کہ نمل کا نام سننے ہی راضی ہو گئے۔

لیکن سنبل کے سامنے وہ یہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے آدمی بات ہی سنا دی۔
”بھئی کتنا کیا ہے۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔ مجھے چھوٹی سی بات پر بھی غصہ آ جاتا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا نمل نے مذاق میں مجھ سے کہا تھا تم یہ منگنی نہیں توڑ سکتے۔“

مجھے غصہ آ گیا میں نے سچ سچ توڑ دی۔ لیکن اب غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہے اور مجھے تو صرف اسی سے شادی کرنا ہے اگر یہ مجھے نہ ملی تو میں پہاڑی سے کود کر جان دے دوں گا۔“ نمل اتنے انہماک سے اس کی بات سن رہی تھی کہ خرم کے اچانک شوخ ہونے پر جھینپ ہی گئی۔

”خیر یہ تو کچھ زیادہ ہو گیا۔ اپنے پیرئٹس سے اس طرح تو بات نہیں کی ہوگی تم نے۔“
”کوئی بعید نہیں یہ کر بھی سکتے ہیں۔“ سنبل نے ہنستے ہوئے کہا نمل کا دھیان بٹ گیا تھا لہذا وہ بھی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

خرم نے سنبل کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا البتہ اچانک اسے رو میلہ کا خیال آیا تھا ان لوگوں کو زوسیہ کے متعلق کچھ بتانے کی بجائے اسے الیان سے بات کرنی چاہیے تھی۔
وہ سکتا ہے وہ زوسیہ کے غائب ہونے کے متعلق کچھ جانتا ہو۔ اپنے آپ جو بھی اس سے ممکن تھا اسے وہ کوشش کرنی تھی تب ہی فوراً بولا۔

”آج رو میلہ نہیں آئی۔“
”ہاں پتا نہیں کیا بات ہے۔ وہ فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہی۔“ نمل نے اپنے موبائل کو اٹھاتے ہوئے کہا جہاں اس کے مسیج کے جواب میں بھی رو میلہ نے کوئی مسیج نہیں کیا تھا۔

”اچھا چلو میں چلتا ہوں کہیں واقعی فیس بک پر کوئی خبر آئی نہ جائے۔“ خرم نے اٹھتے ہوئے کہا اور لا بیرری سے باہر آتے ہی اس نے الیان کا فون ملایا تھا۔ جو اس نے فوراً ”ہی اٹینڈ کر لیا۔“
توقع کے عین مطابق زوسیہ کے غائب ہونے کی خبر سے وہ بے خبر تھا اور یہ جان کر خاصا پریشان بھی ہو گیا تھا کہ وہ تین دن سے لاپتہ ہے۔

”میں کیا مدد کروں گا میرا تو اپنا دامغ کام نہیں کر رہا خیر اگر کچھ پتا چلا تو میں تمہیں اطلاع کروں گا۔“ الیان نے فکر مندی سے کہا تو خرم نے فون بند کر دیا۔
تب ہی حمید تیز تیز دوڑتا ہوا خرم کے پاس چلا آیا۔

”ارے یار تم یہاں ہو اور وہاں اتنا بڑا پھنڈا ہو رہا ہے۔“
”کیا ہوا؟“ حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر خرم نے بے اختیار پوچھا۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

✽ ✽

نوزیہ یاسمین

دستِ کدھر

نوزیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر نوزیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیس میں بیچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

نوزیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سرہیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

چوالیسویں قسط



”سمیر کی انگلیش ڈیپارٹمنٹ میں پڑھنے والے لڑکوں سے جھڑپ ہو گئی وہ سارے لڑکے ڈنڈے وغیرہ لے کر سمیر اور اس کے دوستوں پر حملہ آور ہو گئے ہیں۔“ خرم جیرانی سے حمید کو دیکھنے لگا۔ انگلیش ڈیپارٹمنٹ میں خاصے سیاسی قسم کے لڑکے موجود تھے وہ عموماً ”دوسروں کے معاملے میں کم ہی دخل دیتے تھے لیکن جب کوئی ان کے معاملوں میں دخل اندازی کرتا تو وہ اسے بچختے بھی نہیں تھے۔ خاصے خطرناک قسم کے ان لڑکوں سے خرم وغیرہ ہمیشہ الگ ہی رہے تھے۔ سمیر کی ان لوگوں سے لڑائی ہونے کا مطلب یہی تھا کہ سمیر کا پورا ایگنڈ صفحہ ہستی سے غائب ہو جائے گا۔

”کس بات پر لڑائی ہوئی ہے؟“ خرم نے پوچھا۔ ”یہ تو ابھی بتا نہیں۔ وہی کامیج آیا ہے وہاں کینٹین کے پاس زبردست جھگڑا ہو رہا ہے۔ میں وہیں جا رہا تھا کہ تم نظر آ گئے تو تمہیں بتانے آ گیا۔ چلو چل کر دیکھتے ہیں۔“ حمید خاصا جوشیلا ہو رہا تھا اپنی بات ختم کرنے کے ساتھ ہی تیزی سے اس طرف چل پڑا جہاں ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا۔

خرم نے بھی فوراً ”اس کی پیروی کی دور سے ہی ان دونوں کو ایک جگہ پر ہجوم نظر آ گیا تو وہ دونوں بھی اس کے نزدیک چلے آئے۔ ابھی وہ دونوں ہجوم میں داخل بھی نہیں ہو سکے تھے کہ گولی چلنے کی دل خراش آواز نے سب کو دھلا دیا اور اس کے بعد ایسا شور بلند ہوا کہ کان بڑی آواز بھی سنائی نہ دے سکے۔

ہجوم میں جمع لوگ ادھر سے ادھر بھاگنے لگے ابھی تک صرف ہاتھوں سے مار پیٹ ہو رہی تھی اور لوگ اس منظر کو کسی فلم کے فائیٹ سین کی طرح مزے لے کر دیکھ رہے تھے مگر انگلیش ڈیپارٹمنٹ کے ایک لڑکے نے ریو اور نکال کر فائر کیا تو سب کو اپنی اپنی جانوں کی فکر لاحق ہو گئی اور جس کی جہاں سمجھ میں آیا منہ اٹھا کر سر پٹ دوڑنے لگا۔

ہجوم کچھ منتشر ہوا تو سامنے کا منظر کھل کر واضح ہو گیا۔ گولی کس لڑنے نے چلائی تھی یہ تو خرم نہیں جان سکا البتہ گولی لگی سمیر کو بھی وہ بچ میدان میں چاروں خانے جت پڑا تھا۔

اس کے کندھے سے خون نکل رہا تھا جو اس کی سفید قمیص کو تیزی سے سرخ رنگ میں تبدیل کر رہا تھا جبکہ سمیر تکلیف کی شدت کے باعث بالکل بے حرکت پڑا تھا۔

انگلیش ڈیپارٹمنٹ کے لڑکے تو فوراً ”ہی فرار ہو گئے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ سمیر کے دوست بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

ایک طرح سے وہاں اتنا بڑا ہجوم تھا لیکن کوئی بھی سمیر کی مدد کرنے آگے نہیں بڑھا تھا جبکہ اس کے کندھے سے اس تیزی سے خون بہہ رہا تھا کہ اگر اسے فوراً ”ہسپتال نہ پہنچایا گیا تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی تھی۔ خرم کچھ ٹانگیں کے لیے یہ منظر دیکھ کر سن ہو گیا مگر بہت جلد اس کے حواس بحال ہو گئے اور وہ تیزی سے سمیر کے سر پر ہتھیار کیا۔

اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے ہی خرم نے اس کی نبض چیک کی تھی اور یہ جانتے ہی کہ وہ زندہ ہے خرم نے اس کے بے ہوش بڑے وجود کو پوری جان لگا کر اٹھایا اور اپنے کندھے پر ٹکا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

خرم کو سمیر کی مدد کرنا دیکھ کر ہجوم میں مچی افرا تفری ایک دم ساکت ہو گئی۔ جس کی خرم نے پروا نہیں کی وہ تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ تب ہی وہی اس کے راستے میں آ گیا۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو خرم؟ سمیر کی جان بچا رہے ہو ارے مرنے دو اسے۔“ خرم کے پاس اس کی فضول بات کا جواب دینے کا وقت تھا نہ ہمت۔ سمیر کو اس طرح کندھے پر ڈال کر پارکنگ تک جانا ایک خاصا محنت طلب کام تھا لہذا وہ بے کار گفتگو میں اپنی جان بگاڑنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ اسے بدستور گاڑی کی طرف جانا دیکھ کر وہی تیز

اس کے ساتھ ہی چلنے لگا یہ اور بات تھی کہ اس کی زبان اس کے بالکل مخالف چل رہی تھی۔ ”اے کیا ضرورت ہے اس کی مدد کرنے کی۔ نمل کے ساتھ مل کر اس نے تمہیں کتنا تنگ کیا ہے اور پھر باجانے اس کی انگلیش ڈیپارٹمنٹ کے طلحہ وغیرہ سے کس بات پر لڑائی ہو رہی تھی۔ کیوں سمیر کی وجہ سے ان خطرناک لوگوں سے دشمنی مول لے رہے ہو اور پھر سمیر کو گولی لگی ہے بھلے ہی ساری یونیورسٹی اس بات کی گواہ ہے کہ یہ کام تم نے نہیں کیا مگر کورٹ میں آکر گواہی کون دیتا ہے اگر سمیر بیان دینے سے پہلے مر گیا تو کہیں پولیس تمہیں ہی اس کے قتل کے الزام میں نہ دھر لے۔ سمیر کے دوست بھی اس خطرے کے پیش نظر فوراً ”بھاگ گئے ایک بس تمہیں ہی شوق ہے ہیرو بننے کا۔“ وہی رکے بغیر ایک سانس میں بولے گیا۔

جب تک خرم پارکنگ میں اپنی گاڑی تک پہنچا اس کی سانس بری طرح پھول چکی تھی کندھا اور گردن ایسے شل ہو گئے تھے کہ ایک بل کو اس کا واقعی دل چاہا وہ سمیر کو ہمیں زمین پر گرا کر خود بھی بیٹھ جائے۔

مگر اپنی گاڑی کے قریب پہنچنے تک جیسے اسے ایک نئی قوت مل گئی۔ پارکنگ میں داخل ہوتے ہی ہارون اپنی گاڑی تیزی سے لیے اس کے عین سامنے آ کر تھا جبکہ برابر والا دروازہ کھول کر تادیر برق رفتاری سے گاڑی سے اتر آیا اور پیچھے کا دروازہ کھول کر خرم کی طرف بڑھا کہ سمیر کو اس میں ڈال سکے۔

”ارے پاگل ہو گئے ہو تم دونوں۔ بجائے خرم کو سمجھانے کے تم اس کی مدد کرنے آ گئے۔ ارے یہ زور یہ نہیں ہے کوئی خوب صورت حسین لڑکی۔ جسے بچا کر یا اسپتال پہنچا کر اس کی نظروں میں ہیرو بنا جا سکے یہ سمیر ہے سمیر۔“

ساری یونیورسٹی کو لگتا ہے کہ نمل نے سمیر کی خاطر بھی خرم کو گھاس نہیں ڈالی اور بالا خراس کی وجہ سے ان کی منتہی بھی ٹوٹ گئی اور تم اس کی جان بچانے کے لیے پولیس وغیرہ کے جھیلے میں پڑنا چاہ رہے ہو تم تینوں کا دماغ چل گیا ہے۔“ وہی کی زبان کسی طور رکنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

مگر خرم کی طرح تادیر بھی خاموشی سے اسے گاڑی میں ڈالنے میں مصروف رہا اور وہی کو جواب تک دینا ضروری نہیں سمجھا۔ جب وہ کسی نہ کسی طرح اسے پچھلی سیٹ پر لٹانے میں کامیاب ہو گئے تب انہوں نے خود بھی گاڑی میں بیٹھ کر تیزی سے گاڑی کے دروازے بند کیے اور وہی اکیلا چھوڑ کر اس پر دھول اڑاتے اسپتال کی طرف جانے کے لیے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔

سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر خرم نے کئی گھرے گھرے سانس لیے اور جب اس کی حالت کچھ بحال ہوئی تو اس نے جیب سے موبائل نکالا اور فرقان حسن کے دوست جو محکمہ پولیس میں ڈی آئی جی تھے انہیں کال کرنے لگا۔

وہ فرقان حسن کے کافی اچھے دوست تھے۔ بلال اختر کا یہ گھر جواب فرقان حسن کا تھا فرقان حسن نے ان سے مشورے کے بعد ہی خرید لیا تھا۔ انہوں نے ہی گھر کے متعلق فرقان کو ساری معلومات دی تھی کہ اس گھر کے مکینوں کا خیال ہے کہ یہاں کسی روح کا بسیرا ہے وغیرہ وغیرہ۔

خرم کو یقین تھا اسپتال کا عملہ سمیر کے کندھے میں لگی گولی کو دیکھ کر اسے لینے میں ٹال مٹول کرے گا جبکہ سمیر کو فوری طبی امداد کی سخت ضرورت تھی۔

ڈی آئی جی صاحب کو فون کر کے وہ اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی ساری کارروائی عمل میں لاسکتا تھا۔ انہوں نے اس کا فون سننے ہی سب سے پہلے یہی کہا۔

”یہ تم نے کس پر اہم میں ہاتھ ڈال دیا ہے اب دعا کرو کہ وہ لڑکا پولیس کو اسٹیٹ میینٹ دینے سے پہلے مر نہ جائے ورنہ تم مشکل میں آسکتے ہو۔ خیر تم اسپتال پہنچو ہمیں سب انتظام کرنا ہوں۔“ خرم کو ان سے اسی جواب کی توقع تھی۔ فون بند کر کے اس نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں اور سر سیٹ کی بیک پر گر لیا۔

ڈی آئی جی صاحب نے واقعی ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے سب سنبھال لیا لہذا ان کے پہنچنے ہی سمیر کو ہاتھوں

ہاتھ لیا گیا۔
خون بہت بہہ جانے کی وجہ سے وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا یہ بے ہوشی ابدی بھی ہو سکتی تھی مگر سرحال اس وقت کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا۔
خرم نادر اور ہارون اسے ایڈمٹ کرا کر اس کے گھر والوں کے آنے سے پہلے اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے کیونکہ اب کسی میں بھی یونیورسٹی واپس جانے کی ہمت نہیں تھی اعصاب جیسے بالکل شل ہو کر رہ گئے تھے۔
اور سے خرم کے تو سارے کپڑے خون سے گندے ہو گئے تھے اس نے گھر جاتے ہی گرما گرم مٹی سے شاور لیا تو اس کثافت کے ساتھ جیسے تھکن بھی نالی میں بہہ گئی وہ اتنا پرسکون ہو کر آیا تھا کہ بستر لیٹتے ہی سو گیا۔
اپنا موبائل اسی مقصد سے آف کر رکھا تھا کہ کوئی اسے پریشان نہ کرے ورنہ وہ کی جیسی گفتگو کرنے والے اور ”اب آگے کیا ہوا“ جانے کے تجسس میں ہلکان یونیورسٹی کے بے حساب اسٹوڈنٹس حتیٰ کہ پروفیسرز تک فون کر کے اس کا دماغ کھا گئے ہوتے جبکہ وہ اس قدر اعصاب شکن ماحول کے بعد کسی گاسپ کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ بستر لیٹتے ہی جو سویا ہے تو مسز فرقان کے بری طرح دروازہ پٹنے پر اس کی بمشکل آنکھ کھلی۔
اس نے مندی مندی آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا تو کھڑکی کو چھ کے ہندسے اور دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ کئی گھنٹے سو گیا تھا حالانکہ وہ وہیں سوئے کچھ نہیں تھا اور اتنے گھنٹے تو وہ دن میں کبھی بھی نہیں سو رہا تھا اسی لیے مسز فرقان پریشان ہو کر اسے جگانے آگئی تھیں۔ خرم نے اٹھ کر جلدی سے دروازہ کھولا تو انہوں نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”آریو اؤگے خرم؟ کب سے سو رہے ہو اور موبائل کیوں آف کر رکھا ہے کتنی بار تمہارے دوستوں کا فون گھر پر آیا ہے اور یہ سمیر کون ہے؟“ ایک ہی سانس میں انہوں نے سب پوچھ ڈالا۔
”سمیر کے بارے میں کوئی اطلاع آئی ہے کیا؟“ خرم نے ان کے سارے سوال نظر انداز کر کے ٹھٹک کر پوچھا۔
”نادر نے فون کیا تھا پندرہ منٹ پہلے اس نے کہا تھا سمیر ٹھیک ہے اور۔۔۔“
”اللہ تیرا شکر ہے۔“ خرم کے منہ سے بے اختیار نکلا تو مسز فرقان جو آگے بھی کچھ کہہ رہی تھیں حیران ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

”کون ہے سمیر اور کیا ہوا ہے؟“
”میری یونیورسٹی میں پڑھتا ہے اسے کچھ چوٹیں آگئی تھیں بٹ تھینک گاڈ کہ وہ اب ٹھیک ہے۔“ خرم نے انگلیوں سے بال بناتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا۔
ایک انسانی جان کا بچ جانا بڑا تقویت بخش ہوتا ہے۔ خرم اتنی محنت سے اسے اسی لیے اسپتال لے کر گیا تھا کہ وہ اتنا بے حس نہیں تھا کہ کسی انسان کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھ سکتا۔
لیکن ایک پولیس کیس میں ہاتھ ڈال کر قدرتی طور پر وہ تھوڑا سا پریشان بھی تھا پہلے ہی زوبہ کو لے کر اس کی ذات کئی سوال اور شکوک کے دائرے میں رہی اب وہ مزید کس اسکینڈل میں انورلو نہیں ہونا چاہتا تھا اور یہاں تو سمیر کے مرجانے کی صورت میں اس کے والدین بھی مشکل میں آجاتے لہذا سمیر کی جان بچ جانے کا سن کر وہ خود کو ایک دم ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔

”صرف چوٹیں آئی ہیں اسے؟ دیکھ تو کچھ اور کہہ رہا تھا۔“ مسز فرقان کچھ مشکوک انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔
”کیا کہہ رہا تھا وہ؟“ خرم نے ذرا بھی پریشان ہوئے بغیر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”اس کی زبان سمجھ میں آگئی ہوتی تو تم سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی پتا نہیں کیسی لینگوئج ہے اس کی۔“

آئی بڑا پھٹا ہوا گیا ہے
خرم کی تو واٹ لگ جائے گی
بس دعا کریں کہ سمیر اوڑھ چھو ہونے سے پہلے پولیس کو بیان دے دے۔“ مسز فرقان برے برے منہ بناتے ہوئے پولیس تو خرم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
”اسی لیے آپ نے گھبرا کر مجھے اٹھا دیا۔ پہلے آپ ایک کپ چائے پلائیں مزے دار قسم کی پھر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ کیا ہوا تھا۔“

”چائے تو میں پلا دوں گی۔ مگر میں نے اس لیے تمہیں گھبرا کر نہیں اٹھایا ہے کہ تمہارے دوست کی لینگوئج اتنی خراب ہے بلکہ کچھ دیر پہلے نمل کا فون آیا ہے اس لیے تمہیں جگانا پڑا۔“ خرم جو ہاتھ روم جانے کے لیے بیٹ رہا تھا چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔
مسز فرقان کو اس کے ٹھٹکنے پر بڑا مزہ آیا تھا تب ہی وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھے گئیں جیسے اس کی حالت سے طلب اٹھا رہی ہوں۔

”اب آگے بھی بول دیں کیوں میرا صبر آزما رہی ہیں۔“
”میں کیا بولوں جیسے تمہیں خود پتا نہیں ہے۔“ مسز فرقان انجان بننے ہوئے بولیں۔
”کیا پتا نہیں ہے؟“ خرم ان پر اپنی بے چینی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ جانے بغیر چین سے بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا چنانچہ پوچھنے پر مجبور تھا۔

”بڑی پریشان لگ رہی تھی تمہارے لیے۔“ انہوں نے لفظ ”تمہارے لیے“ کو بڑا کھینچ کر ادا کیا۔
خرم سمجھ تو گیا تھا لہذا اب اس نے خود پر ضبط کر لیا اور ان سے کوئی بھی سوال نہیں کیا بلکہ وہ انہیں یہاں سے بیٹھنے کے متعلق سوچنے لگا تاکہ جلدی سے نمل کو فون کر کے اس سے بات کر سکے۔
مگر مسز فرقان اتنی آسانی سے ٹٹنے والی نہیں تھیں وہ تو مسکرا مسکرا کر اور رک رک کر بول رہی تھیں جیسے خرم کو چھیڑ کر محفوظ ہو رہی ہوں۔

”کہہ رہی تھی آئی خرم کا فون مستقل بند جا رہا ہے اس کے کسی دوست کا نمبر بھی میرے پاس نہیں۔ سب ٹیک تو ہے نا، خرم کہاں ہے؟“ آخری جملہ کہتے ہوئے مسز فرقان نے ستر کی دہائی کی فلمی ہیروئنوں کی طرح ہاتھ پر ہتھیلی کی پشت رکھ کر بڑے دکھی انداز میں کہا۔

خرم نے بمشکل اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو روکا اور بات بدلنے کے لیے سرسری لہجے میں کہنے لگا۔
”اٹھا اسی لیے آپ نے گھبرا کر مجھے اتنی مزے دار نیند سے جگا دیا۔“ خرم کا انداز غلط نہیں تھا یہ اور بات تھی کہ خرم کو مطمئن دیکھ کر مسز فرقان کی ساری پریشانی ختم ہو گئی۔

بلکہ نمل کا فون سن کر انہیں اتنی فکر ہوئی تھی کہ انہوں نے نمل سے کوئی اور بات بھی نہیں کی وہ تو انہیں اب ایال آ رہا تھا کہ اس کے لہجے کی بے قراری سن کر انہیں تھوڑا بہت نمل کو بھی چھیڑنا چاہیے تھا اس وقت پریشانی میں وہ یہ تو نہیں کر سکیں البتہ اب خرم کو وہ اتنی آسانی سے معاف نہیں کرنے والی تھیں۔

”ظاہری بات ہے جس لڑکی سے تم نے مذاق میں منگنی ختم کر لی۔ وہ تمہارے لیے آج بھی اتنی پریشان ہے یہ جان کر مجھے فکر نہیں ہوگی کیا۔“

”اچھا۔ اچھا۔ آپ جا کر چائے بنوائیں میرے لیے۔“ خرم نے انہیں آنکھیں گھماتا دیکھ کر تیزی سے کہا تو جان چھوڑتے ہوئے بھی ایک جملہ اس کی طرف اچھال گئیں۔

”جب تم میرے ساتھ کھانے پر اس کے گھر گئے تھے تب تم دونوں کا رویہ دیکھ کر مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم لوگوں کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں ہے مگر آج۔۔۔“ انہوں نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ خرم کو سر سے پیر تک دیکھا اور اور سیڑھیاں اتر گئیں۔

خرم کچھ دیر تو کھڑا مسکراتا رہا پھر اپنا کمرہ بند کر کے اس نے موبائل اٹھا لیا۔

موبائل آن کرنے پر ان گنت میسجز سامنے آگئے اس میں نمل کے بھی ایس ایم ایس موجود تھے مگر وہ فی الحال پڑھنے کی بجائے اسے سننا چاہتا تھا لہذا وہ اسے کال ملانے لگا۔ نمل نے بھی دوسری گھنٹی پوری ہونے سے پہلے ہی فون ریسیو کر لیا۔

”ہیلو خرم کہاں ہو تم میں کب سے تمہیں فون کر رہی ہوں۔“ نمل کی آواز میں اتنی بے چینی تھی کہ کچھ لمحوں کے لیے خرم کچھ بول ہی نہیں سکا اور ان کچھ لمحوں میں ہی نمل نے جانے کیا کچھ سوچ لیا تب ہی جھنجھلا ہوئے انداز میں بولی۔

”ہیلو خرم تم کچھ بول کیوں نہیں رہے کیا تمہیں پولیس نے ارسٹ کر لیا ہے۔“ خرم کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔

”مجھے پولیس کیوں ارسٹ کرے گی میں نے کیا کیا ہے؟“

”لیکن یونیورسٹی میں تو سب یہی کہہ رہے تھے کہ پولیس تمہیں ہی گرفتار کرے گی ہمارے ملک میں تو جو جان بچانے پہنچتا ہے سب سے پہلے اسی کو دھریا جاتا ہے۔“ نمل بولتے ہوئے روہانسی ہو گئی تو خرم ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

اچانک اس کی ساری پریشانی خرم کو بخوبی سمجھ میں آگئی تھی آج صبح ہی تو اس نے بتایا تھا حشام نامی ایک لڑکے کے بارے میں جسے پولیس نے بغیر کسی قصور کے حراست میں لے لیا تھا اور پھر تھرڈ گری ٹارچر کر کے اسے ہمیشہ کے لیے معذور کر دیا جس کے بعد چند دن پہلے اس کی زندگی کا اختتام خود کشی پر ہوا تھا۔

نمل نے جب سے یہ سنا ہو گا کہ وہ سمیر کو اسپتال لے کر گیا ہے اور اب خود اسی کے خلاف پولیس کیس بن سکتا ہے اس کی جان سولی پر لٹتی ہوگی تمام ذرائع سے خرم کی خیریت معلوم کرنے میں جب وہ ناکام ہو گئی تب ہی اس نے سخت مجبوری کے عالم میں خرم کے گھر فون کیا اور نہ اس کے گھر والوں سے بات کرنا وہ بھی ان حالات میں کہ ان کے مابین رشتہ بظاہر ٹوٹ چکا ہو نمل کے لیے ہرگز آسان نہ ہو گا۔

”نہیں نمل وہ بے چارے اور ہوتے ہیں جو پولیس کے مظالم کا شکار ہو جاتے ہیں مجھ پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہے۔ میں سمیر کو اسپتال میں داخل کر کے سیدھا اپنے گھر آگیا تھا اور تب سے اب تک موبائل آف کر کے سو رہا تھا مجھے ذرا بھی خیال نہیں آیا کہ تمہیں فون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دے دیتا اصل میں مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ تمہیں اتنے وہم ستارے ہوں گے۔“ خرم رمانیت سے اسے سمجھانے لگا۔

دوسری طرف نمل جو اتنے گھنٹوں سے ایک عذاب میں مبتلا تھی خرم کی خیریت سے ہونے کا سن کر ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”کیا ہو گیا ہے نمل میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا تم اتنی بزدل نکلیں۔“ خرم صرف اس کا دھیان بنانے کے لیے اپنے لہجے کو شوخ بناتے ہوئے بولا اور نہ حقیقتاً تو اسے دکھ ہوا تھا کہ نمل اس کی وجہ سے اتنی پریشان رہی وہ مزے سے موبائل بند کیے سو تا رہا تب ہی نمل روتے ہوئے بولی۔

”میں بہادر نہیں ہوں خرم اور کچھ لوگوں کے معاملے میں تو بالکل بھی نہیں۔ امی، سنبل، رویلہ اور تمہارے لیے میرا دل بہت کمزور ہے۔ پہلے ہی حشام والے واقعہ کو لے کر میں اتنی ڈسٹرب بھی اور پھر اس پر تمہارا سمیر کو

بچانے کے لیے خود کو خطرے میں ڈالنا۔۔۔ اگر تھوڑی دیر اور تمہاری خیریت پتانہ چلتی تو میں تو شاید مر ہی جاتی۔“ وہ اتنی بے ساختگی سے بولی کہ خرم کتنی ہی دیر اس کی بات کے بحر میں گرفتار خاموش کھڑا رہا۔

دوسری طرف نمل کو بھی اتنی دیر اپنی گھنٹن نکالنے کا موقع مل گیا مگر جب روتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں تب خرم کو بولنا پڑا۔

”بس کرو یا۔۔۔ تمہارے آنسو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں کہ میں سو تا رہا اور تم۔۔۔“

”ہاں تو تمہیں شرمندہ ہونا بھی چاہیے ذرا شرم نہیں ہے تمہیں کہ کم از کم یونیورسٹی کے اور کسی شخص کو نہ سی مجھے ایک فون ہی کر دیتے۔“ نمل نے بڑ کر اس کی بات کاٹ دی۔

”اوکے ساری غلطی میری ہے آئی ایم سوری۔ اصل میں نا اور اور ہارون میرے ساتھ تھے سمیر کو اسپتال پہنچا کر ہم تینوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ لوگوں کے سوالوں اور انکوائری سے بچنے کے لیے فی الحال کسی سے بات کریں گے نہ ملیں گے کچھ گھنٹوں میں سمیر کی حالت کا اندازہ ہو جائے گا پھر پولیس اور طلحہ وغیرہ کے گروپ سے سمیر اور اس کے گھر والے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میں اتنا تھک گیا تھا کہ میں آتے ہی سو گیا اور نہ تمہارا میسج دیکھ کر تم سے تو بات کر ہی لیتا لیکن خیرہ جو کہتے ہیں ناکہ ہر کام اچھے کے لیے ہوتا ہے تو واقعی ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ اگر اتنی دیر میں لا پتا نہ رہتا تو تمہارا یہ روپ کبھی سامنے نہ آتا بلکہ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ تم میرے لیے اتنا رو سکتی ہو تو میں یہ منظر دیکھنے کے لیے بہت پہلے ہی سمیر کو خود ہی گولی مار دیتا۔“ اپنی بات پر خرم خود ہی زور سے ہنسا جبکہ نمل واقعی جز گئی۔

”تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے خرم۔ تم اتنی بری پجوشن کو انجوائے کر رہے ہو تمہیں پتا ہے تم کتنی بڑی مشکل میں پھنس سکتے تھے۔“

”ہاں پھنس سکتا تھا مگر تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سمیر اب خطرے سے باہر ہے لہذا وہ بیان دے دے گا اور اب مجھ پر کوئی بات نہیں آسکتی۔“ خرم بولا تو نمل جرج کرنے والے انداز میں کہنے لگی۔

”ہاں مجھے پتا ہے سمیر کو ہوش آگیا ہے۔ تم سے تو کانٹیکٹ ہو نہیں رہا تھا میں تب سے فیس بک آن کیے بیٹھی ہوں۔ حالانکہ یونیورسٹی کی یہ تھرڈ کلاس فیس بک میں نے کبھی سرچ نہیں کی۔ اتنے گھٹیا کمشنس ہوتے ہیں لوگوں کے کہ دل چاہتا ہے کہ ان کے گھر میں گھس کر ان کی اتنی پٹائی کروں کہ دماغ ٹھیک ہو جائے سب کا۔“ نمل کے چبا کر کہنے پر خرم ہنس پڑا اور اپنا کمپیوٹر آن کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”ایسا کیا لکھ دیا ہے چاروں نے۔“

”کم از کم ان لوگوں کو بے چارہ تو مت کہو ہم دونوں کو تو سب سے زیادہ اس فیس بک کو بھگتنا پڑا ہے ابھی بھی سمیر کو گولی لگی ہے معلوم نہیں وہ زندہ بچے گا یا نہیں۔ ایک انیان مر رہا ہے اور یہ بے حس لوگ اسے بھی لڑائی اینگل لو اسٹوری کہہ رہے ہیں۔“ نمل شدید غصے میں بول رہی تھی۔

خرم کا کمپیوٹر آن ہو چکا تھا اس کے سامنے بھی اس حادثے کو لے کر اتنے تبصرے تھے کہ سب کو پڑھنا ایک وقت طلب کام تھا۔

خرم سر سر سی نظر ڈالتا آگے بڑھتا گیا، لیکن سمیر اور اسے لگنے والی گولی کی بجائے اسٹوڈنٹس نے خرم کا اس کی جان بچانے کی کوشش پر زیادہ تعجب اور دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

نمل کا کہنا واقعی سچ تھا کچھ لوگوں نے تو انتہا کر دی تھی ان کا خیال تھا کہ نمل نے خرم سے متکئی سمیر کی خاطر تڑی تھی لہذا جب سمیر کی طلحہ وغیرہ سے لڑائی ہو رہی تھی تب خرم نے کہیں سے چھپ کر سمیر پر گولی چلائی اور پھر خود ہی اس کی جان بچانے آگیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، ہائر کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

لیکن جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ خرم نے انسانیت کے ناتے یہ سب کیا ہے انہوں نے نمل کو مشورہ دیا تھا کہ اسے سمیر کی بجائے خرم کا انتخاب کرنا چاہیے۔

کچھ بصریوں سے لگ رہا تھا کہ یہ یقیناً "لڑکیوں نے لکھے ہیں جنہوں نے یہاں تک لکھا تھا سمیر جیسے چھپوڑے لڑکے کے لیے نمل نے خرم جیسے ڈشنگ بندے کو چھوڑ کر زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے خرم اور سمیر کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے لہذا کم از کم آج خرم کی اس حرکت کے بعد نمل کو خرم کی طرف پلٹ جانا چاہیے۔

نمل کے ناخن لینے چاہئیں۔

خرم با آواز بلند یہ کمٹنس پڑھ رہا تھا جب نمل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے آگے لکھے ایک اور تبصرے کی جانب اس کی توجہ منڈول کرانی۔

"یہ بھی لکھا ہے کسی لڑکی نے ہی لکھا ہے۔ کہ اب خرم کو چاہیے کہ نمل کے پلٹ کر آنے پر اسے بالکل گھاس نہ ڈالے بلکہ یونیورسٹی کی ہی کسی اور لڑکی سے افیر چلائے نمل اسی قابل ہے۔" نمل نے جس طرح جل بھن کر کہا خرم قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"یہ کہاں لکھا ہے۔ یہ تو بالکل سچ ہے تمہارے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔" خرم تیزی سے ماوس چلاتے ہوئے خوش دلی سے بولا۔

"بہت نیچے آتا ہوگا" نمل چڑ کر بولی۔

مگر خرم کی تیزی سے حرکت کرتی انگلی ایک دم رک گئی کسی نے طلحہ وغیرہ کے گروپ کے ساتھ سمیر کی لڑائی کی تصویریں ڈالی تھیں۔

جن میں دو تین تصویریں خرم کی بھی تھیں۔ خرم سمیر کے پاس آیا تھا اور اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور بالآخر ایک تصویر میں وہ اسے کندھے پر ڈال کر اٹھا کر لے جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ خرم بغیر پلک جھپکائے اس منظر کو دیکھتا رہا جبکہ نمل اس کی خاموشی کا کچھ اور مطلب سمجھتے ہوئے حیرانی سے بولی۔

"کیا ہوا ملا نہیں اب تک۔ یا تم رک گئے ہو اپنی تعریفیں پڑھنے کے لیے۔ ویسے ایک بات ہے اس حادثے نے تمہیں تو یونیورسٹی میں ہیرو بنا دیا ہے۔

دشمن گروپ کے لڑکے کو تم نے بچایا ہے جبکہ اتنے سیکڑوں لوگ موجود تھے مگر کوئی آگے نہیں بڑھا۔

مجھے پورا یقین ہے یہ سارے تبصرے لڑکیوں نے لکھے ہیں اور یہ لڑکی تو تم پر بہت ہی فدا ہے جس نے لکھا ہے کہ تمہاری صرف لنکس ہی ہیرو جیسی نہیں ہیں بلکہ تم واقعی ہیرو ہو۔" نمل نے جانے کون سا تبصرہ پڑھ رہی تھی اپنی بات پر وہ خود ہی ہنس پڑی۔

اسی دیر سے وہ خرم کے لیے پریشان تھی مگر اب خرم کی خیریت کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد وہ جیسے ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

یہ سارے تبصرے اس نے سرسری انداز میں پڑھے تھے صرف اس جلدی میں کہ کہیں سے خرم کی کوئی اطلاع مل جائے اب انہیں سکون سے پڑھنے میں اسے واقعی لطف آ رہا تھا کیونکہ جب انسان اندر سے خوش ہوتا ہے تو اسے ارد گرد ہر چیز خوبصورت لگتی ہے اور خرم کی تعریف پڑھنا تو اسے اس وقت زندگی کا سب سے اچھا اور اچھوتا احساس لگ رہا تھا۔

خرم کے لیے اپنے جذبات سے وہ خود بھی اس حد تک آگاہ نہیں تھی اسے بالکل علم نہیں تھا کہ خرم پر کوئی ایسا آنے کا محض خطرہ اسے اس حد تک کمزور بنا سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگیں اس کی بھوک پیاس سے اڑ جائے اور ہر بل اس کا دل اور زبان صرف اس کی خیریت کے لیے دغا گو ہوں۔

اپنے یہ احساسات خود اس کے اپنے لیے حیران کن تھے اسے خود سے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ وہ کبھی کسی کے لیے اس طرح اور اس حد تک سوچ سکتی ہے۔
وہ محبت کو حماقت نہیں سمجھتی تھی لیکن اس کا یہ ضرور سوچنا تھا کہ شدید محبت انتہا پسند کرتے ہیں جو زندگی میں اعتدال نہیں رکھ سکتے۔

مگر آج اس پر اور اک ہوا تھا کہ محبت وہی ہوتی ہے جو شدید ہو ورنہ بصورت دیگر وہ صرف ایک پسندیدگی ہوتی ہے جو وقتی ابالی بھی ہو سکتا ہے۔

اس لیے اپنے احساسات سے آگاہی نے اسے ایک انوکھی طمانیت بخشی تھی کیونکہ اسے پہلی بار بتا چلا تھا کہ کسی کے آگے ہمارے بھی انسان اتنا خوش ہو سکتا ہے۔

اور یہ اس کی خوشی کی انتہا ہی تھی کہ وہ خرم کی تعریفیں پڑھ کر اتنی مگن ہو گئی تھی کہ خرم کے اچانک خاموش ہو جانے کو محسوس نہ کر سکی۔

اسے محسوس ہی نہیں ہوا کہ وہ خود ہی بولے جا رہی ہے اور دوسری طرف سوچوں میں غرق خرم اسے سن ہی نہیں رہا۔

بھی خرم کے موبائل کی دوسری لائن پر گھنٹی بجنے لگی تو خرم موبائل کان سے ہٹانے پر مجبور ہو گیا اسکرین پر ہارون کا نام دیکھ کر خرم کا اس سے بات کرنے کا ارادہ تو نہیں تھا مگر فی الوقت وہ نمل کی بات سن نہیں پا رہا تھا لہذا نمل کو فون بند کرنے کے لیے کہنے لگا۔

”نمل ہارون کا فون آرہا ہے میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ آگے کے بصرے ضرور پڑھ لینا جب سیر کی جان بچ جانے کی اطلاع ملی ہے تب لوگوں نے باقاعدہ افسوس کا اظہار کیا ہے کہ اب بے چاری نمل کنفیوژر ہے گی کہ خرم اور سیر میں سے کس کا انتخاب کرے سیر اگر مرجاتا تو نمل کے لیے فیصلہ آسان ہو جاتا۔“ جب یہ بصرہ نمل نے پڑھا تھا تو اس کا خون کھول اٹھا تھا لیکن اب خرم کو بتاتے ہوئے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

خرم نے اس کی بات پر کوئی بھی تبصرہ کیے بغیر فون بند کر دیا اس کی نظرس بدستور اسکرین پر تھیں اس نے ہارون کا فون انٹرنیٹ کیے بغیر موبائل سوچ آف کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کا ذہن اس وقت جو سوچ رہا تھا اسے مکمل یکسوئی کی ضرورت تھی وہ ذرا سی بھی مداخلت نہیں چاہتا تھا۔



آج زویہ کو غائب ہوئے تیسرا دن تھا اور آج تیسرے دن بھی بلال اختر آفس نہیں گئے تھے حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کسی پریشانی کی وجہ سے کام چھوڑ کر گھر میں بیٹھ گئے ہوں۔

مگر پہلی بار انہیں سارا بزنس ساری ویلز ساری میٹنگز اور سارا پروفٹ سب بے کار کی باتیں اور بے جا بھاگ دوڑ لگ رہی تھیں۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے زندگی بھر جو کچھ بھی کیا ہو سب بے مصرف رہا ہو ان کا کام سے کیا دل اچاٹ ہوا تھا لگ رہا تھا زندگی میں کچھ باقی ہی نہیں بچا کیونکہ کام کے علاوہ ان کی زندگی میں کچھ تھا ہی نہیں۔

ٹھیک یہی حال عائشہ اختر کا تھا اپنی پارٹنر اپنی شاپنگ اور بار لر کے ریگولر وزٹ ہی ان کی زندگی کا محور تھے یہ سب چیزیں چھوڑ تو انہوں نے تب ہی دی تھیں جب زویہ پاگل خانے میں بھرتی ہوئی تھی۔

مگر تب انہیں لگتا تھا یہ ایک وقتی پریشانی ہے جس سے وہ جلدی نکل آئیں گی مگر اب ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے

زندگی ہمیشہ کے لیے رک گئی ہو اور اس سے آگے کبھی نہیں بڑھے گی۔
زویہ کو لاپتا ہوئے تیسرا دن ہو گیا تھا وہ عجیب طرح کے نفسیاتی دباؤ کے تحت بلال اختر کے پاس بھی بیٹھنا نہیں چاہتی تھیں مگر بلال اختر خود ہی زبردستی انہیں کمرے سے کھینچ کر لاؤنچ میں لے آئے تھے کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر ناشتے کے طور پر کم از کم ایک سلاٹس ہی کھالیں حالانکہ اب تو کچھ دیر میں کھانے کا وقت ہونے والا تھا۔

مگر ان دونوں کی ہی بھوک بالکل ختم ہو گئی تھی صبح کا ناشتا تک تو ان دونوں نے کیا نہیں تھا ت دوپہر میں کھانا بھلا کون کھاتا ہے۔

بلال اختر کے اصرار پر وہ کمرے سے باہر آکر بیٹھ تو گئیں مگر چائے کا ایک سب تک نہیں لیا۔
”خود کو سنبھالو عائشہ اگر تمہاری صحت گر گئی تو زویہ کے ملنے کے بعد تم اس کا خیال کیسے رکھو گی۔“ بلال اختر نے رسائیٹ سے کہا تو عائشہ اختر خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

”اے بھی ہمارے بارے میں سب بتا ہے۔“ عائشہ اختر کھوئے کھوئے انداز میں بولیں۔
”کسے؟ کیا پتا ہے؟“ بلال اختر کی سمجھ میں خاک نہیں آیا۔

”خرم! فرقان حسن کا بیٹا جسے ہم نے اپنا وہ گھر بیچا تھا جو گھر تو کبھی تھا ہی نہیں بس ایک بدعما تھی۔“ عائشہ اختر کی ٹرانس کے عالم میں بول رہی تھیں۔

”اے کیا پتا ہے؟“ بلال اختر حیرانی سے بولے۔
”یہی کہ میں نے اپنی ماں کے ساتھ کیا کیا تھا۔“

”اے کیسے پتا؟ اور تمہیں کیسے پتا کہ وہ سب جانتا ہے؟“ بلال اختر چونکے۔
”میں کل ان کے گھر گئی تھی۔“

”کیا؟ کب؟“
”کل رات کو اچانک خیال آیا۔ زویہ گھر کے پیچھے بنے سرونٹ کوارٹر میں جا کر بیٹھ جاتی تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ پاگل خانے سے بھاگ کر آنے کے بعد وہ اس گھر میں سرونٹ کوارٹر میں جا چھپی ہو جہاں ہم آدھی رات کو اپنے والدین سے چھپ کر ملتے تھے۔“

بس یہ خیال آتے ہی میں نکل گئی۔ مگر وہاں جا کر یہ بتانے کی ہمت نہیں ہوئی کہ زویہ کو سرونٹ کوارٹر میں تلاش کرنے آئی ہوں۔

وہ تو یہی سوچتے کہ زویہ کے ساتھ ساتھ اس کی ماں کی دماغی حالت بھی خراب ہو گئی ہے لہذا صرف خرم سے بات کر کے آگئی کہ شاید اسے کچھ علم ہو زویہ کے متعلق۔

لیکن وہاں جا کر بتا چلا اسے زویہ کے بھاگ جانے کی کوئی خبر نہیں لیکن اسے ہمارے بارے میں سب پتا ہے بالکل چلتے وقت مجھے پتا چلا تھا ورنہ میں اس کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کرتی کہ وہ میرے متعلق کیا سوچ رہا ہے۔“

مجھے گھٹیا سمجھ رہا ہے۔ یا ایک زبردست اداکارہ جو ماں کو بے وقوف بنالے وہ معمولی لڑکی تو نہیں ہو سکتی۔“

عائشہ اختر خود کھامی کے انداز میں بول رہی تھیں۔
”وہ ایسا کچھ نہیں سوچ رہا ہو گا لیکن اسے پتا کیسے چلا؟“ بلال اختر کچھ چڑکھ رہے۔

”جب اللہ تعالیٰ کو ذلیل کرنا ہوتا ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح راز افاش کر ہی دیتا ہے۔ جب زویہ کو ہی سب پتا چل گیا تو خرم تو غیر ہے وہ کچھ بھی جان لے کیا فرق پڑتا ہے۔“

پتا نہیں زویہ نے میرے متعلق کیا سوچا ہو گا جب اسے خبر ہوئی ہو گی کہ اس کی ماں اتنی بڑی ڈرامہ ہے اپنی ماں

اور بھائی بھابی کے ساتھ اتنا برا فراڈ کیے بیٹھی ہے۔ "عائشہ اختر بالکل کھوئے کھوئے انداز میں بول رہی تھیں۔ بلال اختر کو ان کی یہ پچھتاوے پر مبنی گفتگو سخت گراں گزر رہی تھی مگر وہ صرف ان کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کیے بیٹھے انہیں سنتے رہے۔

"تکلیف تو ہوتی ہوگی زویہ کو۔ ہمیشہ سے شائستہ خالہ کے متعلق پوچھتی رہی اور ہم ہمیشہ اسے جھڑکتے رہے کہ تمہاری کوئی خالہ نہیں۔

لیکن اسے کبھی بتایا نہیں کہ جب تمہاری کوئی خالہ تھیں ہی نہیں تو یہ نام اور یہ کردار پیدا کیسے ہوا۔ جب حقیقت کا انکشاف اس پر ہوا تو وہ دلبرداشتہ ہو گئی اور صرف اس پاگل خانے سے ہی نہیں بلکہ ہم سب کو چھوڑ کر بھاگ گئی۔" بلال اختر خود پر ضبط کیے بیٹھے رہے۔

اس قسم کی گفتگو وہ تب سے کر رہی تھیں جب سے زویہ غائب ہوئی تھی البتہ خرم والی بات نئی تھی اور وہ اسی کا جواب سننے کے منتظر تھے۔ مگر وہ بار بار انہیں کریدنا بھی نہیں چاہتے تھے لہذا خاموشی سے انتظار کر رہے تھے کہ وہ خود کب اس موضوع پر لوٹ کر آئی ہیں اور اس سوال کا جواب دیتی ہیں کہ خرم یہ سب کیسے جانتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ان کا یہ انتظار ختم ہوتا ملازم نے آکر ریاض غفار کے آنے کی اطلاع دے کر عائشہ اختر اور بلال اختر کو اپنی جگہ سے اچھلتے پر مجبور کر دیا۔

"ریاض غفار! بلال اختر نے اچھلتے کے ساتھ دہرایا۔

"جی صاحب انہوں نے اپنا یہی نام بتایا ہے۔" ملازم بولا تو عائشہ اختر فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

"ارے تو۔ تو تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جاؤ جا کر انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ کیا وہ اکیلے آئے ہیں یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" عائشہ اختر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

"ایک خاتون اور ایک نوجوان ہے۔" ملازم ان کی بے پایاں خوشی کو دیکھتے ہوئے کچھ حیرانی سے بتانے لگا۔

"شگفتہ بھابی اور الیان ہوں گے۔ اوہ مائی گاڈ! کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ ارے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو جاؤ جا کر بٹھاؤ انہیں۔" عائشہ اختر کے حواس معطل ہو گئے تھے۔

بلال اختر کو بھی ان کی آمد پر حیرت تھی مگر ساتھ ہی انہیں کوفت بھی ہو رہی تھی وہ ان سے ہرگز ملنا نہیں چاہتے تھے مگر عائشہ اختر اتنی خوش تھیں کہ وہ کچھ کہہ بھی نہیں پارہے تھے۔ چارونا چار انہیں بھی عائشہ اختر کے ساتھ ریاض غفار سے ملنے کے لیے ڈرائنگ روم میں آنا پڑا۔

عائشہ اختر ایک مدت بعد اپنے روبرو اپنے سگے بھائی کو دیکھ کر فرط مسرت سے سن ہو گئیں جبکہ ریاض غفار عائشہ اختر کی اجڑی ہوئی حالت دیکھ کر دکھ اور صدمے سے گنگ رہ گئے۔

شگفتہ غفار بھی عائشہ اختر جیسی اپ ٹوڈیٹ رہنے والی ہستی کو بالکل ٹوٹا ہوا دیکھ کر دل موس کر رہ گئیں۔ کتنی ہی دیر وہ سب اپنی جگہ کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے آخر الیان نے گلا کھنکھارتے ہوئے خاموشی کو توڑنے کے لیے سلام کیا تو جیسے سب ہوش میں آ گئے۔

"بھیا۔ آپ۔ آپ یہاں؟" عائشہ اختر سے بولا ہی نہیں گیا۔

"کیسی ہو عائشہ؟" ریاض غفار گلوگیر لہجے میں بولے تو عائشہ اختر ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ریاض غفار نے آگے بڑھ کر فوراً ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا خود ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

شگفتہ غفار عائشہ اختر کے لیے کوئی بہت نرم گوشہ نہیں رکھتی تھیں مگر اس وقت ان کے اپنے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی

آبدیدہ ہو گئیں۔

بس ایک بلال اختر تھے جن کے چہرے پر بے زاری پھیلی تھی جسے اور کسی نے تو نہیں البتہ الیان نے ایک نظر میں بھانپ لیا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو الیان کو اپنا اور اپنے والدین کا یہاں آنا ایک حماقت محسوس ہوتا مگر اس وقت بلال اختر چاہے جیسے بھی پیش آئیں ان کا عائشہ اختر کے پاس ہونا نہایت ضروری تھا۔

ان کے تعلقات تو پہلے ہی خراب تھے اگر بلال اختر کچھ کہہ بھی دیتے ہیں تو کون سا فرق آجانتا تھا اس کے والدین کے رویے میں۔ جیسے پہلے چل رہا تھا آگے بھی ویسے ہی چلنے والا تھا۔

البتہ آج اگر وہ سب عائشہ اختر کے پاس نہ آتے تو وہ ساری زندگی اپنے آپ سے ضرور شرمندہ رہتے اور پھر جس قسم کے حالات سے وہ لوگ آج کل گزر رہے تھے اس کے باعث شگفتہ غفار کا دل بھی نرم ہو گیا تھا الیان کو تین تھانہ حالات میں وہ بلال اختر کے رویے کے جواب میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتیں جبکہ اس وقت بلال اختر نے کوئی نامناسب بات کی بھی تو۔ وہ غصہ پی جائیں گی اور بات بڑھنے نہیں دیں گی۔

بلال اختر کچھ دیر تو کھڑے بہن بھائی کا رونا دھونا دیکھتے رہے پھر بغیر کچھ کہے پلٹ کر کمرے سے نکل گئے انہوں نے گھر آئے مہمانوں سے بات کرنا تو درکنار سلام کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا بلکہ انہیں کمرے میں داخل ہونے کے بعد خیال آیا تھا کہ انہیں اپنی موجودگی ظاہر ہی نہیں کرنی چاہیے تھی عائشہ اختر اکیلی ہی ملنے آجائیں اور کہہ دیتیں کہ بلال گھر پر نہیں ہیں۔

الیان ان کے کمرے سے نکلنے پر تنگی سے مسکرا کر رہ گیا۔

کچھ لوگ کبھی نہیں بدل سکتے لیکن انہیں یہ نہیں پتا ہوتا کہ ان کے بدلنے یا نہ بدلنے سے دوسروں کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا البتہ ایک وقت آتا ہے جب وہ خود تنہائی محسوس کرنے لگتے ہیں۔

الیان کو یقین تھا بلال اختر پر وہ وقت آچکا ہے مگر وہ اس کا اعتراف لوگوں سے تو کیا خود اپنے آپ سے بھی نہیں کر سکتے جبکہ عائشہ اختر اس وقت اپنے ہر جرم کا اعتراف ریاض غفار سے روبرو کر رہی تھیں جس پر ریاض غفار کی بھی آنکھیں برسی تھیں۔

اب اتنے سال گزرنے کے بعد وہ انہیں بھلا اس غلطی پر کیا شرمندہ کرتے جس پر وہ خود ہی پچھتا رہی تھیں لہذا وہ ان سارے حالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش گردانے کی کوشش کر رہے تھے اور انہیں تسلی دے رہے تھے کہ جو ہوا اسے بھول جاؤ لیکن بھولنا اتنا آسان کہاں ہوتا ہے بقول شاعر۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چہین لے مجھ سے حافظ میرا



بازداشت تو ان کی بڑی اچھی تھی مگر جس بات کو یاد نہ رکھنا ہوا اسے وہ بڑی آسانی سے بھول جاتے تھے لہذا انہیں کبھی ماضی نے پریشان کیا تھا نہ ضمیر نے ملامت کی تھی چنانچہ وہ اس قسم کی نکتہ چینی کے عادی ہی نہیں رہے تھے انہیں اگر کوئی ذرا بھی کچھ کہہ دیتا تو ان کا موڈ سخت خراب ہو جاتا۔

عظمت خلیل اپنے ٹرسٹ کے آفس آئے ہوئے تھے اور ٹرسٹ کو ملنے والی بہت بڑی رقم کی تفصیلات پڑھ کر نہایت خوش ہو رہے تھے۔

ان کے ادارے کا نام اتنا مشہور تھا کہ انہیں گھر گھر جا کر زکوٰۃ خیرات کے لیے دست سوال نہیں پھیلا نا پڑتا تھا لوگ اپنے عطیات دینے خود چل کر ان کے پاس آتے تھے۔

اس وقت بھی انٹرکام پر ایک لڑکی کے آنے کی اطلاع انہیں ملی تھی اور کیونکہ وہ اکاؤنٹ چیک کر کے فارغ

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی لگتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر شاید یہ میرے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے تمہیں اس کا شکیبیل نے یہ سب کہا ہے۔“

”میری شہرت کو دیکھ کر لوگ مجھ سے جل جاتے ہیں پھر مجھے لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لیے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“ عظمت خلیل لمحوں میں سارا معاملہ سمجھ گئے تھے۔

جس کا شکیبیل کے ذریعے انہوں نے انسپکٹر قادر کو برطرف کر دیا تھا کچھ عرصے پہلے اس نے انہیں فون کر کے کچھ رقم کا مطالبہ کیا تھا اور ساتھ ہی انہیں دھمکایا بھی تھا کہ اگر انہوں نے پیسے نہ دیے تو وہ ساری بات پولیس کو بتا دے گا۔

عظمت خلیل ایسی کوئی بدنامی مول نہیں لے سکتے تھے لیکن وہ ایک معمولی سے حوالدار کے ہاتھوں بلیک میل بھی نہیں ہو سکتے تھے انہوں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے بڑی آسانی سے اس کی دردی بھی اتروادی اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ اب اگر اس نے پولیس کو کچھ بتایا تو بھی وہ اسے بھی انسپکٹر قادر کے ساتھ ملوث ثابت کر دیں گے۔

لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی وہ حوالدار بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور وہ اس کی دھمکی بھول بھال بھی گئے کہ بہر حال اس کے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں تھا جس کے بل بوتے پر وہ انہیں کوئی نقصان پہنچا پاتا۔

شاید اسی لیے جب وہ پولیس میں ان کے خلاف کچھ چھپوانے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے شامکے گھر پر جا کر سب بتا دیا وہ اس راز کے فاش ہو جانے پر شرمندہ تو نہیں تھے البتہ فکر مند ضرور تھے کیونکہ حشام نے ابھی اپنی خودکشی کی تھی اور یہ معاملہ دوبارہ سے اخباروں کی زینت بن گیا تھا اور اس وقت یہ خبر محض افواہ کے طور پر بھی اگر اڑائی جاتی تو بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور رکھ سکتی تھی۔

اس کا شکیبیل نے بھی منظر پر آئے بغیر شامکے کو سب اس لیے بتا دیا تاکہ جو لڑائی بھی لڑنی ہوگی وہ خود لڑے گی اسے یہ تو پتا چل گیا تھا کہ وہ اس طرح ڈرا کر عظمت خلیل سے پیسے نہیں نکلا سکتا چنانچہ اس نے یہی سوچا کہ اپنے ناکام ہونے اور ملازمت سے نکلوانے کا بدلہ ہی لے لوں اگر ایسا کر کے وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی عظمت خلیل کو ذہنی اذیت میں مبتلا کر سکتا ہے تو بس اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

عظمت خلیل واقعی اخباروں کی سرخیوں کا سوچ کر فکر مند ہو گئے تھے اس لیے ایک گلاس میں پانی نکال کر شامکے کو دینے لگے ورنہ انہیں یہ تو بخوبی پتا تھا کہ وہ اس الزام کے ذریعے عظمت خلیل کے خلاف کوئی قانونی کارروائی ہرگز نہیں کر سکے گی مگر انہیں قانونی شکنجے میں آنے سے زیادہ فکر لوگوں کی نظروں میں اپنا اثر خراب ہونے کی بھی اور ایسی منفی خبریں لوگوں کی سوچ کو کچھ نہ کچھ منفی کر رہی دیتی ہیں جو کہ وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مگر شامکے نے ان کا بانی کا گلاس بڑھاتا ہاتھ اتنی زور سے جھٹکا کہ گلاس زمین پر جا گرا اور ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ عظمت خلیل کو اس حرکت پر اتنا غصہ آیا کہ وہ پیون کو بلا کر اسے آفس سے نکلوا دیتے مگر تب ہی شامکے پھر سے ہوئے لہجے میں بولی۔

”یہ آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں ہے بلکہ آپ کے جرائم کا گڑھا بھر گیا ہے تب ہی اس حوالدار نے جو آپ کا کچھ تمہیں رگاڑ سکتا مگر جسے میرے جوان بھائی کی موت کا دکھ ہے۔ اس لیے اس نے میرے پاس آکر میرے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور مجھے آپ کے بھیانک چہرے سے آگاہ کر دیا۔“

مگر اس نے کہا تھا کہ ہم آپ کا بد صورت چہرہ معاشرے کو نہیں دکھا سکتے کیونکہ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہونہ ثبوت کی ضرورت پولیس اور عدالت کو ہوتی ہے میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میرا مجرم میرے سامنے ہے اسے سزا میں خود دے سکتی ہوں اب آگے یہ سماج مجھے کیا سزا دے گا اس کی مجھے قطعی پروا نہیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ سیریم کوالٹی، ہارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

میرے پاس کچھ بچا ہی نہیں ہے۔ بچانے کے لیے میں لڑوں مجھے تو صرف اپنے بھائی کے مجرم کو اس کے انجام تک پہنچانا ہے۔ جس نے نہ جانے میرے بھائی جیسے اور کتنے بے گناہوں کو تکلیف پہنچائی ہوگی۔

اس کے اس صاف ستھرے چہرے کے پیچھے جو مکڑ انسان ہے مجھے صرف اسے منظر پر لانا ہے بعد میں میرے ساتھ جو بھی ہو مجھے کوئی پروا نہیں۔" شائلہ غصے کی شدت سے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کا تنفس بڑھتا جا رہا تھا۔

عظمت خلیل کو کسی کی اتنی باتیں سننے کی عادت نہیں تھی وہ ساری موت بالائے طاق رکھتے ہوئے انٹرکام کی طرف بڑھ گئے۔ اس وقت اس لڑکی سے بات کرنا خود اپنی بے عزتی کرنا تھا اس کی حالت ایسی تھی کہ اسے آسانی سے شیشے میں نہیں اتارا جاسکتا تھا لہذا بہتر یہی تھا کہ اسے اپنے آئس سے نکال باہر کیا جائے چنانچہ ریسور اٹھاتے ہوئے انہوں نے نہایت شان بے نیازی سے کہا۔

"تم مجھے منظر پر کیا لاؤ گی یہ کام تو وہ اسپیکٹر قادر اور کانٹیل تک نہیں کر سکے جو پولیس میں تھے اور مروتھے جبکہ تم میرے ادارے سے لیے پیسوں سے اپنے بھائی کا علاج کرانے والی ایک کمزور اور معمولی لڑکی ہو۔ انسان اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے سے پہلے اپنی اوقات بھی دیکھ لے تو شرمندہ ہونے سے بچ سکتا ہے۔"

"ٹھیک کہا تم نے عظمت خلیل۔ بڑی بڑی باتیں کرنے سے پہلے انسان اپنی اوقات دیکھ لے تو شرمندہ ہونے سے بچ سکتا ہے اگر وہ دو پولیس والے مرد ہو کر بھی کچھ نہیں کر سکے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے خلاف کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی لائیں کو ایسے ہی بے آواز نہیں کہتے اسے جب سزا دینی ہو تو وہ ایک کمزور لڑکی سے بھی بہت کچھ کر سکتا ہے فرعون نے خدائی کا دعوا کیا تھا تو اسے چھڑ جیسی معمولی مخلوق کے ہاتھوں اسی لیے اس کے انجام کو پہنچایا تھا تاکہ کوئی بھی شخص غور کرنے سے پہلے اپنی اوقات دیکھ لے۔" شائلہ بڑے اعتماد سے بول رہی تھی۔

عظمت خلیل ریسور ہاتھ میں پکڑے کچھ مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگے اس کے جارحانہ انداز بتا رہے تھے جیسے وہ پوری تیاری کے ساتھ آئی ہو۔

مگر اس کے ارادے کیا تھے؟

عظمت خلیل جیسے اس کے چہرے سے کچھ اخذ کرنے کے لیے ٹھنک کر اسے دیکھنے لگے اور اگلا پل واقعی ان کے ہوش اڑا لے گیا تھا۔

شائلہ جو بڑی سی کالی چادر اوڑھے آئی تھی اس نے چادر کا ایک حصہ ہٹاتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ جو اس نے اب تک چادر کے نیچے چھپا رکھا تھا اسے باہر نکال لیا۔

اس ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس میں پہلے رنگ کا محلول موجود تھا اس محلول کے اوپر تیرتے جھاگ نے ایک پل میں عظمت خلیل پر انکشاف کروا دیا تھا کہ یہ کوئی عام محلول نہیں ہے بلکہ سیسے کی قسم کا کوئی تیزاب ہے۔ شائلہ کا یہاں تک ایک تیزاب کی شیشی لے کر آنا صاف ظاہر کر رہا تھا کہ اس کا اب اگلا قدم کیا ہوگا۔

عظمت خلیل بری طرح ہراساں ہو کر کچھ کہنے ہی والے تھے مگر قدرت نے انہیں اب تک بہت مہلت دی تھی لیکن ایک ہی لمحے میں وہ مہلت ختم کرتے ہوئے گناہ کی رسی کو ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔

صرف سانچ سیکنڈ لگے تھے شائلہ کو شیشی کھول کر تیزاب کو عظمت خلیل کے چہرے پر اچھالنے میں اور کمرے کا منظر ہی بدل گیا۔

عظمت خلیل کی فلک شکن چہنوں نے درود یو ا رہا دیے تھے انہیں لگ رہا تھا ان کے چہرے سے آگ نکل رہی ہے اور ان کا پورا وجود جھلٹا جا رہا ہو۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیریم کوالٹی، ندرل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
 ➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
 ➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
 اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

فوزیہ یاسمین



زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سکیل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ڈکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیس میں بیچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سرحدوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ جلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

پنیا ایسوی قسطل



ریاض غفار اور شگفتہ غفار عائشہ اختر کے گھر سے خاصے دلبرداشتہ ہو کر لوٹے تھے۔ ایک تو عائشہ اختر کی حالت ایسی تھی کہ ان دونوں کو ہی اندازہ ہونے کے باوجود اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھ کر شدید افسوس ہوا۔ اس پر بلال اختر کے روتے نے انہیں بڑا مایوس کیا اب اتنے سال بعد ان لوگوں نے پہل کرتے ہوئے ان کے گھر میں قدم رکھ ہی دیا تھا تو کم از کم اس وقت بلال اختر کو اپنی انا اور ضد کو ایک طرف رکھتے ہوئے تھوڑی بہت گفتگو تو کر ہی لینی چاہیے تھی۔ بہت زیادہ مہمان نوازی کی تو بلال اختر سے انہیں امید بھی نہیں تھی اور نہ ہی یہ کوئی موقع تھا خوش گپیوں کا۔ لیکن بلال اختر نے معافی طلبی تو بعد کی بات تھی سرے سے انہیں مخاطب ہی نہیں کیا۔ وہ تینوں کافی دیر عائشہ کے پاس رکے لیکن بلال اختر ایک بار کمرے سے جانے کے بعد دوبارہ پلٹ کر بھی نہیں آئے۔ انہوں نے بھی عائشہ اختر سے بلال اختر کی بابت کوئی استفسار نہیں کیا ان کی بہن بہت دکھی اور شرمندہ تھی بلال اختر کے سرو اور بد تمیزی سے بھرپور روتے کو انہوں نے بھی یعنی طور پر محسوس کیا ہو گا پھر کیا ضرورت تھی انہیں کچھ جیلا کر عائشہ اختر کو مزید افسردہ کرنے کی۔ وہ اس معاملے میں کبھی کیا سکتی تھیں اگر ان کے اختیار میں ہو تا تو شاید وہ کافی عرصے پہلے ہی بلال اختر کو سمجھا بھٹا کر بھائی کے پاس اپنی غلطی کی معافی مانگ لیتیں۔ لیکن انہوں نے کبھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا لہذا اس سے صاف ظاہر تھا کہ بلال اختر ان کی چاہے جتنی بھی ناز برداریاں اٹھالیں چلاتے وہ اپنی ہی ہیں۔

ریاض غفار تو چاہ رہے تھے کہ عائشہ اختر کو اپنے ساتھ لے جائیں مگر لے جانے کا ماحول تبدیل ہو جائے وہ کافی کمزور بھی ہو گئی تھیں وہ سوچ رہے تھے کہ اپنے گھر لے جا کر ان کے کھانے پینے کا بھی کچھ خیال کریں گے۔ مگر عائشہ اختر بلال اختر کو تنہا چھوڑ کر جانے کے لیے رضامند نہ ہوئیں پھر بھی ریاض غفار نے اصرار کر کے انہیں ان ہی کے گھر میں کچھ نہ کچھ کھلا پلا ہی دیا۔ ان کا ارادہ تھا وہ اگلے دن پھر عائشہ کے پاس چلے جائیں گے اس طرح عائشہ اختر کو ذہنی اور جذباتی طور پر کافی سہارا مل جائے گا۔

شام تک جب وہ سب عائشہ اختر کے گھر سے واپس آئے تو وہ سب ہی بالکل نڈھال ہو گئے تھے گاڑی میں بھی وہ تینوں عائشہ اختر کے ساتھ ہوئے سانحہ بر تاسف کا اظہار کرتے رہے لہذا گھر آنے پر لیان نے فوراً "شگفتہ غفار کو زبردستی ان کے کمرے میں بھیج دیا کہ وہ کچھ آرام کر لیں دکھ چاہے جتنا بھی بڑا ہو اس پر تسلسل سے ایک ساتھ بیٹھ کر دل جلانا کوئی حل نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے سے تو حالات سے لڑنے کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو جائے گی چنانچہ کچھ دیر کی نیند اور آرام سخت ضروری تھا۔

الیان نے جب ریاض غفار کو بھی یہی مشورہ دیا تو وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہنے لگے۔ "میں اگر بستر لیٹ بھی جاؤں گاتب بھی میری آنکھیں جوں کی توں رہے گی۔ ذرا سیہ یا عائشہ کے ساتھ جو ہو رہا ہے اس میں سراسر دخل قسمت اور حالات کا ہے۔ لیکن رویلہ کے ساتھ جو ہوا ہے اس میں ہم سب مجرم کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔

نقدیر کی ستم ظریفی پر صبر کیا جاسکتا ہے لیکن خود ظالموں کی فہرست میں کھڑے ہونے کے بعد تو ضمیر ایک پل بھی سکون سے رہنے نہیں دیتا "الیان خاموشی سے انہیں دیکھے گیاجن کے چہرے پر شدید ملال پھیلا تھا۔ "کاش رویلہ بھی اپنے بھائی کی طرح ایک گری ہوئی لڑکی ہوتی تو آج میں اتنا مضطرب نہ ہوتا بلکہ تمہارے

اقدام پر مجھے خوشی ہوتی۔ لیکن سارا مسئلہ یہی ہے کہ وہ بہت اچھی لڑکی تھی جس کا اس سارے معاملے میں کوئی قصور نہیں تھا ابھی بھی بلکہ اس گھر کے لوگوں نے اس کے ساتھ ذرا نرمی نہیں برتی وہ اس گھر کے مینکوں کو بچانے کے لیے سارا الزام اپنے سر لے رہی ہے۔ حالانکہ اسے پتا ہے اسے اس اچھائی کا کوئی صلہ نہیں ملنے والا جو نقصان اس کا ہونا تھا وہ ہو چکا پھر بھی اس کی کوشش ہے کہ اگر وہ برباد ہوئی ہے تو کم از کم کوئی اور اس تکلیف سے نہ گزرے۔ ایسے لوگ اور ایسی سوچ رکھنے والے بہت کم ہوتے ہیں اس کے ساتھ بہت برا ہوا ہے اور صدے کی بات یہ ہے کہ یہ سب تم نے کیا ہے "وہ تاسف بھری نظروں سے الیان کو دیکھنے لگے۔

"میں جانتا ہوں تم ہمیشہ سے ضدی ہو بزنس میں بھی تم نے اپنی ضد کی وجہ سے بڑے نقصان اٹھائے ہیں لیکن پھر بھی تم پر مجھے بھروسہ تھا کہ تم کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔ پیسے کے نقصان کو میں نے کبھی اہمیت نہیں دی مگر اس طرح کسی کی زندگی خراب ہو وہ بھی میرے بیٹے کی وجہ سے میں۔" ریاض غفار کو جیسے الفاظ نہیں مل رہے تھے اپنے دکھ کا اظہار کرنے کے لیے۔

"ڈیڈی آپ بیٹھ جائیں۔" الیان نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو انہیں ایک دم غصہ آگیا اور انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ انہیں اتنا غم تھا اس سانحہ پر اور الیان کے روتے سے ذرا بھی شرمندگی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ ان کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں بھی وہ کتنے اطمینان سے انہیں بیٹھنے کا مشورہ دے رہا تھا وہ سگ اٹھے تھے اس کے انداز پر۔

"میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اپنے فیصلے پر چاہے جتنے بھی مطمئن ہو کم از کم اپنی نانی کے سامنے تھوڑے سے پچھتاوے کا اظہار کرو۔

میری تو بہت نہیں ہو رہی ان کا سامنا کرنے کی۔ کیا سوچتی ہوں گی وہ ہم سب لوگوں کے بارے میں۔ ان کا زیادہ دن یہاں رہنے کا ارادہ بھی نہیں ہے شاید وہ کل صبح ہی واپس چلی جائیں۔

اب اس معاملے میں کوئی کچھ کر تو نہیں سکتا لیکن اگر تم تھوڑے سے دکھ کا اظہار کرو گے تو ہو سکتا ہے وہ اسے تمہاری نادانی سمجھ کر صبر کر لیں ورنہ خواہ مخواہ ان کا دل بھی میری طرح تمہاری ڈھٹائی پر دکھتا رہے گا۔" ریاض غفار پر بھی سے بولے تو بہت ضبط کے باوجود الیان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"آپ تو مجھ سے کچھ زیادہ ہی خائف ہو گئے ہیں ڈیڈی "ریاض غفار اس کی مسکراہٹ کو دیکھ کر سنجیدہ ہو گئے۔

"طلاق کس قدر ناپسندیدہ فعل ہے اور ہماری سوسائٹی میں کس بری نظر سے دیکھی جاتی ہے یہ تم آج کل کی نئی نسل اندازہ بھی نہیں لگا سکتی۔

تم لوگ جو خود کو بدل نہیں سکتے ذرا سا کمپروماز نہیں کر سکتے شریک حیات میں ذرا سی کی برداشت نہیں کر سکتے۔ ایڈیل کے چکر میں رہتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ ہم خود بھی کسی کا ایڈیل بننے کے قابل ہیں یا نہیں۔

تم لوگوں کو تو شادی کرنی ہی نہیں چاہیے کیا تھا اگر وہ ابرار کی بہن تھی اس کی اس ایک خانی کو برداشت کر لیتے اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تھے تو اسی وقت خود غرض بن کر انکار کر دیتے۔ شادی جیسے مقدس رشتے کی بے حرمتی کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ جب چاہا کر لی اور جب چاہا چھوڑ دی۔" ریاض غفار انگارے چبا رہے تھے۔

الیان بڑے سکون سے سینے پر ہاتھ باندھے انہیں دکھاتا رہا اور جب وہ خاموش ہوئے تبھی بھی بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فوراً سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”تنقید... تنقید اور بس تنقید...“
میں رو میلہ کو گھر میں رکھ کر اس کے ساتھ کمپروماز کرنے کی کوشش کرتا تو مئی کا موڈ ہر وقت خراب رہتا وہ اٹھتے بیٹھتے مجھے اور رو میلہ کو تنقید کا نشانہ بناتیں۔ تب آپ بھی میری طرف داری کرنے کی بجائے مئی کا ساتھ دیتے اور ان کی نفرت اور غصے کو ایک دم جائز قرار دیتے۔
اب جبکہ میں نے سرے سے اس مسئلے کو ہی حل کر دیا ہے تو بھی آپ کو میرے نفل پر اعتراض ہے اب بھی آپ مجھے تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

ڈیڈی میں پوچھتا ہوں کیا شادی کے بعد صرف لڑکے اور لڑکی کو کمپروماز کرنا ہوتا ہے۔
گھر کے دیگر افراد جو جوائنٹ فیملی کی حمایت میں ایک لیکچر تو دے سکتے ہیں ساتھ مل جل کر رہنے کی برکت پر تقریر جھاڑ سکتے ہیں انہیں بھی تو خود میں تبدیلی لانی چاہیے۔
انہیں بھی تو اس بات کو تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ بیٹا جو اب تک صرف ان کی اولاد تھا اب کسی کا شوہر کسی کا باپ بھی ہے اس کی اپنی زندگی کی ترجیحات ہیں انہیں بھی اس کی زندگی میں آنے والی تبدیلی پر کمپروماز کرنا چاہیے۔
جس دن میں نے رو میلہ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا اسی دن مئی نے کہہ دیا تھا کہ ایک دن میں سب کچھ بھول بھال کر اس کے ساتھ ایڈجسٹ ہو جاؤں گا۔ یعنی ایک طرف تو میں شادی جیسے مقدس رشتے کی بے حرمتی نہ کروں اور ساری زندگی اسے ساتھ رکھوں دوسری طرف میں اس کے ساتھ خوش بھی نہیں رہ سکتا۔
اگر میں اس کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے یا اسے سمجھنے کی کوشش کروں تو بھی یہ طعنے سنوں کہ اس نے مجھے پالیا اور میں سب بھول کر اس کی زلف کا اسیر ہو گیا۔

اب آپ خود بتائیں ان حالات میں میں وہی کر سکتا تھا جو میں نے کیا دیش اٹ ”الیان اکتا چلا گیا۔“
ریاض غفار بڑے غور سے اس کی بات سنتے رہے وہ اسے جھٹلا نہیں سکتے تھے وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا ذہنی طور پر وہ اس سے پوری طرح متفق تھے۔

مگر جو ہوا تھا اس پر انہیں افسوس اتنا تھا کہ الیان کی تمام باتیں صحیح ہونے کے باوجود ان کے دل کو نہیں لگ رہی تھی تبھی جب وہ بولے تو ان کا لہجہ برا لگو گیا تھا۔

”مجھے تمہاری بات سے اختلاف نہیں ہے شگفتہ نے واقعی رو میلہ کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی جینا دھڑک رہا تھا اور میں اسے بھی غلط نہیں کہتا جو برہ کے ساتھ ہوا اسے بھلانا اتنا آسان نہیں۔“

شگفتہ کے اندر واقعی یہ ڈر موجود تھا کہ رو میلہ تمہیں اپنا اسیر کر لے گی اور جی پوچھو تو اس کا یہ ڈر بھی بالکل بجا تھا خود مجھے بھی یہی لگتا تھا کہ رو میلہ کو تم پسند کرنے لگے ہو اور میں بھی اسی لیے بریشان تھا کہ شگفتہ کو یہ بات سخت ناگوار گزرے گی۔ پہلے ہی گھر میں اتنی مینشن ہے اگر ایسا ہوا تو شگفتہ تو گھر کو بالکل جہنم بنا دے گی۔

لیکن تم نے تو ہم سب کی توقع کے بالکل برعکس قدم اٹھالیا اور وہ بھی اتنے اچانک کہ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا ہے ابھی بھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب کوئی بھیانک خواب ہے جو آنکھ کھلنے پر ختم ہو جائے گا۔“
ریاض غفار بڑی کھوجتی نظروں سے الیان کے تاثرات دیکھ رہے تھے تبھی وہ بڑے وثوق سے کہہ سکتے تھے کہ ان کی بات پر الیان نے اپنی مسکراہٹ روکنے کی کوشش کی تھی۔

”کیا بات ہے الیان کیا تم کچھ چھپا رہے ہو۔“ انہوں نے جاچتی نظروں سے الیان کو دیکھا تو الیان کچھ دیر انہیں دیکھتے رہنے کے بعد بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”میں کیا چھپاؤں گا طلاق نامہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ کوئی جھوٹ نہیں تھا۔“
”ہاں وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور مجھے بتا ہے کہ وہ کوئی جھوٹ نہیں تھا مگر تمہارا یہ قابل رشک

بھی تو اس احساس کمتری سے باہر نکلتا تھا کہ میں کسی کے دباؤ میں آکر اس رشتے کو نباہ رہا ہوں۔" الیان کہتا چلا گیا۔
ریاض غفار دم بخود کھڑے اسے سنتے رہے جب وہ خاموش ہوا تب بھی وہ کچھ بول نہ سکے آخر الیان کو ہی کہنا پڑا۔

"کیا آپ کو لگ رہا ہے میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں۔" وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر عجیب سے لہجے میں بولے۔
"نہیں غلط تو نہیں کہہ رہے البتہ تمہیں ہمیں یہ سب پہلے بتانا چاہیے تھا کم از کم رویملہ کو تو بتا دیتے۔"
"اگر میں کسی ایک کو بھی بتا دیتا تو ہم سب کی آزمائش ٹھیک طرح سے تمہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے صرف ابراہ کو نہیں آنا تھا میں رویملہ کو بھی رکھنا چاہتا تھا۔ میں مئی کے سامنے اس کی بے جا حمایت نہیں کرنا چاہتا تھا میں واقعی یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وقت آنے پر وہ کس حد تک خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

اور آپ سب لوگوں کو یہ سب نہ بتانے کے پیچھے ایک بہت بڑی وجہ کار فرما تھی۔ یہ اندازہ تو مئی نے بھی لگا لیا کہ میں رویملہ کو پسند کرتا ہوں لیکن اس بات کو خندہ پیشانی سے آپ سب قبول نہیں کر سکتے تھے یہاں تک کہ رویملہ بھی ہر وقت اس خوف کے زیر اثر رہتی تھی کہ تمہیں مجھے اس سے بات کرتے ہوئے مئی نہ دیکھ لیں اگر انہیں پتا چل گیا تو انہیں برا لگے گا۔

اپنی بیوی کے ساتھ اپنے ہی گھر میں، میں چوروں کی طرح تو نہیں رہ سکتا مجھے آپ سب کو یہ احساس دلانا تھا کہ اگر اسے ساری زندگی اس گھر میں رکھنا ہے تو اسے اس کے سارے جائز حقوق بھی دینے ہوں گے۔
میں آپ لوگوں سے لڑ کر یہ سب نہیں منوانا چاہتا تھا بلکہ میں چاہتا تھا کہ آپ سب دل سے اس ساری حقیقت کو قبول کریں۔

رویملہ کو گھر سے نکالے بغیر میں آپ لوگوں کو یہ احساس نہیں دلا سکتا تھا کہ اگر ہمارے ساتھ غلط ہوا ہے تو اس گھر میں رویملہ کے ساتھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور اس قسم کے رویے اور مزاج کی مستحق نہیں ہے۔

اور مجھے خوشی ہے کہ میں جو کرنا چاہتا تھا اس میں کامیاب ہو گیا مئی تک کو اس بات کا احساس ہے کہ رویملہ کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے وہ ایک اچھی لڑکی تھی۔" الیان کہتا چلا گیا اور اپنی آخری بات پر وہ خود ہی مسکرا دیا۔
ریاض غفار کو لگا جیسے وہ ایک دم ہلکے پھلکے ہو گئے ہوں جیسے کوئی بھاری پتھر کی سل ان کے سینے پر رکھی تھی جس سے ان کا دم گھٹ رہا تھا وہ اچانک ایک پل میں کسی نے سر کا کر انہیں ہر بوجھ سے آزاد کر دیا۔

جب وہ بولے تو ان کا لہجہ بہت پرسکون اور ہنستا ہوا تھا۔
"تو پھر کیا خیال ہے آج جا کر رویملہ کو لے آئیں اب تو تمہاری مئی بھی انکار نہیں کریں گی۔"
"نہیں ڈیڈی اتنی جلدی نہیں۔" الیان ایک دم سنجیدہ ہو گیا ریاض غفار چونک کر اسے دیکھنے لگے۔
"کیوں کیا ابھی بھی تمہیں کسی کو آزانا ہے۔"
"ذرا ابراہ کو موقع تو دیں کہ آیا وہ کچھ کرتا ہے یا نہیں۔"

"زیادہ مت آزماؤ الیان کہیں وہ واقعی کسی کینسے پن پر نہ اتر آئے۔" ریاض غفار کچھ متفکر نظر آنے لگے۔
"زیادہ اور کم کی بات نہیں ہے مجھے خود کو کوئی دھوکا نہیں دینا کہ سب کچھ کر کے میں یہ کہہ سکوں کہ میرا ضمیر مطمئن ہو گیا ہے بلکہ واقعی مجھے حالات کو پرکھنا ہے اور آپ بے فکر رہیں ابراہ کچھ نہیں کرے گا میں اس کے مزاج اور اس کی نفسیات کو بخوبی سمجھ گیا ہوں۔"

"کم از کم گھر والوں کو تو بتا دو۔ خاص طور پر اپنی نانی سے ذکر کر دو وہ خواہ مخواہ تم سے خائف ہیں اور پھر یہ ان کی عمر نہیں ہے ایسے دکھ برداشت کرنے کی۔" ریاض غفار بضد تھے مگر الیان سر ہلکے ہلکے نفی میں ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

اطمینان بتا رہا ہے کہ اسی سچ اور جھوٹ کے بیچ میں کچھ ہے جس سے ہم سب انجان ہیں۔" ریاض غفار اندازہ لگانے والے انداز میں بولے۔

"یہاں صرف سچ ہے جھوٹ کچھ بھی نہیں ہے ہاں اگر کچھ ہے تو آپ سب کی کم علمی ہے۔ دن کے معاملے میں یا تو آپ سب کی معلومات بہت کم ہے یا پھر ہمارے معاشرے میں دین کے طریقے سے ہٹ کر ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا رواج اتنا عام ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک طلاق بھی دیتا ہے تب بھی سننے اور دیکھنے والوں کو یہی لگتا ہے کہ اب مصالحت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔" ریاض غفار بری طرح چونک اٹھے۔
ایک دم سے ان کی آنکھوں کے سامنے طلاق نامہ گھوم گیا جس میں الیان نے صرف ایک بار طلاق کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"ت۔۔۔ تمہارا مطلب ہے۔۔۔" ریاض غفار حیرانی کے باعث کچھ بول نہ پائے مگر الیان ان کی بات بخوبی سمجھ گیا تھی سر ہلکے ہلکے اثبات میں ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ سب میرے اس اچانک کے فیصلے پر حیران ہیں حالانکہ میں نے جب رویملہ سے شادی کی تھی تبھی کہہ دیا تھا میں اس طرح کی دھونس بریلیک میل ہوتے ہوئے کسی لڑکی کو زندگی بھر اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا ایک دن میں ضرور اس سے چھٹکارا حاصل کر لوں گا۔ یہ بات میں نے آپ لوگوں کو سناتے کے لیے نہیں کہی تھی بلکہ یہ سب مجھے ابراہ پر ثابت کرنا تھا۔"

اس نے مجھے مجبور کر کے شادی پر آمادہ تو کر لیا مگر وہ مجھے ساری عمر شادی نبھانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن رویملہ سے شادی کرنے کے بعد جو حالات سامنے آئے ان میں بہت سارے انکشافات ہوئے۔

ایک کا تذکرہ تو میں نے آپ لوگوں سے کیا بھی تھا رویملہ اس معاملے میں بے قصور ہے اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کے بھائی نے یہ شادی کیسے کی ہے مگر آپ لوگوں نے میری بات پر یقین نہیں کیا۔

خیر اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ایک حقیقت مجھ پر یہ کھلی کہ ابراہ نے یہ شادی ہمیں ٹارگٹ بنا کر نہیں کی۔ اس کا مقصد صرف ایک آئیڈیل گھر میں اپنی بہن کو بٹھانا تھا وہ بھی محض اپنے دشمن کو نچا دکھانے کے لیے۔

اس کے پیچھے اس کا مقصد اپنی بہن کی بھلائی نہیں تھا بہن کے مستقبل کے بارے میں تو اس نے سرے سے سوچا ہی نہیں تھا یہ تو صرف ایک انا کی جنگ تھی جو اسے وقتی طور پر جیتی تھی آگے بہن کے ساتھ جو بھی ہوتا ہے اس کی ہلا ہے۔

جب مجھے یہ پتا چلا تو میں نے اس لڑکے کے بارے میں معلوم کیا جو رویملہ سے شادی کر رہا تھا وہ ایک پورا فراڈ گینگ تھا میں نے اس کے بارے میں ساری انکوائری کر کر اسے اریٹ کر دیا۔

یہ کام ابراہ چاہتا تو کر سکتا تھا لیکن میں نے کہا نا اسے تو صرف اپنی انا کی تسکین کرنی تھی اور یہ کام وہ ہمارے خاندان میں اپنی بہن کی شادی کر دیا کے کر چکا تھا۔

اب جبکہ اس کا دشمن بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا تو اب اسے کوئی پروا نہیں رہی تھی کہ ہم رویملہ کو رکھتے ہیں یا چھوڑ دیتے ہیں۔

مئی کو لگتا ہے میں نے یہ قدم اٹھایا ہے اس کا مطلب ہے مجھے بریرہ کی کوئی پروا نہیں۔ میں اتنا خود غرض ہو گیا ہوں کہ بریرہ کا بسا بسا گھر اجاڑتے ہوئے مجھے کوئی ڈر ہے نا دکھ۔

حالانکہ ایسی بات نہیں ہے جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اب ابراہ میرے کسی اقدام کا بدلہ بریرہ سے نہیں لے گا تب ہی میں نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنایا ہے۔

لیکن میں صرف اندازوں اور مفروضوں پر تو تکیہ کر کے نہیں بیٹھ سکتا تھا ایک بار تو ابراہ کو آزمانا تھا نا آخر مجھے

وہ ڈانٹنے والے انداز میں بول رہی۔

”نمل۔۔۔ الیان بھائی نے رو میلہ کو طلاق دے دی ہے۔“

”کیا؟“ نمل تقریباً ”جی پڑی تھی۔“

”یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو سنبل۔۔۔ یہ سب کب ہوا کہیں بھابھی کوئی جھوٹ تو نہیں بول رہیں۔“ نمل کو

اپنے ہاتھ پاؤں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

دوسری طرف سنبل کی حالت بھی بہت بری تھی اس سے تو بات ہی نہیں ہو رہی تھی وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ

کر رونے لگی تھی۔

”سنبل۔۔۔ سنبل چپ ہو جاؤ میں تمہیں لینے آرہی ہوں ہم ابھی اور اسی وقت رو میلہ کے گھر جا رہے ہیں۔“

”نہیں نمل۔۔۔ ابھی نہیں۔۔۔ اس کی بھابھی بالکل جلاوٹی ہوئی ہیں۔ اتنی بری زبان میں بات کر رہی ہیں وہ

کہ۔۔۔“ سنبل ان کی گفتگو یاد کر کے ایک بار پھر رو دی۔

”بھائی میں جاؤں اس کی بھابھی اور ان کی زبان۔“ نمل کا خون کھول اٹھا یہ سن کر۔

”اگر تم میں چلنے کی ہمت نہیں ہے تو کوئی بات نہیں میں امی کے ساتھ جا رہی ہوں۔ بلکہ مجھے امی کے ساتھ ہی

جانا چاہیے میں رو میلہ کو اپنے گھر لے آؤں گی اسے وہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

ابراہیم بھائی اور بھابھی پہلے کون سے اچھے تھے اب تو پتا نہیں ان کا رویہ کتنا برا ہو گا۔“ نمل جیسے اچانک فیصلہ

کرتے ہوئے بولی پھر اس نے سنبل کی بات سے بغیر ہی فون بند کر دیا۔

رشیدہ کے پاس آ کر جب اس نے انہیں بتایا تو وقتی طور پر وہ بھی بری طرح ہراساں ہو گئیں۔ مگر نمل کی طرح

انہوں نے بھی خود پر جلدی قابو پالیا اور بڑے مضبوط لہجے میں کہنے لگیں۔

”تمہارا فیصلہ بالکل صحیح ہے رو میلہ کو وہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس ماحول میں وہ اس حد سے

باہر نکلنے کی بجائے اندر ہی اندر گھٹ کر رہ جائے گی چلو ہم ابھی چل کر اسے یہاں لے آتے ہیں۔“

جانے اس بجی کی قسمت میں اور کتنی آزمائشیں لکھی ہیں۔“ رشیدہ اور نمل رات ہو جانے کے باوجود اسی

وقت رو میلہ کے گھر پہنچ گئیں۔

رو میلہ انہیں سامنے دیکھ کر جہاں حیران ہوئی تھی وہیں ایک دم ڈھس گئی۔

کب سے وہ اپنے اوپر مضبوطی کا خول چڑھائے ہوئی تھی مگر اب اچانک وہ ہمدرد لوگوں کو سامنے دیکھ کر اس کی

ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔

وہ نمل کے گلے لگ کر پہلی بار کھل کر رو دی بھابھی اسی وقت بھی اپنی زبان کے نشتر چلانے سے باز نہ آئیں مگر

اس پل ابراہیم بھائی کے سنجیدہ سے لہجے نے ان سبھی کو حیران کر دیا۔

”رو میلہ ممانی ٹھیک کہہ رہی ہیں تم کچھ دنوں کے لیے ان کے گھر چلی جاؤ تمہارے لیے ماحول بدلنا بہت

ضروری ہے۔“ ابراہیم بھائی کے لہجے میں بہن کے لیے کوئی محبت یا ہمدردی نہیں تھی جب سے رو میلہ نے بتایا تھا

کہ یہ طلاق اس نے اپنی مرضی سے لی ہے وہ اس سے سخت ٹالاں تھے۔

لیکن ایک بات ان کی بھی سمجھ میں آگئی تھی کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا لہذا اب وہ کسی پر بھی دباؤ ڈال کر اپنی منوا

نہیں کئے تھے مگر گھر میں پچھلی تناؤ کی چادر بھی ان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

جب تک رو میلہ کا کوئی اور بندوبست نہیں ہوتا تھا ان کی نظر میں گھر کی پرسکون فضا کو برقرار رکھنے کے لیے

اسے کہیں اور بھیج دینا سخت ضروری تھا۔

”نہیں ڈیڈی وہ رو میلہ سے کافی الفیج ہیں اگر انہیں بتایا تو ہو سکتا ہے وہ رو میلہ سے بھی ذکر کر دیں اور میں

نہیں چاہتا کہ یہ سب رو میلہ کو ابھی سے پتا چل جائے وہ بھی کسی اور کے ذریعے۔ کیونکہ اس طرح وہ یہ نہیں سمجھ

سکے گی کہ یہ سب میں نے اسے یا کسی کو دکھ دینے کے لیے نہیں بلکہ سب کے حق میں بہترین کے لیے کیا ہے یہ

بات اسے صرف میں سمجھا سکتا ہوں اور کوئی نہیں۔“ الیان فیصلہ کن انداز میں بولا۔

ریاض غفار ایک گہرا سانس کھینچ کر رہ گئے وہ قائل تو نہیں ہوئے تھے مگر جو کچھ انہیں پتا تھا اسے سن کر وہ

اتنے پرسکون ہو گئے تھے کہ اس وقت الیان سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے تھے بھی بات سمیتے ہوئے کہنے لگے۔

”ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی لیکن اس معاملے کو زیادہ طول مت دینا کہیں واقعی سب بظاہر ٹھیک ہوتے

ہوتے کچھ غلط ہی نہ ہو جائے۔“ ریاض غفار کی بات پر الیان محض سر ہلا کر رہ گیا۔

خود اسے بھی نانی اماں کے احساسات کا علم تھا شگفتہ غفار نے انہیں سب بتا کر بہت بڑی غلطی کی تھی لیکن اب

الیان کے پاس سوائے خاموشی اختیار کرنے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا ہو سکتا تھا نانی اماں صبح ہوتے ہی گاؤں کے

لیے روانہ ہو جائیں الیان نے سوچا انہیں منانے کی ایک کوشش ہی کر لے مگر سٹ وائچ پر نظر ڈال کر اس نے

اپنا ارادہ ملتوی کر دیا نانی اماں کے سونے کا وقت ہو رہا تھا اس وقت انہیں تنگ کرنا مناسب نہیں تھا لہذا وہ اپنے

گھر کی جانب بڑے گیا۔

صبح خرم کے فون پر وہ اچانک آفس سے اٹھ کر عائشہ اختر کی طرف نکل گیا تھا اب اس کا ارادہ نیٹ کھول کر کچھ

دیر کام کرنے کا تھا مگر ابھی وہ اپنے کمرے میں داخل ہی ہوا تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔

اسکرین پر ایک بار پھر خرم کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً ”کال ریسیو کر لی۔“

”خرم خیریت تو ہے۔“ اس نے بغیر سلام دعا کے چھوٹے ہی پوچھا۔

”الیان کیا تم اس وقت میرے گھر آ سکتے ہو۔“

”اس وقت! الیان نے تعجب سے دہرایا۔“

بعض اوقات انسان کو چاروں طرف سے پریشانیاں گھیرے رکھتی ہیں وہ ایک طرف سے مطمئن ہوتا ہے تو

دوسری انجمن سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔

نمل کا سارا دن خرم کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش میں بلکان ہوتا گزر گیا۔

شام کے وقت کہیں جا کر خرم سے بات ہوئی تو اسے کچھ سکون محسوس ہوا اس نے فوراً ”ہی سنبل کو بھی مطلع

کر دیا کہ سنبل بھی اس کی وجہ سے بہت پریشان تھی اور اس کا پورا دن بھی خرم کے متعلق پتا کرتے ہوئے گزر گیا

تھا۔

مگر خرم کی خیریت کی اطلاع ملنے پر وہ کوئی خاص خوشی کا اظہار نہیں کر سکی کیونکہ اس کے پاس جو خبر تھی وہ تو

نمل کے ہوش اڑانے لگی تھی۔

”نمل“ خرم کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل رہا تھا میں نے سوچا رو میلہ کا موبائل بھی مستقل بند ہے کیوں نہ

اس کے گھر پر فون کر لوں کیا پتا وہ میکے آئی ہوئی ہو۔

بس اچانک ہی مجھے یہ خیال آیا اور میں نے اس کے بابا کے گھر پر فون کر لیا۔ فون اس کی بھابھی نے اٹھایا تھا اور

۔۔۔ اور۔۔۔ نمل انہوں نے بتایا کہ۔۔۔“

”سنبل کیا بات ہے تم سے بولا کیوں نہیں جا رہا۔“ اس کی رندھی ہوئی آواز اور ٹوٹا ہوا لہجہ نمل کو دہلانے لگا تو

ابرار بھائی کی طرف سے اجازت ملنے ہی نمل نے سامان اٹھایا اور اسے اپنے گھر لے آئی۔

ان دونوں ماں بیٹی نے الیان کے اس فیصلے کے متعلق اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اسے تھوڑا وقت دینا چاہتے تھے جب وہ ذہنی طور پر آمادہ ہوگی تو خود ہی بتا دے گی۔

جبکہ رو میلہ اس موضوع پر تو کیا کسی بھی موضوع پر کوئی بات نہیں کر رہی تھی اس نے تو کھانا تک کھانے سے انکار کر دیا تھا جس پر رشیدہ نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔

رو میلہ کے چہرے پر اتنی بڑھڑکی تھی کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ پرسکون رکھنا چاہتی تھیں کوئی بھی خلاف مزاج بات کہہ کر وہ اسے مضطرب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

اسی لیے جب رو میلہ نے سونے کے لیے کمرے میں جاتے وقت رشیدہ سے التجائیہ انداز میں کہا کہ عظمت خلیل کو ابھی کچھ نہ بتائیے گا۔

تو رشیدہ نے فکر مند ہونے کے باوجود فوراً "سراشات میں ہلا دیا البتہ اس کے جانے کے بعد وہ کافی دیر سوچتی رہیں۔

عظمت خلیل ابھی تک گھر نہیں آئے تھے رات کو در سے آنے پر تو بات ٹل سکتی تھی لیکن صبح ہونے پر بھی اگر انہیں کچھ نہ بتایا تو جب انہیں بتا چلے گا تو وہ ہنگامہ ضرور گھڑا کریں گے۔

مگر قسمت کو ان کی آزمائش منظور نہیں تھی لہذا عظمت خلیل رات کو بھی بہت دیر سے گھر آئے اور صبح بھی بڑی غلٹ میں نکل گئے کہ روز مرو کی مصحفی گنتاؤ بھی ان کے درمیان نہ ہو سکی کبا کے انہیں یہ پتا چلتا کہ رو میلہ ان کے گھر رہنے آئی ہے۔

البتہ رشیدہ نے سوچا تھا شام میں جب وہ گھر آئیں گے تب انہیں سب بتا دیں گی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ عظمت خلیل کو رو میلہ کے سامنے کوئی تماشہ کھڑا کرنے کا موقع ملے۔

مگر انسان کچھ سوچتا ہے اور ہوتا کچھ اور ہے قدرت اپنے ارادوں سے کسی کو آگاہ نہیں کرتی اس کے اٹل فیصلے وقت آنے پر سامنے آتے ہیں۔

صبح اٹھنے پر رو میلہ کی حالت کافی بہتر تھی رشیدہ کی پیار بھری ڈانٹ پر اس نے چائے کے ساتھ ایک عدد سلاٹس بھی لے لیا تھا۔

رات کو نمل کے کمرے میں سونے لیٹتے وقت اس نے نمل کو تو سب سچ بتا دیا تھا مگر رشیدہ سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی اور نہ ہی کچھ کہنے کی ضرورت پڑی تھی رشیدہ نے دانستہ اس موضوع پر بات کرنے سے پرہیز کیا تھا۔

وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ بعد میں بات کر لیں گی مگر بعد میں تو کچھ کہنے سننے کی مہلت ہی نہیں ملی وہ ہر کے قریب ایک اور اندوہ ناک خبر ان کی منتظر تھی صرف رشیدہ اور نمل کے لیے ہی نہیں بلکہ شہر بھر میں یہ بروکنگ نیوز کے طور پر نشر ہو رہی تھی۔

عظمت خلیل کے اوپر ایک لڑکی نے ان کے آفس میں گھس کر تیزاب پھینک دیا۔

رشیدہ اتنے مضبوط اعصاب کی مالک ہونے کے باوجود یہ خبر سننے ہی بے ہوش ہو گئیں نمل بھی اپنی جگہ سن رہ گئی عظمت خلیل کے سیکریٹری نے گھر آکر انہیں بتایا تھا اور انہیں ہسپتال لے جانے آیا تھا۔

رشیدہ کے بے ہوش ہونے پر ان کے لیے گھر میں ہی ڈاکٹر بلا لیا گیا جس نے بتایا کہ بی بی بے تحاشا لو ہو جانے کے باعث وہ غفلت میں چلی گئی تھیں لہذا اس نے ڈرپ لگادی۔

نمل رو میلہ کو رشیدہ کے پاس گھر پر چھوڑ کر خود سیکریٹری کے ساتھ ہسپتال نکل گئی۔

عظمت خلیل کا آدھا چہرہ اور گردن سب بری طرح متاثر ہوئے تھے انہیں فوری امداد تو فراہم کر دی گئی تھی مگر

ان کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی منہ اور زبان بھی اسی طرح جلے تھے کہ کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا کہ وہ مستقبل میں بولنے کے قابل بھی ہوں گے یا نہیں۔

نمل کا دل یہ سب سن کر خون ہو گیا تھا مگر جب اسے یہ پتا چلا کہ یہ سب حشام کی بہن شائلہ نے کیا ہے تب وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو گئی۔

جو کچھ حشام کے ساتھ ہوا تھا اس پر جب نمل کو اتنا دکھ تھا تو اس کی بہن کے درد کا کیا عالم ہو گا ایسے میں اگر اس نے یہ قدم اٹھایا تھا تو نمل اگر اسے بخش نہیں کہہ سکتی تھی تو غلط بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

سب سے بڑھ کر اہم بات یہ تھی کہ شائلہ نے یہ کارروائی کرنے کے بعد وہاں سے فرار ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ وہیں کھڑے رہ کر وہ عظمت خلیل کے ترشے کا منظر دیکھتی رہی تھی۔

ایک کم عمر لڑکی ہونے کے باوجود اس نے سب کچھ کسی ظالم حکمران کی طرح بڑے سکون کے ساتھ دیکھا تھا بلکہ جب اسے گرفتار کیا گیا تو اس کے چہرے پر ایک تسکین تھی جیسے اب اس کے ساتھ کچھ بھی ہو اسے فرق نہیں پڑتا وہ وہ جو چاہتی تھی وہ کر چکی تھی آگے اپنے انجام کی اسے کوئی فکر نہ ہو۔

یہ تو صرف ایک شائلہ تھی جو منظر عام پر آگئی تھی اس جیسے اور نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے جو عظمت خلیل کے لیے ایسے ہی جذبات رکھتے ہوں گے نہ جانے کتنے لوگوں کی بددعا میں تھیں جو آج عظمت خلیل اتنی تکلیف میں آپریشن ٹیبل پر پڑے تھے کہ سرجری ہونے کے باوجود ان کی ایک آنکھ کی بینائی واپس نہیں آسکتی تھی اور نہ ہی چہرے کے اندوخال پہلے کی طرح ہو سکتے تھے۔

انسان س بات برا کرتا ہے اور کس بات پر اترتا ہے جب اسے پیدا کرنے والے خداوند کریم نے خود فرما دیا کہ نہ تو آسمان کو چھو سکتا ہے نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے تو پھر انسان اپنی اوقات کیوں نہیں پہچان لیتا۔

وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی مخلوق پر ظلم کرے گا اور اس کا حساب بھی نہیں دینا پڑے گا۔

جس نے پوری کائنات بنائی ذرے سے لے کر پہاڑ تک ہر چھوٹی بڑی شے کا جو مالک ہے جو ہر جاندار کو روزق دے رہا ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ سے واقف ہے وہ اگر کسی کو گناہ کرنے کا موقع دے رہا ہے تو اس کا یہ مطلب توڑی ہے کہ وہ کبھی اسے اپنی پکڑ میں نہیں لے گا۔

یہ مہلت اس کی معافی نہیں ہے بلکہ ایک موقع ہے کہ اب بھی سنبھل جاؤ مگر انسان سدا کا ناشکرا ہے وہ تب تک گناہ کیے جاتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے۔

عذاب آنے کے بعد وہ معافی مانگتا ہے اور تائب ہو کر رہنے کے وعدے کرتا ہے لیکن وہ یہاں بھی جھوٹ بول رہا ہوتا ہے کیونکہ اگر اسے دوبارہ موقع دیا جائے گا تو وہ دوبارہ اسی روش کو اختیار کر لے گا۔

اسی لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت راہ حق پر ہونا ہے جس کے پاس ہدایت موجود ہے وہ اگر بھٹک بھی جائے تو توبہ کر کے پھر ان بندوں میں شامل ہو سکتا ہے جن پر اس کا خاص کرم ہوتا ہے۔

لیکن جس کا دل ہی منور نہ ہو جس کے اندر ایمان کی طاقت ہی موجود نہ ہو اس کا بینک بیلنس چاہے کتنا بھی ہائی ہو چاہے اس کے پاس دنیا کی ہر شے اور عیش و آرام موجود ہو حقیقت میں اس سے زیادہ غریب اور مفلس کوئی نہیں ہے۔

لیکن عظمت خلیل نے منافقت کا جو لبادہ اوڑھ رکھا تھا اس کے باعث کچھ لوگ ایسے تھے جو عظمت خلیل کی خاطر اپنی جان تک دے سکتے تھے۔

انہیں جب عظمت خلیل کے ساتھ ہوئے سانحہ کا علم ہوا تو وہ غم و غصے سے پاگل ہو گئے حالانکہ شائلہ کو پولیس نے فوراً اپنی حراست میں لے لیا تھا پھر بھی عظمت خلیل کے لیے جان دے دینے کا جذبہ رکھنے والے ان کے

رہنماؤں نے پولیس کی گاڑی پر حملہ کرتے شاملہ کوچ سڑک پر کافی تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ خود جیل پہنچنے کی بجائے ہسپتال پہنچ گئی تھی۔

یہ سب جان کر نمل بس پتھر اے ہوئے انداز میں ہسپتال کے کوریڈور میں بیٹھی تھی۔ عظمت خلیل آئی سی یو میں تھے وہ ان سے مل نہیں سکتی تھی ہسپتال کے باہر بھی ان کے احسانوں تلے دبے لوگوں کا ایک بڑا جھوم اور میڈیا سے تعلق رکھنے والے کئی لوگ موجود تھے لہذا جس جگہ نمل بیٹھی تھی وہی سب سے مناسب جگہ تھی جہاں اسے مکمل تنہائی اور خاموشی میسر تھی۔

اس جگہ بیٹھی وہ عظمت خلیل کے صحتیاب ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھی حالانکہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ان کے لیے پریشان ہو سکتی ہے ان کی زندگی کے لیے دعا گو ہو سکتی ہے ان کے لیے آنسو بہا سکتی ہے۔

مکرمی زندگی ہے بعض اوقات وہ ہو جاتا ہے جو انسان نے بھی سوچا نہیں ہوتا۔ عظمت خلیل نے چاہے انہیں جتنی بھی ازیتیں دی ہوں چاہے جتنے بھی دکھ دیے ہوں ان دونوں ماں بیٹی کے دل میں کبھی یہ خواہش نہیں ابھری کہ ان کا کیا ان کے آگے آئے انہوں نے تو ہمیشہ یہی چاہا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تائب کر دے ان کا دل بدل دے۔

لہذا اس وقت ان کے لیے دعا کرنے کے ساتھ ساتھ نمل شاملہ کے لیے بھی بہتری مانگ رہی تھی۔ کیونکہ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا مانگے چنانچہ جو اس کے حق میں بہتر ہو اس کے ساتھ وہی ہو۔

الیان پہلے جب خرم کو اس کے گھر چھوڑنے آیا تھا تب صرف ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چلا گیا تھا۔ مگر آج وہ خرم کے کمرے تک آیا تھا۔ پھر بھی اسے اس گھر سے کسی قسم کی انانیت کا احساس نہیں ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ بہت چھوٹا تھا۔ جب اس گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو گیا تھا اس کی اتنی یادیں وابستہ نہیں تھیں جو اسے ستائیں۔

دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ گھر کا نقشہ مکمل طور پر تبدیل ہو چکا تھا۔ بلال اختر نے ان کے گھر کو اپنے گھر کے ساتھ اس طرح جوڑا تھا کہ اس کا اصل نقشہ مسخ ہو گیا تھا۔

اس کے بعد فرقان حسن نے بھی گھر میں نیا پینٹ اور کچن وغیرہ کے ٹائلز تبدیل کر کے گھر کو بالکل نئے طرز کا بنالیا تھا۔ چنانچہ اب اس گھر کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی گھر ہے۔

پھر سب سے بڑھ کر عائشہ اختر، زوبیہ کی وجہ سے جس ذہنی و جذباتی ازیت سے گزر رہی تھیں اس کے بعد ریاض غفار سمیت ان سب کے دل میں وہ ساری کدورتیں دھل گئی تھیں جو انہیں واپس اس گھر میں آنے پر اکساتی تھیں۔

بلکہ عائشہ اختر سے مل کر ان سب کو یہی احساس ہوا تھا کہ اچھا ہی ہوا جو وہ یہ گھر خرید کر دوبارہ اس میں شفٹ نہیں ہو سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو خواہ مخواہ وہ خلیج جو ریاض غفار اور عائشہ اختر کے درمیان کچھ ماند پڑ گئی تھی دوبارہ پوری شدت سے ابھر آتی۔

الیان، خرم کے گھر آکر مسلسل یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ خرم کے ملازم نے اسے خرم کے کمرے میں ہی بلا لیا۔ لہذا جب وہ اس کے کمرے تک پہنچا تو اس کی توجہ اس گھر کی جانب سے مکمل طور پر ہٹ چکی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں لکھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹریوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

شخص کی جان بچاتے ہوئے حالانکہ وہاں بہت سارے لوگ تھے۔ کوئی بھی اس کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ صرف ایک میں تھا جس نے اس کی جان بچانے کی کوشش کی حالانکہ مجھے اس کی موت سے فائدہ بھی تھا پھر بھی میں نے یہ عظیم کام کیا۔ اسی لیے وہ مجھے ایک اچھا انسان سمجھتی تھی۔ میں نے ایسا کوئی قدم بھی نہیں اٹھایا تھا۔ میں نے کبھی کسی کی جان نہیں بچائی تھی اور وہ بھی بھرے مجمع میں جہاں بے تحاشا لوگ موجود ہوں۔

میں نے اس کی بات سن کر یہی سوچا تھا کہ اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ لیکن آج صبح میری یونیورسٹی میں میرے ایک بات بڑے حریف کو گولی لگی۔ اس کے اپنے دوست تک اس کی مدد کرنے آگے نہیں بڑھے بلکہ سب اسے چھوڑ کر ہھاگ نکلے تاکہ پولیس کے بیان وغیرہ سے بچ جائیں۔ تب میں اسے اپنے کندھے پر ڈال کر اپنی گاڑی تک لے کر گیا پھر میرے دوستوں نے بھی میرا ساتھ دیا اور ہم نے اسے اسپتال پہنچا دیا۔

اس کی حالت کافی سیریس تھی۔ اگر دیر ہو جاتی تو وہ مر سکتا تھا۔ لیکن وہ بچ گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میں بھی پولیس کے شک کے دائرے سے باہر ہو گیا ہوں ورنہ ایک عام رائے ہے کہ میری ممکنہ اس کی وجہ سے ٹوٹی ہے۔

وہ میرا حریف بھی تھا۔ میری منگیتر کو بھی مجھ سے چھین چکا تھا۔ مجھے اس کی جان بالکل بھی نہیں بچانی چاہیے تھی مگر اس بھرے مجمع میں سوائے میرے کسی نے یہ قدم نہیں اٹھایا۔ البتہ ہماری تصویر کھینچ کر فیس بک پر ضرور ڈال دی وہ دیکھو۔ "خرم کتنا چلا گیا۔"

اس کے آخری جملے پر الیان نے پلٹ کر اس کی کمپیوٹر ٹیبل کی جانب دیکھا تو مونث پر واقعی ایک تصویر نظر آئی۔

خرم کا چہرہ اس میں واضح طور پر نظر آ رہا تھا جبکہ جس شخص کو اس نے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا اس کی پیٹھ تھی مگر وجود اور خون میں لست پست قمیص ظاہر کر رہی تھی کہ وہ شدید زخمی ہے۔

الیان نے گردن موڑ کر واپس خرم کی جانب دیکھا تو خرم نے ایک کانڈ اس کی جانب بڑھا دیا۔ اب کی بار الیان کانڈ پر سرسری نظر نہ ڈال سکا بلکہ وہ شدید سا کانڈ کو دیکھ گیا جہاں کمپیوٹر پر موجود تصویر کا ہو ہو منظر اس کی صورت میں مزین تھا۔ صرف خرم کی شکل واضح نہیں تھی یا یوں کہہ لیں کہ بنائے والے کی ڈرائنگ اتنی اچھی نہیں تھی کہ وہ شکل کی بخوبی تصویر کشی کر سکتا۔ البتہ اس نے منظر بالکل وہی دکھایا تھا۔ یعنی کندھے پر کسی زخمی کو ڈالے کوئی شخص دوڑ رہا تھا۔

"یہ تصویر زوسیہ نے بنائی تھی۔ یہ دوسرا، بلکہ یہ تمام تصویریں زوسیہ کی ہی بنائی ہوئی ہیں۔" خرم نے ایک اور صفحہ اس کے آگے کیا۔ جس پر ایک زخمی لڑی موجود تھی اور اس کے سر سے خون نکل رہا تھا۔

"زوسیہ نے بتایا تھا اس کے کالج میں ایک لڑکی ہوتی تھی نٹاشا جس نے زوسیہ کو ایک زمانے میں کافی پریشان کیا تھا۔ پھر وہ اچانک غائب ہو گئی اور بعد میں اس کی لاش ملی تھی۔"

زوسیہ کے والدین کا خیال تھا اسے بھی زوسیہ نے مارا ہے کیونکہ جب وہ غائب تھی اور اس کی تلاش جاری تھی زوسیہ نے تب ہی بتا دیا تھا کہ وہ مر چکی ہے۔

اس کی موت پاؤں مڑ کر گڑ میں گر جانے کے باعث ہوئی تھی اور اسی لیے اس کی ڈھتھ باڈی دو دن بعد ملی۔ مجھے

اس لیے خرم پر نظر پڑتے ہی اس نے بڑے دوستانہ انداز میں اسے سلام کر کے اس طرح اچانک بلانے کی وجہ پوچھی تھی جس پر خرم پر سوچ نظروں سے ایسے الیان کو دیکھنے لگا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

"کیا بات ہے زوسیہ کا کوئی سراغ مل گیا ہے؟" اس کے اتنے شارٹ نوٹس پر بلانے کا مطلب صاف تھا کہ ضرور کوئی اہم بات ہے اور فی الحال زوسیہ سے زیادہ اہم کچھ اور تھا نہیں۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔" خرم کی نظروں کی طرح اس ہلچہ بھی سوچتا ہوا تھا۔ الیان تیزی سے اس کے قریب آ بیٹھا جو بند پر مختلف کانڈات پھیلانے بیٹھا تھا۔ "کمال ہے زوسیہ؟" الیان نے بے چینی سے پوچھا۔ مگر خرم نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اس کے بستر پر جو

کانڈات پھیلے تھے ان میں سے دو تین اس کے ہاتھ میں تھے اور وہ انہیں بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ الیان نے اس کا انہماک دیکھ کر کانڈات پر سرسری سی نظر ڈالی تو کچھ الجھ سا گیا۔ وہ مختلف اوراق پر بنائے گئے مختلف اسکیمہز تھے۔

"کیا ہے یہ؟" خرم کی محویت دیکھتے ہوئے الیان نے تھوڑا سا زکرو پوچھا۔ "یہ زوسیہ کی بنائی ہوئی ڈرائنگز ہیں۔" خرم نے کہنے کے ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑے کانڈات اس کی طرف بڑھا دیے۔

"جب ہم اس گھر میں شفٹ ہوئے تھے تب یہ کچھ کانڈات اس کمرے میں رہ گئے تھے۔ یہ زوسیہ کا کمرہ ہوا کرتا تھا۔"

اس وقت ان کانڈات کو ملنے یہ سوچ کر پھٹکنے کی بجائے ملازموں سے گھر کے پچھلے کمروں میں ڈلوادیے تھے کہ کہیں سامان بیک کرنے کی جلدی میں یہ ڈیٹا غلطی سے رہ نہ گیا ہو۔

اگر بال بال آخر کی فیملی نے بعد میں ایسی کسی چیز کا تھنسا کیا تو ان کے دیگر سامان کے ساتھ یہ بھی پہنچا دیں گے مگر انہوں نے یہ سامان کباز سمجھ کر چھوڑا تھا۔ لہذا ابھی مطالبہ کیا ہی نہیں۔

اور ہم بھی روٹین لائف میں ایسا بڑی ہوئے کہ پچھلے کمرے کی صفائی کا نمبر ہی نہیں آیا اور یہ سامان تب سے اب تک وہیں کا وہیں پڑا ہے جسے میں نے آج نکالا ہے۔ خرم بڑی تفصیل سے بول رہا تھا۔ مگر الیان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

اسے زوسیہ کے بارے میں جاننے کی اتنی جلدی تھی کہ اس نے ہینٹمنگز پر غور بھی نہیں کیا تھا اور مسلسل خرم کو سوالیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

اس کی بات ختم ہونے تک الیان کے چہرے پر بے زاری صاف بڑھی جا سکتی تھی۔ البتہ وہ کافی تحمل سے بیٹھا تھا۔ جیسے اب بھی اس کی اگلی بات سننے کا منتظر ہو۔ کیونکہ اسے امید تھی کہ اگر خرم نے اسے اس طرح اچانک بلایا تھا تو وہ یقیناً "کوئی اہم بات کرنے والا ہو گا۔ تب ہی خرم اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تم زوسیہ کو کتنا جانتے تھے؟"

"بالکل نا جاننے کے برابر۔ ہم تو کبھی ملے بھی نہیں۔" الیان فوراً بولا۔ "ہوں۔" خرم نے ہنکارا بھرا "پھر کتنا شروع کیا۔"

"زوسیہ نے ذکر کیا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے سے پہلے سے مجھے جانتی ہے۔ اس نے مجھے دیکھا تھا ایک بار ایک

اگر اس نے شائستہ خالہ کے بارے میں نہ سنا ہو تا تو ہو سکتا تھا وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوئی ہوتی کہ یہ سب اس کی مرحومہ خالہ کی روح کر رہی ہے۔

لیکن شائستہ خالہ سے وابستہ کہانیوں کو جب اس نے اپنی سوچ کے مطابق جوڑا اور پھر اس کے ساتھ زندگی میں جو کچھ ہوتا رہا اس کے بعد اس نے اپنی ایک الگ کہانی بنائی۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ شائستہ خالہ کا کوئی سایہ کبھی تھا ہی نہیں اگر کچھ تھا تو صرف مستقبل کی وہ جھلکیاں جو زویہ کے ساتھ ہونے والی تھیں خرم نے بستر پر ایک صفحہ اور اٹھالیا۔

جس میں دو لڑکے ایک لڑکی پر وحشیانہ طور پر حملہ آور تھے۔
”تمہارا مطلب ہے۔“ الیان نے کتنی دیر بعد زبان کھولی مگر اب بھی وہ خود کو بولنے پر آمادہ نہ کر سکا۔
جو کچھ خرم کہہ رہا تھا وہ اس پر یقین نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر دماغ کا کوئی ایک کوننا اسے کچھ کے لگا رہا تھا کہ خرم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ لہذا وہ اسے جھٹلا نہیں پا رہا تھا۔

خرم صفحہ پر سے نظریں ہٹا کر عجیب سے انداز میں الیان کو دیکھنے لگا۔
”زویہ نے ایک بار میرے دوست حمید پر حملہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ یہ شائستہ خالہ کا قاتل ہے۔
بلکہ اس نے مجھے وہ جگہ تک بتائی تھی جہاں شائستہ خالہ کی لاش دفن ہے۔ وہ میرے دوست دکی کے فادر کا فارم ہاؤس تھا۔

میں نے زویہ کے ساتھ جا کر وہاں اس قبر کو کھود کر لاش تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر وہاں کچھ ہوتا تو ملتا۔

سب سے بڑھ کر جب میں آخری بار زویہ سے ملا تھا تب اس نے مجھے شائستہ خالہ کے قاتل کا نام تک بتایا تھا

واحد۔
اس وقت میں اس کی بات کو اس کا یا گل بن سمجھ کر نظر انداز کر کے آگیا تھا۔
لیکن آج کمپیوٹر پر اس تصویر کو دیکھ کر جیسے سارے بند دروازے ایک دم کھل گئے۔
جیسے ساری گتھیاں سلجھ گئیں۔
اس وقت واحد کا نام سن کر کوئی خیال نہیں آیا۔

مگر آج اچانک یاد آیا ہے کہ جیسے ہم سارے دوست بلکہ اس کے ارد گرد موجود تمام لوگ دکی کہہ کر پکارتے ہیں اس کا اصل نام واحد ہے جو شاید وہ خود بھی بھول گیا ہو گا۔“ الیان سکتے کے عالم میں خرم کو دیکھ رہا تھا۔
خرم اب کیا کہنے والا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ مگر اس کا دل دماغ اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا۔
کچھ ایسی ہی حالت خرم کی بھی تھی تب ہی وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا اور آگے کچھ نہیں بول رہا تھا۔ آخر کافی دیر گزرنے پر الیان کو ہی کہنا پڑا۔

”تمہارے دوست دکی اور حمید زویہ کو کیوں ماریں گے اور وہ انہیں مل کیسے گئی۔ وہ تو پاگل خانے میں تھی۔“
”وہ کیوں ماریں گے اس کا جواب تو ان صفحوں پر موجود ہے۔

مجھے زندگی میں کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ دونوں اس حد تک گر سکتے ہیں لیکن میں انہیں کافی قریب سے جانتا ہوں وہ خاصے گھسٹا اور آوارہ ہیں۔

زویہ انہیں کیسے مل گئی؟ یہ تو وہی بتا سکتے ہیں لیکن مجھے یہ یقین ضرور ہے کہ زویہ کی بتائی دوسری تمام ڈرائنگز کی طرح یہ سب بھی جھوٹی نہیں ہیں۔

لگتا ہے یہ تصویر اسی مناشا کی ہے۔ الیان پریشان نظروں سے خرم کو دیکھنے لگا۔ جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے۔

”الیان زویہ نے بہت بار مجھ سے کہا تھا کہ اسے لگتا ہے کہ صرف میں ہوں جو اس کی مدد کر سکتا ہوں۔“
آج میری سمجھ میں آیا ہے کہ وہ ایسا کیوں کہتی تھی۔ ساری دنیا اسے پاگل سمجھتی تھی حتیٰ کہ اس کے ماں باپ بھی۔ لیکن وہ پاگل نہیں تھی اس میں کمی تھی تو صرف اعتماد اور فہم کی۔

کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسی صلاحیت دیتا ہے کہ وہ لوگ وہ دیکھ لیتے ہیں جو مستقبل میں ہونے والا ہوتا ہے۔ لیکن ان کا یہ علم بڑا محدود ہوتا ہے۔ وہ مستقبل میں ہونے والے حادثے کو بدل سکتے ہیں ہی اس کے وقوع پذیر ہونے کا صحیح وقت جانتے ہیں بلکہ بعض اوقات وہ کچھ نہیں پاتے کہ انہوں نے کیا دیکھا تھا۔
زویہ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھی اس نے مجھے میں۔ لہذا تمہارے پتا تھا کہ میں نے ایک شخص کی جان بچائی تھی۔

وہ اتنی ذہین نہیں تھی کہ ماضی اور مستقبل میں فرق کر پاتی وہ یہ سوچتی تھی کہ اس نے مجھے دیکھا ہے تو اس کا مطلب ہے ماضی میں کہیں دیکھا ہو گا۔

جبکہ اس نے مجھے یا تو خواب میں دیکھا تھا یا نیم غنودگی میں۔ اسی عالم میں وہ یہ ساری ہیبت شکنج بنایا کرتی تھی۔
ڈاکٹر شکیلہ کی تشخیص صحیح تھی۔ وہ اسپلٹ پرسنلٹی تھی۔ یعنی دہری شخصیت۔

جب وہ زویہ ہوتی تھی تب بالکل نارمل ہوتی تھی۔ بلکہ کسی حد تک بودی اور کنزرویٹو لڑکی ہوا کرتی تھی۔
زویہ سے ہٹ کر جب وہ دوسری لڑکی بنتی تھی تب ہی وہ یہ سارے اسکیہ چیز بناتی تھی۔ اسی عالم میں اس نے حمید پر حملہ بھی کیا تھا۔

اس ٹرانس میں وہ جو کچھ بھی کرتی تھی اسے لگتا تھا وہ شائستہ خالہ کر رہی ہیں۔ حالانکہ وہ سب وہ خود ہی کر رہی ہوتی تھی جیسے اپنی ایک دوست پر اس نے اسی گھر کی چھت پر حملہ کیا تھا۔ جس کے بعد بلال اختر نے اس گھر کو بیچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ حملہ کسی شائستہ خالہ کی روح نے نہیں خود اس نے کیا تھا مگر یہ نیم غنودگی یا دورہ پڑنے کی کیفیت سے جب وہ ہر آئی تو اس نے یہی کہا کہ اس نے شائستہ خالہ کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا۔“ خرم کہتا چلا گیا۔
الیان ایک دم چپ بیٹھا بڑے غور سے اسے سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی وہ کچھ نہیں بولا تو خرم کو ہی کہنا پڑا۔ ”تمہیں یقین نہیں آ رہا۔“

اب ایک اور بات سنو میں جب زویہ سے پاگل خانے ملنے گیا تھا تب اس نے بتایا تھا کہ شائستہ خالہ بھی اپنی زندگی میں پاگل خانے آئی تھیں۔ کیونکہ اس نے شائستہ خالہ کو بھی ہو ہوا اسی حلیے میں دیکھا تھا۔

جبکہ سچ یہ ہے کہ اس نے خود کو ہی دیکھا تھا لیکن وہ جو میں نے پہلے کہا تھا کہ وہ اتنی سمجھ دار نہیں تھی یا شاید اللہ تعالیٰ غیب کا علم کسی کو دیتا نہیں اگر کچھ دکھاتا بھی ہے تو انسان اپنی کم فہمی کی وجہ سے اسے سمجھ نہیں پاتا۔
یہی زویہ کے ساتھ ہوا اسے پتا تھا کہ وہ ایک دن پاگل خانے آئے گی اسی جگہ پر اسی یونیفارم میں مگر وہ یہ بات سمجھ نہیں سکی۔

کچھ اس کے ساتھ بچپن میں ایسے حادثے رونما ہوئے اور ایسی کہانیاں اسے سنائی گئیں کہ ایک ایسا کردار اس کی زندگی میں حاوی ہو گیا جو کبھی تھا ہی نہیں۔

حالانکہ وکی کے والد نے پولیس کا لحاظ کیے بغیر خرم کو خوب کھری کھری سنائی تھی۔ جسے خرم نے بڑی خاموشی سے سنا تھا۔

اپنی جگہ وہ اسے صحیح لگ رہے تھے۔ بیٹے کے دوست نے ان کے بیٹے کے اوپر کیس فائل کر دیا تھا۔ وہ جو بھی کہتے تھے تم تھا اور سب کچھ اتنے اچانک کیا تھا کہ وہ اپنا بچاؤ بھی نہیں کر پائے تھے۔ اس میں ان کا تملانا غلط نہ تھا۔ جب وہ فارم ہاؤس کے پچھلے حصے میں پہنچے تو خرم کی بے چینی سکھ میں تبدیل ہونے لگی۔

دیوار کے پاس لگے ایک درخت کے قریب جہاں زوسیہ نے کانٹے ہاتھوں کے ساتھ شائستہ خالہ کی قبر کی نشاندہی کی تھی اور جہاں خرم نے اپنی پوری جان مار کر اچھا خاصا گڑھا کھود لیا تھا۔ وہاں اب کوئی کھدائی کے آثار نہیں تھے بلکہ گڑھے کو بھر دیا گیا تھا۔ لیکن مٹی کی شکل دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ گڑھا ابھی کچھ دن پہلے ہی بھرا ہے۔ اسی لیے زمین ابھی تک پوری طرح ہموار نہیں ہوئی تھی اور کسی قبر کی طرح تھوڑی سی ابھری ہوئی تھی۔

پولیس کے ساتھ آئے مزدوروں کو جب خرم نے اس مخصوص جگہ کی کھدائی کرنے کو کہا تب اسے اچھی طرح احساس تھا کہ کئی ماہ پہلے زوسیہ نے جب اسے کھدائی کرنے کے لیے کہا تھا تو اس وقت زوسیہ کے کیا محسوسات ہوں گے۔

مزدوروں نے زمین کھودنی شروع کی تو خرم سن ذہن کے ساتھ ہاتھ باندھے انہیں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اتنا ہی گڑھا کھود لیا جتنا خرم نے ان سے چار گنا زیادہ وقت میں کھودا تھا۔ تب مزدور کی کدال کے ساتھ ایک کپڑا بھی کھینچتا دبا ہوا آگیا۔

وہاں موجود تمام نفوس بری طرح چونک اٹھیں۔ وکی کے والد جو سخت طیش کے عالم میں ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی گویا جھٹکا کھا کر اپنی جگہ سے چند قدم آگے آگئے۔

مٹی میں اٹا وہ میلا کپڑا یقیناً "سفید رنگ" کا رہا ہوگا۔ اس کپڑے کے نظر آنے کے بعد مزدور نے کدال ایک طرف رکھ دی اور بڑی احتیاط سے ہاتھ سے مٹی ہٹانے لگے۔

جیسے جیسے مٹی ہٹی جا رہی تھی انصاف میں ایک عجیب سی بدبو پھیلی جا رہی تھی۔ سبھی بے چینی اور فکر مندی سے کبھی ایک دوسرے کو اور کبھی مزدور کی کارروائی کو دیکھ رہے تھے کہ آخر ایک مزدور نے آواز لگاتے ہوئے کہا۔

"صاحب یہ کسی لڑکی کی لاش ہے۔"

(آخری قسط ان شاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شان کے ہیں

خوبصورت مرد

خوبصورت عورت

مضبوط جلد

آفٹ ہیج

☆ تملیاں، پھول اور خوشبو راحت جبین قیمت: 250 روپے

☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 600 روپے

☆ محبت بیاں نہیں لبنی جدون قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اس قبر میں یہ دو لڑکے جس لاش کو دفن رہے ہیں یہ زوسیہ کی سے اور یہ دونوں لڑکے وکی اور حمید ہیں۔" الیان سارے صفحے بستر پر پھیلتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے سر کے بالوں کو مٹھیوں میں ایسے جکڑ لیا جیسے اس کا ذہن یہ سب سننے اور یقین کرنے کی تاب نہ لا رہا ہو۔

خرم کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر ہاتھ میں پکڑے کاغذات ایک طرف رکھتے ہوئے وہ بھی الیان کے روبرو کھڑا ہو گیا۔

"الیان اب ہمیں زوسیہ۔"

"خرم پلیز چپ ہو جاؤ بھلے ہی ہمارے گھرانوں میں لڑائی رہی ہے، لیکن وہ ہے تو میری کزن ہمارے خاندان کی عزت ہماری عزت۔"

میں اس کے بارے میں یہ سب۔" الیان کے لہجے اور انداز میں بے تحاشا بے چینی تھی۔

"میں کچھ سکتا ہوں۔ میری تو وہ کزن تھی نہ غیرت ایک مطلب کے تحت میں نے اس سے دوستی کی تھی۔ لہذا اسے بھی دوست بھی نہیں سمجھا۔"

لیکن کسی بھی لڑکی کے لیے یہ سب سننا آسان نہیں چاہیے اس سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر زوسیہ کے ساتھ یہ سب ہوا ہے تو اس کے مجرموں کو سزا تو ملنی چاہیے۔ ان کا جرم تو سامنے آنا چاہیے اور یہ کام ہمیں آج ہی کرنا ہے۔

میں ڈیڈ کے دوست کو فون کر رہا ہوں جو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ڈی آئی جی ہیں۔

وکی اور حمید جن گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں ان پر اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا، ہمیں پوری تیاری کے ساتھ جانا ہوگا۔ اگر وہ پہلے ہوشیار ہو گئے تو وہ شواہد مٹا بھی سکتے ہیں۔"

"تمہارے ارادے کیا ہیں؟" الیان ٹھنک کر خرم کو دیکھنے لگا۔ جس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ سب کچھ سوچ بچار کیے بیٹھا ہے۔

مگر خرم نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے کسی غیر مرئی نقطہ کو دیکھتے ہوئے یاسیت بھرے انداز میں کہا۔

"زندگی میں پہلی بار میں یہ چاہ رہا ہوں کہ میں غلط نکلوں۔ جو اندازے لگائے اور جو نتائج میں نے اخذ کیے ہیں اللہ کرے وہ سب غلط نکلیں، بھلے ہی مجھے سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے مگر زوسیہ وہاں سے برآمد ہو جہاں سے مجھے یقین ہے کہ وہ مل جائے گی۔"

وکی کے فارم ہاؤس پر پولیس لے کر پہنچنا اتنا آسان کام نہیں تھا وہ بھی محض شک کی بنیاد پر مگر فرقان حسن کے دوست ڈی آئی جی صاحب نے فرقان حسن کے کہنے پر اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کر ڈالا اور کورٹ کے آرڈر لے کر وکی کے والد کے پاس پہنچے تاکہ وہ بالکل بے بس ہو جائیں۔

کیونکہ اگر انہیں پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو نہ صرف وہ آرڈر رکوا سکتے تھے بلکہ وکی کو بچانے کے لیے پہلے ہی فارم ہاؤس سے شواہد مٹا سکتے تھے۔

پولیس کے عملے کے ساتھ ڈی آئی جی صاحب، الیان، خرم اور وکی کے والد تک فارم ہاؤس آئے تھے۔

بالآخر کو ابھی کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ الیان نے تو اپنے گھر میں بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ سب کو پہلے سے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ابھی بھی وہ دعا گو تھا کہ خرم کے سارے شکوک غلط ثابت ہوں۔



سائیکہ ضیق

فوزیہ یامین



زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات و خسارت ہوتی ہے۔ جو اس کے کان میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ و خسارت رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلائے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سسٹل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لپکی دعوت دیتی ہے۔ اس آخر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں بچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ و خسارت اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سرہیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چل جاتی ہے۔ اور کوئی و خسارت کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

۴۶-
چھکیا ایسوس قیظ



خرم کا دل جیسے بالکل سڑ کر پھیلا تھا گویا اس کے بدترین اندازے درست تھے لاش کی شناخت اور پوسٹ مارٹم سے جو بھی ثابت ہوتا تھا وہ بعد کی بات تھی لیکن خرم کا وجد ان اسے بتا چکا تھا کہ یہ زویہ ہی ہے ڈی آئی جی صاحب بھی آگے آگئے تھے اور ہونے بنے کی کے والد پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگے۔

”ہاں ہاں پتا ہے لاش لڑکی کی ہے باہر نکال لو اسے۔“
ایک بری سی بدبو جو پہلے ہی انہیں احسان دلانا شروع کر چکی تھی کہ وہ کسی ناگوار چیز کے بہت قریب موجود ہیں پوری فضا میں پھیل گئی تھی۔
خرم کے لیے وہاں بھرتا مشکل ہو گیا اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ابھی اور اسی وقت یہاں سے دور چلا جائے مگر وہ کی کے والد نے جو شور مچانا شروع کر دیا اس کی وجہ سے وہ وہاں سے ہٹ بھی نہیں سکا۔

”یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ یہ میرے بیٹے کے خلاف کوئی سازش ہے۔ میں نے تو خرم کو اس کا دوست سمجھا تھا اس کھدائی کی اجازت دے دی تھی۔“
ورنہ پولیس اور کورٹ کے آرڈرز کو تو میں پھاڑ کر پھینک دیتا۔“ وہ اس وقت شدید ذہنی صدمے کا شکار تھے لہذا غیر سوچے سمجھے بول رہے تھے۔
ورنہ سچ تو یہی تھا کہ انہیں صرف کورٹ کے آرڈرز نے مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ خرم تو کیا خود اپنے بیٹے کے کہنے پر بھی اپنے فارم ہاؤس میں اس کھدائی کی اجازت ہرگز نہ دیتے۔

مگر اس وقت کسی کو بھی ان کی اس فضول بلواس کا جواب دینے کا ہوش نہیں تھا۔
الیان اب بھی دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ یہ سب جھوٹ ہو پہلے ہی یہاں لاش برآمد ہو گئی ہے لیکن وہ زویہ کی نہ ہو کچھ ایسے ہی احساسات خرم کے بھی تھے بلکہ اس کے قدم تو خود بخود قبر کی طرف اٹھنے شروع ہو گئے تھے۔
ڈی آئی جی صاحب نے جب اسے قبر کے نزدیک جاتے دیکھا تو اسے آواز دے کر روکنا بھی چاہا مگر تب تک وہ گڑھے کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔

دو آدمی جو بڑے انتہاک اور مہارت سے مٹی ہٹا رہے تھے لاش کا چہرہ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
وہ زویہ تھی یہ کہنا کافی مشکل تھا کیونکہ اس کا چہرہ خاصا خراب ہو چکا تھا۔
لیکن یہ یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ جو چہرہ زویہ مختلف اور ارق پر اس کے چہرے کی صورت میں بنا چکی تھی یہ وہی تھا۔
زمن کے اندر دفن ہو جانے کے باعث چہرے پر جا بجا مٹی چسکی ہوئی تھی پھر بھی اس چہرے پر لگے زخم صاف نظر آ رہے تھے۔

ناخن یا نوکیلی چیز سے کھرچا ہوا خون آلود چہرہ بالکل ہو سوہی تھا جسے زویہ شائستہ خالہ کا چہرہ سمجھتی تھی۔
اسے دفنانے والے بے رحم لوگوں نے اس کی آنکھیں بند کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا چنانچہ وہ اب بھی خوف و ہشت کے ساتھ ساتھ دکھ اور تکلیف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

مرتے وقت وہ کس اذیت اور درد سے گزری تھی یہ اب بھی ان آنکھوں میں صاف رہا جاسکتا تھا۔
”خرم چلو یہاں سے۔“ ڈی آئی جی صاحب نے ایک دم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پیچھے کھینچ لیا۔

وہ کسی زندہ لاش کی طرح ان کے ساتھ کھینچا چلا گیا جب اس قبر کو وہ کھود رہا تھا تب اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہاں سے شائستہ خالہ کی نہیں بلکہ اس لڑکی کی لاش نکلے گی جس نے اس قبر کی نشاندہی کی ہے۔
زویہ نے کسی اور کو نہیں خود اپنے آپ کو یہاں دفن ہوتے دیکھا تھا مگر یہ بات کبھی سمجھ نہیں سکی۔
بچپن سے شائستہ خالہ کے خیالی پیکر کے بارے میں اس نے اتنا سا کہ اس کے ذہن نے خود ہی ایک کہانی

ترتیب دے لی۔

اپنے اندازوں اور مفروضوں پر وہ اتنی آگے نکل گئی کہ ہر بات کو شائستہ خالہ سے وابستہ کرنے لگی۔
وہ ایک دوہری شخصیت کا شکار تھی جب اس پر دوسرا کردار حاوی ہوتا تو وہ خود کو شائستہ خالہ سمجھنے لگتی اور اس دوران جو کچھ بھی کرتی اسے لگتا وہ سب شائستہ خالہ کر رہی ہیں۔

اگر وہ کوئی مضبوط اعصاب کی لڑکی ہوتی تو سب کچھ نہ سہی البتہ بہت کچھ ضرور سمجھ جاتی کم از کم اتنا تو جان ہی لیتی کہ جو کچھ اسے پتا چلتا ہے وہ اسے کوئی مدح نہیں بتاتی بلکہ اس کی مضبوط چھٹی حس کے باعث اسے خود بخود محسوس ہو جاتا ہے جو کسی دوسرے یا خود اس کے اپنے ساتھ ماضی یا مستقبل میں رونما ہونے والے حادثے ہوتے ہیں۔

”کانشیبل اسے اس کے گھر چھوڑ دو۔“ ڈی آئی جی صاحب اسے پولیس موبائل کے قریب لے آئے اور کانشیبل کو ہدایت دے کر اس سے کہنے لگے۔

”تم گھر جا کر تھوڑی دیر لیٹ جاؤ کل کا سارا دن بھی تمہارا بڑے اسٹریس میں گزرا تھا اور آج بھی صبح سے یہ سب۔۔۔ میں یہاں سے ساری کارروائی مکمل کیے بغیر لکھنا نہیں چاہتا ورنہ میں خود تمہیں گھر چھوڑ آتا۔“ خرم مشینی انداز میں پولیس موبائل میں بیٹھ گیا مگر اچانک جیسے اسے ہوش آیا تو وہ چونکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”انکل وہی کے والد کے فارم ہاؤس پر ریٹ ہوئی ہے یہ بات ابھی کون کون جانتا ہو گا۔“
”میرا نہیں خیال یہ بات ابھی کسی کے علم میں ہو گئی کیونکہ وہی کے والد کو تو ہم بغیر کوئی موقع دیے اپنے ساتھ ہی لے آئے اور وہ اتنے خود اعتماد تھے کہ انہوں نے تو شاید اپنے وکیل تک کو فون کرنے کی زحمت نہیں کی۔“
لیکن یہ بات تم کیوں پوچھ رہے ہو۔“ انہوں نے پوچھا تو خرم کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

”کوئی شش کیجے گا کہ وہ یہ سب کسی سے نہ ہی کہیں تو بہتر ہے۔“

”ارے اب تو لاش ان کے فارم ہاؤس سے برآمد ہوئی ہے اس بات سے قطع نظر کہ یہ لاش کس کی ہے۔“
نہیں فوراً حراست میں لیا جائے گا اور کیونکہ تم نے ان کے بیٹے اور ایک دوسرے لڑکے پر بھی شک ظاہر کیا ہے لہذا یہ سب تو تفتیش کی گرفت میں آئیں گے۔“ ڈی آئی جی صاحب نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بڑے سکون سے کہا خرم کچھ دیر سوچ نظروں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے کانشیبل کو حرکت میں آنے کا اشارہ کر دیا۔

تقریباً پون گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد خرم نے پولیس موبائل کو ایک شاندار گھر کے سامنے روکنے کو کہہ دیا اور اسے بھیج کر خود گیٹ کی بیل بجانے لگا۔

وہ اپنے گھر نہیں آیا تھا بلکہ حمید کے گھر آ گیا تھا اس کا ایک اندازہ اس قدر صحیح نکلا تھا کہ اب اسے یہ تامل ہرگز نہیں تھا کہ حمید کا اس ساری کارروائی میں ہاتھ ہے یا نہیں بلکہ اسے یقین تھا کہ یہ ساری کارستانی حمید اور وہی دونوں کی ہے۔

وہی کے والد سب جان چکے تھے دوسرے یہ کہ وہی کے حمید کے مقابلے میں کافی سمجھ دار تھا۔
جبکہ حمید کو شیشے میں اتارنا خرم کے لیے وہی کی نسبت بہت آسان تھا اور وہی سوچتا ہوا وہ حمید کے پاس آیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اس وقت گھر پر ہو گا۔

کل یونیورسٹی میں جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد اسے یقین تھا حمید آج یونیورسٹی نہیں جائے گا کیونکہ دنیا کی نظر میں وہ خرم کا دوست تھا اور خرم نے طلحہ وغیرہ کے خلاف جا کر ان کے مرتے ہوئے دشمن کی جان بچائی تھی لہذا یقین ممکن تھا کہ طلحہ وغیرہ آج اس مدد پر ان سے کوئی بات کرتے۔

ہارون اور نادر نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ایک دو دن یونور شی نہ جانا ہی بستر ہے۔
نیل بجانے کے کچھ دیر بعد ہی وہ حمید کے کمرے میں موجود تھا جو چھٹی کے باعث ابھی تک خواب خرگوش کے
مزے لے رہا تھا اور خرم کی آمد کا سن کر بستر اٹھ کر بیٹھا تھا۔

”تم اتنی صبح میرے گھر پر؟ خیریت تو ہے نا۔“ اس نے منہ پھاڑ کر جمائی لیتے ہوئے پوچھا۔
”تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ صبح نہیں ہے دوسرے روز ہے لیکن اگر آدھی رات بھی ہوتی تو بھی
مجھے تمہارے پاس اسی وقت آنا تھا۔“

خیریت بالکل نہیں ہے بلکہ ایک بہت بری خبر ہے وہی کے والد کا جو فارم ہاؤس ہے اس پر پولیس کی ریت ہوئی
ہے۔ ”خرم کہہ کر چند ٹانہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

وہ حمید کے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا اور اس نے واضح طور پر اسے چوکتے ہوئے دیکھا تھا۔
”پولیس کی ریت۔“ حمید نے اچھے کے ساتھ کہا تو خرم ہاتھ میں چکڑے اپنے موبائل میں ایسے لگ گیا جیسے
کوئی اہم سسج پڑھ رہا ہو۔

آخر حمید سے صبر نہ ہوا اور وہ بستر سے اتر کر اس کے سر پر آگیا۔
”کیا ہوا۔ آگے بھی تو کچھ بولو۔ ان کے فارم ہاؤس پر کیوں ریت ہوئی ہے۔“
”کیا بتاؤں سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے کہوں۔ یا رات کچھ ہو گیا اور تم نے اور وہی نے ہمیں کچھ بتایا تک نہیں“
خرم کی بات پر حمید فکر مندی سے اسے دیکھنے لگا۔
”ت۔ تم کتنا کیا چاہتے ہو۔“

”یہی کہ فارم ہاؤس سے زویہ کی لاش برآمد ہو گئی ہے“ حمید کی آنکھیں حیرت و خوف کے مارے اتنی پھیل گئی
تھیں جیسے اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

”اور وہی نے پولیس کو جو بیان دیا ہے اس میں تو سارا الزام تمہارے سر آگیا ہے جیسے یہ سب صرف اور صرف
تمہارا کیا دھرا ہو اور وہ بالکل بے قصور ہو۔“ خرم کے لہجے میں ماسف بھرا تھا۔
حمید کا چہرہ ایسے سفید پڑ گیا تھا جیسے کانٹو بدن میں لہو نہیں۔

البتہ خرم کی آخری بات سن کر وہ ایک دم ہتھ سے اکھڑتے ہوئے بولا۔
”کیا بکواس کر رہا ہے یہ وہی کا بچہ۔ یہ سارا کیا دھرا اصل میں تھا ہی وہی کا۔“

میں تو اسے منع ہی کرنا رہ گیا مگر تمہیں تو اس کی فطرت پتا ہے اس خبیث کے دماغ میں کچھ سما جائے تو بھلا کوئی
روک سکتا ہے۔“ اسے حمید کی ایک ایک حرکت سے اس کی شدید گھبراہٹ اور گھبراہٹ کے رد عمل میں
جھنجھلاہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی خرم چند ٹانہ کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا۔

”کیا ہوا تھا جو تم لوگوں کو زویہ کو قتل کرنا پڑا۔“ خرم کے لہجے کی سنجیدگی پر حمید نے غور ہی نہیں کیا بلکہ نکل کر
کہنے لگا۔

”میں نے اسے قتل نہیں کیا وہ بےوقوف اپنی وجہ سے مری ہے۔“

کیا ضرورت تھی اسے پاگل خانے سے بھاگنے کی۔ اچھی خاصی آرام سے وہاں بیٹھی تھی لیکن آخر تھی تا پاگل
آدھی رات کو سنسان سڑک پر نکل کھڑی ہوئی اگر میں اور وہی نہ بھی پہنچتے تو بھی کون سا وہ اپنے گھر پہنچ جاتی نہ کوئی
ٹرانسپورٹ تھی نہ راستوں کا پتا تھا۔ بس منہ اٹھا کر چل پڑی۔ ”حمید بھنائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”تو کیا وہ تمہیں سڑک پر مل گئی تھی۔“ خرم اسے بغور دیکھتا رہا اس کا لہجہ بالکل مشینی ہو گیا تھا۔
”ابے نہیں یا میں اور وہی تو شیشہ پینے گھر سے نکلے تھے۔“

اصل میں جس پاگل خانے میں زویہ تھی وہاں ڈیڈ نے اپنا ایک مخبر رکھا ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا بلال اختر اپنی بیٹی
رکھوہاں سے نکلا نہ لیں۔

اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا اور ڈیڈ اسے ہر حال میں پھانسی پر چڑھانا چاہتے تھے کئی بار بلال اختر اور ان کی وائف
نے ڈیڈ کی منت سماجت کی کہ وہ کیس واپس لے لیں وہ انہیں منہ مانگی رقم دے دیں گے مگر ہمیں تو پتا ہے ڈیڈ کتنے
ضدی ہیں۔ وہ بالکل نہیں مانے۔

اسی لیے انہیں ڈر تھا کہ کہیں بلال اختر پاگل خانے کے اسٹاف کو خرید کر اپنی بیٹی کو وہاں سے بھاگ نہ دیں۔

ڈیڈ نے اسٹاف کے کچھ ممبرز کو مینے کے پیسے دینے شروع کر دیے اور صاف تاکید کر دی کہ اگر زویہ ایک منٹ
کے لیے بھی کہیں جاتی ہے چاہے وہ چیک اپ کے لیے ہی کیوں نہ جا رہی ہو۔ انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔
لیکن کچھ دن پہلے آدھی رات کو میرے پاس وہاں کے وارڈ بوائل کا فون آیا وہ ڈیڈ کو فون کر رہا ہے مگر ان کا فون نہیں
لگ رہا۔

ڈیڈ آسٹریلیا گئے ہوئے ہیں ان کا فون بھلا کیسے لگے وارڈ بوائل مجھے بھی جانتا تھا اس نے بتایا کہ زویہ آج
رات کو یہاں سے باہر جانے والی ہے۔

لیکن وہ کوئی قرار نہیں ہو رہی تھی بلکہ وہ اس سسٹر کے ذریعہ باہر جانے کی جو پیسے لے کر محض کچھ گھنٹوں کے
لیے لڑکیوں کو باہر بھیجتی ہے کچھ گھنٹے بعد وہ خود ہی لوٹ آتی ہیں۔

میں اور وہی گاڑی میں ہی تھے ہم لوگوں کو تفریح سوچھی اور ہم نے گاڑی پاگل خانے کی طرف موڑ لی۔ ہم نے
سوچا ذرا دیکھیں تو سسی بظاہر اتنی سیدھی اور شریف نظر آنے والی لڑکی آدھی رات کو آخر کس کے ساتھ جاری
ہے۔

بس ہماری قسمت پھوٹی تھی جو ہم عین ٹائم پر پہنچ گئے۔

مجھے وہی کا تو پتا ہی ہے اس نے جب سے زویہ کو تیرے ساتھ دیکھا تھا وہ تب سے اس کے حسن پر فدا تھا اس پر
اس رات ہم نے شیش بھی خوب ٹائٹ والا چڑھا رکھا تھا۔

بس پھر کیا تھا سڑک پر جب وہی نے اسے تنہا گھبرائے ہوئے انداز میں آگے ہی آگے جاتے دیکھا تو اس نے
آدھی رات اور سنسان علاقے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گاڑی اس کے پیچھے ہی لگا دی۔

میں بھی محض انجوائے منٹ کے لیے اسے چھوڑنے گاڑی سے اتر آیا۔
گمردہ تو بھی ایب نارمل وہ ہم دونوں کو دیکھ کر ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی۔

تب میں نے وہی سے بہت کہا اسے یہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں مگر وہی کا تو دماغ خراب ہو چکا تھا اس کا کہنا تھا
ہم چھوڑ کر جائیں گے تو کوئی اور آجائے گا اور یہ تو پیسے سسٹر کو دے کر نکلی اسی مقصد سے ہے اب اس کا بوائل
فرزند ٹائم پر نہیں آیا تو اس کا مطلب ہے اسے اوپر والے نے اپنے لیے ہی بھیجا ہے۔

اس وہی خبیث نے میری ایک نہ سنی اور زویہ کو گاڑی میں ڈال کر اپنے فارم ہاؤس پر لے آیا اور اپنی قسمت
اتنی خراب کہ جب تک ہم اسے کمرے میں لے کر گئے اسے ہوش بھی آگیا۔

اس نے تو چیخنا چلانا اور شور مچانا شروع کر دیا میں نے کہا اسے ابھی واپس چھوڑ آتے ہیں مگر وہی کی کھوپڑی میں
کسی کی بات کہاں تھی ہے اس نے زویہ کو ڈرانے کے لیے اپنے فادر کا ریوالبور نکال لیا۔

اور۔ اور پھر ہٹا نہیں کیا ہوا یا۔ میری تو کوئی غلطی ہی نہیں ہے میں تو اسے یہاں تک لانے کے حق میں ہی
نہیں تھا مگر وہی کیمنٹ۔ بس بتا نہیں کیسے کوئی چل گئی اور۔ اور وہ ایک سیکنڈ میں ختم ہو گئی۔

ہم دونوں بری طرح گھبرا گئے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ مثالہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں:-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

وکی نے کہا اس کے فارم ہاؤس کے پچھلے حصے میں ایک اسٹور نما کمرہ ہے وہیں اس کی لاش چھپا دیتے ہیں اب میرے پاس وکی کی بات ماننے کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں تھا چنانچہ مجھے بھی یہی مناسب لگا۔

مگر جب ہم پچھلے حصے میں پہنچے تو وہاں تو پہلے سے ایک گڑھا ایسے کھداتھا جسے کوئی قبر ہو تب میں نے اور وکی نے مل کر ندیہ کو وہیں دفنادیا۔

ہم دونوں نے ملے کیا تھا اس بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہنا ہے مگر اس ذلیل وکی نے بیان بھی دے دیا اور پورا الزام بھی میرے سر رکھ دیا۔ یعنی کہ حد کردی اس نے۔ "حمید بولو کھلائے ہوئے انداز میں بغیر رکے تو اتر سے بولے گیا۔ جبکہ خرم دم بخود کھڑا اسے سنتا رہا۔

اسے پتا تھا اس کے یہ دونوں دوست اخلاقی سطح سے خاصے گرے ہوئے انسان ہیں۔ اسے یہ بھی پتا تھا کہ جو بھی اس نے ندیہ کی باتوں کی روشنی میں اندازے لگائے ہیں وہ غلط نہیں ہو سکتے پھر بھی حمید کے منہ سے اپنے تمام اندازوں کو بچھوٹا کر اسے خاصا دھچکا لگا تھا۔

حالانکہ حمید نے ہر بات کا الزام وکی پر رکھنے کی کوشش کی تھی پھر بھی اسے یقین تھا کہ اس گھناؤنے کھیل میں یہ دونوں برابر کے شریک ہیں۔

اگر وکی سے بات ہوئی تو وہ بھی سارا قصور حمید کا بتانے کی کوشش کرے گا اور حمید کی ہی طرح ایسے ظاہر کرے گا جیسے یہ سب اچانک بغیر کسی پلاننگ کے خود بخود ہو گیا۔

حالانکہ سچ تو یہ تھا کہ اتنے مختصر اور ہلکے انداز میں بیان کرنے کے باوجود اس پورے واقعے میں ندیہ کی بے بسی اور مظلومیت پوری طرح عیاں تھی۔

سڑک پر ان دونوں کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے خوف اور دہشت کا کیا عالم رہا ہو گا جب اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

ہوش آنے پر خود کو ان دبھیرٹوں کے ساتھ ایک بالکل انجانی جگہ پر دیکھ کر اس کے کیسے روٹنے لگے ہو گئے ہوں گے اس کے باوجود وہ ہمت ہارنے کی بجائے اکیلی ان دونوں کا مقابلہ کرتی رہی یہاں تک کہ اسے سرنگوں کرنے کے لیے وکی جیسے تیز طرار انسان کو پستول کا سہارا لینا پڑا۔

مگر یہاں بھی اس نے مزاحمت کی کوشش بند نہیں کی اور اپنا بچاؤ جاری رکھا۔ حتیٰ کہ گولی چل گئی مگر وکی اور حمید اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

خرم کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا ندیہ کی بے بسی کا یہ عالم دیکھ کر اور ان دونوں کی ذلالت کی یہ انتہا دیکھ کر کہ کیسے مزے سے وہ دونوں اس کی لاش چھپا کر معمول کے مطابق اپنی اپنی زندگی جی رہے تھے جیسے ان کے ہاتھوں کسی انسان کا قتل نہ ہوا ہو بلکہ چھپرا بھی قتل گئی ہو۔

انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ ندیہ کے پیچھے اس کے والدین کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔

موت پر تو جیسے تیسے مبرا آئی جاتا ہے کہ موت کا مڑا تو ہر ذی روح کو چلھنا ہے۔ لیکن جس کے بارے میں یہی علم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اس پر انسان کیسے مبرا کرے کہ جانے نہ کس حال میں ہے جانے اس پر کیا بیت رہی ہے۔

ہر گزرتا دن اور ہر گزرتا لمحہ جہاں گمشدہ شخص کے گھر والوں کی امیدوں کو ختم کر رہا ہوتا ہے وہیں ان کی پریشانیوں میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے کہ پتا نہیں وہ کتنی بڑی مشکل میں پھنس گیا ہے کہ آج تک مل ہی نہیں سکا۔

مگر وکی اور حمید جیسے کم ظرف اور گھٹیا لوگ اتنی گمراہی میں جا کر بھلا کیا سوچیں گے حمید کو تو ابھی بھی اپنی حرکت پر شرمندگی یا پچھتاوا نہیں تھا بلکہ اس بات کی فکر تھی کہ وکی نے پولیس کے سامنے بیان دے کر اس کا راز فاش کر

دیا۔ لیکن خرم پولیس نے وکی کے والد کے فارم ہاؤس پر چھاپہ کیوں مارا انہیں شک کیسے ہوا جو وہاں بلاش برآمد کرنے پہنچ گئے "حمید کیونکہ وکی کو خاصی گالیاں دے چکا تھا چنانچہ اب اس کا دماغ دوسرے نکات پر غور کرنے کے قابل ہو گیا تھا مگر خرم ابھی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کی بات کا جواب دیتا وہ جیسے ششدر سا کھڑا تھا۔ اسے پھرائے ہوئے انداز میں کھڑا دیکھ کر جیسے حمید کو کچھ خیال آیا اور وہ چونک کر اس کے موبائل کو دیکھنے لگا۔ "تم کیا میری مودی بنا رہے ہو۔ یہ ساری باتیں تم نے ریکارڈ کر لی ہیں۔ کیوں۔" حمید کے ساتھ ساتھ جیسے خرم کو بھی ہوش آگیا تبھی وہ موبائل آف کر کے اسے جیب میں رکھتے ہوئے سیٹ لمبے میں بولا۔ "ہاں کہ تمہارے خلاف کیس فائل کرنے میں مشکل نہ ہو ویسے بھی تم دونوں نے اتنے ثبوت چھوڑ دیے ہیں کہ پھانسی نہیں بھی ہوئی تو بھی عمر قید تو یقینی ہے۔" آخری جملہ کہتے ہوئے خرم کا لہجہ زہر خند ہو گیا تھا۔ "یا۔ یا۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب وکی کی وجہ سے ہوا ہے میں تو اسے منع کر رہا تھا۔ تم وکی کو جاننے ہوتا۔ یا تم میرے دوست ہو۔"

خرم کا ایک بھر پور ہاتھ حمید کے جڑے پر پڑا اور اس کا ہلکہ ہوا میں ہی رہ گیا وہ لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ "تمہارے جیسا گرا ہوا انسان میرا دوست بھی ہو ہی نہیں سکتا۔" یونیورسٹی میں ساتھ پڑھنے کے باعث ہماری اچھی بات چیت تھی اور بس اس سے زیادہ میں نے کبھی تمہیں کچھ نہیں سمجھا۔ ہاں البتہ تم مجھے اپنا دوست ضرور کہتے رہے کیونکہ میری دوستی سے تمہیں فائدے بہت تھے میں یونیورسٹی میں مشہور تھا تو میرے دوست ہونے کی حیثیت سے تم بھی مقبول ہو گئے ورنہ ہماری سوچ، پسند ناپسند ترجیحات اور یہاں تک کہ اخلاقیات سب میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بلکہ جو تم نے اور وکی نے کیا ہے اس کے بعد اگر تم جان بھی دے دو تب بھی میری نظروں میں کبھی معتبر نہیں ہو سکتے۔" خرم کا بس نہیں چل رہا تھا اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دے مگر وہ خود پر بمشکل جبر کر کے خود کو کسی بھی غلطی سے باز رکھے ہوئے تھا۔ اسی لیے وہ زیادہ دیر وہاں ٹھہرا بھی نہیں اپنی بات ختم کر کے وہ تیزی سے جانے کے لیے مڑ گیا مگر جاتے جاتے بھی کھڑے ہوئے حمید کے پیٹ پر ایک زوردار لٹ رسید کر دی جس پر وہ بلبلانا ہوا دوبارہ زمین پر گر پڑا۔

ٹھنڈی ہوا کی خشک لہر ندیہ کو اپنی بڑیوں میں پیوست ہوتی محسوس ہوئی تھی وہ دونوں ہاتھوں کو سختی سے باندھتے ہوئے سمت کا اندازہ کیے بغیر تیز چلنے لگی۔ اس کے قدم جتنی تیزی سے حرکت کر رہے تھے اس کی سانس اس سے بھی تیزی سے چل رہی تھی۔ جبکہ یہاں تو ندیہ بھی جو ہر وقت انجانے خوف کے حصار میں گھری رہتی تھی اس کی تو اس چوہن میں دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہو گئی تھی کہ وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔ پاگل خانے میں رہتے رہتے وہ اس قدر ہراساں ہو گئی تھی کہ بس وہ یہاں سے نکلنے کے متعلق ہی سوچتی رہی اس بات پر ایک بار بھی غور نہیں کیا کہ گیٹ سے باہر قدم رکھنے کے بعد وہ کہاں جائے گی اور کیسے جائے گی کوئی سواری اس کے پاس نہیں۔ کوئی باہر اسے لینے نہیں آ رہا۔ وہ شہر کے کس کوٹے میں کھڑی ہے اور کس طرف اسے

جانا ہے کچھ بھی تو تعین نہیں کیا تھا اس نے بس منہ اٹھا کر نکل پڑی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ گیٹ سے نکلنے کے وقت اسے ایک بار پھر شائستہ خالہ بھی نظر آئی تھیں انہیں وہ بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی پھر بھی ہر بار ان پر نظر پڑتے ہی وہ نئے سرے سے خوفزدہ ہو جاتی تھی اور آج تو انہوں نے اسے ڈرانے کے ساتھ ساتھ حیران بھی کر دیا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اسے کچھ سمجھانا چاہ رہی ہیں جیسے وہ اسے اس چار دیواری سے نکلنے سے روک رہی ہیں جیسے آگے اس کے ساتھ کچھ برا بلکہ بہت برا ہونے والا ہو۔ ندیہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے جا رہا تھا اپنے گالوں پر جب اسے نمی کا احساس ہوا تب اسے پتا چلا کہ وہ رو رہی ہے۔

وہ وہیں فٹ پاتھ پر رک کر اپنے آنسو صاف کرنے لگی تو ان میں کمی آنے کی بجائے اور شدت آتی گئی تھی اس نے اپنے اوپر درانے میں اسے کسی گتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی وہ وحشت زدہ نظروں سے نیم تار کی میں چاروں طرف دیکھنے لگی اس سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر لمبی سی سڑک کے کنارے پر ایک بالکل سیاہ کتا فٹ پاتھ پر بیٹھا تھا لیکن کیونکہ وہ عین اسٹریٹ لائٹ کے نیچے تھا لہذا پوری طرح روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ ندیہ اس سے خاصے فاصلے پر تھی مگر وہ ایسے دہل گئی جیسے وہ ابھی اسے کاٹ لے گا اور بس اس پل اس نے کہیں بھی جانے کا ارادہ ملتی کر دیا اور واپس اس طرف لوٹنے لگی جہاں اس کا دم کھٹنے لگا تھا۔ جہاں رہتے ہوئے اسے لگتا تھا کہ وہ جی بچکا گل ہو جائے گی۔ تیز تیز چلنے بلکہ تقریباً دوڑتے ہوئے جب وہ سڑک کے کنارے پہنچی تو اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ کسی طرف سے آ رہی تھی اور کہاں کہاں مڑی تھی۔

وہ روڈ کے کنارے پر کھڑی اپنے آنسو روکنے اور حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے یہ تو علم تھا کہ وہ ابھی زیادہ دور نہیں آئی ہے لیکن وہ کہاں کہاں سے مڑی ہے یہ وہ مکمل طور پر فراموش کر چکی تھی اگر وہ سکون سے سوچتی تو یقیناً "آسانی سے اسے یاد آ جاتا مگر اس پر تو گھبراہٹ اس قدر حاوی ہو گئی تھی کہ وہ ایک جگہ رک کر ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ صرف کھڑی رو رہی تھی۔ تبھی دور سے اسے ایک گاڑی آتی دکھائی دی ندیہ رونادھونا بھول کر سانس روکے اس گاڑی کو دیکھے مگر جولوہ بہ لمحہ اس کے قریب آ رہی تھی اور آخر کار عین اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ ندیہ جودم بخود کھڑی تھی اس گاڑی میں دو لڑکوں کو بیٹھا دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں خوف سرایت کر گیا وہ ایک دم پلٹی اور تیزی سے چلنے لگی تبھی اس نے اپنے پیچھے گاڑی کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور ساتھ ہی ایک لڑکے کو بڑے جوش سے کہتے سنا۔

"ابے وہ ہی ہے وہی ہے میرے ڈیڈ کے جیوس کبھی غلط انفارمیشن دے ہی نہیں سکتے۔" کہنے کے ساتھ ہی اس لڑکے کی خباثت سے بھری ہنسی کی آواز آئی تھی۔ ندیہ بغیر رکے تیز تیز آگے بڑھتی رہی مگر وہ اس سے زیادہ تیزی سے چلتا عین اس کے سامنے آکھڑا ہوا "ایکسکیوز می کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" بظاہر اس نے بڑے شائستہ انداز میں کہنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے لمبے سے چھلکتی مکاری صاف عیاں تھی۔ ندیہ اسے دیکھے بغیر کتر کر نکلنا چاہتی تھی کہ اس نے ندیہ کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کی کلائی پکڑ لی تب گھبرا کر ندیہ نے اس کی جانب دیکھا اور اس کا سارا خون خشک ہو گیا۔ اس کے سامنے کوئی اور نہیں وہی لڑکا کھڑا تھا جس نے شائستہ خالہ کو مارا تھا اور جسے شائستہ خالہ نے سونمنگ

پول میں دھکادے دیا تھا۔
اس پر جان لیوا حملہ کرنے کے الزام میں زوسہ یہاں پاگل خانے میں قید تھی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے مگر جب اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے کو کہتے سنا۔
”اتنی رات گئے اس سنان سڑک پر اکیلی کیا کر رہی ہیں آئے ہم آپ کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔“ زوسہ نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
اس لڑکے کو تو وہ ہزار بار دیکھ چکی تھی یہ وہی تھا جو شائستہ خالہ کی قبر کھود رہا ہوتا تھا اسے گاڑی کا دروازہ کھول کر اپنی طرف آتا دیکھ کر زوسہ کا دل بند ہونے لگا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا وہ لہرا کر زمین پر گرنے لگی تھی جب حمید کے ناپاک ہاتھوں نے اسے اپنی بانہوں میں اٹھالیا۔
ہوش و خروش بے گانہ ہونے سے پہلے جو آخری جملہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا وہ حمید کا ہی تھا۔
”ارے جلدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دی۔ یہ تو اب شور مچانے کے قبل بھی نہیں ہے جلدی سے تیرے فارمپاؤس پر چلتے ہیں۔“
زوسہ خوف کے باعث اپنے حواس کھو بیٹھی تھی مگر یہ بے ہوشی کوئی ابدی نہیں تھی اسے یہ تو نہیں پتا تھا کہ اسے ہوش میں آنے میں کتنا وقت لگا تھا مگر جاننے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک شاندار کمرے کے کنگ سائز بیڈ پر پایا تھا۔
وکی اور حمید اس کے سامنے ہی موجود تھے اور اپنے غلیظ ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے تھے (اسی لیے اسے ہوش آگیا تھا)
مگر ہوش آنے کے بعد جیسے سارا منظر ہی بدل گیا تھا۔ کمرے میں ایک افرا تفری مچی تھی اسے یہ دیکھ کر شدید حیرانی ہوئی کہ کمرے میں ان دونوں لڑکوں کے علاوہ شائستہ خالہ بھی موجود تھیں۔
وہ اپنے مخصوص حلیے میں تھیں یعنی زوسہ کی ہی طرح پاگل خانے کے سفید لباس میں ملبوس تھیں ان کے بال کھلے اور بکھرے ہوئے تھے ان کے چہرے پر خون کی تازہ تاریں لکیریں ابھری ہوئی تھیں۔
شائستہ خالہ نے کمرے کے دروازے کے اوپر نصب کندی کھولنے کی کوشش کی تھی جب حمید نے پیچھے سے آ کر انہیں پکڑ لیا تھا انہوں نے حمید کے ہاتھ پر کانٹا تو حمید نے بلبلہ کر اپنے دوسرے ہاتھ سے ان کے چہرے کو نوچ لیا خون کی مزید چار خروشیں ان کے چہرے پر ابھر آئیں۔
تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے ان کے چہرے کی طرح ان کی آنکھیں تک سرخ ہو گئی تھیں مگر حمید انہیں قابو کیے گھسٹتا ہوا کھینچ کر بستر تک لے جا رہا تھا کہ ایک سینئر میبل پر رکھا خوب صورت بیش قیمت گلدان شائستہ خالہ کے ہاتھ لگ گیا۔
انہوں نے اسے اٹھا کر حمید کے مارنا چاہا مگر حمید آرام سے جھکائی دے گیا لیکن وکی اس کے پیچھے ہی آ رہا تھا وہ گلدان وکی کے کندھے سے پوری قوت سے لگا تو وہ بھٹا اٹھا۔
دو چار موٹی موٹی گالیاں دینے کے ساتھ اس نے ریک کا دروازہ کھول کر ایک ریو اور نکال لیا اور شائستہ خالہ کی طرف مانتے ہوئے غرا کر بولا۔
”بہت دیر سے تیرا ڈراما برداشت کر رہے ہیں اب اگر مزید ذرا بھی ہوشیاری دکھائی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔“ مگر شائستہ خالہ نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں انہوں نے خود پر تار ریو اور ہاتھ بڑھا کر چھین لیتا چاہا جس پر وکی غصے اور گھبراہٹ سے پاگل ہی ہو گیا۔
ایک کمزور سی لڑکی جو ان کے خیال میں دفاعی طور پر ٹھیک بھی نہیں تھی ان دونوں کی تمام تر کوشش کے باوجود

قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اتنا بھاری گلدان بھی وکی کے مار دیا تھا کہ پورا بازو درد کرنے لگا تھا۔
وکی نے جھنجھلا کر ہوائی فائرنگ کرنی چاہی تھی تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر ویک کر بیٹھ جائے اور وہ اپنی ماں مانی کر سکے مگر وکی کے ریو اور کالا کھولتے ہی جانے کیسے شائستہ خالہ حمید کی گرفت سے باہر آ گئیں۔
وہ انہیں زمین پر گھسٹتا ہوا بستر تک لے جا رہا تھا مگر ہاتھ نہیں کیسے ان کا بازو حمید کی گرفت سے نکل گیا حمید خود تو توازن برقرار نہ رہ سکنے کی وجہ سے زمین پر گر گیا اور شائستہ خالہ جو خود کو آگے کی طرف زور لگا کر زمین پر گھسٹنے سے روک رہی تھیں سامنے کھڑے وکی کے اوپر جا گئیں۔
گولی چلنے کی دغا دہا آواز اور فضا میں پیدا ہونے والے زوردار ارتعاش نے سب کو اپنی اپنی جگہ ساکت کر دیا۔
زوسہ تو پہلے ہی کمرے کے ایک کونے میں کھڑی سارا منظر پتھرے ہوئے انداز میں دیکھ رہی تھی شائستہ خالہ کے پیٹ میں گولی لگتی دیکھ کر بالکل ہی ساکت رہ گئی۔
شائستہ خالہ کچھ دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاگ میں گھرے وکی کو دیکھتی رہیں اور پھر لہرا کر زمین پر گر گئیں۔
زوسہ کو خود اپنے پیٹ میں ایسے آگ اترتی محسوس ہوئی تھی جیسے گولی شائستہ خالہ کو نہیں خود اس کو لگی ہو چہرہ بھی ایسے جل رہا تھا جیسے حمید اور وکی کے غلیظ ناخن نے اسے ہی نوچ لیا ہو۔
اسے زندگی میں کبھی اتنی تکلیف محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اس لمحے ہو رہی تھی اسے یقین تھا اب وکی اور حمید شائستہ خالہ کو فنا دیں گے وہ یہ سارا منظر دیکھنا چاہتی تھی مگر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب گیا۔
ساری زندگی وہ شائستہ خالہ کے ساتھ ہوئے سانحہ کے بارے میں سوچ کر کڑھتی رہی ساری زندگی وہ ان کے ہیولے کو دیکھ کر روتی رہی۔ ساری زندگی وہ یہ جاننا چاہتی رہی کہ وہ صرف اسے ہی کیوں نظر آتی ہیں ساری زندگی وہ اس سراب کے پیچھے بھاگتی رہی کہ وہ کبھی نہ کبھی اس گتھی کو سلجھائے اور ان کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو جائے گی۔
لیکن اس کی زندگی ختم ہو گئی اور ان سوالوں کے جواب نہ جان سکی۔
البتہ خرم کے توسط سے دوسرے لوگ ان سوالوں کے جواب ضرور جان گئے ساری زندگی اسے پاگل سمجھنے والے لوگ اس کے مرنے کے بعد کم از کم یہ ضرور مان گئے کہ وہ پاگل نہیں تھی ہاں عام لوگوں سے مختلف تھی اور اس کی یہ انفرادیت اس کے لیے اذیت کا باعث بنی رہی۔
کیونکہ وہ اتنی سمجھ دار اور خود اعتماد نہیں تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والے ایسے کو سمجھ سکے کیونکہ وہ دھیری شخصیت کی مالک تھی۔
جب وہ دورے کی کیفیت میں ہوتی تھی تب وہ یہ سمجھتی تھی کہ وہ شائستہ خالہ کو دیکھ رہی ہے حالانکہ شائستہ خالہ کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا۔
وہ تو وہی دیکھ رہی ہوتی تھی جو وہ خود کر رہی ہوتی تھی یا جو اس کے اوپر بیت رہی ہوتی تھی۔
یہاں تک کہ موت کی آغوش میں جاتے وقت بھی وہ شائستہ خالہ یعنی کہ اپنے خیالی بنائے ایک کردار میں سمائی ہوئی تھی اور یہی سمجھتی رہی کہ موت اسے نہیں بلکہ شائستہ خالہ کو آتی ہے۔
گو کہ اب اس کے پاس کچھ جاننے اور سمجھنے کی مہلت ختم ہو گئی تھی پھر بھی مرتے وقت شائستہ خالہ کے مجرموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باعث اسے یہ سکون ضرور مل گیا تھا کہ وہ ان کی شناخت کر چکی ہے۔
لہذا ایک نہ ایک دن وہ شائستہ خالہ کے مجرموں کو ان کے انجام تک ضرور پہنچائے گی اور اگر ایسا نہ کر سکی تب بھی ساری دنیا کو بتائے گی ضرور کہ یہی وہ دونوں گھرے ہوئے انسان ہیں جنہوں نے شائستہ خالہ کو برباد کیا اور اس کی

خود کی زندگی بھی اجبر بنائے رکھی۔
تاریکی میں جاتے وقت بھی اس کے دل میں بس یہ یقین موجود تھا کہ وہ انہیں بچا نہیں سکی تو کیا ہوا وہ انہیں انصاف ضرور دلائے گی۔

زندگی یوں تو تیری امانت تھی
بعد مرنے کے پاس تو آیا
کچھ تو کام میرا لو آیا

جو کچھ نذیبہ نے سوچا اور چاہا تھا اسے عملی جامہ خرم نے پہنایا۔
نذیبہ کی لاش کا دیکھنے والے کے والد کے فارم ہاؤس سے برآمد ہوا ایک بہت ہی ٹھوس اور اہم ثبوت تھا وہی کے خلاف۔ اس پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے کئی گتیاں سلجھا دیں۔
نذیبہ کے جسم سے نکلنے والی گولی اس کے والد کی رپورٹ کی ثابت ہوئی جس پر اس کے والد بھی شک کے دائرے میں آسکتے تھے مگر وہ اس لیے بچ گئے کہ حمید نے بڑی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے پولیس کے سامنے سب کچھ سچ سچ اگل دیا۔

خرم نے میو بائل میں اس کی مودی بنا کر اس کی ساری باتیں ریکارڈ کر لی تھیں جو حمید کے خلاف سب سے بڑا ثبوت بن گئی تھیں جب پولیس اسے گرفتار کرنے گئی تو اس نے ڈر کر عورتوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔
اس کے والد اس کی یقین دہانی کراتے رہے کہ تم صرف اپنی زبان بند رکھنا میں تمہیں چھڑواؤں گا مگر وہ اتنا بوکھلا گیا تھا کہ ڈر کے مارے بھی بول پڑا۔

مینٹل اسپتال میں کون سا وارڈ بوائے ان کے ساتھ ملا ہوا تھا کس نے اسے نذیبہ کے بھاگنے کی اطلاع دی تھی یہاں تک کہ کون سی نرس نے نذیبہ کو وہاں سے نکالا تھا حمید نے الف سے لے کر یہ تک سب پولیس کے سامنے اگل دیا۔

چنانچہ کیس پورا کا پورا سامنے آچکا تھا جو کس کوئی باقی بھی تھی تو وہ بلال اختر نے پوری کر دی تھی جس طرح وہ حمید کے والد کی منت سماجت کر چکے تھے کہ وہ نذیبہ کو معاف کر دیں اور کیس واپس لے لیں مگر حمید کے والد تیار نہیں ہوئے تھے ٹھیک اسی طرح حمید اور وہی کے گھرانوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اپنے بیٹوں کو بچانے کے لیے مگر اس بات پر بلال اختر کا دل کسی طور پکھنچنے کو تیار نہ تھا۔

حتیٰ کہ وہی کے والد دھمکیوں پر اتر آئے مگر بلال اختر پیچھے نہ ہٹے اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کر کے انہوں نے وہی اور حمید کی ضمانت تک ضبط کرا دی تھی اور امید تھی کہ ان دونوں کو خاصی سخت سزائیں ملیں گی۔
اگر بلال اختر کا گھر ویران ہوا تھا تو ان دونوں کو بھی تاحیات جیلوں میں سرنا تھا۔

عائشہ اختر جب یہ سارے انکشاف ہوئے تو وہ بالکل ڈھس گئیں ان کی ایک ہی اولاد کے ساتھ جو ہوا تھا وہ ان کے لیے برداشت کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا انہیں لگتا تھا ان کا دل پھٹ جائے گا یا دماغ کی رگیں سکڑ جائیں گی۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ایک قیامت آئی اور گزر گئی وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہوئیں اور آخر ٹھیک ہو کر گھر آگئیں لیکن وہ کتنی ٹھیک تھیں یہ وہ خود ہی جانتی تھیں دنیا کی ہر شے سے ان کا دل اچاٹ ہو چکا تھا دل میں کوئی امید کوئی خوشی کوئی شوق باقی نہیں رہا تھا۔

ایسے میں ریاض غفار کے گھرانے نے انہیں بہت سارا دوا ریاض غفار بلال اختر کے آفس جانے کے بعد انہیں اپنے گھر لے جاتے اور سارا دن وہیں رکھتے۔

عائشہ اختر کا دل وہاں بھی نہیں لگتا البتہ توجہ ضرور مل جاتی شگفتہ غفار بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کا دھیان بنانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کر لیتیں شام ہونے پر بلال اختر کی واپسی سے پہلے وہ دونوں عائشہ اختر کو ان کے گھر چھوڑ دیتے۔

بلال اختر کا رویہ ابھی بھی ریاض غفار کے ساتھ جوں کا توں تھا حالانکہ بلال اختر کو اب ان سے بات چیت وغیرہ کرنے میں کوئی عار نہیں تھی مگر نذیبہ کی موت نے انہیں مزید سخت دل بنا دیا تھا ایسے میں ریاض غفار کی قربانی سے گزرتی سلجھی ہوئی زندگی دیکھ کر انہیں ایک کوفت اور بے زاری ہوتی تھی وہ بہت زیادہ حسد کا شکار تو نہیں ہوتے تھے مگر ان کے اندر ہو کہ ضرور اٹھتی تھی لہذا وہ دانستہ ان کے سامنے آنے اور ان سے بات کرنے سے گریزاں رہتے۔

جس کی ریاض غفار یا شگفتہ غفار کو قطعی پروا نہیں تھی ریاض غفار کے رویہ صرف اپنی بہن کی خوش حالی تھی جس کی انہیں خود بھی زیادہ امید نہیں تھی۔

انہیں یہ تو علم تھا کہ عائشہ اختر وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائیں گی مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عائشہ اختر کی زندگی ہمیشہ ایک جمود کا شکار رہے گی۔ جس میں کوئی جوش کوئی خواہش کوئی دلولہ نہیں ہوگا بس صبح کو شام اور شام کو صبح کرنا ہی ان کی زندگی کا حاصل بن جائے گا۔

مگر وہ اپنی بہن کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

کئی دنوں تک آئی سی یو میں رہنے کے بعد عظمت خلیل کو برائیسوٹ وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا وہاں انہیں گھر والوں اور دیگر افراد سے نہایت مختصر وقت کے لیے بار بار میٹنگ ملنے کی اجازت تھی۔

نمل جب پہلی بار ان کے سامنے ان کے ہوش میں آنے کے بعد آئی تو ضبط کے باوجود اس کی آنکھیں چھلک پڑیں حالانکہ وہ ان کی بے ہوشی میں بہت بار انہیں دیکھ چکی تھی اور ان کے ہوش میں آنے پر ڈاکٹرز نے ان کے سامنے نہایت بہادری کے ساتھ جانے کی تاکید کی تھی بلکہ رشید ادا کو تو منع کر دیا تھا کہ آپ جب تک خود کو نہیں سنبھال لیتیں ان کے رویہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

لیکن انسان چاہے کتنا بھی بہادر بن جائے کچھ لمحے اسے توڑ کر رکھ دیتے ہیں ان کی غفلت کے دوران نمل نے چھپ کر اپنے سارے آنسو بہا دیے تھے تاکہ ان کے بے دار ہونے پر بہت مضبوط اور مطمئن نظر آئے۔

لیکن دو ہفتے بعد جب انہوں نے اپنی ایک آنکھ کو تھوڑا سا اوکھڑا کر کے اس کی جانب دیکھا تو ہزار ضبط کے باوجود نا صرف اس کے آنسو بہنے لگے بلکہ ان میں شدت آگئی۔ جب اس نے انہیں روتے دیکھا۔

وہ بے ساختہ ان کے بستر کے کنارے جا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”ابو آپ ٹھیک ہو جائیں گے ابھی آپ کے زخم تازہ ہیں اس لیے ان میں تکلیف بھی بہت ہے جب زخم ماند پڑیں گے تب آپ کی تمام سر جریز ہمسایکستان سے باہر جا کر کرائیں گے اس سے آپ کا چہرہ ٹھیک ہو جائے گا اور آپ کی قوت گویائی بھی بحال ہو جائے گی۔“

نس اب بہت سے کام لیں وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ”نمل روتی جا رہی تھی اور بولتی بھی جا رہی تھی۔“

عظمت خلیل کے پورے وجود سے ان کے اندر اٹھتی بے کلی عیاں تھی جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہے ہوں مگر زبان جنبش کے قابل ہی نہیں تھی اپنی بے بسی محسوس کرتے ہوئے ان کی آنکھیں تو اتر سے بہہ رہی تھیں۔ جس تکلف اور اذیت سے وہ گزر رہے تھے وہ کسی بھی جاندار کے لیے برداشت کرنا مشکل بلکہ مشکل ترین تھا مگر عظمت خلیل تو وہ شخص تھے جن کی پوری زندگی صرف لفظوں کے ساتھ کھیلنے میں گزری تھی۔ جن کا پسندیدہ موضوع ”میں“ چھڑ جاتا تو وہ دنیا و مافیہا سب کو بھول کر بے تکان بول سکتے تھے۔ لیکن آج وہ بولنے کے ہی قابل نہیں رہے تھے چہرے پر جلن ایسی تھی جیسے انہیں آگ کے اندر بٹھادیا ہو ایک آنکھ سے انہیں سارا منظر تو نظر آ رہا تھا مگر دونوں آنکھوں سے دیکھنے کی عادت ہونے کے باعث قدرتی طور پر شدید بے چینی ہو رہی تھی۔

نمل ان کی بے قراری بھانپتے ہوئے جلدی جلدی وہ باتیں بتانے لگی جس کی اسے امید تھی کہ وہ پوچھنا چاہ رہے ہوں گے۔ ”ابو شامہ کو اس وقت آپ کے آفس کے لوگوں نے پولیس کی حراست میں دے دیا تھا مگر آپ سے عقیدت رکھنے والے لوگوں نے اسے پولیس اسٹیشن پہنچنے سے پہلے ہی اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا کہ۔ کہ۔ وہ کچھ دن اسپتال میں رہ کر۔ انتقال کر گئی۔“ نمل کی کوشش تھی کہ وہ یہ خبر خوشی خوشی انہیں دے مگر اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر وہ قابو نہ رکھ سکی۔

شامہ کے مرنے کی خبر سے اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ شدید دکھ ہوا تھا اور یہ دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی کہ عظمت خلیل اس خبر پر اپنی ایک آنکھ کو تختی سے پیچتے ہوئے سر کو زور زور سے تپتے پیچتے لگے جیسے جو کچھ نمل کہہ رہی ہو وہ سننا نہ چاہتے ہوں۔

”ابو آپ اسے سزا دیتے یا لوگوں نے دے دی بات تو ایک ہی ہے وہ تو اپنے انجام کو پہنچ گئی نا۔“ نمل نے صفائی دینے والے انداز میں کہا۔

اسے یہی لگا تھا کہ عظمت خلیل کو دکھ ہو رہا ہے کہ شامہ کیوں مر گئی اپنے مجرم کو وہ خود اپنے ہاتھوں سزا دیتے اسے تڑپاتے اسے اذیت پہنچاتے موت سے تو وہ ایک ہی دفعہ میں ہر تکلیف سے آزاد ہو گئی اور آخرت میں کسی کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اس بارے میں تو یقین سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو لوگ عظمت خلیل سے محبت رکھتے تھے ان کے خیال میں وہ جہنمی تھی جبکہ نمل جیسے لوگ جو عظمت خلیل کو جانتے تھے ان کے خیال میں شامہ نے ضمیر قانونی حرکت ضرور کی تھی مگر اس پر؟؟؟ کی جان لے لینے کا حق کسی کے پاس نہیں تھا اس کا مرنا ایک مظلوم موت تھی جس پر وہ سیدھی جنت میں ہی جاتی۔

عظمت خلیل اس کی بات پر اب بھی سرٹنی میں ہلانے لگے جیسے وہ ان سب باتوں سے ہٹ کر کچھ اور سننا اور جاننا چاہتے ہوں۔

نمل کچھ دیر پریشانی سے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد ان کے ٹرسٹ کی تفصیلات انہیں بتانے لگی حالانکہ اس نے خود بھی زیادہ کچھ بتا نہیں کیا تھا جو عظمت خلیل کے سیکریٹری نے تذکرہ کیا تھا وہی دہرانے لگی کہ شاید وہ یہ جاننا چاہتے ہوں کہ اتنے دنوں سے ان کی غیر موجودگی میں عملہ ٹھیک طرح سے کام کر رہا ہے یا نہیں۔ لیکن ان کے چہرے کی بے چینی ایک بار پھر ظاہر کر گئی کہ انہیں اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں۔ نمل ان کی اس بے بسی پر رو ہا سی ہو گئی جانے وہ کیا بات کرنا چاہتے تھے جو کہ نہیں بارے تھے ایک شخص جو بڑی بڑی تقریریں کرنے کا عادی ہو ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے تو اس کی کیا حالت ہو رہی ہوگی نمل اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتی تھی۔

جبھی سسڑ کرے میں آگنی اور عظمت خلیل کو اتنا بے کل دیکھ کر نمل کو وہاں سے اٹھانے لگی۔ ”یہ۔ یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔“ نمل روتے ہوئے بولی۔ ”اسی لیے میں آپ کو یہاں سے جانے کے لیے کہہ رہی ہوں یہ ابھی بولنے کے قابل نہیں ان کا زخم کھل جائے گا آپ یہاں سے چلی جائیں۔“ سسڑنے کہنے کے ساتھ ہی سرنج بھرنی شروع کر دی وہ اب عظمت خلیل کو نیند کا انجکشن دے رہی تھی۔

نمل بے چینی سے تڑپتے عظمت خلیل کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتی کمرے سے نکل گئی۔ حالانکہ کمرے کے اندر اس نے کوئی خاص بہادری کا ثبوت نہیں دیا تھا مگر کمرے سے باہر آتے ہی جیسے وہ بالکل ہمت ہار گئی اور بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

خرم کو ریڈور میں ہی نمل رہا تھا نمل کو دیکھ کر وہ اس کے قریب چلا آیا مگر بولا کچھ نہیں۔

جب اسے عظمت خلیل کے ساتھ ہوئے حادثے کا پتا چلا وہ اسی وقت نمل کے پاس آگیا تھا حالانکہ اسی دن زودیہ کی لاش برآمد ہونے کی وجہ سے وہ کافی مضطرب اور مضطرب تھا لیکن نمل پر ٹوٹنے والی قیامت کا علم ہوتے ہی وہ اپنی ساری فکریں پس پشت ڈال نمل کے پاس آگیا تھا۔

فرقان حسن اور مسز فرقان بھی دو ایک بار آچکے تھے وہ رشیدہ کے پاس ان کے گھر بھی گئے تھے لیکن خرم تو روز پابندی سے آتا تھا سنبل بھی اکثر آجاتی تھی صرف ایک رو میلہ تھی جو ایک بار بھی نہیں آئی تھی جس پر خرم نے ایک دن حیرت سے استفسار کیا تو اسے یہ المناک خبر سننے کو ملی کہ وہ عدت میں ہے اور اس کی طلاق ہو گئی ہے۔

خرم سوچتا ہی رہ گیا کہ آیا اسے الیان سے اس بابت باز پرس کرنی چاہیے یا نہیں لیکن ایک توجہ ہونا تھا سو ہو گیا تھا وہ سب حالات کچھ ایسے تھے کہ اسے الیان کے پاس جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور وہ اس کے رویرو بات کرنا چاہتا تھا فون پر یہ گفتگو نہیں ہو سکتی تھی۔

لیکن اتفاق سے آج دوپہر میں الیان کا خود ہی فون آگیا تھا خرم اس وقت اسپتال جانے کے لیے نکل چکا تھا اور گاڑی چلا رہا تھا یہی بات جب اس نے الیان سے کہی کہ وہ ابھی بات نہیں کر سکتا تب الیان کو پتا چلا کہ عظمت خلیل جن کے بارے میں کئی دنوں تک ٹی وی پر آتا رہا وہ نمل کے والد ہیں۔

اگر رو میلہ نے اس سے کبھی ذکر کیا بھی تھا تو یہ اسے یاد نہیں تھا اور قدرتی طور پر اسے نمل کے حوالے سے ایسی خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ تئلیاں، پھول اور خوشبو	راحت جبین	قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں	لہنی جدون	قیمت: 250 روپے

شائع ہوئے ہیں

خوبصورت سرورق
خوبصورت مہمانی
مضبوط جلد
آؤٹسٹ ہجی

شکوئے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

عظمت خلیل سے تو اسے ملنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی اور ایک طرح سے وہ انہیں جانتا بھی نہیں تھا لیکن وہ نمل سے ضرور ملنا چاہتا تھا چنانچہ وہ بھی آفس سے کام بننا کر اسپتال آیا جب وہ پہنچا تو اسے پتا چلا کہ نمل اندر عظمت خلیل کے پاس ہے وہ خرم کے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔

ان دونوں کے بیچ چند جملوں کے تبادلے کے علاوہ زیادہ بات نہیں ہوئی کہ اسپتال کوئی کمپس لڑانے کی جگہ نہیں تھی خرم نے بھی دانستہ رویلہ کا ذکر پھیرنے سے گریز کیا کہ یہ وقت بالکل بھی مناسب نہیں تھا اس موضوع پر بات کرنے کے لیے جب نمل کافی سارے آنسو بہا کر کچھ بہتر ہو گئی تب دور کھڑا الیان ست روی سے چلتا اس کے قریب آیا اور گلا کھٹکارتے ہوئے اسے سلام کر دیا۔

نمل نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا تو الیان کو اپنے سامنے دیکھ کر دمک رہ گئی۔
”مجھے آج ہی پتا چلا کہ عظمت صاحب تمہارے والد ہیں نیو زمیں یہ خبر سن کر افسوس تو ہوا تھا مگر یہ جان کر کہ یہ سب تمہارے والد کے ساتھ ہوا ہے یقین ہی نہیں آیا۔“ الیان کے کتبے میں واقعی مال کھلا ہوا تھا۔
مگر نمل تو اس پر نظر پڑتے ہی رونادھونا سب بھول گئی تھی۔

خرم نے سرسری سا ذکر کیا تھا کہ الیان زویہ کا کزن ہے نمل کو بھی زویہ کے بارے میں جان کر افسوس ہوا تھا مگر وہ اپنی پریشانیوں میں اتنی گھری ہوئی تھی کہ اس کے ذہن سے یہ بات فوراً ہی نکل بھی گئی۔
چنانچہ ابھی اسے سامنے دیکھ کر وہ سرے سے بھول ہی گئی کہ الیان اس سے رویلہ کی بجائے خرم کے حوالے سے ملنے آیا ہے جیسی وہ اسی وقت آیا ہے جب خرم بھی یہاں موجود ہے اسی لیے وہ اس کے اظہار افسوس پر بڑے ساٹ لہجے میں پوچھنے لگی۔

”کیوں۔ اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے بلکہ آپ کو تو سرے سے افسوس ہی نہیں کرنا چاہیے تھا کسی کے ساتھ کچھ بھی اچھا یا برا ہو اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے جب آپ خود اپنوں کے ساتھ برا کرتے وقت دکھی نہیں ہوتے تو دوسروں اور غیروں کے ساتھ برا ہونا دیکھ کر افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ الیان تو کیا خود خرم نمل کے اس لب و لہجے پر حیرانی سے اسے دیکھ گیا اس کے خاموش ہونے پر خرم جیسے ہوش میں آتے ہوئے کہنے لگا۔

”کیا ہو گیا ہے نمل تمہیں۔ میرے خیال سے الیان تم پھر کسی وقت آجانا نمل ابھی ابھی عظمت انکل سے مل کر آ رہی ہے وہ کافی ڈسٹرب۔“

”میں کوئی ڈسٹرب نہیں ہوں اور آپ کو پھر کسی وقت آنے کی کوئی ضرورت نہیں آپ کو تو اس وقت بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔“

جو کچھ آپ نے رویلہ کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد آپ کی ہمت نہیں ہونی چاہیے تھی میرے سامنے آنے کی۔

آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ رویلہ میرے لیے کتنی اہم ہے میں اگر اپنے والد کے خلاف جا کر رویلہ کی خاطر کینڈا پینچ سکتی ہوں تو آپ کو خود ہی اندازہ لگالینا چاہیے تھا کہ میں آپ کے ساتھ کس طرح پیش آسکتی ہوں۔“
نمل کا لہجہ انتہائی زہریلا ہو گیا تو خرم کو دانت پیستے ہوئے وہی آواز میں کہنا پڑا۔

”نمل be have Yourself یہ کوئی طریقہ ہوتا ہے بات کرنے کا۔“ اس کی بات پر نمل اس سے بھی زیادہ بھڑک رہی۔

”خرم انہوں نے بغیر کسی قصور کے رویلہ کو طلاق جیسا بد نما داغ دے کر گھر سے نکال دیا ان سے بات کرنے کا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔“

”وہ ان کا ذاتی معاملہ ہے“ خرم اب بھی بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا ورنہ سچ تو یہ تھا اسے نمل کے رویے پر شدید تاؤ آ رہا تھا جبکہ الیان بالکل خاموش کھڑا تھا اور شاید اس کی یہی خاموشی خرم کو شرمندہ کر رہی تھی۔
”ذاتی معاملہ“ نمل نے غصے سے دہرایا۔

”کسی لڑکی کی زندگی تباہ کر دینا کیا ذاتی معاملہ ہو سکتا ہے۔“
چلو میں مانتی ہوں اس شادی کے پیچھے کچھ باتیں نہایت ناقابل قبول تھیں۔

لیکن میں یہ نہیں مان سکتی کہ اتنے دن رویلہ کے ساتھ رہ کر بھی انہیں رویلہ کی خوبیوں اور اچھائیوں کا اندازہ نہ ہوا ہو وہ واقعی وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو نہ ملے اور انہوں نے اس کے ساتھ کیا کیا ایک دن لاکر طلاق نامہ پکڑا دیا نہ کچھ پوچھنا نہ کچھ بتانا۔

حق مہر کی رقم دے کر انہیں لگتا ہو گا انہوں نے بہت بڑے پن کا ثبوت دے دیا اگر انہیں بڑا پن دکھانا تھا تو یہ رویلہ کو اس کے بھائی سے الگ کر کے پرکھتے۔

بلکہ پرکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں یہ رویلہ کی خوبیوں کے متعارف ہو گئے ہوں گے پھر بھی انہوں نے اس معصوم کو اس گناہ کی سزا دی ہے جو اس نے کیا ہی نہیں۔

چلیں ہو سکتا ہے آپ اس کی طرف سے بہت بد گمان ہوں آپ کو لگتا ہو وہ اپنے بھائی کے فعل میں برابر کی شریک تھی لیکن کیا آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ آپ سے محبت کرنے لگی تھی۔

میرا نہیں خیال کہ محبت کا اظہار زبان سے کیا جائے تبھی اس کا علم ہو اس کی خوشبو تو خود بخود پھیل جاتی ہے۔ آپ نے صرف اسے طلاق نہیں دی آپ نے اس کے اندر سے جینے کی خواہش چھین لی ہے وہ آپ سے الگ ہو کر اس قدر ٹوٹ گئی ہے کہ اس کی ہستی ہی ختم ہو گئی ہے وہ دوسروں کے سامنے خود کو چاہے جتنا بھی نارمل ظاہر کر لے اس کے دل کا حال میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔

آپ کو کم از کم میرے سامنے نہیں آنا چاہیے تھے تو ذہنی طور پر تیار ہو کر آتے کہ میں آپ کے ساتھ اس طرح پیش آؤں گی۔

بلکہ مجھے تو لگتا ہے میں اس جگہ کا بہت لحاظ کر رہی ہوں اگر یہ اسپتال نہ ہوتا تو۔“ نمل تپے ہوئے لہجے میں کہتی چلی گئی۔ اور پھر جیسے الفاظ نہ ملنے پر خاموش ہو گئی۔

خرم کا شرمندگی سے برا حال ہو گیا تھا الیان جیسے مہذب بندے کے ساتھ اس طرح کا رویہ خرم کے لیے ناقابل قبول تھا ایک تو وہ شخص نمل کو خرم کی منگیتر اور رویلہ کی کزن سمجھ کر اس حیثیت سے اس کے دکھ میں شریک ہونے آیا اور نمل نے اسی کی عزت کی دھجیاں بکھیر دیں۔

ورنہ ایک طرح سے اس کا نمل کے پاس آنا ضروری نہیں تھا خرم کے ساتھ اس کی منگی ٹوٹ چکی تھی اور رویلہ سے الیان کا اپنا رشتہ ختم ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کا یہاں آنا یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ واقعی کسی اخلاقی اقدار کا پاس رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

اب اس کی نجی زندگی میں جو بھی ہوا ہو وہ اس کے لیے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں لیکن نمل نے تو انتہا کر دی تھی پھر بھی وہ خاموش کھڑا تھا بلکہ نمل کی اتنی باتوں کے جواب میں اس نے جو پوچھا وہ خرم کو تو کیا نمل کو بھی حیران کر گیا۔

”کیسی ہے رویلہ؟“ اس کے گہیرے لہجے میں پوچھنے پر پہلے تو نمل جو کی پھر اسے نئے سرے سے غصے آ گیا۔

”آپ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ کیسی ہے اس پر ایک قیامت گزر گئی ہے تو مگر جائے آپ کو اس سے کیا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، ہائر کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

غرض۔ "نمل کی آنکھوں کے سامنے رو میلہ کا پرمرہ انداز اور بجھا بچھا چہرہ گھومنے لگا تو اس کی آنکھیں ایک بار پھر جلنے لگیں۔

وہ ویسے ہی عظمت خلیل کو دیکھ کر اتنی دکھی تھی کہ الیان کا اچانک سامنے آ جانا اس کے اندر ایک آتش فشاں پھٹنے کے برابر ثابت ہوا تھا اسی لیے اس نے بہت تنگ کر الیان کو جواب دیا تھا۔

مگر الیان کے چہرے پر واضح طور پر اضطراب پھیلتا دیکھ کر وہ کچھ ٹھنک سی گئی ایک پل کو اسے ایسا لگا جیسے رو میلہ کے متعلق سن کر اسے تکلیف پہنچی ہو اور اگر واقعی ایسا تھا تو یہ بات نمل کے لیے زیادہ اذیت کا باعث تھی وہ ان میں سے نہیں تھی جسے کسی کو بھی نہیں پہنچا کر خوشی ملے وہ کچھ دیر الیان کے گم سم انداز کو دیکھتے رہنے کے بعد تاسف سے پوچھنے لگی۔

"اتنے دن رو میلہ کے ساتھ رہنے کے باوجود کیا آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ آپ کو کتنا چاہتی ہے۔"

الیان صرف ایک نظر نمل کو دیکھ کر رہ گیا لیکن پھر وہ وہاں رکا نہیں اور تیزی سے پلٹ گیا۔

اسے علم تھا کہ جو قدم اس نے اٹھایا ہے وہ رو میلہ کے لیے بہت تکلیف دہ ہو گا مگر یہ سب کرنا نہایت ضروری تھا یہ اور بات تھی کہ اس ڈرامے کا ڈراما سین ندیہ کی وجہ سے التواء کا شکار ہو گیا۔

ندیہ کی موت نے وقتی طور پر ان سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ ہر چیز بھول بھال کر قانونی کارروائی اور عائشہ اختر کی دلجوئی میں لگ گئے۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ رو میلہ کی طرف سے غافل ہو گیا تھا لیکن اسے وقت نہیں مل رہا تھا کہ وہ شگفتہ غفار سے اس بارے میں بات کر پاتا۔

لیکن آج نمل نے اس کے ضمیر پر بھرپور طمانچہ مارا تھا وہ گویا اپنی زندگی میں اتنا نمل تھا کہ اسے پرواہ ہی نہیں تھی رو میلہ کے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں۔

ایک عذاب مسلسل میں اسے مبتلا کر رہے وہ اپنے کام دھندوں میں مصروف ہو گیا تھا کہ جب چاہوں گا تب جا کر اسے منالوں گا۔

اپنی اس لاپرواہی پر اسے شدید دکھ ہو رہا تھا چنانچہ وہ اسپتال سے سیدھا گھر آ گیا حالانکہ پہلے اس کا ارادہ واپس آفس جانے کا تھا لیکن اب اس کے لیے خود کو کسی کام کے لیے آمادہ کرنا ممکن نہیں تھا وہ اس وقت صرف اور صرف شگفتہ غفار سے بات کرنا چاہتا تھا۔

وہ باہر لان میں ہی موجود تھیں شام کی چائے پیتے ہوئے وہ کسی میگزین کا مطالعہ کر رہی تھیں جب الیان کو معمول سے مختلف ٹائم پر جلدی گھر آ دیکھ کر مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔

"خیریت ابھی رات کے نو تو نہیں بچے پھر تم اس وقت گھر پر کیسے نظر آ رہے ہو۔"

"مئی آپ سے ایک بہت اہم بات کرنی ہے۔" الیان نے بغیر وقت ضائع کیے ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر وہ چونک اٹھیں۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ناگزیر وجوہات کی بنا پر فیملی عزیز "دروں" کی قسط تحریر نہیں کر سکیں۔ قارئین "دروں" کی چالیسویں قسط آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔



قوزیہ یا جبین ہست گھر کر

زویہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زویہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کانچ میں ساتھ پڑھتی ہے اور دونوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سہیل اور نعل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نعل ان دونوں کو پیس میں لچکی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیس میں لچک کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زویہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سر دھویں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

سینا لیسویں اور آخری قسطیں



آج کل جس قسم کے حالات سے ان کا گھرانہ گزر رہا تھا اس کے باعث وہ بھی سمجھیں کہ الیان پھر کوئی مسئلہ
سنائے جا رہا ہے انہوں نے فوراً "میگزین ایک طرف رکھ دیا تب الیان کہنے لگا۔

"رومیلہ کو اس گھر سے گئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے ہیں آج تک ابرار نے ہم سب سے رابطہ کرنے کی کوئی
بھی نہیں کی۔ بریرہ کے گھر جانا یا حامد سے فون پر بات وغیرہ کرنا تو بہت دور کی بات ہے اس نے تو کبھی پلٹ کر یہ
نہیں پوچھا کہ ہم نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھالیا۔

وہ معمولی طور پر کچھ نہ بھی کر مانتا تھا ایک فون کر کے ہمیں صلواتیں تو سنا سکتا تھا مگر اس کے پاس شاید ایسی
ٹائم نہیں تھا یا پھر وہ خود بھی ذہنی طور پر تیار تھا کہ آج نہیں توکل ہم رومیلہ کو واپس اس کے گھر بھیج دیں گے بھی
اس نے کسی حیرانی کا اظہار نہیں کیا۔

الیان رک کر ان کی شکل دیکھنے لگا تو وہ سرانبات میں ہلاتے ہوئے پر سوچ انداز میں کہنے لگیں۔
"ہاں اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رومیلہ نے سارا الزام اپنے سر لے لیا۔ اس نے اپنے گھر والوں پر کسی ظاہر
کہ طلاق اس نے خود ہی ہے وہ بھی اس لیے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔"

"کیا آپ بھی یہی سمجھتی ہیں کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔" الیان نے برجستہ پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھ
لگیں۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو سارے حالات میرے سامنے ہیں یہ سب اس نے بریرہ کو بچانے کے لیے کیا ہے
اس نے خود بریرہ سے کہا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہارا گھر برباد نہیں ہونے دوں گی۔" شگفتہ غفار صاف
گوئی سے بولیں۔

الیان کچھ دیر انہیں دیکھتے رہنے کے بعد بہت ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔
"کیا یہ سب آپ اس لیے مان رہی ہیں کہ وہ میری زندگی سے نکل چکی ہے اگر وہ آج اس گھر میں بسوکی حیثیت
سے موجود ہوتی تو آپ کے احساسات اس کے لیے پہلے جیسے ہی ہوتے مطلب وہی نفرت وہی بے زاری۔"

"الیان مجھے اس سے کوئی خدا واسطے کاہر نہیں تھا انہوں نے جو بریرہ اور ہمارے گھر کے ساتھ کیا تھا اس کے
بعد بھی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں اسے سر آنکھوں پر بٹھاتی تو یہ تو ممکن نہیں تھا۔
لیکن بعد کے حالات سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔

اول تو یہ سب صرف اور صرف ابرار کا کیا دھرا ہے رومیلہ کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔
دوسرے یہ کہ ابرار نے بھی یہ سب ہمارے خاندان کو ٹارگٹ بنا کر نہیں کیا اسے تو بس ایک چیلنج جیتنا تھا اب
اس کے نتیجے میں چاہے کسی کی عزت داؤ پر لگے چاہے اس کی خودی بس کی زندگی برباد ہو اسے کوئی فرق نہیں
پڑتا۔

"تب ہی تو رومیلہ کے چلے جانے کے بعد بھی وہ سکون سے بیٹھا ہے ایک یہ ابرار اور ایک بلال اختر ان
دونوں جیسے وحیٹ لوگ میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھے۔" شگفتہ غفار دانت پیس کر بولیں۔
"اس کا مطلب ہے آپ کے دل میں رومیلہ کے لیے موجود نفرت ختم ہو گئی ہے۔"

"تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟"
"آپ پہلے میرے سوال کا جواب دیں پھر میں آپ کے سارے سوالوں کے جواب دوں گا۔" الیان ضدی سے
لہجے میں بولا۔

"مجھے اس سے نفرت ایک جذباتی دھچکے اور نظریاتی اختلاف کے باعث تھی وہ دھچکا تو آج بھی اپنی جگہ ہے

الیان کچھ جھنجھپ کر مسکرایا اور اسے ٹالتے ہوئے بولا۔
"ہاں خود تو اس مرحلے سے گزر چکے ہونا اسی لیے بڑے مزے سے بات کر رہے ہو میں تو جب تک اس سے
بات نہیں کر لیتا سوچ کی اس سولی پر لٹکا رہوں گا کہ جانے اس کا کیا رد عمل ہو گا۔" الیان نے گہرا سانس لیٹتے
ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔

نمل ہسپتال سے گھر آئی تو خاصی بھیجی ہوئی تھی وہ رات کو عظمت خلیل کے پاس ہی رکنا چاہ رہی تھی مگر ان
کے فرسٹ کے لوگوں نے اسے زبردستی گھر بھیج دیا۔

"بھی یہ سوچ کر آگئی کہ رشیدہ اس کے رات میں تنہا ہاں رکنے پر پریشان ہوں گی۔ ویسے تو خرم بھی تیار تھا ان
کے پاس گھر نے کو گھر فرسٹ کے لوگ جو عظمت خلیل کے لیے شدید عقیدت رکھتے تھے وہ خود ان کی خدمت کرنا
چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے خرم کو بھی بھیج دیا ویسے بھی اب تک وہ آئی سی یو میں تھے تو کسی کو بھی رکنے کی اجازت
نہیں تھی اور نہ ہی ضرورت تھی اب جبکہ وہ پرائیویٹ وارڈ میں شفٹ ہو گئے تھے تو اب لوگ ان کی خدمت کا
موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تھے۔

رشیدہ کی طبیعت کافی گری ہوئی تھی پھر بھی جب انہیں بتا چلا کہ عظمت خلیل سے ملنے کی اجازت مل گئی ہے تو
وہ بخیر ہو گئیں کہ نمل کل ہی انہیں ملنے چلے۔

نمل کو یقین تھا عظمت خلیل کو دیکھ کر رشیدہ کی کچھ بہتر ہوتی حالت پھر بگڑ جائے گی مگر وہ انہیں ٹال بھی نہیں
سکتی تھی اس نے محض اور ہی دل سے ہائی بھری۔

مگر اس وقت وہ واقعی چونک اٹھی جب اس نے رشیدہ کو بتایا کہ عظمت خلیل کچھ پوچھ رہے تھے مگر وہ سمجھی ہی
نہیں تب رشیدہ بڑے یقین کے ساتھ فوراً بولیں۔

"وہ میرا پوچھنا چاہ رہے ہوں گے کہ میں کہاں ہوں بس تم مجھے کل صبح ہی لے چلنا۔" رشیدہ کو کسی پل قرار
نہیں تھا نمل صرف انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

پتا نہیں رشیدہ کا اندازہ صحیح تھا یا یہ محض خوش فہمی تھی وہ فیصلہ نہیں کر سکی حادثے بعض اوقات انسان کو مکمل
طور پر بدل دیتے ہیں اور اتنے بڑے نقصان کے بعد عین ممکن تھا کہ مستقل طور پر نہ سہی وقتی طور پر عظمت
خلیل کو بیوی کی اہمیت کا احساس ہو گیا ہو یا رشیدہ کی کمی محسوس ہو رہی ہو۔

رومیلہ نے اس کی غیر معمولی خاموشی محسوس تو کی تھی مگر اس نے کوئی تصویب سوال نہیں کیا وہ اس کی وجہ
عظمت خلیل کے ناقابل تلافی نقصان کو ہی گردان رہی تھی جو کہ کسی حد تک صحیح بھی تھا لیکن صرف نمل جانتی
تھی کہ الیان کی آمد نے بھی اس کے ذہن کو منتشر کر دیا تھا۔

وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اسے رومیلہ کو الیان کے آنے کے متعلق بتانا چاہیے یا نہیں اب جبکہ کوئی
تعلق کوئی رشتہ باقی نہیں رہا تھا تو پھر کیا ضرورت تھی اس کے سامنے الیان کا ذکر کرنے کی۔

رومیلہ تو ابھی اس صدمے سے پوری طرح سے باہر نہیں آئی تھی سب کام وہ روز کے معمولات کے مطابق کر
رہی تھی مگر اس کی ذات میں رچی بسی اداسی نمل کی آنکھوں سے ڈھکی چھپی نہیں تھی تبھی وہ خود بھی رومیلہ سے
اس موضوع پر بات کرنے سے گریزاں تھی۔

شام تک وہ اسی ادھیڑ میں لگی رہی کہ اس کے موبائل پر خرم کی کال نے کچھ دیر کے لیے اس کی سوچوں کا
سلسل ٹوڑ دیا اسے یقین تھا خرم اسے الیان کے ساتھ روار کے رویے پر ضرور ٹوکے گا تبھی اس نے بڑے مزے

”یہ سب اتنا آسان نہیں ہے مگر سب سے مشکل اسے ہی بتانا ہے۔“ الیان نے آخری جملہ بڑبڑاتے والے انداز میں کہا جو وہ سن نہ سکیں۔

”کیا کہا تم نے۔“
”کچھ نہیں میں اس سے بات کر کے آپ کو بتاتا ہوں۔“ الیان کہتا تیزی سے وہاں سے اٹھ گیا۔
وہ اسے فون نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ ابرار کے گھر جا کر اس سے ملنا بھی نہیں چاہتا تھا تب اسے نمل کا ہی خیال آیا کہ پہلے نمل سے بات کی جائے کہ وہ ان دونوں کی ملاقات کا کوئی انتظام کراوے اس کے لیے اس نے اسی وقت خرم کو فون کر ڈالا۔

خرم اس کی آواز سنتے ہی نمل کے رویے کی صفائی دینے لگا تو الیان نے مختصر الفاظ سے اس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے اپنا مدعا بھی بیان کر دیا۔

”ارے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ رو میلہ تو نمل کے ہی گھر پر ٹھہری ہوئی ہے تم کو تو میں ابھی تمہیں نمل کے گھر لے چلا ہوں۔“ خرم کو خاصی خوشی ہوئی تھی الیان کی بات سن کر وہ بھی اک دم مطمئن ہوتے ہوئے بولا۔

دوسری طرف الیان بھی ایک دم جوش میں آگیا وہ تو چاہتا ہی تھا کہ رو میلہ کے روبرو کھڑے ہو کر بات کرے کیونکہ اسے یقین تھا چچ جاننے کے بعد وقتی طور پر رو میلہ کو اس بات پر بہت غصہ آئے گا اس طرح اپنے بے وقوف بننے اور اپنے بھائی کے آزمائے جانے پر وہ یقیناً ”اس سے شاکي ہوگی مگر اسے یہ بھی یقین تھا کہ رو میلہ کسی بات کو اپنا مسئلہ نہیں بنائے گی اور نہ ہی وہ فضول باتوں کو طول دینا پسند کرتی ہے اس لیے وہ اسے بہت جلد منالے گا۔

مگر اسے اپنا نکتہ نظر سمجھانے اور قائل کرنے کے لیے کسی سازگار ماحول کی ضرورت تھی جو کہ ابرار کے گھر پر تو ممکن نہیں تھا چنانچہ یہ جانتے ہی کہ وہ نمل کے گھر پر ہے الیان رو میلہ سے اسی وقت ملنے کے لیے بے چین ہو گیا پھر بھی اس نے اپنی بے قراری چھپاتے ہوئے بڑے خل سے کہا۔
”نمل کے گھر والے میرے اس طرح منہ اٹھا کر آنے پر برا نہیں مانیں گے نا۔“

”ارے اس کے گھر میں ہے ہی کون۔ عظمت انکل ہاسپٹل میں ہیں صرف اس کی والدہ ہوتی ہیں تو وہ آج کل صدمے کی وجہ سے کافی بیمار ہیں اور امید ہے کہ اس وقت سو رہی ہوں گی لیکن اگر وہ جاگ بھی رہی ہو تو بہت ناگس ہیں تمہاری آمد کی وجہ جان کر تو وہ الٹا ہی پوچھیں گی کہ تم نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی۔“ خرم بڑے اعتماد سے بولا۔

”تو پھر ٹھیک ہے میں ابھی اور اسی وقت تمہاری طرف آ رہا ہوں۔“ الیان خامے جوش کے ساتھ بولا جسے محسوس کرتے ہوئے خرم ہنس کر کہنے لگا۔

”ابھی اور اسی وقت آنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے جس حلیے میں پھر رہے ہو اسی میں اٹھ کر جاؤ گے تو کیا امپریشن پڑے گا رو میلہ پر۔“

ذرا ہنسا دھو کر تیار ہو کر میز پر بیٹھ کر آؤیوں سمجھ لو تم لڑکی پروپوز کرنے جا رہے ہو بلکہ راستے سے کوئی پھولوں کا بکے بھی خرید لیتا۔“

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے وہ پہلے ہی مجھ پر بگڑی ہوئی ہوگی مجھے اتنا خوش دیکھ کر تو اسے یہی لگے گا کہ میں اتنے دنوں تک اسے بے وقوف بنا کر اچھوٹا کر رہا۔“ الیان برحسہ بولا۔

”اگر تم سچے دل سے اعتراف کرو گے تو وہ ضرور یقین کرے گی میں نے اتنی بار نمل کو بے وقوف بنانا چاہا مگر اس نے کبھی اعتبار نہ کیا اس نے یقین تب کیا جب میں نے واقعی سچے دل سے اپنی چاہت کا اقرار کیا۔“ خرم کی بات پر

دے رہا تھا کہ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں اس کی بات کاٹ دی اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے گلو گھر میں کہنے لگیں۔

”تمہیں نہیں پتا تم نے میرا کتنا بڑا بوجھ کم کر دیا ہے سچ تو یہ ہے الیان کہ اگر رو میلہ ابرار کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی تب بھی میں اسے قبول کر سکتی۔“

تمہاری نانی اماں اور بریرہ مجھ سے اس قدر ناراض ہیں کہ میں صبح شام ان دونوں کو فون کرتی رہتی ہوں مگر دونوں میری کال تک اینڈ نہیں کر رہیں۔

میں نے تمہیں اور ریاض کو بتایا نہیں بریرہ کو جب ندیہ کے بارے میں علم ہوا تو وہ حامد کے ساتھ عائشہ اختر کے گھر گئی تھی پر سے کے لیے یہاں شریک آکر وہ گھر آنے کی بجائے صرف عائشہ اختر سے مل کر واپس لوٹ گئی میرے دل پر کیسی چھریاں چل گئیں میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔

میری توجہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک دونوں مجھ سے روٹھ گئی ہیں۔ اب جب میں انہیں بتاؤں گی کہ یہ سب جھوٹ تھا اور رو میلہ ابھی بھی اس گھر کا حصہ ہے بلکہ میں خود تمہارے ساتھ اسے لینے جاؤں گی تب انہیں یقین آئے گا کہ میں کوئی بے حس پتھر نہیں ہوں بلکہ جو کچھ میں رو میلہ کے ساتھ کرتی تھی وہ مستاکے ہاتھوں مجبور ہو کر ہی کرتی تھی۔

انکوئی بیٹی عین شادی کے وقت اغوا ہو گئی خوشی کا سارا ماحول آدھ لکا میں بدل گیا عزت نیلام ہونے کا خوف ہر وقت تلوار کی طرح سر پر مسلط ہو گیا ایسے میں میں رو میلہ کی آؤ بھگت تو نہیں کر سکتی تھی۔

”تم نے ابرار کو آزما کر رو میلہ کو نہیں بلکہ مجھے سرخ رو کیا ہے تمہاری نانی اور بہن کے سامنے میں بھی سراٹھا کر کھڑی ہو سکتی ہوں اور ڈنگے کی چوٹ پر کہہ سکتی ہوں کہ میں نے اپنے بچوں کا گھر نہیں اجاڑا میں کیا کوئی ماں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔“ شگفتہ غفار ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور پہلی بار انہیں رونا دیکھ کر بھی الیان غم زدہ ہونے کی بجائے مسکراتا رہا کیونکہ شگفتہ غفار کے آنسوؤں کے پیچھے ایک خوشی تھی ایک سکون تھا۔

انہوں نے ابھی تک اپنے سرکل میں الیان کی طلاق کا ذکر تک نہیں کیا تھا کہ کہیں کسی کے ذریعے یہ خبر گاؤں نہ پہنچ جائے اور ان کی بھابھیاں اس بارے میں کوئی بات کریں یا ان سے ملنے آئیں تو بریرہ یا نانی اماں غمو غصے کے عالم میں کچھ کہہ نہ دیں۔ خاص طور پر بریرہ کی جذباتیت سے تو انہیں بہت ہی ڈر لگ رہا تھا وہ تو بری طرح پریشان تھی کہ کہیں ابرار اب بدلہ لینے اس کے گھر تک نہ آجائے۔

حالانکہ انہوں نے اسے اطمینان دلانا چاہا تھا مگر اول تو وہ ان کی کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھی دوسرے یہ کہ جب ڈر انسان کے اندر چھپا ہو تو اسے باتوں سے کوئی تسلی نہیں ہوتی۔

لہذا الیان نے ان کی ساری فکریں دور کر دی تھیں اور وہ اس وقت ایک دم پر سکون ہو کر رو رہی تھیں الیان بھی انہیں چپ کرانے کی بجائے محض ان کی ہتھیلی کی پشت چھپکے جا رہا تھا جب انہوں نے ایک دم اپنا ہاتھ چھینٹتے ہوئے چہرہ صاف کیا اور بڑے جوش سے کہنے لگیں۔

”مجھے ابھی اور اسی وقت رو میلہ کے پاس لے چلو اسے گھر لا کر میں اس کے موبائل سے تمہاری نانی اماں کو فون کروں گی پھر دیکھنا کیسے جھپٹ کر فون اٹھائیں گی وہ۔“ الیان ان کی بات پر قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

”میں آپ کو اس کے گھر ضرور لے کر جاؤں گا بلکہ آپ کو خود ہی اسے لانا ہو گا لیکن اس سے پہلے مجھے ایک بار خود رو میلہ سے مل کر اسے ساری بات سمجھانی ہوگی۔“ الیان نے رسوائیت سے کہا۔

”ہاں تو ابھی فون کر کے اسے ہتا دو پھر ہم رات کو چلیں گے۔“ شگفتہ غفار ہتھیلی پر سرسوں جماتے ہوئے بولیں۔

لیکن جب اس کا قصور ہی نہیں تو میں اس سے اختلاف کس بات پر کروں۔
جہاں تک اس کا اختیار تھا وہاں تک اس نے وہی کیا جو صحیح تھا اب جہاں وہ بے بس تھی وہاں اسے غلط کیے
ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ ”شگفتہ غفار“ کچھ نہ بچ ہو کر بولیں۔

”اگر میں یہ کہوں کہ میں اسے اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتا ہوں تو کیا تب بھی آپ اپنی اس بات پر قائم رہیں
گی الیان نے بغور انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔
”کیا بات کر رہے ہو الیان یہ بھلا کیسے ممکن ہے، تمہیں کیا حلالہ کرانے کی شرائط پتا ہیں اور اس طرح ارادہ
حلالہ کرنے سے وہ تم پر حلال نہیں ہو جائے گی اس سے دوبارہ شادی کرنا گناہ ہی ہو گا۔“ شگفتہ غفار جیسے پھر
گئیں۔

”وہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ ابھی میرے لیے حلال ہے میں نے اسے تین نہیں، صرف ایک
طلاق دی تھی ہمارے بیچ مصالحت کی گنجائش ابھی باقی ہے۔“ شگفتہ غفار آنکھیں پھاڑے الیان کو دیکھے گئیں۔
انہیں شاک میں گہرا دیکھ کر الیان سر جھکاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہنے لگا۔
”آپ میں سے کسی نے طلاق نامے پر غور نہیں کیا حتیٰ کہ رو میلہ اور اس کے گھروالوں تک نے نہیں اور
مجھے یقین تھا کہ کوئی غور کرے گا بھی نہیں۔“

”میں بخدا میرا مقصد آپ سب کو بے وقوف بنانا نہیں تھا میں صرف سب لوگوں اور چیزوں کو پرکھنا چاہتا تھا۔
سب سے پہلی اور اہم آزمائش ابرار کی تھی اس نے مجھے دھمکایا تھا اس نے میری بہن کو اٹھوایا تھا میں اتنی
آسانی سے تو اس کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیک سکتا تھا مجھے اسے بتانا تھا کہ اس طرح اس کی دھونس میں اگر میں اگر
کوئی فیصلہ کر بھی لوں تو اس پر ساری زندگی کا رعبہ نہیں رہوں گا۔
پھر مجھے رو میلہ کو بھی دیکھنا تھا اس گھر میں رہنے اور یہاں ایڈجسٹ ہونے کے لیے تو وہ سب کچھ کرنے کے
لیے تیار تھی لیکن اگر اس سے یہ چھت چھین لی جائے تو کیا تب بھی وہ اس گھر کے کینوں کے لیے مخلص رہے گی یا
پھر دنیا کے نوے فیصد لوگوں کی طرح وہ بھی اس فلسفے پر یقین رکھتی ہے کہ جب مجھے کچھ نہیں مل رہا تو میں دوسروں
کو کچھ کیوں دوں۔“

اور ان سب کے ساتھ ساتھ میں آپ کو بھی یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ کسی ایک کے کیے کی سزا ہم کسی
دوسرے کو نہیں دے سکتے۔

”اگر ابرار نے کچھ برا کیا ہے تو اس کا بدلہ رو میلہ سے لینا کسی طور جائز نہیں۔“ الیان نے بات ختم کرنے کے
بعد کچھ ہنسنے ہوئے سر اٹھا کر شگفتہ غفار کی جانب دیکھا اسے یقین تھا وہ شدید غصے کے عالم میں اسے دیکھ
رہی ہوں گی اور الیان کے چپ ہوتے ہی ان کی زبان زہرا لگنا شروع کر دے گی کہ۔

”تو یہ سب ایک ڈراما تھا تم نے رو میلہ کو پہلے ہی سب بتا دیا تھا بلکہ یہ سب رو میلہ کی ہی سوچی سمجھی سازش
تھی تم نے اس کے کہنے پر یہ سب کیا تھا مگر اسے میری نظروں میں عظیم ہنس کو لیکن میں اس ایکٹنگ سے ہرگز
متاثر نہیں ہو سکتی مجھے اس سے کل بھی نفرت تھی آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی وغیرہ وغیرہ۔“
مگر جب الیان نے ان کی جانب دیکھا تو بری طرح چونک اٹھا وہ یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے بے آواز رو رہی
تھیں۔

”میں۔۔۔ میں۔۔۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا، آئی سوچیں میں صرف یہ چاہتا تھا کہ گھر کے ماحول میں ہر
وقت جو تناؤ رہنے لگا ہے وہ ختم ہو جائے کسی کو بھی کوئی فیصلہ زبردستی قبول نہ کرنا پڑے بلکہ۔۔۔“
”میں ہرٹ نہیں ہوئی ہوں۔“ الیان اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آگیا تھا اور ان کا ہاتھ تھامے صفائیاں

ہوئے انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

”رشیدہ آئی کیسی ہیں؟“ خرم نے پوچھا۔
”ٹھیک ہیں امی۔ ابو سے ملنا چاہ رہی ہیں سمجھ میں نہیں آ رہا کل انہیں ہسپتال لے کر جاؤں یا نہیں۔“ نمل
نے انگلیوں سے پیشانی سہلاتے ہوئے کھٹکے ہوئے انداز میں کہا۔

”لے چلو۔ عظمت انکل کو بھی آئی کا انتظار ہو گا۔“ خرم نے سنتے ہی کہا تو نمل کچھ جھڑک رہی۔
”ابو نے کبھی امی کا انتظار نہیں کیا۔ بس امی کو ہی فکر کھائے جا رہی ہے کہ ابو کو میری ضرورت ہے۔“
”ان کی فکر بالکل جائز ہے پہلے انہوں نے بھلے ہی کبھی آئی کو عزت نہ دی ہو لیکن اب حالات بدل گئے ہیں
مجھے یقین ہے آئی کو دیکھ کر انہیں ذہنی طور پر کافی سکون ملے گا۔“

میرے نمی ڈیڈی بھی ان سے ملنے آنا چاہ رہے تھے مگر میں نے فی الحال انہیں منع کر دیا ہے اس وقت وہ انجان
لوگوں کا سامنا کرتے ہوئے گھبراہٹ محسوس کریں گے انہیں ہر طرح کے احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے صرف
تم اور آئی ہی بچا سکتے ہو۔“ خرم بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔
نمل خاموشی سے اسے سنتی رہی یہاں تک کہ اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی کچھ نہیں بولی تب خرم خود
ہی کہنے لگا۔

”اچھا ان سب باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ رو میلہ کیسی ہے۔“
”ٹھیک ہے ایک بار اس کی عدت ختم ہو جائے تو وہ یونورسٹی آنا شروع کر دے گی جب تک اس کی روٹین سیٹ
نہیں ہوگی تب تک اس کا ڈپریشن بھی کم نہیں ہو گا۔“
”اس کا ڈپریشن آج ابھی اور اسی وقت کم بلکہ ختم ہو سکتا ہے۔“ خرم کی آواز سے صاف لگا تھا جیسے وہ مسکرا رہا
ہو نمل کچھ ٹھٹھک گئی۔

”کیا مطلب۔“ دوسری طرف خرم نے جو کہا وہ سن کر نمل کتنی ہی دیر منہ اور آنکھیں پھاڑے سکتے کی کیفیت
میں موبائل پکڑے کھڑی رہی اور جب اس کا سکتہ ٹوٹا تو پہلے تو وہ خرم پر پرس پڑی۔
لیکن جب خرم نے اسے ٹھنڈا کرتے ہوئے یہ احساس دلایا کہ اس وقت صدمے کے باعث وہ کتنی مشکلات اور
آزائشوں سے آزاد ہو گئی ہے تو نمل نہ صرف پر سکون ہو گئی بلکہ خاصی پر جوش بھی ہو گئی۔

”میں ابھی جا کر رو میلہ کو سب بتاتی ہوں۔“
”یہ غضب مت کرنا یا ر، میں الیان کو لے کر تمہارے گھر آ رہا ہوں الیان خود اس سے مل کر بات کرنا چاہتا ہے
تم صرف اتنا کہو کہ رشیدہ آئی کو کہیں ادھر ادھر کر دو۔“
”الیان جب تک رو میلہ سے نہ مل لے وہ آئی کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا ہے، پہلے ہی تم نے اسے بے بھاؤ کی
سنادی ہے اب وہ مزید کسی کے طعنے سنتا نہیں چاہتا خاص طور پر جب تک یہ پتا نہ چل جائے کہ رو میلہ اسے
معاف کرنے میں کتنا نا تم لگاتی ہے۔“ خرم نے بے چارگی سے کہا تو نمل کتنے دنوں بعد بے ساختہ ہنس دی۔
”رو میلہ اتنی بے ضرر لڑکی ہے اسے معاف کرنے میں کون سا نا تم لگانا ہے، جب تم نے مجھ سے یہ کہا کہ
رو میلہ کو اس کے صحیح مقام کے ساتھ الیان کو اسے اس کے گھر میں جگہ دلانے کے لیے یہ سب کرنا پڑا تو میرا غصہ
بھی ٹھنڈا ہو گیا۔“

پھر رو میلہ تو دیے ہی ٹھنڈے مزاج کی ہے اس کا تو یہ سب سنتے ہی دل پکھل جائے گا اور اچھا ہی ہے یہ سب
الیان ہی اسے بتائے۔
تم گیٹ پر پہنچنے کے بعد مجھے تیل مارو تا میں الیان کو سیدھا رو میلہ کے کمرے میں لے جاؤں گی امی کو اس کی

آمد کا پتا بھی نہیں چلے گا۔ ”نمل نے شان بے نیازی سے کہا۔
 ”کیا بات ہے بھئی تمہارا دل ان کاموں میں کتنا چلتا ہے مجھے تو علم ہی نہیں تھا“ خرم کے شوخی سے کہنے پر
 نمل کچھ جھینپ گئی۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
 جب وہ الیان کے گھر سے نکلی تھی تب اسے لگتا تھا کہ زندگی جیسے ختم ہو گئی ہو اپنے بابا جانی کے گھر اگر جب
 نماز کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اسے لگا جیسے مانگنے کے لیے اب کچھ بچا ہی نہیں۔

جیسے اب اسے زندگی سے کچھ چاہیے ہی نہیں۔
 لیکن یہ احساس اسے اب جا کر ہوا تھا کہ زندگی کسی ایک شخص کے چلے جانے سے ختم نہیں ہو جاتی اسے اپنے
 لیے بھلے ہی کچھ نہیں چاہیے تھا لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ اس کے پاس مانگنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں۔ بندہ ہر مل
 اللہ کا محتاج ہے عظمت خلیل کی تکلیف اور رشیدہ اور نمل کی حالت دیکھ کر وہ مسلسل اللہ تعالیٰ سے اپنی اس سوچ
 پر معافی مانگتے ہوئے ان کے لیے صبر اور بہتری مانگتی آرہی تھی۔

گو کہ عظمت خلیل کے کردار سے واقف ہونے کے باعث وہ ان کے لیے بہت حساس اور جذباتی تو نہیں ہوئی
 تھی البتہ رشیدہ اور نمل کو ازیت میں دیکھ کر وہ سکون سے بھی نہیں رہا رہی تھی چنانچہ وہ مسلسل عظمت خلیل کی
 صحت یابی کے ساتھ ساتھ ان کے راہ راست پر آنے کی بھی دعائیں مانگ رہی تھی۔

اس وقت بھی اس کی زبان پر یہی التجائیں چل رہی تھیں اپنے لیے کچھ مانگتے وقت انسان کی دعاؤں میں شدت
 کا تناسب بھلے ہی زیادہ ہوتا ہو لیکن وہ سروں کے لیے مانگتے وقت اس کی شدت کے درجات بہت بلند ہو جاتے ہیں
 جس سے انسان کی تسکین ہوتی ہے کچھ ایسے ہی احساسات لیے جب وہ جائے نماز لے کر کھڑی ہونے لگی تو اس
 کے کمرے میں تیزی سے نمل داخل ہو گئی۔

”کیا کر رہی ہو؟“ اس کے سر پر نماز کا ڈھنڈا بندھا دیکھنے کے باوجود نمل نے بڑی جھلت میں پوچھا تو رو میلہ کچھ
 حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔
 ”کیا ہوا خیریت تو ہے نا۔“

”ہاں ہاں بالکل خیریت ہے۔ میں بس دیکھنے آئی تھی تم کچھ زیادہ بڑی تو نہیں ہو۔“ نمل نے سر سے پیر تک
 اس کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”کیا ہوا۔“ رو میلہ اس کے اس طرح غور سے دیکھنے پر مزید حیران ہوتے ہوئے بولی۔
 ”ہاں آں۔ کچھ نہیں کچھ نہیں۔ تم نے صبح سے بال نہیں بنائے کیا۔“ نمل نے اسے ڈھنڈا کھولتا دیکھ کر
 بے اختیار پوچھا۔

نماز کا ڈھنڈا کھولنے کی وجہ سے اس کے آگے کے بال کچھ بکھر گئے تھے جنہیں اب وہ انگلیوں سے ٹھیک کر کے
 ڈھنڈا کرنے لگی تھی کہ نمل کے سوال پر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
 ”بات کیا ہے۔“

”بات کیا بات۔“ نمل نے چونکنے کی اداکاری کی۔
 ”یہی تو میں پوچھ رہی ہوں بات کیا ہے“ رو میلہ نے لفظ بات پر زور دیتے ہوئے کہا تو نمل خواہ مخواہ ہی ہنس دی۔

”نہیں نہیں بات کچھ بھی نہیں ہے۔ اچھا میں چلتی ہوں گڈ نائٹ۔“ نمل یہ کہتی پلٹ گئی مگر دروازے کے
 پاس جا کر ایک بار پھر رک گئی۔
 رو میلہ ایک بار پھر اسے حیرانی سے دیکھنے لگی جو پلٹ کر ایسے رو میلہ کو دیکھ رہی تھی جیسے شش و پنج میں ہو کہ
 کہے یا نہ کہے۔

”نمل تم ٹھیک تو ہونا۔“

”چاہ نہیں۔“ نمل کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد بے چارگی سے کہتی باہر نکل گئی۔
 رو میلہ حیرانی سے دروازے کو دیکھتی رہی پھر خود بھی کندھے اچکاتے ہوئے جائے نماز جگہ پر رکھنے کے لیے
 پلٹ گئی کہ ابھی اسے دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

”نہیں ناک کرنے کی ضرورت کب سے پیش آئی۔“ رو میلہ نے کچھ چڑتے ہوئے کہا اور بستر کا تکیہ سیدھا
 کر کے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بستر پر بیٹھ گئی مگر دروازہ ہنوز بند رہا تو وہ کچھ غصے سے بولی۔
 ”نمل ڈرامے بند کرو اور سیدھا طرح سے اندر آ کر تاویبات کیا ہے۔“ وہ دروازے کو دیکھتے ہوئے بول رہی
 تھی جب اس کا جملہ ختم ہونے پر دروازے کے ہینڈل کو بڑی آہستگی سے گھما کر دروازہ کھولا گیا اور نووار اندر
 داخل ہو گیا۔

رو میلہ پلک جھپکے بغیر اپنے سامنے بلیک پینٹ اور بلیک اینڈ وائیٹ چیک کی شرٹ میں ملبوس الیان کو دیکھ گئی
 اسے کسی طور اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے مگر الیان کی آمد کے ساتھ ہی اس کے مسخ کر دیے والے پرفیوم کی
 خوشبو بھی پورے کمرے میں پھیل جانے کے ساتھ ساتھ رو میلہ کے حواسوں کو بھی جھنجھوڑ گئی تھی۔
 وہ خود کو یہ یقین دلاتی کہ یہ کوئی غلط فہمی یا اس کی نظر کا دھوکا نہیں ہے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
 ”آپ یہاں۔“ رو میلہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا بولے دو سری طرف جس طرح وہ اسے دیکھ کر سر
 جھکا کر کھڑا ہو گیا تھا اس سے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بھی رو میلہ کی طرح اسی الجھن میں مبتلا ہے کہ کہے تو کیا
 کہے۔

”اتنی رات گئے اگر آپ نمل سے بھی ملنے آئے ہیں تو بھی آپ کو ڈرامنگ روم میں بیٹھنا چاہیے تھا اس
 طرح سیدھا کمرے میں آ جانا قطعی مناسب نہیں۔“ اب کی بار رو میلہ خالصے اعتماد سے بولی۔

الیان بے اختیار سراٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگا اس کے ٹھوس لہجے میں یگانگت کا عنصر خاصا نمایاں تھا الیان
 کو اس سے اس لب و لہجے کی توقع نہیں تھی وہ غیر ارادی طور پر اسے دیکھ گئی۔

اس کے اس طرح دیکھنے پر رو میلہ کی پیشانی پر ان گنت بل بڑ گئے بھی وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔
 ”مسٹر الیان یہ میرا کمرہ ہے آپ یہاں سے تشریف لے جائیں تو بہتر ہوگا“ الیان ایک دم چونک اٹھا۔
 جو اس نے کیا تھا وہ رو میلہ کی توقع کے بالکل برعکس تھا تو پھر رو میلہ کا انداز الیان کی خواہش کے مطابق کیسے ہو
 سکتا تھا۔

ویسے بھی اس کی نظر میں الیان اب ایک غیر شخص تھا لہذا ایک اجنبی کے ساتھ وہ اسی طرح پیش آ سکتی تھی۔
 الیان نے ایک گہرا سانس کھینچا اور بہت آہستہ آواز میں کہنے لگا۔

”میں تم سے ملنے آیا ہوں کیا تم دو منٹ بیٹھ کر میری بات سن سکتی ہو۔“ رو میلہ ایک دم چونک اٹھی۔
 وہ اگر یہاں نمل کے گھر تک اس کے کمرے تک آ گیا تھا تو یہ بات یقیناً ”نمل کے علم میں ہوگی اور ابھی
 تھوڑی دیر پہلے وہ جس طرح کمرے میں آ کر بغیر کچھ کہے چلی گئی تھی اس کا وہ ناقابل فہم رویہ بھی ظاہر کر رہا تھا کہ وہ

رومیلا کو الیان کی آمد کے متعلق ہی بتانے والی تھی مگر اس نے یہی سوچ کر کچھ کہا نہیں ہو گا کہ رومیلا سنتے ہی منع کر دے گی۔

جب اسے یقین تھا کہ رومیلا اس سے ملنا نہیں چاہے گی تو اس نے کیوں الیان کو اس کی اجازت کے بغیر اس کے کمرے میں بھیج دیا۔

اسے پہلی بار مکمل کے کسی فعل سے تکلیف پہنچی تھی فوری طور پر وہ الیان سے یہ نہیں کہہ سکی کہ مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کمرے کی دیوار کو ایسے دیکھنے لگی جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ الیان کو کمرے سے جانے کے لیے کیسے کہے۔

الیان اس کے احساسات سمجھ رہا تھا پھر بھی ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت ناراض ہو لیکن میں۔“

”میرے اور آپ کے بیچ ایسا کوئی تعلق کبھی تھا ہی نہیں جس پر میں آپ سے ناراض ہوں اور آپ صفائیاں دیں لیکن پھر بھی ایک جو کاغذی رشتہ تھا اب وہ بھی ختم ہو چکا ہے لہذا اب کسی بھی موضوع پر بات کرنا یا کسی نکتے پر وضاحتیں دینا عبث ہے بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔“ رومیلا نے درشتگی سے اس کی بات ٹکڑی۔

اسے شدید غصہ آگیا تھا الیان کے منہ سے ناراض کا لفظ سن کر۔

وہ کوئی ناراض نہیں تھی بلکہ الیان کے اقدام پر شدید صدمے سے گزری تھی انتہائی قسم کے دکھ کے ساتھ ساتھ اسے بے پناہ شرمندگی کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔

ابھی تو وہ مکمل کے گھر چلی آئی تھی لیکن واپس یونیورسٹی جانے پر اور خاندان کی کسی بھی تقریب میں لوگوں کا سامنا ہونے پر اسے مزید کئی سوالوں اور نظروں کو برداشت کرنا تھا۔

اتنی اذیتوں کے لیے صرف ایک ناراض کا لفظ قطعی مناسب نہیں تھا۔

جبکہ رومیلا کے چہرے پر پہلی بار غصے کے تاثرات ابھرتے دیکھ کر الیان زیر لب مسکرا دیا وہ جوا بھی تک اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا اس کا تپا ہوا انداز دیکھ کر قدرے مطمئن ہو گیا کیونکہ ابھی تک اسے ڈر تھا کہ پتا نہیں اس کے ساتھ کتنی نفرت سے پیش آئے گی لیکن اب اسے دیکھ کر الیان کو اپنی سوچ پر ہنسی آرہی تھی۔

نفرت کرنا اس لڑکی کے بس کی بات ہی نہیں تھی اس کے سرخ ہوتے چہرے سے بھی صاف ظاہر تھا کہ تھوڑی دیر اور غصہ کرے گی تو رو پڑے گی۔

”میرے دلے ہوئے دیوار سے پیچڑالماری میں لے جا کر ایسے رکھے کہ کبھی نکال کر بھی نہیں دیکھے۔

چلو تم نے نہیں دیکھے کم از کم ابرا تو چیک کر لیتا لیکن اس نے بھی ضرورت نہیں سمجھی ورنہ تم یہ کبھی نہ کہتیں کہ وہ کاغذی رشتہ اب ختم ہو گیا ہے۔“ رومیلا کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا تھا۔

بلکہ سچ تو یہ تھا کہ وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی الیان کو اچانک سامنے دیکھ کر اس کے زخم اور جگہ تھے آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی مگر وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اسی لیے آنسوؤں پر بندھا ہوا ٹوٹنے سے پہلے وہ اسے یہاں سے چٹا کر دینا چاہتی تھی اسی لیے اس کی بات پر دھیان دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی البتہ اس نے ایک چیز ضرور نوٹ کی تھی۔

الیان کے کسی بھی انداز سے کوئی دکھ یا ادا ہی نہیں ٹپک رہی تھی اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی بہترین ڈرننگ رومیلا کی نظروں میں آچکی تھی اور ابھی جس طرح وہ بولا تھا اس کی بات نے نہ سہی اس کے لیے نے ضرور رومیلا کو جو نکایا تھا۔

اس کے جملے میں شوخی نمایاں نہیں تھی مگر شوخی کا عنصر ضرور شامل تھا وہ کچھ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی جو آنکھوں میں ذرا بھی شرمندگی یا بچھتاوا لیے بغیر سکون انداز میں کھڑا تھا۔

اس نے یہ رشتہ کون سا اپنی خوشی سے قائم کیا تھا جو اس کے ٹوٹنے پر وہ کبھی ہوتا لیکن کم از کم اسے یہ احساس تو ہونا چاہیے تھا کہ رومیلا کے لیے اس کا یہ اقدام برداشت کرنا آسان نہیں ہو گا۔

ہر چند اس نے الیان کے لیے چھپے احساسات کو بھی الیان پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا مگر الیان کو اتنا تو علم ہو گا کہ ایک عورت کے لیے طلاق کے مرحلے سے گزرنا اور دنیا کے ساتھ ساتھ خود اپنے گھر والوں کو بھی اپنے حق پر ہونے پر قائل کرنا بہت کٹھن ہوتا ہے اسباب اور وجوہات چاہے جو بھی ہوں ملے سارا عورت پر ہی گرتا ہے مگر ٹوٹنے کی وجہ عورت کی ناقص اور بے صبری کو ہی گردانا جاتا ہے۔

پھر اس نے توانائی اماں اور شگفتہ غفار کے سامنے سارا الزام اپنے ہی سر لے لیا تھا اگر شگفتہ غفار نے الیان سے اس بارے میں کچھ نہیں بھی کہا تھا تب بھی اسے یقین تھا ثانی اماں نے ضرور الیان بلکہ ریاض غفار تک ہر اس کے جھوٹ کا بول کھول دیا ہو گا۔

پھر بھی وہ اپنے قہل پر ذرا شرمندہ نہیں تھا۔

رومیلا جیسے ایک شاگ میں گھری اسے دیکھ رہی تھی کبھی ایک خیال نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

کہیں شگفتہ غفار اور ثانی اماں نے اس کے جھوٹ پر یقین تو نہیں کر لیا کہیں واقعی یہ سب لوگ یہی تو نہیں سوچ رہے کہ وہ کسی اور میں دلچسپی رکھتی ہے چنانچہ الیان کے آزاد کروینے پر خوشی اور سکون محسوس کر رہی ہے۔

اس خیال کے آتے ہی وہ کچھ سراسیمہ سی ہو گئی وہ اس فطرت اور مزاج کی لڑکی نہیں تھی کوئی اسے ایسا سمجھتا ہے یہ بات اسے چند لمحوں کے لیے مضطرب کر گئی تھی۔

لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے خود کو تسلی دینی چاہی کہ جب ان لوگوں سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا تو پھر وہ اس کے بارے میں کچھ بھی سوچ لیں کیا فرق پڑتا ہے بلکہ اچھا ہی ہے اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ الیان کے اس فیصلے سے خوش ہے کم از کم وہ اس پر ترس تو نہیں کھائیں گے۔

رومیلا گہرے گہرے سانس کھینچ کر کوشش کرنے لگی کہ اپنے غصے کو قابو میں کر کے الیان سے قدرے بہتر انداز میں بات کر لے کیونکہ اگر وہ اس وقت اس کے پاس یہاں تک آیا تھا تو ضرور کوئی اہم بات کرنے آیا ہو گا۔

الیان اسے بدستور خاموش کھڑا دیکھ کر ایک قدم اور آگے بڑھ آیا خاصی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”اگر دیوار سے پیچڑا اس وقت تمہارے پاس ہیں تو انہیں نکال کر دیکھو اور اگر نہیں ہیں تو اپنے بابا جانی کے گھر جاؤ اور جا کر بڑھو۔ ہمارے بیچ کاغذی رشتہ ابھی تک برقرار ہے میں نے تمہیں صرف ایک طلاق دی تھی جس کے بعد مصالحت کی گنجائش باقی رہتی ہے۔“ الیان کے الفاظ تھے یا کوئی ہم دھماکا ہوا تھا۔

رومیلا کو لگا کمرے کی چھت اور دیواریں سب زوردار آواز کے ساتھ اس کے سر پر آگری ہوں وہ سن ہوتے ذہن و جسم کے ساتھ الیان کو دیکھے گئی جو اس کے شدید رد جانے کو محسوس کر کے بڑے دلفریب انداز میں مسکراتے لگا تھا۔

کچھ دیر تو وہ اس کے کہنے کے ٹوٹنے کا انتظار کرتا رہا پھر اس کے اور قریب آگیا۔

”تم اگر شاگ سے باہر آگئی ہو تو میں کچھ کہوں یا تمہارے لیے پانی وغیرہ منگواؤں۔“ الیان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا تو وہ چونکنے کے ساتھ ساتھ بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گئی اور قدرے ترخ کر پڑی۔

”صرف ایک طلاق کیوں دی ہے جب اس رشتے کو ختم ہی کرنا تھا تو ایک جھٹکے میں ہی ختم کر دیتے یہ مصالحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹج
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر پو پو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کی گنجائش رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے لیے اور سوال پر الیان کی مسکراہٹ ایک لخت غائب ہو گئی وہ کچھ دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

”کیا واقعی اس رشتے کو ختم کرنا چاہیے تھا؟ اسے رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟“ رویلہ بغیر کسی تاثر کے ویسے ہی شاک میں گہری کھڑی تھی جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے تب الیان خود ہی کہنے لگا۔

”اگر تمہیں لگ رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے یا تمہیں بے وقوف بنایا ہے تو تم غلط سوچ رہی ہو یہ سب میں نے ہمارے رشتے کو مستحکم کرنے کے لیے کیا ہے۔

ویسے پہلے میں تمہارے اس سوال کا جواب دے دوں کہ ایک طلاق دینے کی کیا ضرورت تھی تو رویلہ طلاق دینے کا شرعی طریقہ تو یہی ہے ایک ساتھ تین طلاقیں دینا تو اللہ کے دین کو مذاق بنانا ہے۔

لیکن میں اس وقت کوئی شرعی بحث نہیں کرنا چاہتا میں نے تو جو کچھ بھی کیا وہ تمہیں چھوڑنے یا اپنی زندگی سے بے دخل کرنے کے لیے کیا ہی نہیں۔

مجھے بہت سارے لوگوں کو آزمایا اور یہ دکھانا تھا کہ وہ کتنے غلط ہیں سب سے پہلے مجھے ابرار کو پرکھنا تھا کہ آیا وہ اپنی دھمکی پر آج بھی برقرار ہے یا نہیں۔

یعنی اگر میں تمہیں چھوڑتا ہوں تو کیا واقعی وہ بریرہ کا گھر اجاڑ دے گا حالانکہ کلفام کو گرفتار کرانے کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا پھر بھی اسے ایک بار تو آزمایا تھا۔

پھر مجھے مئی کو یہ احساس دلانا تھا کہ ان کا رویہ تمہارے ساتھ بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا وہ دل سے اس بات کی قائل ہوں کہ ابرار کے اس فعل میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں۔ اگر تمہیں موقع ملے تب بھی تم ابرار کی طرح بریرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔

شکر ہے کہ میری یہ دونوں خواہشیں پوری ہو گئیں۔ ہاں اب تم یہ ضرور پوچھ سکتی ہو کہ اگر مجھے تمہیں چھوڑنا نہیں تھا اور صرف سب کو احساس دلانا تھا تو میں نے تمہیں اعتماد میں لے کر سب کیوں بتا نہیں دیا۔

تو آئی ایم ریکی سوری ٹو سے مجھے تمہیں بھی آزمایا تھا۔ ”الیان نے ذرا رگ کر رویلہ کے تاثرات جاننے کے لیے اسے دیکھا مگر وہ صرف حیرانی کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی بھی الیان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

”میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر تمہیں موقع ملے تو کیا تب بھی تم میری فیملی کا ساتھ دو گی یا اس کے خلاف جاؤ گی؟ ابھی تو تم مجبور ہو اس لیے مئی کی کڑوی کسبلی برداشت کر رہی ہو لیکن اگر تمہاری کوئی مجبوری نہ رہے کیا تب بھی تم مئی سے بدلہ لینے یا ہمیں سبق سکھانے کا کوئی ارادہ کرو گی یا نہیں۔

حالانکہ مجھے تم سے یہی امید تھی جو تم نے کیا لیکن پھر بھی میں چاہتا تھا کہ یہ بات سب پر ثابت ہو خود مجھ پر بھی۔ الیان کہہ کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگا جو ابھی تک بے یقینی کا شکار تھی۔

الیان کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر وہ اتنے شاک میں تھی کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہے؟ آخر الیان کو خود ہی اس کے مقابل کھڑے ہوتے بہت بڑا مردہ انداز میں کہنا پڑا۔

”ہماری شادی بہت غلط طریقے سے ہوئی ہے کاش ہم دونوں روایتی طریقے سے ایک دوسرے کے شریک حیات بنے ہوتے لیکن شاید ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا بریرہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اور ہم گھروالوں نے جو کچھ جھیلایا وہ ناقابل فراموش ہے۔ یہ تکلیف وہ دکھ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس کا بدلہ کسی ایسے شخص سے لینا جس کا کوئی قصور نہ ہو یہ میری فطرت ہے نہ ڈیڈی کی۔ ہاں البتہ مئی کے لیے اپنے جذبات چھپانا اور ان پر قابو رکھنا بہت مشکل تھا، مئی کو یہ بات سمجھائی نہیں جاسکتی

تھی انہیں اس کا احساس دلانا تھا اور وہ صرف اسی ایک طریقے سے ممکن تھا جو میں نے کیا۔
ہاں اس سارے عمل میں تمہیں بہت اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیا اس کے لیے تم مجھے معاف کر سکتی ہو۔“
الیان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا تو وہ جوا تہی دیر سے بت بنی کھڑی تھی ایک دم اس میں جان آگئی ہے
اختیار اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے وہ کئی قدم دور جا کھڑی ہوئی اور بڑے تیز لہجے میں بولی۔
”آپ۔۔۔ آپ جتنی بھی صفائیاں دے لیں، چاہے اپنے اقدام کو جتنا بھی جسطہی فائی کر لیں لیکن میں آپ
کے فعل کو کبھی بھی صحیح قرار نہیں دوں گی۔“ رو میلہ کا سانس ایسے پھولنے لگا جیسے وہ کئی گھنٹوں سے شدید جسمانی
مشقت کر رہی ہو۔

الیان نے کچھ کہنا چاہا تو رو میلہ نے پھرے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے اسے بولنے ہی نہیں دیا۔

”آپ کو لگتا ہے آپ کے فعل سے مجھے صرف اذیت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔
جی نہیں مسٹر الیان۔ آپ نے مجھے جیتے جی قبر میں اتار دیا تھا میں جس تکلیف سے گزری ہوں وہ موت سے
بھی بدتر تھی آپ مجھے یا جس کسی کو بھی اتار رہے تھے یا جو بھی احساس دلا رہے تھے اس میں آپ کو کامیابی ہوئی
اس پر آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔“

لیکن اس آناٹش کے بعد آپ میری پرکھ کی کسوٹی پر پورے نہیں اترے۔ اپنے اس ڈرامے سے آپ نے
ثابت کر دیا کہ آپ سب تو صرف اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق چلانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے آپ کو جو بھی
کرنا پڑے بغیر کسی کو ذہنی اور جذباتی طور پر جتنا بھی تاراج کرنا پڑے آپ کر گزریں گے۔

ابرار بھائی کو آنا کر آپ نے اپنے مٹی ڈیڑی کو اور سب کو ان کی جانب سے یقین دہانی تو کرا دی لیکن میرا یقین
پاش پاش کر دیا۔“ رو میلہ شدید غصے کے عالم میں بول رہی تھی لیکن بولتے بولتے اب اس کی آواز رندہ گئی تھی۔
اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا بننے لگا اسی لیے جب وہ بولی تو اس کی آنکھیں بھی چٹک پڑیں۔

”پورے گھر میں مجھے صرف آپ پر بھروسہ تھا یہاں تک کہ میں نے اپنے بھائی بھابھی اور بابا جانی پر بھی کبھی اتنا
اعتماد نہیں کیا جتنا مجھے آپ پر یقین تھا کہ کم از کم آپ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے مجھے تکلیف پہنچا
جس سے مجھے دوسروں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے۔“

لیکن آپ نے تو وہی کیا جو ابرار بھائی نے میرے ساتھ کیا تھا، صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے انہوں نے
کلام کو نیچا دکھانے کے لیے میری شادی آپ کے ساتھ کر دی اس بات سے قطع نظر کہ میرے اوپر کیا بیت رہی
ہے، ٹھیک اسی طرح آپ نے ابرار بھائی کو ذلیل کرنے کے لیے مجھے سب کے سامنے تماشا بنا دیا اور یہ سوچا تک
نہیں کہ میرے دل کی کیا حالت ہوگی۔“ رو میلہ بولتے بولتے ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ اپنے بستر پر ہی بیٹھ گئی الیان خاموش کھڑا سے دیکھتا رہا وہ چاہتا تھا اس کے اندر
کا غبار نکل جائے اور اس کی حالت کچھ بہتر ہو جائے پھر وہ اس سے کچھ کہے گا جیسی وہ اس کی بات سمجھ بھی سکے گی۔

جب وہ کافی سارے آنسو بہا چکی اور روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ کر دم توڑنے لگیں تب الیان اس کے
سامنے دوڑا تو ہو کر بیٹھ گیا اور بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

”تم نے میری صرف ایک بات سن لی کہ میں ابرار کو آنا جاتا تھا اور آگے میں نے جو کچھ بھی کہا وہ سب یا تم
نے سنا نہیں یا اگر سنا بھی تو اس پر بالکل دھیان نہیں دیا۔
میں نے کہا مجھے مٹی کو یہ احساس دلانا تھا کہ تم ابرار کی طرح نہیں ہووے جو تمہاری بے عزتی کرتی تھیں تمہیں
باتیں سناتی تھیں وہ سب نہایت غلط اور محض ان کا غصہ تھا۔“

مجھے تمہیں صرف اپنے گھر میں نہیں رکھنا تھا بلکہ تمہیں وہ مقام اور حیثیت دلانی تھی جو میری بیوی کی گھر میں
ہونی چاہیے تھی۔

اتنے دنوں میں تمہیں یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ میں یا ڈیڑی مٹی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ تمہارے ساتھ اچھی
طرح پیش آئیں ان کا مزاج اور ان کی فطرت ایسی ہے کہ وہ خود بھی بعض اوقات چاہتی تھیں کہ تمہارے ساتھ
طرح کلامی نہ کریں لیکن وہ اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ پاتی تھیں۔

بربرہ کا گھر اجڑنے کا خطرہ تلوار کی طرح ان کے سر پر لٹکا رہتا تھا پھر بھی وہ تمہارے لیے موجود اپنی نفرت کو چھپا
نہیں پاتی تھیں۔ تو پھر آخر اس کا حل کیا تھا کیا تم ساری زندگی ان کے سرکل اور خاندان کے لوگوں کے سامنے ان
کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہیں۔

”نہیں تمہیں صرف اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا یہ کام تو میں بہت پہلے بہت آسانی سے کر سکتا تھا
لیکن مجھے تمہیں سب کی نظروں میں معجز بنانا تھا یہاں تک کہ خود تمہاری نظروں میں بھی۔“ الیان ایک دم
خاموش ہو گیا کیونکہ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی ایک دم آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی
جیسے اس کی بات نہ سمجھ سکی ہو۔

تب الیان اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔
”تمہیں یاد ہے ایک بار میں نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا اور مٹی ٹھیک اسی وقت کہیں باہر سے گھرواپس آگئی تھیں۔
اس وقت تمہارے چہرے پر ایسا ڈر تھا جیسے تم کوئی گناہ کبیرہ کرتے ہوئے رکتے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ مجھے اس
وقت تم پر بہت غصہ آیا تھا۔“ رو میلہ سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی جو دانت پر دانت جمائے ایسے بول رہا تھا
جیسے رو میلہ کے چہرے پر موجود وہ خوف اور گھبراہٹ اس کی آنکھوں کے سامنے ابھی بھی ناچ رہی ہو۔

”تم نے تو شاید میری ناراضی محسوس بھی نہ کی ہو لیکن اس کے بعد میں اگلے کئی دنوں تک تم سے بہت اکھڑا
اکھڑا رہا تھا۔
چلو میں مانتا ہوں مٹی کا رویہ تمہارے ساتھ بہت برا تھا وہ تمہیں میرے پاس بیٹھا دیکھتیں تو تم پر یہی الزام
لگاتیں کہ تم مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہی ہو۔

لیکن رو میلہ انسان کو اپنی عزت خود کو اپنی پڑتی ہے تم اپنے آپ پر خود یقین نہیں کرو گی تو کوئی دوسرا تمہیں
کیوں سمجھے گا۔

شادی چاہے جن حالات میں بھی ہو، نکاح تو ہمارا ہوا تھا تا تم اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی تھیں اور پھر
تمہارے دل میں کوئی چور نہیں تھا تم میرے پاس نہیں آئی تھیں، تم تو پر بھائی کر رہی تھیں میں تمہارے پاس آیا
تھا تمہیں اخبار دکھانے۔

اگر میں یہ سب نہ کرتا تو تمہارا رویہ میرے ساتھ ساری زندگی ایسا ہی رہتا جبکہ اب صورت حال بالکل مختلف
ہے۔

تمہارے جانے کے بعد مٹی کو احساس ہوا ہے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں کیا۔ پھر ابرار نے
بھی بربرہ کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی اس وجہ سے بھی ان کا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا

ہے۔
آج جب میں تمہارے پاس آ رہا تھا تو پہلے میں نے انہیں جا کر سب بتایا ہے اور تمہیں شاید یقین نہ آئے
انہوں نے خوشی کا اظہار کیا ہے کہ میں نے اس رشتے کو ختم نہیں کیا۔

اب تم کل صبح ہوتے ہی اپنے بابا جانی کے گھرواپس چلی جانا مٹی اور ڈیڑی خود تمہیں وہاں سے لینے آئیں گے،

تمہاری بھابی کے سامنے جو تمہیں شرمندگی اٹھانی پڑی ہے اس کا دوا اسی طرح ہو سکتا ہے۔" رو میلہ دم بخود بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی جو بڑی رسانیت سے بول رہا تھا۔

"ویسے تو مجھے بھی آنا چاہیے مگر میں نہیں آؤں گا کیونکہ میں ابرار کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ جو کچھ اس نے بربر کے ساتھ کیا اس کے بعد اسے معاف کرنا تو ناممکن ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تب میرے اندر اس سے بدلہ لینے کی خواہش شدید ہو جاتی ہے، میرا خون کھولنے لگتا ہے اسے دیکھ کر۔ اس وقت میرا غصہ میری عقل پر حاوی ہونے لگتا ہے اور میں خود کو کسی کمزور شخص کی زد میں نہیں لانا چاہتا۔" الیان کسی غیر مرمی نقطہ کو دیکھتے ہوئے بڑے گہیرے لہجے میں کہتا ایک دم خاموش ہو گیا۔

رو میلہ خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی جو نا جانے کس گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

شاید ابرار کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ذہن میں وہ لمحے جاگ رہے تھے جب ابرار نے بربرہ کو اغوا کیا تھا اور ان کے گھر پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

رو میلہ کو ہمیشہ ہی اس بات کا دکھ رہا تھا کہ بربرہ کو ناحق اتنی تکلیف اٹھانی پڑی مگر اس لمحے یہ افسوس اور بھی بڑھ گیا۔

اسے ذرا سی شرمندگی کا سامنا کیا کرنا پڑ گیا وہ کیسے الیان کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ رہی اور الیان اور اس کے پورے گھر کی تو عزت و ناموس داؤ پر لگ گئی تھی ان کے غصے اور نفرت کا پھر کیا عالم رہا ہو گا۔

ایسے میں جس سے نفرت محسوس ہو رہی تھی اسے گھرا کر جو بیس گھنٹے اپنی آنکھوں کے سامنے بٹھانا بھی پڑ گیا اب ان حالات میں وہ رو میلہ کو سر آنکھوں پر تو نہیں بٹھا سکتے تھے۔

اسی لیے اس نے کبھی مختلف غفار کو غلط نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ ان کی زہر میں بھی باتیں پینے کی کوشش کی کہ وہ اسے اپنی جگہ حق بجانب لگتی تھیں۔

اتنی نفرت اور اتنے غصے کو ختم کرنا آسان نہیں تھا وہ اگر ساری زندگی بھی ان کی خدمت کرتی تب بھی ان کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتی تھی لہذا جو کچھ الیان نے کیا تھا وہ واقعی قابل ستائش تھا وہ ماں باپ کا دل دکھا کر اگر رو میلہ کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا تو بھی گھر میں ہر وقت بے سکونی کا عالم رہتا۔

اور الیان کا یہ کہنا بالکل صحیح تھا کہ رو میلہ اس کی شرعی بیوی ہونے کے باوجود ایسے شرمندہ رہی جیسے پتا نہیں اس سے کتنا بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

ان دونوں کے بیچ کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی جسے الیان نے ہی بلا آخر توڑا۔ اپنا سر جھٹکتے ہوئے اس نے ایسے گہرا سانس کھینچا جیسے ساری سوچوں کو ذہن سے باہر نکال پھینکا ہو۔

"تو کیا تم صبح اپنے والد کے گھر جا رہی ہو یا می سے کہوں کہ تمہیں منانے میں ٹائم لگے گا ابھی کچھ مہینوں یا شاید سالوں انتظار کریں۔" اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ رو میلہ چونک اٹھی اور بے اختیار جرح کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ایک طلاق دے چکے ہیں رجوع کرنے کی کوئی مدت ہوتی ہے مہینوں اور سالوں انتظار کرنے کا وقت ہے نہ مہلت۔ ایسا نہ ہوا اتنے انتظار میں مصاحبت کی گنجائش ہی ختم ہو جائے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم نہیں چاہتیں کہ یہ گنجائش ختم ہو۔" الیان نے بظاہر سرسری انداز میں کہا مگر جواباً "رو میلہ خلاف توقع بڑے اعتماد سے بولی۔

"ہاں۔ کیا آپ کو آج پتا چلا ہے۔" الیان کو ہرگز امید نہیں تھی کہ وہ اتنے دھڑلے سے اعتراف کر لے گی وہ کچھ دیر خوش گوار حیرت میں گہرا اسے دیکھتا رہا پھر بڑی جاندار مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

"وہ نہیں مجھے بہت پہلے سے پتا تھا کہ تم اس رشتے کو نبھانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو اس کی ایک وجہ تو تمہاری وہی مشرقی ذہنیت ہے کہ جہاں ڈولی گئی ہے وہاں سے اب جنازہ ہی نکلے گا۔"

اور دوسری وجہ تمہارے دل میں میرے لیے چھپی وہ محبت تھی جو یہ نہ چاہتی کہ میں کبھی تم سے دور ہوں، ہے نا؟"

الیان نے سہلا جملہ تو خاصی شوخی سے کہا تھا مگر دوسرے جملے کو ادا کرتے ہوئے اس میں شوخی سے زیادہ غصہ اس کی آکھوں میں بھر کے لیے جھینب گئی مگر کچھ ہی لمحوں میں اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں اور جیسے ہی اس کی آنکھ سے آنسو چھلکا الیان نے اسے اپنی انگلی کی پور پر اٹھالیا۔

"بس رو میلہ۔ بہت رو لیا تم نے۔ اب اور نہیں۔" الیان کے لہجے میں جانے ایسا کیا تھا کہ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مگر اس بار الیان نے اسے رونے نہیں دیا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"کتنی بار میرے دل میں یہ خواہش ابھری تھی کہ آگے بڑھوں اور تمہارے سارے آنسو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لوں، آج پہلی بار قسمت نے اس خواہش پر عمل کرنے کا موقع دیا ہے اب بھی اگر تمہارے آنسو نہیں مجھے تو مجھے یہی لگے گا کہ میری محبت میں اتنی شدت ہی نہیں کہ تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاسکے۔" رو میلہ سچ سچ روتے میں مسکرا دی تو الیان ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ہوئی نا بات، چلو اب جلدی سے چو صاف کرو اور باہر چلو نیچے بے چارے وہ ہونٹ پریشان حال بیٹھے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" رو میلہ سمجھ نہ سکی۔

"تم اس لیے پریشان ہے کہ پتا نہیں مجھے تمہارے کمرے میں بھیج کر اس نے صبح کیا یا نہیں اور خرم اس لیے فکر مند ہے کہ پتا نہیں اسے مجھے یہاں لانا بھی چاہیے تھا یا نہیں۔"

"خرم نیچے موجود ہے۔" رو میلہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"نا صرف موجود ہے بلکہ ایک کے بھی لایا ہے اس کی خواہش تھی کہ میں وہ آتے ہی تمہیں پیش کر دوں۔"

مگر میں نے منع کر دیا پتا نہیں تم کتنے غصے میں ہو گی میرے ہاتھ میں پھول دیکھ کر کہیں تم آپے سے باہر ہی نہ ہو جاؤ۔" الیان اپنی بات پر خود ہی ہنس دیا۔

"ہاں ہاں آپ کے گھر میں ہر وقت لوہے کے چنے ہی تو چباتی تھی نا تبھی تو میرے غصے سے اتنے خوفزدہ تھے۔"

رو میلہ مسکرا کر کہنے لگی تو الیان کچھ دیر مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا پھر بہت شائستہ انداز میں کہنے لگا۔

"تمہاری سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ تم نے کبھی اپنا ضبط نہیں کھویا۔ می کے اتنے اور ری ایکٹ کرنے کے باوجود تم نے کبھی

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے رچل ماہنامہ شائع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ملوی جھٹک سے ڈراما، ٹورنامنٹ، نقل اور سلسلہ وار قطع کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

صرف می کو سمجھانے اور روکنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ تمہاری طرف سے اطمینان تھا کہ تم کسی کے بھی سامنے بے وقوفی کا ثبوت نہیں دو گی۔" الیان کے لہجے میں اس کے لیے ستائش تھی اور آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ محبت۔

رومیلہ کو اپنا آپ ایک دم ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔ کتنی اذیتوں سے وہ گزری تھی اسکے خونی رشتوں نے اسے محض اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا تھا مگر وہ ساری تکلیفیں اس ایک مقام پر آکر جمع ہو گئی تھیں۔ اس کا شریک حیات صرف اس سے محبت نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی قدر کرتا تھا اس کے دل میں رومیلہ کے لیے صرف عشق نہیں تھا بلکہ اس کی عزت تھی وہ اس کی خوبیوں کا قائل اور اسے سراہنے والا تھا باقی ہر چیز پس پروردہ چلی گئی تھی۔

حالانکہ اب اسے یقین تھا کہ شگفتہ غفار اور ریاض غفار اس کے بابا جانی کے گھر آکر خود اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے اور یہ اس کے لیے بہت اطمینان اور خوشی کی بات تھی لیکن اگر ایسا نہیں بھی ہوتا تب بھی اب وہ الیان کے ساتھ پورے اعتماد کے ساتھ چل سکتی تھی۔

"چلیں۔" الیان نے اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوئے پوچھا تو رومیلہ نے بغیر جھجکے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

الیان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے اسے لگ رہا تھا وہ زمین پر نہیں ہواؤں پر چل رہی ہو۔ کمرے میں موجود ٹیوب لائٹس کی روشنی ایک دم چاند کی چاندنی کی طرح روشن اور اجلی ہو گئی تھی کھلی کھڑکیوں سے آتی ٹھنڈی ہواؤں میں جیسے بارش کی جھنکی خوشبو شامل ہو گئی تھی ایک دل کی حالت کیا بدلی تھی کہ ہر منظر ہر کیفیت بدل گئی تھی۔

بلال اختر ابھی ابھی آفس سے تھکے ہارے گھر آئے تھے ان کے گھر میں زندگی کی موجودگی میں بھی سناٹوں کا راج رہتا تھا لہذا زندگی کے جانے سے کوئی فرق تو نہیں پڑا تھا مگر قدرتی طور پر انہیں گھر میں پچھلی خاموشی اب حد سے تجاوز کرتی محسوس ہوتی تھی چنانچہ وہ جان بوجھ کر آفس سے دیر سے گھر آتے تھے۔

عائشہ اختر کی جانب سے انہیں یہ فکر نہیں تھی کہ وہ اکیلی ہیں یا انہیں اس وقت بلال اختر کی ضرورت ہے۔ ریاض غفار کی فیملی سے عائشہ اختر کو بہت سہارا مل گیا تھا بلکہ اب تو الیان کی بیوی بھی گھر پر ہی موجود ہوتی تھی جو انہیں پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی اس سے عائشہ اختر کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

رومیلہ سے مل کر عائشہ اختر کی شخصیت پر کافی مثبت اثر پڑا تھا وہ بڑی باقاعدگی سے نماز پڑھنے لگی تھیں زندگی کی موت کے بعد سے ان کی گفتگو میں ہر وقت یاسیت کھلی رہتی تھی خاص طور پر رات کو بلال اختر جب کمرے میں سونے آتے عائشہ اختر کوئی نہ کوئی ایسا ذکر چھیڑ دیتیں کہ بلال اختر کا کوفت اور جھنڈا ہٹ سے برا حال ہونے لگتا۔ مگر رومیلہ نے ان کا ذہن بدل کچھ اس طرح پڑا تھا کہ وہ قسمت سے شکوہ کنال رہنے کی بجائے اور اپنی غلطیوں پر کڑھنے کی بجائے عبادت میں مشغول رہنے لگی تھیں۔

بلال اختر یہ سوچ کر سکون محسوس کرنے لگے تھے کہ اب ان کی گفتگو میں مری ہوئی باتوں کے ساتھ کیے سلوک پر پچھتانے کی بجائے آگے کی زندگی کا کیلا لمحہ عمل ہونا چاہیے اس پر بات ہو رہی ہوتی تھی۔ پہلی بار جب انہوں نے ان کے منہ سے یہ سنا تو وہ خاصی خوشگوار حیرت کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے تھے۔

"میں سوچتی ہوں زندگی کے زیور اور کپڑے کہیں ایسے کسی اوارے میں دے دوں جہاں لڑکیوں کی شادیاں وغیرہ کرائی جاتی ہیں وہ غریب لڑکیاں یہ چیزیں استعمال کر کے اس کے لیے مغفرت کی دعا کریں گی۔ دنیا میں تو ہم زندگی کے لیے کچھ نہیں کر سکے لیکن وہ آخرت میں اٹھائی جائے گی تب وہ دیکھے گی کہ اس کی باتوں نے اس کے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر کتنے کام کرائے اور اس کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ جمع کر دیا تو وہ مجھ سے کتنی خوش ہوگی۔" حسرت اور ملال سے ہٹ کر ان کے منہ سے ایک خوش آئند بات سن کر بلال اختر بے اختیار اپنی حیرت ظاہر کر گئے۔

"یہ آج سورج کہاں سے نکلا تھا یہ تم اتنی سمجھداری کی باتیں کیسے کر دیتی ہو۔" ان کے پوچھنے پر عائشہ اختر ایک دم خوش میں آ گئیں۔

"ارے میں آج الیان کی بیوی سے ملی تھی وہ کافی دنوں سے اپنے والد کے گھر پر تھی اب آئی ہے تو مجھے بتا چلا وہ بہت پیاری اور سمجھدار لڑکی ہے۔

جب سے زندگی نے ہوش سنبھالا تھا میں ہمیشہ یہ سوچتی رہی تھی کہ میرا کیا میرے آگے آ رہا ہے پہلی بار رومیلہ سے مل کر یہ احساس ہوا کہ اگر میں نے ماضی میں کچھ غلط کیا تھا تو اس پر کڑھنے کی بجائے اس کا دوا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جو وقت غفلت میں گزر گیا سو گزر گیا لیکن جو وقت ہے اس کو ضائع نہ ہونے دوں۔ اپنی والدہ اور زندگی دونوں کی مغفرت کے لیے اتنے نیک کام کروں کہ قیامت والے دن وہ لوگ مجھے معاف کر دیں ان نیک کاموں کے ذریعے میری اپنی نیکیوں میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔"

"کمال ہے یہ اتنی عقل مند لڑکی الیان کو کیسے مل گئی۔" بلال اختر نے کوٹا اتارتے ہوئے طنزیہ کہا تو عائشہ اختر کچھ خائف ہو کر کہنے لگیں۔

"الیان اسی قائل ہے کہ اسے اتنی عقل مند لڑکی ملے۔ آپ تو میرے بھائی بھابی سے آج تک نالاں ہیں حالانکہ آپ کو تو ان سے شرمندہ ہونا چاہیے۔"

"کس بات پر شرمندہ ہوں۔ ہم نے جو کیا تھا اس سے کئی زیادہ سزا ہماری بیٹی بھگت چکی ہے اب حساب برابر ہو چکا ہے۔" بلال اختر نے تلخی سے کہا تو عائشہ اختر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگیں۔

"میں بلال یہ سوچ غلط ہے کہ ہمارے کیے کی سزا ہماری بیٹی کو ملی ہے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا منصف ہے وہ ایک کے کیے کی سزا بھی دوسرے کو نہیں دیتا۔ زندگی کے ساتھ جو ہوا وہ اس کا نصیب تھا۔

رومیلہ نے ہی مجھے سمجھایا ہے کہ یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیے کہ ماں باپ کا کیا اولاد کے آگے آتا ہے اس طرح تو ہر پریشان حال انسان یہ سوچنے بیٹھ جائے گا کہ اس کے ماں باپ نے ضرور کسی کا دل دکھایا ہے جو آج وہ تکلیف میں ہے جبکہ دوسری جانب پچھ والدین آپ کی طرح ہوتے ہیں جنہیں اولاد سے بھی ایسی کوئی خاص محبت نہیں ہوتی اگر انہیں یہ یقین ہو کہ ان کا کیا شخص ان کی اولاد کے آگے آئے گا اور وہ اپنی زندگی آرام سے جیتے رہیں گے تو وہ گناہ کرتے وقت کبھی بھی خوف خدا میں مبتلا نہیں ہوں گے۔" عائشہ اختر بڑے سکون سے بول رہی تھیں بلال اختر ان کی بات سن کر حیرت ہو گئے۔

"تمہیں لگتا ہے مجھے زندگی سے محبت نہیں تھی گویا میں ان سفاک لوگوں میں سے ہوں جنہیں اولاد سے بھی پیار نہیں ہوتا۔"

"ہاں بالکل۔ زندگی کے مرنے سے آپ کو کیا فرق پڑا جب تک وہ زندہ تھی آپ پھر بھی اس کی حرکتوں کی وجہ سے شرمندہ ہوتے تھے اس کے مرنے کے بعد ایک بار آپ کو بدنامی کی کچھ پروا نہ تھی پڑی لیکن اب اس کے

مجرموں کے سلاخوں کے پیچھے چلے جانے کے بعد آپ اس بے عزتی سے بھی لا پرواہ ہو گئے ہیں اور آرام سے اپنی برنس لائف میں مصروف ہیں۔

”جبکہ ندیہ جب تک زندہ رہی تکلیف میں رہی یہاں تک کہ موت بھی اسے۔“ عائشہ اختر کی آواز رندہ گئی تو انہیں خاموش ہونا پڑا۔

بلال اختر کا دل تو بہت چاہ رہا تھا انہیں کھری کھری سنانے کا مگر وہ کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہتے تھے انہیں نیند آرہی تھی جبکہ عائشہ اختر کی نیندیں ختم ہو چکی تھیں وہ زیادہ جذباتی ہو جاتیں تو رات بھر بول سکتی تھیں اور وہ بلال اختر کو خاموش دیکھ کر وہ ایک بار پھر کہنے لگیں۔

”سزا اور جزا کا عمل تھوڑا بہت دنیا میں ضرور ہوتا ہے لیکن آخرت کی سزائیں اپنی جگہ موجود رہتی ہیں اور وہاں جو سزا ملے گی پورے حساب کتاب سے ملے گی وہ دن ایسا ہو گا جہاں کسی پر ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا انصاف یہ ہے کہ کسی بھی شخص پر ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہ ہو۔“

ندیہ کے ساتھ جو وہ اس کی قسمت تھی ہاں البتہ اسے دیکھ کر ہمیں تائب ہونا چاہیے کہ ہم نے دوسروں کی کتنی تکلیف دی جس طرح ہماری بیٹی تڑپتی ہوئی چلی گئی ہماری وجہ سے کوئی دوسرا سستا ہوا نہ جائے۔

اولاد کو دیکھ کر انسان کا دل نرم ہو جانا چاہیے اور دوسرے کے درد کو سمجھنے کا احساس بڑھ جانا چاہیے۔“

”مجھے نیند آرہی ہے عائشہ لائٹ آف کرو۔“ بلال اختر نے کپڑے بدلنے کا ارادہ ملتوی کر دیا وہ بے زاری سے بستر پر سر کی جانب کروٹ کر کے لیٹ گئے۔

عائشہ اختر کچھ دیر خاموشی سے ان کی پشت کو دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر ناصرف انہوں نے لائٹ آف کر دی بلکہ خود کمرے سے باہر نکل آئیں۔

ان کے قدم اب ندیہ کے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے یہ ان کا وہ آبائی گھر تو نہیں تھا جہاں ندیہ پیدا ہوئی تھی اور جہاں سے عائشہ اختر سمیت ندیہ کے بچپن کی یادیں وابستہ تھیں۔

پھر بھی انہیں ندیہ کے کمرے میں بیٹھ کر سکون ملتا تھا پہلے اس کے کمرے میں جا کر وہ گھنٹوں روتی تھیں تو بلال اختر نے اس کمرے کو لاک کر کے اس کی چابی اپنے پاس رکھ لی تھی۔

مگر اب جبکہ عائشہ اختر کا دنیا کو دیکھنے اور پرہیز کا نظریہ بدل گیا تھا انہوں نے بلال اختر کی غیر موجودگی میں ایک چابی میکر کو بلا کر اس کی ڈپلیکیٹ چابی بنوائی تھی اور دن کے کسی نہ کسی وقت اس کمرے میں جا کر ضرور بیٹھ جاتی تھیں مگر آج وہ ریاض غفار کے گھر سے چلی گئی تھیں انہیں ندیہ کے کمرے میں جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

چنانچہ ایک بے چینی ان کے وجود پر چھائی ہوئی تھی اور پہلی بار وہ رات میں اس کے کمرے میں آ گئیں۔

اس کمرے میں ندیہ نے زیادہ وقت نہیں گزارا تھا پھر بھی اس کی خوشبو یہاں بسی ہوئی تھی کچھ دیر دروازے میں کھڑی رہ کر وہ جیسے اس کی خوشبو اپنے اندر جذب کرنے لگیں پھر دھیرے دھیرے چلتی اس کے بستر پر آ بیٹھیں اس کے تکیے پر ہاتھ پھیرتے سے انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کا سر سلا رہی ہوں۔

حالانکہ انہوں نے اس کی زندگی میں کبھی اس کے پاس بیٹھ کر اس کا سر اس طرح نہیں سہلایا تھا اس وقت انہیں یہ ساری باتیں مل کلاس عورتوں کے چوچلے گلتے تھے ان کا خیال تھا بچے کو خود سے تھوڑا دور رکھا جائے تبھی اس میں خود اعتمادی آتی ہے جبکہ اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے اور اس کے لاڈ اٹھانے سے بچہ ماں کے ساتھ رہنے کا عادی ہو جاتا ہے اس کا پلو پکڑ کر چلنے سے وہ کبھی کبھی بڑا نہیں ہوتا اسے اپنے ہر کام کے لیے ماں کی جانب دیکھنا پڑتا ہے۔

پھر وہ اپنی سماجی زندگی میں اتنی مصروف اور خوش تھیں کہ ندیہ کو خود سے زیادہ قریب کر بھی نہیں سکتی تھیں

وہ نہ ندیہ میں لگ کر انہیں اس زندگی کو مکمل طور پر نہ سہی لیکن کافی عرصے تک خیر یاد کمنارڈتا جو کہ ان کے لیے ممکن نہیں تھا مگر صرف اس وقت۔ آج انہیں اس طرز زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس کے کمرے میں بیٹھ کر وہ ان ہی گزری باتوں کے بارے میں سوچتی رہتی تھیں۔

جو کچھ ندیہ کے ساتھ ہوا تھا وہ اس کا نصیب تھا ہوئی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ روکنا تو درکنہ کچھ لمحوں کے لیے بل بھی نہیں سکتا لیکن اگر انہوں نے ندیہ کی بات کبھی غور سے سنی ہوتی تو جس طرح خرم یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ جو دیکھتی اور کہتی ہے وہ شخص بکواس نہیں ہے بلکہ ایک ایسا علم ہے جو ہر ایک کے پاس نہیں ہوتا اور کاش ندیہ کے پاس بھی نہ ہوتا اچھا ہے کہ مستقبل کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

دیکھ لے تو سمجھ نہیں سکتا سمجھ لے تو بدل نہیں سکتا۔ لیکن اگر عائشہ اختر کبھی اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتیں تو ندیہ اس قدر بے اعتبار نہ ہوتی اپنی ذات اور اپنی صلاحیتوں کو لے کر وہ اتنی احساس کمتری کا شکار نہ ہوتی۔

جب اس نے بتایا تھا کہ کالج میں اس کا مذاق اڑانے والی مناشا مرگئی ہے تب عائشہ اختر چونک اٹھی تھیں کیونکہ سب کو یہ پتا تھا کہ وہ غائب ہے کسی کو اس کے مرجانے کا علم نہیں تھا پھر یہ بات اس نے اتنے یقین سے کیسے کہہ دی۔

انہیں یہ ہی لگا تھا کہ اگر ندیہ یہ جانتی ہے کہ وہ مر گئی ہے تو ضرور اس کے پیچھے ندیہ کا ہی ہاتھ ہے انہوں نے کسی اور ممکنات پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔

اگر خرم کی طرح وہ بھی یہ اندازہ لگالیتی تو بھلے ہی وہ ندیہ کو بچانہ پاتیں لیکن ندیہ کا کچھ وقت اس سکون اور اطمینان کے ساتھ گزرنا کہ دنیا بھلے ہی اسے جو بھی کہے اس کی ماں کم از کم اسے پاگل نہیں سمجھتی اس نے ندیہ کے اندر ابھرتی تھی سلجھالی ہے وہ اس کی راز دان ہے اس پر بھروسہ کرتی ہے۔

لیکن اس کی ماں تو اسے پاگل کے ساتھ ساتھ قابل سمجھنے لگی تھی۔ اسے ڈاکٹر شکیلہ کے پاس ایسے خوفزدہ انداز میں لے کر گئی تھی کہ کہیں کسی کو پتا چل گیا تو ندیہ کو جیل ہو جائے گی۔

کیا جی ہوتی ندیہ کے دل پر جب اس نے اپنی ماں کی آنکھوں میں اس کے لیے شبہات نہاتے دیکھے ہوں گے۔ عائشہ اختر کی آنکھیں بھٹکتی چلی گئیں اور وہ انہیں باتوں پر ایک بار پھر آنسو بہانے لگیں جن پر روز بھاتی تھیں۔

ایک پہلی ہوں میں جسے بوجھ نہ سکا کوئی عمر بھر ایک سوال ہوں میں ابھائے جو سب کو ہر موڑ پر نہ ڈھونڈ مجھ کو نہ مجھے تلاش کر

ایک کھوج ہوں میں بھٹکائے گی تجھے ادھر ادھر بے پندے کے سانچے میں ڈھلتے تھے میرے روبرو قلب

پھر کیونکر ہوا رہا ہوتا میرا مقدر اندازوں پر مبنی تھا میری شخصیت کا کوڑہ نصیب تھا میرا دست کوڑہ گر

”اوف خرم میں تو بالکل اور لگ رہی ہوں سنبھل اور رو میلہ تو مذاق اڑانے بیٹھ جائیں گی اچھا خاصا میں شلوار قمیص پہن رہی تھی آپ کے کہنے پر خواجہ خواجہ ساڑھی باندھ لی لائیٹ پنک ٹکڑ کی قمیص سے کام والی شہنشاہی جارحیت کی ساڑھی پر نازک ساپرس لیے خرم کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے وہ خاصی الجھ رہی تھی۔“

”لگتا ہے تمہارا اپنی تعریفیں سن کر پیٹ نہیں بھرا ہے اسی لیے ایسی باتیں کر رہی ہو تاکہ میں دوبارہ شروع ہو جاؤں۔“ خرم اس کے ساتھ چلتے چلتے رک گیا اور باقاعدہ ہاتھ باندھ کر ایسے کھڑا ہو گیا جیسے کوئی لمبی تقریر کرنے والا ہو۔

”نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے فار گاڑ سیک یہاں مت شروع ہو جانا۔“ نمل بری طرح گڑبڑا گئی اس نے ہوٹل کے شاندار کوریڈور میں ایسے اوجھڑا دھڑکھا کہ خرم کی ہنسی نکل گئی۔

”تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے ہم ابھی تک یونیورسٹی میں پڑھنے والے اسٹوڈنٹس ہوں۔ قاریور کا سنڈ انفارمیشن اب ہم میاں بیوی ہیں تمہاری تعریف کرنے کا لہجہ کل پر مٹ ہے میرے پاس۔“ خرم نے اس کی طرف جھکے ہوئے شرارت سے کہا۔

”خرم کچھ تو موقع محل دیکھا کریں۔“ نمل پیچھے ہٹے ہوئے دانت پس کر رہی تو خرم قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

”چلیں جلدی۔“ سنبھل کے مسیح پر مسیح آ رہے ہیں ہماری شادی کی خوشی میں اس نے بچ رکھا ہے اور ہم اب تک نہیں پہنچے ہیں الیان بھائی اور رو میلہ تو کب گئے آگئے ہیں۔“ نمل نے آگے بڑھتے ہوئے کہا تو خرم بھی اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔

”تمہاری وجہ سے ہی دیر ہو رہی ہے تم نے ایک ساڑھی باندھنے میں دو گھنٹے لگا دیے۔“

”اب میں کچھ کہوں گی تو آپ پھر کی کہیں گے کہ میرا اپنی تعریف سننے کا دل چاہ رہا ہے۔“ نمل نے ایک اچھتی نظر خرم پر ڈالی تو وہ ایک بار شوخی سے کہنے لگا۔

”لو میں تو تیار ہوں بیٹا وہاں سے شروع کروں۔“ نمل نے جس طرح زچ ہو کر خرم کو دیکھا اس پر خرم مجبور ہو کر زبردستی سنجیدہ نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک مہینہ ہو گیا تھا ان کی شادی کو مگر خرم کی شوخیاں کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھیں اس کی سنگت میں نمل اتنی خوش تھی کہ کبھی کبھی اسے اپنے آپ پر حیرانی ہونے لگتی کیونکہ اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی اتنی خوش بھی رہ سکے گی۔

جب عظمت خلیل کے چہرے پر تیزاب پھینکا گیا تھا تب نمل کو لگتا تھا اب وہ اور رشیدہ کبھی مسکرا نہیں سکیں گے جب تک عظمت خلیل اسپتال میں تھے تب تک تو حالات پھر بھی بہتر تھے مگر جب وہ گھر آگئے تب صورت حال اور مشکل ہو گئی۔

عظمت خلیل ہر وقت مصروف رہنے کے عادی تھے ان سے اتنی فراغت برداشت نہیں ہوتی تھی پھر انہوں نے زندگی میں معمولی سی تکلیف کبھی نہیں سہی تھی تو اتنی اذیت کیسے جھیلے۔ پہلے اپنی ذرا ذرا سی بات پر وہ رشیدہ اور نمل کو ہزار باتیں سنا دیا کرتے تھے اور اب تو وہ بولنے کے ہی قابل نہیں رہے تھے اس لیے ہی میں وہ صرف آنکھ سے آنسو بہانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے تھے رشیدہ تو ان کے سامنے خود بھی رونے بیٹھ جاتیں البتہ نمل ضبط کر جاتی تھی۔

وہ دونوں ہر وقت ان کی دلجوئی اور خدمت میں لگے رہتے اس کے باوجود جب کبھی عظمت خلیل سے منہ میں

تکلیف کی وجہ سے کچھ کھایا نہ جاتا یا بولانہ جاتا تو وہ جھنجھلا کر کھانے کی پلیٹ اٹھا کر پھینک دیتے مگر رشیدہ اور نمل کبھی برا نہیں بانتیں ان دونوں نے جس طرح نمل اور رو مجبھی کے ساتھ عظمت خلیل کا خیال رکھا تھا اس کی نظیر نہیں مل سکتی تھی۔

اسی لیے جب عظمت خلیل صحت یاب ہونا شروع ہوئے تو انہوں نے بھلے ہی انہیں سراہا نہیں نہ ہی کبھی اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگی لیکن ان کے انداز میں تبدیلی ضرور آگئی تھی۔

رشیدہ کہتی تھیں ان کا دل بدل گیا ہے تکلیف انسان کے اندر بہت کچھ بدل دیتی ہے۔

مگر نمل ان سے اتفاق نہیں کرتی تھی اس کا خیال تھا وہ سدا ایسے ہی رہیں گے یہ شخص وقتی ابال ہے ایک بار وہ ٹھیک ہو کر اپنے معمول پر آئیں گے تو پھر ویسے ہی ہو جائیں گے بات بات پر ان ماں بیٹی کی عزت نفس کی وجہاں اڑانے والے ہیں لیکن اس وقت نمل کو اپنی سوچ بدلنی پڑی جب انہوں نے خاص طور سے نمل کو بلا کر خرم کے بارے میں اس کی رائے مانگی نمل ششدر سی انہیں دیکھتی رہی جب انہوں نے جلتے ہوئے چہرے کے ساتھ بمشکل دھیمی آواز میں کہا۔

”فرقان حسن مجھ سے ملنے اسپتال بھی آئے تھے گھر پر بھی آئے تھے اور اب بھی فون کرتے رہتے ہیں ان کا کتنا ہے خرم نے ایک غلط فہمی کا شکار ہو کر جذبات میں آکر مکتلی توڑ دی تھی وہ اب اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہے اور میرے پاس آکر معافی مانگنا چاہتا ہے۔“

مجھے نہیں پتا وہ غلط فہمی کس قسم کی تھی اسے معاف کرنا چاہیے یا نہیں یہ فیصلہ تم کر سکتی ہو مجھے پوچھنا اچھا نہیں لگا اگر تمہاری مرضی ہو تو میں خرم کو گھر آنے کی اجازت دوں آخر زندگی تمہیں گزارنی ہے مجھے نہیں۔“

نمل آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی اور ان کے سینے سے لگ کر ایک دم رونے لگی۔

عظمت خلیل کی قوت گویائی اتنی نہیں تھی کہ اس کی ہچکیوں کے پیچھے بولتے اور نمل سن لیتی وہ اس کا سر تھپک کر اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگے مگر اس کے رونے میں اور شدت آتی گئی تب رشیدہ کو آگے بڑھنا پڑا۔

”آپ خرم کو بلا لیں۔ بلکہ فرقان بھائی سے کہیں کوئی جلدی کی تاریخ رکھ دیں خرم کی پرہیزی بھی ختم ہو گئی ہے اب کیا انتظار کرنا ہے۔“ عظمت خلیل بغور رشیدہ کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے سرانبات میں ہلا دیا۔

اگر رشیدہ اتنی بڑی بات کہہ رہی تھیں تو یقیناً وہ نمل کی مرضی سے واقف ہوں گی انہیں نمل کے منہ سے سننے کی ضرورت نہیں تھی۔

اور اس طرح وہ بظاہر ناممکن نظر آنے والا کام اتنی آسانی سے ممکن ہو گیا اور نمل خرم کی زندگی میں شامل ہو گئی۔

عظمت خلیل اب اتنے بہتر ہو گئے تھے کہ دوبارہ سے آفس وغیرہ جانے لگے تھے لیکن نمل کی شادی کے بعد ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ کچھ وقت اب گھر پر بھی گزاریں حالانکہ ابھی بھی زبان سے وہ یہ نہیں کہتے تھے لیکن ان کے رویے میں واضح فرق تھا۔

ایک وقت تھا جب وہ صرف بولا کرتے تھے اور عملی طور پر کچھ نہیں کرتے تھے اور اب وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے مگر ان کے ہر عمل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ پوری کوشش کرتے ہیں ان دونوں کا خیال رکھنے کی۔

وہ اندر سے بدل ضرور گئے تھے مگر ان کی فطرت میں بسی ”میں“ بھی باقی تھی جو وہ اپنی بے بسی اور کوتاہیوں پر شرمندہ ضرور تھے مگر ان کی معافی مانگنے پر راضی نہیں تھے۔

رشیدہ اور نمل کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ ان کا رویہ بدل گیا ہے انہیں کوئی شوق نہیں تھا کہ وہ ان کے سامنے معذرت خواہ ہو کر کھڑے ہو جائیں بلکہ نمل تو بہت ہی خوش تھی ان میں رونما ہونے والی تبدیلی پر۔

وہ تو پہلے ہی سوچتی تھی کہ رشیدہ تیار ہوں یا نہ ہوں وہ تب ہی شادی کرے گی جب اسے ایسا کوئی شخص ملے گا جو رشیدہ کو اپنے گھر رکھنے پر رضامند ہو ورنہ وہ رشیدہ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جائے گی۔
لیکن اب عظمت خلیل کی طرف سے اسے اطمینان تھا کہ وہ رشیدہ کے لیے اتنا وقت ضرور نکال لیں گے کہ رشیدہ بالکل تیار نہیں رہ جائیں گی۔
اس لیے اس یقین کے ساتھ جب وہ خرم کے ساتھ اپنی نئی زندگی میں شامل ہوئی تو بہت پرسکون اور مطمئن تھی۔

دوسری طرف رومیہ بھی الیان کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزار رہی تھی اسی خوشی میں سنبل نے ان دونوں کو ہوٹل میں بچ بربلا یا تھا۔
جس پر خرم خوشی آنے کے لیے تیار ہونے کے باوجود سنبل سے ملنے پر شکایتی انداز میں کہنے لگا۔
”تم نے یہاں ہوٹل میں کھانے پر بلا کر اپنا پھوٹن پوری طرح ظاہر کر دیا یا گھر میں کھانا پکا کر زمر پر بلا تیں تو ایک بات بھی تھی۔“ خرم نے الیان سے مصافحہ اور ان سب سے سلام دعا کے بعد کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
”میں بھی تم دونوں کے آنے سے پہلے ہی کہہ رہا تھا اول تو ہم دونوں کو بلانے کی ضرورت ہی نہیں تھی تم تینوں سہیلیاں مل کر کہیں بھی سیلے بیوٹ کر لیتیں، لیکن اگر ہم دونوں کو بلانا اتنا ہی ضروری تھا تو گھر پر کھانا پکا لیتیں۔“
الیان کے لیے میں اعتراض نہیں تھا بلکہ شوخی کا پہلو چھپا تھا۔
سنبل نے مسکرا کر ان دونوں کے بھرے سے پھر گلا گھٹکارتے ہوئے کہنے لگی۔

”اصل میں آپ چاروں کو یہاں اس ہوٹل میں بلانے کا ایک خاص مقصد تھا یہ ہوٹل آپ چاروں کی زندگی میں خاصی اہمیت کا حامل ہے۔“ سنبل کی بات پر وہ چاروں ایک ساتھ چونک اٹھے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

”ہماری شادی اس ہوٹل میں ہوئی تھی اور کیا خاص بات ہے یہاں۔“ الیان نے حیرانی سے ان سب کی شکل دیکھی۔

”خرم اور نمل بھی پہلی بار یہیں ملے تھے نا۔“ رومیہ کے لیے میں بڑی خوشگوار حیرت تھی۔
”یہ نیبل بھی وہی ہے جس پر تم تینوں بیٹھی تھیں۔“ خرم نے بھی حیرانی سے سنبل کو دکھا جو بڑے بھرپور انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”تو کیا تم نے جان بوجھ کر یہی نیبل بک کی ہے۔“ نمل بے تحاشا حیرت کے ساتھ بولی تو سنبل مسکراتے ہوئے سراباٹ میں ہلانے لگی۔

ان سب کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھومنے لگا تھا تب ہی ان سب کے چہروں پر ایسی مسکراہٹ ابھر آئی تھی جو اچانک کوئی خوب صورت برائی بات یاد آنے پر آجاتی ہے۔

”یہ تم سب کی یاد کر کے مسکرا رہے ہو ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔“ الیان نے خاصی دلچسپی سے پوچھا تو رومیہ شوخی سے کہنے لگی۔

”بڑی لمبی کہانی ہے خاصے قلمی انداز میں ملے تھے یہ دونوں۔“
”خیر ملے تو ہم بھی قلمی انداز میں ہی تھے۔ بھلے ہی ہماری شادی کا دن تھا۔“ الیان نے زیر لب کہا جو رومیہ ہی سن سکی جو اس کے برابر میں بیٹھی تھی اس نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو روکتے ہوئے اس دن کی ساری تفصیل سنائی شروع کر دی کہ کس طرح وہ تینوں یہاں پہنچ گئے تھے اور خرم نے نمل کا پرس چر لیا تھا پھر خود ہی اس لچکی مدد کرنے بھی آگیا۔

اس وقت وہ تینوں کتنی پریشان ہو گئی تھیں جبکہ آج اس وقت کو یاد کرتے ہوئے وہ پانچوں محفوظ ہو رہے تھے البتہ خرم ایک اور یاد تازہ ہونے پر کچھ چپ سا ہو گیا تھا۔

اچانک ہی اسے خیال آیا تھا کہ یہیں اس ڈاکٹنگ ہال میں الیان اور رومیہ کی شادی والے دن وہ زویہ سے بھی ملا تھا بے شک اپنے گھر پر وہ اسے دیکھ چکا تھا، لیکن باقاعدہ ملاقات اس کی زویہ سے یہیں پہلی بار ہوئی تھی مگر اس نے وائس اس ذکر کو نہیں چھیڑا تھا۔

زویہ کے ساتھ اس کی کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی جس سے دوستی کا اس نے دعو کیا تھا اس کے مرنے کے بعد وہ اس کا دوست بنا تھا اسے زویہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس پر افسوس تھا، لیکن اس افسوس کا تذکرہ سب کے درمیان میں بیٹھ کر کرنا مناسب نہیں تھا خاص طور پر ایسی صورت میں جب اس کے مجرم عرقید کی سزا بھگت رہے تھے۔

”کیا ہوا خرم تم کس سوچ میں ڈوب گئے۔“ وہ صرف تھوڑی دیر کے لیے زویہ کا خیال آنے پر گرم سم سا ہو گیا تھا مگر نمل نے وہ بھی بھانپ لیا۔

اس کے آہستہ آواز میں پوچھنے پر خرم چونک کر اسے دیکھنے لگا وہ ہستی جو اس کو ارض پر اس کے لیے سب سے اہم تھی ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی بس ایک لمحے میں خرم اپنی ساری سوچیں جھٹکتا ہوا حال میں واپس آگیا اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے رومیہ کو خاموش کرنے لگا جو اب الیان کو بعد میں یونیورسٹی میں ہونے والے قسے سنارہی تھی۔

”بس بس۔ ماضی سے باہر نکلو اور حال کی بات کرو، ہم چاروں کے لیے یہ جگہ واقعی یادگار ہے کہ ہمیں اپنے لائف پارٹنر پہلی بار یہاں ملے تھے اور لڑکیاں ایسی باتیں یاد رکھنے میں بہت ہی ایکسپرت ہوتی ہیں بلکہ خاصی خوش فہم بھی ہوتی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے سنبل کا ہم چاروں کو یہاں بلانے کے پیچھے بھی مقصد کچھ ایسا ہی ہے۔“ خرم نے ترقی نظروں سے سنبل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب۔“ سنبل نے آنکھوں کو چند حیاتے ہوئے پوچھا۔

”بھئی یہ جگہ تمہاری دونوں دوستوں کے لیے لگی ثابت ہوئی ہے تو کہیں تم یہ سوچ کر تو یہاں آکر نہیں بیٹھ گئی ہو کہ تمہارا ہیرو بھی تمہیں یہیں مل جائے گا۔“ خرم نے بظاہر خاصی سنجیدگی سے یہ بات کہی تھی، مگر الیان رومیہ اور نمل کی ہنسی ایک ساتھ چھوٹی تھی جبکہ سنبل بری طرح ہلش ہوتے ہوئے کھسیانی آواز میں بولی۔

”جی نہیں میں نے ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔“

”اب ہنومت۔ تم نے سوچا یہاں اکیلی اگر کیسے بیٹھو گی اس لیے ان دونوں کو بھی بلالیا تاکہ تم اکیلی بیٹھی ہیرو کا انتظار کرتی ہوئی بے وقوف نہ لگو۔“ نمل اور رومیہ کا تو ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا جبکہ صرف الیان مسکراتا رہا وہ سب یونیورسٹی میں ساتھ بڑھتے تھے چنانچہ آپس میں بے تکلف تھے جبکہ الیان کو سنبل کے چہرے پر بیک وقت غصے اور شرم کے تاثرات دیکھتے ہوئے اس کا مذاق اڑانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”میں بے وقوف لگ ہی نہیں سکتی کیونکہ میں بے وقوف ہوں ہی نہیں کہ یہاں بیٹھ کر کسی ہیرو کا انتظار کر لوں۔“ سنبل تب کر رہی تھی کہ خرم کے ساتھ مل کر خود پر فستادیکہ کر شدید تاؤ آگیا تھا۔

”وہ کھو برائے کی بات نہیں ہے۔ قدرتی سی بات ہے تمہاری دوستوں کو اس جگہ پر اتنے پینڈ سم لڑکے مل گئے تو اگر تم یہ سوچو کہ تمہیں بھی۔“

”میرے پاس سوچنے کے لیے اور بہت کچھ ہے ان باتوں کے علاوہ۔ ویسے بھی میرے پیے اگر کسی نے چوری کیے تو میں نمل کی طرح رونے نہیں بیٹھ جاؤں گی آپ دونوں مرد حضرات موجود ہیں پے منٹ آپ میں سے کوئی

بھی کر دے گا کسی ہیرو کو میری مدد کرنے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سنبل نے جل کر نمل اور رو میلہ کو دیکھا جو ہنس ہنس کر ہنسی ہو گئی تھیں۔

"میں کب روٹی تھی۔" نمل ہنسی کے دوران بھی احتجاج کرنے سے باز نہ آئی۔

"مگر خرم نہیں آئے ہوتے تو تمہارے آنسو بس ٹپکنے ہی والے تھے۔" سنبل نے دانت پیسے اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا ایک خاصی دلکش آواز نے ان سب کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

"ایکسکوز می۔" ان سب نے آوازیں ستد دیکھا تو سب کی ہنسی ایک دم غائب ہو گئی۔

ان کے سامنے بلو تھری ٹیس سوٹ میں ایک خاصا ڈشنگ بندہ کھڑا تھا اگر خرم اس وقت یہ گفتگو نہ کر رہا ہوتا تو وہ سب اس طرح سکتے کی کیفیت میں گھرے نہ دیکھ رہے ہوتے مگر ابھی جو کچھ خرم نے کہا اسے سننے کے بعد وہ سب ایسے دم بخود تھے جیسے کان تو بدن میں ہو نہیں۔

"کیا یہ آپ میں سے کسی کی بالی ہے۔" اس نے ایک چھوٹی سی خوب صورت سی بالی اپنی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے ان کے آگے پھیلا دی۔

ان چاروں نے ایک ساتھ سنبل کی جانب دیکھا جو ہنق بینی بیٹھی تھی اس کے اسٹیمپ کٹ میں تراشے ہوئے بال اس کی شانوں پر کچھ اس طرح پڑے تھے کہ اس کے دونوں کان اس میں چھپ گئے تھے لہذا وہ چاروں کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکے اور سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگے۔

"یہ میری نہیں ہے تم سب لوگ مجھے کیوں دیکھ رہے ہو۔" سنبل ایک دم گڑبڑاتے ہوئے بولی تو الیان نے ایسے سر کو جھٹکا جیسے خود کو سرزنش کر رہا ہو اور بڑے مودب انداز میں کہنے لگا۔

"تو مسٹر تھینک یو سوچ یہ ان میں سے کسی کی نہیں ہے۔" الیان کی بات پر وہ کچھ دیر تو کھڑا رہا پھر جانے کے لیے پلٹ گیا مگر ابھی دو قدم ہی چلا تھا کہ پھر واپس آیا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ آپ کی بالی نہیں ہے ذرا چیک کر لیں۔" وہ سنبل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا باقی سب حیرانی سے اسے اور سنبل کو دیکھنے لگے جبکہ سنبل کچھ بگڑ کر کہنے لگی۔

"چیک کرنے کی کیا ضرورت ہے کیا میں اپنی جیوری نہیں پہچان سکتی۔" سنبل کے تیز لہجے میں کہنے کی دیر تھی کہ الیان بھی سختی سے بول پڑا۔

"مسٹر اب چلتے پھرتے نظر آئیں تو بہتر ہو گا۔"

"ایک منٹ۔" رو میلہ نے الیان کو مزید بھڑکنے سے روکتے ہوئے سنبل کو بغور دیکھا۔ "مجھے بھی یہی لگ رہا ہے کہ یہ تمہاری بالی ہے اپنے بال ہٹا کر چیک تو کر لو۔"

"رو میلہ اس انف" خرم نے دلی زبان سے سختی کے ساتھ کہا وہ سمجھ رہا تھا کہ رو میلہ مذاق کر رہی ہے مگر اس طرح ایک اجنبی کے سامنے سنبل کو پھینرنا اسے بالکل مناسب نہیں لگا۔

"یہ تم سنبل کو سمجھاؤ کہ اس انف ایک معمولی سے مذاق کی وجہ سے یہ اپنی گولڈ کی بالی لینے سے انکار کر رہی ہے۔" رو میلہ نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بالکل اچانک سنبل کے بال ایک کان سے ہٹائے تو اس کا وہ کان خالی تھا اور اس سے پہلے کہ وہ دوسری طرف کے بال سمیٹتی سنبل نے اپنے کان پر ہاتھ رکھ لیا اور بوکھلا کر بولی۔

"نہیں نہیں۔ رو میلہ میں سچ کہہ رہی ہوں یہ میرا ہیرو نہیں ہے۔"

"واٹ۔" اس نوداد کے منہ سے حیرانی کے مارے خاصی زوردار آوازیں نکلا تو سنبل تو کیا وہ سب ہی سہا گئے۔

"میرا۔" میرا مطلب ہے۔ یہ میری بالی نہیں ہے۔" سنبل سختی سے کان پر ہاتھ رکھے ہوئے گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

رو میلہ کچھ دیر اس کی شکل دیکھتی رہی پھر خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

"میرے خیال سے آپ کسی اور سے پوچھ لیں۔" ان سب ہی کو سانس سوکھ گیا تھا۔ آخر سنبل کو ہی کہنا پڑا وہ کچھ دیر سنبل کو دیکھتا رہا پھر کندھے اچکا تا واپس پلٹ گیا اس کے جانے کے بعد خرم نے بڑی سنجیدگی سے سنبل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا حماقت تھی تم اتنا اندر پریشانیوں آگئیں۔ میں مذاق کر رہا تھا تم نے سچ سچ اپنی بالی لینے سے انکار کر دیا۔" سنبل اس کے یقین سے کہنے پر اسے جھٹلانے کے لیے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ نمل بول پڑی۔

"جتنے یقین سے اس نے سنبل کو بالی چیک کرنے کا مشورہ دیا تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سنبل کے کان میں اس کی دوسری بالی دیکھ چکا ہے کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں وہ اس کی یہ دوسری بالی اسے واپس کر دے گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سنبل تب تک۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ مت جھگ کرو اسے پہلے وہ خرم بھند تھا کہ اسے ہیرو ملنے والا ہے یہ بے چاری اتنا گھبرا گئی کہ اس کے سامنے ہی بول پڑی اب تم بھند ہو کہ وہ دوبارہ ملے گا اور اس کی بالی ضرور لوٹائے گا کیا تم دونوں بھی نوسیہ کی طرح فوج پر دیکھنے لگے ہو۔" سنبل کو جھٹلا تا دیکھ کر الیان نے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے ہو بھی سکتا ہے۔ یہ دونوں نوسیہ کے گھرے میں رہتے ہیں کہیں شائستہ خالہ انہیں بھی تو نظر نہیں آنے لگیں۔" رو میلہ نے پراسرار سے انداز میں کہا سنبل بے اختیار کان سے ہاتھ ہٹا کر اجنبی سے بولی۔

"کیا واقعی؟" اس کے نہایت خوف زدہ انداز میں پوچھ گئے پوچھا سوال پر خرم اور نمل کے چروں پر مسکراہٹ ابھر آئی تو وہ سوالیہ انداز میں الیان اور رو میلہ کو دیکھنے لگی مگر اسے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ دونوں بھی چونکنے کی بجائے مسکرانے لگے تھے۔

"آپ سب مسکرا کیوں رہے ہیں شائستہ خالہ کی روح تو تھی ہی نہیں پھر تم دونوں کو کیسے نظر آنے لگی۔" وہ واقعی اچھ گئی تھی مگر اس کی بات کے جواب میں وہ چاروں ہنس پڑے اور ہنستے چلے گئے۔

سنبل کچھ دیر تو ہنق بینی انہیں دیکھتی رہی پھر جیسے سارا ماجرا ایک دم اس کی سمجھ میں آ گیا اس کے کان پر سے ہاتھ ہٹاتے ہی اس کے بال کندھے سے پیچھے چلے گئے تھے اور اس کی وہ بالی جس میں چھوٹے چھوٹے سفید رنگ خوب صورتی سے لگے ہوئے تھے دور سے ہی چمک رہے تھے اور بالی کو نمایاں کر رہے تھے۔

سنبل کھیا نے انداز میں اوپر اوپر دیکھنے لگی تو بے اختیار اس کی نظر دور ایک ٹیبل پر اس شخص پر پڑ گئی جو اس کی دوسری بالی لے کر آیا تھا۔ وہ ٹیبل پر اکیلا بیٹھا تھا شاید آفس سے اٹھ کر سالانہ کے لیے آیا تھا کم از کم حلے سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا اور وہ دور بیٹھا سنبل کو ایسے ہی دیکھ رہا تھا جیسے اس کے کان میں چمکتی بالی اسے وہاں سے بھی نظر آ رہی ہو۔

سنبل کا دل چاہا ٹیبل پر رکھے سارے چمچے کانٹے اور چھریاں اس کے منہ پر بیس سے کھینچ مارے مگر خود پر ضبط کیے وہ زبردستی ان لوگوں کے ساتھ مسکرانے لگی۔ الیان تو پھر بھی ہنس کر اب خاموش ہو گیا تھا۔ خرم بھی اب صرف مسکرانے پر اکتفا کر رہا تھا بس نمل اور رو میلہ سے ہی ہنسی کسی طور پر نہیں رک رہی تھی وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور ان کی قابو میں آتی ہنسی پھیل پڑتی۔

زندگی کسی بوجھ اور تفکرات سے آزاد ہو محبت اور اپنوں کا ساتھ ہو تو خوشی ایسے ہی کھلکھلاتی ہے اور فضا ایسے ہی مسکراتی ہے۔